

عام فہم اردو تفسیر

علاء الدین

فی کشف اسرار القرآن

بداول

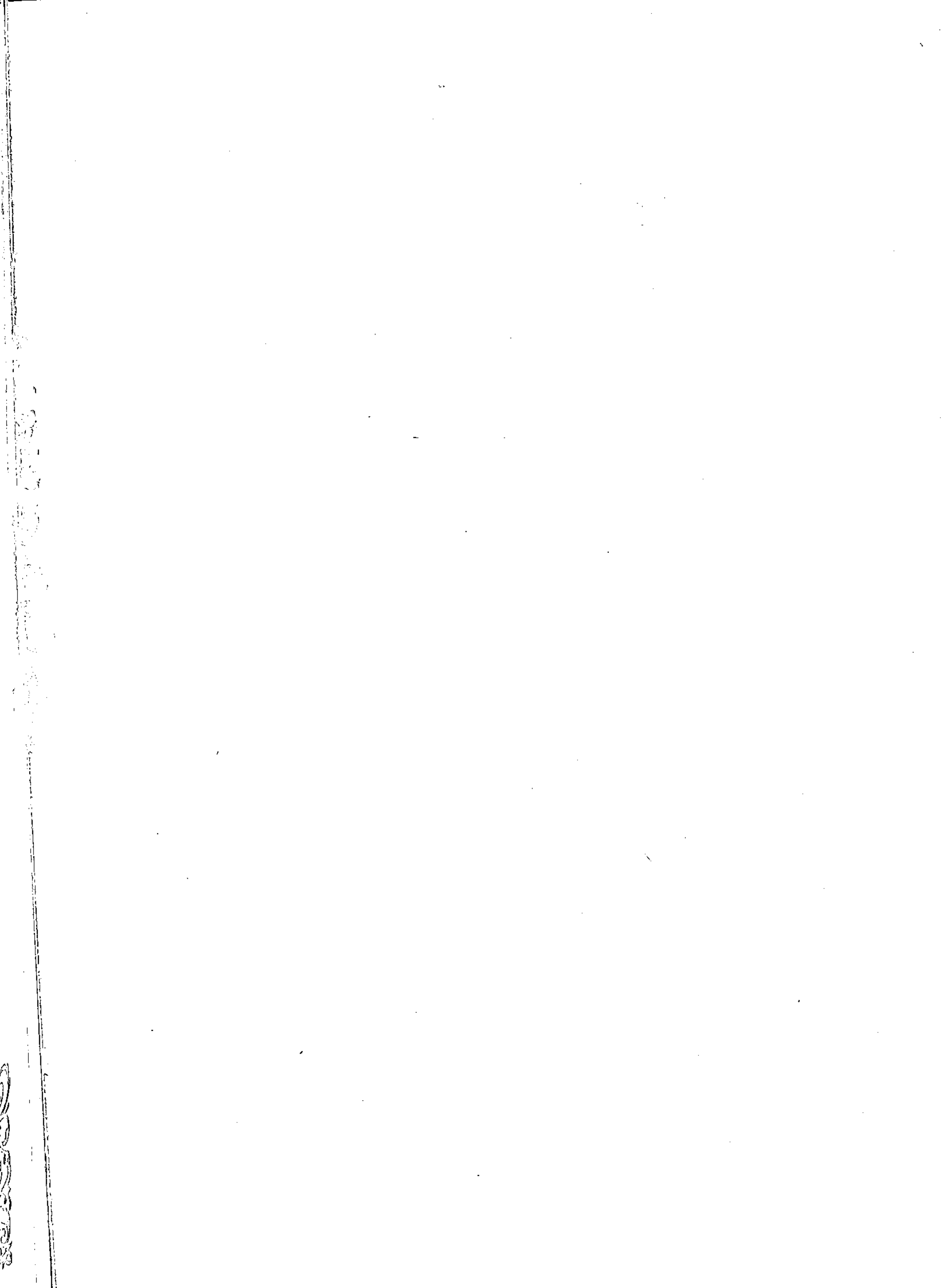
سورة الفاتحة تا سورة المائدة

محقق اسم

حضرت مولانا مفتی محمد شمس الدین صاحب مدنی

عبد اللہ کبیر

الحکم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور



عام فہم اردو تفسیر

القرآن الکریم

فی کشف اسرار القرآن

بد اول

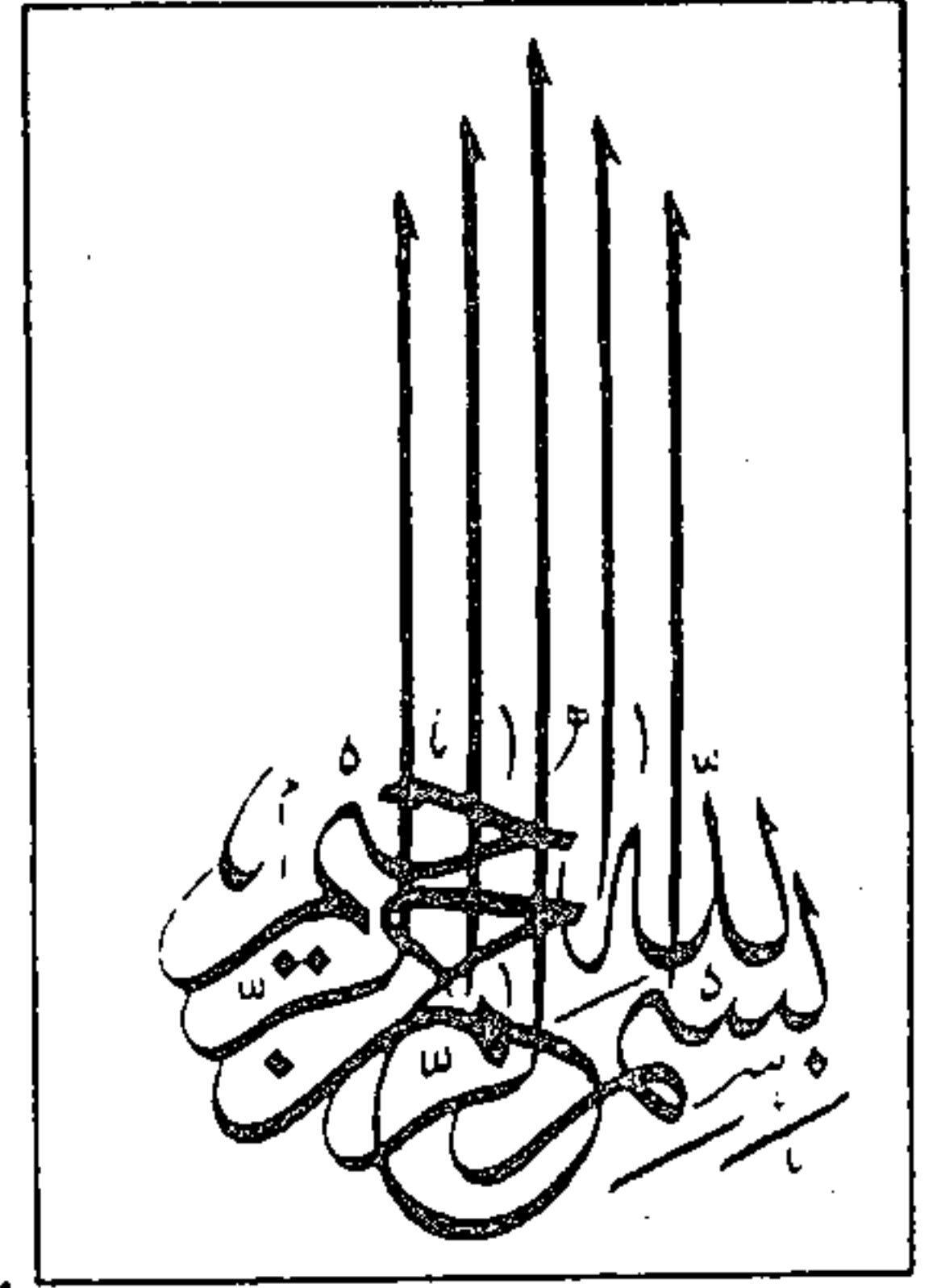
سورۃ الفاتحۃ تا سورۃ الباعثہ

محقق العصر
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدنی، علیہ الرحمہ، جہان آباد، لاہور

عبد اللہ کمالی

الکریم مارکیٹ - اردو بازار، لاہور

✓
297-16
ع 17
۱۳۷۲
جلد اول



اللہ کے نام شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

جملہ حقوق کمپوزنگ محفوظ ہیں

تفسیر انوار البیان (جلد اول) (سورۃ فاتحہ تا سورۃ المائدہ)	نام کتاب
مفتی محمد عاشق الہی بلند شہری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>	مصنف
عرفان الحسن خالد، مفتی عبدالرؤف، مولانا سیف اللہ خالد	پروف ریڈنگ
عبداللہ جہانگیر	ناشر
سلمان منیر	اہتمام
2011ء	سن اشاعت
آر۔ آر۔ پرنٹرز، لاہور	پرنٹرز
روپے	قیمت

استدعاء

پروردگارِ عالم کے فضل و کرم اور مہربانی سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا نشاندہی کے لیے ہم آپ کے بے حد مشکور ہوں گے۔ شکریہ۔ (ناشر)

فہرست مضامین

انوار البیان (جلد اول)

۴۲	منافقوں کے بارے میں دو اہم مثالیں	۲۳	عرض مدعا
۴۳	دعوت توحید اور دلائل توحید	۲۴	سورۃ فاتحہ کے اسماء اور فضائل
۴۵	رسالت محمدیہ ﷺ کی دلیل اور قرآن پاک کا اعجاز	۲۶	تعوذ اور تسمیہ کا بیان
۴۶	قرآن کے مقابلہ سے ہمیشہ عاجز رہیں گے	۲۶	سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں
۴۷	اہل ایمان کو جنت کی بشارت	۲۷	رَبِّ الْعَالَمِينَ کا معنی اور مطلب
	قرآنی مثالوں سے مؤمنین کا ایمان پختہ ہونا اور منکرین کا بے جا	۲۸	الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
۴۹	اعتراض کرنا	۲۸	مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ
۴۹	قرآنی مثالیں فاسقوں کے لیے گمراہی کا سبب ہیں	۲۸	معبود اور مستعان صرف اللہ کی ذات ہے
۵۰	فاسقوں کے اوصاف	۲۹	صراط مستقیم کی دعا
۵۱	مکرر دعوت توحید	۳۰	صراط مستقیم والے کون حضرات ہیں
۵۲	ارض و سماء کی تخلیق کا بیان	۳۰	منغوب علیہم اور ضالین کے راستہ سے بچنے کی دعاء
۵۳	حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا اعلان اور فرشتوں کی معروض	۳۱	آمین
۵۴	حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے نام بتا کر فرشتوں سے سوال فرمانا	۳۲	سورۃ فاتحہ شفا ہے
۵۵	فرشتوں کا عجز اور اقرار	۳۳	رات کو حفاظت کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنا
۵۵	حضرت آدم علیہ السلام کا علم و فضل ظاہر ہونا		سورۃ البقرۃ
۵۶	فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اور ابلیس کا انکار ہونا	۳۴	فضائل سورہ بقرہ
۵۶	سجدہ تعظیمی کی بحث اور اس کا حکم	۳۵	حروف مقطعات کی بحث
۵۷	ابلیس کی بدتمیزی اور بدبختی	۳۵	قرآن مجید بلا ریب اللہ کی کتاب ہے
۵۸	ابلیس کی بنی آدم سے دشمنی	۳۶	قرآن مجید متقیوں کیلئے ہدایت ہے
	حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جنت میں رہنے کا حکم اور ایک	۳۶	متقین کی صفات
۵۸	خاص درخت سے بچنے کی ہدایت	۳۷	کافروں کی گمراہی اور آخرت میں بد حالی
۵۹	حضرت آدم علیہ السلام و حواء کو شیطان کا بہکانا اور جنت سے نکالا جانا	۳۷	منافقین کی تاریخ اور نفاق کے اسباب
۶۰	حضرت آدم علیہ السلام کا توبہ کرنا اور توبہ قبول ہونا	۳۸	منافقوں کے دعوے اور ان کا طریق کار
	ہدایت قبول کرنے والوں کیلئے انعام اور کافروں کیلئے دوزخ کا	۳۹	منافقین نے ہدایت کے بدلہ گمراہی خرید لی
۶۱	داخلہ	۴۱	

۷۷	قیامت کے دن نفسا نفسی	۶۲	فوائد ضروریہ متعلقہ واقعہ حضرت آدم علیہ السلام
۷۸	جن کی شفاعت کی اجازت ہوگی وہی سفارش کر سکیں گے	۶۲	انسان کو خلافت ارضی کے لیے پیدا فرمایا
۷۸	مصر میں بنی اسرائیل کی مظلومیت	۶۳	علم بہت بڑی دولت ہے
۷۹	بنی اسرائیل کا سمندر پار کر کے نجات پانا اور آل فرعون کا غرق	۶۳	جو علم میں بڑھ کر ہو اس کی برتری تسلیم کرنی چاہیے
۸۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر جانا اور بنی اسرائیل کا پچھڑے کی عبادت کرنا	۶۳	توبہ کی اہمیت اور ضرورت
۸۰	سامری سنار کا زیورات سے پچھڑا بنانا اور بنی اسرائیل کا اس کو معبود بنا لینا	۶۴	تکبر بری بلا ہے
۸۱	سامری کو بددعا اور پچھڑے کا انجام	۶۵	گناہوں کی وجہ سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں
۸۱	توریت شریف عطا فرمانے کا انعام	۶۵	شرم اور حیا انسان کا فطری وصف ہے
۸۱	گنو سالہ پرستی کرنے والوں کی توبہ اور اس بارے میں جانوں کو قتل کرنا	۶۶	ہدایت قبول کرنے پر انعام
۸۲	بنی اسرائیل کی بیجا جسارت اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا سوال	۶۷	بنی اسرائیل کا تعارف
۸۲	میدان تیبہ میں بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ کرنا اور من و سلویٰ نازل ہونا	۶۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن اور اولاد
۸۳	من	۶۸	بنی اسرائیل مصر میں
۸۳	سلوئی	۶۸	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور دعوت
۸۳	ایک بستی میں خشوع کے ساتھ داخل ہونے کا حکم اور بنی اسرائیل کی شرارت اور اس پر عذاب آنا	۶۸	بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا
۸۴	میدان تیبہ میں بنی اسرائیل کے لیے پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹنا	۶۸	مصر سے نکل کر چالیس سال میں وطن پہنچے
۸۴	بنی اسرائیل کا کہنا کہ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے، ہمیں پیاز، لہسن چاہئے!	۶۸	یہودی مدینہ میں کب آئے؟
۸۴	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناراضگی	۶۹	اوس و خزرج کا مدینہ میں آکر آباد ہونا
۸۴	یہودیوں پر ذلت اور مسکنت ماردی گئی	۶۹	یہود کے قبیلوں اور اوس و خزرج میں لڑائیاں
۸۸	یہود نے انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا اس لیے غضب الہی کے مستحق ہو گئے	۶۹	اوس و خزرج کا اسلام قبول کرنا
۸۸	یہودیوں کی حکومت سے متعلق ایک سوال	۷۰	ہجرت مدینہ
۸۹	صرف ایمان اور عمل صالح ہی مدار نجات ہے	۷۰	یہودیوں کا عناد اور قبول حق سے انحراف
۸۹	خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ	۷۰	بنی اسرائیل کو انعامات کی یاد دہانی
۹۰	وحدت ادیان کا فتنہ اور اس کی تردید	۷۱	بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے کی دعوت
۹۰	یہود کی وجہ تسمیہ	۷۲	حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ اور حق کو مت چھپاؤ
		۷۳	نماز اور زکوٰۃ کا حکم
		۷۴	مبلغ اور داعی اپنے نفس کو نہ بھولے
		۷۴	بے عمل واعظوں کی سزا
		۷۵	صبر اور صلوة کے ذریعہ مدد حاصل کرو
		۷۶	نماز کی اہمیت
		۷۶	خشوع کی ضرورت
		۷۶	خشوع والے کون ہیں؟

۱۱۴	یہودیوں کا کفریہ قول کہ جبرائیل ہمارا دشمن ہے	۹۰	النصاری
۱۱۵	آیات بینات کا انکار فاسقوں ہی کا کام ہے	۹۰	الصائبین
۱۱۵	یہودیوں کی ایک جماعت ہر عہد کی خلاف ورزی کرتی رہی ہے	۹۱	بنی اسرائیل سے پختہ عہد لینا پھر ان کا منحرف ہو جانا
۱۱۵	اہل کتاب نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا	۹۲	یہودیوں کا سنیچر کے دن میں زیادتی کرنا اور بندر بنا دیا جانا
۱۱۶	بابل میں جادو گروں کا زور اور یہود کا جادو کے پیچھے لگنا	۹۴	رضخ بقرہ کا قصہ، یہود کی کج بحثی
۱۱۷	ہاروت ماروت کے ذریعہ امتحان	۹۶	مردہ زندہ ہونے کا ایک واقعہ اور قصہ سابقہ کا مکملہ
۱۱۸	جادو کے بعض اثرات	۹۷	یہودیوں کی قلبی تساوت کا تذکرہ
۱۱۸	جادو کا اثر باذن اللہ ہوتا ہے	۹۸	امت محمدیہ ﷺ کو حکم کہ قاسی القلب نہ بنیں
۱۱۹	جادو کے اسباب خفیہ	۹۹	غیر ذی روح میں حیات ہے سب چیزیں اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتی ہیں
۱۱۹	سحرہ فرعون کا عمل	۹۹	یہودیوں میں عناد ہے ان سے ایمان قبول کرنے کی امید نہ رکھی جائے
۱۲۰	معجزہ اور سحر میں فرق	۱۰۰	یہودیوں کی منافقت
۱۲۰	کرامت اور سحر میں فرق	۱۰۱	یہودیوں کی جھوٹی آرزوئیں
۱۲۱	سحر فسق بھی ہے اور کفر بھی	۱۰۲	علمائے یہود کا غلط مسائل بتانا اور رشوت لینا
۱۲۳	راعنا کہنے کی ممانعت اور یہود کی شرارت	۱۰۲	یہود کی جھوٹی خوش گمانی کہ دوزخ میں صرف چند دن کے لیے جائیں گے
۱۲۴	لَا تَقُولُوا رَاعِنَا سے استنباط احکام	۱۰۳	دور حاضر کے کافروں کی خوش گمانی
۱۲۵	یہودیوں اور مشرکوں کو یہ گوارا نہیں کہ مسلمانوں پر کوئی خیر نازل	۱۰۴	اصحاب الجنۃ کون ہیں اور اصحاب النار کون ہیں؟
۱۲۵	سخ آیات کی حکمت	۱۰۵	بنی اسرائیل سے عہد و پیمان اور ان کا انحراف
۱۲۷	بے جا سوالات کی ممانعت	۱۰۶	یہودیوں کی ایک خاص خلاف ورزی کا تذکرہ
۱۲۸	کفار چاہتے ہیں کہ تمہیں کافر بنا لیں	۱۰۷	مسلمانوں کی تنبیہ جو پورے دین پر عمل کرنے کو تیار نہیں!
۱۲۹	یہود و نصاریٰ کا قول کہ جنت میں ہم ہی جائیں گے اور تردید	۱۰۷	یہودی بعض نبیوں کی صرف تکذیب کرتے تھے اور بعض کو قتل کر دیتے تھے
۱۳۰	عند اللہ جنتی کون ہے	۱۰۷	یہودیوں کا کہنا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں، اور اس کی تردید
۱۳۱	یہود و نصاریٰ کا آپس میں نزاع اور ان کی باتوں کی تردید	۱۰۸	یہودیوں نے جانتے بوجھتے ہوئے عناد اور ضد کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا
۱۳۲	اللہ کی مسجدوں میں ذکر سے روکنا بہت بڑا ظلم ہے	۱۰۹	یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم توریت کے علاوہ کسی کتاب کو نہیں مانتے، اور اس پر ان سے سوال
۱۳۳	جدھر رخ کرو ادھر اللہ کا رخ ہے	۱۱۱	یہودیوں سے عہد و پیمان اور ان کے دلوں میں پچھڑے کی محبت
۱۳۴	جہت قبلہ کا قانون	۱۱۳	یہودیوں کو دعوت مباہلہ کہ موت کی تمنا کریں
۱۳۵	قبلہ کے مسائل		
۱۳۵	حکمت تعیین قبلہ		
۱۳۶	اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنے والوں کی گمراہی		
۱۳۷	اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی حلیم نہیں		
۱۳۸	جاہلوں کی باتیں کہ اللہ ہم سے بات کیوں نہیں کرتا؟		
۱۳۹	حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بشیر و نذیر بنا کر بھیجے گئے		

۱۶۲	اللہ کے تمام نبیوں اور تمام کتابوں پر ایمان لانے کا حکم	۱۴۰	یہود و نصاریٰ راضی نہیں ہو سکتے جب تک ان کے دین کا اتباع نہ کیا جائے
۱۶۳	اگر دشمنان دین اسلام نہ لائیں تو وہ مخالفت ہی پر تلے ہوئے	۱۴۱	مسلمانوں کو تنبیہ جن کو کتاب ملی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کا حق ہے
۱۶۳	ہم کو اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے	۱۴۲	بنی اسرائیل کو نعمتوں کی مکرر یاد دہانی
۱۶۴	اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے	۱۴۳	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آزمائشوں میں پورا اترنا اور ان کی امامت کا اعلان فرمانا
۱۶۵	یہود و نصاریٰ کے اس قول کی تردید کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب یہودی یا نصرانی تھے	۱۴۳	کلمات کی تشریح اور توضیح جن کے ذریعہ آزمایا گیا
۱۶۵	نسب پر غرور کرنے والوں کو تنبیہ	۱۴۵	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت
۱۶۶	تحویل قبلہ پر بیوقوفوں کا اعتراض اور ان کا جواب	۱۴۶	کعبہ شریف کو مرجع اور جائے امن بنایا
۱۶۷	امت محمدیہ ساری امتوں سے افضل ہے	۱۴۷	بیت اللہ کو پاک کرنے کا حکم
۱۶۷	دوسری امتوں کے مقابلہ میں اس امت کی گواہی اور اس پر فیصلے	۱۴۸	طواف کا ثواب
۱۶۸	امت محمدیہ ﷺ کی آپس میں گواہی پر بخشش کے فیصلے	۱۴۸	مسجد حرام میں نماز کا ثواب
۱۶۸	امت محمدیہ کا اعتدال اور لفظ وسطا کی تشریح	۱۴۸	اہل مکہ کے لیے حضرات ابراہیم علیہ السلام کی دعا
۱۶۹	تحویل قبلہ امتحان کے لیے ہے	۱۴۹	مکہ معظمہ میں دنیا بھر کے پھل
۱۷۰	قبلہ اولیٰ کی طرف جو نمازیں پڑھی گئیں ان کا ثواب ضائع نہیں	۱۴۹	مدینہ منورہ کے لیے سید المرسلین ﷺ کی دعا
۱۷۱	کعبہ شریف کی طرف رخ کرنے کا حکم اور آنحضرت ﷺ کو شدت سے اس کا انتظار	۱۵۰	حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہ السلام کا کعبہ شریف تعمیر کرنا
۱۷۱	جہت قبلہ سے تھوڑا سا انحراف مفسد صلوٰۃ نہیں ہے	۱۵۱	امت مسلمہ کے لیے دعا اور اس کی قبولیت
۱۷۲	کعبہ شریف کو قبلہ بنانے میں حکمت	۱۵۱	مناسک حج جاننے کے لیے دعا
۱۷۲	یہود و نصاریٰ کی ضد اور عناد کا مزید تذکرہ	۱۵۲	اہل مکہ میں سے ایک رسول بھیجنے کی درخواست اور مقبولیت
۱۷۳	اہل کتاب رسول اللہ (ﷺ) کو پہچانتے ہیں اور حق چھپاتے	۱۵۳	جس رسول کے آنے کی دعا کی اس کی صفات
۱۷۴	ہر ملت کا قبلہ الگ الگ ہے	۱۵۳	تلاوت کتاب
۱۷۵	دنیا میں جہاں بھی ہوں مسجد حرام کی طرف رخ کر کے نماز	۱۵۴	تلاوت قرآن کے فضائل
۱۷۵	قبلہ بدلنے پر یہودیوں کی حجت ختم ہو گئی	۱۵۴	کتاب اور حکمت کی تعلیم
۱۷۶	اہل ایمان کے لیے تکمیل نعمت	۱۵۵	ترکیہ نفوس
۱۷۶	فَاذْكُرُونِي اذْكُرْكُمْ کی تفسیر	۱۵۶	ملت ابراہیمی سے وہی اعراض کرے گا جو احمق ہو
۱۷۷	ذکر اللہ کے فضائل	۱۵۷	اسلام کا معنی اور مفہوم
۱۷۷	شکر کی فضیلت اور اہمیت	۱۵۹	دین اسلام کے علاوہ ہر دین مردود ہے
۱۷۸	صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ مدد مانگنے کا حکم	۱۶۰	ملت ابراہیمی کی وصیت
۱۷۸	صبر کی فضیلت اور اہمیت	۱۶۱	یہودیوں کے اس غرور کا جواب کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں
۱۷۹	دفع مصائب کے لیے نماز		
۱۸۰	شہداء کے فضائل		

۲۰۲	اور اس وقت ان کی پشیمانی ہونا	۱۸۱	حقوق العباد کے علاوہ شہید کا سب کچھ معاف ہے
۲۰۳	حلال کھانے اور شیطان کے اتباع سے پرہیز کرنے کا حکم	۱۸۱	جہاد میں اخلاص کی ضرورت
۲۰۴	تحلیل و تحریم کا حق صرف اللہ ہی کو ہے	۱۸۲	وطنی اور قومی جنگ میں قتل ہونے والے شہید نہیں ہیں
۲۰۴	باپ دادا سے ہدایت پر نہ ہوں تو ان کا اتباع اور اقتداء باعث ہلاکت ہے	۱۸۲	مختلف طریقوں سے آزمائش ہوگی
۲۰۴	کافروں کی ایک مثال	۱۸۳	مومن بندوں کو مصائب کا فائدہ
۲۰۵	کافر بہرے، گونگے، اندھے ہیں	۱۸۴	صابرین کی ایک خاص صفت
۲۰۵	حلال کھانے اور شکر ادا کرنے کا حکم	۱۸۵	صَلَوَاتٌ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ
۲۰۶	حرام کھانے کا وبال	۱۸۵	صبر سے متعلق چند فوائد
۲۰۶	حرام کی کمائی کی چند صورتیں	۱۸۸	حج و عمرہ میں صفامروہ کے درمیان سعی کرنے کی مشروعیت اور اس کی ابتداء
۲۰۷	حرام مال کا وبال	۱۸۹	زمانہ جاہلیت میں صفامروہ کی سعی
۲۰۸	محرمات کا اجمالی بیان اور اضطرار کا حکم	۱۹۰	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی جواب
۲۰۹	کتاب اللہ کی تحریف کرنے والوں کا انجام	۱۹۰	سعی کے مسائل
۲۱۰	اعمال حسنة اور اخلاق عالیہ کا بیان	۱۹۱	حق چھپانے والوں کی سزا
۲۱۰	اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنا	۱۹۲	حق چھپانے اور گمراہ کرنے والوں کی توبہ کی شرائط
۲۱۱	افضل الصدقة	۱۹۳	فائدہ اولیٰ
۲۱۱	رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت	۱۹۳	فائدہ ثانیہ
۲۱۱	یتیموں پر مال خرچ کرنے کی فضیلت	۱۹۴	کفر پر مرنے والوں پر لعنت اور عذاب
۲۱۲	مساکین پر مال خرچ کرنا	۱۹۵	لعنت کرنے سے متعلقہ مسائل
۲۱۲	مسافر پر مال خرچ کرنا	۱۹۶	معبود حقیقی ایک ہی ہے
۲۱۲	سوال کرنے والوں کو دینے کا حکم	۱۹۶	توحید کے دلائل کا بیان
۲۱۲	بھیک مانگنے کا پیشہ اختیار کرنے کی ممانعت	۱۹۷	آسمان وزمین کی تخلیق
۲۱۳	غلاموں کی آزادی میں مال خرچ کرنا	۱۹۷	رات دن کا آنا جانا
۲۱۳	نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا	۱۹۸	سمندروں میں جہازوں کا چلنا
۲۱۳	عہد پورا کرنا	۱۹۸	بارش کا نازل فرمانا
۲۱۴	صابرین کی فضیلت	۱۹۹	جانوروں کا پیدا فرمانا اور زمین میں پھیلانا
۲۱۵	قصاص اور دیت کے بعض احکام	۱۹۹	ہواؤں کو مختلف رخوں پر چلانا
۲۱۶	قصاص وارثوں کا حق ہے	۲۰۰	بادلوں کی تسخیر
۲۱۶	قصاص کے عوض مال لینے کی مشروعیت امت محمدیہ کے لیے تخفیف اور رحمت ہے	۲۰۱	مشرکین کی باطل معبودوں سے محبت اور اس پر سخت عذاب
۲۱۷	قانون قصاص میں بڑی زندگی ہے	۲۰۱	اہل ایمان کو اللہ سے سب سے زیادہ محبت ہے
			قیامت کے دن متبوعین کا اپنے ماننے والوں سے بیزاری ظاہر کرنا

۲۳۶	روزانہ نفل روزہ رکھنا محمود نہیں	۲۱۷	قصاص عین عدل ہے، اس کو ظلم کہنا ظلم ہے
۲۳۶	افضل الصیام	۲۱۷	قصاص یا دیت معاف کرنا سربراہ مملکت کے اختیار میں نہیں
۲۳۶	حدود اللہ سے آگے بڑھنے کی ممانعت	۲۱۸	وصیت کے احکام
۲۳۷	باطل طریقوں سے مال کھانے کی ممانعت	۲۱۸	وصیت نافذ کرنے سے پہلے قرضے ادا کیے جائیں گے
۲۳۷	حاکم کے فیصلہ کر دینے سے کسی کا مال حلال نہیں ہو جاتا	۲۱۹	حج بدل کی وصیت
۲۳۸	چاند میں کمی بیشی کیوں ہوتی ہے	۲۱۹	گناہ کی وصیت کرنا گناہ ہے
۲۳۸	شریعت اسلامیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے	۲۱۹	وارثوں کے لیے مال چھوڑنا بھی ثواب ہے
۲۳۸	دینی امور کو قمری مہینوں سے متعلق کرنے میں آسانی ہے	۲۱۹	وصیت میں دیر نہ کی جائے
۲۳۹	گھروں میں دروازوں سے آنے کا حکم	۲۲۰	وصیت کو بدلنے کا گناہ
۲۴۰	اپنی طرف سے کسی کام میں ثواب یا گناہ سمجھ لینا بدعت ہے	۲۲۱	رمضان کے روزوں کی فرضیت اور ان کے ضروری احکام
۲۴۰	علامہ جصاص کا ایک استنباط	۲۲۱	روزہ سے صفت تقویٰ پیدا ہوتی ہے
۲۴۰	اللہ کی راہ میں قتال کرنے کا حکم اور ظلم و زیادتی سے پرہیز کرنے کی تاکید	۲۲۳	روزوں کے احکام میں تین انقلاب
۲۴۱	فتنہ گری قتل سے زیادہ سخت ہے	۲۲۵	قرآن مجید رمضان المبارک میں نازل کیا گیا
۲۴۱	دفاع کے لیے قتال کرنا	۲۲۵	مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت اور بعد میں قضا رکھنے کا حکم
۲۴۲	قتال کب تک ہونا چاہئے	۲۲۷	حاملہ اور مرضہ کے لیے رخصت
۲۴۲	قتال کرنے میں کیا نیت ہو؟	۲۲۷	حیض اور نفاس والی عورت کا حکم
۲۴۲	فتنوں کو دبانے کے لیے جنگ کرنا	۲۲۷	اللہ نے دین میں آسانی رکھی ہے
۲۴۳	جو مشرک اسلام قبول کر لیں ان کو قتل کرنا جائز نہیں	۲۲۸	دعا کی فضیلت اور آداب
۲۴۴	مشرکین کی زیادتی کا جواب	۲۳۰	تکملہ احکام صیام
۲۴۴	اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے	۲۳۱	زن و شوہر کے تعلقات کا لطیف انداز میں بیان
۲۴۵	اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت	۲۳۲	ابتغائے اولاد کا حکم
۲۴۵	جہاد کی اہمیت اور ضرورت	۲۳۲	صبح صادق تک کھانے پینے کی اجازت
۲۴۶	صفت احسان اختیار کرنے کا حکم	۲۳۳	اعتکاف کے فضائل اور مسائل
۲۴۶	حج اور عمرہ کے احکام	۲۳۳	نفل روزوں کا بیان
۲۴۷	حج نہ کرنے پر وعید	۲۳۴	شش عید کے روزے
۲۴۷	احرام کے ممنوعات	۲۳۴	پیر اور جمعرات کا روزہ
۲۴۷	احصار کے احکام	۲۳۴	ایام بیض کے روزے
۲۴۸	حج و عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد پورا کرنا لازم ہے	۲۳۴	عاشوراء کا روزہ
۲۴۸	احصار زائل ہو جانے کے بعد	۲۳۵	عشرہ ذی الحجہ کے روزے
۲۴۹	فائت الحج کا حکم	۲۳۵	سال بھر میں پانچ دن ایسے ہیں جن میں روزہ رکھنا حرام ہے

۲۶۹	کن مواقع میں مال خرچ کیا جائے	۲۴۹	عذر کی وجہ سے ارتکاب جنایت کا حکم
۲۷۰	جہاد کی فرضیت اور ترغیب	۲۵۰	تمتع اور قرآن کا بیان
۲۷۱	جہاد کے بعض احکام	۲۵۰	تمتع اور قارن پر قربانی واجب ہے
۲۷۲	مجاہدین کے فضائل	۲۵۱	تمتع اور قرآن کی قربانی کا بدل
۲۷۳	جہاد میں مال خرچ کرنے کا ثواب	۲۵۲	حج کے مہینوں کا تذکرہ اور حج کے بعض احکام
۲۷۳	جہاد پر دشمنان اسلام کا اعتراض اور اس کا جواب	۲۵۲	حج میں گناہ سے بچنے کی تاکید
۲۷۴	ممکن ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو	۲۵۳	لڑائی جھگڑے سے بچنے کا حکم
۲۷۵	اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روکنا اور فتنہ پردازی کرنا جرم کے اعتبار سے قتل سے بڑھ کر ہے	۲۵۳	جو بھی خیر کا کام کرو اللہ کو معلوم ہے
۲۷۶	مرتد کے احکام	۲۵۳	مخلوق سے سوال کرنے کی ممانعت
۲۷۷	لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کے عموم میں مرتد شامل نہیں	۲۵۳	حج میں خرید و فروخت کی اجازت اور مشعر حرام میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم
۲۷۸	شراب اور جوئے کی حرمت	۲۵۷	ایام منیٰ میں ذکر اللہ میں مشغول ہونے کا حکم
۲۷۹	فی سبیل اللہ کیا خرچ کریں؟	۲۵۸	ایام تشریق میں ذکر اللہ اور رومی جمار کی مشغولیت
۲۸۰	مشرک مردوں اور عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت	۲۵۸	رمی جمار کے بعض مسائل
۲۸۲	حیض والی عورت سے متعلقہ احکام	۲۵۹	۱۳ ذی الحجہ کی رمی چھوڑ دینا جائز ہے
۲۸۳	وطی فی الدبر کی حرمت اور یہود کی ایک بات کی تردید	۲۶۰	میٹھی باتیں کرنیوالے منافقوں اور مفسدوں کا تذکرہ
۲۸۵	اپنی قسموں کو نیکی اور تقویٰ سے بچنے کا ذریعہ نہ بناؤ	۲۶۰	اخس بن شریق کی حرکت
۲۸۶	قسموں کی قسموں کا بیان اور ان کے احکام	۲۶۱	جھگڑالو اور چرب زبان کی مذمت
۲۸۶	بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کا بیان	۲۶۱	تکبر کی مذمت
۲۸۸	مطلقہ عورتوں کی عدت کا بیان	۲۶۲	تکبر کیا ہے؟
۲۹۰	اسلام میں عورت کی حیثیت	۲۶۲	اللہ کی رضا کے لیے جان و مال خرچ کرنے والوں کی فضیلت
۲۹۰	یورپین اقوام میں عورت کی بے آبروی	۲۶۳	اسلام میں پورے طور پر داخل ہونے کا حکم
۲۹۱	مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے	۲۶۳	زندگی کے تمام شعبوں میں ہر شخص اسلام کے احکام کا پابند ہے
۲۹۲	طلاق اور خلع کے چند احکام	۲۶۴	اصحاب حکومت کی بے راہی
۲۹۳	مطلقہ عورتوں کو ضرر پہنچانے کی ممانعت	۲۶۵	حق قبول نہ کرنے پر وعید
۲۹۵	اللہ کی آیات کا مذاق بنانے کی ممانعت	۲۶۵	بنی اسرائیل کی ناشکری اور اس پر عذاب
۲۹۵	اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو	۲۶۶	کافروں کے لیے دنیا کا مزین ہونا، ان کا ایمان والوں پر ہنسنا
۲۹۷	مطلقہ عورتیں سابقہ شوہروں سے نکاح کرنا چاہیں تو اس میں رکاوٹ نہ ڈالیں	۲۶۷	سارے انسان امت واحدہ تھے، حق واضح ہونے کے بعد عناد اور ضد کی وجہ سے مختلف فرقے ہو گئے
۲۹۸	بچوں کو دودھ پلانے کے احکام	۲۶۸	مصائب میں مسلمانوں کو صبر کی تلقین اور امم سابقہ کے مسلمانوں سے عبرت حاصل کرنے کی تعلیم
۲۹۹	ماں کو یا باپ کو اولاد کی وجہ سے ضرر نہ دیا جائے		

۳۳۳	صدقات کو ظاہر کر کے یا پوشیدہ طریقہ پر دینا	۲۹۹	باپ نہ ہو تو وارث ذمہ دار ہے
۳۳۴	جو کچھ بھی اچھا مال خرچ کرو گے اس کا بدلہ تمہیں مل جائے گا	۳۰۰	دو سال سے پہلے بھی باہمی مشورہ سے دودھ چھڑا سکتے ہیں
۳۳۵	فی سبیل اللہ کام کرنے والوں پر خرچ کرنے کا حکم	۳۰۰	اجرت پر دودھ پلوانے کے مسائل
۳۳۷	رات دن مال خرچ کرنے والوں کی فضیلت اور منقبت	۳۰۱	شوہر کی موت پر عدت گزارنے کے احکام
۳۳۷	سود خوروں کی مذمت	۳۰۲	یہ عورتوں کو صریح پیغام نکاح دینے کی ممانعت
۳۳۹	صدقات کی برکات اور سود کی بربادی	۳۰۲	مہر اور متعہ کے احکام
۳۴۰	مومنوں، نمازیوں اور زکوٰۃ دینے والوں کا اجر و ثواب	۳۰۳	تمام نمازوں اور خاص کر صلوٰۃ وسطیٰ کی محافظت کا حکم
۳۴۱	سود خوروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ	۳۰۴	دشمنوں کا ہجوم ہو تو نماز کیسے پڑھی جائے
۳۴۲	تنگدست قرضدار کو مہلت دینا	۳۰۵	بیویوں کے لیے وصیت کرنا
۳۴۴	مدایت اور کتابت اور شہادت کے ضروری مسائل	۳۰۵	مطلقہ عورتوں کو متعہ دینے کی تاکید
۳۴۷	رہن کا حکم اور گواہی چھپانے کی مذمت	۳۰۶	بنی اسرائیل کا ایک واقعہ
۳۴۸	خطا اور نسیان کی معافی اور چند دعاؤں کی تلقین	۳۰۸	اللہ کی رضا کے لیے صدقہ خیرات کرنے کی فضیلت
	سورہ آل عمران	۳۰۹	بنی اسرائیل کا ایک واقعہ اور طالوت کی بادشاہت کا ذکر
۳۵۲	نصاری کے ایک وفد سے گفتگو اور ان کی باتوں کی تردید	۳۱۲	طالوت کے لشکر کا عمالقہ پر غالب ہونا اور جالوت کا مقتول ہونا
۳۵۳	سورہ آل عمران کی فضیلت	۳۱۳	حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فرق مراتب
۳۵۳	الحی القیوم کی تفسیر	۳۱۴	روز قیامت آنے سے پہلے پہلے اللہ کے لیے خرچ کر لو
۳۵۴	حی	۳۱۵	اللہ جل شانہ کی صفات جلیلہ کا بیان
۳۵۴	کتاب سماویہ کا تذکرہ	۳۱۸	ادین میں زبردستی نہیں ہے
۳۵۴	فرقان سے کیا مراد ہے؟	۳۲۰	اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ولی ہیں اور کافروں کے اولیاء شیطانی
۳۵۵	منکرین کے لیے وعید	۳۲۱	ایک کافر بادشاہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مباحثہ
۳۵۵	اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں	۳۲۲	مردہ کو زندہ فرمانے کا ایک واقعہ
۳۵۵	اللہ جیسے چاہے رحم مادر میں تصویر بناتا ہے	۳۲۲	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال پر پرندوں کا زندہ ہونا
۳۵۶	محکمات اور متشابہات کا مطلب	۳۲۳	فی سبیل اللہ خرچ کرنے والوں کا اجر و ثواب
۳۵۶	راسخین فی العلم کا طریقہ	۳۲۳	فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے آداب اور ریاکاروں کے صدقات کی
۳۵۷	راسخین فی العلم کی دعاء	۳۲۶	مثال
۳۵۸	آخرت میں اموال و اولاد کا کام نہیں آئیں گے	۳۲۷	اللہ کی رضا کے لیے خرچ کر نیوالوں کی مثال
۳۵۹	یہودیوں کو نصیحت کہ واقعہ بدر سے عبرت لیں	۳۲۸	مبادات اور طاعات کو باطل کر دینے والوں کی مثال
۳۵۹	یہودیوں کی ڈھٹائی	۳۲۹	اللہ کی رضا کے لیے عمدہ مال خرچ کرنے کا حکم
۳۶۰	غزوہ بدر کا منظر	۳۳۰	شیطان تنگدستی سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ مغفرت اور فضل کا وعدہ
۳۶۱	لوگوں کے لیے دنیاوی مرغوبات مزین کر دی گئی ہیں	۳۳۰	فرماتا ہے
		۳۳۲	جو کچھ خرچ کرو گے یا نذر مانو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے

۳۷۹	اولاد کے لیے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعاء	۳۶۲	القناطر
۳۷۹	حضرت یحییٰ کی پیدائش کی خوشخبری	۳۶۲	الْخَيْلُ الْمُسَوَّمَةُ
۳۷۹	حضور کا معنی	۳۶۲	وَالْأَنْعَامُ وَالْحَرْثُ
۳۷۹	صالحین کا مصداق	۳۶۲	اہل تقویٰ کا آخرت میں انعام
۳۸۰	حضرت زکریا کو استعجاب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب	۳۶۳	رضائے الہی
۳۸۰	نکاح کی شرعی حیثیت	۳۶۴	وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ
۳۸۱	فرشتوں کا حضرت مریم کو بتانا کہ اللہ نے تمہیں چن لیا	۳۶۴	رات کو اٹھنے کی فضیلت
۳۸۱	حضرت مریم کی فضیلت	۳۶۵	توحید پر گواہی
۳۸۲	حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت	۳۶۵	اہل علم کون ہیں؟
۳۸۲	حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت	۳۶۵	قَائِمًا بِالْقِسْطِ
۳۸۲	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت	۳۶۶	اللہ کے نزدیک صرف دین اسلام معتبر ہے
۳۸۲	حضرت آسیہ کی فضیلت	۳۶۷	کافروں کے لیے عذاب کی وعید
۳۸۳	وَأَرْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ کی تفسیر	۳۶۷	کافروں کے اعمال اکارت ہیں
۳۸۳	نبوت محمدیہ پر واضح دلیل	۳۶۸	یہودیوں کا اللہ کی کتاب سے اعراض کرنا اور خوش فہمی میں مبتلا
۳۸۴	حضرت مریم کی کفالت کے لیے قرعہ اندازی	۳۶۸	یہودیوں کے خیالات اور آرزوئیں
۳۸۴	حضرت مریم کو حضرت مسیح عیسیٰ کی پیدائش کی خوشخبری		اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے
۳۸۵	کلمۃ اللہ اور مسیح کا مطلب	۳۶۹	ذلت دے
۳۸۵	وجیہا فی الدنیا و الاخرۃ	۳۶۹	قدرت خداوندی کے بعض مظاہرے
۳۸۵	حضرت یحییٰ کی تصدیق	۳۷۰	اہل ایمان کو حکم کہ کافروں سے دوستی نہ کریں
۳۸۵	فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا	۳۷۱	کافروں سے محبت کرنے کے نتائج
۳۸۶	بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش	۳۷۲	کافروں سے موالات کرنے والوں کے لیے وعید شدید
۳۸۷	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منصب کی ذمہ داری اور ان کے معجزات	۳۷۲	مواسات اور مدارات کس حد تک جائز ہے
۳۸۷	معجزات کی تفصیل	۳۷۳	روافض کا تقیہ اور اس کی تردید
۳۸۸	دعوت توحید	۳۷۴	اللہ سب جانتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے
	عامۃ بنی اسرائیل کا کفر اختیار کرنا اور حواریوں کا حضرت عیسیٰ کی مدد	۳۷۴	قیامت کے دن کی پریشانی
۳۸۹	کے لیے کھڑا ہونا	۳۷۴	اگر اللہ سے محبت ہے تو رسول اللہ کا اتباع کرو
۳۸۹	حواری کون تھے؟	۳۷۵	محبت کے دعویداروں کو تنبیہ
۳۹۰	یہودیوں کا حضرت عیسیٰ کے قتل کا منصوبہ بنانا اور اس میں ناکام	۳۷۵	منکرین حدیث کی تردید
۳۹۰	مکر کا معنی	۳۷۶	حضرت مریم کی والدہ کی نذر، اور ان کی ولادت اور کفالت
۳۹۱	مَتَوَفِّيكَ اور رَأْفِعُكَ کی تفسیر	۳۷۷	حضرت مریم کا نشوونما اور حضرت زکریا کی کفالت
۳۹۱	قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں تشریف لانا	۳۷۸	حضرت مریم کے پاس غیب سے پھل آنا

۴۱۰	خاتم النبیین ﷺ کی فضیلت	۳۹۲	یہ ت مسیح کا انکار کرنے والے قرآن کے منکر ہیں
۴۱۱	دین اسلام ہی اللہ کے نزدیک معتبر ہے	۳۹۲	مُضَهَّرَاتُ کی دوسری تفسیر
۴۱۱	طوعاً و کرہاً کی تفسیر	۳۹۲	وَ جَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا
۴۱۲	دین اسلام کے سوا کوئی دین عند اللہ مقبول نہیں		کافروں کے لیے وعید عذاب شدید اور اہل ایمان کے لیے اجر و
۴۱۳	مرتدوں اور کافروں کی سزا	۳۹۳	ثواب کا وعدہ
۴۱۴	فی سبیل اللہ محبوب مال خرچ کیا جائے	۳۹۴	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی طرح سے
۴۱۴	حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعض واقعات	۳۹۵	نصاری کو دعوت مباہلہ
۴۱۵	ملت ابراہیمیہ میں کیا چیزیں حلال تھیں	۳۹۵	مباہلہ کا طریقہ
۴۱۶	یہود سے تورات لا کر پڑھنے کا مطالبہ اور ان کا فرار	۳۹۶	نصاری کا مباہلہ سے فرار
۴۱۶	ملت ابراہیمیہ کے اتباع کا حکم	۳۹۶	نصاری نجران سے مال لینے پر صلح
۴۱۷	کعبہ شریف کی تعمیر اور حج کی فرضیت	۳۹۷	اہل کتاب کو توحید کی دعوت
۴۱۷	کعبہ شریف کا کثیر البرکت ہونا		اہل کتاب کی بات کی تردید کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا نصرانی
۴۱۷	زمین میں پہلا گھر	۳۹۸	تھے
۴۱۸	تاریخ بناء کعبہ	۳۹۹	حضرت ابراہیم سے زیادہ خصوصی تعلق والا کون ہے؟
۴۱۸	بکہ اور مکہ	۳۹۹	اللہ مومنین کا ولی ہے
۴۱۸	آیات بینات اور مقام ابراہیم	۴۰۰	اہل کتاب کی خواہش کہ مسلمانوں کو گمراہ کریں
۴۱۹	حرم مکہ کا جائے امن ہونا		اے اہل کتاب! تم کیوں کفر اختیار کرتے ہو اور حق کو باطل کے
۴۲۰	حج کی فرضیت	۴۰۰	ساتھ کیوں ملاتے ہو؟
۴۲۰	استطاعت کیا ہے؟	۴۰۱	یہودیوں کی ایک مکاری کا تذکرہ
۴۲۰	ترک حج پر وعیدیں	۴۰۲	اہل کتاب کی امانت داری اور خیانت کا تذکرہ
	یہودیوں کی شرارت سے مسلمانوں میں انتشار، اور مسلمانوں کو اتحاد و	۴۰۳	یہودیوں کا یہ جھوٹ کہ ہمیں ان پڑھوں کا مال مارنا حلال ہے
۴۲۱	اتفاق کا حکم	۴۰۳	جھوٹے فقروں کا طریق کار
۴۲۲	اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ كَمَا مَطْلَب	۴۰۴	مَنْ أَوْفَىٰ بَعْثِهِ وَ اتَّقَىٰ کی تفسیر
	اسلام پر مرنے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم اور افتراق	۴۰۵	اللہ کے عہد کے عوض دنیا کمانے والوں کو تنبیہ
۴۲۲	کی ممانعت	۴۰۵	جھوٹی قسم اور اس کا وبال
۴۲۳	اللہ تعالیٰ کی نعمت کی یاد دہانی		بعض اہل کتاب، کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
۴۲۳	افتراق کے اسباب، اتحاد کا طریقہ	۴۰۶	اللہ کی طرف سے ہے
	ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے جو خیر کی دعوت دیتی ہو امر	۴۰۷	ہر نبی کی دعوت ہوتی تھی کہ اللہ والے بن جاؤ
۴۲۵	بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی ہو	۴۰۸	ربانی کون ہیں؟
۴۲۵	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت	۴۰۸	غیر اللہ کو رب بنانے کی ممانعت
۴۲۶	اصحاب اقتدار کی غفلت	۴۰۹	حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ کا عہد لینا

۴۴۳	نیک بندوں کا ثواب	۴۲۶	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑنے پر دنیا میں عذاب
۴۴۳	امم سابقہ سے عبرت	۴۲۸	کامیاب کون لوگ ہیں؟
۴۴۴	تم ہی بلند ہو گے اگر مومن ہو	۴۲۸	دلائل سے حق واضح ہونے کے بعد انحراف کرنے والوں کی سزا
۴۴۴	مسلمانوں کو تسلی	۴۲۸	قیامت کے دن اہل کفر کی بد صورتی
۴۴۵	واقعہ احد کی حکمتیں	۴۲۹	امت محمدیہ کی امتیازی صفات
۴۴۵	کیا جنت میں بغیر جہاد اور صبر کے داخل ہو جاؤ گے؟	۴۳۰	اکثر اہل کتاب فرمانبرداری سے خارج ہیں
۴۴۵	شہادت کی آرزو کرنے والوں سے خطاب	۴۳۰	یہود کی ذلت اور مسکنت
۴۴۶	رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر پر پریشان ہونے والوں کو	۴۳۱	یہود کی موجودہ حکومت
۴۴۸	مشرک ابی بن خلف کا قتل	۴۳۱	بعض اہل کتاب کی تعریف جنہوں نے اسلام قبول کیا
۴۴۸	رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دن حضرت ابو بکر کا خطاب	۴۳۲	کافروں کے اموال اور اولاد عذاب سے نہ بچا سکیں گے
۴۴۹	ہر شخص کو اجل مقرر پر موت آئے گی	۴۳۳	کافروں کو راز دار نہ بناؤ
۴۴۹	دور حاضر کے مقررین اور اصحاب جرائد کو تنبیہ	۴۳۳	مسلمانوں کی بد حالی
۴۵۰	انبیاء سابقین علیہم السلام کے ساتھیوں کے مجاہدات اور ریاضتیں	۴۳۳	کافروں کو خیر خواہ سمجھنے کی بیوقوفی
۴۵۱	کافروں کی اطاعت نہ کرو	۴۳۳	مسلمانوں کی غفلت پر سرزنش
۴۵۲	کافروں کے قلوب میں رعب ڈالنے کا وعدہ	۴۳۴	کافر تمہارے بگاڑ میں کبھی کوتاہی نہ کریں گے
۴۵۲	دین حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہو	۴۳۵	غزوہ احد کا تذکرہ
۴۵۲	غزوہ احد میں شکست کے اسباب کیا تھے؟	۴۳۵	غزوہ احد کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ
۴۵۵	غم پہنچنے میں بھی حکمت	۴۳۷	غزوہ بدر کی فتح یا پی کا تذکرہ
۴۵۵	غم غلط کرنے کے لیے نیند کا غلبہ	۴۳۸	مدد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے
۴۵۶	صحابہ رضی اللہ عنہم کی معافی کا اعلان	۴۳۸	اللہ تعالیٰ کو سب کچھ اختیار ہے
۴۵۶	کافروں کی طرح نہ ہو جاؤ جن کو جہاد میں جانا پسند نہیں		سود کھانے کی ممانعت اور مغفرت خداوندی کی طرف بڑھنے میں
۴۵۶	اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت دنیاوی سامان سے بہتر ہے	۴۳۹	جلدی کرنے کا حکم
۴۵۷	رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمانہ	۴۴۰	جنت کا طول و عرض
۴۵۷	خوش خلقی کا بلند مرتبہ	۴۴۱	متقیوں کی بعض صفات
۴۵۸	معلمین اور مرشدین خوش خلقی اختیار کریں	۴۴۱	اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنا
۴۵۸	مشورہ کرنے کا حکم	۴۴۱	غصہ پینے کی فضیلت
۴۵۸	مشورہ کی ضرورت اور اہمیت	۴۴۲	معاف کرنے کی فضیلت
۴۵۹	مشورہ کی شرعی حیثیت	۴۴۲	محسنین اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں
۴۶۰	موجودہ جمہوریت اور اس کا تعارف	۴۴۲	حضرت زین العابدین کا ایک واقعہ
۴۶۱	حضرات خلفائے اربعہ کا انتخاب	۴۴۲	توبہ استغفار کی فضیلت
۴۶۲	اللہ تعالیٰ مدد فرمائے تو کوئی غالب نہیں ہو سکتا	۴۴۳	اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی گناہوں کا بخشنے والا نہیں ہے

۴۸۸	اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے	۴۶۳	جو شخص خیانت کرے گا قیامت کے دن ساتھ لے کر آئے گا
۴۸۸	اموال یتامی کے بارے میں تین حکم	۴۶۴	اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب اس جیسا نہیں جو ناراضگی کا مستحق ہو
۴۸۹	یتامی کے اموال دے دو	۴۶۴	اپنا رسول بھیج کر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا
۴۸۹	یتامی کے اچھے مال کو برے مال سے تبدیل نہ کرو	۴۶۵	مسلمانوں کو تسلی اور منافقوں کی بد حالی کا بیان
۴۸۹	یتامی کے مال کو اپنے مال میں ملا کر نہ کھا جاؤ	۴۶۶	جنگ میں شرکت نہ کرنے سے موت سے چھٹکارہ نہیں ہو سکتا
۴۹۰	یتیم بچوں کے نکاح کرنے کے بارے میں ہدایت	۴۶۷	شہداء زندہ ہیں اور خوش ہیں
۴۹۰	چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت اور عدل کرنے کا حکم		صحابہ کی تعریف جنہوں نے زخم خوردہ ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا
۴۹۱	باندیوں سے جماع کرنے کی اجازت	۴۶۸	جو لوگ تیزی کے ساتھ کفر میں گرتے ہیں ان کے عمل سے رنجیدہ نہ ہوں
۴۹۲	کافر قیدیوں کو غلام باندی بنانے میں حکمت	۴۷۰	اللہ تعالیٰ اچھے اور برے لوگوں میں امتیاز فرمائے گا
	نوکرانیاں باندیاں نہیں ہیں ان سے جماع کرنا حرام ہے اور آزاد	۴۷۱	جو لوگ بخیل ہیں وہ بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں
۴۹۳	لڑکے اور لڑکی کو فروخت کرنا بھی حرام ہے	۴۷۲	یہودی کی بیہودگی اور ان کے لیے عذاب کی وعید
۴۹۳	کیسی عورتوں سے نکاح کیا جائے	۴۷۳	ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے
۴۹۳	اچھی بیوی کی صفات	۴۷۵	کامیاب کون ہے؟
۴۹۴	نکاح کرنا شرعی ضرورت ہے	۴۷۵	دنیا دھوکہ کا سامان ہے
۴۹۴	قوت مردانہ زائل کرنے کی ممانعت	۴۷۵	جانوں اور مالوں میں تمہاری ضرور آزمائش ہوگی
۴۹۴	عورتوں کے مہر ادا کرنے کا حکم	۴۷۶	اہل کتاب سے میثاق لینا اور ان کا عہد سے پھر جانا
۴۹۵	وہ معافی معتبر ہے جو طیب نفس سے ہو	۴۷۶	عقلمندوں کی صفات اور ان کی دعائیں
۴۹۶	یتیم بچوں کے مالوں کے بارے میں چند ہدایات	۴۷۸	دعاؤں کی مقبولیت
۴۹۸	میراث میں مردوں اور عورتوں کے حصے مقرر ہیں	۴۸۰	مہاجرین اور مجاہدین کا ثواب
۴۹۸	یتیموں کا مال کھانے پر سخت وعید اور ان کے مالوں کی نگرانی کا	۴۸۱	کافروں کے احوال و اموال دیکھ کر دھوکہ نہ کھائیں
۴۹۹	میراث پانے والوں کے حصوں کی تفصیل	۴۸۱	مستقیوں کا ثواب
۵۰۱	بہنوں کو میراث سے محروم کرنا حرام ہے	۴۸۲	مؤمنین اہل کتاب کا اجر
۵۰۲	میراث میں شوہر اور بیوی کا حصہ	۴۸۲	اہل ایمان کو چند نصیحتیں
۵۰۳	اخیانی بہن بھائی کا حصہ		
۵۰۳	عینی اور غلاتی بہن بھائی کا حصہ		
	میراث کے مقررہ حصے ادائے دین اور انفاذ وصیت کے بعد دیئے جائیں گے		
۵۰۳	ادائے دین انفاذ وصیت سے مقدم ہے	۴۸۶	سورۃ النساء
۵۰۳	وصیت تہائی مال میں نافذ ہوگی	۴۸۶	بنی آدم کی تخلیق کا تذکرہ اور یتیموں کے مال کھانے کی ممانعت
۵۰۳	وصیت کے بعض احکام	۴۸۷	حضرت حوا کی تخلیق
۵۰۳	میراث کے بعض احکام	۴۸۷	اللہ سے ڈرنے کا حکم
۵۰۵		۴۸۷	صلہ رحمی کا حکم اور قطع رحمی کا وبال

۵۲۴	خودکشی کا گناہ	۵۰۶	اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم اور نافرمانی پر وعید
۵۲۵	تکفیر سینات کا وعدہ	۵۰۶	ضروری مسائل و فوائد متعلقہ میراث
۵۲۶	کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟	۵۰۷	احکام متعلقہ مرد و زن جو فواحش کے مرتکب ہوں
۵۲۷	کبیرہ گناہوں کی فہرست	۵۰۸	غیر فطری طریقے پر قضاء شہوت کرنے والوں کی سزا
۵۳۱	صغیرہ گناہوں کی فہرست	۵۰۹	توبہ کی ضرورت اور اس کا طریقہ
	امور غیر اختیاریہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی آرزومت	۵۰۹	توبہ کی حقیقت
۵۳۳	کرو	۵۱۰	موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی
۵۳۴	مولی الموالاة کی میراث	۵۱۱	جبر و اکراہ کے ساتھ عورتوں کی جان و مال کا وارث بننے کی
۵۳۵	زن و شوہر کے بارے میں چند ہدایات	۵۱۱	عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم
۵۳۶	مرد و عورتوں پر حاکم ہیں	۵۱۲	بیویوں کو جو کچھ دے دیا ہو اس کے واپس لینے کی ممانعت
۵۳۶	صالحات کی تعریف	۵۱۳	والد کی بیوی سے نکاح کرنے کی حرمت
۵۳۷	نافرمان عورتوں کے بارے میں ہدایات	۵۱۳	جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان کا تفصیلی بیان
۵۳۸	عورتوں کو مارنے کے بارے میں تنبیہ	۵۱۴	محرمات ابدیہ
	میاں بیوی کے درمیان مخالفت ہو جائے تو دو آدمی موافقت کرانے	۵۱۴	محرمات نسبیہ
۵۳۸	کے لیے بھیجے جائیں	۵۱۴	محرمات بالرضاع
	والدین، اقرباء پڑوسی، یتیمی مساکین، اور مسافروں کے ساتھ حسن	۵۱۵	محرمات بالمصاہرہ
۵۴۰	سلوک کرنے کا حکم	۵۱۶	منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کا حکم
۵۴۰	پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم	۵۱۶	جمع بین الاختین کی حرمت
۵۴۲	غلام باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم	۵۱۷	جو عورت کسی کے نکاح میں ہو اس سے نکاح کرنے کی حرمت
۵۴۲	تکبر کی مذمت	۵۱۷	مہروں کے ذریعہ ازواج طلب کرو
۵۴۲	ٹخنے سے نیچے کپڑا پہننا تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے	۵۱۸	نکاح سے عفت و عصمت مقصود ہے
۵۴۳	تکبر کے چند شعبے	۵۱۸	متعد کی حرمت
۵۴۴	بخل کی مذمت	۵۱۸	مہر کی ادائیگی کا حکم
۵۴۴	ریا کاری کے طور پر مال خرچ کرنے کی مذمت	۵۱۹	باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت
۵۴۵	اللہ تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم نہ کرے گا		اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے اور نفس کی خواہشوں
۵۴۵	قیامت کے دن ہر امت کے ساتھ ایک گواہ ہوگا	۵۲۰	کے پیچھے چلنے والے تمہیں راہ حق سے ہٹانا چاہتے ہیں
۵۴۶	قیامت کے دن کافروں کی آرزو کہ کاش زمین کا پیوند ہو جاتے	۵۲۱	احکام شرعیہ میں انسانی کمزوریوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے
۵۴۷	حالت نشہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت	۵۲۱	شہوت پرستوں کا طریق کار
۵۴۷	تیمم کے مسائل	۵۲۲	حیاء و شرم انبیاء کرام <small>ﷺ</small> کے اخلاق عالیہ میں سے ہیں
۵۴۸	تیمم کا طریقہ	۵۲۳	باطل طریقے پر مال کھانے کی ممانعت اور تجارت کا اصول
۵۴۹	یہودیوں کی شرارت اور شقاوت	۵۲۳	چند غیر شرعی معاملات کا تذکرہ

۵۵۹	یہودیوں کو بغض اور حسد کھا گیا	۵۵۰	یہود کا ملعون ہونا
۵۶۰	آل ابراہیم کو اللہ نے کتاب اور حکمت اور ملک عظیم عطا فرمایا	۵۵۱	شرک بہت بڑا گناہ ہے اور شرک کی بخشش نہیں ہوگی
۵۶۱	کافروں کو دوزخ میں سخت عذاب، کھالوں کا بار بار جلنا اور بار بار نئی کھال پیدا ہونا اور اہل ایمان کا جنتوں میں عیش کرنا	۵۵۱	شرکوں کے علاوہ دوسرے کافروں کو بھی بخشش نہ ہوگی
۵۶۲	امانت کی ادائیگی اور فیصلوں میں انصاف کا حکم	۵۵۲	یہودیوں کی مذمت جو اپنے کو پاکیزہ بتاتے تھے
۵۶۲	امانتوں کی تفصیل	۵۵۳	تزکیہ نفس کی ضرورت اور اہمیت
۵۶۳	امانتداری ایمانی تقاضوں میں سے ہے	۵۵۳	اپنی تعریف کرنے کی ممانعت
۵۶۳	اداروں کے اموال کی حفاظت میں امانتداری	۵۵۳	تحدیث بالنعمة کی اجازت
۵۶۴	نااہلوں کو عہدے دینا خیانت ہے	۵۵۳	یہودیوں کی جسارت جنہوں نے شرک کو توحید سے افضل بتا
۵۶۵	کام پورا نہ کرنا اور تنخواہ پوری لینا خیانت ہے	۵۵۴	جبت اور طاغوت کا معنی
۵۶۵	مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں	۵۵۴	شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت
۵۶۵	مشورہ دینا امانت ہے	۵۵۵	مسلمانوں کو نقصان پہنچانا یا اس کے ساتھ مکاری کرنا
۵۶۵	بلا اجازت کسی کے گھر میں نظر ڈالنا خیانت ہے	۵۵۵	نقدیر کو جھٹلانا اور کتاب اللہ میں کچھ بڑھا دینا
۵۶۶	عدل و انصاف کا حکم	۵۵۵	عورتوں کا قبروں پر جانا اور وہاں چراغ جلانا
۵۶۶	قرآن و حدیث کے خلاف فیصلے ظالمانہ ہیں	۵۵۵	نوحہ کرنے والی اور نوحہ سننے والی پر لعنت
۵۶۶	ظالمانہ فیصلوں کی وجہ سے مصائب کی کثرت	۵۵۶	شوہر کی نافرمانی
۵۶۷	تقویٰ کے بغیر انصاف نہیں ہو سکتا	۵۵۶	حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنا
۵۶۷	انصاف کے فیصلے کرنے والوں کے لیے بشارت اور ظالموں کی ہلاکت	۵۵۶	سود کھانا اور سود کا کاتب اور گواہ بننا
۵۶۸	حاکموں کو ضروری تشبیہ	۵۵۶	رشوت کا لینا دینا اور اس کا واسطہ بننا
۵۶۸	حاکم کیسے شخص کو بنا یا جائے؟	۵۵۶	ضرورت کے وقت غلہ روکنا
۵۶۹	اللہ تعالیٰ کی نصیحت قبول کرنے میں خیر ہے	۵۵۶	جاندار چیز کو تیز اندازی کا نشانہ بنانا
۵۷۰	اللہ اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم اور امور متنازعہ میں کتاب و سنت کی طرح رجوع کرنے کا فرمان	۵۵۶	مردوں کا زنا نہ پن اور عورتوں کا مردانہ وضع اختیار کرنا
۵۷۰	اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں ہے	۵۵۷	مردوں کا زنا نہ اور عورتوں کا مردانہ لباس پہننا
۵۷۱	اولوالامر سے کون مراد ہیں؟	۵۵۷	کسی مرد یا عورت سے اغلام کرنا سبب لعنت ہے
۵۷۱	رفع تنازع کے لیے کیا کیا جائے؟	۵۵۷	عورتوں کا بالوں میں بال ملانا اور جسم گودوانا
۵۷۱	مسلم حکومتوں کا غلط طریق کار	۵۵۷	عیب چھپا کر بیچ دینا
۵۷۲	بدعت اور سنت ہونے کا معیار	۵۵۷	غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا اور زمین کی حد بندی کی نشانی چرانا
۵۷۳	ایک منافق کا واقعہ جو یہودی کے پاس فیصلہ لے گیا	۵۵۸	نامحرم مرد و عورت کا دیکھنا اور دکھانا موجب لعنت ہے
۵۷۳	غیر اسلامی قانون کا سہارا لینے والے کی مذمت	۵۵۸	نسب بدلنا
		۵۵۸	محلل اور محلل لہ
		۵۵۸	نابینا کو غلط راستہ پر ڈال دینا اور والدین کو تکلیف دینا
		۵۵۹	پیسے کا غلام بننا

غیر محقق بات کو پھیلانے کی مذمت اور خبروں کو اہل علم تک پہنچانے کی	۵۷۴	۱۰: یافتہ مذکور کے قبیلہ والوں کی غلط تاویلیں
۵۹۱	۵۷۴	رسول کی رسالت اطاعت ہی کے لیے ہے
۵۹۱	۵۷۵	رسول اللہ کے فیصلہ کو دل و جان سے قبول کیے بغیر مومن نہ
۵۹۲	۵۷۶	دور حاضر کے لوگوں کی بد حالی
۵۹۳	۵۷۷	جانوں کے قتل کرنے اور گھروں سے نکلنے کا حکم ہوتا تو تھوڑے افراد
۵۹۳	۵۷۷	عمل کرتے
۵۹۵	۵۷۷	اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے والوں کے لیے
۵۹۵	۵۷۸	بشارت عظیمہ
ان کلمات کا تذکرہ جو غیر اقوام کے یہاں ملاقات کے وقت استعمال	۵۷۸	جس سے محبت ہو اس کے ساتھ ہوں گے
۵۹۶	۵۷۹	جس نے نماز کی پابندی نہ کی قارون فرعون کے ساتھ ہوگا
۵۹۶	۵۷۹	حضرت ربیعہ بن کعب کا واقعہ
۵۹۷	۵۸۰	جنت کے بالا خانے
۵۹۷	۵۸۱	دشمنوں سے ہوشیار رہنے اور قتال کرنے کا حکم
۵۹۷	۵۸۲	منافقوں کا طرز عمل
۵۹۷	۵۸۲	جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت
اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ قیامت کے دن سب کو جمع فرمائے ۶۰۰	۵۸۳	قتال کے دواعی ہوتے ہوئے قتال کیوں نہیں کرتے؟
۶۰۱	۵۸۳	مومن اور کافر کی جنگ میں نیتوں کا فرق
۶۰۳	۵۸۴	قتال سے پہلو تہی کرنے والوں کا تذکرہ
۶۰۳	۵۸۵	حب دنیا بزدلی کا سبب ہے
۶۰۴	۵۸۵	تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت پکڑ لے گی
۶۰۴	۵۸۶	منافقوں اور یہودیوں کی احمقانہ باتیں
۶۰۵	۵۸۷	رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے
۶۰۶	۵۸۷	فتنہ انکار حدیث پر ایک نظر
۶۰۷	۵۸۷	آپ کا کام صرف ابلاغ ہے
۶۰۸	۵۸۸	منافقین کی ایک عادت بد کا تذکرہ
۶۱۰	۵۸۸	قرآن میں تدبر کرنے ترغیب
۶۱۱	۵۸۸	قرآن میں تدبر کرنے کے اہل کون ہیں؟
۶۱۲	۵۸۹	تفسیر بالرأے کی قباحت
یورپ اور امریکہ جا کر بسنے والے اپنے دین و ایمان اور اعمال کی فکر	۵۹۰	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی احتیاط
۶۱۳	۵۹۰	مفسر کی ذمہ داریاں
۶۱۴	۵۹۰	بے پڑھے مفسرین کو تنبیہ

۶۲۰	ہے سمیع اور بصیر ہے	۶۱۵	ہجرت کا ثواب
۶۲۱	سچی گواہی دینے اور انصاف پر قائم رہنے کا حکم	۶۱۶	اصل ہجرت یہ ہے کہ گناہ چھوڑ دیئے جائیں
۶۲۲	اتباع ہوئی سے پرہیز	۶۱۶	انصار مدینہ کا بے مثال عمل
۶۲۳	گواہیوں اور فیصلوں میں رشتہ دار یوں کو نہ دیکھا جائے	۶۱۷	سفر میں نماز قصر پڑھنے کا بیان
۶۲۳	اسلام ظلم کا ساتھی نہیں	۶۱۸	سفر میں سنتیں پڑھنے کا حکم
۶۲۴	اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور کتابوں، فرشتوں اور یوم آخرت پر ایمان لانے کا حکم	۶۱۸	مسافر اگر پوری چار رکعت پڑھے؟
۶۲۵	عزت اللہ ہی کے لیے ہے	۶۲۰	صلوۃ الخوف کا طریقہ اور اس کے بعض احکام
۶۲۶	کافروں کی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت اور منافقین کی دوغلی باتوں کا تذکرہ	۶۲۱	انفاق فی سبیل اللہ نماز روزہ اور ذکر کا ثواب
۶۲۷	منافقوں کی چالبازی اور امور دینیہ میں کسل مندی کا تذکرہ اور مسلمانوں کو حکم کہ کافروں کو دوست نہ بنائیں	۶۲۲	دشمنوں کا پیچھا کرنے میں سستی نہ دکھاؤ
۶۲۸	اللہ تعالیٰ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا	۶۲۲	اگر تم دکھ پاتے ہو تو دشمن بھی تو تکلیف اٹھاتے ہیں
۶۵۲	اللہ تعالیٰ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا فرض ہے	۶۲۲	ایک منافق کا چوری کرنا اور اس کی طرف سے دفاع کرنے پر چند تنبیہات
۶۵۳	یہود کے بیجا سوالات اور بری حرکتوں کا تذکرہ اور ان سے یہودیوں کے کفر اور شرارتوں کا مزید تذکرہ	۶۲۳	منکرین حدیث کی تردید
۶۵۷	حرام خوری اور سود لینے کی وجہ سے یہودی پاکیزہ چیزوں سے محرم کر دیئے گئے	۶۲۵	خیانت کرنے والوں کی طرفداری کی ممانعت
۶۶۱	اہل کتاب میں جو راسخ فی العلم ہیں وہ ایمان لے آئے ہیں	۶۲۵	اپنا جرم کسی دوسرے پر ڈالنے کی مذمت اور اس پر وعید
۶۶۳	ارسال رسل کی حکمت اور متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ	۶۲۶	کون سے مشوروں میں خیر ہے؟
۶۶۴	کافروں اور راہ حق سے روکنے والوں کے لیے صرف دوزخ کا راستہ ہے	۶۲۷	صلح کرادینے کی فضیلت
۶۶۶	نصاری کی گمراہی کا بیان اور ان کے عقیدہ تثلیث کی تردید	۶۲۷	رسول اللہ ﷺ کے خلاف راہ اختیار کرنا داخلہ دوزخ کا سبب
۶۶۷	دین میں غلو کرنے کی ممانعت	۶۲۸	اجماع امت بھی حجت ہے
۶۷۱	اہل ایمان کی جزاء اور اہل کفر کی سزا کا ذکر	۶۲۸	گمراہوں کی ایک جاہلانہ بات کی تردید
۶۷۳	حقیقی اور علانی بہن بھائی کی میراث کے مسائل	۶۲۹	مشرکین کی بخشش نہیں وہ دور کی گمراہی میں ہیں
۶۷۵	سورۃ المائدہ	۶۲۹	مشرکین مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں اور شیطان کے فرمانبردار
۶۷۶	ایفائے عہد کا حکم اور چوپایوں اور شکاری جانوروں سے متعلقہ بعض احکام	۶۳۰	تغییر خلق اللہ
۶۷۶	عقود کی قسمیں	۶۳۱	شیطان جھوٹے وعدے کرتا ہے اور آرزوؤں پر ڈالتا ہے
		۶۳۱	اہل ایمان کے لیے بشارت اور آرزوؤں پر بھروسہ کرنے کی برے اعمال کا بدلہ ملے گا
		۶۳۳	مومنین مومنات کے لیے بھرپور ثواب
		۶۳۴	محسنین کی تعریف
		۶۳۴	یتیم بچوں اور یتیموں کے حقوق کی نگہداشت کرنے کا حکم
		۶۳۶	میاں بیوی کا آپس میں صلح کر لینا اور بیویوں میں انصاف کرنا
		۶۳۷	آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے وہ غنی اور حمید

۶۹۰	اتمام نعمت	۶۷۶	بھیمة الانعام حلال کر دیئے گئے
۶۹۰	دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر ہے	۶۷۷	لَا تَحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ كَمَا سَبَّ نَزُولِ
۶۹۱	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست	۶۷۷	شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم
۶۹۲	مجبوری میں حرام چیز کھانا	۶۷۸	احرام سے نکل کر شکار کرنے کی اجازت
۶۹۲	پاکیزہ چیزوں اور جوارح معلّمہ کے شکار کی حلت	۶۷۸	کسی قوم کی دشمنی زیادتی پر آمادہ نہ کرے
۶۹۳	حلال اور حرام کی تفصیل	۶۷۹	نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرنے کا حکم
۶۹۳	شکاری جانوروں کے احکام	۶۷۹	مسلمانوں کی عجیب حالت
۶۹۳	شکاری پرندہ کی تعلیم	۶۷۹	گناہ اور ظلم پر مدد کرنے کی ممانعت
۶۹۳	پرندہ کو شکار کرنے سے متعلق احکام	۶۸۰	تعصب کی تباہ کاری
۶۹۵	اہل کتاب کا کھانا حلال ہے	۶۸۰	گناہوں کی مدد کرنے کی چند صورتیں جو رواج پذیر ہیں
۶۹۶	جس جانور پر ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کا کھانا	۶۸۱	جن جانوروں کا کھانا حرام ہے ان کی تفصیلات
۶۹۶	حلال نہیں	۶۸۱	میثہ (مردار)
۶۹۶	نئے مجتہدین کی گمراہی	۶۸۲	مردار کی کھال کا حکم
۶۹۷	پاک دامن مومنات سے اور کتابی عورتوں سے نکاح کرنا	۶۸۲	خون کھانے کی حرمت
۶۹۷	حضرت عمرؓ کی طرف سے کتابی عورتوں سے نکاح کی ممانعت	۶۸۳	خنزیر کا گوشت
۶۹۸	مرتد کے اعمال اکارت ہو جاتے ہیں	۶۸۳	مَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ بِهِ
۶۹۹	وضو اور غسل کا حکم اور تیمم کی مشروعیت	۶۸۴	بندوق کا شکار
۶۹۹	إِذَا قُمْتُمْ كَمَا مَطْلَب	۶۸۴	الْمُتَرَدِّبَةِ
۶۹۹	وضو کا طریقہ	۶۸۴	النطیحة ..
۷۰۰	امت محمدیہ کی امتیازی شان	۶۸۴	درندہ کا کھایا ہوا جانور
۷۰۱	غسل جنابت کا حکم اور اس کا طریقہ	۶۸۴	بتوں کے استھانوں پر ذبح کئے ہوئے جانور
۷۰۱	تیمم کا بیان	۶۸۵	تیروں کے ذریعہ جو اکیلنے کی حرمت
۷۰۲	وضو اور تیمم حکم تطہیر میں برابر ہیں	۶۸۵	استقسام بالازلام کا دوسرا معنی
۷۰۲	اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو	۶۸۶	کاہنوں کے پاس جانے کی ممانعت
۷۰۳	انصاف پر قائم ہونے کا حکم	۶۸۷	ذَالِكُمْ فَسْقُ
۷۰۳	رسول اللہؐ کی حفاظت کا ایک واقعہ اور اللہ کی نعمت کی یاد دہانی	۶۸۷	مَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ بِهِ
۷۰۳	تقویٰ اور توکل کا حکم	۶۸۷	قبروں پر جو چیزیں لے جاتے ہیں ان کا حکم
۷۰۵	اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل سے عہد لینا پھر ان کا عہد توڑ دینا	۶۸۸	نذر لغیر اللہ حرام اور کفر ہے
۷۰۶	بنی اسرائیل کی عہد شکنی کا وبال	۶۸۹	کافروں کی ناامیدی اور دین اسلام کا کمال
۷۰۶	یہودیوں کا توریت شریف میں تحریف کرنا	۶۸۹	دین اسلام کا کامل ہونا
۷۰۷	یہود کی خیانتیں	۶۹۰	اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے

۷۲۹	یہودیوں کی شرارت اور جسارت اور تحریف کا تذکرہ	۷۰۸	نصاریٰ سے عہد لینا اور ان کا اس کو بھول جانا
۷۲۹	توریت میں زانی کی سزا رجم تھی	۷۰۸	نصاریٰ کا کفر جنہوں نے مسیح ابن مریم کو معبود بنایا
۷۳۱	یہودیوں کا کتاب اللہ کی تحریف کرنا	۷۰۹	رسول اللہ ﷺ نور بھی تھے اور بشر بھی
۷۳۱	یہودیوں کی حرام خوری		یہود و نصاریٰ کی گمراہی جنہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے پیارے ہیں
۷۳۱	چند ایسے امور کا تذکرہ جن کی وجہ سے دنیا میں عذاب آجاتا	۷۱۰	رسول اللہ ﷺ کی بعثت ایسے وقت میں ہوئی جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ کئی سو سال سے منقطع تھا
۷۳۲	رشوت کی بعض صورتیں	۷۱۱	فَتَدْرِكُ مِنَ الرَّسُولِ كَازِمَانَهُ كُنْتَا تَهَا
۷۳۳	انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم	۷۱۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا اور انہیں ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم دینا اور ان کا انکاری ہونا
۷۳۴	توریت شریف میں ہدایت تھی اور نور تھا	۷۱۳	فوائد متعلقہ واقعہ بنی اسرائیل
۷۳۴	حضرات انبیاء کرام اور ان کے نائبین توریت کی حفاظت کرنے پر مامور تھے	۷۱۵	حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ، ایک کا دوسرے کو قتل کرنا، پھر اس کی لاش کو لئے ہوئے پھرنا
۷۳۴	جو لوگ اللہ کے نازل فرمودہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں	۷۱۶	رسول اللہ ﷺ کا ارشاد کہ فتنوں کے زمانہ میں کیا کریں
۷۳۵	قصاص کے احکام	۷۱۷	ایک اشکال اور اس کا جواب
۷۳۵	قَهْوُ كَفَّارَةٌ لَّهِ كَمَا مَعْنَى	۷۱۷	قتل کا طریقہ ابلیس نے بتایا
۷۳۶	قصاص کا شرعی قانون نافذ نہ کرنے کا وبال	۷۱۸	قائیل کو پریشانی کہ مقتول بھائی کی لاش کا کیا کرے؟
۷۳۶	انجیل شریف میں ہدایت تھی اور نور تھا	۷۱۸	فوائد متعلقہ واقعہ ہابیل و قائیل
۷۳۷	اللہ کے نبی اور اللہ کی کتابیں سب ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والی ہیں	۷۱۸	جس نے ایک جان کو قتل کیا گویا تمام انسانوں کو قتل کیا
۷۳۷	قرآن مجید دوسری کتب سماویہ کے مضامین کا محافظ ہے۔	۷۲۰	دنیا اور آخرت میں ڈاکوؤں کی سزا
۷۳۸	قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم	۷۲۱	آیت کریمہ اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ كَانُوْا سَبَبًا لِّذٰلِكَ
۷۳۹	یہودیوں کا ایک مکر	۷۲۱	ڈاکوؤں کی چار سزائیں
۷۳۹	اس لالچ میں کہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے حق چھوڑنے کی اجازت نہیں	۷۲۲	اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے اور اسکی راہ میں جہاد کرنے کا
۷۳۹	ہر امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص شریعت مقرر فرمائی	۷۲۳	قیامت کے دن اہل کفر کو عذاب کا سامنا اور جان چھڑانے کیلئے سب کچھ دینے پر راضی ہونا
۷۳۹	اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا	۷۲۳	کافر دوزخ سے نکلنا چاہیں گے مگر کبھی نہ نکل سکیں گے
۷۴۰	احکام الہیہ سے اعراض کرنا مصیبت نازل ہونے کا سبب ہے	۷۲۴	چوروں کی سزا کا بیان
۷۴۰	دور حاضر کے نام نہاد مسلمان بھی جاہلیت کے فیصلوں پر راضی	۷۲۵	شرعی سزا نافذ کرنے میں کوئی رعایت نہیں، کسی کی سفارش قبول
۷۴۱	یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کی ممانعت	۷۲۵	چور کا ہاتھ کاٹنے کا قانون حکمت برہنی ہے اس کی مخالفت کرنے والے بے دین ہیں
۷۴۲	ترک موالات کی اہمیت اور ضرورت	۷۲۶	جو لوگ اسلامی قوانین کے مخالف ہیں وہ چوروں کے حامی ہیں
۷۴۲	فَعَسَى اللّٰهُ يَأْتِيْكَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِہٖ		
۷۴۳	اگر دین سے پھر جائیں تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو مسلمان بنا دے گا		

۷۶۰	امت محمدیہ کو غلو کرنے کی ممانعت	۷۴۴	اہل ایمان کی صفت خاصہ کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں
	معاصی کا ارتکاب کرنے اور منکرات سے نہ روکنے کی وجہ سے بنی		اہل ایمان کی دوسری صفت کہ وہ مومنوں کے لئے نرم اور کافروں
۷۶۲	اسرائیل کی ملعونیت	۷۴۵	کے لئے سخت ہیں
۷۶۲	امت محمدیہ میں نبی عن المنکر کا فقدان	۷۴۶	اہل ایمان کی تیسری صفت کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں
۷۶۳	مشرکین مکہ سے یہودیوں کی دوستی	۷۴۶	اہل ایمان کی چوتھی صفت کہ وہ کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے
۷۶۳	اہل ایمان سے یہودیوں اور مشرکوں کی دشمنی	۷۴۷	اللہ اور رسول اہل ایمان کے ولی ہیں
۷۶۴	نصاری کی مودت اور اس کا مصداق	۷۴۷	اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول سے دوستی کر نیوالے ہی غالب ہوں
۷۶۵	کتاب اللہ کو سن کر جہشہ کے نصاریٰ کا رونا اور ایمان لانا	۷۴۸	مسلمانوں کی مغلوبیت کا سبب
۷۶۷	حلال کھاؤ اور پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو اور حد سے آگے		اہل کتاب اور دوسرے کفار کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے
۷۶۷	حدود سے بڑھ جانے کی مثالیں	۷۴۹	دین کو ہنسی کھیل بنا لیا ہے
۷۶۷	حلال کو حرام کر لینا	۷۴۹	اہل کتاب کی بشقاوت اور ہلاکت
۷۶۸	جو چیز ثواب کی نہ ہو اسے باعث ثواب سمجھ لینا	۷۵۰	منافقوں کی حالت
۷۶۸	غیر ضروری کو ضروری کا درجہ دیدینا	۷۵۰	یہودیوں کی حرام خوری اور گناہ گاری
۷۶۸	مطلق مستحب کو وقت کے ساتھ مقید کر لینا	۷۵۰	جھوٹے درویشوں کی بد حالی
۷۶۸	کسی عمل کا ثواب خود تجویز کر لینا	۷۵۱	حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد
۷۶۸	کسی عمل کی ترکیب خود وضع کر لینا	۷۵۱	یہودیوں کی گستاخی اور سرکشی
۷۶۸	کسی ثواب کے کام کے لئے جگہ کی پابندی لگا لینا	۷۵۳	یہودیوں کا جنگ کی آگ کو جلانا
۷۶۹	بعض چیزوں کے بارے میں طے کر لینا کہ فلاں نہ کھائے گا	۷۵۳	اللہ کی کتاب پر عمل کرنے سے خوش عیش زندگی نصیب ہوتی
۷۶۹	کسی گناہ پر مخصوص عذاب خود سے تجویز کر لینا		رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا حکم کہ جو کچھ نازل کیا گیا ہے سب کچھ
۷۷۰	قسموں کے اقسام اور قسم توڑنے کا کفارہ	۷۵۴	پہنچادو، اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا
۷۷۱	کفارہ قسم کے مسائل	۷۵۴	منیٰ اور عرفات میں رسول اللہ ﷺ کا حاضرین سے سوال
۷۷۲	خمر اور میسر اور انصاب وازلام ناپاک ہیں	۷۵۵	روافض کا رسول اللہ ﷺ پر تہمت لگانا
۷۷۲	شراب کی حرمت	۷۵۶	یہودیوں کی سرکشی اور کج روی کا مزید تذکرہ
۷۷۳	سات وجوہ سے شراب اور جوئے کی حرمت	۷۵۷	صرف ایمان اور عمل صالح ہی مدار نجات ہے
	احادیث شریفہ میں شراب کی حرمت اور اس کے پینے پلانے والے	۷۵۷	بنی اسرائیل کی عہد شکنی
۷۷۳	پر لعنت اور آخرت کی سزا	۷۵۸	نصاری کے کفر و شرک اور غلو کا بیان
۷۷۴	شراب ہر برائی کی کنجی ہے	۷۵۹	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہدہ
۷۷۴	جو لوگ شراب نہ چھوڑیں ان سے قتال کیا جائے	۷۵۹	حضرت مریم علیہا السلام صدیقہ تھیں
۷۷۵	اللہ کے خوف سے شراب چھوڑنے پر انعام	۷۵۹	حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام دونوں کھانا کھاتے
۷۷۵	جواری اور شرابی کی جنت سے محرومی	۷۶۰	جو شخص نفع و ضرر کا مالک نہ ہو اس کی عبادت کیوں کرتے ہو؟
۷۷۵	شراب اور خنزیر اور بتوں کی بیع کی حرمت	۷۶۰	اہل کتاب کو غلو کرنے کی ممانعت

۷۹۴	ان کے معجزات کا تذکرہ	۷۷۵	حرمت کی خبر سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے راستوں میں شراب بہادی
۷۹۵	حواریوں کا سوال کرنا کہ ماندہ نازل ہو	۷۷۶	شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے جو لوگ شراب پی چکے اور دنیا سے جا چکے ان کے بارے میں سوال اور اس کا جواب
۷۹۶	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ماندہ کے لئے سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملنا	۷۷۷	جوئے کی تمام صورتیں حرام ہیں
۷۹۷	گوشت کے خراب ہونے کی ابتداء بنی اسرائیل سے ہوئی	۷۷۸	حالت احرام میں شکار والے جانوروں کے ذریعہ آزمائش
۷۹۸	حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ جل شانہ کا دوسرا خطاب	۷۷۹	احرام میں شکار مارنے کی جزا اور ادائیگی کا طریقہ
۷۹۸	گمراہوں کی تردید	۷۷۹	احرام میں جو شکار کیا گیا ہے اس کے متعلق چند مسائل
۷۹۹	قیامت کے دن سچائی نفع دہیگی	۷۸۱	حرم شریف کی گھاس اور درخت کاٹنے کے مسائل
		۷۸۱	احرام میں سمندر کا شکار کرنے کی اجازت
		۷۸۲	کعبہ شریف لوگوں کے قائم رہنے کا سبب ہے
		۷۸۲	ہدی کے جانور
		۷۸۳	القلائد
		۷۸۳	خبیث اور طیب برابر نہیں ہیں
		۷۸۳	حرام مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا
		۷۸۵	ایکشن کی قباحت
		۷۸۵	بے ضرورت سوالات کرنے کی ممانعت
		۷۸۷	گزشتہ قوموں نے سوال کئے پھر منکر ہو گئے
		۷۸۷	علامہ ابو بکر جصاص رضی اللہ عنہ کا ارشاد
			مشرکین عرب کی تردید جنہوں نے بعض جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا اور ان کے نام تجویز کر رکھے تھے، اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے
		۷۸۸	بھیرہ
		۷۸۸	سائبہ
		۷۸۹	وصیلہ
		۷۸۹	حام
			اہل جاہلیت کہتے تھے کہ ہم نے جس دین پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے وہ ہمیں کافی ہے
		۷۹۰	اپنے نفسوں کی اصلاح کرو
		۷۹۱	حالت سفر میں اپنے مال کے بارے میں بے بصیرت کرنا
		۷۹۲	قیامت کے دن رسولوں سے اللہ جل شانہ کا سوال
		۷۹۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا خطاب اور نعمتوں کی یاد دہانی، اور

عرض مدعا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ذِی الْفَضْلِ الْمُبِیْنِ، الَّذِیْ اَنْزَلَ الْكِتَابَ الْمُسْتَبِیْنَ، عَلٰی نَبِیِّهِ صَفِیِّهِ مُحَمَّدٍ الرَّسُوْلِ الْاَمِیْنِ، جَعَلَهُ اِمَامًا وَهَدٰی وَنُوْرًا لِلنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ، وَبُشْرًا بِالْاَجْرِ الْعَظِیْمِ لِعِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ حَمَلُوْهُ وَعَمِلُوْا بِهٖ وَحَكَمُوْهُ فِیْ مَسَائِلِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ، وَسَهَّلَ حِفْظَهُ وَیَسَّرَ ذِكْرَهُ لِمَنْ اَشْتَغَلَ بِهٖ مِنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَرْسَلَ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَ مَبَشِّرًا لِاَهْلِ الصِّدْقِ وَالْبِقَیْنِ، وَمُنْذِرًا لِمَنْ بَغٰی وَطَفٰی وَسَلَكَ سَبِیْلَ الْمُجْرِمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ حَمًا الدِّیْنِ الْمَتِیْنِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

اما بعد! ۱۳۷۴ھ یا ۱۳۷۵ھ کی بات ہے کہ راقم الحروف کلکتہ میں مقیم تھا۔ وہاں میعادى بخار میں مبتلا ہو گیا اور شدت تکلیف کے باعث ایک رات ایسی گزری کہ صبح تک زندہ رہ جانے کی امید نہ تھی، میں نے اللہ جل شانہ سے ناز کے انداز میں عرض کر دیا کہ اے اللہ! میں ابھی مر رہا ہوں حالانکہ میں نے ابھی تفسیر بھی نہیں لکھی، اللہ جل شانہ کا فضل ہوا کہ میں اچھا ہو گیا، اور اس کے بعد سے کبھی شدید بیماری میں بھی مبتلا نہیں ہوا، لیکن تدریسی مشاغل کے باعث اور دوسری چھوٹی موٹی تالیفات میں لگنے کی وجہ سے تفسیر لکھنے کا موقعہ نہیں آیا، اب جب کہ عمر ستر سال کے قریب پہنچ گئی تو موت کا ڈر لاحق ہو، اور ساتھ یہ فکر بھی دامن گیر ہوئی کہ تفسیر لکھنے کا جو وعدہ اللہ جل شانہ سے کیا تھا وہ پورا کرنا چاہیے، تفسیر لکھنا شروع کر دیا، مجھے علم بھی زیادہ نہیں ہے، جگہ جگہ مشکلات پیش آئیں، اللہ جل شانہ سے دعائیں کیں مشکلات حل ہوتی گئیں اور برابر شرح صدر ہوتا گیا، اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اردو میں اکابر کی متعدد تفسیریں موجود ہیں تجھے نئی تفسیر لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو میں اس کا جواب دینے سے قاصر ہوں البتہ مجھے اپنے طور پر اس بات کی خوشی ہے کہ میری عمر کے آخری چند سال قرآن کریم کی خدمت میں خرچ ہو گئے، عام فہم اردو زبان میں شرح اور بسط کے ساتھ قرآن مجید کے معانی اور مطالب بیان کر دیئے ہیں اور ساتھ ہی مسلمانوں کو جگہ جگہ جھنجھوڑا بھی ہے کہ قرآن مجید کا تم سے کیا مطالبہ ہے اور تمہاری اجتماعی و انفرادی زندگی کس رخ پر ہے، کوشش کی ہے کہ تفسیر و حدیث کے اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا جائے، اور تفسیر القرآن بالقرآن، اور تفسیر القرآن بالحدیث کو اختیار کیا جائے، یہ تفسیر ان شاء اللہ تعالیٰ ہر طبقہ کے مسلمانوں کے لیے مفید ہوگی۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ ترجمہ اور تفسیر پڑھنے والے طلبہ کی زیادہ رعایت کی گئی ہے۔ سبب نزول لکھنے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ اور کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ تحت اللفظ ہو اور با محاورہ بھی، میری کوشش ان شاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہے۔ اللہ جل شانہ سے امید کرتا ہوں کہ اس تفسیر کو شرف قبولیت بخشے گا اور اپنے بندوں میں بھی قبولیت عامہ عطا فرمائے گا۔

انہ علی کل شیء قدير وبالاجابة جدين وعلی ما یشاء قدير وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ومن تبعہم باحسان الی یوم الدین

العبد
محمد عاشق الہی بلند شہری عفا اللہ عنہ و عافاہ
(مدینہ منورہ)

آیاتها ۷ ۱ سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ۵ ۱ مَرَكُوعًا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

سورہ فاتحہ مکہ ہے اور اس میں سات آیات ہیں۔

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مُلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ
نَسْتَعِیْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْبَغْضُوْبِ
عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ ۝

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا، جو سب سے بڑا مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔ مالک ہے روز جزا کا، ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، چلا ہم کو سیدھے راستے پر، جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر تو نے انعام فرمایا، جن پر غصہ نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہیں۔

سورۃ فاتحہ کے اسماء اور فضائل:

سورۃ فاتحہ مکی ہے، بعض علماء نے اسے مدنی بھی کہا ہے اور بعض علمائے تفسیر نے فرمایا کہ یہ سورت دو بار نازل ہوئی ہے ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں، اس سورت کے بہت سے نام ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور نام الفاتحہ ہے، تفسیر القان میں پچیس نام ذکر کئے ہیں۔ جن میں چند نام یہ ہیں۔ فاتحۃ الكتاب، فاتحۃ القرآن، ام الكتاب، ام القرآن، السبع المثانی، سورۃ المناجاة، سورۃ السوال، سورۃ الحمد، سورۃ الشکر۔

سورۃ حجر میں فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ اَتَيْنَكَ سَبْعًا مِّنَ الْمُثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں۔ جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا۔“

السبع (سات) اس لیے فرمایا کہ اس میں سات آیات ہیں اور مثانی اس لیے فرمایا کہ یہ سورت بار بار پڑھی جاتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب صحیح بخاری ۶۴۲ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کا نام ام الكتاب اس لیے رکھا گیا کہ یہ مصاحف میں بالکل شروع میں لکھی جاتی ہے اور نماز میں بھی اسی سے قرأت شروع کی جاتی ہے اور فاتحہ کی یہ بھی بہت بڑی فضیلت ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

احادیث شریفہ میں سورۃ فاتحہ کی بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ صحیح بخاری ص ۶۴۲ ج ۲ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ فاتحہ کو اعظم سورۃ فی القرآن (یعنی قرآن کی عظیم ترین سورت) فرمایا۔ سنن ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ فاتحہ کے بارے میں فرمایا کہ اللہ کی قسم اس جیسی سورت نہ تو ریت میں اتاری گئی نہ انجیل میں نہ زبور میں نہ قرآن میں (باب ماجاء فی فضل فاتحۃ الكتاب) حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۃ فاتحہ کو افضل القرآن بتایا۔ (درمنثور ص ۵ ج ۱) بعض احادیث میں سورۃ فاتحہ کو دو تہائی قرآن کے برابر فرمایا ہے۔ (درمنثور ص ۵ ج ۱)

حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں اس خزانہ سے اتاری گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے۔ ان چار کے علاوہ اس میں سے کوئی چیز نہیں اتاری گئی (۱) ام الكتاب (۲) آیت الکرسی (۳) سورۃ بقرہ کی آخری آیات (۴) سورۃ کوثر۔ (درمنثور ص ۵ ج ۱ عن الطبرانی والضياء المقدسی فی المختارۃ)

حضرت مجاہد تابعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابلیس ملعون چار مرتبہ رویا، ایک تو اس وقت رویا جب سورہ فاتحہ نازل ہوئی، دوسرے اس وقت جب وہ ملعون قرار دیا گیا، تیسرے جب زمین پر اتارا گیا، چوتھے جب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ (درمنثور ص ۵ ج ۱)

صحیح مسلم ص ۱۲۷ ج ۱ میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی، حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا تھا، ایک فرشتہ نازل ہوا، حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو آج سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا۔ اس فرشتہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور عرض کیا کہ آپ خوشخبری سن لیجئے، دونوں آپ کو ایسے ملے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے۔ (۱) فاتحہ الکتاب (۲) سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں (ان میں دعا ہے اور چونکہ یہ دعا اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہے اس لیے مقبول ہے) ان دونوں میں سے جو بھی کچھ تلاوت کریں گے اللہ تعالیٰ ضرور آپ کا سوال پورا فرمائیں گے۔

تفسیر اتقان میں ہے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ میں (اجمالی طور پر) قرآن شریف کے تمام مقاصد اور مضامین جمع کر دیئے ہیں۔ یہ سورت مطلع القرآن ہے اور یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ یہ سورت پورے قرآن شریف کے لیے براعت استہلال کا حکم رکھتی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ قرآن شریف اور تمام آسمانی ادیان چار علوم پر مشتمل ہیں۔ اول علم الاصول جس میں تین چیزیں ہیں۔ (۱) اللہ پاک کی ذات و صفات کو جاننا، اس کی طرف سورہ فاتحہ میں شروع کی دو آیتوں میں اشارہ ہے۔ (۲) نبوت و رسالت، اس کی طرف ﴿الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ میں اشارہ ہے۔ (۳) قیامت اس کی طرف ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ میں اشارہ ہے۔ دوم علم العبادات، اس کی طرف ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ میں اشارہ ہے۔ سوم، علم السلوک یعنی نفس کو آداب شرع کا پابند بنانا اور احکام خداوندی کی فرماں برداری پر آمادہ کرنا اس کی طرف ﴿وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ میں اور ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ میں اشارہ ہے۔ چہارم علم القصص یعنی گزشتہ امتوں کے واقعات، ان واقعات سے یہ غرض ہے کہ فرماں برداروں کی سعادت و کامیابی اور نافرمانوں کی بدبختی و بربادی معلوم کر کے عبرت حاصل کی جائے۔ اس مقصد کی طرف ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ میں اشارہ ہے۔

مسلم شریف ص ۷۰ ج ۱ میں ہے کہ آنحضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے نماز کو (یعنی نماز کے اہم ترین حصہ کو) اپنے اور بندہ کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا ہے اور بندہ جو سوال کرے اس کے لیے وہی ہے (اس کے بعد اس تقسیم کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی کہ) جب بندہ کہتا ہے ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ﴿حَمِيدُنِي عَبْدِي﴾ (یعنی میرے بندہ نے میری تعریف کی) پھر جب وہ کہتا ہے۔ ﴿الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ﴿أَتْنِي عَلَى عَبْدِي﴾ (یعنی میرے بندہ نے میری بڑائی بیان کی) پھر جب وہ کہتا ہے ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَجْدُنِي عَبْدِي﴾ (یعنی بندہ نے میری بزرگی بیان کی) پھر جب وہ کہتا ہے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور میرا بندہ جو سوال کرے اس کے لیے وہی ہے۔ (یہ آیت اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جہاں بندہ نے اپنی بندگی کا اعلان اور اقرار کیا اور مدد مانگنے کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو خاص کر لیا اور مان لیا اور اس طرح خود کو رحمت و نعمت کی نوازش کے قابل بنا لیا وہاں اس نے بلا شرکت غیرے اللہ پاک کی معبودیت کا بھی اعلان کیا اور یہ بھی مانا اور جانا اور دوسروں کو بتایا کہ جس سے مدد مانگی جائے وہ صرف اللہ پاک رؤف و رحیم احد و صمد ہے جو سب کچھ دے سکتا ہے اور جس کے سب محتاج ہیں اور جس کے قبضہ میں ہر چیز ہے اور جس کسی کے پاس قلیل و کثیر جو کچھ بھی ہے سب اسی کا دیا ہوا ہے) پھر جب بندہ کہتا ہے۔ ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرے بندہ کے لیے ہے اور میرا بندہ جو سوال کرے اس کے لیے وہی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تعوذ اور تسمیہ کا بیان:

جب قرآن مجید کی تلاوت شروع کی جائے تو اوّل ﴿اعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾ پڑھا جائے سورہ نحل میں ارشاد ہے: ﴿فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِْذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾ (سو جب تو قرآن پڑھنا شروع کرے تو اللہ کی پناہ مانگ شیطان مردود سے) اور اس کے بعد ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ پڑھا جائے۔

جب کسی مکان میں رہنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو اس کو تکلیف دینے والی چیزوں سے صاف ستھرا کرتے ہیں پھر اس کو زینت دیتے ہیں یعنی رنگ و روغن کرتے ہیں۔ اسی طرح سے جب تلاوت شروع کریں تو پہلے اپنے دل کو شیطان مردود کے وسوسوں سے پاک کریں۔ اس کے لیے ﴿اعُوْذُ بِاللّٰهِ﴾ (آخر تک) پڑھی جائے۔ پھر اللہ کا نام لے کر دل کو مزین کریں۔ نماز میں سب سے پہلے سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور اس کو شروع کرنے سے پہلے دل کو شیطانی وسوسوں سے صاف کیا جاتا ہے اور اللہ کے نام سے دل کو مزین کیا جاتا ہے۔ جب آدمی نماز شروع کرے تو ان چیزوں سے ذہن فارغ کر لے جن میں شیطان لگائے رہتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل بنانے والی ہیں۔

سورہ فاتحہ کے علاوہ بھی جب کوئی سورت شروع کرے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھے، البتہ سورہ انفال ختم کر کے سورہ برأت شروع کرے تو بِسْمِ اللّٰهِ پڑھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قرآن کی ایک آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے۔ لیکن سورہ فاتحہ یا اس کے علاوہ کسی دوسری سورت کا جزو نہیں ہے۔ البتہ سورہ نمل کے دوسرے رکوع میں جو ایک جگہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ ہے وہ سورہ نمل کا جزو ہے۔ ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ فاتحہ میں سات آیات ہیں جو حضرات ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ کو سورہ فاتحہ کا جزو مانتے ہیں وہ اس کو ایک آیت شمار کرتے ہیں اور ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ سے لے کر ختم سورت تک چھ آیات شمار کرتے ہیں (حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے) اور جن ائمہ اور قراء کے نزدیک ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ سورہ فاتحہ کا جزو نہیں ہے ان کے نزدیک ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّٰلِّیْنَ﴾ ساتویں آیت ہے۔ (معالم التنزیل ص ۳۹ ج ۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورت ختم ہونے کا علم نہ ہوتا تھا جب تک ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ نازل نہ ہو جاتی تھی۔ جب بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا نزول ہوتا تو آپ سمجھ لیتے تھے کہ سورت ختم ہو گئی اور اب نئی سورت شروع ہو رہی ہے۔ (درمنثور ص ۷ ج ۱)

تفسیر معالم التنزیل ص ۳۷ ج ۱ میں لکھا ہے کہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ ہر سورت کے شروع میں ہونا اللہ پاک کی طرف سے بندوں کو تعلیم ہے کہ قرأت سے پہلے اس کو پڑھیں اور قرأت شروع کرنے کا ادب جان لیں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے خاص ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں

اول کی تین آیات میں اللہ پاک کی تعریف اور اسم ذات اور اللہ پاک کی بڑی بڑی صفات ذکر کی گئی ہیں جو دیگر صفات کمالیہ کو بھی شامل ہیں۔

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ اس دعویٰ کو واضح اور ثابت کرنے میں مذکورہ صفات کو بڑا دخل ہے یعنی جو ذات پاک ایسی ایسی صفات سے متصف ہے ظاہر ہے کہ ہر تعریف کی مستحق ہے۔ جتنی تعریفیں آج تک ہوئی ہیں یا آئندہ دنیا و آخرت میں ہوں گی درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کسی نے کی ہے یا آئندہ کوئی کرے گا اس کا اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہونا تو ظاہر ہے اور جو تعریفیں اس کی مخلوق کی کی جاتی ہیں یا آئندہ کی جائیں گی یا گزشتہ تمام زمانوں میں ہو چکی ہیں وہ بھی درحقیقت اللہ پاک کی ہی تعریفیں ہیں کیونکہ ہر صاحب کمال کو اس نے وجود بخشا ہے اور کمال سے نوازا ہے اور کمال اور صاحب کمال کی پرورش فرمائی ہے اور اپنی رحمت سے ان کمالات کو باقی رکھا ہے۔ لہٰذا میں لام اختصاص اور اشتقاق کے لیے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ محمود حقیقی اور مستحق حمد اللہ تعالیٰ ہی ہے اگر کوئی اللہ کی حمد نہ کرے تو اس کی محمودیت حقیقیہ میں ذرا فرق نہیں آتا۔

رَبِّ الْعَالَمِينَ کا معنی اور مطلب:

رَبُّ عربی زبان میں بمعنی مالک آتا ہے اور بمعنی پروردگار (پالنے والا) بھی آتا ہے (معالم التنزیل) یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ اللہ پاک تمام جہانوں کے مالک ہیں اور پالنے والے بھی۔ الْعَالَمِينَ عالم کی جمع ہے۔ عالم (بروزن فاعل بفتح العین) علم سے لیا گیا ہے۔ عربی قاعدہ کی رو سے فاعل کا وزن مادہ اشتقاق کے آلہ کے لیے آتا ہے عالم کا مادہ اشتقاق علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق عالم ہے۔ اس لیے کہ اپنے خالق (پیدا کرنے والے) کے معلوم ہونے کا ذریعہ ہے۔ یوں تو ساری مخلوق بہ حیثیت مخلوق کے ایک عالم ہے لیکن مخلوق کی بے شمار قسمیں ہیں۔ ہر قسم کو علیحدہ علیحدہ عالم قرار دیکر جمع (عالمین) لائی گئی گویا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ خدائے پاک کے جاننے اور پہچاننے کے لیے ایک عالم (بلکہ اس کا ایک ذرہ بھی) کافی ہے لیکن عالم اتنے زیادہ اور بیشتر ہیں کہ ان کو دیکھ کر اگر کوئی کوڑھ مغزبداطن خدائے پاک کو نہ پہچانے تو اس کی محرومی، بد نصیبی، جہالت کی بھی تردید ہے جو بعض مخلوقات کو معبود مانتے ہیں اور خالق کو چھوڑ کر مخلوق و مملوک کے سامنے جبین نیاز رکھتے ہیں۔ مقاتل بن حیان نے فرمایا کہ عالم اسی ہزار ہیں، چالیس ہزار خشکی میں اور چالیس ہزار سمندر میں۔

حضرت وہب بن منبہ نے فرمایا کہ عالموں کی تعداد اٹھارہ ہزار ہے لیکن صحیح بات وہ ہے جو جناب کعب الاحبار نے فرمائی کہ عالموں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا انہوں نے اپنے استدلال میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ﴾ (معالم التنزیل ص ۴۰ ج ۱)

اللہ جل شانہ، سارے جہانوں کا خالق بھی ہے اور مالک بھی۔ اور پرورش کرنے والا بھی اس نے صرف وجود ہی نہیں دیا بلکہ مخلوق کو زندہ رکھنے کے اسباب بھی پیدا فرمائے۔ وہ رزق بھی دیتا ہے کھلاتا پلاتا بھی ہے ہر فرد تک رزق پہنچاتا ہے۔ جب کھانے والا رزق کھا لیتا ہے تو وہ اس رزق کو پچاتا ہے۔ جس سے جسم بڑھتا ہے خون پیدا ہوتا ہے رگوں میں دوڑتا ہے اور یہ سب بقائے حیات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جتنے بھی اسباب معاش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائے ہیں۔ ان سب سے شان ربوبیت اچھی طرح واضح ہوتی ہے۔ نئی نئی تحقیقات سے اجسام کے پلنے بڑھنے کے جو راز منکشف ہوئے ہیں انسانی عقل و شعور کے لیے بہت حیرت ناک ہیں۔ زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کو دیکھا جائے۔ طرح طرح کے غلے پھل اور میوے مختلف سبزیاں ترکاریاں وجود میں آرہی ہیں انسان اور جانور ان کو کھاتے ہیں اور پرورش پاتے ہیں۔ جس کا جو رزق مقرر ہے وہ اس کو ضرور پہنچ کر رہتا ہے ایک برا عظیم کی پیدا شدہ چیزیں دوسرے برا عظیم کے لوگ کھا کر اور استعمال کر کے جی رہے ہیں۔

پالنے کے مفہوم میں صرف جسمانی، غذائیں ہی نہیں آتیں بلکہ ہر وہ چیز آجاتی ہے جو زندگی اور بقا کا ذریعہ ہو۔ اجسام کی پرورش کے ساتھ روح کی پرورش بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو زندگی کے لیے اصل چیز ہے اور جو معیشت کے آلات اور اسباب ہیں اور جو جسم کے اعضاء اور جوارح ہیں۔ یہ سب پرورش کا ذریعہ ہیں۔

الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ مُلْكُ يَوْمِ الدِّينِ ۝

بہت بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ روز جزا کا مالک ہے۔

الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ:

یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں رحم سے مشتق ہیں، بعض علماء کا قول ہے کہ دونوں کا ایک معنی ہے اور اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ رحمن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے چونکہ دونوں ہی مبالغہ کے صیغے ہیں۔ اس لیے ہر ایک کے ترجمہ میں معنی مبالغہ کا خیال رکھا جاتا ہے۔ رَحْمَنُ اللہ پاک کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور رحیم اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی مخلوق کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ کما قال تبارک و تعالیٰ فی شان نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ط﴾ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ کا برابر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے وہ ساری مخلوق پر رحم فرماتا ہے، سب کا وجود اور بقا آرام و سکون سب اسی کی رحمت سے ہے۔

مُلْكُ يَوْمِ الدِّينِ

دین جزا اور بدلہ گو کہتے ہیں یَوْمِ الدِّينِ بدلہ کا دن۔ اس سے قیامت کا روز مراد ہے۔ اس روز خیر و شر کے بدلوں کا فیصلہ ہوگا ہر شخص اپنے اپنے عمل کا نتیجہ پائے گا۔ اللہ پاک کے رحم و کرم کے سوا کوئی راستہ جان چھوٹنے کا نہ ہوگا اگر کوئی سفارش کرنا چاہے گا تو بغیر اجازت مالک یوم الدین جل مجدہ، سفارش نہیں کر سکے گا۔ اس روز کسی کی مجازی حکومت و حاکمیت بھی نہ ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ شانہ ﴿الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ الْحَقِّ لِلرَّحْمَنِ۔ وَ قَالَ جَل جَلَالِهِ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَ الْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ شانہ صرف قاضی یوم الدین ہی نہیں بلکہ ﴿مُلْكُ يَوْمِ الدِّينِ﴾ بھی ہے بعض مرتبہ دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ قاضی (جج) فیصلہ تو کرتا ہے مگر ملک اور قانون کا مالک نہیں ہوتا۔ بادشاہ ملک یا مجلس قانون ساز کے مرتب کردہ دستور کا پابند ہوتا ہے اور اسی کے دائرہ قانون میں فیصلہ کرتا ہے۔ اللہ جل شانہ، الْمُلْكُ الْيَوْمَ ہے قاضی روز جزا ہے اور ملک روز جزا بھی۔ اس پر کسی کا کوئی قانون اور کوئی حکم لاگو نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ رد نہیں ہو سکتا، اس کے خلاف اپیل نہیں ہو سکتی..... وہاں دنیا کے حاکموں اور فیصلے کرنے والوں کے فیصلے بھی ہوں گے اور جانوروں تک نے جو ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کی تھی۔ اس کا بھی فیصلہ ہوگا۔ دنیا کے بادشاہ اور بڑے بڑے تسلط اور بددہ والے مجرموں کی صف میں کھڑے ہوں گے اور اپنے اپنے عمل اور کردار کا فیصلہ سنیں گے اور اس فیصلے کے مطابق عمل ہوگا۔ ﴿لَا مَعْقَبَ لِحُكْمِهِ وَ هُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

معبود اور مستعان صرف اللہ کی ذات ہے:

شروع سورت سے ﴿مُلْكُ يَوْمِ الدِّينِ﴾ تک اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کا بیان تھا۔ اس بیان میں اگرچہ غیبت کا عنوان تھا لیکن جب بندہ نے مستحق حمد کی حمد بیان کرنے میں صفات کمال اور مظاہرہ جلال و جمال کا یقینی طور پر تصور کر لیا تو اس مستحق حمد سے خطاب کرنے اور مراد مانگنے کے لیے جذبہ میں آ کر خطاب کرنے لگا، اول مخاطب ہو کر یہ اعلان کیا کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں، اور پھر اپنی سب سے بڑی ضرورت کا سوال کیا کہ ہم کو صراط مستقیم دکھا دے اور بتا دے، کاف ضمیر خطاب نَعْبُدُ اور نَسْتَعِينُ کا مفعول ہے اس

کو ضمیر منفصل بنا کر فعل سے مقدم لانے سے معنی میں حصر پیدا ہو گیا۔ اہل بلاغت نے بتایا ہے کہ تقدیم ماحقہ التاخیر مفید حصر ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ترجمہ یہ ہو گیا کہ ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ سورہ فاتحہ پڑھنے والا گو واحد شخص ہوتا ہے۔ لیکن صیغہ جمع متکلم لا کر دوسروں کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیتا ہے۔ اور اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ ساری مخلوق کا تو ہی معبود ہے اور سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ جو لوگ مشرک ہیں وہ گمراہ ہیں اور غلطی پر ہیں ان کا معبود حقیقی بھی تو ہے ہم ساری بنی نوع انسان کی طرف سے اور سارے جنات اور فرشتوں کی طرف سے بلکہ ساری مخلوق کی طرف سے اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ صرف تو ہی عبادت کے لائق ہے۔ اس کے بعد یوں عرض کیا کہ ہم صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ جب خداوند قدوس جل مجدہ، ہر چیز کا خالق بھی مالک بھی ہے معبود حقیقی بھی ہے۔ قادر مطلق بھی ہے تو اس کے سوا کوئی نہیں جس سے مدد مانگی جائے۔ عبادت بھی صرف اسی کی کرتے ہیں اور مدد بھی صرف اسی سے لیتے ہیں اس میں بھی صیغہ خطاب کا استعمال کیا اور اعلان کیا کہ اے اللہ ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تو ہی مدد کرنے والا ہے تیرے سوا کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معبود اور مددگار ماننے کے بعد کسی دوسرے کو عبادت اور استعانت (مدد مانگنے) کے لیے پکارنا اعلان ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اس آیت میں شرک فی العبادۃ اور شرک فی الاستعانت دونوں کی نفی علی وجہ الکمال کر دی گئی ہے۔ دیوی، دیوتا، مزار، قبر ولی، پیر، تعزیہ یا اور کسی چیز کو حاجت روا مشکل کشا سمجھنا اور اس کے سامنے سجدہ کرنا شرک ہے۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝

ہم کو سیدھا راستہ دکھا۔

صراطِ مستقیم کی دعا:

راہِ حق کو دکھانا اور مطلوب حق تک پہنچانا یہ سب کچھ ہدایت کے مفہوم میں داخل ہے۔ مدد مانگنے کے ذیل میں جہاں اور باتیں ہیں وہاں ہدایت کی طلب بھی ہے اور درحقیقت ہدایت ہی مخلوق کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے۔ اگر سب کچھ موجود ہو اور بندہ ہدایت پر نہ ہو عقیدہ اور عمل سے گمراہ ہو تو دنیاوی چیزوں سے تھوڑا بہت فائدہ اٹھا کر عذاب دوزخ میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ اس اعتبار سے حقیقی نعمت ہدایت ہی ہوئی۔ لہذا یہ کہہ کر کہ ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں فوراً ہدایت کا سوال کیا گیا۔ یعنی صحیح راستہ پر چلانے کی دعا کر لی گئی۔ صحیح راستہ کون سا ہے اس کی تعیین کے لیے ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ لایا گیا جس کی تفسیر ابھی آتی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ مؤمن ہیں قرآن کو مانتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں وہ تو ہدایت پر ہیں ہی ان لوگوں سے بار بار ہدایت کا سوال کیوں کرایا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایت یافتہ ہوتے ہوئے ہدایت کی دعا کرنا موت تک ہدایت پر جسے رہنے اور ثابت قدم رہنے کا سوال ہے جیسا کہ دوسری آیت میں اہل ایمان کی دعا کا اس طرح تذکرہ فرمایا ہے۔

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو حق سے نہ ہٹا دیجیے بعد اس کے کہ آپ نے ہمیں ہدایت دی اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرمادیجیے، بے شک آپ بہت زیادہ دینے والے ہیں)

قال النسفی ای ثبتنا علی المنہاج الواضح کقولک للقاء قم حتی اعود الیک ای اثبت علی ما انت علیہ أو اهدنا فی الاستقبال کما ہدیتنا فی الحال (مدارک التنزیل ص ۷۷ ج ۱)

(علامہ نسفی فرماتے ہیں: یعنی آپ ہمیں واضح شاہراہ پر ثابت قدم رکھیں۔ جیسے آپ کھڑے ہوئے کو کہیں قم (کھڑارہ) یہاں تک

کہ میں تیرے پاس واپس آؤں یعنی جس طرح تم کھڑے ہو اسی طرح کھڑے رہو یا ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ کا معنی ہے کہ یا اللہ! آپ ہمیں مستقبل میں بھی اسی طرح ہدایت سے مشرف رکھیں جس طرح حال میں ہدایت سے مشرف رکھا ہے۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

راستہ ان حضرات کا جن پر آپ نے انعام فرمایا۔

صراط مستقیم والے کون حضرات ہیں:

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ان الفاظ میں صراط مستقیم کی تعین کر دی گئی۔ صراط مستقیم (سیدھا راستہ) کیا ہے جتنی جماعتیں اور قومیں دنیا میں بستی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ہدایت پر ہی سمجھتے ہیں، لیکن وہ کون سا راستہ ہے جسے سیدھا راستہ مانا جائے اور جس پر چلنے سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور آخرت میں نجات ہوگی۔ اس کے بتانے کے لیے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا راستہ صراط مستقیم ہے۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ یہ حضرات کون ہیں ان کا ذکر سورہ نساء کی اس آیت میں ہے۔

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا﴾ (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے یہ اشخاص ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں) اس سے واضح ہو گیا کہ ان حضرات پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ سورہ فاتحہ میں ان ہی حضرات کے راستہ کو صراط مستقیم یعنی صحیح اور سیدھا راستہ بتایا ہے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ

جن پر غصہ نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہیں۔

مغضوب علیہم اور ضالین کے راستہ سے بچنے کی دعاء:

﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ (جن پر غصہ نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہیں) یہ ﴿الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ کی صفت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! جن حضرات پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن پر آپ کا غصہ نہیں اور جو گمراہ نہیں ہیں۔ مفسر ابن کثیر نے بعض روایات ایسی نقل کی ہیں۔ جن میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ﴿الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ﴾ سے یہود اور الضالین سے نصاریٰ مراد ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ یہودیوں کے بارے میں سورہ بقرہ میں فرمایا ﴿فَبَاءٌ وَابْغَضِبْ عَلَيَّ غَضِبٌ﴾ کہ وہ غصہ پر غصہ کے مستحق ہوئے اور نصاریٰ کے بارے میں سورہ مائدہ میں فرمایا۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ﴾ (ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستہ سے بھٹک گئے) یہودیوں نے علم ہوتے ہوئے علم کو کھودیا اور حق کو ٹھکرا دیا، نصاریٰ علم کے مدعی نہ تھے اور علم سے خالی بھی تھے لیکن اپنے آپ کو عبادت گزار سمجھتے تھے۔ ان کے راہب پہاڑوں میں رہتے تھے اور عبادت میں طرح طرح کی مشقتیں جھیلتے تھے اور عبادت کے طریقے انہوں نے خود نکالے تھے۔ یہ لوگ راہ حق سے ہٹے اور گمراہ ہوئے، جو شخص علم ہوتے ہوئے عمل چھوڑ دے وہ زیادہ مستحق غضب ہوتا ہے۔ اس لیے صفت مغضوبیت یہودیوں کے لیے خاص طور سے ذکر کی گئی اور نصاریٰ نے عمل کا ارادہ تو کیا لیکن بے علمی کی وجہ سے طریقہ غلط اختیار کر گئے اور اتباع حق کو چھوڑ کر بے راہ ہو گئے۔

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اہل ایمان کا طریقہ یہ ہے کہ حق کا علم بھی ہو اور اس پر عمل بھی ہو، پھر لکھتے ہیں۔ وکل من اليهود والنصاریٰ ضال مغضوب علیہ لکن اخص اوصاف اليهود الغضب واخص اوصاف النصاری الضلال (ص ۲۹ ج ۱) یعنی ہیں تو دونوں ہی

(یہود و نصاریٰ) گمراہ اور مغضوب علیہ، لیکن مغضوبیت کی شان یہودیوں میں زیادہ ہے۔ (اس لیے خصوصیت کے ساتھ ان کی طرف مغضوبیت کی نسبت کی گئی) اور نصاریٰ کے اوصاف میں خاص طور پر ضلال زیادہ واضح ہے۔ (اس لیے ان کو ضالین فرمایا)

یہودیوں کی شرارت، عناد اور مکاریاں اور دیسہ کاریاں جو سورہ بقرہ میں اور دوسری سورتوں میں بیان کی گئی ہیں ان کے جاننے کے بعد ہر صاحب عقل یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یہ لوگ قصداً و ارادۃً ایسی حرکتیں کرتے تھے جن سے اللہ تعالیٰ کے غصہ کے زیادہ سے زیادہ مستحق ہوتے چلے گئے۔

سورہ فاتحہ کے ختم پر اہل ایمان سے یہ دعا کرائی گئی ہے کہ یہودیوں اور نصرانیوں دونوں جماعتوں کے طریقوں سے علیحدہ اور بیزار رہیں۔ نماز میں بار بار سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں اور یہود و نصاریٰ کے طریقوں سے بچنے کی دعا مانگتے ہیں۔ اب مسلمان غور کر لیں کہ وہ ان دونوں جماعتوں کے طور طریق سے کس قدر دور ہیں اور جن حضرات پر انعام ہوا یعنی حضرات انبیاء کرام ﷺ اور صدیقین اور صالحین ان کے طریقوں سے کتنے قریب ہیں۔ حکومت، سیاست، معاشرت، شکل و صورت، لباس، کسب مال، تجارت، معیشت و معاشرت، غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں غور کر لیں۔ اُمت محمدیہ ﷺ میں یہود و نصاریٰ کی مشابہت اور ان کا اتباع پایا جاتا ہے عوام میں بھی اور خواص میں بھی، جو لوگ نماز پڑھتے ہیں اور نماز میں دعا کرتے ہیں کہ ہمیں مغضوب علیہم اور ضالین کے راستہ سے بچاؤ لوگ بھی ان کی اتباع سے پرہیز نہیں کرتے۔ بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ اس اُمت میں سے جو عالم بگڑے گا اس کے اندر یہود کی صفات سے مشابہت ہوگی اور جو عابد بگڑے گا اس کے اندر نصاریٰ کی مشابہت ہوگی درحقیقت صحیح فرمایا اُمت کا حال نظروں کے سامنے ہے جو مغضوب ہیں اور ضالین ہیں عام لوگوں کو انہیں کے طریقے محبوب ہیں۔ (اعاذنا اللہ من ذلك)

جن حضرات پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ان کے راستہ کے علاوہ جتنے بھی دین، مذہب، فرقے، جماعتیں، پارٹیاں ہیں سب ہی صراطِ مستقیم سے خارج ہیں اور مومن موحّد کے لیے ان سب سے بچنا فرض و واجب ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ یہود و نصاریٰ کے راستہ سے بچنے کی دعا مانگنے کی اس لیے تلقین کی گئی کہ ایک مسلمان بت پرست دہری منکر خدا ہونا گوارا نہیں کر سکتا اور اہل کتاب کے راستوں کو اختیار کر سکتا ہے، اہل کتاب کے دونوں فرقوں کا نام نہیں لیا گیا بلکہ ان کے انجام کار ہی کو ان کا لقب بنا کر ذکر فرما دیا۔ جس میں دو امر کی طرف اشارہ ہے، اول یہ کہ انبیاء صلحاء صدیقین و شہداء کے راستہ سے ہٹنے کا انجام راہ سے بھٹک جانا اور خدائے پاک کے غصہ میں آجانا ہے۔ دوسرے یہ کہ صراطِ مستقیم کے خلاف صرف یہود و نصاریٰ ہی کا راستہ نہیں ہے بلکہ جو بھی یہود و نصاریٰ کے عقائد و کردار اوصاف و اخلاق اختیار کرے گا اس کے نتیجے میں مغضوب علیہ اور ضال ہوگا (خواہ فرد ہو خواہ جماعت) لہذا اس کے راستہ سے بچنا بھی فرض ہوگا۔

آمین:

سورہ فاتحہ کے ختم پر نماز میں اور خارج از نماز آمین کہنا مسنون ہے اور اس کے علاوہ بھی جو دعاء کی جائے اس کے آخر میں آمین کہنا جائے۔ احادیث شریفہ میں اس کی فضیلت اور ترغیب وارد ہوئی ہے۔ آمین کا معنی ہے کہ اے اللہ قبول فرما۔ ایک مرتبہ دعا کی پھر دعا کی قبولیت کی دعا کی یہ مل کر گویا دو مرتبہ دعا ہو جاتی ہے۔

معالم التنزیل ص ۴۲ ج ۱ میں لکھا ہے کہ ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کے بعد ذرا ٹھہر کر آمین کہے (تا کہ سورہ فاتحہ کا جزو ہونے کا ایہام نہ ہو۔) چونکہ آمین قرآن مجید کا جزو نہیں ہے اس لیے قرآن مجید میں لکھا نہیں جاتا لیکن پڑھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں نے تمہاری کسی چیز پر اتنا حسد نہ کیا جتنا آمین کہنے پر حسد کیا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں نے تم سے تین چیزوں پر حسد کیا ہے۔ (۱) سلام کو پھیلانا (۲) نماز میں صفیں قائم کرنا (۳) آمین کہنا (یہ روایات درمنثور میں نقل کی گئی ہیں۔)

فائدہ: بعض غیر مسلموں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اپنی تعریف خود کرنا ٹھیک نہیں ہے پھر خدائے تعالیٰ نے اپنی تعریف خود کیوں کی؟ اس کا ایک جواب مفسرین کے اس قول سے نقل سکتا ہے کہ یہ مضمون بندوں کی زبانی ادا کرایا گیا ہے اور الْحَمْدُ لِلَّهِ سے پہلے قَوْلُوا (صیغہ امر) مقدر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کو حکم فرمایا ہے کہ یوں کہو اور چونکہ بندہ کی زبانی اول کی تین آیات ادا کرائی گئی ہیں اس لیے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ بھی اول کی تین آیات کے ساتھ اس صورت میں مضمون واحد ہو کر مسلسل ہو جائے گا۔ لیکن یہ جواب جزوی طور پر سورہ فاتحہ کے بارے میں ہو سکتا ہے، قرآن شریف میں جگہ جگہ اللہ پاک کی حمد بیان کی گئی ہے اور حدیث شریف میں صاف اس طرح آیا ہے کہ لا احصى ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك۔ (اے اللہ میں ایسی تعریف تیری بیان نہیں کر سکتا ہوں جیسی تو نے اپنی تعریف بیان کی ہے) اس سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی تعریف بیان کرتے ہیں۔ پس غیر مسلموں کے سوال مذکورہ کا ایسا ٹھیک کلی جواب جو ہر موقعہ پر جواب بن سکے یہ ہے کہ خالق کو مخلوق پر قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ بلاشبہ مخلوق کے لیے خود ستائی بری بات ہے لیکن خالق اگر اپنی تعریف کرے تو یہ کوئی بے جا نہیں ہے، بلکہ صحیح اور درست ہے۔ اول اس پر غور کرنا چاہیے کہ خود ستائی بری چیز کیوں ہے؟ اس کی وجہ غور کرنے اور اہل عقل و دانش کے بتانے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ خود ستائی سے عجب (خود پسندی) اور تکبر پیدا ہوتا ہے اور خالق کمالات رب العالمین جل مجدہ سے غفلت ہو جاتی ہے اور انسان کا ذہن خالق کی حمد اور خالق کے کمالات سے ہٹ کر خود اپنی ذات میں اُلجھ جاتا ہے، اور رب العالمین خالق کل شئی اپنی خود تعریف کرے تو یہ کسی خرابی کا باعث نہیں ہے۔ اللہ پاک سے اوپر کوئی نہیں ہے اور وہ ایسا بڑا ہے کہ سب کی بڑائیاں اس کے سامنے بیچ ہیں اور ہر بڑے کو اس نے بڑائی دی ہے لفظ تکبر میں تکلف کے معنی پوشیدہ ہیں یعنی جو بڑا نہیں وہ بڑا ہے اس کو تکبر کہتے ہیں۔ اللہ پاک کی بڑائی کامل ہے تکلف سے نہیں ہے۔ وہ سب کا خالق ہے اس کا کوئی خالق نہیں ہے۔ لہذا اس کو اپنی تعریف کا پورا پورا حق ہے۔ اگر وہ اپنی تعریف کرے تو یہ لازم نہیں آتا کہ جو بڑا نہیں اس نے بڑائی کا دعویٰ کیا اور یہ بھی لازم نہیں آتا کہ اپنے خالق کو چھوڑ کر اپنی تعریف میں مشغول ہو۔ فَلَلهُ الْحَمْدُ اُولَا وَاٰخِرُ اَوْظَا هَرَا وَاٰبَاظْنَا اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِحْصٰی ثَنَاءَ عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔

سورہ فاتحہ شفا ہے:

سورہ فاتحہ کا ایک نام شافیہ (یعنی شفا دینے والی ہے) بھی ہے اس کے مضامین جس طرح مومن موحد کے لیے باطنی اور روحانی شفاء کا باعث ہیں۔ اسی طرح اس کے الفاظ جسمانی امراض و تکالیف اور دکھ درد کے لیے شفا بن جاتے ہیں۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے مرض سے نجات دلانے کے لیے سورہ فاتحہ پڑھ کر مجھ پر دم کرتے ہوئے تھکا دیا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فاتحہ الکتاب زہر کے لیے شفا ہے۔ حضرت عبدالملک بن عمیر نے (مرسل) روایت کی ہے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاتحہ الکتاب ہر مرض کے لیے شفا ہے۔ (یہ سب روایات درمنثور میں ہیں)

حسن حصین میں (ابوداؤد اور نسائی سے نقل کیا) ہے کہ جس کی عقل ٹھکانے نہ ہو تین روز صبح شام سورہ فاتحہ کے ذریعہ جھاڑا جاوے (جھاڑنے والا) سورہ فاتحہ کو پوری پڑھ کر اپنا تھوک (منہ) میں جمع کر کے تھکا ر دے اور ترمذی شریف سے نقل کیا ہے کہ جس کو سانپ، بچھو ڈس لے سات مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر جھاڑا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چند صحابہ (سفر میں) ایک تالاب پر گزرے۔ وہاں ایک آدمی کو بچھو نے ڈس لیا تھا۔ وہاں جو قبیلہ مقیم تھا۔ اُن میں سے ایک آدمی ان حضرات کے پاس آیا اور اُس نے کہا کیا تم میں کوئی شخص جھاڑ پھونک کرنے والا ہے۔ یہ سن کر اُن حضرات میں سے ایک صاحب چلے گئے اور انہوں نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کر دیا اور کچھ بکریاں لینے کی شرط لگالی۔ وہ شخص اچھا ہو گیا اور یہ بکریاں لے کر اپنے رفقاء کے پاس آگئے۔ انہوں نے ان بکریوں کا لینا اچھا نہ جانا اور کہنے لگے کہ تم نے اللہ کی کتاب پر اجرت لے لی۔ جب کہ پدینہ منورہ میں واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ انہوں نے کتاب اللہ پر اجرت لی۔ آپ نے فرمایا

بلاشبہ کتاب اللہ ان سب چیزوں میں اجرت لینے کے لیے زیادہ احق ہے۔ جن پر تم اجرت لیتے ہو۔ (صحیح بخاری ص ۸۵۴ ج ۲)
اس حدیث کی وجہ سے جھاڑ پھونک کی اجرت لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ کلام صحیح ہو، شرکیہ کلام نہ ہو۔

رات کو حفاظت کے لیے سورہ فاتحہ پڑھنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو نے بستر پر اپنا پہلو رکھا اور فاتحہ الکتاب اور ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ (ختم سورت تک) پڑھ لی تو موت کے سوا ہر چیز سے تجھے امان مل گئی ہے۔ (درمنثور)

و لقد تم تفسیر فاتحہ الکتاب بحمد اللہ تعالیٰ
و حسن توفیقہ فلہ الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ

۲ سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ۸۷ رُكُوعَاتُهَا ۴۰ آيَاتُهَا ۲۸۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سورۃ بقرہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اسکی دو سو چھیالیس آیات اور چالیس رکوع ہیں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الْم ۱ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۙ فِيْهِ ۙ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ ۲ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ ۳ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ وَ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُوْنَ ۙ ۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَبِّهِمْ ۙ ۵ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۙ ۶

یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس میں ہدایت ہے متقیوں کے لیے۔ جو ایمان لاتے ہیں غیب پر اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اُس پر جو اتارا گیا آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ بڑی ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہ لوگ ہی کامیاب ہیں۔

سورۃ البقرۃ

صحف عثمانی کی ترتیب کے لحاظ سے یہ دوسری سورت ہے۔ اس سورت میں بقرہ کا تذکرہ ہے، اس لیے سورۃ البقرہ کے نام سے موسوم ہوئی روایت حدیث میں اس کا یہ نام آیا ہے۔

فضائل سورہ بقرہ:

۱ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (یعنی ذکر و تلاوت سے گھروں کو خالی نہ رکھو جیسا کہ قبریں خالی ہوتی ہیں) بے شک شیطان اُس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ (سنن ترمذی، ص ۴۰۸)

اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن پڑھو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے لوگوں کے لیے سفارش کرنے والا بن کر آئے گا۔ دور روشن چیزوں کو پڑھو (یعنی سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کو، کیونکہ وہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی جیسے بادل ہوں یا جیسے پرندوں کی دو جماعتیں صف بنائے ہوئے ہوں۔ اپنے لوگوں کے لیے خوب زوردار سفارش کریں گی۔ سورۃ بقرہ کو پڑھو کیونکہ اس کا حاصل کر لینا برکت ہے اور اس کا چھوڑ دینا حسرت ہے اور وہ اہل باطل کے بس کی نہیں۔ (صحیح مسلم، ج ۱ ص ۲۷۰)

اہل باطل کے بس کی نہیں۔ یعنی وہ اسے حفظ نہیں کر سکتے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اہل باطل سے جادوگر مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ سورۃ بقرہ کے پڑھنے والے پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا۔ (ابن کثیر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا ایک بلند حصہ ہوتا ہے اور قرآن کا بلند حصہ سورۃ بقرہ ہے، اس میں ایک آیت ہے جو قرآن کی سب آیتوں کی سردار ہے۔ وہ آیۃ الکرسی ہے، جس گھر میں پڑھی جائے گی اس میں سے شیطان ضرور بھاگ جائے گا۔ (الترمذی فی السنن ص ۴۰۸ والحاکم وصحیح کما فی الدر المنثور ج ۱ ص ۲۰)

قرآن مجید متقیوں کیلئے ہدایت ہے

﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ (یہ کتاب ہدایت ہے متقیوں کیلئے) سورۃ بقرہ میں دوسری جگہ (رکوع ۲۳) میں قرآن مجید کو ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ فرمایا اور یہاں ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ فرمایا ہے۔ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ قرآن کی دعوت عام ہے ہر انسان کو قرآن نے حق کی دعوت دی ہے اور بار بار سمجھایا ہے اور دلائل پیش کیے ہیں جن کو سامنے رکھ کر تھوڑی سی سمجھ رکھنے والا بھی ہدایت پر آسکتا ہے لیکن چونکہ اس سے وہی لوگ نفع حاصل کرتے ہیں۔ جو اپنی عقل و فکر کو استعمال کر کے حق قبول کرتے ہیں اور یہ طے کر چکے ہیں کہ ہمیں گمراہی میں نہیں رہنا اور شرک و کفر سے بچنا ہے، اس لیے یہاں ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ فرمایا، لفظ اتقاء (جس سے متقی کا لفظ ماخوذ ہے اور اس کی جمع متقیین ہے) اس کا معنی بچنے کا ہے اور ڈرنے کے معنی میں بھی لیا جاتا ہے۔ لفظ تقویٰ اور اتقاء دونوں کا مادہ ایک ہی ہے شرک اور کفر سے بچنا اور ایمان قبول کر کے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنا اور مزید ترقی کر کے مشتبہات سے بچنا اور اپنے باطن کو صرف ذات حق تعالیٰ شانہ ہی میں مشغول رکھنا اور اسی کی طرف متوجہ رہنا یہ سب تقویٰ میں آتا ہے۔

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ میں جو یہ بات بتائی گئی تھی کہ اس میں ہدایت پر ثابت رہنے کی دعا ہے۔ یہاں بھی وہی بات کہی جا سکتی ہے۔ جو لوگ متقی ہیں۔ قرآن مجید پڑھ کر اور سن کر ان کی صفت تقویٰ میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور ایمان بڑھ جاتا ہے ﴿فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾۔

متقیین کی صفات:

اس کے بعد متقیین کی صفات بیان فرمائیں، اول یہ کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جن باتوں کی خبر دی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جو باتیں بتائی ہیں، ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے ان سب کو مانتے ہیں اور ان پر ایمان لاتے ہیں، بغیر دیکھے صرف خبر پر ایمان لے آنا یہ ایمان بالغیب ہے اور ایمان بالغیب ہی معتبر ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو وہاں کے حالات سب ہی دیکھ لیں گے اور مان لیں گے لیکن دیکھنے کے بعد مان لینا اور ایمان لانا معتبر نہیں۔

متقیوں کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی ﴿وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾ یعنی وہ نماز قائم کرتے ہیں، یصلون نہیں فرمایا بلکہ ﴿وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾ فرمایا۔ نماز قائم کرنا یہ ہے کہ نماز کے فرائض و واجبات و سنن و مستحبات سب کو خوف دھیان اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کیا جائے۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد نقل کیا ہے: اقامة الصلوة اتمام الركوع و السجود و التلاوة و الخشوع و الاقبال علیہا فیہا۔ یعنی نماز کا قائم کرنا یہ ہے کہ رکوع سجدہ پورا پورا ادا کیا جائے اور تلاوت بھی صحیح ہو اور نماز میں خشوع بھی ہو اور نماز پڑھتے وقت نماز کا دھیان بھی ہو۔

پھر فرمایا: ﴿وَمِمَّا رَزَقْنَهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ (اور ہمارے دیے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں) متقیوں کی صفت اقامت الصلوة بیان کرنے کے بعد (جو عبادات بدنہ میں سے سب سے اہم اور سب سے بڑی عبادت ہے) مالی عبادت کا ذکر فرمایا۔ یعنی متقیوں کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ ان میں مالی فرائض (زکوٰۃ اور عشر) اور واجبات (صدقہ فطر وغیرہ) نفلی صدقات سب داخل ہیں۔

پھر فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ (جو لوگ متقی ہیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا) ایمان وہ معتبر ہے جس میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے تمام رسولوں پر اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان ہو۔ اللہ کے کسی ایک نبی یا اس کی کسی ایک کتاب کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ﴾ میں اسی بات کا اعلان کیا گیا ہے۔ ﴿وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ کے عموم میں قرآن کریم سے پہلی تمام کتابوں اور صحیفوں کا علم ہے اور جن کا علم نہیں، ان سب پر

ایمان لانا اور اللہ کی کتاب ماننا فرض ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾ (اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں) ایمان کے تین اہم جزو ہیں۔ توحید، رسالت اور موت کے بعد زندہ ہونے پر ایمان لانا، یہاں ان تینوں چیزوں کو بتا دیا ہے، اور ساتھ ہی نماز اور زکوٰۃ کا بھی ذکر فرما دیا۔ کیونکہ ایمان قلبی کے بعد دوسرا درجہ نماز کا ہے اور اس کے بعد زکوٰۃ ہے۔ ایک فریضہ بدنیہ اور دوسرا فریضہ مالیہ بیان فرما دیا۔

﴿أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ﴾ (آخر تک) اس آیت میں اُن لوگوں کے لیے ہدایت پر ہونے اور کامیاب ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ جن کی صفات پہلے بیان ہوئیں۔ ان کو اس بات کی سند دی گئی کہ یہ ہدایت پر ہیں اور حقیقی اور واقعی کامیابی انہی کو حاصل ہونے والی ہے جو آخرت میں اللہ کی رضا اور دخول جنت کی صورت میں حاصل ہوگی۔ اللہ کی رضا سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ① خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ②

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے برابر ہے کہ آپ اُن کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی اُن کے دلوں پر، اور ان کے سننے کی قوت پر، اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے، اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہے

کافروں کی گمراہی اور آخرت میں بد حالی

اہل ایمان کے اوصاف بیان فرمانے کے بعد ان آیات میں اُن کافروں کا ذکر فرمایا ہے۔ جن کا اللہ کے علم میں خاتمہ کفر پر ہونا ہے اور جو لوگ حق واضح ہوتے ہوئے اور حق و باطل کو سمجھتے ہوئے کفر پر جمے ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے طے کر رکھا ہے کہ ہمیں ہرگز کسی حالت میں اسلام قبول نہیں کرنا۔ اللہ جل شانہ نے ہر شخص کو فطرت ایمانیہ پر پیدا فرمایا پھر اس کے ماں باپ اس کو کفر پر ڈال دیتے ہیں اور وہ اپنے ماحول اور معاشرہ کی وجہ سے ایمانی استعداد کو کھو بیٹھتا ہے اور اپنے کو اس درجہ میں پہنچا دیتا ہے کہ کسی قیمت پر اسلام قبول کرنے کو تیار نہیں۔ جب انہوں نے اپنی شرارت اور عناد کی وجہ سے اپنی استعداد خود برباد کر دی تو اپنی تباہی کا سبب وہ خود ہی بن گئے لیکن چونکہ اللہ بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے اس لیے اس خلق افعال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی جسے مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا۔ یہ مسئلہ قدرے باریک ہے اس لیے اسی اجمال پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔ جو لوگ کافر ہیں خواہ یہود و نصاریٰ ہوں خواہ ہندو و مشرک ہوں خواہ دوسری کسی قوم کے افراد ہوں اہل اسلام ان سے ملتے رہتے ہیں اور دلیل سے ان کو عاجز اور خاموش کر دیتے ہیں اور ان میں لاکھوں افراد ایسے ہیں جو قرآن اور اسلام کو حق جانتے ہیں پھر بھی نہ صرف یہ کہ خود اسلام قبول نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی اسلام قبول کرنے سے روکتے ہیں اور جو کوئی اسلام قبول کر لیتا ہے اس کو کفر میں واپس لانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسلام کو حق جانتے ہوئے قومی یا مذہبی عصبیت کے باعث اسلام کے خلاف کتابیں لکھتے ہیں۔ ان کے احوال اور اقوال پر نظر کرو تو ان کا عناد اور ان کا حال معلوم کرنے کے بعد آیت ﴿سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ کا مطلب بالکل واضح طور پر سمجھ میں آ جاتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ① يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَ
الَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يُخَدِّعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ② فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ
مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ③ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ④

اور بعضے لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لائے۔ حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہیں۔ وہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنی جانوں کو۔ اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں بڑا روگ ہے سو اللہ نے ان کا روگ بڑھا دیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

منافقین کی تاریخ اور نفاق کے اسباب

جب سرور عالم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور دین اسلام خوب پھیلنے لگا تو یہودیوں اور خاص کر ان کے علماء اور احبار کو یہ بات زیادہ کھلی اور یہ لوگ دشمنی پر اتر آئے۔ کچھ لوگ اوس اور خزرج میں سے بھی اسلام کے مخالف ہو گئے۔ اسلام کی اشاعت عام ہو جانے کے بعد کھل کر یہ لوگ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور دشمنی کے اظہار سے بھی عاجز تھے۔ اس لیے انہوں نے یہ چال چلی کہ ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا، اندر سے کافر تھے اور ظاہر میں مسلمان تھے۔

ان کا سردار عبداللہ ابن ابی تھا۔ حضور اقدس ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے اوس اور خزرج نے عبداللہ بن ابی کو اپنا بادشاہ بنانے اور اس کو تاج پہنانے کا مشورہ کیا تھا۔ سید العالمین ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی کی سرداری نہیں چل سکتی تھی اس نے اور اس کے ساتھیوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر کے اپنے کو مسلمانوں میں شمار کر دیا اور اندر سے اسلام کی کاٹ میں لگے رہے۔ ان کے اس طریقہء کار میں یہ راز پوشیدہ تھا کہ اسلام قبول کرنے پر جو منافع ہیں وہ بھی ملتے رہیں اور کنبے اور قبیلے سے باہر بھی نہ ہوں اور اہل کفر سے بھی گھٹ جوڑ رہے اور ان سے بھی فائدہ ملتا رہے۔

اور یہ بھی پیش نظر تھا کہ اگر العیاذ باللہ اسلام اور داعی اسلام ﷺ کا قیام اور بقا زیادہ دیر تک نہ رہے تو حسب سابق پھر سرداری مل جائے گی لہذا یہ اوپر سے مسلمان اور اندر سے کافر رہے اور اسلام اور داعی اسلام کی ناکامی کے انتظار میں رہنے لگے۔ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم مؤمن ہیں اور اس طرح سے اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے تھے۔ اور خالص کافروں سے تنہائیوں میں ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ لوگ اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے کے لیے نمازیں بھی پڑھتے تھے لیکن چونکہ دل سے نمازی نہ تھے، اس لیے جماعتوں کی حاضری میں سستی کرتے تھے، اور اکساتے ہوئے اوپر کے دل سے نماز پڑھتے تھے جہادوں میں بھی شریک ہونے کے لیے ساتھ لگ جاتے تھے لیکن کبھی تو درمیان سے واپس آگئے اور کبھی ساتھ رہتے ہوئے ہی مکر و فریب کو کام میں لاتے رہے۔ حضرت سرور عالم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو تکلیفیں پہنچانے اور دل دکھانے کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ جھوٹی قسمیں کھا کر کہتے تھے اور قسم کھا جاتے تھے کہ ہم نے تو نہیں کہا۔ ان لوگوں کے حالات سورہ بقرہ کے دوسرے رکوع میں اور سورہ نساء کے رکوع ۲۱ میں اور سورہ منافقون میں اور سورہ حشر میں بیان کیے گئے ہیں۔ اور سورہ برآة میں خوب زیادہ ان کی قلعی کھولی گئی ہے۔

سیرت کی کتابوں میں ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں کہ یہ کون کون تھے اور کس قبیلہ سے تھے۔ البدایہ والنہایہ اوائل کتاب المغازی ص ۳۳۶ ج ۳ تا ص ۳۴۰ میں یہودی علماء اور احبار جنہوں نے اسلام اور داعی اسلام ﷺ کی کھل کر مخالفت اختیار کی اور خوب زیادہ دشمنی میں لگ گئے، ان کے نام اور ان لوگوں کے نام جو یہودیوں اور اوس و خزرج میں سے منافق بنے ہوئے تھے واضح طور پر ذکر کئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ مروت کا برتاؤ فرماتے رہے اور ان کی ایذاؤں کو سہتے رہے، آپ احسن اسلوب سے اپنی دعوت کو لے کر آگے بڑھتے رہے اور دین اسلام کو برابر ترقی ہوتی رہی۔ اس میں جہاں یہ حکمت تھی کہ شاید یہ لوگ مخلص مسلمان ہو جائیں وہاں یہ مصلحت بھی تھی کہ اگر ان کے ساتھ سختی کریں گے تو عرب کے دوسرے قبائل جو مسلمان نہیں ہوئے ہیں اور صحیح صورت حال انہیں معلوم نہیں وہ اسلام کے قریب آنے کے بجائے اور دور ہو جائیں گے۔ اور شیطان ان کو یہ سمجھائے گا کہ دیکھو محمد (رسول اللہ ﷺ) کا اپنے ماننے والوں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہے۔ بالآخر ایک دن وہ آیا کہ یہ لوگ سختی اور ذلت کے ساتھ مسجد نبوی سے نکال دیے گئے۔ جس کی تفصیل سیرۃ ابن ہشام (جلد ثانی کے اوائل) میں مذکور ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں اور ان کے بعد والی چند آیتوں میں منافقین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر بھی ایمان لائے۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ دعویٰ سراسر جھوٹ ہے۔ یہ اہل ایمان نہیں ہیں۔ ایمان فعل قلب ہے۔ صرف زبانی دعویٰ سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوگا۔ جب تک دل سے ان چیزوں کی تصدیق نہ کرے جو اللہ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ بتائی ہیں اور جن پر ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے اس وقت تک کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا۔ منافقین کے اسی دو غلے پن کو کہہ رہے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں۔ حالانکہ مؤمن نہیں۔ سورۃ مائدہ میں اس طرح بیان فرمایا: ﴿مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنُ قُلُوبُهُمْ﴾ (یعنی یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے منہوں سے کہا کہ ہم ایمان لائے اور حال یہ کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے) اس دورنگی اور دو غلے پن کو قرآن و حدیث میں ق اور منافقت سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں۔ ان کو منافق فرمایا گیا ہے۔

یہ کلمہ لفظ ”نَفَقَ“ سے ماخوذ ہے۔ نفاق اس سرنگ کو کہتے ہیں۔ جس میں دونوں طرف سے راستہ ہو چونکہ منافقین اسلام میں ایک دروازہ سے داخل ہوتے ہیں اور دوسرے دروازہ سے نکل جاتے ہیں۔ اس لیے ان کے اس عمل کا نام ق رکھا گیا۔ مفردات امام راغب میں ہے: **منه النفاق و هو الدخول في الشرع من باب و الخروج عنه من باب و على ذلك نبه تعالى بقوله ان المنافقين هم الفاسقون اى الخارجون من الشرع۔ منافقت کفر کی بدترین اور خبیث ترین قسم ہے۔ اس میں کفر بھی ہے، جھوٹ بھی ہے۔ دھوکہ دہی بھی ہے۔ ایسے لوگ صرف بندوں ہی کو دھوکہ نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکہ دیتے ہیں اور ایمان اور اہل ایمان کا مذاق بناتے ہیں اور جو کھلے کافر ہیں ان کو بھی دھوکہ دیتے ہیں ان سے کہتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں۔ اور حال یہ ہے کہ وہ کسی میں سے نہیں جس کو سورۃ نساء میں یوں بیان فرمایا ہے:**

﴿يُرَآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا مَّذْبُذِبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ لَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ﴾

”یعنی وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو بس تھوڑا بہت یاد کرتے ہیں، ایمان اور کفر کے درمیان مذذب ہیں نہ ان کی طرف ہیں اور نہ ان کی طرف“

وجہ اس کی یہ ہے کہ منافق کسی کا نہیں ہوتا وہ صرف اپنا ہوتا ہے۔ جہاں دنیا اور دنیاوی منافع دیکھتا ہے موقعہ دیکھ کر اسی طرف ہو جاتا ہے۔ اور اتنے ہی وقت کے لیے ہوتا ہے جتنے وقت تک ضرورت محسوس کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی مثال ایسی ہے۔ جیسے بکریوں کے دور یوڑوں کے درمیان ایک بکری ہے وہ گا بھن ہونے کے لیے کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے کبھی اُس ریوڑ کی طرف جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۷)

منافقین اپنے اس عمل کو چال بازی اور ہوشیاری سمجھتے ہیں کہ ہم نے خوب اللہ تعالیٰ اور مومنین کو دھوکہ دیا اور اپنا کام نکالا۔ حالانکہ اس دھوکہ دہی اور چال بازی کا برا انجام خود انہی کے سامنے آئے گا۔ اور یہ چال بازی انہیں کے لیے وبال جان بنے گی وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خوب سمجھتے ہیں حالانکہ اپنے اصل نفع اور نقصان تک کو نہیں سمجھتے۔

ق کا مرض بہت پرانا ہے اور اس میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ زمانہ نبوت کے منافقین اس مرض میں مبتلا تھے۔ جیسے جیسے اسلام آگے بڑھتا گیا منافقوں کا ق بھی بڑھتا رہا، مرض ق حسد اور حب دنیا کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، دنیا میں ایسا شخص ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں منافق کے لیے سخت سزا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ق رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھا آج تو پورا اسلام ہے یا کفر ہے۔ ان کا یہ ارشاد امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ شرح حدیث نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ ہم دلوں کا حال نہیں جانتے اس لیے ہم کسی مدعی اسلام کو یوں نہیں کہیں گے کہ یہ منافق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس زمانہ کے منافقوں کے ق کا علم تھا اس لیے متعین طریقے پر ان کو منافق قرار دیا گیا، ہم ظاہر کے مکلف ہیں جو شخص کہے گا میں مسلمان ہوں، اس کو مسلمان سمجھیں گے جب تک کہ اس سے کفر کا کوئی کلمہ یا کفر کا کوئی کام صادر نہ ہو اگر کسی کے بارے میں اندازہ ہو کہ یہ ظاہر میں مسلمان بنتا ہے، اندر سے مسلمان نہیں ہے اسے منافق کہے بغیر اپنی حفاظت کریں گے۔

وَ إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝ آيَاتُهُمْ هُمُ
 الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا
 آمَنَ السُّفَهَاءُ ۝ آيَاتُهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا
 آمَنَّا ۝ وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ۝ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ
 بِهِمْ وَيَبْدُئُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْبَهُونَ ۝

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح ہی کرنے والے ہیں۔ خبردار بلاشبہ یہی لوگ
 مفسد ہیں لیکن نہیں سمجھتے ہیں۔ اور جب کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ اور لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسے یہ
 بیوقوف ایمان لے آئے۔ خبردار بلاشبہ یہی بیوقوف ہیں لیکن نہیں جانتے۔ اور جب یہ لوگ اُن سے ملتے ہیں جو ایمان لائے ہیں تو کہتے
 ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ اور جب تنہائیوں میں اپنے شیطانوں کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔
 ہم تو صرف مذاق بنانے والے ہیں۔ اللہ اُن کا مذاق بناتا ہے اور ان کو ڈھیل دے رہا ہے وہ اپنی سرکشی میں اندھے ہو کر بھٹک رہے ہیں۔

منافقوں کے دعوے اور ان کا طریق کار

ان آیات میں منافقین کے بعض دعوے نقل فرمائے ہیں۔ اور اُن کا طریقہء کار ذکر فرمایا ہے اور وہ یہ کہ جب اُن سے کہا جاتا تھا کہ زمین
 میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے تھے کہ اجی ہم کہاں فساد کہاں؟ ہمارا کام تو اصلاح کرنا ہی ہے۔ اُن کی تردید میں فرمایا کہ خبردار بلاشبہ یہ لوگ فسادی ہی
 ہیں لیکن اس کا شعور نہیں رکھتے، جس فساد میں یہ لوگ مبتلا تھے اُس میں کئی طرح سے حصہ لیتے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فتنے کھڑے
 کرتے تھے۔ اور دشمنانِ اسلام کو لڑائیوں پر آمادہ کرتے تھے اور مسلمانوں کے بھید دشمنوں تک پہنچاتے تھے۔ اور جو لوگ مسلمان ہونے کا
 ارادہ کرتے اُن کو اسلام سے روکنے کا سبب بنتے تھے۔ اور مسلمانوں کا مذاق بناتے تھے فساد کے کاموں میں مبتلا ہوتے ہوئے ان کا دعویٰ یہ تھا
 کہ ہم تو اصلاح ہی کرنے والے ہیں۔ مفسر ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم دونوں فریق یعنی مسلمین اور کافرین کی مدارات
 کرتے ہیں۔ دونوں میں جوڑ لگانے اور دونوں کے تعلقات استوار کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ (و کذا نقله السيوطي عن ابن عباس
 في الدر) انہوں نے اپنے حق کو اصلاح سے تعبیر کیا، اُن کا دعویٰ جھوٹ تھا۔ دونوں فریق میں سے ہر فریق اُن کو اپنی جماعت سے علیحدہ سمجھتا
 تھا۔ ﴿لَا إِلَىٰ هُوَ وَلَا إِلَىٰ هُوَ﴾ جس شخص سے دونوں جانب میں سے کوئی بھی مطمئن نہ ہو وہ کیا جوڑ بٹھا سکتا ہے۔ پھر ایمان اور کفر میں
 جوڑ بٹھانے کا ارادہ کرنا بھی مزید کفر ہے۔ ایمان اور کفر کا جوڑ بیٹھ ہی نہیں سکتا۔ لہذا اُن کا دعویٰ اصلاح صرف دھوکہ ہے اور وہ اس کے نتیجے سے
 ناواقف ہیں، اُن کے عمل سے جو فساد پھیلتا ہے اس کو نہیں سمجھتے اور آہوت میں جو اس کا وبال ان پر پڑے گا اس کو نہیں جانتے۔ اور جب ان
 سے کہا جاتا تھا کہ ایمان لے آؤ یعنی دین اسلام کو سچے دل سے قبول کرو تو وہ کہتے تھے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو بے وقوف ہیں ہم بیوقوفی
 کا کام کیوں کریں۔ حضرات صحابہ اور خاص کر انصار کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کو انہوں نے بیوقوف
 بنایا۔ اور گویا اپنے سمجھدار اور ہوشیار ہونے کا دعویٰ کیا۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ خود بیوقوف ہیں، لیکن جانتے نہیں ہیں۔ جس نے
 ایمان کھویا کفر اختیار کیا اسلام کو نقصان پہنچایا اپنی آخرت برباد کی اور دنیا میں مومنین اور کافرین دونوں کے نزدیک مطعون اور قابل ملامت ہوا،
 اس کی بیوقوفی میں کیا شک ہے؟

منافقین کا یہ طریقہ تھا کہ مومنین سے کہتے تھے کہ ہم تو ایمان لا چکے ہیں اور جب تنہائیوں میں اپنے شیطانوں یعنی کفر کے سرغنون کے

پاس جاتے تھے جو کھلے کافر تھے تو ان سے کہتے تھے کہ بلاشبہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ جو ہم مسلمانوں سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں یہ تو ہمارا مذاق ہے۔ ان کا مذاق بنانے کے لیے بطور دل لگی ہم ان کے سامنے ان کی جماعت میں ہونے کا اقرار کر لیتے ہیں لیکن اندر سے اور دل سے ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ (قال ابن عباس کان رجال من اليهود اذا لقوا اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم او بعضهم قالوا انا علی دینکم و اذا خلوا الی شیاطینہم و ہم اخوانہم قائلوا انا معکم ای علی مثل ما انتم علیہ انما نحن مستہزون ساخرون۔ (درمنثور ج ۱ ص ۳۱))

انہوں نے یہ جو کہا کہ ہم مسلمانوں کا مذاق بناتے ہیں اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کا مذاق بناتا ہے یعنی وہ ان کے اس استہزاء اور مذاق بنانے کا بدلہ دے گا، انہوں نے استہزاء کر کے مسلمانوں کے ساتھ جو حقارت کا معاملہ کیا، اس کی پاداش میں آخرت میں ذلیل اور رسوا ہوں گے۔ اور ان کے استہزاء کا وبال انہیں پر پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دے رہا ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم بہت فائدہ میں ہیں حالانکہ وہ دوزخ کی طرف جارہے ہیں یہاں دنیا میں مسلمانوں کی طرف اشارے کرتے ہیں زبانوں سے کن اکھیوں سے ان کا مذاق بناتے ہیں۔ آخرت میں مومنین ان پر ٹیس گے۔ ﴿فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ﴾ سورہ حدید کے دوسرے رکوع میں منافقین کے پیش آنے والے ایک استہزاء کا ذکر ہے۔ ﴿فَضْرِبَ بَيْنَهُمُ سُورًا تَهُ بَابٌ بِأَطْنَةِ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرًا مِنْ قَبْلِهِ الْعَذَابُ﴾ جس کی تفسیر ان شاء اللہ اپنی جگہ پر بیان ہوگی۔

دنیا میں منافقین اپنے مال اور جائیداد وغیرہ میں مشغول ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہیں ان کا سمجھا غلط ہے ان کا مال اور جائیداد ان کو گمراہی اور سرکشی میں لگائے ہوئے ہے اور وہ اسی گمراہی میں حیران اور سرگرداں ہو کر بھٹک رہے ہیں۔ دنیاوی مال اور جائیداد سے دھوکہ کھانا اور یہ سمجھنا کہ کفر کے ہوتے ہوئے یہ ہمارے لیے مفید اور نافع ہے بہت بڑا دھوکہ ہے سورہ مومنوں میں فرمایا:

﴿أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِ مِنْ مَّالٍ وَبَيْنِينَ نَسْرَعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ﴾

”کیا یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال اور بیٹے دیئے چلے جاتے ہیں (اس طرح) ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں (بات یوں نہیں ہے) بلکہ یہ لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۱﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ گمراہی خرید لی۔ سو ان کی تجارت نفع مند نہ ہوئی۔ اور نہ وہ ہدایت پر چلنے والے بنے

منافقین نے ہدایت کے بدلہ گمراہی خرید لی

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ہر شخص کو فطرت ایمان پر پیدا فرمایا پھر عقل اور ہوش بھی دیا۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ کتابیں نازل فرمائیں اس سب کے باوجود اگر کوئی شخص ہدایت کو اختیار نہ کرے اور گمراہی کو اختیار کرے تو یہ ہدایت کے بدلے گمراہی خریدنے والا بن گیا اس نے اپنی عقل و بصیرت کی پونجی کو جس کے ذریعہ ہدایت پر چل سکتا تھا، ضائع کر دیا اور گمراہی اختیار کر لی۔ یعنی اپنی پونجی گمراہی حاصل کرنے میں لگا دی ایسے لوگوں کی یہ تجارت نفع مند نہیں، بلکہ سراسر نقصان اور خسراں کا باعث ہے۔ حقیر دنیا کے لیے گمراہی لی، ہدایت سے منہ موڑا، آخرت کی بربادی کو خریدا، فطرت سلیمہ جو ان کی پونجی تھی اس کو برباد کیا، ایسی تجارت میں نفع کہاں؟ نقصان کو نفع سمجھنا بہت بڑی حماقت اور خود فریبی ہے۔ اہل ایمان کو دھوکہ دیا ان کی بیوقوف بتایا اور خود ہی دھوکہ میں پڑے اور برباد ہوئے۔

كَمْ تَبَلَّ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا

يُبْصِرُونَ ﴿۱۲﴾ صُمُّ بَكْمٌ عُمِيٌّ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۱۱﴾

ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی پھر جب اُس آگ نے اس شخص کے آس پاس کو روشن کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی روشنی کو ختم کر دیا۔ اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔ یہ لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں اندھے ہیں پس یہ لوگ رجوع نہ ہوں گے۔

منافقوں کے بارے میں دوا ہم مثالیں

منافقوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا اور دل میں اُن کے ایمان نہ تھا ظاہری ایمان قبول کرنے سے جو کچھ انہیں دنیاوی فائدہ پہنچ گیا مثلاً جان و مال محفوظ کر لیا کہ مسلمان ان سے تعرض نہ کریں اس کو اولاً ایسے شخص سے تشبیہ دی جو اندھیری رات میں آگ جلائے اور اُس روشنی سے راستہ دیکھنے کا فائدہ حاصل کرنا چاہے، اور اُن لوگوں کا جو انجام ہونے والا ہے کہ مرتے ہی سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے، اس کو اس آگ کے بجھانے سے تشبیہ دی جس کو انہوں نے روشنی کے لئے جلا یا تھا، دنیا میں جھوٹے منہ سے ایمان ظاہر کر کے ذرا سا فائدہ اٹھالیا اور ہمیشہ کے لیے عذاب الیم میں گرفتار ہوئے، جیسے کوئی شخص اندھیری رات میں آگ جلائے اور روشنی ہو جائے تو وہ روشنی اللہ تعالیٰ شانہ ختم فرما دے اور یہ آگ جلانے والا اندھیروں میں حیران کھڑا رہ جائے نہ کچھ دیکھ سکے نہ بوجھ سکے، منافقوں نے اپنے طور پر بڑی ہوشیاری کی کہ ایمان ظاہر کر کے دنیا کا کچھ فائدہ اٹھالیا لیکن دل میں جو کفر گھسا ہوا ہے اس کی وجہ سے موت کے بعد جن مصیبتوں میں گرفتار ہوں گے اس کو نہ سوچا اور کفر میں بڑھتے بڑھتے اس درجے پر پہنچ گئے کہ بہرے بھی ہیں حق سننے کے قابل نہ رہے اور گونگے بھی ہیں جن کے منہ سے کلمہ حق ادا نہیں ہو سکتا اور اندھے بھی ہیں جو راہ حق نہیں دیکھ سکتے۔ اپنا نفع نقصان جاننے اور سمجھنے سے غافل ہیں۔ ان کے بارے میں اب نہ سوچا جائے کہ وہ حق کی طرف رجوع کریں گے اور دل سے مسلمان ہوں گے۔ (ذکر ابن کثیر فی شرح المثل عدۃ اقوال و قد اخترنا ما نقله عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال هذا مثل ضربہ اللہ للمنافقین انہم کانوا یعتزون بالاسلام فینا کھم المسلمون ویوارثونہم ویقاسونہم الفی فلما ماتوا سلہم اللہ ذلک العز کما سلب صاحب النار ضوءہ۔)

أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَّجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۗ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطِفُ أَبْصَارَهُمْ ۗ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۗ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾

یا ان کی ایسی مثال ہے جیسے آسمان سے تیز بارش ہو رہی ہو اُس میں اندھیریاں ہوں اور گرج ہو اور بجلی ہو یہ لوگ موت کے اندیشے کے سبب اپنے کانوں میں انگلیاں دے رہے ہیں کڑک کی وجہ سے، اور اللہ تعالیٰ احاطہ کئے ہوئے ہیں کافروں کو، قریب ہے کہ بجلی اُن کی بینائی کو اچک لے۔ جب کبھی اُن کے لیے روشنی ہوئی تو اس میں چلنا شروع کر دیا اور جب اندھیرا ہو گیا تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے؛ اور اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے سننے اور دیکھنے کی قوتوں کو ختم فرمادے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ان دو آیتوں میں منافقین کی دوسری مثال پیش فرمائی جیسے تیز بارش ہو، اندھیریاں چھائی ہوئی ہوں، گرج بھی ہو اور بجلی کی چمک بھی ہو موت کا سا منا ہو۔ جو لوگ وہاں موجود ہوں کڑک کی آواز سے خوف زدہ ہو رہے ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ ابھی موت آجائے گی۔ کڑک کی آواز کی وجہ سے کانوں میں انگلیاں دیئے ہوئے ہیں۔ سخت بجلی اُن کی آنکھوں کی روشنی سلب کرنے کو ہے اسی حیرانی اور پریشانی میں کھڑے کھڑے جب ذرا بجلی چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں ایک دو قدم چل لیتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو حیران سرگرداں کھڑے رہ جاتے ہیں۔

منافقوں کی یہی حالت ہے جب غلبہ اسلام کو دیکھتے ہیں اور اس کا نور پھیلتا ہوا نظر آتا ہے تو اس کی طرف بڑھنے لگتے ہیں پھر جب دنیا کی محبت زور پکڑتی ہے اور دنیاوی فائدے کفر اختیار کئے رہنے میں نظر آتے ہیں تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں یعنی ایمان کی طرف بڑھنے سے رک جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و قدرت سے سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس کی طرف بڑھنا اور اس کا دین قبول کرنا لازم ہے۔ وہ چاہے تو سننے اور دیکھنے کی ساری قوتیں ختم فرمادے اور بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ منافقین کو اصحاب صیب (بارش والوں) سے تشبیہ دی اور ان کے (طاہری) ایمان کو جو کفر اور دھوکے بازی کے ساتھ ملا ہوا تھا ایسی بارش سے تشبیہ دی جس میں اندھریاں ہوں، اور گرج ہو اور بجلی ہو۔ یہ تشبیہ اس اعتبار سے ہے کہ بارش اگر چہ فی نفسہ نافع ہے لیکن جب مذکورہ صورت میں بارش نازل ہوئی تو اس کا نفع ضرر سے بدل گیا اور منافقین نے جو نفاق اس لیے اختیار کیا کہ مومنین کی طرف سے جو تکالیف پہنچنے والی ہوں اور کھلے کافروں کی طرف سے جو تکالیف پہنچتی ہوں ان سے بچاؤ ہو جائے ان کی اس منافقت کو کانوں میں انگلیاں دینے سے تشبیہ دی جیسے کوئی شخص بجلیوں کی کڑک سے اپنے کانوں میں انگلیاں دے رہا ہو اور موت سے ڈر رہا ہو تو جس طرح کانوں میں انگلیاں دینے سے اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر کے فیصلے کو نہیں ٹالا جاسکتا اس طرح سے منافقت اختیار کرنے سے مصائب و آلام سے حفاظت نہیں ہو سکتی۔ اور شدت الامر کی وجہ سے جو ان کی حیرانی اور یہ پریشانی تھی کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں اسے بجلی سے تشبیہ دی کہ کوئی موقع پاتے ہیں تو ذرا اپنے مقاصد میں آگے بڑھ جاتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ خوف لگا ہوا ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں نہ اچک لے۔ لہذا چند قدم چلتے ہیں پھر جب بجلی کی چمک ختم ہو جاتی ہے تو بلا حس و حرکت کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔

پھر دوسری طرح سے بھی اس تشبیہ کی تقریر کی ہے (راجع البیضاوی ج ۱ ص ۳۹)۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلی مثال ان منافقوں کے بارے میں پیش فرمائی ہے جو بہت مضبوطی کے ساتھ کفر پر جمے ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں فرمایا: ﴿وَتَدْرِكُهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ﴾

اور دوسری مثال ان منافقوں کے بارے میں ہے جن کو اسلام کے بارے میں تردد تھا کبھی اس کی حقانیت دل میں آتی تو اس کی طرف مائل ہونے لگتے اور جب دنیاوی اغراض سامنے آتیں اور دنیا کی محبت زور پکڑ لیتی تو وہ میلان ختم ہو جاتا تھا اور کفر ہی پر جمے رہ جاتے تھے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١١﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۗ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٢﴾

اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا فرمایا اور ان لوگوں کو بھی پیدا فرمایا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پر ہیزگار بن جاؤ، جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت، اور اتارا آسمان سے پانی، پھر نکال دیا اس کے ذریعہ پھلوں سے تمہارے لیے رزق، لہذا مت بناؤ اللہ کے لیے مقابل، حالانکہ تم جانتے ہو۔

دعوت توحید اور دلائل توحید

مومنین مخلصین اور کافرین اور منافقین کا ذکر کرنے کے بعد اب دلائل کے ساتھ توحید کی دعوت دی گئی اور اللہ جل شانہ کی شان خالقیت اور شان ربوبیت بیان فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نعمت کا تذکرہ فرمایا جس کا مظاہرہ سب کے سامنے ہے اور اسے کم سمجھ آدمی بھی اس کو دیکھتا ہے۔

(اول): تو یہ فرمایا کہ تم اپنے رب کی عبادت کرو جو تمہاری پرورش فرماتا ہے اور یہی نہیں کہ صرف پرورش فرماتا ہے بلکہ اس نے تم کو وجود بھی بخشا ہے، ممکن ہے کوئی نا سمجھ یہ کہنے لگتا کہ مجھے تو میرے ماں باپ نے پیدا کیا، اس وہم کو دفع فرمانے کے لیے فوراً ہی یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ تم سے پہلے ہیں ان سب کو اسی نے پیدا فرمایا ہے اس نے وجود بھی دیا اور وہ وجود کو باقی رکھے ہوئے بھی ہے اور وجود کے باقی رہنے کے جو اسباب ہیں وہ بھی اسی نے پیدا فرمائے ہیں، پھر یہ فرمایا کہ جب اسی ذات پاک کی عبادت کو اختیار کرو گے اسی میں لگو گے تو تم کو صفت تقویٰ حاصل ہوگی۔ تقویٰ عربی زبان میں بچنے اور پرہیز کرنے کو کہتے ہیں اور اس کے بہت سے درجات ہیں۔ سب سے بڑا درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک کا مراقبہ رکھے اور ہر وقت اسی کی طرف دل و دماغ کو متوجہ رکھے، اس کے لیے جیئے اور اسی کے لیے مرے، چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ کے مفہوم میں داخل ہے۔ جب کسی کو خلوت اور جلوت میں اللہ تعالیٰ شانہ کی ذات پاک کا استحضار رہے گا تو کہاں گناہ کر سکے گا اور جب گناہوں سے بچے گا تو ظاہر ہے دوزخ سے بھی محفوظ رہے گا۔ اسی لیے بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے "تا کہ تم دوزخ سے بچو"۔ سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ شرک سے بھی بچے اور توحید کو اختیار کرے جو سب سے بڑی عبادت ہے اور چھوٹے بڑے گناہوں سے بھی پرہیز کرے، ایسا کرے گا تو ظاہر ہے کہ دوزخ سے ضرور اس کی حفاظت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور شان خالقیت کا مظاہرہ تو ہر چھوٹی بڑی چیز میں ہوتا ہے لیکن بہت واضح چیزیں جو سب کے سامنے ہیں اور کم سمجھ بھی جن کو سمجھتا اور جانتا ہے ان میں سے تین چیزیں بیان فرمائیں۔ جن میں سے اول یہ ہے کہ اُس نے زمین کو پیدا فرمایا۔ یہ زمین سب کے سامنے ہے اس پر بستے ہیں اور رہتے سہتے ہیں اگر کوئی نابینا ہو تو وہ بھی یہ تو جانتا ہی ہے کہ میں کس چیز پر آباد ہوں کس چیز پر چل پھر رہا ہوں، جو زمین ہے اس کا وجود ہی بتاتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا بڑی قدرت والا ہے پھر زمین کا وجود محض وجود ہی نہیں بلکہ انسانوں کے لئے اس کا وجود بہت بڑی نعمت ہے ساری زمین انسانوں کے لئے بچھونا ہے جس پر رہتے سہتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں اس کے اتنے بڑے پھیلاؤ میں انسانوں کے رہنے کے مکانات بنانے، چلنے پھرنے، سفر کرنے، حاجتیں پوری کرنے کے مواقع ہیں اگر زمین پر پہاڑ ہی پہاڑ ہوتے یا پانی ہی پانی ہوتا تو اس پر رہنا دشوار ہو جاتا۔ زمین کے ساتھ ہی آسمان کا ذکر فرمایا اور وہ یہ کہ آسمان کو تمہارے لیے چھت بنایا۔ یہ چھت ستاروں سے مزین ہے، دیکھنے میں بھلی معلوم ہوتی ہے اس کی طرف نظر کرنے سے فرحت اور بشارت محسوس ہوتی ہے۔ صاحب بیان القرآن نے اپنے رسالہ رفع البزائم کے آخر میں لکھا ہے کہ بعض حکماء کا قول ہے کہ آسمان کی طرف دیکھنے کے دس فائدے ہیں۔ (۱) غم کا کم ہونا (۲) دوسواں کی تسکین (۳) وہم و خوف کا ازالہ (۴) اللہ کی یاد (۵) قلب میں اللہ کی عظمت کا پھیل جانا (۶) افکار ردیہ کا جاتا رہنا (۷) سوداوی مرض کے لیے نافع ہے (۸) مشتاق کی تسلی (۹) محبین کا مونس ہونا (۱۰) دعا کرنے والوں کا قبلہ ہے۔ اھ نقلہ عن کتاب الحکمة للغزالی۔

پھر بارش کے پانی کا تذکرہ کیا اور یہ فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے آسمان سے پانی اتارا اور اس کے ذریعہ طرح طرح کے پھل پیدا فرمائے جو بنی نوع انسان کے لیے رزق ہیں اور غذا ہیں ان کے ذریعہ انسانوں کی پرورش اور بقا ہے اس میں دلائل قدرت بھی ہیں اور شان ربوبیت کا اظہار بھی ہے۔ ایک ہی زمین ہے اس میں طرح طرح کے پھل ہیں جن کے رنگ بھی مختلف ہیں مزے بھی مختلف ہیں۔

آخر میں فرمایا کہ جب اپنے رب اور خالق کو تم نے اس کے دلائل قدرت کے ذریعہ اور اس کی نعمتوں کے واسطے سے پہچان لیا تو عقل اور سمجھ کا تقاضا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اس کو ایک جانور اور ایک مانو، اس کی الوہیت اور ربوبیت کا اقرار کرو۔ اور اس کے مقابل شریک مت ٹھہراؤ۔ اُس کے علاوہ نہ کوئی رب ہے نہ کوئی خالق ہے نہ نعمتیں دینے والا ہے نہ زندگی کے اسباب پیدا کرنے والا ہے۔ ان سب باتوں کو جاننے اور سمجھتے ہوئے اس کے لیے شریک تجویز کرنا اور کسی کو اس کے علاوہ عبادت کا مستحق سمجھنا علم، فہم اور عقل و دانش کے خلاف ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّمَّنْ مِثْلِهِ ۚ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِمَّنْ

دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۱﴾

اور اگر تم اس کتاب کی طرف سے شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی تو لے آؤ کوئی سورت جو اس جیسی ہو اور بلا لو اپنے مددگاروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

رسالت محمدیہ ﷺ کی دلیل اور قرآن پاک کا اعجاز

توحید کے ثابت کرنے کے بعد رسالت کے ماننے اور تسلیم کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے، کوئی شخص خالق و مالک کو مان لے تو اس کی معرفت کی بھی ضرورت رہتی ہے اس کی ذات و صفات کو جاننا اور ماننا لازم ہے اور ان کا علم خود بخود نہیں ہو سکتا اور خالق و مالک جل مجدہ کی عبادت کے طریقے اپنے پاس سے ایجاد نہیں کئے جاسکتے۔ لہذا ان سب چیزوں کے سمجھانے اور بتانے کے لیے اللہ جل شانہ نے حضرات انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا، جو انسان تھے اور انسانوں سے انسان کی زبان میں بات کرتے تھے، جتنے بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے ان کو نبوت ثابت کرنے کے لیے ہر ایک زمانہ کے ماحول کے اعتبار سے معجزات دیئے گئے۔ آخر الانبیاء سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خطہ عرب میں پیدا ہوئے، مکہ معظمہ آپ کا وطن تھا جو جزیرہ عرب میں واقع ہے اس زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا، اہل عرب جب مختلف مواقع میں جمع ہوتے تھے تو مقابلے کے طور پر مختلف قبائل اپنے اپنے قصیدے سنایا کرتے تھے۔

جس کا قصیدہ بہت زیادہ فصیح و بلیغ سمجھا جاتا اس کو کعبہ شریف پر لٹکا دیتے تھے اور یہ گویا ایک قسم کا چیلنج ہوتا تھا کہ کوئی شخص اس کے مقابلہ میں قصیدہ لکھ کر پیش کرے، حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ خاتم النبیین ﷺ کی بعثت عامہ سارے عالم کے انسانوں کے لیے ہے، قیامت آنے تک آپ ہی رسول ہیں۔ آپ ہی کے لائے ہوئے دین کو قبول کرنے میں سب کی نجات ہے آپ سے بے شمار معجزات کا ظہور ہوا، جو حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور ان معجزات پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، ان معجزات میں بہت بڑا معجزہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو آپ پر نازل ہوئی جس کا نام قرآن مجید ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ فصاحت و بلاغت کا بہت چرچا تھا اور مخاطبین اولین چونکہ اہل عرب ہی تھے۔ اس لیے یہ ایک ایسا معجزہ دے دیا گیا جس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے تمام شعراء عرب عاجز رہ گئے۔ اور اس کو دیکھ کر بہت سے شعراء نے کلام کہنا ہی چھوڑ دیا جن میں حضرت لبید بن ربیعہ بھی تھے۔ ان کا قصیدہ بھی ان قصائد میں شامل ہے، جن کو مقابلہ کے لئے کعبہ شریف پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کر لیا کہ زمانہ اسلام میں آپ نے کیا اشعار کہے ہیں انہوں نے جواب دیا۔ ابدلنی اللہ بالشعر سورة البقرة و سورة آل عمران (الاصابح ج ۳ ص ۳۲۶)

مذکورہ بالا آیات میں اہل عرب کو قرآن جیسی کوئی سورت بنا کر پیش کرنے کے لیے تحدی کی گئی ہے یعنی مقابلہ میں کوئی سورت لانے کا چیلنج کیا گیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ تم سب اپنے حامیوں اور مددگاروں کو بلا لو اور اللہ تعالیٰ کے سوا سارے حمایتیوں کو جمع کرو پھر قرآن کریم جیسی کوئی سورت بنا کر پیش کرو۔ پہلے دس سورتیں بنا کر لانے کا چیلنج کیا گیا تھا پھر ایک سورت لانے کے لیے فرمایا گیا تمام فصحاء، بلغاء ایک چھوٹی سی چھوٹی سورت بھی بنا کر نہ لاسکے اور یکسر عاجز رہ گئے۔ سورة یونس میں ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾

”آپ فرمادیجئے کہ لے آؤ تم کوئی سورت اس جیسی، اور بلا لو جس کو بھی بلا سکتے ہو اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو۔“

قرآن کریم کا معجزہ ہونا ایسی ظاہر بات ہے جو سب کے سامنے ہے اور سب کو اس کا اقرار ہے، دشمن بھی اس کو جانتے اور مانتے رہے ہیں۔ زمانہ نزول قرآن میں بعضے جاہلوں نے تو یہ کہہ کر اپنی خفت مٹانے کی کوشش کی کہ ﴿لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا﴾ (اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کہہ دیں) لیکن کچھ نہ سکے اور کچھ لوگوں نے قرآن کے مقابلہ میں کچھ عبارتیں بنا لیں پھر خود ہی آپس میں مل کر بیٹھے تو تسلیم کر لیا کہ یہ قرآن جیسی نہ بنی اور آج تک بھی کوئی بنا کر نہ لاسکا اور نہ لاسکے گا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں ارشاد ہے اور سورة بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿قُلْ لَّيْنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

ظہیراً ﴿

”آپ فرمادیجیے کہ یہ بات ضروری ہے کہ اگر جمع ہو جائیں تمام انسان اور تمام جنات کہ وہ لے آئیں اس قرآن جیسا تو نہیں لائیں گے اس جیسا اگر چہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔“

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۗ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۲۵﴾

سوا کرتے نہ کرو اور ہرگز نہیں کر سکو گے، سوڈ رو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ وہ تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے۔

قرآن کے مقابلہ سے ہمیشہ عاجز رہیں گے

اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم ہرگز قرآن کے مقابلہ میں اس جیسی کوئی سورت بنا کر نہیں لا سکتے ہو اور کبھی بھی نہ لا سکو گے اس میں رہتی دنیا تک۔ کے لیے قرآن کے دنیا میں باقی رہنے کی پیشین گوئی کے ساتھ یہ پیشین گوئی بھی ہے کہ اس جیسا کوئی بھی جماعت یا کوئی فرد نہیں بنا سکتا۔ یہ دونوں پیشین گوئیاں صادق ہیں، سچی ہیں، سب کے سامنے ہیں چونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت عام ہے تمام افراد انسانی جب تک بھی دنیا میں رہیں ان پر فرض ہے کہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کا دین قبول کریں۔ چونکہ سارے انسانوں کے لیے، سارے زمانوں اور سارے مکانوں میں آپ کی دعوت ہے اور یہ دعوت قیامت آنے تک ہے اس لیے کسی ایسے معجزہ کی بھی ضرورت تھی جو ہمیشہ زندہ اور تابندہ رہے یہ معجزہ قرآن مجید ہے جو اللہ کا کلام ہے اور اس کا مقابلہ کرنے سے ہمیشہ کے لیے تمام انسان اور جنات افراد اور جماعتیں عاجز ہیں اور عاجز رہیں گے۔

قرآن موجود ہے اس کی دعوت عام ہے اس کی حقانیت اور سچائی واضح ہے پھر بھی کفر میں اور شرک میں بے شمار قومیں کروڑوں افراد مبتلا ہیں قرآن سنتے ہیں اور اس کو حق جانتے ہیں لیکن مانتے نہیں۔ عناد، ضد اور تعصب قومی اور مذہبی نے ان کو دعوت قرآن کے ماننے سے اور اسلام قبول کرنے سے روک رکھا ہے، سب کچھ جانتے ہوئے پھر اسلام قبول نہ کرنا اپنے لیے عذاب آخرت مول لینا ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا کہ اگر تم قرآن کے مقابلہ کوئی سورت نہیں لا سکتے اور ہرگز نہیں لا سکو گے تو دوزخ کی آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ یعنی قرآن لانے والے کی رسالت اور دعوت کے منکر ہو کر عذاب دائمی کے مستحق نہ بنو اور دیکھتے بھالتے دھکتے ہوئی آگ کا ایندھن نہ بنو، اس آگ کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر ہیں۔ انسان تو وہی ہیں جو اس کے منکر میں اور ایمان لانے کو تیار نہیں اور پتھروں کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ پتھر جن کی دنیا میں مشرکین عبادت کیا کرتے تھے، دوزخ میں ہوں گے۔ سورۃ انبیاء میں فرمایا:

﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَرَدُونَ﴾

”بے شک تم اور وہ جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ تم اس پر وارد ہونے والے ہو۔“

تفسیر درمنثور میں ج ۱ ص ۶۳ بحوالہ طبرانی، حاکم اور بیہقی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ پتھر جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ﴿وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ میں فرمایا ہے۔ کبریت (گندھک) کے پتھر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جیسے چاہا پیدا فرمادیا۔

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ كُلَّ سَابِغَةٍ رَزَقُوا مِنْهَا مِنْ شَرِّبَةٍ رِزْقًا ۖ قَالُوا هَذَا الَّذِي رَزَقْنَا مِنْ قَبْلُ ۗ وَأَنْتُمْ فِيهَا مُتَشَابِهًا ۖ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۵﴾

اور بشارت دیجیے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ بلاشبہ ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جب

کبھی بھی ان کو ان باغوں میں سے کوئی پھل بطور غذا کے دیا جائے گا تو کہیں کہ یہ وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا، اور ان کو ہم شکل پھل دیئے جائیں گے اور ان کے لیے ان باغوں میں بیویاں ہوں گی جو پاکیزہ بنا کی ہوئی ہیں۔ اور وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

اہل ایمان کو جنت کی بشارت

کافروں کی سزا بتانے کے بعد (جو اوپر کی آیت میں مذکور ہوئی) اس آیت میں اہل ایمان اور اعمال صالحہ والے بندوں کی جزا ذکر فرمائی ہے جو طرح طرح کی نعمتوں کی صورتوں میں ظاہر ہوگی۔

(اول): تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ باغوں میں رہیں گے یہ باغات دار النعیم میں ہوں گے جسے جنت کہا جاتا ہے، ان باغوں میں رہنے کے لیے مکان بھی ہوں گے جیسا کہ سورۃ صف میں ﴿وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّتِ عَدْنٍ﴾ فرمایا ہے، ان باغات میں نہریں جاری ہوں گی۔ جو صاف ستھرے پانی کی ہوں گی جس میں کسی طرح کا تغیر نہ ہوا ہوگا، اور دودھ کی نہریں ہوں گی جن کا مزہ تبدیل نہ ہوا ہوگا۔ اور شراب کی نہریں ہوں گی جو پینے والوں کے لئے لذت کا ذریعہ ہوں گی۔ اور صاف ستھرے شہد کی نہریں ہوں گی جیسا کہ سورۃ محمد میں ان نہروں کا ذکر فرمایا ہے۔

اور جو شراب وہاں پی جائے گی وہ لذت کے لیے ہوگی۔ اس سے نہ نشہ آئے گا اور نہ سر میں درد ہوگا۔ سورۃ الصافات میں فرمایا ہے: ﴿لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ﴾ (نہ اس میں درد ہوگا نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا) اور سورۃ واقعہ میں فرمایا: ﴿لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزَفُونَ﴾ (نہ اس سے ان کو درد سر ہوگا اور نہ ان کی عقل میں فتور آئے گا۔) (دوم): یہ فرمایا کہ ان باغوں کے درختوں میں جو پھل ہوں گے وہ ان کو کھانے کے لیے پیش کئے جائیں گے اور جب کبھی بھی کوئی پھل لایا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا تھا اور وجہ اس کی یہ ہوگی کہ وہ پھل آپس میں ہم شکل ہوں گے اگرچہ لذت اور مزے میں مختلف ہوں گے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ من قبل سے مراد ہے کہ دنیا میں جو پھل ہمیں دیئے گئے تھے یہ اسی جیسا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہیں جنت میں جو پھل دیئے جائیں گے ان کے بارے میں کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ابھی پہلے کھایا تھا۔ مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ پہلے معنی لینا زیادہ ظاہر ہے تاکہ لفظ کَلَّمَا کا عموم باقی رہے (کیونکہ جنت میں سب سے پہلے جب پھل ملے گا اس کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ وہی ہے جو اس سے پہلے دیا گیا تھا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب من قبل سے دنیا والے پھل مراد لیے جائیں) لیکن صاحب تفسیر نسفی لکھتے ہیں:

والضمير في به يرجع الى المرزوق في الدنيا و الاخرة لان قوله هذا الذي رزقنا من قبل انطوى تحته ذكر ما رزقوه في الدارين۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ ”یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا جا چکا ہے“۔ دونوں پھلوں کے بارے میں ہے، دنیا والے پھل اور جو پھل وہاں دیئے جاتے رہیں گے دونوں مراد ہیں جو پھل ان کو دیئے جائیں گے دیکھنے میں بظاہر دنیاوی پھلوں کے مشابہ ہوں گے، جس چیز کو پہلے دیکھا ہو اس سے انس اور الفت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی طرف طبعی میلان زیادہ ہوتا ہے اس لیے ظاہری صورت میں وہ پھل دنیا والے پھلوں کی طرح ہوں گے اور حقیقت میں ان کا مزہ اور کیف دوسرا ہی ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جنت کے پھلوں سے دنیا میں کوئی پھل نہیں بس ناموں کی مشابہت ہے یعنی پھلوں کو دیکھ کر اہل جنت کہیں گے کہ یہ سیب ہیں، یہ انار ہیں، ہم نے اس کو دنیا میں کھایا تھا لیکن وہ مزے میں دنیاوی پھل کی طرح نہ ہوں گے بلکہ ان کا مزہ اور کیف جنت کے اعتبار سے ہوگا جیسا کہ سورۃ آلہ سجده میں فرمایا ہے ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾

بعض حضرات نے یہ اشکال کیا ہے کہ دنیا والے پھل مراد لیے جائیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جنتی پھل صرف انہی پھلوں کے مشابہ

ہوں جو دنیا میں تھے، یہ اشکال کوئی وزن دار نہیں ہے اس لیے کہ اگر شروع داخلہ کے وقت دنیا والے پھلوں کے مشابہ دیئے جائیں اور پھر ان پھلوں کے انواع و اقسام پیش کیے جاتے رہیں جو دنیاوی پھلوں کے مشابہ نہ ہوں اور ان میں آپس میں مشابہت ہو تو اس میں کوئی بات عقل و فہم سے بعید نہیں ہے۔ اہل جنت کو بار بار اور ہمیشہ ایسے پھل دیئے جانا کہ جن میں ظاہری مشابہت ہو اور حقیقت میں مزہ اور کیف الگ الگ ہو اس سے بہت زیادہ استغراب و استعجاب ہوگا۔ اور اس سے خوشی دو بالا ہوگی۔

(سوم): یہ فرمایا کہ ان لوگوں کے لیے بیویاں ہوں گی جو پاکیزہ بنائی ہوئی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مطہرۃ من القذی و الاذی کہ وہ گندگی اور تکلیف دینے والی چیز سے پاک ہوں گی۔ اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: من الحيض والغائط و البول والنخام والبصاق و المنی والولد۔

یعنی وہ بیویاں حیض سے، اور پیشاب پاخانہ سے، ناک سے نکلنے والے بلغم سے، تھوک سے اور منی سے پاک و صاف ہوں گی اور اولاد بھی نہ ہوگی جس کے باعث نفاس آتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مطہرۃ من الاذی والمائئم یعنی وہ بیویاں ہر تکلیف والی چیز سے اور نافرمانی سے پاک ہوں گی۔ ان سب اقوال کا خلاصہ یہ نکلا کہ ان عورتوں میں کسی قسم کی کوئی چیز گھن والی اور تکلیف دینے والی نہ ہوگی۔ ان کا ظاہر اور باطن سب کچھ عمدہ اور بہترین ہوگا۔ شوہروں کی بات مانیں گی نافرمانی نام کو بھی نہ ہوگی۔ (مذکورہ اقوال تفسیر ابن کثیر میں نقل کیے گئے ہیں) مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ مُطَهَّرَةٌ (باب تفعیل سے) فرمایا اور طَاهِرَاتٌ نہیں فرمایا، اس سے ان کی طہارت اور پاکیزگی کو نہایت اعلیٰ طریقے پر بیان فرمانا مقصد ہے کہ ان کو ایک پاک کرنے والے نے پاک بنایا ہے اور وہ پاک بنانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ان بیویوں کا حسن و جمال دوسری آیات میں بیان فرمایا ہے۔ سورۃ رحمن میں ارشاد فرمایا:

﴿كَانَھُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ﴾ (گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں) اور سورۃ واقعہ میں فرمایا ﴿وَحُورٌ عِیْنٌ كَأَمْثَالِ اللُّوْلُؤِ الْمَكْنُونِ﴾ (وہ سفید رنگ کی بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی گویا کہ وہ چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں۔)

(چہارم): یہ فرمایا ﴿ھُمْ فِيْهَا خَالِدُونَ﴾ یعنی اہل جنت ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے۔ نہ وہاں سے نکلیں گے اور نہ نکالے جائیں گے، نہ نکلنا چاہیں گے۔ کما فی سورۃ الکہف ﴿لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوْلًا﴾ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل جنت کو خوشخبری سنانے کے لیے) ایک ندادینے والا پکار کر ندادے گا تمہارے لیے یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ تندرست رہو گے لہذا کبھی بھی بیمار نہ ہو گے اور یہ کہ زندہ رہو گے۔ کبھی تمہیں موت نہ آئے گی۔ اور جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے اور یہ کہ نعمتوں میں رہو گے پس تم کو کبھی محتاجگی نہ ہوگی۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸)

دنیا کی نعمتوں میں کدورت ملی ہوئی ہے۔ خوشی کے ساتھ رنج ہے تندرستی کے ساتھ بیماری ہے۔ پھولوں کے ساتھ کانٹے ہیں۔ مال اور عہدوں کے ساتھ دوسروں کا حسد اور دشمنی ہے اور سب سے آخری بات یہ ہے کہ سب نعمتیں فانی ہیں، صاحب نعمت بھی فانی ہے نعمتوں کا دوام اور ہمیشگی کسی کے لیے نہیں۔ آخرت کی نعمتیں ابدی ہیں دائمی ہیں ہمیشہ کے لیے ہیں۔ ان کے زوال اور چھن جانے کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا۔ زندگی بھی دائمی ہوگی۔ ﴿خَالِدِينَ فِيْهَا اَبَدًا﴾ ان کی شان میں فرمادیا ہے۔ (جعلنا اللہ تعالیٰ منہم)

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٰ اَنْ يُّضْرَبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةٌ فَمَا فَوْقَهَا ۗ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهٖمْ ۗ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَا ذَا آءَا اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۗ

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرماتا کہ کوئی بھی مثال بیان فرمائے۔ مجھ رہو یا اس سے بھی بڑھی ہوئی کوئی چیز ہو، سو جو لوگ ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ بلاشبہ یہ مثال حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا سو وہ کہتے ہیں کیا ارادہ کیا اللہ نے اس کے ذریعہ مثال دینے کا

قرآنی مثالوں سے مؤمنین کا ایمان پختہ ہونا اور منکرین کا بے جا اعتراض کرنا

کتاب اللہ کے منکرین کی سزا اور اہل ایمان کی جزا بتانے کے بعد کتاب اللہ کے منکروں کے ایک اشکال اور اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے۔ مخالفین اور معاندین سے یہ تو نہ ہو سکا کہ کتاب اللہ کے مقابلہ میں کوئی سورت بنا کر لاتے لیکن انہوں نے ایک اعتراض کر دیا اور اس اعتراض میں قرآن کے کتاب اللہ ہونے کا انکار مضمحل ہے۔ حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عنکبوت (مکڑی) اور ذباب (مکھی) کا قرآن مجید میں تذکرہ فرمایا تو مشرکین کہنے لگے کہ اس میں تو مکڑی اور مکھی کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیر مثال سے کیا ارادہ کیا ہوگا۔ (ابن کثیر) اور یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ تھا کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ لہذا یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ تفسیر نسفی میں ہے کہ جب مکھی اور مکڑی کا ذکر کتاب اللہ میں سنا تو یہود ہنسے اور کہنے لگے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے ملتی جلتی بات نہیں ہے، مقصد ان کا بھی کتاب اللہ کا انکار کرنا ہی تھا۔ (ج ۱ ص ۳۵)۔ ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ مثال ممثل لہ کے مطابق ہونی چاہیے۔ مثال دینے والے کی عظمت کو اور جس چیز کی مثال دی گئی اس کی حقارت کو سامنے رکھ کر قیاس دوڑانے لگے اور یہ نتیجہ نکالا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ان چیزوں کا ذکر نہیں ہو سکتا۔

اللہ جل شانہ نے ان معاندین اور معترضین کی تردید فرمائی اور ان کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے نہیں شرمتا کہ کوئی چیز مثال میں پیش فرمادے خواہ مچھر ہی ہو یا اس سے بڑھ کر کوئی چیز ہو (بڑھ کر ہونے میں دونوں صورتیں آ جاتی ہیں حقارت اور چھوٹا ہونے میں بڑھ کر ہو یا جسامت میں بڑھ کر ہو) اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اہل ایمان کو اس میں کوئی تردد نہیں ہوتا کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (کیونکہ مثال اپنی جگہ ٹھیک ہے ممثل لہ کے مطابق ہے) وہ یقین رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مثال واقعی صحیح ہے۔ موقع کے مطابق ہے۔ ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اور کافر لوگ عناد کرتے ہیں اور ماننے سے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس حقیر چیز سے اللہ تعالیٰ نے کیا ارادہ فرمایا ہے۔

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۖ وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۗ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢١﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ

مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۙ وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ

الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٢﴾

اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بہت سوں کو گمراہ کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ بہت سوں کو ہدایت دیتے ہیں اور اس کے ذریعہ نہیں گمراہ کرتے مگر فرمانبرداری سے نکل جانے والوں کو جو اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اس کی مضبوطی کے بعد، اور کاٹتے ہیں ان چیزوں کو جن کو جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور فساد کرتے ہیں زمین میں۔ یہ لوگ پورے خسارہ والے ہیں۔

قرآنی مثالیں فاسقوں کے لیے گمراہی کا سبب ہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو طرح طرح کی مثالیں پیش فرمائی ہیں، سمجھانے کے لیے اور معاندین کو راہ حق پر لانے کے لیے ہیں لیکن ان لوگوں میں بہت سے لوگ ان مثالوں پر اعتراض کرتے ہیں اور ان کا یہ انکار اور عناد ضلال اور اضلال کا سبب ہو جاتا ہے اور جو اہل ایمان ہیں وہ مزید اپنے ایمان پر ثابت قدم ہو جاتے ہیں اور یہ جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے صحیح اور درست ہے، اور موقع کے مطابق ہے۔ جو لوگ اس مثال کو اپنے لیے ذریعہ کفر بنا لیتے ہیں یعنی مثال پر اعتراض کر کے اپنے کفر میں مزید اضافہ کر لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو حکم عدولی پر کمر باندھے ہوئے ہیں ان کو غور کرنے اور حق تلاش کرنے کی عادت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلام فصاحت التیام ہی کو انہوں نے اپنے لیے ذریعہ ضلال بنا لیا۔ ان میں منافقین بھی ہیں اور عام کافرین بھی۔

قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ یضل بہ کثیرا یعنی بہ المنافقین و یهدی بہ کثیرا یعنی بہ المومنین، فیزید ہؤلاء ضلالة الی ضلالہم لتکذیبہم بما قد عملوه حقاً یقیناً من المثل الذی ضربہ اللہ بما ضرب لہم و انہ لما ضرب لہ موافق فذلک اضلال اللہ ایاہم بہ و یهدی بہ یعنی بالمثل کثیرا من اهل الایمان و التصدیق فسیزید ہم ہدی الی ہداهم و ایمانا الی ایمانہم لتصدیقہم بما قد عملوه حقاً یقیناً انہ موافق لما ضربہ اللہ لہ مثلاً و اقرار ہم بہ و ذلک ہدایۃ من اللہ لہم بہ (من ابن کثیر) و الاضلال خلق فعل الضلال فی العبد و الہدایۃ خلق فعل الہتداء هذا هو الحقیقۃ عند اهل السنۃ۔ (تفسیر نسفی)

فاسقوں کے اوصاف

پھر ان فاسقوں یعنی حکم عدولی کرنے والوں اور ہدایت ربانی کے خلاف چلنے والوں کے کچھ اوصاف ذکر فرمائے اور (۱) وہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑتے ہیں۔ اس عہد سے یا تو عقل انسانی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہے اور یہ عقل دنیا میں انسان پر حجت ہے اور ایک طرح کا عہد ہے کہ انسان اپنی عقل سے اپنے خالق اور مالک کو پہچانے، اور اپنے خالق اور مالک کو واحد جانے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ یا عہد الست برکم مراد ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی ساری ذریت کو (جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی) ان کی پشت سے نکالا جو بہت چھوٹی چھوٹی شکلوں میں چوٹیوں کی طرح سے تھے۔ اور ان سے عہد لیا اور سوال فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے کہا۔ ”بلی“ کہ ہاں آپ ہمارے رب ہیں۔ وادی نعمان میں (عرفات کے قریب) یہ عہد لیا گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴ از مسند احمد)

سورۃ اعراف کی آیت ﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي اٰدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰى﴾ میں اس عہد کا ذکر ہے۔ یہ عہد سب نے کیا پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس عہد کے یاد دلانے کے لیے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔ جن حدیثوں میں اس عہد کا ذکر ہے ان میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اقرار کے بعد فرمایا کہ میں ساتوں آسمانوں کو اور ساتوں زمینوں کو تمہارے اوپر گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم کو بھی تم پر گواہ بناتا ہوں۔ قیامت کے دن تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمیں اس بات کا پتہ نہ تھا۔ تم جان لو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے سوا کوئی رب نہیں اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا، میں تمہاری طرف رسول بھیجوں گا جو تم کو میرا یہ عہد اور میثاق یاد دلائیں گے، اور تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس بات کے گواہ ہو گئے کہ آپ ہمارے رب ہیں اور ہمارے معبود ہیں اور ہمارے لیے آپ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں چنانچہ سب نے اس کا اقرار کر لیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴)

جو عہد سب نے کر لیا تھا اس کی یاد دلانے کے لیے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے۔ اس عہد کو توڑنا سراسر انصافی ہے اور عہد سے مکر جانا ہے۔ اور اپنی جان پر ظلم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے بھی عہد لیا تھا کہ جو کتاب تمہارے اوپر نازل کی گئی اس کو تم لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور چھپاؤ گے نہیں۔

کما قال تعالیٰ: ﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِيْنَ اٰتُوا الْكِتٰبَ لِتُبَيِّنَنَّ لِلنَّاسِ وَاَلَّا تَكْتُمُوْنَ﴾ (سورۃ آل عمران ع ۱۹) یہ عہد بھی یہاں اس آیت سے مراد ہو سکتا ہے کیونکہ علماء اہل کتاب بھی قرآن کی مخالفت میں لگے ہوئے تھے۔ منافقین اور مشرکین عرب کی طرح یہ لوگ بھی اسلام کے پھیلنے اور قرآن کی دعوت عام ہونے پر پوری طرح رکاوٹیں کھڑے کرتے رہتے تھے۔

فاسقین فاسق کی جمع ہے، یہ لفظ فسق سے مشتق ہے جس کا معنی ہے حکم عدولی کرنا اور فرمانبرداری سے باہر ہو جانا، یہ لفظ کافروں کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کے لیے بھی ہر ایک کی حکم عدولی اپنے اپنے عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے ہے۔

(۲) ان فاسقوں کا دوسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ یہ لوگ اُن چیزوں کو کاٹتے ہیں جن کو جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا، ان میں وہ احکام بھی ہیں جو ﴿فِي مَا بَيْنَ الْعَبْدِ وَاللَّهِ﴾ ہیں۔ (اللہ تعالیٰ سے بندے کا یہ تعلق ہے کہ وہ اپنے خالق اور مالک کا فرمانبردار ہے) اور وہ احکام بھی ہیں جو ﴿فِي مَا بَيْنَ الْعِبَادِ﴾ ہیں۔ جن میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں تفریق نہ کریں کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں بلکہ سب پر ایمان لائیں، اور ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ﴾ کا مصداق بنیں۔

اور ان احکام میں صلہ رحمی بھی ہے اور اہل ایمان سے دوستی کرنا بھی ہے۔ غرض ایمان باللہ کا جو تقاضا ہے اس کے مطابق عمل کرنا عہد کو جوڑے رکھنا ہے اور ہر وہ عمل جس میں خیر کا چھوڑنا اور شر کا اختیار کرنا ہو، یہ سب اس چیز کے قطع میں آتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے جوڑے رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ سورہ رعد میں ایفائے عہد اور عدم نقض میثاق اور وصل ما امر اللہ بہ کی مدح کی گئی ہے۔ اور جن چیزوں کے جوڑے کا حکم دیا گیا ہے اُن کے توڑنے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔ (سورہ رعد رکوع ۳ کا ترجمہ اور تفسیر پڑھیے)

(۳) ان فاسقوں کا تیسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ یہ زمین میں فساد کرتے ہیں، فساد بگاڑ کو کہتے ہیں اور یہ بہت جامع لفظ ہے۔ کفر اختیار کرنا، منافق بننا، مشرک ہونا، اللہ کی وحدانیت کا منکر ہونا، دوسروں کو ایمان سے روکنا۔ حق اور اہل حق کا مذاق بنانا، حقوق کا غصب کرنا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، قتل و خون کرنا جس کی شریعت میں اجازت نہیں دی گئی۔ یہ سب فساد فی الارض میں داخل ہے۔ آخر میں فرمایا ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ﴾ کہ یہ لوگ پورے خسارے میں ہیں۔ یہ لوگ اپنے خیال میں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم بہت کامیاب ہیں ایمان نہ قبول کر کے اور منافقت اختیار کر کے دنیا کے فائدوں کو ہاتھ سے جانے نہ دیا، انہوں نے دنیا کے حقیر فائدوں پر نظر کی، اور آخرت کے دائمی عذاب کے مستحق بنے جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢٤﴾

کیسے کفر کرتے ہو اللہ کے ساتھ، حالانکہ تم بے جان تھے سو اُس نے تم کو زندگی دی۔ پھر تم کو موت دے گا، پھر زندہ فرمائے گا، پھر اُس کی طرف لوٹائے جاؤ گے

مکرر دعوت توحید

اس آیت میں پھر توحید کی دعوت دی گئی جو ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا﴾ میں دی گئی تھی اور ارشاد ہو رہا ہے کہ تم اپنے خالق و مالک کے کیسے منکر ہو رہے ہو اور اس کی توحید سے کیسے انحراف کر رہے ہو حالانکہ اس نے تم کو وجود بخشا ہے۔ تم نطفے کی حالت میں بے جان تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے تم کو زندگی دی تمہارا جسم بنایا اور اس میں روح پھونکی۔ عقل کا تقاضا ہے کہ ایسی ذات پاک پر ایمان لائیں اور کفر اختیار نہ کریں اور بات اتنی ہی نہیں ہے کہ مردہ تھے اس کے بعد اس نے زندگی بخشی بلکہ اس کے بعد یہ بھی ہے کہ جب تمہاری اجل مقررہ ختم ہوگی وہ تمہیں موت دے گا اس کے بعد پھر زندگی بخشیے گا، اس زندگی کے بعد اسی کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔ اُس وقت اس دنیا میں کیے ہوئے اعمال کا حساب ہوگا۔ کفر کا اور برے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ ایمان اور عمل صالح کی بھی جزا ملے گی۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمٰوٰتِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ

بِحُلِّ شَيْءٍ عَلَيْنَا ﴿٢٥﴾

اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے پیدا فرمایا جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔ پھر قصد فرمایا آسمان کی طرف سوٹھیک طرح بنا دیا، ان کو سات آسمان، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

ارض و سماء کی تخلیق کا بیان

اس آیت میں اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی شان خالقیت بیان فرمائی ہے کہ اُس نے آسمان و زمین پیدا فرمائے جو مخلوقات میں بڑی چیزیں ہیں اور نظروں کے سامنے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بھی تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اس نے تمہیں صرف پیدا کر کے نہیں چھوڑ دیا بلکہ تمہاری حاجت کی چیزیں زمین میں پیدا فرمائیں، زمین میں جو کچھ ہے وہ سب تمہارے لیے ہے شرعی قواعد اور قوانین کے مطابق اس سے نفع حاصل کر سکتے ہو۔ خود زمین انسانوں کے لیے بہت بڑی نعمت اور رحمت ہے اور اس کی سطح پر اور اس کے اندر ان گنت چیزیں ہیں۔ انسان ان سب سے متفع ہوتے ہیں۔ سورۃ رحمن میں ہے:

﴿وَالْأَرْضُ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ﴾ اور سورۃ ملک میں ہے: ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ﴾

”اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین کو تمہارے قابو کی چیز بنا دی، لہذا اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور تمہیں اسی کی طرف موت کے بعد اٹھ کر جانا ہے۔“

زمین سے نکلنے والے چھوٹے بڑے درخت، پھل، میوے معدنیات اور طرح طرح کی چیزیں جن کی گنتی بیان سے باہر ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ انسان کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ انسان ان کو استعمال کرے اور ان کے پیدا کرنے والے کا شکر گزار ہو۔ بعض وہ چیزیں جن میں بظاہر ضرر نظر آتا ہے وہ بھی بعض حالات میں نافع اور مفید ہیں۔ سانپ، بچھو اور سنکھیا تک سے دوائیں بنائی جاتی ہیں۔ البتہ نفع مند بنانے کی تدبیریں ہیں، وہ بھی اللہ جل شانہ نے ذہنوں میں ڈالی ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ الایہ کہ دلیل حرمت اور استعمال کی ممانعت کسی شرعی دلیل سے ثابت ہو جائے اور یہ بھی سمجھ لیں کہ جس طرح استعمال کے طریقے سیکھتے ہیں، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ شرعی قوانین کے مطابق استعمال کیا جائے مثلاً کوئی شخص کسی کی ملکیت غصب نہ کرے۔ اور نافع چیز کو اپنے لیے ضرر کی چیز نہ بنالے۔ حرام چیزیں استعمال نہ کرے جس کے فروع اور مسائل جزئیہ بہت زیادہ ہیں۔ اس آیت سے اور سورۃ حم سجده کی آیت:

﴿قُلْ إِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ﴾ (الایۃ) سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پہلے پیدا فرمائی اور اس کے بعد آسمان کی طرف توجہ فرمائی۔ جو دھواں تھا اس کے سات آسمان بنا دیئے اور سورۃ النازعات میں فرمایا ہے:

﴿رَفَعَ سَمَكَهَا فَسَوَّاهَا وَأَعْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا﴾

”یعنی آسمان کی چھت کو بلند فرمایا اور اس کو ٹھیک بنایا اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر فرمایا اور اس کے بعد زمین کو پھیلا یا۔“

ان سب آیات کے ملانے سے معلوم ہوا کہ اول زمین کا مادہ بنایا اور اس کے اوپر بھاری بھر کم پہاڑ پیدا فرمائے، پھر سات آسمان بنا دیئے جو بنانے سے پہلے دھوئیں کی صورت میں تھے۔ اس کے بعد زمین کو موجودہ صورت میں پھیلا دیا۔ قال النسفی فی المدارک ولا یناقض هذا قوله والارض بعد ذلك دحها لان جرم الارض تقدم خلقه خلق السماء و اما دحوها فتاخر۔ (ج ۱ ص ۳۹)

﴿فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ﴾ یعنی آسمان کا مادہ جو دھوئیں کی صورت میں تھا جس کا ذکر سورۃ حم سجده میں ہے ﴿وَهِيَ دُخَانٌ﴾ اس کے سات آسمان بنا دیئے اور خوب اچھی طرح بنائے، ٹھیک بنائے۔ ان میں نہ کچی ہے نہ پھٹن ہے نہ شکاف ہے نہ کسی قسم کا کوئی نقص ہے۔ ساتوں آسمان جو اوپر نیچے بہتے ہوئے ہیں، ان میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں۔ سورۃ ملک میں فرمایا:

﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِن تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِن فُطُورٍ﴾

”اور وہ زبردست ہے بخشنے والا ہے جس نے تہ بہ تہ سات آسمان پیدا فرمائے تو خدا کی خالقیت میں کوئی فرق نہیں دیکھے گا سو تو نگاہ ڈال کر دیکھ لے کیا تو اس میں کوئی خلل دیکھ رہا ہے؟“

سورۃ ق میں فرمایا:

﴿أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ﴾ ”کیا انہوں نے نہیں دیکھا آسمان کی طرف اپنے اوپر ہم نے اس کو کیسا بنایا اور اس کو زینت دے دی اور اس میں کوئی شکاف نہیں ہے۔“

سورۃ بقرہ کی آیت بالا کے آخر میں فرمایا ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے) اتنے بڑے آسمان اتنی بڑی زمینیں اور ان میں جو کچھ اب ہے جو کچھ آئندہ ہوگا، جو کچھ پہلے تھا اور ان کے سوا بھی جو کچھ ہے ان سب کا اس کو پورا پورا علم ہے۔ جو انسان اور جنات دنیا میں آئے ان کے لیے ہدایت بھیجی، ان میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی، فرمانبردار بھی ہیں اور نافرمان بھی، ہدایت قبول کرنے والے بھی اور اس سے منہ موڑنے والے بھی۔ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کے عقیدہ اور عمل کا علم ہے۔ ہر ایک کے عقیدہ اور عمل کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۗ قَالُوۡۤا اَنْتَ جَعَلٌ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیُسِفُکَ الدِّمَآءَ ۗ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ۗ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوۡنَ ﴿۱۰﴾

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بیشک میں پیدا کرنے والا ہوں زمین میں خلیفہ، فرشتوں نے عرض کیا۔ آپ پیدا فرمائیں گے زمین میں جو اس میں فساد کرے گا اور خونوں کو بہائے گا اور ہم آپ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو حمد کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے۔ اور آپ کی یا کی بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا اعلان اور فرشتوں کی معروض

انسان کی تخلیق سے پہلے اس زمین میں جنات رہتے تھے۔ وہ آگ سے پیدا کیے گئے تھے ان کے مزاج میں شر ہے، زمین میں بہت فساد کرتے رہے اور خون بہاتے رہے۔ اللہ جل شانہ نے زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں۔ فرشتوں نے جنات کا حال دیکھ رکھا تھا، انہوں نے سمجھا کہ زمین کا مزاج ایسا ہی ہے کہ جو اس میں رہے گا فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ گویا فرشتوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہونے والے خلیفہ میں تین قوتیں ہوں گی۔ (جن کا وجود خلافت کے لیے ضروری ہے) یعنی قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ، جو فساد اور خون خرابے پر آمادہ کرنے والی ہیں اور قوت عقلیہ جو معرفت باللہ اور طاعت اور فرمانبرداری پر آمادہ کرنے والی ہے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ پہلی دو قوتوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسا خلیفہ پیدا نہ کیا جائے جس میں یہ دونوں موجود ہوں اور قوت عقلیہ کے جو تقاضے ہیں یعنی فرمانبرداری اور طاعت اور تسبیح و تقدیس و تحمید ہم اس میں لگے ہوئے ہیں، انہوں نے اس سے پہلے ایسی کوئی مخلوق نہیں دیکھی تھی جس میں متضاد قوتیں جمع ہوں اور ان کے مجموعہ سے ایسی طبیعت پیدا ہو جائے جس سے خیر کا مظاہرہ ہو۔ عفت بھی ہو، شجاعت بھی ہو۔ عدل و انصاف بھی ہو۔ اہل شرکی سرکوبی پر قدرت بھی ہو اور پہلی دو قوتیں مہذب ہو کر قوت عقلیہ کے تابع ہو جائیں۔ لہذا وہ سوال کر بیٹھے، انہوں نے پہلی دو قوتوں کے بارے میں الگ الگ غور کیا، اور یہ نہ غور کیا کہ قوت عقلیہ کے ساتھ ان دونوں کے ملنے سے کیا کچھ کمال پیدا ہو سکتا ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ فرشتوں نے لفظ خلیفہ سے یہ بات نکال لی کہ اس دنیا میں فسادی لوگ ہوں گے کیونکہ خلیفہ کی ضرورت ہی اس لیے ہے کہ اصلاح کی جائے اور اصلاح جیسی ہوگی جب فساد ہوگا۔ لہذا انہوں نے بطور تعجب یہ عرض کیا کہ کیا آپ اپنی زمین میں ایسا خلیفہ بنائیں گے جو نافرمانی کرے گا، لفظ خلیفہ سے جہاں یہ بات نکلتی ہے کہ زمین میں فساد کرنے والے ہوں

گے وہاں یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اصلاح کرنے والے بھی ہوں گے لیکن انہوں نے معصیت کا حکم سب پر لگا دیا۔ جو صحیح نہیں تھا۔ قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بتا دیا تھا کہ زمین میں ایسی مخلوق ہوگی جو فساد کرے گی اور خون بہائے گی، اس لیے انہوں نے وہ بات کہی جو ﴿اتَّجَعَلُ فِيهَا مَنْ يَفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ﴾ میں ذکر فرمائی۔ فرشتوں نے جو کچھ کہا وہ بطور اعتراض نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا کفر ہے اور فرشتے کفر سے اور ہر طرح کی معصیت سے بری اور معصوم ہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ﴾ (سورۃ الانبیاء) اور فرمایا: ﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ﴾ (سورۃ تحریم) راجع فی ذلك كله القرطبي و البيضاوي۔

فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں اور ہر عیب اور نقص سے آپ کی تزییہ کرتے ہیں اور تسبیح حمد کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ یعنی تسبیح کے ساتھ آپ کی حمد بھی کرتے ہیں۔ اور ہر کمال سے آپ کو متصف جانتے ہیں اور اس کو بیان کرتے ہیں، نَسْبَحُ کے ساتھ ﴿وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾ بھی مذکور ہے۔ یہ لفظ تقدیس سے مشتق ہے۔ تسبیح اور تقدیس کا معنی تقریباً ایک ہی ہے۔ اور تفسیر قرطبی میں حضرت مجاہد تابعی سے نُقَدِّسُ کا معنی یوں نقل کیا ہے:

ای نعظمتک و نمجدک و نظهر ذکرک عما لا یلیق بک مما نسبک الیہ الملحدون ”یعنی ہم تیری عظمت اور بزرگی بیان کرتے ہیں اور تیرے ذکر کو ہر اس چیز سے پاک کرتے ہیں جس کی نسبت ملحدوں نے تیری طرف کی ہے۔“

﴿نُقَدِّسُ لَكَ﴾ کا ایک معنی مفسر بیضاوی نے یوں لکھا ہے۔ نظهر نفوسنا عن الذنوب لاجلک (یعنی ہم اپنی جانوں کو آپ کی رضا کے لیے پاک و صاف رکھتے ہیں گناہوں میں ملوث نہیں ہیں)۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ

صِدِّيقِينَ ﴿۲۱﴾

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو سکھادیئے سارے نام، پھر ان کو فرشتوں پر پیش فرمایا۔ پھر فرمایا کہ مجھے بتا دو ان چیزوں کے نام اگر تم سچے ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے نام بتا کر فرشتوں سے سوال فرمانا

جس نئی مخلوق کے پیدا فرمانے اور زمین میں خلیفہ بنانے کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا وہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا اول تو پتلا بنایا گیا پھر اس میں روح پھونکی گئی اور جب یہ جاندار چیز بن گئی اور جاننے اور پہچاننے کے قابل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ساری چیزوں کے نام بتادیئے پھر ان چیزوں کو فرشتوں پر پیش فرمایا، جن کے نام حضرت آدم علیہ السلام کو بتادیئے تھے اور فرمایا تم مجھے ان کے نام بتا دو اگر تم سچے ہو۔

مفسر بیضاوی لکھتے ہیں فی زعمکم انکم احقا بالخلافة لعصمتکم و ان خلقکم و استخلا فہم و هذه صفتہم لا یلیق بالحکیم و هو و ان لم یصر حوا بہ لکنہ لازم مقالہم مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے خیال میں اور اس بات میں سچے ہو کہ خلافت کے زیادہ حقدار تم ہو کیونکہ تم معصوم ہو، اور یہ کہ ایسی مخلوق کا پیدا کرنا اور خلیفہ بنانا جس کی صفت فساد فی الارض اور سفک دماء ہوشان حکیم کے لائق نہیں ہے، تو تم ان چیزوں کے نام بتا دو، یہ بات کہ ہم بہ نسبت نئی مخلوق کے خلافت کے زیادہ مستحق ہیں صاف طور سے انہوں نے نہیں کہی تھی لیکن ان کے قول سے یہ بات بطور لزوم نکلتی ہے۔

لفظ آدم کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ عجمی لفظ ہے۔ جیسے آذر اور شامخ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ عربی لفظ ہے جو آدمۃ سے مشتق ہے۔ عربی میں یہ مادہ گندم گونی رنگ کے معنی دیتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے نام بتادیئے تھے حتیٰ کہ چھوٹے بڑے پیالے کا نام بھی بتا دیا تھا۔ جب فرشتوں کے سامنے پیش

فرما کر ان کے نام پوچھے تو وہ عاجز رہ گئے (اور سوال ہی ان کا عجز ظاہر کرنے کے لیے کیا گیا تھا) اور اس طرح سے اللہ جل شانہ نے نئی مخلوق کی فضیلت ثابت فرمادی اور بتادیا کہ اس نئی مخلوق میں صفت علم ایسی بڑی چیز ہے۔ جس کی وجہ سے زمین میں خلافت قائم کی جاسکتی ہے اور باقی رکھی جاسکتی ہے۔ بغیر علم کے خلاف نہیں چل سکتی بلکہ کوئی بھی کام علم کے بغیر صحیح طریقے سے نہیں ہو سکتا۔ صحیح عمل کے لیے صحیح علم کی ضرورت ہے۔ اور صفت علم میں یہ نئی مخلوق تم سے بڑھ کر ہے۔

قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۳﴾

فرشتوں نے عرض کیا کہ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں ہمیں اُس کے سوا کچھ علم نہیں جو آپ نے ہمیں سکھایا، بے شک آپ جاننے والے ہیں حکمت والے ہیں

فرشتوں کا عجز اور اقرار

جب فرشتوں نے دیکھ لیا کہ اس نئی مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت سے نواز دیا اور جو علوم اس کو دیئے ہیں وہ ہم میں نہیں ہیں تو انہوں نے اپنی عاجزی کا اقرار کر لیا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ ہم ان چیزوں کے نام نہیں بتا سکتے۔ ہمیں جو کچھ علم ہے ہے اسی قدر ہے جو آپ نے عطا فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی کہ آپ نے جو اس مخلوق کو خلیفہ بنانے کا ارادہ فرمایا ہے بالکل صحیح ہے۔ آپ ہر عیب اور نقص سے پاک ہیں آپ نے جو کچھ ارادہ فرمایا، اس کے متعلق کسی قسم کا کوئی سوال اٹھانا درست نہیں اور آپ علیم ہیں سبھی کچھ جانتے ہیں اور حکیم بھی ہیں آپ کا کوئی ارادہ اور فعل حکمت سے خالی نہیں۔

قَالَ يَا اٰدَمُ اَنْبِئْهُمْ بِاسْمَائِهِمْ فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ بِاسْمَائِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ الْغَيْبِ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۴﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! ان کو ان چیزوں کے نام بتادو، سو جب انہوں نے ان کو ان چیزوں کے نام بتادیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا کہ بے شک میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی غیب کی چیزوں کو اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام کا علم و فضل ظاہر ہونا

جب فرشتوں نے ان چیزوں کے نام بتانے سے اپنے عاجز ہونے کا اظہار کر دیا، جو ان پر پیش کی گئی تھیں تو اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ تم ان کے نام بتادو، چنانچہ انہوں نے ان چیزوں کے نام بتادیئے۔ فرشتوں کی عاجزی کا اور حضرت آدم علیہ السلام کے علم کا خوب اچھی طرح مظاہرہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا، کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہوں اور وہ سب کچھ جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔ مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب تم سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں تو تمہیں توقف کرنا چاہیے تھا اور اس انتظار میں رہنا مناسب تھا کہ اس نئی مخلوق کے بارے میں ایسی معلومات حاصل ہو جائیں جو اس کے فضل و کمال پر اور اس کے مستحق خلافت ہونے پر دلالت کریں۔ خلیفہ پیدا فرمانے کا اعلان سنتے ہی اشکال کرنا درست نہ تھا۔

اور یہ جو فرمایا کہ میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جو ظاہر کیا وہ یہ بات تھی

جو بطور سوال عرض کی تھی کہ کیا آپ پیدا فرمائیں گے جو زمین میں فساد اور خون خرابہ کریں گے، اور جو چھپایا اس سے مراد یہ ہے کہ ہم خلافت کے زیادہ مستحق ہیں، انہوں نے یہ بات چھپائی کہ اللہ تعالیٰ ہم سے افضل کوئی مخلوق پیدا نہ فرمائے گا۔ واللہ اعلم۔

ان آیات سے علم کی فضیلت معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خلافت کے لیے علم ضروری ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل تھے کیونکہ اس کو ان سے زیادہ علم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (کیا برابر ہیں جو جاننے والے ہیں اور جو جاننے والے نہیں ہیں)۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ط أَبِي وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ

الْكَافِرِينَ ﴿۲۳﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ سجدہ کرو آدم کو، سو انہوں نے سجدہ کر لیا، لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا

فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اور ابلیس کا انکاری ہونا

جب آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ ان کو سجدہ کرو۔ حکم تو پہلے سے دیا جا چکا تھا جیسا کہ سورۃ حجر اور سورۃ ص میں ہے۔ ﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ﴾ (کہ جب میں اس کو بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا)

لیکن جب ان کا علم و فضل ظاہر ہو گیا اور سجدہ کرنے کا سبب یعنی آدم کا افضل ہونا معلوم ہو گیا تو حکم سابق کا اعادہ فرمایا تا کہ فرشتے اپنے عمل سے ان کی فضیلت کا اقرار کریں اور حکم کے مطابق سجدہ میں گر پڑیں۔ لہذا وہ سب آدم کے لیے سجدہ ریز ہوئے اور آدم کی تخلیق سے پہلے ہی جو انہوں نے فساد اور خون خرابہ کرنے والا کہہ دیا تھا، اس کی بھی تلافی ہو گئی۔

سجدہ تعظیمی کی بحث اور اس کا حکم:

یہ تو یقینی طور سے ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ سجدہ عبادت کا نہ تھا کیونکہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ پھر یہ سجدہ کون سا تھا؟ اس کے بارے میں مفسرین نے دو باتیں لکھی ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سجدہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو تھا اور آدم علیہ السلام کو قبلہ بنایا گیا تھا۔ ان کو قبلہ بنانے سے بھی ان کا مرتبہ ظاہر ہو گیا جیسا کہ کعبہ شریف قبلہ ہے اور اس سے اس کی فضیلت ظاہر ہے۔ اور لآدم میں جو لام ہے وہ ایسا ہی ہے۔ جیسے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اس شعر میں ہے

اليس اول من صلى لقبلتكم و اعرف الناس بالقرآن و السنن

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ سجدہ تو آدم علیہ السلام ہی کو تھا لیکن یہ سجدہ تعظیمی تھا۔ سجدہ عبادت نہ تھا جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا تھا۔ (بیضاوی)

شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ خواہ کیسا ہی سجدہ ہو، سجدہ تعظیمی جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کیا وہ ان کی شریعت میں جائز تھا۔ یہ شریعت سابقہ کی بات تھی جو منسوخ ہو گئی۔ حضرت قیس بن سعد (صحابی) رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں شہر حیرہ میں آیا میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے علاقے کے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو میں نے عرض کیا کہ میں حیرہ شہر گیا تھا وہاں میں نے دیکھا کہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں تو (میرے نزدیک) آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ آپ نے فرمایا اگر تم میری قبر پر گزرو

گے تو کیا سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا سو (اب بھی) مجھے سجدہ نہ کروا کر میں حکم دیتا کہ کوئی شخص کسی کو سجدہ کرے تو عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں اس حق کی وجہ سے جو اللہ نے شوہروں کا عورتوں پر رکھا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۱)

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت محمدیہ ﷺ میں سجدہ تعظیسی کسی کے لیے جائز نہیں، نہ زندہ کو نہ مردہ کو۔ نہ مرشد کو نہ قبر کو۔ اور حدیث مذکور کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن میں غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ممانعت وارد ہوئی۔ بعض حضرات نے سجدہ تعظیسی کی حرمت پر سورۃ جن کی آیت ﴿وَ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ اٰحٰدًا﴾ سے بھی استدلال کیا ہے، کہ مساجد مصدر مسمیٰ بمعنی سجدات ہے اور اس کا عموم اور اطلاق ہر طرح کے سجدوں کو شامل ہے (ترجمہ یہ ہے کہ بلاشبہ تمام سجدے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں، لہذا اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو)۔ ابلیس کی بدتمیزی اور بدبختی:

سورۃ حجر میں فرمایا ہے: ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اٰجْمَعُوْنَ اِلَّا اِبٰلِیْسَ اَبٰی اَنْ یَّکُوْنَ مَعَ السَّٰجِدِیْنَ﴾ ”کہ حکم سن کر فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا اس نے اس بات سے انکار کیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو۔“

اللہ جل شانہ نے جب اس سے سوال فرمایا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ کیوں نہ ہو اور تو نے سجدہ کیوں نہ کیا۔ تو اس پر اُس نے جواب دیا کہ:

﴿اَنَا خَیْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَ خَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍ﴾ (سورۃ اعراف و سورۃ ص)

”کہ میں اس سے بہتر ہوں، مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو کچھڑ سے پیدا کیا۔“

ابلیس ملعون نے نہ صرف یہ کہ حکم کی تعمیل نہ کی بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو غلط بتایا اور اعتراض کر بیٹھا کہ آپ نے افضل کو حکم دیا کہ غیر افضل کو سجدہ کرے۔ یہ حکمت کے خلاف ہے۔ اُس نے اپنے خیال میں آگ کو مٹی سے افضل سمجھا اس لیے جو آگ سے پیدا ہوا ہے اس کو بھی مٹی سے پیدا شدہ شخص سے افضل سمجھ لیا۔ آگ کو مٹی سے افضل سمجھنا ہی اول تو غلط ہے۔ آگ میں فساد زیادہ ہے صلاح کم ہے۔ اور مٹی میں سراپا خوبی ہے، جو نافع ہی نافع ہے۔ اور سب سے بڑی جو خوبی کی چیز مٹی میں ہے وہ تواضع اور فروتنی ہے پھر کام کی چیزیں سب زمین ہی سے نکلتی ہیں۔ انسانوں اور جنوں کے رہنے کی جگہ بھی زمین ہی ہے۔ پھل، میوے، غلے، ہرے بھرے باغ، کھیتیاں، سب زمین سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔ اور بہت سی وجوہ سے مٹی کو آگ پر فضیلت حاصل ہے۔ پھر مومن بندے کا کام یہ ہے کہ وہ بات مانے، حکم کی تعمیل کرے اگرچہ اپنی سمجھ کے خلاف ہی ہو۔

زبان تازہ کردن با قرار تو نینگختین علت از کار تو!

حکم عالی سن کر اس میں حجت نکالنا کبر اور نافرمانی ہے۔ اللہ جل شانہ نے سورۃ بقرۃ میں فرمایا ﴿فَاٰهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یَّکُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَّکَبِرَ فِیْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصَّٰغِرِیْنَ﴾ (سورۃ اعراف)

”کہ تو اس سے اتر تجھ کو کوئی حق نہیں کہ اس میں تکبر کرے سو نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے“

اور فرمایا: ﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ وَّ اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ ”کہ تو اس سے نکل جا کیونکہ بے شک تو مردود ہے، اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت رہے گی۔“

جو شخص قیامت کے دن تک ملعون رہ گیا اس کے بعد اس پر رحمت ہو ہی نہیں سکتی پھر تو اس کے لیے دوزخ ہی دوزخ ہے۔ قال تعالیٰ ﴿لَا مَلٰٓئِئَۃَ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَّمِمَّنْ تَبَعَكَ مِنْهُمْ اٰجْمَعِیْنَ﴾ (سورۃ ص)

غرض کہ شیطان کو تکبر کھا گیا اور ہمیشہ کے لیے ملعون اور مدحور اور ذلیل و خوار ہو گیا۔ اس نے ملعون ہونا گوارا کیا، لیکن حکم ماننا اسے منظور نہ ہوا۔ تکبر ایسی بری بلا ہے جو دنیا اور آخرت میں متکبر کا ناس کھودتی ہے۔

بعض لوگوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ سجدہ کا حکم تو فرشتوں کو ہوا تھا۔ اور ابلیس جن میں سے تھا پھر اس نے سجدہ نہ کیا تو اس کا مواخذہ کیوں ہو؟ یہ سوال غلط ہے کیونکہ سورۃ اعراف میں اس کی تصریح ہے کہ اس کو بھی سجدہ کرنے کا حکم تھا۔ کما قال تعالیٰ:

﴿مَا مَنَعَكَ أَنْ لَا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ﴾ ”تجھے کس چیز نے روکا اس بات سے کہ تو سجدہ نہ کرے جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا۔“

اس تصریح کے بعد اصل سوال تو ختم ہو جاتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کو بالاستقلال الگ سے حکم تھا یا چونکہ فرشتوں کے ساتھ رہتا سہتا اور ان کے ساتھ عبادت کرتا تھا اس لیے اس کے عموم میں یہ بھی آگیا تھا یہ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔ والعلم عند اللہ العلیم قرآن مجید سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس عالم بالا میں رہتا تھا جب نافرمانی کی تو وہاں سے اتر جانے اور نکل جانے کا حکم ہوا۔ وہاں اس کے اعمال و اشغال کیا تھے اس کے بارے میں بعض صحابہ اور تابعین سے کچھ باتیں منقول ہیں، جو درمنثور میں ج ۱ ص ۵۰، پر لکھی ہیں۔ بظاہر یہ اسرائیلی روایات ہیں۔ بہر حال جو بھی کچھ ہو، اس نے اپنا علم بے جگہ استعمال کیا اور غرور علم میں اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر دیا اور کفر اختیار کر کے مردود ہو گیا۔ اور اس سے پہلے جتنی بھی عبادت کی تھی سب اکارت گئی

مارا گیا شیطان ایک سجدہ کے نہ کرنے سے ہزاروں برس سجدہ میں سرمارا تو کیا مارا

ابلیس کی بنی آدم سے دشمنی:

سورۃ طہ میں ہے کہ جب ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِرِزْوَجِكَ فَلا يُخْرِجَنَّكَ مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى﴾ ”اے آدم! بلاشبہ یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے سو یہ ہرگز تم کو جنت سے نکال نہ دے۔ پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔“

اور ابلیس نے قسم کھائی کہ میں آدم کی ذریت، کاناس کھودوں گا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ ابلیس نے کہا ﴿لَا حُتْنَكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ قَلِيلًا﴾ (میں ضرور ضرور اس کی ذریت کو اپنے قابو میں کر لوں گا بجز تھوڑے لوگوں کے) اس مضمون کی تکمیل ان شاء اللہ سورۃ اعراف کے دوسرے رکوع کی تفسیر سے کی جائے گی۔

اس کے بعد حضرت آدم و حوا کے جنت میں رہنے اور شیطان کے بہکانے کا ذکر ہے جو ابھی آتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ابلیس کا پرانا نام عزا زیل تھا۔ جب ملعون ہو گیا تو اس کا نام ابلیس رکھا گیا، اور شیطان بھی کہا جانے گا۔ شیطان کا معنی ہے بہت زیادہ شریر۔ یہ سب سے بڑا شیطان ہے اور اس کی ذریت بھی شیطان ہے۔ اور بہت سے انسان بھی شیطانوں کا کام کرتے ہیں۔ اس لیے شیاطین الانس والجن فرمایا گیا ہے۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَرِزْوَجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلا تَقْرَبَا هَذِهِ

الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۲۰﴾

اور ہم نے کہا اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہا کرو اور اس میں سے خوب اچھی طرح کھاؤ، جہاں سے چاہو۔ اور نہ قریب جانا اس درخت کے ورنہ تم دونوں ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جنت میں رہنے کا حکم اور ایک خاص درخت سے بچنے کی ہدایت اس آیت شریف میں یہ فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جنت میں رہنے کا حکم دیا اور خوب با فراغت اچھی طرح کھانے کا کھلا اختیار دے دیا۔ لیکن خاص ایک درخت کے بارے میں فرمایا کہ اس کے پاس نہ پھٹکنا۔ مقصد تو یہ تھا کہ اس میں سے مت کھانا لیکن بطور مبالغہ اچھی طرح اہتمام کے ساتھ اس سے بچنے کے لیے یہ فرمایا کہ اس کے پاس بھی نہ جانا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر تم نے اس میں سے کھا لیا تو ظالموں میں شمار ہو جاؤ گے۔ اس سے دو طرح کا ظلم مراد ہو سکتا ہے۔ اول تو یہ کہ اس کے کھانے سے جو ممانعت کی خلاف ورزی ہوگی، یہ

گناہ ہوگا اور ہر گناہ، گناہ کرنے والے کے لیے وبال ہے، اور وہ اس کی وجہ سے مستحق سزا ہے۔ دوم یہ کہ جب خلاف ورزی کر لو گے تو یہاں جن نعمتوں میں رہ رہے ہو سلب ہو جائیں گی اور یہاں سے نکلنا پڑے گا۔ اور یہ بھی اپنی جان پر ظلم ہوگا۔

شجرہ (درخت) جس کے کھانے سے منع فرمایا تھا وہ کون سا درخت تھا۔ اس بارے میں حضور اقدس ﷺ سے کچھ ثابت نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر صحابہ سے منقول ہے کہ یہ گیہوں کا درخت تھا۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ انگور کا درخت تھا۔ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ انجیر کا درخت تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ کھجور کا درخت تھا۔ (یہ اقوال تفسیر درمنثور میں ج ۱ ص ۵۲-۵۳ پر درج ہیں)۔

صحیح علم اللہ ہی کو ہے کہ وہ کون سا درخت تھا، ہمیں معین طریقہ پر اس کا علم یقینی نہیں ہے اور اس میں مضائقہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے جاننے پر کوئی حکم شرعی موقوف نہیں ہے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي

الْأَرْضِ مَسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۱۷﴾

سو شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کے ذریعہ سے لغزش دی، سو ان دونوں کو اس سے نکال دیا جس میں وہ تھے، اور ہم نے کہا کہ اتر جاؤ۔ تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے۔ اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنا ہے، اور ایک زمانہ تک نفع حاصل کرنا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام وحواء کو شیطان کا بہکانا اور جنت سے نکالا جانا

اللہ جل شانہ نے آدم علیہ السلام سے فرما دیا تھا کہ دیکھو، یہ ابلیس تمہارا دشمن ہے تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے یعنی جنت سے نکال دیئے جانے کا ذریعہ نہ بن جائے، ادھر شیطان نے بھی دشمنی پر کمر باندھ لی تھی اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی اور ان کی ذریت کو تکلیف پہنچانے کا پکا ارادہ کر چکا تھا۔ وہ اس تاک میں رہا کہ ان کو کسی طرح جنت سے نکلواؤں اور یہاں کی نعمتوں سے محروم کروں۔ اُسے یہ معلوم تھا کہ ان کو ایک درخت کے کھانے سے منع فرمایا گیا ہے، اگر کسی طرح ان سے اُس ممانعت کی خلاف ورزی کرادوں تو ضرور ان پر عتاب ہوگا۔ جو یہاں سے نکالے جانے کا سبب بنے گا، چنانچہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ دیکھو تم کو اس درخت کے کھانے سے اس لیے روکا گیا ہے، کہ جو کوئی شخص اس درخت میں سے کھالے گا وہ ہمیشہ یہیں رہے گا۔ اور جو بادشاہی یہاں حاصل ہے اس میں کبھی ضعف نہ آئے گا، اور اس نے یہ بھی کہا کہ تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت کے کھانے سے اس لیے روکا ہے کہ اس کو کھا کر فرشتے ہو جاؤ گے اور ہمیشہ زندہ رہو گے۔

﴿مَا نَهَكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ﴾ (سورة الاعراف) يَا أدمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ﴿﴾ (سورة طه)

اور اس نے صرف معمولی طور پر ہی ترغیب نہیں دی، بلکہ دونوں میاں بیوی سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تمہارے لیے خیر خواہی کا مشورہ دینے والا ہوں۔ (کمافی سورة الاعراف) ﴿وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ﴾

شیطان کے سمجھانے بھگانے اور قسم کھانے سے دونوں میاں بیوی نے اُس درخت میں سے کھا لیا جس سے منع فرمایا گیا تھا اور وہ ان کو فریب دے کر نیچے اتارنے میں کامیاب ہو گیا۔ ﴿فَدَلَّهُمَا بِفُرُودٍ﴾ اس درخت کو چکھنا تھا کہ جنت کے کپڑے ان کے تن سے جدا ہو گئے اور دونوں کی شرم کی جگہیں ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہو گئیں اب تو جنت کے پتے اپنے جسموں پر جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے۔ جیسا کہ سورة اعراف اور سورة طه میں مذکور ہے۔ اللہ جل شانہ نے ان کی پکار کر فرمایا کیا میں نے تم کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا میں نے یہ نہ کہا تھا کہ بلاشبہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ دونوں فوراً گناہ کے اقراری ہوئے اور مغفرت طلب کرنے لگے۔ اس کا ذکر سورة اعراف میں ہے۔ اور

ابھی ﴿فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ﴾ کی تفسیر میں بھی انشاء اللہ ان کی توبہ کا ذکر آئے گا۔ یہاں یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ شیطان نے اُن کو کس طرح بہکایا اور وسوسہ کیسے ڈالا۔ جب کہ وہ وہاں سے نکال دیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں مفسر بیضاوی نے یہ احتمال لکھا ہے کہ اعزاز کے طور پر اس کا وہاں رہنا اور داخل ہونا ممنوع قرار دیا گیا تھا اور ایسی مضبوط ممانعت نہ ہوئی تھی کہ بالکل ہی داخل نہ ہو سکے، چونکہ حضرت آدم و حوا کا ابتلاء اور امتحان مقصود تھا اس لیے وسوسہ کے لیے داخلہ کا موقعہ دیا گیا۔ اور ایک احتمال یہ لکھا ہے کہ دروازہ کے قریب کھڑے ہو کر وسوسہ ڈالا۔ (لیکن یہ دونوں باتیں اس پر مبنی ہیں کہ وہ جنت سے نکالا گیا اور ابھی زمین پر نہیں آیا تھا۔) ان کے علاوہ دوسرے اقوال بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ جو بھی صورت ہو اس نے وسوسہ ڈالا اور بہکایا اور انہوں نے اس کی بات پر عمل کیا۔ جس کی وجہ سے زمین پر آنا پڑا، تلوینی طور پر جو اُن کو زمین پر بھیجنا اور خلیفہ بنانا پہلے سے طے تھا، شیطان کا بہکانا اور اُن کا درخت میں سے کھالینا زمین پر آنے اور رہنے اور بسنے کا سبب بن گیا۔

جب درخت کھانے کا واقعہ پیش آ گیا تو اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ تم یہاں سے اتر جاؤ، زمین میں جا کر رہو، وہاں تم میں بعض بعض کے دشمن ہوں گے۔ اور زمین میں تم کو ٹھہرنا ہے اور ایک زمانہ تک نفع حاصل کرنا ہے۔ اس سے یا تو یہ مراد ہے کہ آدم اور حوا اور ان کی ذریت کو قیامت تک دنیا میں رہنا ہے جس کا وقت مقرر ہے، یا یہ مطلب ہے کہ ان میں سے ہر شخص کو اپنی موت آنے تک زمین پر رہنا ہے اور تھوڑا بہت نفع حاصل کرنا ہے۔

یہاں لفظ اِهْبِطُوا (تم اتر جاؤ) جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے، جب کہ دو آدمی تھے تو جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ حضرت آدم و حوا اور ابلیس، تینوں کو خطاب ہے (ابلیس ابھی تک آسمانوں میں تھا، زمین پر نہیں آیا تھا) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ صیغہ جمع اس لیے لایا گیا کہ حضرت آدم اور حضرت حوا اور ان کی ذریت کا مجموعہ مراد ہے۔ یہ دونوں اُتارے گئے تو ساری ذریت اتاری گئی، گوا بھی موجود نہ تھی۔ یہ دوسری بات زیادہ اولیٰ و اقرب ہے کیونکہ سورۃ طہ میں تشبیہ کا صیغہ اِهْبِطَا لایا گیا ہے۔ اور ابلیس کو مستقل وہاں سے اترنے اور نکلنے کا حکم پہلے دیا جا چکا تھا جو سورۃ اعراف میں مذکور ہے۔

﴿بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ (کہ تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے) اس سے بنی آدم کی آپس کی دشمنیاں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان تمہارا دشمن رہے گا اور تم اس کے دشمن ہو گے۔

فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۗ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۲۷﴾

اس کے بعد آدم نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کر لیے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہ خوب زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے بڑا مہربان ہے

حضرت آدم علیہ السلام کا توبہ کرنا اور توبہ قبول ہونا

حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی بیوی سے جو خطا ہو گئی اس کی وجہ سے انہیں بہت زیادہ ندامت تھی۔ اللہ جل شانہ کی طرف سے ان کو چند کلمات بتائے گئے کہ اُن کے ذریعے توبہ کریں، یہ کون سے کلمات تھے بعض مفسروں نے فرمایا کہ سورۃ اعراف میں جو اُن کی توبہ کے الفاظ مذکور ہیں وہی مراد ہیں یعنی:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا سَكَنًا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ”اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ضرور ضرور ہم خسارے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“

ان الفاظ میں متکلم مع الغیر کا صیغہ استعمال فرمایا جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت آدم اور حوا علیہ السلام دونوں ہی نے مذکورہ الفاظ کے ذریعہ توبہ کی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جو الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوئے تھے وہ یہ الفاظ تھے:

﴿سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ﴾ ”اے اللہ! میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور آپ کی حمد بیان کرتا ہوں اور آپ کا نام بابرکت ہے اور آپ کی شان بلند ہے اور آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، لہذا مجھے بخش دیجیے بے شک آپ کے علاوہ کوئی بھی گناہ نہیں کو نہیں بخش سکتا۔“

جو بھی الفاظ ہوں اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کے الفاظ بتائے انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے، توبہ کے الفاظ خود ہی القاء فرمائے اور ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا کہ وہ توبہ قبول فرمانے والا اور بہت بڑا مہربان ہے جب کبھی کوئی شخص ندامت کے ساتھ رجوع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ سورۃ شوریٰ میں ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ﴾ ”اور اللہ وہ ہے کہ جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔“

معافی اور مغفرت تو ہوگئی لیکن جنت میں واپس نہیں بسایا گیا کیونکہ تکوینی طور پر ان کو پہلے ہی سے دنیا میں بھیجنا اور خلیفہ بنانا طے تھا، ان کے دنیا میں آنے کی وجہ سے بہت کثیر تعداد میں ان کی ذریت کے افراد مرد اور عورت ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے مستحق جنت ہوئے۔ یہ بنی نوع انسان کا بہت بڑا فائدہ ہوا۔ اگر وہ دونوں جنت ہی میں واپس کر دیئے جاتے تو وہاں کی نعمتوں سے وہی منتفع اور متمتع رہتے۔ اور اگر بالفرض وہاں اولاد ہوتی تو وہ اعمال صالحہ کی محنت اور گناہوں سے پرہیز کرنے کی مشقت کے بغیر ہی نعمتوں میں رہتی اور نعمتوں کی زیادہ قدر نہ ہوتی، اپنی محنت سے جو چیز حاصل ہو اور دکھ تکلیف کے بعد جو نعمتیں ملیں ان کا مزہ اور کیف اور ہی ہوتا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا اولئك اصحاب النار هم فيها خالدون ﴿۳۹﴾

ہم نے کہا تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا تو ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ رنجیدہ ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور میری آیتوں کو جھٹلایا، یہ لوگ دوزخ والے ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

ہدایت قبول کرنے والوں کے لیے انعام اور کافروں کے لیے دوزخ کا داخلہ

اس سے پہلے حکم اِهْبِطُوا (اُتْرِجُوا) پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس کو دوبارہ لانا یا تواتر کید کے لیے ہے یا پہلا حکم یہ بتانے کے لیے تھا کہ تم یہاں سے جاؤ جہاں جا رہے ہو، مصیبت کی جگہ ہوگی آپس میں دشمنی ہوگی اور وہاں تھوڑی مدت رہنا ہوگا، ہمیشگی نہ ہوگی اور دوسرا حکم یہ بتانے کے لیے ہے کہ جہاں تم کو بھیجا جا رہا ہے وہ دارالتکلیف ہے۔ وہاں قیام کرنے کے بارے میں یہ بات ذہن میں رکھو اور یہیں سے سمجھتے جاؤ کہ تمہارے خالق اور مالک کی طرف سے وہاں ہدایات آئیں گی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر آئیں گے، اس کی کتابیں نازل ہوں گی۔ ان پیغمبروں اور کتابوں پر ایمان لانا ہوگا اور ان کی تعلیمات اور ہدایات کے مطابق زندگی گزارنی ہوگی جو ہدایت کا اتباع کریں گے۔ ان کے لیے یہاں واپس آ کر خیر ہی خیر ہے نہ انہیں کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی رنج لاحق ہوگا۔ سورۃ طہ میں یوں فرمایا: ﴿فَمَنْ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى﴾ (کہ جو شخص میری ہدایت کا اتباع کرے گا، سو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ شقی ہوگا)۔ اور جو لوگ کفر اختیار کریں گے اور میرے آیات کو جھٹلائیں گے یہ نار (آگ) والے ہوں گے یعنی دوزخ میں جائیں گے جس طرح اہل ایمان ہمیشہ جنت میں رہیں گے، اسی طرح یہ اہل کفر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

فوائد ضروریہ متعلقہ واقعہ حضرت آدم علیہ السلام

حضرت آدم وحواء علیہما السلام اور ان کے دشمن ابلیس ملعون کے مذکورہ واقعہ سے بڑے بڑے اہم نتائج اور فوائد معلوم ہوئے۔

انسان کو خلافت ارضی کے لیے پیدا فرمایا:

(۱) اللہ جل شانہ نے انسان کو خلافت ارضی کے لیے پیدا فرمایا۔ اُس پر لازم ہے کہ اپنے خالق و مالک کا خلیفہ بن کر رہے۔ اس کے احکام پر خود بھی عمل کرے اور اپنے زور و طاقت سے احکام الہیہ کو نافذ کرے۔ اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی ایسے شخص کو صاحب اقتدار بنانا واجب ہے جو احکام الہیہ پر عمل کر سکتا ہو۔

جو لوگ قرآن کو نہیں مانتے وہ تو اس واجب پر کیا عمل کریں گے جنہیں قرآن کے ماننے کا دعویٰ ہے وہ بھی احکام الہیہ کی تنفیذ کے حق میں نہیں ہیں۔ دنیا کے ایک بڑے حصے پر مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہے لیکن قوانین شریعت نافذ کرنے کے لیے تیار نہیں، اس سے جان چراتے ہیں۔ دشمنان اسلام کے ترتیب دیئے ہوئے ظالمانہ قوانین کو کورٹ اور پچھری میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ شرعی قوانین سے بہت سے دنیاوی منافع اور نفس کی لذتوں پر زد پڑتی ہے، اس لیے اللہ کی خلافت سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اور خلیفۃ اللہ نہ ہونے کی وجہ سے ساری دنیا فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ جو ممالک مسلمانوں کے زیر اقتدار ہیں فسادات وہیں زیادہ ہیں۔ قتل و خون کے واقعات بھی انہیں ممالک میں بہت زیادہ پیش آتے رہتے ہیں، مسلمان ہی مسلمان کو قتل کرتا ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسا خلیفہ بنائیں جو احکام الہیہ کو نافذ کرے اور اس بارے میں اس کی مدد کریں۔ اور خلافت کے کام انجام دیں، اور فاسق بن کر ﴿يَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ﴾ کا مصداق نہ بنیں۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کی خلافت کے لیے پیدا کیا گیا اس کے اکثر افراد تو کافر ہی ہیں اور جو اسلام کے مدعی ہیں ان میں سے بھی اکثر نافرمانی پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ انسان کی حماقت اور شقاوت ہے۔ اپنے بلند مرتبہ کو چھوڑ کر دنیا کی ذلت اور آخرت کے عذاب کے لیے اپنی جان کو تیار کر رکھا ہے۔ یہی انسان جس کے سب سے پہلے فرد کو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا وہی انسان اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں جانے کو تیار ہے۔ یہ تو اہل کفر ہیں اور مسلمان ہونے کے مدعی ہیں وہ بھی صالحین کے پیچھے نہیں لگتے۔ فاسقوں، فاجروں، بد عقیدہ ملحدوں کو اپنا لیڈر اور قائد بنا لیتے ہیں اور انہیں کو اقتدار سونپتے ہیں اور یہ لوگ خود اور صاحب اقتدار سب مل کر فساد برپا کرتے ہیں۔ قتل و خون اور لوٹ مار کی خبریں برابر آتی رہتی ہیں، رشوت کی گرم بازاری ہے۔ سودی کاروبار ہیں، سودی لین دین ہے۔ شرابیں پی جا رہی ہیں۔ زکوٰتیں نہیں دی جاتیں (بہت کم لوگ زکوٰۃ شرعی قاعدہ کے مطابق دیتے ہیں) لوگوں کے حق مارے جا رہے ہیں۔ نمازیں برباد ہیں، رمضان میں کھلے عام سب کے سامنے کھایا پیا جاتا ہے۔ جانتے بوجھتے گناہ کرتے ہیں اور گناہوں پر اصرار ہے۔ اپنا مقام بھول گئے، اور معصیتوں میں لگ گئے۔ شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ آئے کہ پھر تو فرشتوں نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ جوئی مخلوق پیدا ہو رہی ہے وہ فسادی ہوگی، اور خون خرابہ کرنے والی ہوگی۔ اس وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں نے تو تمام افراد انسانی کو ہی فساد اور خون خرابہ سے متصف کر دیا تھا انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علماء، صلحاء و شہداء، عابدین، ذاکرین، قانتین، مجاہدین، حجاج، حفاظ قرآن، مفسرین قرآن، محدثین، مصنفین، مصلحین و مرشدین بھی ہوں گے، اگر بنی نوع انسان کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے اور خاص کر اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انسانوں میں کیسے کیسے اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے اور اصلاح حال کے لیے جانیں وقف کرنے والے اور خلافت الہیہ کے فریضہ کو انجام دینے والے گزرے ہیں۔ فرشتوں کے سامنے اہل صلاح و فلاح کے اعمال خیر کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اندر یکے بعد دیگرے رات کو فرشتے اور دن کے فرشتے آتے رہتے ہیں اور وہ فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔ جب وہ فرشتے واپس ہو کر اوپر جاتے ہیں جنہوں نے تمہارے ساتھ رات گزاری تو اللہ تعالیٰ شانہ ان سے دریافت فرماتے ہیں حالانکہ وہ ان سے زیادہ جانتے والے ہیں کہ میرے بندوں کو تم نے کس حال میں چھوڑا۔ وہ عرض کرتے ہیں: تر کناہم و ہم یصلون و

ایتنا ہم و ہم یصلون۔ یعنی ہم نے اُن کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم اُن کے پاس گئے تھے تو بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۴۵۷)

اور یوم عرفہ کو جب حجاج عرفات میں جمع ہوتے ہیں تو اللہ جل شانہ اُن کو فرشتوں کے سامنے پیش فرما کر فخر فرماتے ہیں (فی حدیث جابر مرفوعاً اذا کان یوم عرفۃ ان اللہ ینزل الی السماء الدنیا فیباہی بہم الملئکۃ فیقول انظروا الی عبادی اتونی شعثاً غیر اضاجین من کل فج عمیق۔ الحدیث کما فی مشکوٰۃ ص ۲۲۹ عن شرح السنۃ) یوم عید میں بھی اسی طرح فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کو پیش فرما کر اللہ تعالیٰ فخر فرماتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۲) علم بہت بڑی دولت ہے:

(۲) علم اللہ جل شانہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور بہت بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ اسی کے ذریعہ اللہ جل شانہ نے فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر فرمائی۔ علم ہر حال میں جہالت سے بہتر ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ علم کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اور خلافت الہیہ کے کاموں میں اور اللہ تعالیٰ کی معرفت میں خرچ کرنے سے صاحب علم کی فضیلت باقی رہتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جن چیزوں کا علم دیا گیا تھا، یہ خلاف الہیہ کو قائم اور باقی رکھنے کے لیے دیا گیا تھا انسان کو جب بھی علم ملے اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بننے کے لیے استعمال کیا جائے۔ جو علم مجادلہ پر ابھارے، راہ حق سے ہٹائے، وہ علم جہل ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ ان من العلم جہلا۔ (یعنی بعضے علم جہالت ہوتے ہیں)۔ (اخرجہ ابوداؤد فی کتاب الادب)

کتاب و سنت کے علوم تو باعث قرب الہی ہیں ہی دوسرے علوم بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ قال تعالیٰ ﴿وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفْلا تَبْصِرُوْنَ﴾ وقال تعالیٰ ﴿سُنُّهُمْ اِيَّا تِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ﴾۔ لیکن حال یہ ہو رہا ہے کہ آفاق اور اُنفس اور اشجار و جبال و بحار سے متعلق جو علوم منکشف ہو رہے ہیں، انسان ان سے اپنے دنیاوی امور میں منفع اور متمتع ہوتا ہے لیکن جس نے یہ علوم دیئے ہیں اور یہ منافع پیدا فرمائے اور ان کی طرف لوگوں کا ذہن منتقل کیا ہے اس کی طرف متوجہ نہیں، یہ لوگ عام طور پر ملحد، کافر اور فاسق فاجر ہی ہیں۔ جو علم میں بڑھ کر ہو اس کی برتری تسلیم کرنی چاہیے:

(۳) جب کسی کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شخص مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ اُس کے عالم ہونے کا اقرار کرے۔ اور بغیر کسی پس و پیش کے اپنا عجز ظاہر کر دے اور اس میں اپنی خفت محسوس نہ کرے۔ جیسا کہ فرشتوں نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم ظاہر ہوتے ہی اپنے عجز کا اقرار کر لیا، جاہل ہوتے ہوئے علم کا دعویٰ کرنا اور اہل علم سے بحث کرنا بہت بڑی حماقت ہے اور حق منکشف ہونے کے بعد باطل پر جمار ہنایہ بہت بڑی شقاوت ہے۔

توبہ کی اہمیت اور ضرورت:

(۴) بندے کا کام یہ ہے کہ جب کوئی گناہ ہو جائے فوراً توبہ کرے اور اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع ہو، اپنے گناہ کا اقرار کرے۔ اور مغفرت طلب کرے۔ گناہ پر اصرار نہ کرے اور گناہ کو اپنے لیے وبال سمجھے اور گناہ کو اپنی جان پر ظلم جانے۔ حضرت آدم وحواء علیہما السلام سے گناہ ہو گیا تھا یعنی وہ درخت کھا لیا تھا جس کے کھانے سے منع کیا گیا تھا۔ اور حضرت آدم ممانعت کو اُس وقت بھولے ہوئے بھی تھے۔ (کما فی سورۃ طہ ﴿وَلَقَدْ عٰهَدْنَا اِلٰی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا﴾) جب ان کا مواخذہ ہوا تو انہوں نے کوئی حجت نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہ کا اقرار کیا اور توبہ کی۔ گو بھول پر مواخذہ نہیں ہوتا مگر بھول کے اسباب اختیار کرنے پر مواخذہ ہو جاتا ہے اور بڑوں کی بڑی بات ہے اُن کی وہ باتیں بھی گرفت میں آجاتی ہیں جو دوسروں سے درگزر کر دی جاتی ہیں۔ حضرت آدم اور اُن کی بیوی نے کوئی کٹ جتی نہیں کی، نہ بھول کا بہانا بنایا۔ اللہ جل شانہ نے اُن پر رحم فرمایا اور خود ہی ایسے کلمات ان کو القاء فرمائے جو قبولیت توبہ کا ذریعہ بن گئے۔ قال البیضاوی

مجیباً عما یرد علی العصمة انه فعله ناسياً لقوله تعالیٰ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهُ عِزْماً وَ لَكِنَّهُ عُوتِبَ بِتَرْكِ التَّحْفِظِ عَنِ اسْبَابِ النِّسْيَانِ وَ لَعَلَهُ (ای النسیان) وَ اِنْ حَطَّ عَنِ الْاِمَّةِ لَمْ يَحِطْ عَنِ الْاَنْبِيَاءِ لِعِظْمِ قَدْرِهِمْ۔

برخلاف ابلیس شیطان کے اس نے دانستہ طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور نہ صرف خلاف ورزی کی بلکہ حکم ہی کو غلط بتایا اور ذات خداوندی پر اعتراض کر بیٹھا اور اپنی خطا تسلیم نہیں کی۔ دونوں باتوں سے معلوم ہوا کہ گناہ کا اقرار کرنا اور توبہ کرنا معافی کے لیے رونا دھونا بے چین ہونا، ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کا طریقہ ہے اور تمام صالحین کا جو اپنے باپ آدم کی راہ پر تھے یہی طریقہ ریا ہے اور گناہ کر کے کٹ جتنی کرنا اور اس کو گناہ نہ سمجھنا، گناہ کا اقرار نہ کرنا، ابلیس کا طریقہ ہے جو تمام شیطانوں کا سرغنہ ہے۔ مومن بندے جن کو تعلق مع اللہ حاصل ہے اور انابت الی اللہ کی نعمت سے نوازے گئے ہیں وہ تو نہ صرف یہ کہ گناہ ہو جانے پر توبہ کرتے ہیں بلکہ نیکی کر کے بھی استغفار کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے خالق کا حق ادا نہ ہوا۔ گناہ تو بندوں سے ہو ہی جاتا ہے لیکن مغفرت کی طلب میں جلدی کرتے ہیں اور معافی مانگتے رہتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

”کل بنی آدم خطاءون و خیر الخطائین التوابون۔“ یعنی تمام بنی آدمی خطا کار ہیں اور خطا کاروں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو خوب توبہ کرنے والے ہیں۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی مشکوٰۃ ص ۲۰۴)

پس بنی آدم پر لازم ہے کہ اپنے باپ آدم علیہ السلام کے طریقہ پر چلیں اور ابلیس دشمن کی راہ اختیار نہ کریں۔

تکبر بری بلا ہے:

(۵) تکبر بہت بری بلا ہے۔ یہ صفت انسان کو لے ڈوبتی ہے۔ ابلیس علیہ اللعنة نے تکبر کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہ مانا اور اس کو خلاف حکمت قرار دیا۔ تنبیہ کرنے پر بھی اپنے انکار پر اڑا رہا۔ ملعون اور مطرود اور مدحور ہونا گوارا کر لیا لیکن حکم خداوندی کو ماننے کے لیے تیار نہ ہوا۔ اس نے یہ تو کیا کہ میری زندگی دراز کر دی جائے اور مجھے مہلت دی جائے (اور اس میں شر کا پہلو تھا کیونکہ درازی عمر سے کوئی خیر مقصود نہ تھی بلکہ بنی آدم کو بہکانا اور غلامانہ کفر و شرک پر ڈالنا مقصود تھا) اور توبہ کی طرف متوجہ نہ ہوا، جسے اپنی بڑائی کا خیال ہو، اس سے بڑے بڑے گناہ صادر ہوتے ہیں وہ حق کو ٹھکراتا ہے لوگوں کو حقیر سمجھتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور جوتا اچھا ہو (کیا یہ تکبر ہے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے (لہذا اچھا کپڑا اور اچھا جوتا پہننا تکبر نہیں ہے) پھر فرمایا: الکبر بطن الحق و غمط الناس۔

یعنی تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرائے اور اس کے ماننے سے انکار کرے اور لوگوں کو ذلیل اور حقیر جانے۔ (رواہ مسلم ج ۱ ص ۶۵)

اس آفت میں امیر غریب عالم جاہل سب مبتلا ہوتے ہیں۔ اور مصلحین، واعظین، مرشدین کو بھی یہ مرض گھن کی طرح سے لگ جاتا ہے۔ اپنے عمال کی ریا کاری دوسروں کی غیبت اور تحقیر اپنے عمل و فضل کا ظاہر کرنا حق سامنے ہوتے ہوئے نہ ماننا گناہ کرنا اور نصیحت و خیر خواہی کرنے والوں سے کٹ جتنی کرنا۔ مسئلہ غلط بتا کر یا شائع کر کے رجوع نہ کرنا۔ اور غلطی پر اصرار کرتے رہنا، اور اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو پیش آتی رہتی ہیں۔ یہ سب تکبر ہیں۔

اللہ جل شانہ کو تو واضح پسند ہے۔ ایمان کا کمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت عطا فرمائی اس کی قدر دانی اور شکر گزاری کرتے ہوئے اس کی مخلوق کے ساتھ عاجزی اور فروتنی کے ساتھ پیش آئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے لوگو! تو وضع اختیار کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے اللہ کے لیے تو وضع اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کو بلند فرمادیں گے جو اپنے نفس میں تو چھوٹا ہوگا اور لوگوں کی نظروں میں بڑا ہوگا۔ اور جو شخص تکبر اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو گرا دیں گے۔ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴)

از بیہمی فی شعب الایمان)

گناہوں کی وجہ سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں:

(۶) گناہ نعمتیں چھین جانے کا سبب ہیں۔ آخرت کے مواخذہ کے علاوہ دنیا میں بھی گناہ کی وجہ سے نعمتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ حضرت آدم وحواء علیہما السلام شجر ممنوعہ کے کھانے کے سبب جنت سے نکال دیئے گئے۔ اور دنیاوی مصیبتوں میں اُن کو اور اُن کی ذریت کو مبتلا ہونا پڑا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ان الرجل لیحرم الرزق بالذنب یصیبہ یعنی بلاشبہ انسان گناہ کرنے کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ (متدرک حاکم ج ۱ ص ۴۹۳)

بہت سے لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں بلکہ پوری پوری قومیں اور قبیلے گناہوں میں لت پت ہیں وہ چاہتے ہیں کہ مصیبتیں دور ہوں اور تنگدستی سے خلاصی ہو لیکن گناہ چھوڑنے کو تیار نہیں بلکہ سمجھانے والے کو آڑے ہاتھوں لے لیتے ہیں۔ اور اُلٹے سیدھے سوال و جواب کرتے ہیں۔ سورۃ اعراف میں ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرَىٰ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یٰٰكٰفِرُوْنَ﴾

”اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔“

متعدد احادیث میں بعض اعمال پر دنیا میں مل جانے والی سزاؤں کا خصوصی تذکرہ بھی وارد ہوا ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا کہ جس قوم میں زنا کا رواج ہو جائے گا وہ قحط کے ذریعہ پکڑی جائے گی اور جن لوگوں میں رشوت عام ہو جائے گی وہ لوگ رعب کے ذریعہ پکڑے جائیں گے۔ (یعنی ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جائے گا دشمن سے ڈریں گے دور سے کانپیں گے۔) (رواہ احمد کمانی مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۳)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی حدود میں سے کسی حد کو قائم کرنا، اللہ کے شہروں میں چالیس رات بارش برسنے سے بہتر ہے۔ (رواہ ابن ماجہ ص ۱۸۲)

یعنی ایک حد قائم کرنے کا اتنا بڑا نفع ہے جو چالیس دن بارش ہونے کے نفع سے بھی بڑھ کر ہے۔ اب وہ لوگ غور کر لیں جو اللہ کی حدود نافذ نہیں کرتے اور نافذ ہونے نہیں دیتے۔ وہ اللہ کی عام مخلوق پر رحم کھا رہے ہیں یا ظلم کر رہے ہیں۔ نیز حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس قوم میں کوئی شخص قطع رحمی کرنے والا ہو اُن پر رحمت نازل نہیں ہوتی۔ (بیہمی فی شعب الایمان کمانی مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۰)

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام گناہوں میں سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے مگر ماں باپ کے تکلیف دینے کو معاف نہیں فرماتا جو شخص ایسا کرے اُس کے لیے اسی دنیا میں موت سے پہلے سزا دے دیتا ہے۔ (رواہ بیہمی کمانی مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت ظاہر ہوگی ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ رعب ڈال دے گا۔ اور جس قوم میں زنا کاری کا رواج ہو جائے گا اُن لوگوں میں موت کی کثرت ہو جائے گی اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے اُن کا رزق منقطع ہو جائے گا اور جو لوگ ظالمانہ فیصلے کریں گے، اُن میں قتل و خون خوب زیادہ ہوگا اور جو لوگ عہد کی خلاف ورزی کریں گے اُن پر دشمن مسلط کر دیا جائے گا۔ (رواہ مالک فی الموطا و ہونی حکم المرفوع)

شرم اور حیا انسان کا فطری وصف ہے:

(۷) شرم اور حیا انسان کی فطری صفت ہے اور اس کی خلقت اور جبلت میں داخل ہے۔ حضرت آدم وحواء علیہما السلام نے جنت میں شجر ممنوعہ کھا

لیا تو ان کے جسموں سے جنت کے کپڑے گر پڑے اور دونوں کی شرم کی جگہ ظاہر ہو گئی لہذا جنت سے پتے لے لے کر اپنے جسم پر لگانے لگے تاکہ شرم کی جگہ ڈھک جائے۔ دونوں میاں بیوی تھے پھر بھی آپس میں شرمائے اور پردہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ انسان دنیا میں آیا تو شرم و حیا کو ساتھ لے کر آیا اور حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے برابر حیا کی تعلیم دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں پیغمبروں کی عادتوں اور خصلتوں میں سے ہیں۔ (۱) حیا (۲) خوشبو استعمال کرنا (۳) مسواک کرنا (۴) نکاح کرنا۔ (رواہ الترمذی فی ابواب النکاح)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے: ان الحیاء و الایمان قرناء جمیعا و اذا رفع احدہما رفع الآخر۔ اس میں شک نہیں کہ حیا اور ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ جب ان میں سے ایک اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کما فی مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲)

ہدایت قبول کرنے پر انعام:

(۸) حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کے آخر میں یہ جو فرمایا ﴿فَاَمَّا يٰٓاٰتِيْنٰكُمْ مِّنۡنِیْ هٰذِیْ﴾ (الایۃ) اس سے معلوم ہوا کہ انسان اس دنیا میں صرف جینے اور کمانے کھانے اور ماں باپ بننے اور اولاد پالنے کے لیے نہیں آیا۔ اس کو یہاں دارالتکلیف میں بھیجا گیا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کے حکموں کا پابند کیا گیا ہے اور یہ احکام اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور کتابوں کے ذریعے پہنچتے رہے ہیں۔ ان احکام پر عمل کرنا اسے واپس جنت میں لے جائے گا۔ اور وہی مقام بلند اور برتر مل جائے گا جہاں سے اس کے ماں باپ آدم و حوا اس دنیا میں آئے تھے۔ جنت اپنے ماں باپ کی جگہ ہے جہاں وہ گئے وہیں ان کی وفادار اولاد پہنچ جائے گی اور ہمیشہ وہاں رہے گی، اور جو لوگ ان کے دین سے علیحدہ ہوئے انہیں وہ جگہ دوبارہ نصیب نہ ہوگی بلکہ وہ دارالعذاب یعنی دوزخ میں جائیں گے۔ اختلاف دین کی وجہ سے میراث منقطع ہو جاتی ہے جو کافر ہوں گے وہ اپنے ماں باپ کے دین پر نہیں اس لیے وہ مستحق میراث بھی نہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی تھے ان کا دین اسلام تھا۔ ان کی ذریت کے لیے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو پسند فرمایا اور انبیاء کرام علیہم السلام آتے رہے سب ہی دین اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ جو ان کے دین پر تھا وہ مسلم ہوا اور جو ان کے دین کا منکر ہوا وہ کافر ہوا۔ بنیادی طور پر دین اسلام کے تین عقیدے ہیں۔

(اول) توحید: جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو اس طرح ماننا داخل ہے جیسا کہ وہ اپنے نزدیک ہے اور جیسا کہ اُس نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعے اپنی پہچان کرائی ہے۔

(دوم) رسالت: یعنی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر ایمان لانا اور اس کی کتابوں پر ایمان لانا۔ اس میں ہر اس بات کی تصدیق آ جاتی ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں نے بتائی۔ فرشتوں پر ایمان لانا، تقدیر کو ماننا، جنت، دوزخ کے احوال پر ایمان لانا بھی ایمان بالرسالت میں شامل ہے۔ اور ان سب احکام کا ماننا اور عمل پیرا ہونا بھی داخل ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچائے۔

(سوم) معاد: یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونے اور حساب کتاب ہونے اور ایمان و کفر اور اچھے برے اعمال کی جزا ملنے اور جنت یا دوزخ میں داخل کئے جانے کا عقیدہ رکھنا۔

ان تین عقائد کی ہر نبی نے تبلیغ کی ہے البتہ فروعی احکام میں حالات کے اعتبار سے فرق رہا ہے۔ اسی لیے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: انا اولی الناس بعیسی بن مریم فی الاولی و الاخرۃ الانبیاء اخوة من علات و امہاتہم شتی و دینہم واحد۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۴۹۰)

یعنی میں عیسیٰ بن مریم سے سب سے زیادہ قریب تر ہوں دنیا اور عقبی میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپس میں علانی بھائی ہیں یعنی دین واحد

ہونے میں اس طرح ہیں جیسے باپ ایک ہو اور مائیں کئی ہوں، اُن سب کا دین ایک ہے۔ لوگ اپنی جہالت سے سمجھتے ہیں کہ دین اسلام ڈیڑھ ہزار سال سے دنیا میں آیا ہے، اُن کا خیال اور عقیدہ غلط ہے انسان جب سے دنیا میں آیا ہے، دین اسلام کے ساتھ آیا ہے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت دیتے رہے ہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ آخری رسول ہیں آپ وہی دعوت لے کر تشریف لائے جو حضرات انبیاء کرام آپ سے پہلے لے کر آئے تھے، آپ پر نبوت و رسالت ختم ہو گئی۔ لیکن آپ کی دعوت قیامت تک کے لیے ہے۔ اس دعوت کے پہنچانے اور باقی رکھنے کے لیے قرآن مجید باقی ہے اور باقی رہے گا ہر انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام قبول کرنے کا مامور ہے۔ کوئی یہودی ہو یا نصرانی، ہندو ہو، یا بدھست یا پارسی ہو کسی بھی دین کا ماننے والا ہو سب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی امت دعوت میں شامل ہیں۔ جو آپ پر ایمان لائے گا آخرت میں نجات پائے گا جو منکر ہوگا دوزخی ہوگا۔ سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ﴾ ”یعنی جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو چاہے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، وہ آخرت میں تباہ کار لوگوں میں سے ہوگا۔“ (آل عمران ع ۹)

سورہ سبأ (ع ۳۶) میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَ لَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ خوشخبری سنانے والا ڈرانے والا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

صحیح مسلم (ج ۱ ص ۸۶) میں ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ہذہ الامۃ یہودی ولا نصرانی ثم یموت و لم یومن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے میرے نبی ہونے کی خبر جس کسی انسان کو بھی پہنچے گی اور وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا جو دین دے کر میں بھیجا گیا ہوں تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا۔ یہودی ہو یا نصرانی۔“

بنی اسرائیل کا تعارف

چونکہ آئندہ آیات میں بنی اسرائیل کا ذکر آ رہا ہے اور کئی رکوع میں ان کی شرارتیں مذکور ہیں اور سورۃ بقرہ کے علاوہ بھی قرآن مجید میں جگہ جگہ ان کا تذکرہ ہے۔ اس لیے بنی اسرائیل کا تعارف مفصل کرایا جاتا ہے تاکہ ان سے متعلقہ مضامین کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن اور اولاد:

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا اصل وطن بابل کا علاقہ تھا جہاں نمرود بادشاہ تھا، وہاں بت پرست رہتے تھے۔ حضرات ابراہیم علیہ السلام کے والد بھی بت پرست تھے آپ نے اُن لوگوں کو حق کی تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی اور اس سلسلہ میں بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ اُن کی پوری قوم دشمن ہو گئی۔ یہاں تک کہ ان کو آگ میں ڈالا گیا۔ ان کے واقعات جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ ان کی ایک بیوی کا نام سارہ تھا جو ان کے چچا کی لڑکی تھی اور ایک بیوی کا نام ہاجرہ تھا۔ حضرت سارہ سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت ہاجرہ سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت ہاجرہ وہی ہیں جنہیں مکہ معظمہ کے چٹیل میدان میں بحکم الہی چھوڑ دیا تھا۔ اُن کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی تھے جو اس وقت گود میں تھے۔ مکہ معظمہ کے بالکل ابتدا آباد کرنے والے یہی دونوں ماں بیٹے تھے۔ حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لڑکے تھے جن کے نام البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۷۵ میں لکھے ہیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند حضرت یعقوب علیہ السلام تھے۔ جن کا لقب اسرائیل تھا۔ ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے اور ان کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا تھا۔ جس کا قصہ سورۃ یوسف میں مذکور ہے۔

بنی اسرائیل مصر میں:

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ اقتدار میں مصر میں جا کر رہنے لگے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ہو گئی تب بھی یہ لوگ مصر میں رہتے رہے پشتہا پشت وہاں رہنے سے ان کی نسل بھی بہت زیادہ ہو گئی اور بارہ بھائیوں کی اولاد جو بارہ قبیلوں میں منقسم تھی، مجموعی حیثیت سے ان کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی ان لوگوں کا اصل وطن کنعان تھا جو فلسطین کا علاقہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنا اصلی وطن (بابل) چھوڑ کر اور ہجرت فرما کر اس علاقہ میں آباد ہو گئے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد مکہ معظمہ میں آباد رہی اور بڑھتی رہی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل اولاً کنعان میں پھر مصر میں آباد ہو گئی، جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد پر مشتمل تھی۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ہو گئی، تو ان لوگوں کا اقتدار میں کچھ حصہ بھی نہ رہا۔

چونکہ یہ لوگ مصر کے اصل باشندے نہیں تھے۔ اجنبی قوم کے افراد تھے اس لیے مصری قوم (قبط) کے افراد ان لوگوں سے بڑی بڑی بیگاریں لیتے تھے اور ان کو بری طرح غلام بنا رکھا تھا۔ حد یہ ہے کہ ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتے تھے اور یہ ان کے سامنے عاجز محض تھے ان کے سامنے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ غلامی کی ایسی بدترین مثال دنیا کی تاریخ میں کسی قوم کی نہیں ملتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور دعوت:

اللہ جل شانہ نے بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا، جنہوں نے اس زمانہ کے ظالم اور جاہر ترین بادشاہ فرعون کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے کی دعوت دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے یہ بھی کہا کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔ نہ اُس نے دعوت حق کو قبول کیا اور نہ بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیجنے پر راضی ہوا اور اُس نے اعلان کیا کہ ﴿اَنَا رَبُّكُمْ الْاَعْلٰی﴾ (میں تمہارا سب سے زیادہ بلند معبود ہوں)۔

بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا:

بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے راتوں رات مصر سے نکل کھڑے ہوئے اور سمندر تک پہنچ گئے۔ جب صبح ہو کر ان کے نکلنے کا فرعون کو علم ہوا تو وہ اپنے لشکر لے کر ان کے پیچھے لگا اور سمندر پر پہنچ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصا مبارک سمندر پر ماری جس سے سمندر پھٹ گیا اور اس میں راستے بن گئے اور بنی اسرائیل کے قبیلے ان راستوں سے پار ہو گئے۔ ان کو دیکھ کر فرعون نے بھی اپنے لشکروں کو سمندر میں ڈال دیا، جب فرعون اور اس کا لشکر بیچ سمندر میں آ گیا تو اللہ جل شانہ نے سمندر کو ملا دیا۔ فرعون کا لشکر تو ڈوب گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر سمندر پار ہو گئے۔ فرعون بھی اس عظیم حادثہ میں غرق ہوا اور مر گیا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی لاش کو محفوظ رکھا جو اب بھی مصر کے عجائب گھر میں بتائی جاتی ہے۔ عبرت کے لیے اس کی لاش کو محفوظ فرمایا تاکہ لوگ خدائی کے جھوٹے دعویدار کا انجام دیکھ لیں۔ قال تعالیٰ ﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّبِكَ بَبَدْنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً﴾ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۲۷۰) میں لکھا ہے کہ جب بنی اسرائیل فرعون سے نجات پا کر سمندر پار ہوئے تو اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ کے لگ بھگ تھی یہ تعداد بچوں اور عورتوں کے علاوہ تھی اور یہ بھی لکھا ہے کہ مصر میں ان لوگوں کے رہنے کی مدت چار سو چھبیس سال شمسی تھی۔

مصر سے نکل کر چالیس سال میں وطن پہنچے:

بنی اسرائیل سمندر پار تو ہو گئے لیکن اب سوال تھا کہ کہاں جا کر بسیں؟ اپنے ہی علاقہ میں جانا تھا اور وہ علاقہ بہت دور بھی نہیں تھا آخر وہیں سے ان کے باپ دادا مصر میں آئے تھے اور چند دن میں اونٹوں پر پورا سفر قطع کر لیا تھا لیکن یہ چلے تو ان کو اپنے وطن پہنچنے میں چالیس سال لگ گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ستاتے رہے، میدان تیرے میں چالیس سال سرگرداں پھرتے رہے (صبح کو جہاں سے چلتے تھے شام کو وہیں پہنچ

جاتے تھے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف ملی وہ طور پہاڑ پر توریت شریف لینے گئے تو پیچھے ان لوگوں نے پچھڑے کی پرستش کر لی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم تو تمہاری بات جب مانیں گے جب ہم اللہ تعالیٰ کو آمنے سامنے دیکھ لیں۔ ان کی غذا کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے من اور سلوی ملتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے، ہم کو سبزی، پیاز، کھیر اور غیرہ چاہیے۔ جب توریت شریف لے کر موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ لہذا پہاڑ طور اکھاڑ کر ان پر سائبان کی طرح کھڑا کر دیا گیا۔ یہ واقعات اسی میدان میں پیش آئے۔ جس میں چالیس سال حیران اور سرگردان گزارے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہیں وفات ہو گئی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے زمانہ میں ان کا علاقہ فتح ہوا اور بیت المقدس میں داخلہ نصیب ہوا۔ ان کو حکم ہوا تھا کہ خطاؤں کی معافی مانگتے ہوئے عاجزی کے ساتھ داخل ہوں، انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی۔ بنی اسرائیل کے یہ واقعات مختلف مواقع میں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ بنی اسرائیل کو یہودی بھی کہا جاتا ہے۔

یہودی مدینہ میں کب آئے؟

یہودی مدینہ منورہ میں کب آئے؟ اس کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ ان کے وطن بیت المقدس کو جب بخت نصر (مشہور کافر بادشاہ) نے منہدم کر دیا اور وہاں کے رہنے والوں کو جلا وطن کر دیا اور بنی اسرائیل (یہود) میں سے بہت سے لوگوں کو قید کر لیا تو ان میں سے ایک جماعت نے حجاز کی طرف رخ کیا ان میں بعض وادی القریٰ میں اور بعض تیماء اور بعض مدینہ منورہ میں آ کر مقیم ہو گئے۔ یہاں پہلے سے کچھ لوگ بنی جرہم کے اور کچھ بقایا عمالقہ کے آباد تھے۔ انہوں نے کھجوروں کے باغ لگا رکھے تھے اور کھیتیاں کرتے تھے۔ یہودی ان کے ساتھ ٹھہر گئے اور کھل مل کر رہنے لگے پھر یہ بڑھتے رہے اور بنی جرہم اور عمالقہ کم ہوتے رہے یہاں تک کہ ان کو یہودیوں نے مدینہ سے نکال دیا اور مدینہ منورہ پوری طرح ان کے تسلط میں آ گیا اس کی عمارتیں اور کھیتیاں سب انہیں کی ہو گئیں اور ایک مدت تک جس کا علم اللہ ہی کو ہے اسی حال میں یہ لوگ مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ (فتوح البلدان للبلاذری ص ۲۲۹)

بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہودی علماء توریت شریف میں رسول اللہ ﷺ کی صفات پڑھتے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ آپ کی ہجرت ایسے شہر کی طرف ہوگی جس میں کھجوریں ہوں گی اور وہ دو پتھر ملی زمینوں کے درمیان ہوگا لہذا وہ شام سے آئے۔ اور اس صفت کے شہر کی تلاش میں نکلے تاکہ اسی شہر میں جا کر رہیں اور مبعوث ہونے والے نبی پر ایمان لائیں اور ان کا اتباع کریں۔ جب مدینہ منورہ آئے وہاں کھجوریں دیکھیں، تو وہ سمجھ گئے کہ یہی وہ شہر ہے جس کی تلاش میں ہم نکلے ہیں اور پھر وہیں رہنے لگے۔ (عمدة الاخبار فی مدینہ المختار ص ۳۳ و مجمع البلدان حموی ج ۵ ص ۸۲)

اوس و خزرج کا مدینہ میں آ کر آباد ہونا:

مدینہ منورہ کی آبادی بہت پرانی آبادی ہے اس کا پرانا نام یثرب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ہجرت فرمانے کے بعد اس کا نام مدینہ الرسول اور طابہ اور طیبہ معروف ہو گیا۔ اور المدینہ نیز المدینہ المنورہ کے نام کی زیادہ شہرت ہو گئی۔ یہودیوں کے مدینہ منورہ میں آ کر بسنے کے ساہا سال بعد یمن کے دو قبیلے اوس اور خزرج بھی مدینہ منورہ آ کر آباد ہو گئے تھے۔ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ ہجرت فرما کر تشریف لائے تو مدینہ منورہ میں تین قبیلے یہودیوں کے یعنی (۱) بنی نضیر (۲) بنی قریظہ (۳) بنی قینقاع اور دو قبیلے یمن سے آ کر آباد ہونے والوں کے موجود تھے، یعنی اوس اور خزرج۔ یہی دونوں قبیلے ہیں جو بعد میں انصار بنے۔

یہود کے قبیلوں اور اوس و خزرج میں لڑائیاں:

یہ دونوں قبیلے بت پرست تھے آپس میں بھی ان کی لڑائیاں ہوتی تھیں اور یہودیوں سے بھی جنگ ہوتی رہتی تھی۔ یہودی اہل کتاب تھے اور اہل علم سمجھے جاتے تھے۔ جب یمن کے ان دونوں قبیلوں سے ان کی لڑائی ہوتی تھی تو کہا کرتے تھے کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں ان

کا زمانہ آئے گا ہم ان کی اتباع کر کے اور ان کے ساتھی بن کر تمہارا ناس کھو دیں گے۔

اوس و خزرج کا اسلام قبول کرنا:

حج کے موقع پر پہلی ملاقات میں جب سرور عالم ﷺ نے اوس اور خزرج کے چند افراد پر اپنی دعوت پیش کی تو یہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کی تشریف آوری کی خبر یہودی دیا کرتے ہیں۔ اور ہمیں دھمکیاں دیتے ہیں کہ نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لائیں گے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کر دیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ آگے بڑھ جائیں لہذا ہمیں یہ دین قبول کر لینا چاہیے۔ چنانچہ یہ حضرات مسلمان ہو گئے اور مدینہ منورہ آ کر انہوں نے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی اور انصار کے دونوں قبیلوں میں اسلام پھیل گیا۔ پھر دونوں قبیلوں کے بارہ نمائندوں نے اگلے سال موسم حج میں سرور کونین ﷺ سے ملاقات کی اور آپ سے بیعت کی۔ اور عرض کیا آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔

ہجرت مدینہ:

چنانچہ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ آپ کی آمد سے پہلے بہت سے صحابہ ہجرت کر کے آچکے تھے۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں یہ سب باتیں لکھی ہیں۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۳۰ الروض الانف ج ۲ ص ۱۶ سیرت ابن ہشام باب عرض رسول اللہ ﷺ نفسہ علی القبائل کا مطالعہ کیا جائے۔

یہودیوں کا عناد اور قبول حق سے انحراف:

سرور عالم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو یہودی یہ جاننے کے باوجود کہ آپ نبی ہیں (اور علامات پوری اتر رہی ہیں۔ جو نبی آخر الزماں کے بارے میں انہیں معلوم تھیں) منکر ہو گئے اور آپ کو نبی رسول ماننے اور اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کو اوس اور خزرج کے لوگوں نے توجہ دلائی اور کہا کہ اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو، تم ہی تو کہا کرتے تھے کہ ایک نبی آئیں گے اور ہم ان کے ساتھ مل کر تم سے جنگ کریں گے اور تم ان کی صفات بیان کرتے تھے۔ اب کیوں منکر ہو رہے ہو۔ لیکن ان لوگوں نے ایک نہ سنی۔ (سیرت ابن ہشام اوائل المجلد الثانی)۔ اور بجز چند آدمیوں کے (جن میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا نام زیادہ مشہور ہے) یہودیوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور طرح طرح کی باتیں بناتے رہے اور کٹ ججٹی پر اتر آئے۔ حسد اور دشمنی پر کمر باندھ لی، اسلام اور داعی اسلام ﷺ کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ اور عہد توڑتے رہے آج تک ان کے سارے قبیلوں اور خاندانوں کا یہی حال ہے۔

يٰۤاَيُّهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِيْ اَوْفٍ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ

فَاَسْهَبُوْنَ ﴿٥٠﴾

اے بنی اسرائیل! تم میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور پورا کرو میرے عہد کو میں پورا کروں گا اپنے عہد کو۔ اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

بنی اسرائیل کو انعامات کی یاد دہانی

بنی اسرائیل (اسرائیل کی اولاد) اس سے یہودی مراد ہیں۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے جو عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ اسرائیل کا معنی ہے صفوة اللہ یعنی اللہ کا برگزیدہ بندہ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی ہے عبداللہ (اللہ کا بندہ)۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ جن کی اولاد بارہ قبیلوں پر منقسم ہے اور بنی اسرائیل کا خطاب ان سب کو شامل ہے۔ بنی اسرائیل مدینہ منورہ میں اور خیبر میں

اور شام میں اور ان کے علاوہ مختلف علاقوں میں آباد تھے۔ سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ عربی تھے۔ آپ کی بعثت تو سارے ہی انسانوں کے لیے ہے لیکن آپ کے اولین مخاطبین مکہ معظمہ کے رہنے والے تھے اور وہاں سے ہجرت فرمائی تو مدینہ منورہ میں اوس و خزرج اور یہودیوں کے تینوں قبیلے سامنے تھے اوس و خزرج تو مسلمان ہو گئے لیکن یہودیوں میں سے صرف چند افراد نے اسلام قبول کیا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو خصوصی خطاب بھی فرمایا ہے اور ان کو اپنے انعامات اور احسانات یاد دلائے ہیں۔ آیت بالا میں یہی ارشاد فرمایا ہے کہ اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم کو دی ہیں اور میرا عہد پورا کرو میں بھی تمہارا عہد پورا کروں گا اور صرف مجھ سے ڈرو۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بنی اسرائیل پر جو کچھ تھیں وہ ان کو جانتے تھے انہیں اپنی تاریخ کا پتہ تھا۔ قرآن مجید میں ان نعمتوں کا تذکرہ فرمانے میں جہاں یہود کو نصیحت ہے کہ وہ اللہ کے آخری نبی پر ایمان لائیں وہاں سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے دلائل بھی ہیں کیونکہ آپ نے کسی سے نہیں پڑھا تھا، اہل کتاب کی صحبت نہیں اٹھائی تھی۔ یہ واقعات آپ کو کہاں سے معلوم ہوئے اس کا جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتائے، آپ کا ان چیزوں کی خبر دینا، یہ سب آپ کے معجزات میں شامل ہے۔

وَ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ كٰفِرِيْهِ ۗ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمٰنًا

قَلِيْلًا ۗ وَاٰيٰى فَاَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی، حال یہ ہے کہ یہ کتاب اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے اور تم اس کتاب کے انکار کرنے والوں میں پہلے کرنے والے مت بنو۔ اور میری آیات کے عوض حقیر معاوضہ مت حاصل کرو، اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے کی دعوت

بنی اسرائیل کو مزید خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم اس کتاب پر ایمان لاؤ، جو میں نے نازل کی ہے یعنی قرآن مجید، اور یہ کتاب اس کتاب کے معارض نہیں ہے جو تم کو دی گئی تھی (یعنی توریت شریف) بلکہ یہ کتاب تو اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی جس کو تم جانتے ہو اور مانتے ہو۔ جو توریت و انجیل بزمانہ نزول قرآن اہل کتاب کے پاس تھیں اگرچہ ان لوگوں نے ان میں تحریفات کر دی تھیں پھر بھی ان میں نبی آخر الزماں ﷺ کی صفات موجود تھیں۔ سورہ اعراف میں فرمایا: ﴿الَّذِي يَجِدُوْنَكَ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْانْجِيلِ﴾ (الآیة)

جب یہودیوں کو خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کا علم ہو گیا اور یہ اہل علم تھے، اہل کتاب تھے حضرت خاتم النبیین ﷺ کی علامات اپنی کتاب میں پاتے تھے (اور پہچان بھی گئے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی بشارت پہلے سے دی گئی ہے اور ہم جن کے انتظار میں برسہا برس سے مدینہ میں رہ رہے ہیں) تو ان کو سب سے پہلے ایمان لانا لازم تھا۔ اہل کتاب کا جو دوسرا فرقہ تھا یعنی نصاریٰ ان کے پاس سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر بہ نسبت یہودیوں کے بعد میں پہنچی مکہ معظمہ والے بے علم تھے۔ مشرک تھے، اپنے کفر اور شرک پر اڑے رہے اور ضد اور عناد پر جسے رہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن یہود کے لیے انکار کا کیا مقام تھا؟ اُن کو فوراً مان لینا تھا اور تصدیق کرنا تھا اور نصاریٰ سے آگے بڑھ کر اسلام قبول کرنا تھا لیکن بجائے اسلام میں آگے بڑھنے کے انہوں نے اسلام سے منحرف ہونے اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے میں پہل کر لی۔ اسی کو فرمایا کہ تم اس کتاب کے انکار کرنے والوں میں پہلے کرنے والے مت بنو۔ یہاں جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ انکار کرنے والوں میں اہل مکہ پہلے کر چکے تھے پھر یہود کو "اول کافر" کیسے فرمایا، اس کا جواب یہ

ہے کہ اہل کتاب میں سب سے پہلے منکر یہودی ہی بنے تھے۔ کیونکہ اہل کتاب کی دو جماعتیں تھیں۔ یہود و نصاریٰ۔ ان دونوں میں سے یہود کو سب سے پہلے مسلمان ہونا لازم تھا۔ اول تو اس وجہ سے کہ دعوت اُن کو پہلے پہنچی دوسرے اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں آنحضرت ﷺ کی علامات بخوبی پہچان لی تھیں اور بہ نسبت نصاریٰ کے یہ لوگ اہل علم تھے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے یہود مدینہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلے کافر نہ بنو۔ کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلے مخاطب یہود مدینہ ہی تھے۔

قال ابن عباس ولا تكونوا اول کافر به و عند کم فیہ من العلم مالیس عند غیر کم، قال ابو العالیة ولا تكونوا اول من کفر بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی من جنسکم اهل الكتاب بعد سماعکم بمبعثہ و اما قوله اول کافر به فیعنی به اول من کفر به من بنی اسرائیل لانه قد تقدمهم من کفار قریش و غیر ہم من العرب بشر کثیر۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۸۳)

پھر فرمایا: ﴿وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ (اور میری آیات کے عوض حقیر معاوضہ مت حاصل کرو) مفسرین نے اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ میری آیات پر ایمان لاؤ اور میرے تمام رسولوں کی تصدیق کرو (جس میں حضرت سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی تصدیق بھی شامل ہے) اور حقیر دنیا کے چلے جانے کی وجہ سے ایمان سے نہ روکو، اگر کفر اختیار کئے رہنے میں کچھ منافع نظر آتے ہیں تو ان کو چھوڑو۔ (ابن کثیر)

ساری دنیا آخرت کے مقابلہ میں حقیر ہی ہے خواہ کتنی ہی زیادہ ہو۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب یہ ہے کہ میری آیات میں تبدیل اور تحریف نہ کرو اور کتمان حق نہ کرو۔ جیسا کہ اب تک کرتے رہے ہو اور اپنے عوام سے اس کے ذریعہ دنیاوی منافع حاصل کرتے ہو۔ وقیل کانوا یا کلون الرشي في حرفون الحق و يکتمونہ۔ (من البیضاوی)

”بعض نے کہا وہ رشوت کھا کر حق میں تحریف کرتے اور اسے چھپاتے ہیں۔“

پھر فرمایا ﴿وَأَيُّهَا فَاتَّقُونَ﴾ (کہ صرف مجھ ہی سے ڈرو) درحقیقت خوف خدا بہت بڑی چیز ہے کفر اور شرک اور ہر طرح معاصی چھڑانے میں اس کو سب سے بڑا دخل ہے۔ اس کی طرف دوبارہ توجہ دلائی اور بطور تاکید اس کا دوبارہ اعادہ فرمایا۔ مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ رعب سے تقویٰ کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور چونکہ ایمان کا حکم عوام و علماء سب کو ہے اس لیے پہلی آیت کے ختم پر فَاذْهَبُوا فَرَمَا اور دوسری آیت میں جب علماء کو خصوصی خطاب ہوا تو فَاتَّقُونَ فرمایا، کیونکہ تقویٰ خوف و خشیت اور رعب کا منتہی ہے۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۷۲﴾

اور مت ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم جانتے ہو۔

حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ اور حق کو مت چھپاؤ

اس آیت میں بھی علماء یہود کو خطاب ہے یہ لوگ تو ریت شریف میں تحریف کر چکے تھے اور اس میں سے کچھ صحیح باتیں ان کے پاس باقی تھیں ان میں بھی خلط ملط کرتے تھے۔ اول تو تعلیم عام نہیں تھی اپنی قوم کے تمام افراد کو دین اور کتاب نہیں سکھاتے تھے اور تو ریت شریف کے اوراق منتشر کر کے رکھ رکھے تھے۔ ﴿تَجْعَلُونَهَا قَرًا طَيْسًا تَبْدُونَهَا وَتَخْفُونَ كَثِيرًا﴾ جو شخص کوئی بات پوچھتا تو کوئی ایک ورقہ نکال کر اس کا مطلب جو چاہتے بتا دیتے تھے۔ اور پوچھنے والے کو خوش کرنے اور اس سے رشوت لینے کے لیے اس کی مرضی کے مطابق تو ریت شریف کے مضامین کی تشریح کر دیتے تھے۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی جو علامات تو ریت شریف میں لکھی تھیں اُن کو چھپاتے تھے۔ ان کو حکم فرمایا کہ تم حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ، اپنی بنائی ہوئی بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرو خود تراشیدہ بات کو حکم خداوندی ظاہر نہ کرو، تم جانتے ہو کہ ہم

ایسا کر رہے ہیں اور یہ بھی جانتے ہو کہ اس کا کیا وبال ہے۔ پھر بھی ایسی حرکت کرتے ہو۔

وَاقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَارْتَمِعُوْا مَعَ الرُّكْعِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

نماز اور زکوٰۃ کا حکم

اس آیت میں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز قائم کرنے کا مطلب سورۃ البقرہ کے شروع میں بیان ہو چکا ہے۔ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ قرآن مجید میں بکثرت دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے۔ نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اللہ کا ذکر کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ نفس میں رجوع الی اللہ اور تواضع پیدا ہوتی ہے۔ اور نماز کی برکات اور ثمرات بہت ہیں جو علماء اسلام نے اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں۔ زکوٰۃ سے نفس کی کنجوسی دور ہوتی ہے اور مال کا خبث بھی دور ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ یعنی نماز باجماعت پڑھو، جماعت کی نماز میں بہت سی حکمتیں اور فوائد ہیں۔ ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے سے اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ اور ایک نماز کا ثواب ستائیس نمازوں کے ثواب کے برابر ملتا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کا حکم تو سبھی کو ہے۔ لیکن یہودیوں کو خصوصی خطاب اس لیے فرمایا کہ ان لوگوں میں حب جاہ اور حب مال کا مرض تھا۔ نماز اور زکوٰۃ میں ان دونوں کا علاج ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ﴿وَارْتَمِعُوْا مَعَ الرُّكْعِيْنَ﴾ اس لیے فرمایا کہ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں تھا، مطلب یہ ہوا کہ اب تک جو نماز پڑھتے رہے اب اس کو چھوڑ دو اور اب وہ نماز پڑھو جو حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے بتائی ہے۔ جو رکوع اور سجدہ دونوں پر مشتمل ہے۔ بعض علماء نے اس آیت سے فرض نماز باجماعت کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ اور جو حضرات واجب نہیں کہتے ان کے نزدیک نماز باجماعت بہت زیادہ مؤکد ہے اس آیت شریفہ سے نماز باجماعت کی اہمیت معلوم ہوئی۔ احادیث شریفہ میں بھی اس کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے، اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بلاشک میں نے ارادہ کیا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں جو جمع کر لی جائیں پھر نماز کا حکم دوں، تاکہ اذان دی جائے پھر کسی شخص کو حکم دوں جو لوگوں کا امام بنے اور میں ان لوگوں کے گھروں کی طرف چلا جاؤں جو جماعت میں حاضر نہ ہوئے۔ پھر ان کے گھروں کو ان پر جلا دوں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۹)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی جماعت قائم کرتا اور اپنے جوانوں کو حکم دیتا کہ (ان لوگوں کے گھروں میں جو کچھ ہے) آگ سے جلا دیں (جو جماعت میں نہیں آئے)۔ (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص ۹۷)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر پڑھائی اور سلام پھیر کر فرمایا، کیا فلاں شخص حاضر ہے حاضرین نے عرض کیا نہیں، فرمایا: کیا فلاں شخص حاضر ہے، عرض کیا نہیں۔ فرمایا: بے شک یہ دونوں نمازیں (عشاء اور فجر) منافقوں پر سب نمازوں سے زیادہ بھاری ہیں اور اگر تم کو معلوم ہو جاتا کہ ان دونوں میں کیا (اجر و ثواب) ہے تو ان دونوں میں حاضر ہوتے، اگرچہ گھٹنوں کے بل چلنا پڑتا۔ اور (فرمایا) کہ بلاشبہ پہلی صف فرشتوں کی صف کی طرح سے ہے اور اگر تم جان لو کہ اس کی کیا فضیلت ہے تو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور بلاشبہ ایک شخص کی نماز دوسرے شخص کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے زیادہ پاکیزہ ہے بہ نسبت تنہا نماز پڑھنے کے، اور دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا ایک آدمی کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے زیادہ پاکیزہ ہے اور جتنی بھی زیادہ تعداد ہوگی، اسی قدر اللہ کو محبوب ہے۔ (رواہ ابو داؤد والنسائی کما فی المشکوٰۃ ص ۹۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں نے اپنا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ نماز جماعت سے صرف وہی شخص پیچھے رہ جاتا تھا جو منافق ہوتا اور اس کا نفاق کھلا ہوا سب کو معلوم ہوتا تھا یا کوئی مریض ہوتا (بلکہ) مریض کا بھی یہ حال تھا کہ دو آدمیوں کے درمیان چل کر آتا

تھا۔ یہاں تک کہ نماز میں حاضر ہو جاتا تھا اور فرمایا کہ بلاشبہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے ہدایت کے طریقے بتائے ہیں اور ہدایت کے طریقوں میں سے یہ بھی ہے کہ مسجد میں نماز پڑھی جائے جس میں اذان دی جاتی ہو۔ (صحیح مسلم ص ۲۳۲ ج ۱)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی تین مرد کسی جنگل یا بستی میں ہوں جن میں نماز باجماعت قائم نہ کی جاتی ہو تو ضرور شیطان ان پر غلبہ پالے گا۔ لہذا جماعت کی حاضری کو لازم کر لو کیونکہ بھیڑ یا اسی بکری کو کھا جاتا ہے جو گلہ سے دور ہو جائے۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و النسائی کما فی مشکوٰۃ ص ۹۶)

أَتَا مُرُونَ النَّاسِ بِالْبُرِّ وَتَسُونَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتَلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۴۴﴾

کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرنے ہو، اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے

مبلغ اور داعی اپنے نفس کو نہ بھولے

اس آیت میں بھی یہودیوں سے خطاب کیا گیا ہے، چونکہ یہ لوگ قرآن کو اور رسول اللہ ﷺ کو حق جانتے تھے، اس لیے پوشیدہ طور پر کبھی کبھی اپنے عوام اور رشتہ داروں کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ دیتے تھے اور خود اسلام قبول نہیں کرتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر اور درمنثور میں حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں یہ بات نقل کی ہے ”رسول اللہ ﷺ ایک یہودی لڑکے کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے جو آپ کی خدمت کیا کرتا تھا آپ تشریف لائے اور اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہو گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، جو وہاں موجود تھا اس کے باپ نے کہا کہ ابو القاسم (محمد رسول اللہ ﷺ) کی بات مان لے چنانچہ اس نے اسلام قبول کیا اور آپ وہیں سے یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اسے دوزخ سے بچا دیا۔ (صحیح بخاری)

اس کے علاوہ بھی علماء یہود میں بے عملی عام تھی لوگوں کو نماز روزے کا حکم کرتے تھے اور خود عمل نہیں کرتے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو عار دلانی اور فرمایا کہ جو خیر کا حکم کرے اُس خیر میں دوسروں سے آگے بڑھنا چاہیے۔ (قالہ ابن جریر کما فی تفسیر ابن کثیر)

یہاں یہ بات اگرچہ یہودیوں کی بے عملی ظاہر کرنے کے لیے بیان کی گئی ہے لیکن اس کا حکم سب کے لیے عام ہے جو بھی کوئی شخص لوگوں کو بھلائی کا حکم کرے گا اور گناہوں سے روکے گا اور خود بے عمل ہوگا اس کا انجام برا ہوگا۔ اور اس طریقہ کار کی شاعت اور قباحت اُسے لے ڈوبے گی۔ بعض روایات میں ہے کہ جو عالم لوگوں کو خیر سکھاتا ہے اور خود عمل نہیں کرتا وہ اس چراغ کی طرح سے ہے جس کی بتی جلتی رہتی ہے لوگوں کو روشنی پہنچتی ہے لیکن بتی خود جل جاتی ہے۔ (ابن کثیر عن الطبرانی فی المعجم الکبیر)

بے عمل و اعظموں کی سزا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ لیمپوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ جب کٹ جاتے ہیں تو پھر ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں کیا ان کو سمجھ نہیں ہے۔ (درمنثور ص ۶۳ ج ۱ عن ابیہتی عن شعب الایمان، وعزاه صاحب مشکوٰۃ ص ۴۳۸ الی شرح السنۃ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا پھر اُسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا جس میں اس کے پیٹ کی آنتیں نکل پڑیں گی اور وہ اپنی آنتوں کے ساتھ گھومتا پھرے گا جیسے گدھا چکی کو لے کر گھومتا ہے۔ دوزخ والے اس کے پاس جمع ہو جائیں گے اور اس سے کہیں گے کہ اے فلاں تجھے کیا ہوا؟ کیا تو ہمیں اچھی باتیں نہیں بتاتا تھا اور برائی سے نہیں روکتا تھا۔ وہ جواب دے گا کہ میں تم کو اچھی باتوں کا حکم کرتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا اور تم کو برائی سے روکتا تھا اور خود اس

برائی کو کرتا تھا۔ (صحیح مسلم ص ۴۱۲ ج ۲)

فائدہ: مذکورہ بالا آیات اور احادیث شریفہ کا مقصد یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں (نیکیوں کا حکم دیں، برائیوں سے روکیں) اور خود بھی عمل کریں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ نہ عمل کریں نہ امر بالمعروف کریں نہ نہی عن المنکر کریں۔ مبلغ اور مصلح کو عمل کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ جو عمل نہ کرے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھے اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے۔

قال ابن کثیر فکل من الامر بالمعروف و فعله واجب ولا یسقط احدهما بترك الاخر علی اصح قول العلماء من السلف و الخلف و الصحیح ان العالم یامر بالمعروف و ان لم یفعله و ینهی عن المنکر و ان ارتکبه۔ (علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نیکی کا حکم کرنا اور خود نیکی کرنا ہر ایک پر واجب ہے کوئی دوسرے کے ترک کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا علمائے سلف و خلف کا صحیح قول یہی ہے۔ اور صحیح یہی ہے کہ عالم نیکی کا حکم کرے اگرچہ خود نہ کر رہا ہو اور دوسروں کو برائی سے روکے اگرچہ خود مرتکب ہو رہا ہو۔ (ص ۸۵ ج ۱)

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۗ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۗ ﴿۸۵﴾ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۗ ﴿۸۶﴾

اور مدد چاہو صبر اور نماز کے ساتھ، اور بلاشبہ نماز ضرور دشوار ہے مگر خشوع والوں پر، جو یقین رکھتے ہیں کہ بے شک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یہ کہ وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ مدد حاصل کرو

اس آیت شریفہ میں صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کا طریقہ بتایا ہے، لفظ صبر تین معنی میں آتا ہے۔ (اول) طاعات پر جما رہنا، خاص کر فرائض اور واجبات کو پابندی سے ادا کرنا۔ (دوم) گناہوں سے پوری طرح اہتمام کے ساتھ بچنا۔ (سوم) جو مصائب اور مشکلات درپیش ہوں ان پر صبر کرنا۔

عام طور سے لوگوں میں یہ تیسرا معنی ہی زیادہ معروف ہے۔ تینوں قسم کا صبر اللہ تعالیٰ کی مدد کو لانے والا ہے۔ زندگی میں عموماً صبر کے مواقع پیش آتے رہتے ہیں۔ عبادات بھی صبر ہی سے ادا ہوتی ہیں۔ نفس عبادت کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اگر تیار ہوتا ہے تو صحیح طریقہ سے ادا کرنے سے بچتا ہے۔ روزہ اور جہاد تو سر اپا صبر ہی ہے۔ نماز سب سے بڑی عبادت ہے اس میں بھی صبر کا مظاہرہ ہے۔ نمازی کا ظاہر اور باطن عبادت ہی میں مشغول ہو جاتا ہے جو نفس پر شاق ہوتا ہے۔ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ مدد طلب کرنے کا حکم فرمایا، یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی مدد لانے میں بڑا دخل رکھتی ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ لیلۃ الاحزاب میں (غزوہ خندق کے موقع پر) میں رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آیا (ان کو ایک کام کے لیے بھیجا تھا) تو آپ چادر اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کی عادت تھی کہ جب کوئی مشکل درپیش ہوتی تھی تو نماز پڑھنے لگتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے غزوہ بدر کی رات میں یہ دیکھا کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے سب لوگ سوئے ہوئے تھے آپ برابر نماز میں مشغول رہے اور صبح ہونے تک دعا کرتے رہے۔ (ابن کثیر ص ۸۷ ج ۱)۔ اس سلسلہ کا کچھ مضمون انشاء اللہ آیت کریمہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَالصَّلَاةَ﴾ کے ذیل میں آئے گا۔

مفسر ابن کثیر نے ابن جریر طبری سے نقل کیا ہے کہ ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ میں علماء یہود سے خطاب فرمایا ہے (وہ لوگ تحصیل دنیا کے لیے اور ریاست اور جاہ باقی رکھنے کے لیے حق چھپاتے تھے اور اسلام نہ خود قبول کرتے تھے اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے ان کو حکم ہوا کہ حق قبول کرو، اسلام لاؤ، اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگو، صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ اللہ کی مدد حاصل کرو جو اللہ سے

نزدیک کرے گی اور برائیوں سے روکے گی، اسلام قبول کرنے پر جو کچھ تکلیف پہنچ جائے، مال اور ریاست میں کمی آجائے اُسے صبر کے ساتھ برداشت کرو۔

پھر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آیت کا خطاب اگرچہ بنی اسرائیل کے انداز اور تحذیر کے سیاق میں وارد ہوا ہے لیکن علی سبیل التخصیص صرف یہود مخاطب نہیں ہیں بلکہ صبر اور صلوة کے ذریعہ مدد حاصل کرنے کا حکم یہود اور غیر یہود سب ہی کیلئے ہے۔ (ص ۸۸ ج ۱)

نماز کی اہمیت:

نماز میں ظاہر اور باطن سب عبادت میں لگ جاتا ہے۔ یہ ظاہری طہارت اور باطنی تزکیہ دونوں کو شامل ہے کچھ نہ کچھ مال بھی خرچ ہوتا ہے (مثلاً وضو اور غسل کے لیے پانی حاصل کرنا پڑتا ہے اور ستر عورت کے لیے کپڑوں کا انتظام کرنا پڑتا ہے) اگر صحیح طریقہ پر نماز پڑھی جائے تو دل اور اعضاء نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، اس میں شیطان سے مقابلہ ہے اور حق تعالیٰ شانہ سے مناجات ہے تلاوت قرآن ہے توحید اور رسالت کی گواہی ہے، نفس کو اس کے تقاضوں سے روکنا ہے اس میں چلنا پھرنا، کھانا پینا اور بات کرنا ممنوع ہے۔ نماز کے بہت سے فضائل اور فوائد ہیں۔ اگر نماز کو ٹھیک طرح سے پڑھا جائے، فرائض کی پابندی کی جائے، سنتوں کا اہتمام کیا جائے، نوافل کی طرف دھیان دیا جائے تو ضرور اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بندہ کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔

خشوع کی ضرورت:

پھر فرمایا کہ نماز ضرور دشوار ہے مگر خشوع والوں پر دشوار نہیں۔ خشوع دل کے جھکاؤ اور عاجزی اور فروتنی کو کہا جاتا ہے۔ جب دل میں خشوع ہوتا ہے تو اعضاء میں بھی اس کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے جو لوگ خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں ان کی نماز واقعی نماز ہوتی ہے، نماز میں اُن کا دل لگتا ہے، نماز چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ مسجد سے جائیں تو مسجد میں واپسی کے لیے دل اٹکار ہوتا ہے۔ جسے نماز کا خشوع حاصل ہو گیا اسے ساری کامیابیاں حاصل ہو گئیں۔ سورۃ مؤمنون میں فرمایا کہ ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ (بے شک وہ کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں)۔

دنیا میں لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ طلب دنیا کے لیے بڑی محنتیں کرتے ہیں۔ پہاڑ توڑتے ہیں، پتھر پھوڑتے ہیں بہت سے لوگ اٹھارہ گھنٹے روزانہ محنت کرتے ہیں لیکن دو رکعت پڑھنا، ان کے لیے مصیبت بن جاتا ہے۔ اگر نماز شروع کر دیں تو اس میں بھی اپنے دنیاوی مشاغل کا ہی دھیان رکھتے ہیں، خشوع نہیں ہوتا اس لیے دو رکعت پڑھنا بھی بھاری پڑ جاتا ہے۔

خشوع والے کون ہیں؟

پھر فرمایا کہ خشوع والے وہ ہیں جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ بے شک اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یہ کہ وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ خشوع ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جنہیں اس بات کا یقین ہے کہ ان کو موت کے بعد جی اٹھنا ہے اور میدان قیامت میں حاضر ہونا ہے اور بارگاہ خداوندی میں پیشی ہونی ہے۔ اور اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے، جس کو ان باتوں کا یقین ہوگا وہ نماز قضا بھی نہ کرے گا، بے وقت بھی نہ پڑھے گا اچھی نماز بھی پڑھے گا۔ اس کو خشوع کی کیفیت بھی حاصل ہوگی۔ رکوع سجدہ بھی ٹھیک کرے گا۔ اس کی تلاوت بھی صحیح ہوگی۔ (قال ابن کثیر ای يعلمون انہم محشورون الیہ یوم القیامۃ معروضون علیہ و انہم الیہ راجعون ای امورہم راجعة الی مشینتہ فلہذا لما ایقنوا بالمعاد و الجزاء سهل علیہم فعل الطاعات و ترک المنکرات)۔ (ص ۸۸ ج ۱)

درحقیقت جسے یہ یقین ہو کہ یہ نماز آخرت میں نجات کا ذریعہ بنے گی اور نماز قبول ہوئی اور نیکیاں بھی قبول ہوں گی۔ یہ رد ہوئی تو دوسرے نال بھی رد ہو جائیں گے (جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے) اور یہ کہ میری نماز کا ثواب مجھی کو ملنا ہے اور اس کی وجہ سے بڑے بڑے

بالکل کام نہیں آسکتا، وہاں نہ کوئی جان کسی کی طرف سے کوئی حق ادا کر سکے گی (یہ نہ ہو سکے گا کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے قرضہ دے دے یا کسی طرح کا کوئی اور حق چکا دے، اور یہ نہ ہو سکے گا کہ کوئی کسی کی طرف سے عذاب بھگت لے۔) جن کی شفاعت کی اجازت ہوگی وہی سفارش کر سکیں گے:

کوئی سفارش قبول نہ کی جائے گی، بلکہ کوئی شخص کسی کے لیے سفارش کر ہی نہ سکے گا۔ سوائے اُن لوگوں کے جن حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اور جن کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی، انہی کے بارے میں قبول ہوگی۔ اور کافروں کے لیے کوئی سفارش کرنے والا نہ ہوگا اور نہ ان کے لیے سفارش کی اجازت ہوگی۔

﴿قَالَ اللَّهُ تَعَالَى شَانَهُ﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى﴾ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٌ يُطَاعُ ﴿وَقَالَ تَعَالَى﴾ يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿وَقَالَ تَعَالَى﴾ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ﴿وہاں عذاب سے جان چھڑانے کے لیے کوئی معاوضہ یا فدیہ بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ اول تو وہاں کسی کے پاس کچھ ہوگا ہی نہیں جو جان کا بدلہ دے کر عذاب سے جان چھڑائے اور بالفرض کوئی دینا بھی چاہے تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور جس کے لیے عذاب کا فیصلہ ہو گیا اسے عذاب ہی میں رہنا ہوگا۔

سورہ آل عمران میں فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلٌّ أَرْضٌ ذَهَبٌ وَلَوْ افْتَدَى بِهِ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ﴾ ”جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی، تو ہرگز قبول نہ ہوگا کسی ایسے شخص سے زمین بھر کر سونا۔ اگرچہ فدیہ دے اس قدر سونے کا، اُن کیلئے عذاب دردناک ہے اور کوئی نہیں ہوگا، اُن کا مددگار۔“

اور سورہ مائدہ میں فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَائِ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَلَا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس جو کچھ زمین میں ہے وہ سب ہو اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہوتا کہ بدلہ میں دیں قیامت کے عذاب سے بچنے کے لیے تو ان سے قبول نہ ہوگا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

آخر میں فرمایا ﴿وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ اور روز قیامت اُن لوگوں کی مدد نہ کی جائے گی۔ اول اس بات کی نفی کی گئی کہ کوئی کسی کے کام آئے۔ پھر سفارش کی نفی کی گئی پھر جان کا بدلہ قبول کئے جانے کی نفی کی گئی پھر ہر طرح کی مدد کی نفی کر دی گئی۔

وَأَذِّنْ جَيْنَكُمْ مِّنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُؤْكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يَدْخُلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ط

وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ لِّمَنِ سَبَّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٢٥﴾

اور جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی وہ تم کو سخت ترین تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑا امتحان تھا۔

مصر میں بنی اسرائیل کی مظلومیت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے ایک بہت بڑے انعام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ بنی اسرائیل کے تمام قبیلے مصر میں رہتے تھے۔ غیر ملکی ہونے کی وجہ سے مصر کے لوگ (فرعون اور فرعون کی قوم) ان پر بری طرح مسلط تھے، ان کی زندگی غلاموں سے بھی بدتر تھی، ان سے بڑی بڑی بیگاریں لیتے تھے اور ایسی بدترین غلامی میں بنی اسرائیل مبتلا تھے کہ مصری لوگ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے تو یہ ذرا چوں بھی نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں پیدا فرمایا، پھر ان کو اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی، فرعون سے ان کا مقابلہ اور مناظرہ ہوا، فرعون نے مقابلہ کے لیے جادوگر بلائے معجزہ کے سامنے وہ لوگ نہ ٹھہر سکے اور اپنی ہار

مان کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی وجہ سے بنی اسرائیل پر فرعون اور اس کی قوم کی اور زیادہ سختیاں بڑھ گئیں۔ اللہ جل شانہ کا موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تم بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل کھڑے ہو اور راتوں رات روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ یہ لوگ ملک مصر سے نکلے اور فرعون اور اس کے لشکروں سے نجات پائی۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ یہ لوگ مصر میں چار سو سال سے رہ رہے تھے۔ عرصہ دراز کی بدترین غلامی سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ آیت کے اخیر میں جو بلاء ہے اس کے دو معنی مفسرین نے لکھے ہیں۔ عربی زبان میں آزمائش اور امتحان کو بھی بلاء کہتے ہیں۔ اگر یہ معنی لیے جائیں تو ترجمہ اور مطلب یہ ہوگا کہ تم ایسی سخت تکلیفوں میں مبتلا تھے اس میں تم بڑے امتحان میں تھے، اور بلاء کا دوسرا معنی انعام کا ہے اگر یہ معنی لیے جائیں تو ترجمہ اور مطلب یہ ہوگا کہ ایسی تکلیفوں سے اور غلامی سے نجات دینے میں تم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ فرعون اور اس کا لشکر بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ایوں ذبح کرتے تھے اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا تھا یا اسے کاہنوں نے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیرے ملک کو ختم کرنے کا ذریعہ بنے گا۔ اللہ جل شانہ کی قضاء و قدر غالب آئی، ان کی تدبیروں ہی دھری رہ گئی، خدا جانے کتنے لڑکوں کو قتل کر دیا۔ اسی زمانہ قتل میں موسیٰ علیہ السلام پیدا بھی ہوئے، پلے بڑھے جوان ہوئے اور فرعون ہی کے محل میں پرورش پائی پھر اس کی اور اس کی حکومت کی تباہی کا ذریعہ بنے۔

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۵﴾

اور جب ہم نے تمہاری وجہ سے سمندر کو پھاڑ دیا پھر ہم نے تم کو نجات دے دی، اور آل فرعون کو ہم نے غرق کر دیا اس حال میں کہ تم دیکھ رہے تھے

بنی اسرائیل کا سمندر پار کر کے نجات پانا اور آل فرعون کا غرق ہونا

اس آیت شریفہ میں اجمالی طور پر مصریوں سے بنی اسرائیل کی نجات اور آل فرعون کی بربادی اور ہلاکت کا ذکر ہے اللہ جل شانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر مصر کی آبادیوں سے نکل جاؤ اور وقت مصر میں فرعون کی حکومت تھی فرعون مصر کے ہر فرمانروا کو کہا جاتا تھا اور اس فرعون کا نام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا بعض مفسرین نے ولید بتایا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس کا نام بھی موسیٰ تھا۔ اس کا تعلق قوم عاد سے بتاتے ہیں۔ یہ بڑا سرکش بادشاہ تھا اپنے آپ کو سب سے اونچا معبود منواتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو رات کو لے کر مصر کی آبادی سے نکل گئے اور سمندر کے کنارے پہنچ گئے ان کے نکلنے کی جب فرعون اور آل فرعون کو خبر لگی تو فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ بنی اسرائیل دریا کے کنارے پہنچ چکے تھے سورج نکل چکا تھا فرعون جو اپنے لشکروں کے ساتھ پیچھے سے پہنچا تو بنی اسرائیل گھبرا گئے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ﴿إِنَّا لَمُدْرِكُونَ﴾ (کہ ہم تو دھر لئے گئے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾ (ہرگز نہیں بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے اور وہ ضرور مجھے راہ بتائے گا) اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تم اپنی لاشی سمندر میں مارو! انہوں نے سمندر میں لاشی ماری تو سمندر پھٹ گیا اور پہاڑوں کے برابر اس کے ٹکڑے ہو گئے ان پانی کے پہاڑوں کے درمیان زمین خشک ہو گئی اور بنی اسرائیل کے قبیلے ان پہاڑوں کے درمیان سے گزر گئے۔ فرعون نے بھی اپنی جماعتوں اور لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا اور یہ لوگ بھی سمندر میں داخل ہو گئے بنی اسرائیل کا پار ہونا تھا اور فرعون اور اس کے لشکر کا سمندر میں داخل ہونا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو ملا دیا اور فرعون اپنے لشکروں اور جماعتوں سمیت ڈوب گیا ان کے ڈوبنے کے اس منظر کو بنی اسرائیل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جس کو اس آیت میں ﴿وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ﴾ سے تعبیر فرمایا ہے۔ فرعون جب ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں بھی ایمان لاتا ہوں کہ اس ذات کے علاوہ کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ ارشاد ہوا ﴿الَّذِينَ قَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ﴾ (کیا اب ایمان لاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا)۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، فرعون غرق ہو کر ہلاک تو ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی لعش کو محفوظ رکھا تا کہ بعد میں آنے والوں

کو عبرت ہو جیسا کہ سورۃ یونس میں فرمایا ہے ﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَ آيَةً﴾ (سو آج ہم تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تیری ذات ان لوگوں کے لیے عبرت ہو جائے جو تیرے بعد میں آنے والے ہیں)۔ فرعون اور اس کے لشکروں کے غرق ہونے اور بنی اسرائیل کے نجات پانے کا واقعہ سورہ طہ (رکوع ۴) میں اور سورہ شعراء (رکوع ۴) میں اور سورہ دخان (رکوع ۱) میں بھی مذکور ہے۔

وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهَا وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۲﴾

اور جب وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا پھر تم لوگوں نے ان کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظلم کر نیوالے تھے، پھر ہم نے اس کے بعد تم سے درگزر کر دیا تاکہ تم شکر ادا کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر جانا اور بنی اسرائیل کا بچھڑے کی عبادت کرنا

جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کو لے کر سمندر پار ہو گئے تو ایک میدان میں پہنچ گئے۔ یہاں سے ان کو اپنے وطن فلسطین جانا تھا لیکن چالیس سال کے بعد وہاں پہنچ سکے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے علاقے میں ان کو جانا نصیب ہوا ان کی وفات اسی میدان میں ہو گئی۔ اور اسی عرصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف عطا فرمائی۔ طور پہاڑ اسی میدان میں ہے۔ اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہاں بلایا ایک مہینہ اعتکاف کرنے اور روزے رکھنے کا حکم ہوا تھا۔ لیکن تیس راتیں گزرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سواک کر لی جس سے وہ خاص قسم کی راتحہ دور ہو گئی جو روزہ رکھنے سے منہ میں پیدا ہو جاتی ہے اس کو حدیث میں ﴿خَلُوفٌ فَمِ الصَّائِمِ﴾ سے تعبیر فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ عمدہ ہے۔ (کمانی صحیح البخاری)

جب یہ راتحہ دور ہو گئی تو دس دن مزید روزہ رکھنے کا حکم ہوا۔ لہذا چالیس دن کوہ طور پر گزارے۔ مدت مذکورہ گزر جانے کے بعد توریت شریف عطا فرمائی۔ سورہ بقرہ میں چالیس راتوں کا ذکر ہے۔ اور سورہ اعراف میں تفصیل بیان فرمائی کہ تیس راتوں میں دس راتیں اور بڑھادی گئیں۔ لہذا چالیس راتیں پوری ہوئیں۔ ﴿وَآتَمَّنَّهَا بِعَشْرِ فِئْتَمِّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً﴾ سامری سنار کا زیورات سے بچھڑا بنانا اور بنی اسرائیل کا اس کو معبود بنا لینا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے اور وہاں چالیس دن لگ گئے۔ ادھر ان کے پیچھے ان کی قوم بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلنے والے تھے۔ تو انہوں نے قبطی قوم کے لوگوں سے (جو مصر کے اصل باشندے تھے) زیورات مانگ لئے تھے۔ یہ زیورات ان لوگوں کے پاس تھے ان میں ایک آدمی سامری نام کا تھا جو سنار کا کام کرتا تھا اس نے ان زیوروں کو جمع کر کے گائے کے بچھڑے کی شکل بنا دی اور اس کے منہ میں مٹی ڈال دی۔ یہ وہ مٹی تھی جو اس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے اٹھالی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مٹی میں ایسا اثر ڈالا کہ اس مجسمہ سے گائے کے بچہ کی آواز آنے لگی۔ بنی اسرائیل مصر میں بت پرستی دیکھ آئے تھے۔ جب اس کی آواز سنی تو کہنے لگے۔ هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ۔

(یعنی یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے سو وہ بھول گئے جو طور پر خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لیے گئے۔ معبود تو العیاذ باللہ یہاں موجود ہے)۔ حضرت ہارون علیہ السلام جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پیچھے چھوڑ گئے تھے انہوں نے بنی اسرائیل کو سمجھایا اور بتایا کہ تم فتنے میں پڑ گئے ہو تمہارا رب رحمن ہے میری اتباع کرو۔ میری اطاعت کرو۔ اسی پر بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم برابر اس بچھڑے کے آگے پیچھے لگے رہیں گے۔ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام واپس آجائیں۔

سامری کو بددعا اور پچھڑے کا انجام:

جب موسیٰ علیہ السلام تورات شریف کی تختیاں لے کر تشریف لائے تو انہوں نے یہ ماجرا دیکھا، بہت غصہ ہوئے اور پوری صورتحال معلوم فرمائی پتہ چلا کہ سامری نے یہ حرکت کی ہے۔ اس سے بھی سوال جواب فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بددعا دے دی اور فرمایا:

﴿فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ﴾ (تو جا تیرے لیے زندگی بھر یہ بات طے کر دی گئی کہ تو جسے دیکھے گا اس سے کہے گا کہ مجھے نہ چھونا)

لہذا وہ حیران پریشان جنگل میں پھرتا رہتا تھا جب وہ کسی کو چھو لیتا تھا یا کوئی شخص اس کو چھو لیتا تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا تھا پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس پچھڑے کو جلادیا اور راکھ کو سمندر میں بہادیا اور فرمایا ﴿إِنَّمَا إِلَهُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ (تمہارا معبود صرف اللہ ہی ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے) یہ جو فرمایا کہ ہم نے تم سے درگزر کر دیا۔ یہ ان کی توبہ کرنے کے بعد کی بات ہے۔ ان کی توبہ کا ذکر ابھی ایک آیت کے بعد آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۵۲﴾

اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فیصلہ کرنے والی چیز دے دی تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

توریت شریف عطا فرمانے کا انعام

اس آیت میں توریت شریف عطا فرمانے کا ذکر ہے بنی اسرائیل پر جو اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے انعامات ہوئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کو ایک جامع کتاب دی گئی جو احکام پر مشتمل تھی اس میں احکام دینیہ پوری طرح واضح طور پر بیان فرمادیئے گئے تھے سورۃ انعام میں فرمایا: ﴿ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يَوْمِنُونَ﴾ ”پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو جائے اور سب احکام کی تفصیل معلوم ہو جائے۔ اور رہنمائی ہو اور رحمت ہوتا کہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے پر ایمان لائیں۔“

توریت شریف کو فرقان یعنی حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کے معنی ہے حلال و حرام کے درمیان فرق کرنے والی۔ یہ دونوں باتیں ٹھیک ہیں۔ اللہ کی کتاب کی یہ سب صفات ہیں۔ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی اور حلال و حرام کے درمیان بھی۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ الفرقان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات مراد ہیں۔ سیاق کلام سے یہ بھی بعید نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو توریت شریف بھی دی اور معجزات بھی دیئے۔ جو ان کے دعوائے نبوت اور رسالت کو ثابت کرنے والے تھے۔ جو انعامات موسیٰ علیہ السلام پر ہوئے وہ سب بنی اسرائیل پر بھی ہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل ان کی امت میں سے تھے۔ بنی اسرائیل نے اللہ کی ساری نعمتوں کی ناقدری کی اور بجائے شکر گزار ہونے کے، ناشکرے ثابت ہوئے اور ہدایت کے بجائے گمراہی اختیار کی جس کا تذکرہ آئندہ آیات میں آ رہا ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ أَنْظَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَى بَابِ رَبِّكُمْ

فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَابِ رَبِّكُمْ ۖ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۵۳﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم بے شک تم نے پچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ لہذا تم اپنے آپ کو پیدا کرنے

والے کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ سو اپنی جانوں کو قتل کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے تمہارے پیدا کرنیوالے کے نزدیک پھر اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے، اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

گنہگار پرستی کرنے والوں کی توبہ اور اس بارے میں جانوں کو قتل کرنا

جب موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لے کر واپس بنی اسرائیل کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ بہت بڑی تعداد میں یہ لوگ گنہگار پرستی یعنی پچھڑے کی عبادت میں منہمک ہو چکے ہیں اس پر انہیں بہت زیادہ غصہ آیا اور ان کو بت پرستی سے توبہ کرنے پر متوجہ فرمایا۔ ان لوگوں کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے سے اپنی گمراہی کا احساس ہو گیا جیسا کہ سورہ اعراف میں فرمایا:

﴿وَلَمَّا سَقَطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا قَالُوا لَئِن لَّمْ يَدْرَحْنَا رَبَّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ اور جب نادم ہوئے اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمیں معاف نہ کرے تو ہم بالکل نقصان میں پڑ جانے والے ہوں گے۔“

ان لوگوں کی توبہ کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے یہ متعین فرمایا تھا کہ وہ مقتول ہو جائیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یوں حکم ہوا تھا کہ جن لوگوں نے پچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی وہ ان لوگوں کو قتل کر دیں۔ جنہوں نے پچھڑے کی عبادت کی۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب قتل کرنا شروع کیا تو قاتلین کے سامنے پچھڑے کی عبادت کرنے والوں میں وہ لوگ بھی سامنے آجاتے تھے جو ان کے رشتہ دار اور عزیز قریب تھے لہذا وہ قتل کرنے سے ہچکچاتے تھے اللہ تعالیٰ نے سیاہ بادل بھیج دیے تاکہ ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اور صبح سے شام تک قتل کا سلسلہ چلتا رہا حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام نے دعا کی بادل ہٹا دیا گیا اور توبہ نازل ہو گئی اس وقت تک ستر ہزار آدمی قتل کیے جا چکے تھے مفسرین کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنہوں نے پچھڑے کی عبادت کی تھی وہ سب ہی مقتول نہیں ہوئے بلکہ ستر ہزار کے قتل ہونے پر سب کی توبہ قبول ہو گئی۔ (بیضاوی و ابن کثیر)

آیت کریمہ میں یہ جو فرمایا کہ ﴿فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارئِكُمْ﴾ (کہ تم اپنے پیدا کرنے والے کے حضور میں توبہ کرو) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مستحق عبادت وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اسے چھوڑ کر تم ایسی چیز کی پرستش میں لگ گئے جس کی شکل و صورت تمہارے آدمی نے خود بنائی۔ شرک کی سزا دوزخ کا دائمی عذاب ہے اس سے بچنے کے لئے توبہ کر لو اور توبہ کی قبولیت کے لیے یہ شرط لگائی کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو۔ اور فرمایا کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے یہ ایک وقتی تکلیف ہے۔ جس کا سہہ لینا دوزخ کے دائمی عذاب کے مقابلہ میں بہت زیادہ سہل ہے۔ اور اس عذاب سے بچنا تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ امت محمدیہ پر اللہ جل شانہ کا بہت بڑا فضل و کرم ہے اس کی توبہ نہ دامت سے اور آئندہ گناہ کے نہ کرنے کا فیصلہ کر لینے پر اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے سے قبول ہو جاتی ہے۔ کوئی کیسا ہی کتنا بڑا گناہ کرے، کفر اختیار کرے، شرک کا کام کرے اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ سچے دل سے اسلام قبول کرے تو حیدر رسالت پر ایمان لائے اس کی توبہ قبول ہے۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّعِقَةُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۵۵﴾

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۶﴾

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز تمہاری تصدیق نہ کریں گے، جب تک کہ ہم اللہ کو علانیہ طور پر نہ دیکھ لیں، سو پکڑ لیا تم کو کڑک نے اور حال یہ تھا کہ تم آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، پھر ہم نے تم کو زندہ اٹھادیا تمہاری موت کے بعد، تاکہ تم شکر ادا کرو۔

بنی اسرائیل کی بیجا جسارت اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا سوال

جب موسیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام توریت شریف لے کر تشریف لائے تو بنی اسرائیل کو پایا کہ ان میں سے بہت سے لوگ پچھڑے کی

عبادت کر چکے ہیں پچھڑے اور اس کی عبادت کرنے والوں کا انجام اوپر بیان ہو چکا ہے۔ بنی اسرائیل نے گنو سالہ پرستی کے علاوہ ایک اور آڑ لگائی۔ اور انہوں نے کہا کہ آپ جو فرما رہے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ ہمارے پاس اس کی کیا دلیل ہے۔ ہم تو اس کو جب مانیں گے جب اللہ تعالیٰ ہم سے خود فرمائیں کہ یہ میری کتاب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا چلو یہ بھی سہی تم لوگ اپنے نمائندے تیار کر لو اور جو لوگ میرے ساتھ چلیں وہ روزہ رکھیں اور پاک صاف ہو کر چلیں جس دن ان کو خداوند قدوس سے ہم کلامی سے مشرف ہونے کا موقعہ آیا (جس کے لیے پہلے سے اجازت لی ہوئی تھی اور وقت مقرر فرما دیا تھا) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان ستر آدمیوں کو بھی ساتھ لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر یہ لوگ مطمئن نہ ہوئے اور دوسری کروٹ بدلی اور کہنے لگے کہ ہم تمہاری بات جب مانیں گے جب ہم اللہ تعالیٰ کو علانیہ طور پر اپنے آئنے سامنے دیکھ لیں۔ ان کا یہ کہا تھا کہ ان کو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے لقمہ اجل بن گئے۔ جب یہ ماجرا ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فکر لاحق ہوئی کہ پہلے ہی بنی اسرائیل مجھے متہم کرتے تھے اور طرح طرح کی باتیں کرتے تھے اب اتنے آدمی ہلاک ہو گئے تو میں جب یہ بیان کروں گا کہ وہ لوگ بجلی کی کڑک سے مر گئے تو خدا جانے کیا کیا باتیں بنائیں گے اور کیسے اتہام دھریں گے لہذا انہوں نے بارگاہ خداوندی میں دعاء کی جس کی وجہ سے دوبارہ زندہ کر دیے گئے۔ اس نعمت کا شکر ان زندہ ہونے والوں پر اور ساری قوم پر واجب ہوا۔ (ابن کثیر ص ۹۳/۹۴ ج ۱ اور البیضاوی ص ۷۵ ج ۱)

وَضَلَلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۗ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۗ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۵۴﴾

اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا، اور ہم نے تمہارے اوپر من اور سلوی نازل کیا، جو کچھ ہم نے تم کو دیا اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ، اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنی ہی جانوں کا نقصان کیا کرتے تھے

میدان تیبہ میں بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ کرنا اور من و سلوی نازل ہونا

جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے اور دریا پار کر کے ایک بیابان جنگل میں پہنچے جہاں سے ان کو اپنے وطن کنعان جانا تھا اور وہاں پہنچنے میں چالیس سال لگ گئے صبح کو جہاں سے چلتے تھے شام کو وہیں موجود ہوتے تھے۔ (ذکرہ البیضاوی فی تفسیر قولہ تعالیٰ يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ)۔ دھوپ اور گرمی میں چلنا اور روزانہ چلنا نہایت تکلیف دہ تھا انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمارے لیے کچھ سایہ کا انتظام ہونا چاہیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دعاء کی جس کی وجہ سے ان کے لیے بادل بھیج دیئے گئے دن میں جب وہ سفر کرتے تھے تو بادل ان پر سایہ کرتے تھے اس سایہ میں ان کا سفر طے ہوتا تھا چونکہ روزانہ سفر ہی سفر تھا کسی طرح کی تجارت یا صنعت و حرفت یا زراعت کا موقع نہیں تھا اور کھانے کی ضرورت بدستور موجود تھی جس کا ہر انسان محتاج ہے تو ان کی اس حاجت کے پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے من اور سلوی نازل فرمائے۔

من:

من کے بارے میں علماء تفسیر کے بہت سے اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ ایسی چیز تھی جو درختوں پر نازل ہو جاتی تھی۔ صبح جا کر اس میں سے جس قدر چاہتے کھا لیتے تھے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ یہ ایک قسم کا گوند تھا۔ حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ وہ کوئی چیز تھی جو گاڑھے گودے کے مشابہ تھی۔ حضرت قتادہ کا قول ہے کہ یہ لوگ جہاں مقیم ہوتے وہیں برف کی طرح ان کی جگہوں میں من کا نزول ہو جاتا تھا جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوتا تھا۔ اور یہ طلوع فجر سے طلوع شمس تک نازل ہوتا تھا لیکن ایک دن کی ضرورت کے بقدر ہر شخص کو لینے کی اجازت تھی اس سے زیادہ کوئی لے لیتا تو وہ خراب ہو جاتا تھا۔ البتہ جمعہ کے دن جمعہ اور سینچر دونوں دنوں کے لیے لے لیتے

تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عجوہ (مدینہ منورہ کی کھجوروں کی ایک قسم) جنت سے ہے اور اس میں زہر سے شفا ہے اور کھمبی من سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفا ہے۔

(اخرجه الترمذی ابواب الطب) وهو فی البخاری ص ۶۴۳ ج ۲ من غیر ذکر العجوة

اس سے معلوم ہوا کہ یہ جو کھمبی کبھی کبھی زمین پر نظر آ جاتی ہے۔ یہ اس من کا بقیہ ہے جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا۔ راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میری ایک باندی چندھی تھی میں نے کھمبی کا پانی لیکر اس کی آنکھ میں ڈالا تو وہ ٹھیک ہو گئی۔ سلوی:

یہ کیا چیز تھی؟ یہ کوئی پرندہ تھا جو بیڑے سے مشابہ تھا اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے پاس خوب زیادہ تعداد میں پرندے بھیج دیتا تھا جو ہوا کے ذریعہ آ جاتے تھے وہ لوگ ان کو ذبح کر دیتے تھے اس بارے میں بھی حکم تھا کہ بقدر ضرورت لیں اور ذخیرہ بنا کر نہ رکھیں لیکن انہوں نے اس بات پر عمل نہ کیا۔ من اور سلوی دونوں کا ذخیرہ بنا لیا اور جب دوسرے دن اسے دیکھتا کہ کھائیں تو اس میں بد بو آ چکی تھی اور خراب ہو چکا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت میں تغیر نہ آتا اور بد بو دار نہ ہوتا اور اگر حوا نہ ہوتیں تو کوئی عورت کبھی بھی اپنے شوہر کی خیانت نہ کرتی (صحیح بخاری ص ۴۶۹ ج ۱) مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے اللہ پر بھروسہ نہ کیا ان کے لیے حکم تھا کہ من و سلوی اٹھا کر نہ رکھیں لیکن وہ نہ مانے، اٹھا کر رکھا تو اس میں بد بو آ گئی۔ خراب ہو گیا لہذا گوشت کے خراب ہونے کی ابتداء ان لوگوں سے ہوئی اور ان کی حرکت بد کی وجہ سے ہوئی۔ اسی طرح سے حضرت حوا نے حضرت آدم کو جنت کا وہ درخت کھانے پر آمادہ کیا جس کے کھانے سے منع کیا گیا تھا پھر دونوں نے کھالیا اور دونوں دنیا میں بھیج دیئے گئے۔ شوہر کی خیانت کی ابتداء حضرت حوا سے ہوئی لہذا ان کی نسل میں بھی یہ بات باقی رہ گئی۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب النکاح باب عشرة النساء)

وَ اِذْ قُلْنَا اَدْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَاَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَاغِدًا وَاَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُولُوا
حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ وَاَسْئِرْ اِلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ
لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلٰى الَّذِينَ ظَلَمُوا اِرْجًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۵۹﴾

اور جب ہم نے کہا داخل ہو جاؤ اس بستی میں سو کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو خوب اچھی طرح، اور داخل ہو جاؤ دروازہ میں جھکے ہوئے، اور یوں کہو کہ ہم گناہوں کی بخشش کا سوال کرتے ہیں، ہم تمہاری خطا میں بخش دیں گے۔ اور نیکوکاروں کو اور زیادہ دیں گے۔ سو بدل دیا ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا بات کو اس بات کے علاوہ جو ان سے کہی گئی تھی سو ہم نے نازل کر دیا ان لوگوں پر آسمان سے عذاب جنہوں نے ظلم کیا، جس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے

ایک بستی میں خشوع کے ساتھ داخل ہونے کا حکم اور بنی اسرائیل کی شرارت اور اس پر عذاب آنا

یہ کون سی بستی ہے جس میں داخل ہونے کا یہاں اس آیت شریفہ میں ذکر فرمایا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے بیت المقدس مراد ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اریحا بستی تھی جس میں داخل ہونے کا حکم ہوا تھا۔ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ پہلا قول ہی صحیح ہے۔ کیونکہ یہ مصر سے آ کر اپنے علاقہ ارض مقدسہ میں جا رہے تھے اور اریحا ان کے راستہ میں نہیں پڑتا تھا اور پھر لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا نہیں ہے بلکہ جب بنی اسرائیل چالیس سال میدان میں حیران و سرگرداں پھرتے رہے تو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی

معبیت میں ان کو بیت المقدس میں داخل ہونا نصیب ہوا۔ ان کے علاقہ میں (جسے یہ چھوڑ کر مصر چلے گئے تھے) قوم عمالقہ آباد تھی۔ وہ بڑے قد آور اور قوت و شوکت والے لوگ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل سے فرمایا کہ چلو اس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے تو ان لوگوں نے کہا کہ اس میں تو بڑے جابر قسم کے لوگ آباد ہیں۔ ہمارے بس کا نہیں جو ان سے مقابلہ کریں تم جاؤ اور تمہارا رب جائے دونوں وہاں جا کر قتال کر لیں۔ ان کی حرکت پر چالیس سال کے لیے بیت المقدس کی سرزمین ان پر حرام کر دی گئی پھر یوشع علیہ السلام کی سرکردگی میں بیت المقدس فتح ہوا۔ جب بیت المقدس میں داخل ہونے لگے تو حکم ہوا کہ اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہوں کہ اس نے ان کا علاقہ ان کو واپس فرمایا اور اس میں فتح یابی نصیب فرمائی اور ان کو میدان تیرہ کی حیرانی اور پریشانی سے نجات دی اور اس شکر کے اظہار کے لیے عملی طور پر یہ تجویز فرمایا کہ جھکے ہوئے داخل ہوں تو واضح کا طریقہ اختیار کریں غرور اور تکبر کو پاس نہ آنے دیں۔ اور ایسی کوئی صورت اختیار نہ کریں جس سے استہزاء کی کیفیت ظاہر ہو اور ان کو یہ حکم دیا تھا کہ حِطَّةً کہتے ہوئے داخل ہوں جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ ہم گناہوں کی بخشش کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ ایسا کرو گے تو ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور جو لوگ اچھے کام کرنے والے ہیں ان کے ثواب میں اور اضافہ کر دیں گے۔ حکم کیا ہوا تھا اور حرکت کیا کی؟ اسی کو فرمایا کہ ظالموں نے اس کو بدل دیا جس کا حکم دیا تھا، عمل کو تو اس طرح بدلا کہ جھکے ہوئے داخل ہونے کی بجائے بچوں کی طرح اپنے دھڑوں پر گھٹتے ہوئے داخل ہوئے جس میں ایک طرح کا استہزاء ہے۔ اور جو معافی مانگنے کا حکم ہوا تھا اس میں اس طرح ادل بدل کیا کہ حِطَّةً کی بجائے ﴿حَبَّةً فِي شَعِيرَةٍ﴾ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ (کمانی صحیح البخاری ص ۶۲۳ ج ۲)

جب انہوں نے ایسی حرکت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے فاسقانہ کرتوتوں کی وجہ سے ان پر عذاب نازل فرما دیا۔ یہ عذاب جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا اس کو ”رجز“ سے تعبیر فرمایا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ان لوگوں پر طاعون بھیج دیا گیا تھا جس کی وجہ سے کثیر تعداد میں بنی اسرائیل کی موتیں ہوئیں۔ علماء تفسیر نے یہاں حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ: ﴿الطَّاعُونَ رَجُزٌ عَذَابٌ بِهِ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ﴾

(یعنی طاعون رجز ہے عذاب ہے جس کے ذریعہ تم سے پہلی امتوں کو عذاب دیا گیا)۔ (ذکرہ ابن کثیر، عن ابن ابی حاتم)

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ طاعون کی وجہ سے بنی اسرائیل کے ستر ہزار آدمی ایک ہی ساعت میں ہلاکت ہو گئے۔ مومن بندوں کو ہر حال میں اپنے خالق و مالک ہی کی طرف متوجہ رہنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ فتح اور کامرانی دے تو خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف متوجہ ہوں عاجزی اور فروتنی کو اختیار کریں سید عالم ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ معظمہ میں خشوع خضوع کے ساتھ داخل ہوئے فتح مکہ کے بعد ام ہانی کے گھر میں آٹھ رکعات نماز پڑھی یہ چاشت کا وقت تھا، مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے اس کو صلاۃ الضحیٰ اور بعض حضرات نے صلاۃ الفتح سے تعبیر کیا ہے جب امیر لشکر کسی شہر کو فتح کر لے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ اول مرتبہ جب داخل ہو تو آٹھ رکعت نفل پڑھے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب فارس فتح کیا اور ایوان کسریٰ میں داخل ہوئے تو انہوں نے بھی آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ (ابن کثیر ص ۹۹ ج ۱)

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۗ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ

مُفْسِدِينَ ﴿۱۰﴾

اور جب موسیٰ سے ان کی قوم نے پانی طلب کیا تو ہم نے کہا کہ اپنی عصا پتھر پر مارو سو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، ہر جماعت نے اپنے اپنے پینے کی جگہ جان لی، کھاؤ اور پیو، اللہ کے رزق سے اور مت خرابی کرو زمین میں فساد کرتے ہوئے۔

میدان تہ میں بنی اسرائیل کے لیے پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹنا

یہ بھی میدان تہ کا قصہ ہے۔ اس میدان میں جب بنی اسرائیل کو پیاس لگی اور پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا سوال کیا جب موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں پانی کی درخواست کی تو اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنی لاٹھی کو پتھر پر مارو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا لاٹھی کا پتھر پر مارنا تھا کہ اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جس پتھر میں لاٹھی مارنے سے چشمے جاری ہوئے تھے یہ ایک ہلکا سا پتھر تھا جو چوکور تھا۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھیلے میں رہتا تھا۔ جب پانی کی حاجت ہوتی تو اسے زمین پر رکھ کر لاٹھی مار دیتے تھے جس سے چشمے جاری ہو جاتے تھے۔

جب بنی اسرائیل پانی سے سیراب ہو جاتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو اٹھا کر تھیلے میں رکھ لیتے تھے اور جب پانی پینا چاہتے تھے تو پھر اس میں لاٹھی مار دیتے تھے۔ جس سے پانی نکلتا، روزانہ چھ لاکھ آدمی اس سے سیراب ہوتے تھے۔ بنی اسرائیل سے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلے کے لیے پتھر سے چشمہ پھوٹتا تھا اور ہر قبیلہ اپنے چشمے سے سیراب ہوتا تھا۔

لق ودق میدان میں اللہ جل شانہ، نے بنی اسرائیل کے کھانے کے لیے من و سلوی عطا فرمایا اور ان کے پینے کے لیے پتھر سے چشمے جاری فرمائے یہ اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل پر بہت بڑا انعام تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہت بڑا معجزہ بھی تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ﴾

”کہ اللہ تعالیٰ کے رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد کرنے والے نہ بنو۔“

﴿لَا تَعْتُوا﴾ عشی سے مشتق ہے جو خوب زیادہ بڑا فساد کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی آپس کا قتل و قتال اور ایک دوسرے پر ظلم کرنا بہت بڑا فساد ہے۔ نعمتوں کی ناشکری کرنے سے نعمتوں سے محرومی ہو جاتی ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ نعمتوں کے مقابلہ میں ناشکری اور نافرمانی شرعاً و عقلاً بہت بڑی جہالت اور باعث ہلاکت ہے۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نَصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصِلَهَا ۗ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۗ ط
 إهبطوا مصرًا فإن لکم مآسألتکم ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمُسْكِنَةُ ۗ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّيْنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا
 وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٢٦﴾

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے ایک کھانے پر لہذا ہمارے لیے اپنے رب سے دعاء کیجئے وہ ہمارے لیے ان چیزوں میں سے نکال دے جن کو زمین اگاتی ہے۔ اس کی سبزی اور کھیر اور گیہوں اور مسور اور پیاز۔ موسیٰ نے کہا کہ تم بدلتے ہو اس چیز کو جو گھٹیا ہے اس چیز کے بدلہ میں جو خیر ہے؟ اتر جاؤ کسی شہر میں، سو بے شک تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے سوال کیا۔ اور مار دی گئی ان لوگوں پر ذلت اور مسکنت، اور مستحق ہو گئے غصہ کے جو اللہ کی طرف سے تھا، یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل

کرتے تھے، یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے آگے بڑھتے تھے۔

بنی اسرائیل کا کہنا کہ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے، ہمیں پیاز، لہسن چاہئے!

میدان تیرے میں بنی اسرائیل کو دونوں وقت کھانے کے لیے من و سلوی ملتا تھا۔ انسان کا کچھ ایسا مزاج ہے کہ وہ ایک قسم کا کھانا کھاتے کھاتے بددل ہو جاتا ہے۔ اور اس کی طبیعت کا تقاضا ہوتا ہے کہ مختلف قسم کے کھانے کھائے بنی اسرائیل من و سلوی کھاتے کھاتے اکتا گئے لیکن انہوں نے طبعی اکتاہٹ کو دیکھا اور اس بات کو نہ دیکھا کہ ہم ایسی بدترین غلامی سے نکل کر آئے ہیں جہاں ہمارے بچے ذبح کر دیئے جاتے تھے اور ارب نہ کر سکتے تھے ایسے بڑے دشمن کا ہلاک اور برباد ہونا اور اس سے نجات پانا یہ اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے سامنے کھانے کی طبعی اکتاہٹ پر صبر کر لینا معمولی بات ہے لیکن انہوں نے صبر کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے زمین سے نکلنے والی چیزیں پیدا فرمائے ہمیں سبزیاں چاہئیں، کھیرا چاہئے، گیہوں چاہئے، مسور کی دال چاہئے اور پیاز چاہئے۔ اور طرز سوال بھی عجیب ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ رہے ہیں آپ اپنے رب سے دعا کریں یہ نہیں کہتے کہ ہم سب مل کر اپنے رب سے مانگیں، گویا اپنا کوئی تعلق ہی اپنے رب سے نہیں ہے اور گویا موسیٰ علیہ السلام نے ان کو مصر سے لا کر ایک طرح کے کھانے کی مصیبت میں ڈالا ہے لہذا وہ دعا کریں اور وہی مصیبت حل کریں۔ ان کا شکر یہ تو کجا کہ ان کی محنتوں اور قربانیوں سے بدترین غلامی سے نجات پائی، شکر یہ کہ بجائے ان کو مطعون کر رہے ہیں کہ تم نے ہم کو مصیبت میں ڈالا، جب مذاق بگڑ جاتا ہے تو انسان عزت اور رفعت کی قدر نہیں کرتا وہ اپنے پست ذہن کی وجہ سے پستی کو ہی پسند کرتا ہے اور ذلت کا خوگر ہو جاتا ہے اس کی طبیعت ذلیل ہو کر رہنے ہی کو پسند کرتی ہے، وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ طبیعت کی خواہشوں کے مطابق جیتا رہوں، چاہے جوتے ہی پڑتے رہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناراضگی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی یہ اداسد نہ آئی اور فرمایا کہ تمہارے پاس عمدہ کھانا بغیر کسب معاش اور بغیر محنت مشقت کے پہنچ جاتا ہے تم اس عمدہ چیز کو چھوڑ کر گھٹیا چیزیں طلب کر رہے ہو، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اگر تم کو سبزیاں ترکاریاں، دال اور پیاز چاہئے تو کسی شہر میں چلے جاؤ۔ یہ چیزیں وہیں ملیں گی۔

لفظ ”قوم“ کا معنی تفسیر کی کتابوں میں گیہوں بھی لکھا ہے۔ اور لہسن بھی، دونوں ہی معنی یہاں مراد ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ بنی ہاشم کی زبان میں قوم گیہوں کو کہا جاتا تھا۔ حضرت مجاہد نے اس کا ترجمہ لہسن کیا اور حضرت ابن عباس سے ایک قول یہ بھی منقول ہے۔ حضرت امام بخاری نے بعض حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ ”الحبوب التي توكل كلها قوم“ یعنی تمام غلے جو کھائے جاتے ہیں وہ سب قوم کا مصداق ہیں۔ (راجع ابن کثیر ص ۱۰۱ ج ۱)

یہودیوں پر ذلت اور مسکنت ماردی گئی:

پھر فرمایا کہ یہود پر ذلت اور مسکنت ماردی گئی۔ یعنی ان کے ساتھ لازم کردی گئی۔ وہ برابر ذلیل رہیں گے۔ جس میں دوسری قوموں کا ماتحت ہونا، جزیہ دینا مال کا حریص ہونا، بہت زیادہ مال ہوتے ہوئے بھی مال کی طلب میں لگنا اور جان کھپانا یہ سب ذلت میں داخل ہے۔ صاحب معالم التنزیل ص ۸۷ ج ۱ لکھتے ہیں:

فتري اليهود و ان كانوا ميساسير كأنهم فقراء وقيل الذلة هي فقر القلب فلا تری فی أهل الملل اذل و احرص علی المال من اليهود

(یہود پر چونکہ ذلت اور مسکنت ماردی گئی اور ان کی جانوں کے ساتھ لگادی گئی اس لیے تم ان کو دیکھو گے کہ مالدار ہوتے ہوئے بھی فقیر ہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ذلت سے دل کا فقیر ہونا مراد ہے۔ اسی لیے تمام اہل مذاہب میں یہودیوں سے بڑھ کر کوئی قوم زیادہ

ذلیل اور مال کی حریص نہیں ہے۔)

صاحب معالم التنزیل نے سچ فرمایا کہ مالدار ہوتے ہوئے بھی لیچڑ ہونا اور پیسے کے لیے جان دینا اور تھوڑا سا نقصان ہو جانے پر بیمار پڑ جانا یا دل کا دورہ پڑ جانا یا اچانک مرجانا، یہ باتیں قلبی فقر کو ظاہر کرتی ہیں اور اس کے نمونے اگر دیکھنے ہوں تو ہندوستان کے بیوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

یہود نے انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا اس لیے غضب الہی کے مستحق ہو گئے:

پھر فرمایا کہ، وہ غضب الہی کے مستحق ہو گئے اور ذلت اور مسکنت کا ان کے ساتھ لازم ہو جانا اور غضب الہی کا مستحق ہو جانا اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے اور اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا قتل تو ناحق ہی ہوتا ہے لیکن بغیر الحق کی تصریح اس لیے فرمائی کہ ان کے نزدیک بھی ان کو قتل کرنا ناحق تھا پھر یہ کہ ان حضرات کے قتل کرنے پر کوئی ندامت نہیں ہوتی تھی۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے شروع دن میں تین سو بیویوں کو قتل کر دیا (علیہم الصلوٰۃ والسلام) پھر شام کو اپنے بازاروں میں سبزیوں کا کاروبار شروع کر دیا۔ بنی اسرائیل نے جن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قتل کیا ان میں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کے اسماء گرامی زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ارشاد فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب والا وہ شخص ہو گا جس نے کسی نبی کو قتل کیا یا جسے کسی نبی نے قتل کیا یا جس نے اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کیا اور تصویر بنانے والوں کو بھی سب سے زیادہ سخت عذاب ہو گا اور اس عالم کو بھی جس سے اپنے علم سے نفع حاصل نہیں کیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۷۸ از بیہقی فی شعب الایمان)

یہودیوں کی حکومت سے متعلق ایک سوال:

جب سے یہودیوں کی حکومت قائم ہوئی ہے تو کم علم یہ اشکال پیش کرنے لگے ہیں کہ قرآن مجید میں پیشین گوئی تھی کہ ان کی حکومت کبھی قائم نہ ہوگی اس پیشین گوئی کے خلاف کیسے ہو گیا؟ یہ سوال کوئی وزنی نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ایسی کوئی تصریح نہیں ہے بلکہ سورہ آل عمران میں اس طرف اشارہ ہے کہ ذلت ان پر مادی گئی ہے بعض حالات میں وہ نہ رہے گی چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلِيلَةُ أَيْنَ مَا تُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ یعنی ان پر ذلت جمادی گئی وہ جہاں کہیں پائے جائیں مگر اللہ کے کسی قانون کے ذریعے سے یا آدمیوں کے ذریعے سے۔

اللہ کے قانون کا مطلب تو یہ ہے کہ کوئی یہودی بوڑھا ہو یا عبادت میں لگا ہو مسلمانوں سے جنگ نہ کرتا ہو تو وہ قتل نہ کیا جائے گا۔ اگرچہ اس کی عبادت آخرت میں نفع دینے والی نہیں ہے۔ اور آدمیوں کے ذریعے اس کی ذلت رک جانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی قوم سے ان کی صلح ہو جائے یا کوئی قوم ان کو قوت پہنچانے لگے یا ان کی مدد کرنے لگے جس سے ان کو تھوڑی سی عارضی عزت مل جائے۔ ظاہر ہے کہ یہودیوں کی جواب حکومت قائم ہے وہ بعض دوسری حکومتوں کی وجہ سے ہے اگر وہ ان کی مدد اور معاونت چھوڑ دیں تو ایک دن بھی ان کی حکومت باقی نہیں رہ سکتی۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّبِيَّانَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ

صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۳﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے یہودیت اختیار کی، اور نصاری، صابئین، ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے سوان کے لیے اجر ہے، ان کے رب کے پاس اور ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ رنجیدہ ہوں گے

صرف ایمان اور عمل صالح ہی مدار نجات ہے

گزشتہ آیت میں ارشاد فرمایا تھا، کہ یہودیوں پر ذلت اور مسکنت لازم کر دی گئی اور وہ غضب الہی کے مستحق ہوئے اور اس کا سبب یہ بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں لگتے اور حدود سے آگے بڑھتے تھے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے مطرود اور مردود ہونا کوئی یہودی قوم ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہونا اور مستحق اجر و ثواب ہونا اور قیامت میں بے خوف اور بے غم ہونا کسی خاص قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ جو بھی شخص ایمان کی صفت سے متصف ہوگا وہ اپنے رب کے نزدیک مستحق اجر و ثواب اور بے خوف و بے غم ہوگا۔ یہ ایمان کی صفت ہر قوم کے اپنے اپنے زمانہ کے اعتبار سے تھی۔ یہودیوں کا ایمان یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور تورات شریف پر ایمان لائیں۔ اور ہر اس عقیدہ کو مانیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتایا۔ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور انجیل پر ایمان لانا اور ان کی شریعت کو پوری طرح سے ماننا اور جو کچھ انہوں نے بتایا اس کو تسلیم کرنا یہ ان کے زمانہ کے لوگوں کا ایمان تھا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول تھا جو لوگ ان پر ایمان نہ لائے یا ایمان تو لائے لیکن بعد میں ان کی شریعت کو بدل دیا اور ان کے دین میں شرک داخل کر دیا، وہ لوگ مومن نہ رہے۔ یہودیوں نے جب ان کی نبوت اور رسالت سے انکار کیا تو ان میں جو اب تک مومن تھے وہ بھی کافر ہو گئے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ:

پھر جب خاتم النبیین سرور عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی جن کی آمد کی خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی ﴿مُبَشِّرًا مِّن رَّبِّكَ يَأْتِيكَ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدٌ﴾ اور جن کا تذکرہ توریت انجیل میں پاتے تھے ﴿يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ﴾ تو اب ایمان یہ ہو گیا کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور آپ کی ہر بات تسلیم کریں۔ اسی لیے سورۃ آل عمران میں فرمایا ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ (یعنی جو شخص بھی اسلام کے علاوہ کوئی دین چاہے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا)۔ جتنی قومیں بھی دنیا میں بستی ہیں اور جتنے اہل مذاہب آنحضرت سرور عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا میں موجود تھے یا اب موجود ہیں خواہ وہ کسی نبی کے ماننے اور پیرو ہونے کے مدعی ہوں اور خواہ کسی بھی دین پر ہوں ان سب پر فرض ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور ہر وہ عقیدہ تسلیم کریں اور مانیں جو آپ نے بتایا۔ قیامت تک کے لیے ہر قوم ہر جماعت ہر فرد ہر علاقہ کے انسان آپ کی امت دعوت میں شامل ہیں۔ سورۃ اعراف میں فرمایا: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ ”آپ فرمادیجئے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا پیغمبر ہوں تم سب کی طرف۔“

اور سورہ سبأ میں ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَ لَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام انسانوں کے لیے پیغمبر بنا کر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔ لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔“

لہذا جب سے آپ کی بعثت ہوئی ہے یہودی، نصرانی، فرقہ صابئین اور ہر قوم اور ہر اہل مذہب کے لیے معیار نجات صرف سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اور کسی قوم کا کوئی ایمان معتبر نہیں صرف یہی ایمان معتبر ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ نے جو کچھ بتایا ہے اس کو دل سے مانے اور تسلیم کرے۔

ان سب تصریحات کو سمجھ لینے کے بعد اب آیت کا ترجمہ اور مطلب سمجھ لیں کہ جو لوگ ایمان لائے یعنی سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے اقراری ہوتے ہوئے آپ کو دل سے نبی اور رسول ماننا اور یہودی اور نصرانی اور صابئین میں سے جو کوئی اللہ پر ایمان لایگا اور یوم آخرت کو مانے گا۔ اور عمل صالح کرے گا۔ اور یہ ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر اور عمل صالح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے ایمان کے مطابق اور عمل صالح آپ کے بتائے ہوئے طریقے کے موافق ہوگا تو ایسے لوگ قیامت کے دن بے خوف اور بے غم

ہوں گے۔

وحدت ادیان کا فتنہ اور اس کی تردید:

اتنی بڑی تفصیل ہم نے دور حاضر کے ملحدین اور زنادقہ کی تردید کرنے کے لیے لکھی ہے۔ دور حاضر کے فتنوں میں وحدت ادیان کا فتنہ بھی ہے۔ بہت سے اہل باطل یہ کہتے ہیں کہ نجات اخروی کے لیے اللہ پر اور آخرت پر ایمان لانا کافی ہے۔ دین اسلام میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں (العیاذ باللہ) یہ لوگ اپنی گمراہی کو پھیلانے کے لیے آیت بالا کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں صرف من امن باللہ و الیوم الآخر مذکور ہے۔ ایمان بالرسول کا ذکر نہیں ہے۔ یہ لوگ جاہلوں کو دھوکہ دینے کے لیے ان آیات کو سامنے نہیں رکھتے جو ہم نے اوپر ذکر کی ہیں۔ ایمان باللہ کا مطلب صرف اتنا سا نہیں ہے کہ اللہ کے وجود کا اقرار کر لے اور انسانوں کے خود ساختہ طریقوں سے عبادت کر لیا کرے، اللہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے اس کے جاننے کا ذریعہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

یہ کیسا ایمان باللہ ہے کہ بتوں کی پوجا کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کریں۔ اور یہ کیسا یوم آخرت پر ایمان ہے کہ تباہی یعنی آواگون کے قائل ہوں اور جنت دوزخ کے منکر ہوں۔ آیت شریفہ میں الَّذِينَ آمَنُوا سے صرف اہل اسلام مراد ہیں۔ یہود کی وجہ تسمیہ:

اور الَّذِينَ هَادُوا سے یہود مراد ہیں۔ ہاد یہود توبہ کرنے کے معنی میں آتا ہے چونکہ ان لوگوں نے گائے کے بچھڑے کی عبادت سے توبہ کی تھی اس لیے ان کو ان لفظوں میں یاد کیا جاتا ہے۔ ان کا مشہور نام یہود ہے۔ جماعت کو یہود اور ایک شخص کو یہودی کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے یہودا کی طرف منسوب ہیں۔ اس لیے ان کو یہودی کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ یہ لفظ یہود سے مشتق ہے جو تحریک یعنی حرکت کرنے کے معنی میں ہے۔ چونکہ یہ لوگ تورات شریف پڑھتے ہوئے حرکت کرتے تھے اور اس طرح ان کا یہ لقب پڑ گیا۔ (قالہ ابو عمرو بن العلاء)

النصارى:

سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو ماننے کے مدعی ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ نصرت سے مشتق ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ﴿مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ﴾ فرمایا تو ان کے حواریین نے ﴿نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ﴾ کہا جیسا کہ سورۃ صف میں مذکور ہے۔ لفظ نصاریٰ کو جمع نصران کی بھی بتایا گیا ہے، جیسا کہ سکران کی جمع سکاری ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے ایک بستی میں سکونت اختیار کی تھی جس کو ناصرہ کہا جاتا تھا اس کی وجہ سے ان کو نصاریٰ کہا گیا۔ بہر حال وجہ تسمیہ جو بھی ہو نصاریٰ سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے مدعی ہیں۔ ان دعویداروں میں وہ بھی تھے جو ان کے واقعی اصلی دین پر تھے اور ان کے دین میں کسی طرح کی تغیر و تبدیلی نہیں کی اور وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے ان کا دین بدل دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو بھی معبود ماننے لگے۔ قرآن مجید نے ان کو کسی جگہ عیسائی نہیں فرمایا یعنی حضرت عیسیٰ کی طرف نسبت نہیں کی۔ مشرک ان کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ قرآن نے ان کے لیے لفظ نصاریٰ استعمال فرمایا ہے۔

الصائبین:

یہ ﴿صَابًا، يَصْبُو﴾ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ زمانہ نزول قرآن میں اس فرقہ کا وجود تھا۔ ان لوگوں کا دین کیا تھا، اس کے بارے میں حضرات مفسرین نے بہت سے اقوال نقل فرمائے ہیں، حضرت مجاہد نے فرمایا کہ یہ لوگ مجوسیت، یہودیت اور نصرایت کے درمیان تھے۔ ان کا مستقل کوئی دین نہ تھا۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ یہ لوگ فرشتوں کی عبادت کرتے تھے۔ ابن ابی الزناد نے اپنے والد سے نقل کیا کہ یہ وہ لوگ تھے جو عراق کے قریب رہتے تھے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لاتے تھے اور سال بھر میں تیس روزے رکھ لیتے تھے اور یمن کی طرف

رخ کر کے نمازیں پڑھتے تھے۔ عبدالرحمن بن زید نے کہا کہ یہ لوگ موصل کے جزیرہ میں تھے صرف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتے تھے۔ خلیل کا قول ہے کہ ان کا دین نصاریٰ کے دین سے ملتا جلتا تھا۔ ان کا قبلہ جنوبی ہوا کی طرف تھا۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہم نوح علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ وہب بن منبہ کا قول ہے کہ یہ لوگ نہ دین یہودیت پر تھے نہ نصرانیت پر نہ مجوسیت پر اور مشرک بھی نہ تھے۔ یہ فطرت پر باقی تھے۔ ان کا کوئی مقرر دین نہ تھا جس کا اتباع کرتے اور بعض علماء کا قول ہے کہ صابئین وہ لوگ ہیں جن کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ (آیت کی تفسیر اور توضیح کے لیے ہم نے تفسیر ابن کثیر کو سامنے رکھا ہے اہل علم اس کی مراجعت فرمائیں)۔

فائدہ: صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ حاصل قانون کا یہ ہے کہ ہمارے دربار میں کسی کی تخصیص نہیں جو شخص پوری اطاعت اعتقاد اور اعمال میں اختیار کرے گا خواہ وہ پہلے سے کیسا ہی ہو ہمارے یہاں مقبول اور اس کی خدمت مشکور ہے اور ظاہر ہے کہ بعد نزول قرآن کے پوری اطاعت مسلمان ہونے میں منحصر ہے مطلب یہ ہوا کہ جو مسلمان ہو جائے گا مستحق اجر و نجات اخروی ہوگا۔

اور اس قانون میں مسلمانوں کے ذکر کی ظاہر میں ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو مسلمان ہیں ہی لیکن اس سے کلام میں ایک خاص بلاغت اور مضمون میں ایک خاص وقعت پیدا ہوگئی اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی حاکم یا بادشاہ کسی ایسے ہی موقع پر یوں کہے کہ ہمارا قانون عام ہے خواہ کوئی موافق ہو یا مخالف جو شخص اطاعت کرے گا وہ مورد عنایت ہوگا اب ظاہر ہے کہ موافق تو اطاعت کر ہی رہا ہے، سنا نا ہے اصل میں مخالف کو، لیکن اس میں نکتہ یہ ہوتا ہے کہ ہم کو جو موافقین پر عنایت ہے سو اس کی علت ان سے کوئی ذاتی خصوصیت نہیں بلکہ ان کی صفت موافقت مدار ہے ہماری عنایت کا سو مخالف بھی اگر اختیار کر لے وہ بھی اس موافق کے برابر ہو جائے گا اس لیے مخالف کے ساتھ موافق کو بھی ذکر کر دیا گیا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ط خذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِمَّنْ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۱۴﴾

الْخَاسِرِينَ ﴿۱۴﴾

اور جب ہم نے لے لیا تمہارا عہد اور اٹھا دیا تمہارے اوپر طور کو، لے لو قوت کے ساتھ جو کچھ ہم نے تم کو دیا اور یاد کرو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ پھر اس کے بعد تم نے رد گردانی کی، سو اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تو ضرور تم تباہ کاروں میں سے ہو جاتے۔

بنی اسرائیل سے پختہ عہد لینا پھر ان کا منحرف ہو جانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ریت شریف لے کر آئے اور مستقل شریعت بنی اسرائیل کو دی گئی تو بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کی کتاب پر ایمان لائیں گے اور اس کے رسول کا اتباع کریں گے اور اس کی شریعت پر عمل کریں گے۔ جب انہوں نے سخت احکام دیکھے تو عمل کرنے سے انکاری ہو گئے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے پہاڑ طور کو اس کی جگہ سے اکھاڑ کر ان کے اوپر کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ ہم نے جو کچھ دیا ہے اسے قوت کے ساتھ لے لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو۔ سورۃ اعراف میں اور زیادہ واضح طریقے سے اس کو یوں بیان فرمایا:

﴿وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ خذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر سائبان کی طرح ان کے اوپر معلق کر دیا اور ان کو یقین ہو گیا کہ اب ان پر گرا اور ہم نے کہا کہ لے لو قوت کے ساتھ جو ہم نے تم کو دیا ہے اور یاد کرو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔“

جب انہوں نے دیکھا کہ واقعی پہاڑ گرنے کو ہے تو اس وقت مان لیا لیکن بعد میں اس میثاق عظیم کو توڑ دیا اور اقرار سے پھر گئے اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کرنے کی توفیق دی اور ان کو باقی رکھا اور حضرات انبیاء کرام ان کی طرف آتے رہے اور ان کو ہدایات دیتے رہے اللہ کا فضل نہ ہوتا

اور اس کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو دنیا و آخرت میں برباد ہو جاتے۔ (من ابن کثیر)

شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ آئے کہ دین میں تو زبردستی نہیں ہے جیسا کہ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ میں بتایا ہے پھر پہاڑ سروں پر اٹھا کر بنی اسرائیل سے کیوں قول و قرار لیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسلام قبول کرانے کے لیے زبردستی نہیں ہے، اگر کوئی قوم مسلمان نہ ہو جز یہ دے کر رہنا چاہیے اس سے جز یہ قبول کر لیا جائے گا جس نے اسلام قبول کر لیا اس سے احکام پر زبردستی عمل کرانے کی نفی ﴿لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ میں نہیں ہے اس لیے ذمی کو قتل نہیں کیا جاتا اور جو شخص اسلام کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لے اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی اگر تین دن کے بعد اسلام میں واپس نہ آئے تو قتل کر دیا جائے گا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿۱۵﴾ فَجَعَلْنَاهَا

نَكَالًا لِلْمَآبِئِينَ يَدِيهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۱۶﴾

اور البتہ تحقیق تم نے ان لوگوں کو جان لیا جنہوں نے سنبچر کے دن میں زیادتی کی، سو ہم نے کہا ہو جاؤ بندر ذلیل! پھر ہم نے اس کو عبرت بنا دیا ان لوگوں کے لیے جو اس وقت موجود تھے اور جو بعد میں آنے والے تھے۔ اور نصیحت بنا دیا ڈرنے والوں کے لیے

یہودیوں کا سنبچر کے دن میں زیادتی کرنا اور بندر بنا دیا جانا

جیسے مسلمانوں کے لیے جمعہ کا دن معظم قرار دیا گیا ہے اسی طرح سے یہود کے لیے سنبچر کے دن کو معظم قرار دیا گیا تھا۔ اور اس کی تعظیم کے لیے یہ حکم بھی تھا کہ اس دن مچھلی کا شکار نہ کریں ایک طرف تو یہ حکم تھا اور دوسری طرف ان کا امتحان تھا اور وہ امتحان اس طرح تھا کہ دوسرے دنوں میں مچھلیاں عام حالات کے مطابق پانی میں اندر ہی رہتی تھیں اور سنبچر کے دن خوب ابھرا بھر کر پانی پر آ جاتی تھیں جس کا تذکرہ سورۃ اعراف کی آیت ﴿وَسُئِلَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾ میں فرمایا ہے چونکہ سنبچر کے دن مچھلیاں خوب ابھر کر سامنے آ جاتی تھیں اس لیے ان لوگوں نے ان کو پکڑنے کے لیے حیلے نکالے اور یہ کہا کہ سنبچر کا دن آنے سے پہلے جال اور مچھلی پکڑنے کے کانٹے پہلے سے پانی میں ڈال دیتے تھے۔ چنانچہ وہ ان میں پھنس کر رہ جاتی تھیں جب سنبچر کا دن گزر جاتا تھا تو ان کو پکڑ لیتے تھے اور اپنے نفوس کو سمجھا لیتے تھے کہ ہم نے سنبچر کے دن ایک مچھلی بھی نہیں پکڑی وہ تو خود سے جالوں میں اور کانٹوں میں آ گئیں اور یہ جال اور کانٹے ہم نے جمعہ کے دن ڈالے تھے ان کو منع کرنے والوں نے منع کیا تو نہ مانے لہذا اللہ پاک کی طرف سے ان پر یہ عذاب آیا کہ ان کو بندر بنا دیا گیا۔ جب یہ لوگ بندر بنا دیے گئے تو بندروں کی طرح آوازیں نکالتے تھے ان کی دماغی پیدا ہو گئیں جو لوگ ان کو منع کرتے تھے وہ ان کے پاس گئے اور کہا کہ کیا ہم نے تم کو منع نہیں کیا تھا تو وہ سر ہلا کر جواب دیتے تھے۔

سورۃ مائدہ میں فرمایا ﴿وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ﴾ اس میں بتایا ہے کہ بندر اور خنزیر بنا دیے گئے یہ خنزیر بنا دینے کا واقعہ اسی واقعہ سے متعلق ہے جبکہ سنبچر کے دن مچھلیاں پکڑنے کے جرم میں بندر بنا دیے گئے تھے یا اور کسی موقع سے متعلق ہے۔ یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ملی۔ البتہ تفسیر ابن کثیر میں آیت بالا ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ﴾ کے ذیل میں حضرت ابن عباس نے نقل کیا ہے کہ سنبچر کے دن زیادتی کرنے والے بندر بنا دیے گئے اور خنزیر بھی، ان میں جو جوان تھے وہ بندر ہو گئے اور جو بوڑھے تھے وہ خنزیر بنا دیے گئے۔

حضرت ابن عباس سے یہ بھی منقول ہے کہ جو قوم مسخ ہوئی ہے وہ مسخ شدہ حالت میں تین دن سے زیادہ نہیں رہی ان تین دنوں میں انہوں نے کچھ کھایا یا پیانہیں اور ان کی نسل بھی نہیں چلی۔ یہ جو بندروں اور خنزیروں کی نسلیں ہیں مسخ شدہ قوموں کی نسلیں نہیں ہیں بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مستقل مخلوق ہے۔ الجامع الصغیر میں بروایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے۔

مَا مَسَخَ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ شَيْءٍ فَكَانَ لَهُ عَقَبٌ وَلَا نَسْلَ رَمَزَلَهُ السِّيَوطِيُّ بِالْحَسَنِ قَالَ الْهَيْثَمِيُّ فِيهِ لَيْثُ بْنُ سَلِيمٍ

مدلس و بقیة رجالہ صحیح۔ (کما فی فیض القدير ص ۴۶۶ ج ۵)

اس واقعہ کی مزید تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ سورۃ اعراف میں بیان ہوگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاصی کی وجہ سے کئی طرح سے عذاب آتا رہا ہے ان میں سے ایک طریقہ صورتیں مسخ کر کے ہلاک کرنے کا بھی تھا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ اب تک مسخ کے عذاب سے محفوظ چلی آرہی ہے لیکن قرب قیامت میں مسخ ہوگا۔ جیسا کہ سنن الترمذی کتاب الفتن میں حدیث اذا اتخذ الفنی دولا کے آخر میں تصریح ہے اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں بھی مسخ کیے جانے کا ذکر ہے (مشکوٰۃ ص ۴۵۶)؛ جتنے بھی عذاب آئے سب میں عبرت ہے ان لوگوں کے لیے بھی جو عذاب کے وقت موجود تھے اور ان کے لیے بھی جو بعد میں آنے والے ہیں اور ان عذابوں میں نصیحت بھی ہے اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے خاص کر یہ مسخ کا عذاب تو بہت ہی زیادہ عبرت ناک ہے ہلاک تو ہو ہی گئے لیکن ہلاکت سے پہلے تین دن جو بند رہے اس میں سب کے لیے بہت بڑی عبرت اور نصیحت ہے اسی لیے فرمایا کہ ہم نے اس کو عبرت بنا دیا ان لوگوں کے لیے جو اس وقت موجود تھے اور جو بعد میں آنے والے ہیں اور نصیحت بنا دیا ڈرنے والوں کے لیے فَجَعَلْنَاهَا كِضْمِيرٍ عَقُوبَتِ كِي طَرَفٍ يَاقُرْمِي كِي طَرَفٍ رَاجِعٍ هِيَ جَسَ سِ اَهْلِ قُرْمِي مَرَادِ هِي **﴿لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا﴾** کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں ان کو مسخ کرنے کی سزا دی گئی اس زمانہ کے لوگوں کے لیے اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے عبرت ہو جائے اور ایک معنی یہ لکھا ہے کہ جہاں یہ واقعہ پیش آیا وہاں کے قریب کی بستیوں اور دور کی بستیوں کے لیے عبرت ہو جائے۔ حضرت ابن عباس سے بھی یہ دوسرا معنی منقول ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ عن ابن عباس لما بين يدها من القرى وما خلفها من القرى۔

اس کے بعد حضرت ابو العالیہ کا قول نقل کیا ہے۔

و ما خلفها لما بقى ما بعد هم من الناس من بنى اسرائيل ان يعملوا مثل عملهم۔

یعنی ما خلفها سے وہ بنی اسرائیل مراد ہیں جو اس عبرت ناک واقعہ کے بعد باقی رہے یہ واقعہ ان کے لیے عبرت ہے تاکہ اپنے اسلاف جیسا عمل نہ کریں۔

حضرت حسن اور قنادہ نے مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ کے بارے میں فرمایا کہ ان لوگوں کے بعد میں جو آنے والے ہیں ان کے لیے نصیحت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈریں گے اور خوف کھائیں گے اور عطیہ عوفی نے کہا ہے کہ المتقین سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی امت مراد ہے۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان چیزوں کا ارتکاب نہ کرو جن کا یہودیوں نے ارتکاب کیا حیلوں کے ذریعہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال مت کر لو۔ (وہذا اسناد جید)

یہود نے ایک اور بھی حیلہ کیا اور وہ یہ کہ ان پر چربی حرام کر دی گئی تھی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس کو انہوں نے اچھی صورت میں بنا کر بیچ دیا۔ (بخاری و مسلم کما فی مشکوٰۃ ص ۲۴۱)

شرح حدیث نے اچھی صورت میں بنانے کا مطلب یہ لکھا ہے کہ چربی کو انہوں نے پگھلا دیا اور اس میں کچھ ملا کر دوسرا کوئی نام رکھ کر اس کو بیچ دیا۔ اور اس کی قیمت کھا گئے۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں اس طرح کے حیلے رواج پا گئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لوگ شراب کو حلال کر لیں گے عرض کیا وہ کیسے ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت واضح طور پر نازل فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یسمونها بغير اسمها فيستحلونها یعنی وہ شراب کا دوسرا نام رکھ لیں گے اور اس طرح اس کو حلال کر لیں گے۔ (رواہ الدارمی مشکوٰۃ ص ۴۶۱)

چنانچہ آج کل ایسی باتیں سننے میں آرہی ہیں، شراب پیتے ہیں، نام دوسرا رکھ لیا ہے۔ سود لیتے ہیں اس کا نام نفع رکھ لیا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کیلئے تدبیریں کر لیتے ہیں۔ تصویریں اور مورتیاں حلال کرنے کے لیے حیلے تراشتے ہیں۔ ڈاڑھی مونڈنے کے جواز کے لیے

دیا۔ چنانچہ وہ مقتول زندہ ہو گیا (اور اپنا قاتل بتا کر اسی وقت دوبارہ مر گیا)

واقعہ کی تفصیل تفسیر کی کتابوں میں کئی طرح سے لکھی ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل میں ایک بوڑھا آدمی تھا جس کی کوئی اولاد نہ تھی اور اور مالدار بہت تھا اور اس کے بھائی کے لڑکے تنگ دست تھے۔ اور ان کو چچا کی میراث بھی پہنچتی تھی۔ یہ لوگ چچا کی موت کا انتظار کرتے تھے لیکن اس کی زندگی لمبی ہوتی چلی گئی۔ لہذا شیطان نے ان کو یہ سمجھایا کہ تم اپنے چچا کو قتل کرو تم اس کے مال کے وارث بھی ہو جاؤ گے اور اس کی دیت (خون بہا) بھی حاصل کر لو گے۔ جس جگہ کا یہ واقعہ ہے وہاں دو بستیاں تھیں۔ جب کوئی مقتول دونوں بستیوں کے درمیان پڑا ہوا ملتا تھا تو جس بستی سے قریب تر ہوتا اس پر دیت ڈال دی جاتی تھی۔ شیطان نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ تم قتل کر کے دوسری بستی کے قریب ڈال دینا۔ جس میں تمہاری سکونت نہیں ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے چچا کو رات کو قتل کر کے دوسری بستی کے قریب ڈال دیا پھر صبح ہوئی تو یہی قاتلین دعویٰ ہوا کر گئے اور اس بستی والوں پر دعویٰ کر دیا جس کے قریب نعش کو ڈال دیا تھا۔ اور ان سے کہا کہ تمہاری بستی کے دروازے پر ہمارا چچا مقتول ملا ہے۔ ہم تم سے اس کی دیت ضرور لے کر چھوڑیں گے اس بستی کے لوگ قسم کھانے لگے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے نہیں قتل کیا اور نہ ہی ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے۔ ہم نے شام سے لے کر صبح تک اپنی بستی کا دروازہ ہی نہیں کھولا، لہذا ہمارے ذمہ اس کے قتل کا الزام لگا دینا صحیح نہیں اور کوئی دیت لازم نہیں۔ مفسر سدی نے واقعہ اس طرح بیان کیا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص بہت مالدار تھا۔ اس کی ایک لڑکی تھی اور اس کے بھائی کا بیٹا تھا جو غریب تھا۔ اس نے اپنے چچا کو پیغام دیا کہ اپنی لڑکی سے میرا نکاح کر دو، چچا نے انکار کیا تو وہ غصہ ہو گیا اور اس نے چچا کے قتل کا خیال دل میں جمایا اور اپنے دل میں کہا کہ چچا کو قتل بھی کروں گا اور اس کا مال بھی لوں گا اور اس کی بیٹی سے نکاح بھی کروں گا اور اس کی دیت بھی کھا جاؤں گا۔ لہذا وہ چچا کے پاس آیا اور رات کو اپنے چچا کو ایک کاروباری ضرورت بتا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اور کسی جگہ جا کر قتل کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو اس انداز میں باتیں کر رہا ہے کہ خدا جانے میرے چچا کہاں گئے؟ جس جگہ قتل کیا گیا تھا وہاں پہنچا دیکھا کہ وہاں کے لوگ اس کی نعش کے قریب جمع ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں کو اس نے پکڑ لیا اور کہا تم نے میرے چچا کو قتل کیا ہے لہذا اس کی دیت ادا کرو۔ وہ دیت کا مطالبہ کر رہا تھا اور رو رہا تھا اور سر پر مٹی ڈال رہا تھا اور ہائے ہائے چچا کی آوازیں لگا رہا تھا۔

واقعہ کی صورت جو بھی ہو قاتل کا پتہ چلانے کے لیے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قاتل کا پتہ چلانے کے لیے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ایک بیل ذبح کرو اور اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر مار دو۔ بات سننے کے ساتھ ہی ان کو چاہیے تھا کہ کوئی بھی ایک بیل ذبح کر کے مقتول پر مار دیتے۔ لیکن اول تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو مذاق اور مخول بتایا۔ کہنے لگے کہ کہاں بیل کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے جسم کو مارنا اور کہاں مقتول کا زندہ ہو کر نام بتانا یہ بے جوڑ بات ہے آپ تو ہم لوگوں کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ ان جاہلوں نے یہ نہ سوچا کہ ہمیں اللہ کا نبی ایک بات بتا رہا ہے۔ جو اللہ کی طرف سے ہے۔ اس میں مذاق اور مخول کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ اپنی جہالت اور حماقت سے ایسی بات کہہ بیٹھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت ناگوار ہوا اور انہوں نے فرمایا کہ ﴿أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ (کہ میں اس بات سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں کہ جاہلوں میں سے ہو جاؤں) ایک ادنیٰ مسلمان سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ اللہ کے حکم کو مخول اور ٹھٹھا مذاق بنائے۔ یہ تو جہالت کی بات ہے پھر اللہ کا نبی کیسے اللہ کی طرف کسی ایسے حکم کی طرف نسبت کر سکتا ہے جو مذاق اور مخول ہو۔ پھر جب بیل ذبح کرنے پر راضی ہو گئے تو طرح طرح کے سوالات کرتے گئے اور ان سوالات کے ذریعہ بندشوں اور قیدوں میں بندھتے چلے گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ کوئی بھی بقرہ ذبح کر دیتے تو ان کا کام چل جاتا لیکن انہوں نے سختی کا راستہ اختیار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بے تکی سوالات کرتے رہے لہذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر حکم میں سختی فرمادی۔ وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کریں جو ہمیں یہ بتادے کہ وہ بیل کیسا ہے یعنی اس کی عمر کتنی ہو۔ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ وہ بوڑھا جانور بھی نہ ہو اور بالکل کم عمر بچھڑا بھی نہ ہو۔ ان دونوں کی درمیانی عمر کا ہو اور

فرمایا کہ جو تم کو حکم ہو رہا ہے اس کو گزرو۔ لیکن ان لوگوں کو الٹی چڑھی ہوئی تھی، پھر سوال اٹھایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اپنے رب سے ہمارے لیے یہ دعا کر دیجیے کہ وہ ہمیں اس کا رنگ بتادے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ایسا بیل ہو جس کا رنگ پیلا خالص گہرا تیز ہو جس سے دیکھنے والوں کی طبیعت خوش ہوتی ہو۔ ان لوگوں نے پھر سوال اٹھایا کہ ہماری سمجھ میں تو پوری طرح بات نہیں آئی اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں خوب واضح طور پر بتادے کہ وہ بیل کیسا ہو بیل بہت سارے ہیں طرح طرح کے ہیں ہمیں اشکال ہو رہا ہے کہ کونسا بیل ذبح کریں اب کی مرتبہ بیان ہو جانے پر انشاء اللہ ہم ضرور راہ پا جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی ان کو پوری طرح اس بیل کا حال بیان نہ کیا جاتا جس کے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا۔ (درمنثور میں اس کو حدیث مرفوع بتایا ہے) لیکن مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ بظاہر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے۔

بہر حال تیسری بار جب انہوں نے سوال کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ وہ ایسا بیل نہ ہو جسے کام کاج میں استعمال کر کے نکما کر دیا گیا ہو یعنی اس نے نہ تو کھیتوں میں ہل چلایا ہو اور نہ آبپاشی کے لیے اسے کنویں سے پانی نکالنے میں استعمال کیا گیا ہو۔ اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اس کا جو رنگ بتایا گیا ہے پورا بیل اسی رنگ کا ہو۔ اس میں کسی قسم کے دوسرے رنگ کا نشان داغ دھبہ نہ ہو۔ اور وہ جانور جسمانی طور پر صحیح سالم ہو اس کے اعضاء میں کمی اور خرابی نہ ہو مثلاً لنگڑا، کانا، اندھانہ ہو۔ جب بیل کے حالات بیان ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہاں اب آپ نے پوری طرح ٹھیک اور واضح بات کی ہے۔ لہذا اب اس قسم کا جانور تلاش کرنے لگے جیسا بیان کیا گیا تھا اور جو ان کے سوالات کے جوابات کے بعد اپنی خاص صفات کے اعتبار سے متعین ہو چکا تھا۔ تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے (جو اسرائیلی روایات سے منقول ہے) کہ وہ جانور ان کو بہت زیادہ مہنگا ملا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ لوگ انہیں مخصوص صفات کا بیل تلاش کر رہے تھے اسی ثناء میں ایک شخص کے پاس سے گزرے جس کے پاس مذکورہ صفات کا بیل تھا اس سے کہا کہ یہ ہمیں بیچ دے۔ یہ لوگ قیمت لگاتے رہے اور وہ قیمت بڑھاتا رہا حتیٰ کہ اس بیل کے وزن کا دس گنا سونا دینے پر معاملہ ہوا، چنانچہ وہ سونا اس نے قیمت کے طور پر لے لیا۔ یہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے۔ درمنثور میں حضرت ابن عباس سے یوں نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس بیل کی کھال دیناروں سے بھر کر دینے پر سودا کیا۔ اور اس بیل کے مالک نے اس قدر دینار لے کر وہ بیل ان کے حوالے کیا۔ بہر حال خدا خدا کر کے وہ لوگ ذبح کرنے پر آمادہ ہوئے اور اس بیل کو انہوں نے ذبح کر دیا حالانکہ ان کا ڈھنگ ایسا تھا کہ وہ یہ کام کرنے والے نہیں تھے۔

وَإِذ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّأْتُمْ فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۴۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهَا بِبَعْضِهَا

كَذَلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۴۳﴾

اور جب تم نے ایک جان کو قتل کر دیا پھر اس کے بارے میں ایک دوسرے پر ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ اس کو ظاہر فرمائے جس کو تم چھپا رہے ہو، پس ہم نے حکم دیا کہ اس کا ایک حصہ اس میں مارو، ایسے ہی اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے مردوں کو، اور دکھلاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں تاکہ تم عقل سے کام لو۔

مردہ زندہ ہونے کا ایک واقعہ اور قصہ سابقہ کا تکملہ

ان آیات میں سابقہ قصہ کا تمہ بیان فرمایا ہے اور یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ ذبح بقرہ کا حکم کیوں ہوا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ تم نے ایک خون کر دیا تھا اور اس خون کو ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے۔ قاتل اقراری نہیں تھا اور ہمیں منظور تھا کہ اس کے قاتل کا لوگوں کو علم ہو جائے لہذا ہم نے یہ طریقہ بتایا کہ جو بیل ذبح کیا ہے اس کا ٹکڑا مقتول کی لاش سے لگا دو۔ تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ان لوگوں نے اس بیل کا ایک ٹکڑا لیکر مقتول کے مونڈھوں کے درمیان لگا دیا چنانچہ وہ زندہ ہو گیا اس سے پوچھا کہ تجھے کس نے قتل کیا ہے تو اس نے کہا کہ مجھے میرے بھائی کے بیٹے نے

قتل کیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ میرا مال لے لے اور میری بیٹی سے نکاح کر لے۔ یہ بات بیان کر کے وہ شخص دوبارہ مر گیا۔ اور قصاص میں قاتل کو قتل کر دیا گیا۔

یہاں یہ سوال اٹھانا بے جا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یوں بھی قدرت ہے کہ جس مردہ کو چاہے زندہ فرمائے پھر اس کے لیے بیل کا ذبح ہونا اور مقتول کو اس کے گوشت کا ٹکڑا مارا جانا کیوں مشروط کیا گیا؟ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو سمجھنا مخلوق کے بس کا کام نہیں۔ اور نہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تکوین اور تشریح میں جو حکمتیں ہیں ان میں سے کوئی سمجھ میں آ جاتی ہے کبھی سمجھ میں نہیں آتی۔ مومن بندہ کا کام ماننا اور عمل کرنا ہے۔ ذبح بقرہ سے متعلق ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بنی اسرائیل کی..... حجت بازی اور کج روی کا حال عام لوگوں کو اور ان کے بعد آنے والی نسلوں کو معلوم ہو جائے تاکہ وہ ایسا نہ کریں۔ اس کے بعد اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا:

﴿كَذَلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾

”ایسے ہی اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے مردوں کو اور دکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں تاکہ تم عقل سے کام لو۔“

موت کے بعد زندہ کرنا اور حساب و کتاب کے لیے قبروں سے اٹھایا جانا قرآن و حدیث میں جگہ جگہ مذکور ہے۔ اس بات کے تسلیم کرنے سے بہت سے لوگوں کو انکار رہا ہے کہ موت کے بعد زندہ ہوں گے ان کے اشکالات قرآن مجید میں دور کئے گئے ہیں اور بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کر کے دکھایا ہے ان مواقع میں سے ایک موقع یہ بھی تھا کہ مقتول نے بحکم خدا زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا اور یہ واقعہ حاضرین کے سامنے ہوا، سب نے دیکھ لیا کہ مردہ زندہ ہوا۔ اور تو اتر کے ساتھ یہ قصہ لوگوں تک پہنچ گیا۔ تو اب موت کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔ عقلاً بھی یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مردوں کے زندہ کرنے پر قدرت ہے۔ اور بعض مواقع میں حاضرین نے اپنی آنکھوں سے مردوں کو زندہ ہوتا دیکھا ہے، عقل کو کام میں لائیں تو انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۖ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۖ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقُّ فَيُخْرِجُ مِنْهُ الْمَاءَ ۖ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۷۴﴾

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوئے، سو وہ ایسے ہو گئے جیسے پتھر ہوں یا ان سے بھی زیادہ سخت، اور بلاشبہ بعض پتھر ایسے ہیں جن سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور بلاشبہ ان میں بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں پھر ان سے پانی نکلتا ہے اور بلاشبہ ان میں بعض ایسے ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے بے خبر نہیں ہیں جن کو تم کرتے ہو

یہودیوں کی قلبی قساوت کا تذکرہ

اس آیت کریمہ میں یہودیوں کے قلوب کی قساوت اور سختی بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ تمہارے دل پتھروں کی طرح سخت ہو گئے بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ ان میں سختی آگئی۔ دلائل قدرت بھی دیکھتے ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دلائل نبوت بھی دیکھتے ہیں ان کے دلوں میں ذرا خدا کا خوف نہیں ہے اور حق قبول کرنے کے لیے ذرا بھی آمادہ نہیں۔ پتھروں میں تو یہ بات ہے کہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن سے نہریں جاری ہوتی ہیں اور بعض پھٹ پڑتے ہیں تو ان میں پانی نکل آتا ہے۔ اور بعض ان میں ایسے ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

پہلے ان کے دلوں کو سختی میں پتھروں سے تشبیہ دی جو اس اعتبار سے لوہے سے بھی سخت ہیں کہ لوہے کو بھٹی میں ڈالا جائے تو پگھل جاتا ہے

لیکن کیسی ہی آگ ہو اس سے پتھر پگھلتا نہیں۔ پھر فرمایا کہ تمہارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں کیونکہ بعض پتھروں سے تو نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور جب پھٹتے ہیں تو ان میں سے پانی نکل آتا ہے اگر تمہارے دل نرم ہوتے تو نافرمانیوں کی وجہ سے خوب زیادہ روتے (یہ مثال ہے نہریں جاری ہونے کی) اور کچھ بھی نہیں تو تھوڑا بہت ہی روتے (یہ مثال ہے فیخرج منه الماء کی) اور آنکھوں سے آنسو نہ نکلتے تو کم سے کم دل ہی روتا (یہ مثال ہے یهبط من خشية الله کی)۔ (من ابن کثیر)

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں جو کچھ جانتا ہے اس سب کی سزا پاؤ گے دنیا کی کچھ دن کی زندگی کے دھوکے میں نہ آؤ۔

اہل کتاب کے دلوں کی سختی کا قرآن مجید میں اور جگہ بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ سورہ مائدہ میں فرمایا:

﴿فَبِمَا نَقَضْتُمْ مِيثَاقَهُمْ لَعْنَهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً﴾ پھر ان کے ميثاق توڑنے کے باعث ہم نے ان کو ملعون قرار دے دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔

امت محمدیہ ﷺ کو حکم کہ قاسی القلب نہ بنیں:

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو حکم ہے کہ تم اہل کتاب کی طرح سخت دل مت بن جاؤ۔ سورۃ حدید میں ارشاد ہے: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾ کیا ایمان والوں کے لیے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے لیے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے لیے جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے قبل کتاب ملی تھی پھر ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا پھر ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی ان میں سے فاسق ہیں

اپنے گناہوں کو یاد کرنا اور اللہ سے مغفرت چاہنا اور اللہ کے خوف سے رونا، یہ کسی کو حاصل ہو جائے تو بہت بڑی نعمت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کے ڈر سے رویا وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس ہو جائے (جس طرح دودھ تھنوں میں واپس نہیں جاتا اسی طرح یہ شخص دوزخ میں داخل نہ ہوگا)۔ (الترغیب والترہیب)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ نجات کس چیز میں ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھ کر تجھے نقصان نہ پہنچادے اور تیرے گھر میں تیری گنجائش رہے (یعنی بلا ضرورت گھر سے باہر نہ جا) اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔ (اخرجہ الترمذی فی ابواب الزہد)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ چار چیزیں بدبختی کی ہیں۔ (۱) آنکھوں کا جامد ہونا (یعنی ان سے آنسو نہ نکلنا) اور (۲) دل کا سخت ہونا (۳) لمبی لمبی آرزوئیں رکھنا (۴) اور دنیا کی حرص رکھنا۔ (الترغیب ص ۲۴۵ ج ۲ عن البرار)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اے لوگو! روؤ اور رونا نہ آئے تو بتکلف رونے کی کوشش کرو کیونکہ دوزخ والے دوزخ میں اتنا روئیں گے کہ ان کے چہروں پر اس طرح جاری ہوں گے جیسے چھوٹی چھوٹی نہروں میں پانی جاری ہوتا ہے روتے روتے آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون بہنے لگیں گے جس سے آنکھوں میں زخم ہو جائیں گے اور اس قدر کثرت سے خون اور آنسو جمع ہو جائیں گے کہ اگر ان میں کشتیاں چلائی جائیں تو جاری ہو جائیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۴ عن شرح السنۃ) اگر کوئی شخص قبر دوزخ اور حشر کے حالات کا مراقبہ کیا کرے تو آسانی سے سخت دلی دور ہو سکتی ہے اور رونے کی شان پیدا ہو سکتی ہے۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا دل سخت ہے آپ نے فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ (مشکوٰۃ ص ۵۰۴)

کثرت ذکر سے دل نرم ہوتا ہے اور زیادہ بولنے سے سختی آتی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ بات نہ کیا کرو کیونکہ ذکر اللہ کے علاوہ بات کرنا دل کی سختی کا سبب ہے اور بلاشبہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے دور وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔ (رواہ الترمذی)

غیر ذی روح میں حیات ہے سب چیزیں اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتی ہیں:

اس آیت میں پتھروں سے پانی نکلنا اور ان سے نہریں جاری ہونا مذکور ہے اور یہ ایسی بات ہے جو نظروں کے سامنے ہے دنیا میں چشمے ہیں، جھرنے ہیں پہاڑوں سے پانی نکل رہے ہیں عموماً لوگ اس کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ اس بارے میں کسی کوتاہ عمل کو شبہ ہو سکتا ہے کہ ان میں عقل و ادراک نہیں ہے پھر وہ کیسے ڈرتے ہیں اور ڈر کر گر پڑتے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ پتھروں میں اور دوسری جمادات میں ہمارے خیال میں ادراک اور شعور نہیں ہے کیونکہ وہ ہم سے بات نہیں کرتے اور ہمیں وہ احوال معلوم نہیں جو ان پر گزرتے ہیں اور ان کا اپنے خالق سے مخلوق اور مملوک اور عبادت گزار ہونے کا جو تعلق ہے انسان اس سے واقف نہیں ہے۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب چیزوں میں ادراک ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا:

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾ تمام ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو۔ لیکن تم لوگ ان کے پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں بلاشبہ وہ حلیم ہے غفور ہے۔

اور سورہ نور میں فرمایا: ﴿الَّذِينَ تَرَى فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ صَافَاتٍ كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ﴾ ”کیا سمجھو کہ معلوم نہیں اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور پرندے جو پر پھیلائے ہوئے ہیں سب کو اپنی اپنی دعا اور اپنی اپنی تسبیح معلوم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے۔“

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے اللہ! یہ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ (ص

۲۷۵۸۵)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ مکہ مکرمہ میں ایک پتھر ہے جس سے پہچانتا ہوں جن دنوں میں میری بعثت ہوئی وہ مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ (صحیح مسلم ص ۲۲۵ ج ۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں مکہ مکرمہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا ہم ایک دن بعض اطراف مکہ کی طرف نکلے جو بھی درخت یا پہاڑ آنحضرت ﷺ کے سامنے آتا تھا وہ السلام علیکم یا رسول اللہ کہتا تھا۔ (رواہ الترمذی فی ابواب المناقب وقال حسن غریب)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے سات یا نو کنکریاں لیں ان کنکریوں نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی یہاں تک کہ میں نے ان کی ایسی آواز سنی جیسی شہد کی مکھیوں کی بھنھناہٹ ہوتی ہے پھر آپ نے ان کو رکھ دیا تو ان کی گویائی ختم ہو گئی۔ پھر آپ نے ان کنکریوں کو حضرت ابو بکر کے ہاتھ میں رکھ دیا تو ان کے ہاتھ میں بھی ان کنکریوں نے تسبیح پڑھی پھر حضرت عمر کے ہاتھ میں رکھ دیا تو ان کے ہاتھ میں بھی ان کنکریوں نے تسبیح پڑھی پھر حضرت عثمان کے ہاتھ میں رکھ دیا تو ان کے ہاتھ میں بھی ان کنکریوں نے تسبیح پڑھی اور ہر مرتبہ میں نے شہد کی مکھیوں جیسی بھنھناہٹ سنی۔ (جمع الفوائد: ذکر کلام الحیوانات والجمادات)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ جب جنات بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر قرآن سننے لگے تو آنحضرت ﷺ کو کس نے بتایا کہ جنات حاضر ہیں حضرت ابن مسعود نے جواب دیا کہ وہاں جو ایک درخت تھا اس نے آپ کو بتایا۔ (تسخین کمانی جمع الفوائد)

اسطوانہ حنانہ کا قصہ تو مشہور و معروف ہی ہے کہ جب مسجد نبوی کے لیے منبر تیار کر دیا گیا تو آنحضرت سرور عالم ﷺ اس پر خطبہ دینے کے لیے تشریف فرما ہوئے اس سے پہلے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے یہ ستون کھجور کا تنا تھا۔ جب آپ منبر

پر تشریف لے گئے تو کھجور کا یہ تنا چیخنے لگا جیسے بچہ چیختا ہے آپ منبر سے اترے اور اس تنے کو چمٹا لیا اور اس سے ایسی آواز نکلنے لگی جیسے بچہ کی آواز ہوتی ہے جب اسے چپ کرایا جاتا ہے۔ یہ تنا جو اللہ کا ذکر سنا کرتا تھا اس سے محروم ہو جانے کے باعث بچہ کی طرح چیخنے لگا۔ (رواہ فتح الباری ص ۱۷۵۰۶)

حضور ﷺ جہاد کے لیے خیبر تشریف لے گئے وہاں ایک یہودی عورت نے بکری کا ایک ہاتھ بھون کر پیش کیا آنحضرت ﷺ نے اس میں سے تناول فرمایا اور آپ کے بعض صحابہ نے بھی اس میں سے کھایا پھر آپ نے فرمایا آپ لوگ ہاتھ اٹھالیں اور اس یہودی عورت کو بلا کر فرمایا تو نے بکری میں زہر ملایا ہے۔ وہ کہنے لگی آپ کو کس نے بتایا آپ نے فرمایا مجھے بکری کے اس ہاتھ نے بتایا جو میرے ہاتھ میں ہے۔ کہنے لگی ہاں واقعی میں نے زہر ملایا ہے۔ (جمع الفوائد عن ابی داؤد)

حسن حصین میں بحوالہ طبرانی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لیکر آواز دیتا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ اے فلاں کیا تجھ پر کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ کا ذکر کیا ہو۔ وہ دوسرا پہاڑ جواب دیتا ہے کہ ہاں ایک شخص اللہ کا ذکر کرنے والا میرے اوپر گزرا ہے تو وہ سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے۔

ان سب روایات اور واقعات سے معلوم ہوا کہ ہم جن چیزوں کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں ادراک اور احساس و شعور نہیں ہے اس کی وجہ سے یہ ہے کہ ہمیں ان کے اس احساس و ادراک کا پتہ نہیں ورنہ ان میں احساس اور شعور ہے۔ وہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہتی ہیں اور اللہ کا ذکر سن کر خوش ہوتی ہیں۔ اور جب اللہ کی مشیت ہوتی ہے تو ان کو بولنے کی قوت دے دی جاتی ہے۔

قال العارف الرومی

آب و باد و خاک و آتش بندہ اند با من و تو مردہ با حق زندہ اند

أَفَتَطْعَمُونَ أَنْ يَوْمًا مِّنْ أَلْفِ يَوْمٍ وَقَدْ كَانَ فَرِيضَتُهُمْ يَسْمَعُونَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ يَحْرَفُونَهُ مِنْ بَعْدِ

مَا عَقَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵۰﴾

کیا تم لوگ یہ امید رکھتے ہو کہ یہودی تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور حال یہ ہے ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو اللہ کا کلام سنتے رہے ہیں۔ پھر اس میں تحریف کرتے رہے ہیں۔ اس کے بعد کہ وہ اس کو سمجھتے تھے اور جانتے تھے۔

یہودیوں میں عناد ہے ان سے ایمان قبول کرنے کی امید نہ رکھی جائے

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کی یہ امید اور آرزو ختم فرمادی کہ یہودی ایمان لائیں گے اور فرمایا کہ ان کے اسلاف کا یہ حال تھا کہ اللہ کا کلام سنتے تھے۔ پر جانتے بوجھتے اور سمجھتے ہوئے اس میں تحریف کر دیتے تھے اور یہ لوگ ان پر اب تک کوئی نکیر نہیں کرتے اور طریقہ کار کو غلط نہیں بتاتے بلکہ ان سے محبت اور تعلق میں بہت آگے ہیں۔ اور جس طرح ان لوگوں نے اپنے اپنے زمانہ میں آیات بینات کا کھلا مشاہدہ کیا پھر بھی اپنے نبیوں کی تکذیب کی اور اللہ کے کلام کی تکذیب کی اسی طرح یہ لوگ بھی معجزات اور دلائل اور شواہد دیکھتے ہیں لیکن ٹس سے مس نہیں ہوتے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے۔

اس آیت شریفہ میں جو اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر اس میں تحریف کرنے کا ذکر ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اس میں اس واقعہ کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سن لیا تھا۔ لیکن جب قوم کے پاس واپس آئے تو انہوں نے اس کے خلاف بیان دیا جو وہاں سن کر آئے تھے۔ دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے توریت شریف کی تحریف کرنا مراد ہے۔ علماء یہود رشوت لیکر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیتے تھے اگر کوئی شخص رشوت لے آیا تو اس کے مطابق مسئلہ بتا دیا۔

اور جو شخص کچھ بھی نہ لایا اس کو صحیح اور حق بات بتادی۔ یہ لوگ جو ایسی حرکت کرتے تھے جانتے بوجھتے ہوئے کرتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ ہم گناہ کر رہے ہیں۔ پھر بھی اس کو کرتے چلے جاتے تھے۔ اسی تحریف میں یہ بات بھی تھی کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی صفات اور علامات جو توریت شریف میں بیان کی گئی تھیں، ان کو بدل دیا۔ اس میں وہ لوگ بھی مبتلا تھے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھے جو لوگ خود مبتلائے تحریف ہوں اور دوسروں کو ایمان لانے سے روک رہے ہوں وہ خود کیا ایمان لائیں گے؟

وَإِذْ الْقَوَّالِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بِبَعْضِهِمْ إِلَى بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاكِبَكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۴۱﴾ أَوْ لَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۴۲﴾

اور جب ملاقات کرتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب آپس میں ایک دوسرے کے پاس تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم ان کو وہ چیزیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ یہ لوگ ان کے ذریعے اللہ کے پاس حجت میں تم کو مغلوب کر دیں۔ کیا تم سمجھ نہیں رکھتے ہو؟ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

یہودیوں کی منافقت

عام منافقین کا طریقہ تھا کہ مسلمانوں کے سامنے کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور تنہائیوں میں اپنے سرغٹوں سے کہتے تھے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ اسی طرح یہودی منافق بھی مسلمانوں کے سامنے یہ ظاہر کر دیتے تھے کہ ہم ایمان لے آئے اور اسی ظاہر کرنے میں یہ بھی کہہ جاتے تھے کہ توریت شریف میں ایسا ایسا لکھا ہے اور اس میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی بشارت اور آپ کی علامات اور صفات موجود ہیں اور ان علامات اور صفات سے صاف ظاہر ہے کہ آپ واقعی اللہ کے سچے نبی اور رسول ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب اہل مدینہ (اوس اور خزرج) نے یہود مدینہ سے مشورہ کیا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ہماری ملاقات ہوئی ہے اور ہم لوگ ان پر ایمان لائے ہیں اور وہ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لارہے ہیں، ان کے بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے تو سادہ دل یہودیوں نے کہہ دیا کہ ہاں ان پر ایمان لاؤ وہ نبی ہیں۔ پھر جب تنہائیوں میں ایک دوسرے سے ملتے تو آپس میں کہتے کہ تم لوگ عجیب ہو مسلمانوں کے سامنے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتے ہو اور ان کو یہ بھی بتاتے ہو کہ ان کا ذکر اور نعت و صفت توریت شریف میں موجود ہے یہ تو تم اپنے اوپر حجت قائم کر رہے ہو جب قیامت کا دن ہوگا تو مسلمان اللہ پاک کے حضور میں تم پر حجت قائم کر دیں گے اور خود تم اپنے اقرار سے پکڑے جاؤ گے کہ تم نے ان سے تو کہا کہ واقعی نبی ہیں اور خود ان کی نبوت کو نہ مانا تمہارا اقرار خود تم پر حجت ہوگا لہذا ایسی باتیں کیوں کرتے ہو جو تمہارے خلاف حجت بنیں تم اتنی بھی سمجھ نہیں رکھتے خود اپنے اقرار کی چھری سے خود اپنے ذبح کا انتظام کر رہے ہو۔ (درمنثور ص ۸۱ ج ۸ او معالم التنزیل ص ۸۷ ج ۱)

یہ کیسی بیوقوفی کی بات ہے کہ مسلمانوں پر حق ظاہر کر کے خود اس کے خلاف کرو گے تو قیامت کے دن مسلمان تم پر حجت قائم کریں گے اور دلیل سے مغلوب کر دیں گے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ مواخذہ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے وہ سب کچھ جانتا ہے جو دلوں میں ہے اسے اس کا بھی پتہ ہے اور جو کچھ ظاہر کر رہے ہیں وہ اس سے بھی باخبر ہے۔ اگر مسلمانوں سے حق کو چھپایا تو اللہ پاک کے حضور میں اس وجہ سے کفر کے عذاب سے کیونکر خلاصی ہوگی کہ ہم نے مسلمانوں کو صحیح بات نہ بتائی تھی۔ جب شقاوت کسی کو گھیر لیتی ہے تو وہ جان بوجھ کر اسی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِي وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۴۹﴾

اور ان میں ایسے ہیں جو ان پڑھ ہیں کتاب کا علم نہیں رکھتے۔ سوائے آرزوؤں کے اور وہ لوگ صرف گمانوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہودیوں کی جھوٹی آرزوئیں

اس آیت میں یہودی جاہل ان پڑھ عوام کا تذکرہ فرمایا ہے یہ لوگ نہ تو ریت شریف پڑھ سکتے تھے نہ اور کسی طرح کا علم رکھتے تھے البتہ جھوٹی آرزوؤں میں الجھے ہوئے تھے۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہمیں جنت میں ضرور جانا ہے اگر عذاب بھی ہوا تو تھوڑے سے دن دوزخ میں رہیں گے اور ہم انبیاء کرام علیہم السلام کی نسل سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب ہیں اس کی اولاد ہیں اور نبوت صرف ہمارے ہی اندر رہ سکتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ اور بہت سی جھوٹی آرزوؤں میں مبتلا تھے خیالات کی دنیا میں پڑے ہوئے تھے اور اپنی نجات اور اللہ کے ہاں محبوب ہونے کے خیالی پلاؤ پکار کھے تھے۔ ان کے خیال میں نہ اللہ کے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھٹلانے سے ان کے محبوب عند اللہ ہونے میں فرق آتا تھا اور نہ سود کھانے سے ان کی دینداری کو بڑھ لگتا تھا نہ کسی طرح کے کسی بھی برے عمل سے ان کو آخرت کا فکر لاحق ہوتا تھا۔ اپنے بارے میں جو جھوٹی آرزوئیں لیے بیٹھے تھے اور جو خوش کن گمانوں کی دنیا بسائے ہوئے تھے اسی میں مست تھے۔

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا

قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿۴۹﴾

سو بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جو کتاب کو لکھتے ہیں اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعہ خرید لیں تھوڑی سی قیمت، سو بڑی ہلاکت ہے ان کے لیے بوجہ اس کے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے۔ اور بڑی ہلاکت ہے ان کے لیے اس کی وجہ سے جسے وہ کسب کرتے ہیں۔

علمائے یہود کا غلط مسائل بتانا اور رشوت لینا

اس آیت شریفہ میں یہودی علماء کی بد عملی اور دھاندلی اور حب دنیا کی وجہ سے ان کی بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے عوام جب علماء کے پاس جاتے تھے اور ان سے مسائل معلوم کرتے تھے اور ساتھ ہی رشوت بھی دیتے تھے تو وہ لوگ مسائل کی رضا جوئی کے لیے اس کی مرضی کے مطابق مسئلہ بتا دیتے تھے، خود اپنے ہاتھ سے مسئلہ لکھ دیتے تھے اور عوام کو باور کراتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تو ریت شریف میں یوں ہی نازل ہوا ہے جو شخص رشوت نہ لاتا اس کے لیے مسئلہ میں ادل بدل نہیں کرتے تھے۔ ان کے علماء تحریف کتاب اللہ کے مجرم بھی تھے اور رشوت خوری کے گناہ میں بھی مبتلا تھے۔ اللہ جل شانہ، نے ان کا حال بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ان کے لیے دونوں وجہ سے ہلاکت اور بربادی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کی وجہ سے بھی اور اس وجہ سے بھی کہ وہ حرام مال کماتے ہیں۔ اور باقی رہنے والی آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں حقیر دنیا کی کچھ نقدی لینے پر راضی ہیں۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اپنے عوام کو بھی اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور صفت جو تو ریت شریف میں موجود پاتے تھے اسے واضح طور پر بتاتے تو اس میں ممکن تھا کہ ظاہری دنیا میں کمی ہو جاتی لیکن آخرت کے ثواب سے مالا مال ہو جاتے لیکن انہوں نے حقیر دنیا کو ترجیح دی۔ اور تھوڑے سے فانی کے مقابلہ میں آخرت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور مستحق عذاب ہوئے۔ ان کے عوام میں اگرچہ بے پڑھے لوگ بھی تھے لیکن اتنا تو ہر عقلمند سمجھتا ہے کہ جو شخص پیسے لے کر ایک بات بتایا ہے اور جو پیسہ نہ دے اسے دوسری بات بتاتا ہے ایسا شخص کیسے اہل حق ہو سکتا ہے ایسے شخص پر دین میں اعتماد کرنا سراسر حماقت ہے جس میں سراسر ہلاکت ہے۔

وَقَالُوا لَنْ تَسْنَا النَّارَ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً ۗ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلَفَ اللَّهُ
عَهْدَكُمْ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۵۰﴾

اور انہوں نے کہا کہ ہم کو ہرگز آگ نہ چھوئے گی مگر چند دن کنتی کے، آپ فرمائیے کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے لیا ہے، سو اللہ تعالیٰ اپنے عہد کے خلاف نہ کرے گا یا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگا رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔

یہود کی جھوٹی خوش گمانی کہ دوزخ میں صرف چند دن کے لیے جائیں گے

اس آیت شریفہ میں یہودیوں کا ایک اور دعویٰ اور اس کی تردید مذکور ہے۔ یہودیوں کا یہ جھوٹا دعویٰ تھا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی شریعت منسوخ نہیں ہوگی اور اپنے بارے میں سمجھتے تھے کہ ہم اسی شریعت پر قائم رہیں گے لہذا ہمیں عذاب کیوں ہونے لگا۔ اور عذاب ہوگا تو صرف چالیس دن عذاب ہوگا یعنی جتنے دن ہمارے آباؤ اجداد نے پچھڑے کی عبادت کی ہے اتنے ہی دن عذاب میں گرفتار ہوں گے اس کے بعد دوزخ سے نکل جائیں گے۔ اور حضرت ابن عباس سے یوں منقول ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور ہر ہزار سال کے بدلہ ہم کو ایک دن دوزخ میں عذاب بھگتنا ہوگا۔ اور گئے چنے سات دن ہوں گے جو زیادہ نہیں ہیں۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ ہم کچھ دن دوزخ میں رہیں گے پھر ہم دوزخ سے نکل آئیں گے اور ہماری جگہ مسلمان دوزخ میں چلے جائیں گے۔ غزوہ خیبر کے موقع پر جب ایک یہودی عورت نے زہر ملا بکری کا گوشت حضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا اس وقت آپ نے ان سے جو سوال و جواب کئے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ آپ نے دریافت فرمایا کہ دوزخ کون ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم دوزخ میں تھوڑا سا وقت گزاریں گے پھر آپ لوگ اس میں ہمارے بعد داخل ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا دور ہو جاؤ اللہ کی قسم ایسا کبھی نہ ہوگا کہ تم اس میں سے نکل جاؤ اور تمہارے بعد ہم اس میں چلے جائیں۔ مفسر ابن کثیر نے یہ روایات لکھی ہیں اور آخری بات جس میں خیبر کی گفتگو مذکور ہے اس کو بحوالہ مسند احمد و صحیح بخاری نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث ص ۸۶۰ ج ۲ پر مذکور ہے۔

پہلی آیت میں یہودیوں کی آرزوؤں اور خوش گمانیوں کا جو ذکر تھا ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم دوزخ میں چند دن ہی جائیں گے۔ وہ یہ جانتے ہوئے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے سچے رسول ہیں آپ پر ایمان نہ لائے اور یہ جانتے ہوئے کہ کسی نبی کو نہ ماننا کفر ہے اور کفر کی سزا دائمی جہنم ہے طرح طرح کے جھوٹے دعوے کرتے تھے اور ان کے دعوے اور آرزوئیں سب خود ساختہ تھے جن کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی۔ بے سند باتیں کرتے تھے اور انہی باتوں میں مست تھے۔ اسی لیے اللہ جل شانہ، نے ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا﴾ (الایۃ) کہ اے محمد ﷺ آپ ان سے فرمادیں کہ یہ جو کچھ تمہارا دعویٰ ہے کہ ہم صرف چند دن دوزخ میں رہیں گے اس کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے کیا اللہ تعالیٰ سے تم نے کوئی عہد لیا ہے جس کی بنیاد پر تم ایسی باتیں کر رہے ہو؟ اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے عہد کے خلاف نہیں فرماتا لیکن تم سے اس کا کوئی عہد نہیں ہے خود اپنے پاس سے اللہ کی طرف ان باتوں کی نسبت کرتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں۔ اپنی طرف سے اپنے بارے میں کوئی بھی شخص کوئی بھی خیال اور گمان کر کے بیٹھ جائے اور اسی پر بھروسہ کر لے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی سند اور دلیل نہ ہو تو اس کا گمان اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔ کفر کی سزا بہر حال ملے گی خواہ کیسی ہی خوش فہمی میں مبتلا ہو۔ یہودیوں کی حماقت تو دیکھو کہ خود اپنے اقرار سے دوزخ میں جانے کو تیار نہیں جبکہ یہ جانتے ہیں کہ دوزخ میں ایک سیکنڈ کا عذاب بھی بہت بڑا ہوگا جس کی برداشت کسی کو نہیں ہو سکتی۔ دنیا کی آگ کی ایک چنگاری تھوڑی سی دیر کے لیے ہاتھ میں لینے کو کوئی بھی شخص تیار نہیں اور دوزخ میں جانے کو بڑی اہمیت اور حوصلے کے ساتھ تیار ہیں۔ جبکہ دوزخ کی آگ کی گرمی دنیا کی آگ سے اہتر درجے زیادہ گرم ہے۔ (کما فی روایۃ الصحیحین)

جس طرح یہود جھوٹی آرزوؤں اور خود تراشیدہ اوہام و خیالات کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اسی طرح آج کل بہت سے فرقے ایسے

ہیں جو اسلام کے دعویدار ہیں۔ لیکن کفریہ عقائد کے حامل ہیں مثلاً قرآن کی تحریف کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے العیاذ باللہ ہمارے امام کے اندر حلول کیا ہے اور بہت سے لوگ جھوٹے نبی کی امت بنے ہوئے ہیں اور ان سب کو اپنی نجات کی خوش گمانی ہے حالانکہ یہ لوگ قرآنی تصریحات کے مطابق دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ بہت سے پیر فقیر جو بالکل بے عمل بلکہ بد عمل ہیں وہ صرف اس بنیاد پر اپنی نجات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ کسی بزرگ کی اولاد میں ہیں اپنی خوش گمانی اور جھوٹی آرزو سے کچھ نہیں ہوتا نجات کے لیے عقیدہ اور عمل صحیح ہونا ضروری ہے جو قرآن و حدیث کے مطابق ہو، بے سند آرزو اور بے خوش گمانی آخرت کی بربادی کا ذریعہ ہے۔ کئی کی نسل میں ہونے سے نجات نہ ہوگی۔ بنی اسرائیل بھی تو انبیاء کی اولاد ہیں پھر بھی دوزخی ہیں خوب سمجھ لیا جائے۔

دور حاضر کے کافروں کی خوش گمانی:

جس طرح یہودی اپنے بارے میں خیالی دنیا اور خوش گمانی میں مبتلا ہیں اسی طرح دور حاضر کے مذاہب والے جو یہودیوں کے علاوہ ہیں وہ بھی اپنے بارے میں خوش گمانیوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے خود ساختہ عقائد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس کوئی سند نہیں کہ وہ جس دین پر ہیں وہ ذریعہ نجات بنے گا۔ مشرکین اور بت پرست اپنی مکتی اور نجات کا عقیدہ لیے پھرتے ہیں اور الٹا موحدین مسلمین کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کی نجات نہ ہوگی۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۱﴾
 الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۲﴾

ہاں جس نے گناہ کیا اور اس کے گناہ نے اس کو گھیر لیا تو ایسے لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اصحاب الجنتہ کون ہیں اور اصحاب النار کون ہیں؟

ان دو آیتوں میں جنتی اور دوزخی ہونے کا ضابطہ بتایا ہے اور ساتھ ہی ایک دوسرے طریقہ سے یہودیوں کے اس دعوے کی تردید بھی ہے جو اوپر کی آیت میں مذکور تھا۔ پہلی آیت میں یوں فرمایا کہ تمہارے پاس اپنے دعوے کی کوئی دلیل نہیں اور اللہ کی طرف سے تمہارے پاس کوئی سند نہیں ہے، اور ان دو آیتوں میں جو ضابطہ جنت اور دوزخ کے داخلے کا ذکر فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ تم لوگ ضابطہ کے مطابق ان لوگوں کے زمرہ میں آتے ہو جن کو ہمیشہ دائمی عذاب ہوگا۔

ارشاد فرمایا کہ تم یہ جو کہتے ہو کہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے صرف چند دن عذاب ہوگا تمہاری بات غلط ہے۔ تم ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہو۔ ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص برائی کرے اور اس کی برائی ہر طرف سے اس کو گھیر لے کہ وہ کفر اختیار کرے جو سب سے بڑی برائی ہے تو وہ دوزخ والا ہے اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ تم لوگ خاتم النبیین ﷺ کی نبوت اور رسالت کے منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہو لہذا ضابطہ کے مطابق ہمیشہ دوزخ میں رہو گے اور اہل جنت وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جنہوں نے اللہ کے سب نبیوں کو مانا خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم کو مانا اور اعمال صالحہ انجام دیئے۔ یہ حضرات ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ
 وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا
 مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۸۳﴾

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے مضبوط عہد لیا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو گے اور والدین کے ساتھ اور قرابت داروں اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور عام لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا، پھر تم نے روگردانی کی مگر تم میں سے تھوڑے سے لوگوں نے، اور تم اعراض کرنے والے ہو۔

بنی اسرائیل سے عہد و پیمان اور ان کا انحراف

اس آیت شریفہ میں تو ریت شریف کے چند احکام مذکور ہیں بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے پختہ عہد لیا تھا کہ تم ان سب کاموں کو کرنا انہوں نے عہد کر لیا۔ لیکن ان میں سے تھوڑے سے آدمیوں کے علاوہ اس عہد سے پھر گئے اور عہد کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ ان کے عہد سے پھر جانے کا ذکر فرمانے کے بعد یہ بھی فرمایا کہ و أنتم معرضون کہ اے یہودیو! تمہاری عادت اور مزاج ہی یہ ہے کہ حق سے اور قول و قرار سے اور اطاعت سے اعراض کیا کرتے ہو۔ اور خاص طور سے زمانہ نزول قرآن کے یہودیوں کو مخاطب فرمایا کہ تم بھی اپنے آباؤ اجداد کے طریقے پر ہو اور قبول حق سے اعراض کئے ہوئے ہو۔ آیت شریفہ میں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے۔ اور پھر والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور رشتہ داروں اور یتیموں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم فرمایا اور لوگوں سے اچھی باتیں کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا۔ ان چیزوں کا سابقہ امتوں کو بھی حکم تھا اور یہ ایسی چیزیں ہیں جن پر نسخ وارد نہیں ہوا۔ امت محمدیہ بھی ان سب چیزوں کی مامور ہے۔ سورۃ نساء میں فرمایا کہ ﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی۔ اور یتیموں کے ساتھ بھی اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور قریب والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور کے اہل قرابت کے ساتھ بھی، اور برابر میں ساتھ بیٹھنے والے کے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں)

نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے۔ سورۃ بقرہ کے شروع ہی میں متقیوں کی صفات میں ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ پھر سورۃ بقرہ کے پانچویں رکوع میں اقامت الصلوٰۃ اور اداء زکوٰۃ کا حکم مذکور ہے اور اسی سورۃ بقرہ کے تیرہویں رکوع میں بھی ان دونوں کا حکم فرمایا ہے اور بھی جگہ جگہ نماز اور زکوٰۃ کی اہمیت اور تاکید قرآن مجید میں مذکور ہے۔ یہ جو فرمایا ﴿وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ اس میں بہت عموم ہے اور یہ بہت سے احکام پر مشتمل ہے اول تو یہ فرمایا کہ لوگوں سے اچھی باتیں کہو اس عموم میں مومن کافر نیک و بد سب قسم کے انسان آ گئے پھر اچھی بات میں سب کچھ آ گیا نیکوں کی راہ بتانا برائی سے روکنا نصیحت میں نرمی اختیار کرنا گفتگو میں بڑوں کا ادب ملحوظ رکھنا اور مسلح بتانا اور سچ بات کہنا کسی کو دھوکا نہ دینا۔ حقوق کی وصول پابی میں نرم کلمات استعمال کرنا اور اس طرح کے بہت سارے احکام پر یہ کلمہ مشتمل ہے۔ اس میں یہودیوں سے یہ بھی مطالبہ ہے کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی نعت اور صفت جو تو ریت میں مذکور ہے اسے واضح طور پر ظاہر کریں اور حق اور حقیقت کو نہ چھپائیں۔ مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ مذکورہ احکام کی پاسداری کریں اور ان سے اعراض کر کے روگردانی نہ کریں اور ﴿وَأَنْتُمْ مُعْرِضُونَ﴾ کا مصداق نہ بنیں۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تَخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فِرْيَاقًا مِنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِنْ يَأْتِوكُمْ أُسْرَىٰ تَفْدُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ ۚ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مِنْكُمْ

إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُونَ ﴿۸۵﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۗ فَلَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ
يُنصَرُونَ ﴿۸۶﴾

اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ تم آپس میں خونریزی نہ کرو گے اور ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے نہ نکالو گے پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کی گواہی بھی دیتے ہو، پھر تم وہ لوگ ہو جو قتل کرتے ہو اپنی جانوں کو اور نکالتے ہو اپنوں میں سے ایک جماعت کو ان کے گھروں سے، ان کے مقابلہ میں مدد کرتے ہو گناہ اور زیادتی کے ساتھ، اور اگر وہ آجائیں تمہارے پاس قیدی ہونے کی حالت میں تو تم انکی جان کا بدلہ دیکر چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کا نکالنا تم پر حرام تھا۔ کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض کے منکر ہوتے ہو۔ سو کیا جزا ہے اسکی جو تم میں سے ایسا کام کرے سوائے اس کے کہ دنیاوی زندگی میں رسوا ہو، اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں چھچھادیئے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلہ مول لے لیا، سونہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

یہودیوں کی ایک خاص خلاف ورزی کا تذکرہ

ان دونوں آیتوں میں یہودیوں کے ایک اور عہد اور قول و قرار کا اور پھر ان کی عہد شکنی کا تذکرہ فرمایا۔ زمانہ نزول قرآن کے وقت جو یہودی تھے ان کو اس قول و قرار کا بھی پتہ تھا جو یہودیوں سے لیا گیا تھا اور ان سے جو عہد شکنی اور خلاف ورزی سرزد ہوتی رہی تھی وہ بھی ان کے علم میں تھی ان سے اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا اور ان کو عہد شکنی یاد دلائی اور ان کی دنیا و آخرت کی سزا بھی بتائی اور ساتھ ہی ساتھ اس میں حضرت خاتم النبیین ﷺ کی نبوت اور رسالت پر بھی دلیل قائم ہو گئی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہمارے اس قول و قرار اور عہد اور اس کی خلاف ورزی کا علم آپ کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوا ہے سب کچھ جاننے کے باوجود آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

پہلے گزر چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو بڑے قبیلے بنی نضیر اور بنی قریظہ آباد تھے اور دو تو میں یمن سے آکر آباد ہو گئی تھیں ان میں سے ایک قبیلہ کا نام اوس تھا اور دوسرے کا نام خزرج تھا، یہ دونوں قبیلے بت پرست تھے اور یہودیوں کے دونوں قبیلے اپنے کو دین سماوی پر سمجھتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی پابندی کا دم بھرتے تھے۔ اس زمانے میں عرب کا کچھ ایسا مزاج تھا کہ لڑائی کے بغیر گزارہ ہی نہیں ہوتا تھا۔ جب اوس اور خزرج میں لڑائی ہوتی تھی تو بنو قریظہ اوس کی مدد کرتے تھے اور بنو نضیر خزرج کے حمایتی بن جاتے تھے اس میں جہاں اوس اور خزرج کے افراد مارے جاتے اور گھریا چھوڑنے پر مجبور ہوتے وہاں یہودیوں کے دونوں قبیلوں کے افراد بھی مارے جاتے تھے اور بہت سے افراد ترک وطن پر مجبور ہو جاتے تھے۔

اور جب بنی نضیر اور بنی قریظہ کے کسی فرد کو دشمن قید کر لیتا تو اس کے چھڑانے کے لیے ان کی دونوں جماعتیں پیسے خرچ کرنے کے لیے تیار ہو جاتی تھیں جب ان سے کوئی پوچھتا کہ تم اس کو کیوں چھڑا رہے ہو تمہاری حرکت سے تو وہ دشمن کے قبضے میں گیا ہے اور ترک وطن پر مجبور ہوا ہے۔ تو جواب دیتے تھے کہ ہم کو شریعت موسوی میں یہ حکم دیا گیا کہ جب کسی کو قیدی دیکھو تو اسے رہائی دلا دو۔ لہذا ہم اس حکم کی پابندی کرتے ہیں وہ اس حکم پر عمل کرنے کو تیار تھے کہ قیدی کو رہائی دلا دو۔ لیکن جس وجہ سے وہ گھر سے بے گھر ہوا اور دشمن کے چنگل میں پڑ کر قیدی ہوا اس کے اختیار کرنے یعنی اپنوں کے مقابلہ میں جنگ کرنے والوں کی مدد سے پیچھے نہیں ہلتے تھے۔ ان سے کہا جاتا تھا کہ تم یہ کیا کرتے ہو تم خود ہی اپنوں کے مقابلہ میں مددگار بنے اور اس قتال کی وجہ سے تمہارا آدمی گرفتار ہو کر قیدی ہوا، اب اس کے چھڑانے کو تیار ہو۔ اس کا جواب یہ دیتے تھے کہ چونکہ اوس اور خزرج ہمارے حلیف ہیں اس لیے ان کی مدد کرنے پر مجبور ہیں۔ اللہ جل شانہ نے اسی کو بیان فرمایا کہ:

﴿اَفْتُوْا مَنْوَنَ بَبْعُضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضِ﴾ ”کیا تم کتاب کے بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض پر ایمان نہیں رکھتے۔“ کیا توریت شریف میں قیدی کے چھڑانے ہی کا حکم ہے اور کیا آپس کا قتل و قتال اور ایک دوسرے کو جلاوطن کرنا توریت شریف میں ممنوع نہیں ہے؟ یعنی قتل و قتال کی ممانعت پر تو عمل نہ کیا اور قیدی کو چھڑانے کے لیے پیسے خرچ کرنے کو تیار ہو گئے۔ حالانکہ اس کا قیدی ہونا قتل و قتال کی بنیاد پر ہے۔ نہ قتل و قتال کرتے نہ یہ قیدی ہو کر آتا۔ لہذا معاملہ شریعت موسوی کا نہ رہا بلکہ اپنی طبیعت کا رہا۔ جس حکم کو چاہا مانا اور جس حکم کو چاہا نہ مانا، جس حکم کو مانا اسے ایمان سے اور جس حکم کو نہ مانا اسے کفر سے تعبیر فرمایا اگر دل سے کسی حکم قطعی کا منکر ہو جائے تب تو کافر ہو ہی جاتا ہے اور اگر دل سے منکر نہ ہو لیکن عمل حکم کے خلاف ہو تو اس عمل کا کرنے والا گناہ کا مرتکب تو ہو ہی جاتا ہے جو منکروں اور کافروں کا طریقہ ہے۔ یہودیوں کی مذکورہ بالا بے عملی کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا کہ ایسے لوگوں کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں ان کے لیے عذاب ہے ہی۔ چنانچہ بنو نضیر مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل ہوئے مدینہ منورہ سے خیبر کو نکال دیے گئے اور پھر خیبر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو نکال دیا، اور در بدر مارے مارے پھرتے رہے۔ اور بنی قریظہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

آخر میں فرمایا کہ ان لوگوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلہ مول لے لیا۔ سو آخرت میں ان کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی اور نہ ان کی کسی طرح کی کوئی مدد ہوگی۔ کوئی حامی مددگار طرفدار وکیل مختار موجود نہ ہوگا جو ان کی کچھ مدد کر سکے۔

مسلمانوں کی تنبیہ جو پورے دین پر عمل کرنے کو تیار نہیں!

جو حال یہودیوں کا تھا وہی آج مسلمانوں کا ہے۔ وہ بھی کتاب اللہ کے بعض حصے پر عمل کرتے اور بعض پر عمل نہیں کرتے، جو لوگ بے عمل ہیں وہ تو درکنار جو لوگ بظاہر دین دار ہیں ان کی دینداری بھی نماز روزہ اور دو چار کاموں تک محدود ہے۔ حرام ذریعہ سے مال کمانا اور حرام محکموں میں ملازمت کرنا، رشوتیں دینا اور رشوتیں لینا، میراث کا مال کھا جانا، بہنوں کو اور یتیموں کو اور بیواؤں کی میراث کا شرعی حصہ نہ دینا، بیاہ شادی اور مرنے جینے میں غیر اسلامی طور طریق اختیار کرنا، اس طرح کے امور میں دینداری کے دعویدار بھی مبتلا ہیں۔ بہت سے لوگ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ حج بھی کر لیتے ہیں لیکن ان کے سامنے اسلامی تعزیرات حدود اور قصاص نافذ کرنے کی بات آتی ہے تو ٹھٹھک کر رہ جاتے ہیں اور اس کے نفاذ کے لیے ہاں کرنے کو تیار نہیں۔ حاکم اور محکوم دونوں ہی انکاری ہیں۔

وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ مَّعۡرُوفٍ بِالرُّسُلِ ۗ وَاَتَيْنَا عِيسٰى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ
وَاَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ اَفَكَلَبَا جَاۗءَكُمۡ سَاسُوۗلٌۭ بِمَا لَا تَهۡمٰى اَنۡفُسُكُمۡ اسۡتَكْبَرۡتُمۡ فَفَرِقۡنَا
كَلِمٰتِكُمۡ وَفَرِقۡنَا قَتْلُوۡنَ ﴿۸۷﴾

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے بعد پے در پے رسول بھیجے، اور دیئے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح دلائل، اور ان کی تائید کی ہم نے روح القدس کے ذریعہ سے۔ کیا جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لایا جو تمہارے نفسوں کو گوارا نہ تھے تو تم نے تکبر کیا۔ سو ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کرتے رہے ہو۔

یہودی بعض نبیوں کی صرف تکذیب کرتے تھے اور بعض کو قتل کر دیتے تھے

اس آیت شریف میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی (یعنی توریت شریف) اور ان کے بعد بھی رسول بھیجتے رہے اور عیسیٰ بن مریم کو کھلے کھلے معجزات دیے جو ان کی نبوت اور رسالت پر واضح دلائل تھے۔ مردوں کو زندہ کرنا۔ مٹی سے پرندہ کی صورت بنا کر اس میں پھونک دینا جس سے پرندہ ہو کر اڑ جانا، مادرزاد اندھے اور برص والے کو اچھا کر دینا اور غیب کی باتیں بتا دینا، اور روح القدس یعنی حضرت

جبریل علیہ السلام کے ذریعے ان کی تائید کرنا۔ یہ سب امور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور رسالت کے لیے واضح دلائل تھے۔ سورہ آل عمران میں ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا ﴿وَلَا جُنْحَ لَكُمْ بِبَعْضِ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجُنْتُمْ بِآيَةِ مِنْ رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا﴾ (یعنی میں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کرتا ہوں جو تم پر (توریت شریف میں) حرام کر دی گئی تھیں اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے معجزہ لے کر آیا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو) بعض احکام انہوں نے ایسے بتائے جن سے توریت شریف کے بعض احکام منسوخ ہو گئے تو اس پر یہودی ان کے دشمن ہو گئے قتل تو نہ کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اوپر اٹھالیا لیکن ان سے پہلے دیگر انبیاء علیہم السلام کو قتل کر چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور تکذیب پر اس لیے آمادہ ہو گئے کہ جو احکام انہوں نے بتائے ان کے نفسوں کی خواہش کے خلاف تھے۔ اور انہوں نے نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی بلکہ بہت سے نبیوں کو انہوں نے جھٹلایا۔ اور بہت سے نبیوں کو قتل بھی کیا۔ خدا جانے انہوں نے کتنے نبیوں کو قتل کیا اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے قتل اور تکذیب کے درپے یہودی اس لیے ہو جاتے تھے کہ جو احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتاتے تھے وہ ان کے نفسوں کو نہیں بھاتے تھے اور ان کی طبیعت کے خلاف ہوتے تھے۔ لہذا وہ ان کی تکذیب تو کرتے ہی تھے قتل بھی کر دیتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ قتل کا تذکرہ فرماتے ہوئے مضارع کا صیغہ تقتلون لایا گیا ہے۔ قتلتم صیغہ ماضی کا نہیں لایا گیا۔ اس میں اس پر دلالت ہے کہ آئندہ بھی تم سے ایسی حرکت سرزد ہوگی چنانچہ انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا اور خیبر میں بکری کے گوشت میں زہر ملا کر پیش کر دیا جسے آپ نے تناول فرمایا اور پھر موت کے قریب اس زہر کے اثر سے ایک رگ کٹ گئی جو موت کا سبب بنی جیسا کہ مشکوٰۃ ص ۵۲۸ میں مذکور ہے، اس آیت شریفہ میں تصریح ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان بھی انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں ان حضرات میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہم السلام کا ذکر تو قرآن مجید میں موجود ہے اور بعض حضرات کے اسماء گرامی قرآن مجید میں نہیں ہیں۔ تفسیر کی بعض کتابوں میں لکھے ہیں لیکن کسی صحیح روایت سے ان اسماء کا ثبوت نہیں ملتا۔ تفسیر درمنثور ص ۸۶ ج ۱ میں حضرت ابن عباس سے بعض حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء گرامی نقل کئے ہیں۔ مثلاً شمویل حزقیل۔ ہم اللہ کے سب نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اگرچہ سب کے نام سب کا زمانہ بعثت ہمیں معلوم نہیں، اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم نے روح القدس کے ذریعے عیسیٰ بن مریم کی تائید کی اس تائید سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں علامہ نسفی فرماتے ہیں کہ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کو اوپر اٹھالیا اور تفسیر جلالین میں ہے کہ حضرت جبریل ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اور حفاظت فرماتے تھے روح القدس قرآن وحدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کا لقب ہے، سورہ نحل میں فرمایا ﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ﴾ اور حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حسان کو دعای اللہم آیدہ بروح القدس۔ (رواہ مسلم ص ۳۰۰ ج ۲)

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾

اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں۔ بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کو اللہ نے ملعون قرار دے دیا سو بہت کم ایمان لاتے ہیں۔

یہودیوں کا کہنا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں، اور اس کی تردید

یہودی اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے اور خاتم النبیین ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تھے آپ کی سچائی کی علامات اور معجزات دیکھ کر بھی منحرف تھے اور اس گمراہی کو اپنے لیے کمال اور باعث فخر سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ایمان لانے والے نہیں ہیں ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور پردے پڑے ہوئے ہیں کسی کی بات ہمارے دلوں میں اثر نہیں کر سکتی اور اپنے دین کے علاوہ ہم کوئی دوسرا دین قبول نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ شانہ، نے ان کی تردید فرمائی۔ کہ یہ بات کو سنتے اور سمجھتے ہیں اور حق بھی جانتے ہیں لیکن حق سے ان کو تنفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملعون

قرار دیدیا ہے لعنت اور پھٹکار میں گرفتار ہیں دلوں پر پردے اور غلاف کچھ نہیں کفر کی پھٹکار اور لعنت کے سبب ایمان سے محرومی ہے۔ سورۃ مائدہ میں فرمایا کہ ﴿بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر ماردی۔ غرض یہ ہے کہ کفر میں ان کی پختگی لعنت اور پھٹکار اور دلوں پر مہر لگ جانے کے سبب سے ہے جس پر وہ فخر کر رہے ہیں قبحہم اللہ۔ یہ جو فرمایا کہ بہت کم ایمان لاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی تھا لیکن تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کا جو حکم دیا گیا تھا جن میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی بھی ہے اس سے منکر ہو گئے۔ ایک نبی کی تکذیب بھی کفر ہے تھوڑا سا ایمان آخرت میں کام نہیں دے گا۔ بعض مفسرین نے ﴿فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ﴾ کا یہ معنی بھی بتایا ہے کہ ان میں سے بہت کم لوگ ہوں گے جو ایمان لائیں گے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۗ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۗ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَ مَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ أَن يَكْفُرُوا بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ بَعِيًّا ۗ إِنَّ يُنَزِّلُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۗ قَبَاً ۗ وَبِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۹۰﴾

اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب پہنچی وہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے اور حال یہ تھا کہ اس سے پہلے وہ کافروں کے مقابلہ میں فتح یا بی طلب کرتے تھے پس جب وہ چیز ان کے پاس آگئی جس کو پہچان لیا تو اس کے منکر ہو گئے۔ سو اللہ کی لعنت ہے کافروں پر، بری چیز ہے وہ جس کو اختیار کر کے اپنی جانوں کو خرید لیا یہ کہ کفر کریں اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے اتارا حسد کرتے ہوئے اس بات پر کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں جس پر چاہے نازل فرمائے، سو وہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے اور کافروں کے لیے عذاب ہے ذلیل کرنے والا

یہودیوں نے جانتے بوجھتے ہوئے عناد اور ضد کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودی اس لیے آکر آباد ہو گئے تھے کہ نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت ہوگی تو ہم ان کا اتباع کریں گے۔ یہ لوگ اپنے کو موحد سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ ہم دین سماوی کے حامل ہیں، اوس اور خزرج کے قبیلے بھی یمن سے آکر مدینہ منورہ میں آباد ہوئے تھے۔ یہ لوگ بت پرست مشرک تھے۔ یہودیوں سے ان لوگوں کی جنگ ہوتی رہتی تھی اور یہودی ان سے کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزمان ﷺ تشریف لائیں گے ان کی بعثت کا زمانہ قریب آچکا ہے ہم ان پر ایمان لا کر ان کے ساتھ ہو کر تم سے جہاد کریں گے اور اس وقت تمہارا ناس کھودیں گے اور قوم عاد کی طرح تمہارا قتل عام کریں گے۔ بلکہ بعض روایات میں ہے کہ یہودی یہ دعا کیا کرتے تھے اے اللہ اس نبی کی بعثت فرما جس کے مبعوث ہونے کا ہماری کتاب میں ذکر ہے تاکہ ہم اس کے ساتھ مل کر عرب کے مشرکوں کو قتل کریں۔ یہ لوگ نبی آخر الزمان ﷺ کی نعت اور صفت جانتے تھے جو تورات شریف میں مذکور تھی آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوگی اور آپ مدینہ منورہ میں بھی تشریف لے آئے اور یہودیوں نے آپ کو ان علامات اور صفات کے ذریعہ پہچان بھی لیا جو ان کے علم میں تھیں کہ یہ واقعی نبی آخر الزمان ہیں ہم جن کے انتظار میں تھے انہوں نے آپ کے معجزات بھی دیکھتے اور سب کچھ دیکھتے ہوئے آپ کی نبوت اور رسالت کے منکر ہو گئے۔ ان کو اوس اور خزرج کے بعض افراد نے توجہ بھی دلائی اور کہا کہ اے یہود! تم اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو تم تو یہ کہا کرتے تھے نبی آخر الزمان ﷺ

تشریف لانے والے ہیں تم ان کی صفات بھی بیان کرتے تھے اور ہم سے یوں کہتے تھے کہ ہم نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لا کر ان کے ساتھ مل کر تمہیں مغلوب اور مقہور کر دیں گے۔ لہذا اب تم حق کو قبول کرو نبی آخر الزمان پر ایمان لاؤ اور مسلمان ہو جاؤ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں ہم جس کے انتظار میں تھے وہ تو ہم ہی میں سے ہوگا۔ عرب میں سے نہیں ہوگا۔ جانتے پہچانتے ہوئے منکر ہو گئے اور یہ حسدان کو کھا گیا کہ نبی عرب میں سے کیوں آیا۔ اس آیت میں ان کے اسی انکار اور حق سے انحراف کرنے کا تذکرہ ہے اور آخر میں یہ فرمایا ہے کہ کافروں پر اللہ کی لعنت ہے جو حق اور حقیقت کو جانتے ہیں پھر بھی اس کے ماننے سے منکر ہیں۔ (من ابن کثیر ص ۸۲۲ ج ۱)

کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی صفت بیان کرتے ہوئے یہ جو فرمایا کہ ﴿مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ﴾ کہ یہ کتاب اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جس کو وہ اللہ کی کتاب مانتے ہیں (یعنی توریت شریف) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر یہ نبی اس نبی کے خلاف ہوتا جس پر توریت نازل ہوئی۔ اور یہ نبی اس کتاب کی کاٹ کرتا جو اللہ تعالیٰ نے اس نبی پر نازل کی تھی جس کو تم مانتے ہو تو انحراف اور مخالفت کی کوئی وجہ بھی ہوتی۔ وہ تو سارے نبیوں پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کی ساری کتابوں کو ماننے کی دعوت دیتا ہے اس سے انحراف کرنا اس حسد میں کہ یہ عرب میں سے ہے سراپا حماقت اور بیوقوفی ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اس نے عرب میں سے نبی کیوں بھیجا اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا مستقل کفر ہے۔

﴿أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ بَغْيًا﴾ میں یہ بتایا کہ انہوں نے اپنی جانوں کو دوزخ کا مستحق اس لیے بنایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے اختیار فرمانے سے عناد ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے نبوت اور رسالت عطا کرے اور جس بندے پر چاہے اپنی کتاب اتارے اسے پورا پورا اختیار ہے اس میں کسی کو اعتراض کرنے کا اور یہ ضد کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں کو کیوں نبی بنایا اور فلاں کو نہیں بنایا؟ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے منکر ہو کر کافر ہوئے پھر اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر کے کافر ہوئے۔ اور اللہ کے رسول محمد رسول اللہ ﷺ اور اللہ کی کتاب قرآن مجید کے منکر ہو کر کفر ہی کفر میں ترقی کرتے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کے غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے۔ لہذا آخرت میں ذلت کے عذاب میں گرفتار ہوں گے لفظ اشتروا کے بارے میں مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ بَاعُوا وَشَرُوا بِحَسْبِ ظَنِّهِمْ اور صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

أى باعوا، فالانفس بمنزلة المثلثين والكفر بمنزلة الثمن لان انفسهم الخبيثة لا تشتري بل تباع وهو على الاستعارة أى أنهم اختاروا الكفر على الايمان و بذلوا انفسهم فيه "یعنی انہوں نے اپنے نفسوں کو بیچ دیا اور ان کے عوض کفر کو بطور قیمت کے لے لیا اور یہ معنی لینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ ان کے خبیث نفس خریداری کے قابل نہیں بیچنے ہی کے لائق ہیں مطلب یہ ہے کہ اپنی جانوں کو بیچ ڈالا یعنی برباد کر دیا اور کفر کو بطور قیمت کے حاصل کر لیا۔"

بعض حضرات نے کہا ہے کہ اشتروا اپنے مشہور معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے اعتقاد میں یہ سمجھا کہ جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہے اس سے جانوں کو دوزخ کے عذاب سے چھڑالیں گے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ﴿بِنَسَمًا اشْتَرَوْا بِهِ انْفُسَهُمْ﴾ کہ ان کا یہ خیال غلط ہے کہ اس سے وہ عذاب سے بچ جائیں گے قال صاحب الروح ص ۳۲۱ فہؤلاء اليهود لما اعتقدوا فيما اتوا به أنه يخلصهم من العقاب ظنوا أنهم اشتروا انفسهم و خلصوها فذمهم الله عليه۔

اگر یہ لوگ نبی آخر الزمان پر ایمان لاتے تو اپنی جانوں کو دوزخ سے بچا لیتے، منکر اور منحرف ہو کر ہمیشہ کے دائمی عذاب کے مستحق ہو گئے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُوْمِنُ بِمَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ

جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعَجَلَ مِنْ بَعْدِهَا وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۲۱﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو اتارا گیا ہم پر، اور اسکے علاوہ جو کچھ ہے وہ اسکے منکر ہوتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اسکی تصدیق کرنے والا جو انکے پاس ہے، آپ فرمادیجئے سو تم کیوں اللہ کے نبیوں کو اس سے پہلے قتل کرتے رہے ہو اگر تم مومن ہو، اور بلاشبہ موسیٰ تمہارے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے پھر تم نے ان کے بعد پچھڑے کو معبود بنا لیا، حالانکہ تم ظالم تھے۔

یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم توریت کے علاوہ کسی کتاب کو نہیں مانتے، اور اس پر ان سے سوال

اس آیت شریفہ میں یہودیوں کا یہ قول ذکر فرمایا کہ ہم صرف توریت پر ایمان لاتے ہیں اس کے سوا کسی کتاب کو نہیں مانتے، ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ﴾ کہ جو کتاب ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کی ہے وہ اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے۔ جس پر وہ ایمان رکھنے کے مدعی ہیں۔ قرآن کو نہ ماننا توریت کے نہ ماننے کو مستلزم ہے۔ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں۔ لاذنہر لیمہ کفروا بما یوافق التوراة فقد کفروا بہا۔

توریت شریفہ میں یہ ہرگز نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ کسی قوم میں سے اللہ تعالیٰ نبی بھیجے تو اس کو مت ماننا اور توریت کے علاوہ اللہ کی کسی دوسری کتاب پر ایمان نہ لانا۔ یہ سب باتیں ان کے ذاتی حسد کی وجہ سے ہیں۔ توریت شریفہ میں تو نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت کی خبر دی ہے جب نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت ہوگئی اور ان کی علامات اور صفات سے یہود نے پہچان لیا کہ یہ نبی آخر الزمان ہیں پھر ان سب کے باوجود آپ پر ایمان نہ لانا اور قرآن مجید کو نہ ماننا یہ توریت کے ماننے سے انکاری ہونا ہے، کہہ رہے ہیں کہ ہمارا توریت پر ایمان ہے حالانکہ ان کا اس پر بھی ایمان نہیں۔

یہودیوں کی بری حرکتوں میں سے یہ بھی تھا کہ حضرات انبیاء کرام ﷺ کو قتل کر دیتے تھے۔ آیت بالا میں فرمایا کہ اگر تم توریت پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہو تو یہ بتاؤ کہ تم نے اللہ کے نبیوں کو قتل کرنے کا ارتکاب کیوں کیا نبی کا قتل کرنا تو توریت شریفہ کے قانون سے بھی کفر ہے۔ تمہارے آباؤ اجداد نے اس جرم کا ارتکاب کیا تم اس سے راضی ہو اور ان کو اپنا مقتدا مانتے ہو اس سے صاف ظاہر ہے کہ توریت شریفہ پر نہ تمہارا ایمان ہے اور نہ تمہارے باپ دادوں کا ایمان تھا۔

اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے وہ توریت کے احکام کی تبلیغ کرتے تھے اور انہوں نے توریت کے منسوخ ہونے کا اعلان بھی نہیں کیا۔ اے یہودیو! تم ان کو نبوت اور رسالت میں سچا بھی جانتے تھے پھر بھی تم نے ان کو قتل کر دیا، حالانکہ وہ تمہاری قوم میں سے تھے۔ معلوم ہوا کہ تمہارا دین و ایمان شریعت موسوی کا اتباع نہیں ہے بلکہ خواہشات نفس کا اتباع ہی تمہارا دین ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ (الایۃ) یعنی تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام بھی کھلی ہوئی اور واضح دلیلیں لے کر آئے جو تم نے خود دیکھیں جس سے ان کا رسول اللہ ہونا واضح ہو گیا اور انہوں نے پوری طرح توحید کی دعوت دی اور تم کو جم کر لا الہ الا اللہ کی تبلیغ کی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے لیکن جب وہ کوہ طور پر توریت شریفہ لینے چلے گئے تو تم لوگوں نے ان کے بعد پچھڑے کو معبود بنا لیا اور تمہارا یہ غیر اللہ کی پرستش کرنا سراسر ظلم صریح تھا، راہ حق کے خلاف چلنا دلائل واضحہ اور آیات بینات سامنے ہوتے ہوئے منکر ہو جانا سراسر ظلم ہے جو تمہاری پرانی عادت ہے تمہارے اسلاف کی حرکتیں تمہارے سامنے ہیں جن کا تم کو علم ہے لیکن ابھی تک ان کو پیشوا بنائے ہوئے ہو اور انہیں کی راہ پر گامزن ہو۔ (من ابن کثیر ص ۱۲۷ ج ۱)

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ط خذُوا مَا آتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ وَأَسْبِعُوا ط قَالُوا سَبِعْنَا
وَعَصَيْنَا وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ط قُلْ بِئْسَ مَا مَرُكُم بِهِ إِيَّانُكُمْ أَنْ كُنْتُمْ

مُؤْمِنِينَ ﴿۹۱﴾

اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور بلند کر دیا تمہارے اوپر طور کو، لے لو جو کچھ ہم نے تم کو دیا قوت کے ساتھ اور سن لو، وہ کہنے لگے ہم نے سن لیا اور مانیں گے نہیں۔ اور پلا دیا گیا ان کے دلوں میں پچھڑا ان کے کفر سبب، آپ فرمادیں گے کہ بری ہیں یہ باتیں جن کا تمہیں حکم دیتا ہے تمہارا ایمان اگر تم مومن ہو۔

یہودیوں سے عہد و پیمان اور ان کے دلوں میں پچھڑے کی محبت

اس سے پہلے بھی اسی سورت کے آٹھویں رکوع میں یہودیوں سے پختہ عہد لینے اور کوہ طور ان پر اٹھانے اور مضبوطی کے ساتھ تورات شریف کو تھامنے اور اس پر عمل کرنے کا عہد لینے کا ذکر گزرا ہے یہاں پھر اس کو دھرایا ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ جب ان کو حکم ہوا کہ تورات شریف کو مضبوطی سے تھام لو اور اس کے احکام کو سن لو تو انہوں نے کہا کہ ہم نے سن تو لیا لیکن ہم اس پر عمل نہ کریں گے حکم تھا کہ دل کے کانوں سے سنو، قبول کرنے کے لیے سنو، عمل کرنے کے لیے سنو لیکن انہوں نے اپنے اوپر پہاڑ گرنے کے ڈر سے اس وقت تو کہہ دیا کہ ہاں ہم نے سنا اور اوپر کے دل سے اقرار بھی کر لیا جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے لیکن بعد میں اس قول و قرار سے پھر گئے اور نافرمانی پر تل آئے اور کہنے لگے کہ سنا تو ہے لیکن عمل کرنا ہمارے بس کا نہیں۔ پھر فرمایا کہ انہوں نے پچھڑے کی جو عبادت کی تھی وہ ان کے اندر رچ بس گئی تھی اور رگ و پے میں گھس گئی تھی جیسے پینے کی چیز اندر جا کر جہاں جہاں جگہ دیکھتی ہے اپنی جگہ پکڑ لیتی ہے ان کے کفر کی وجہ سے ان کا یہ حال ہوا کہ پچھڑے کی محبت ان کے اندر پوری طرح سرایت کر گئی اور جاگزیں ہو گئی۔

پھر فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیں تم ایمان کے دعویدار ہو اگر تم مومن ہو (حالانکہ مومن نہیں) تو سمجھ لو کہ تمہارا ایمان تمہیں برے اعمال کی تعلیم دیتا ہے کفر اور شرک پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ کیسا ایمان ہے جو توحید کی تعلیم نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر ابھارتا ہے اور نبی آخر الزمان ﷺ کی تکذیب پر آمادہ کرتا ہے جن کا نبی ہونا تم پر دلائل سے واضح ہے۔

فائدہ: پچھڑے کی عبادت سے ان لوگوں نے توبہ تو کر لی تھی جیسا کہ سورہ بقرہ کے چھٹے رکوع میں گزرا لیکن اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بہت سوں نے اوپر اوپر سے توبہ کر لی، دل کی گہرائی سے توبہ نہ کی اور پچھڑے کی پرستش کا اثر ان میں باقی رہا اور اس اثر کی وجہ سے اللہ کی کتاب تورات شریف کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے جب پہاڑ اٹھا کر ان پر کھڑا کر دیا گیا تو اس وقت جھوٹ موٹ کو مان گئے لیکن بعد میں نافرمانی پر تلے رہے۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَسَبُّوا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ﴿۹۲﴾ وَلَنْ يَتَسَوَّاهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيهِمْ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۹۳﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ
أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاتِهِمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرَ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ
بِزُحْرَجِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ ط وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۹۴﴾

آپ فرمادیجیے اگر آخرت والا گھر اللہ کے نزدیک خالص تمہارے ہی لیے ہے دوسروں کے لیے نہیں تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو اور وہ ہرگز کبھی موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو انہوں نے آگے بھیجے ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ تم ان کو زندہ رہنے پر سب لوگوں سے زیادہ حریص پاؤ گے اور ان لوگوں سے بھی زیادہ جنہوں نے شرک کیا، ان کا ایک ایک فرد یہ آرزو رکھتا ہے کہ اس کو ہزار سال کی عمر دے دی جائے، اور حال یہ ہے کہ اسے یہ چیز عذاب سے بچانے والی نہیں ہے کہ اس کی عمر زیادہ ہو جائے اور اللہ دیکھنے والا ہے ان کاموں کو جن کو وہ کرتے ہیں

یہودیوں کو دعوت مباہلہ کہ موت کی تمنا کریں

یہودیوں کے دعوؤں اور آرزوؤں میں یہ بھی تھا کہ عالم آخرت کی خیر اور خوبی اور جنت کا داخلہ اور نعمتوں کا حصول یہ سب کچھ ہمارے لیے ہی خاص ہے دوسرے کسی دین والے اور کسی بھی قوم اور نسل کے لوگ جنت میں نہ جائیں گے ان کے اس خیالی جھوٹے دعوے اور جھوٹی آرزو کے پیش نظر ان کو مباہلہ کی دعوت دی گئی کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو آ جاؤ ہم اور تم مل کر موت کی دعا کریں کہ دونوں فریق میں سے جو بھی جھوٹا ہو وہ ابھی فوراً مر جائے جب یہ بات سامنے آئی تو اس پر آمادہ نہ ہوئے اور راہ فرار اختیار کر لی۔ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ موت کی تمنا کرتے تو اسی وقت مر جاتے۔ مفسر ابن جریر نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو اسی وقت مر جاتے اور دوزخ میں اپنا اپنا ٹھکانا دیکھ لیتے اور مباہلہ کے لیے نکلتے تو واپس ہو کر نہ جاتے اور اور مال کچھ بھی نہ پاتے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ انہیں اپنا کفر اور بد اعمالیاں معلوم ہیں وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کر سکتے، اور اللہ تعالیٰ سب مجرموں اور ظالموں کو جانتا ہی ہے جو ہر ایک کو اس کا بدلہ دے دے گا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ کیا موت کی آرزو کر سکتے ہیں۔ یہ تو سب لوگوں سے زیادہ زندگی کی حرص رکھتے ہیں۔ جو لوگ مشرک ہیں اللہ کی کسی کتاب کو نہیں مانتے ان سے بھی زیادہ دنیا میں رہنے اور چینیے کے حریص ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ کاش ہزار سال زندہ رہ جاتے اگر ہزار سال بھی زندہ رہ جائیں تو اس کی وجہ سے عذاب سے چھٹکارہ نہیں ہو سکتا کبھی تو موت آ ہی جائیگی اور موت کے بعد وہی عذاب کا سامنا اور دوزخ کا داخلہ ہوگا جو اہل کفر کے لیے طے شدہ ہے، ابلیس کو ہزاروں سال کی زندگی دے دی گئی مگر انجام دوزخ ہی ہے۔

سورۃ الجمعہ میں بھی یہ مضمون مذکور ہے۔ وہاں فرمایا ہے: ﴿قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ تَمَّ تَرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ”آپ فرمادیجیے کہ بلاشبہ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو تم ضرور اس سے ملاقات کرنے والے ہو پھر اس کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے جو غیب اور شہادۃ کو جانتا ہے پھر وہ تمہیں تمہارے کاموں کی خبر دے دے گا۔“

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اوپر جو آیت کی تفسیر بیان ہوئی کہ یہود کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی یہی تفسیر صحیح ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا نجران کے نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی جو سورۃ آل عمران میں مذکور ہے۔ ﴿ثُمَّ نَبْتَهَلُ فَنَجْعَلُ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ اس کے بعد ابن کثیر فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے آیت کی تفسیر میں یوں کہا ہے کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ دار آخرت تمہارے ہی لیے خاص ہے تو موت کی تمنا کرو تا کہ مرنے کے ساتھ ہی جنت میں چلے جاؤ اور دنیا کی تکلیفوں سے محفوظ و مامون ہو جاؤ۔ اس دوسری تفسیر میں مباہلہ کا ذکر نہیں بلکہ صرف آرزوئے موت کی دعوت دی گئی۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آیت کا یہ معنی لے کر ان لوگوں پر حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اپنے دعویٰ میں سچا ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ موت کی تمنا بھی کرے کیونکہ وہ الٹ کر یہ کہہ سکتے تھے کہ اے مسلمانو! تم بھی تو اپنے بارے میں جنتی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہو تم بھی حالت صحت اور تندرستی میں موت کی تمنا نہیں کرتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى
وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ
عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ﴿۹۸﴾

آپ فرمادیجئے کہ جو شخص دشمن ہو جبریل کا سو اس نے اتارا ہے قرآن تمہارے قلب پر اللہ کے حکم سے جو تصدیق کر نیوالا ہے اس کتاب کی
جو اس سے پہلے ہے اور ہدایت ہے اور بشارت ہے ایمان والوں کے لیے۔ جو شخص دشمن ہو اللہ کا اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا
اور جبریل کا اور میکائیل کا تو بے شک اللہ دشمن ہے کافروں کا۔

یہودیوں کا کفریہ قول کہ جبرائیل ہمارا دشمن ہے

یہودیوں کو جب معلوم ہوا کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر جبرائیل علیہ السلام وحی لاتے ہیں تو کہنے لگے کہ جبریل تو ہمارا دشمن ہے کیونکہ وہ سخت
احکام لاتا ہے۔ اور ہم اس کتاب کو نہیں مانتے جو جبریل کے ذریعہ نازل ہوئی ہے اور وہ عذاب بھی لاتا رہا ہے لہذا اگر میکائیل وحی لانے والے
ہوتے تو ہم محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کر لیتے کیونکہ وہ رحمت اور بارش لانے والے ہیں۔ ایک مرتبہ یہودی حضور ﷺ سے باتیں پوچھ رہے
تھے انہوں نے وعدہ کر لیا تھا کہ آپ نے یہ باتیں بتادیں تو ہم آپ کا اتباع کر لیں گے جب آپ ان کا جواب دیتے گئے تو ہر بات مانتے گئے
آخر میں جب یہ ذکر آیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام وحی لاتے ہیں تو انہوں نے یہ بات نکالی کہ جبریل تو ہمارے دشمن ہیں اگر میکائیل آپ پر وحی
لانے والے ہوتے تو ہم مان لیتے (ابن کثیر ص ۱۲۰ ج ۱) اللہ جل شانہ، نے فرمایا کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہو، ہوا کرے (جبریل کا کوئی قصور
نہیں وہ مامور من اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ ان کو دیا جاتا ہے وہی لے کر آتے ہیں) انہوں نے ہی آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے
قرآن نازل کیا ہے اور یہ قرآن سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور اہل ایمان کو بشارت بھی دیتا ہے (جو شخص جبریل سے دشمنی کرتا
ہے وہ حقیقتاً اللہ کا دشمن ہے کیونکہ جبریل کو اللہ تعالیٰ نے قاصد بنایا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے جبریل کے ذریعہ اپنے نبیوں پر بھیجا جبریل وہی لے کر
آئے، ان سے دشمنی کرنا اللہ سے دشمنی کرنا ہوا جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو گا وہ
کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے) یہودیوں کی یہ کیسے احمقانہ بات ہے کہ ہم اس کتاب کو نہیں مانتے جس کو جبریل لے کر آئے۔ اول تو
وہ جو کچھ لے کر آئے اللہ کا کلام ہے سفیر اور قاصد کوئی بھی ہو بھیجنے والے کو دیکھا جاتا ہے احکام بھیجنے والا اللہ جل شانہ، ہے پھر اللہ کے احکام کو
س لیے نہ ماننا کہ جبریل لائے ہیں جب کہ وہ اللہ کے حکم سے لائے، بہت بڑی حمایت اور شقاوت ہے۔

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ فرشتوں اور رسولوں کے عمومی ذکر کے بعد حضرت جبریل اور میکائیل کا جو خصوصی ذکر فرمایا اس سے یہ بات واضح
ہے کہ اللہ کے کسی رسول سے دشمنی رکھنا فرشتوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے یہ اللہ تعالیٰ سے دشمنی ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ جبریل سے
ہماری دشمنی ہے اور میکائیل سے ہماری دشمنی نہیں ہے وہ غلط کہتا ہے۔ وہ درحقیقت میکائیل علیہ السلام کا بھی دشمن ہے کیونکہ ایک فرشتے سے دشمنی
سب فرشتوں سے دشمنی کرنے کے درجہ میں ہے اور موجب کفر ہے یہودیوں کا یہ کہنا کہ میکائیل ہمارے دوست ہیں یہ غلط ہے جبریل کا یا کسی
بھی فرشتے کا دشمن ہونا سارے فرشتوں کا دشمن ہونا ہے اور اس میں اللہ کی دشمنی پوشیدہ ہے۔

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿۹۹﴾ أَوْ كَلِمَاتٍ عَهْدٍ وَعَهْدًا نَّبِيًّا ۚ

فَرِيقٌ مِّنْهُمْ طَبَلٌ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۰﴾

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے آپ کی طرف واضح دلیلیں نازل کی ہیں۔ اور ان کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو حکم عدولی کر نیوالے ہیں۔ کیا

جب بھی انہوں نے کوئی عہد کیا اس عہد کو ان میں سے ایک جماعت نے پھینک دیا بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے۔

آیات بینات کا انکار فاسقوں ہی کا کام ہے

تفسیر درمنثور میں ص ۹۲ ج ۱ حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ابن صوری یا یہودی نے حضرت سرور عالم ﷺ سے کہا کہ اے محمد! کوئی ایسی چیز آپ نہیں لائے جسے ہم پہچانتے ہوتے اور نہ آپ کے پاس ایسی کوئی کھلی ہوئی دلیل ہے جس کی وجہ سے ہم آپ کا اتباع کر لیں۔ اس کی تردید میں اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ہم نے اے محمد! تمہاری طرف واضح آیات نازل فرمائی ہیں جو آیات بینات ہیں، ان آیات میں یہود کی پوشیدہ باتیں ان کے بھید اور راز بیان کرنا ان کے گزرے ہوئے اسلاف کے حالات بتانا اور ان کی تحریفات کا پتہ دینا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت سرور عالم ﷺ پر ظاہر فرمایا اور اپنی کتاب میں نازل فرمایا جو شخص انصاف پسند ہو حسد اور جلن کی وجہ سے اپنی جان ہلاک کرنے پر تل نہ گیا ہو اس کے لیے یہ دلائل کافی اور وافی ہیں۔ لیکن اگر کسی کو حق اور حقیقت سے بعض اور عناد ہو اور حکم عدولی ہی جس کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہو اور فسق اس کی طبیعت میں زچ بس گیا ہو وہ ہی ان آیات بینات کا منکر ہو سکتا ہے۔

یہودیوں کی ایک جماعت ہر عہد کی خلاف ورزی کرتی رہی ہے:

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت سرور عالم ﷺ نے یہودیوں کو تذکیر فرمائی اور جو ان سے میثاق اور قول و قرار لیا گیا تھا وہ ان کو یاد دلایا اور خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں جو ان سے عہد لیا گیا تھا اس کی یاد دہانی فرمائی تو وہ صاف منکر ہو گئے۔ ان میں ایک آدمی مالک بن سیف تھا اس نے کہا کہ اللہ کی قسم محمد (ﷺ) کے بارے میں ہم سے کوئی عہد نہیں لیا گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿أَوْ كَلَّمَا عَهْدُوا عَهْدًا﴾ (الایۃ) یعنی یہ لوگ اس عہد سے منکر ہو رہے ہیں۔ اور حال ان کا یہ رہا ہے کہ جب کبھی انہوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک جماعت نے اس کو پھینک دیا ان کا یہ مزاج ہے اور نقض عہد کی عادت ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ واؤ کے پہلے معطوف علیہ حذف ہے اور عبارت یوں ہے۔ اکفروا بالآیت و کلمنا عاهدوا وهو من عطف الفعل علی الفعلیۃ۔ روح المعانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی کہ ان کی پرواہ نہ کریں اور ان کی مخالفت کو اپنے دل کا بوجھ نہ بنائیں (ص ۳۳۵ ج ۱)۔ آخر میں فرمایا ﴿بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ یعنی ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے بعض یہودی مسلمان ہو گئے تھے اس لیے یہ فرمایا کہ ان میں سے اکثر ایمان نہ لائیں گے۔

وَلَسَّ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ

اللَّهِ وَرَأَوْا ظُهُورَ رِجَالِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾

اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آیا جو تصدیق کرنے والا ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو جن کو کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں ہیں۔

اہل کتاب نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا

اس آیت شریفہ میں یہودیوں کی اس بات کا ذکر ہے کہ جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم المرتبہ رسول آیا یعنی حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ اور اس رسول نے اس کتاب کی تصدیق بھی کی جسے یہود مانتے تھے اور اس کو اللہ کی کتاب جانتے تھے (یعنی توریت شریف) تو ان لوگوں نے دونوں کتابوں میں مطابقت ہوتے ہوئے اللہ کی کتاب توریت شریف کو پس پشت ڈال دیا۔ قرآن کو تو قبول کیا ہی نہیں اور توریت شریف کے بھی منحرف ہو گئے اور اس میں جو نبی اکرم ﷺ کی صفات بیان کی گئی تھیں۔ ان کے اظہار کے بجائے ان کو پوشیدہ

کر لیا اور اس سے منکر اور منحرف ہوئے کہ گویا وہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ توریت اللہ کی کتاب ہے اور انہیں پتہ ہی نہیں ہے کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے دلائل موجود ہیں۔ (کذافی الروح ص ۳۳۶ ج ۱)

وَ اتَّبِعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانِ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفُرًا وَعَالِمُونَ
النَّاسِ السَّحَرَاءُ ۖ وَمَا نُزِّلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۗ وَمَا يَعْلَمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ
يَقُولَا إِنَّمَا حُنُّ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۗ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۗ وَمَا
هُم بِضَآئِرِينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۗ وَلَقَدْ عَلَّمُوا
لَنْ أَسْتَرِبَهُ مَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلْقٍ ۗ وَلَبِئْسَ مَا شَرُّوا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ۗ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾
وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ ۗ لَّو كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾

اور انہوں نے اس چیز کا اتباع کیا جسے سلیمان کے عہد حکومت میں شیاطین پڑھتے تھے۔ اور نہیں کفر کیا سلیمان نے لیکن شیاطین نے کفر اختیار کیا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور انہوں نے اس کا بھی اتباع کیا جو نازل ہوا دو فرشتوں پر بابل میں۔ یہ دو فرشتے ہاروت اور ماروت تھے اور یہ دونوں نہیں سکھاتے تھے کسی کو جب تک یوں نہ کہہ دیتے کہ ہمارا جو ایک فتنہ ہے لہذا تو کفر اختیار نہ کر، پس یہ لوگ ان سے وہ چیز سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کر دیتے تھے۔ اور وہ لوگ اس کے ذریعہ کسی کو کچھ بھی کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے، اور وہ لوگ وہ چیز سیکھتے ہیں جو ان کو ضرر دینے والی ہے اور نفع دینے والی نہیں۔ اور البتہ تحقیق انہوں نے یہ بات جان لی کہ جس نے اس کو خریدا ہے اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور بے شک وہ بری چیز ہے جس کے ذریعہ انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ دیا۔ اگر وہ جانتے ہوتے اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا ثواب بہتر تھا اگر وہ جانتے ہوتے۔

بابل میں جادو گروں کا زور اور یہود کا جادو کے پیچھے لگنا

جادو گری کا سلسلہ پرانا ہے۔ ہوتا تو سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ ہی سے ہے۔ اسباب جو بھی ہوں، جادو بھی ایک سبب ہے جس سے احوال میں کچھ تغیر ہو جاتا ہے اور جس پر جادو کیا جائے اس کو تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی امت کے لوگوں نے کہا ﴿إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ﴾ (کہ تم تو انہیں لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہو) اور یہی بات حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں ان کی امت کے افراد نے کہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادو گروں سے مقابلہ سو مشہور ہی ہے اور یہ جادو گری کا سلسلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ تک تھا اور اس کے بعد بھی رہا ایک یہودی نے حضرت سرور عالم ﷺ پر جادو کر دیا تھا جس کا ذکر بخاری شریف میں موجود ہے (ص ۸۵۸ ج ۲) اور اب بھی جادو گرد دنیا میں موجود ہیں اور جادو گری دنیا میں رواج پائے ہوئے ہے۔ اول تو یہود کی شکایت فرمائی کہ اللہ کی کتاب انہوں نے پس پشت ڈال دی پھر فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں جو شیاطین پڑھتے تھے یعنی جادو کرتے تھے اور اس میں مشغول رہتے تھے انہوں نے اس کا اتباع کیا۔ مفسرین نے اس طرح کے واقعات لکھے ہیں کہ عارضی طور پر چند دن کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت جاتی رہی تھی اس زمانے میں شیاطین نے ان کی کرسی کے نیچے جادو کی چیزیں دفن کر دی تھیں اور جب ان کی وفات ہو گئی تو ان کو کھود کر نکالا اور لوگوں میں

مشہور کر دیا کہ سلیمان علیہ السلام نبی نہیں تھے بلکہ جادو کے زور پر حکومت چلاتے تھے علماء بنی اسرائیل نے تو اس بات کو نہیں مانا لیکن ان کے عوام نے اس بات کو مان لیا اور کہنے لگے کہ یہ جادو ہی سلیمان علیہ السلام کا علم ہے اور اس کے سیکھنے سکھانے میں لگ گئے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی کتابوں کو چھوڑ بیٹھے، جب حضور سرور عالم ﷺ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ کے پیغمبروں میں سے تھے تو یہودیوں نے کہا کہ محمد (ﷺ) یہ کہتے ہیں کہ سلیمان بن داؤد (ﷺ) نبی تھے حالانکہ وہ صرف ایک جادوگر تھے۔ اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سحر سے برأت نازل فرمائی اور صاف فرمایا: ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا﴾ (یعنی سلیمان نے کفر نہیں کیا لیکن شیاطین نے کفر اختیار کیا)۔ شیاطین کا یہ مشغلہ تھا کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ (من القرطبی وابن کثیر)

ہاروت ماروت کے ذریعہ امتحان:

ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمَا أَنْزَلَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ بَابِلَ هَارُوتَ وَ مَارُوتَ﴾ ”یہود نے اس کا بھی اتباع کیا جو دونوں فرشتوں ہاروت و ماروت پر بابل شہر میں اتارا گیا۔“

کسی زمانہ میں جادو کا بہت چرچا تھا خاص کر شہر بابل میں جو عراق میں واقع ہے، جادو کے اثرات کو دیکھ کر لوگ اس سے بہت متاثر ہوئے اور جادو گروں کو مقدس سمجھنے لگے۔ اللہ جل شانہ نے جادو کا ضرر اور اس کی مذمت ظاہر فرمانے کے لیے دو فرشتوں کو بھیجا جن کا نام ہاروت اور ماروت لٹھاتا کہ وہ سحر کی حقیقت واضح کریں اور معجزہ اور سحر میں فرق ظاہر ہو جائے۔ اس میں لوگوں کا امتحان بھی مقصود تھا کہ دیکھا جائے کہ کون ایمان اور خیر کو اور کون کفر اور شر کو اختیار کرتا ہے۔ جب ان فرشتوں نے اپنا کام شروع کیا تو لوگ ان کے پاس آنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم کو بھی جادو کے اصول و فروع بتادیں۔ وہ دونوں فرشتے جب ان کو جادو کی کوئی چیز بتاتے تو پہلے یہ ظاہر کر دیتے تھے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے بندوں کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے کہ ان چیزوں کو جان کر کون شخص اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے اور شر سے بچتا ہے اور کون شخص اپنے دین کو برباد کرتا ہے اور اپنے لیے شر کو اختیار کرتا ہے۔ وہ فرشتے کہتے تھے کہ ہم تم کو نصیحت کرتے ہیں کہ اگر تم حاصل کرنا چاہتے ہو تو اچھی نیت سے حاصل کرو کہ شر سے محفوظ رہو گے، پھر اسی نیت پر قائم رہنا، شر کے لیے معلوم نہ کرو اور اس کو شر میں استعمال نہ کرنا ورنہ اس میں لگ کر ایمان برباد کر لو گے جو شخص ان سے اس طرح کا عہد و پیمانہ کر لیتا تھا وہ اسے جادو کے اصول و فروع بتا دیتے تھے اس کے بعد جو کوئی اپنے عہد پر قائم نہ رہتا اور اس جادو کو مخلوق کی ایذا رسانی کا ذریعہ بنا لیتا تو وہ اس کا اپنا عمل تھا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

و هذان الملكان أنزلا لتعليم السحر ابتلاء من الله تعالى للناس، فمن تعلم و عمل به كفر۔ و

وما يقضى منه العجب ما قاله الامام القرطبي ان هاروت و ماروت بدل من الشياطين على قراءة التشديد و ما في (وما أنزل) نافية والمراد من الملكين جبرائيل و ميكايل لأن اليهود زعموا أن الله تعالى أنزلهما و في الكلام تقديم و تاخير، والتقدير (و ما كفر سليمان) (و ما أنزل على الملكين) (ولكن الشياطين) (هاروت و ماروت) (كفروا يعلمون الناس السحر) (بابل) وعليه فالبدل اما بدل بعض من كل و نص عليهما بالذكر لتبردهما، ولكونهما رأساً في التعليم، أو بدل كل من كل اما بناءً على أن الجمع يطلق على الاثنين أو على أنهما عبارتان عن قبيلتين من الشياطين لم يكن غيرهما بهذه الصفة، واعجب من قوله هذا قوله: وهذا أولى ما حملت عليه الآية من التاويل وأصح ما قيل فيها۔ ولا يلتفت الى ما سواه، ولا يخفى لدى كل منصف أنه لا ينبغي لمؤمن حمل كلام الله تعالى، وهو في اعلى مراتب البلاغة والنصاحة على ما هو ادنى من ذلك، و ما هو الامسخ للكتاب الله تعالى عز شأنه واهباط له عن شواهد۔ (روح المعانی ص ۱۳۳۳ ج ۱)

من تعلم و توفى عمله ثبت على الايمان، والله تعالى أن يمتحن عباده بما شاء كما امتحن قوم طالوت بالنهر و تميزا بينه و بين المعجزة حيث أنه كثر في ذلك الزمان، و اظهر السحرة امورا غريبة و وقع الشك بها في النبوة فبعث الله تعالى الملكين لتعليم أبواب السحر حتى يزيلا الشبه و يميظا الأذى عن الطريق قيل كان ذلك في زمن ادريس عليه السلام (ص ۳۴۰ ج ۱ و مثله في تفسير ابن كثير ص ۱۳۷ ج ۱)

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی عالم باعمل کے پاس جائے کہ مجھ کو فلسفہ قدیمہ یا جدیدہ پڑھادیتے تاکہ خود بھی شبہات سے محفوظ رہوں اور مخالفین کو جواب دے سکوں اور اس عالم کو یہ احتمال ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ کو مثلاً دھوکہ دے کر پڑھ لے پھر خود بھی تقویت باطل میں اس کا استعمال کرنے لگے اور اس احتمال کی وجہ سے اس کو نصیحت کرے کہ ایسا مت کرنا اور وہ وعدہ کرے اور اس لیے اس کو پڑھادیا جائے۔ لیکن پھر وہ شخص درحقیقت قصداً اسی سوء استعمال محتمل میں مبتلا ہو جائے، سو ظاہر ہے کہ اس کے سوء استعمال سے اس معلم پر کوئی ملامت یا فتح عائد نہیں ہو سکتا اسی طرح اس اطلاع سحر سے ان فرشتوں پر کسی شبہہ و دوسوسہ کی گنجائش نہیں۔ (بیان القرآن)

جادو کے بعض اثرات:

پھر فرمایا: ﴿فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهِ﴾ (یعنی وہ لوگ ان دونوں فرشتوں سے وہ چیز سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ میاں بیوی میں جدائی کر دیتے تھے) اس سے معلوم ہوا کہ جادو کے اثر سے دو محبت والوں میں بغض پیدا ہو سکتا ہے اور میل محبت والوں میں جدائی ہو سکتی ہے جادو کے ذریعہ اس زمانہ کے لوگ کیا کیا حرکتیں کرتے ہوں گے کیا کیا ایذائیں دیتے ہوں گے ان میں سے صرف ایک ایسی چیز کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت ہی مبغوض اور شیطان کو بہت محبوب ہے اور وہ ہے میاں بیوی کے درمیان جدائی کر دینا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر اپنی جماعتوں کو بھیجتا ہے اس کی جماعتوں کے افراد لوگوں کو فتنہ میں دالتے ہیں ابلیس کا سب سے بڑا مقرب ان میں سے وہ ہوتا ہے جو فتنہ ڈالنے میں سب سے بڑا ہو (فتنوں میں مبتلا کر کے اس کے نمائندے اس کے پاس آتے رہتے ہیں اور اپنا اپنا کمال ظاہر کرتے ہیں) ان میں سے ایک آکر کہتا ہے کہ میں نے ایسا ایسا کیا تو ابلیس کہتا ہے کہ تو نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر ان میں سے ایک آتا ہے وہ کہتا ہے کہ فلاں شخص کے پیچھے اتنا لگا کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان میں نے جدائی کر دی اس کی یہ بات سن کر ابلیس اسے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں تو نے کام کیا ہے۔ حضرت اعمش (راوی حدیث) فرماتے ہیں کہ مجھے جہاں تک یاد ہے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ابلیس اس کو چٹا لیتا ہے، جس نے میاں بیوی میں جدائی کر دی۔ (صحیح مسلم ص ۶۳۷ ج ۲)

جادو کا اثر باذن اللہ ہوتا ہے:

پھر فرمایا: ﴿وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (یہ لوگ جادو کے ذریعہ کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے) اس میں یہ بات واضح طور پر بتا دئی کہ جادو کے زور سے جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی اللہ کی مشیت اور ارادہ سے ہی ہوتا ہے جو ظاہری اسباب لوگوں کے سامنے ہیں مثلاً آگ سے جل جانا اور چاقو چھری سے زخمی ہو جانا اور بعض مشہور دواؤں کے کھانے سے اسہال ہو جانا اور روٹی سے پیٹ بھر جانا اور پانی سے سیراب ہو جانا اس طرح کی چیزیں چونکہ روزانہ مشاہدہ میں آتی ہیں اس لیے ان کو کچھ عجیب نہیں سمجھا جاتا اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو آگ نہ جلانے (جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ نے کچھ اثر نہیں کیا) اور اللہ تعالیٰ

چاہے تو خوب زیادہ کھانے سے بھی پیٹ نہ بھرے (جیسا کہ جوع البقر کا مریض کھاتا ہی رہتا ہے اور اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اور جیسا کہ استنقاء کا مریض پیتا ہی رہتا ہے مگر پیاس نہیں بجھتی) جادو کے ذریعہ جو کچھ ہوتا ہے اس کے اسباب ہوتے ہیں لیکن وہ اسباب پوشیدہ ہوتے ہیں، نظروں کے سامنے نہیں ہوتے اس لیے جادو کے اثر سے ظاہر ہونے والی چیزوں کو لوگ تعجب سے دیکھتے ہیں اور کم علم اور کم فہم جادو گروں کے بہت زیادہ معتقد ہو جاتے ہیں اور بہت سے جاہل پیر تھوڑا بہت جادو یا مسمریزم کا کام سیکھ کر جاہلوں کو معتقد بنانے کا کاروبار بھی کر لیتے ہیں جادو کا اثر بھی جیسی ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو پھر جب اللہ چاہتا ہے تو جادو کٹ بھی جاتا ہے۔ جب جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے تو انہوں نے فرمایا: ﴿مَا جُنْتُمْ بِهِ السَّحْرُ إِنَّ اللَّهَ سَبَّطَلَهُ﴾ (تم کچھ لائے ہو وہ جادو ہے بے شک اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو نیست و نابود کر دے گا) بڑے بڑے جادو گروں کا عمل ﴿سُورَةُ قُلِّ اعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿سُورَةُ قُلِّ اعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ کے ذریعہ ختم ہو جاتا ہے۔

جادو کے اسباب خفیہ:

جادو کے پوشیدہ اسباب کئی طرح کے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ شیاطین سے مدد حاصل کرنے کے لیے ان کو خوش کیا جاتا ہے اور اس کے لیے کبھی ایسے الفاظ اور کلمات پڑھے جاتے ہیں جو کفر و شرک کے کلمات ہوں اور جن میں شیاطین کی تعریف کی گئی ہو اور کبھی ستاروں کی عبادت کی جاتی ہے کبھی ایسے اعمال اختیار کئے جاتے ہیں جو شیطان کو پسند ہیں مثلاً کسی کو ناحق قتل کر کے اس کا خون استعمال کرنا یا جنابت کی حالت میں رہنا اور نجاست میں ملوث رہنا اسی لیے زیادہ کامیاب جادو ان لوگوں کا ہوتا ہے جو گندے اور نجس رہتے ہیں اور جو طہارت سے اور اللہ تعالیٰ کے نام سے دور بھاگتے ہیں اور ان کی خبیث کاموں کی عادت ہوتی ہے، جادوگر عورتیں حیض کے زمانہ میں جادو کرتی ہیں جو زیادہ موثر ہوتا ہے عموماً خبیث شیاطین جادو گروں کے مدد طلب کرنے سے کام کر دیتے ہیں دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ جادوگر کے کسی کرتب سے ایسا ہو گیا۔ جس طرح فرشتے ان حضرات کی مدد کرتے ہیں جو متقی ہوں اور طہارت اور پاکیزگی کو اختیار کرتے ہوں اور بدبو اور نجاست سے دور رہتے ہوں اللہ کے ذکر اور اعمال خیر میں لگے رہتے ہوں اسی طرح شیاطین ان لوگوں کے مددگار ہوتے ہیں جو قول اور فعل اور اعتقاد کے اعتبار سے خباثت اور نجاست میں شیاطین کی طرح ہوتے ہوں۔ کیونکہ تعاون کے لیے تناسب ضروری ہے۔ (من روح المعانی ص ۳۳۸ ج ۱)

سحر فرعون کا عمل:

مفسر ابن کثیر نے ابو عبد اللہ رازی سے سحر کی آٹھ قسمیں نقل کی ہیں۔ ان میں سے قوت خیالیہ کا اثر اور نظر بندی اور شعبہ اور دواؤں کا استعمال کرنا بھی ذکر کیا ہے ان میں جو شعبہ اور ہاتھ کی صفائی یا قوت خیالیہ یا دواؤں کا استعمال ہے اس کو مجازاً جادو کہہ دیا گیا ہے نظر بندی کو بطور مثال ایسا سمجھ لیا جائے جیسے ریل میں بیٹھے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ زمین بھی ساتھ ساتھ جا رہی ہے جیسے پلیٹ فارم پر وہ گاڑی چل رہی ہو جس میں ہم بیٹھے ہیں تو نظر کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ برابر کی گاڑی چل رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جو جادوگر آئے تھے ان کے بارے میں ارشاد ہے۔ ﴿يُخِيلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهُ تَسْعَى﴾ (کہ ان کے جادو کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں یوں معلوم ہو رہا تھا کہ یہ رسیاں اور لائٹھیاں دوڑ رہی ہیں) یہ سورہ طہ میں ہے۔ اور سورہ اعراف میں ارشاد ہے ﴿فَلَمَّا الْقَوْاسُ سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ﴾ (کہ جب انہوں نے اپنی لائٹھیاں اور رسیاں ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان پر بہت غالب کر دی اور بڑا جادو لے کر آئے) اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ جادو گروں نے اپنے جادو سے لوگوں کی نظر بندی کر دی تھی جس کے اثر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان لائٹھیوں اور رسیوں کو سانپ سمجھنے لگے۔ اور ان کے دل میں تھوڑا سا خوف بھی آ گیا۔ سورہ طہ میں ہے کہ ﴿فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَى﴾ (موسیٰ نے اپنے جی میں خوف محسوس کیا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ: ﴿لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ وَاللَّهُ مَا فِي يَمِينِكَ تَلَقَّفَ مَا صَنَعُوا إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سِحْرٍ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَى﴾ کیا ہے اس کو تمہاری لائٹھی نکل جائے گی۔ انہوں نے جو کچھ بنایا

ہے یہ صرف جادو کا مکر ہے۔ اور جادو گر جہاں بھی ہو کامیاب نہیں ہوتا۔

معجزہ اور سحر میں فرق:

جیسا کہ پہلے ہم نے عرض کیا کہ سحر کا اثر بھی اسباب کے تحت ہوتا ہے وہ اسباب عام لوگوں کے سامنے نہیں ہوتے اور جادو گروں کو ان پوشیدہ اسباب کا پتہ ہوتا ہے۔ اب رہا حضرات انبیاء کرام کا معجزہ تو اس میں کوئی سبب ظاہر یا پوشیدہ نہیں ہوتا اس میں بلا واسطہ اللہ تعالیٰ شانہ کا فعل حقیقہ موثر ہوتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کا ٹھنڈا ہو جانا اور موسیٰ علیہ السلام کے لاشی مارنے سے سمندر کا پھٹ جانا اور پتھر سے چشموں کا بہہ جانا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مٹھی خاک پھینک دینے سے کافروں کی آنکھوں میں پہنچ جانا، مبارک انگلیوں سے پانی کا جاری ہو جانا اور تھوڑی چیز کا زیادہ ہو جانا، تھوڑے سے آٹے کی روٹیاں کئی سو آدمیوں کے لیے کافی ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کسی سبب کے تحت نہیں تھا ختم نبوت کے بعد ایک مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا کہ اب کوئی نبی نہیں آسکتا ہر مدعی نبوت ساحر کے کرتبوں کی عقیدت سے اسے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اور اوپر جو معجزہ اور سحر کافر کا فرق ظاہر ہو گیا اس کے علاوہ دونوں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ سحر گندے اور ناپاک لوگوں سے ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے نبی طاہرین اور صالحین بندے تھے۔ اس لیے بھی دونوں میں اشتباہ نہیں ہو سکتا۔ اور صاحب المعانی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی جادو گر کو یہ طاقت نہیں دی کہ دریا کو پھاڑ دے، یا مردوں کو زندہ کر دے یا جمادات سے بات کرادے۔ اور ان کے علاوہ بھی ان میں سے کسی کو ایسی چیز پر قدرت نہیں دی جو حضرات انبیاء کرام صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تھے۔ (ص ۲۳۹ ج ۱) نیز صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض محققین نے سحر اور معجزہ کے درمیان یوں فرق بتایا ہے کہ معجزہ توحیدی کے ساتھ ہوتا تھا یعنی صاحب نبوت کے ہاتھ پر جو کوئی معجزہ ظاہر ہوتا اس کی طرف سے نبوت کا دعویٰ ہوتا تھا اور جو معجزہ اس سے ظاہر ہوتا تھا، وہ اس کے مقابلہ میں اس طرح کی چیز پیش کرنے کا چیلنج بھی کرتا تھا اور یہ صورت کسی جادو گر اور جھوٹے مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ یوں ہی رہی ہے۔ (ص ۳۳۹ ج ۱) اور اب تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ہی ختم ہے۔ بہتیرے جھوٹے مدعی نبوت پیدا ہوئے اگر کسی نے کوئی کرتب دکھایا بھی تو شعبدہ تھا اور سب جھوٹے اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔ جادو گر توحیدی یعنی چیلنج نہیں کر سکتے وہ تو مقابلہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور ایک جادو گر دوسرے جادو گر کا کاٹ کر دیتا ہے اور تماشا دکھانے والے جادو گروں کو دیکھا کہ بانسری بجتے بجتے اس کی آواز ختم ہو جاتی ہے اور مجمع میں کھڑا ہوا دوسرا جادو گر اس کی آواز بند کر دیتا ہے۔ کسی نبی کے کسی معجزہ کے موافق کوئی کر کے نہیں دکھاسکا اور نہ اس کی کاٹ کر سکا۔ تاریخ اس کی شاہد ہے۔

کرامت اور سحر میں فرق:

بہت سے اولیاء اللہ سے کرامت بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ حسب تحقیق صوفیاء کرام اس کرامت سے تقرب الی اللہ میں اور رفع درجات کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اور بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ صاحب کرامت کو اپنی کرامت کا پتہ بھی نہیں چلتا اس لیے محقق صوفیہ کے نزدیک کرامت کی کوئی اہمیت نہیں۔ شاید کسی کو یہ اشکال ہو کہ معجزہ اور سحر میں فرق ظاہر ہو گیا اب نبوت باقی بھی نہیں رہی تا کہ کسی کو دھوکہ ہو سکے لیکن اولیاء اللہ تو ہوتے ہیں اور ان سے کرامت کا صدور ہونا ممکن ہے۔ پھر کرامت اور جادو میں فرق ظاہر کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ سمجھ لینا چاہئے کہ کرامت اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں سے ظاہر ہوتی ہے جو عبادت میں اور ذکر اللہ میں اور اطاعت اور فرمانبرداری میں مشغول رہتے ہیں۔ پاک صاف ہوتے ہیں نجاست سے بچتے ہیں۔ جنابت ہو جانے پر جلدی غسل کر لیتے ہیں اور جادو ان لوگوں کا کام ہے جو گندے اور ناپاک ہوتے ہیں جنہیں اللہ کے نام سے بیر ہوتا ہے اور جو اللہ کی عبادت سے دور بھاگتے ہیں۔ نجاست اور خباثت اور جنابت میں متلوٹ اور متلبس رہنا ان کا مزاج بن چکا ہوتا ہے جو شخص یہ کہے کہ میں ولی صاحب کرامت ہوں اور اس کا حال وہ ہو جو شیاطین اور اس کے دوستوں کا ہوتا ہے یعنی طاعت و عبادت اور ذکر اللہ سے دور اور نجاست و جنابت اور خباثت سے بھرپور ہو اس کے ولی ہونے کا خیال کسی مسلمان کو نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے کرتب کو کرامت کہا جاسکتا ہے۔

سحر فسق بھی ہے اور کفر بھی:

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ سحر کے فسق یا کفر وغیرہ ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس کے کلمات کفریہ ہوں مثل استعانت بہ شیطین یا کواکب وغیرہ، تب تو کفر ہے۔ خواہ اس سے کسی کو ضرور پہنچایا جائے۔ یا نفع پہنچایا جائے۔ اور اگر کلمات مباح ہوں تو اگر کسی کو خلاف اذن شرعی کسی قسم کا ضرور پہنچایا جائے یا اور کسی غرض ناجائز میں استعمال کیا جائے تو اس کو عرف میں سحر نہیں کہتے بلکہ عمل یا عزیمت یا تعویذ گنڈہ کہتے ہیں اور وہ مباح ہے۔ البتہ لغت میں لفظ سحر اس کو بھی شامل ہے کہ ہر تصرف عجیب کو کہا جاتا ہے اور اگر کلمات مفہوم نہ ہوں تو وہ بوجہ احتمال کفر ہونے کے واجب الاحتراز ہے۔ اور یہی تفصیل ہے تمام تعویذ گنڈوں اور نقش وغیرہ میں کہ غیر مفہوم نہ ہوں اور غیر مشروع نہ ہوں اور غرض ناجائز میں استعمال نہ ہوں، اتنی شرطوں سے جائز ہیں۔ ورنہ ناجائز، اور کفر عملی کا اطلاق ہر ناجائز پر صحیح ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾ (کہ وہ لوگ ایسی چیز سیکھتے تھے جو ان کو ضرر دینے والی تھی نفع دینے والی نہ تھی) علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں جادو کی وجہ سے نقصان پہنچے گا۔ اگرچہ دنیا میں ذرا بہت نفع کما لیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ دنیا میں بھی ان کے لیے ضرر ہے کیونکہ جادو کا ضرر جادو گر کو پہنچ جاتا ہے۔ حکومت اسلام اس کو سزا دے گی اور جادو گری کی بدبختی اس کو لاحق ہوگی۔ اھ

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ﴿وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾ ماقبل پر معطوف ہے۔ اور اس میں یہ بتایا ہے کہ جادو خالص شر ہے اور ضرر محض ہے ایسا نہیں کہ جیسی بعض ضرر والی چیزیں نفع بھی دے جاتی ہیں۔ (جیسے زہر کا کشتہ اور وہ دوا میں مفید ہو جاتا ہے) اس لیے کہ جادو گر جادو سیکھ کر جادو گری کی باتوں سے محفوظ رہنے کا ارادہ نہیں کرتا تا کہ فی الجملہ کوئی نفع متصور ہو سکے۔ اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ سیاق آیت سے یہ ظاہر ہے کہ وہ دونوں جہان میں غیر نافع ہے کیونکہ اس کا تعلق نہ امور معاش سے ہے اور نہ معاد سے اور آیت میں جادو سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اھ

اگر کوئی شخص کبھی کوئی نفع جادو کے ذریعہ کسی مسلمان کو اس طرح کا پہنچا دے کہ مسلمانوں سے دفع ضرر کر دے تو گویا ایک نفع ہے لیکن چونکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے اور عام طور پر جادو گر بے دین ہی ہوتے ہیں اس لیے عمومی طور پر جادو مطلقاً ضرر دینے والی چیز ہوئی۔ کوئی بھی جادو گر ایسا نہیں دیکھا گیا جس نے جادو کے زور پر دنیا جمع کر لی ہو، جائیداد حاصل کر لی ہو یا حکومت پر قابض ہو گیا ہو۔ ان لوگوں کو ہمیشہ بد حالی میں دیکھا جاتا ہے دین اور اعمال دین سے اور طہارت اور ذکر و عبادت سے تو دور ہوتے ہی ہیں دنیاوی اعتبار سے بھی میلے کھیلے اور پھٹے پرانے کپڑوں میں رہتے ہیں۔ تماشے دکھا کر یا لوگوں کے کہنے سے دوسروں پر جادو کر کے تھوڑے بہت پیسے وصول کرنے سے زندگی گزارتے ہیں اور چند پیسوں کے لیے دوسروں پر جادو کر دیتے ہیں ان کی دنیا و آخرت کی تباہی نظروں کے سامنے ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ﴿وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ﴾ ”یعنی کتاب اللہ کو چھوڑ کر جو یہودی جادو کے کے پیچھے لگے انہیں معلوم ہے کہ جس نے جادو حاصل کیا اور کتاب اللہ کو چھوڑا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ یہ سب جاننے کے باوجود انہوں نے جادو اختیار کر کے کفر مول لیا۔“

پھر فرمایا ﴿وَلَبَسَ مَا شَرَّوَابَهُ انْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ کہ انہوں نے اپنی جانوں کو جو بیچ دیا یعنی جانوں کے بدلے جادو اور کفر خرید لیا اور اپنی جانوں کو دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے محروم کر کے بتلائے عذاب کر دیا۔ یہ بہت برا سودا کیا۔ اگر وہ اس کو جانتے تو ایسا نہ کرتے۔ فی روح المعانی لو كانوا يعلمون ای مذمومۃ الشراء المذكور لامتنعوا عنه (ص ۳۲۶ ج ۱) و فی معالم التنزیل باعوا به انفسهم (ای) حظ انفسهم حیث اختاروا السحر والکفر علی الدین والحق (ص ۱۰۲ ج ۱)۔

مفسرین نے اشکال کیا ہے کہ پہلے تو ﴿وَلَقَدْ عَلِمُوا﴾ فرمایا پھر ﴿لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ فرمایا اس میں بظاہر تعارض ہے۔ پھر اس کے دو تین جواب دیئے جن میں سے ایک جواب یہ ہے کہ ان کا جاننا نہ جاننے کے درجہ میں ہے۔ جب ضرر جانتے ہوئے کسی چیز کو اختیار کیا اور

ایمان سے منہ موڑا گیا کہ وہ جاننے کے باوجود نہیں جانتے۔ روح المعانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے عتاب اور عذاب کو تو جانا لیکن اس کی حقیقت اور شدت کو نہیں جانا گویا لوگ انہوں نے علموں کا مفعول محذوف ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا﴾ (الایۃ) یعنی یہ لوگ اگر اللہ کے پیغمبروں پر ایمان لاتے (جس میں خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لانا بھی شامل ہے) اور کفر و معاصی سے بچتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں اس کی جزا دی جاتی۔ جو اس سے بہتر ہے۔ جس کے بدلہ انہوں نے اپنے نفسوں کو بیچا۔ اگر وہ جانتے ہوتے تو آخرت کے ثواب کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور خیر کی طرف بڑھتے۔ آخرت کا تھوڑا سا ثواب بھی فانی دنیا کے بہت بڑے نفع سے بھی بہتر ہے۔ باقی اور فانی کا فرق خود سمجھ لینا چاہئے۔

جادوگر کی کیا سزا ہے اس کے بارے میں تفصیل ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول و مشہور ہے کہ جادوگر علی الاطلاق قتل کیا جائے۔ جب یہ معلوم ہوا کہ جادوگر ہے اس کو یہ کہنا کہ میں اب سے جادو نہ کروں گا توبہ کرتا ہوں قبول نہیں کیا جائے گا۔ (ص ۳۳۹ ج ۱)

ملا علی قاری رحمہ اللہ تکملہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ جو سحر کفر ہے اس کا اختیار کرنے والا مرد مرتد ہو جانے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور جادوگر عورت قتل نہیں کی جائے گی اس لیے کہ مرتدہ کو قتل نہیں کیا جاتا (وہ ہمیشہ قید میں رہے گی الا ان تتوب) اور جو سحر فسق کے درجے میں ہو اس میں سحر کی وجہ سے قتل نہ ہوگا لیکن اگر کوئی ایسا کام ہو جس سے کسی انسان کی ہلاکت ہوگی یا مریض ہو گیا یا میاں بیوی میں جدائی کرادی ہو تو زمین میں فساد کرنے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا۔ اور اس صورت میں ساحر اور ساحرہ دونوں قتل کئے جائیں گے کیونکہ اس کی علت ارتداد نہیں بلکہ فساد فی الارض ہے اھ۔ حضرت جناب بن کعب صحابی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک آدمی کھیل کر رہا ہے اس نے ایک شخص کو ذبح کر دیا اور اس کا سر جدا کر دیا پھر اس کا سرواپس جوڑ دیا۔ لوگوں نے دیکھا تو چیخ اٹھے اور کہنے لگے کہ سبحان اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ حضرت جناب نے تلوار نکالی اور اس جادوگر کی گردن ماری اور فرمایا اگر یہ سچا ہے تو اپنے نفس کو زندہ کرے۔ حضرت جناب کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ یضرب ضربةً فيكون امةً واحدةً کہ یہ ایک ایسی تلوار مارے گا جس کی وجہ سے یہ تنہا ایک امت کے برابر درجہ پالے گا۔ (الاصابة فی تمييز الصحابة ج ۱ ص ۲۵۰)

چونکہ اس جادوگر کے عمل سے لوگ متاثر ہو کر یوں سمجھ رہے تھے کہ یہ شخص مردوں کو زندہ کرتا ہے اس لیے رفع فساد کی وجہ سے اس کا قتل ضروری ہوا۔

تفسیر قرطبی میں اس قصے کو اس طرح لکھا ہے کہ ولید بن عقبہ (امیر عراق) کے پاس ایک شخص رسی پر چل رہا تھا اور گدھے کے پیچھے سے اس کے دم میں داخل ہوتا تھا اور اس کے منہ سے نکل جاتا تھا۔ حضرت جناب نے اس کو قتل کر دیا۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت میں وہ شخص ہوگا جس کو جناب کہا جائے گا وہ ایک مرتبہ ایسی تلوار مارے گا جس سے حق اور باطل کے درمیان تفریق کر دے گا۔ (ج ۲ ص ۲۷)

مسئلہ: اگر قرآن و حدیث کے کلمات ہی سے عمل کیا جائے مگر ناجائز مقصد کے لیے استعمال کریں تو وہ بھی جائز نہیں۔ مثلاً کسی کو ناحق ضرر پہنچانے کے لیے کوئی تعویذ کیا جائے یا وظیفہ پڑھا جائے، اگر چہ وظیفہ اسماء الہیہ، یا آیات قرآنیہ ہی کا ہو وہ بھی حرام ہے۔ (معارف القرآن) مسئلہ: تعویذ گندے وغیرہ جو عامل کرتے ہیں ان میں بھی اگر جنات و شیاطین سے استمداد ہو تو بحکم سحر ہیں اور حرام ہیں اور اگر الفاظ مشتبہ ہوں معنی معلوم نہ ہوں اور شیاطین اور بتوں سے استمداد کا احتمال ہو تو بھی حرام ہے۔

فائدہ: عام طور پر عوام میں ایک قصہ مشہور ہے جو ہاروت ماروت اور زہرہ کے بارے میں ہے کہ ان دونوں فرشتوں کو قوت شہوانیہ دے دی گئی تھی، اور زمین میں اتار دیئے گئے تھے۔ وہ زمین میں آئے تو زہرہ سے شہوت والی مطلب براری کا ارادہ کیا اور اس کو آمادہ کرنے کی کوشش کی اس پر اس نے ان سے اسم غنیم پوچھ لیا جس کے ذریعہ وہ آسمان پر چلی گئی اور وہاں ستارہ بن گئی۔ ان دونوں فرشتوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

کہ دنیا کا عذاب چاہتے ہو یا آخرت کا۔ تو انہوں نے دنیا کے عذاب کو آخرت کے عذاب پر ترجیح دی اور وہ بابل کے کنویں میں اٹنے لگے ہوئے ہیں اور قیامت تک عذاب ہوگا۔ اس قصہ کو علامہ ابن جوزی نے دو طریق سے نقل کیا ہے۔
علامہ قرطبی اور صاحب روح المعانی نے بھی اس قصہ کی تردید کی ہے۔

قال القرطبي أنه قول تدفعه الاصول في الملائكة هم أمناء الله على وحيه و سفراءه الى رسله لا يعصون الله ما أمرهم ويفعلون ما يؤمرون، بل عباد مكرمون لا يسبقونه بالقول وهم بأمره يعملون، يسبحون الليل والنهار لا يفترون وأما العقل فلا ينكر وقوع المعصية من الملائكة و ان يوجد منهم خلاف ما كلفوه و يخلق فيهم الشهوات اذ في قدرة الله تعالى كل موهوم و من هذا خوف الانبياء و الاولياء الفضلاء العلماء لكن وقوع هذا الجائر لا يدرك الا بالسمع ولم يصح (ص ۲۷۵۲)

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

قد أنكره جماعة منهم القاضي عياض، و ذكر أن ماذكرة أهل الاخبار و نقله المفسرون في قصة هاروت و ماروت لم يزد منه شيء لا سقيم ولا صحيح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ و ليس هو شيئا يوخذ بالقياس، و ذكر في البحر أن جميع ذلك لا يصح منه شيء، ولم يصح أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يلعن الزهرة۔ ولا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خلافاً لمن رواه و قال الامام الرازی بعد أن ذكر الرواية في ذلك ان هذه الرواية فاسدة مردودة غير مقبولة و نص الشهاب العراقي: علي ان من اعتقد في هاروت و ماروت أنهما ملكان يعذبان علي خطيئتهما مع الزهرة فهو كافر بالله تعالیٰ العظيم فان الملائكة معصومون (لا يعصون الله ما أمرهم ويفعلون ما يؤمرون۔ لا يستكبرون عن عبادته و لا يستخسرون يسبحون الليل و النهار لا يفترون) و الزهرة كانت يوم خلق الله تعالیٰ السموات و الارض والقول بأنها تمثلت لهما فكان ما كان وردت الي مكانها غير معقول ولا مقبول۔ و اعترض الامام السيوطي علي من أنكر القصة بأن الامام احمد و ابن حبان و البيهقي وغيرهم رووها مرفوعة و موقوفة علي علي و ابن عباس و ابن عمر و ابن مسعود رضي الله عنهم باسناد صحيح يكاد الواقف عليها يقطع بصحتها لكثرتها و قوة مخرجيها و ذهب بعض المحققين: ان ماروي مروى حكاية لما قاله اليهود و هو باطل في نفسه و بطلانه في نفسه لايتا في صحة الرواية و لا يرد ما قاله الامام السيوطي عليه انما يرد علي المنكرين بالكلية۔ (ج ۱ ص ۳۳۱)

اقول صحة السند لا تستلزم صحة الرواية فان من لوازم الصحة اشياء اخر غير صحة السند ذكرها العلماء في كتب الاصول، فلو صح بعض الاسانيد علي راي الامام السيوطي لا يستلزم منه قبول الرواية۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمِعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷﴾

اے ایمان والو! تم لفظ راعنا نہ کہو اور لفظ انظرنا کہو، اور سنو! اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

راعنا کہنے کی ممانعت اور یہود کی شرارت

یہودیوں کی بہت سی شرارتوں میں سے ایک یہ بات تھی کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو لفظ راعنا کہتے تھے۔ یہ عربی زبان کا لفظ بھی ہے اور عبرانی زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں اس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری رعایت کیجیے۔ اور عبرانی

زبان میں یہ لفظ بددعا کے معنی میں ہے۔ یہ لوگ شرارت سے اور بددعا دینے کی نیت سے اس لفظ کو استعمال کرتے تھے تا کہ حضور اقدس ﷺ اور دوسرے سننے والے یہ سمجھیں کہ یہ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہماری رعایت فرمائیے اور ہماری طرف توجہ فرمائیے۔ اور اندر سے دل میں برے معنی کی نیت کرتے تھے۔ سورہ نساء میں فرمایا ﴿وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمِعْ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَرَاعِنَا لِيَّا بِالسِّنْتِهِمْ وَطَعْنَا فِي الدِّينِ﴾ مسلمان عربی زبان کے اعتبار سے رَاعِنَا يَا مُحَمَّدُ کہتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما یہودیوں کی زبان جانتے تھے انہوں نے محسوس کر لیا کہ یہودی رَاعِنَا يَا مُحَمَّدُ کہتے ہیں اور آپس میں ہنستے ہیں۔ لہذا انہوں نے یہودیوں سے کہا کہ آئندہ تم میں سے کسی نے یہ لفظ بولا تو میں گردن مار دوں گا۔ وہ کہنے لگے کہ تم لوگ بھی تو کہتے ہو اس پر یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی کہ اے مسلمانو! تم رَاعِنَا نہ کہو۔ اس کے بجائے لفظ اَنْظُرْنَا کہو اس کا معنی بھی وہی ہے کہ ہماری طرف دیکھئے اور توجہ فرمائیے۔ لہذا وہ لفظ بولنا چاہیے جس کے معنی میں دوسرے معنی کا اشتباہ نہ ہو سکے اور یہودی یہ نہ کہہ سکیں کہ تم بھی لفظ راعنا بولتے ہو تو ہم نے بھی بول دیا۔ غیر مسلمانوں سے خطاب ہوا کہ تم بات کو سنو اور اطاعت کرو اور یہ بھی فرمایا کہ کافروں کے لیے عذاب الیم ہے وہ آخرت میں اپنی حرکتوں کی دردناک سزا پالیں گے۔ (من معالم التنزیل ص ۱۰۲ ج ۱)

بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اس حکم سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر اپنے کسی فعل مباح سے کسی کو گنجائش گناہ کرنے کی ملے تو وہ فعل خود اس کے حق میں مباح نہیں رہتا جیسے مثلاً عالم کے کسی فعل سے کوئی جاہل سند لے کر خلاف شرع کام کرنے لگے تو اگر وہ فعل ضروری نہ ہوگا تو خود اس عالم کے لیے بھی منع ہو جائے گا۔

لَا تَقُولُوا رَاعِنَا سے استنباط احکام:

اور ابو بکر جصاص احکام القرآن میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس میں دلالت ہے اس بات پر کہ جس لفظ میں احتمال خیر و شر دونوں کا ہو اس کا بولنا جائز نہیں جب تک کوئی ایسی چیز اس کے ساتھ نہ ملائی جائے جس سے وہ خیر ہی کے لیے متعین ہو جائے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کی ہنسی کرنا، مذاق اڑانا ممنوع ہے اور ہر وہ لفظ ممنوع ہے جس میں احتمال مذاق اڑانے کا ہو (چونکہ یہودی لفظ راعنا کہہ کر ہنستے تھے اور مذاق بناتے تھے اس لیے جصاص نے اس آیت کے ذیل میں یہ بات لکھی ہے)۔

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو کافروں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا قول میں بھی اور فعل میں بھی۔ اس کے بعد مسند احمد اور سنن ابی داؤد سے حدیث نقل کی ہے۔ من تشبه بقوم فهو منهم (کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے ہے) اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس میں دلالت ہے اس بات پر کہ کافروں کے ساتھ ان کے اقوال اور افعال اور لباس اور تہوار اور عبادات وغیرہ میں مشابہت اختیار کرنا سخت ممنوع ہے، اور مشابہت کرنے والوں کے لیے تہدید اور وعید ہے۔ (ص ۱۲۸ ج ۱)

متعدد احادیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے کہ خطاب اور گفتگو میں اچھے الفاظ استعمال کیے جائیں اور ان الفاظ سے بچیں جو برے اور نامناسب معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے کسی کو ملک الاملاک یعنی شہنشاہ کہنے سے منع فرمایا۔ (کیونکہ سب بادشاہوں کا بادشاہ اللہ تعالیٰ ہی ہے) ایک لڑکی کا نام عاصیہ (گنہگار) تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا نام جمیلہ رکھ دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام اور باندی کو عبدی اور امتی نہ کہے۔ تم سب اللہ کے بندے اور تمہاری سب عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں۔ عبدی اور امتی کی بجائے غلامی اور جاریتی کہا جائے۔ (یہ سب احادیث مشکوٰۃ المصابیح باب الاسامی میں مذکور ہیں)

مَا يَوْدُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِّنْ سَائِبِكُمْ ۗ

وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور مشرکین یہ پسند نہیں کرتے کہ نازل کی جائے تمہارے اور تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر۔ اور اللہ تعالیٰ مخصوص فرمائے اپنی رحمت سے جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

یہودیوں اور مشرکوں کو یہ گوارا نہیں کہ مسلمانوں پر کوئی خیر نازل ہو

جب مسلمان یہودیوں سے کہتے تھے کہ تم اسلام قبول کرو محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے تھے کہ تم جس دین کی طرف بلا تے ہو ہمارے دین سے بہتر نہیں ہے اور ہماری خواہش ہے کہ تمہارا دین بہتر ہوتا تو ہم اس کا اتباع کر لیتے ان کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بتایا کہ اے مسلمانو! ان کو یہ پسند نہیں ہے کہ تم کو کسی طرح کی خیر نصیب ہو، یہودی تو اس حسد میں مرے جا رہے ہیں کہ نبی آخر الزماں ﷺ حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے کیوں آیا اور حضرت اسحاق کی اولاد میں سے کیوں نہ ہو اور مشرکین اس لیے ناراض ہیں کہ حضرت سرور عالم ﷺ نے جو دین پیش فرمایا وہ ان کی خواہشوں کے خلاف ہے ان کو تو حید پسند نہیں۔ اپنے بنائے ہوئے معبودوں سے محبت ہے جب ان کی تردید کی جاتی ہے تو انہیں برا معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے یہود اور مشرکین کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے خیالات کا پابند نہیں وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دے، وہ جسے چاہے نبوت سے سرفراز فرمائے اور جسے چاہے ہدایت دے۔ اس میں کسی کو اعتراض کرنے اور حسد کرنے کا کوئی حق نہیں۔ (من معالم التنزیل ص ۱۰۳، روح المعانی ص ۳۵۰ ج ۱)

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں اہل کتاب اور مشرکین کی سخت دشمنی کا ذکر فرمایا ہے تاکہ اہل ایمان اور اہل کفر کے درمیان مودت اور محبت بالکل منقطع ہو جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اس انعام کو بیان فرمایا جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مومنین کو عطا فرمایا یعنی شریعت کاملہ عطا فرمائی ﴿مَنْ يَشَاءُ﴾ کا عموم خود آنحضرت سرور عالم ﷺ اور آپ کے متبعین سب کو شامل ہے۔

مَا نَسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰﴾

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِن وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۱﴾

ہم جس کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔ کیا تو نے نہیں جانا کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کیا تو نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ کے لیے آسمان اور زمین کا ملک ہے اور تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔

سخ آیات کی حکمت

قرآن مجید کے بعض احکام اللہ تعالیٰ منسوخ فرمادیتے تھے۔ کبھی ایک حکم دیا پھر اس سے منع فرما دیا اور اس کے خلاف حکم دے دیا کبھی ایک حکم کے بجائے دوسرا حکم نازل فرما دیا اس کو دیکھ کر مشرکین نے کہا کہ محمد ﷺ آج ایک بات کہتے ہیں اور کل کو اس سے رجوع کر لیتے ہیں، اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہوتا تو اس میں منسوخیت والی بات کیوں ہوتی معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ محمد ﷺ اپنے پاس سے کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ سورہ نحل میں ان دشمنوں کی بات کو اس طرح بیان فرمایا:

﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ﴾ اور جب ہم کسی آیت کو ایک آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ نازل فرماتا ہے تو وہ لوگ کہتے کہ بس تو افتراء ہی کرتے والا ہے۔

اللہ جل شانہ نے اس آیت شریفہ میں ان کی جہالت والی بات کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ ہم جس کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔ منسوخ کرنے میں حکمت ہوتی ہے اور بندوں کا اس میں فائدہ ہوتا ہے یا تو ان کے

لیے دوسرا حکم نفع اور اسہل ہوتا ہے یا اس میں منفعت اور ثواب پہلی جیسی آیت کی طرح ہوتا ہے۔ سخت حکم کو آسان کر دیا گیا تو بندوں کے لیے یہ بھی بہتر ہے کہ اس میں عمل کے لیے آسانی ہوگئی اور اگر آسانی کی بجائے کوئی سخت حکم آگیا تو یہ بھی بہتر ہے کیونکہ عمل جس قدر مشکل ہوگا اسی قدر ثواب زیادہ ہوگا۔

منسوخ ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ عبارت قرآنیہ باقی رہے اور اس کا حکم منسوخ ہو جائے اس کو منسوخ الحکم کہتے ہیں۔ جیسے عورت کے لیے شوہر کی وفات پر عدت ایک سال تک رکھی گئی تھی بعد میں چار مہینے دس دن کر دی گئی۔ اور جس آیت میں ایک سال کا ذکر ہے وہ بھی مصحف میں باقی ہے۔ ﴿مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ اور نسخ کی ایک صورت یہ ہے کہ اس کی تلاوت منسوخ ہو جائے اور حکم باقی رہے۔ اس کو منسوخ التلاوة کہتے ہیں۔ اس کی مثال میں آیت رجم کو پیش کیا جاتا ہے اور منسوخ کی ایک صورت یہ ہے کہ پہلا حکم منسوخ ہو جائے اور اس کی جگہ دوسرا حکم آجائے جیسے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا منسوخ کیا گیا اور اس کی بجائے نماز میں استقبال کعبہ کا حکم ہوا اور جیسے پہلے اقارب کے لیے وصیت کرنا واجب تھا پھر وہ آیت میراث سے منسوخ ہوئی۔ اور بعض سورتیں ایسی ہیں جن میں امر اول منسوخ ہو گیا اور ان کی جگہ دوسرا حکم نافذ نہیں کیا گیا جیسے سورۃ ممتحنہ میں ﴿إِذَا جَاءَ كُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ﴾ منسوخ کر دیا گیا اور اس کے بجائے دوسرا حکم نازل نہیں ہوا۔ نَسَسَخْ کے ساتھ نُنْسَخُ بھی فرمایا جس کا ترجمہ بھلا دینے کا ہے۔ بعض آیات ایسی تھی جن کو بالکل ہی مصاحف سے اور ذہنوں سے بھلا دیا گیا تھا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سورۃ احزاب سورۃ بقرہ چینی تھی۔ اس کا اکثر حصہ اٹھا لیا گیا نہ تلاوت باقی رہی نہ حکم باقی رہا۔ (درمنثور ص ۱۰۵ ج ۱) میں ہے کہ حضرت سہل بن حنیف سے مروی ہے کہ ایک رات ایک صحابی تہجد پڑھنے کھڑے ہوئے انہیں ایک سورت یاد تھی۔ انہوں نے اسے نماز میں پڑھنا چاہا تو ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ کے علاوہ کچھ نہ پڑھ سکے اور اُس رات میں چند صحابہ کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا صبح کو جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ سورت گزشتہ رات منسوخ ہوگئی جو لوگوں کے سینوں سے اور ہر اُس جگہ سے محو کر دی گئی جہاں جہاں لکھی ہوئی تھی۔

و أما علی قراءۃ نساھا بفتح النون الاول و فتح السین مهموذا فمعناه تو خرھا و فلا نبذلھا اونرفع تلاوتھا و

نؤخر حکمھا اونؤخرھا و نترکھا فی اللوح المحفوظ فلا ننزل (مغالم التنزیل ص ۱۰۴ ج ۱)

پھر فرمایا کہ اے مخاطب کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسے حکم باقی رکھنے پر بھی قدرت ہے منسوخ کرنے پر بھی قدرت ہے ذہنوں سے بھلا دینے پر بھی قدرت ہے۔ وہ حکمت کے مطابق جو چاہے کرے جس حکم کو چاہے باقی رکھے جس کو چاہے منسوخ فرمائے۔ کسی کو کیا اعتراض ہے اگر کوئی اللہ پر اعتراض کرے گا تو اس کی سزا بھگت لے گا آسمان وزمین میں اسی کی بادشاہت ہے جب وہ کافروں پر عذاب بھیجے گا تو ان کو کوئی یار اور مددگار اور دوست اور رشتہ دار اور کارساز نہیں ملے گا۔ قال ابن کثیر یرشد عبادة تعالیٰ بهذا الی انه المتصرف فی خلقه بما یشاء فله الخلق والامر وهو المتصرف فکما خلقهم کما یشاء یسعد من یشاء و یشقی من یشاء و یصح من یشاء و یمرض من یشاء و یوفق من یشاء و یخذل من یشاء کذالک یحکم فی عبادة بما یشاء فیحل ما یشاء و یحرم ما یشاء و یبیع ما یشاء و یحرم ما یشاء وهو الذی یحکم ما یرید لا معقب لحکمہ ولا یسئل عما یفعل وهم یسئلون و یختبر عبادة و طاعتهم لرسله بالنسخ فیامر بالشیء لما فیہ من المصلحة الی تعالیٰ ثم ینهی عنه لما یرید تعالیٰ فالتاعة کل الطاعة فی امتثال امره و اتباع رسله فی تصدیق ما أخبروا و امتثال ما أمروا و ترک ما عنہ زجروا۔ (ص ۱۵۰ ج ۱)

أَمْ تَرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلُوا مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ

فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱۷۸﴾

کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کئے گئے اور جو شخص ایمان کے بدلہ کفر کو اختیار کرے سو وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔

بے جا سوالات کی ممانعت

معالم التنزیل میں اس آیت شریفہ کے دو شان نزول لکھے ہیں۔ اول تو یہ کہ یہودیوں نے یوں کہا کہ اے محمد (ﷺ) تم آسمان سے اسی طرح پوری کتاب بیک وقت لا کر پیش کرو، جیسے موسیٰ (علیہ السلام) توریت شریف لائے تھے اور دوسرا یہ کہ مشرکین مکہ نے کہا کہ ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے یہاں تک کہ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے نہ لے آؤ، ممکن ہے دونوں باتوں کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہو اللہ جل شانہ نے تنبیہ فرمائی کہ ایسے سوالات نہ کرو جیسے موسیٰ (علیہ السلام) سے پہلے سوالات کئے گئے بنی اسرائیل نے اُن سے کہا ﴿أَرْنَا اللَّهَ جَهْرَةً﴾ کہ ہمیں اللہ پاک کو آمنے سامنے دکھا دو، دلائل واضحہ سامنے ہیں عقل مند کے لیے کافی ہیں تھے بے تکی سوالات کی کوئی ضرورت نہیں اور جن کو اعتراض ہی کرنا مقصود ہے وہ تو ہر فرمائش پوری ہو جانے پر بھی ماننے والے نہیں۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) تو پوری کتاب بیک وقت لائے تھے۔ پھر بھی ظالموں نے اُسے کہاں مانا.....؟

سورۃ قصص میں ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ أَوْ لَمَّا يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ قَالُوا سِحْرَانِ تَظْهَرَانِ وَقَالُوا إِنَّا بِكُلِّ كَفْرٍ لَّوْنٌ جِيسِي مُوسَىٰ كَوْمَلِي تَهِي كَمَا جَوَّابُ مُوسَىٰ كَوْمَلِي تَهِي اس سے قبل یہ لوگ اُس کے منکر نہیں ہوئے۔ ان لوگوں نے کہا یہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور یوں بھی کہتے تھے کہ ہم تو ہر ایک کے منکر ہیں۔“

صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا لہذا حج کرو اس پر ایک آدمی نے سوال کیا یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے۔ اس پر آپ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ سائل نے تین بار سوال کیا، پھر آپ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم اس کو نہیں کر سکتے تھے پھر فرمایا کہ میں جب تک تم کو چھوڑے رکھوں (یعنی کوئی حکم نہ بتاؤں) تم بھی مجھے چھوڑے رکھو (یعنی سوالات نہ کرو) کیونکہ تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہو گئے کہ سوالات زیادہ کرتے تھے اور اپنے نبیوں کے خلاف چلتے تھے سو میں جب کسی چیز کا حکم کروں تو جہاں تک ممکن ہو اس پر عمل کرو اور اگر میں کسی چیز سے منع کر دوں تو اُسے چھوڑ دو۔ (ص ۴۳۲ ج ۱)

ایک اور حدیث میں ہے جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے قیل وقال اور کثرت سوال اور اضاعت المال کو ناپسندیدہ قرار دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۹ از بخاری و مسلم)

آیت کا شان نزول خواہ وہی ہو جو معالم التنزیل سے نقل کیا گیا لیکن اس میں مسلمانوں کو بھی یہ نصیحت مل گئی کہ جو احکام ہیں۔ اُن میں لگیں تھے بے تکی سوال نہ کریں۔ قیل وقال میں وقت ضائع نہ کریں اور ضرورت کی بات پوچھیں۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا ۚ حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۹﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۗ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ ۖ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۗ

إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۱﴾

اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ کاش تم کو تمہارے ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹالیں اپنے دلوں کے حسد کے باعث، بعد اس کے کہ ان کے لئے حق ظاہر ہو گیا ہے، سو تم معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو کچھ پہلے سے بھیج دو گے اپنی جانوں کے لئے کوئی خیر اسے اللہ کے پاس پالو گے، بے شک اللہ ان کاموں کا دیکھنے والا ہے جن کو تم کرتے ہو

کفار چاہتے ہیں کہ تمہیں کافر بنا لیں

یہودیوں کو یہ تو خوب واضح طریقے پر معلوم ہو گیا تھا کہ نبی عربی محمد رسول اللہ ﷺ واقعی اللہ کے نبی ہیں لیکن ان کو حسد کھا گیا خود تو مسلمان ہوتے ہی نہ تھے (الاقلیلا منہم) اور طرح طرح کی کوششیں کرتے تھے کہ عرب بھی مسلمان نہ ہوں اور جو لوگ مسلمان ہو چکے ان کو واپس کر لیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے قلبی ارادوں سے مطلع فرمایا تا کہ ان سے بچتے رہیں اور ان کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آئیں اور ان کی جھوٹی ہمدردی کو کوئی حیثیت نہ دیں۔ چونکہ مسلمان اور یہودی ایک ہی شہر یعنی مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور اس وقت تک ظاہری اسباب کے اعتبار سے مسلمانوں کے غلبہ کی صورت ظاہر نہ ہوئی تھی اس لیے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم معاف اور درگزر کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے منجملہ اس قدرت کے یہ بھی ہے کہ وہ تم کو ان پر غلبہ دے دے چنانچہ اس کے بعد وہ دن آیا کہ قبیلہ بنی نضیر کو مسلمانوں نے خیبر کی طرف جلا وطن کر دیا اور یہود کے دوسرے قبیلہ بنو قریظہ کے مرد قتل کئے گئے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ نمازیں قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور جو کچھ اپنی جانوں کے لئے کوئی بھلائی پہلے سے بھیج دو گے اُسے اللہ کے پاس پالو گے۔ اس میں اعمال صالحہ میں مشغول رہنے اور جانی و مالی عبادت ادا کرتے رہنے کا حکم دیا جیسا کہ ﴿فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا﴾ میں صبر کا حکم دیا۔ صبر اور صلاۃ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں جیسا کہ ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ میں یہ بات واضح طور پر بتادی گئی ہے۔ اعمال صالحہ میں یہ بھی تاثیر ہے کہ دشمن پر غالب ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ دنیا میں بھی ان سے فلاح اور کامیابی حاصل ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ان کا بدلہ ملے گا یہاں سے جو کوئی خیر بھیجیں گے اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع رہے گی وہاں جائیں گے تو پالیں گے۔ آخر میں فرمایا کہ ﴿إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتا ہے) ہر خیر و شر کا اُسے علم ہے۔ جو شخص خیر یا شر لے کر پہنچے اس کے مطابق جزا اور سزا کا مستحق ہوگا۔ قال ابن کثیر و هذا الکلام و ان کان قد خرج مخرج الخبر فان فيه وعداً و وعیداً و أمراً و زجراً و ذلك انه علم القوم انه بصير بجميع أعمالهم لیجدوا فی طاعته اذ کان ذلك مذخوراً لهم عنده حتی یثیبهم علیہ (ص ۱۵۲ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص ایک کھجور کے برابر حلال کمائی سے صدقہ کر دے اور اللہ تعالیٰ حلال ہی کو قبول فرماتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمالتا ہے پھر اس کی تربیت فرماتا ہے (یعنی اس کو بڑھاتا رہتا ہے) جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے بچہ کو تربیت کرتا رہتا ہے (بڑھتے بڑھتے وہ بہت زیادہ ہوگا۔ یہاں تک کہ پہاڑ کے برابر ہو جائے گا۔) صحیح بخاری ص ۱۸۹ ج ۱) جب قیامت کے دن ثواب ملنے لگے گا تو کھجور کے برابر جو چیز دی تھی اُس کا ثواب اتنا زیادہ ملے گا جیسے اُس نے اللہ کی راہ میں پہاڑ خرچ کر دیا ہو۔

وَقَالُوا لَنْ نَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرًا تِلْكَ آمَانِيهِمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۰۰﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۲۹﴾

اور انہوں نے کہا کہ ہرگز کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا سوائے اس کے جو یہودی ہو یا نصرانی ہو، یہ ان کی آرزوئیں ہیں، آپ فرمادیجیے کہ لے آؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو ہاں جس نے اپنی ذات کو اللہ کی فرمانبرداری کے لیے جھکا دیا اور وہ محسن ہو تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اس کے رب کے پاس، اور ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں، اور نہ یہ لوگ رنجیدہ ہوں گے۔

یہود و نصاریٰ کا قول کہ جنت میں ہم ہی جائیں گے اور اس کی تردید

اس آیت شریفہ میں یہود و نصاریٰ کا یہ دعویٰ ذکر فرمایا ہے کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے علاوہ ہرگز کوئی داخل نہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے بارے میں یہ کہا کہ صرف ہم جنتی ہیں اور نصاریٰ نے اپنے بارے میں یہی کہا دونوں فریق باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں تحریف کر بیٹھے اور اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں شرک داخل کر دیا۔ اس سب کے باوجود دونوں جماعتوں کو یہ غرور تھا اور اب بھی ہے کہ صرف ہم ہی جنتی ہیں۔ کفر اختیار کریں پھر بھی جنتی ہوں یہ ان کی سراپا جہالت حماقت اور سفاہت ہے۔ اور ان کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ﴾ کہ یہ ان کی آرزوئیں ہیں۔ صرف آرزو سے کچھ نہیں ہوتا جب تک ایمان نہ ہو نجات نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا

﴿قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”آپ ان سے فرمادیجیے کہ اگر اپنی آرزوؤں میں سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔“ دعویٰ بلا دلیل، بلا سند، بلا حجت کیسے مانا جائے گا؟ یہود و نصاریٰ کو بڑا غرور تھا وہ سمجھتے تھے کہ ہم مقربان الہی ہیں سورۃ مائدہ میں ہے کہ انہوں نے کہا:-

﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاءُكَ﴾ ”کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے محبوب ہیں۔“

اولاد تو اس کی ہے ہی نہیں، یہ عقیدہ شرکیہ ہے کہ اس کی اولاد ہو، شرکیہ عقیدہ رکھنے والا اور اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب اور مقرب کیسے ہو سکتا ہے؟ اپنی حماقت سے اور اپنے مذہبی پیشواؤں کے بہکانے سے وہ یہ باطل خیال جمائے ہوئے ہیں کہ صرف ہماری ہی نجات ہوگی اور صرف ہم ہی جنتی ہیں، یہودیوں کا دین تو خاندانی دین ہے وہ اپنے خاص خاندان کے باہر اپنے دین کی تبلیغ کرتے ہی نہیں اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے نزدیک ساری دنیائے انسانیت کے لیے اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا کوئی دین نہیں ہے صرف اپنے خیال سے اپنی نجات کا یقین کر بیٹھنا اور یہ سمجھ لینا کہ ہم ہی جنتی ہیں اور باقی سارے انسانوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ ان کے لیے خالق و مالک کی طرف سے کوئی ہدایت نہیں، جسے اختیار کر کے وہ مستحق جنت نہیں، سراسر خود فریبی ہے۔

نصاریٰ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے سمجھے جاتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ ہم جس دین پر ہیں وہ دین نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دے کر بھیجا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا ہو کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں یا یہ فرمایا ہو کہ میری اور میری والدہ کی عبادت کرو، یا یہ فرمایا ہو کہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے اور میرے قتل کے بعد جو شخص یہ عقیدہ رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو قتل کرا کر ان سب لوگوں کے گناہوں کا کفارہ کر دیا جو ان کو اللہ کا بیٹا مانیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ سب باتیں نصاریٰ کی خود تراشیدہ ہیں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے کوئی بات بھی نہیں فرمائی انہوں نے تو صرف اللہ کی عبادت کرنے کی تبلیغ کی اور نصاریٰ جو کچھ کہتے ہیں ان کے پاس اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بتائی ہیں۔ یہ باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد ان کے جھوٹے ماننے والوں نے کئی سو سال کے بعد تجویز کیں کیونکہ اس میں تن آسانی ہے اور پورے گناہ کرتے ہوئے مغفرت اور نجات کی گارنٹی ہے اس لیے نصاریٰ نے ان باتوں کو بغیر تحقیق کے قبول کر رکھا ہے اتوار کے دن پادری کہہ دیتا ہے کہ میں نے اس ہفتہ کے سب گناہ معاف کر دیے۔ یہ کیسی خلاف عقل بات ہے کہ نافرمانی کی ہے خدائے پاک کی اور معاف کر رہی ہے مخلوق۔ ان پادریوں کو گناہ کے معاف کرنے میں خداوند تعالیٰ کا

نائب مانتے ہیں۔ ان کو یہ نیابت کہاں سے ملی کس نے ان کو نائب بنایا؟ ہر عقلمند کے سامنے یہ سوالات آتے ہیں۔ یہ سب کچھ نصاریٰ کا اپنا بنایا ہوا دین ہے، اور اوپر سے اس دھوکہ اور آرزو میں پڑے ہوئے ہیں کہ صرف ہماری ہی نجات ہوگی اور ہم ہی جنتی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ کوئی بات بلا دلیل قبول نہیں ہوتی اور دنیا میں سب اسی قانون پر چلتے ہیں، لیکن آخرت کے بارے میں جہاں دوزخ کے دائمی عذاب سے نجات پانے کی ضرورت ہوگی۔ صرف خوش فہمی اور گمان اور خیالات اور اوہام اور آرزوؤں پر اکتفاء کئے ہوئے ہیں۔ ہدایہم اللہ تعالیٰ۔

یہود و نصاریٰ کے علاوہ کفار کی دوسری قومیں بھی اپنے بارے میں خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں اور ان سب نے محض جھوٹی آرزوؤں کا سہارا لے رکھا ہے۔ ان کے پاس ان کے دین کے حق ہونے کی اور اس بات کی کہ ان کا دین یوم آخرت میں ذریعہ نجات بنے گا کوئی دلیل نہیں ہے اور مشرکوں کی بیوقوفی دیکھو کہ پیدا کیا اللہ نے اور کھانے کو وہی دیتا ہے اور انسانوں کی ضرورت کا ہر سامان اسی نے پیدا فرمایا ہے لیکن پرستش اور پوجا اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی کرتے ہیں اور اس میں نجات سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھ دے۔

عند اللہ جنتی کون ہے:

یہود و نصاریٰ کے دعویٰ کی تردید کرنے اور ان سے دلیل طلب کرنے کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا:

﴿بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ﴾ (الایۃ) یعنی دوسرے لوگ کیوں جنت میں داخل نہ ہوں گے؟

اللہ تعالیٰ کا قانون تو یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو اور اپنی ذات کو اللہ کے احکام کی تعمیل میں جھکا دے اور وہ صفت احسان سے متصف بھی ہو تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ضرور ملے گا۔ جو جنت کے داخلے کی صورت میں ہوگا۔ ان لوگوں کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ غمگین ہونے کا کوئی موقعہ ہے یہ عمومی قانون ہے جو بھی اس پر عمل کرے گا داخلہ جنت کا مستحق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کی قرابت رشتہ داری نہیں ہے اور نہ کوئی خواہ مخواہ محبوب اور مقرب بن جاتا ہے۔ ایمان پر دخول جنت کا مدار ہے۔

لفظ احسان سے مشتق ہے جو حسن سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے اچھے طریقے سے کام کرنا اور عمدگی کے ساتھ انجام دینا اس میں احسان عقیدہ اور احسان عمل سب کچھ داخل ہے۔ بعض مفسرین نے محسن کا ترجمہ مخلص سے کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عقیدہ بھی صحیح ہونا لازم ہے اور عمل بھی صحیح ہونا ضروری ہے۔ جس کا عقیدہ رسول اکرم خاتم النبیین ﷺ کے بتائے ہوئے عقیدوں کے خلاف ہو، وہ عقیدہ میں محسن نہیں ہے لہذا اس کی نجات نہیں ہے۔ اس نے اپنی ذات کو اللہ کے لیے نہیں جھکایا وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول کی تکذیب کرتا ہے۔ لہذا مستحق نجات نہیں، اور جس شخص کا عمل رسول اللہ ﷺ کے عمل کے موافق نہیں ہے یا نیت میں اخلاص نہیں یعنی اللہ کی رضا مطلوب نہیں اس کا وہ عمل مردود ہے۔ اللہ کی محبت کا دعویٰ ہو اور رسول اللہ ﷺ کا اتباع نہ ہو تو یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ عقیدہ اور عمل دونوں میں اخلاص ضروری ہے منافق عقیدہ میں مخلص نہ تھے اور جو لوگ عقیدہ ٹھیک رکھتے ہیں لیکن عمل اللہ کی رضا کے لیے نہیں کرتے دکھاوے کے لیے اور دنیاوی جاہ و عزت حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں ان کے عمل کا آخرت میں کوئی ثواب نہیں۔ سورۃ کہف کے آخر میں فرمایا:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ ”جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اسے چاہیے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے“

کافروں اور مشرکوں میں جو لوگ کوئی عمل کرتے ہیں اگر ان میں اللہ کی رضا مقصود رکھتے ہوں تب بھی وہ معتبر نہیں اور آخرت میں اس کا کوئی ثواب نہیں۔ کیونکہ عقیدہ کے اعتبار سے گمراہ ہیں اور اللہ کے دین پر نہیں ہیں ان کے لیے سورۃ فرقان میں فرمایا:

﴿وَقَدْ مَنَّآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَلَجَعَلْنَاهُمْ مَثُورًا﴾ ”اور ہم ان کے کاموں کی طرف جو وہ کر چکے تھے متوجہ ہوں گے سوا ان کو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان غبار“

شاید کوئی شخص اپنی جہالت سے یہ سوال کرے کہ آیت میں مسلمان ہونے کی شرط نہیں ہے پھر یہ شرط کہاں سے آگئی اس کا جواب یہ ہے

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ کو پیش نظر رکھیں۔
 ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ سے ہی یہ قید ثابت ہوتی ہے اور دوسری آیات بھی پیش نظر رکھنا لازم ہے۔ سورۃ آل عمران کی آیت

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۗ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۗ فَاَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

اور کہا یہود نے کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں، اور نصاریٰ نے کہا کہ یہودی کسی چیز پر نہیں، حالانکہ وہ لوگ کتاب پڑھتے ہیں۔ ایسا ہی کہا ان لوگوں نے جو نہیں جانتے انہیں کی سی بات، پس اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن اس بات میں جس میں وہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کا آپس میں نزاع اور ان کی باتوں کی تردید

تفسیر (درمنثور ص ۱۰۸ ج ۱) میں حضرت ابن عباس سے روایت نقل ہے کہ جب نجران کے نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہودیوں کے علماء بھی وہاں پہنچے دونوں فریقوں نے وہیں خدمت عالی میں حاضر ہوتے ہوئے آپس میں مباحثہ شروع کر دیا۔ یہودیوں میں ایک شخص رافع بن حریمہ تھا۔ اس نے نصاریٰ سے کہا کہ کسی چیز سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور نہ کبھی تھا۔ اس طرح انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا بھی انکار کیا..... اور انجیل کے کتاب اللہ ہونے کے بھی منکر ہوئے نصاریٰ کو جو مقابلہ میں جواب دینے کا جوش آیا تو ان میں سے ایک شخص نے یہودیوں سے کہا کہ تم کسی چیز پر نہیں ہو یعنی تمہارے دین کی کوئی اصلیت اور بنیاد نہیں۔ اللہ کے کسی نبی یا اللہ کی کسی کتاب سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور نہ کبھی تھا۔ اس طرح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر بیٹھے اور تورات شریف کے کتاب اللہ ہونے کے منکر ہو گئے۔ اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ اور دونوں جماعتوں کے دعویٰ ذکر کر کے فرمایا:

﴿وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ﴾ ”یعنی ہر فریق اللہ کی کتاب پڑھتا ہے“

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا علم ہوتے ہوئے ان کی رسالت کے منکر ہو رہے ہیں۔ ہر فریق کو دوسرے فریق کے بارے میں معلوم ہے کہ باوجود تحریف کر لینے کے پھر بھی اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول سے ہر ایک کو انتساب ہے۔ گویا انتساب ان کے کفر کی وجہ سے ان کی نجات دلانے والا نہیں لیکن فی الجملہ اس کا انکار بھی صحیح نہیں کہ ان کے دین کی ابتداء اللہ کے کسی نبی یا کسی کتاب سے ہے، قال ابن کثیر ولهذا قال تعالى وهم يتلون الكتاب اي وهم يعلمون شريعة التوراة والانجيل كل منهما كانت مشروعة في وقت ولكنهم تجاحدوا فيما بينهم عنادا وكفرا ومقابلة للفاسد بالفاسد۔ (۱۵۵ ج ۱)

پھر فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ﴾ ”یعنی ایسی ہی بات ان لوگوں نے کہی جو نہیں جانتے“

یعنی یہود و نصاریٰ کے علاوہ جو ان سے پہلے امتیں گزری ہیں وہ بھی ایسی ہی جہالت کی باتیں کرتی رہی ہیں کہ عناد اور تعصب کی وجہ سے حق کو جھٹلایا اور حقیقت واضح کونہ مانا۔ اور اب مشرکین عرب کا یہی حال ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی نبوت اور رسالت کے منکر ہوئے حالانکہ آیات بینات اور دلائل واضح ان کے سامنے ہیں دلوں سے جانتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں لیکن مانتے نہیں۔ واختلف فيمن عنى في قوله تعالى: الذين لا يعلمون، فقال عطاءُ امم كانت قبل اليهود والنصارى وقال السدي هم العرب، قالوا ليس محمد شيء واختار ابن جرير أن الحمل الجميع أولى۔ (من ابن كثير ص ۱۵۵ ج ۱)

پھر فرمایا ﴿فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾ ”کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع فرمائیں گے اور عدل کے ساتھ ان کے ساتھ ان کے درمیان فیصلے فرمائیں گے۔ اور اس فیصلہ سے سب پر حق ظاہر ہو جائے گا۔ اور باطل کا پتہ چل جائے گا۔“

سورۃ سب میں فرمایا: ﴿قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبَّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ﴾ ”کہہ دیجیے کہ ہمارا رب ہم سب کو جمع فرمائے گا پھر ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا جاننے والا ہے۔“

بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان عملی فیصلہ فرمادیں گے۔ اور وہ عملی فیصلہ یہ ہوگا کہ اہل حق کو جنت میں اور اہل باطل کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ عملی فیصلہ کی قید اس لیے لگائی کہ قول اور برہانی فیصلہ تو عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ دنیا میں بھی ہو چکا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا ۗ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۗ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱۳﴾

اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اس بات سے روکے کہ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لیا جائے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے، ان لوگوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

اللہ کی مسجدوں میں ذکر سے روکنا بہت بڑا ظلم ہے

اس آیت شریفہ میں ان لوگوں کو سب سے بڑا ظالم بتایا ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکیں، ان میں اللہ کا نام لینے اور اللہ کی عبادت کرنے سے منع کریں اور ان کی ویرانی کی کوشش کریں اس کام کے کرنیوالے کون ہیں۔ جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی؟ (معالم التنزیل ص ۱۰۷ ج ۱) میں حضرت عطا اور عبدالرحمن بن زید سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی، ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو مکہ والوں نے آپ کو مقام حدیبیہ میں روک دیا اور عمرہ کے لیے مسجد حرام تک نہ پہنچنے دیا، مساجد کی آبادی یہ ہے کہ ان میں وہ کام کرتے رہیں جن کاموں کے لیے وہ بنائی گئی ہیں۔ نماز، تلاوت، ذکر، اعتکاف وغیرہ اور مسجد حرام کے آباد کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس میں طواف کیا جائے، جو شخص ان کاموں سے روکے گا وہ ان کی ویرانی کی کوشش کرنے والا ہے۔ مشرکین مکہ اس وقت مسجد حرام کے متولی تھے لیکن کعبہ شریف میں انہوں نے بت رکھے ہوئے تھے ظاہری تعمیر کی دیکھ بھال ہی کو انہوں نے اس کی آبادی سمجھ لیا اور اس کی حقیقی تعمیر سے غافل تھے۔ توحید کے بجائے شرک کے کام کرتے تھے وہاں نمازیوں کو نماز نہیں پڑھنے دیتے تھے۔ ان کے ظلم اور زیادتی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے پھر جب عمرہ کے لیے تشریف لے گئے تو عمرہ نہ کرنے دیا۔ مشرکین کو سمجھایا بھجھایا گیا کہ عمرہ کر کے واپس ہو جائیں گے لیکن وہ ایک نہ مانے اور ضد پراڑے رہے۔ بالآخر آپ صحابہ کے ساتھ واپس تشریف لے آئے اور آئندہ سال عمرہ کی قضا فرمائی یہ جو فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ﴾ ”اس میں اس بات کی خوشخبری دی کہ مکہ معظمہ فتح ہوگا۔ جب غلبہ اہل اسلام کا ہو جائے گا تو یہ مشرکین اس میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کر لیا کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک ہرگز حج نہ کرے۔“ (من معالم التنزیل ص ۱۰۷ ج ۱)

بعض مفسروں نے فرمایا ہے کہ آیت شریفہ میں یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے کہ انہوں نے مختلف اوقات میں بیت المقدس کی بے حرمتی کی

حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اس سے نصاریٰ مراد ہیں جو بیت المقدس میں تکلیف دینے والی چیزیں پھینک دیتے تھے اور لوگوں کو نماز پڑھنے سے روکتے تھے۔ اور قتادہ کا قول ہے کہ اس سے رومی لوگ مراد ہیں۔ انہوں نے یہودیوں کے بغض میں بیت المقدس کی بربادی میں بخت نصر مجوسی کی مدد کی اور کعب احبار سے منقول ہے کہ نصاریٰ بیت المقدس پر غالب ہوئے تو انہوں نے اس کو جلا دیا جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آیت بالانازل فرمائی۔ لہذا جو بھی کوئی نصرانی اب بیت المقدس میں داخل ہوتا ہے تو خوف کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔ (درمنثور ص ۱۰۸ ج ۱)

سبب نزول جو بھی ہو اور نزول آیت کے وقت مساجد اللہ سے روکنے کا مصداق جو بھی کوئی جماعت ہو قرآن مجید کے عمومی بیان سے واضح ہوا کہ مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے روکنا ظلم کی چیز ہے اور یہ بڑے ظلم میں شمار ہے۔ فی روح المعانی و ظاہر الایۃ العموم فی کل مانع و فی کل مسجد و خصوص السبب لا یمنعہ (ص ۳۶۳ ج ۱)..... نیز وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا کے عموم میں مسجدوں کو گرا دینا اور معطل کر دینا بھی شامل ہے۔ قال صاحب روح المعانی وسعی فی خرابها ای ہدمها و تعطيلها۔ اگر کوئی ایسی جماعت یا اُس کا کوئی فرد مسجد میں آنا چاہے جو دائرہ اسلام سے خارج ہوں مثلاً کسی نئے مدعی نبوت پر ایمان لانے والے لوگ جس نے ختم نبوت کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو ان لوگوں کو اپنی مسجد سے روک سکتے ہیں یہ منع کرنا ذکر اللہ سے منع کرنا نہیں بلکہ مسلمانوں کو کفر سے محفوظ رکھنے کے لیے ہوگا۔ اسی طرح کی ایک جماعت کو جب مسلمانوں نے مسجد سے روکا تو انہوں نے مذکورہ بالا آیت پڑھ دی جس پر ایک عالم نے سورہ انعام کی یہ آیت پڑھ کر سنائی:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آئی ہے حالانکہ اس پر کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی، اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے میں عنقریب ایسا نازل کروں گا۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ ﴿أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ﴾ کا مطلب یہ لکھا ہے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت اور بے باک ہو کر ان مساجد میں قدم بھی نہ رکھنا چاہیے تھا بلکہ جب جاتے تو نہایت عظمت و حرمت و ادب سے جاتے جب بے باک ہو کر اندر جانے تک کا استحقاق نہیں تو اس کی جگہ حرمت کا کب حق حاصل ہے اسی کو ظلم فرمایا گیا اھ۔ خلاصہ یہ نکلا کہ اس میں مساجد کا ادب بتایا گیا ہے یہ بات سیاق کلام سے دل کو زیادہ لگتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

پھر فرمایا: ﴿لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾

کہ دنیا میں ان لوگوں کے لیے رسوائی ہے، اور آخرت میں وہ سب قومیں رسوا ہوں گی جنہوں نے مسجد حرام یا بیت المقدس میں اللہ کے ذکر و عبادت سے روکا اور ان کی ویرانی کی کوشش کی دنیا میں یہ قومیں مغلوب بھی ہوئیں مسلمانوں کی محکوم بھی بنیں اور یہود و نصاریٰ جزیہ دینے پر مجبور ہوئے اور آخرت میں سب کافروں کو جو بڑا عذاب ہوگا۔ بار بار قرآن مجید میں اس کا ذکر ہو چکا ہے اور اس عذاب کی تفصیلات آیات اور احادیث میں مذکور ہیں۔

وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُولُوْا فَوَجْهُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۵﴾

اور اللہ ہی کے لیے ہے مشرق اور مغرب، سو تم جس طرف بھی رخ کرو ادھر اللہ کا رخ ہے، بے شک اللہ واسع ہے، علیم ہے

جدھر رخ کرو ادھر اللہ کا رخ ہے

لباب النقول میں تین واقعات لکھے ہیں جن میں اس آیت کے سبب نزول کا ذکر ہے۔ تینوں واقعات میں یہ تذکرہ ہے کہ حضرات صحابہ سفر میں تھے اندھیری رات میں (اور بعض روایات میں ہے کہ بادل کی وجہ سے) قبلہ کے بارے میں اشتباہ ہو گیا۔ ہر ایک نے اپنے غور و فکر

روح المعانی (ص ۳۶۵ ج ۱) میں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَّاسِعٌ اٰی مَحِیْطٌ بِالْاَشْیَاءِ مَلِكًا اَوْ رَحْمَةً فَلِهٰذَا وَسِعَ عَلَیْكُمْ الْقِبْلَةَ وَلَمْ یَضِیْقْ عَلَیْكُمْ۔ عَلِیْمٌ بِمَصَالِحِ الْبِعَادِ وَاعْمَالِهِمْ فِی الْاَمَاكِنِ۔

(یعنی اللہ تعالیٰ مالکیت کے اعتبار سے یا رحمت کے اعتبار سے ہر چیز کو محیط ہے اسی لیے اس نے قبلہ کے بارے میں تم پر آسانی فرمادی اور تنگی نہیں فرمائی اور وہ بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور جس جگہ بھی کوئی بھی کوئی عمل کریں وہ اس سے باخبر ہے۔ اھ، لہذا وہ سب کو ثواب عطا فرمائے گا۔ وہ قلوب کے احوال بھی جانتا ہے اگر کسی نے اندھیرے میں اپنے غور و فکر کے مطابق قبلہ کی معینہ جہت کے خلاف نماز پڑھی لیکن پڑھی اللہ ہی کے لیے اس کا مقصد اطاعت ہی ہے بغاوت نہیں تو ثواب کا مستحق ہوگا اور اُسے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔

قبلہ کے مسائل:

مسئلہ: استقبال قبلہ نماز کی شرائط میں سے ہے غیر قبلہ کو نماز پڑھے تو نماز نہ ہوگی ہاں اگر کوئی شخص خائف ہے قوی دشمن اسے معینہ قبلہ کی طرف نماز نہ پڑھنے دیتا ہو تو جس طرف منہ کر کے پڑھ سکتا ہو اسی طرف پڑھ لے اس وقت یہی اس کا قبلہ ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی ایک فرد یا جماعت کسی جگہ موجود ہوں اور قبلہ میں اشتباہ ہو جائے اور وہاں پر کوئی بتانے والا بھی نہ ہو تو ہر شخص اپنے اپنے طور پر خوب غور و فکر کرے۔ جس طرف دل ٹھکے ہر شخص اُس طرف کو نماز پڑھ لے۔ اگر غور و فکر کے بعد کسی طرف کو نماز پڑھنی شروع کی اور نماز کے اندر ہی پتہ چل گیا کہ قبلہ دوسری طرف کو ہے۔ تو اسی طرف گھوم جائے۔ پھر سے نماز پڑھنا ضروری نہیں۔

مسئلہ: اگر نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہو کہ غلط رخ پر نماز پڑھی گئی تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ: اندھیری رات میں کسی جگہ چند مسلمان موجود ہیں قبلہ کا علم نہیں ہے۔ اُن میں سے ایک شخص امام بن گیا اور امام اور مقتدی سب نے اپنے اپنے غور و فکر سے ایک ایک جہت کو نماز پڑھ لی اور ہر ایک کی جہت مختلف تھی اور مقتدیوں کو یہ علم نہیں کہ امام کا رخ کدھر ہے تو یہ نماز باجماعت صحیح ہو جائے گی۔ ہاں اگر کسی کو یہ پتہ ہے کہ امام کا رخ فلاں جانب ہے اور وہ رخ اس مقتدی کے نزدیک صحیح نہیں ہے تو اس مقتدی کی نماز نہ ہوگی کیونکہ وہ اپنے امام کو غلطی پر سمجھے ہوئے ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص امام سے آگے بڑھ گیا یعنی امام کے آگے کھڑا ہو گیا (اس طرح سے کہ امام کا چہرہ اس کی پشت کی طرف ہو، تو بھی اقتدا صحیح نہ ہوگی۔) (من الھدایہ باب شروط الصلاۃ)

مسئلہ: جو شخص آبادی سے باہر ہو اور جانور پر سوار ہو وہ چاہے کہ میں نفل نماز پڑھوں تو وہ بیٹھے بیٹھے اپنی سواری پر نفل نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگرچہ سواری کا رخ قبلہ کی جانب نہ ہو جیسا کہ حضور اقدس ﷺ کا اور بعض صحابہ کا عمل بحوالہ صحیح مسلم گزر چکا۔

مسئلہ: فرض نماز غیر قبلہ کی طرف رخ کر کے پڑھی جائے تو صحیح نہ ہوگی الا یہ کہ قبلہ معلوم نہ اور کوئی بتانے والا نہ ہو تو اس صورت میں تحری یعنی غورو فکر کر کے نماز پڑھ لے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

مسئلہ: ریل میں اور پانی کے جہاز میں نماز آسانی سے قبلہ رخ ہو کر پڑھی جاسکتی ہے۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا کہ فرض نماز بھی سفر میں بلا قبلہ پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور قبلہ کی طرف رخ کرنے کی قدرت ہوتے ہوئے غیر قبلہ کو نماز پڑھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ صاحب سفر میں سب معاف ہے۔ یہ اُن کی غلطی ہے اور اُن کا عمل فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہے۔ ان کی نماز نہیں ہوتی۔

حکمت تعیین قبلہ

کسی خاص جانب کو قبلہ قرار دینا بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے۔ اگر کسی خاص رخ پر نماز پڑھنے کا حکم نہ دیا جاتا اور ہر شخص کو اختیار ہوتا کہ جدھر کو چاہے رخ کر کے نماز پڑھ لے تو اس میں تشتت اور انتشار کا مظاہرہ ہوتا اور ایک ہی جانب قبلہ معین ہو جانے سے تنظیم اور اتحاد کا جو عملی سبق مل رہا ہے وہ بھی نہ رہتا لہذا سارے عالم کا قبلہ ایک ہی چیز کو قرار دیا گیا۔ ہجرت کے بعد ایک سال سے کچھ اوپر بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی گئی پھر کعبہ شریف کو قبلہ قرار دیا گیا جیسا کہ دوسرے پارے کے شروع میں قصہ بیان ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس تفصیل سے واضح

ہو گیا کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہوتی ہے۔ بیت اللہ یا بیت المقدس، جس کی طرف بھی حکم خداوندی کے مطابق نماز پڑھی گئی وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت ہے۔ کسی جہت یا کسی گھر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے اس جہت یا اس گھر کی عبادت نہیں ہوتی۔ اس سے بت پرستوں کا یہ اعتراض ساقط ہو جاتا ہے کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں تو تم بھی تو کعبہ کو نماز پڑھتے ہو۔ کیونکہ مسلمان رخ کعبہ کا کرتے ہیں اور عبادت اللہ کی کرتے ہیں اور مشرکین بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں کہیں سے کہیں تک بھی یہ بات نہیں کہ ہم عبادت اللہ کی کر رہے ہیں اور بتوں کو بطور قبلہ سامنے رکھ رکھا ہے۔ اگر مسلمانوں کو دیکھا دیکھی ایسا کہنے بھی لگیں تو یہ ان کی جھوٹی بات ہوگی۔

فائدہ: بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے کے بعد کعبہ شریف کو قبلہ قرار دینے سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ بیت المقدس یا کعبہ شریف کو نماز پڑھنا قبلہ کے طور پر ہے (یعنی حکمت اور مصلحت کی وجہ سے ان میں سے اللہ تعالیٰ نے جس کو جب چاہا قبلہ قرار دے دیا) وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ چاروں جہات میں سے کوئی جہت قبلہ کیلئے معین اور مخصوص نہیں ہے۔ جب کعبہ شریف کو قبلہ قرار دے دیا گیا تو قبلہ کی کوئی جہت معین نہ رہی سارے عالم کے مسلمانوں کو کعبہ شریف کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے دیا گیا اور سب اس پر عمل کرتے ہیں تو چاروں جہات کی طرف نمازوں کا رخ ہو جاتا ہے اس سے فَتْمَ وَجْهَ اللَّهِ کا مفہوم پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ ۗ بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ كُلُّ لَّهُ قٰنُوْنٌ ﴿۱۱۳﴾ بَدِيْعُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاِذَا قَضٰى اٰمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۴﴾

اور انہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے وہ اس سے پاک ہے، بلکہ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے، سب اسی کے لیے فرمانبردار ہیں۔ وہ بلا مثال کے پیدا فرمانے والا ہے، اور جب فیصلہ فرمائے کسی امر کا تو بس یوں فرما دیتا ہے کہ ہو جا، پس ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنے والوں کی گمراہی

اس آیت شریفہ میں مشرکین کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں پھر فوراً ہی سُبْحٰنَهُ فرما کر ان کی تردید کی اور خالق و مالک جل و علیٰ کی تنزیہ بیان فرمائی، اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنے کا شرکیہ عقیدہ یہود میں بھی رہا ہے کیونکہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے تھے۔ اور نصرانیوں کے بارے میں تو سبھی جانتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہیں۔ سورہ توبہ میں ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عَزِيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصْرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ اور مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ﴿اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَ اتَّخَذَ مِنْ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا اِنْ كُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا﴾ (کیا تمہارے رب نے تم کو تو بیٹوں کے ساتھ خاص کیا اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا، بے شک تم بڑی بے جا بات کہتے ہو)۔ اور سورہ زخرف میں فرمایا ﴿وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا اَشْهَدُوْا خَلَقَهُمْ سَتَكْتُبُ شَهَادَتَهُمْ وَيَسْئَلُوْنَ﴾ (اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں۔ عورت قرار دے رکھا ہے، کیا ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جائے گا اور ان سے باز پرس ہوگی)۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس عقیدہ کی تردید فرمائی اور سورہ اخلاص میں واضح طور پر فرمایا ہے۔ ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ کہ اس نے نہ کسی کو جنانہ وہ کسی سے جنانا اور کوئی بھی اس کے برابر نہیں۔ سورہ انعام میں فرمایا:

﴿وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنِّ وَ خَلَقَهُمْ وَ خَرَقُوْا لَهُ بَنِيْنَ وَ بَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحٰنَهُ وَ تَعَالٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِنِّىْ يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَهٗ صٰحِبَةً وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾

”اور لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے حالانکہ ان کو خدا نے پیدا کیا اور ان لوگوں نے اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں محض بلا سند تراش رکھی ہیں وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں وہ آسمان اور زمین کا موجد ہے۔ اللہ کے اولاد کہاں ہو سکتی ہے حالانکہ اس کے کوئی ساتھ والی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز جانتا ہے۔“

سورۃ مریم میں فرمایا: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۗ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ۗ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۗ إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَنِ عَبْدًا ۗ﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کی ہے۔ تم بہت زیادہ بری بات لے کر آئے۔ کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کے شایان شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے جتنے بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے روبرو بندے بنے ہوئے حاضر ہوتے ہیں۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کے لیے ایسا کرنا درست نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی حالانکہ اس کے لیے ایسا کرنا درست نہ تھا اس کا جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں (موت دے کر) دوبارہ اسے زندہ نہ کروں گا جیسا کہ میں نے اسے شروع میں پیدا کیا اور اس کا گالی دینا یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہو گیا حالانکہ میں بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ میں جنا گیا اور نہ کوئی میرے برابر ہے۔ (صحیح بخاری ص ۲۴۷ ج ۲)

ان آیات سے اور حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت ہی زیادہ ناگوار ہے اور یہ بہت بڑا کفر ہے اور بہت بڑا شرک ہے۔ یہ ایسی چیز ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو اور اس کا مخلوق کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ نہ ہو تو اس شرک کی وجہ سے آسمان وزمین کے ٹکڑے ہو جائیں اور پہاڑ گر پڑیں۔

اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی حلیم نہیں:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تکلیف دینے والی باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے لوگ اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں وہ پھر بھی ان کو عافیت دیتا ہے اور رزق عطا فرماتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۳ از بخاری و مسلم)

تکلیف تو جسم اور جان کو ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے۔ لیکن لوگوں کی باتیں ایسی ہیں جو تکلیف دینے والی ہیں۔ اور ان سے اللہ تعالیٰ کو سخت ناگواری اور بیزاری ہے۔ پھر بھی وہ زندہ رکھتا ہے رزق اور عافیت دیتا ہے اور عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا۔ اصحاب دنیا میں کسی ذرا سے صاحب اقتدار کو بھی کوئی ناگواری کی بات کہہ دی جائے تو وہ بہت جلد سزا دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا ﴿بَلْ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ لَكُمْ قِنْتُونَ﴾ کہ جو بھی کچھ آسمانوں میں اور زمین میں موجود ہے یہ سب اللہ کی مخلوق ہے اور مملوک ہے اور سب اس کے بندے ہیں اور سب اس کے فرمانبردار ہیں۔ خالق اور مخلوق کے درمیان اور مالک اور مملوک کے درمیان اور عابد و معبود کے درمیان کوئی نسبی رشتہ نہیں ہو سکتا۔ رشتہ کے لیے ہم جنس ہونا ضروری ہے۔ لہذا خالق تعالیٰ شانہ کی کوئی اولاد ہونا ہی محال ہے اس کے لیے اولاد تجویز کرنا اس کے لیے عیب تجویز کرنا ہے اور اس کی ذات کو محتاج بتانا ہے اور اس کے لیے برابر کا تجویز کرنا ہے اور وہ ان سب باتوں سے پاک ہے۔ بلند و بالا ہے اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا کہ اللہ کے لیے اولاد تجویز کرنا اس کو گالی دینا ہے یعنی اس کی ذات کو ایسی چیز سے متصف

کرنا ہے جو اس کے لیے نقص اور عیب کی چیز ہے۔ پھر فرمایا: ﴿بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ﴾۔ (الآیة) یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بلا مثال پیدا فرمایا اور نظام محکم کا ان کو پابند بنایا سب اس کے حکم تکوینی کے پابند ہیں وہ جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔ وہ ﴿فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ ہے۔ وہ صفت انفعال سے متصف نہیں ہے اور جب کسی کے اولاد ہوتی ہے تو اس میں سے اولاد منفصل یعنی جدا ہوتی ہے اور یہ سراپا صفت انفعال ہے جس سے اللہ جل شانہ منزہ اور پاک ہے اور برتر ہے۔ (من روح المعانی ص ۲۶۸ ج ۱)

پھر فرمایا ﴿وَ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرمادیتا ہے کہ ہو جا، پس اس کا وجود ہو جاتا ہے۔) اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کسی بھی چیز کے پیدا فرمانے کے لیے اسباب اور آلات کا محتاج نہیں ہے۔ کسی چیز کے وجود میں آنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی کافی ہے جس طرح اسے اسباب اور آلات کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح معین اور مددگار کی بھی ضرورت نہیں۔ اولاد کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کاموں میں کچھ مدد کرے یا باپ کی موت کے بعد اس کا قائم مقام ہو۔ اللہ تعالیٰ شانہ ازلی اور ابدی ہے۔ اسے کسی اولاد کی ضرورت نہیں۔ جو اس کی جگہ قائم مقام ہو اور اس کی قدرت بھی کامل ہے۔ محض اس کے ارادہ سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔

یہ جو فرمایا کہ کسی چیز کے پیدا فرمانے کے لیے اللہ جل شانہ کن فرمادیتا ہے۔ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ کلام حقیقت پر محمول ہے اور واقعۃً اللہ تعالیٰ کلمہ کن فرماتے ہیں جس سے اس چیز کا وجود ہو جاتا ہے جس کے وجود میں لانے کے لیے یہ کلمہ فرماتے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ جو چیز ابھی موجود نہیں۔ اس کو کیوں کر خطاب کیا جاتا ہے۔ اس اشکال کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیونکہ خطاب کرنے کے لیے اس چیز کا علم ہونا کافی ہے..... اور بعض حضرات نے فرمایا کہ لفظ کن سے لفظ کن مراد نہیں ہے، بلکہ یہ مجاز ہے سرعت تکوین سے اور جلد سے جلد وجود میں آجانے سے۔ قال صاحب الروح والامر محمول علی حقیقتہ کما ذهب الیہ محققو ساداتنا الحنفیۃ، واللہ تعالیٰ قد اجری سنة فی تکوین الاشیاء أن یكونها بهذه الكلمة و ان لم یمتنع تکوینها بغيرها۔ والمراد الکلام الازلی لانه یتحیل قیام اللفظ المرتب بذاته تعالیٰ و کثیر من اهل السنة الی انه لیس المراد به حقیقة الامر والامثال۔ وانما هو تمثیل لحصول ما تعلق به الارادة بلا مهلة بطاعة المامور المطیع بلا توقف۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۱۱۸﴾

اور کہا ان لوگوں نے جو نہیں جانتے، کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ، یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی دلیلیں، ایسا ہی کہا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے انہی جیسی بات، ان کے دل آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے، بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کے لیے دلیلیں بیان کر دی ہیں جو یقین لاتے ہیں۔

جاہلوں کی باتیں کہ اللہ ہم سے بات کیوں نہیں کرتا؟

حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ سامنے صریح دلائل اور معجزات کے ہوتے ہوئے اپنے نبیوں کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور اپنے پاس سے تجویز کر کے نبوت کی دلیلیں طلب کرتے تھے۔ انہیں میں سے ایک یہ مطالبہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خود بات کرے تو ہم مانیں، اور کہتے تھے کہ ہم جو معجزہ چاہتے ہیں وہ ہمارے سامنے آنا چاہیے۔ اس آیت میں بقول بعض مفسرین مشرکین عرب کا یہی سوال نقل

فی روح المعانی ای ارادینا بقریۃ قولہ تعالیٰ انما امرہ اذا ارادینا وجاء القضاء علی وجوہ ترجع کلھا الی اتمام الشیء قولا أو فعلا واطلاقہ علی الارادة مجاز من استعمال اللفظ المسبب فی السبب فان الایجاد الذی ہو اتمام الشیء مسبب عن تعلق الارادة لانه یوجبہ۔ (ص ۲۶۸ ج ۱)

فرمایا ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ اگر مشرکین عرب مراد ہوں تو ان کے بارے میں ﴿الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ جو فرمایا ہے اس میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ کیونکہ وہ عموماً ان پڑھ تھے اور کسی کتاب کے حامل بھی نہ تھے اور اگر یہود و نصاریٰ مراد ہوں ان کو لا یعلمون (نہیں جانتے) اس لیے فرمایا کہ انہوں نے جانتے ہوئے انجان ہونے کا کام کیا پھر فرمایا ﴿كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ (یعنی ان سے پہلے جو لوگ تھے جنہوں نے کفر و عناد اور سرکشی پر کمر باندھی ہوئی تھی انہوں نے بھی اسی طرح کی باتیں کہی تھیں ان کے قلوب اور ان کے قلوب ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے۔ کفر و عناد اور سرکشی میں، انکار حق میں یہ لوگ اور جو ان سے پہلے تھے، ایک ہی جیسے ہو گئے۔

پھر فرمایا ﴿قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (بے شک ہم نے دلائل بیان کر دیے، ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں)۔ تمام انبیاء سابقین ﷺ کو معجزات دیے گئے۔ وہ ان کی نبوت اور رسالت ثابت کرنے کے لیے بالکل کافی و وافی تھے۔ اور نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر بھی بڑے بڑے معجزات اور دلائل واضح سامنے آچکے ہیں۔ منکرین اور معاندین کو تو ماننا ہی نہیں ہے۔ جن کے دلوں میں اتباع حق کا جذبہ ہے اور جو حق سامنے آنے کے بعد حق کو تسلیم کر لیتے ہیں اور حق کو حق جان کر مان لیتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں۔ یہ دلائل انہیں کے لیے مفید ہوتے ہیں منکرین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ جو بھی کوئی معجزہ ان کے سامنے آیا اس کو جادو بتا دیا اور حق کو ٹھکرا دیا جس کو سورہ قمر میں یوں بیان فرمایا کہ ﴿وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرَضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ (اور اگر معجزہ دیکھتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جادو ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا)۔ سورہ انعام میں فرمایا: ﴿وَاقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ آيَةٌ لِيُؤْمِنُوا بِهَا قُلُوبُهُمْ لَئِنْ جَاءَتْ لَآيُؤْمِنُونَ﴾

(یعنی انہوں نے خوب زور دار قسمیں کھا کر کہا کہ اگر ہمارے پاس (ایسا) معجزہ آجائے (جس کی ہم فرمائش کرتے ہیں) تو ہم ضرور ضرور ایمان لے آئیں گے۔ آپ فرمادیجئے کہ سب نشانیاں اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہیں، پھر مسلمانوں سے خطاب فرمایا تم کو اس کی کیا خبر کہ نشانی فرمائش کے مطابق ظاہر ہو جائے تو یہ لوگ اس وقت بھی ایمان نہ لائیں گے؟) اپنی طرف سے تجویز کر کے دلائل و معجزات طلب کرنا ایمان لانے کے لیے نہیں ہے بلکہ محض ضد اور عناد مقصود ہے اسی پر تلے ہوئے ہیں ایمان و یقین کا ارادہ ہی نہیں رکھتے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ①

بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور دوزخ والوں کے بارے میں آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بشیر و نذیر بنا کر بھیجے گئے

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے یہ فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اور آپ کا عہدہ یہ ہے کہ آپ جنت کی بشارت دیں اور دوزخ سے ڈرائیں بشارت میں وہ اعمال بتانا داخل ہے جو دخول جنت کا سبب ہیں جن میں سب سے بڑی چیز ایمان ہے اور ڈرانے کے مفہوم میں ان اعمال سے باخبر کرنا شامل ہے جو دوزخ میں لے جانے والے ہیں جن میں سب سے بڑی چیز کفر و شرک ہے، اور یہ جو فرمایا کہ ﴿وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ﴾ (کہ آپ سے دوزخ والوں کے بارے میں سوال نہ ہوگا) اس میں آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ جو لوگ مسلمان نہ ہوں آپ ان کے بارے میں پریشان نہ ہوں آپ اپنا کام کیے جائیں۔ اللہ کا کلام پہنچائیں حق کو واضح طور پر بیان فرما دیں، آگے ایمان کو قبول کرنا یا نہ کرنا مخاطبین کی ذمہ داری ہے۔ آپ سے کوئی سوال نہ ہوگا کہ کافروں نے اسلام کیوں قبول نہ کیا اور وہ دوزخ

کے مستحق کیوں ہوئے۔ زبردستی ایمان قبول کرانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ کا کام پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔ کما فی سورۃ الرعد ﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَالْبَلَاغُ عَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ سورۃ غاشیہ میں فرمایا ﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَّسْتَ عَلَيْهِمُ بِبَصِيرٍ﴾ یعنی آپ حق کی یاد دہانی کرتے رہے آپ تو مذکر ہی ہیں (یاد دہانی کرنے والے ہیں آپ کو ان پر مسلط نہیں کیا گیا)۔ اور سورۃ ق کے اخیر میں فرمایا ﴿نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَبِيدٍ﴾ (یعنی ہم ان باتوں کو خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں سو آپ ان کو قرآن کے ذریعے نصیحت فرماتے رہیں جو میری وعید سے ڈرتا ہے)۔ قال صاحب الروح والایۃ اعتراض لتسلیۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یضیق صدرہ لاصرارہم علی الکفر (الی ان قال) ای ارسلنک غیر مسنول عن اصحاب الجحیم ما لہم لم یؤمنوا بعد ان بلغت ما ارسلت بہ والزمتم الحجۃ علیہم۔

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنْ هُدَىٰ اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِن
اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۗ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۷﴾

اور ہرگز راضی نہ ہوں گے آپ سے یہود اور نصاریٰ یہاں تک کہ آپ ان کے دین کا اتباع کر لیں۔ آپ فرمادیجیے کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت جو ہے وہی ہدایت ہے اور اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے تو نہ ہوگا آپ کے لیے کوئی ولی اور مددگار جو اللہ سے بچا دے۔

یہود و نصاریٰ راضی نہیں ہو سکتے جب تک ان کے دین کا اتباع نہ کیا جائے

تفسیر معالم التنزیل ص ۱۰۱ ج ۱ میں ہے کہ یہود و نصاریٰ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپس میں کچھ صلح کر لیں (یعنی بعض چیزوں میں آپ نیچے اتر جائیں اور کچھ ڈھیل دے دیں تو ہم آپ کا دین قبول کر لیں گے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ تفسیر قرطبی ص ۹۳ ج ۲ میں آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اے محمد ﷺ ان کا اپنے تجویز کردہ دلائل و معجزات کا مطالبہ اس لیے نہیں ہے کہ ان کے کہنے کے مطابق معجزات ظاہر ہو جائیں تو یہ واقعی ایمان لے آئیں گے حقیقتہً بات یہ ہے کہ آپ ان کے سامنے وہ معجزات لے آئیں جن کا یہ سوال کرتے ہیں تب بھی آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ ان کا مقصد تو یہ ہے کہ آپ اپنے دین اسلام کو چھوڑ دیں اور ان کا پورا پورا اتباع کر لیں۔ جب تک آپ ان کے دین کا اتباع نہ کریں گے یہ کبھی آپ سے راضی ہونے والے نہیں۔

پھر فرمایا ﴿قُلْ إِنْ هُدَىٰ اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ﴾ کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اس کے سوا کوئی ہدایت نہیں۔ اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ غلط ہے۔ گمراہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہے لوگوں نے اپنے اپنے طور پر اپنی خواہش سے مذاہب بنا لیے ہیں۔ ان کا دین اختیار کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر آپ نے ان کی خواہش کا اتباع کیا جبکہ آپ کے پاس علم آچکا ہے تو آپ اللہ کی گرفت میں آ جائیں گے اور اس وقت اللہ کی گرفت سے بچانے والا کوئی حامی اور مددگار نہ ہوگا۔ کما فی سورۃ الرعد ﴿وَلَئِن اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۗ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ خطاب یا تو حقیقتاً رسول اللہ ﷺ کو ہے اور یا بظاہر آپ کو خطاب کیا ہے اور مراد اس سے آپ کی امت ہے۔ اگر پہلی صورت مراد لی جائے تب بھی اس میں امت کیلئے تادیب ہے۔ کیونکہ امت کا مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے مرتبہ سے کہیں کم ہے پس جب دوسروں کی خواہشوں کے اتباع سے رسول اللہ ﷺ کا مواخذہ ہو سکتا ہے تو اگر امت ایسا کوئی کام کرے گی جس میں دوسروں کا اتباع ہو وہ کیونکر مواخذہ سے بچے گی۔

مومن کا کام ہے کہ صرف اپنے خالق اور مالک کو راضی رکھے اور اسے راضی رکھنے کے ذیل میں جو راضی ہوتا ہو وہ راضی رہے جو ناراض

ہوتا ہو وہ ناراض رہے کوئی اپنا ہو یا پر یا خدا کو ناراض کر کے کسی دوسرے کو راضی کرنے کی کوشش ایمانی تقاضوں کے سراسر خلاف ہے، آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں۔ وہ اپنے اعمال اور لباس اور وضع قطع اور شکل و صورت میں یہود و نصاریٰ کا اتباع کئے ہوئے ہیں اور ان لوگوں کے سامنے اپنے کو حقیر جانتے ہیں اور انہیں راضی رکھنے کے لیے داڑھی بھی مونڈتے ہیں۔ یورپین لباس بھی پہنتے ہیں عورتوں کو بھی بے پردہ پھراتے ہیں اور غیروں سے ان کے مصافحہ کراتے ہیں ٹائی لگانے کو فخر سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو یہ دشمنان اسلام طعنے دیں گے اور ہمیں اچھی نظر سے نہ دیکھیں گے۔ افسوس ہے کہ ان کو یہ منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہو جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع چھوٹ جائے لیکن اہل کفر راضی رہیں اور عزت کی نظر سے دیکھیں چاہے آخرت میں گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے عذاب ہی بھگتنا پڑے، حالانکہ وہ لوگ کسی بھی طرح سے راضی نہیں ہو سکتے وہ تو اسی وقت راضی ہوں گے جب العیاذ باللہ دین اسلام کو چھوڑ کر ان کی ملت و مذہب کا اتباع کر لیا جائے۔

ہمیں کافروں کی طرف دیکھنے کی ضرورت کیا ہے۔ ہماری عزت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ ہم مومن موحدین افضل الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے امتی ہیں ان کا دامن ہمارے ہاتھ میں ہے۔ یہ ہمارے لیے اتنا بڑا فخر ہے کہ اس سے بڑا اور فخر نہیں اور یہی ہماری سب کچھ عزت ہے۔ دشمنوں کے اتباع میں دنیا و آخرت کی ذلت ہی ذلت ہے اور ہلاکت اور بربادی ہے۔ سورۃ نساء میں فرمایا ﴿اَيَسْتَعْتُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ (کیا ان کے پاس معزز رہنا چاہتے ہو سو اعزاز تو سارا خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔)

آیت شریفہ میں ﴿حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ فرمایا حالانکہ ابتداء آیت میں یہود و نصاریٰ دونوں جماعتوں کا ذکر ہے اور ہر ایک کی ملت الگ الگ ہے۔ پھر بھی تشبیہ کا صیغہ نہیں لایا گیا۔ اور یوں نہیں فرمایا کہ آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کی ملتوں کا اعتبار نہ کریں۔ اس سے علماء تفسیر نے یہ بات مستنبط کی ہے کہ کافر اگرچہ مذہبی اعتبار سے اختلاف رکھتے ہوں لیکن کفر میں سب شریک ہیں اس لیے ان سب کی ملت بھی ایک ہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ملتیں دنیا میں دو ہیں ایک ملت ایمان اور ایک ملت کفر۔ فقہاء نے اس سے میراث کے بعض مسائل ثابت کیے ہیں اور یہ بات سب پر واضح ہے کہ کافروں کی ساری جماعتیں اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں ایک ہی ہیں۔ اور سب کی یہ کوشش ہے کہ اسلام نہ پھیلے اور مسلمان دنیا میں عروج نہ پائیں۔ اسلام کے خلاف جو تدبیریں کرتے ہیں ان میں سب ہی کافر مشورے یا مال سے یا دل سے شریک ہوتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ بعض وہ فرقتے جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور عقائد کے اعتبار سے مسلمان نہیں ہیں وہ بھی اسلام دشمنی میں اور مسلمانوں کی حکومتوں کی تباہ کاری میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں ہیں۔

مسلمانوں کو تنبیہ:

آیت بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لیے کوئی صورت نہیں کہ کافروں کے ساتھ اپنے دین میں کوئی مداہنت اور مصالحت کر لیں۔ دین اسلام اللہ کا بھیجا ہوا دین ہے۔ بندوں کا تجویز کیا ہوا نہیں ہے۔ بندوں کو کوئی اختیار نہیں کہ کچھ اونچ نیچ کر کے دینی مسائل اور احکام میں رد و بدل کر کے دشمنوں کے ساتھ زندہ رہنے کے لیے کوئی راستہ نکالیں۔ دشمنان اسلام یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے دین کو بدل دیں کیونکہ ان کا دین ان کا اپنا ہی بنایا ہوا ہے۔ اپنی بنائی ہوئی چیز میں ادل بدل کر سکتے ہیں لیکن مسلمان جو اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول ﷺ کے طریقے کے پابند ہیں وہ اپنے دین میں کوئی تبدیلی نہیں لاسکتے اگر چند جاہلوں نے مل کر کسی حکم کو بدل بھی دیا تو ان کا یہ عمل کفرانہ ہوگا۔ اور اسلام میں کوئی تبدیلی نہ آئے گی۔

الَّذِينَ اتَّيَبْتَهُمُ الْكَيْبُ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ ۗ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

الْخٰسِرُونَ ﴿۱۳۱﴾

وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسکی تلاوت کرتے ہیں، جیسا کہ اسکی تلاوت کا حق ہے۔ یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو شخص اس پر ایمان نہ لائے سو یہ لوگ پوری طرح خسارہ میں ہیں۔

جن کو کتاب ملی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کا حق ہے

اس آیت شریفہ میں اہل ایمان کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایسی تلاوت کرنا جیسا کہ تلاوت کا حق ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کی کتاب میں جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے ان پر عمل کریں اور جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کو اختیار نہ کریں اور قرآن کو اسی طرح پڑھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، اس کے کلمات میں تحریف نہ کریں اور اس کے معانی میں کوئی تبدیلی نہ کریں، حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کے محکمات پر عمل کریں اور تشابہات پر ایمان لائیں اور جو کچھ اشکال پیش آئے اس کو اہل علم کے سپرد کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو تلاوت کرتے وقت کسی رحمت والی آیت پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے ہیں اور جب کسی عذاب کی آیت پر پہنچتے ہیں تو اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ (ابن کثیر ص ۱۶۳-۱۶۴ ج ۱)

یہ جو فرمایا کہ اسی طرح تلاوت کریں جیسا کہ نازل ہوا اس میں تجوید کے ساتھ پڑھنا بھی داخل ہے سب کو معلوم ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ عربی ایک مستقل زبان ہے جو ۲۹ حروف پر مشتمل ہے۔ حروف کے مخارج بھی ہیں اور صفات بھی ہیں۔ مخارج اور صفات کا خیال نہ کرنے سے ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جاتا ہے۔ جس سے معانی بھی بدل جاتے ہیں اور بعض مرتبہ نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ ضروری ہے کہ تلاوت کرنے والے قرآن کو صحیح طریقہ پر مخارج و صفات کی رعایت کے ساتھ پڑھیں اور صحیح ادائیگی کے لیے اصحاب تجوید سے رجوع کریں۔ علامہ جزری فرماتے ہیں۔

والاخذ بالتجوید حتم لازم من لم یجود القرآن اثم

لانه به الاله انزلا وهكذا منه الينا وصلا

پھر فرمایا ﴿أُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ﴾ کہ جو لوگ اللہ کی کتاب کی ایسی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں، معلوم ہوا کہ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی تلاوت اسی طرح کی جائے جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے اور یہ کہ اس کی لفظی یا معنوی تحریف کرنے والے اس پر ایمان والے نہیں۔ آخر میں فرمایا کہ ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَاُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ﴾ یعنی جو لوگ اللہ کی کتاب کے منکر ہیں۔ اس پر ایمان نہیں لاتے یہ لوگ بھرپور خسارہ اور نقصان میں ہیں انہوں نے کفر اختیار کیا اور ایمان کے قریب نہ آئے لہذا دوزخ کے عذاب کے مستحق ہوئے۔ اعاذنا اللہ منها۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا نِعْمَتِيْ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ كُنْتُمْ كٰفِرًا ۗ فَاذْكُرُوْا نِعْمَتِيْ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ

يَوْمَ لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ

يُنصَرُونَ ﴿۳۳﴾

اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر انعام کیا اور اس بات کو بھی کہ میں نے تم کو جہانوں پر فضیلت دی، اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی شخص کسی جان کی طرف سے کوئی مطالبہ ادا نہ کرے گا اور نہ کسی کی طرف سے جان کا کوئی بدلہ قبول کیا جائے اور نہ کوئی شفاعت نفع دے گی، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

بنی اسرائیل کو نعمتوں کی مکرر یاد دہانی

یہ دونوں آیتیں سورۃ بقرہ کے چھٹے رکوع کے شروع میں گزر چکی ہیں۔ دونوں آیتوں میں وہاں ایک طرح کی تمہید تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر بنی اسرائیل کو اپنے انعامات یاد دلانے تھے اور انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرایا تھا، اس کے بعد تفصیلی طور پر بعض نعمتوں کا تذکرہ فرمایا اور ان کی حرکتوں اور بد عملیوں اور جھوٹی آرزوؤں کا اور پھڑے کی پرستش کرنے اور جادو کے پیچھے لگنے اور فرشتوں کو اپنا دشمن بتانے اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دبی زبان سے راعنا کہنے اور اس کے برے معنی مراد لینے کا اور بعض دیگر امور کا تفصیلی بیان ہوا۔ بیان کے ختم پر اب یہاں پھر انہیں دونوں آیتوں کو دہرایا جو بطور تمہید شروع میں مذکور تھیں۔ البتہ دوسری آیت میں ذرا سا لفظی فرق ہے اولاً و آخراً ان کو اجمالی طور پر اپنے انعامات یاد دلا کر ایمان اور اعمال صالحہ میں لگنے کی طرف متوجہ فرمایا اور قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرایا اگر انسان اللہ کی نعمتوں کو سامنے رکھے کہ اللہ نے مجھ پر کیا کیا انعامات فرمائے اور اپنے نفس کا محاسبہ بھی کرے کہ میں نے ان کے مقابلے میں کیا کیا اور ساتھ ہی فکر آخرت بھی ہو تو ایسا شخص ایمان صالح سے دور نہیں رہ سکتا لیکن یہودی ایمان سے بھی گئے اور اعمال صالحہ سے بھی گئے۔

وَإِذْ بَتَلْنَا أَبْرَاهِمَ رَبَّهُ بِحَلَّتِ قَاتِبَهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۗ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۗ

قَالَ لَا يَبْتَئَلُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۝۱۳۳

اور جب آزمایا ابراہیم کو ان کے رب نے چند کلمات کے ذریعہ تو انہوں نے ان کی پورا کیا۔ ان کے رب نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے، ان کے رب نے فرمایا کہ میرا عہد ظلم کرنے والوں کو نہ ملے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آزمائشوں میں پورا اترنا اور ان کی امامت کا اعلان فرمانا

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کا پھر اس میں ان کے پورا اترنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے ان کو چند کلمات کے ذریعہ آزمایا۔

کلمات کی تشریح اور توضیح جن کے ذریعہ آزمایا گیا:

ان کلمات سے کیا مراد ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین کرام نے بہت کچھ لکھا ہے۔ کلمات جمع ہے کلمۃ کی اور کلمہ لفظ مفرد با معنی کو کہا جاتا ہے اور کلام کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں کلمات سے احکام شرعیہ مراد ہیں جن کا ابراہیم علیہ السلام کو مکلف بنایا گیا تھا۔ جو احکام ان کو دیے گئے انہوں نے ان کو پورا کیا اللہ تعالیٰ شانہ نے ان احکام کے انجام دینے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف فرمائی۔ یہاں فرمایا: ﴿فَاتَمَّهْمُنَّ اٰی قَامَ بَہن کلہن﴾ یعنی (جتنے بھی احکام کا حکم دیا گیا ان کو پورا فرمایا) اور سورہ النجم میں فرمایا: ﴿وَ اٰبْرٰہِیْمَ الَّذِیْ وُفِّی﴾ (اور وہ ابراہیم جس نے احکام کی پوری بجا آوری کی) یہ کون سے احکام تھے جن کا ان کو حکم دیا گیا اور وہ ان پر پوری طرح قائم رہے۔ اس کے بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال نقل کیے۔ خود حضرت ابن عباسؓ ہی کے متعدد اقوال ہیں جو تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں ان کا ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مناسک حج کا حکم دیا جس کو انہوں نے پورا فرمایا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ طہارت اور نظافت سے متعلق ان کو احکام دیے تھے اور یہ دس احکام ہیں جن میں پانچ سر سے متعلق اور پانچ باقی جسم سے متعلق ہیں۔ جو سر سے متعلق تھے وہ یہ ہیں۔ ۱۔ موچھیں کا ثنا، ۲۔ کلی کرنا، ۳۔ سانس کے ساتھ ناک میں پانی لے کر ناک صاف کرنا جیسا کہ وضو اور غسل میں کرتے ہیں۔ احادیث میں اس کو استنشاق سے تعبیر فرمایا ہے۔ ۴۔ مسواک کرنا، ۵۔ سر کے بالوں میں مانگ نکالنا اور باقی جسم کے احکام یہ ہیں۔

۶۔ ناخن کا ثنا، ۷۔ ناف کے نیچے بال صاف کرنا، ۸۔ ختنہ کرنا، ۹۔ بغلوں کے بال اکھاڑنا، ۱۰۔ پیشاب اور پاخانہ کر کے پانی سے استنجا کرنا۔ صحیح بخاری (ص ۴۷۳) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نبی ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں مقام قدم میں اپنی ختنہ کی،

حضرت سعید بن المسیب سے منقول ہے۔ کہ ابراہیم خلیل الرحمن سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مہمان کی مہمان نوازی کی۔ اور سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنی ختنہ کی۔ اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی موچھین تراشیں اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جن کے چہرے پر سفید بال نظر آئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب یہ کیا ہے؟ رب تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ وقار ہے (یعنی متانت اور سنجیدگی کی چیز ہے) اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا وقار اور بڑھاد دیجیے (موطا مالک) حضرت ابن عباس سے تیسرا قول یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن احکام کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش فرمائی ان میں سے چھ چیزیں انسان کے اندر ہیں اور چار احکام حج کے متعلق ہیں جسم انسانی کے متعلق چھ عدد یہ ہیں۔ ۱۔ ناف کے نیچے بال صاف کرنا اور باقی چار جو احکام حج سے متعلق ہیں۔ وہ یہ ہیں، ۱۔ طواف کرنا، ۲۔ صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا، ۳۔ جمرات پر کنکریاں مارنا، ۴۔ طواف زیارت کرنا۔ حضرت ابن عباس سے چوتھا قول یہ منقول ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو جن چیزوں کا حکم دیا اور انہوں نے ان کو پورا کیا وہ تیس چیزیں ہیں ان میں سے دس سورہ برأت کی آیت ﴿التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ﴾ (الی آخر الآیة) میں اور دس سورہ مومنون کے اول میں اور سورہ معارج (کے پہلے رکوع میں) اور دس سورہ احزاب کی آیت ﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ﴾ میں مذکور ہیں۔ مکررات کو چھوڑ کر ان سب کا شمار اس طرح سے ہے۔ ۱۔ توبہ کرنا، ۲۔ عبادت کرنا، ۳۔ اللہ کی حمد کرنا، ۴۔ روزہ رکھنا، ۵۔ رکوع کرنا، ۶۔ سجدہ کرنا، ۷۔ امر بالمعروف کرنا، ۸۔ نہی عن المنکر کی انجام دہی کرنا، ۹۔ اللہ کی حدود کی حفاظت کرنا۔ اس آیت میں نو چیزیں مذکور ہیں۔ لیکن مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ سورہ برأت میں دس ہیں۔ احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ حضرت ابن عباس نے وہ آیت بھی ساتھ ملائی ہوگی جو آیت مذکورہ سے پہلے ہے۔ یعنی ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾

اس آیت میں قتال اور جہاد مذکور ہے اس کو ملا کر دس صفات ہو جاتی ہیں۔ سورہ مومنون میں یہ احکام مذکور ہیں۔ ۱۔ نماز میں خشوع کرنا، ۲۔ لغو سے اعراض کرنا، ۳۔ زکوٰۃ ادا کرنا، ۴۔ شرم کی جگہ کو حرام سے محفوظ رکھنا، ۵۔ امانتوں کی نگہداشت رکھنا، ۶۔ عہد کی پابندی کرنا، ۷۔ نمازوں کی پابندی کرنا۔ یہ چیزیں سورہ مومنون کے پہلے رکوع میں مذکور ہیں۔ سورہ معارج میں بھی ان چیزوں کا تذکرہ ہے۔ اس میں یہ چیزیں زائد ہیں، ۸۔ اپنے مالوں میں سائل اور محروم کا حصہ رکھنا، ۹۔ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنا، ۱۰۔ گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا۔ سورہ احزاب میں یہ چیزیں مذکور ہیں۔ ۱۔ اسلام کے کام کرنا، ۲۔ دل سے مومن ہونا، ۳۔ فرمانبرداری کرنا، ۴۔ قول و عمل میں سچائی اختیار کرنا، ۵۔ طاعات کی ادائیگی میں اور مصائب کے آنے پر صبر اختیار کرنا، ۶۔ خشوع اختیار کرنا، ۷۔ مال کی خیرات کرنا، ۸۔ روزہ رکھنا، ۹۔ شرم کی جگہوں کی حفاظت کرنا، ۱۰۔ بہت زیادہ اللہ کا ذکر کرنا۔ یہ دس چیزیں ہیں لیکن اس میں بعض چیزیں وہ ہیں جو سورہ مومنون کی آیت میں بھی مذکور ہیں اور یہاں اگر خشوع سے مراد مطلق خشوع لیا جائے (نماز میں اور غیر نماز میں) جس کا معنی ہے قلب کا جھکاؤ ہونا تو اس سے خشوع فی الاعمال اور خشوع فی المعاملات بھی مراد ہو سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ تکبر اختیار نہ کرے اور قلب و جوارح کو عناد سے اور ہر ایسی چیز سے بچائے جو قلب اور اعضاء و جوارح کے جھکاؤ کے خلاف ہو۔ سورہ برأت میں جو السَّائِحُونَ ہے اس کا ترجمہ بھی روزہ دار کا کیا گیا ہے۔ سورہ احزاب میں بھی السَّائِحِينَ مذکور ہے۔ لیکن حضرت عطاء نے السَّائِحُونَ کا ترجمہ الغزاة المجاہدون فی سبیل اللہ بتایا ہے۔ اور حضرت عکرمہ نے فرمایا ہے کہ ﴿السَّائِحُونَ هُمُ طَلَبَةُ الْعِلْمِ﴾ (کمانی معالم التنزیل) اگر ان میں سے کوئی معنی لیا جائے تو مستقل ایک صفت کا ذکر آجاتا ہے اور تکرار ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پانچواں قول یہ منقول ہے کہ جن کلمات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبتلا فرمایا اور ان کو آزمایا۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) اپنی قوم سے جدا ہو جانا اور اللہ کے لیے مفارقت اختیار کرنا۔ (۲) نمرود سے اللہ کی توحید کے بارے میں مباحثہ کرنا اور جان کا خطرہ ہوتے ہوئے ایک جابر کے سامنے کلمہ حق کہہ دینا۔ (۳) پھر آگ میں ڈالا جانا اور اس کے باوجود حق پر قائم رہنا۔ (۴) اپنا وطن چھوڑ کر اللہ

کے لیے ہجرت کرنا اور دوسری جگہ (ملک شام) چلا جانا۔ (۵) اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی ضیافت کے لیے مامور ہو جانا اور اپنی جان و مال سے اس پر ثابت قدم رہنا (۶) بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم ہونا پھر اس کے لیے نہ صرف یہ کہ آمادہ ہو جانا بلکہ اس کے گلے پر چھری پھیر دینا (انہوں نے تو چھری پھیر ہی دی، آگے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوئی اور بیٹا ذبح نہ ہوا۔ یہ دوسری بات ہے) جب یہ سب کام کر گزرے اور امتحان میں پورے اتر گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَسْلِمُوا (فرمانبردار ہو جاؤ) انہوں نے عرض کیا ﴿اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں) مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباس کے یہ اقوال نقل کیے ہیں ہم نے تشریح میں بعض روایات کا اضافہ کر دیا ہے۔ اور آیات مذکورہ میں جو احکام ہیں ان کی تعداد میں جو کلام ہے وہ بھی ذکر کر دیا ہے۔ اس کے بعد مفسر ابن کثیر نے کلمات کی تفسیر میں حضرت حسن بصری کے اقوال نقل کیے ہیں پھر ابن عباس سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ کلمات سے مراد وہ چیزیں ہیں جو آیت میں اور اس کے بعد والی آیات میں مذکور ہیں۔ حضرت مجاہد سے بھی ایسا ہی منقول ہے اس کے بعد حافظ ابن کثیر مفسر ابن جریر سے نقل فرماتے ہیں کہ کلمات کی تفسیر میں جتنے بھی اقوال ہیں۔ ان میں جو کچھ مذکور ہے کلمات سے یہ سب مراد ہوں یہ بھی جائز ہے۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ ان میں سے بعض چیزیں مراد ہوں اور کسی بھی چیز کے بارے میں متعین طریقہ پر اسی وقت یقین کیا جاسکتا ہے کہ جب کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث یا اجماع امت ہو لیکن صحیح حدیث یا اجماع سے ان میں سے کوئی چیز کلمات کی تفسیر میں ثابت نہیں ہے۔ اس کے بعد ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ حضرت مجاہد نے جو کلمات کی تفسیر کی ہے وہ زیادہ ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ابن کثیر فرماتے ہیں کہ تمام اقوال میں جو مذکور ہیں ان سب کو مراد لینا زیادہ قوی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت:

اس کے بعد ارشاد ہے ﴿قَالَ اِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا) علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو احکام دے کر آزمایا اور انہوں نے احکام کی پورے طور پر بجا آوری کر دی تو بطور صلہ اور انعام اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کو لوگوں کا پیشوا بنا دیا۔ اور جن احکام میں ان کو مبتلا فرمایا تھا ان کے پورا کروانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ اعمال اور اخلاق کے اعتبار سے ان کی پوری طرح تربیت ہو جائے تاکہ وہ امامت کے لائق ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح پیشوا بنایا کہ اول تو ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا ان پر صحیفے نازل فرمائے اور پھر ان کی نسل اور ذریت میں امامت کو جاری فرمایا یعنی ان کے بعد جتنے بھی نبی آئے ہیں وہ سب انہیں کی نسل میں سے تھے اور سب اس بات کے مامور تھے کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام کی ملت کا اتباع کریں۔ حتیٰ کہ نبی عربی سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی ان کی نسل میں سے تھے۔ اور ان کو بھی حکم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا اتباع کریں۔ کما قال تعالیٰ ﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنْ اَتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيفًا﴾ گو پوری طرح سے ان کی ملت کے احکام ان کے بعد آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کی ملت میں نہ تھے لیکن اکثر یا بعض احکام ان کے بعد کے شرائع میں ان کی ملت کے موافق اور مطابق تھے۔ یہ تقریر اس صورت میں ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام کی امامت دوامی لی جائے اور اگر یہ مطلب ہو کہ اپنے زمانے کے لوگوں کے پیشوا تھے تو یہ بھی بعید نہیں ہے۔ روح المعانی میں دونوں باتیں لکھی ہیں۔ لیکن امامت سے نبوت مراد لینے کی صورت میں کلمات کی تفسیر میں جو بعض باتیں بیان کی گئی ہیں وہ نہیں آسکتیں جب کہ پیشوا ہونے کا اظہار تمام کلمات کے بعد مراد ہو کیونکہ لڑکے کا ذبح اور بعض دیگر امور جو کلمات کی تفسیر میں بیان ہوئے ہیں وہ نبوت کے بعد ہی ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ (ذکرہ فی الروح ص ۳۷۵ ج ۱)

لیکن ان میں سے جو کوئی ظالم ہو گا وہ اس مرتبہ پر فائز نہیں ہو سکتا، مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں عہد سے مراد امامت ہے اور متعین طور پر اس سے نبوت مراد ہے اور ظالموں سے کافر مراد ہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَ الْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں ظالم بھی ہوں گے اور ظالم کو نبوت نہیں مل سکتی اور نبوت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو نسلی تعلق کی وجہ سے ملتی چلی جائے وہ

تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہا اللہ تعالیٰ نے نبی بنا دیا اور جب چاہا سلسلہ نبوت ختم فرما دیا۔ قال فی الروح و عبر عنها بالعهد للاشارة الى انها امانة الله تعالى و عهده الذي لا يقوم به الا من شاء الله تعالى من عباده و آثر النيل على جعل ايماء الى ان امامة الانبياء من ذريته عليهم السلام ليست بجعل مستقل بل هي حاصلة في ضمن امامته تنال كلا منهم في وقته المقدر له۔ (ص ۱۷۳۷ ج ۱)

وَاذْجَعْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ
وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۱۲۵﴾

اور جب ہم نے بنایا خانہ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ اور امن، اور بنا لو مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ، اور ہم نے ابراہیم اور اسمعیل کو حکم بھیجا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک کرو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے۔

کعبہ شریف کو مرجع اور جائے امن بنایا

حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے وطن سے ہجرت فرما کر ملک شام چلے گئے تھے۔ ان کی ایک بیوی حضرت سارہ تھی اور ان سے جو اولاد تھی وہ سب وہیں رہتے تھے۔ دوسری بیوی حضرت ہاجرہ تھی، جن سے حضرت اسمعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ ان کو، اور ان کے بیٹے حضرت اسمعیل علیہ السلام کو بحکم خدا آپ مکہ معظمہ میں چھوڑ گئے، جو اس وقت سنسان اور چٹیل میدان تھا جس کا واقعہ ان شاء اللہ سورۃ ابراہیم کی تفسیر کے ذیل میں بیان ہوگا جب اسمعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے ذبح کرنے کا حکم ہوا جس کی بجا آوری میں کامیاب ہو گئے۔ نیز دونوں کو کعبہ شریف بنانے کا حکم ہوا۔ دونوں باپ بیٹوں نے مل کر کعبہ بنایا جس کا ذکر ابھی آ رہا ہے (انشاء اللہ تعالیٰ)۔ اس آیت شریفہ میں کعبہ شریف کو اول تو مشابہ فرمایا جو ثَابٌ یَثُوبُ سے ظرف کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے لوٹنے کی جگہ، حضرت ابن عباس اور متعدد تابعین سے مروی ہے کہ اس کو مشابہ اس لیے فرمایا کہ لوگ بار بار اس کی طرف آتے ہیں طواف کرتے ہیں اور اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں پھر واپس آتے ہیں، اس کی حاضری دینے سے طواف کرنے سے دل نہیں بھرتا۔ دنیا کے مختلف شہروں کے لوگ اس کی طرف بار بار رجوع کرتے ہیں۔ حضرت عکرمہ، قتادہ، اور عطا خراسانی نے اس کا ترجمہ مجمع سے کیا یعنی جمع ہونے کی جگہ، آل اس کا بھی وہی ہے جو دوسرے حضرات نے فرمایا۔ کیونکہ جب ہر طرف سے لوگ آتے ہیں تو وہاں جمع ہونے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

پھر فرمایا وَأَمْنًا (کہ ہم نے کعبہ شریف کو امن کی جگہ بنایا) سورہ آل عمران میں فرمایا ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾ (اور جو شخص اس میں داخل ہوگا امن والا ہوگا) حضرت ابراہیم علیہ السلام، بانی کعبہ ہی کے وقت سے کعبہ شریف کی حرمت ذہنوں میں چلی آ رہی ہے۔ درمیان میں مشرکین بھی کعبہ شریف کے متولی رہے ہیں اور وہ بھی اس کی عظمت اور حرمت کے قائل تھے اور سارے عرب میں یہ بات مشہور تھی کہ یہ امن کی جگہ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ آپس میں لڑتے رہتے تھے ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر غارت گری کر دیتا تھا اور جنگ کرنا ان کا ضروری مشغلہ تھا لیکن مکہ معظمہ کے رہنے والوں پر کوئی قبیلہ حملہ آور نہیں ہوتا تھا۔ اللہ جل شانہ نے سورۃ عنکبوت میں اہل مکہ پر اپنا انعام ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَ يَتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ﴾ (کیا انہیں معلوم نہیں کہ ہم نے بنا دیا حرم کو امن کی جگہ اور ان کے گرد و پیش میں لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے۔ یہ لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں) چونکہ حرم مکہ امن کی جگہ قرار دے دی گئی۔ اس لیے اس میں قتل و قتال جائز نہیں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کسی کے لیے یہ حلال نہیں کہ مکہ میں ہتھیار ساتھ لیے پھرے۔ (صحیح مسلم ص ۲۳۹ ج ۱)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس میں قتال کرنا حلال قرار نہیں دیا گیا اور میرے لیے حلال نہیں کیا گیا مگر دن کے تھوڑے سے حصہ میں پس مکہ معظمہ حرام ہے (یعنی اس کی حرمت برابر قائم ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے اس کی حرمت باقی رکھی ہے۔ (بخاری)

یہ جو آپ نے فرمایا کہ میرے لیے اس میں تھوڑی دیر کے لیے قتال حلال کیا گیا اس سے فتح مکہ کا دن مراد ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص حرم کے باہر حل میں کسی کو قتل کر کے حرم میں پناہ لے لے اس کو حرم میں قتل نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ اٹھا بیٹھا نہ جائے خرید و فروخت نہ کی جائے کھانے پینے کو کچھ نہ دیا جائے تاکہ مجبور ہو کر حرم سے باہر آجائے پھر اسے خارج حرم حل میں قتل کر دیا جائے۔ (روح المعانی ص ۱۷۳۷۸) حرم مکہ میں جیسا کہ قتل و قتال جائز نہیں ہے اسی طرح سے اس میں شکار کرنا، شکار کے جانوروں کو بھگانا دوڑانا بھی ممنوع ہے۔ حرم مکہ سے گھاس اور درخت کاٹنا اور وہاں کے کانٹے کاٹنا بھی ممنوع ہے جس کی تصریح بخاری و مسلم کی احادیث میں موجود ہے۔ اور کتب فقہ میں تفصیل لکھی ہے پھر فرمایا: ﴿وَ اتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلِّئًا﴾ (اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لو) مقام ابراہیم سے کیا مراد ہے اس بارے میں متعدد اقوال مشہور ہیں اور معتمد قول یہ ہے جسے عام مفسرین نے اختیار کیا ہے (اور احادیث شریفہ سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ) اس سے وہ پتھر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ شریف تعمیر فرماتے تھے یہ پتھر زینہ کا کام دیتا تھا۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام اینٹیں اور چونہ وغیرہ دیتے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے لے کر تعمیر فرماتے تھے۔ جب کعبہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو جس جانب کعبہ شریف کا دروازہ ہے اسی طرف دیوار سے ملا ہوا اس کو چھوڑ دیا۔ سا لہا سال وہ وہیں تھا حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں بھی اسی جگہ رہا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی وہیں تھا پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے وہاں سے ہٹا کر اس جگہ رکھ دیا جہاں اب ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ سیلاب آ گیا تھا جو اس کو بہا کر لے گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے لے کر وہاں رکھ دیا جہاں اب ہے۔ حضرات صحابہ کے سامنے اس کی جگہ بدلی، کسی نے کوئی نکیر نہیں کی اور ساری امت نے اس کا اس جگہ ہونا تسلیم کر لیا جہاں حضرت عمر نے رکھ دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین میں سے ہیں جن کے طریقے پر چلنے کا حضور ﷺ نے حکم دیا۔ (علیکم بسنتی و منة الخلفاء الراشدين) اور ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا: اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (رواہ الترمذی) (یعنی میرے بعد ان کا اتباع کرنا جو میرے بعد ہوں گے۔ یعنی ابو بکر و عمر) اور اس کو پہلی جگہ سے ہٹانے میں حکمت بھی ہے کیونکہ اب طواف کرنے والوں اور طواف کی رکعتیں پڑھنے والوں کی زیادہ کثرت ہے اگر اپنی جگہ ہوتا اور طواف کرنے والے اسی کے پیچھے طواف کی رکعتیں پڑھتے تو طواف کرنے والوں کو کعبہ شریف کے قریب سے گزرنے کا راستہ نہ ملتا۔ ایک زمانہ تک مقام ابراہیم ایک چار دیواری کے اندر تھا جو مسقف تھی اور قفل پڑا رہتا تھا۔ موجودہ حکومت نے وہ مسقف عمارت ختم کر کے مقام ابراہیم کو بلوری شیشہ میں رکھ دیا ہے۔ باہر سے مقام ابراہیم دکھائی دیتا ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشانات صاف نظر آتے ہیں۔ صحیح مسلم ص ۳۹۵ ج ۱ میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ طواف کرنے کے بعد مقام ابراہیم کی طرف بڑھے اور قرآن مجید کے یہ الفاظ تلاوت فرمائے۔ ﴿وَ اتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلِّئًا﴾ اور وہاں دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ مقام ابراہیم کو اپنے اور کعبہ شریف کے درمیان کر لیا۔ ان دو رکعتوں میں سورۃ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور سورۃ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پڑھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لیتے تو اچھا تھا تو اس پر آیت ﴿وَ اتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلِّئًا﴾ نازل ہوئی (صحیح بخاری ص ۶۴۴ ج ۲) طواف کے بعد جو دو رکعتیں پڑھنا واجب ہے ان کو مسجد حرام میں کسی بھی جگہ پڑھ سکتے ہیں لیکن مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھنا افضل ہے۔

بیت اللہ کو پاک کرنے کا حکم:

پھر فرمایا ﴿وَ عٰهَدْنَا اِلٰی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِیَ لِطٰآئِفِیْنَ وَ الْعٰکِفِیْنَ وَ الرَّکْعِ السُّجُوْدِ﴾ (اور ہم نے حکم بھیجا

ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) کی طرف کہ پاک کرو میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے اور وہاں کے مقیمین کے لیے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے) اس میں کعبہ شریف کو پاک رکھنے کا حکم ہے اور کعبہ شریف کے ساتھ مسجد حرام کے پاک رکھنے کا بھی حکم ہو گیا کیونکہ طواف اور نماز کی ادائیگی اسی میں ہوتی ہے۔ اور پاک کرنے میں سب کچھ داخل ہے۔ باطنی ناپاکی شرک و کفر اور بت پرستی سے اور گندی باتوں سے جھوٹ سے، فریب سے، بد عملی سے اور ظاہری ناپاکی سے اسے پاک رکھیں۔ طواف ایک ایسی عبادت ہے جو صرف مسجد حرام ہی میں ہو سکتی ہے جو کعبہ شریف کے چاروں طرف ہے۔ آیت شریفہ میں جو لفظ الْعَاكِفِينَ آیا ہے اس کے بارے میں حضرت سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مکہ معظمہ کے رہنے والے مراد ہیں اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو دوسرے شہروں سے آتے ہیں اور مسجد حرام میں قیام کر لیتے ہیں۔ اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ہم جب بھی مسجد حرام میں بیٹھ گئے تو عاکفین میں شمار ہو گئے۔ اور اس کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو مسجد حرام میں اعتکاف کریں۔ کیونکہ لفظ عکوف ان پر بھی صادق آتا ہے۔ اور ﴿الرُّكْعِ السُّجُودِ﴾ (رکوع اور سجدہ کرنے والے) سے نمازی مراد ہیں۔ مسجد حرام میں جس قدر بھی طواف اور نماز کا اہتمام ہو سکے، غنیمت جانے ان دونوں کی بہت بڑی فضیلت ہے۔

طواف کا ثواب:

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اس گھر کا طواف کرتے ہوئے سات چکر لگائے اور ٹھیک طرح سے شمار کیا اسے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہوگا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ طواف کرنے والا جو بھی قدم رکھے گا اور اٹھائے گا تو ہر قدم پر اللہ تعالیٰ اس کا ایک گناہ معاف فرمادیں گے اور ایک نیکی اس کے اعمال نامہ میں لکھ دیں گے۔

مسجد حرام میں نماز کا ثواب:

مسجد حرام میں نماز پڑھنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں ایک نماز دوسری نمازوں کے مقابلہ میں ہزاروں نمازوں سے افضل ہے مگر مسجد حرام اس سے مستثنیٰ ہے (کیونکہ اس کا ثواب مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے زیادہ ہے) مسجد حرام میں ایک نماز دوسری نمازوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔ (رواہ احمد وابن ماجہ باسنادین صحیحین کما فی الترغیب لحافظ المنذری ص ۲۱۲ ج ۲)۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۲۶﴾

اور جب کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے اے میرے رب بنادے اس شہر کو امن والا، اور رزق دے یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو شخص کفر اختیار کرے گا سو میں اسے تھوڑا سا نفع پہنچاؤں گا۔ پھر اسے دوزخ کے عذاب کی طرف جبراً پہنچاؤں گا۔ اور وہ بری جگہ ہے۔

اہل مکہ کے لیے حضرات ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ مکرمہ کے لیے اللہ جل شانہ سے درخواست کی کہ اس کو امن والا شہر بنا دیجیے، اللہ جل شانہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس کو بلد امین قرار دیا جس کے متعلق بعض احکام گزشتہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں بیان ہو چکے ہیں۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے یہ بھی دعا کی کہ اس شہر کے رہنے والوں کو جو بھی ان میں سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو رزق دیا جائے جو طرح طرح کے پھلوں سے ہو۔ چونکہ انہوں نے پہلے لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ کا اعلان سن لیا تھا اس لیے دعا میں اہل ایمان کی تخصیص کر دی اور عرض کیا پھلوں کا انعام اللہ

تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو دیا جائے، چونکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں سبھی کو دیتے ہیں اور رزق دنیاوی مومن اور کافر سبھی کو ملتا ہے اس لیے اللہ پاک کی طرف سے اعلان ہوا کہ رزق تو سبھی کو ملے گا اس میں ایمان والوں کی تخصیص نہیں ہے مومن اور کافر سبھی کھائیں گے لیکن آخرت کا رزق صرف مومنین کے لیے مخصوص ہے کافروں کو بھی دنیا میں رزق ملتا رہے گا۔ جتنی جس کی زندگی ہوگی اتنے دن دنیا میں اپنا رزق کھا سکے گا۔ اور دنیا میں جتنی بھی بڑی زندگی ہو آخرت کے مقابلہ میں تھوڑی سی ہی ہے۔ اہل کفر دنیا میں کھاپی لیں گے دنیا سے نفع اٹھالیں گے لیکن آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں وہاں ان کو دوزخ میں جانے کے لیے مجبور ہونا پڑے گا اور دوزخ کے عذاب سے انہیں کسی بھی طرح اور کبھی بھی کوئی چھٹکارا نہ ملے گا اور دوزخ بہت بڑی عذاب کی جگہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں جب تک اللہ نے چاہا اہل ایمان رہے اور مکہ معظمہ میں بستے رہے جو حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ پھر اہل مکہ مشرک ہو گئے۔ کعبہ شریف تک میں انہوں نے بت رکھ لیے اور لات و عزلی اور منات کی پوجا کرنے لگے اگر ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہو جاتی کہ جو اہل ایمان ہیں انہیں رزق ملے تو اہل مکہ نے جب کفر اختیار کیا تھا اسی وقت سے پھلوں سے محروم ہو جاتے لیکن اللہ جل شانہ نے اہل مکہ کو ہمیشہ رزق دیا مومنوں کو بھی اور کافروں کو بھی۔

مکہ معظمہ میں دنیا بھر کے پھل:

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ایسی قبول فرمائی کہ دنیا بھر سے مکہ معظمہ میں پھل آتے ہیں اور وہاں کے مقامی حضرات اور حجاج و زائرین سب کھاتے ہیں اور ان سے منفع اور تمتع ہوتے ہیں۔ سورۃ قصص میں فرمایا ﴿اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجَبِي اِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رَزَقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّا كَثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے)۔

مکہ معظمہ کے قریب ہی شہر طائف آباد ہے اور وہ سرسبز و شاداب علاقہ ہے ہمیشہ وہاں سے طرح طرح کے پھل مکہ معظمہ پہنچتے رہے ہیں اور دنیا کے تمام اطراف و اکناف سے مکہ معظمہ میں طرح طرح کے پھل آرہے ہیں۔ شاید دنیا کا کوئی پھل ایسا نہ بچا ہو جو مکہ معظمہ نہ پہنچا ہو بعض حضرات کا یہ فرمانا ہے کہ ثمرات کے عموم میں درختوں کے پھلوں کے علاوہ مشینوں کی پیداوار اور دستکاریوں سے حاصل ہونے والا سامان بھی داخل ہے۔ مکہ کی سرزمین میں نہ کاشت ہے نہ شجر کاری ہے اور نہ صنعتکاری لیکن پھر بھی اس میں دنیا بھر کے ثمرات اور طرح طرح کی مصنوعات ملتی ہیں۔

مدینہ منورہ کے لیے سید المرسلین ﷺ کی دعا:

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے مکہ معظمہ کے لیے دعا کی تھی اور حضرت حبیب اللہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کے لیے دعا کی۔ صحیح مسلم ص ۴۴۲ ج ۱ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ کا یہ طریقہ تھا کہ جب پہلا پھل آتا تھا تو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لے آتے تھے آپ اسے لے کر یوں دعا کرتے تھے اے اللہ تو ہمارے لیے ہمارے پھلوں میں برکت دے اور ہمارے لیے ہمارے شہر میں برکت دے اور ہمارے لیے ہمارے صاع میں برکت دے اور ہمارے لیے ہمارے مد میں برکت دے (صاع اور مد اس زمانہ کے پیمانے تھے) اے اللہ! بے شک ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے اور تیرے نبی تھے اور میں تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں اور ابراہیم علیہ السلام نے آپ سے مکہ کے لیے دعا کی تھی اور میں آپ سے مدینہ کے لیے دعا کرتا ہوں جو کچھ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لیے مانگا میں اسی قدر اور اس کے ساتھ اس جیسا مزید آپ سے طلب کرتا ہوں۔ اس کے بعد اپنے کسی سب سے چھوٹے بچے کو بلا کر وہ پھل دے دیتے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یوں دعا کی:

اللهم اجعل بالمدينة ضعفي ما بمكة من البركة (اے اللہ مدینہ میں اس سے دوگنی برکت کر دے جو مکہ میں ہے۔) صحیح مسلم (۱۲۲۲ ج ۱)

حضور سرور عالم ﷺ کی دعا بھی منقول ہے۔ مدینہ منورہ میں بھی پورے عالم سے طرح طرح کے ثمرات و مصنوعات منجبت کھج کر آتے ہیں اور کھلی آنکھوں مکہ معظمہ سے دوچند برکات دیکھنے میں آتی ہیں۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۲۵﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۸﴾

اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) کعبہ کی بنیادیں اور اسمعیل (علیہ السلام) بھی اے ہمارے رب قبول فرما لے ہم سے بے شک تو ہی خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب اور بنا دے ہم کو تو اپنا فرمانبردار، اور بنا دے ہماری اولاد میں سے ایک امت جو تیری فرمانبردار ہو، اور ہمیں بتا دے ہمارے حج کے احکام، اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہما السلام کا کعبہ شریف تعمیر کرنا

کعبہ شریف پہلے فرشتوں نے پھر حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا پھر عرصہ دراز کے بعد جب طوفان نوح کی وجہ سے اس کی دیواریں مسمار ہو گئیں اور عمارت کا ظاہری پتہ تک نہ رہا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر کعبہ شریف کی بنیادیں اٹھائیں اور کعبہ بنایا (کما ذکرہ الازرقی) چونکہ جگہ معلوم نہ تھی اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو متعین کر کے اس کی جگہ بتا دی گئی جس کا ذکر سورہ حج کی آیت کریمہ ﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ﴾ میں فرمایا ہے۔ بنائے ابراہیم میں حطیم کا حصہ کعبہ شریف میں داخل تھا قریش مکہ نے حضور سرور عالم ﷺ کی بعثت سے پانچ سال پہلے جب کعبہ شریف بنایا۔ تو ان کے پاس خرچہ پورا نہ ہونے کی وجہ سے کعبہ شریف کا کچھ حصہ باہر چھوڑ دیا جسے حطیم کہا جاتا ہے اس حصہ میں میزاب رحمت کا پانی گرتا ہے اور نصف قد کے برابر دیواریں بنی ہوئی ہیں اس پر چھت نہیں ہے صحیح مسلم ص ۲۲۹ ج ۱ میں ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تیری قوم کے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں تو میں کعبہ شریف کو توڑ دیتا اور اسے ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر بنا دیتا اور اس کا دروازہ زمین پر کر دیتا اور حجر یعنی حطیم کو اس میں داخل کر دیتا دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس کے لیے دو دروازے بنا دیتا۔ آنحضرت ﷺ نے تو کعبہ شریف اسی حال میں رہنے دیا۔ جس طرح قریش مکہ نے بنایا تھا پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے قواعد ابراہیم پر بنایا تھا اور حطیم کو کعبہ شریف میں داخل کر دیا تھا اور دروازے بنا دیئے تھے۔ ایک داخل ہونے کا ایک خارج ہونے کا اور بالکل زمین کے برابر کر دیا تھا۔ اندر جانے کے لیے زینہ کی ضرورت نہ تھی پھر حجاج بن یوسف نے اسی طرح بنا دیا جیسا قریش نے بنایا تھا۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے حجاج کے بعد ہارون الرشید بادشاہ نے پوچھا کہ ہم پھر سے اسی طرح بنا دیں جیسا حضرت عبداللہ بن زبیر نے بنایا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین اس کو بادشاہوں کا کھلونا نہ بنائیے، جو بھی آئے گا اسے توڑا کرے گا، اور بنایا کرے گا۔ اس طرح سے لوگوں کے دلوں سے اس کی ہیبت جاتی رہے گی (ذکرہ النووی فی شرح مسلم ص ۲۲۹ ج ۱، صحیح بخاری ۶ ج ۱ میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ اپنے رب کے حکم کی فرمانبرداری کیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میری مدد کرنا، عرض کیا کہ میں آپ کی مدد کرونگا۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہاں ایک گھر بناؤں اور ایک

اونچے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا اس کے بعد دونوں نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھانا شروع کیں۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب دیواریں اونچی ہو گئیں تو یہ پتھر (یعنی مقام ابراہیم) لے آئے جس پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے تھے۔ یہ پتھر زینہ کا کام دیتا تھا۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام ان کو پتھر دیتے تھے اور دونوں یہ دعا کرتے جاتے تھے۔

اے ہمارے رب اور بھیج دے ان میں ایک رسول ان میں سے، جو تلاوت کرے ان پر تیری آیات، اور سکھائے ان کو کتاب اور حکمت، اور ان کا تزکیہ کرے، بے شک تو ہی عزیز ہے، حکیم ہے۔ ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

یہ بات کس قدر ذہن میں بٹھانے کے لائق ہے کہ اللہ کے دو پیارے اللہ کے دونوں پیغمبر خلیل اللہ اور ذبیح اللہ، اللہ کا گھر اللہ کے حکم سے بنا رہے ہیں۔ ان کے اخلاص میں ذرا بھی شبہ نہیں پھر بھی وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سے قبول فرمائیے، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کیسا ہی مخلص ہو اور کیسا ہی عمل صالح کرے اسے اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے رہنا چاہیے اس بات سے ڈرتا رہے کہ کہیں خود پسندی اور عجب نفس میں مبتلا نہ ہو جائے درحقیقت اہل اخلاص کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رضا کے لیے کام کرتے جاتے ہیں اور ڈرتے جاتے ہیں کہ ہمارا یہ عمل قبول ہوتا ہے۔ یا نہیں؟ کما قال اللہ تبارک و تعالیٰ ﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ﴾ مفسر ابن کثیر ص ۵۷۵ نے بحوالہ ابن ابی حاتم و ہییب بن الورد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے آیت ﴿يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ﴾ (الایۃ) پڑھی پھر رونے لگے اور کہنے لگے کہ اے رحمن کے دوست آپ بیت الرحمن کی بنیادیں اٹھا رہے ہیں اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ قبول نہ ہو، حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہ السلام نے کعبہ شریف بناتے ہوئے یہ دعا بھی کی کہ اے ہمارے رب تو ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری ذریت میں سے بھی ایک امت بنا دے جو تیری فرمانبردار ہو، اس میں اول تو وہی خوف و خشیت والی بات کا مظاہرہ کیا کہ مسلم اور فرمانبردار ہوتے ہوئے بھی اپنے بارے میں دعا کی اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا فرمانبردار ہی رکھے۔ مومن کو چاہیے کہ ڈرتا رہے اور ایمان و اسلام کی دولت کے لیے اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ شکر گزار رہے اور اس کو محض اللہ کی توفیق سمجھے اور اس نعمت کے بقا اور دوام کی دعا کرتا رہے۔

امت مسلمہ کے لیے دعا اور اس کی قبولیت:

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہ السلام نے اپنی ذریت میں سے امت مسلمہ کے پیدا ہونے کی دعا بھی کی۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ چونکہ ارشاد خداوندی ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾ سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان کی ساری ذریت مومن نہ ہوگی اس لیے انہوں نے یوں عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہماری ذریت میں سے امت مسلمہ بنا دینا بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ اس سے عرب مراد ہیں، جو حضرت اسمعیل اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومن بندوں کو اپنے دین و ایمان کی فکر رکھتے ہوئے اپنی نسل اور ذریت کے دین و ایمان کے لیے بھی فکر مند ہونا چاہیے کہ ہماری نسل میں موحدین، مومنین، مخلصین، متقین باقی رہیں۔ سورۃ فرقان میں مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ (اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا پیشوا بنا دے)۔ اور سورہ تحریم میں فرمایا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ (اے ایمان والو بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ سے) اہل و عیال کے دین و ایمان کے لیے دعا بھی کرنا چاہیے اور فکر بھی کرنا چاہیے۔

مناسک حج جاننے کے لیے دعا:

کعبہ شریف بناتے ہوئے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہ السلام نے یہ دعا بھی کی کہ اے اللہ ہمیں مناسک یعنی احکام حج سکھادے تفسیر ابن کثیر ۱۸۳ ج ۱ میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف کی تعمیر مکمل کر دی تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر صفا اور

مردہ پر لے گئے کہ یہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں پھر ان کو منیٰ لے گئے پھر مزدلفہ میں لے گئے اور فرمایا یہ المشعر الحرام ہے۔ پھر ان کو عرفات میں لے گئے اور ان کو احکام حج سکھا دیئے۔ جب عرفات میں لے گئے تو پوچھا کہ میں نے جو کچھ تم کو بتایا ہے تم نے پہچان لیا اور تین بار پوچھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں پہچان لیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو حضرت جبریل علیہ السلام نے حج کے احکام بتائے انہوں نے حج کا اعلان عام کر دیا جس کا ذکر سورہ حج میں ان الفاظ میں ہے۔

﴿وَإِذْ نَفَخْنَا فِي السَّمَاءِ الْمُهَيْبَةِ﴾ اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔“

ان کے بعد موحدین برابر حج کرتے رہے اور ان کے حجون میں توحید کا مظاہرہ ہوتا رہا۔ جب ان ہی کی نسل اور ذریت میں مشرکین پیدا ہو گئے اور وہی کعبہ شریف کے متولی بنے تو ان لوگوں نے حج میں شرک کی آمیزش کر دی اور حج کے احکام بدل دیئے، حج کا مہینہ بھی بدل دیتے تھے۔ عرفات ہی میں نہیں جاتے تھے مزدلفہ سے واپس آجاتے تھے۔ بیت اللہ شریف کا ننگے طواف کرتے تھے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا اور مکہ سے مشرکین کا تسلط ختم ہوا تو آپ نے اعلان کروا دیا کہ آئندہ کوئی شخص بیت اللہ کا ننگے طواف نہ کرے اور کوئی مشرک حج نہ کرے۔ پھر آپ نے ۹ ہجری میں حج کیا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں اور اس میں پوری طرح حج کے احکام سکھائے اور بتائے اور حکم فرمایا کہ ﴿خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ﴾ (یعنی تم مجھ سے احکام حج سیکھ لو) اور یہ بھی فرمایا: قفوا علی مشاعرکم فانکم علی ارث من ارث ابیکم ابراہیم علیہ السلام

(کہ تم لوگ انہیں جگہوں میں وقوف کرو جو پرانی جگہیں معروف ہیں کیونکہ تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی میراث پر ہو)۔ (رواہ الترمذی والبوداؤد والنسائی وابن ماجہ کما فی مشکوٰۃ ص ۲۲۸)

جس کسی کو بھی حج یا عمرہ کرنا ہو اس کو لازم ہے کہ حج اور عمرہ کے احکام معلوم کرے۔ افسوس ہے کہ بہت سے لوگ حج اور عمرہ کے لیے چل دیتے ہیں اور ذرا بھی ان کے احکام معلوم نہیں کرتے تلبیہ تک نہیں جانتے، فرائض و واجبات تک چھوڑ دیتے ہیں اور جب کوئی عالم بتانے لگتا ہے تو اس کا بتانا ناگوار ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ من الجہل و السفاہة و الحمق و الضلالة۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۗ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

اے ہمارے رب اور بھیج دے ان میں ایک رسول ان میں سے، جو تلاوت کرے ان پر تیری آیات، اور سکھائے ان کو کتاب اور حکمت، اور ان کا تزکیہ کرے، بے شک تو ہی عزیز ہے، حکیم ہے۔

اہل مکہ میں سے ایک رسول بھیجنے کی درخواست اور اس کی مقبولیت

اس آیت میں بھی حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل علیہ السلام کی دعا کا تذکرہ ہے کعبہ شریف بناتے ہوئے جو دعائیں ان دونوں حضرات نے کی تھیں ان میں سے ایک یہ دعا بھی ہے کہ اے ہمارے رب ان میں سے ایک رسول مبعوث فرما۔ اس رسول سے خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جو عربی بھی تھے اور کئی بھی اور حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل علیہ السلام دونوں کی نسل میں سے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے سب انہی کی نسل میں سے تھے۔ اور حضرت سرور عالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ سب بنی اسحاق تھے اور صرف آپ ہی بنی اسمعیل میں سے ہیں۔ مفسر ابن کثیر نے ص ۱۸۳ ج ۱ مسند امام احمد سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو امامہ بنی ثعلبہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کا ابتدائی تذکرہ اولاً کیسے شروع ہوا آپ نے فرمایا کہ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میری والدہ نے جو خواب دیکھا کہ ان کے اندر سے ایک نور نکلا ہے جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا۔ میں اس خواب کا مظہر ہوں یہ حدیث

صاحب مشکوٰۃ نے بھی ص ۵۱۳ شرح السنہ سے نقل کی ہے اس میں یوں ہے کہ میں اپنی والدہ کے خواب کا مظہر ہوں جنہوں نے وضع حمل کے وقت دیکھا تھا ان کے لیے ایک نور روشن ہوا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔..... حدیث نقل کر کے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مطلب یہ کہ سب سے پہلے جنہوں نے میرا تذکرہ کیا اور لوگوں میں مجھے مشہور کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یہ تذکرہ دعا کی صورت میں تھا۔ ذکر مشہور ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے جو آخری نبی تھے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہوں نے آپ کا نام لیکر بشارت دی اور بنی اسرائیل کو خطاب کر کے فرمایا ﴿يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدٌ﴾ (کہ اے بنی اسرائیل بلاشبہ میں تمہاری طرف بھیجا ہوا اللہ کا رسول ہوں۔ تمہارے سامنے جو توراہ ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ اور ایک ایسے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہوگا۔)

زمانہ حمل میں آپ کی والدہ نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے اندر سے ایک نور نکلا جس کی وجہ سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ انہوں نے اپنا خواب اپنی قوم کو سنایا۔ جو لوگوں میں مشہور ہو گیا اور یہ آپ کی تشریف آوری کے لیے ایک بہت بڑی تمہیدی تھی۔

آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری نبی مبعوث فرمایا جس کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی اور عیسیٰ علیہ السلام نے جن کی بشارت دی تھی۔ آپ کا نام احمد بھی ہے اور محمد بھی۔ آپ پر اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت ختم فرمادی اور سارے عالم کے انسانوں کے لیے رہتی دنیا تک آپ کو نبی اور رسول بنا کر بھیج دیا اور سورۃ احزاب میں آپ کے خاتم النبیین ہونے کا اعلان فرمادیا۔ اور آپ نے لا نبی بعدی (میرے بعد کوئی نبی نہیں) اور ختم ہی النبیین (مجھ پر نبیوں کی آمد ختم ہو گئی) اور ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی۔ (سنن ترمذی) اعلان فرمایا۔ آپ کی نبوت اور رسالت عامہ کا اعلان فرمانے کے لیے سورۃ اعراف میں یوں ارشاد فرمایا ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ (آپ فرمادیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف بھیجا ہوا اللہ کا رسول ہوں)۔

جس رسول کے آنے کی دعا کی اس کی صفات:

حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل علیہ السلام نے اپنی نسل میں سے جس رسول کے مبعوث ہونے کے لیے دعا کی تھی اس کی صفات میں ﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ﴾ اور ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾ فرمایا تھا۔ سورۃ آل عمران (ع ۱۸) میں بھی آپ کی یہ صفات مذکور ہیں اور سورۃ جمعہ میں بھی آپ کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں۔ یہ کام اللہ تعالیٰ نے آپ کے سپرد فرمائے تھے۔ آپ نے ان کو پوری طرح سے انجام دیا۔

تلاوت کتاب:

رسول اللہ ﷺ کے مقاصد بعثت میں سورۃ بقرہ میں اول تو یہ فرمایا کہ ﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ﴾ کہ وہ نبی لوگوں کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت فرمائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام بھی ہے اور اللہ کی کتاب بھی اس کے الفاظ کا پڑھنا، پڑھانا اور سننا اور سننا تلاوت کرنا صحیح طریقہ پر ادا کرنا بھی مطلوب اور مقصود ہے۔ بہت سے جاہل جو تلاوت کا انکار کرتے ہیں اور بچوں کو قرآن مجید حفظ کرانے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ یہ لوگ کلام الہی کا مرتبہ اور مقام نہیں سمجھتے دشمنوں کی باتوں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید کو لوگوں کے آپس کے خطوط پر اور انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں پر قیاس کرتے ہیں اور اپنی جہالت سے یوں کہتے ہیں کہ قرآن کے معانی اور مفاہیم کا سمجھنا کافی ہے۔ اس کا پڑھنا اور یاد کرنا ضروری نہیں (العیاذ باللہ) یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ قرآن مجید کے الفاظ کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔ صحیفوں پر اعتماد کئے بغیر سینوں میں یاد رکھنا لازم ہے تاکہ اگر مطبوعہ مصاحف (العیاذ باللہ) معدوم ہو جائیں تب بھی قرآن شریف

بلاشبہ نبوت ختم ہو گئی اب میرے بعد نہ کوئی رسول ہے نہ نبی ہے۔

اپنی تمام قراءتوں کے ساتھ محفوظ رہ سکے۔
تلاوت قرآن کے فضائل:

نیز قرآن مجید کی تلاوت میں بہت بڑا ثواب ہے، سمجھ کر پڑھے یا بے سمجھے پڑھے۔ تلاوت پر اجر عظیم ملتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جسے قرآن نے میرے ذکر سے اور مجھ سے مانگنے سے مشغول کر لیا میں اسے اس سے افضل عطیہ دوں گا جو مانگنے والوں کو دیتا ہوں اور کلام اللہ کی فضیلت دوسرے تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسی اللہ کی فضیلت اس کی مخلوق پر ہے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کی کتاب سے ایک حرف پڑھا اس کے بدلہ میں ایک نیکی ہے اور ایک نیکی دس گنی ہو کر ملتی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ الہ ایک حرف ہے (بلکہ) الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (صرف الہ کا تلفظ کرنے سے تیس نیکیاں مل جائیں گی)۔ (رواہ الترمذی وقال حسن صحیح) معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کو طوطے کی طرح رٹنے سے تشبیہ دینا سخت گمراہی ہے۔ جس کی تلاوت کرنے سے ہر حرف پر ایک نیکی ملتی ہو اور ہر نیکی کی دس نیکیاں بن جاتی ہوں اس کی تلاوت طوطے کی طرح رٹا لگانے کے برابر کیسے ہوئی۔ درحقیقت قرآن کی تلاوت مستقل کام ہے اس کے الفاظ کو محفوظ رکھنا مستقل ذمہ داری ہے اور اس کی تفسیر کو صحابہ اور تابعین کے طریقے پر محفوظ رکھنا اور بیان کرنا مستقل کام ہے اور اس کے معنی و مفاہیم کو سمجھنا اور اس سے احکام کا استنباط کرنا مستقل عمل ہے۔ یہ سب چیزیں ضروری ہیں امت ان کی مکلف ہے۔

جو لوگ اس پر زور دیتے ہیں کہ الفاظ کے پڑھنے اور یاد رکھنے کی ضرورت نہیں یہ لوگ نصاریٰ اور یہود سے بھی عبرت نہیں لیتے ان لوگوں نے اپنی کتابوں کے الفاظ کو محفوظ نہ رکھا تو اپنی کتابوں سے محروم ہو گئے۔ ان کی کتابوں کے ترجمے تو دنیا کی زبانوں میں ملتے ہیں مگر اصل کتاب مفقود ہے۔ ترجمہ صحیح ہے یا غلط اس کے جانچنے کے لیے ان کے پاس اصل کتاب نہیں ہے اور یہیں سے ان کے یہاں تحریف کا راستہ بھی نکل آیا۔ جب اصل کتاب موجود نہیں تو جس کا جو جی چاہے ترجمہ کر سکتا ہے۔

مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایک صاحب سے احقر کی ملاقات ہوئی اور انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے بچے کو قرآن مجید حفظ کرنے میں لگایا ہے لیکن میرے ایک استاد آئے تھے انہوں نے کہا کہ اب قرآن حفظ کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ قرآن مجید کمپیوٹر میں آ گیا ہے۔ احقر نے ان سے کہا کہ تراویح میں قرآن مجید سنانے کے لیے کیا کمپیوٹر محرابوں میں رکھ دیا جائے گا؟ اور دنیا بھر کے دیہاتوں میں ایک ایک گاؤں میں پانچ چھ سات مسجدیں ہیں کیا گاؤں والے ہر مسجد کے لیے کمپیوٹر خریدیں گے اور کمپیوٹر سیکھنے کے لیے اپنے دیہاتی آدمیوں کو سکھانے والوں کے پاس بھیجیں گے؟ حفظ کی ضرورت صرف اسی لیے نہیں ہے کہ یہ معلوم کر لیا جائے کہ فلانی آیت کس سورت میں ہے اور پوری آیت کس طرح سے ہے۔ قرآن کا تلاوت کرنا اور سننا اور سنانا اپنی زبان اور کانوں کو اس میں مشغول رکھنا بہت بڑا عمل صالح ہے جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ قرآن مجید اور حدیث شریف کو نہیں جانتے اور ایمانی تقاضوں سے ناواقف ہوتے ہیں وہ مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی باتوں سے متاثر ہو کر الفاظ قرآنیہ سے محروم ہونے کا سبق دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایمانی سمجھ دے اور اہل شرکے شر سے بچائے۔

کتاب اور حکمت کی تعلیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا کام ذکر کرتے ہوئے ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ ارشاد فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فریضہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی کتاب کی تعلیم دیں۔ کتاب اللہ کے الفاظ بھی سکھائیں اور معانی بھی سمجھائیں۔ عربی زبان جاننا قرآن کے سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ قرآن کی تفسیر وہی معتبر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی اور جو حضرات صحابہ کرام نے سیکھی پھر ان سے تابعین اور تبع تابعین اور سلف صالحین سے ہوتے ہوئے امت تک پہنچی۔ سورۃ نحل میں فرمایا ﴿انزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾

(اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے وہ بیان کریں جو ان کی طرف تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا) آج کل بہت سے لوگ ایسے ہیں جو تھوڑی بہت عربی جان کر قرآن شریف کے معانی اور مفہیم اپنی طرف سے بتانے لگے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تفسیر سے بے نیاز ہو کر گمراہ ہو رہے ہیں اور گمراہ کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنی جہالت اور گمراہی سے کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کا خط ہے۔ جو مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور رسول کی حیثیت محض ایک ڈاکے کی ہے۔ ڈاکے کا کام خط پہنچا دینا ہے۔ خط پڑھ کر سنانا، سمجھانا اس کا کام نہیں۔ قرآن مجید نے تو اپنے بارے میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ یہ اللہ کا خط ہے جو مخلوق کی طرف آیا ہے اس کو خود ہی سمجھ لینا اور اس کے لانے والے سے مت سمجھنا، بلکہ قرآن نے تو رسول اللہ ﷺ کے فرائض میں کتاب و حکمت کی تعلیم دینا بتایا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو درمیان سے نکال کر قرآن سمجھنا کفر کی دعوت اور اشاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ امت مرحومہ کو ان لوگوں کے فریب سے محفوظ فرمائے۔

آیت شریفہ میں الکتاب اور الحکمۃ دو لفظ مذکور ہیں اور دونوں کی تعلیم دینا رسول اللہ ﷺ کے منصب رسالت کے فرائض میں شمار فرمایا ہے۔ مفسر بغوی معالم التنزیل ص ۱۱۶ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ الکتاب سے قرآن مجید مراد ہے اور الحکمۃ سے مجاہد کی تفسیر کے مطابق فہم القرآن مراد ہے اور بعض حضرات نے اس سے احکام قضا مراد لئے ہیں۔ اور بعض حضرات نے حکمت کی تفسیر العلم والعمل سے کی ہے۔ صاحب روح المعانی نے ص ۳۸۷ ج ۱ بعض مفسرین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ الحکمۃ سے کتاب اللہ کے حقائق و دقائق اور وہ سب چیزیں مراد ہیں جن پر قرآن مجید مشتمل ہے اس صورت میں تعلیم کتاب سے مراد اس کے الفاظ کا سمجھنا اور اس کی کیفیت ادا بیان کرنا مراد ہے اور تعلیم الحکمۃ سے اس کے معانی اور اسرار اور جو کچھ اس میں ہے اس سے واقف کرانا مراد ہے اور بعض حضرات نے حکمت کی تفسیر یوں کی ہے۔ ما تکمل بہ النفوس من المعارف والاحکام یعنی وہ تمام معارف اور احکام جن سے نفوس کی تکمیل ہوتی ہے۔ حکمت سے وہ سب مراد ہیں۔

درحقیقت حکمت کے جو معانی حضرات مفسرین نے بتائے ہیں وہ ایک دوسرے کے معارض اور منافی نہیں ہیں مجموعی حیثیت سے ان سب کو مراد لیا جاسکتا ہے۔

تزکیہ نفوس:

رسول اللہ ﷺ کا تیسرا فرض منصبی وَ یُزِکِّیْہُمْ بیان فرمایا۔ لفظ یُزِکِّیْہُمْ تزکیہ سے مضارع کا صیغہ ہے۔ تزکیہ لغت میں پاک صاف کرنے کو کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا کام صرف کتاب اللہ کا پڑھا دینا اور سمجھا دینا ہی نہیں دیا تھا بلکہ نفوس کا تزکیہ بھی آپ کے فرض منصبی میں داخل تھا۔ ﴿یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَ الْحِکْمَةَ﴾ میں تخلیۃ النفوس بالفضائل اور یُزِکِّیْہُمْ میں تخلیۃ النفوس عن الرذائل کا ذکر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو توحید خداوندی سے آراستہ کیا اور کفر اور شرک کی نجاست سے پاک کیا۔ ایمان اور یقین دیا۔ شک سے بچایا۔ گناہوں کی گندگی سے دور کیا۔ نفوس کے رذائل دور کئے۔ اخلاق عالیہ اور اعمال صالحہ بتائے اور عمل کر کے دکھایا۔ گناہوں کی تفصیل بتائی ان کے اثرات ظاہرہ باطنہ دنیویہ و اخرویہ سے باخبر فرمایا۔ نیکیوں کی تفصیلی فہرست بتائی اور ان کے منافع دنیویہ و اخرویہ سے مطلع کر فرمایا۔ حسد، بخل، کینہ، تکبر، حرص، لالچ، حب جاہ کی مذمت فرمائی۔ حب فی اللہ اور تواضع اور فروتنی، صلہ رحمی، سخاوت، ضعیف کی مدد، بڑوں کی خدمت، یتیم کے ساتھ رحم دلی، تقویٰ، اخلاص، اکرام اہل ایمان، نرمی، حسن الجور، غصہ پی جانا وغیرہ وغیرہ کی تعلیم دی۔ انسان کو انسان بنایا حیوانیت اور بہیمیت سے بچایا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ بعثت لاتمم حسن الاخلاق (کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں) رواہ مالک فی الموطا۔

نفوس کا تزکیہ صرف زبانی طور پر بتا دینے سے نہیں ہو جاتا اس کے لیے صحبت کی ضرورت ہوتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ کے لیے انسانوں ہی میں سے انبیاء اور رسول مبعوث فرمائے تاکہ وہ عملی طور پر ان کا تزکیہ کر سکیں اور تاکہ ان کی صحبت سے

انسانوں کے نفوس خیر کی طرف پلٹ سکیں اور اعمال صالحہ کے خوگر ہو جائیں اور نفوس کی شرارتوں کو سمجھ سکیں اور ان سے بچ سکیں۔ سورہ توبہ میں ارشاد ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو! اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) اس آیت شریفہ میں سچوں کے ساتھ ہونے کی تعلیم فرمائی ہے جو لوگ اپنے اخلاص اور عمل میں سچے ہیں ان کے ساتھ رہنے سے طبیعت اعمال صالحہ کی طرف راغب ہوتی ہے اور نفس و شیطان کی مکاریوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے پھر ان کا توڑ بھی سمجھ میں آ جاتا ہے جس کسی کی صحبت اختیار کرے پہلے دیکھ لے کہ وہ متبع سنت ہے یا نہیں؟ اس میں فکر آخرت کتنی ہے؟ اور حب دنیا اور جلب زر کے لیے تو مرشد بن کر نہیں بیٹھا جس کسی کو متبع سنت اور آخرت کا فکر مند پائے اس کی صحبت اٹھائے، مال و جاہ کا حریص مصلح اور مرشد نہیں ہو سکتا اس کی صحبت میں رہنا زہر قاتل ہے۔

وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ۗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۗ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ

لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۲۰﴾ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ لَقَالَ أَتَسَلِّتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۲۱﴾

اور ملت ابراہیم سے وہی روگردانی کرے گا جس نے اپنے نفس کو احمق بنایا، اور بے شک ہم نے ان کو منتخب کر لیا دنیا میں، اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں، جب فرمایا ان کے رب نے کہ فرمانبردار ہو جا، تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں۔

ملت ابراہیمی سے وہی اعراض کرے گا جو احمق ہو

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت میں توحید الہی پر جینے اور مرنے کا حکم ہے اور شرک سے بیزاری ہے۔ ظاہری باطنی نظافت اور طہارت ہے، مہمانی ہے، قربانی ہے اللہ کی عبادت ہے اور فرمانبرداری ہے۔ انابت الی اللہ ہے صحیح انسانیت کی تعلیم ہے ان کی ملت کا اتباع کرنے کا رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا۔ سورہ نحل میں ارشاد ہے۔

﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾

”پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کیجئے جو باطل دینوں کو چھوڑ کر حق ہی کی راہ پر چلنے والے تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عمل اتمام کلمات اور ان کو لوگوں کا پیشوا بنانے کے اعلان، اور ان کے کعبہ بنانے اور قبولیت کی دعائیں کرنے اور اپنی نسل میں سے نبی آخر الزماں کی بعثت کی دعا مانگنے کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد ہو رہا ہے کہ ملت ابراہیمی سے وہی شخص بے رغبت ہو سکتا ہے اور ان کی ملت سے وہی روگردانی کر سکتا ہے جو عقل سے کورا ہو اور جس نے اپنے نفس کو بالکل ہی احمق بنا دیا ہو، کوئی سلیم الفطرت عقل مند انسان ان کی ملت سے انکاری نہیں ہو سکتا۔

ملت ابراہیمی اس وقت ملت محمدیہ میں منحصر ہے اور آنحضرت سرور عالم ﷺ ہی اس کے داعی ہیں۔ جو لوگ اس سے بیزار ہیں وہ لوگ مشرک، بت پرست، بے حیا، بے شرم، بد اخلاق، بد اعمال، دھوکے باز اور زمین میں فساد کرنے والے اور قوموں کو لڑانے والے ہیں اور جس قدر بھی دنیا میں قبائح اور خراب کام ہیں سب انہیں لوگوں میں پائے جاتے ہیں جو ملت ابراہیم سے ہٹے ہوئے ہیں (گو کمزور ایمان والے مسلمانوں میں بھی معاصی ہیں لیکن اول تو انہیں گناہ سمجھتے ہوئے کرتے ہیں اور دوسرے توبہ کرتے رہتے ہیں اور ہر حال میں گناہ بھی حماقت ہی سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورہ نساء میں فرمایا ﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ﴾ (الایہ) مسلمین اہل المعاصی کی حماقت ان لوگوں کی حماقت سے بہت زیادہ کم ہے جو کفر و شرک پر جمے ہوئے ہیں اور ملت ابراہیمی کو قبول کرنے کو بالکل تیار نہیں ہیں۔

یہ بتانے کے بعد کہ ابراہیم کی ملت سے وہی روگردانی کریگا جس نے اپنی جان کو بے وقوف بنا دیا ہو یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کو دنیا میں چین لیا اور برگزیدہ بنا لیا۔ دنیا میں ان کی فضیلت اور برتری سب پر ظاہر ہے سب قومیں ان کی فضیلت کی قائل ہیں اور ان کے بعد جو بھی

کوئی نبی آیا ہے انہیں کی نسل اور ذریت میں سے آیا ہے اور سب ان کو مانتے ہیں اور ان سے عقیدت رکھتے ہیں۔ ان کو دشمن نے آگ میں ڈالا، اللہ تعالیٰ نے وہ آگ ان کے لیے گلزار بنا دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے کعبہ تعمیر کرایا اس وقت سے لے کر آج تک کعبہ شریف کاج ہوتا ہے۔ اور ان کو جو مناسک حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتائے تھے۔ ان پر برابر عمل ہو رہا ہے۔ انہوں نے جو بیٹے کی قربانی کی تھی اس قربانی کے اتباع میں کروڑوں قربانیاں ہر سال پورے عالم میں ہوتی ہیں۔ درود ابراہیمی میں ان کا ذکر ہے۔ امت محمدیہ جس کا نام انہوں نے مسلمین رکھا تھا (کمانی سورۃ الحج) وہ ان کی ملت کی اتباع کرنے والی ہے اور ان کی یادگار ہے۔ پھر فرمایا: ﴿وَ إِنَّ فِي الْأَخِرَّةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ (آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہوں گے) ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ وہ ثابت قدم صاحب استقامت اور خیر اور صلاح سے متصف ہونے والوں میں شمار ہوں گے۔ وہاں بھی ان کی رفعت ہوگی جیسا کہ دنیا میں ان کی فضیلت مشہور و معروف ہوئی۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

﴿أَيُّ الْمَشْهُودِ لَهُمْ بَأْتِيَاتٍ عَلَى الْإِسْتِقَامَةِ وَالْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ﴾ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

و ذلك من حيث المعنى دليل مبين لكون الراغب عن ملة ابراهيم سفيها اذ الاصطفاء والعز في الدنيا غاية المطالب الدنيوية والصلاح جامع للكمالات الاخروية ولا مقصد للانسان الغير السفيه سوى خير الدارين
یعنی ان کی خیر و صلاح اور ثبات علی الاستقامتہ میں اس امر کی واضح دلیل ہے کہ جو شخص ملت ابراہیمی سے منحرف ہو وہ واقعی بیوقوف ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ بنا اور معزز ہونا دنیاوی مطلوبات کا آخری مقام ہے اور صلاح کمالات اخرویہ کو جامع ہے اور سمجھ دار آدمی کے لیے دونوں جہان کی خیر سے بڑھ کر کوئی مقصد نہیں (نا سمجھ یعنی بیوقوف ہی ان مقاصد عالیہ سے منحرف ہو سکتا ہے)۔
اسلام کا معنی اور مفہوم:

پھر فرمایا: ﴿إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمَ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (یعنی جب ان کے رب نے ان سے کہا کہ فرمانبردار ہو جا تو انہوں نے عرض کیا میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں)۔

لفظ اسلام کا مادہ سین۔ لام۔ میم ہے۔ جب یہ مادہ باب افعال میں مستعمل ہوتا ہے تو حکم ماننے فرمانبرداری کرنے اور حکم کے سامنے جھک جانے اور ظاہر و باطن سے فرمانبردار ہو جانے پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا صیغہ اسم فاعل مسلم ہے جس کی جمع مسلمون اور مسلمین ہے۔ اللہ جل شانہ خالق اور مالک ہیں سب اس کے بندے ہیں۔ بندہ اپنے خالق کا فرمانبردار ہو اس سے بڑھ کر اس کی کوئی سعادت نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کعبہ شریف بناتے ہوئے یہ دعا کرتے جا رہے تھے۔ ﴿رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ﴾ (کہ اے ہمارے پروردگار تو ہم کو ان لوگوں سے بنا دے جو تیرے فرمانبردار ہیں) اور ساتھ ہی یہ بھی دعا کی ﴿وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةٌ مُسْلِمَةٌ لَكَ﴾ (کہ ہماری ذریت میں سے بھی ایک امت مسلمہ بنا دے) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنے رب کے مطیع اور فرمانبردار ہو جاؤ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنے رب کا فرمانبردار ہوں۔ فرمانبردار تو وہ تھے ہی فرمانبرداری پر ثابت قدم رہنے کے لیے حکم ہوا اور انہوں نے ہمیشہ فرمانبردار رہنے کا اقرار کیا اور یہ بتا دیا کہ میں ہمیشہ کے لیے اپنے رب کا فرمانبردار ہوں لفظ ﴿أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ کہہ کر یہ بات ظاہر کر دی کہ چونکہ وہ رب العالمین ہے اس لیے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم ہے جو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے گا وہ اپنے مخلوق ہونے کا فرض منصبی ادا کریگا۔ سورۃ انعام میں فرمایا:

﴿قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ

عَظِيمٍ﴾ سورۃ آل عمران میں فرمایا: ﴿أَنْفَعِي دِينَ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَ كَرْهًا وَ إِلَيْهِ يَرْجَعُونَ﴾

”کیا اللہ کے دین کے سوا دوسرا دین چاہتے ہیں حالانکہ اس کے لیے سب فرمانبرداری کے ساتھ جھکے ہوئے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور سب اس کی طرف لوٹیں گے۔“

ساری مخلوق پر لازم ہے کہ اپنے خالق و مالک کی اطاعت کریں۔ حضرت ابراہیم نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام امتحانات میں کامیاب ہوئے ہر مرحلہ سے گزرتے گئے۔ اور اطاعت و فرمانبرداری ہی کو اختیار کئے رہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا یہی مقصد تھا کہ وہ سارے انسانوں کو اللہ تعالیٰ شانہ کی فرمانبرداری کی طرف بلائیں۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین اسلام تھا۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مانیں اور شرک سے بیزار ہوں اور احکام الہیہ کی تعمیل کریں اور ہر طرح سے فرمانبردار ہوں۔ گوا حکام فرعیہ میں اختلاف بھی رہا لیکن اصول میں سب متحد اور متفق تھے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الانبیاء اخوة من علات و امہاتم شتی و دینہم واحد۔ (رواہ البخاری و مسلم کما فی مشکوٰۃ ص ۵۰۹)

ان کی اپنی اپنی زبانوں میں اس دین کے لیے جو بھی لفظ اختیار کیا گیا ہو ہمارے رسول حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ چونکہ عربی تھے اور ان پر کتاب بھی عربی میں نازل ہوئی اس لیے لفظی اور معنوی طور پر ان کے دین کا نام اسلام ہی ہے اور یہ لفظ جہاں فرمانبرداری کے معنی دیتا ہے وہاں اپنے مادہ کے اعتبار سے اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ حقیقی سلامتی دین اسلام ہی میں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے قیصر روم کو جو اسلام کا دعوت نامہ بھیجا تھا اس میں تحریر فرمایا تھا۔ ﴿اَسْلِمْتُ تَسْلِمُ يَوْمَكَ اللَّهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ﴾ تو اسلام قبول کر سلامت رہے گا اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر عطا فرمائے گا۔ (صحیح بخاری ص ۱۵ ج ۱)

حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہم السلام نے جو امت مسلمہ کے لیے دعا کی اس کی قبولیت کا مظاہرہ اس طرح ہوا کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ وجود میں آگئی اور اس امت کے اعیان و اشخاص و افراد کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ”مسلمین“ رکھ دیا تھا (حیث قال فی دعائه امۃ مسلمۃ لک)

سیدنا حضرت محمد رسول اللہ کے دین کا نام اسلام ہے دعوت بھی فرمانبرداری کی ہے۔ یہی دین اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِينًا﴾ (آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ اور تم پر اپنا انعام پورا کر دیا۔ اور میں نے اسلام کو دین کے اعتبار سے تمہارے لیے پسند کر لیا) اور فرمایا ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (کہ بلاشبہ دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے) اور فرمایا ﴿وَ مَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (اور جو اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ اس سے قبول نہ ہوگا۔ اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا) پس مسلمانوں کا دین لفظاً و معنی سرابا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی فرمانبرداری ہے۔ زندگی کے آخری لمحات تک فرمانبردار رہنے کا حکم ہے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تَقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُوْنَ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے اور کسی حالت میں نہ مرنا۔“

معلوم ہو گیا کہ مسلمان کا کام بس یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے۔ بغیر چون و چرا اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل پیرا ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے کیونکہ رسول اللہ کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ﴾ بہت سے لوگ اپنے دعویٰ میں تو مسلمان ہیں لیکن دل سے مسلمان نہیں۔ وہ اپنی عقل سے اسلام کی باتوں کو رد کرتے ہیں اور دشمنان اسلام کی صحبتوں سے متاثر ہو کر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور بہت سے لوگ اسلام کو اپنے نظریات کے تابع بنانا چاہتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ حقائق ایمانیہ کو توڑ موڑ کر پیش کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام والے نہیں (اگرچہ مسلمان ہونے کے مدعی ہیں) ایسے لوگ ملت ابراہیمیہ سے منحرف ہیں۔

باپ دادوں ابراہیم، اسمعیل اور اسحاق کے معبود کی، جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔

ملت ابراہیمیہ کی وصیت

یعنی ملت ابراہیمیہ کی وصیت کی ابراہیم علیہ السلام نے اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے اپنے بیٹوں کو اور انہوں نے فرمایا کہ اے بیٹو! تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمیہ کو منتخب فرمادیا ہے۔ جس میں اخلاص ہے اور احکام الہیہ کا انقیاد ہے اور سراپا فرمانبرداری ہے۔ اس دین کو کبھی بھی مت چھوڑنا، مرتے وقت اور زندگی کے آخری لمحات تک اسی پر قائم رہنا کہ تم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو۔ علامہ واحدی اسباب النزول میں لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ یعقوب نے اپنی موت کے وقت اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی تھی کہ تم یہودیت پر قائم رہنا اور ان کی اس بات کی تردید میں آیت بالا نازل ہوئی کہ تم لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف یہ بات کیسے منسوب کرتے ہو کہ انہوں نے موت کے وقت یہودیت کی وصیت کی تھی کیا تم ان کی موت کے وقت ان کے پاس موجود تھے؟ ان کی موت کے سینکڑوں سال کے بعد تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی جن کے دین کو تم یہودیت سے تعبیر کرتے ہو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کو بھی صدیاں گزر گئیں۔ اب تم یہ کہہ رہے ہو کہ یعقوب علیہ السلام نے یہودیت کی وصیت کی تھی تمہارے پاس تمہارے دعویٰ کی نہ کوئی دلیل ہے نہ کوئی گواہ ہے اور یہودیت ان کے زمانہ میں تھی بھی نہیں پھر انہوں نے بیٹوں کو کیسے اس کی وصیت کر دی۔؟ انہوں نے تو حید کی وصیت کی جس پر ملت ابراہیمیہ مشتمل ہے اور جو ملت ابراہیمیہ کا رکن اعظم ہے ان کے بیٹے سراپا مطیع اور فرمانبردار تھے اور تو حید خالص ان کا دین تھا جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو ان سب نے جواب میں کہا کہ ہم اسی ذات پاک کی عبادت کریں گے جو آپ کا معبود اور آپ کے باپ دادوں یعنی ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق علیہم السلام کا معبود ہے۔ اور معبود صرف وہی ایک ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں اور طاعت گزار ہیں اور ہم اسی دین پر رہیں گے اور مریں گے۔ درحقیقت جب عصیت جاہلیہ کسی فرد یا قوم یا جماعت کے دلوں میں جگہ پکڑ لے تو حق اور ناحق کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور ایسے لوگ صرف اپنے نفسانی عقائد و اعمال کے پیچھے چلتے ہیں۔ تدبر اور تفکر سے محروم ہو جاتے ہیں۔ کہاں ابراہیم اسمعیل اور اسحاق علیہم السلام کا دین جو تو حید الہی پر مشتمل تھا اور جس میں سراپا خاندان قدوس کی فرمانبرداری تھی اور کہاں یہودیوں کا وہ دین جس پر وہ خاتم النبیین ﷺ کے زمانہ میں تھے جس میں حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں ابن اللہ ہونے کا عقیدہ بھی تھا اور جس میں حق کا چھپانا بھی تھا اور جس میں حضرت عیسیٰ رسول اللہ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب اور توریت شریف کی تحریف اور رشوت خوری اور سود خوری تھی جو آج تک بھی یہودیوں کے اندر باقی ہے۔

فائدہ: (۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے اسمعیل اور دوسرے بیٹے اسحاق تھے اور یعقوب اسحاق کے بیٹے تھے۔ اسمعیل یعقوب کے والد نہ تھے پھر بھی ان کے آباء کے عموم میں شامل فرمایا، مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ چچا پر بھی باپ کا اطلاق کرنا جائز ہے۔ تفسیر روح المعانی میں مصنف ابن ابی شیبہ سے حدیث مرفوعہ نقل کی ہے: واحفظونی فی العباس فاتہ بقیۃ آبائی (ص ۳۵۱ ج ۱) کہ تم عباس کے بارے میں میرے تعلقات کی حفاظت کرو کیونکہ وہ میرے آباء کا بقیہ ہیں۔

فائدہ: (۲) حضرت ابراہیم اور یعقوب علیہم السلام کی وصیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو جہاں اپنے دین کے لیے فکر مند ہونا ضروری ہے۔ وہاں یہ بھی لازم ہے کہ اپنی اولاد اور آنے والی نسلوں کے لیے اس بات کا فکر مند ہو کہ وہ تو حید پر قائم رہیں اور دین اسلام پر جنس اور ہمیشہ اللہ کے فرمانبردار رہیں۔ برخلاف اس کے اپنی اولاد کو ایسے ممالک میں بھیجنا یا لے جانا جہاں وہ دین خداوندی پر باقی نہ رہ سکیں یا ایسی درسگاہوں میں ان کو علم پڑھانا جہاں وہ اپنے دین کو کھو بیٹھیں یہ ان کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہے۔ جو لوگ اپنے نماز روزے کا خیال کرتے ہیں اور اولاد کو کفر اور فسق و فجور کے ماحول میں دھکیل دیتے ہیں اور وہ اس ماحول کو ان کے لیے ترقی سمجھتے ہیں وہ بڑے ظالم ہیں۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۳﴾

وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، ان کے لیے وہ ہے جو انہوں نے عمل کیا، اور تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے عمل کیا، اور تم سے اس چیز کا سوال نہ ہوگا جو وہ کیا کرتے تھے۔

یہودیوں کے اس غرور کا جواب کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں

یہودیوں کو اس بات پر غرور تھا اور اب بھی ہے کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں اور ان کے نسل اور نسب میں ہونے کی وجہ سے ہم عذاب سے بچ جائیں گے۔ اس آیت میں صاف صاف اس بات کی تصریح فرمادی کہ وہ حضرات اپنے اپنے عقائد اور اعمال لے کر دنیا سے چلے گئے انہوں نے جو کچھ کیا وہ ان کے ساتھ ہے ان کے اعمال صالحہ ان کے کام آئیں گے اور تم نے جو کچھ کیا وہ تمہارے ساتھ ہے ان کے اعمال میں سے کوئی حصہ تمہیں نہ ملے گا۔ دوسروں کے اعمال کی وجہ سے خواہ مخواہ آس لگائے بیٹھے ہو جبکہ یہ آس اور امید قانون خداوندی کے خلاف ہے، تم اپنے عقائد اور اعمال اور کفر و ایمان کو دیکھو تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کی تکذیب کرتے ہو انجیل اور قرآن کو نہیں مانتے پھر بھی نجات کی امید لگائے ہوئے ہو۔ یہ بہت بڑی جہالت ہے وہ حضرات سابقین جن سے تم انتساب رکھتے ہو ان کے اعمال کی تم سے پوچھ تک نہ ہوگی اور نہ ان کا ذکر تمہارے سامنے آئے گا ان کے اعمال کا تمہیں نفع پہنچنا تو دور کی بات ہے۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو سیدزادے، پیرزادے ہونے پر گھمنڈ کیے ہوئے ہیں تارک فرائض ہیں۔ مرتکب منہیات و محرمات ہیں۔ بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہیں لیکن وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ہم کسی کی نسل اور نسب میں ہونے کی وجہ سے بخش دیئے جائیں گے اور بہت سے جعلی جھوٹے دنیا دار پیروں نے اپنے عوام کو یہ دھوکہ دے رکھا ہے کہ تم ہمارے جھنڈے کے نیچے ہو گے جس نے ہم سے بیعت کر لی بس وہ بخشا بخشایا ہے یہ سب فریب ہے گمراہی ہے۔ قرآن و حدیث کی تصریحات کے خلاف ہے۔ (صحیح بخاری ص ۷۰۲ ج ۲) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو اور اپنے اعزہ و اقربا کو پکارا۔ سب کو حق کی دعوت دی اور عمومی اور خصوصی خطاب فرمایا اس خطاب میں یہ بھی تھا کہ اے عباس بن عبدالمطلب میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، اور اے صفیہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا اور اے فاطمہ بنت محمد ﷺ میرے مال سے جو چاہو سوال کرو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

مطلب یہ ہے کہ اپنا دین و ایمان اور عمل صالح اللہ کے ہاں کام آئے گا۔ جو مومن نہ ہوگا اس کو میری رشتہ داری کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ جب آنحضرت ﷺ نے اپنی رشتہ داری کے بارے میں ایسا فرمادیا تو دوسروں کی کیا مجال ہے کہ وہ نسب کی بنیاد پر بخشے جانے کی امید رکھیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من بظاہر عملہ لم یسرع بہ نسبہ۔ یعنی جس کا عمل دیر لگائے گا اس کا نسب جلدی کر کے آگے نہیں بڑھا دے گا۔ (ص ۳۴۵)

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصْرًا تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٥﴾
قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ

وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٢٦﴾

اور انہوں نے کہا کہ ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تم ہدایت پا جاؤ گے، آپ فرمائیے بلکہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو جو پوری طرح حق ہی کی طرف تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے، تم لوگ کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر بھی جو اس نے نازل کیا ہماری طرف، اور اس پر جو نازل

کیا گیا ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب پر، اور ان کی اولاد پر، اور اس پر بھی جو عطا کیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو کچھ عطا کیا گیا دیگر انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

اللہ کے تمام نبیوں اور تمام کتابوں پر ایمان لانے کا حکم

تفسیر درمنثور میں بحوالہ ابن اسحاق و ابن جریر وغیرہما حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن صوریہ (یہودی) نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ ہدایت صرف وہی ہے جس پر ہم ہیں لہذا تم ہمارا اتباع کرو۔ ہدایت پا جاؤ گے۔ اور نصاریٰ نے بھی اسی طرح کی بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا﴾ (الآیۃ) نازل فرمائی۔ (ص ۱۴۰ ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے دین کو ہدایت بتایا اور اس کی دعوت دی اور نصاریٰ نے اپنے دین کو ہدایت بتایا اور اس کی دعوت دی اللہ جل شانہ نے ان کی تردید فرمائی کہ تم ہدایت پر نہیں ہو تم اپنے اپنے دین کو چھوڑ دو اور ابراہیم حنیف کے دین کو اختیار کرو جس کے داعی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں ان کے دین کا عالم اور شارح اور داعی آپ کے سوا کوئی نہیں ہے ان کے دین میں توحید ہے حق پر استقامت ہے۔ قربانی ہے ایثار ہے۔ اخلاص ہے اور تم میں سے کوئی بھی ملت ابراہیم کا متبع نہیں ہے۔ دین حق میں اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرض ہے کہ اس کی ساری کتابوں اور اس کے سارے نبیوں پر ایمان لایا جائے اور ایمان لانے میں کوئی تفریق نہ کی جائے۔ اگر کسی ایک نبی کو بھی نبی نہ مانا تو سب کی تکذیب لازم آئے گی۔ اس صورت میں ہدایت پر ہونے کا دعویٰ غلط ہے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو نہیں مانا اور یہود و نصاریٰ دونوں قوموں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت کا انکار کیا قرآن کو نہیں مانا پھر ہدایت پر کیسے ہو سکتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خصوصی وصف لفظ حنیفاً میں بیان فرمایا اور یہ قرآن مجید میں کئی جگہ ان کے حق میں استعمال ہوا ہے اس کا مادہ ح-ن-ف ہے۔ امام راغب لکھتے ہیں: الحنف هو الميل عن الضلال الى الاستقامة والحنيف هو المائل الى ذلك۔ (ص ۱۲۳) یعنی حنف یہ ہے کہ گمراہی سے ہٹتے ہوئے حق پر استقامت ہو۔ اور حنیف وہ ہے جس میں یہ صفت پائی جائے۔ تفسیر درمنثور ص ۱۴۰ ج ۱ میں مسند احمد اور الادب المفرد (للبخاری) سے نقل کیا ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کو کون سا دین پسند ہے؟ آپ نے فرمایا الحنیفیۃ السمیحة یعنی وہ دین اللہ کو محبوب ہے جس میں باطل سے بچتے ہوئے حق کو اپنایا گیا ہو اور جس پر عمل کرنے میں دشواری نہیں ہے (اس سے دین اسلام مراد ہے)۔

حنیفاً کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری صفت بیان فرمائی یعنی ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ ان کی یہ صفت دوسری آیت میں بھی ان الفاظ میں مذکور ہے۔ اس میں صاف اور واضح طور پر بتا دیا کہ ابراہیم علیہ السلام مشرک نہیں تھے۔ جو بھی کوئی جماعت یا فرد مشرک ہو گا وہ دین ابراہیمی پر نہیں ہو سکتا مشرکین مکہ بھی اس بات کے مدعی تھے کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں ان کے اندر ختنہ کرنا، حج کرنا اور مہمان نوازی کرنا باقی تھا لیکن ساتھ ہی مشرک بھی تھے۔ حج کے تلبیہ میں بھی شرک کے الفاظ بڑھا رکھے تھے اور کعبہ شریف میں بت بھر رکھے تھے اور یہود و نصاریٰ نے بھی شرک اختیار کر رکھا ہے عزیز اور حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں اور پھر بھی اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے ہیں اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ ملت ابراہیم کا اتباع کرو اور ان کی ملت میں سب سے پہلی بنیادی بات یہ ہے کہ توحید کے اقراری ہوں اور شرک کے انکاری ہوں۔

مذکورہ بالا آیت میں لفظ الاسباط جو آیا ہے یہ سبط کی جمع ہے اس سے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد مراد ہے۔ ان میں سب تو نبی تھے لیکن ایک بڑی تعداد میں ان میں انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے اسی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿إِذْ جَعَلْنَا فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلْنَا لَكُمْ مَلَأَ يَوْمٍ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ﴾

(ذکرہ و حکایہ عن موسیٰ علیہ السلام فی سورۃ المائدہ)

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد بجز سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے جتنے بھی نبی آئے سب انہی کی اولاد میں سے

تھے۔ اور وہ سنرت اسحق کے بیٹے تھے۔ (صلوات اللہ علیہم اجمعین) امت محمدیہ الحمد للہ اللہ کے تمام نبیوں پر اور اس کی ساری کتابوں پر ایمان رکھتی ہے سب کا ادب سے نام لیتے ہیں اور اس میں کسی قسم کے عصیت نہیں ہے۔ باوجودیکہ یہود و نصاریٰ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں بے جا باتیں کرتے ہیں لیکن مسلمان کبھی بھی الٹ کر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ ﷺ کی شان میں کوئی ناروا کلمہ نہ کہتے ہیں اور نہ کہہ سکتے ہیں اگر ایسا کریں گے تو ان کا ایمان جاتا رہے گا۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ
وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

سو اگر وہ ایمان لے آئیں ان چیزوں پر جن پر تم ایمان لائے تو وہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ روگردانی کریں تو بس وہ مخالفت ہی میں لگے ہوئے ہیں۔ پس عنقریب اللہ آپ کی طرف سے ان کے لیے کافی ہوگا اور وہ سچ ہے علیم ہے۔

اگر دشمنان دین اسلام نہ لائیں تو وہ مخالفت ہی پر تلے ہوئے ہیں

اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب ہے اور حضور اقدس ﷺ کو تسلی بھی ہے، ارشاد ہے کہ اپنے اپنے دین کو ہدایت پر بتانے والے اگر اسی طرح کے مومن ہو جائیں جس طرح کے تم مومن ہو اور ان سب چیزوں پر ایمان لائیں جن پر تم ایمان لائے ہو تو وہ بھی ہدایت یافتہ ہو جائیں گے اور اگر وہ اعراض کریں اور اس ایمان سے روگردانی کریں جو اللہ کے نزدیک معتبر ہے اور جسے تم پیش کرتے ہو تو سمجھ لو کہ ان کو خواہ مخواہ ضد ہے حق قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں اور انہوں نے حق کی مخالفت پر کمر باندھی ہوئی ہے تھوڑا سا موقع ان کو مل رہا ہے۔ اے نبی ﷺ اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری طرف سے کفایت فرمائے گا اور ان کے شر اور مکروکید سے مستقل طریقہ پر تمہیں چھٹکارہ اور خلاصی دے گا۔ وہ ذلیل ہوں گے خوار ہوں گے دنیا و آخرت کی سزا میں مبتلا ہوں گے اللہ تعالیٰ سچ ہے وہ ان کی سب باتیں سنتا ہے اور علیم بھی ہے جو ان کی سب باتوں کو جانتا ہے۔

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ۚ وَنَحْنُ لَهُ عِبْدٌ ۝

ہم کو اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے اور وہ کون ہے جس کا رنگ دینا اللہ تعالیٰ کے رنگ دینے سے اچھا ہو اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔

ہم کو اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے

علامہ واحدی نے اسباب النزول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نصاریٰ کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان کا کوئی بچہ سات دن کا ہو جاتا تھا تو اسے پانی میں رنگ دیتے تھے اور اس پانی کو معمودی کہتے تھے۔ مقصد ان کا یہ تھا کہ اس طرح سے اسے پاک کر دیں۔ اور (چونکہ ختنہ نہیں کرتے تھے) اس لیے کہتے تھے کہ یہ عمل ختنہ کی جگہ ہے جس سے طہارت حاصل ہوگی جب یہ کام کر لیتے تھے تو یہ سمجھتے تھے کہ اب پکا نصرانی ہو گیا۔ اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور بتا دیا کہ صحیح رنگ وہی ہے جس رنگ میں اللہ نے اپنے مومن بندوں کو رنگ دیا۔ اصل رنگ

ترجمہ علی ان "مثل" زاندة کما فی تفسیر الجلالین ۱۲ قال صاحب معالم التنزیل ای بما آمنتم به و كذلك كان یقرء ما ابن عباس و المثل صلة قوله تعالیٰ لیس کمثله شیء ای لیس ہو کسیء و قیل معناه فان آمنوا بجمیع ما آمنتم به ای اتوا بایمان کایماتکم و توحید کتوحیدکم، وقیل معناه فان آمنوا مثل ما آمنتم والباء زانده۔

ایمان کا رنگ ہے اور اعمال صالحہ کا رنگ ہے۔ اور اللہ کے علاوہ وہ کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ کے رنگ دینے کی حالت سے اچھی ہو۔ حاصل یہ ہے کہ مومن بندے اعلان کر دیں کہ ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان رچا دیا اور اعمال صالحہ سے ہم کو آراستہ فرما دیا، ایمان اور اعمال صالحہ پر ہم کو جو استقامت بخشی ہے ہمارا رنگ یہی ہے اور اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ہم ایمان اور اعمال صالحہ کے رنگ کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں اس سے اچھا کوئی رنگ نہیں اللہ نے ہمیں رنگ دیا ہے اور ہم اس رنگ میں خوش ہیں۔ ہم اللہ کی توحید پر جیتے اور مرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار اور مطیع ہیں۔ صاحب تفسیر جلالین فرماتے ہیں۔ صبغة الله مصدر مؤكد بامنا و نصبه بفعل مقدر أي صبغنا الله والمراد بها دينه الذي فطر الناس عليها لظهور اثره على صاحبه كالصبغ۔

نصرانی معمودی نام کے پانی میں رنگنے سے اپنے بچوں کو اپنے باطل خیال میں پاک کرتے تھے اور اب بھی جس کو نصرانی بناتے ہیں پتسمہ دیتے ہیں اور خاص پانی میں نہلاتے ہیں، کفر کے ساتھ باطن پاک ہو ہی نہیں سکتا، ظاہری پانی تطہیر باطن کا کام دینے والا نہیں ہے۔ آیت شریفہ میں مومنین کو ایمان پر استقامت کا حکم بھی ہو گیا اور نصاریٰ کو تردید بھی ہو گئی۔

قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلِنَا أَعْبَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ

مُخْلِصُونَ ﴿۱۳۹﴾

آپ فرمائیے کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ اور ہمارے لیے ہیں عمل ہمارے اور تمہارے لیے ہیں عمل تمہارے اور ہم اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آپ یہود و نصاریٰ سے فرمادیں کہ تم ہم سے اللہ کے دین کے بارے میں جو حجت بازی کرتے ہو اور کہتے ہو کہ جو دین اللہ کو پسند ہے وہ یہودیت اور نصرانیت ہے۔ تمہارا یہ کہنا اور اپنے خیال کے مطابق جنت میں داخل ہونے کے خواب دیکھنا غلط ہے۔ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سب کو اسے راضی کرنے کے لیے فکر مند ہونا لازم ہے اور اس نے جس دین اور جس ملت کو جس زمانہ میں ذریعہ نجات بنایا اسی کو اختیار کرنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے عرب میں سے ایک نبی کو چن لیا۔ اسی نبی پر ایمان لانا فرض ہے تم ایمان نہیں لاتے اور ہم سے جھگڑتے ہو۔ ہم سے جھگڑنا فضول ہے ہمیں اپنے ایمان اور اعمال حسنہ کا اجر ملے گا تمہیں تمہارے کفر اور تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کے اوامر کی مخالفت کی سزا ملے گی۔ ہم تو اللہ کے لیے مخلص ہیں اپنے اعمال کے ذریعہ صرف اسی کی رضا چاہتے ہیں۔

قال صاحب الروح قل اتحاجوننا تجريد الخطاب للنبي صلى الله عليه وسلم لما أن المأمور به من الوظائف الخاصة به عليه الصلوة والسلام والهمزة للانكار، في الله اي في دينه و تدعون ان دينه الحق اليهودية والنصرانية و تبنون دخول الجنة والاهتداء عليهما وقيل: المراد في شأن الله تعالى و اصطفاؤه نبيا من العرب دونكم بناء على ان الخطاب لاهل الكتاب، وسوق النظم يقتضي ان تفسر المحاجة بما يختص بهم، والمحاجة في الدين ليست كذلك الي آخر ما قال

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصْرَىٰ ۗ قُلْ

عَآئْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۰﴾

کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی تھے یا نصرانی تھے۔ آپ فرمادیجیے کیا تم زیادہ

جاننے والے ہو یا اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے چھپایا اس گواہی کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس موجود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے بے خبر نہیں ہے جنہیں تم کرتے ہو۔

یہود و نصاریٰ کے اس قول کی تردید کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب یہودی یا نصرانی تھے

یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد جن کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا یہودی تھے۔ اور نصاریٰ کہتے تھے کہ یہ حضرات نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان لوگوں کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ یہ حضرات ملت ابراہیمی پر تھے یہودیت اور نصرانیت اور توریت اور انجیل ان کے بعد نازل ہوئی ہیں جن سے تم اپنا جوڑ لگاتے ہو پھر ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اور پوتے یہودیت اور نصرانیت اور توریت پر کیسے ہو سکتے ہیں تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ تعالیٰ کو زیادہ علم ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا عالم ہے اسی کو صحیح علم ہے تم جہاں حضرت ابراہیم اور اسماعیل، اسحاق اور یعقوب اور ان کے اسباط کے بارے میں غلط بات کہتے ہو اور ان کو یہودیت اور نصرانیت پر بتلاتے ہو وہاں اس شہادت اور گواہی کو بھی چھپاتے ہو جو اللہ کی طرف سے تمہارے پاس پہنچی۔ اور وہ شہادت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے موحد تھے مشرک نہیں تھے یہودی اور نصرانی نہیں تھے۔

سورۃ آل عمران میں فرمایا: ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنزِلَتِ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ هَٰئِنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ حَاجُّوهُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ اے اہل کتاب کیوں حجت کرتے ہو ابراہیم کے بارے میں حالانکہ نہیں نازل کی گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد، کیا پھر سمجھتے نہیں ہو۔ ہاں تم ایسے ہو کہ ایسی بات میں تو حجت کر ہی چکے تھے جس سے تم کو کسی قدر تو واقفیت تھی سو ایسی باتوں میں کیوں حجت کرتے ہو جس سے تم کو اصلاً واقفیت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے ابراہیم علیہ السلام تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن طریق مستقیم والے صاحب اسلام تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔“

آیت شریفہ کے عموم میں جہاں اس شہادت کے چھپانے کو بڑا ظلم بتایا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تھی وہاں یہودیوں کی اس بدباطنی کی طرف بھی اشارہ ہے جس کی وجہ سے ان لوگوں نے اس گواہی کو چھپا رکھا تھا جو تورات اور انجیل میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نبوت و رسالت کے بارے میں موجود تھی۔

قال في الروح ص ۴۰۰ ج ۱ و في اطلاق الشهادة مع ان المراد بها ما تقدم من الشهادة المعينة تعريض بكتما نهم شهادة الله تعالى لنبية محمد صلى الله تعالى عليه وسلم في التوراة والانجيل۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۱﴾

وہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی، ان کے لیے وہ ہے جو انہوں نے عمل کیا، اور تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے عمل کیا، اور تم سے اس چیز کا سوال نہ ہوگا جو وہ کرتے تھے۔

نسب پر غرور کرنے والوں کو تنبیہ

یہ آیت مکرر ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہود کو دوبارہ متنبہ فرمایا ان کی طبیعتوں میں جو باپ دادوں پر فخر کرنا اور نسب پر بھروسہ کرنا مستحکم تھا اس کے نافع نہ ہونے پر دوبارہ بطور تاکید کے تنبیہ فرمائی اور بتا دیا کہ اللہ تمہیں تمہارے اعمال پر جزا دے گا اور تمہارا باپ دادوں کا عمل تمہیں کچھ نفع نہ دے گا اور قیامت کے دن تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تمہارے باپ دادے کیا عمل کرتے تھے (یعنی ان کے اعمال کا بالکل ذکر نہ ہوگا) بلکہ تم سے تمہارے اعمال کا سوال ہوگا اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ یہ۔

آیت پہلے جو گزری ہے وہاں اہل کتاب کو خطاب تھا اور یہاں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ التحیہ کو تنبیہ ہے کہ تم لوگ یہود کی اقتدانہ کرنا اور ان کی طرح سے آباؤ اجداد پر فخر نہ کرنا اور اپنے ذاتی اعمال کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّيْتُمْ عَن قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الشَّرْقُ وَ
الْمَغْرِبُ ۗ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۳۶﴾

عنقریب کہیں گے بیوقوف لوگ کس چیز نے پھیر دیا ان کو ان کے اس قبلہ سے جس پر وہ تھے۔ آپ فرمادیجیے اللہ ہی کے لیے مشرق اور مغرب ہے۔ وہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے سیدھے راستہ کی طرف۔

تحویل قبلہ پر بیوقوفوں کا اعتراض اور ان کا جواب

تفسیر درمنثور ص ۱۴۱ ج ۱ میں بحوالہ ترمذی و نسائی وغیر ہم حضرت براء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی اور آپ کا دل چاہتا تھا کہ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھیں۔ آپ آسمان کی طرف منہ اٹھاتے تھے (اور وحی کا انتظار کرتے تھے کہ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہو جائے)۔ اللہ جل شانہ نے آیت ﴿قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ﴾ (الایۃ) نازل فرمائی اور کعبہ شریف کی طرف نماز میں رخ کرنے کا حکم فرمادیا اس پر بیوقوفوں نے یعنی یہودیوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ کس چیز نے اس قبلہ سے ان کا رخ پھیر دیا، جس پر یہ تھے (یعنی بیت المقدس کی طرف رخ کرنا چھوڑ کر کعبہ شریف کی طرف رخ کرنا کیوں شروع کیا) اللہ تعالیٰ نے (ایک کے جواب میں) ﴿قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ نازل فرمائی۔ تفسیر درمنثور ص ۱۴۲ ج ۱ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جو حکم قرآنی منسوخ ہوا وہ قبلہ کی مٹسوحیت تھی۔ رسول اللہ ﷺ (مدینہ منورہ تشریف لائے) تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے جو یہود کا قبلہ تھا۔ سترہ مہینے تک آپ نے اس طرف نماز پڑھی تا کہ یہود ایمان لے آئیں اور آپ کا اتباع کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُولُوْا فَثُمَّ وَجَّهُ اللَّهُ اِنَّ اللّٰهَ وَاَسِعُ عَلِيْمٌ﴾ اور ﴿قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ﴾ نازل فرمائی۔

جب کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کر دیا گیا تو یہودیوں نے باتیں بنانا اور اعتراض کرنا شروع کیا اور کہنے لگے کہ (حضرت) محمد (رسول اللہ ﷺ) اور ان کے اصحاب کو کس چیز نے اس قبلہ سے پھیر دیا جس کی طرف اب تک نماز پڑھتے رہے۔ اللہ جل شانہ کی طرف سے ارشاد ہوا۔ اے نبی آپ فرمادیں اللہ ہی کے لیے مشرق و مغرب ہے اسے اختیار ہے اپنے عبادت کرنے والوں کو جس طرف چاہے نماز پڑھنے کا حکم دیدے۔ کسی کو خداوند قدوس پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔ مومن بندے اللہ کے قانون پر چلتے ہیں وہ اسی کے پابند ہیں۔ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو ادھر نماز پڑھنے لگے۔ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو اسے قبلہ بنا لیا۔ قبلہ بدلنے پر اعتراض کرنا مسلمانوں پر اعتراض نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے۔ مقصد اللہ کی عبادت اور اطاعت ہے۔ کسی جہت یا کسی جانب کا رخ کرنا مقصود نہیں ہے۔ اور اسی لیے اعتراض کرنے والوں کو بے وقوف بتایا وہ یہ نہیں سمجھ رہے کہ ہمارا اعتراض کس پر ہو رہا ہے۔ معترض اندھا تو ہوتا ہی ہے اسے یہ ہوش نہیں ہوتا کہ میری بات کہاں لگے گی اور میرا اعتراض کہاں پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلنا ہی صراط مستقیم کو اختیار کرنا ہے۔ اللہ کا ہر فرمان حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس نے اپنی حکمت کے موافق بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا۔ پھر حکمت ہی کے مطابق اپنے بندوں کا رخ کعبہ شریف کی طرف پھیر دیا۔ اس نے اپنے بندوں کو ہدایت دی اور ہدایت کے لیے چن لیا۔ ہدایت یافتہ بندے حکم کے پابند ہیں بے چون و چرا حکم پر عمل کرتے ہیں دشمنان اسلام صراط مستقیم سے دور ہیں اور اللہ کے حکم اور اس کی حکمت پر معترض ہیں ایسے معترضین کا بے وقوف ہونا ظاہر ہے۔ قال صاحب الروح ص ۲۳ ج ۲ کانه قليل ان التولية المذكورة هداية يخصص الله تعالى بها من يشاء

ویختار من عبادہ۔ وقد خصنا بها فله الحمد۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط

اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دیا جو اعتدال والی ہے تاکہ تم ہو جاؤ لوگوں پر گواہ اور ہو جائے رسول تم پر گواہ۔

امت محمدیہ ساری امتوں سے افضل ہے

ابھی قبلہ کا مضمون باقی ہے۔ درمیان میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی فضیلت بیان فرمادی۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے تمہارا قبلہ سب قبلوں سے افضل بنا دیا اسی طرح ہم نے تم کو اعتدال والی امت بنا دیا اور ساری امتوں سے افضل امت بنا دی۔ اس امت کی افضلیت کا ظہور میدان حشر میں اس طرح سے ہوگا کہ یہ امت تمام امتوں کے بارے میں گواہی دے گی اور رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے کہ ہاں میری امت عدل ہے ثقہ ہے اس کی گواہی معتبر ہے۔

دوسری امتوں کے مقابلہ میں اس امت کی گواہی اور اس پر فیصلے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی؟ وہ عرض کریں گے کہ یارب میں نے واقعتاً تبلیغ کی تھی۔ ان کی امت سے سوال ہوگا کہ بولو انہوں نے تم کو احکام پہنچائے؟ وہ کہیں گے نہیں۔ ہمارے پاس تو کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے دعوے کی تصدیق کے لیے گواہی دینے والے کون ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان کے امتی ہیں۔ یہاں تک بیان فرمانے کے بعد آنحضرت سید عالم ﷺ نے اپنی امت کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس کے بعد تم کو لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ بے شک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی، اس کے بعد آنحضرت سید عالم ﷺ نے آیت ذیل تلاوت فرمائی:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک جماعت بنا دیا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم دوسری امتوں کے لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو، اور تمہارے لیے رسول ﷺ گواہ بنیں۔

یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ (ص ۶۴۵ ج ۲) اور مسند احمد وغیرہ کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں بھی انکاری ہوں گی اور کہیں گے کہ ہم کو تبلیغ نہیں کی گئی ان کے نبیوں سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے کہ واقعی ہم نے تبلیغ کی تھی۔ اس پر ان سے گواہ طلب کیے جائیں گے تو وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کو گواہی میں پیش کریں گے۔ چنانچہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کی امت سے سوال ہوگا کہ اس بارے میں آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ سے سوال ہوگا کہ تم کو اس معاملہ کی کیا خبر ہے؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امت کو تبلیغ کی۔ (درمنثور ص ۱۴۲ ج ۱)

آیت کا عموم ﴿لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ بھی اس کو چاہتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں کے مقابلوں میں بھی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ گواہی دے گی۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ جب امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ دوسری امتوں کے بارے میں گواہی دے گی کہ ان کے نبیوں (پیغمبروں) نے ان کو تبلیغ کی ہے تو سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو لایا جائے گا اور آپ سے آپ کی

امت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کیا آپ کی امت عادل ہے گواہی کے لائق ہے؟ اس پر آپ ان کا تزکیہ فرمائیں گے کہ واقعی میری امت عدل ہے۔ گواہی کے لائق ہے اس کی گواہی معتبر ہے۔ (ص ۵ ج ۲) بلاشبہ اس امت کا بڑا مرتبہ ہے اور بڑی فضیلت ہے جس کا میدان حشر میں تمام اولین و آخرین کے سامنے ظہور ہوگا۔ یہ امت خیر الامم ہے اس کو افضل الانبیاء کی امت ہونے کا شرف حاصل ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے سب کتابوں میں سے افضل کتاب عطا فرمائی جو اللہ کی کتاب ہی نہیں اللہ کا کلام بھی ہے جو چھوٹے بچوں تک کے سینوں میں محفوظ ہے اور صیغہ و کبیر سب کے وردزباں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تمام بنی آدم سے منتخب فرمایا۔ سورہ حج میں ارشاد ہے۔

﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے تم کو منتخب فرمایا اور تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو اللہ نے تمہارا لقب مسلمان رکھا پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ تمہارے لیے رسول گواہ ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو۔“

امت محمدیہ ﷺ کی آپس میں گواہی پر بخشش کے فیصلے:

اس امت کی فضیلتوں میں یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ اس کی گواہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے ان کی گواہی سے دوسری امتوں کے خلاف فیصلہ ہوگا اور آپس میں بھی ان کی گواہی معتبر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ کچھ لوگ ایک جنازے کو لے کر گزرے تو حاضرین نے اس جنازہ کے بارے میں اچھے کلمات کہے اور اس کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا وَجَبَتْ پھر دوسرا جنازہ لے کر گزرے تو حاضرین نے برائی کے ساتھ اس کا ذکر کیا آپ ﷺ نے اس پر بھی وَجَبَتْ فرمایا۔ حضرت عمر نے عرض کیا کہ وَجَبَتْ کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں تم نے خیر کے کلمات کہے لہذا اس کے لیے جنت واجب ہوگی اور اس کے بارے میں تم نے شر کے الفاظ استعمال کیے اس کے لیے دوزخ واجب ہوگی۔

انتم شهداء الله في الارض یعنی تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ (صحیح بخاری ص ۱۸۳ ج ۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی مسلمان کے لیے چار آدمی خیر کی گواہی دے دیں اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ ہم نے عرض کیا کہ اگر دو شخص گواہی دے دیں؟ آپ نے فرمایا، دو کا بھی یہی حکم ہے۔ پھر ہم نے ایک کی گواہی کے بارے میں دریافت نہیں کیا۔ (صحیح بخاری ص ۱۸۳ ج ۱)

تفسیر درمنثور ص ۱۴۵ ج ۱ میں بحوالہ مسند احمد و سنن ابن ماجہ وغیرہ حضرت ابو زہیر ثقفی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب ایسا ہوگا کہ تم اچھے لوگوں کو برے لوگوں سے ممتاز کر سکو گے۔ اور جان سکو گے کہ کون کیسا ہے۔ حضرات صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ اچھا ذکر ہونے سے اور برا ذکر ہونے سے (یعنی جسے مسلمان اچھا کہیں وہ اچھا ہے اور جسے برا کہیں وہ برا ہے) تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ اھ۔ گواہی دینے کے اس بڑے مرتبہ سے وہ لوگ محروم ہوں گے جو لعنت کے الفاظ زیادہ نکالتے ہیں۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ لعنت کر نیوالے قیامت کے دن نہ شہید ہوں گے نہ شفیق ہوں گے۔ (یعنی قیامت کے دن یہ لوگ نہ گواہی دینے کے اہل ہوں گے اور نہ سفارش کرنے کے لائق ہوں گے)۔

امت محمدیہ کا اعتدال اور لفظ وسطا کی تشریح:

امت محمدیہ کی تعریف میں ﴿أُمَّةٌ وَسَطًا﴾ فرمایا لفظ وسطا کا معنی بہترین بھی کیا گیا ہے اور عدول بھی کیا گیا ہے عدول، عدل کی جمع ہے۔ عدل اس کو کہتے ہیں جو ثقہ ہو۔ منصف ہو اور اس کی گواہی معتبر ہو۔ اوصاف عالیہ سے متصف ہو۔ خیر کی صفات کو جامع ہو۔ برائیوں سے دور ہو، اور بعض حضرات نے اس کا معنی معتدل کا بھی کیا ہے یعنی یہ امت ہر اعتبار سے اعتدال پر ہے اس کے اخلاق اور اعمال سب میں اعتدال

ہے افراط اور تفریط سے بری ہے۔ نہ عبادات سے غفلت ہے نہ راہوں کی طرح دنیا کو چھوڑ کر پہاڑوں میں رہنا ہے۔ ساری رات نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ نفس اور بیوی اور مہمان کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم دی گئی۔ روزانہ روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا۔ نہ فضول خرچی ہے نہ بخل بلکہ درمیانی راہ ہے جس کا نام جود ہے۔ اسی طرح نہ بزدلی نہ ضرورت سے زیادہ بہادری جس سے لوگوں پر ظلم ہو جائے بلکہ ان کے درمیان شجاعت ہے ظالم بھی نہیں اور مظلوم رہنے کو بھی تیار نہیں۔ نہ عورتوں کو سردار بنایا گیا نہ ان کی مظلومیت روارکھی گئی۔ نہ ہر فعل حلال قرار دیا گیا نہ ہر چیز کا کھانا جائز کیا گیا بلکہ حلال حرام کی تفصیلات بتائی گئیں۔ ضرر دینے والی اور خبیث چیزوں کے کھانے سے منع کر دیا گیا، جن سے اخلاق و اجسام پر برا اثر پڑے، طیب اور حلال چیزوں کے کھانے کی اجازت دی گئی۔ انسانیت کو اونچا کیا گیا۔ بہیمیت سے بچایا گیا۔ بربریت سے دور رکھا گیا۔ حدیہ ہے کہ دشمنوں کے ساتھ عین میدان جنگ کے موقع پر عمل کرنے کے لیے بھی ایسے احکام صادر فرمائے جن میں اعتدال ہی اعتدال ہے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا گیا مثلاً کرنے یعنی دشمن کے ہاتھ پاؤں، ناک، کان کاٹنے سے منع فرمایا۔ معاشی نظام میں زکوٰۃ فرض کی گئی۔ نفلی صدقات کا بھی حکم دیا گیا۔ میراث کے احکام جاری کئے گئے تاکہ دولت ایک جگہ سمٹ کر نہ رہ جائے۔ جان کا بدلہ قصاص مقرر کیا گیا لیکن خطا میں دیت رکھی گئی۔ اور قصاص واجب ہونے کی صورت میں اولیاءِ مقتول کو یہ اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو قصاص لے لیں۔ چاہیں دیت لے لیں۔ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں عام ابواب پر نظر کی جائے تو احکام میں سراسر اعتدال ہی نظر آتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ ۗ وَإِنَّ
كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ

لَسَاءَ وَفٍ سَاحِجِيمٌ ﴿۱۳۲﴾

اور جس قبلہ پر آپ تھے اسے ہم نے مقرر نہیں کیا مگر اس لیے کہ ہم جان لیں کون اتباع کرتا ہے رسول کا اس سے ممتاز ہو کر جو پیچھے پلٹ جاتا ہے اپنے الٹے پاؤں، اور بے شک یہ قبلہ بدلنا بھاری بات ہے مگر ان لوگوں پر جن کو اللہ نے ہدایت دی اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ضائع کرے تمہارے ایمان کو۔ بے شک اللہ لوگوں کے ساتھ بڑا مشفق مہربان ہے۔

تحویل قبلہ امتحان کے لیے ہے

امت محمدیہ کی فضیلت ظاہر فرما کر پھر قبلہ کے موضوع سے متعلق باقی بیان شروع ہوتا ہے۔ بیت المقدس کی طرف جو سولہ سترہ مہینے تک نمازیں پڑھی گئیں، پھر کعبہ شریف کی طرف نماز میں رخ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے پہلے قبلہ کی بجائے دوسرے قبلہ کی طرف رخ کرنے کا جو حکم دیا اس میں یہ حکمت ہے کہ ہم جان لیں کہ رسول کا اتباع کون کرتا ہے اور تبدیل قبلہ کی وجہ سے کون الٹے پاؤں لوٹتا ہے اور اتباع رسول سے روگردانی کرتا ہے۔ مومن بندوں کا مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت ہے۔ جدھر منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہو گیا وہی جہت قبلہ ہے۔ فرمانبردار بندوں کے لیے حق تعالیٰ شانہ کے احکام ماننے میں ذرا بھی کوئی جھجک نہیں ہوتی اور نہ ان کے نزدیک چون چرا کا موقع ہوتا ہے۔

زبان تازہ کر دین باقرار تو نینگیختن علت از کار تو

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قبلہ بدلنے میں یہی حکمت تھی کہ ہم جان لیں یعنی علم ازلی کا ظہور ہو جائے کہ کون ہمارے رسول کا اتباع کرتا ہے اور کون منکر اور منحرف ہو جاتا ہے اور الٹے پاؤں چلا جاتا ہے۔ جب قبلہ بدلنے کا حکم ہوا تو بعض ضعیف الایمان، ایمان سے پھر گئے اور انہوں نے کہا کہ کبھی ادھر نماز پڑھنے کا حکم ہوتا ہے اور کبھی ادھر (اس کو بہانہ بنا کر مرتد ہو گئے)۔ (نقلہ فی الدر المنثور عن ابن جریر ص ۱۴۶ ج ۱)

اللہ تعالیٰ کو سب اختیار ہے بندوں کو جو چاہے حکم دے لیکن جاہلوں بیوقوفوں اور منافقوں اور یہودیوں کے نزدیک قبلہ بدلنا بہت بڑی چیز

ہوگئی۔ ان کے نفسوں پر یہ امر بہت شاق گزرا۔ اور اسے ہدف طعن و تشنیع اور محل اعتراض بنا لیا اور مومنین کے لیے اس میں کوئی اشکال اور اعتراض کی بات ہی نہیں ہے۔ فرمانبردار یوں بھی خوش ہے۔ اور یوں بھی راضی۔ وہ تو پابند حکم ہے۔ اسے فرمانبرداری کے سوا اور کچھ مطلوب نہیں۔

قال صاحب الروح ص ۶ ج ۲ و ان كانت الكبيرة ای شاقۃ ثقلیة، والضمیر لمادل علیہ قوله تعالیٰ و ما جعلنا (الخ) من الجعلة او التولية او الردة او التحويلة الصیرورة او المتابعة أو القبلة و فائدہ اعتبار التانیث علی بعض الوجوه الدلالة علی ان هذا الرد و التحویل بوقوعه مرة واحدة و قوله الاعلیٰ الذین هدی الله ای الی سر الاحکام الشرعیة المبنیة علی الحکم والمصالح اجمالاً او تفصیلاً والمراد بهم (من یتبع الرسول) من الثابتین علی الایمان الغیر المتزلزلین المنقلبین علی أعقابهم (اھ بحذف)

قبلہ اولیٰ کی طرف جو نمازیں پڑھی گئیں ان کا ثواب ضائع نہیں:

پھر فرمایا ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ﴾ (اور اللہ نہیں ہے کہ ضائع کرے تمہارے ایمان کو) تفسیر درمنثور میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بحوالہ سنن ترمذی و معجم طبرانی و مستدرک حاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو نماز میں کعبہ شریف کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ جو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے (اور قبلہ بدلنے سے پہلے وفات پا گئے) اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ تمہارے ایمان کو ضائع فرمادے۔

اس آیت میں نماز کو ایمان فرمایا اس سے نماز کا رتبہ معلوم ہو گیا۔ بعض روایات میں نماز کے بارے میں فرمایا ہے کہ اسلام میں نماز کا مرتبہ ایسا ہے جیسے انسان کے جسم میں سر کا مرتبہ ہے۔ (الترغیب ص ۲۴۶ ج ۱)

سر موجود ہے تو جسم کی بھی حیثیت ہے۔ جسم سے سر کٹ گیا تو کچھ بھی نہ رہا۔ آیت کے اخیر میں فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَّءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (کہ بے شک اللہ لوگوں کے ساتھ بڑا مشفق اور مہربان ہے) اللہ تعالیٰ حکیم بھی ہے حاکم بھی ہے۔ وہ حکمت کے مطابق ان کاموں کا لوگوں کو حکم دیتا ہے جن میں بندوں کا بھلا اور نفع ہوتا ہے ہر حکم میں ان کے ساتھ رافت اور رحمت کا معاملہ ہے۔ جو نمازیں حکم کے مطابق پڑھ لی گئیں ان کے ضائع ہونے کا وہم و گمان صحیح نہیں۔ وہ عمل صحیح کو ضائع نہیں فرماتا جو حکم کے مطابق انجام دیا گیا ہو، لفظ رحمت اور رافت دونوں ہی مہربانی کے معنی میں آتے ہیں لیکن رافت میں رحمت سے زیادہ مبالغہ ہے۔

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۴﴾

ہم دیکھ رہے ہیں آپ کا آسمان کی طرف بار بار منہ اٹھانا پس ہم آپ کو ضرور ضرور متوجہ کر دیں گے ایسے قبلہ کی طرف جس سے آپ راضی ہوں گے، سو آپ پھیر دیجیے اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف، اور جہاں کہیں بھی تم لوگ ہو سو اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف متوجہ کیا کرو۔ اور بلاشبہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی وہ ضرور جانتے ہیں کہ بلاشبہ یہ حکم حق ہے ان کے رب کی طرف سے ہے۔ اور اللہ غافل نہیں ان کاموں سے جن کو تم کرتے ہو۔

کعبہ شریف کی طرف رخ کرنے کا حکم اور آنحضرت ﷺ کو شدت سے اس کا انتظار

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ جس زمانہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ سلام پھیر کر آسمان کی طرف (اس انتظار میں) منہ اٹھاتے کہ کعبہ شریف قبلہ مقرر کیا جائے۔ لہذا آیت ﴿قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ﴾ نازل ہوئی۔ علامہ واحدی اسباب نزول ص ۳۹ میں لکھتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہود کے قبلہ سے ہٹا کر میرے لیے کوئی دوسرا قبلہ مقرر فرمادے اور مقصد یہ تھا کہ کعبہ شریف قبلہ مقرر ہو جائے کیونکہ وہ قبلہ ابراہیمی ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں بھی تو آپ کی طرح ایک بندہ ہوں۔ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ آپ اپنے رب سے سوال کریں کہ وہ آپ کو قبلہ ابراہیمی کی طرف رخ کرنے کا حکم فرمادے۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام اوپر چڑھ گئے اور رسول اللہ ﷺ برابر اس امید میں آسمان کی طرف نظر فرماتے رہے کہ جبرائیل آپ کی خواہش کے مطابق حکم خداوندی لے کر نازل ہوں۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے اور یہ سولہ سترہ مہینے تک رہا۔ پھر آنحضرت ﷺ کی خواہش پر کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کر دیا گیا۔ اور کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور عمومی طور پر سب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو (مکہ یا مدینہ میں یا بیت المقدس میں یا دنیا کے کسی گوشہ میں) مسجد حرام ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔

جہت قبلہ سے تھوڑا سا انحراف مفسد صلوٰۃ نہیں ہے:

مسجد حرام اس مسجد کا نام ہے جو کعبہ شریف کے چاروں طرف ہے۔ اس پر ساری امت کا اتفاق ہے کہ کعبہ شریف ہی قبلہ ہے چونکہ کعبہ شریف مسجد حرام کے اندر ہے اس لیے مسجد حرام کی طرف رخ کرنے کا حکم فرمایا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خاص کعبہ ہی کی طرف ہو دور اور قریب کے نمازی کو رخ کرنا لازم نہیں بلکہ مسجد حرام کی طرف منہ کرنے سے نماز ہو جائے گی۔ جو لوگ مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں چونکہ عین کعبہ کی طرف رخ کرنا ان کی قدرت سے باہر ہے اس لیے آسانی اور رفع حرج کے لیے مسجد حرام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ لیکن جو شخص مسجد حرام میں موجود ہے اس کے لیے لازم ہے کہ عین کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے۔ تفسیر قرطبی ص ۱۵۹ ج ۲ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کعبہ شریف مسجد حرام والوں کا قبلہ ہے اور مسجد حرام اہل حرم کا قبلہ ہے اور حرم شرقاً وغرباً میری تمام امت کے لیے قبلہ ہے زمین میں جہاں کہیں بھی ہوں، فقہانے لکھا ہے کہ جس جہت پر کعبہ شریف ہو اس طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی۔ تھوڑا سا انحراف مفسد صلوٰۃ نہیں۔ جب کوئی شخص جہت کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو اور کعبہ شریف سے دائیں یا بائیں جانب ۴۵ درجے کے اندر انحراف ہو گیا تو نماز ہو جائے گی۔ قرآن مجید میں ﴿شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ فرمایا ہے اس سے حضرات فقہانے یہ استنباط کیا کہ کعبہ شریف کے رخ پر نماز پڑھنا کافی ہے۔ اگرچہ تھوڑا سا انحراف ہو جائے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی ما بین المشرق والمغرب قبلہ (رواہ الترمذی) فرمایا کہ یہ بتا دیا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان جو جہت ہے اس طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی۔ یہ آپ نے اہل مدینہ کے لیے فرمایا کیونکہ کعبہ شریف مدینہ منورہ سے جنوب کی طرف واقع ہے۔ اور وہاں سے جہت جنوب مشرق اور مغرب کے درمیان پڑتی ہے۔ پورے عالم میں بسنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے استقبال کے بارے میں یہ بہت آسانی دی گئی ہے۔ کہ وہ جہت قبلہ کی طرف نماز پڑھ لیں۔ تھوڑا سا انحراف ہو جائے تب بھی نماز ہو جائے گی۔ احکام شرعیہ کو اللہ جل شانہ نے اس قدر آسان رکھا ہے کہ ہر گاؤں جنگل اور پہاڑ اور جزیرہ میں بسنے والے مسلمان احکام شریعت پر عمل کر سکتے ہیں۔ اوقات نماز طلوع و غروب کے مشاہدہ سے سمجھ لیتے ہیں۔ اسی طرزِ حسابات اور ریاضی اور آلاتِ رصدیہ کے احتیاج کے بغیر کسی تکلف کے اپنا قبلہ مقرر کر سکتے ہیں یعنی جہت کعبہ کی طرف نماز پڑھ سکتے ہیں جس میں کافی وسعت ہے۔ ہاں مسجدیں بناتے وقت خوب محقق کر کے قبلہ مقرر کرنا

افضل ہے۔

کعبہ شریف کو قبلہ بنانے میں حکمت:

اللہ جل شانہ، کی ذات پاک سمت اور جہت سے بالا اور برتر ہے۔ مشارق اور مغارب سب اس کی ملکیت ہیں۔ اسی لیے ﴿قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ فرمایا۔ تاہم نماز میں اجتماع اور وحدت کے لیے تمام دنیا کے تمام انسانوں کا رخ کسی ایک جہت کی طرف ہونا ضروری ہے۔ لہذا کعبہ شریف کو آخر میں قبلہ نماز مقرر فرمایا گیا اور کعبہ شریف چونکہ اول حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا اور وہ سب سے پہلے پیغمبر تھے اور تمام انسانوں کے باپ تھے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا جن کو ان کے بعد آنے والی تمام قومیں مانتی ہیں۔ اس لیے کعبہ شریف کو ہمیشہ کے لیے قبلہ قرار دیا گیا۔ اس سے تمام مسلمانوں کو وحدت اجتماعیہ فی الصلوٰۃ حاصل ہوگئی۔ اگر انسانوں پر اس کا فیصلہ چھوڑا جاتا تو بہت سے اختلافات رونما ہوتے اور اس طرح سے وحدت حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ کعبہ شریف کو قبلہ صلوٰۃ مقرر کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ چاروں جہات میں ہر جہت نماز کے لیے مقرر ہوگئی۔ ہر جہت والے اس رخ پر نماز پڑھتے ہیں جس رخ پر ان کے علاقہ کے اعتبار سے کعبہ شریف واقع ہے۔ اب نمازیں مشرق کو بھی ہو رہی ہیں اور مغرب کو بھی اور جنوب و شمال کو بھی..... اس میں ﴿لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهَ اللّٰهِ﴾ کا پورا پورا مظاہرہ ہے۔

پھر آیت کے ختم پر ارشاد فرمایا: ﴿وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ ”جن لوگوں کو کتاب دی گئی یعنی یہود و نصاریٰ ان کو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ قبلہ کا بدلنا اور کعبہ شریف کو قبلہ قرار دینا بالکل صحیح ہے اور حق ہے اور ان کے رب کی طرف سے ہے۔“

لیکن وہ ضد اور عناد کی وجہ سے معترض ہو رہے ہیں اور حق کی تکذیب کر رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ وہی نبی ہیں جن کی بشارت ان کی کتابوں میں موجود ہے۔ اور وہ باطل کا حکم نہیں دیتے۔ (روح المعانی)۔ آخر میں ارشاد فرمایا ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اعمال سے اور ان کی حرکتوں سے غافل نہیں ہے۔ اسے سب کچھ معلوم ہے یہ لوگ اپنے کفر اور اعمال بد کی سزا پائیں گے۔

وَلٰكِنۡ اَتٰتِیَۡتِ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰیۡةٍ مَّا تَبِعُوۡا قِبَلَتَكَ ۚ وَ مَا اَنْتَ بِتٰبِعِ قِبَلَتِهِمْ ۚ وَ مَا بَعْضُهُمْ بِتٰبِعِ قِبَلَةِ بَعْضٍ ۗ وَلٰكِنۡ اَتَّبَعْتَ اَهُۗوَآءَهُمۡ مِّنۡۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۗ اِنَّكَ اِذَا

لَمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۳۵﴾

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی اگر آپ ان کے پاس تمام دلیلیں لے آئیں تب بھی آپ کے قبلہ کا اتباع نہ کریں گے۔ اور نہ آپ ان کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں، اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں۔ اور البتہ اگر آپ نے اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو بے شک آپ اس وقت یقیناً ظلم کرنے والوں میں سے ہوں گے۔

یہود و نصاریٰ کی ضد اور عناد کا مزید تذکرہ

اس آیت شریفہ میں یہود و نصاریٰ کے عناد اور ضد کو مزید واضح کر کے بیان فرمایا اور صاف طور پر بتا دیا کہ ان لوگوں سے قبول حق کی کوئی امید نہیں۔ انہوں نے جو آپ کے قبلہ کو قبول نہیں کیا تو یہ کسی دلیل کی وجہ سے نہیں ہے۔ یہ لوگ صرف مخالفت اور عناد اور مکابرہ پر تلے ہوئے ہیں۔ آپ دلیلیں پیش کر دیں۔ انہیں آپ کی موافقت کرنا نہیں ہے۔ نہ وہ آپ کے قبلہ کا اتباع کریں گے اور نہ ہی آپ ان کے قبلہ کا اتباع

کرنے والے ہیں۔ اہل کتاب نے دھوکہ دینے کے لیے کہا تھا۔ یا محمد عُدُّ الیٰ قبَلتِنَا نُوْمِنُ بِکَ وَنَتَّبِعُکَ (کہاے محمد! ہمارے قبلہ کی طرف واپس آ جاؤ۔ ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور تمہارے قبلہ کا اتباع کر لیں گے)۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں طرف کی امید کو ختم فرما دیا کہ نہ وہ آپ کے قبلہ کا اتباع کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلہ کی طرف متوجہ ہوں گے۔ یہود کا قبلہ بیت المقدس ہے۔ اور نصاریٰ نے اپنا قبلہ جہت مشرق کو تجویز کر لیا تھا۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رفع الیٰ السماء تک کبھی بھی مشرق کی طرف نماز نہیں پڑھی ان کا قبلہ وہی تھا جو بنی اسرائیل کا قبلہ تھا یعنی بیت المقدس۔ (روح المعانی ص ۱۱ ج ۲)

پھر یہ فرمایا ﴿وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ﴾ (اہل کتاب یہود و نصاریٰ آپس میں بھی ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع کرنے والے نہیں ہیں) صاحب روح المعانی ص ۱۲ ج ۲ لکھتے ہیں کہ اس میں یہود و نصاریٰ کے الحاد اور تصلب فی الہویٰ کو بیان فرمایا ہے مطلب یہ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی یہ مخالفت اور عناد صرف آپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے خود آپس میں بھی ان کی مخالفت اور عناد کا یہی حال ہے۔ آخر میں فرمایا ﴿وَلَئِنْ أَتَبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لِّمِنَ الظَّالِمِینَ﴾ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ پاس کے اللہ کی طرف سے علم آ گیا اور یہ یقین ہے کہ یہ صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے اور یہ معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں۔ انہیں حق قبول کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ لہذا بالفرض اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کر لیا تو آپ ان لوگوں میں شمار ہو جائیں گے جو ظلم کرنے والے اور حق کو چھوڑ کر ناحق کی طرف جانے والے ہیں اس طرز بیان میں اتباع ہوئی سے بچنے کی بہت زیادہ تاکید ہے اور یہ بتایا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہونا ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ اتباع ہوئی اور ارتکاب گناہ ظالموں کا شیوہ ہے۔ اور حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر ظلم سے محفوظ اور معصوم ہیں۔ (روح المعانی ص ۱۲ ج ۱)

الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَكَ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۶﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُبْتَلِیْنَ ﴿۱۳۷﴾

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول کو پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور بلاشبہ ان میں سے ایک فریق ایسا ہے جو ضرور حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں، حق ہے آپ کے رب کی طرف سے سو آپ ہرگز شک کر نیوالوں میں سے نہ ہو جائیں

اہل کتاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہچانتے ہیں اور حق چھپاتے ہیں

اس آیت شریفہ میں اہل کتاب کا مزید عناد اور تمرد بیان فرمایا کہ اہل کتاب صرف قبلہ کے بارے میں ہی عناد قائم نہیں بلکہ وہ تو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہی کے منکر ہیں اور ان کا یہ انکار خالص عناد پر مبنی ہے۔ وہ اپنی کتابوں میں آپ کی صفات جلیلہ اور آپ کی تشریف آوری کی بشارت عظیمہ پڑھتے رہے ہیں اور وہ نعوت اور صفات خوب اچھے طرح واضح طور پر دیکھ کر آپ کی نبوت کو اس طرح پہچان گئے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں کہ یہ ہمارے بیٹے ہیں اور اپنے بیٹوں کو پہچاننے میں ان کو ذرا شک و شبہ نہیں ہے۔ (تفسیر درمنثور ص ۱۲۷ ج ۱)

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو یہود کے علماء میں سے تھے) آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں انہوں نے اسلام قبول کیا اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننا کہ یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں مجھے اپنے بیٹے کے پہچاننے سے زیادہ یقینی ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ یہ کیوں کر؟ انہوں نے کہا کہ میں بالکل یقین کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں لیکن میں اس طرح کی گواہی اپنے بیٹے کے بارے میں نہیں دے سکتا، کیونکہ میں نہیں جانتا کہ عورتیں (مردوں کے پیچھے) کیا کرتی ہیں ممکن ہے میری بیوی نے خیانت کی ہو اور میں جسے اپنا بیٹا کہہ رہا ہوں وہ میرا بیٹا نہ ہو۔ (اسباب النزول للواحدی ص ۴۰)

پھر فرمایا کہ بلاشبہ اہل کتاب میں ایک گروہ ایسا ہے جو حق کو چھپاتا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم حق کو چھپا رہے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ حق چھپانے کا وبال اور عذاب بہت زیادہ ہے۔
آخر میں فرمایا کہ یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے لہذا آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔ صاحب روح المعانی ص ۱۴ ج ۲ لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حق اپنی جگہ ثابت اور متحقق ہے اور ظاہر و باہر ہے اس میں کسی کو کچھ بھی شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ صیغہ نہی کا ہے لیکن مقصود اخبار ہے۔ حق میں شک کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔

وَلِكُلِّ وِجْهَةٍ هُوَ مَوْلِيُّهَا فَاَسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ اِنَّ مَاتَكُونُوا يَاتِ بِكُمْ اللهُ جَمِيعًا اِنَّ اللهَ

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۷۸﴾

اور ہر جماعت کے لیے ایک جہت ہے، جس کی طرف وہ اپنا رخ کرنے والے ہیں۔ لہذا تم نیک کاموں کی طرف آگے بڑھو، جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تعالیٰ تم سب کو لے آئے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ہر ملت کا قبلہ الگ الگ ہے

اس میں لکل کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ ای لکل اهل ملة او جماعة من المسلمين واليهود و النصارى یعنی ہر مذہب اور ملت اور ہر جماعت کا عبادتوں میں اپنا رخ الگ ہوتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔ خواہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کر دیا گیا ہو۔ خواہ لوگوں نے کوئی جہت اپنے طور پر مقرر کر لی ہو پھر اگر نبی اکرم خاتم الانبیاء ﷺ کے لیے قبلہ ابراہیمی مقرر کر دیا گیا جو دوسروں کے قبلہ سے مختلف ہے تو اس میں اعتراض اور تعجب کی کیا وجہ ہے۔ اور یہ معنی بھی لیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کا رخ مختلف بلاد و امصار اور مختلف آفاق و اطراف میں مختلف ہوتا ہے۔ چار جہات (مشرق مغرب جنوب شمال) میں سے کوئی جہت بھی مسلمانوں کا قبلہ نہیں ہے بلکہ ان کا قبلہ کعبہ ہے اور کعبہ شریف کو رخ کرنے سے مختلف علاقوں کے لوگ مختلف جہات کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ رخ سب کا کعبہ شریف ہی کی طرف ہے کوئی مشرق کو رخ کیے ہوئے ہے کوئی مغرب کی طرف نماز پڑھتا ہے کسی کا قبلہ جنوب اور کسی کا قبلہ شمال کی طرف ہے۔ او کل قوم من المسلمین جہة و جانب من الکعبة یصلی الیہا جنوبیة او شمالیة او شرقیة او غربیة۔ (روح المعانی ص ۳ ج ۲)

پھر فرمایا ﴿فَاَسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ اے مومنو! ان کاموں کی طرف آگے بڑھو اور پہل کرو جن میں، دارین میں سعادت حاصل ہو قبلہ کا استقبال بھی امر خداوندی کے مطابق کرو اور اس کے سوا دیگر احکام الہیہ میں بھی بڑھ چڑھ کر عمل کرو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ الخیرات سے نمازیں مراد ہیں جب نماز کا وقت مامور بہ ہو جائے تو نماز کی طرف لپکنے اور آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

پھر فرمایا ﴿اِنَّ مَاتَكُونُوا يَاتِ بِكُمْ اللهُ جَمِيعًا اِنَّ اللهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو جس خطہ زمین میں ہو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی جزا دینے کے لیے تم سب کو جمع فرمائے گا۔ فرمانبرداری اور اعمال صالحہ کی اچھی جزا ملے گی اور برے کاموں کی سزا ملے گی۔ لہذا فرصت کو غنیمت جائیں اور موت اور حشر نشتر سے غافل نہ ہوں اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔ زندگی بخشا موت دینا جمع کرنا جزا دینا سب اس کے لیے آسان ہے۔

یہ جو فرمایا کہ ”ہر جماعت کا الگ الگ قبلہ ہے پس تم نیک کاموں کی طرف سبقت کرو“ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ مسلمان کا کام فضول بحثوں میں الجھنا نہیں جب یہ معلوم ہو گیا کہ اہل کتاب تمہارے قبلہ کی طرف رخ کر نیوالے نہیں اور تم ان کے قبلہ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے۔ تو اب بحث بلا ضرورت ہے اور فضول ہے اور وقت کا ضائع کرنا ہے ان بحثوں کو چھوڑ کر اپنے اصلی کام میں لگیں یعنی خیر کے کاموں کی طرف

سبقت کریں جو آخرت میں اجر و ثواب کا ذریعہ ہیں اور فَاسْتَبِقُوا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب بھی کبھی خیر کا موقع مل جائے تو فوراً اس کی طرف بڑھنا اور لپکنا چاہیے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۳۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرًا ۚ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ وَلَا تَمْنَعِيْكُمْ عَلَيْهِمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۴۰﴾

اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جائیں تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں۔ اور بلاشبہ یہ ضرور حق ہے آپ کے رب کی طرف سے، اور اللہ غافل نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو، اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جائیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیجیے۔ اور جہاں کہیں تم ہو سو اپنے چہرے اس کی طرف پھیر لو، تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے۔ سوائے ان کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا۔ لہذا تم ان سے ڈرو اور مجھ سے ڈرو تاکہ میں پوری کر دوں تم پر اپنی نعمت اور تاکہ تم ہدایت پر رہو۔

دنیا میں جہاں بھی ہوں مسجد حرام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اے نبی ﷺ آپ جس جگہ سے بھی کہیں سفر میں باہر نکلیں۔ نماز میں اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کیا کریں اور فرمایا کہ یہ حکم حق ہے آپ کے رب کی طرف سے ہے۔ اللہ سب کاموں کو دیکھتا ہے کسی کے عمل سے غافل نہیں۔ پھر مذکورہ بالا حکم کا دوبارہ اعادہ فرمایا اور ساتھ ہی عامۃ المسلمین کو بھی خطاب فرمایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو نمازوں میں اپنے چہرے مسجد حرام کی طرف کر لیا کرو۔ ﴿قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ﴾ سے لے کر ﴿لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ تک ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ تین مرتبہ اور ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرًا﴾ دوبارہ ہے۔ تحویل قبلہ کا مسئلہ چونکہ بہت اہم بن گیا تھا۔ مخالفوں کے اعتراض اور شور و شغب کی وجہ سے بعض کچے مسلمان بھی متاثر ہو گئے تھے اور ان میں سے بعض مرتد بھی ہو گئے تھے۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔ اس لیے تاکید کے طور پر بار بار مسجد حرام کی طرف استقبال کرنے کا حکم فرمایا گیا اور درمیان میں ﴿الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ﴾ اور ﴿لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ﴾ لایا گیا۔

اور بعض حضرات نے یوں بھی کہا ہے کہ پہلے حالت حضر کا پھر حالت سفر کا حکم بیان فرمایا کہ سفر میں بھی مسجد حرام ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں اور ﴿مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ﴾ دوبار ذکر فرمایا تاکہ خوب اچھی طرح واضح ہو جائے کہ سفر قریب کا ہو یا بعید کا مشرق کا ہو یا مغرب کا جنوب کا ہو یا شمال کا۔ ہر حالت میں مسجد حرام ہی کی طرف نماز پڑھنا ہوگا۔

قبلہ بدلنے پر یہودیوں کی حجت ختم ہو گئی:

آخر میں یہ جو فرمایا ﴿لِيَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ﴾ اس کے بارے میں مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ ﴿فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ﴾ کی علت ہے مطلب یہ ہے کہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ شریف کی طرف رخ پھیر دینے میں یہودیوں کی حجت ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان کا یہ اعتراض تھا کہ تو ریت شریف میں تو یہ مذکور ہے کہ نبی آخر الزمان کا قبلہ کعبہ شریف ہوگا لیکن یہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور دوسری بات وہ یہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ ہمارے دین کا انکار کرتے ہیں لیکن ہمارے قبلہ کا اتباع کرتے ہیں یہودیوں کے یہ دونوں اعتراض کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ملنے سے ختم ہو گئے۔ اور مشرکین جو یہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ ملت ابراہیمی کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کے قبلہ کے علاوہ دوسرا قبلہ اختیار کیے ہوئے ہیں تحویل قبلہ سے ان کا اعتراض بھی ختم ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ الناس کا عموم یہود اور

مشرکین دونوں کو شامل ہے۔

پھر فرمایا ﴿إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ﴾ یعنی کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کر دینے سے لوگوں کی حجت ختم ہو گئی اور اب کسی کا اعتراض باقی نہیں رہا سوائے ان لوگوں کے جو ظالم ہیں جنہوں نے عناد پر ہی کمر باندھ رکھی ہے اور جنہیں حق قبول کرنا ہی نہیں۔ مثلاً یہودی معاند یوں کہیں گے کہ انہوں نے کعبہ کو قبلہ اس لیے اختیار کر لیا کہ اپنی قوم کے دین کی طرف مائل ہو گئے اور وطن کی محبت نے ان کو کعبہ کو قبلہ بنانے پر آمادہ کر لیا۔ یا یوں کہیں گے کہ ان کو اس وقت یہ خیال آ گیا کہ اپنے باپ دادوں کا قبلہ اختیار کر لیں ممکن ہے کہ پھر ہمارے قبلہ کی طرف واپس آ جائیں۔ معترض اور معاند کا منہ تو کبھی بند نہیں ہو سکتا وہ تو کٹ جتی کرتا ہی رہتا ہے۔

پھر فرمایا ﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي﴾ (کہ تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو) جو حکم کعبہ شریف کو رخ کرنے کا ہوا ہے اس کی تعمیل کرو اور معترضین اور معاندین کی کسی بات کا کوئی خیال نہ کرو ان سے نہ ڈرو کیونکہ ان کے طعنے اور اعتراضات تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچائیں گے مجھ سے ڈرو میرے امر کی مخالفت نہ کرو۔

آخر میں فرمایا ﴿وَلَا تَمَنَّوْا نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ یہ محذوف کی علت ہے یعنی ﴿وَأْمُرْتَكُمْ لِاتِمَامِي النِّعْمَةِ عَلَيْكُمْ وَارَادَتِي اهْتِدَاءَكُمْ﴾ یعنی میں نے تم کو تحویل قبلہ کا حکم دیا ہے جو اس لیے ہے کہ تم پر اپنی نعمت پوری کروں اور تاکہ تم ہدایت پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہو۔ (کلمہ من البیضاوی)

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۱۵۱﴾ فَادْكُرُونِي أذْكُرْكُمْ وَأَشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿۱۵۲﴾

جیسا کہ ہم نے بھیجا تمہارے اندر ایک رسول جو تم میں سے ہے وہ تلاوت کرتا ہے تم پر ہماری آیات اور تمہیں پاکیزہ بناتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تم کو وہ چیزیں سکھاتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔ سو تم مجھ کو یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، اور میرا شکر کرو، اور میری ناشکری نہ کرو۔

اہل ایمان کے لیے تکمیل نعمت

یہ ماقبل سے متعلق ہے۔ ﴿ای ولا تم نعمتی علیکم فی امر القبلة او فی الاخرة کما اتممتھا بارسال رسول منکم﴾ یعنی ہم نے تم کو کعبہ شریف کی طرف نمازوں میں رخ کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ تم پر اپنی نعمت قبلہ کے بارے میں یا آخرت میں پوری کروں جیسا کہ میں نے اپنی نعمت تم پر اس طرح بھی پوری کی ہے کہ تمہارے اندر تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو ہماری آیتیں پڑھ کر تم کو سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے۔ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے تم ظاہری باطنی برائی اور خرابی سے پاک ہو جاؤ گے۔ وہ تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ باتیں بتاتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے۔ جن کے جاننے کا راستہ وحی الہی کے علاوہ بالکل نہیں ہے۔ ہم نے اپنا رسول بھیجا اس پر وحی بھیجی اور وحی کے ذریعہ تم کو بہت کچھ بتایا اور سمجھایا لہذا تم میرا ذکر کرو، میں تمہیں یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو، اور میری ناشکری نہ کرو۔

فَاذْكُرُونِي اذْكُرْكُمْ كِي تَفْسِر:

مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ فاذا کرونہ باطاعتی اذکرکم بالثواب یعنی تم مجھے فرمانبرداری کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں ثواب دے کر یاد کروں گا، دل سے زبان سے اللہ کو یاد کرنا یہ بھی یاد ہے اور فرمانبرداری اور اطاعت میں لگنا یہ بھی یاد ہے۔ اللہ کے خوف سے گناہوں کو چھوڑ دینا یہ بھی یاد ہے محققین نے فرمایا ہے۔ کل مطیع اللہ فهو ذاکر۔ یعنی ہر وہ شخص جو اللہ کی فرمانبرداری میں مشغول ہو وہ ذاکر ہے۔ زبان سے یاد کرنے کی بھی بہت زیادہ فضیلت ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ حرکت کریں (صحیح بخاری عن ابی ہریرۃ) اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے سو اگر اس نے مجھے تنہائی میں یاد کیا تو میں بھی اسے تنہا یاد کروں گا اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرے تو میں اسے ایسی جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہے۔ (یعنی عالم بالا کے درباری فرشتوں کے سامنے)۔ (صحیح بخاری ایضاً عن ابی ہریرۃ)

ذکر اللہ کے فضائل:

احادیث شریفہ میں تسبیح تہلیل اور تکبیر میں مشغول ہونے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں یوں کہوں کہ ﴿سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ﴾ تو یہ مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن چیزوں پر آفتاب طلوع ہو۔ (صحیح مسلم ص ۲۲۵ ج ۲)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا کلام (ذکر کے لیے) سب سے زیادہ افضل ہے۔ آپ نے فرمایا جو اللہ نے اپنے فرشتے کے لیے منتخب فرمایا یعنی ﴿سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ﴾ (رواہ مسلم ص ۳۵۱ ج ۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے یوں ﴿سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ﴾ اس کے لیے جنت میں ایک کھجور کا درخت لگا دیا جائے گا۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الدعوات)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر بلکے ہیں (قیامت کے دن) ترازو میں بھاری ہوں گے اور رحمن کو محبوب ہیں اور وہ یہ ہیں ﴿سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ﴾ (صحیح بخاری آخری حدیث) ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کی باتیں تو بہت ہیں آپ مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس میں لگا رہوں آپ نے فرمایا ﴿لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِمَّنْ ذَكَرَ اللَّهَ﴾ یعنی تیری زبان ہر وقت اللہ کی یاد میں تر رہے۔ (رواہ الترمذی وحسنہ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چل رہا تھا اور دل میں ﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ پڑھ رہا تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عبداللہ بن قیس (یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کا نام ہے) کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا وہ خزانہ ﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ ہے۔ (صحیح مسلم ص ۳۳۶ ج ۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ بیٹھ کر اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے اور ان پر اطمینان کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے دربار یوں میں یاد فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم ص ۳۳۵ ج ۲)

شکر کی فضیلت اور اہمیت:

ذکر کا حکم فرمانے کے بعد شکر کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا ﴿وَأَشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾ (یعنی میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو) ذکر کے ساتھ شکر ادا کرنا بھی لازم ہے۔ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جن کا شمار بھی بندوں کی قدرت سے باہر ہے۔ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ شکر میں یہ سب کچھ آجاتا ہے کہ نعمتوں کا اقرار کریں۔ قول اور فعل سے نعمتوں کا اظہار کریں۔ نعمتوں کی قدر دانی کریں۔ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں اور نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں خرچ کریں۔ نعمتوں کا منکر ہونا ان کی ناقدری کرنا اور ان کو گناہوں میں خرچ کرنا ناشکری ہے۔ یہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ نعمتیں اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے اور ان نعمتوں کا استعمال اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں

اور نفس و شیطان کی فرمانبرداری میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو سبھی استعمال کرتے ہیں لیکن شکر گزار بندے کم ہیں جیسا کہ سورۃ سبأ میں فرمایا۔ ﴿وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرُونَ﴾ شکر بہت بڑی چیز ہے اس کی وجہ سے نعمتیں باقی بھی رہتی ہیں اور نعمتوں میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ اور ناشکری پر نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔ سورۃ ابراہیم (۲۷) میں فرمایا۔ ﴿وَآتُكُم مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ (اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سب چیزوں میں سے دیا جن کا تم نے سوال کیا اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہ کر سکو گے۔ بلاشبہ انسان بڑا ظالم ہے (اور بڑا ناشکر ہے۔)

بندوں کا یہی کام ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں اس کی نعمتوں کو یاد کریں جب انہیں استعمال کریں تو اللہ کی حمد و ثنا میں مشغول ہوں۔ حدیث شریف کی کتابوں میں جو دعائیں وارد ہوئی ہیں۔ ان میں نعمتوں پر بار بار اللہ کی حمد کا اعادہ کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ الحمد راس الشکر ما شکر الله عبداً ولا يحمده (یعنی اللہ کی حمد کرنا اصل شکر ہے جو بندہ اللہ کی حمد بیان نہیں کرتا، اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کما فی مشکوٰۃ ص ۲۰۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۲﴾

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد حاصل کرو، بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

صبر اور صلوة کے ذریعہ مدد مانگنے کا حکم

اس سے پہلی آیت میں ذکر اور شکر کا حکم فرمایا اور اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ صبر اور صلوة کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ لفظ صبر کا لغوی معنی رکنے اور ٹھہر جانے کا ہے۔ شریعت میں یہ لفظ تین معنی کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اول اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت و فرمانبرداری پر لگائے رہنا دوم اپنے نفس کو گناہوں سے روک کر رکھنا۔ سوم آفات اور مصائب پر جو تکلیف ہو اسے سہ جانا اور اس طرح سے گزر جانا کہ اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر پر راضی ہو اور اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہ کرے اور دکھ تکلیف اور مصیبت پر ثواب کا امیدوار رہے عام لوگ صبر صرف تیسرے معنی ہی کے لیے استعمال کرتے ہیں پہلے دو معنی کی طرف ان کا ذہن نہیں جاتا حالانکہ یہ تینوں صورتیں صبر کا جزو ہیں اور صبر کے مفہوم میں شامل ہیں اور تینوں میں مشترک امر وہی ایک بات ہے یعنی نفس کو دبانا اور ہر اس بات سے روکنا جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو۔ جو شخص بھی صبر کے ان تینوں طریقوں کو اختیار کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نصرتیں اس پر نازل ہوں گی۔ سورہ زمر میں ارشاد فرمایا۔ ﴿إِنَّمَا يُوفَى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ کہ صابروں کو پورا پورا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔

صبر کی فضیلت اور اہمیت:

درحقیقت صبر اور شکر مومن کی زندگی کے لیے (جو ایک رواں دواں سیارہ کے مشابہ ہے) پیسے ہیں اور مومن کی کوئی چیز ضائع نہیں ہے۔ آرام و راحت ہو نعمتیں ہوں یا دکھ تکلیف ہو اور کلفتیں ہوں ہر حال میں اس کے لیے نفع ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا معاملہ عجب ہے۔ اس کی ہر حالت خیر ہے۔ اور یہ مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں اگر مومن کو خوش کرنے والی حالت پہنچ گئی تو اس نے شکر کیا جو اس کے لیے بہتر ہو اور اگر اس کو تکلیف دینے والی حالت پہنچ گئی تو اس نے صبر کیا یہ بھی اس کے لیے بہتر ہوا۔ (رواہ مسلم ص ۲۱۳ ج ۲)

صحیح بخاری ص ۹۵۸ ج ۲ میں ہے کہ ولن تعطوا عطاء خیر او اوسع من الصبر (یعنی تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر سے بہتر اور وسیع کوئی چیز نہیں دی گئی۔) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں عطا کر دی گئیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی دے دی گئی۔ ۱۔ شکر گزار دل، ۲۔ ذکر کرنے والی زبان، ۳۔ مصیبت پر صبر کرنے والا بدن، ۴۔ ایسی بیوی جو اپنی

جان کے بارے میں اور شوہر کے مال کے بارے میں شوہر کی خیانت نہ کرے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کما فی مشکوٰۃ ص ۲۸۳)

صبر میں تھوڑی سی تکلیف تو ہوتی ہے مگر اس کے بعد نعمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ کچھ ملتا ہے جس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ تکلیفیں تو سبھی کو پہنچتی ہیں۔ مومن ہو یا کافر نیک ہو یا بد۔ فرق اتنا ہے کہ جو لوگ صبر کر لیتے ہیں وہ ثواب بھی لیتے ہیں اور آئندہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد رحمت اور نصرت کے دروازے بھی ان کے لیے کھل جاتے ہیں۔ جو لوگ صبر نہیں کرتے واویلا کرتے ہیں چیختے چلاتے ہیں۔ اللہ پر اعتراض کرتے ہیں اور اس کی قضا اور قدر پر راضی نہیں ہوتے تکلیف بھی اٹھاتے ہیں اور ثواب سے بھی محروم ہوتے ہیں اور اللہ پر اعتراض کر کے کافر ہو جاتے ہیں۔ اور درحقیقت اصل مصیبت زدہ وہی لوگ ہیں جو ثواب سے بھی محروم رہتے ہیں۔ و انما المصاب من حرم الثواب۔ (رواہ البیہقی فی دلائل النبوة)

جس نے اپنی تکلیف پر صبر کر کے ثواب لے لیا آخرت میں درجات بلند کروا لیے اس کی تکلیف کوئی تکلیف نہیں ہے کیونکہ اسے اس تکلیف کی قیمت مل گئی۔ دنیا میں دیکھتے ہیں کہ مہینہ بھر ملازمت کی ڈیوٹی انجام دینے کے لیے تکلیف اٹھاتے ہیں۔ مزدور دن بھر دھوپ میں کام کرتے ہیں لیکن چونکہ ان سب کا معاوضہ مل جاتا ہے اس لیے یہ تکلیف خوشی سے برداشت کر لیتے ہیں اور اس کو تکلیف سمجھا ہی نہیں جاتا۔ دفع مصائب کے لیے نماز:

صبر کے ساتھ نماز کا تذکرہ بھی فرمایا اور نماز کے ذریعہ بھی مدد حاصل کرنے کا حکم فرمایا۔ نماز بھی اللہ کی مدد اور نصرت لانے کے لیے بہت بڑی چیز ہے۔ اور ہر طرح کی پریشانیاں دور کرنے کے لیے اکسیر ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی مشکل پیش آجاتی تھی تو نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۷)

نماز فرض کا تو بہر حال اہتمام ہوتا ہی تھا۔ مشکلات سے نکلنے کے لیے اور حاجات پوری کرانے کے لیے آنحضرت سرور عالم ﷺ خصوصیت کے ساتھ نفل نماز میں مشغول ہو جاتے تھے صلوٰۃ الحاجت، صلوٰۃ الاستخارہ۔ صلوٰۃ التوبہ۔ صلوٰۃ الاستسقاء (بارش طلب کرنے کی نماز) یہ سب رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں۔ جو اللہ کی رحمت اور نصرت کرنے کے لیے مشروع کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ کی بعض روایات آیت کریمہ ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ کے ذیل میں گزر چکی ہے لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ کوئی مصیبت آجائے دنیا بھر کی تدبیریں کرتے ہیں اور مخلوق سے مدد چاہتے ہیں لیکن صبر اور صلوٰۃ کو مدد حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بناتے بلکہ اس کے برعکس بے صبری کرتے ہیں اور تھوڑے بہت چند افراد جو نمازیں پڑھتے ہیں وہ فرض نمازیں بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ نفل نمازوں میں لگنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور جن گناہوں میں مبتلا تھے ان سب گناہوں میں بھی لگے رہتے ہیں۔ پھر رحمت اور نصرت کیسے ملے؟ آخر میں فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔ صابروں کے لیے یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہے۔ اگر حکومت کا کوئی معمولی درجہ کا آدمی بھی یقین دلا دے کہ فکر نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں تو اس سے بڑی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ طبیعت میں بڑا اطمینان ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ جل شانہ نے جو وعدہ فرمایا کہ میں صبر والوں کے ساتھ ہوں اس وعدہ پر عموماً لوگ یقین نہیں رکھتے اور صبر کے موقع میں بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ درحقیقت مومن کو کسی بھی جگہ ناکام ہونے اور گھبرانے کا کوئی موقع نہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر و شکر میں اور صبر و صلاۃ میں لگا رہے پھر اس کے لیے کامیابی ہی کامیابی ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ ۚ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۱۵۲﴾

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کے بارے میں یوں نہ کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اس کا ادراک نہیں کرتے

شہداء کے فضائل

علامہ واحدی اسباب النزول (ص ۴۰) میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت بدر میں شہید ہو جانے والے مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ جن میں آٹھ حضرات انصار میں سے اور چھ حضرات مہاجرین میں سے تھے۔ شہید ہو جانے والوں کے بارے میں بعض لوگوں نے یوں کہا کہ فلاں مر گیا اور دنیا میں لذت اور نعمت اس سے فوت ہو گئی تو آیات بالا کا نزول ہوا۔ اھ

اللہ کے دین کے پھیلانے اور حق کے آگے بڑھنے میں جو لوگ آڑے آتے ہیں ان سے نبٹنے کے لیے جہاد اور قتال کرنا پڑتا ہے جب جہاد کرتے ہیں تو ضروری نہیں کہ سب کافر ہی مقتول ہوں اس میں بہت سے مسلمان بھی مقتول ہو جاتے ہیں ان مقتول مسلمانوں کو شہداء کا معزز خطاب دیا گیا ہے۔ شہیدوں کے بڑے مرتبے ہیں ان سے بلند درجات کے وعدے ہیں ان کی برزخی زندگی بھی دوسروں سے ممتاز ہے اسی لیے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کے بارے میں یوں نہ کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں ان پر موت طاری ہوئی ہے۔ لیکن برزخی زندگی میں ان کو امتیازی مرتبہ حاصل ہے۔ تم لوگ ان کی اس حیات کا ادراک نہیں کر سکتے۔ سورۃ آل عمران میں شہداء کے بارے میں ارشاد فرمایا ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ (اور ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں، اللہ نے جو کچھ ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا اس پر خوش ہیں)۔

حیات برزخیہ میں سب سے زیادہ قوی تر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ہے۔ ان کے اجسام کو زمین نہیں کھاتی۔ حدیث شریف میں ہے۔ ان اللہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء (رواہ ابوداؤد ص ۱۵۰ ج ۱) اور ان کی حیات برزخیہ اس قدر ممتاز ہے کہ اس کے بعض آثار و احکام دنیا میں بھی بعض امور میں ظاہر ہیں مثلاً ان کی میراث کا تقسیم نہ ہونا اور ازواج مطہرات کا ان کی وفات کے بعد دوسروں سے نکاح جائز نہ ہونا۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ممتاز اور قوی تر حیات برزخیہ کے بعد شہداء کی حیات کا درجہ ہے جس کا آیت بالا میں اور سورۃ آل عمران کی آیت میں تذکرہ ہے۔ ان کے بعد دوسرے لوگوں کی حیات ہے جس کے ذریعہ قبر میں عذاب ہوتا یا آرام ملتا ہے۔ ان کی تفصیلات احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔

شہید چونکہ اپنا جان و مال لے کر حاضر ہو جاتا ہے اور اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دیتا ہے اس لیے اس کا اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑا مرتبہ ہے۔ ان کا جو وہاں اکرام ہوتا ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ دنیاوی زندگی اس کے سامنے ہیچ در ہیچ ہے۔ حضرت مسروق تابعی نے بیان فرمایا کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ (الآیۃ) کے بارے میں معلوم کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہداء کی روہیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں ان کے لیے قندیل ہیں جو عرش کے نیچے لٹکے ہوئے ہیں یہ پرندے جنت میں جہاں چاہتے ہیں چلتے پھرتے ہیں۔ پھر ان قندیلوں میں آ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان سے فرمایا کہ تم کچھ خواہش رکھتے ہو انہوں نے کہا ہم کیا خواہش کریں۔ (اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ) ہم جنت میں جہاں چاہیں پھرتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے تین مرتبہ ان سے یہی سوال فرمایا جب انہوں نے دیکھا کہ سوال ہوتا ہی رہے گا کچھ نہ کچھ جواب دینا ہی ہے تو عرض کیا اے رب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روہیں دوبارہ جسموں میں واپس کر دی جائیں تاکہ ہم پھر تیری راہ میں مقتول ہو جائیں۔ جب انہوں نے کسی اور حاجت کا سوال نہ کیا (اور وہاں سے واپسی کا قانون نہیں ہے) تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ (رواہ مسلم ص ۱۳۵ ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بندہ وفات پا جاتا ہے جس کے لیے اللہ کے پاس خیر

ہو (یعنی عذاب سے نجات ہو اور وہاں کی نعمتوں سے متمتع ہو رہا ہو) اسے یہ خوشی نہیں ہوتی کہ دنیا میں واپس آجائے۔ اگرچہ دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب اسے مل جائے سوائے شہید کے، شہید کو اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ دنیا میں دوبارہ آجائے اور پھر اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے کیونکہ وہ (وہاں پہنچ کر) شہادت کی فضیلت دیکھ لیتا ہے۔ (بخاری ص ۳۹۲ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ ضرور میری یہ خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ (بخاری ص ۳۹۲ ج ۱)

نبوت کا مرتبہ تو ہر مرتبہ سے فائق ہے اور برتر ہے پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی راہ میں بار بار شہید ہونے کی تمنا ظاہر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں ہیں بار بار قتل ہونے اور زندہ ہونے کی تمنا تو پوری نہ فرمائی لیکن آپ کو درجہ شہادت اس طرح سے عطا فرمایا کہ غزوہ خیبر میں جو ایک یہودی عورت نے بکری کے بھنے ہوئے دست میں زہر ملا کر دیا تھا اس کا اثر وقتی طور پر رک گیا تھا لیکن وفات کے وقت اس نے اثر کیا اور وہ آپ کی وفات کا ذریعہ بن گیا۔

حقوق العباد کے علاوہ شہید کا سب کچھ معاف ہے:

شہید کی بہت بڑی فضیلت ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا لیکن فی سبیل اللہ قتل ہو جانے سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یغفر للشہید کل ذنب الا الدین۔ (کہ شہید کا ہر گناہ معاف کر دیا جاتا ہے قرض کے علاوہ)۔ (صحیح مسلم ص ۱۳۵ ج ۲)

جہاد میں اخلاص کی ضرورت:

شہادت کا درجہ ملنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ صرف اللہ کی رضا کے لیے دشمنان دین سے جنگ کی ہو اور اس میں مقتول ہو اور اللہ کی بات اونچی کرنے کے لیے لڑا ہو۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایک شخص غنیمت کے لیے جنگ کرتا ہے ایک شخص اپنی شہرت کے لیے لڑتا ہے اور ایک شخص اس لیے لڑتا ہے کہ بہادری میں اس کا مقام اور مرتبہ مشہور ہو جائے۔ سوان میں اللہ کی راہ میں کون سا ہے آپ نے فرمایا جو اس لیے جنگ کرے کہ اللہ کی بات بلند ہو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۲ ج ۱ صحیح مسلم ص ۱۳۹ ج ۲)

دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص بہادری ظاہر کرنے کے لیے جنگ کرتا ہے اور ایک شخص، (قوم یا وطن) کی حمیت کی وجہ سے جنگ کرتا ہے اور ایک شخص ریا کاری کے لیے جنگ کرتا ہے۔ سوان میں اللہ کی راہ میں کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو اس لیے جنگ کرتا ہے کہ اللہ کی بات بلند ہو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (صحیح مسلم ص ۱۴۰ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بھی شخص کو اللہ کی راہ میں زخم پہنچ جائے اور اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس راہ میں کس کو زخم پہنچا تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون جاری ہوگا۔ رنگ خون کا ہوگا، اور خوشبو مشک کی ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۱۳۳ ج ۲)

اس میں یہ جو فرمایا کہ ”اللہ ہی کو معلوم ہے جو اللہ کی راہ میں زخمی ہوا۔“ اس میں اسی اخلاص کی طرف اشارہ ہے جس کی ہر عبادت میں ضرورت ہے۔ بندے ظاہری اعمال تو دیکھتے ہیں لیکن اصل معاملہ اللہ سے ہے اگر اللہ کے نزدیک اس کی نیت یہ ہے کہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے تو عمل کا ثواب ملتا ہے اور وہ فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں جن کا وعدہ کیا گیا ہے اور اگر کسی عمل سے ریا اور شہرت مقصود ہو تو اس سے ثواب کیا ملتا۔ وہ تو آخرت میں وبال بن جائے گا۔ اور آخرت میں دوزخ میں داخل کرانے کا ذریعہ ہوگا۔

وطنی اور قومی جنگ میں قتل ہونے والے شہید نہیں ہیں:

آج کل بھی دنیا میں جنگ و جدال اور قتل و قتل جاری ہے۔ لوگ برابر مر رہے ہیں۔ قتل ہو رہے ہیں۔ لیکن عموماً قومی، وطنی، لسانی، صوبائی عصبیت کی وجہ سے لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ اللہ کی رضا کا کہیں سے کہیں تک بھی خیال نہیں۔ پھر ان لڑائیوں میں جو کوئی مارا جاتا ہے اس کو شہید بھی کہتے ہیں حالانکہ شہید وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید ہو اور اب تو شہید وطن اور شہید قوم کے الفاظ بھی زبانوں پر جاری رہیں اور صحیفوں جریڈوں میں آرہے ہیں۔ حد یہ ہے کہ کافروں اور ملحدوں کے لیے شہید کا لفظ استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ سب جہالت اور الحاد اور بے دینی کی باتیں ہیں۔ حفظنا اللہ من الضلال

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۱۵۶﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿۱۵۷﴾

اور ضرور ضرور ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف سے اور کچھ بھوک سے اور کچھ مالوں میں اور جانوں اور پھلوں میں کمی کر کے، اور خوشخبری سنا دیجیے صبر کرنے والوں کو جن کی صفت یہ ہے کہ جب پہنچے ان کو کوئی مصیبت تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے عام رحمتیں ہیں اور خاص رحمت بھی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں۔

مختلف طریقوں سے آزمائش ہوگی

یہ دنیا دار الابتلاء اور دار الامتحان ہے۔ موت اور حیات کی تخلیق ہی ابتلاء اور امتحان کے لیے ہے۔ جیسا کہ سورۃ ملک میں فرمایا ﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (با برکت ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں پورا ملک ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس نے پیدا فرمایا موت کو اور زندگی کو تاکہ وہ آزمائے کہ تم میں کون عمل کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔)

سورہ محمد (علیہ السلام) میں فرمایا ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ﴾ (اور البتہ ہم تم کو ضرور جانچیں گے تاکہ معلوم کر لیں جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور جو صبر کرنے والے ہیں اور تاکہ ہم جانچ لیں تمہاری خبریں)۔

مذکورہ بالا آیت میں بھی ابتلاء و امتحان کا ذکر فرمایا اور لام تاکید اور نون ثقیلہ کے ساتھ موکد کر کے فرمایا کہ ہم تم کو ضرور جانچ میں ڈالیں گے اور امتحان کریں گے۔ کبھی خوف ہوگا۔ کبھی بھوک سے دوچار ہوں گے۔ مال کم ہوگا، جانیں بھی کم ہوں گی۔ اعزاء و اقرباء اولاد اور احباب فوت ہوں گے پھلوں میں کمی ہوگی اس میں تمام امہات المصاب کا تذکرہ آ گیا، دنیا میں دشمنوں کا خوف قحط سالی، سیلاب اور زلزلے، تجارتوں میں نقصان، مکانات کا گر جانا۔ اموال کا چوری ہونا، کہیں فن کر کے بھول جانا۔ رکھے ہوئے مالوں کا تلف ہو جانا۔ کارخانوں کا بند ہو جانا۔ مشینوں کا خراب ہو جانا، بجلی کا بند ہو جانا، اعزہ و اقربا اور احباب کی موتیں ہونا، وبائی امراض کا پھیل جانا۔ باغوں میں پھل کا آنا یا بہت زیادہ پھل آ کر آندھی سے گر جانا۔ کھیتوں میں کیڑا لگ جانا ٹڈی آ جانا وغیرہ وغیرہ۔ ان سب امور کی طرف اشارہ ہو گیا۔

مومن بندے صبر سے کام لیتے ہیں جس طرح کی بھی کوئی مصیبت درپیش ہو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں اور اللہ کی قضا و قدر پر راضی رہتے ہیں اور ثواب کی امید رکھتے ہیں جو مصیبتیں درپیش ہوتی ہیں وہ گناہوں کی سزا کے طور پر بھی پیش آتی ہیں اور کفارہ سینات کے لیے

بھی ہوتی ہیں۔ امتحان کے لیے بھی ہوتی ہیں اور رفع درجات کے لیے بھی قرآن مجید سے اور احادیث شریفہ سے یہ باتیں واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں۔

مومن بندوں کو مصائب کا فائدہ:

سورہ نساء میں فرمایا ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ﴾ (جو شخص بھی کوئی برائی کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا) تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں یہ بات نقل کی گئی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کیا آپ کا میاں کی صورت ہے جبکہ ہر بدی کا بدلہ ملنا ضروری ہے آپ نے فرمایا اے ابو بکر اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔ کیا تم مریض نہیں ہوتے ہو، کیا تمہیں تکلیف نہیں پہنچتی۔ کیا تم رنجیدہ نہیں ہوتے، کیا تم کو کوئی مصیبت درپیش نہیں ہوتی عرض کیا ہاں یہ چیزیں تو پیش آتی ہیں، آپ نے فرمایا ان چیزوں کے ذریعہ گناہوں کا بدلہ ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے ابو بکر تم اور تمہارے اصحاب مومنین دنیا میں گناہوں کا بدلہ پالیں گے یہاں تک کہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کریں گے کہ کوئی گناہ باقی نہ ہوگا۔ لیکن دوسرے لوگ (یعنی کافر) ان کے سب گناہ جمع کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ان سب کی سزا ان کو قیامت کے دن ملے گی۔ (ابن کثیر ص ۵۵۷-۵۵۸ ج ۱)

سورۃ شوریٰ میں فرمایا ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾ (اور جو کوئی مصیبت تم کو پہنچے سو وہ بدلہ ہے اس کا جو کمایا ہے تمہارے ہاتھوں نے اور اللہ معاف فرمادیتا ہے بہت سے گناہ)۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی بندے کو کوئی تھوڑی یا زیادہ تکلیف پہنچتی ہے وہ گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں وہ بہت زیادہ ہے۔ پھر آپ نے آیت کریمہ ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾ تلاوت فرمائی۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے تکلیف میں مبتلا فرمادیتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۸۴۳ ج ۲)

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ جب بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی درجہ مقرر کر دیا گیا جس درجہ میں وہ اپنے عمل کی وجہ سے نہ پہنچ سکتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو جسم یا مال میں یا اولاد میں (تکلیفوں کے ساتھ) مبتلا فرمادیتے ہیں پھر اس پر اس کو صبر دے دیتے ہیں یہاں تک کہ اسے اسی درجہ میں پہنچادیتے ہیں جو پہلے سے اس کے لیے طے فرمادیا تھا۔ (رواہ احمد و ابوداؤد کمانی المشکوٰۃ ص ۱۳۷)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو جو بھی کوئی تکلیف، مرض، فکر، رنج، اذیت غم پہنچ جائے یہاں تک کہ اگر کائنات بھی لگ جائے تو اللہ تعالیٰ شانہ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کا کفارہ فرمادیتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۸۴۳ ج ۲)

ام السائب ایک صحابیہ تھیں۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے وہ کپکپا رہی تھیں آپ نے فرمایا کیا بات ہے کیوں کپکپا رہی ہو؟ انہوں نے کہا اس کا برا ہو بخار چڑھ گیا۔ آپ نے فرمایا بخار کو برانہ کہو کیونکہ وہ بنی آدم کی خطاؤں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے۔ (صحیح مسلم ص ۳۱۹ ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دنیا ہی میں سزا دے دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہوں کی سزا کو روک رکھتے ہیں یہاں تک کہ اس کو قیامت کے دن پوری سزا دے دیں گے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الزہد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن مرد اور مومن عورت کو جان مال اور اولاد میں برابر تکلیف

پہنچتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کریگا کہ اس کا کوئی گناہ بھی باقی نہ رہا ہوگا۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الزہد)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بھی مسلمان کے تین بچے فوت ہو گئے ہوں جو بالغ نہیں ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ ان بچوں پر رحمت فرمانے کی وجہ سے اس مسلمان کو (یعنی ان کے والدین کو) جنت میں داخل فرمادیں گے۔
(بخاری ص ۱۶۷ ج ۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ عورتیں جمع ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے وعظ و نصیحت کی باتیں فرمائیں اور یہ بھی فرمایا کہ جس کسی کے تین بچے فوت ہو گئے وہ اس کے لیے دوزخ سے بچانے کے لیے آڑ بن جائیں گے ایک عورت نے کہا کہ اگر کسی کے دو بچے فوت ہوئے ہوں تو آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کے دو بچے فوت ہوئے ہوں تو اس کا بھی یہی حکم ہے (بخاری ص ۱۶۷ ج ۱)
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو مسلمان (میاں بیوی) جن کے تین بچے فوت ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل فرمادے گا اپنی رحمت اور فضل سے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر دو بچے فوت ہوئے ہوں؟ فرمایا دو کا بھی یہی حکم ہے عرض کیا اگر ایک بچہ فوت ہوا ہو۔ فرمایا ایک کا بھی یہی حکم ہے۔ پھر فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بلاشبہ ادھورا بچہ اپنی ماں کو اپنی ناف کے ذریعہ کھینچتا ہوا لے جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔ اگر اس کی ماں نے اس کی موت پر ثواب کی پختہ امید رکھی ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۱۵۳)

مومن بندوں کے لیے تکالیف اور مصائب کوئی گھبرانے اور پریشان ہونے کی چیزیں نہیں ہیں۔ یہ تو اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ فانی دنیا میں تھوڑی بہت تکلیفیں پہنچ گئیں اور آخرت کے مواخذہ سے بچ گیا اور وہاں کی نعمتوں سے مالا مال ہو گیا تو اس کے حق میں یہ سراسر بہتر ہی بہتر ہے۔ اور نفع کا سودا ہے بس صبر کرے۔ ثواب کی امید رکھے۔ اللہ کی قضا اور قدر پر راضی رہے۔ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ مصیبت اور تکلیف دور ہونے کی دعا نہ کرے کیونکہ دعا بھی سنت ہے اور ہمیشہ اللہ سے عافیت کا سوال کرے مصیبت تکلیف اور مرض کا سوال بھی نہ کرے، آجائے تو صبر کرے۔

صابرین کی ایک خاص صفت:

یہ فرمانے کے بعد کہ ہم تم کو ضرور ضرور آزمائیں گے۔ صابرین کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾ (صبر کرنے والوں کو بشارت دے دو) پھر ان کی صفت بیان فرمائی ﴿الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ (وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب ان کو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ کہتے ہیں۔) یہ کلمہ بہت سے حقائق کو اپنے اندر سموئے ہوئے اور اس میں بہت بڑی تسلی ہے۔ اس میں اول تو زبان اور دل سے اس بات کا اقرار ہے کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں جب ہم اللہ ہی کے بندے ہیں۔ اس کی مخلوق ہیں اس کے مملوک ہیں تو ہمیں پوری طرح اپنے خالق و مالک کے فیصلے پر راضی ہونا ضروری ہے۔ ہم بھی اللہ ہی کے ہیں اور جو جان و مال اس نے لے لیا وہ بھی اللہ ہی کا ہے۔ اس نے جو کچھ کیا اپنی مخلوق اور مملوک میں تصرف کیا۔ کسی کو بولنے، اعتراض کرنے، دل اور زبان سے ناراض ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ایک صاحبزادی کا بچہ جان کنی کے عالم میں تھا۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں خبر بھیجی اور تشریف لانے کی گزارش کی۔ آپ نے ان کو سلام کہلوا یا اور فرمایا ﴿إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ عِنْدَكَ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ﴾ (کہ بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ اس نے لیا اور اس کے لیے ہے جو اس نے عطا فرمایا اور ہر ایک کی اس کے نزدیک اجل مقرر ہے۔ لہذا صبر کرے اور اللہ سے ثواب کی امید رکھے۔ (بخاری ص ۱۷۱ ج ۲)

دوسرے اس بات کا اعلان اور اقرار ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچیں گے تو ہم کو ہر ضائع اور فوت

شدہ چیز کا ثواب مل جائے گا۔ اور یہ ثواب دنیا کی حقیر چیزوں سے کہیں اعلیٰ و افضل ہے جن کے چلے جانے پر رنج ہوتا ہے۔ اپنے اعزہ و اقرباء آل اولاد جو فوت ہو گئے ان سے بھی عارضی جدائی ہے جہاں وہ گئے وہیں ہم کو جانا ہے۔ وہاں دارالنعیم میں انشاء اللہ تعالیٰ ان سے ملاقاتیں ہو جائیں گی۔

سنن ترمذی ص ۱۶۶ ج ۱ میں ہے کہ جب بندہ کا کوئی بچہ فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ تم نے میرے بندہ کے بچے کو قبض کر لیا وہ کہتے ہیں کہ ہاں، پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم نے اس کے دل کے پھل کو قبض کر لیا وہ کہتے ہیں کہ ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ نے کیا کہا۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ اس نے آپ کی تعریف کی اور ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ پڑھا اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مسلمان مرد یا عورت کو جو بھی تکلیف پہنچ جائے اور اس کو بعد میں یاد کرے اگرچہ اس کو عرصہ دراز گزر چکا ہو اور اس وقت پھر ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ پڑھے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو پھر اسی جیسا اجر عطا فرماتے ہیں جیسا کہ اس دن عطا فرمایا تھا جس دن اس کو مصیبت پہنچی تھی۔ (رواہ احمد و ابی یوسف فی شعب الایمان کما فی مشکوٰۃ ص ۵۳ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تب بھی ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ پڑھے۔ کیونکہ یہ بھی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت ہے۔ (مشکوٰۃ عن شعب الایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے مصیبت کے وقت ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کی تلافی فرمادیں گے اور اس کی آخرت اچھی کریں گے اور اسے ضائع شدہ چیز کے بدلہ اچھی چیز عطا فرمائیں گے۔ (درمنثور)

صَلَوَاتُ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ:

صابرین کی صفت بیان فرمانے کے بعد (کہ جب ان کو مصیبت پہنچتی ہے تو ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ کہتے ہیں) ان کے لیے جو بشارت ہے اس کا ذکر فرمایا اور وہ یہ کہ ﴿أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾ لفظ صلوات صلاۃ کی جمع ہے صلاۃ رحمت کو کہتے ہیں اور صلوات کے ساتھ لفظ رحمت بھی مذکور ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ لفظ رحمت بطور تاکید کے لایا گیا ہے۔ و کثر الرحمة لما اختلف اللفظ تاکیدا اشباعا للمعنی۔ (قرطبی ص ۷۷ ج ۲)

مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لفظ صلاۃ کی نسبت ہو تو اس سے تزکیہ اور مغفرت مراد ہوتی ہے اور اس کی جمع لانے میں اس کی کثرت پر اور اس کی مختلف انواع پر تنبیہ فرمائی اور رحمت سے مراد لطف اور احسان ہے۔ (ص ۱۱۷ ج ۱) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ صلاۃ سے عام مہربانیاں اور رحمت سے خاص رحمت مراد ہے۔ رحمتوں کا انعام ذکر کرنے کے بعد فرمایا ﴿وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾ کہ صابرین جو مصیبت کے وقت ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ پڑھتے ہیں یہ لوگ اللہ کی قضا پر دل اور زبان سے رضا مندی ظاہر کر کے اور ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ پڑھ کر حق اور ثواب کی راہ پانے والے ہیں۔ (بیضاوی ص ۱۱۸ ج ۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صابرین کے لیے صلوات اور رحمت کے وعدہ کے ساتھ ہی جو ان کو ہدایت یافتہ بتایا اور ان کی شان میں المہتدون فرمایا یہ زائد چیز بھی بہت عمدہ ہے۔ رحمتوں کا وعدہ بھی اور ہدایت پر ہونے کا اعلان بھی یہ سب کچھ نفع ہی نفع ہے اور خیر ہی خیر ہے۔

صبر سے متعلق چند فوائد

فائدہ: (۱) اس دنیا کا یہ مزاج ہے کہ دکھ تکلیف کا ہر ایک کو سامنا کرتا پڑتا ہے۔ اور نہ آرام ہمیشہ رہتا ہے اور نہ تکلیف ہمیشہ رہتی ہے۔ مومن بندے صبر اور شکر کو اختیار کرتے ہیں جو لوگ صبر نہیں کرتے اجر سے محروم ہوتے ہیں۔ شدہ شدہ کچھ دن کے بعد ان کو بھی صبر آ ہی جاتا ہے اور

مصیبت کو بھول جاتے ہیں لیکن اس صبر کا کوئی اعتبار نہیں اجر و ثواب اور فضیلت اسی صبر کے متعلق ہے جو عین مصیبت کے وقت ہو۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم اگر تو صدمہ اولیٰ کے وقت صبر کرے اور ثواب کی امید باندھے تو میں تیرے لیے جنت کے علاوہ کسی دوسرے ثواب سے راضی نہ ہوں گا۔ (یعنی تیرے صبر اور احتساب کا بدلہ جنت ہی ہے)۔ (رواہ ابن ماجہ ص ۱۴۲ ج ۱)

(صحیح بخاری ص ۱۷۱ ج ۱ اور صحیح مسلم ص ۳۰۲ ج ۱) میں ایک قصہ لکھا ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کا ایک عورت پر گزر ہوا وہ ایک قبر کے پاس رو رہی تھی آپ نے اس سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور صبر کر، اس عورت نے آپ کو پہچانا نہیں، کہنے لگی کہ ہٹو مجھے چھوڑ دو کیونکہ تمہیں وہ مصیبت نہیں پہنچی ہے جو مجھے پہنچی ہے (اگر تمہیں ایسی مصیبت پہنچی تو پتہ چلتا کیسی مصیبت ہے۔ اس کے بعد آپ تشریف لے گئے) اس عورت سے کسی نے کہا کہ (تجھے معلوم ہے کہ کس کو تو نے بے ڈھنگا جواب دیا ہے) آپ نبی کریم ﷺ تھے۔ یہ سن کر وہ عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی دروازہ پر پہنچی تو وہاں دربان (چوکیدار) نہ پائے (حالانکہ) اس کو خیال تھا کہ آپ بہت ٹھاٹھاٹ سے رہتے ہوں گے اور آپ کے دروازہ پر بادشاہوں کی طرح دربان ہوں گے یہ دیکھ کر حیرت میں رہ گئی کہ سید الخلائق ﷺ کی کیسی سادہ زندگی ہے، کہنے لگی یا رسول اللہ میں آپ کو پہچانی نہیں (اس لیے ایسا جواب دیا) آپ نے فرمایا اصلی صبر وہی ہے جو تازہ تازہ مصیبت کے موقع پر ہو (کیونکہ وقت گزر جانے پر خود ہی صبر آ جاتا ہے)۔

اس حدیث میں اسی خاص نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ قرآن و حدیث میں جو صبر کی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں اس سے وہ صبر مراد ہے جو عین مصیبت اور تکلیف کے وقت ہونیا نیا حادثہ ہے ابھی ابھی کسی کی موت ہوئی ہے یا رقم کھو گئی ہے دل رنجیدہ ہے اس وقت اگر ہم نے صبر کر لیا تو اس صبر کی بہت بڑی قیمت ہے اور بہت بڑی فضیلت ہے بلکہ حقیقت میں صبر ہی وہ ہے جو دل دکھا ہوا ہونے کے وقت ہو کیونکہ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے مصیبت کا احساس طبعی طور پر کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ کچھ دن کے بعد تکلیف کا بالکل احساس نہیں رہتا۔ وقت گزر جانے پر جب مصیبت بھول بھلیاں ہو گئی تو یہ نہ صبر ہے اور نہ اس کی کوئی فضیلت ہے اس میں مومن کا فرسب برابر ہیں۔ جس صبر پر مومنین سے اجر کا وعدہ ہے اس سے وہی صبر مراد ہے جو اس وقت ہو جبکہ رنج تازہ ہو، دل بے چین ہو۔ طبیعت بے قرار ہو۔ برے برے دوسو سے آرہے ہوں۔ زبان اللہ پاک پر اعتراض کرنے کے لیے کھلنا چاہتی ہو۔ نفس خلاف شرع کاموں پر ابھارتا ہو۔ ایسی حالت میں صبر کرنا باعث اجر ہے۔

فائدہ: (۲) کسی کی موت پر دل کا رنجیدہ ہونا یا آنکھوں سے آنسو آ جانا یا زبان سے رنج اور تکلیف کا اظہار کر دینا یہ بے صبری نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں ص ۱۷۴ ج ۱ ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی جانکنی کے وقت تشریف لائے اس وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (عام لوگ تو بچوں کی موت پر روتے ہی ہیں) بھلا آپ بھی رونے لگے آپ نے فرمایا یہ طبعی رحمت ہے (جو اللہ پاک نے دل میں رکھی ہے) پھر فرمایا کہ بے شک آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور دل غم زدہ ہے اور زبان سے ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا بے راضی ہو پھر فرمایا اے ابراہیم تمہاری جدائی سے ہم کو رنج ہے۔

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسوؤں اور دل کے رنج پر عذاب نہیں دیتا، لیکن وہ زبان کی وجہ سے عذاب دیتا ہے یا رحم فرماتا ہے۔ (ص ۱۷۴ ج ۱) یعنی زبان سے برے کلمات کہنے اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے پر گرفت اور عذاب ہے۔ اور اگر یوں کہا کہ میں اللہ کی قضا اور قدر پر راضی ہوں اس نے جو کچھ کیا بہتر ہے تو اسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے۔

فائدہ: (۳) جس طرح زبان سے برے کلمات نکالنا ممنوع ہے اور بے صبری ہے اسی طرح عمل سے کوئی ایسی حرکت کرنا جو صبر کے خلاف ہے یا غیر مسلموں کا طریقہ ہے اس کو اختیار کرنا بھی سخت ممنوع ہے۔ لوگوں کی عادت ہے کہ مصیبت، دکھ تکلیف کے وقت خاص کر جب کوئی بچہ فوت ہو جائے اپنے چہرے پر طمانچہ مارتے ہیں۔ دیوار پر سردے کھارتے ہیں گریبان پھاڑتے ہیں۔ جاہلانہ الفاظ زبان سے نکالتے ہیں اور کہتے ہیں میرا ہی بچہ رہ گیا تھا جو اسے اللہ نے موت دی یہ سب جہالت ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا کفر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود

نبی ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے جو رخساروں پر طمانچے مارے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی دہائی دے۔ (صحیح مسلم ص ۷۰ ج ۱)

بعض علاقوں میں مرنے والے کے سوگ میں بال منڈا دیتے ہیں اور خاص کر عورتیں تو بہت ہی چیختی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس سے بری ہوں جو (کسی کی موت پر) سر موٹے آوازیں بلند کرے اور کپڑے پھاڑے۔ (صحیح مسلم ص ۷۰ ج ۱)

عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ عزیزوں کی موت پر چیختی ہیں اور چلاتی ہیں، گھر سے باہر آوازیں جاتی ہیں اور برس چھ مہینے تک جو بھی کوئی مہمان آئے اس کے سامنے زبردستی کارونالے کر بیٹھ جاتی ہیں اور نوحہ کرنا ان کی ایک خاص عادت ہے۔ میت کو خطاب کر کے کہتی ہیں اے میرے پیارے اے میرے جوان اے بیٹا تو کہاں گیا۔ مجھے کس پر چھوڑا تو ایسا تھا ویسا تھا، اور اس طرح کی بہت سی باتیں پکار پکار کر بیان کرتی ہیں اور رونا پینا مہینوں تک کے لیے ان کا مشغلہ بن جاتا ہے۔ باوجود منع کرنے کے اور شرعی ممانعت کے جاننے کے نوحہ کرتی رہتی ہیں حدیث شریف میں ہے لعن اللہ النائحۃ والمسمعۃ کہ اللہ کی لعنت ہونوہ کرنے والی پر اور اس کا نوحہ سننے والی پر (رواہ ابو داؤد) حضور اقدس ﷺ نے نوحہ کرنے والی پر لعنت فرمائی اور ساتھ ہی نوحہ سننے والی پر بھی (کیونکہ نوحہ کرنے والی کا نوحہ سننے جو عورتیں جمع ہوں وہ بھی نوحہ کا سبب بنتی ہیں۔ عموماً نوحہ کرنے والی عورت تنہائی میں نوحہ نہیں کرتی) صحیح مسلم ص ۳۰۳ میں ہے کہ نوحہ کرنے والی موت سے پہلے توبہ نہ کرے گی تو قیامت کے دن اس حال میں کھڑی کی جائے گی کہ اس کے بدن پر ایک کرتہ قطر ان کا ہوگا اور ایک کرتہ کھجلی کا ہوگا۔

عرب میں قطر ان ایک درخت کا پانی ہوتا تھا جس کو کھجلی والے بدن پر لگاتے تھے اس کی خاصیت تیزاب جیسی تھی اس سے کھجلی جل جاتی تھی اور کھجلی جل کر آرام ہو جاتا نوحہ کرنے والی کے جسم پر قیامت کے دن اول تو کھجلی مسلط کی جائے گی۔ گویا کرتے کی جگہ کھجلی کا لباس ہوگا پھر اس کھجلی پر قطر ان لگا ہوا ہوگا جس کی وجہ سے مزید تکلیف ہوگی۔ دنیا میں رواج ہے کہ جب کسی کو ایگزیمیا اور داد ہو جاتا ہے تو اس پر تیزاب لگا دیتے ہیں۔ اس سے جو تکلیف ہوتی ہے بیان سے باہر ہے اور یہ تکلیف دنیا میں ہوتی ہے آخرت کی تکلیف دنیا کی تکلیفوں سے کہیں زیادہ ہے (العیاذ باللہ) پھر دنیا میں جو تیزاب لگاتے ہو اس سے ایگزیمیا اور داد اچھا ہو جاتا ہے لیکن آخرت میں چونکہ عذاب دینا مقصود ہوگا۔ اس لیے قطر ان لگا ہوا ہونے سے کھجلی نہیں جائے گی بلکہ اور شدید تکلیف ہوتی رہے گی۔

فائدہ: (۴) ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ کے ساتھ ایک اور دعا بھی حدیث شریف میں وار ہوئی ہے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ جس کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچ جائے اور وہ اللہ جل شانہ کے فرمان کے مطابق ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ پڑھے اور ساتھ ہی یہ بھی پڑھے:

﴿اللَّهُمَّ اجْرِنِي فِي مَصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا﴾

”اے اللہ میری مصیبت میں اجر عطا فرما اور اس کے بدلہ مجھے اس سے بہتر عنایت فرما۔“

تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔ جب ابو سلمہ کی وفات ہو گئی تو میں نے (دل میں) کہا کہ ابو سلمہ سے بہتر کون سا مسلمان ہوگا؟ اس کا گھرانہ پہلا گھرانہ ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی۔ پھر بھی میں نے مذکورہ دعا پڑھ لی لہذا مجھے اللہ تعالیٰ نے ابو سلمہ کے بدلہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی عطا فرمادی۔ (یعنی آپ سے نکاح ہو گیا اور آپ ابو سلمہ سے بہتر ہیں۔) صحیح مسلم ص ۳۰۰ ج ۱

فائدہ: (۵) یہاں تک جو متعدد احادیث کا ترجمہ لکھا گیا اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لیے دنیاوی تکالیف اور مصائب، امراض و آلام سب نعمت ہیں ان کے ذریعہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔ درجات بلند ہوتے ہیں اور گناہوں کا کفارہ ہو جانے کی وجہ سے برزخ اور روز قیامت کے عذاب سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ مومن بندوں پر لازم ہے کہ صبر و شکر کے ساتھ ہر حال کو برداشت کرتے چلیں اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی بہت زیادہ پختہ امید رکھیں اور یقین جانیں کہ ہمارے لیے صحت و عافیت بھی خیر ہے اور دکھ تکلیف بھی بہتر ہے۔ اصل تکلیف تو کافر کی تکلیف

ہے۔ اسے تکلیف بھی پہنچی اور ثواب بھی نہ ملا۔ مومن کی تکلیف، تکلیف نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ مصیبت و تکلیف اور مرض کی دعا کیا کریں یا شفاء کی دعا نہ مانگیں۔ کیونکہ جس طرح صبر میں ثواب ہے۔ شکر میں بھی ثواب ہے۔ سوال تو عافیت ہی کا کریں اور کرتے رہیں اور تکلیف پہنچ جائے تو صبر کریں۔

فائدہ: (۶) بہت سے لوگ جو آرام و راحت اور دکھ تکلیف کی حکمت اور اس بارے میں قانون الہی کو نہیں جانتے بہت سی بے تکی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ جہان کی ساری مصیبتیں مسلمانوں پر ہی آپڑی ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ کافروں کو محلات اور قصور اور مسلمانوں کو صرف وعدہ حور، کبھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غیروں کو خوب نوازا ہے اور اپنوں کو فقر و فاقہ اور دوسری مصیبتوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہ جاہل اتنی بات نہیں جانتے کہ اپنا ہونے ہی کی وجہ سے تو مسلمانوں کو تکلیفوں میں مبتلا فرمایا جاتا ہے تاکہ ان کے گناہ معاف ہوں۔ درجات بلند ہوں۔ اور آخرت میں گناہوں پر سزا نہ ہو۔ درحقیقت یہ بہت بڑی مہربانی ہے کہ دنیا کی تھوڑی بہت تکلیف میں مبتلا فرما کر آخرت کے شدید عذاب سے بچا دیا جاتا ہے اور کافروں کو چونکہ آخرت میں کوئی نعمت نہیں ملنی۔ کوئی آرام نصیب نہیں ہونا بلکہ ان کے لیے صرف عذاب ہی عذاب ہے۔ اس لیے ان کو دنیا زیادہ دے دی جاتی ہے اور ان پر مصیبتیں کم آتی ہیں۔ اگر کسی کافر نے خدمت خلق وغیرہ کا کوئی کام کیا تو اس کا عوض اس دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔ لیکن آخرت میں اسے ذرا سی بھی خیر اور معمولی سا بھی آرام نہ ملے گا۔ اور ابد الابد تک دوزخ میں رہے گا۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ چٹائی اور آپ کے جسم کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے۔ چٹائی کی بناوٹ نے آپ کے مبارک پہلوؤں میں نشان ڈال دیئے ہیں۔ آپ ایسے تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے ہیں جو چمڑے کا ہے۔ جس کے اندر کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو خوب مال دیدے۔ کیونکہ فارس اور روم کے لوگوں کو وسعت دی گئی ہے اور وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابن خطاب کیا تم (ابھی تک) اسی (سوچ بچار) میں پڑے ہو (تمہیں معلوم نہیں) کہ ان لوگوں کو عمدہ چیزیں اس دنیا میں دے دی گئی ہیں۔ (آخرت میں ان کو کچھ نہیں ملنا) ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یوں فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۷۷)

إِنَّ الصَّفَاَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَبَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا

وَمَنْ تَطَوَّأَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿۵۸﴾

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ سو جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے اس پر اس بات میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان آنا جانا کرے اور جو شخص خوشی سے کوئی کام کرے تو اللہ تعالیٰ قدر دان ہے جاننے والا ہے

حج و عمرہ میں صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے کی مشروعیت اور اس کی ابتداء

شعائر شعیرة کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں صفا اور مروہ مکہ معظمہ میں دو پہاڑیاں ہیں جو کعبہ شریف سے تھوڑے سے فاصلے پر واقع ہیں ان میں صفا بہ نسبت مروہ کے کعبہ شریف سے زیادہ قریب ہے۔ حج اور عمرہ میں سات مرتبہ ان دونوں پر آنا جانا ہوتا ہے۔ اس کو سعی کہا جاتا ہے۔ یہ حج اور عمرہ دونوں میں واجب ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے صفا اور مروہ کو شعائر اللہ میں سے فرمایا جس کا معنی یہ ہے کہ یہ دونوں اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہیں۔ ان کے درمیان سعی کی جاتی ہے۔ جو مناسک حج میں سے ہے اور حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ہے اس اعتبار سے دین اسلام میں ان دونوں کی بڑی اہمیت ہے۔ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان آنے جانے کی ابتداء کس طرح ہوئی اس کا واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری ص ۴۷۷ ج ۱ میں اس طرح نقل کیا ہے کہ بحکم خداوندی حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے بیٹے

اسماعیل کو مکہ معظمہ میں چھوڑ کر تشریف لے گئے (جو اس وقت چٹیل میدان تھا) ان کے پاس ایک تھیلہ میں کچھ کھجوریں اور مشکیزہ میں پانی رکھ دیا، جب واپس ہونے لگے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ان کے پیچھے ہو لیں اور کہنے لگیں کہ اے ابراہیم ہمیں یہاں چھوڑ کر آپ کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں نہ کوئی انسان ہے نہ اور کوئی چیز ہے۔ کئی بار انہوں نے یہی سوال کیا وہ سوال کر رہی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی طرف توجہ نہیں فرما رہے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے سوال کیا کہ کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں، وہ کہنے لگیں بس تو اللہ ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لے گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اپنے بچہ اسماعیل کو دودھ پلاتی رہیں اور جو پانی موجود تھا اس میں سے پیتی رہیں، مشکیزہ میں جو پانی تھا جب وہ ختم ہو گیا تو خود بھی پیاسی ہو گئیں اور بچہ بھی پیاسا ہو گیا، وہ بچہ کو تڑپتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ جب اس کی حالت نہ دیکھی جاسکی تو صفا پہاڑی پر چڑھ گئیں تاکہ بچہ پر نظر نہ پڑے۔ صفا پر کھڑے ہو کر نظر ڈالی کہ کوئی شخص نظر آتا ہے یا نہیں، وہاں کوئی نظر نہ آیا تو صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چلیں، درمیان میں نشیب تھا وہاں پہنچیں تو تیزی کے ساتھ دوڑ کر گزر گئیں۔ مروہ پر پہنچ کر پھر نظریں ڈالیں کہ کوئی شخص نظر آتا ہے یا نہیں، وہاں بھی کوئی نظر نہ آیا۔ سات مرتبہ ایسا ہی کیا (کبھی صفا پر جاتیں کبھی مروہ پر) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہاں تک پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا کہ اسی وجہ سے لوگ صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ (یعنی یہ سعی کی ابتداء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کے عمل کو حج و عمرہ کی عبادت کا جزو بنا دیا) جب آخری مرتبہ مروہ پر تھیں تو انہوں نے ایک آواز سنی، آواز سن کر اپنے نفس کو خطاب کر کے کہنے لگیں کہ مطمئن ہو جا۔ اس کے بعد انہوں نے کان لگایا تو پھر آواز سنی، آواز سن کر کہنے لگیں (کہ اے بولنے والے) تو نے آواز تو سنادی اگر تیرے پاس کوئی مدد کی صورت ہے تو ہماری مدد کر دے، اچانک کیا دیکھتی ہیں کہ جس جگہ زمزم ہے وہاں فرشتہ نے اپنی ایڑی سے تھوڑی سی زمین کریدی۔ یہاں تک کہ زمین پر پانی ظاہر ہو گیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے وہاں حوض کی صورت بنانی شروع کر دی اور اس میں سے اپنے مشکیزہ میں پانی بھر لیا، مشکیزہ میں بھرنے کے بعد بھی پانی جوش مار رہا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رحم فرمائے اسماعیل کی والدہ پر اگر وہ زمزم کو (اپنے حال پر) چھوڑ دیتیں تو زمزم (زمین پر) جاری ہونے والا چشمہ ہوتا، اب انہوں نے اس میں سے پانی پیا اور بچہ کو دودھ پلایا اور فرشتے نے ان سے کہا کہ تم ضائع ہونے سے نہیں ڈرنا کیونکہ یہاں بیت اللہ ہے جسے یہ لڑکا اور اس کا والد دونوں مل کر تعمیر کریں گے، فرشتہ نے یہ بھی کہا بلاشبہ اللہ انہوں کو ضائع نہیں فرماتا، (اس کے بعد بخاری شریف میں وہاں بنی جرہم کے آباد ہونے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اسی قبیلہ میں شادی ہونے کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تشریف لانے کا اور کعبہ شریف تعمیر کرنے کا ذکر ہے) اللہ تعالیٰ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کا صفا مروہ کے درمیان آنا جانا ایسا پسند آیا کہ حج عمرہ کرنے والوں کے لیے اس کو احکام حج و عمرہ میں داخل فرما دیا۔ اللہ کی راہ میں قربانی دینے والوں کی عجیب شان ہوتی ہے۔

زمانہ جاہلیت میں صفا مروہ کی سعی:

صحیح بخاری ص ۶۳۶ ج ۲ میں حضرت عاصم بن سلیمان سے نقل کیا ہے کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صفا مروہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ ان پر آنے جانے کو جاہلیت کے کاموں میں سے سمجھتے تھے۔ جب اسلام آیا تو ہم ان پر جانے سے رک گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ﴾ (الایۃ) نازل فرمائی۔ صحیح مسلم ص ۴۱۴ ج ۱ میں اس بارے میں متعدد روایات درج ہیں ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں انصاریت کے لیے احرام باندھتے تھے (جو ایک مشہور و معروف بت تھا) جب اس کے لیے احرام باندھتے تو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کو حلال نہیں سمجھتے تھے جب حضور اقدس ﷺ کے ساتھ حج کے لیے آئے تو انہوں نے آپ سے اس کا ذکر کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یہ بیان فرما کر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اللہ اس کا حج پورا

نہیں کرے گا جس نے صفامروہ کے درمیان سعی نہ کی، صحیح بخاری ص ۲۲۲ ج ۱ میں ابو بکر بن عبدالرحمن کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے متعدد اہل علم سے سنا ہے کہ عام طور پر زمانہ جاہلیت میں لوگ صفامروہ کی سعی کیا کرتے تھے سوائے ان لوگوں کے جن کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذکر فرمایا (کہ جو لوگ منات کے لیے احرام باندھتے تھے۔ وہ صفامروہ پر آنے جانے سے بچتے تھے) جب قرآن مجید میں طواف بیت اللہ کا حکم آیا (جو سورہ حج میں ہے) اور صفامروہ کا ذکر نہیں آیا تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہم صفامروہ پر آیا جایا کرتے تھے اور یہ جاہلیت کے زمانہ کی بات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے طواف کے بارے میں حکم نازل فرمایا ہے اور صفامروہ کا ذکر نہیں فرمایا تو کیا اس بات میں کچھ حرج ہے کہ ہم صفامروہ پر آنا جانا کریں، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنَ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ (آخر تک) نازل فرمائی۔ اس کے بعد ابو بکر بن عبدالرحمن نے فرمایا کہ آیت بالادونوں فریقین کے بارے میں نازل ہوئی جو لوگ زمانہ جاہلیت میں صفامروہ پر نہیں جاتے تھے ان کے بارے میں بھی اور جو لوگ زمانہ جاہلیت میں صفامروہ پر جاتے تھے پھر زمانہ اسلام میں جانے کو پسند نہ کیا ان کے بارے میں بھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری ص ۵۰۰ ج ۳ میں اس بارے میں لمبی بحث کی ہے اور روایات میں تطبیق دینے کی کوشش فرمائی اور نسائی سے نقل کیا ہے کہ صفامروہ پر تانبہ کے دو بت تھے۔ ایک کا نام اساف تھا اور دوسرے کا نام نائلہ تھا۔ مشرکین (حج یا عمرہ میں صفامروہ پر جاتے تھے تو ان کو ہاتھ لگاتے تھے)۔ حضرت شعبی سے منقول ہے کہ ایک بت صفا پر تھا جس کا نام اساف تھا اور ایک بہت مروہ پر تھا جس کو نائلہ کہا جاتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ صفامروہ کے درمیان سعی کرتے تھے۔ جب اسلام کا زمانہ آیا تو ان دونوں کو پھینک دیا گیا اب مسلمان کہنے لگے کہ صفامروہ پر آنا جانا جاہلیت والوں کا کام ہے جو اپنے بتوں کی وجہ سے ان پر آتے جاتے تھے۔ لہذا ان دونوں کے درمیان سعی کرنے سے رک گئے اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی جواب:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ اس میں لفظ لا جُنَاحَ سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو شخص صفامروہ کی سعی نہ کرے تو کچھ حرج نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اے میری بہن کے بیٹے اگر بات اس طرح ہوتی جیسے تم کہہ رہے ہو تو آیت کے الفاظ یوں ہوتے ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (یعنی اس پر کوئی گناہ نہیں جو صفامروہ پر آنا جانا نہ کرے)۔ آیت میں تو یوں ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں جو صفامروہ پر آنا جانا کرے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی جو صفامروہ پر جانے سے رک گئے تھے۔ انہوں نے سوال کیا کہ اب صفامروہ پر جائیں یا نہ جائیں تو اس پر یہ آیت ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنَ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ (مطلب یہ ہے کہ صفامروہ پر جانے میں کچھ حرج نہیں ہے) پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ صفامروہ کی سعی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع فرمایا ہے۔ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ ان دونوں کے درمیان سعی چھوڑ دے۔ (صحیح بخاری ص ۲۲۲ ج ۱)

سعی کے مسائل:

مسئلہ: صفامروہ کی سعی طواف کے بغیر معتبر نہیں ہے۔ حج کی سعی طواف قدوم کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور طواف زیارت کے بعد بھی اور طواف زیارت کے بعد سعی کرنا افضل ہے۔ البتہ جس کا حج قرآن ہو اسے طواف قدوم کے بعد کرنا افضل ہے۔

مسئلہ: پہلے زمانہ میں صفامروہ کے درمیان ایک جگہ نشیب تھا۔ حضرت اسمعیل کی والدہ وہاں سے دوڑ کر گزری تھیں اس لیے حج و عمرہ میں سعی کرنے والے بھی اس جگہ دوڑ کر گزرتے ہیں۔ اب نشیب نہیں ہے۔ زمین برابر ہموار ہے۔ اوپر چھت پڑی ہوئی ہے اس جگہ کی نشانی کے لیے ہرے ستون بنا دیئے گئے ہیں ایک ہرے ستون سے دوسرے ہرے ستون تک دوڑ کر چلنا مسنون ہے۔

مسئلہ: سعی کے صرف سات چکر ہیں صفا سے مروہ تک ایک ایک چکر اور مروہ سے صفا تک دوسرا چکر ہوتا ہے اسی طرح سات چکر پورے کئے جائیں۔ صفا سے شروع کر کے مروہ پر سعی ختم کی جائے۔

مسئلہ: سعی خود کرنا واجب ہے اس میں نیابت نہیں ہو سکتی۔ (الایہ کہ کوئی شخص احرام سے پہلے بے ہوش ہو جائے تو دوسرا شخص اس کی طرف سے احرام باندھ لے اور مکہ معظمہ پہنچ کر اس کی طرف سے طواف قدم اور سعی کرے تو یہ صحیح ہے بشرطیکہ اس سے پہلے اسے ہوش نہ آیا ہو۔
مسئلہ: سعی پیدل کرنا لازم ہے۔ اگر کسی نے بلاعذر سواری پر سعی کی اور پھر اعادہ نہیں کیا یعنی دوبارہ نہیں کی تو دم واجب ہوگا۔
مسئلہ: اگر کوئی شخص سعی چھوڑ کر مکہ معظمہ سے چلا گیا تو اس کی تلافی کے لیے ایک دم واجب ہوگا۔

مسئلہ: ہرے ستونوں کے درمیان تیزی سے چلنا صرف مردوں کے لیے ہے عورتوں کے لیے نہیں (کیونکہ ان کی طرف سے ان کی جنس کی ایک عورت یہ کام کر چکی اور اسی کے عمل کی تو یہ نقل ہے جو حج اور عمرہ کا جزو بنا دی گئی ہے)۔

آیت کے اخیر میں فرمایا ﴿وَمَنْ تَطَوَّءَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾ کہ جو بھی شخص کوئی اچھا کام اپنی خوشی سے کر دے (جو اس پر فرض واجب نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی ثواب دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ کی قدر دانی فرماتے ہیں اور جو شخص کوئی عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس کی پوری طرح خبر ہے۔ خیر و شر کا کوئی ذرہ اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ
أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنَّاهُ لَكَ أَتُوبُ
عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں ان چیزوں کو جو ہم نے نازل کیں جو واضح چیزیں ہیں اور ہدایت کی باتیں ہیں بعد اس کے کہ ہم نے اس کو لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کیا یہ چھپانے والے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور ان پر لعنت بھیجتے ہیں لعنت کرنے والے، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور بیان کیا سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ میں قبول کروں گا۔ اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا ہوں۔ رحیم ہوں۔

حق چھپانے والوں کی سزا

علامہ واحدی نے اسباب النزول ص ۴۳ ج ۱ میں لکھا ہے کہ یہ آیت علماء اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے آیت رجم کو چھپایا اور آنحضرت ﷺ کی صفات کو (جو تورات شریف میں پڑھتے آئے تھے) پوشیدہ رکھا۔ تفسیر درمنثور میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل اور بعض دیگر انصار نے بعض علماء یہود سے تورات کی بعض باتیں دریافت کیں تو انہوں نے بتانے سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی (ص ۱۶۱ ج ۱) نیز درمنثور ص ۱۶۲ ج ۱ میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابو العالیہ نے فرمایا کہ اس آیت میں اہل کتاب کا ذکر ہے جنہوں نے حسد کی وجہ سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کی نعت کا کتمان کیا (یعنی اس بات کو بھی چھپایا کہ تورات شریف میں آپ کی بعثت کا ذکر ہے اور آپ کی نعت اور صفت جو تورات شریف میں مذکور تھی اس کو بھی پوشیدہ رکھا) حالانکہ وہ یہ سب کچھ اپنے پاس لکھا ہوا پاتے تھے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام ﷺ پر جو کھلی آیات واضحہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں جن میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ بھی تھا اس کو اہل کتاب نے چھپایا اور پوشیدہ رکھا، پھر فرماتے ہیں کہ الھدی کا عطف ہے الہینات پر اور اس سے عمومی طور پر ہدایت کی سب چیزیں مراد ہیں۔ جن میں حضرت خاتم النبیین پر ایمان لانا اور آپ کا اتباع کرنا بھی شامل ہے۔ اور آیات اگرچہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئیں لیکن ان کا حکم سب کے لیے عام ہے یعنی علم دین کا چھپانا ہر جاننے والے کے لیے گناہ ہے۔ (ص ۲۶ ج ۲)

صحیح بخاری ص ۲۲ ج ۱ میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اگر دو آیتیں نہ ہوتی (جن میں علم چھپانے کی

وعید مذکور ہے) تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا پھر انہوں نے مذکورہ بالا آیات تلاوت فرمائیں اور سنن ابن ماجہ ص ۲۳ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کوئی ایسا علم چھپایا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دینی معاملہ میں نفع پہنچاتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے منہ میں آگ کی لگام لگائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ آیات بینات اور ہدایت کے چھپانے والوں کے بارے میں فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ﴾ (کہ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت فرماتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ لعنت کا معنی ہے رحمت سے دور کر دینا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے دور فرمایا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی ان کے لیے بد دعا کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوں۔ تفسیر درمنثور ص ۱۶۲ ج ۱ میں حضرت عطاء سے نقل کیا ہے کہ لعنت کرنے والوں سے جنات اور انسان اور زمین پر چلنے والے تمام جاندار مراد ہیں پھر فرمایا ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُّوا﴾ (الایۃ) یعنی جن لوگوں نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی اور بیان کر دیا تو میں ان کی توبہ قبول کر لوں گا۔

حق چھپانے اور گمراہ کرنے والوں کی توبہ کی شرائط:

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا﴾ ای رجعوا عن الکتیمان أو عنه و عن سائر ما يجب أن يتاب عنه۔ (ص ۲۸ ج ۲) (یعنی وہ لوگ لعنت سے بچ جائیں گے جنہوں نے علم کے چھپانے سے اور ہر اس عمل سے توبہ کی جس سے توبہ کرنا لازم ہے)۔ پھر فرمایا: ﴿وَأَصْلَحُوا﴾ اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

اصلحو ما افسدوا بالتدارك فيما يتعلق بحقوق الحق والخلق و من ذلك أن يصلحو قومهم بالارشاد الى الاسلام بعد الاضلال وان يزيلوا الكلام المحرف ويكتبوا مكانه ما كانوا ازالوه عنه التحريف۔

”یعنی توبہ کرنے کے ساتھ اصلاح بھی کریں، جو فساد کیا تھا اس کو دور کریں حق کے چھپانے کی وجہ سے خالق جل مجدہ اور مخلوق کے جو حقوق تلف ہوئے تھے ان کا تدارک کریں اور جن لوگوں کو گمراہ کیا تھا ان کو اسلام قبول کرنے کی طرف دعوت دیں اور بتادیں کہ ہم نے تم کو حق سے روکا تھا حق یہ ہے کہ جو ہم اب کہہ رہے ہیں اور اللہ کی کتاب میں جو کچھ تحریف کی تھی اس کو درست کر دیں۔ غلط کو ہٹادیں اور صحیح کو اس کے قائم مقام کر دیں۔“

پھر فرمایا: ﴿وَبَيَّنُّوا﴾ اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

أى اظهر و اما بينه الله تعالى للناس معاینة..... ”یعنی اللہ تعالیٰ شانہ نے جو کچھ بیان فرمایا تھا اور انہوں نے اس کو چھپا دیا تھا اب اس کو خوب واضح طور پر بیان کریں۔“

نیز صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: وبهذين الامرين تتم التوبة۔ یعنی جن لوگوں نے حق کو چھپایا فساد کیا لوگوں کو گمراہی پر ڈالا ان کی توبہ اسی وقت پوری ہوگی جب وہ اصلاح بھی کریں اور بیان بھی کریں۔ ان کے قول و فعل سے جو خرابیاں پیدا ہوئیں اور عوام و خواص میں جو گمراہی پھیلی اس کی تلافی کریں جو حقوق تلف ہوئے ہیں ان کا تدارک کریں۔

یہ بات بہت اہم ہے جس کی طرف لوگوں کو بہت کم توجہ ہوتی ہے۔ بہت سے آزاد خیال لوگ جو اہل حق کو چھوڑ کر خود رو مجتہد اور مجدد بن جاتے ہیں اور مصنف اور مضمون نگار ہونے کے زعم میں زور قلم دکھاتے ہیں ایسے لوگ اہل سنت والجماعت سے ہٹ کر اپنی راہ نکالتے ہیں اور اسی کی اشاعت کرتے ہیں یہ لوگ اگر توبہ کرنے لگیں تو صرف تنہائی میں توبہ کرنا کافی نہیں ہے ان لوگوں پر لازم ہے کہ صاف صاف اعلان کریں اور عوام کو بتائیں کہ فلاں فلاں عقیدہ یا عمل کی جو ہم نے اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف تبلیغ و اشاعت کی ہے وہ غلط ہے آج کل فتنوں کا دور ہے۔ بہت سے لوگ صریح کفر اختیار کر لیتے ہیں اور اس کی تبلیغ و اشاعت بھی کرتے رہتے ہیں۔ پھر جب توبہ کرتے ہیں تو

چپکے سے تو بیخبر کے گھر میں بیٹھ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر لازم ہے کہ ﴿تَابُوا وَاصْلَحُوا وَبَيْنُوا﴾ تینوں پر عمل کریں۔
فائدہ اولیٰ:

جہاں علم دین کا چھپانا گناہ ہے۔ وہاں یہ بات بھی جان لینا ضروری ہے کہ جو شخص واقعی عالم ہو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے واقف ہو حلال حرام کا علم رکھتا ہو مسائل سے پوری طرح واقف ہو مسئلہ بتانے فتویٰ دینے کا مقام اسی شخص کا ہے۔ غلط مسئلہ بتانے کا وبال بھی بہت زیادہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من سئل من علمه ثم كتبه الجم يوم القيامة بلجام من نار۔ کہ جس شخص سے علم کی بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا تھا پھر اس نے اس کو چھپایا تو قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔ (سنن الترمذی ابواب العلم)

اس میں لفظ عملہ جو زیادہ فرمایا ہے یہ اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ جو شخص جانتا ہو بتانے کی ذمہ داری اسی کی ہے بے علم اگر دینی بات بتانے کی جرأت کرے گا تو گمراہی کے گڑھے میں گرے گا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔

صحیح بخاری ص ۱۰ ج ۲ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! جسے علم کی کوئی چیز معلوم ہو تو وہ اسے بتا دے اور جسے معلوم نہ ہو تو اللہ علم کہہ دے (یعنی اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے)..... اس لیے کہ یہ بھی علم کی بات ہے کہ جو کچھ نہ جانتا ہو اس کے بارے میں اللہ علم کہہ دے اور خواہ مخواہ اپنے پاس سے نہ بتا دے اور بتکلف عالم نہ بنے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ (آپ فرمادیجیے کہ میں تم سے اس پر کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔)

اسی لیے علماء نے فرمایا کہ لا ادری نصف العلم (یعنی یہ کہہ دینا کہ میں نہیں جانتا یہ آدھا علم ہے) بہت سے ناقص العلم آدمیوں کو دیکھا جاتا ہے کہ ان کے ہاں لا ادری کا خانہ ہی نہیں ہے ہر بات بتانے کو تیار ہیں اور علم پڑھے بغیر دینی کتابیں لکھتے ہیں غلط مسائل جمع کرتے ہیں اور یہ بھی لکھا گیا کہ جب کسی اچھے علم والے ماہر مفتی سے کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو وہ ابھی غور ہی کر رہا ہے لیکن پاس کے بیٹھنے والے جاہلوں نے بتا کر بات ختم بھی کر دی۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ دینی ذمہ داری اور آخرت کے مواخذہ کا احساس نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ﴿أَجْرٌ كُمْ عَلَى الْفَتْيَا أَجْرٌ كُمْ عَلَى النَّارِ﴾ (یعنی تم میں جو شخص فتویٰ دینے میں زیادہ جری ہے وہ دوزخ میں جانے پر زیادہ جرأت کرنے والا ہے)۔ (سنن الدارمی ص ۵۳ ج ۱)

درحقیقت قرآن کے معنی بتانا یا حدیث کی روایت کرنا یا مسئلہ بتانا بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ حضرت محمد بن المنکدر نے فرمایا کہ بلاشبہ عالم (جو علم کی باتیں بتاتا ہو) وہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ بن جاتا ہے۔ اب اس ذمہ داری سے نکلنے کا راستہ سوچے (سنن الدارمی ص ۵۰ ج ۱) نکلنے کا راستہ یہ ہے کہ انکل سے اور بھر پور علم کے بغیر باتیں نہ بتائے اور جو کوئی بات معلوم نہ ہو، صاف نہ ہو، صاف کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو کوئی فتویٰ دیا گیا جو علم اور تحقیق کے بغیر تھا تو اس کا گناہ اسی پر ہے جس نے اسے فتویٰ دیا۔ (سنن دارمی ص ۵۳ ج ۱ سنن ابوداؤد ص ۱۵۹ ج ۲)

اول تو مسئلہ خوب تحقیق کے بعد بتائیں پھر بھی اگر غلطی ہو جائے تو اپنی غلطی کا اعلان کریں اور جسے فتویٰ دیا ہو اسے تلاش کریں اور بتائیں کہ ہم سے غلطی ہوگئی، صحیح مسئلہ یہ ہے۔

فائدہ ثانیہ:

علم کی باتوں کو چھپانا گناہ ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت اور حدیث سے معلوم ہوا لیکن بتانے والے کو یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ سائل جو کچھ پوچھ رہا ہے وہ اس کے جواب کو سمجھنے کا اہل ہے یا نہیں۔ اور اگر سمجھ بھی لے گا تو اس سے مطلب کیا نکالے گا اور لوگوں میں یہ بات

مشہور ہوگی تو وہ اس کو سمجھ پائیں گے یا نہیں اور کسی فتنہ میں تو نہ پڑ جائیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو وہ باتیں بتاؤ جو جانتے پہچانتے ہوں (ان کی عقل و فہم سے اونچی باتیں کرو گے تو وہ اللہ و رسول کی تکذیب کریں گے) کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے (بخاری ص ۲۴ ج ۱) حضور اقدس ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

من لقی اللہ لا یشرک بہ شیئاً دخل الجنة (کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ اس نے شرک نہ کیا ہو تو جنت میں داخل ہوگا)۔

انہوں نے عرض کیا لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دے دوں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، مجھے ڈر ہے کہ لوگ (اسی پر) بھروسہ کر بیٹھیں گے (اور اعمال چھوڑ دیں گے)۔ (صحیح بخاری ص ۲۴ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان الذی یفتی الناس فی کل ما یستفی المجنون۔ (جو شخص لوگوں کے ہر استفتاء کا جواب دے وہ دیوانہ ہے۔ (سنن دارمی ص ۵۶ ج ۱، ورواہ الطبرانی فی الکبیر کما فی جمع الفوائد)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۳۱﴾
خُلْدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۱۳۲﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے سو وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا، اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

کفر پر مرنے والوں پر لعنت اور عذاب

اس آیت شریفہ میں کفر پر مرنے والوں کی سزا کا ذکر ہے آیت کا عموم ان یہود کو بھی شامل ہے جو کفر پر جمے رہے اور دوسروں کو بھی کفر پر جمائے رکھا۔ حضور اقدس ﷺ کی لعنت اور صفت کو چھپایا اور حق کو قبول نہ کیا اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیا، اور یہود کے علاوہ دوسرے تمام کفار نصاریٰ مشرکین منکرین رسالت انبیاء علیہم السلام اور منکرین عقائد اسلامیہ اور منکرین ضروریات دین اور ختم نبوت کے منکر اور تمام ملاحدہ اور زنادقہ اور وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا پھر کافر ہو گئے ان سب کو آیت کا عموم شامل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تمام کافر جو کفر پر مر جائیں ان سب پر اللہ کی لعنت ہے اور سب فرشتوں کی اور سب انسانوں کی، گزشتہ آیت کی تفسیر میں بتا دیا گیا ہے کہ لعنت خدائے پاک کی رحمت سے دوری کو کہتے ہیں۔ سب سے بڑی دوری یہ ہے کہ دوزخ میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جائے کافروں کے لیے یہ سب سے بڑی لعنت ہے اس لیے خالید بن فرمایا۔ حضرت ابو العالیہ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا خالید بن فی جہنم فی اللعنة یعنی وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل ہوں گے اور لعنت میں رہیں گے۔ (درمنثور ص ۱۶ ج ۱)

شاید کسی کے ذہن میں یہ خیال وارد ہو کہ کافر تو ایک دوسرے پر لعنت نہیں کرتے پھر ان سب لوگوں کی لعنت کیسے ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس دنیا میں لعنت نہیں کرتے مگر آخرت میں سب ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔ سورۃ عنکبوت میں ہے ﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمُ بَبَعْضٍ وَ يَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَ مَا لَكُمْ مِنَ النَّارِ وَ مَا لَكُمْ مِنَ النَّارِ﴾ (یعنی پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے سے برگشتہ ہو جاؤ گے۔ اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا۔ اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔

سورۃ اعراف میں ہے ﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعْنَتٌ أُخْتَهَا حَتَّىٰ إِذَا آدَارُكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرِيَهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَاتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ﴾ (جب بھی کوئی جماعت دوزخ میں داخل ہوگی تو وہ دوسری جماعت پر لعنت بھیجے گی۔ یہاں تک کہ جب سب

دوزخ میں ایک دوسرے کو پالیں گے تو بعد والے پہلے والوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ لہذا ان کو آگ کا دو گنا عذاب دے۔

اور سورۃ احزاب میں فرمایا ﴿وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَّرَاءَنَا فَاذْلُقُوا السَّبِيلَ رَبَّنَا اتِّهَمُوا ضَعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنَاهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا﴾ (اور وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی، سو انہوں نے ہم کو راہ سے بھٹکا دیا اے ہمارے رب ان کو دہری سزا دیجیے اور ان پر بڑی لعنت فرما۔ تفسیر درمنثور میں ہے کہ حضرت ابو العالیہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کافر کھڑا کر دیا جائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ پھر اس کے فرشتے لعنت کریں گے۔ پھر تمام انسان اس پر لعنت بھیجیں گے۔

پھر فرمایا ﴿لَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ﴾ (یعنی ان لوگوں سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا۔)

سورۃ نحل میں فرمایا ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ﴾ (یعنی جو لوگ کفر کرتے تھے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے ان کے لیے ہم ایک سزا پر دوسری سزا بمقابلہ ان کے فساد کے بڑھا دیں گے۔

سورۃ زخرف میں فرمایا ﴿إِنَّ الْمَجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ لَا يفتَرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ﴾ (بلاشبہ مجرمین جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اس میں ناامید ہو کر پڑے رہیں گے)

سورۃ مؤمن میں فرمایا ﴿وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ قَالُوا أَوْ لَمْ تَكُ تَأْتِيكُمُ رَسُولُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا بَلَى قَالُوا فَادْعُوا وَمَا دَعَاءُ الْكٰفِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾ ”اور جو لوگ دوزخ میں ہوں گے جہنم کے داروغاؤں سے کہیں گے کہ اپنے رب سے تم دعا کرو ایک دن ہمارا عذاب ہلکا فرما دے، وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلے کھلے دلائل لے کر نہ آئے تھے وہ کہیں گے ہاں آئے تو تھے۔ داروغے کہیں گے کہ پھر تم ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا نہیں ہے مگر بے اثر۔“

آخر میں فرمایا ﴿وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ﴾ (اور ان کو مہلت نہ دی جائے گی)۔ مہلت اسے دی جاتی ہے جسے اپیل کرنے کا موقع دیا جائے۔ کافروں کو بہر حال دائمی عذاب میں رہنا ہے کسی طرح کی ان کے لیے کوئی مہلت نہیں دی جائے گی نہ ان کو کسی طرح کی معذرت خواہی کی اجازت دی جائے گی۔

سورۃ مرسلات میں فرمایا ﴿هٰذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ وَلَا يُؤَدُّنَ لَهُمْ فِيعْتَدِرُونَ وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكٰذِبِينَ﴾ (یہ دن ہے جس میں وہ نہ بولیں گے اور نہ ان کو اجازت دی جائے گی کہ عذر پیش کریں۔ ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے)۔

لعنت کرنے سے متعلقہ مسائل:

مسئلہ: عام طور سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت اور ظالموں پر اللہ کی لعنت لیکن کسی خاص شخص کو مقرر کر کے یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ ملعون ہے خواہ مومن ہو یا کافر ہو، خاص طور پر معین کر کے صرف اسی شخص پر لعنت بھیج سکتے ہیں جس کا کفر پر مرنا یقینی ہو جیسے فرعون، ابولہب ابو جہل وغیرہ، جو شخص اسی دنیا میں موجود ہے اور حالت کفر میں ہے اس کو بھی متعین طریقہ پر ملعون کہنا جائز نہیں کیونکہ یہ یقین نہیں ہے کہ وہ کفر پر مرے گا، بہت سے لوگ اس میں بے اختیار ہوتے ہیں نہ صرف کافروں کو بلکہ مسلمانوں کو ملعون لعین کہہ دیتے ہیں۔ بچوں کو پڑھانے والے اساتذہ کی زبان اس میں زیادہ کھلی ہوئی ہوتی ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرے تو لعنت آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے۔ سو آسمان کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں پھر زمین کی طرف اتاری جاتی ہے سوزین کے دروازے بھی بند کر دیے جاتے ہیں پھر وہ دائیں بائیں اپنا راستہ دیکھتی ہے جب کوئی جگہ نہیں پاتی تو اس پر لوٹ جاتی ہے جس نے لعنت کے لفظ زبان سے نکالے تھے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الادب ص ۳۱۶ ج ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص کی چادر ہوانے ہٹا دی۔ اس نے ہوا پر لعنت کر دی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کر کیونکہ وہ تو اللہ کے حکم کے مطابق چلتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو شخص کسی چیز پر لعنت کرے اور وہ چیز اس کی اہل نہ ہو تو لعنت کرنے والے پر ہی لعنت لوٹ جاتی ہے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الادب ص ۳۱۶ ج ۲)

مسئلہ: لعنت کے ہم معنی جو بھی الفاظ ہوں ان کا استعمال کرنا بھی اسی وقت جائز ہے جبکہ اصول کے مطابق اس پر لعنت بھیجنا جائز ہو۔ لفظ مردود بھی ملعون کے معنی میں ہے اور پھٹکار بھی اردو میں لعنت کے معنی میں آتا ہے۔ عورتوں کو لعنت اور اس کے ہم معنی لفظ استعمال کرنے کی بہت زیادہ عادت ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ ایک مرتبہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ عورتوں پر آپ کا گزر ہوا آپ نے فرمایا کہ اے عورتو! تم صدقہ کرو مجھے دوزخ میں تمہاری تعداد زیادہ دکھائی گئی ہے۔ عورتوں نے عرض کیا کیوں یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا کہ تم لعنت زیادہ کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۳ از بخاری و مسلم)

وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ١١٦

اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ رحمن ہے، رحیم ہے۔

معبود حقیقی ایک ہی ہے

اس آیت میں خالق تعالیٰ شانہ کی توحید بیان فرمائی ہے اور مشرکین کی تردید فرمائی ہے۔ فرمایا کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اپنی ذات صفات میں یکتا ہے اور تنہا ہے۔ اور ایک ہے وہ بہت مہربان ہے اور بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس کی کوئی نظیر نہیں اور اس کا کوئی ہمسرا اور برابر نہیں۔ وہ واحد ہے احد ہے وحدہ لا شریک ہے۔ ساری مخلوق کو تنہا اسی نے پیدا فرمایا۔ لہذا وہی واحد معبود ہے ساری مخلوق پر وہ رحم فرماتا ہے۔ لوگوں نے اس کے علاوہ جو دوسرے معبود بنائے ہیں وہ جھوٹے معبود ہیں ان میں سے کوئی بھی مستحق عبادت نہیں نہ وہ خالق ہیں نہ مالک ہیں نہ رحمن ہیں نہ رحیم ہیں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ١١٧

بلاشبہ آسمان اور زمین کے پیدا فرمانے میں اور رات و دن کے الٹ پھیر میں اور کشتیوں میں جو کہ چلتی ہیں سمندر میں وہ سامان لے کر جو لوگوں کو نفع دیتا ہے اور جو کچھ نازل فرمایا اللہ نے آسمان سے یعنی پانی پھر زندہ فرمایا اس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد اور پھیلا دیئے زمین میں ہر قسم کے چلنے پھرنے والے جانور اور ہواؤں کے گردش کرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں ضرور نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں۔

توحید کے دلائل کا بیان

تفسیر درمنثور ص ۶۳ ج ۱ میں ہے کہ جب آیت ﴿وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ﴾ نازل ہوئی تو مشرکین کو تعجب ہوا اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ یہ کہتے ہیں کہ معبود صرف ایک ہی ہے۔ اگر وہ سچے ہیں تو کوئی نشانی دکھائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اپنے خالق و مالک ہونے کا اور کائنات میں تصرف فرمانے کا تذکرہ فرمایا۔ مشرک بھی جانتے ہیں کہ یہ تصرفات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کرتا۔ سمجھ سے کام لیں تو اللہ تعالیٰ

کو واحد ماننے کے سوا کوئی راستہ نہیں اور حضرت عطاء سے منقول ہے کہ جب مدینہ منورہ میں آیت کریمہ ﴿وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ﴾ نازل ہوئی تو مکہ میں کفار قریش نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ سب لوگوں کا ایک ہی معبود ہو اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (آخر تک) نازل فرمائی۔ ان آیات میں غور کریں سو سمجھ میں آجائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے اور واحد ہے اور وہ ہر چیز کا معبود ہے اور ہر چیز کا خالق ہے (ایضاً ص ۱۷۴)۔ مشرکین کا عجیب طریقہ تھا اور اب بھی ہے کہ پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے رزق دیا اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی پرورش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اولاد وہ دیتا ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں وہ پیدا فرماتا ہے لیکن مشرکین عبادت دوسروں کی کرتے ہیں اور عجیب تر بات ہے کہ جب مشرکین مکہ کے سامنے یہ بات آئی کہ معبود صرف ایک ہی ہے تو تعجب سے کہنے لگے۔ ﴿أَجْعَلُ الْإِلَهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ﴾ (کیا تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا بلاشبہ یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے) دنیا بھی عجیب جگہ ہے جو بھی چیز رواج پا جائے خواہ کیسی ہی باطل اور بری ہو رواج کی وجہ سے لوگ اسے اچھی چیز سمجھنے لگتے ہیں۔ انسانوں پر فرض ہے کہ وہ صرف اپنے خالق مالک کی عبادت کریں۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے کو معبود نہ بنائیں۔ یہی انسانوں کا دین ہے جو ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے بتایا اور اختیار کیا اور ان کے بعد تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس کی دعوت دیتے رہے۔ جب لوگوں میں شرک پھیل گیا تو اسی سے مانوس ہو گئے اور توحید کی دعوت پر تعجب کرنے لگے۔

مذکورہ بالا آیت میں چند ایسی چیزوں کا ذکر ہے جو سب کے سامنے ہیں اور سب کو اقرار ہے کہ یہ ساری چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت اور تصرف سے وجود میں آئی ہیں اور ان کی بقاء اور وجود صرف اس کی مشیت سے ہے۔ کسی دوسرے کو ذرہ بھی ان کے وجود و بقا میں دخل نہیں۔

آسمان وزمین کی تخلیق:

سب سے پہلے آسمان وزمین کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا ان کی تخلیق صرف اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ سورۃ زمر میں فرمایا: ﴿وَلَمَّا سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ ”اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو تو وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔“ سورۃ احقاف میں فرمایا ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ إِنَّتُونِي بِكِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هَذَا أَوْ أَثَارَةٌ مِّنْ عِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”آپ کہیے کہ یہ تو بتاؤ جن چیزوں کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو مجھ کو یہ دکھاؤ کہ انہوں نے کون سی زمین پیدا کی یا ان کا آسمانوں میں کچھ سا جھا ہے۔ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے کی ہو یا اور کوئی مضمون منقول ہو لے آؤ۔ اگر تم سچے ہو۔“

رات دن کا آنا جانا:

آسمان وزمین کی پیدائش کا ذکر فرمانے کے بعد اختلاف اللیل والنہار یعنی رات دن کے آگے پیچھے آنے ایک کے کم ہونے دوسرے کے زیادہ ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ سورۃ فرقان میں ارشاد ہے ﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا﴾ ”اور وہ ہی ذات پاک ہے جس نے بنا دیارات و دن کو آگے پیچھے آنے والا اس شخص کے لیے جو نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ کرے یا ارادہ کرے شکر گزار ہونے کا۔“ سورۃ زمر میں فرمایا ﴿خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ ”پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ، وہ لپیٹتا ہے رات کو دن پر، اور اس نے مسخر فرمایا سورج کو اور چاند کو“ سورۃ فاطر میں فرمایا ﴿يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَبًّى ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْبِيرٍ﴾ (وہ داخل فرماتا ہے رات کو دن میں اور داخل فرماتا ہے دن کو رات میں اور اس نے مسخر فرمایا سورج کو اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے اپنی مقررہ اجل کے لیے، یہ اللہ ہے تمہارا رب ہے اسی کے لیے ملک

ہے اور جب لوگوں کو تم اس کے علاوہ پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں)۔

رات اور دن کا وجود میں آنا کم و بیش ہونا کسی علاقہ میں کسی زمانہ میں رات کا زیادہ ہونا اور کسی علاقہ میں کسی زمانہ میں دن کا زیادہ ہونا سب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام کے تحت ہے کسی کو اس میں ذرا بھی دخل نہیں سب اہل عقل اس کو جانتے اور مانتے ہیں۔

سمندروں میں جہازوں کا چلنا:

پھر تیسری نشانی کا ذکر فرمایا ﴿وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ﴾ (یعنی جو کشتیاں سمندر میں چلتی ہیں وہ سامان لے کر جس سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں) ان کشتیوں کا چلنا بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے سمندر خود اللہ تعالیٰ کی بڑی مخلوق ہے اس میں طرح طرح کے جانور بہت سی چیزیں ہیں جو انسانوں کے کام آنے والی ہیں۔ سمندروں نے ایک براعظم کو دوسرے براعظم میں ملا رکھا ہے۔ اگر سمندر نہ ہوتے تو خشکی ہی کے ذریعہ دور و نزدیک کے سامان کو منتقل کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر میں کشتیاں جاری فرمادیں اگر اللہ چاہتا تو کوئی کشتی سمندر کی سطح پر نہ چلتی بلکہ ڈوب کر رہ جاتی۔ یہ سامان یورپ سے ایشیا اور ایشیا سے یورپ تک جاتا ہے۔ اگر براعظم کے لوگ دوسرے براعظم کی پیداوار سے متفع ہوتے ہیں باوجودیکہ ہوائی جہازوں کی سروس بہت زیادہ ہو گئی ہے اور ٹرینیں بھی کثیر تعداد میں چلنے لگی ہیں لیکن سامان کو نقل و حمل کے لیے آج تک بحری جہازوں سے بے نیازی نہیں ہے۔

سورہ نحل میں فرمایا ﴿وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاجِرَ فِيهِ وَ لِيَتَّبِعُوا مِنْ فَضْلِهِ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ سمندر میں پانی کو چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں اور تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور تاکہ شکر کرو)۔

سمندر کا سفر ہے نیچے پانی ہے۔ اوپر آسمان ہے۔ بھاری بھر کم جہاز، دریا کا تلاطم، ہواؤں کے تھپڑے اور ڈوبنے کا ڈر۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ ہی حفاظت فرماتے ہیں۔ ڈوبنے سے بچاتے ہیں۔ جو سامان لدا ہوا ہے اور جو لوگ اس میں سوار ہیں۔ صرف اللہ کی حفاظت سے منزل مقصود تک پہنچتے ہیں جب سمندر میں طغیانی آجائے تو ڈرتے ہیں اور لرزتے ہیں اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہیں جاتی اور صرف اسی کو پکارتے ہیں۔ سارے باطل معبودوں کی یادیں ہی دھری رہ جاتی ہیں۔ سورہ عنکبوت میں فرمایا ﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَاؤُ اللَّهِ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَهُمْ وَ لِيَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾ پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں تاکہ وہ ناقدری کریں اس نعمت کی جو ان کو ہم نے دی اور تاکہ وہ نفع حاصل کر لیں۔ سو عنقریب جان لیں گے۔

یہ مشرک انسان کا عجیب مزاج ہے کہ جب مصیبت پڑتی ہے تو صرف اللہ کو یاد کرتا ہے اور اسی کو پکارتا ہے اور جب مصیبت سے چھوٹ جاتا ہے تو شرک کرنے لگتا ہے۔ اور غیر اللہ کو پکارتا ہے اور اس کی عبادت میں لگ جاتا ہے۔

بارش کا نازل فرمانا:

چوتھی نشانی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے جو پانی اتارا ہے اور اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ فرمایا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے خالق مالک اور واحد ہونے کی نشانیوں میں سے ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ نعمت بہت زیادہ ہے۔ کروڑوں انسان اور چوپائے اور درخت اس سے سیراب ہوتے ہیں لیکن ختم ہونے نہیں پاتا۔ بارشیں ہوتی ہیں بیٹھا پانی برستا ہے۔ خشک زمینیں اس سے سیراب ہوتی ہیں۔ کھیتیاں ہری بھری ہوتی ہیں۔ باغات سرسبز و شاداب ہوتے ہیں۔ تالابوں میں پانی جمع ہوتا ہے۔ مہینوں انسانوں اور جانور اس کو اپنے خرچ میں لاتے ہیں۔ بہت سے علاقوں میں بارش کے سوا پانی کا کوئی انتظام ہی نہیں۔ کنوئیں ہیں تو وہ بھی بہت گہرے اور کم پانی والے ہیں۔ پانی پینے پکڑے دھونے اور کھیتوں کو سیراب کرنے، بارش کے لیے اللہ سے لو لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ جب بارش ہوتی ہے تو جان میں جان آتی ہے۔ جن علاقوں میں بیٹھے پانی کی نہروں سے سیرابی ہوتی

آندھی بھیج دی جس نے دشمنان اسلام کو واپس ہونے پر مجبور کر دیا۔ ان کے خیمے اکھڑ گئے، ہانڈیاں اُلٹ گئیں ان کے چہرے مٹی سے اٹ گئے۔ سخت تیز اور سخت ٹھنڈی ہوا تھی جس کی وجہ سے بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

سورۃ احزاب میں ارشاد فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت کو جبکہ آگئے تمہارے پاس لشکر، سوہم نے بھیج دیا ان کے اوپر ہوا کو اور ایسے لشکر کو جسے تم نہیں دیکھ رہے تھے، صحیح بخاری میں ۱۴۱ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نصرت بالصبا و اهلكت عاد بالدبور یعنی صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی اور قوم عاد دبور کے ذریعہ ہلاک کی گئی۔ (صبا اور دبور ہواؤں کے نام ہیں)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہوا رحمت لے کر آتی ہے اور عذاب لے کر آتی ہے۔ جب تم اس کو دیکھو تو اسے برانہ کہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس کے شر سے پناہ مانگو۔ (سنن ابی داؤد ص ۲۳۹ ج ۱)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جب ہوا چلتی تھی تو رسول اللہ ﷺ یوں دعا فرماتے تھے۔ ﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ﴾ (اے اللہ میں آپ سے اس کی خیر کا اور جو کچھ اس میں ہے اس کی خیر کا اور جو کچھ یہ لے کر بھیجی گئی اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے اور جو کچھ یہ لے کر بھیجی گئی ہے اس کے شر سے۔ (صحیح مسلم ص ۲۹۴ ج ۱)

بادلوں کی تسخیر:

ساتویں نشانی ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِينَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ (اور بادلوں میں نشانی ہے جو مسخر ہیں آسمان وزمین کے درمیان)۔ بادلوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان وزمین کے درمیان مسخر فرمایا کہ یہ پانی بھر بھر کر لاتے ہیں جب بارش ہوتی ہے، تو ان سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ بارش ہونیوالی ہے۔ ان کو دیکھ کر لوگ اپنا انتظام کر لیتے ہیں اور پانی سے بھرے ہوئے بادل ادھر ہی جاتے ہیں۔ جہاں اللہ کا حکم ہوتا ہے۔

سورۃ اعراف میں فرمایا ﴿وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ كَذَلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ ”اور وہ ایسا ہے کہ اپنی رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے جو خوش کر دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھالیتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی خشک سرزمین کی طرف ہانک دیتے ہیں پھر اس کے ذریعہ پانی برساتے ہیں پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔ یوں ہی ہم مردوں کو نکال کھڑا کریں گے تاکہ تم سمجھو۔“

بادلوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو میدان تیبہ میں سایہ عطا فرمایا۔ بادل ان کے ساتھ چلتے تھے، اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت اور تصرف سے بادلوں کا ہلکا بھاری ہونا بہت زیادہ بادلوں کا آجانا بالکل ختم ہو جانا نظروں کے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ سب اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ قوم عاد پر عذاب آنے کی ابتداء اسی طرح سے ہوئی تھی کہ عرصہ دراز سے بارش نہ ہوئی تھی اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ بادل ظاہر ہو گئے۔ انہوں نے سمجھا کہ بادل بارش برسائے گا۔ سخت گرمی کی وجہ سے جب میدان میں نکل کر کھڑے ہو گئے تو بجائے بارش کے سخت آندھی آگئی جس کی وجہ سے وہ بالکل تہس نہیں ہو کر رہ گئے صحیح بخاری ص ۱۵ ج ۲ میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بادل یا ہوا دیکھتے تھے تو اس کا اثر آپ کے چہرہ مبارک میں ظاہر ہو جاتا تھا۔ حضرت عائشہ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ لوگ جب بادل کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔ اس امید پر کہ بارش ہوگی اور میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ جب آپ کے سامنے بادل آجائے تو آپ

کے چہرہ مبارک میں پریشانی محسوس ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ مجھے کیا اطمینان ہے اس میں عذاب ہو۔ ایک قوم کو ہوا کے ذریعہ عذاب دیا گیا۔ جب انہوں نے عذاب کو دیکھا (جس کی ابتداء بادل ظاہر ہونے سے تھی) تو انہوں نے کہا ﴿هَذَا عَارِضٌ مُّطْرٌ نَّافٍ﴾ (کہ یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا) لیکن وہ ہوا کی صورت میں سخت عذاب تھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ جب آسمان میں کچھ بادل وغیرہ معلوم ہوتا تھا تو آنحضرت سرور عالم ﷺ کے چہرے مبارک کا رنگ بدل جاتا تھا آپ کبھی اندر جاتے کبھی باہر آتے کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے جب بارش ہو جاتی تھی تو آپ کی وہ کیفیت جاتی رہتی تھی۔ (صحیح مسلم ص ۲۹۴ ج ۱)

یہ امور جو آیت میں مذکور ہوئے ان سب میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور خالقیت کی نشانیاں ہیں تو حید کے منکر بھی مانتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور اسی کے تصرف سے عالم میں سب کچھ ہو رہا ہے پھر بھی تو حید کا اقرار نہیں کرتے اور شرک میں مبتلا ہیں۔ ہداهم اللہ تعالیٰ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ

العذاب ۱۷۵

اور بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کے علاوہ اس کے شریک تجویز کر رکھے ہیں وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ سے محبت ہونی واجب ہے اور جو لوگ ایمان لائے ان کا اللہ سے محبت کرنا بہت ہی زیادہ قوی ہے، اور اگر جان لیں وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا جس وقت دیکھیں عذاب کو کہ بلاشبہ ساری قوت اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

مشرکین کی باطل معبودوں سے محبت اور اس پر سخت عذاب

توحید کا ذکر کرنے اور توحید کے دلائل بیان فرمانے کے بعد اب ان لوگوں کی حالت بیان فرمائی جنہوں نے توحید سے منہ موڑا اور شرک کو اختیار کیا۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود تجویز کر لیے جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھتے ہیں۔ ان کی عبادت کرتے ہیں ان کے لیے نذریں مانتے ہیں، اور ان کے لیے جانور ذبح کرتے ہیں ان کا حال بتانے کے بعد فرمایا ﴿يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ﴾ کہ یہ لوگ ان باطل معبودوں سے ایسی محبت کرتے ہیں۔ جیسی اللہ تعالیٰ سے محبت ہونی چاہیے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں (ص ۳۴ ج ۲) کہ یہاں محبت سے تعظیم اور فرمانبرداری مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور معبودان باطلہ کے درمیان برابری کرتے ہیں اور باطل معبودوں کی تعظیم اور اطاعت میں اسی طرح لگتے ہیں جیسا کہ معبود حقیقی کی عبادت اور اطاعت کرنا لازم ہے چونکہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر سمجھتے ہیں اس لیے وہ ضمیر جمع لائی گئی جو عقلاء کیلئے استعمال ہوتی ہے۔ یعنی يُحِبُّونَهُمْ فرمایا يُحِبُّونَهَا نہیں فرمایا۔ بعض مفسرین نے انداداً سے قوم و قبیلے اور علاقہ کے بڑے لوگ مراد لیے ہیں یعنی بہت سے لوگ اپنے رؤساء کو ایسا مطاع مانتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور فرمانبرداری کرنا لازم ہے۔

اہل ایمان کو اللہ سے سب سے زیادہ محبت ہے:

پھر فرمایا

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ یعنی جو لوگ ایمان لائے ان کا اللہ سے محبت کرنا بہت ہی زیادہ قوی ہے، کیونکہ اہل ایمان کی جو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے وہ کامل ہے اور راسخ ہے اور مضبوط ہے۔ ان کی محبت میں کبھی کمی نہیں آتی۔ وہ کبھی بھی اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے مدد نہیں

مانگتے اور غیر اللہ کی کبھی بھی عبادت نہیں کرتے۔ برخلاف بت پرستوں کے کہ جب وہ مصیبتوں میں گرفتار ہوتے ہیں تو بتوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں مثلاً جب کشتی میں سوار ہوں اور وہ ڈوبنے اور ڈمگمانے لگے تو سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ ہی سے نجات کا سوال کرتے ہیں اور دوسرے احوال میں بھی جب بھی کوئی پریشانی ہو اس کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ ایک زمانہ تک کسی بت کی پوجا پاٹ کرتے رہتے ہیں۔ پھر اسے چھوڑ کر دوسرا بت تراش کر اس کے سامنے جبین نیاز رکڑنے لگتے ہیں اور بعض مرتبہ حلوے وغیرہ کا بت بنا لیتے ہیں۔ پھر عند الضرورت اسے کھا جاتے ہیں۔

ہندوستان کے مشرکوں کو دیکھا جاتا ہے کہ دیوالی کے موقع پر (جو ان کا ایک تہوار ہے) کھانڈ کی مورتیاں بناتے ہیں پھر ان کو بیچتے ہیں اور چھوٹے بڑے مل کر ان کو کھا جاتے ہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ﴾ کہ جن لوگوں نے خدا کے ہمسرتجویز کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا قیامت کے دن جب عذاب کو دیکھیں گے تو اس وقت جان لیں گے کہ ساری قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور اس موقع پر ان کو بہت زیادہ ندامت، پشیمانی اور شرمندگی ہوگی جس سے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچے گا۔ یہ آیت کی ایک تفسیر ہے۔ اور اس تفسیر کی بناء پر جواب تو محذوف ہے۔

قال البيضاوي لو يعلمون أن القدرة لله جميعا إذا عاينوا العذاب لندموا اشد الندم۔ اور مفسر ابن کثیر ص ۲۰۲ ج ۱ نے اس کی تفسیر اس طرح سے کی ہے کہ:

اگر وہ جان لیں اس عذاب کو جسے وہاں یوم قیامت میں دیکھیں گے (جو سخت عذاب ان کے شرک اور کفر کی وجہ سے ان کو دیا جائے گا) تو آج ہی اس دنیا میں اپنے کفر سے باز آجائیں۔

مفسر بیضاوی نے بعض مفسرین سے آیت کی تفسیر اس طرح بھی نقل کی ﴿وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنَّ دَادَهُمْ لَا تَنْفَعُ لَعَلِمُوا أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ كُلَّهَا لَا يَنْفَعُ وَلَا يَضُرُّ غَيْرُهَا﴾

(یعنی جنہوں نے ظلم کیا اگر وہ جان لیں کہ ان کے بنائے ہوئے خدا نفع دینے والے نہیں ہیں تو یہ بات ضرور جان لیں کہ ساری قوت اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس کے سوا کوئی نفع اور ضرر کا مالک نہیں۔ اس صورت میں یری کا مفعول یعنی اندادہم لا ینفع محذوف ہوگا۔) (و ذکرہ فی الروح ایضاً ص ۳۵ ج ۲)

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا أَوْ أَلْعَذَابِ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۖ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۗ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ۗ

جب کہ بیزار ہو جائیں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی تھی۔ اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور کٹ جائیں گے ان کے آپس کے تعلقات، اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے پیروی کی کاش ہم کو واپس جانا نصیب ہو جاتا تو ہم ان سے بیزار ہو جاتے۔ جیسا کہ وہ ہم سے بیزار ہو گئے۔ اللہ اسی طرح دکھائے گا ان کو ان کے اعمال حسرتیں بنا کر اور وہ آگ سے نکلنے والے نہ ہوں گے۔

قیامت کے دن متبوعین کا اپنے ماننے والوں سے بیزاری ظاہر کرنا اور اس وقت ان کی پشیمانی ہونا ان آیات میں کافروں کی ایک اور حسرت اور ندامت اور شاعت اور فطاعت ذکر فرمائی۔ اور وہ یہ کہ جو لوگ دنیا میں پیشوا تھے اور قوموں

اور قبیلوں کے اور ملک و وطن کے بڑے تھے جن کے پیچھے چل کر ان کی اولاد نے اور قوم و قبیلہ نے اور ملک کے بسنے والوں نے اپنا ناس کھویا اور کفر اور شرک میں مبتلا ہوئے۔ یہ سرداران قوم اور زعماء ملک و وطن قیامت کے دن اپنے ماننے والوں اور پیچھے چلنے والوں اور ان کی رضا مندی کیلئے قربانیاں دینے والوں سے صاف صاف کہہ دیں گے کہ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں اور یہ بیزاری ایسے موقع پر ہوگی جب ان کے ماننے والے اس دنیا سے گزر چکے ہوں گے اور کفر و شرک پر مر چکے ہوں گے۔ وہاں نہ ایمان لانا معتبر ہوگا نہ دنیا میں واپس آسکیں گے اور عذاب بھگتنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا ان کے آپس کے تعلقات ختم ہو چکے ہوں گے اور کوئی کسی کو کسی طرح بھی مدد نہ دے سکے گا۔ کما قال تعالیٰ ﴿مَّا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ﴾ (سورۃ مؤمن) ”ظالموں کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کی اطاعت کی جائے۔“

جب سرداران قوم بیزاری ظاہر کر دیں گے تو وہ لوگ جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا یوں کہیں گے کہ اگر ہمیں دنیا میں واپس جانا نصیب ہو جائے تو ہم ان سے اسی طرح بیزاری ظاہر کریں جیسا کہ آج وہ ہم سے بیزار ہو گئے۔

پھر فرمایا ﴿كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ﴾ (یعنی جس طرح ان کو آپس کی بیزاری کا منظر دکھایا جائے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے دوسرے اعمال بھی حسرتیں بنا کر ان کو دکھائے گا اور حسرت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ دوزخ کے عذاب کے ساتھ حسرتوں کا عذاب مستقل عذاب ہوگا۔ بار بار نادم ہوں گے کہ حضرات انبیاء کرام ﷺ کا اتباع کر لیتے تو اچھا تھا۔ کفر و شرک اختیار نہ کیا ہوتا، فلاں فلاں عمل اختیار کرتے تو کیا ہی اچھا ہوتا اور اس عذاب میں مبتلا نہ ہوتے اس دن کا سوچنا، سمجھنا، نادم ہونا، دوزخ سے نکلنے کا ذریعہ نہ بنے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ کبھی بھی اس سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ ﴿وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ﴾

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ

مُبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يُمِرُّكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ ۚ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

اے لوگو! کھاؤ ان چیزوں میں سے جو زمین میں حلال پاکیزہ ہیں اور مت پیچھے چلو شیطان کے قدموں کے۔ بے شک وہ تمہارے لیے کھلا ہوا دشمن ہے۔ وہ تم کو صرف برائی کا اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے اور یہ کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جن کو تم نہیں جانتے۔

حلال کھانے اور شیطان کے اتباع سے پرہیز کرنے کا حکم

ان آیات میں اول تو ان چیزوں کے کھانے کی اجازت دی جو زمین میں حلال اور پاکیزہ چیزیں موجود ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کریں۔ شیطان کا اتباع کرنے اور اس کی بات ماننے میں سراسر نقصان اور خسران اور ہلاکت اور بربادی ہے۔ اس کا کوئی مشورہ اور کسی بھی عمل کی ترغیب انسانوں کے لیے خیر نہیں ہو سکتی وہ تمہارا دشمن ہے اس نے دشمنی پر کمر باندھی ہوئی ہے۔ اسے دوزخ میں جانا ہے اس کی کوشش یہ ہے کہ سب بنی آدم بھی میرے ساتھ دوزخ میں چلے جائیں۔ وہ ہمیشہ برائی ہی کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور بدکاری ہی کا راستہ بتاتا ہے۔ اس کا یہ بھی کام ہے کہ تم سے شرک کرائے اور تمہیں غلط عقیدوں پر ڈالے۔ اور پھر تم سے یہ کہلوائے کہ یہ جو کچھ ہم نے کیا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے اور اس کی رضا کے لیے ہے۔

سورۃ اعراف میں فرمایا: ﴿وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ اتَّقُوا اللَّهَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریق پر پایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ آپ فرمادیجیے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کا حکم نہیں دیتا، کیا خدا کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کو تم نہیں جانتے۔“

اسباب النزول للواحدی ص ۲۳ میں ہے کہ آیت ﴿يَأْتِيهَا النَّاسُ كُلُّوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ﴾ (الایة) بنی ثقیف اور بنی خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان لوگوں نے کچھ کھیتیاں، کچھ جانور اپنے اوپر حرام کر لیے تھے اور جن جانوروں کو حرام کیا تھا (ان کی حرمت کے لیے کچھ شرطیں اور قیدیں لگا دی تھیں اور) ان کے نام بحیرہ سائبہ اور وصیلہ اور حام تجویز کر لیے تھے۔ سورۃ مائدہ اور سورۃ انعام کی تفسیر میں انشاء اللہ تعالیٰ ان کی تفصیلات مذکور ہوں گی۔ یہ باتیں ان کو شیطان نے بتائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرنے کا یا حرام کو حلال کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ یہ جو تحریم و تحلیل کا سلسلہ مشرکین نے نکالا تھا اس میں شیاطین کو اور بتوں کو راضی رکھنے کے جذبات تھے۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت میں جو چیزیں حلال ہیں ان کو حرام کر لینا حلال نہیں ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی شریعت کو بدلنا ہے اور تحریف کرنا ہے۔

تحلیل و تحریم کا حق صرف اللہ ہی کو ہے:

سورۃ مائدہ میں فرمایا ﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرَّمُوا طَيِّبَاتٍ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (اے ایمان والو! اللہ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو۔ بلاشبہ اللہ حد سے نکلنے والوں سے محبت نہیں فرماتے)۔

حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ شہد پینے کے متعلق فرمادیا تھا کہ اب ہرگز نہ پیوں گا، اللہ جل شانہ نے آیت نازل فرمائی: ﴿يَأْتِيهَا النَّبِيُّ لِمَ تَحَرَّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾

”اے نبی تم اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہو جسے اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے۔“ ایسی بہت سی رسمیں آج لوگوں میں موجود ہیں جن میں عملاً بلکہ اعتقاداً بھی بہت سی حلال چیزوں کو حرام سمجھ رکھا ہے۔ مثلاً ذی قعدہ کے مہینہ میں (جسے عورتیں خالی مہینہ کہتی ہیں) اور محرم و صفر میں شریعت میں شادی کرنا خوب حلال اور درست ہے لیکن اللہ کی اس حد سے لوگ آگے نکلتے ہیں اور ان میں شادی کرنے سے بچتے ہیں۔ ماہ محرم میں میاں بیوی والے تعلق سے بچتے ہیں۔ اور بہت سی قوموں میں بیوہ عورت کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں اور عملاً اس کو حرام بنا رکھا ہے۔ بہت سی قوموں میں ماموں، خالہ، چچا، پھوپھی کی لڑکی سے نکاح کرنے کو عملاً بلکہ اعتقاداً حرام قرار دے رکھا ہے۔ یہ سب حدود سے آگے بڑھ جانا ہے۔ جس طرح حلال کو حرام کرنا منع ہے اسی طرح حرام کو حلال کر لینا بھی منع ہے۔ حرام و حلال مقرر فرمانے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے۔ خواہ اس نے قرآن میں نازل فرمایا ہو یا اپنے نبی ﷺ کی زبانی بتایا ہو۔ سورۃ نحل میں ارشاد ہے ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السُّنْتُكُمُ الْكُذِّبَ هَذَا حَلَلٌ وَ هَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكُذِّبَ﴾ ”اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا زبانی جھوٹا دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگاؤ گے۔“

وَ إِذْ أَقْبَلَ لَهُمْ آتِيَهُمْ مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالَ بَلْ نُنَبِّئُكُمْ مَا لَفِينَا عَلَيْهِ أَبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَ آبَاءُ وَهُمْ لَا

يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿٤٠﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کا اتباع کرو، جو اللہ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ بلکہ ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔ کیا وہ اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگرچہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں۔

باپ دادا سے ہدایت پر نہ ہوں تو ان کا اتباع اور اقتداء باعث ہلاکت ہے

مشرکین کا یہ طریقہ تھا اور اب بھی ہے کہ وہ اپنے باپ دادوں کو مقتدی سمجھتے رہے ہیں۔ ان کو ہزار سمجھایا جائے، حق کی دعوت دی جائے، توحید کی طرف بلایا جائے، اللہ کے دین اور اس کی شریعت قبول کرنے کے لیے کہا جائے اور توحید کی دلیلیں خوب کھول کر بیان کر دی جائیں اور شرک و کفر کی مذمت خوب واضح کر کے بتادی جائے تو وہ کسی بھی قیمت پر اپنے باپ دادوں کا دین کفر و شرک چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے ان

کا یہی ایک جواب ہوتا ہے کہ ہم اس دین اور طور طریق اور رسم و رواج کے پابند ہیں جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔ اس آیت شریفہ میں مشرکین کی یہی بات نقل فرمائی ہے اور پھر اس کی تردید کی ہے۔ تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿أَوَلَوْ كَانِ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾ ”کیا وہ اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگرچہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں۔“ باپ دادوں نے اپنی نا سمجھی سے شرک اختیار کیا غیر اللہ کی پرستش کی۔ برے رسم و رواج نکالے وہ لوگ کیسے لائق اتباع ہو سکتے ہیں؟ پھر یہ معلوم ہے کہ باپ دادوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت نہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کے پاس تھی نہ کسی نبی سے انہوں نے ہدایت حاصل کی تھی، سر اپا گرا ہی میں تھے گمراہوں کا اتباع کرنا کہاں کی سمجھ داری ہے ہاں اگر باپ دادے ہدایت پر ہوں اور انہوں نے حق کی راہ بتائی ہو تو ان کا اتباع کیا جائے جیسا کہ سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قول نقل فرمایا کہ انہوں نے اپنے جیل کے ساتھیوں فرمایا ﴿وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي﴾ ”کہ میں نے اتباع کیا اپنے باپ دادوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کی ملت کا۔“ باطل میں کسی کی بھی تقلید کرنا حلال نہیں ہے۔ البتہ جو اہل حق ہو، اللہ کے دین پر چلتا ہو اور اسی کی دعوت دیتا ہو اس کا اتباع کرنا لازم ہے جیسا کہ سورہ لقمان میں فرمایا ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ ”کہ جو شخص میری طرف رجوع ہو اس کا اتباع کرو۔“

وَمَثَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۗ صُمُّ بَكْمٌ عُمَىٰ فَمَهْمٌ لَا

يَعْقِلُونَ ﴿١٤٦﴾

اور مثال ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اس شخص کی مثال ہے جو آواز دے ایسی چیز کو جو نہ سنے سوائے پکار کے اور بلاوے کے، بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ سمجھ نہیں رکھتے۔

کافروں کی ایک مثال

صاحب روح المعانی ص ۲۸ ج ۲ لکھتے ہیں کہ مشبہ یا مشبہ بہ کی جانب میں مضاف محذوف ہے پہلی صورت میں مطلب یہ ہے کہ کافروں کو دعوت دینے والے شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ان جانوروں کے پیچھے چیخ رہا ہو جو بس پکارا اور آواز سنتے ہیں اور اس سے زیادہ کوئی بات وہ نہیں سمجھتے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں کسی نے آواز دی لیکن کیا کہا اس کو بالکل نہیں سمجھتے اور دوسری صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ کافروں کی مثال اس شخص کے جانوروں کی طرح ہے جو اپنے جانوروں کو پکارتا اور چیختا چلاتا ہے اور جانوروں کو پکار کے سوا کچھ خبر نہیں۔ (خلاصہ مطلب دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ کافر لوگ اپنی جہالت اور حماقت سے باپ دادوں کی تقلید میں لگے ہوئے ہیں حق سمجھنے اور قبول کرنے کو تیار نہیں۔ اس بارے میں وہ جانوروں کی طرح ہیں۔ حق کی آواز سنتے ہیں لیکن سب سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔ نہ ادھر اپنے ذہنوں کو متوجہ کرتے ہیں اور نہ غور و فکر کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ بالکل جانوروں کی طرح سے ہیں۔ آواز تو سنی لیکن سمجھتے کچھ نہیں۔ کافر بہرے، گونگے، اندھے ہیں:

پھر فرمایا ﴿صُمُّ بَكْمٌ عُمَىٰ فَمَهْمٌ لَا يَرْجِعُونَ﴾ کہ یہ لوگ حق سننے کو تیار نہیں بہرے بنے ہوئے ہیں، حق بولنے کو تیار نہیں گونگے بنے ہوئے ہیں۔ راہ حق پر چلنے کو تیار نہیں۔ اندھا پن اختیار کیے ہیں، اپنے حواس کھو چکے ہیں۔ لہذا حق کو ذرا بھی نہیں سمجھتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اكْمُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنَّ كُنتُمْ لِيَآئِهِ تَعْبُدُونَ ﴿١٤٧﴾

اے ایمان والو! کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو

حلال کھانے اور شکر ادا کرنے کا حکم

اس آیت شریفہ میں بھی پاکیزہ چیزوں کے کھانے کا حکم فرمایا اور اللہ پاک نے جو نعمتیں دی ہیں ان کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو تو اس کا شکر ادا کرو کیونکہ جو عبادت اس کی عظمت و کبریا کی شایان شان ہے وہ شکر کے بغیر کامل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے جو حلال رزق عطا فرمایا ہے اسے کھاؤ پیو اور شکر کرو۔ سورۃ سبأ میں فرمایا ﴿كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ﴾ ”اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔“ نعمتوں کے شکر کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اللہ کی اطاعت اور عبادت میں مشغول ہوں۔ اور اس کی نعمتوں کو گناہوں میں خرچ نہ کریں۔ ﴿مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ ”میں یہ بھی نکتہ ہے کہ دوسروں کا مال چھین کر یا چرا کر یا خیانت کر کے استعمال نہ کیا جائے کہ اللہ نے جو مال جس کسی کو دیا ہے وہ اگرچہ فی نفسہ اصول شریعت کے مطابق حلال اور طیب ہے۔ لیکن دوسروں کے لیے اسی وقت حلال اور طیب ہوگا جبکہ حلال طریقہ سے صاحب مال سے حاصل کیا ہو۔“

حرام کھانے کا وبال:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ پاک ہے اور وہ پاک ہی (مال اور قول و عمل) کو قبول فرماتا ہے۔ (پھر فرمایا کہ) بلاشبہ (حلال کھانے کے بارے میں) اللہ جل شانہ نے پیغمبروں کو جو حکم فرمایا ہے وہی مومنین کو حکم فرمایا ہے چنانچہ پیغمبروں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے رسولو! طیب چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو اور مومنین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تم کو دی ہیں ان میں سے کھاؤ، اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کا ذکر فرمایا کہ جو لمبا سفر کر رہا ہو۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہوں جسم پر گرد و غبار اٹا ہو اور آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے یارب یارب کہہ کر دعا کرتا ہو یہ شخص دعا تو کر رہا ہے اور حال یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے۔ پینا حرام ہے اور پہننا حرام ہے اور اس کو حرام غذا دی گئی ہے پس ان حالات کی وجہ سے اس کی دعا کیونکر قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۳۲۶ ج ۱)

اس حدیث میں حرام سے پرہیز کرنے اور حلال کھانے کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ اور بتایا کہ جو صدقہ حلال مال سے ہوگا وہی قبول ہوگا۔ اللہ پاک ہے اور اس کی بارگاہ میں پاک چیز ہی قبول ہو سکتی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی دو آیتیں تلاوت فرمائیں۔ پہلی آیت میں حضرات انبیاء صلی اللہ علیہم وسلم کو حکم ہے کہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک عمل کریں اور دوسری آیت میں ایمان والوں کو حکم ہے کہ اللہ کی پاک عطا کردہ چیزوں میں سے پاک چیزیں کھائیں۔ اللہ جل شانہ، نے جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے کہ حلال کھائیں، وہی حکم اپنے مومن بندوں کو دیا ہے۔ حلال کی اہمیت اور ضرورت ظاہر کرنے کے بعد آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبے سفر میں ہو اور بد حالی کی وجہ سے اس کے بال بکھرے ہوں۔ جسم پر غبار پڑا ہو اور وہ اپنی اسی بد حالی میں آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے یارب یارب کہہ کر خدائے پاک کو پکار رہا ہو اور چاہتا ہو کہ میری دعا قبول ہو جائے اس کی دعا قبول نہ ہوگی کیونکہ اس کا کھانا حرام ہے پینا حرام ہے اور لباس حرام ہے اور اس کو حرام غذا دی گئی ہے مسافر کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کی دعا خصوصیت سے قبول ہوتی ہے اور مضطرب و پریشان حال شخص کی بھی دعا قبول و مقبول ہوتی ہے۔ لیکن مسافر اور پریشان حال ہونے کے باوجود ایسے شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی جس کا کھانا پینا اور پہننا حرام ہو، آج کل بہت سی دعائیں کی جا رہی ہیں لیکن دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ لوگ شکایتیں کرتے پھرتے ہیں کہ دعاؤں کا اس قدر اہتمام کیا اور اتنی بار دعا کی لیکن دعا قبول نہیں ہوتی شکایت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنا حال دیکھیں اور اپنی زندگی کا جائزہ لیں۔ ہر شخص غور کرے کہ میں حلال کتنا کھاتا ہوں اور حرام کتنا، او کپڑے جو پہنتا ہوں وہ حلال آمدنی سے ہیں یا حرام سے اگر روزی حرام ہے یا لباس حرام ہے تو اس کو ترک کریں، خوراک اور پوشاک حدیث شریف میں بطور مثال ذکر فرمایا ہے۔ اوڑھنا بچھونا رہائش کا مکان آسائش کی چیزیں اگر حرام کی ہوں تو وہ لباس کے حکم میں ہیں ان

استعمال بھی حرام ہے۔

حرام کی کمائی کی چند صورتیں:

رشوت آج کل بہت عام ہے سب کو معلوم ہے کہ رشوت کا مال حرام ہے۔ رشوت کا نام ہدیہ یا تحفہ رکھ لیا جائے تب بھی حرام ہی رہتا ہے۔ جو لوگ حکومت کے کسی جائز شعبے میں کام کرتے ہیں اور رشوت لیتے ہیں ان کی رشوت تو حرام ہے ہی تنخواہ بھی حلال نہیں اس لیے کہ جس کام کے لیے حکومت نے ان کو دفتر میں بٹھایا ہے وہ کام انہوں نے نہیں کیا رشوت لینے کے لیے ان اصول و قواعد کے خلاف کام کرتے ہیں جو کام کرنے کے لیے مقرر کیے ہیں۔ سود کم ہو یا زیادہ عوام سے لیا جائے یا کسی بھی ادارے سے وہ سب حرام ہے اگرچہ اس کا نام نفع رکھ لیا جائے، ہر وہ ملازمت حرام ہے جس میں گناہ کیا جاتا ہو، چونکہ گناہ کرنا اور گناہ کی مدد کرنا دونوں حرام ہیں۔ اس لیے گناہ کی اجرت بھی حرام ہے اور گناہ پر مدد کرنے کی اجرت بھی حرام ہے۔ حرام چیزوں کی تجارت حرام ہے اور اس پر نفع بھی حرام ہے۔ شراب، خنزیر خون مردار گوشت، تصویریں، صورتیں ان سب چیزوں کی خرید و فروخت حرام ہے اور اس کی تنخواہ بھی حرام ہے۔ بیمہ پالیسی سراسر قمار ہے یعنی جو ہے زندگی کا بیمہ ہو یا اموال تجارت کا کارخانوں کا یا گاڑیوں کا یہ سب حرام ہے اور ان میں اپنی جمع کردہ رقم سے زائد جو کچھ ملے وہ سب حرام ہے جتنے بھی قمار کے طریقے ہیں گھوڑ دوڑ وغیرہ ان کی آمدنی سب حرام ہے۔ غصب، چوری، ڈاکہ زنی کے ذریعہ جو کچھ حاصل کیا جائے وہ سب حرام ہے۔ لوگوں کو اغواء کر کے جو ان پر رقم حاصل کی جائے وہ بھی حرام ہے۔ جو لوگ پیری مریدی کا کاروبار کرتے ہیں ان کو اہل حق اور اہل ارشاد سمجھ کر جو کچھ دیا جاتا ہے (حالانکہ وہ حقیقت میں ایسے نہیں ہیں) ان کے لیے وہ سب حرام ہے۔ میراث، شریعت کے مطابق تقسیم نہیں کی جاتی۔ جس وارث کے قبضہ میں جو مال آجاتا ہے وہی اپنا بنا کر بیٹھ جاتا ہے۔ مرنے والے کے بیٹے اپنی بہنوں کو اور ماؤں کو میراث نہیں دیتے۔ اور چونکہ میراث تقسیم نہیں ہوتی اس لیے یتیموں کے حصہ کا مال بھی خورد برد کر دیا جاتا ہے۔ شرعاً جو دوسروں کا مال ہے اس کو اپنی ملکیت اور کام میں لانا حرام ہے۔ اور نفس کی خوشی سے جو مال نہ دیا گیا ہو اگرچہ دینے والے نے بظاہر کسی دباؤ میں خاموشی اختیار کر لی ہو وہ مال بھی حرام ہے۔ یہ تھوڑی سی تفصیل زیر قلم آگئی ہے۔ حرام کے شعبے بہت ہیں۔ ہر شخص اپنی آمدنی اور اخراجات کی فکر کرے۔

حرام مال کا وبال:

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حرام آمدنی میں سے صدقہ کر دیا جائے تو باقی سب مال حلال ہو جاتا ہے۔ حرام سے صدقہ کرنا تو اور گناہ ہے۔ وہ مقبول ہی نہیں ہوتا۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ ہی کو قبول فرماتے ہیں جو صدقہ خود ہی قبول نہیں اس کے ذریعہ باقی مال کیسے حلال ہو جائے گا جو صدقہ دیا وہ بھی وبال اور جو باقی مال ہے وہ بھی وبال اور آخرت کے عذاب کا ذریعہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جو بھی کوئی بندہ حرام مال سے کسب کرے گا پھر اس میں سے صدقہ کرے گا تو وہ قبول نہ ہوگا اور اس میں سے خرچ کریگا تو اس کے لیے اس میں برکت نہ ہوگی۔ اور اپنے پیچھے چھوڑ کر جائے گا تو وہ اس کے دوزخ میں جانے کا ذریعہ ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعہ نہیں مٹاتے لیکن برائی کو نیکی کے ذریعہ مٹاتے ہیں۔ بے شک خبیث، خبیث کو نہیں مٹاتا۔ (رواہ احمد فی مشکوٰۃ ص ۲۲۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں وہ گوشت داخل نہ ہوگا جو حرام سے پلا بڑھا اور ہر وہ گوشت جو حرام سے پلا بڑھا ہو دوزخ کی آگ اس کی زیادہ مستحق ہے۔ (ایضاً) ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں وہ جسم داخل نہ ہوگا۔ جس کو حرام سے غذا دی گئی۔ (مشکوٰۃ ص ۲۲۳)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے دس درہم کا کپڑا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی کوئی بھی نماز قبول نہ فرمائے گا جب تک کہ وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا۔ (مشکوٰۃ ص ۱۲۳)

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَيْزِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ
وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۷۲﴾

اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کئے ہیں جن کے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ سو جو شخص مجبوری میں ڈال دیا جائے اس حال میں کہ باغی نہ ہو، اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے

محرمات کا اجمالی بیان اور اضطرار کا حکم

اس آیت شریفہ میں مردہ جانور (جو اپنی موت سے بغیر ذبح کیے مر جائے) اور خون اور خنزیر کا گوشت کھانے کی اور ان جانوروں کے کھانے کی حرمت بیان فرمائی ہے۔ جن پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ ان چیزوں کے کھانے کا عرب کے مشرکوں میں رواج تھا۔ اور ان کے علاوہ حلال چیزیں بھی کھاتے تھے۔ ان کے رواج میں کئی چیزوں میں جو چیزیں حرام تھیں اصولی طور پر ان کی حرمت بیان فرمائی اور لفظاً انما سے جو حصر معلوم ہو رہا ہے یہ حصر اضافی ہے۔ جو چیزیں یہاں مذکور ہیں ان کے علاوہ بھی حرام چیزیں ہیں جن کا ذکر دیگر آیات میں اور احادیث میں وارد ہوا ہے۔

سورہ مائدہ میں مزید چند حرام چیزوں کا بیان ہے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ پوری تفصیل سورہ مائدہ ہی کی تفسیر میں لکھیں گے یہاں یہ جو فرمایا کہ ﴿فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ اس کا یہ مطلب ہے کہ جو شخص بھوک سے ایسا دوچار ہو رہا ہو کہ جان پر بن رہی ہو اور اس کے پاس حلال چیزوں میں سے کھانے کو کچھ بھی نہ ہو تو وہ حرام چیزوں میں سے اپنی جان بچانے کے لیے اتنا سا کھالے جس سے موت سے بچ جائے۔ صرف اتنا ہی کھائے جس سے جان بچ جائے۔ اس سے آگے نہ بڑھے اور لذت کا طالب بھی نہ ہو۔ مثلاً اگر بھوک سے جان جا رہی ہو تو شراب پینے اور سو کھانے کی اجازت کو بہانہ بنا کر یہ نہ سوچے کہ آج اجازت مل گئی ہے۔ خوب مزے سے کھاؤں پیوں گا۔ خم کے خم چڑھا لوں گا اور پیٹ بھر کر خنزیر کا گوشت کھا لوں گا۔ پھر کبھی موقع ملے یا نہ ملے، ایسا آدمی باغی اور عادی یعنی حد سے بڑھنے والا ہے۔ اگر طلب لذت کے لیے کھائے گا یا ضروری مقدار سے زیادہ کھائے گا تو گنہگار ہوگا۔ اور ﴿لَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ فرما کر یہ بتایا کہ جان بچانے کی مجبوری میں تھوڑا سا کھانے کی جو اجازت ہے وہ درجہ معافی میں ہے یوں نہ کہا جائے گا کہ یہ چیز حلال ہوگئی۔ یوں کہیں گے کہ اس کا کھانا حلال ہو گیا۔ حرام اپنی جگہ حرام ہی ہے۔ بہت سے لوگ یورپ امریکہ اور آسٹریلیا میں بلا تکلف شراب پیتے ہیں، اور خنزیر کھاتے ہیں۔ اور ان جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں جو شرعی طریقے پر حلال نہیں کیے گئے اور جب ان سے بات ہوتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم مجبور ہیں۔ اور لفظ فَمَنْ اضْطُرَّ کا سہارا لیتے ہیں۔ حالانکہ اضطرار اور مجبوری ان کو کہیں سے کہیں تک بھی نہیں ہے۔ ان ملکوں میں سینکڑوں قسم کی چیزیں ملتی ہیں۔ مچھلی بھی ہے۔ انڈے بھی ہیں۔ دودھ بھی ہے اور انتظام کرنے سے حلال گوشت بھی مل جاتا ہے۔ ایسی حالت میں حرام کھانا پینا کسی طرح بھی حلال نہیں ہے اور بالفرض واقعی کوئی شخص مجبور ہو جس کی جان ہی جا رہی ہو کھانے کو کچھ بھی نہ مل رہا ہو وہ جان بچانے کے لیے ذرا سا کھا سکتا ہے۔ یہ پیٹ بھر بھر کر روزانہ حرام کھانا اور پینا اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں، بعض لوگوں نے بتایا کہ ہم تو سور کا گوشت بسم اللہ پڑھ کر کھا لیتے ہیں العیاذ باللہ، بسم اللہ پڑھنے سے حرام حلال نہیں ہو جاتا بلکہ حرام پر بسم اللہ پڑھنے سے ایمان سلب ہو جانے کا خطرہ ہے۔ پھر یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ مسلمان کو کسی ایسے ملک میں رہنے کی کیا مصیبت ہے جہاں حلال نہ ملتا ہو۔ حرام ہی کھانا پڑتا ہو طلب دنیا کے جذبات ہی ایسے ملکوں میں لے جاتے ہیں اور حرام کھلاتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ شِمًا قَلِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۗ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۴۳﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْغُفْرَةِ ۗ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۴۴﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۱۴۵﴾

بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس چیز کو جو اللہ نے نازل فرمائی یعنی کتاب، اور خریدتے ہیں اس کے بدلہ تھوڑی قیمت تو یہ لوگ ہیں جو نہیں بھرتے اپنے پیٹوں میں مگر آگ، اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہ کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لیا گمراہی کو ہدایت کے بدلے، اور عذاب کو مغفرت کے بدلے، سو وہ کس قدر صبر کرنے والے ہیں آگ پر، یہ اس وجہ سے کہ بے شک اللہ نے نازل فرمایا کتاب کو حق کے ساتھ، اور بے شک جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا بے شک وہ بڑی دور کی خلاف ورزی میں ہیں

کتاب اللہ کی تحریف کرنے والوں کا انجام

ان آیات میں اللہ کی نازل فرمودہ کتاب کو چھپانے اور اس میں تحریف و تبدیل کرنے اور غلط تفسیر بتانے اور پھر اس کو دنیاوی معاوضہ کا ذریعہ بنانے کی مذمت کی گئی ہے۔ اسباب النزول میں (ص ۴۴) علامہ واحدی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے رؤسا اور علماء کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے نیچے کے لوگوں سے ہدایا وصول کرتے تھے اور وہ یہ امید باندھے ہوئے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ ان میں سے ہوں گے۔ لیکن جب نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت ہو گئی جو ان کے قبائل میں سے نہیں ہیں تو ان کی صفات کو بدل دیا جو تورات میں پاتے تھے اور دوسری صفات بتادیں جو توریت میں نہیں تھیں تاکہ ان کے عوام نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان نہ لائیں اور ان کی ریاست باقی رہے اور رشوت ملتی رہے۔ اس سے پہلے بھی اللہ کی کتاب کے مضامین کو چھپانے پر وعید مذکور ہوئی تھی۔ یہود کے علماء میں یہ مرض بہت زیادہ تھا۔ دوبارہ اس مضمون کا اعادہ فرمایا اور ان کو توجہ دلائی کہ حقیر دنیا کے حقیر مال کے لیے جو حرکتیں کرتے ہو آخرت میں اس کا نتیجہ بہت برا ہوگا۔ یہ حرکتیں دوزخ میں لے جانے والی ہیں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ گو اس دنیا میں کھانے پینے کی چیزوں سے پیٹ بھرتے ہیں لیکن یہ پیٹ بھرنا دوزخ کی آگ کے انگارے پیٹ میں بھرے کا ذریعہ بنے گا۔ یہ لوگ دنیاوی غذا نہیں کھا رہے ہیں بلکہ اپنے پیٹوں میں دوزخ کے انگارے بھر رہے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا غصہ بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے مہربانی کے ساتھ بات بھی نہ فرمائے گا اور ان کو پاک بھی نہ کرے گا۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ۗ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ
السَّبِيلِ ۗ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۗ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ ۗ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا
عَاهَدُوا ۗ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۗ وَأُولَٰئِكَ

هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۴۶﴾

نیکی اس میں نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لیا کرو۔ لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں پر، اور اپنا مال دے اس کی محبت ہوتے ہوئے قرابت والوں کو اور یتیموں کو، اور مسکینوں کو، اور مسافروں کو، اور سوال کرنے والوں کو، گردنوں کے چھڑانے میں، اور قائم کرے نماز کو اور ادا کرے زکوٰۃ، اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو جب کہ وہ عہد کریں۔ اور صبر کرنے والے ہیں سختی میں اور تکلیف میں اور جنگ کے موقعہ پر۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے سچائی کی راہ اختیار کی اور یہی لوگ متقی ہیں۔

اعمال حسنہ اور اخلاق عالیہ کا بیان

یہ آیت کریمہ ان آیات میں سے ہے جن میں بہت سے اعمال حسنہ اور اخلاق عالیہ کو ایک ہی جگہ جمع فرما دیا ہے۔ باب النقول ص ۲۳ میں بحوالہ مصنف عبدالرزاق حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہودی مغرب کی جانب نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مشرق کی طرف (اور اپنے اپنے قبلہ پر چمکنے ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے اور ایمان قبول نہ کرتے تھے) لہذا آیت ﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ﴾ (الایۃ) نازل ہوئی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے نیکی (کی تفصیلات) کے بارے میں سوال کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی آپ نے اس شخص کو بلایا اور آیت کریمہ پڑھ کر اسے سنادی۔

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں (ص ۲۰۷ ج ۱) کہ جب پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا پھر کعبہ شریف کو قبلہ قرار دے دیا گیا تو اہل کتاب اور بعض مسلمانوں کو شاق گزرا اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کی حکمت نازل فرمائی کہ کوئی جہت مقصود بالذات نہیں ہے۔ بندوں کا مقصود یہ کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں اس کے حکموں کو مانیں جدھر رخ کرنے کا حکم ہو ادھر رخ کر لیں۔ بس یہ نیکی اور تقویٰ ہے اور ایمان کامل کا تقاضا ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق عمل ہو جائے، مشرق یا مغرب کو رخ ہو عند اللہ یہ کوئی چیز نہیں۔ حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا یہ نیکی نہیں ہے کہ نماز پڑھا کرو اور دوسرے احکام پر عمل نہ کرو، اور ضحاک کا یہ قول نقل کیا ہے۔ وَلٰكِن الْبِرُّ وَالتَّقْوٰی اَنْ تُوَدُّوا الْفِرَاقِ عَلٰی وَجْهِمَا یعنی نیکی اور تقویٰ یہ ہے کہ تمام فرائض کو حکم کے مطابق صحیح طریقے پر پورا پورا ادا کرو۔

اس آیت میں بہت سے نیک کام مذکور ہیں۔ سب سے پہلے تو ایمان کا ذکر فرمایا اور اصول و عقائد بتا دیئے۔ ایمان وہ چیز ہے جس کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ ایمان تو لاتے نہیں تھے اور اپنے اپنے قبلہ کی طرف رخ کرنے ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اصلی نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ تعالیٰ کی سب کتابوں پر اور اس کے سب نبیوں پر۔ جو شخص ان چیزوں پر ایمان لائے گا اللہ کی کسی کتاب یا اس کے کسی رسول کی تکذیب نہ کرے گا اور رسولوں کے درمیان تفریق نہ کرے گا وہ مومن ہوگا پھر ایمان کے تقاضوں کے مطابق جو اعمال کرے گا اور جو اموال خرچ کرے گا اور جو اقوال اس سے صادر ہوں گے وہ سب نیکی اور تقویٰ میں شمار ہوں گے۔

اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنا:

اصول و عقائد بتانے کے بعد مال خرچ کرنے کی عمومی مددیں ذکر فرمائیں۔ اور مال کی محبت ہوتے ہوئے رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو مال دینا نیکی میں شمار فرمایا۔ اور جو ایسے غلام ہیں جن سے ان کے آقاؤں نے کتابت کا معاملہ کر لیا۔ (یعنی ان سے کہہ دیا کہ اتنا مال لا کر دے دو تو آزاد ہو) ان کی گردنوں کے آزاد کرانے میں مال خرچ کرنے کو نیک کاموں میں ذکر فرمایا۔ لفظ ﴿عَلٰی حُبِّہ﴾ میں جو ضمیر مجرور مضاف الیہ ہے اس کا مرجع مفسرین نے مال کو قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی احتمال نکالا ہے کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اپنے مال کو جوہ خیر میں خرچ کرتے ہیں۔ لیکن پہلا معنی دوسرے معنی کو شامل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص مال کی محبت ہوتے ہوئے مذکورہ وجوہ میں خرچ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ ہی کی محبت میں خرچ

کرے گا۔

افضل الصدقہ:

صحیح بخاری ص ۱۹۱ ج ۱ میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا صدقہ ثواب کے اعتبار سے سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو ایسے وقت میں صدقہ کرے جب تو تندرست ہو اور خرچ کرتے ہوئے نفس کنجوس بن رہا ہو۔ تجھے تنگدستی کا ڈر ہو اور مالدار کی امید لگائے بیٹھا ہو، اور صدقہ کرنے میں تو اتنی دیر نہ لگا کہ جب روح حلق کو پہنچے لگے تو کہنے لگے کہ فلاں کو اتنا دینا اور فلاں کو اتنا دینا (اب تیرے دینے اور اعلان کرنے سے کیا ہوگا) اب تو فلاں کا ہو ہی چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صدقہ کرنے کا سب سے بڑا مرتبہ یہ ہے کہ تندرستی کے وقت (جب کہ مرض الموت میں مبتلا نہیں ہے) اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ اس وقت خرچ کرتا ہے تو نفس یوں کہتا ہے کہ خرچ نہ کرو پھر بھی نفس کے تقاضے کو دبا کر خرچ کرتا ہے۔ نفس کہتا ہے کہ خرچ کرو گے تو تنگدستی آجائے گی۔ اور مالدار بننے میں دیر لگے گی۔ پہلے خوب مالدار ہو جاؤ پھر خرچ کرنا لیکن خرچ کرنے والا نفس کی کوئی بات نہیں مانتا اللہ کی رضا کے لیے وجوہ خیر میں خرچ کرتا چلا جاتا ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ موت کے وقت صدقہ کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں کو اتنا دینا، فلاں کو اتنا دینا اس کی وہ حیثیت نہیں رہتی جو تندرستی میں خرچ کرنے کی تھی اب دوسروں کو کیا دے رہے ہو اب تو دوسروں کا ہو ہی چکا۔

رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت:

مال خرچ کرنے کے مصارف خیر بتاتے ہوئے پہلے ﴿ذَوِي الْقُرْبَىٰ﴾ کا ذکر فرمایا، عربی زبان میں ذوی القربیٰ رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے۔ سنن الترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین کو صدقہ دینے میں صرف صدقہ کا ثواب ہے اور جس سے رحم کا رشتہ ہو اس کو صدقہ دینے میں (دوہرا) ثواب ہے۔ (کیونکہ وہ) صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے۔ رشتہ داروں میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا رشتہ ماں باپ کا اور اپنی اولاد کا ہے، ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا جگہ جگہ حکم دیا گیا ہے اور بیوی پر اور اولاد پر خرچ کرنے کی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے۔ ان رشتوں کے تعلق سے طبعی تقاضے کے باعث سب ہی خرچ کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نہ صرف والدین اور اولاد بلکہ دور اور نزدیک کے دوسرے رشتہ داروں پر خرچ کرنے میں بھی ثواب رکھا ہے۔ اللہ کی رضا مقصود ہو، ریا کاری نہ ہو، جن پر خرچ کرے ان پر احسان نہ جتائے۔ طعن و تشنیع نہ کرے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل خرچ کرنا اس دینار کا ہے جو تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے اور وہ دینار جسے تو اپنے ساتھیوں پر جہاد میں خرچ کرے (یعنی سب سے زیادہ افضل صدقہ ہے)۔ (صحیح مسلم ص ۳۲۲ ج ۱)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان آدمی کا اپنے گھر والوں پر ثواب سمجھتے ہوئے خرچ کرنا صدقہ ہے۔ (یعنی اس میں بھی ثواب ہے) (صحیح بخاری ص ۳۲۲ ج ۱) بلکہ خرچ کرنے میں ان لوگوں کا سب سے پہلے دھیان رکھنے کا حکم فرمایا جو اپنے عیال میں ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۰)

یتیموں پر مال خرچ کرنے کی فضیلت:

ذوی القربیٰ کے بعد یتامیٰ پر خرچ کرنے کا ذکر فرمایا۔ یہ یتیم کی جمع ہے۔ یتیم ان نابالغ بچوں کو کہا جاتا ہے جن کا باپ زندہ نہ ہو۔ عموماً ایسے بچے حاجت مند ہوتے ہیں۔ ان پر خرچ کرنے کا خصوصی خیال رکھا جائے۔ اخراجات کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی ان کی دلداری کی جائے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ایسا کیا تو ہر بال جس پر اس کا ہاتھ گزرے گا اس کے عوض نیکیاں ملیں گی اور صحیح بخاری ص ۸۸۸ ج ۲ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کر نیوالا جنت میں اس طرح ساتھ ہوں گے۔ اس موقع پر آپ نے اپنی انگلیاں (انگوٹھے کے پاس والی اور بیچ والی)

ساتھ ملا کر دکھائیں۔ آج کل لوگوں میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ وہ یتیموں پر اپنا مال تو کیا خرچ کرتے انہیں کا مال کھا جاتے ہیں۔ باپ کی میراث میں سے جو حصہ ان کو ملتا ہے اس کو دبا لیتے ہیں۔ اپنے نام یا اپنی اولاد کے نام کر دیتے ہیں۔ یتیم کے مال پر قبضہ کرنے سے ذرا نہیں چھککتے۔ مساکین پر مال خرچ کرنا:

پھر مساکین پر مال خرچ کرنے کا ذکر فرمایا، جن لوگوں کے پاس کچھ بھی نہ ہو ان کو مسکین کہا جاتا ہے۔ ان میں بہت سے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی حاجت کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے، دکھ، تکلیف میں بھوکے پیاسے وقت گزار لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر خرچ کرنے کا بہت زیادہ ثواب ہے۔ جن کو سوال کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ تو سوال کر کے اپنی حاجت پوری کر لیتے ہیں۔ لیکن آبرو مند آدمی سوال نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کی تلاش رکھنی چاہیے۔ صحیح بخاری ص ۲۰۰ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے جو (سوال کرنے کے لیے) لوگوں کے پاس چکر لگاتا ہے۔ جسے ایک لقمہ اور دو لقمہ یا ایک کھجور اور دو کھجوریں واپس کر دیتی ہیں۔ یعنی کوئی دیتا ہے کوئی نہیں دیتا۔ (لیکن واقعی مسکین وہ ہے، جو ایسی چیزیں نہیں پاتا جو اسے بے نیاز کرے اور اس کا پتہ بھی نہیں چلتا تا کہ اس پر صدقہ کیا جائے اور وہ سوال کرنے کے لیے بھی کھڑا نہیں ہوتا۔

سورہ بلد میں فرمایا ﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مَسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ سو کیوں وہ گھائی میں سے ہو کر نہ نکلا اور اے مخاطب تجھے معلوم ہے گھائی کیا ہے؟ گردن کا چھڑا نالیا بھوک کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم یا کسی خاک نشین کو کھانا کھلانا، اس میں غلاموں کی آزادی میں مدد دینے اور یتیم اور مسکین کو کھانا کھلانے کو گھائی کے پار کرنے سے تعبیر فرمایا۔ کیونکہ یہ چیزیں نفس پر شاق ہیں۔

مسافر پر مال خرچ کرنا:

پھر ابن سبیل پر خرچ کرنے کا ذکر فرمایا۔ عربی زبان میں ابن سبیل مسافر کو کہا جاتا ہے۔ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ مسافر کے پاس سفر میں خرچہ ختم ہو جاتا ہے یا مال چوری ہو جاتا ہے۔ یا جب تراش کر رقم نکال لی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کا حال معلوم ہو جائے تو ان پر خرچ کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ یہ لوگ حاجت کا اظہار کریں تب ہی دیا جائے۔ کسی طرح بھی ان کی حاجت معلوم ہو جائے تو ان کی مدد کر دی جائے۔ مسافر کے گھر پر جس قدر بھی مال ہو اور اپنے اموال و املاک و جائداد کی وجہ سے غنی ہو لیکن سفر میں حاجت مند ہو گیا تو اس پر خرچ کر کے ثواب لیا جائے۔

سوال کرنے والوں کو دینے کا حکم:

پھر سوال کرنے والوں کو دینے کا ذکر فرمایا۔ ان لوگوں میں کئی قسم کے لوگ ہوتے ہیں ان میں واقعی ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔ ان کو دینا ہی چاہیے اور ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے بارے میں یقین تو نہیں کہ وہ حاجت مند ہوگا لیکن اس کے ظاہر حال اور غالب گمان سے ضرورت مند ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ان کو بھی دینا درست ہے۔

بھیک مانگنے کا پیشہ اختیار کرنے کی ممانعت:

مجبوری میں بھوک دفع کرنے یا اور کسی حاجت کے پورا کرنے کے لیے کوئی مانگ لے تو گنجائش ہے۔ لیکن اس کو پیشہ بنا لینا کسی طرح بھیک درست نہیں۔ جن کو سوال کی عادت ہوتی ہے وہ مانگتے رہتے ہیں۔ مال جمع کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نہ دیا جائے۔ دنیا میں تو سوال کرنے والے بن کر بے آبرو ہوتے ہی ہیں۔ قیامت کے دن بھی بے آبرو ہوں گے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس نے لوگوں سے

یعنی غلام آزاد کرنا۔

کے مالوں کا سوال اس لیے کیا کہ مال زیادہ جمع ہو جائے تو وہ آگ کے انگاروں کا سوال کرتا ہے (جو دوزخ میں اسے ملیں گے) اب چاہے کم کرے یا زیادہ کرے۔ (رواہ مسلم ص ۳۳۳ ج ۱) اور رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ انسان دنیا میں برابر سوال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہوگی۔ (صحیح بخاری ص ۱۹۹ ج ۱)

اس کا چہرہ دیکھ کر لوگ سمجھ لیں گے کہ یہ دنیا میں سائل تھا وہاں اپنے چہرے کی آبرو کھوئی تو یہاں بھی اسی کا ظہور ہوا۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غنی کو اور ٹھیک ٹھاک بدن والے قوی آدمی کو سوال کرنا حلال نہیں ہے۔ الا یہ کہ ایسا مجبور ہو کہ تنگدستی نے اسے مٹی میں ملا رکھا ہو (یعنی زمین کی مٹی کے سوا اس کے پاس کچھ نہ ہو) یا قرضے میں مبتلا ہو گیا ہو جو ذلیل کرنے والا ہو، اور جس شخص نے مال زیادہ کرنے کے لیے لوگوں سے سوال کیا تو قیامت کے دن اس کا چہرہ چھلا ہوا ہوگا اور یہ مال گرم پتھر بنا ہوگا۔ جس کو جہنم سے لیکر کھاتا ہوگا۔ اب جی چاہے تو کمی کرے اور چاہے تو زیادتی کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۳)

ہر شخص کو اپنی اپنی ذمہ داری بتادی گئی۔ مانگنے والا مانگنے سے پرہیز کرے اور جس سے مانگا جائے وہ موقع دیکھ کر خرچ کرے۔ سائل کو جھڑکے بھی نہیں۔ کیا معلوم مستحق ہی ہو اور غور و فکر بھی کرے حاجت مندوں کو تلاش بھی کرے۔ مسئلہ: جو شخص مسجد میں سوال کرتا ہوا سے نہ دے۔

غلاموں کی آزادی میں مال خرچ کرنا:

مال خرچ کرنے کے سلسلہ میں سب سے آخر میں ﴿وَفِي الرِّقَابِ﴾ فرمایا رقاب، رقبتہ کی جمع ہے۔ رقبتہ گردن کو کہتے ہیں۔ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں (ص ۲۰۸ ج ۱) کہ فی الرقاب سے مکاتبوں کے آزاد کرانے میں مدد دینا مراد ہے، جو غلام کسی کی ملکیت میں ہو اور اس کا آقا کہہ دے کہ اتنا مال دے دو تو تم آزاد ہو اس کو مکاتب کہا جاتا ہے۔ ان کو مال دے کر آزاد کر دینا بھی وجوہ خیر میں سے ہے اور ثواب کا کام ہے۔ مفسر بیضاوی لکھتے ہیں ص ۲۴۱ ج ۱ کہ قیدیوں کی جانوں کا فدیہ دے کر ان کا چھڑالینا یا غلام خرید کر آزاد کر دینا بھی اس کے عموم میں شامل ہے۔ (جب کبھی مسلمان اللہ کے لیے جنگ کرتے تھے اور شریعت کے مطابق جہاد اور قتال ہوتا تھا۔ اس وقت غلام اور باندیوں کے مالک ہوتے تھے۔ اب نہ اللہ کے لیے جہاد ہے نہ غلام ہیں نہ باندیاں ہیں۔ کوئی انسان کسی انسان کا مالک نہیں ہے۔ پھر جب کبھی مسلمان اللہ کے لیے جنگ کریں گے اور اصول شریعت پر لڑیں گے تو پھر غلام باندیاں قبضہ میں آئیں گی)۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا:

مال خرچ کرنے کے مواقع ذکر فرما کر فرمایا ﴿وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَأَتَى الزَّكَاةَ﴾ یعنی تقویٰ کے کاموں میں یہ بھی ہے کہ فرض نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا بیان پہلے بھی آچکا ہے۔ اوپر مال کے مصارف خیر بیان فرما کر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو بھی ذکر فرمایا۔ مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ پہلے مصارف زکوٰۃ بیان کیے اور پھر زکوٰۃ کی ادائیگی پر متوجہ فرمایا پھر لکھتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے جو وجوہ خیر بیان کی ہیں ان سے نفلی صدقات مراد ہوں (اور نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر فرمانے میں اس کی فرضیت بتانا مقصود ہو)۔

عہد پورا کرنا:

نیکی اور تقویٰ کے کام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَالْمُؤْفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا﴾ (اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے جبکہ وہ عہد کر لیں)۔ ایفائے عہد کی شریعت مطہرہ میں بڑی اہمیت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا ہو اور یہ نہ فرمایا ہو کہ ﴿إِلَّا لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ﴾ (خبردار اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵۵ عن شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے اندر چار خصلتیں ہوں گی حالص منافق

ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہوگی تو یوں مانا جائے گا کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک کہ اسے چھوڑ نہ دے۔

(۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

(۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

(۳) جب عہد کرے تو دھوکہ دے۔

(۴) جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ (صحیح بخاری ص ۱۰ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ دھوکہ دینے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی دھوکہ بازی (کا جھنڈا) ہے اور اس جھنڈے کے ذریعہ اسے پہچانا جائے گا۔ (صحیح بخاری ص ۴۵۲ ج ۱)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ دینے والے کے لیے ایک جھنڈا ہوگا جو اس کے پیچھے اس کے دھڑ پر کھڑا ہوگا، اور جتنا بڑا اس کا غدر ہوگا اسی قدر وہ جھنڈا اونچا ہوگا (پھر فرمایا) خبردار اس سے بڑھ کر بڑا دھوکہ باز کوئی نہیں جو عوام کا امیر ہو، اور عوام کو دھوکہ دے۔ (صحیح مسلم ص ۸۳ ج ۲)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بندہ کو اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا راعی بنا دے۔ (یعنی صاحب اقتدار بنا کر عوام کی نگرانی اور خیر خواہی اس سے سپرد کر دے) پھر وہ اس کی خیر خواہی نہ کرے تو وہ شخص جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۵۸ ج ۲)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص مسلمانوں کی کسی جماعت کا والی ہو اور ان کی نگرانی اور نگہداشت اس کے ذمہ ہو پھر وہ اس حال میں مر جائے کہ وہ ان کے ساتھ خیانت کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام فرما دے گا۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۵۹ ج ۳)

جو لوگ بڑے بڑے وعدے کر کے حکومت حاصل کرتے ہیں یا حکومت کے چھوٹے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں پھر وہ عوام کے ساتھ غدر کرتے ہیں اور سارے عہد و پیمان توڑ دیتے ہیں ان لوگوں کے حق میں یہ کیسی سخت وعیدیں ہیں غور کر لیں۔

مسئلہ: اگر کافروں سے کوئی معاہدہ ہو تو اس کا پورا کرنا بھی لازم ہے جب کسی قوم سے معاہدہ ہو اور ان کی طرف سے خیانت کا ڈر ہو اور اس کے ختم کرنے میں مصلحت ہو تو پہلے یہ بتادیں کہ ہمارا عہد باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد کوئی نئی کارروائی کر سکتے ہیں جو معاہدہ کی شرطوں کے خلاف ہو۔ سورہ انفال میں ارشاد فرمایا ﴿وَأَمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ﴾ اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجیے کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کر نیوالوں کو پسند نہیں فرماتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا جس سے (امان اور حفاظت جان کا وعدہ تھا) تو وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔ (صحیح بخاری ص ۴۴۸ ج ۱)

صابرین کی فضیلت:

پھر صبر والوں کی تعریف فرمائی اور فرمایا ﴿وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ﴾ اس میں سختی اور تکلیف کے زمانہ میں صبر کرنے کو نیکی اور تقویٰ والے کام بتایا ہے اور جنگ کے وقت جب کافروں سے مقابلہ ہو اس وقت جم کر ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنے کو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں شمار فرمایا ہے۔ سورہ انفال میں فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ اے ایمان والو! جب تم کسی جماعت سے مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو۔ امید ہے کہ تم

کامیاب ہو جاؤ۔

سورۃ صف میں فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَانَهُمْ بَنِيَانٌ مَّرْصُوصٌ﴾ ”بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے جس میں سیسہ پلایا گیا ہو۔“
 آخر میں فرمایا ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ ”کہ یہ حضرات جن کی صفات او پر مذکور ہوئیں وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان میں سچے ہیں (کیونکہ ایمان قلبی کے ساتھ ایمان کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں) اور یہ لوگ تقویٰ والے بھی ہیں۔ (کیونکہ حرام سے بچتے ہیں، اور گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں)۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ ۗ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ
 وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۗ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ
 ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۵۹﴾ وَلَكُمْ فِي
 الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۶۰﴾

اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا مقتولین کے بارے میں آزاد کو آزاد کے بدلہ۔ اور غلام کو غلام کے بدلہ، اور عورت کو عورت کے بدلہ، سو جس شخص کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی کر دی جائے تو بھلائی کے ساتھ اس کا مطالبہ ہو اور اچھے طریقے پر اس کی ادائیگی ہو۔ یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے۔ پھر جس نے اس کے بعد زیادتی کی تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے اور تمہارے لیے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقل والو! تاکہ تم پرہیز کرتے رہو۔

قصاص اور دیت کے بعض احکام

جب کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو اس کی جان کا بدلہ جو جان سے دیا جاتا ہے قرآن و حدیث میں اس کو قصاص کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ قصاص قتل عمد (یعنی قصداً جان کو قتل کرنے) میں ہوتا ہے۔ جس کی تفصیلات کتب فقہ میں مرقوم ہیں۔ لفظ قصاص مماثلت یعنی برابری پر دلالت کرتا ہے چونکہ جان کا بدلہ جان سے رکھا گیا ہے اس لیے اس میں حاکم محکوم صغیر کبیر اور امیر و غریب میں کوئی فرق نہیں اور قبیلوں اور قوموں کے اعتبار سے جو دنیا میں امتیاز سمجھا جاتا ہے قصاص کے قانون میں اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر مقتول کے اولیاء سب یا کوئی ایک وارث جان کے بدلہ مال لینے پر راضی ہو جائے تو اس مال کو دیت (خون بہا) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو خطاً قتل کر دے (جس کی کئی صورتیں ہیں اور جس کے احکام سورہ نساء میں مذکور ہیں) تو اس کے عوض مال واجب ہوتا ہے اس مال کو بھی دیت کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے اعضاء میں سے کسی عضو کو کاٹ دے تو اس میں بھی بعض صورتوں میں قصاص اور بعض صورتوں میں دیت واجب ہوتی ہے۔ اعضاء کی دیت کو ارش بھی کہا جاتا ہے۔ اعضاء کے قصاص کا ذکر سورہ مائدہ میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں قصاص نفس کے بعض احکام ذکر فرمائے ہیں۔ لباب النقول میں حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ زمانہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عرب کے دو قبیلے آپس میں برسر پیکار رہتے تھے اور ان میں کشت و خون کی وارداتیں ہوتی تھیں۔ غلام اور عورتوں تک کو قتل کر بیٹھے تھے۔ ابھی تک ان کے آپس کے قصاص یا دیت کے فیصلے نہ ہونے پائے تھے کہ دونوں قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا ان میں سے ایک قبیلہ دوسرے کے مقابلہ میں اپنے کو زیادہ صاحب عزت اور رفعت سمجھتا تھا اس لیے انہوں نے قسم کھائی کہ ہم راضی نہ ہوں گے جب تک کہ ہمارے غلام کے بدلہ آزاد کو قتل نہ کیا جائے اور ہماری عورت

کے بدلہ دوسرے قبیلہ کا مرد قتل نہ کیا جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں ارشاد فرمایا کہ آزاد، آزاد کے بدلہ اور غلام، غلام کے بدلہ اور عورت، عورت کے بدلہ قتل کی جائے۔ اس شان نزول سے معلوم ہو گیا کہ ﴿الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ﴾ اور ﴿الْأَنْثَىٰ بِالْأَنْثَىٰ﴾ کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ غلام کے بدلہ آزاد قتل نہ ہو اور عورت کے بدلہ مرد قتل نہ ہو۔ سورہ مائدہ میں جو ﴿إِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾ فرمایا ہے۔ اس میں ہر جان کو دوسری جان کے برابر قرار دیا ہے۔ مفسر ابن کثیر ص ۲۰۹ ج ۱ نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اہل عرب مرد کو عورت کے بدلہ قتل نہیں کرتے تھے بلکہ مرد کو مرد کے بدلہ اور عورت کو عورت کے بدلہ قتل کرتے تھے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے ﴿إِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ کا حکم نازل فرمایا۔

قصاص وارثوں کا حق ہے:

قتل عمد (جس میں قصاص ہے) اس میں قصاص لینا مقتول کے وارثوں کا حق ہے۔ مقتول کے جتنے بھی شرعی وارث ہوں وہ سب قصاص کے مستحق ہیں لیکن چونکہ قصاص قابل تقسیم نہیں ہے اس لیے اگر کوئی بھی ایک وارث اپنا حق قصاص معاف کر دے تو اب دوسرے وارث بھی قصاص نہیں لے سکتے اور اب وہ دیت ہی لے سکتے ہیں۔ اور جس نے قصاص معاف کر دیا اب وہ بھی دیت لے گا۔ ہاں اگر اس نے اپنے حصہ کی دیت بھی معاف کر دی تو وہ بھی معاف ہو جائے گی۔ ایک جان کی دیت سواوٹ ہیں۔ جس کی تفصیل انشاء اللہ سورہ نساء کی آیت ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً﴾ کی تفسیر میں بیان ہوگی۔ اگر قاتل اور مقتول کے ورثاء آپس میں مال کی کسی مقدار معلوم پر صلح کر لیں تب بھی قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ اور جو مال مصالحت یا دیت کے طور پر وصول ہو مقتول کے وارث شرعی میراث کے حصوں کے مطابق اس کے مالک اور وارث ہوں گے۔ یہ دیت کے طور پر مصالحت کے ذریعہ مال لینا فریقین کی رضامندی سے ہو سکتا ہے۔

قصاص کے عوض مال لینے کی مشروعیت امت محمدیہ کے لیے تخفیف اور رحمت ہے

قتل عمد کی صورت میں باہمی رضامندی سے قصاص کے عوض مال دے کر قاتل کی جان بچا دینا اور دیت کا حلال ہونا یا بطور مصالحت کے کچھ مال لے لینا یہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخفیف ہے اور خاص رحمت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل پر قصاص ہی فرض تھا۔ دیت ان کے لیے مشروع نہ تھی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر رحم فرمایا کہ ان کو دیت لینے کا حق دیا اور اس امت سے پہلے دیت حلال نہیں تھی۔ اہل توریت پر صرف قصاص فرض تھا اور دیت مشروع نہ تھی اور اہل انجیل کو معاف کر دینے ہی کا حکم تھا۔ اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے قصاص اور معافی اور دیت تینوں چیزیں مشروع فرمادیں۔ (ابن کثیر ص ۲۱۰ ج ۱)

جب کوئی ایک وارث یا سب وارث خون معاف کر دیں یا دیت پر راضی ہو جائیں اور دیت کا دینا واجب ہو جائے یا مصالحت کے ذریعہ آپس میں کچھ مال دینا طے ہو جائے تو اب مقتول کے ورثاء کو چاہیے کہ حسن مطالبہ کریں اور سختی اور تشدد سے کام نہ لیں۔ ﴿فَاتَّبِعُوا بِالْمَعْرُوفِ﴾ میں اسی کا حکم فرمایا ہے اور قاتل پر لازم ہے کہ بغیر مال مٹول کے اور بغیر تقاضوں کے وارثوں کو طے شدہ مال ادا کر دے۔ ﴿وَأَدَاءُ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ میں اسی کا حکم دیا ہے۔ جب آپس میں معاملات طے ہو گئے تو دونوں فریقوں میں سے جو شخص بھی زیادتی کرے گا وہ آخرت میں عذاب الیم میں گرفتار ہوگا۔ اسے سخت عذاب دیا جائے گا۔ مثلاً قاتل اگر دیت پر معاملہ کر کے دیت دینے سے انکاری ہو جائے کہیں چھپ جائے، فرار ہو جائے تو یہ اس کی طرف سے ظلم اور زیادتی ہے اور مثلاً مقتول کے اولیاء دیت لیکر بھی قتل کر دیں تو یہ ان کی طرف سے ظلم اور زیادتی ہوگی۔ ہر فریق کے لیے عذاب دوزخ ہے۔ حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے کہ جس شخص کا کوئی خونی نقصان ہو جائے (یعنی اس کا کوئی عزیز عمد قتل کر دیا جائے یا زخم پہنچ جائے تو اسے تین چیزوں کا اختیار ہے۔

قصاص لے لے یا معاف کر دے یا دیت لے لے اس کے سوا اگر کوئی چوتھا کام کرنا چاہے تو اس کے ہاتھ پکڑ لو، ان میں سے کسی چیز کو اختیار کرنے کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لیے دوزخ ہے اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰۱)

قانون قصاص میں بڑی زندگی ہے:

قصاص کا قانون جاری کرنے اور اس کو عملاً نافذ کرنے میں بہت بڑی زندگی ہے۔ اس مضمون کو ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ﴾ میں بیان فرمایا ہے قصاص میں بظاہر قاتل کی موت ہے لیکن اسے امت کے حق میں بڑی حیات فرمایا کیونکہ جب قصاص کا قانون نافذ ہوگا تو قاتل بھی قتل کرنے سے بچے گا اور ہر شخص کے کنبہ اور قبیلے کے لوگ اس بات کے فکر مند رہیں گے کہ ہمارے کسی فرد سے کوئی شخص قتل نہ ہو جائے۔ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ائمہ اربعہ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو چند آدمی مل کر قتل کر دیں تو ان سب کو اس ایک مقتول کے عوض قتل کیا جائے گا۔ (ص ۲۱۰ ج ۱)

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ پانچ یا سات آدمیوں نے کسی ایک شخص کو تنہائی میں پوشیدہ طور پر قتل کر دیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پانچوں یا ساتوں کو ایک شخص کے قصاص میں قتل کر دیا اور فرمایا کہ اگر شہر صنعا کے سارے آدمی مل کر بھی شخص واحد کو قتل کرتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔ (رواہ مالک وروی البخاری عن ابن عمر نحوہ کما فی المشکوٰۃ ص ۳۰۲)

قصاص عین عدل ہے، اس کو ظلم کہنا ظلم ہے:

قصاص کا قانون نافذ ہونے سے اور اس پر عمل کرنے سے بہت ہی جانیں بچتی ہیں اور لوگ ایک دوسرے کو قتل کرنے سے باز رہتے ہیں اس لیے قصاص کو بڑی حیات کا ذریعہ بتایا۔ بہت سے جاہل قصاص کے قانون کو ظلم سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ لوگ ظلم کا معنی بھی نہیں جانتے، ظلم کرنے والا تو قاتل ہے جس نے ناحق قصداً و عمداً کسی کو قتل کیا۔ قتل کے بدلہ میں قاتل کو قتل کر دینا عین انصاف ہے اس کو ظلم سے تعبیر کر دینا جہالت اور حماقت ہے۔ یہ جاہل کہتے ہیں کہ قاتل کو قتل نہ کیا جائے بلکہ جیل میں ڈال دیا جائے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس سے تو اور زیادہ قتل پر جرات ہو جاتی ہے۔ آدمی سمجھتا ہے کہ قتل تو کر دوں، تھوڑی بہت جیل بھگت لوں گا۔ جن کا مزاج قتل اور غارت گری اور ڈکیتی اور فتنہ فساد کا ہے وہ جیل سے بالکل نہیں ڈرتے۔ جیل کی دیواریں پھاند کر اور کھڑکیاں توڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ جن لوگوں کے نزدیک انسانوں کی جانوں کی قیمت نہیں ہے وہ لوگ قصاص کو اچھا نہیں سمجھتے۔ انہیں قاتل پر رحم آتا ہے۔ عامۃ الناس کی جانوں پر رحم نہیں آتا۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ جس نے قصداً قتل کیا تو اس میں قصاص ہے اور جو شخص قصاص نافذ کرنے کے بارے میں آڑے آجائے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی لعنت ہے اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔ (آخر حدیث من کتاب الدیات)

قصاص یا دیت معاف کرنا سربراہ مملکت کے اختیار میں نہیں ہے

دنیا میں ایک یہ جاہلانہ قانون نافذ ہے کہ ملک کا سربراہ قاتل کی درخواست پر اپنے ذاتی و جماعتی فوائد کو سامنے رکھ کر قاتل کو معاف کر دیتا ہے۔ یہ شریعت اسلامیہ کے بالکل خلاف ہے۔ مقتول کے وارثوں کو حق ہے کہ معاف کریں یا قصاص لیں یا دیت لیں، کسی امیر یا وزیر یا صدر یا بادشاہ کو معافی دینے کا اور وارثوں کا حق باطل کرنے کا بالکل اختیار نہیں ہے جو بھی کوئی سربراہ ایسا کرے گا وہ قانون قرآن کا باغی ہوگا۔ اور اس کی سزا کا مستحق ہوگا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۗ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۗ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۗ ۱۸۰ ۝ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَبِيحٌ عَلِيمٌ ۗ ۱۸۱ ۝ فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ

عَلَيْهِ ۱۸۷ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۱۸۸

تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کو موت حاضر ہو جائے تو اپنے والدین اور قرابت داروں کے لیے وصیت کرے۔ بشرطیکہ مال چھوڑا ہو۔ یہ حکم لازم ہے ان لوگوں پر جو خدا کا خوف رکھتے ہیں پھر جو شخص سننے کے بعد اس کو بدل دے اس کا گناہ انہیں لوگوں پر ہوگا جو اس کو تبدیل کر دیں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے، جاننے والا ہے، سو جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی جانب داری یا گناہ کا خوف کھائے پھر ان کے درمیان صلح کرادے سو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔

وصیت کے احکام

اس آیت کریمہ میں والدین اور قرابت داروں کے لیے مال کی وصیت کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ جب کسی کو موت کے آثار معلوم ہونے لگیں تو وہ وصیت کر دے۔ مفسرین نے فرمایا کہ اس وصیت کی فرضیت میراث کے حصے مقرر ہونے کے بعد منسوخ ہو چکی ہے۔ والدین وارثوں میں شامل ہیں۔ جن کے حصے سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں۔ اور وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے۔ جب تک کہ دوسرے ورثاء کی اجازت نہ ہو۔ لما ورد فی الحدیث ”لَا وَصِيَّةَ لَوَارِثٍ“ اخرجہ الترمذی و ابو داؤد۔ اجازت وصیت کرنے والے کی موت کے بعد معتبر ہوگی۔ اگر دوسرے ورثاء اجازت دیں تو کسی وارث کے لیے وصیت نافذ ہو سکتی ہے۔ البتہ غیر وارث رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے لیکن وصیت کا اصول یہ ہے کہ وہ صرف تہائی مال میں نافذ ہو سکتی ہے بہتر یہ ہے کہ مرنے والا تہائی مال سے کم میں وصیت کرے اور بہت سے بہت تہائی مال تک وصیت کرنے کی گنجائش ہے۔ جتنی بھی وصیتیں ہوں گی وہ قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو مال بچے اس کے تہائی میں نافذ ہوں گی۔

اگر تہائی سے زیادہ مال کی وصیت ہو تو وہ بھی بالغ ورثاء کی اجازت سے مرنے والے کی موت کے بعد نافذ ہو سکتی ہے۔ اس کی زندگی میں جو کوئی وارث اجازت دے دے وہ معتبر نہیں ہے۔ اگر وارثوں نے اس کی زندگی میں تہائی سے زیادہ مال کی وصیت کی اجازت دے دی تھی تو اس کی موت کے بعد منسوخ کر سکتے ہیں اور وصیت کرنے والا جو کچھ وصیت کر دے وہ بھی اپنی زندگی میں منسوخ کر سکتا ہے۔ صحیح طریقہ یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی میں اللہ کے لیے خرچ کرتا ہے۔ اہل و عیال پر بھی خرچ کرے اور دوسرے اعزہ اور اقربا پر بھی اور یتامی اور مساکین پر بھی، مساجد و مدارس کے لیے وقف کرے۔ مسجدیں بنوائے۔ مدرسے کھولے۔

وصیت نافذ کرنے سے پہلے قرضے ادا کیے جائیں گے:

وصیت کے بارے میں اول تو یہ قانون ہے کہ قرضوں کی ادائیگی کے بعد باقی تہائی مال میں نافذ ہو سکتی ہے۔ دوسرے وصیت کے مطابق خرچ کرنے کا تعلق وارثوں سے ہو جاتا ہے۔ وہ دیانتداری سے خرچ کریں یا نہ کریں۔ اس لیے جو کچھ فی سبیل اللہ خرچ کرنا چاہے زندگی میں خرچ کر دے۔ البتہ ایسا نہ ہو کہ گھروالے ضرورت مند ہوں ان کی ضروری حاجتیں رکی رہیں اور یہ باہر خرچ کرتا رہے اور ایسا بھی نہ ہو کہ لوگوں کے قرضے چڑھے ہوئے ہوں اور سخاوت کے جوش میں ثواب کے کاموں میں خرچ کرتا رہے اور قرضوں کی ادائیگی رکی رہے۔ اگر زندگی میں نیک کاموں میں خرچ نہ کر سکا اور موت سے پہلے وصیت کر دی کہ فلاں فلاں جگہ اتنا مال خرچ کر دیا جائے اور قرض خواہوں کے قرض کا ذکر چھوڑ دیا تب بھی پہلے قرضے ہی ادا کیے جائیں گے۔ اگر اتنا زیادہ قرض ہے کہ جتنا مال ہے وہ سب ان کی ادائیگی میں ختم ہو جاتا ہے تو نہ وصیت نافذ ہوگی نہ میراث میں کسی کو کچھ ملے گا۔

مسئلہ: وصیت کرنے میں پہلے فرائض کو مقدم کیا جائے۔ مثلاً اگر وصیت کرنے والے نے حج فرض نہیں کیا تھا یا اس کے ذمہ زکوٰتیں فرض ہوئی تھیں اور اس نے نہیں دیں یا کفارات واجبہ ہیں جن کی ادائیگی باقی ہے۔ ان چیزوں کی ادائیگی کو وصیت میں مقدم کرے۔ اگر اس نے فرائض

اور واجبات کے ساتھ غیر فرض اور غیر واجب کاموں کی وصیت کر دی تب بھی ان لوگوں پر لازم ہے جن کے قبضے میں اس کا مال آجائے کہ فرائض اور واجبات کو مقدم کریں۔ اگرچہ اس نے وصیت میں ان کا ذکر بعد میں کیا ہو۔
حج بدل کی وصیت:

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا قرضوں کی ادائیگی کے بعد تہائی مال میں وصیت نافذ ہو سکتی ہے۔ (اگرچہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی کی وصیت ہو) پس اگر حج بدل کی وصیت کی ہو اور اس کے لیے کسی کو بھیجنا چاہیں اور تہائی مال اس کے لیے کافی نہ ہو اور بالغ ورثاء اپنے پاس سے بقدر ضرورت تہائی سے زائد مال دے دیں تو بہتر ہے لیکن یہ ان پر واجب نہیں ہے۔
مسئلہ: یہ حج مرنے والے کے شہر سے کسی شخص کو بھیج کر کرائیں جو سواری پر جا کر اس کی طرف سے حج کر لے، اگر اس کی وصیت کے مطابق اس کے شہر سے کسی کو بھیج کر حج کرانا چاہیں اور اس کے لیے وصیت کی رقم کافی نہیں ہو رہی ہے اور ورثاء اپنے پاس سے بھی نہیں دیتے تو جس کسی شہر سے بھی آدمی بھیج کر حج کرایا جاسکتا ہو وہیں سے کسی کو بھیج دیا جائے اور وصیت کی رقم اس پر خرچ کر دی جائے۔
گناہ کی وصیت کرنا گناہ ہے:

کسی بھی گناہ کی وصیت کرنا حلال نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص گناہوں میں مال خرچ کرنے کی وصیت کر دے تو وہ نافذ نہ ہوگی۔ شرک اور بدعت کے کاموں کے لیے کوئی شخص وصیت کر دے تو وہ بھی نافذ نہ ہوگی۔ اس کے متعلقین اور ورثاء پر لازم ہے کہ اس کی اس طرح کی وصیت کو نافذ نہ کریں۔

وارثوں کے لیے مال چھوڑنا بھی ثواب ہے:

وارثوں کے لیے مال چھوڑ کر جانا بھی ثواب ہے۔ صحیح بخاری ص ۳۸۳ ج ۱ میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں فتح مکہ کے سال ایسا مریض ہوا کہ یہ محسوس ہونے لگا کہ ابھی موت آنے والی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس بہت سامان ہے اور (فرائض میراث کے اعتبار سے) صرف میری بیٹی کو میراث کا حصہ پہنچتا ہے تو کیا میں اپنے پورے مال کی وصیت کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا دو تہائی مال کی وصیت کر دوں، فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا آدھے مال کی وصیت کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا تہائی مال کی وصیت کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ (بھی) بہت ہے۔ بلاشبہ اگر تم اپنے وارثوں کو (جن کو عصبہ ہونے کے اعتبار سے میراث پہنچتی ہے) مال دار ہونے کی حالت میں چھوڑو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں تنگدستی کی حالت میں چھوڑو جو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر اور اس میں شک نہیں کہ تم جو بھی کوئی خرچ کرو گے جس سے اللہ کی رضا مطلوب ہو تمہیں ضرور اس کا ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ ایک لقمہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں دے دو گے تو اس کا بھی ثواب ملے گا۔

وصیت میں دیر نہ کی جائے:

انسان دنیا میں رہتا ہے تو لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے کسی سے لینا کسی کو دینا حقوق واجبہ ہوتے ہیں۔ قرضے لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ امانتیں رکھی ہوئی ہوتی ہیں اور موت کا کچھ پتہ نہیں کب آجائے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ وصیت لکھی ہوئی ہر وقت تیار رہے جس جس کا جو کچھ حق ہے یا قرضہ ہے یا امانتیں ہیں یا دینی فرائض اور واجبات ہیں جن کی ادائیگی باقی ہے ان سب کو کسی کا پی وغیرہ میں لکھ کر رکھے۔ اور وصیت تیار رہے تاکہ اچانک موت آجائے تو وارثین ان سب کو ادا کر دیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کسی مسلمان کے پاس کوئی چیز ہو جس کی وصیت کرنی ہو تو اس کے لیے یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ دو راتیں گزر جائیں اور اس کی

وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔ (صحیح بخاری ص ۳۸۲ ج ۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو وصیت پر موت آئی (یعنی وصیت کر کے مرا) وہ صحیح راستہ پر اور سنت پر مرا اور تقویٰ اور شہادت پر مرا اور بخشا ہوا ہونے کی حالت میں مرا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۹۲)

وصیت کو بدلنے کا گناہ:

جب وصیت کرنے والا وصیت کر کے وفات پا جائے تو اس کے ورثاء اور جس کو اس نے وصی یا مختار بنایا ہو اسی طرح حاکم اور قاضی ان لوگوں پر ضروری ہے کہ مرنے والے نے جو وصیت کی اس کے مطابق شرعی اصول پر نافذ کر دیں۔ وصیت کرنے والا تو دنیا سے چلا گیا اس کے اختیارات ختم ہو گئے۔ اب مال دوسروں کے قبضہ میں ہے۔ ان لوگوں پر لازم ہے کہ وصیت کو صحیح طریقہ پر نافذ کریں جس کو جتنا دینا ہے، اس کو دینے سے دریغ نہ کریں۔ فقراء اور مساکین کے لیے وصیت کی ہے انہیں معلوم بھی نہیں کہ ہمارے لیے کوئی وصیت کی گئی ہے۔ اور بعض رشتہ دار جو دور رہتے ہیں ان کے لیے وصیت کی اور انہیں اس کا پتہ نہیں ہے یہ لوگ خود سے تقاضا کریں گے نہیں۔ اب جن کے قبضہ میں مال ہے وہ دیں یا نہ دیں کم دیں زیادہ دیں، نصیحت کو چھپائیں یا ظاہر کریں۔ یہ سب ان کے اختیار میں ہے اب وصیت نافذ کرنے اور مال تقسیم کرنے کی ذمہ داری انہیں پر ہے۔ یہ لوگ آخرت کو سامنے رکھتے ہوئے سارا کام انجام دیں۔ وصیت کو ادل بدل نہ کریں۔ اگر وصیت میں تبدیلی کریں گے تو گنہگار ہوں گے اور آخرت میں باز پرس ہوگی۔ ﴿فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِي يَبْدُلُوهُ﴾ میں اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔ علامہ ابو بکر جصاص احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص وصیت کر کے مر جائے اور ادائیگی کے لیے مال بھی چھوڑا ہو تو اس کی آخرت کی ذمہ داری ختم ہوگی اب ذمہ داری وارثوں پر آگئی۔ اگر انہوں نے ادائیگی نہ کی تو وہ گنہگار ہوں گے ان کا ادا نہ کرنا تبدیل وصیت کی ایک صورت ہے۔ نیز علامہ جصاص لکھتے ہیں کہ جس کسی پر زکوٰۃ فرض ہوئی اور اس کی ادائیگی کے بغیر مر گیا تو وہ گنہگار ہوگا اور زکوٰۃ روکنے والوں کے حکم میں داخل ہوگا۔ اگر اس نے ادائیگی زکوٰۃ کی وصیت کر دی اور ورثاء نے وصیت نافذ نہ کی تو وہ گنہگار سے بری ہو گیا اور اب وصیت بدلنے والے گنہگار ہوں گے۔ علامہ جصاص نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر وصیت میں ظلم کیا گیا ہو (مثلاً پورے مال کی وصیت کر دی یا ورثاء کی اجازت کے بغیر تہائی مال سے زائد کی وصیت کر دی تو اس کا بدل دینا واجب ہے۔

آخر میں فرمایا ﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ (سو جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی جانب داری کا یا گناہ کا خوف کھائے پھر ان کے درمیان صلح کر دے تو اس پر گناہ نہیں ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وصیت کر نیوالا خطایا عہد اوصیت میں کوئی ایسا طریقہ اختیار کر لیتا ہے جس میں کسی وارث یا دوسرے کسی رشتہ دار کی طرف میلان ہو جاتا ہے اور وصیت میں عدل باقی نہیں رہتا اگر کوئی ایسی کوئی صورت ہو جائے، اور کسی کو معلوم ہو جائے کہ ایسی وصیت کی ہے یا ایسی وصیت کرنے کا ارادہ کیا ہے اور وہ بیچ میں پڑ کر موصی (وصیت کرنے والا) اور موصی ہم (جن کے لیے وصیت کی جائے) کے درمیان اصلاح کر دے اور ان کو صحیح طریقہ بتا دے جو شرعاً درست ہو۔ یا صاحب اقتدار اس کو بدل دے تو اس کو بدلنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ جو شخص ایسا کرے گا اللہ اس کی مغفرت فرمائے گا۔ یہ وہ تبدیلی نہیں ہے جس کی مذمت ﴿فَمَنْ بَدَّلَهُ﴾ میں کی گئی ہے۔ جو وصیت عادلانہ نہ ہو اس کی کئی صورتیں مفسرین نے لکھی ہیں۔ اس میں سے ایک یہ ہے کہ دور کے رشتہ داروں کے لیے وصیت کر دے اور قریب کے رشتہ داروں کو چھوڑ دے اور ایک صورت یہ ہے کہ چونکہ بیٹوں کے ہوتے ہوئے پوتوں کو میراث نہیں مل سکتی اور کسی ایک بیٹے کو زیادہ مال پہنچانا چاہتا ہے تو پوتوں کے غیر وارث ہونے کا بہانہ بنا کر پوتوں کے لیے وصیت کر دے تاکہ ان پوتوں کے باپ کو مال زیادہ پہنچ جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ کل مال کی وصیت کر دے یا تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر دے، جو شخص بھی اس قسم کی وصیت پر واقف ہو کر صحیح طریقہ بتائے گا اور راہ صحیح پر ڈالے گا اس کو تبدیل وصیت کا گناہ نہ ہوگا۔

بعض لوگ بیٹوں کو میراث سے محروم کرنے کے لیے زندگی ہی میں بیٹوں کے نام یا کسی ایک بیٹے کے نام جائیداد کر دیتے ہیں تاکہ دوسری

اولاد محروم ہو جائے اور بھی طرح طرح کی غیر شرعی وصیتیں کر جاتے ہیں جس سے گنہگار ہوتے ہیں۔ وارث کو میراث سے محروم کرنے کے لیے کسی کو مال ہبہ کر دینا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بلاشبہ کوئی مرد اور کوئی عورت ساٹھ سال تک اللہ کی فرمانبرداری میں لگے رہیں پھر ان کو موت حاضر ہو جائے اور وصیت کرنے میں کسی کو ضرر پہنچانے کا پہلو اختیار کر لیں تو ان کے لیے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔ حدیث بیان کر کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سورۃ نساء کی آیت ﴿مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينٍ غَيْرِ مُضَارٍّ﴾ تلاوت کی اور ﴿وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ تک پڑھی۔ (رواہ احمد کمانی المشکوٰۃ ص ۲۶۵ ج ۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے وارث کی میراث سے کوئی حصہ کاٹ دیا اللہ تعالیٰ جنت سے اس کا میراث کاٹ دیں گے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۹۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾
 أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامَ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۗ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۴﴾

اے ایمان والو! فرض کئے گئے تم پر روزے جیسا کہ فرض کئے گئے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پر ہیزگار بن جاؤ چند دن کے روزے رکھ لو جو شخص تم میں سے مریض ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں کی گنتی کر کے روزے رکھ لے۔ اور جن لوگوں کو روزہ رکھنے کی طاقت ہے ان کے ذمہ ہے فدیہ ایک مسکین کے کھانے کا۔ پس جو شخص اپنی خوشی سے کوئی خیر کا کام کر لے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے۔ اور یہ کہ تم روزہ رکھو تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

رمضان کے روزوں کی فرضیت اور ان کے ضروری احکام

ان آیات میں رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا اعلان اور اظہار فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے

(۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

(۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔ (۴) حج کرنا۔ (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔ (صحیح بخاری ص ۶ ج ۱)

نماز اور روزہ دونوں بدنی عبادتیں ہیں اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور حج میں مال بھی خرچ ہوتا ہے۔ بدنی محنت بھی ہوتی ہے اس لیے وہ بدنی عبادت بھی ہے اور مالی عبادت بھی ہے۔ نماز تو نبوت کے پانچویں ہی سال مکہ معظمہ میں فرض ہو گئی تھی جو شب معراج میں عطا کی گئی۔ اور رمضان شریف کے روزے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ۲ھ میں فرض ہوئے۔ جس طرح نماز اور زکوٰۃ پہلی امتوں پر فرض تھی اسی طرح سے روزے بھی ان پر فرض تھے۔ ﴿كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ﴾ میں یہ بتایا ہے کہ روزے کوئی نئی چیز نہیں ہیں یہ پہلی امتوں پر بھی فرض ہوئے تھے انہوں نے بھی روزے رکھے تم بھی رکھو۔

روزہ سے صفت تقویٰ پیدا ہوتی ہے:

پھر روزہ کی حکومت اور فائدہ بتاتے ہوئے فرمایا ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ روزے رکھنے سے نفس کے تقاضوں پر زد پڑتی ہے اور قوی شہوانیہ میں ضعف آتا ہے اور تقویٰ صغیرہ و کبیرہ ظاہرہ اور باطنہ گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔ آیت کریمہ میں بتایا کہ روزہ کی فرضیت تقویٰ حاصل

کرنے کے لیے ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان کے اندر بہیمیت کے جذبات ہیں۔ نفسانی خواہشات ساتھ لگی ہوئی ہیں اور نفس کا ابھار معاصی کی طرف ہوتا رہتا ہے۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس سے بہیمیت کے جذبات کمزور ہوتے ہیں اور نفس کا ابھار کم ہو جاتا ہے اور شہوات و لذات کی امنگ گھٹ جاتی ہے۔ پورے رمضان کے روزے رکھنا ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ ایک مہینہ دن میں کھانے پینے اور جنسی تعلقات کے مقتضی پر عمل کرنے سے اگر باز رہے تو باطن کے اندر ایک نکھار اور نفس کے اندر سدھار پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص روزے ان احکام و آداب کی روشنی میں رکھ لے جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں تو واقعہً نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ جو گناہ انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں ان میں سب سے زیادہ دو چیزیں گناہ کا باعث بنتی ہیں۔ ایک منہ، دوسری شرمگاہ، حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ کون سی چیز دوزخ میں داخل کرنے کا ذریعہ بنے گی۔ آپ نے جواب دیا: الفم و الفرج یعنی منہ اور شرمگاہ۔ (ان دونوں کو دوزخ میں داخل کرانے میں زیادہ دخل ہے)۔ روزہ میں منہ اور شرمگاہ دونوں پر پابندی ہوتی ہے اور مذکورہ دونوں راہوں سے جو گناہ ہو سکتے ہیں روزہ ان سے باز رکھنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اسی لیے تو ایک حدیث میں فرمایا کہ ﴿الصِّيَامُ جُنَّةٌ﴾ یعنی روزہ ڈھال ہے۔ (گناہ سے اور آتش دوزخ سے بچاتا ہے)۔ (بخاری ص ۲۵۴ ج ۱) اگر روزہ کو پورے اہتمام اور احکام و آداب کی مکمل رعایت کے ساتھ پورا کیا جائے تو بلاشبہ گناہوں سے محفوظ رہنا آسان ہو جاتا ہے۔ خاص روزہ کے وقت بھی اور اس کے بعد بھی اگر کسی نے روزہ کے آداب کا خیال نہ کیا روزہ کی نیت کر لی کھانے پینے اور خواہش نفسانی سے باز رہا مگر حرام کمانے اور غیبت کرنے میں لگا رہا تو اس سے فرض تو ادا ہو جائے گا مگر روزہ کی برکات و ثمرات سے محرومی رہے گی۔ جیسا کہ سنن نسائی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ﴿الصِّيَامُ جُنَّةٌ مَا لَمْ يَخْرِقْهَا﴾ (یعنی روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اس کو پھاڑ نہ ڈالے) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ: من لم يدع قول الزور و العمل به فليس لله حاجة في ان يدعه طعاع و شرابه۔

جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹی بات اور غلط کام نہ چھوڑے تو اللہ کو کچھ حاجت نہیں کہ وہ (گناہوں کو چھوڑے بغیر) محض کھانا پینے چھوڑ دے۔ (بخاری ص ۲۵۵ ج ۱)

معلوم ہوا کہ کھانا پینا اور جنسی تعلقات چھوڑنے ہی سے روزہ کامل نہیں ہوتا بلکہ روزہ کو فواحش و منکرات اور ہر طرح کے گناہوں سے محفوظ رکھنا لازم ہے روزہ منہ میں ہو اور آدمی بدکلامی کرے یہ اس کے لیے زیب نہیں دیتا۔ اسی لیے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ﴿وَإِذَا كَانَ يَوْمٌ صَوْمٍ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصُخَبْ فَإِنْ سَابَهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي إِمْرٌءٌ صَائِمٌ﴾ (یعنی جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو گندی باتیں نہ کرے۔ شور نہ مچائے، اگر کوئی شخص گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑا کرنے لگے تو (اس کو گالی گلوچ سے جواب نہ دے بلکہ) یوں کہہ دے کہ میں روزہ دار آدمی ہوں۔ (گالی گلوچ کرنا یا لڑائی کرنا میرا کام نہیں)۔ (بخاری ص ۲۵۵ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کے لیے (حرام کھانے یا حرام کرنے یا غیبت کرنے کی وجہ سے) پیاس کے علاوہ کچھ نہیں اور بہت سے تہجد گزار ایسے ہیں جن کے لیے (ریا کاری کی وجہ سے) جاگنے کے سوا کچھ نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۷)

﴿أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ﴾ فرمایا کہ یہ بتایا کہ یہ چند دن کے روزے ہیں۔ ان روزوں کو رکھ لینا کوئی ایسی مشکل بات نہیں ہے۔ اس کے بعد مریض اور مسافر کے لیے آسانی بیان فرمائی کہ وہ اپنے مرض اور ایام سفر میں روزہ نہ رکھیں تو رمضان گزر جانے کے بعد دوسرے دنوں میں اتنی ہی گنتی کر کے روزے رکھ لیں۔ یعنی چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کر لیں۔ اس کی توضیح آئندہ آیت کے ذیل میں آئے گی۔ انشاء اللہ! یہ جو فرمایا ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ﴾ (کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں ان پر فدیہ ہے ایک مسکین کے کھانے کا) یہ ابتدائی حکم تھا۔ سنن ابوداؤد میں ص ۷۴ ج ۱ پر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو (ہر ماہ) تین دن کے روزے رکھنے کا حکم فرمایا پھر رمضان کے روزوں کا حکم نازل ہو گیا۔ لوگوں کو روزہ رکھنے کی عادت نہ تھی۔ اور روزہ رکھنا ان کے لیے بھاری کام

تھا۔ لہذا یہ اجازت تھی کہ طاقت ہوتے ہوئے بھی جو شخص روزہ نہ رکھے ہو وہ ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ پھر آیت کریمہ ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ نازل ہوئی اور طاقت ہوتے ہوئے روزہ نہ رکھے کی اجازت منسوخ ہو گئی اور سب کو روزہ رکھنے کا حکم ہوا۔ البتہ مریض اور مسافر کے لیے اجازت باقی رہی کہ وہ رمضان میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں روزہ رکھ لیں۔ مسند امام احمد ج ۵ ص ۲۲۶ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث نقل کی جس میں یہ ہے۔

روزوں کے احکام میں تین انقلاب:

کہ نماز کے احکام میں تین چیزوں میں انقلاب ہوا ہے اور روزوں کے احکام میں تین چیزوں میں انقلاب ہوا ہے۔ اس کے بعد نماز کے تین انقلاب ذکر کرنے کے بعد روزہ کے تین انقلاب یوں ذکر کیے۔

(۱) رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہر ماہ تین دن کے روزے رکھتے تھے اور عاشورہ کے دن کا روزہ بھی رکھتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض فرمادیے اور آیت کریمہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ نازل فرمائی جس میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم بھی ہے اور یہ بھی ہے کہ جو لوگ روزہ رکھ سکتے ہوں انہیں اختیار ہے کہ چاہیں تو روزہ رکھ لیں اور چاہیں تو ایک روزہ کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں، یہ کھانا کھلا دینا روزہ رکھنے کے عوض کفایت کرے گا۔

(۲) پھر اللہ تعالیٰ شانہ نے اس کے بعد والی آیت ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ (آخر تک) نازل فرمائی اس آیت میں یہ بھی ہے کہ ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں موجود ہو اس کا روزہ رکھے اس آیت سے مقیم اور تندرست پر روزہ رکھنا فرض کر دیا گیا اور طاقت رکھنے والے کو روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کی جو اجازت تھی وہ منسوخ کر دی گئی) اور مریض اور مسافر کے لیے رخصت باقی رہی (کہ وہ رمضان میں روزہ رکھ کر چھوڑ سکتے ہیں بعد میں روزہ رکھ لیں) اور روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کا حکم ایسے بوڑھے کے لیے باقی رہا جو روزہ رکھنے سے عاجز ہو۔

(۳) روزے کی راتوں میں کھاتے پیتے تھے اور عورتوں کے پاس جاتے تھے، جب تک کہ سونہ جائیں۔ اگر کوئی شخص سو گیا (اگرچہ رات باقی ہوتی) تو ان کاموں میں سے کوئی کام کرنا جائز نہ تھا۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ ایک انصاری صحابی جن کا نام صرمہ تھا وہ روزہ کی حالت میں دن بھر کام کرتے رہے شام کو گھر آئے تو عشاء پڑھ کر سو گئے۔ اور اب سونے کی وجہ سے کچھ کھاپی نہ سکے کیونکہ سو جانے والے کو اجازت نہ تھی کہ باقی رات میں کھائے پیئے ان کو اسی حال میں صبح ہو گئی اور روزہ بھی رکھ لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھا کہ ان کے جسم میں تکلیف کے آثار محسوس ہو رہے ہیں آپ نے فرمایا کیا بات ہے میں تمہیں سخت تکلیف میں دیکھ رہا ہوں۔ انہوں نے اپنا سارا واقعہ سنایا اور ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سو جانے کے بعد آنکھ کھلنے پر کسی باندی سے یا بیوی سے جماع کر لیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا واقعہ سنایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ ﴿أَجَلٌ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ﴾ نازل فرمائی۔ جس صحابی نے نیند آنے کی وجہ سے کھائے پیئے بغیر دوسرے دن روزہ رکھ لیا تھا۔ ان کا واقعہ صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۲۵۶ میں بھی ہے۔

صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۲۶۱ میں حضرت ابی لیلی تابعی سے نقل کیا ہے کہ حضرت سرور عالم محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے ہم سے بیان کیا کہ رمضان کے روزے نازل ہوئے تو روزہ رکھنا ان پر شاق گزرا۔ لہذا جو شخص روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا وہ باوجود طاقت ہونے کے روزہ چھوڑ دیتا تھا اور ان کو اس کی اجازت دی گئی تھی، پھر اس حکم کو ﴿وَ أَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ﴾ نے منسوخ کر دیا، اور سب کو روزے رکھنے کا حکم دیا گیا۔ حضرت ابن عمر نے بھی ﴿فَدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ اجازت منسوخ ہو چکی ہے۔ ان روایات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ روزہ رکھنے کی طاقت ہوتے ہوئے بھی روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کی اجازت منسوخ ہے۔ اب تو روزہ رکھنا ہی ہوگا۔ اور اس میں تکلیف اور مشقت ہوگی وہ برداشت کرنی ہوگی۔ البتہ جو شخص بالکل ہی عاجز ہو جو روزہ رکھ ہی نہیں سکتا اس کے لیے فدیہ کا حکم باقی ہے اور

احادیث شریفہ کی تصریحات کے بعد اب اس تاویل کی ضرورت نہیں رہی کہ یَطِيقُونَ سے قبل حرف نفی ”لا“ مقدر ہے۔ یا یہ کہ باب افعال کا ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہے۔ پھر فرمایا: ﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ﴾ (کہ جو بھی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیک کام کرے گا تو یہ اس کے لیے بہتر ہے)۔

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ پورے ماہ رمضان کے روزے فرض کیے گئے ہیں۔ ان فرض روزوں کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے نفل روزے رکھ لے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے جیسا کہ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۴ میں ہے کہ جب ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اس کے لیے پانچ نمازوں کی فرضیت بتادی اس پر اس نے کہا کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ ہے آپ نے فرمایا کہ ان کے علاوہ اور کوئی نماز فرض نہیں الا یہ کہ اپنی خوشی سے نفل نمازیں پڑھ لو۔ پھر آپ نے رمضان کے روزوں کی فرضیت ذکر فرمائی اس نے وہی سوال کیا، کیا ان کے علاوہ مجھ پر اور روزے بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کے علاوہ اور کوئی روزہ فرض نہیں الا یہ کہ اپنی خوشی سے نفل روزے رکھ لو۔ الفاظ کے عموم میں ہر نیک کام کی ترغیب ہے۔ ایک نماز روزہ ہی کیا جو بھی کوئی شخص اپنی خوشی سے نیک کام کرے گا۔ نفل عبادات میں لگے گا۔ وہ اس کا صلہ پائے گا اور اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ جو اس کی آخرت کے لیے بہتر ہوگا..... اور دوسرا مطلب علمائے تفسیر نے یہ لکھا ہے کہ ایک روزہ کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا دینا ہے اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے زائد دیدے تو وہ بہتر ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿وَ أَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

علامہ ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جن کو شروع میں تندرست اور گھر پر مقیم ہوتے ہوئے روزہ نہ رکھنے اور اس کی جگہ فدیہ دینے کی اجازت دی گئی تھی۔ باوجود روزہ نہ رکھنے اور فدیہ دینے کی اجازت کے یہ فرمایا کہ روزہ رکھنا بہتر ہے۔ روزے کی جو خیر و برکت ہے اور اس کا جو روحانی نفع ہے۔ روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے میں وہ نفع نہیں ہے۔ علامہ جصاص فرماتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق ﴿الَّذِينَ يُطِيقُونَ﴾ سے بھی ہو اور مسافروں سے بھی ہو کیونکہ اس سے پہلے یہ بھی ذکر آچکا ہے کہ مسافر اور مریض رمضان میں روزہ نہ رکھ کر بعد میں قضا کر سکتے ہیں ان کے لیے بھی فرمایا کہ وہ بھی رمضان ہی میں روزہ رکھ لیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ عموماً مسافروں کو بغیر کسی ضرر کے روزہ رکھنے کی طاقت ہوتی ہے۔ اور اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ سفر میں روزہ رکھنا نہ رکھنے سے بہتر ہے۔ علامہ جصاص نے اس سے ایک اور دقیق مسئلہ کا استنباط کیا ہے اور وہ یہ کہ جب ایک روزہ کے عوض ایک مسکین کو کھانا دینے کی اجازت دی گئی تھی (اور یہ ایک مسکین کا کھانا نصف صاع کے برابر ہوتا ہے) تو اس سے معلوم ہو گیا کہ ایک نفل روزہ نصف صاع صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ (ج ۱ ص ۱۸۰)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَ مَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۖ وَ لَتَكْبَلُوا الْعِدَّةَ ۖ وَ لَتُكْبِرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَىٰكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ

تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾

رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت کے بارے میں اس کے بیانات خوب واضح ہیں اور حق و باطل کے درمیان فرق ظاہر کرنے والے ہیں سو جو شخص تم میں سے اس ماہ میں موجود ہے وہ اس میں روزہ رکھے اور جو شخص مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کی گنتی کر کے روزے رکھ لے۔ اللہ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ فرماتا ہے۔ دشواری کا ارادہ نہیں فرماتا اور تاکہ تم گنتی پوری کرو۔ اور تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی اور تاکہ تم شکر کرو۔

قرآن مجید رمضان المبارک میں نازل کیا گیا

اس آیت شریفہ میں ان دنوں کی تعیین فرمادی گئی جن میں روزہ رکھنا فرض ہے۔ پہلی آیت میں ﴿أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ﴾ فرمایا اور اس آیت میں ماہ رمضان کا صاف نام لے کر بیان فرمادیا کہ جو شخص اس ماہ میں موجود ہو وہ روزے رکھے اور ساتھ ہی رمضان المبارک کی ایک دوسری فضیلت بھی بیان فرمادی اور وہ یہ کہ اس ماہ میں قرآن مجید نازل ہوا۔ اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید ماہ رمضان میں نازل کیا گیا اور سورہ قدر میں فرمایا کہ لیلۃ القدر میں نازل فرمایا۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ لیلۃ القدر رمضان المبارک میں ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ قرآن مجید تو تھوڑا تھوڑا کر کے تیس سال میں نازل ہوا۔ پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ رمضان المبارک میں نازل ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شب قدر میں لوح محفوظ سے پورا قرآن جملۃً واحداً (اکٹھا) آسمان دنیا پر نازل کیا گیا اور بیت العزت میں رکھ دیا گیا۔ پھر وہاں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام تھوڑا تھوڑا حسب الحکم لاتے رہے۔ (تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۲۹۲)

قرآن کے بارے میں فرمایا کہ وہ لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کے بارے میں واضح بیانات ہیں اور وہ حق اور باطل میں فرق کر نیوالا ہے۔ قرآن کی یہ صفت ظاہر باہر واضح ہے دوست دشمن سب پر عیاں ہے۔

یہ جو فرمایا ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ اس میں ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد و عورت پر رمضان کے روزوں کی فرضیت کی تصریح فرمادی۔ البتہ مسافر اور مریض اور حمل والی عورت اور دودھ پلانے والی عورت کو اجازت دی گئی کہ وہ رمضان میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں اس کی قضاء رکھ لیں۔ اور حیض و نفاس والی عورت کو حکم ہے کہ وہ رمضان میں روزے نہ رکھیں اور بعد میں رکھ لیں۔ ان مسائل کی تفصیلات حدیث اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ جن میں سے بعض مسائل انشاء اللہ ابھی نقل کریں گے۔

دنیا میں جب سے سلسلہ موصلات کی آسانی ہو گئی ہے اور تیز رفتار طیارے گھنٹوں میں مہینوں کی مسافت پر پہنچا دیتے ہیں اس وقت سے یہ سوال سامنے آنے لگا کہ کوئی شخص کسی ملک میں تھا وہاں اس نے تیس روزے رکھ لیے پھر وہ کسی ایسے ملک میں پہنچ گیا جہاں ایک دو دن ابھی رمضان کے ختم ہونے میں باقی ہیں تو وہ ان دنوں میں کیا کرے۔ احقر کے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ جہاں پہنچا ہے وہاں چونکہ رمضان موجود ہے اس لیے ان دنوں کے روزے رکھے۔ آیت ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ کا عموم اسی کو متقاضی ہے اور فقہاء نے یہ جو لکھا ہے کہ رمضان کے دن میں بے روزہ نابالغ، بالغ ہو جائے یا کوئی حیض والی عورت پاک ہو جائے تو وہ رمضان کے احترام میں شام تک نہ کھائے پیئے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی ایسے علاقہ میں پہنچ گیا جہاں ابھی رمضان باقی ہے وہ رمضان کا احترام کرے احترام کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ روزہ نہ رکھے اور کھائے پیئے بھی نہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ روزہ سے رہے۔ اور یہ روزہ رکھنا آیت کے عموم کے مطابق ہے۔ لہذا ایسے شخص کو روزہ ہی رکھنا چاہئے۔ مطلق نیت صوم سے روزہ رکھ لینا چاہئے۔ مطلق نیت سے نفل روزہ ادا ہو جاتا ہے اور رمضان کا فرض روزہ بھی۔ لہذا اگر مطلق روزہ کی نیت کر لی اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک ان دنوں کے روزے فرض ہوئے تو فرض ادا ہو جائے گا۔ ورنہ نفل کا ثواب مل جائے گا اور رمضان کا احترام بھی ہو جائے گا۔

مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت اور بعد میں قضا رکھنے کا حکم:

یہ ارشاد فرمانے کے بعد کہ ”جو شخص ماہ رمضان میں موجود ہو اس کے روزے رکھے“ مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جتنے دنوں کے روزے رمضان المبارک میں مسافر اور مریض نے نہیں رکھے وہ رمضان کے بعد دوسرے دنوں میں اتنی ہی گنتی کر کے جتنے روزے چھوٹے ان کی قضاء رکھ لے۔ علامہ جصاص فرماتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً اتنے دنوں کی گنتی کر کے قضا کرنے کا حکم فرمایا ہے جتنے دن کے روزے رہ گئے ہیں اور لگاتار قضاء رکھنے کی کوئی قید اور شرط نہیں لگائی اس لیے روزوں کی قضا کرنے

والا متفرق طور پر رکھ لے یا لگا تار رکھ لے دنوں طرح درست ہے۔ اور ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ﴾ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ (ج ۱ ص ۲۰۸)

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر دوسرا رمضان آنے تک پہلے رمضان کے قضا روزے نہ رکھے تو اب اس موجود رمضان کے روزے رکھ لے اور گزشتہ رمضان کے روزوں کی قضا بعد میں کر لے البتہ جلد سے جلد قضا رکھ لینا بہتر ہے اس میں مسارعۃ الی الخیر ہے اور چونکہ موت کا کچھ پتہ نہیں اس لیے ادائیگی فرض کا اہتمام بھی ہے۔

مسئلہ: ہر مریض کو اجازت نہیں ہے کہ بعد میں قضا رکھنے کے لیے رمضان کے روزے چھوڑے بلکہ یہ رخصت و اجازت ایسے مریض کو دی ہے جس کو روزہ رکھنے سے سخت تکلیف میں مبتلا ہونے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا قوی اندیشہ ہو، یا ایسے مرض میں مبتلا ہو جس میں روزے رکھنے کی وجہ سے مرض کے طول پکڑ جانے کا غالب گمان ہو جو تجربہ سے یا ماہر مسلم معالج کے قول کی بنیاد پر ہو اور یہ ماہر مسلم معالج ایسا ہو جس کا فاسق ہونا معلوم نہ ہو۔ قال فی الدر المختار او مریض خاف الزیادة لمرضه و صحیح خاف المرض بغلبة الظن بأمارة اوبتجربة اوباخبار طبیب حاذق مسلم مستور اه و فی الشامی اما الکافر فلا یعتمد علی قوله لاحتمال أن غرضه افساد العبادۃ (فصل فی العوارض)

اس بارے میں لوگ غلطی کرتے ہیں کہ معمولی سے مرض میں روزہ چھوڑ دیتے ہیں گو اس کے لیے روزہ مضر بھی نہ ہو۔ بلکہ بعض امراض میں روزہ مفید ہوتا ہے پھر بھی مرض کا بہانہ بنا کر روزہ نہیں رکھتے اور بہت سے لوگ ڈاکٹروں کے کہہ دینے سے روزہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اس بارے میں ہر ڈاکٹر کا قول معتبر نہیں ڈاکٹر بے دین فاسق بلکہ کافر بھی ہوتے ہیں۔ انہیں نہ مسئلہ کا علم ہوتا ہے نہ روزہ کی قیمت جانتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو تو خواہ مخواہ روزہ چھڑوانے میں مزہ آتا ہے اور کافر ڈاکٹر کا قول تو اس بارے میں بالکل ہی معتبر نہیں ہے۔

مریض کو اپنے تجربہ اور اپنی ایمانی صوابدید سے اور کسی ایسے معالج سے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ کرنا چاہئے جو مسلمان ہو روزے کی اہمیت سمجھتا ہو اور خوف خدا رکھتا ہے اور مسئلہ شرعیہ سے واقف ہو۔ اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بہت سے لوگ بیماری کی وجہ سے رمضان کے روزے چھوڑ دیتے ہیں اور پھر رکھتے ہی نہیں اور بہت بڑی گنہگاری کا بوجھ لے کر قبر میں چلے جاتے ہیں۔ کھانے پینے کی محبت اور آخرت کی بے فکری کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ یہ ان مریضوں کا بیان ہو جو عموماً تندرست رہتے ہیں اور عارضی طور پر مریض ہو گئے۔ یہ لوگ صحت یاب ہو کر بعد میں قضا رکھ لیں۔ لیکن ایسا مرد یا عورت جو مستقل مریض ہو جسے روزہ رکھنے کی زندگی بھر امید نہ ہو۔ اور ایسے مرد یا عورت جو بہت بوڑھے ہوں، نہ اب روزہ رکھنے کی طاقت ہے نہ پھر کبھی روزہ رکھنے کی امید ہے تو یہ لوگ روزوں کے بجائے فدیہ دیں۔ لیکن اگر کبھی بعد میں روزہ رکھنے کے قابل ہو گئے تو روزہ رکھنا فرض ہوگا اور فدیہ جو دیا ہے نفلی صدقہ ہو جائے گا۔

جس طرح کہ ہر مریض کو روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح ہر مسافر کو بھی روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ رمضان المبارک کا روزہ بعد میں قضا رکھنے کی نیت سے اس مسافر کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے جو مسافت قصر کے ارادہ سے اپنے شہر یا بستی سے نکلا ہو۔ جب تک سفر میں رہے گا مرد ہو یا عورت اسے رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ جب گھر آجائے تو روزوں کی قضا کر لے۔ ہاں اگر سفر میں کسی جگہ پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لی تو اب شرعاً مسافت کے حکم میں نہیں رہا۔ ان دنوں میں رمضان المبارک ہو تو روزہ رکھنا فرض ہوگا اور نماز میں قصر کرنا جائز نہ ہوگا۔ مسافر قصر ۴۸ میل ہے (کلومیٹر کا حساب کر لیا جائے) اتنی مسافت کے لیے خواہ پیدل سفر کرے یا بس سے یا ہوائی جہاز سے شرعی مسافر مانا جائے گا۔ وہ نمازوں میں قصر بھی کرے اور اسے یہ بھی جائز ہے کہ رمضان شریف کے روزے نہ رکھے اور بعد میں گھر آجائے تو چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا رکھ لے۔

جو شخص مسافت قصر سے کم سفر کے لیے گیا ہو اسے روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ شرعی مسافر کو (جس کی مسافت سفر اور پربتادی گئی ہے) سفر میں روزہ چھوڑنے کی اجازت تو ہے لیکن رمضان میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اول تو رمضان کی برکت اور نورانیت سے

محرومی نہ ہوگی۔ دوسرے سب مسلمانوں کے ساتھ مل کر روزہ رکھنے میں آسانی ہوگی اور بعد میں تہا روزہ رکھنا مشکل ہے۔
 مسئلہ: مسافر اور مریض (جنہیں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے) وہ اگر اپنے زمانہ عذر ہی میں مر گئے۔ تو چونکہ انہوں نے قضاء رکھنے کا وقت ہی نہیں پایا اس لیے ان پر اپنے چھوٹے ہوئے روزوں طرف سے فدیہ دینے کی وصیت کرنا واجب نہیں۔ اور اگر مریض نے اچھا ہو کر اور مسافر نے گھر آ کر روزے نہیں رکھے یا کچھ رکھے اور کچھ نہ رکھے۔ تو جتنے دن مرض اور سفر کے بعد پائے ہیں ان کی طرف فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرنا واجب ہے۔ وصیت کے بعد اس کا ولی قرضوں کی ادائیگی کے بعد اس کے تہائی مال سے ہر روزہ کے عوض بقدر صدقہ فطر کے صدقہ کر دے اور اگر اس نے وصیت نہ کی اور اس کے ولی نے اپنی خوشی سے اپنے ذاتی مال سے اس کی طرف سے فدیہ دے دیا تو انشاء اللہ یہ بھی مفید ہو گا۔

مثلاً اگر دس دن کے روزے چھوڑے تھے اور اسی قدر ایام صحت اور ایام اقامت پالیے اور قضا روزے نہ رکھے اور موت آنے لگی تو پورے دس دن کے روزوں کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔ اور اگر ایام صحت اور ایام اقامت میں صرف پانچ دن ملے تھے اور ان میں قضا روزے نہ رکھے تو صرف پانچ دن کے روزوں کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔ (من الدر المختار)
 حاملہ اور مرضہ کے لیے رخصت:

سنن نسائی ص ۳۱۸ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے اور اس کی نماز کا ایک حصہ معاف فرما دیا ہے (کہ چار رکعات والی فرض نماز کی دو رکعتیں مسافر کے ذمہ رہ جاتی ہیں) اور دودھ پلانے والی عورت اور حمل والی عورت کو بھی رمضان میں روزے نہ رکھنے کی اجازت ہے کہ وہ رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں ان روزوں کی قضا رکھ لیں..... جس حاملہ کو روزہ رکھنے سے تکلیف ہوتی ہو یا زیادہ تکلیف میں پڑ جانے یا اپنی جان یا بچے کی جان کا اندیشہ ہو تو وہ عورت رمضان کے روزے چھوڑ کر بعد میں رکھ لے اسی طرح دودھ پلانے والی عورت کے لیے بھی اسی وقت رمضان المبارک کا روزہ چھوڑنا جائز ہے جبکہ روزہ رکھنے سے بچے کو دودھ سے محرومی ہوتی ہو اور بچہ دودھ پلانے والی کے دودھ کے علاوہ دوسری غذا کے ذریعہ گزارہ نہ کر سکتا ہو اور بچہ کا دودھ پلانے سے (جیسا کہ آج کل رواج ہے) یا دلیہ یا چاول وغیرہ کھانے سے بچہ کی غذا کا کام چل سکتا ہے تو پھر دودھ پلانے والی کو رمضان المبارک کے روزے چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ جب بچہ کی عمر دو سال ہو جائے تو اس کو عورت کا دودھ پلانا ہی منع ہے۔ جب بچہ کی عمر دو سال ہو جائے اس کے دودھ پلانے کے لیے روزہ چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حیض اور نفاس والی عورت کا حکم:

جس عورت کو رمضان المبارک میں ماہواری کے دن آجائیں یا ولادت کے بعد کا خون آ رہا ہو جسے نفاس کہتے ہیں یہ دونوں عورتیں رمضان المبارک کے روزے نہ رکھیں اگرچہ روزہ رکھنے کی طاقت ہو لیکن بعد میں ان روزوں کی قضا رکھ لیں۔ اور حیض و نفاس کے زمانہ کی نمازیں بالکل معاف ہیں۔ ان دونوں پر ان کی قضا نہیں۔

اللہ نے دین میں آسانی رکھی ہے:

اللہ تعالیٰ شانہ، نے کسی ایسی بات کا حکم نہیں دیا جو بندوں کی طاقت سے باہر ہو قرآن میں کئی جگہ اس کا ذکر ہے آیت بالا میں مریض اور مسافر کا حکم بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تمہارے ساتھ مشقت کا ارادہ نہیں فرماتا۔ نمازوں کے بارے میں بھی مریض کے لیے آسانی ہے کہ کھڑے ہو کر لیٹ کر بیٹھ کر رکوع اور سجدہ یا اشارہ کے ساتھ اپنی طاقت کے مطابق جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لے زکوٰۃ میں بھی مطلق مال ہونے پر زکوٰۃ فرض نہیں کی گئی بلکہ صاحب نصاب پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور اس کی ادائیگی اس وقت فرض ہے جب نصاب پر چاند کے حساب سے ایک سال گزر جائے اور

پھر زکوٰۃ میں جو کچھ واجب ہوتا ہے وہ بہت قلیل ہے۔ یعنی کل مال کا چالیسواں حصہ دینا واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح حج ہر شخص پر فرض نہیں بلکہ جو شخص مکہ معظمہ تک سواری پر آنے جانے کی طاقت رکھتا ہو اور ساتھ ہی سفر کا خرچ بھی ہو اور بال بچوں کا ضروری خرچہ پیچھے چھوڑ جانے کے لیے موجود ہو تب حج فرض ہوتا ہے اور وہ بھی زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے۔ روزہ رمضان فرض ہونے کے باوجود مریض اور مسافر اور شیخ فانی حاملہ اور دودھ پلانے والی کے لیے جو آسانیاں ہیں وہ اوپر ابھی بیان ہو چکیں دیگر احکام میں جو آسانیاں ہیں وہ بھی عام طور سے معلوم اور مشہور ہیں۔

قولہ تعالیٰ ﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾ (الایۃ) اس کے بارے میں صاحب روح المعانی ج ۱ ص ۶ فرماتے ہیں: ای و شرع لکم جملة ما ذکر من امر الشاهد بصوم الشهر و امر المرخص له بالقضاء کیف ما کان متواتراً أو متفرقاً و بمراعاة عدة ما افطر من غیر نقصان و من الترخیص المستفاد من قوله عزوجل (یرید اللہ بکم الیسر او من قوله تعالیٰ فعدة من ایام اخر) لتکمیلوا الخ۔

یعنی وَلِتُكْمِلُوا میں واو عاطفہ ہے جو فعل و محذوف پر عطف ہے مطلب یہ کہ تمہارے لیے جو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم مشروع فرمایا کہ جو شخص ماہ رمضان میں موجود ہو وہ روزے رکھے اور مریض اور مسافر کو رمضان میں روزے چھوڑ کر بعد میں چھوٹے ہوئے روزوں کی گنتی کے موافق قضا روزے متواتر یا متفرق طریقے پر رکھنے کی جو اجازت دی یہ اس لیے ہے کہ تم ٹھیک اچھی طرح گنتی کا دھیان رکھ کر تکمیل کرو تا کہ اداء و قضاء کوئی روزہ رہ نہ جائے اور تا کہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور یہ جو فرمایا ﴿وَلِتُكْمِلُوا اللہ علی ما ہذا کُم﴾ اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی یعنی اس کی حمد و ثناء بیان کرنے کا حکم ہے۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے یوم عید کی تکبیریں مراد ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے چاند دیکھنے کے وقت اللہ اکبر کہنا مراد ہے۔

اور ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ میں تسہیل اور تیسیر کی علت بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حالت سفر اور مرض میں روزہ چھوڑ کر بعد میں قضا رکھنے کی جو آسانی دی ہے یہ اس لیے ہے کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ یہ آسانی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس نعمت کی قدر دانی کرو۔

وَ إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۗ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي
وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۶﴾

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں سو بلاشبہ میں قریب ہوں، دعا کر نیوالے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرے۔ سو وہ میرے احکام کو قبول کریں اور مجھ پر یقین رکھیں تا کہ وہ نیک زاہر رہیں۔

دعا کی فضیلت اور آداب

تفسیر درمنثور ج ۱ ص ۱۹۲ میں ذکر کیا ہے کہ ایک شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارا رب قریب ہے۔ جس سے ہم آہستہ طریقے پر مناجات کریں یا دور ہے جسے ہم زور سے پکاریں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَ إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي﴾ آخر تک نازل فرمائی اور حضرت عطاء بن ابی رباح نے بیان فرمایا کہ آیت ﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ ہم کس وقت دعا کریں تو اچھا تھا اس پر آیت ﴿وَ إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي﴾ اخیر تک نازل ہوئی۔

گزشتہ آیات میں روزے کے احکام بیان ہوئے۔ رمضان المبارک کا مہینہ آخرت کمانے کا سیزن ہے اس میں کمائی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ (صحیح)

بخاری ج ۱ ص ۲۵۵) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر رات ایک منادی ندا دیتا ہے کہ اے خیر کی تلاش کرنے والے آگے بڑھ اور اے شر کے تلاش کرنے والے رک جا (سنن الترمذی ج ۱ ص ۱۲۲) اور اہل ایمان کی طبیعتیں نیکیوں کی طرف بہت زیادہ راغب ہو جاتی ہیں۔ روزے بھی رکھتے ہیں۔ نمازوں کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ فرضوں کے علاوہ مزید نمازیں پڑھتے ہیں ذکر و تلاوت میں لگتے ہیں۔ دعاؤں میں مشغول ہوتے ہیں۔ شب قدر کو زندہ رکھتے ہیں۔ رمضان میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ لہذا یہ مناسب ہوا کہ احکام رمضان کے درمیان دعا کی قبولیت کا ذکر کر دیا جائے۔ آیت بالا میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے وہ سب کی دعا سنتا ہے اور قبول بھی فرماتا ہے۔ اسی لیے اُسْمَعُ مِنْہُمْ نہیں فرمایا بلکہ اُجِیبُ فرمایا تاکہ قلبی دعا کو بھی شامل ہو جائے۔ سورۃ ق میں فرمایا۔

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعَلْمَا تَوْسُوْسُ بِہٖ نَفْسُہٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾

”اور البتہ تحقیق ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے نفس میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ۔“

صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۴۲ میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے جب ہم کسی اونچائی پر چڑھتے تو بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے تھے آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو کیونکہ تم کسی ایسے کو نہیں پکار رہے ہو جو بہرہ ہے اور غائب ہے۔ تم تو سمیع اور بصیر کو پکار رہے ہو..... حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک تمہارا رب شرمیلا ہے کریم ہے وہ اس بات سے شرماتا ہے کہ بندہ جب اس کی طرف ہاتھ اٹھائے تو وہ ان ہاتھوں کو بغیر کسی خیر کے واپس فرمادے۔

(اخرجه الترمذی فی ابواب الدعوات وحسنه واخرجه الحاكم فی المستدرک وقال علی شرط الشيخین اقراء الذہبی)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری دعا قبول کی جاتی ہے جب تک کہ دعا کرنے والا جلدی نہ کرے وہ کہتا ہے کہ میں نے دعا کی وہ قبول نہ ہوئی۔ (صحیح بخاری ج ۲ صفحہ ۹۳۸)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کی دعا برابر قبول ہوتی رہتی ہے جب تک کہ گناہ کی اور قطع رحمی کی دعانہ کرے بشرطیکہ جلدی نہ مچائے عرض کیا گیا کہ جلدی مچانے کا کیا مطلب ہے فرمایا جلدی مچانا یہ ہے کہ یوں کہنے لگے میں نے دعا کی اور لیکن مجھے قبول ہوتی نظر نہیں آتی یہ سمجھ کر تھک کر بیٹھ جائے اور دعا کو چھوڑ دے (صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۳۵۲) دعا برابر کرتے رہیں۔ رغبت کے ساتھ دل کو حاضر کر کے دعا کریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لیس شی اکر مد علی اللہ من الدعاء کہ اللہ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی چیز فضیلت والی نہیں ہے اور ایک حدیث میں ہے الدعاء مع العبادۃ کہ دعا عبادت کا مغز ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ ارشاد ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس شخص کو یہ خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں اور بے چینیوں کے وقت اس کی دعا قبول کرے سو چاہئے کہ وہ اچھے حالات میں کثرت سے دعا کرے۔

دعا قبول ہونے کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص کوئی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سوال کے مطابق اسے عطا فرمادیتا ہے یا اس جیسی آنے والی کسی مصیبت کو روک دیتا ہے جب تک کہ گناہ گاری اور قطع رحمی کی دعانہ کرے۔

(اخرجه الاحادیث الاربعۃ الترمذی فی ابواب الدعوات)

اور مسند احمد میں ایک بات کا اضافہ ہے اور وہ یہ کہ یا اس کی دعا کو اللہ تعالیٰ آخرت کے لیے ذخیرہ بنا کر رکھ دے گا (جو اسے آخرت میں کام دے گی)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۶)

لوگ کہتے ہیں دعا قبول نہیں ہوتی حقیقت میں مانگنے والے ہی نہیں رہے۔ اول تو حضور قلب سے دعا نہیں کرتے۔ دوسرے حرام سے

بچنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ حدیث شریف میں ہے کہ کوئی شخص لمبے سفر میں ہو۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہوں، جسم پر گرد و غبار اٹا ہوا ہو۔ وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلاتے ہوئے یارب یارب کہہ کر دعا کرتا ہو اور حال یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے پینا حرام ہے اور اس کو حرام سے غذا دی گئی۔ پس ان حالات میں اس کی دعا کیوں کر قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۳۲۶ ج ۱)

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دعا ان مصیبتوں کے دور ہونے کے لیے بھی نافع ہے جو نازل ہو چکیں اور ان مصیبتوں کو روکنے کے لیے بھی جو نازل نہیں ہوئیں۔ سوائے اللہ کے بندو! تم دعا کو لازم پکڑ لو۔ (ابواب الدعوات)

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سے تم اس طرح دعا کرو کہ قبولیت کا یقین ہو اور یہ جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ غافل اور لاپرواہ دل کی دعا قبول نہیں فرماتا۔ آیت کریمہ کے آخر میں فرمایا:

﴿فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ کہ میرے تمام احکام کو قبول کریں اور میری ذات و صفات پر ایمان لائیں مجھ پر یقین اور بھروسہ رکھیں۔ ایسا کریں گے تو ہدایت پر ثابت قدم رہیں گے اور مزید ہدایت پائیں گے۔ قال صاحب الروح ای فليطلبوا اجابتي لهم اذا دعوتهم للايمان والطاعة كما اني اجيبهم اذا دعوني لحوانجهم (ج ۲ ص ۶۴)۔

وقال القرطبي ج ۲ صفحہ ۲۱۴ قال الهروي الرشد والرشد والرشاد الهدى والاستقامة و منه قوله تعالى لعلمهم يرشدون۔

وقال البيضاوي ج ۱ صفحہ ۱۳۰ فليستجيبوا لي اذا دعوتهم للايمان والطاعة كما اجيبهم اذا دعوني لمهماتهم وليؤمنوا بي امر بالثبات والمداومة عليه لعلمهم يرشدون راجين اصابة الرشد وهو اصابة الحق۔

أَحَلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ ۖ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالَّذِينَ بَشَرُوا هُنَّ وَأَبْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۚ ثُمَّ أَتُوا الصِّيَامَ إِلَى الْبَيْلِ ۚ وَلَا تَبَاشَرُوا هُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسْجِدِ ۚ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لِنَاسٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۸۷﴾

حلال کیا گیا تمہارے لیے روزوں کی راتوں میں بیویوں میں مشغول ہونا، وہ لباس ہیں تمہارے لیے اور تم ان کا لباس ہو۔ اللہ نے جان لیا کہ بلاشبہ تم اپنے نفسوں کی خیانت کرتے ہو سو تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تم کو معاف فرما دیا۔ سو اب ان سے میل ملاپ کرو، اور تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے سفید تاگہ سیاہ تاگہ سے ممتاز ہو کر ظاہر ہو جائے۔ یعنی فجر کا تاگہ پھر تم روزے پورے کرو رات تک۔ بیویوں میں میل ملاپ نہ کرو اس حال میں کہ تم اعتکاف کئے ہوئے ہو مسجدوں میں۔ یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں لہذا ان کے پاس نہ پھٹکو اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے اپنی آیات تاکہ لوگ پرہیزگار بنیں۔

تکملہ احکام صیام

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ روزوں کی فرضیت کے ابتدائی زمانہ میں (قانون کے مطابق) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اس پر عمل کرتے تھے کہ جب کسی شخص کا روزہ ہوتا اور افطار کا وقت آجاتا اور وہ افطار سے پہلے ہو جاتا تو اب پوری رات اور اگلے پورے دن نہیں کھا سکتا تھا جب تک کہ شام نہ ہو جائے۔ اور یہ واقعہ پیش آیا کہ قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ کا روزہ تھا افطار کا وقت ہوا تو وہ اپنی بیوی کے

پاس آئے ان سے کہا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ نہیں ہے لیکن میں کہیں جا کر تمہارے لیے انتظام کر کے لاتی ہوں۔ انہوں نے دن بھر کام کیا تھا ابھی ان کی بیوی واپس نہ آئی تھی کہ ان کی آنکھ لگ گئی پس جب وہ آئیں اور ان کو دیکھا کہ وہ سو چکے ہیں تو کہنے لگیں ہائے تیری محرومی (کھانے کا وقت ختم ہوا اور کل کو روزہ بھی رکھنا ہے) انہوں نے اسی طرح (بغیر کھائے پیئے) روزہ رکھ لیا جب آدھا دن ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿أَجَلٌ لَّكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ﴾ نازل فرمائی جس سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور آیت ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری ص ۲۵۶ ج ۱) قال فی فتح الباری بعد ذکر الاختلاف فی اسم الصحابی الذی وقع له ذلك أنه أبو قیس صرمة بن أبی أنس قیس بن مالک فمن قال قیس بن صرمة قلبہ۔

سو جانے کے بعد رمضان المبارک میں جیسے کھانا پینا ممنوع ہو جاتا تھا اسی طرح بیویوں سے ہمبستر ہونا بھی ممنوع ہو جاتا تھا۔ صحابہ کو اس میں بہت دشواری پیش آئی۔

صحیح بخاری ص ۶۲۷ ج ۲ میں ہے کہ جب رمضان کے روزوں کا حکم ہوا تو (افطار کے بعد نیند آ جانے کی صورت میں) عورتوں کے قریب نہ جاتے تھے اور پورے رمضان کا یہی قانون تھا اور بہت سے لوگ اپنے نفسوں کی خیانت کرتے تھے (اور قانون کی خلاف ورزی کر بیٹھتے تھے) لہذا اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ﴾ نازل فرمائی۔ سنن ابوداؤد (باب کیف الاذان) میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے جماع کرنے کا ارادہ کیا انہوں نے کہا میں تو سو گئی تھی (اب یہ کام جائز نہیں رہا) انہوں نے سمجھا کہ یہ بہانہ کر رہی ہے لہذا جماع کر بیٹھے۔ تفسیر درمنثور ص ۱۹۷ ج ۱ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ رات کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے اور باتیں کرتے رہے جب گھر آئے تو دیکھا بیوی سو چکی ہے اسے جگایا اور مخصوص کام کا ارادہ کیا وہ کہنے لگی کہ میں تو سو گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ تم سوئی نہیں ہو (غلط کہہ رہی ہو) پھر اس سے جماع کر لیا اور کعب بن مالک کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ صبح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ سنایا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ﴾ نازل فرمائی۔ نفس کے ابھار کی وجہ سے جو نفسوں کا تقاضا پورا کر لیا اس میں بظاہر نفسی کی موافقت ہے لیکن قانون شرعی کی خلاف ورزی کی وجہ سے یہ نفسوں کی خیانت ہے کیونکہ احکام کی خلاف ورزی مواخذہ کی چیز ہے، اور تختانون کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ غلبہ شہوت کی وجہ سے تمہارے نفسوں کا تقاضا بیویوں کے پاس جانے کا ہوتا تھا لیکن تم اجازت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے تقاضے کو پورا نہ کرتے تھے اس میں نفسوں کی خواہش کی خیانت اگرچہ ایمانی تقاضوں کی موافقت تھی۔ اب مباشرت کی اجازت دے گئی تو نفسوں کی خیانت بھی ختم ہوئی۔ آیت شریفہ ﴿أَجَلٌ لَّكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ﴾ آخر تک نازل ہونے سے پوری رات کھانا پینا اور بیویوں سے مباشرت کرنا جائز ہو گیا جو کچھ کسی سے خلاف ورزی ہوئی تھی وہ اس پر نادم ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کو معاف فرما دیا۔

زن و شوہر کے تعلقات کا لطیف انداز میں بیان:

رمضان المبارک کی راتوں میں بیویوں سے مباشرت کی اجازت دیتے ہوئے میاں بیوی کے تعلق کو ایک لطیف انداز میں بیان فرمایا۔ اور وہ یہ کہ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں یعنی وہ تمہارے لیے سکون اور دل جمعی کا باعث ہیں اور تم ان کے لیے سکون اور دل جمعی کا باعث ہو۔

کما فی سورة الاعراف ﴿لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا وَفِي سُورَةِ الرَّومِ لِيَتَسَكَّنُوا إِلَيْهَا﴾

عورت اور مرد چونکہ معانقہ کرتے ہیں اور ہر ایک دوسرے سے لپٹ جاتا ہے۔ اس لیے ہر ایک کو ایک دوسرے کے لیے لباس سے تعبیر فرمایا اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے پردہ بن جاتے ہیں اور فسق و فجور سے روکتے ہیں۔ اس لیے بھی ہر ایک کو

دوسرے کا لباس بتایا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی بندہ نے نکاح کر لیا تو اس نے آدھا دین کامل کر لیا۔ لہذا وہ باقی آدھے دین کے بارے میں اللہ سے ڈرے۔ (مشکوٰۃ البیہقی فی شعب الایمان)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں پہلے جملہ یعنی ﴿هَنْ لِبَاسٍ لَكُمْ﴾ سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ تم عورتوں سے صبر نہیں کر سکتے اور دوسرا جملہ ﴿وَأَنْتُمْ لِبَاسٍ لَّهُنَّ﴾ یہ بتا رہا ہے کہ تمہارے لیے ان سے پرہیز کرنا مشکل ہے اور چونکہ مرد کا احتیاج خوب واضح ہے اس لیے پہلے جملے کو مقدم کیا گیا۔ (من روح المعانی ص ۱۶۵ ج ۱)

ابتغائے اولاد کا حکم:

یہ جو فرمایا ﴿وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ (یعنی طلب کرو تم جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے اولاد طلب کرنا مقصود ہے یعنی جماع کرنے میں نیت رکھو کہ اللہ تعالیٰ اولاد نصیب فرمائے گا۔ صاحب روح المعانی ص ۶۵ ج ۲ لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ نکاح کرنے میں نسل بڑھنے کی نیت رکھنی چاہئے صرف قضائے شہوت مقصود نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شہوت جماع کو بنی نوع انسان کی بقا کے لیے انسانوں میں رکھ دیا ہے۔ جیسا کہ کھانے کی خواہش انسانوں کے زندہ رہنے کے لیے پیدا فرمادی ہے صرف قضائے شہوت جانوروں کا مقصود ہے بعض مفسرین نے یہ بھی فرمایا کہ جب جماع کو اولاد طلب کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا تو اس سے عورتوں سے غیر فطری طریقے سے قضاء شہوت کرنے کی ممانعت ثابت ہوگئی کیونکہ وہ جگہ طلب ولد کی نہیں ہے۔

صبح صادق تک کھانے پینے کی اجازت:

پھر فرمایا ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے سفید تاگہ سیاہ تاگہ سے ممتاز ہو کر ظاہر ہو جائے (فجر کا تاگہ) اس میں اجازت دی گئی ہے کہ روزوں کی راتوں میں صبح صادق ہونے تک کھاپی سکتے ہو۔ سفید تاگہ سے بیاض النہار (یعنی دن کی سفیدی جو صبح صادق سے شروع ہوتی ہے) مراد ہے۔ اور سیاہ تاگہ سے سوا داللیل (یعنی رات کی تاریکی) مراد ہے۔ یہ تفسیر خود آنحضرت سرور عالم ﷺ سے مروی ہے۔ (کافی صحیح البخاری ص ۳۵۷ ج ۱)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آیت ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ نازل ہوئی اور ابھی لفظ من الفجر نازل نہ ہوا تھا تو بعض لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور کالا تاگہ باندھ لیا اور برابر کھاتے رہے یہاں تک کہ ان دونوں میں فرق ظاہر ہو جائے (وہ زمانہ بتی اور بجلی کا تو تھا نہیں چھوٹے چھوٹے گھروں میں اندر بیٹھ کر کھاتے رہے صبح صادق ہو جانے اور باہر روشنی پھیل جانے پر بھی دونوں تاگوں میں امتیاز نہ ہوا۔) ان حضرات نے خیط ابيض اور خیط اسود کا معروف معنی سمجھا پھر اللہ تعالیٰ نے لفظ من الفجر نازل فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ خیط ابيض اور خیط اسود سے دن اور رات مراد ہے۔ (صحیح بخاری ص ۲۸۷ ج ۱)

معلوم ہوا کہ سحری کھانے کا آخری وقت صبح صادق تک ہے اور چونکہ پوری رات میں جماع کرنے کی بھی اجازت دے دی گئی اس لیے جماع بھی صبح صادق ہونے تک جائز ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جنابت روزہ کے منافی نہیں ہے کیونکہ جب رات کے آخر حصے تک جماع کرنے کی اجازت ہے تو جماع کرنے والا لامحالہ فجر طلوع ہونے کے بعد ہی غسل کرے گا اور غسل کرنے میں جو وقت خرچ ہوگا اس وقت میں روزہ بھی ہوگا جو صبح صادق سے شروع ہو چکا ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو حالت جنابت میں فجر ہو جاتی تھی۔ پھر آپ روزہ رکھ لیتے تھے اور یہ جنابت احتلام کی نہیں بلکہ جماع کی وجہ سے ہوتی تھی۔ (صحیح بخاری ص ۲۵۸ ج ۱) چونکہ جنابت روزہ کے منافی نہیں ہے اس لیے اگر روزہ میں احتلام ہو جائے تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

روزہ کا ابتدائی وقت ﴿يَتَبَيَّنَ لَكُمْ﴾ میں بتا دیا پھر روزے کی انتہا بتانے کے لیے فرمایا: ﴿ثُمَّ آتَمُوا الصِّيَامَ إِلَى الْيَلِّ﴾ (پھر روزوں کو رات تک پورا کرو) رات غروب شمس ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے جیسے ہی سورج غروب ہو جائے روزہ افطار کرنے کا وقت ہو جاتا ہے۔

ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مشرق کی طرف سے رات آگئی اور دن مغرب کی طرف چلا گیا اور سورج چھپ گیا تو روزہ دار کے افطار کا وقت ہو گیا۔ (صحیح بخاری ص ۲۶۲ ج ۱)
مسئلہ: غروب ہوتے ہی فوراً روزہ افطار کر لینا مستحب ہے جیسا کہ سحری کھانا آخر رات میں مستحب ہے۔ (کمانی صحیح مسلم ص ۳۵۱ ج ۱)
البتہ سحری میں اتنی تاخیر نہ کرے کہ صبح صادق ہونے کا اندیشہ ہو جائے۔

اعتکاف کے فضائل اور مسائل:

پھر فرمایا ﴿وَلَا تَبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ (اور بیویوں سے میل ملاپ نہ کرو اس حال میں کہ تم اعتکاف کیے ہوئے ہو مسجدوں میں) اعتکاف مسنون ہے جو صرف مسجدوں ہی میں ہوتا ہے اور اس کے لیے نیت کرنا بھی ضروری ہے۔ اعتکاف کی نیت کے بغیر مسجد میں جتنا بھی وقت گزارے اعتکاف میں شمار نہ ہوگا۔ اعتکاف کے دنوں میں ایک تو شب قدر میں بیدار رہنے اور نمازوں میں قیام کرنے کی آسانی ہو جاتی ہے۔ دوسرے مخلوق سے تعلق کم سے کم ہو جاتا ہے۔ اور خالق تعالیٰ شانہ ہی کی طرف پوری توجہ رہتی ہے۔ دل و جان سے جسم اور زبان سے عبادت اور تلاوت میں مشغولیت رہتی ہے۔ یہ در پر جا پڑنے والی بات ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر رمضان میں دس دن کا اعتکاف فرماتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال بیس دن کا اعتکاف کیا۔ (صحیح بخاری ص ۲۷۲ ج ۱) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے پھر ایک سال کا اعتکاف نہیں کیا تو آئندہ سال بیس دن کا اعتکاف کیا۔ (سنن ابوداؤد ص ۳۳۲ ج ۱) اور ایک سال آپ نے ماہ شوال میں بھی بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ (ایضاً)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ گناہوں سے روکتا ہے اور اس کے لیے اس شخص کا ثواب لکھا جاتا ہے جو تمام نیکیاں کرنے والا ہو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۲۷) رات ہو یا دن اعتکاف میں جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ بیوی کو چھونا جائز نہیں ہے۔ اگر جماع کر لیا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا اگر شہوت کے بغیر ہاتھ لگایا تو اس کی گنجائش ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ حالت اعتکاف میں (مسجد میں بیٹھے ہوئے) اپنا سر مبارک میری طرف کونکال دیتے تھے اور میں آپ کا سر دھو دیتی تھی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کے سر میں کنگھی کر دیتی تھی۔ (صحیح بخاری ص ۲۷۲ ج ۱) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ آپ اعتکاف کی حالت میں صرف انسانی حاجت کے لیے گھر میں داخل ہوتے تھے۔ (صحیح بخاری ص ۲۷۲ ج ۱)

حاجت انسانی سے پیشاب پاخانہ مراد ہے۔ کھانا پینا چونکہ مسجد ہی میں ہوتا ہے اس لیے معتکف کو اس کے لیے مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ جب کوئی شخص اعتکاف کرے گا اور راتوں میں بیدار رہے گا تو جس رات میں بھی شب قدر ہوگی وہ اسے پالے گا اور اس کی خیر و برکت سے محرومی نہ ہوگی۔ قرآن شریف میں فرمایا ﴿كَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ (کہ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے) لہذا شب قدر کی تلاش میں رہنا چاہیے اور خاص کر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کر میں ہزار مہینے کے ۸۳ سال چند ماہ ہوتے ہیں چند گھنٹے عبادت میں گزار کر اتنا بڑا ثواب لے لینا عظیم نفع ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿وَلَا يَحْرَمُ خَيْرَهَا إِلَّا كَلَّ مَحْرُومًا﴾ (یعنی شب قدر کی خیر سے وہی محروم رہے گا جو پورا محروم ہے) (جسے ذرا بھی عبادت کا ذوق نہیں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۳ ج ۱) ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ جس شخص نے ایمان کے ساتھ ثواب کی امید رکھتے ہوئے شب قدر کی رات میں نماز میں قیام کیا (یعنی نفل نماز میں پڑھتا رہا) اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (صحیح بخاری ص ۷۰۱ ج ۱)

نفل روزوں کا بیان:

گزشتہ آیت میں جو فرمایا ﴿فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ﴾ اس میں نوافل کی ترغیب دی ہے بیان تو روزوں کے ذیل میں آتا ہے

لیکن الفاظ کے عموم میں ہر نفلی عبادت آگئی ہے۔ یہاں نفل نمازوں کے کچھ فضائل لکھے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے ہر نیکی کم از کم دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔
شش عید کے روزے:

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد چھ روزے شوال کے مہینے میں رکھے لیے تو (پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب ہوگا اگر ہمیشہ ایسا کرے گا تو) گویا اس نے ساری عمر روزے رکھے۔ (رواہ مسلم ص ۳۶۹ ج ۱)

جب کسی نے رمضان کے تیس روزے رکھے اور پھر چھ روزے اور رکھے لیے تو یہ چھتیس روزے رکھنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین سو ساٹھ روزے شمار ہوں گے اس طرح سے پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب ملے گا۔ اگر کوئی شخص ہر سال ایسا ہی کر لیا کرے تو وہ ثواب کے اعتبار سے ساری عمر روزہ رکھنے والا شمار ہوگا اگر رمضان کے روزے چاند کی وجہ سے ۲۹ ہی رہ جائیں تب بھی شوال میں چھ روزے رکھنے سے انشاء اللہ مذکورہ بالا ثواب ملے گا کیونکہ ہر مسلمان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ چاند نظر نہ آیا تو تیسواں روزہ بھی ضرور رکھے گا۔
پیر اور جمعرات کا روزہ:

پیر اور جمعرات کو بھی روزہ رکھنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال پیش ہوتے ہیں لہذا میں پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل اس حال میں پیش ہو کہ میں روزہ دار ہوں۔ (رواہ الترمذی ص ۱۳۱ ج ۱)

ایام بیض کے روزے:

ایام بیض کے روزے رکھنے کی بھی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ ۱۳-۱۴-۱۵ کو ایام بیض کہا جاتا ہے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو مہینے سے تین روزے رکھے تو تیرہ چودہ، پندرہ تاریخ کے روزے رکھ لے۔ (رواہ الترمذی ص ۱۳۳ ج ۱) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام بیض کے روزے رکھنے کا حکم فرماتے تھے۔ (رواہ النسائی ص ۳۲۹ ج ۱)
عاشوراء کا روزہ:

صحیح بخاری (ص ۲۶۸ ج ۱) میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ جاہلیت کے زمانہ میں قریش عاشوراء (محرم کی دس تاریخ) کا روزہ رکھتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا پھر جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو عاشوراء کا روزہ (بحیثیت تاکید حکم کے) باقی نہ رہا پھر جو چاہتا اس دن کا روزہ رکھتا تھا اور جو چاہتا چھوڑ دیتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یوم عاشوراء کا روزہ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت سے پہلے مشروع تھا اور اس کا روزہ رکھنا مؤکد تھا۔ رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد تا کہ ختم ہو گیا اور استحباب کا درجہ رہ گیا۔ صحیح مسلم (ص ۳۶۷ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پوری پوری امید رکھتا ہوں کہ یوم عرفہ (بقر عید کی نویں تاریخ) کا روزہ رکھنے پر ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے گناہ معاف فرمادے گا۔ اور یوم عاشوراء کے روزہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے پوری امید رکھتا ہوں کہ ایک سال پہلے کے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رمضان کے بعد سے زیادہ افضل محرم (یعنی اس کی دس تاریخ) کا روزہ ہے جو شہر اللہ ہے اور سب نمازوں میں فرض نمازوں کے بعد رات کی نماز (یعنی نماز تہجد) افضل ہے۔ (صحیح مسلم ص ۳۵۵ ج ۱)

قال الطیبی أراد بصیام شهر اللہ صیام یوم عاشوراء اھ ویكون من باب ذکر الكل وارادة البعض ویمكن أن یقال أفضلیتہ لما فیہ من یوم عاشوراء و لكن الظاهر أن المراد جمیع شهر المحرم۔ (کذا فی المرقاة)
 محرم کو شہر اللہ یعنی اللہ کا مہینہ فرمایا۔ یہ اضافت تشریحی ہے۔ کیونکہ سب مہینے اللہ ہی کی ہیں۔ محرم الحرام کی فضیلت بتانے کے لیے شہر اللہ فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نویں اور دسویں محرم کا روزہ رکھو اور یہودیوں کی مخالفت کرو۔ (سنن الترمذی ص ۱۲۲ ج ۱)
 اور شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ دسویں تاریخ کا روزہ رکھنا مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد روزہ رکھے۔
 صرف یوم عاشورا کا روزہ رکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں یہودی کی مشابہت ہے۔ (ذکرہ فی المرقاة)
 عشرہ ذی الحجہ کے روزے

بقر عید کی نویں تاریخ کے روزہ کی فضیلت اوپر معلوم ہوئی۔ اس سے پہلے جو آٹھ دن ہیں ان میں بھی روزہ رکھنا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ذوالحجہ کے اول کے دس دنوں میں عمل صالح سب دنوں کے اعمال سے افضل ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا اور جہاد فی سبیل اللہ سے بھی؟ فرمایا (ہاں) جہاد فی سبیل اللہ بھی ان دنوں کے اعمال صالحہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ الا یہ کہ کوئی شخص اللہ کی راہ میں نکلا (اور اس نے جان اور مال کی بازی لگادی) پھر کچھ بھی لے کر واپس نہ ہوا۔ (صحیح بخاری ص ۱۳۲ ج ۱)
 ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاشورا کا روزہ اور ذوالحجہ کے عشرہ اولیٰ کے روزے (باستثناء یوم الاضحیٰ) اور مہینے کے تین روزے نہیں چھوڑتے تھے۔ (سنن نسائی ص ۲۲۸ ج ۱)

فائدہ: بقر عید کی نویں تاریخ کو حج ہوتا ہے اس دن حج کرنے والے عرفات میں ہوتے ہیں۔ ظہر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک دعاؤں میں مشغولیت ہوتی ہے اس لیے حاج کے لیے افضل ہے کہ اس تاریخ کا روزہ نہ رکھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حج کے موقع پر اس دن روزہ نہیں رکھا تھا۔ (کمانی صحیح البخاری ص ۲۶۷ ج ۱، صحیح مسلم ص ۳۹۷ ج ۱)
 فائدہ: نفل عبادت روزہ ہو یا نماز، ذکر ہو یا تلاوت، حج ہو یا عمرہ جس قدر بھی کوئی شخص ادا کرے گا اس کا ثواب پائے گا۔ لیکن ہر عمل میں شریعت کے اصول و قوانین کا خیال رکھنا لازم ہے۔ ایک نفل روزہ کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے فی سبیل اللہ ایک روزہ رکھ لیا اللہ تعالیٰ اس کی ذات کو دوزخ سے اتنی دور کر دیں گے جتنی دور کوئی شخص ستر سال میں چل کر پہنچے۔ (یعنی وہ دوزخ میں نہ جائے گا)۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۸ ج ۱)

لفظ فی سبیل اللہ کا قابل غور معنی تو یہ ہے کہ جہاد کے موقع پر روزہ رکھنے کی یہ فضیلت ہے اور اسی لیے امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الجہاد میں ذکر کیا ہے اور بعض شراح حدیث نے اس کا ترجمہ لوجہ اللہ بھی کیا ہے۔ یعنی جو شخص اللہ کی رضا کے لیے روزہ رکھے۔ اس کا یہ ثواب ہے۔ فتح الباری (ص ۲۸ ج ۲) میں دونوں معنی لکھے ہیں۔ نفل روزہ بقدر طاقت (جس سے دوسری فرض عبادتوں میں ضعف نہ آجائے اور اپنے لیے اور اہل و عیال کے لیے ضروری حلال کسب معاش میں فرق نہ آئے) رکھتے رہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور راتوں رات نفل نماز میں قیام کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ایسا نہ کرو روزہ بھی رکھو اور بے روزہ بھی رہو اور رات کو نماز میں بھی قیام کرو اور سوؤ بھی۔ کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے پاس آنے جانے والوں کا بھی تم پر حق ہے۔ اور فرمایا کہ سب سے افضل روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بے روزہ رہتے تھے۔ (صحیح البخاری ص ۲۶۵ ج ۱)

سال بھر میں پانچ دن ایسے ہیں جن میں روزہ رکھنا حرام ہے:

پانچ دن پورے سال میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ وہ پانچ دن یہ ہیں عید الفطر کا دن اور ذی الحجہ کی ۱۰-۱۱-۱۲-۱۳ تاریخوں میں۔ ذوالحجہ کی

ان تاریخوں کو ایام تشریق کہا جاتا ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔ (رواہ المسلم ص ۲۵۰ ج ۱) بخاری ص ۲۶۷ ج ۱ میں حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا، ذکر اللہ میں تو ہمیشہ ہی مشغول رہنا چاہیے۔ لیکن ایام تشریق میں خصوصیت کے ساتھ ذکر اللہ کا اہتمام کیا جائے۔ مسئلہ: جس عورت کا شوہر گھر پر موجود ہو وہ شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزے نہ رکھے البتہ فرض روزوں میں شوہر کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ وہ منع بھی کرے تب بھی رکھے۔ کیونکہ اللہ کے فرائض سب کے حقوق سے مقدم ہیں۔ روزانہ نفل روزہ رکھنا محمود نہیں:

فائدہ: بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ روزانہ روزہ رکھتے ہیں روزانہ روزہ رکھنا محمود نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لا صام من صام الابد (یعنی جس نے ہمیشہ روزے رکھے اس نے روزے رکھے ہی نہیں)۔ (صحیح بخاری ص ۲۶۵ ج ۱) اور آپ نے روزانہ روزہ رکھنے والے کے لیے یہ بھی فرمایا کہ لا صام ولا افطر کہ اس نے نہ روزے رکھے نہ بے روزہ رہا (صحیح مسلم ص ۲۶۷ ج ۱) اور وجہ اس کی یہ ہے کہ روزانہ روزہ رکھنے سے نفس کو عادت ہو جاتی ہے۔ صرف کھانے پینے کے اوقات بدل جاتے ہیں۔ افضل الصیام:

سب سے افضل روزہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن بے روزہ رہے حضرت داؤد علیہ السلام اسی طرح نفل روزے رکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا لا صوم فوق صوم داؤد (صحیح بخاری ص ۶۵ ج ۱) (یعنی داؤد علیہ السلام کے روزہ سے بڑھ کر کوئی روزہ نہیں) اور ایک روایت ہے۔ لا افضل من ذلك (بخاری ص ۶۵ ج ۱) یعنی اس روزے سے افضل کوئی روزہ نہیں ہے۔ حدود اللہ سے آگے بڑھنے کی ممانعت:

آخر میں فرمایا ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا﴾ (الایۃ) (یعنی یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں لہذا ان کے پاس نہ پھنکو۔ گزشتہ آیات میں جو روزہ کی فریضیت اور مریض و مسافر کے لیے رخصت اور روزہ کی ابتداء اور انتہاء کے اوقات بیان ہوئے اور اعتکاف والوں کے لیے ارشاد ہوا کہ اعتکاف میں مباشرت نہ کریں ان سب کے بیان کرنے کے بعد ارشاد ہے کہ یہ احکام اللہ کی حد بندیاں ہیں۔ حدود سے آگے مت بڑھو جو حکم جس طرح ہوا ہے اس کو اسی طرح پورا کرو اور ایسی صورت کے قریب جانے کی ممانعت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے روزہ ضائع ہو جائے۔ نہ سحری میں اتنی دیر کریں کہ صبح صادق ہو جائے۔ نہ افطار میں اتنی جلدی کریں کہ سورج چھپنے سے پہلے ہی کھا کے فارغ ہو جائیں حالت روزہ میں منہ میں ایسی کوئی چیز نہ لیں جس کے اندر جانے کا اندیشہ ہو اور وضو کرتے وقت ناک میں پانی دینے میں مبالغہ نہ کریں (کما فی الحدیث و بالغ فی الاستنشاہ الا ان تکون صائما۔ رواہ ابو داؤد) روزے میں مسواک کرنا تو احادیث شریفہ سے ثابت ہے لیکن دوسری چیزوں سے روزے میں دانت صاف کرنے کو فقہاء نے اسی لیے مکروہ لکھا ہے کہ تھوڑا بہت اندر چلے جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِيَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ
بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۸﴾

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل ذریعہ سے مت کھاؤ۔ اور نہ لے جاؤ ان کو حاکموں کی طرف تاکہ کھا جاؤ ایک حصہ لوگوں کے مالوں میں سے گناہ کے ساتھ حالانکہ تم جانتے ہو۔

باطل طریقوں سے مال کھانے کی ممانعت

اس آیت میں باطل طریقہ پر کسی کا مال حاصل کرنے اور اپنے استعمال میں لانے کی ممانعت فرمائی۔ رمضان میں دن کے اندر حلال کھانے کی ممانعت فرمائی گئی۔ اور اب احکام رمضان کے متصل ہی یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ حرام کبھی نہ کھاؤ۔ نہ رمضان میں نہ رمضان کے علاوہ کسی دوسرے مہینہ میں۔ لفظ ”بالباطل“ بڑھا کر یہ بتا دیا کہ جو مال شرعاً جائز ہو مثلاً طیب نفس کے ساتھ کوئی ہدیہ دے دے یا شریعت کے مطابق تجارت کرنے کی بہت صورتیں ہیں۔ جن میں سے متعدد صورتیں آیت کریمہ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا﴾ کے ذیل میں بیان کر دی گئی ہیں۔ یہاں قرآن کریم نے ایک خاص صورت کا ذکر کیا ہے جس کے ذریعے لوگوں کے مالوں پر باطل طریقہ سے قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ حکام وقت کو ذریعہ بنا کر لوگوں کے مالوں کو اپنا مال بنا لیتے ہیں۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔

حاکم کے فیصلہ کر دینے سے کسی کا مال حلال نہیں ہو جاتا:

ایک صورت یہ ہے کہ کسی کے مال پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے اور حاکم کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کر لیا اور ایک طریقہ یہ ہے کہ جھوٹی تحریر لکھ کر یا جھوٹے گواہ بنا کر حاکم کے ہاں پیش کر کے کسی غیر کے مال اور جائیداد کے بارے میں اپنے حق میں فیصلہ کر لیا۔ اور ایک طریقہ یہ ہے کہ شرعی قانون کے خلاف حکومت وقت کے راج قوانین کے مطابق کسی کا مال دبا لیا۔ مثلاً کسی حکومت نے یہ قانون بنا دیا کہ مرنے والے کے مال میں صرف لڑکوں کا حصہ ہوگا۔ اور اس قانون کے پیش نظر لوگوں نے حاکم سے اپنے حق میں میراث تقسیم کرانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور بہنوں کو محروم کر دیا۔ یا جیسے کسی حکومت نے قانون بنا دیا کہ فلاں فلاں اشخاص کا مال زبردستی لے کر فلاں فلاں قسم کے آدمیوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ تو ان میں سے کسی بھی صورت میں کسی شخص کا مال ہرگز حلال نہیں ہوگا اور بھی اس کی بہت سی صورتیں ہیں جنہیں مقدمہ باز جانتے ہیں اور نکر و فریب کے ذریعہ حکام کو استعمال کر کے دوسروں کے مالوں پر قبضہ کرتے رہتے ہیں۔ حاکم سے فیصلہ کرا کر جو شخص کسی کا مال لے لے گا وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگا۔ دنیا و آخرت میں اس کا بہت بڑا وبال ہے اور سخت عذاب ہے۔ دنیاوی حکام کے فیصلوں کے ذریعے کسی کا مال اپنا بنا کر مطمئن نہ ہو جائیں۔ یہ یاد رکھیں کہ مالک یوم الدین قاضی روز جزاء جل مجدہ کے حضور میں بھی پیش ہونا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں انسان ہی ہوں اور تم میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو اور ممکن ہے کہ تم میں سے ایک آدمی دوسرے کے مقابلہ میں اپنی حجت کو بڑھ چڑھ کر بیان کر دے اور میں اس کے مطابق فیصلہ کر دوں جو کچھ میں نے اس سے سنا (اور یہ فیصلہ حقیقت میں غلط ہو) سو جس کے لیے میں اس کے بھائی کے مال میں سے کسی چیز کا کوئی فیصلہ کر دوں تو اسے ہرگز نہ لے کیونکہ میں اس کے لیے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۶۲ ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی پر جھوٹا مقدمہ دائر کیا اور جس کا حق نہیں ہے اس کے زور بیان پر میں نے اس کو دوسرے کا حق دلا دیا تو میرے دلانے سے وہ اس کے لیے حلال نہ ہو جائے گا۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ اللہ کے رسول (ﷺ) نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا۔ لہذا میرے لیے دوسرے کا مال حلال ہو گیا۔ باوجود فیصلہ کر دینے کے دوسرے کا مال مدعی کے لیے حلال نہ ہو جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی ایسی چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی نہیں ہے تو وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے اور وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔ (رواہ مسلم ج ۱ صفحہ ۵۷)

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جھوٹی قسم کھائی جس کے ذریعے کسی مسلمان کا مال اپنے حق میں کر لینا چاہتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ۲ صفحہ ۹۸، صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۸۰)

لفظ ﴿فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ﴾ جو فرمایا ہے۔ اس میں یہ بتا دیا کہ صرف آپس میں مسلمانوں ہی کا مال ناحق لے لینا حرام نہیں ہے

بلکہ غیروں کا مال ناحق لے لینا بھی حرام ہے۔ جو کافر مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہیں شریعت کی اصطلاح میں ابن کو ذمی کہا جاتا ہے۔ تمام مسلمانوں پر ان کی جان و مال کی حفاظت لازم ہے۔ اور خیانت کر کے یا کسی بھی طرح ان کا مال ناحق رکھ لینا جائز نہیں ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْآهْلِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۸۹﴾

وہ آپ سے چاندوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرمادیجیے کہ یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے لیے اور حج کے لیے، اور نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کے پچھواڑوں کی طرف سے آؤ لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص تقویٰ اختیار کرے۔ اور آجاؤ تم گھروں میں ان کے دروازوں سے۔ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

چاند میں کمی بیشی کیوں ہوتی ہے

تفسیر درمنثور ج ۱ صفحہ ۲۰۳ میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن عنمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ چاند چھوٹا بڑا کیسے ہو جاتا ہے۔ اول باریک دھاگہ کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ پھر بڑھتے بڑھتے بڑا ہو جاتا ہے۔ اور گول ہو جاتا ہے۔ پھر گھٹتے گھٹتے باریک ہو جاتا ہے۔ اور شروع میں جیسا تھا ویسا ہی آخر میں ہو جاتا ہے۔ ان کے سوال پر آیت بالا نازل ہوئی اور ان کو جواب دیا گیا کہ یہ چاند لوگوں کے لیے اوقات مقررہ بتانے والے ہیں اور حج کا وقت بھی ان کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ روزے کب رکھنا شروع کریں گے۔ عورتوں کے عدت کے اوقات ان کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں۔ اور خرید و فروخت کے معاملات میں جو کوئی اجل اور میعاد مقرر ہوتی ہے چاندوں کے ذریعہ ان کے ختم ہونے کا علم بھی ہوتا ہے۔

شریعت اسلامیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے:

شریعت اسلامیہ میں چاند کے مہینوں کا اعتبار کیا گیا ہے صاحب نصاب پر چاند کے اعتبار سے بارہ مہینے گزر جانے پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہوتی ہے (اگر کوئی شخص شمسی مہینوں کے اعتبار سے سال گزر جانے پر زکوٰۃ ادا کرتا رہے گا تو چھتیس سال کے بعد ایک سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں کمی رہ جائے گی۔ کیونکہ شمسی سال قمری سال سے دس گیارہ دن بڑا ہوتا ہے) جس عورت کا شوہر وفات پا جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور جس عورت کو اب تک حیض نہیں آیا اس کو طلاق ہو جائے تو اس کی عدت تین مہینہ ہے۔ یہ مہینے قمری مہینوں کے اعتبار سے معتبر ہوں گے۔ اور رمضان کے روزے بھی چاند ہی کے حساب سے رکھے جاتے ہیں کیونکہ رمضان چاند کے بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے پھر عید بھی چاند دیکھ کر کی جاتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چاند دیکھ کر (رمضان کے) روزے رکھنا شروع کرو، اور چاند دیکھ کر رمضان کے روزے رکھنا ختم کر دو۔ اگر چاند نظر نہ آئے تو تیس (روزوں کی) گنتی پوری کر لو۔ (صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۳۲۷، صفحہ ۳۲۸)

حج بھی ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو ہوتا ہے اور قربانیاں ذوالحجہ کی دس۔ گیارہ۔ بارہ کی تاریخوں میں ہوتی ہیں۔ ان سب احکام میں چونکہ چاند ہی کا مہینہ معتبر ہے اور چاند ہی کے حساب سے مہینوں کی ابتداء اور انتہا ہوتی ہے اس لیے چاند کے مہینوں کا محفوظ رکھنا اور ان کی ابتداء اور انتہا جاننا فرض کفایہ ہے۔

دینی امور کو قمری مہینوں سے متعلق کرنے میں آسانی ہے:

چاند کے مہینوں سے دینی امور کو متعلق کرنے میں عوام اور خواص کے لیے اور پورے عالم کے انسانوں کے لیے آسانی بھی ہے۔ چاند

شروع میں مغرب کی طرف چھوٹا سا نظر آتا ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اب مہینہ شروع ہے پھر چند دن کے بعد پوری رات روشن رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ایام بیض کا زمانہ ہے پھر اخیر میں مشرق کی طرف چھوٹا ہو کر نظر آنے لگتا ہے اور ایک دو دن بالکل ہی نظر نہیں آتا، اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اب مہینہ کا آخر ہو رہا ہے۔ اگر کسی مہینوں سے عبادت کا تعلق ہوتا تو اسے صرف حساب دان ہی سمجھ سکتے تھے اور ہر شخص کے پاس کیلنڈر اور جنتری ہونا ضروری تھا اور یہ یاد رکھنا ضروری تھا کہ کونسا مہینہ کتنے دن کا ہوتا ہے یہ سب باتیں عوام کے لیے سمجھنا اور یاد رکھنا مشکل تھا پھر کیلنڈر وغیرہ اب ترقی یافتہ دنیا میں چھپنے لگے وہ بھی ہر بستی اور ہر گھر میں نہیں ہوتے۔ اور احکام اسلام چودہ سو سال سے نافذ ہیں پھر کیلنڈر اور جنتریوں پر عبادت کیسے موقوف رکھی جاسکتی ہے۔ عوام اور خواص کے لیے یہ آسانی ہے کہ چاند دیکھا اور مہینے کی ابتداء اور انتہا سمجھ لی۔ سورج روزانہ ایک ہی طرح غلط اور چھپتا ہے۔ سردی گرمی میں اس کا طلوع غروب ایک ہی طرح ہے۔ اسے دیکھ کر مہینوں کی ابتداء اور انتہا سمجھنے کا کوئی راستہ نہیں۔

صاحب روح المعانی ج ۲ صفحہ ۱۷۱ لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ نے جو سوال کیا تھا وہ یہودیوں کے سوال کرنے پر تھا۔ یہودیوں نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے چاند کے بارے میں سوال کیا تو ان حضرات نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کر لیا۔ الفاظ سوال میں احتمال ہے کہ انہوں نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت معلوم کی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے گھٹنے بڑھنے کی علت اور سبب معلوم کیا ہو۔ اگر چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت معلوم کی تھی تب تو جواب سوال کے مطابق ہو گیا کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے میں عبادت کے اوقات اور معاملات کی میعادیں معلوم کرنے کا فائدہ ہے۔ اگر چاند آفتاب کی طرح ایک ہی حالت پر ہوتا تو اوقات کا سمجھنا اور معلوم کرنا مشکل ہو جاتا۔ اور اگر حضرات صحابہ کا سوال چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت جاننے کے متعلق تھا تو جواب من قبیل اسلوب الحکیم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں وہ معلوم کرنا چاہئے جس کی تمہیں ضرورت ہے۔ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے اسباب تکوینیہ جاننے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں، تمہیں ضرورت ہے چاند کے گھٹنے بڑھنے میں حکومت کیا ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے چنانچہ ان کو اسی سوال کا جواب دے دیا گیا جو سوال انہیں کرنا چاہئے تھا۔ چاند کا گھٹنا بڑھنا یعنی چھوٹا بڑا نظر آنا اس کے اسباب تکوینیہ ریاضی کی کتابوں میں لکھے ہیں کچھ پرانے فلاسفہ کے تخیلات ہیں اور کچھ نئے سائنس کے تصورات ہیں ان میں سے کسی بھی چیز کی قرآن و حدیث سے تصدیق نہیں ہوتی اور نہ کوئی دینی مسئلہ ان کے جاننے پر موقوف ہے۔ بہت سے لوگ فلکیات اور اجرام سماویہ کے احوال جدید آلات کے ذریعہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مروجہ علوم میں ماہر بھی ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے کو بڑا عالم بھی سمجھتے ہیں دنیا کے ادارے اور ملکوں کے سربراہ ان کو اعزازی ڈگریاں بھی دیتے ہیں۔ لیکن یہ سب ان چیزوں کے خالق و مالک کی نہ صرف عبادت کرنے سے اور اس کی معرفت سے محروم ہیں بلکہ اس ذات پاک پر ایمان بھی نہیں لاتے جس نے یہ چیزیں پیدا فرمائیں۔ قرآن مجید کے طرز جواب میں ان لوگوں کو بھی تنبیہ ہے کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے اسباب تکوینیہ کے جاننے میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان پر سب سے زیادہ خالق جل جلالہ کے احکام کی طرف متوجہ ہونا فرض ہے۔

گھروں میں دروازوں سے آنے کا حکم:

چاندوں کے متعلق سوال کا جواب دینے کے بعد جاہلیت کی ایک رسم کی تردید فرمائی۔ صحیح بخاری ج ۲ صفحہ ۲۲۸ میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جاہلیت میں عرب کے لوگ جب احرام باندھ لیتے تھے تو (احرام کے زمانہ میں) گھر کی پشت سے داخل ہوتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿لَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا﴾ اور صحیح بخاری ابواب العمرہ ج ۱ صفحہ ۲۲۲ میں یوں نقل کیا ہے کہ انصار (اوس اور خزرج کے قبیلے) جب حج کر کے واپس ہوتے تھے تو اپنے گھروں میں دروازوں سے نہیں بلکہ پچھواڑوں کی طرف سے داخل ہوتے تھے ایک انصاری جو حج کر کے آئے تو وہ گھر کے دروازہ سے داخل ہوئے (ان کو عار دلائی گئی) گویا انہوں نے کوئی برا کام کیا ہے اس پر آیت بالا نازل ہو گئی۔

اپنی طرف سے کسی کام میں ثواب یا گناہ سمجھ لینا بدعت ہے:

گھروں کے پچھواڑوں سے داخل ہونے کو وہ لوگ ثواب سمجھتے تھے اور اس کو نیک کام جاننے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ نیکی نہیں ہے کہ اپنے گھروں میں ان کی پشتوں کی طرف سے آؤ۔ نیکی اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ان سے پرہیز کیا جائے۔ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی رہے اور اپنی طرف سے تراشے ہوئے احکام اور اعمال کی پابندی کی جائے اور اس میں ثواب سمجھا جائے یہ گمراہی کی بات ہے۔ جس چیز کو شریعت نے ضروری نہیں قرار دیا یا ثواب کا کام نہیں بتایا اس کو اپنی طرف سے ضروری قرار دے دینا یا ثواب کا کام سمجھ لینا بدعت ہے اور گناہ ہے جیسا کہ جو چیز شرعاً جائز ہو اسے گناہ سمجھنا گناہ ہے، گھروں کے دروازوں سے داخل ہونا شرعاً جائز تھا اس کو گناہ قرار دیا اور مکان کی پشتوں کو توڑ کر داخل ہونے کو ضروری سمجھا اور ثواب کا کام جانا اس لیے ان کے عقیدہ اور عمل کی تردید فرمائی اور آخر میں فرمایا ﴿وَ اتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ کہ تم اللہ سے ڈرو تا کہ کامیاب ہو جاؤ۔ اس کے احکام پر عمل پیرا ہو اور اس کے احکام میں تغیر و تبدل نہ کرو۔

علامہ جصاص کا ایک استنباط:

علامہ جصاص احکام القرآن ج ۱ صفحہ ۲۵۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ قانون معلوم ہوا کہ جس عمل کو اللہ تعالیٰ نے ثواب کا کام نہیں بتایا اور جس کی ترغیب نہیں دی وہ کسی شخص کے ثواب بنا لینے سے ثواب کی چیز نہ بنے گا۔ نہ دین کا جزو ہوگا۔ اس کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ نہ سمجھ لیا جائے۔ اور یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ وہ دین ہے پھر لکھتے ہیں کہ اس کی نظیر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دن بھر خاموش رہنے سے منع فرمایا، (چونکہ شریعت محمدیہ میں خاموش رہنے کا روزہ نہیں ہے)۔ اور ایک شخص کو آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ وہ دھوپ میں کھڑا ہے آپ نے فرمایا اس کو کیا ہوا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اس نے دھوپ میں کھڑے ہونے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ سایہ میں چلا جا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝
 وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا
 تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۗ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَلِكَ جَزَاءُ
 الْكَافِرِينَ ۝ فَإِنْ اتَّهَمُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ
 الدِّينُ لِلَّهِ ۗ فَإِنْ اتَّهَمُوا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝

اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں، اور زیادتی مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، اور تم ان کو قتل کرو جہاں بھی پالو، اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا، اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور ان سے جنگ مت کرو مسجد حرام کے پاس جب تک کہ وہ تم سے اس میں خود نہ لڑیں۔ سوا گروہ تم سے جنگ کریں تو تم ان کو قتل کر دو۔ ایسی ہی جزا ہے کافروں کی۔ سوا گروہ باز آ جائیں تو اللہ غفور رحیم ہے۔ اور ان سے یہاں تک جنگ کرو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور ہو جائے دین اللہ ہی کے لیے۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو زیادتی نہیں ہے مگر ظالموں پر۔

اللہ کی راہ میں قتال کرنے کا حکم اور ظلم و زیادتی سے پرہیز کرنے کی تاکید
 حضرت سید المرسلین ﷺ ہجرت کے چھٹے سال اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے جب مکہ معظمہ قریب

آیا تو مقام حدیبیہ پر مشرکین مکہ نے آپ کو روک دیا۔ اور مکہ معظمہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ بڑی رد و کد کے بعد انہوں نے دس سال کے لیے چند شرطوں پر صلح کر لی ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس سال عمرہ نہیں کر سکتے آئندہ سال عمرہ کے لیے تشریف لائیں۔ اور اس وقت مکہ معظمہ میں تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہریں گے۔ یہ ہی ذی قعدہ کا مہینہ تھا۔ پھر آپ آئندہ سال ماہ ذی قعدہ ہی میں عمرہ کی قضاء کے لیے تشریف لائے اس زمانے میں چار مہینوں میں قتال اور جنگ کرنا ممنوع تھا۔ ان چار مہینوں میں ذی قعدہ کا مہینہ بھی شامل تھا۔

لباب النقول میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ مذکورہ بالا آیت اس موقع پر نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ ﷺ عمرہ القضاء کے لیے اپنے صحابہ کے ساتھ مکہ میں تشریف لے گئے تھے حضرات صحابہ کو یہ اندیشہ ہوا کہ ممکن ہے کہ قریش مکہ صلح کی شرطوں کی خلاف ورزی کر بیٹھیں اور اس مرتبہ بھی مسجد حرام تک نہ پہنچے دیں اور جنگ پر آمادہ ہو جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو ہمیں بھی جنگ کا اقدام کرنا پڑے گا اور یہ بھی اس مہینہ میں ہوگا جس میں جنگ کرنا حرام ہے اور ہم جو ابی کار روائی نہ کریں تو مغلوب ہوں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی اور قتال کرنے کی اجازت دے دی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ تم سے قتال کرتے ہیں ان سے قتال کرو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ زیادتی مت کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کر نیوالوں کو پسند نہیں فرماتا۔ شریعت اسلامیہ میں ہر چیز کی حدود ہیں۔ اصول ہیں، آداب ہیں اور اخلاق عالیہ ہیں۔ قتل اور قتال کے بھی کچھ اصول ہیں۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ لَا تَعْتَدُوا کے عموم ہیں وہ سب باتیں داخل ہو گئیں جو جنگ کے موقع پر ممنوع ہیں مثلاً مثلہ کرنا (کسی مقتول کے ناک کان کاٹ دینا صورت بگاڑ دینا) مال غنیمت میں خیانت کرنا، عورت، بچوں، اور بوڑھوں کو قتل کرنا جو نہ جنگ کرتے ہوں نہ جنگ کے معاملات میں کوئی رائے یا مشورہ دیتے ہوں اور مثلاً راہوں کو قتل کرنا اور بغیر کسی مصلحت کے درختوں کو جلانا اور حیوانات کو قتل کرنا (تفسیر ابن کثیر ج ۱ صفحہ ۲۶۶) صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۸۲ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر یا کسی فوجی دستہ کا کسی کو امیر بنا کر بھیجتے تو خاص کر اس کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور جو مسلمان اس کے ساتھ جا رہے ہوں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت فرماتے تھے۔ پھر فرماتے تھے کہ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو شخص اللہ کو نہ مانتا ہو اس سے جنگ کرنا مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور غدر نہ کرنا اور کسی کا مثلہ نہ کرنا اور کسی بچہ کو قتل نہ کرنا۔

بعض روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ جہاد کے موقع پر ایک عورت مقتولہ پائی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا، آپ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے کی ممانعت فرمائی۔ (صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۸۲)

پھر فرمایا ﴿وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ تَقْتُلُوهُمْ﴾ (کہ ان کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ) ﴿وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُواكُمْ﴾ (اور ان کو نکال دو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا) یعنی تمہیں مکہ معظمہ چھوڑ کر ہجرت پر مجبور کیا۔

فتنہ گری قتل سے زیادہ سخت ہے:

اور فرمایا ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے) فتنہ سے مراد شرک ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ج ۱ صفحہ ۷۵ کہ صحابہ کے دلوں میں جو بات آرہی تھی کہ حرم میں ان کو کس طرح قتل کریں گے۔ جبکہ حرم کا احترام ضروری ہے۔ ان کے اس وسوسہ کا جواب دیا گیا کہ جس کام میں یہ لوگ خود لگے ہوئے ہیں یعنی شرک باللہ اور وہ بھی حرم میں وہ قتل کرنے سے بہت زیادہ سخت ہے۔ لہذا تم اس کی پرواہ نہ کرو کہ حرم میں قتل و قتال واقع ہو جائے گا۔

دفاع کے لیے قتال کرنا:

پھر فرمایا: ﴿وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقْتَلُوا فِيهِ فَإِنْ قَتَلُواكُمْ فَأَقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ﴾ (اور ان سے جنگ مت کرو مسجد حرام کے پاس جب تک کہ وہ تم سے اس میں خود نہ لڑیں۔ سوا گروہ تم سے جنگ کریں تو تم ان کو قتل کر دو، ایسی ہی جزا

ہے کافروں کی) اس میں مسلمانوں کو ابتداءً بالقتال کی ممانعت فرمائی کہ مسجد حرام کے قریب خود سے قتل و قتال کی ابتداء نہ کرنا جب تک کہ وہی تم سے قتال شروع نہ کریں اگر وہ حرم کی حرمت کی پاسداری ترک کر دیں تو تم بھی ان کو قتل کر دو۔

قال صاحب الروح ج ۲ صفحہ ۷۵ نفی للخرج عن القتال في الحرم الذي خاف منه المسلمون وكرهوه اي ان

قاتلوكم هناك فلا تبالوا بقتالهم لانهم الذين هتكوا الحرمه و انتم في قتالهم دافعون القتل عن انفسكم۔

اس کے بعد فرمایا ﴿فَإِنْ أَنْتَهُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ یعنی اگر مشرکین کفر اور شرک سے باز آجائیں اور اسلام قبول کر لیں تو (اہل اسلام سے قتال بھی نہ کریں گے) اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے (وہ سب کی توبہ قبول فرماتا ہے)

قتال کب تک ہونا چاہئے:

پھر فرمایا ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ﴾ (یعنی کافروں سے یہاں تک جنگ کرو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کے لیے ہو جائے) اس میں قتال کی ضرورت اور غرض و غایت بیان فرمائی ہے شرک اور کفر بدترین گناہ ہے۔ خالق و مالک کی بغاوت ہے۔ دنیا میں اس کو مٹانے کے لیے کافروں اور مشرکوں سے جنگ کرتے رہیں اور یہاں تک جنگ کریں کہ سارا دین اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔ صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۸ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ حکم ہوا کہ لوگوں سے اس وقت تک قتال کرتا رہوں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کو نہ مانیں۔ جب انہوں نے اس کو کہہ لیا تو وہ مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچالیں گے۔ ہاں اگر اسلام کا قانون ان کے خونوں اور مالوں کے بارے میں جاری کرنا ضروری ہو تو وہ اور بات ہے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

(یعنی کوئی شخص اگر ظاہراً اسلام قبول کرے گا تو ہم اس کو قتل نہ کریں گے۔ آگے اس کا حساب اللہ کے سپرد ہے دل سے اسلام قبول نہ کیا ہو گا تو آخرت کے دائمی عذاب میں مبتلا ہوگا۔ دلوں کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ ہم ظاہر کے پابند ہیں)۔

قتال کرنے میں کیا نیت ہو؟

آیت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ قتال کی ضرورت کفر اور شرک کو مٹانے کے لیے ہے وہاں قتال کرنے والوں کو یہ بھی بتا دیا کہ قتال اور جہاد میں یہ نیت رکھیں کہ اللہ کا بول بالا ہو اس کا دین بلند ہو۔ دنیا سے اس کے باغی ختم ہوں، اور حقیقتاً اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا وہی ہے جو اللہ کی بات بلند کرنے کے لیے قتال کرے ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سوال کیا کہ ایک آدمی مال غنیمت کے لیے قتال کرتا ہے۔ ایک شہرت کے لیے لڑتا ہے اور ایک اس لیے لڑتا ہے کہ لوگ اس کی بہادری کے قائل ہو جائیں سو ان میں فی سبیل اللہ لڑنے والا کون ہے؟ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ کی بات اونچی ہو تو وہ فی سبیل اللہ لڑنے والا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۳۹۴)

فائدہ: عرب کے مشرکوں کے لیے یہی قانون ہے کہ یا تو اسلام قبول کریں یا قتل کر دیئے جائیں ان کے علاوہ دوسرے انسانوں کے لیے جان و مال محفوظ کرنے کا یہ بھی طریقہ ہے کہ وہ جزیہ دینا منظور کر لیں وہ مسلمانوں کے ملک میں مغلوب ہو کر رہیں اور اصول شریعت کے مطابق ان سے جزیہ وصول کیا جاتا رہے۔ سورۃ برأت میں ادائے جزیہ کی صورت میں جنگ بند کر لینے کا ذکر ہے۔ یہاں چونکہ مشرکین عرب کا ذکر ہے اس لیے جزیہ کا ذکر نہیں فرمایا اور یہ بھی ممکن ہے کہ جزیہ کا قانون بعد میں نازل ہوا ہو۔

فتنوں کو دبانے کے لیے جنگ کرنا:

یہ جو فرمایا ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ﴾ اس میں واضح طور پر فرمایا کہ قتال فتنہ ختم کرنے کے لیے ہے۔ لفظ فتنہ عام ہے..... سب سے بڑا فتنہ کفر اور شرک ہے اور اس کے علاوہ فسق و فجور کے فتنے بھی اٹھتے رہتے ہیں کبھی مسلمان بھی آپس میں لڑتے ہیں اس میں بہت سی مرتبہ واضح طور پر کسی جماعت کے بارے میں حق اور ناحق کا فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور بعض مرتبہ جنگ میں شریک

ہونے پر موجود فتنہ میں اضافہ ہو جاتا ہے اس لیے دین دار سمجھ دار آخرت کے فکر مند حضرات اس میں حصہ نہیں لیتے۔ صحیح بخاری ج ۲ صفحہ ۶۲۸ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں دو آدمی آئے۔ یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ وجدال کرنے کا زمانہ تھا۔ ان دونوں نے عرض کیا کہ لوگ ضائع ہو رہے ہیں اور آپ حضرت عمر کے بیٹے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ آپ جنگ میں حصہ کیوں نہیں لیتے؟..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان دونوں سے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے (مسلمان) بھائی کا قتل کرنا حرام قرار دیا ہے (پھر میں کیسے شرکت کروں؟ ممکن ہے مجھ سے کوئی ناحق قتل ہو جائے) ان دونوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً..... (کہ ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم نے دشمنان دین سے یہاں تک جنگ کی کہ فتنہ باقی نہ رہا اور دین اللہ ہی کے لیے ہو گیا اور تم چاہتے ہو کہ یہاں تک جنگ کروں کہ فتنہ وجود میں آجائے اور دین غیر اللہ کے لیے ہو جائے (لہذا تمہاری جنگ اللہ کے لیے نہیں ہے میں اس میں کیسے شرکت کروں؟)

آج کل قتل و قتال کی کثرت ہے اسلام کا دعویٰ کرنے والے افراد اور جماعتیں طرح طرح کی عصبتوں کی وجہ سے اور دشمنان دین کے ابھارنے کے باعث آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو مسلمان بے تحاشہ قتل کر ڈالتے ہیں اول تو قتل مسلم حرام ہے اور بہت بڑا گناہ ہے جس کی سزا آخرت میں بہت سخت ہے پھر اس سے کفر اور اہل کفر کی تقویت ہوتی ہے اور دشمن کے مقابلہ میں مسلمانوں میں کمزوری آتی ہے۔ یہ وہی فتنہ ہے جس کے پیش نظر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قتال میں حصہ لینے سے باز رہے اور فرمایا کہ قرآن نے تو یہ فرمایا ہے کہ یہاں تک جنگ کرو کہ فتنہ نہ رہے اور تم اس لیے لڑتے ہو کہ فتنہ ہو۔ تمام مسلمان حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بات کو سمجھیں اور باہمی قتل و قتال کر کے دنیا و آخرت کے عذاب اور وبال کے مستحق نہ بنیں۔

جو مشرک اسلام قبول کر لیں ان کو قتل کرنا جائز نہیں:

یہ جو فرمایا ﴿فَإِنْ أَنْتَهُوا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ اس میں یہ بتایا کہ کافر اور مشرک اگر اسلام قبول کر لیں تو پھر ان کا قتل کرنا جائز نہیں۔ اگر اسلام قبول کرنے کے بعد تم نے ان کو قتل کیا تو تم ظالم ہو جاؤ گے اور پھر تم گرفت اور سزا کے مستحق ہو گے کیونکہ ظالم ہی گرفت کے مستحق ہوتے ہیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان پر سختی کرنے کا موقع نہ رہا۔ سختی تو ظالموں پر ہوتی ہے جو لوگ کفر و شرک پر مصر ہیں ان پر سختی کرنا درست ہے۔

مفسر بیضاوی ص ۱۳۴ پر لکھتے ہیں:

ای فلا تعتدوا علی المنتہین اذ لا یحسن ان یظلم الا من ظلم او انکم ان تعرضتم للمنتہین صرتم ظالمین و ینعکس الامر علیکم

اور معالم التنزیل ج ۱ صفحہ ۲۴۳ میں ہے: ای فان اسلموا فلا نهب ولا أسر ولا قتل الا علی الظالمین الذین بقوا علی الشرك۔

لفظ عدوان کا ترجمہ زیادتی کیا گیا ہے۔ جو اس کا لفظی ترجمہ ہے تعدی اور اعتداء کا مادہ بھی یہی ہے جو لوگ اسلام قبول نہ کریں ان سے قتال کرنے کو عدوان سے جو تعبیر فرمایا ہے یہ مشاکلتہ ہے یعنی انہوں نے جو کفر پر کمر باندھ رکھی ہے اور اس طرح سے زیادتی کر رکھی ہے تم ان کو اس زیادتی کی سزا دے سکتے ہو..... انہوں نے زیادتی کی ہے تو تم بھی زیادتی کر سکتے ہو یعنی ان کی زیادتی پر ان کو قتل کر سکتے ہو۔ مسلمانوں کی طرف سے جو ان پر قتل اور غارت گری کی صورت میں سزا ہوگی اسے عدوان فرمایا۔ جیسے محاورات میں کہہ دیتے ہیں کہ فلاں زیادتی کرے تو تم بھی زیادتی کرو حالانکہ زیادتی کا جواب زیادتی نہیں ہوتا۔ و فی التنزیل العزیز و جزاء سینیۃ مثلھا۔ (من البغوی البیضاوی)

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ
بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۹۴﴾

حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے عوض، اور حرمتیں معاوضہ کی چیزیں ہیں۔ سو جو شخص تم پر کوئی زیادتی کرے تو اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کرو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مشرکین کی زیادتی کا جواب

صلح کی شرطوں کے مطابق جب نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ۷ھ میں عمرہ القضاء کے لیے تشریف لے گئے تو یہ ماہ ذی قعدہ تھا مشرکین مکہ سے مسلمانوں کو خطرہ تھا کہ معاہدہ کی پاسداری نہ کریں اور حملہ کر دیں اگر انہوں نے حملہ کیا تو حرمت والے مہینہ میں اور حرم میں جنگ کرنی پڑے گی اور اس سے مکان و زمان دونوں کی حرمت میں فرق آئے گا۔ حرم کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا دیا کہ ﴿وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقْتَلُوا كَمَا فِيهِ﴾ اور مہینہ کی حرمت کے بارے میں اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر جنگ کرنی پڑے تو تم جنگ کر لینا اور حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے عوض ہو جائے گا یعنی مشرکین حرمت والے مہینہ کا احترام کریں تو تم بھی احترام کرو اور خود سے جنگ نہ کرو وہ بے حرمتی کر بیٹھیں تو تم بھی جوابی کارروائی کرو۔ اور یہ فرمایا والحرمت قصاص اس کا مطلب یہ ہے کہ حرمت عوض اور معاوضہ کی چیزیں ہیں جو لوگ تمہارے ساتھ ان حرمتوں کی رعایت کریں تم بھی ان کی رعایت کرو جس ذات پاک نے حرم اور ماہ حرم میں جنگ کرنے کو حرام قرار دیا اسی کی طرف سے جوابی کارروائی کرنے اور دفاع کرنے کی اجازت مل گئی تو اب حیرانی پریشانی کا کوئی موقعہ نہ رہا۔

پھر فرمایا ﴿فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ﴾ (یعنی جو شخص تم پر زیادتی کرے تو اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہے)

جس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی (یعنی عمرہ القضاء جس میں دشمنوں کے حملے کا خطرہ تھا) اس کے بارے میں بتا دیا کہ زیادتی کرنے والے پر اتنی ہی زیادتی کر سکتے ہو جتنی وہ زیادتی کرے آیت کا نزول اگرچہ خاص موقعہ پر تھا لیکن الفاظ کے عموم نے مستقل قانون بتا دیا کہ زیادتی کا جواب بقدر زیادتی ہی دے سکتے ہو اور جتنی زیادتی کسی نے کی ہو اس سے اسی قدر بدلہ لے سکتے ہو اگر اس سے زیادہ کچھ کیا تو پھر تم زیادتی کرنے والے ہو جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے:

آخر میں فرمایا ﴿وَ اتَّقُوا اللَّهَ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ (یعنی بدلہ لینے میں اور ہر موقعہ پر گناہ سے بچو اور اللہ سے ڈرو۔ جس چیز کی اجازت نہیں اسے نہ کرو اور یہ بھی سمجھ لو کہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کا بہت بڑا مقام ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔ اگر کسی موقعہ پر نفس کے ابھار کی وجہ سے زیادتی کرنے کا تقاضا ہوا، اور شرعی ممانعت کی وجہ سے اس سے پرہیز کیا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کا بدلہ دیں گے۔

وَ اتَّقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۗ وَأَحْسِنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۹۵﴾

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور نہ ڈالو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں، اور خوبی کے ساتھ کام کیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ خوبی کے ساتھ کام کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت

مستدرک حاکم ص ۲۷۵ ج ۳ میں ابو عمران سے روایت نقل کی ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم قسطنطنیہ میں تھے اور امیر المومنین کی طرف سے مصر پر عقبہ بن عامر چینی اور شام پر فضالہ عامل تھے رومیوں کی ایک بہت بڑی صف (جنگ کرنے کے لیے) سامنے آئی۔ مسلمانوں نے بھی ان کے سامنے بہت بڑی صف بنالی ایک مسلمان نے رومیوں کی صف پر حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ ان میں گھس گئے پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر وہاں سے نکلے۔ لوگ کہنے لگے کہ اس نے تو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں ڈال دیا اس پر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم اس آیت کا مطلب غلط لیتے ہو (اس کا یہ مطلب نہیں کہ دشمنوں سے قتال نہ کرو اور ان پر حملہ آور نہ ہو) یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غلبہ دے دیا اور اس کے مددگار بہت ہو گئے تو بعض انصار نے یوں کہا کہ ہمارے مال ضائع ہو گئے۔ لہذا اب اگر ہم مالوں کی دیکھ بھال کے لیے گھروں میں مقیم رہیں (تو شاید کچھ حرج نہ ہو) اللہ تعالیٰ شانہ، نے ہمارے ارادوں کی تردید فرمائی اور آیت کریمہ ﴿وَ أَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (الایۃ) نازل فرمائی۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ مالوں کی دیکھ بھال کے لیے گھروں میں بیٹھنے میں ہلاکت ہے۔ پس ہم کو جہاد کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ موت آنے تک برابر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے سنن ترمذی کتاب التفسیر (تفسیر سورۃ البقرہ) میں بھی یہ واقعہ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مروی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: فلو اقمنا فی اموالنا واصلحنا ما ضاع منها۔ (کہ اگر ہم اپنے مالوں میں قیام کرتے اور ان میں جو خرابی و خستگی آگئی ہے اسے ٹھیک کر لیتے تو اچھا تھا) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالانازل فرمائی جس سے واضح ہوا کہ ہلاکت مالوں کی دیکھ بھال اور ان کی اصلاح کے لیے گھروں میں مقیم ہونے اور جہاد چھوڑنے میں ہے۔ آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ کافروں کے ساتھ جہاد کرتے رہنے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے رہنے میں اسلام اور مسلمان کی عزت و غلبہ ہے اور اس کو چھوڑنے میں ہلاکت ہے۔

جہاد کی اہمیت اور ضرورت:

درحقیقت جہاد بہت بڑی چیز ہے اس میں بہت بڑی عزت ہے اس سے اللہ کی مدد آتی ہے اور اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ رہتا ہے۔ تاریخ الخلفاء ص ۸۷ میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مرویات میں بحوالہ طبرانی (فی المعجم الاوسط) حدیث نقل کی ہے۔ ما ترک قوم الجہاد الأعمہم اللہ بالعذاب (جس قوم نے جہاد کو چھوڑ دیا اس پر اللہ تعالیٰ عام عذاب بھیج دیں گے) جب سے مسلمانوں نے فی سبیل اللہ جہاد کرنا چھوڑ دیا ہے اس کی وجہ سے عمومی عذاب بھی دیکھ رہے ہیں مسلمان جہاد کی طرف متوجہ نہیں، یا تو آپس میں لڑتے ہیں یا دشمن کی شہہ پر جنگ کرتے ہیں اور جنگ میں بھی وطن یا زبان کی عصیہ پیش نظر ہوتی ہیں اللہ کی رضا کے لیے اور اللہ کی بات اونچی کرنے کے لیے جنگ کرنے کا دھیان بھی نہیں ہوتا۔ لامحالہ دشمن پیٹ دیتا ہے۔ اور جب ایک دشمن دوسرے دشمن کو مسلمانوں کا ملک دلو اتا ہے تو اسی کے پاس فریاد لے کر چلے جاتے ہیں اور اسی کے فیصلوں پر راضی ہو جاتے ہیں اس طرح ہلاکت میں پڑ رہے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جو جان و مال خرچ کرنے کا حکم ہے مسلمانوں کا کوئی ملک اس پر عمل کرنے کو تیار نہیں۔ فالی اللہ المشتکی وهو المستعان۔

یہ جو فرمایا: ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ اس کی ایک تفسیر تو وہی ہے جو شان نزول سے معلوم ہوئی اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی لیکن مفسرین نے اس کا مصداق بتاتے ہوئے اور بھی کئی چیزیں ذکر کی ہیں اور الفاظ کے عموم کے اعتبار سے بہت سی صورتیں اس میں شامل ہیں۔ مال کے خرچ کرنے میں اسراف کرنا، حلال ذریعہ معاش کو ضائع کرنا۔ خودکشی کرنا۔ قصداً و عمداً ایسے کام کرنا جس میں ہلاکت ہو۔ جن مواقع میں مال خرچ کرنا فرض یا واجب ہے وہاں خرچ کرنے سے جان چرانا، گناہوں میں مبتلا رہنا تو بہ نہ کرنا۔ اور اس طرح کی بہت سی صورتیں ہیں جو جان کو ہلاکت میں ڈالنے کے ذیل میں آتی ہیں وہ سب ممنوع ہیں۔

صفت احسان اختیار کرنے کا حکم:

آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿وَ أَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ لفظ أَحْسِنُوا باب افعال میں ہے کہ امر کا صیغہ ہے۔ اور احسان حسن سے ماخوذ ہے۔ حسن خوبی اور اچھائی کو کہتے ہیں اور احسان کسی کام کو عمدہ طریقے پر انجام دینے کو کہا جاتا ہے جو کام کیے جائیں ان کی شرائط اور آداب کا خیال رکھا جائے۔ تاکہ ان میں صف احسان پیدا ہو جائے اور خوبی کے ساتھ انجام دینا صادق آجائے۔ حدیث جبریل میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت سرور عالم ﷺ سے جب سوال کیا کہ احسان کیا چیز ہے تو آپ نے عبادت کو احسان بتا دیا اور فرمایا: ان تعبد الله كأنك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك (احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے) زکوٰۃ کو صفت احسان کے ساتھ ادا کریں دکھاؤ مقصود نہ ہو، ردی مال نہ دیں جس کو دیں اس پر احسان نہ دھریں، خوش دلی کے ساتھ دیں پوری زکوٰۃ نکالیں، حج میں جنایات نہ کریں۔ جنگ و جدال سے پرہیز کریں۔ حج کر کے نام کرنا مقصود نہ ہو۔ روزہ رکھیں، غیبت اور سب و شتم سے روزہ کی حفاظت کریں یہ سب صفت احسان میں شامل ہے انسانی ضرورت کے لیے جانوروں کے ذبح کرنے کی اجازت دی گئی لیکن اس میں بھی صفت احسان ملحوظ رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے بارے میں خوبی اختیار کرنے کا حکم فرمایا سو جب تم (کسی کو شریعت کی اجازت سے) قتل و قتال کرنے میں خوبی اختیار کرو (مثلاً ہاتھ پاؤں نہ کاٹ دو، چہرہ نہ بگاڑ دو) اور جب تم ذبح کرنے لگو تو خوبی کے ساتھ ذبح کرو اپنی چھری تیز کر لو اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔ (صحیح مسلم ص ۱۵۲ ج ۱)

وَأَتُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ

اور پورا کرو حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے۔ پس اگر تم کو روک دیا جائے تو قربانی کا جانور جو میسر ہو ذبح کر دو، اور اپنے سروں کو اس وقت تک نہ مونڈو جب تک کہ قربانی کا جانور اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے۔ سو جو شخص تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دے دے روزوں سے یا صدقے سے یا قربانی کے جانور سے۔

حج اور عمرہ کے احکام

جہاد کا حکم بیان فرمانے کے بعد اب حج اور عمرہ کے احکام بیان کیے جاتے ہیں۔ جو شخص مکہ معظمہ تک سواری پر آ جا سکتا ہو اور سفر کے اخراجات اس کے پاس ہوں اور بال بچوں کے لیے ضروری اخراجات بھی موجود ہوں اس پر حج کرنا فرض ہے اور حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے اس سے زیادہ جو کوئی شخص حج کرے گا تو وہ نفل ہوگا۔ حج کے کام آٹھ ذوالحجہ سے شروع ہوتے ہیں اور بارہ تیرہ ذوالحجہ تک ختم ہو جاتا ہے۔ البتہ طواف وداع اس وقت ہوگا جب مکہ معظمہ سے واپس آنے لگیں گے اگرچہ اس سے پہلے بھی جائز ہے (بشرطیکہ اس سے پہلے طواف زیارت کر چکا ہو) چونکہ افعال حج کے لیے ایام مقرر ہیں اس لیے حج میں یہ بات نہیں ہے کہ جب چاہے کر لیں۔ اور عمرہ پورے سال میں جس وقت چاہے کر سکتا ہے اس کی کوئی تاریخ مقرر نہیں البتہ ایام حج میں یعنی ۹-۱۰-۱۱-۱۲-۱۳ ذوالحجہ کو عمرہ کرنا فقہانے مکروہ لکھا ہے۔ (کیونکہ ایام حج کی مشغولیت کے ہیں) عمرہ زندگی میں ایک مرتبہ کر لینا سنت ہے اگر کسی کو مقدور ہو تو عمرہ کی فضیلت سے محروم نہ ہو۔ عمرہ میں احرام طواف دو چیزیں فرض ہیں اور صفا مروہ کی سعی اور حلق یا قصر (سر منڈانا یا کاٹنا) جس سے احرام سے نکل جائے یہ دونوں چیزیں واجب ہیں،

اور عمرہ دونوں کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیانی گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور (جس میں گناہ نہ کیے ہوں) اس کی جزا جنت ہی ہے (صحیح بخاری ص ۲۳۸ ج ۱) اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور ایسی باتیں نہ کیں جو مرد و عورت کے درمیان ہوتی ہیں اور گناہ نہ کیے وہ (حج کر کے) ایسا واپس ہو گا جیسا کہ اس دن (بے گناہ) تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ (صحیح بخاری ص ۲۰۶ ج ۱) اور رمضان المبارک میں عمرہ (ثواب میں) حج کے برابر ہے۔ (صحیح بخاری ص ۲۳۹ ج ۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج و عمرہ کے درمیان متابعت کرو (کہ ایک کے بعد دوسرے کو ادا کرو) کیونکہ وہ دونوں تنگدستی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جیسے بھٹی سونے چاندی اور لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

جو لوگ حج کے لیے جاتے ہیں وہ حج سے پہلے یا حج کے بعد عمرہ کر ہی لیتے ہیں لیکن جو لوگ غیر ایام حج میں مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کر کے چلے آتے ہیں اور پھر زندگی بھر حج فرض کے لیے نہیں جاتے وہ لوگ ترک حج کر کے گنہگار ہوتے ہیں جس کی وعید بہت شدید ہے۔ حج نہ کرنے پر وعید:

مکہ معظمہ پہنچنے کی قدرت ہوتے ہوئے حج کیے بغیر مر جانا سخت گناہ ہے حدیث شریف میں ہے کہ جسے مجبوری نے ظالم بادشاہ نے یا روکنے والے مرض نے حج سے نہ روکا اور مر گیا اور حج نہ کیا تو چاہے یہودی ہونے کی حالت میں مرجائے یا نصرانی ہونے کی حالت میں مرجائے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۲۲ عن الدارمی)

حج اور عمرہ احرام کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ حج یا عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ (یعنی لبیک اللہم لبیک اخیر تک) پڑھنے سے احرام میں داخل ہو جاتا ہے۔ ممنوعات اور محظورات دونوں احراموں کے ایک ہی ہیں۔ ان کی خلاف روزی پر بعض صورتوں میں دم (یعنی حرم مکہ میں ایک سال کی بکری یا بکرا ذبح کرنا) اور بعض صورتوں میں صدقہ بقدر صدقہ فطر واجب ہوتا ہے۔

احرام کے ممنوعات:

احرام کے ممنوعات یہ ہیں (۱) خوشبو استعمال کرنا۔ (۲) جسم سے بال دور کرنا۔ (۳) ناخن کاٹنا۔ (۴) خشکی کا شکار کرنا۔ (۵) میاں بیوی والے خاص تعلق کو کام میں لانا اور شہوت کے کام کرنا۔ (۶) مرد کو ایسا کپڑا پہننا جو پورے بدن یا کسی ایک عضو کی ہیئت اور ساخت پر سی کر یا بن کر یا چپکا کر تیار کیا گیا ہو۔ (۷) مرد کو سر یا چہرہ کو کپڑا لگانا اور عورت کو چہرہ پر کپڑا لگانا (اجنبی مردوں سے پردہ کرنے کے لیے چہرہ سے ہٹا کر چادر وغیرہ لٹکا لے، پردہ احرام میں بھی لازم ہے)۔

ان چیزوں کی خلاف ورزی کرنے پر جو دم یا صدقہ واجب ہوتا ہے اس کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں اور حج کی معتبر کتابوں میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ مرض کی مجبوری سے اگر بال دور کرے یا ناخن کاٹے یا مرد سلا ہوا کپڑا پہنے یا سر ڈھانکے یا چہرہ ڈھانکے یا عورت چہرہ ڈھانکے تو اس کے لیے رعایت ہے جو ابھی عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوں گی۔ جب حج یا عمرہ کے احرام سے نکلنے کا شرعاً موقع آ جائے اس وقت بال مونڈ کر یا بال کاٹ کر احرام سے نکل جائے۔ اس وقت سے پہلے بالوں کے مونڈنے یا تراشنے سے جزا لازم ہوگی۔ عورتوں کو احرام سے نکلنے کے لیے سر مونڈنا حرام ہے۔ وہ پورے سر کے بال بقدر ایک پورے کے کاٹ کر احرام سے نکل جائے۔ اگر کسی مرد نے بقدر ایک پورے کے چوتھائی سر کے بال کاٹ دیئے یا عورت نے چوتھائی سر کے بال اپنی چوٹی سے بقدر ایک پورے کے کاٹ دیئے تو احرام سے نکل جائیں گے بشرطیکہ احرام سے نکلنے کا وقت ہو چکا ہو۔

احصار کے احکام:

اگر کسی مرد یا عورت نے حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیا اور کسی مرض یا دشمن یا درندہ کی وجہ سے آگے بڑھنے سے روک دیا گیا کہ حج کے احرام

والا نہ عرفات جاسکتا ہے نہ طواف کر سکتا ہے۔ اور عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد طواف سے روک دیا گیا تو اس کو احصار کہتے ہیں اور جس محرم کو روک دیا گیا ہو اسے محصر کہتے ہیں۔ محصر اگر انتظار نہیں کر سکتا اور احرام سے نکلنا چاہتا ہے تو وہ حدود حرم میں ایک سال کی بکری ذبح کر دے ایسا کرنے سے احرام سے نکل جائے گا۔ اور اس کے بعد احرام کی پابندیاں ختم ہو جائیں گی اگر حدود حرم میں خود موجود نہیں ہے تو جس جگہ بھی ہے وہاں سے کم از کم ایک سال کی بکری یا بکریا اس کی قیمت بھیج دے اور جس کے ذریعے بھیجے اس سے وقت مقرر کر لے کہ فلاں دن فلاں وقت ذبح کر دے۔ جب وہ وقت آجائے اور غالب گمان ہو جائے کہ اب جانور ذبح ہو چکا ہوگا تو احرام سے نکل جائے اب اگر ان کاموں میں سے کوئی کام کرے گا جو احرام کی وجہ سے ممنوع تھے تو جزا لازم نہ ہوگی اور صرف جانور ذبح ہو جانے سے احرام سے نکل جائیگا مگر بہتر یہ ہے کہ مرد محصر ہو تو سر بھی منڈا دے۔ اگر کوئی شخص قارن تھا یعنی اس نے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھا تھا تو وہ حدود حرم میں دو جانور ذبح کرائے جب یہ دونوں جانور ذبح ہو جائیں گے تو وہ دونوں احراموں سے نکل جائے گا۔

حج و عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد پورا کرنا لازم ہے:

اس ساری تفصیل کو سامنے رکھ کر اب آیت کی تفسیر غور سے پڑھیے۔ اول تو یہ فرمایا ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ (کہ حج و عمرہ کو پورا کرو اللہ کے لیے) اس سے معلوم ہوا کہ جو بھی کوئی مرد یا عورت حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے تو اب احرام کے کپڑے اتار دینے سے یا نیت بدل دینے سے احرام سے نہ نکلے گا اور حج یا عمرہ پورا کرنا ہی ہوگا۔ حج فرض ہو یا نفل، عمرہ سنت ہو یا نفل، اپنا حج ہو یا حج بدل۔ بہر حال پورا کرنا ہی لازم ہے۔ اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ حج یا عمرہ کا احرام تو باندھ لیا لیکن احصار ہو گیا کسی دشمن یا مرض کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور احرام میں رہنے میں دقت ہے اور جلد حلال ہونا چاہتا ہے تو حرم میں قربانی کا جانور ذبح کر دے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔ حرم میں جانور ذبح کرائے بغیر احرام سے نہیں نکل سکتا۔ اسی کو فرمایا: ﴿فَإِنْ أَحْصَرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ کہ اگر تم روک دیے جاؤ تو جو جانور میسر ہو ذبح کر دو۔ یا دوسرے سے ذبح کر دو۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ جب ۷ھ میں عمرہ کرنے کے لیے اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے اور دشمنوں نے مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم جانور ذبح کر کے احرام سے نکل گئے تھے۔ یہ مقام حدیبیہ کا قصہ ہے جو مکہ معظمہ سے دس میل ہے اور جدہ کے پرانے راستے پر ہے۔ آج کل اس کو شمیسیہ کہتے ہیں۔ یہ جو فرمایا ﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ﴾ (اور اپنے سروں کو مت مونڈو، یہاں تک کہ قربانی کا جانور اپنی جگہ پہنچ جائے) جگہ سے مراد حرم ہے۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ احصار کا جانور حرم میں ذبح کیا جائے۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ احرام میں سر مونڈنا ممنوع ہے۔

سنن ترمذی (باب ماجاء فی الذی یھل بالحج فیکسر او یعرج) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا کوئی عضو ٹوٹ گیا یا لنگڑا ہو گیا تو اس کو حلال ہونے کی اجازت ہے اور اس پر آئندہ ایک حج کرنا لازم ہے۔ (وقال الترمذی هذا حدیث حسن واخرجه الحاكم فی المستدرک ج ۱ ص ۲۷۰ وقال صحیح علی شرط الشیخین و اقره الذہبی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب محصر قربانی کا جانور ذبح کرا کر حلال ہو جائے تو اس کے ذمہ قضاء بھی لازم ہوتی ہے۔

احصار زائل ہو جانے کے بعد:

اگر کسی شخص نے حج کا احرام باندھا تھا اور احصار ہو جانے کی وجہ سے حرم میں جانور ذبح کرا کے حلال ہو گیا پھر احصار دور ہو گیا اور ابھی اسی سال حج کا وقت باقی ہے لہذا اس نے دوبارہ احرام باندھ کر اسی سال حج کر لیا تو حج ادا ہو گیا۔ اور اب اس کی قضاء واجب نہیں اور اگر اسی سال حج نہ کر سکا تو حج کی قضاء واجب ہے، آئندہ سال یا جب بھی موقع ہو قضا کی نیت سے حج کرے اور اس کے ساتھ ایک عمرہ کرنا بھی واجب ہوگا،

المحصر بالحج اذا تحلل ثم زال الاحصار عنه وحج من عامه فلیس علیہ نية القضاء ولا عمره علیہ۔

اگر قارن تھا اور اسی سال احرام کے مطابق حج یا عمرہ نہ کر سکا تو اس پر قضا میں ایک حج اور دو عمرے واجب ہوں گے۔
مسئلہ: اگر حج فرض کے احرام میں احصار ہوا تھا اور حرم میں قربانی کرا کر احرام سے نکل گیا تھا تو جب بھی حج کرے قضا کی نیت کرنا واجب نہیں
خواہ اسی سال حج کرے یا اس کے بعد۔

مسئلہ: ہر محصر پر قضا واجب ہے خواہ حج فرض ہو یا نفل، اپنا حج ہو یا حج بدل، اگر عمرہ کے احرام میں احصار ہوا تھا تو اس کی قضا بھی واجب ہے
اور اس پر صرف ایک ہی عمرہ کی قضا لازم ہے۔ جب چاہے عمرہ کر سکتا ہے۔ عمرہ کے ساتھ دوسرا عمرہ کرنا واجب نہیں (جبکہ حج قضا کرنے کی
صورت میں اس کے ساتھ ایک عمرہ کرنا بھی واجب ہے)۔

فائت الحج کا حکم:

اگر کسی شخص کو احصار ہو گیا اور وہ حرم میں قربانی کرا کے احرام سے نہ نکلا حتیٰ کہ حج کے دن گزر گئے یعنی احرام باندھنے کے بعد نو ذوالحجہ کو
زوال سے لیکر صبح صادق ہونے تک عرفات میں نہ پہنچ سکا۔ تو اس کا حج فوت ہو گیا اور یہ شخص فائت الحج ہو گیا۔ جب حج فوت ہو جائے۔ عذر
سے یا بلا عذر تو اسی احرام سے عمرہ کے افعال ادا کر کے یعنی طواف اور سعی کر کے بال موٹا کر احرام سے نکل جائے پھر آئندہ سال یا جب موقع
مل جائے اس حج کی قضا کر لے۔ اس قضا کے ساتھ عمرہ کرنا لازم نہیں۔

مسئلہ: عمرہ میں احصار تو ہو سکتا ہے لیکن عمرہ فوت نہیں ہوتا۔ عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد جتنے دن بھی گزر جائیں جب بھی عمرہ کرے گا ادا ہو
جائے گا۔ کیونکہ وہ پورے سال میں ادا ہو سکتا ہے۔ اگر عمرہ کے احرام کے بعد محصر ہو گیا اور ابھی قربانی کرا کے احرام سے نہیں نکلا تھا کہ احصار
زائل ہو گیا تو اب جا کر عمرہ کر لے۔

عذر کی وجہ سے ارتکاب جنایت کا حکم:

اگر کسی نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا اور سر منڈانے پر دکھ تکلیف کی وجہ سے مجبور ہو گیا۔ مثلاً سر میں جوئیں زیادہ پڑ گئیں یا پورے سر یا
آدھے سر میں درد ہے تو ایسے شخص کو اختیار ہے کہ سر منڈا دے اور چونکہ یہ احرام پر جنایت ہوگی اس لیے یا تو حرم میں ایک سال کی بکری ذبح کر
دے یا تین صاع گیہوں چھ مسکینوں کو دے دے۔ ہر مسکین کو آدھا صاع دے (آدھا صاع صدقہ فطر کے برابر ہوتا ہے) یا تین روزے رکھ
لے، اگر مالدار ہو تب بھی اختیار ہے کہ ان تینوں کاموں میں سے جو صورت چاہے اختیار کر لے۔

آیت شریفہ میں یہ جو فرمایا ہے۔ ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾ (یعنی
جو شخص تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دے دے روزوں سے یا صدقے سے یا قربانی کے جانور سے) اس میں یہی
مسئلہ بیان کیا ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام حدیبیہ میں میرے پاس
کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت میرے سر سے جوئیں گر رہی تھیں آپ نے فرمایا کیا یہ جانور تجھے تکلیف دے رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا جی
ہاں! آپ نے فرمایا کہ سر موٹو لو۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنا سر موٹو لو اور تین دن کے روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو کھانا دے دو یا
ایک بکری ذبح کر دو۔ تیسری روایت میں اس کی تصریح ہے کہ ہر مسکین کو آدھا صاع دے دینا یہ سب روایات صحیح بخاری ص ۲۴۴ میں مذکور
ہیں۔ آیت شریفہ میں جو ﴿فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾ وارد ہوا ہے اس کی تفسیر حدیث شریف سے معلوم ہوگئی۔

مسئلہ: مرض کی معذوری اور سر میں تکلیف ہونے کی مجبوری سے سر منڈانے کا فدیہ اوپر مذکور ہوا اگر کوئی شخص احرام میں ہو اور سخت بخار یا سخت
سردی یا سخت گرمی میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے سلا ہوا کپڑا پہن لے اور بقدر ایک دن یا ایک رات کے پہنے یا بقدر ایک دن ایک رات کے سر یا

چہرہ ڈھانک لے یا علاج کی مجبوری سے زخم پر خوشبودار دوا استعمال کر لے تو اس صورت میں ایک دم واجب ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ عذر کی وجہ سے جنایت کا ارتکاب کیا ہے اس لیے مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔ اگر بلا عذر ان جنایات کا ارتکاب کرے تو دم ہی دینا لازم ہے۔

مسئلہ: اگر بیماری کی مجبوری کی وجہ سے کوئی ایسا کام کیا جس سے بلا عذر کرنے میں صدقہ واجب ہوتا ہے۔ مثلاً ایک دن یا ایک رات سے کم سلا ہوا کپڑا پہنا تو اس صورت میں اختیار ہے کہ ایک مسکین کو آدھا گیہوں دے دے یا اس کے عوض ایک روزے رکھ لے۔

فَإِذَا آمَنْتُمْ فَانْتَبِهُوا بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ
ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلَهُ
حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۱۹۶

پھر جب تم امن کی حالت میں ہو سو جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر منتفع ہو تو قربانی کا جانور جو میسر ہو ذبح کر دے، سو جو شخص نہ پائے تو تین دن کے روزے ہیں حج میں اور سات دن کے روزے ہیں جب کہ تم لوٹ آؤ۔ یہ پورے دس ہوئے۔ یہ اس کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں۔ اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔

تمتع اور قرآن کا بیان

جو شخص صرف حج کا احرام باندھے اور حج سے پہلے کوئی عمرہ نہ کرے اس کا حج، حج افراد ہوگا۔ اور جو شخص حج سے پہلے حج کے مہینوں میں عمرہ کرے اور پھر اسی سال حج بھی کرے اس کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ کر جائے پھر عمرہ کرنے کے بعد سر مونڈ کر یا قصر کر کے احرام سے نکل جائے اور ایام حج کا انتظار کرتا رہے پھر ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو مکہ معظمہ سے حج کا احرام باندھ لے اور حج کے سب کام پورے کر لے جیسا کہ حج افراد والا کرتا ہے۔ اس کو فقہاء کی اصطلاح میں جمع تمتع کہا جاتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھے اس کے بعد مکہ معظمہ آ کر عمرہ کر لے پھر حلق یا قصر کر کے احرام سے نکل جائے۔ اس کو فقہاء کی اصطلاح میں قرآن کہا جاتا ہے۔ جو صرف حج کرے وہ مفرد ہے اور جو شخص حج اور عمرہ دونوں کو جمع کرنے کی پہلی صورت اختیار کرے وہ تمتع ہے اور جو شخص دوسری صورت اختیار کرے، وہ قارن ہے۔

تمتع اور قارن پر قربانی واجب ہے:

تمتع اور قارن پر جمرہ کبریٰ کی رمی کرنے کے بعد حلق یا قصر سے پہلے قربانی کرنا بھی واجب ہے اس کو دم شکر کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ دونوں عبادتیں جمع کرنے کی سعادت نصیب فرمائی ہے، اسی کو فرمایا ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ (جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر منتفع ہوا ہو جو قربانی کا جانور میسر ہو ذبح کر دے)۔

قربانی حرم ہی میں ہونا ضروری ہے اور منیٰ میں ہونا افضل ہے اور بارہویں تاریخ کا سورج چھپنے سے پہلے قربانی کر دینا واجب ہے۔ تمتع اور قارن جب تک قربانی نہیں کرے گا اس وقت تک حلق یا قصر کرنا جائز نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جو لفظ تمتع فرمایا ہے یہ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے ہے اصطلاحی تمتع اور قرآن دونوں کو شامل ہے۔ تمتع اور قرآن کی قربانی میں ایک سال کا بکرا یا بکری یا پانچ سالہ اونٹ یا دو سالہ گائے کے ساتواں حصہ بھی کافی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ تمام شرکاء کی نیت ثواب کی ہو۔

تمتع اور قرآن کی قربانی کا بدل:

اگر کسی متمتع یا قارن کے پاس قربانی کا جانور نہیں اور پیسے بھی نہیں ہیں تاکہ جانور خرید کر قربانی کرے تو اس کے لیے یہ آسانی ہے کہ عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے پہلے پہلے تین روزے رکھ لے چاہے متفرق طور پر رکھے چاہے متواتر (لگاتار) رکھے۔ مگر لگاتار رکھنا مستحب ہے اور افضل یہ ہے کہ ذوالحجہ کی ساتویں، آٹھویں اور نویں کو رکھ لے اور اگر اندیشہ ہو کہ نویں کا روزہ رکھنے سے وقوف عرفات کے موقع پر ضعف ہو جائے گا تو اس سے پہلے ہی تینوں روزے رکھ کر فارغ ہو جائے۔ تین روزے تو یہ ہوئے جو حج سے پہلے رکھ لیے اور سات روزے تیرہویں تاریخ کے بعد رکھ لے۔ خواہ مکہ مکرمہ ہی میں مقیم ہو خواہ اپنے گھریا اور کسی جگہ چلا گیا ہو۔ ان روزوں کو بھی متفرق طور پر رکھ سکتا ہے اور لگاتار رکھنا افضل ہے۔ یہ کل دس روزے ہو گئے جو قربانی کا بدل ہیں۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ﴾

مسئلہ: اگر کسی نے دس ذوالحجہ سے پہلے تین روزے نہ رکھے اور نویں تاریخ گزر گئی تو اب روزے رکھنے سے تمتع اور قرآن کی قربانی کا بدل نہیں ہو سکتا بلکہ اب قربانی ہی کرنا متعین ہو گیا۔ اگر قربانی کرنے پر قدرت نہیں ہے تو حلق یا قصر کرنا حلال ہو جائے پھر اگر بارہ تاریخ کے اندر قربانی کرنے پر قادر ہو گیا تو قربانی کر دے اور ایک دم ذبح سے پہلے حلق یا قصر کرنے کا دے اور اگر بارہ تاریخ کے بعد قربانی پر قادر ہو تو تین دم دینے ہوں گے۔ ایک دم شکر (یعنی تمتع یا قرآن کی قربانی) اور ایک ذبح سے پہلے حلق یا قصر کرنے کا، اور ایک ایام نحر سے ذبح مؤخر کرنے کا۔

مسئلہ: تمتع کی ایک صورت یہ ہے کہ محرم اپنے ساتھ قربانی کا جانور بھی لایا ہو ایسے محرم کو سائق الھدی کہتے ہیں۔ جو تمتع سائق الھدی ہو مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کر لے لیکن حلق اور قصر نہ کرے ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ آنے تک احرام ہی میں رہے پھر آٹھ تاریخ کو حج کا احرام باندھ لے اور حج افراد کرنے والوں کی طرح حج کرے اور دسویں تاریخ کو جمرہ کبریٰ کی رمی اور ذبح کے بعد حلق یا قصر کر کے دونوں احراموں سے ایک ساتھ نکل جائے۔

مسئلہ: جو شخص مفرد ہو اس پر حج کی قربانی واجب نہیں ہے۔ بلکہ مستحب ہے کہ وہ قربانی کر دے۔ اگر قربانی کرے تو افضل یہ ہے کہ اذی الحجہ کو جمرہ کبریٰ کی رمی کے بعد پہلے ذبح کر لے پھر حلق یا قصر کرے البتہ رمی سے پہلے حلق یا قصر جائز نہیں ہے۔ اگر مفرد نے قربانی سے پہلے حلق یا قصر کر دیا تو افضل کے خلاف ہوگا۔

مسئلہ: دم قرآن یا تمتع کی قربانی عید الاضحیٰ کی قربانی کے قائم مقام نہیں ہے۔ عید الاضحیٰ کی قربانی مقیم پر واجب ہے مسافر پر واجب نہیں۔ جو لوگ مکہ مکرمہ میں حج سے پہلے پہنچ کر پندرہ روز قیام کرنے کی نیت کر چکے ہیں ان پر عید الاضحیٰ کی قربانی بھی واجب ہے۔ مگر اس کے لیے حرم میں ہونا شرط نہیں۔ وطن میں بھی خط بھیج کر یا پہلے سے کہہ کر کرائی جاسکتی ہے۔ پھر فرمایا ﴿ذَلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾

(یہ اس کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں) اس میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ ذلک کا مشار الیہ کیا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے یہ اشارہ ﴿مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ کی طرف ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ اشارہ جمع بین النسکین کی طرف ہے جو ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ﴾ میں مذکور ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے فرمایا ہے کہ تمتع اور قرآن ان لوگوں کے لیے جائز نہیں ہے جو مکہ معظمہ میں یا حل میں رہتے ہیں بلکہ جو شخص مکہ مکرمہ میں اس وقت موجود ہو جب عید کا چاند ہو تو اس کے لیے بھی تمتع اور قرآن جائز نہیں ہے ہاں اگر یہ لوگ حج کے مہینوں سے پہلے میقات سے باہر کہیں چلے جائیں پھر اشہر حج میں احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آئیں تو قرآن اور تمتع کر سکتے ہیں۔

آخر میں فرمایا ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ کہ اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے چونکہ ہر کام اسی

وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اللہ کا خوف دل میں ہو اس لیے بار بار تقویٰ کا حکم دیا جاتا ہے حج کے متعدد احکام بیان فرما کر یہاں بھی ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ شدید العقاب ہے۔ نافرمانی پر عذاب ہونے کا قانون ہے۔ لہذا ہر نافرمانی سے بچو۔

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَةٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمُهُ اللَّهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ۗ وَاتَّقُونِ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ﴿۱۹﴾

حج کا وقت چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں، سو جس شخص نے ان میں حج کو اپنے ذمہ لازم کر لیا تو نہ کوئی فحش بات ہے نہ فسوق ہے نہ کسی قسم کا جھگڑا ہے۔ اور جو بھی کوئی نیک کام کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور زادراہ ساتھ لے لیا کرو چونکہ بہتر زادراہ بچا رہنا ہے اور اے عقل والو! مجھ سے ڈرتے رہو۔

حج کے مہینوں کا تذکرہ اور حج کے بعض احکام

حج کا وقت چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حج کے چند مہینے اللہ پاک کی طرف سے مقرر ہیں جو معروف و مشہور مہینے ہیں۔ ان میں ماہ شوال اور ماہ ذیقعدہ اور شروع کے دس دن ذوالحجہ کے ہیں افعال حج تو ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ سے شروع ہوتے ہیں لیکن شوال اور ذیقعدہ کو حج کے مہینوں میں اس لیے شمار کیا گیا کہ ان میں اگر کوئی شخص عمرہ کرے اور اس کے بعد اسی سال حج بھی کرے تو وہ عمرہ مل کر حج تمتع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے قربانی واجب ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص شوال سے پہلے عمرہ کرے تو وہ عمرہ مفردہ ہوگا اور اس کی وجہ سے حج تمتع نہ بنے گا۔ اسی طرح اگر کسی کو تمتع یا قرآن کی قربانی کے عوض روزے رکھنے ہیں تو وہ حج کے کسی بھی مہینہ میں عمرہ کے احرام کے بعد تین روزے رکھ سکتا ہے جو ہدی کے عوض حج سے پہلے رکھے جاتے ہیں اگر کوئی شخص حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھ لے تو احرام تو منعقد ہو جائے گا لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ یہ سب احکام اس پر متشرع ہیں کہ حج کے مہینے شوال کا چاند دیکھنے سے شروع ہو جاتے ہیں۔ حج ان لوگوں پر فرض ہے جو حج کی استطاعت رکھتے ہوں اور جب حج کی استطاعت ہو جائے تو حج کرنے میں جلدی کرنی چاہئے۔ اگر کسی نے دیر لگائی اور زندگی بھر میں کبھی بھی حج کر لیا تو وہ حج ادا ہی ہوگا۔ فرض ہوتے ہی پہلے سال نہ کرنے سے یہ نہ کہا جائے گا کہ حج قضا ہو گیا۔ جب کسی سال حج کا احرام باندھ لیا تو احرام باندھنے والے نے اپنے ذمہ حج کرنا فرض کر لیا اب حج کرنا ہی ہوگا اور بغیر حج کیے احرام سے نہیں نکل سکتا۔ احرام کی ممنوعات چند صفحات پہلے بیان ہو چکی ہیں ان ممنوعات میں وہ چیزیں بھی ہیں جو غیر احرام کی حالت میں جائز ہیں۔ مرد کو سلے ہوئے کپڑے پہننا اور سر اور چہرہ ڈھکنا بال اور ناخن کا ٹنٹنایا بیوی والے تعلقات کو کام میں لانا (جماع بوس و کنار اور اس سلسلے کی بے تکلفی والی باتیں کرنا) یہ چیزیں غیر احرام کی حالت میں جائز ہیں لیکن احرام میں جائز نہیں۔ وقوف عرفات سے پہلے جماع کر لے تو حج فاسد ہو جاتا ہے اور شہوت سے بوس و کنار کرے تو دم واجب ہو جاتا ہے۔

حج میں گناہ سے بچنے کی تاکید:

آیت بالا میں جو ﴿فَلَا رَفَثَ﴾ فرمایا۔ اس میں ان سب چیزوں کی ممانعت فرمادی جو شوہر اور بیوی کے درمیان زوجیت کی بنیاد پر ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی ﴿وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ﴾ بھی فرمایا۔ فسوق نافرمانی کو کہا جاتا ہے۔ لفظ فاسق اسی سے نکلا ہے۔ ”حج میں نافرمانی نہیں“ اس کا عموم ان سب نافرمانیوں کو شامل ہے جو احکام احرام کی خلاف ورزی کی صورت میں ہوں اور جو باتیں احرام میں بھی گناہ ہیں اور غیر احرام میں بھی گناہ ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد تلف کرنا وہ بھی سب اس کے عموم میں داخل ہیں، یہ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے لوگ حج کرنے نکلتے ہیں تو فرض نمازیں تک چھوڑ دیتے ہیں اور بہت سے لوگ حرام مال ہی سے حج کرنے کو چیل دیتے ہیں۔ عورتیں بغیر محرم کے حج کے لیے روانہ ہو

۱۔ ہاں اگر احصار کی صورت پیش آجائے تو اور بات ہے۔

جاتی ہیں۔ عین احرام کے وقت غیبتیں بھی جاری رہتی ہیں اور احرام میں بد نظری کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں اس سے بھی احتیاط نہیں برتی جاتی حالانکہ لَا فُسُوقَ کے عموم کا تقاضا ہے کہ احرام میں ہر گناہ سے خصوصیت کے ساتھ پرہیز کریں گو گناہوں سے بچنا ہمیشہ ہی لازم ہے۔ حجاج کو دیکھ کر فسوس ہوتا ہے کہ مبارک ایام میں مقدس سر زمین میں حدود حرم میں جہاں صرف عبادت ہی کے لیے آئے ہیں اور بار بار تلبیہ پڑھ رہے ہیں احرام کے لباس میں پھر بھی چھوٹے بڑے گناہوں میں ملوث رہتے ہیں۔ ڈاڑھی مونڈنے کا گناہ تو ہزاروں حجاج کرتے ہیں۔ احرام سے نکلنے کے لیے ذرا بہت بال کاٹ دیتے ہیں جس سے احرام سے نکلنے بھی نہیں۔ سر کے بال تو مونڈاتے نہیں جس میں حضور اقدس ﷺ کا اتباع ہے اور جو قصر سے افضل ہے لیکن وہیں منیٰ میں بیٹھ کر ڈاڑھی ضرور مونڈ دیتے ہیں عین وقوف عرفات کے موقع پر گانے سننے میں مشغول رہتے ہیں حالانکہ قبولیت حج کی شرط یہ ہے کہ صرف اور فسوق کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ اس بارے میں حدیث صریح آیت ﴿وَأَتِمُوا الْحَجَّ﴾ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

لڑائی جھگڑے سے بچنے کا حکم:

فسوق کی نفی کے بعد جدال کی نفی فرمائی۔ جدال عربی زبان میں لڑنے جھگڑنے کو کہتے ہیں۔ سفر حج میں اول سے اخیر تک بہت سے ایسے مواقع پیش آتے ہیں۔ جہاں رفقاء سفر اور حجاج سے لڑنے کو جی چاہتا ہے۔ کہیں جگہ کی تنگی کی وجہ سے اور کہیں پانی لینے کی بھیڑ میں اور دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ حجاج لڑ پڑتے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ معمولی سی باتیں جن پر ہمیشہ اپنے گھروں میں آپس میں مصالحت کر لیتے ہیں ان میں سے کوئی صورت حج میں پیش آ جائے تو دل کھول کر لڑائی لڑتے ہیں۔ حقیقت میں یہ ایک ابتلاء ہوتا ہے بعض حجاج نے بتایا کہ اندر سے بار بار نفس میں لڑائی کے لیے ابھار ہوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سنجہ کے دن بنی اسرائیل کے لیے مچھلیاں سمندر کی تہ سے اوپر آ جاتی تھیں لیکن اس دن پکڑنا منع تھا اور دوسرے دنوں میں نہیں آتی تھیں۔ ابتلاء کے موقع پر ہر مسلمان اپنے نفس پر قابو کرے اور شریعت کو سامنے رکھے، قرآن و حدیث کی ہدایت کا اتباع کرے۔

جو بھی خیر کا کام کرو اللہ کو معلوم ہے:

یہ جو فرمایا ﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ﴾ اس میں یہ بتا دیا ہے کہ جو کچھ خیر کا کام کرو گے۔ اللہ اسے جان لے گا اور اس کا ثواب دے گا۔ احرام کی ممنوعات سے بچو اور ان دنوں کو غنیمت جانو، عبادت تلاوت، ذکر اور اعمال صالحہ میں لگاؤ، یہ چیزیں ضائع ہونے والی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان سب کا ثواب ملے گا۔

مخلوق سے سوال کرنے کی ممانعت:

پھر فرمایا: ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾ کہ زادراہ ساتھ لے لیا کرو کیونکہ بہتر زادراہ بچا رہنا ہے (بچے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے سوال نہ کیا جائے) اسباب النزول ص ۵۵ میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یمن کے لوگ حج کو آتے تھے لیکن سفر کے لیے انتظام کر کے نہیں چلتے تھے (زادراہ پاس نہ ہوتا تھا) اور کہتے تھے کہ ہم تو کل والے ہیں جب تک معظمہ پہنچ جاتے تھے تو لوگوں سے سوال کرتے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ توشہ ساتھ لیا کرو، کیونکہ بہتر توشہ یہ ہے کہ لوگوں سے سوال نہ کیا جائے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۶)

چونکہ ایام حج میں عموماً مال والے ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان دنوں میں سوال کرنے والوں کو خوب مواقع ملتے ہیں اور بہت سے لوگ حج اور عمرہ کا سفر ہی حجاج سے مانگنے کے لیے کرتے ہیں بہت سے مردوں اور عورتوں کو دیکھ جاتا ہے کہ وقوف عرفات میں سارا وقت خیمہ خیمہ گھومنے اور لوگوں سے سوال کرنے میں گزار دیتے ہیں۔ مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۶۳ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو عرفات میں لوگوں سے مانگ رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک درہ مارا اور فرمایا کہ تو آج کے دن میں اور اس جگہ میں غیر اللہ سے سوال

کرتا ہے۔

آخر میں تقویٰ کا حکم دیا اور فرمایا: ﴿وَأَتَّقُوا يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (کہ اے عقل والو! مجھ سے ڈرو)۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، گناہوں سے بچنا ہر کام میں ضروری ہے اور اس طرح ہر کام خوبی کے ساتھ ادا ہوتا ہے۔

(کما فی الحدیث علیک بتقوی اللہ فاتہ ازین لامرک کلہ۔ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۱۵)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ
الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَيْكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الضَّالِّينَ ﴿۱۹۸﴾

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ معاش تلاش کرو جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پھر جب تم عرفات سے واپس ہو تو اللہ کو یاد کرو مشعر حرام کے نزدیک۔ اور اس کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔ اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ تم اس سے پہلے محض نادانانہ تھے۔

حج میں خرید و فروخت کی اجازت اور مشعر حرام میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم

اس آیت میں اول توجیح کے موقع پر کسب معاش کی اجازت دی اور فرمایا کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فضل تلاش کرنے میں تجارت اور محنت مزدوری سب داخل ہیں۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۷ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ عکاظ، مجنہ اور ذوالحجاز جاہلیت میں لوگوں کی تجارت گاہیں تھیں۔ جب اسلام کا زمانہ آیا تو مسلمانوں نے ان میں تجارت کرنے کو گناہ سمجھنا۔ یہاں تک کہ آیت ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ﴾ نازل ہو گئی جس میں موسم حج میں تجارت کرنے کی اجازت دی گئی۔

مستدرک ج ۱ ص ۴۲۹ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے سوال کیا کہ میں حج کے موقع پر (اونٹ وغیرہ) کرائے پر لے جاتا ہوں اور لوگ یوں کہتے ہیں کہ تیرا کوئی حج نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تو احرام نہیں باندھتا۔ تلبیہ نہیں پڑھتا۔ طواف نہیں کرتا عرفات جا کر واپس نہیں آتا جمار نہیں کرتا؟ اس شخص نے جواب دیا کہ میں یہ تو سب کام کرتا ہوں۔ فرمایا پھر تو تیرا حج ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آیت ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ﴾ (الایۃ) نازل ہو گئی اور آپ نے اس شخص کو بلا کر یہ آیت سنادی اور فرمایا کہ تیرا حج ہو گیا۔ (قال الحاکم هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه و أقره الذہبی)

فتح الباری ج ۳ ص ۵۹۴ میں لکھا ہے کہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ ذی قعدہ کی پہلی تاریخ کی صبح سے بیس دن تک مقام عکاظ میں میلہ لگاتے اور تجارت کرتے تھے پھر دس دن مقام مجنہ میں بازار لگاتے تھے پھر یکم ذوالحجہ سے آٹھ ذی الحجہ تک مقام ذی الحجہ میں قیام کرتے اور کار و بار جاری رکھتے تھے۔ عکاظ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ نخلہ اور طائف کے درمیان واقع تھا اور مجنہ کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ مر الظهران کے قریب تھا اور ذوالحجاز کے بارے میں لکھا ہے کہ عرفات کے قریب ذرا ایک جانب کوہٹ کرتھا۔ آیت بالا میں حج کے موقع پر کسب معاش کی اجازت دی گئی ہے اس میں انداز بیان ایسا اختیار فرمایا ہے کہ اگر کوئی تجارت کرے تو اس کی اجازت ہے ایسی کوئی ترغیب نہیں دی گئی کہ اس کو حج کا جزو ہی بنالیں اور تجارت کو حج کے کاموں میں داخل کر لیں کوئی شخص اپنی نیت اصلہ کے اعتبار سے حج ہی کے لیے گیا اور موقع پا کر خصوصاً ضرورت کے وقت تجارت بھی کر لی تو اس کی گنجائش آیت شریفہ سے معلوم ہوتی ہے۔ سفر حج ہی کے لیے ہونا چاہئے۔ اصل سفر تجارت کا ہو اور حج نمبر دو پر ہو ایسا نہ کیا جائے۔

قال الحافظ فی الفتح ج ۳ ص ۵۹۵ و استدل بهذا الحدیث علی جواز البیع والشراء للمعتکف قیاساً علی الحج والجامع بینہما العبادة وهو قول الجمهور، و عن مالک کراهة ما زاد علی الحاجة کالخبز اذا لم یجد ما یکفیه و کذا کرهه عطاء و مجاهد والزہری و لاریب انه خلاف الاولی والآیۃ انما نعت الجناح ولا یلزم من نفیہ نفی

اولویۃ مقابلہ واللہ اعلم ۵۔

صاحب روح المعانی ص ۸۷ ج ۲ میں لکھتے ہیں چونکہ پہلی آیت میں جدال سے منع فرمایا اور تجارت میں کچھ جھگڑا ہونے کا احتمال رہتا ہے۔ قیمت کی کمی بیشی کے سلسلہ میں نزاع ہو سکتا ہے۔ اس لیے ممکن تھا کہ بعض اذہان جدال کی ممانعت سے تجارت کی ممانعت کی طرف چلے جاتے اس لیے تجارت کی اجازت دے دی۔ تجارت چاہے تو کر لے لیکن جدال اور نزاع سے بچے۔ پھر فرمایا: ﴿فَإِذَا أَقَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾

(پھر جب تم عرفات سے واپس ہو تو اللہ کو یاد کرو مشعر الحرام کے نزدیک) اس میں عرفات سے واپس ہو کر مزدلفہ میں اللہ کا ذکر کرنے کا حکم فرمایا۔ عرفات مزدلفہ سے تین میل مشرق کی طرف ہے یہ ایک بہت بڑا میدان ہے۔ یہاں پر ٹھہرنا حج کا سب سے بڑا رکن ہے حج کے احرام کے ساتھ کوئی شخص ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو زوال کے بعد سے لے کر آنے والی رات کو صبح صادق تک عرفات میں پہنچ جائے تو اس کا حج ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فرائض حج میں سے صرف طواف زیارت باقی رہ جاتا ہے۔ عرفات میں ذکر اور دعا میں مشغول رہتے ہیں۔ ظہر و عصر کی نماز بھی اسی وقفہ میں پڑھتے ہیں۔ سورج چھپ جانے کے بعد مزدلفہ کے لیے واپس ہوتے ہیں (جب عرفات گئے تھے تو مزدلفہ ہوتے ہوئے گئے تھے۔ کیونکہ منیٰ سے عرفات کو جاتے ہوئے درمیان میں مزدلفہ آتا ہے) مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز اکٹھی پڑھی جاتی ہے۔ عرفات میں یا راستہ میں نماز مغرب پڑھنا جائز نہیں۔ سورج چھپ جانے کے باوجود قصد نماز مغرب کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ مزدلفہ میں پہنچ کر عشاء دونوں نمازیں اکٹھی پڑھ کر رات کو مزدلفہ میں رہنا سنت ہے اور صبح صادق کے بعد تھوڑی دیر مزدلفہ میں وقوف کرنا واجب ہے اور سنت یہ ہے کہ دیر تک وقوف کرے یہاں تک کہ سورج نکلنے میں تھوڑی دیر رہ جائے تو منیٰ کے لیے روانہ ہو جائے۔ المشعر الحرام مزدلفہ میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام جبل قزح ہے رسول اللہ ﷺ نے عرفات سے واپس ہو کر مزدلفہ میں مغرب و عشاء کی نماز اکٹھی پڑھی۔ پھر آرام فرمایا، اس کے بعد صبح صادق ہوتے ہی نماز فجر اندھیرے میں پڑھ کر المشعر الحرام کے پاس تشریف لے گئے اور قبلہ رخ ہو کر خوب زیادہ روشنی پھیل جانے تک دعا اور تکبیر و تہلیل میں اور توحید باری تعالیٰ اور ذکر کرنے میں مشغول رہے۔ پھر سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کے لیے روانہ ہو گئے۔ (صحیح مسلم ص ۳۹۹ ج ۱)

مزدلفہ سارا وقوف کی جگہ ہے۔ البتہ المشعر الحرام کے قریب وقوف کرنا افضل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ووقفت ہہنا وجمع کلہا موقف۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۰۰)

چونکہ سارا ہی مزدلفہ وقوف کی جگہ ہے اور المشعر الحرام اسی میں ہے اس لیے بعض حضرات نے پورے مزدلفہ کو المشعر الحرام سے تعبیر کر دیا ہے۔ (کما ذکر فی الدر المنثور ج ۱ ص ۲۲۴ عن عبد اللہ بن عمرو و عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم) مزدلفہ میں رات کا وقت گزاریں، اور صبح صادق کے بعد منیٰ کے لیے روانہ ہونے سے پہلے جو وقت ہے اس میں خوب اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور دعائیں مانگیں..... پھر ارشاد فرمایا: ﴿وَإِذْ كُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ﴾ (اور اس کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تم کو ہدایت دی) یعنی جس طرح اس نے تم کو ہدایت سے نوازا ہے اور راہ حق پر ڈالا ہے تم بھی اسے خوب اچھی طرح سے یاد کرو اور بعض مفسرین نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ اللہ کا ذکر اسی طریقے سے کرو جو طریقے اس نے سکھائے اور بتائے ہیں۔ دونوں معانی صاحب روح المعانی نے لکھے ہیں اور تیسرا معنی یہ لکھا ہے کہ: اذکروہ و عظموہ لأجل ہدایتہ السابقۃ منہ تعالیٰ لکم۔ یعنی تم اس کا ذکر کرو اور عظمت کے ساتھ اسے یاد کرو اس وجہ سے کہ اس نے تم کو پہلے سے ہدایت دی ہے۔ پھر فرمایا: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَیِّنَ الضَّالِّیْنَ﴾ (اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ تم اس سے پہلے محض ناواقف تھے) یعنی ایمان کو اور طاعات کو نہیں جانتے تھے اور جاہلیت میں جو حج کرتے تھے اس میں جو ذکر کرتے تھے اول تو آباؤ اجداد کا ذکر ہوتا تھا اور تھوڑا بہت جو اللہ کا نام لیتے تھے آخرت میں وہ بھی مفید نہ ہوگا۔ کیونکہ کفر کے ساتھ کوئی نیکی کام نہیں دیتی۔

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۹۹﴾

پھر تم اسی جگہ واپس آؤ جہاں سے دوسرے لوگ واپس آئیں، اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور ہے، رحیم ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ قریش اور وہ لوگ جو ان کے دین پر تھے (بنو عامر، بنو ثقیف، بنو خزاعہ) یہ لوگ زمانہ جاہلیت میں حج کرتے تھے تو عرفات میں نہیں جاتے تھے۔ یہ لوگ مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے اور وہیں سے واپس ہو جاتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا کہ عرفات میں پہنچیں، اور وہاں وقوف کریں پھر وہاں سے واپس آئیں۔ ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ میں یہی حکم مذکور ہے۔ (صحیح بخاری ص ۶۲۸ ج ۱)

تفسیر معالم التنزیل ص ۷۵ ج ۱ میں ہے کہ قریش اور ان کے حلفاء اور جو ان کے دین پر تھے مزدلفہ ہی میں ٹھہر جاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ ہم اللہ والے اور اس حرم کے رہنے والے ہیں۔ لہذا ہم حرم کو پیچھے نہ چھوڑیں گے اور حرم سے نہ نکلیں گے۔ وہ اپنے آپ کو اس سے برتر سمجھتے تھے کہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہریں۔ جب دوسرے قبائل عرفات میں وقوف کر کے واپس آتے تھے تو قریش اور ان کے حلفاء مزدلفہ سے ان سب لوگوں کے ساتھ واپس آ جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ عرفات میں وقوف کریں پھر وہاں سے سب لوگوں کے ساتھ مزدلفہ میں آئیں۔

حضور اقدس ﷺ بھی قریشی تھے اس لیے حجۃ الوداع کے موقع پر قریش کو اس میں شک نہ تھا کہ آپ ہماری طرح مزدلفہ ہی میں ٹھہر جائیں گے لیکن رسول اللہ ﷺ مزدلفہ کو چھوڑتے ہوئے آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ عرفات پہنچ گئے۔ (کمانی صحیح مسلم ص ۳۹۷ ج ۱) آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان پر عمل کیا اور سب صحابہ بھی آپ کے ساتھ عرفات پہنچے اور پھر وہاں سے آفتاب غروب ہونے پر واپس ہوئے۔

لفظ ثم جو اس آیت میں وارد ہوا ہے اس کی وجہ سے بعض اہل تفسیر نے یوں کہا ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں مزدلفہ سے منیٰ کو واپس ہونے کا ذکر ہے۔ کیونکہ عرفات سے واپس ہونے کا ذکر گزشتہ آیت میں ہو چکا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ثم واؤ کے معنی میں ہے۔ صاحب معالم التنزیل نے یہ تینوں قول لکھے ہیں بظاہر یہ تیسرا قول زیادہ مناسب ہے اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ثم ترتیب ذکر کے لیے ہے ترتیب عمل کے لیے نہیں ہے۔ (قال ابن کثیر ص ۲۲۲ ج ۱) ثم ههنا لعطف خبر علی خبر و ترتیبہ علیہ کانه تعالیٰ امر الواقف بعرفات ان يدفع الی المزدلفۃ لیدکر اللہ تعالیٰ عند المشعر الحرام و امرہ ان یکون وقوفہ مع جمہور الناس بعرفات الخ۔

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ سَرِيعٌ

الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

سو جب تم پورا کر لو اپنے حج کے کاموں کو تو اللہ کو یاد کرو، جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کرتے رہے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر ذکر کرو، سو بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں دے دیجیے، اور ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بہتری عطا فرمائیے، اور آخرت میں بہتری عنایت کیجیے اور ہم کو

دوزخ کی آگ سے بچائیے۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے لیے بڑا حصہ ہے ان کے اعمال کی وجہ سے اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔

ایام منیٰ میں ذکر اللہ میں مشغول ہونے کا حکم

دسویں ذوالحجہ کو مزدلفہ سے واپس آ کر جمرہ کبریٰ کو کنکریاں ماری جاتی ہیں اور پھر حلق اور قصر کر کے احرام سے نکل جاتے ہیں اس کے بعد طواف زیارت اور دو یا تین دن کی رمی یعنی کنکریاں مارنا باقی رہ جاتا ہے۔ زمانہ اسلام سے پہلے عرب کے لوگ حج سے فارغ ہو کر اپنے باپ دادوں کا تذکرہ کرتے تھے اور مقابلہ میں اشعار پڑھتے تھے اور اپنے قبیلوں کی بڑائی بیان کرتے تھے۔

اللہ جل شانہ، نے فرمایا کہ حج کے کاموں سے فارغ ہو کر اللہ کو یاد کرو جیسا کہ تم اپنے باپ دادوں کو یاد کرتے رہے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر اللہ کو یاد کرو۔ (روح المعانی ص ۸۹ ج ۲)

صاحب معالم التزیل نے مناسککم کا ترجمہ نسائکم کیا ہے اور آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ جب تم حج سے فارغ ہو جاؤ اور قربانی کے جانور ذبح کر لو تو اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔

و ذلك بعد رمی جمرة العقبة والاستقرار بمنی۔ (ص ۸۷-۱ ج ۱)

پھر دعا کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے صرف دنیا ہی طلب کرتے ہیں یہ لوگ حج میں بکریاں، اونٹ، گائیں، اور غلام مانگا کرتے تھے۔ صرف طالب دنیا تھے۔ آخرت کا انہیں کچھ بھی دھیان نہ تھا یہ لوگ یوں دعا کرتے تھے۔ اے اللہ میرے باپ کا عظیم قبہ تھا، بڑا پیالہ تھا اور وہ کثیر المال تھا مجھے بھی اسی قدر مال عطا فرما جتنا اس کو دیا تھا۔ (معالم التزیل ص ۶۷ ج ۱)

ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کے لیے آخرت میں ذرا سا بھی حصہ نہیں ہے پھر اہل ایمان کی دعا کا تذکرہ فرمایا کہ وہ یوں دعا کرتے ہیں کہ اے رب ہم کو دنیا میں بھی بہتر عطا فرما اور آخرت میں بھی بہتر عطا فرما، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا، اہل ایمان دونوں جہاں کی کامیابی، خوشحالی اور خوبی و بہتری کے لیے دعا کرتے ہیں۔ لفظ حَسَنَةٌ حَسَنٌ کی تائید ہے جو ہر خوبی اور ہر بہتری کو شامل ہے مذکورہ دعا میں دنیا کی ہر خوبی اور آخرت کی ہر خوبی اور بہتری کا سوال ہے اور اس میں بڑی جامعیت ہے۔

صحیح بخاری ص ۹۴۵ ج ۲ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے۔ ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کی عیادت کی جن کی آواز بہت ہی کمزور ہو گئی تھی اور وہ چوزہ کی طرح دبلے ہو گئے تھے، آپ نے فرمایا کیا تم اللہ سے کوئی دعا کرتے رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں میں یہ دعا کرتا تھا کہ یا اللہ مجھے جو کچھ سزا آخرت میں دینی ہو وہ دنیا ہی میں دے دیجیے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! تم میں اس کی طاقت نہیں ہے تم نے دعا میں یوں کیوں نہ کہا۔

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

راوی حدیث حضرت انس فرماتے ہیں کہ ان صاحب نے اس کے بعد یہ دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو شفاء عطاء فرمادی۔ (صحیح مسلم ص ۳۴۳ ج ۲) سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان طواف کرتے ہوئے ربنا اتنا فی الدنیا (آخر تک) پڑھتے تھے۔

وَادْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۖ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ

عَلَيْهِ ۗ لِمَنْ اتَّقَى ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۳﴾

اور اللہ کا ذکر کرو چند دنوں میں پھر جو شخص دودن میں تعجل کرے اس پر گناہ نہیں، اور جو شخص تاخیر کرے اس پر کچھ گناہ نہیں اس شخص کے واسطے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

ایام تشریق میں ذکر اللہ اور رمی جمار کی مشغولیت

آیت بالا میں اول تو یہ فرمایا کہ چند دنوں میں اللہ کا ذکر کرو۔ ان دنوں سے ایام تشریق مراد ہیں جن میں قربانیاں کی جاتی ہیں اور حجاج کا منیٰ میں قیام ہوتا ہے۔ اور جمرات کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ اس سے پہلے مزدلفہ میں ذکر کرنے کا حکم فرمایا اور عرفات میں تو ذکر اور دعا ہی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمرات کو کنکریاں مارنا اور صفا مروہ کی سعی کرنا اللہ کا ذکر قائم کرنے کے لیے شروع کیا گیا ہے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ مومن بندوں کو ہر وقت اس میں لگا رہنا چاہئے؛ بعض خاص ایام اور خاص اوقات میں ذکر کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ سب سے بڑی عبادت نماز ہے اس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿اقِمِ الصَّلَاةَ لِيذُكَّرُ﴾ (نماز میرے ذکر کے لیے قائم کرو) جیسا کہ سب جانتے ہیں نماز اول سے آخر تک ذکر ہی ہے، نماز سے پہلے اذان و اقامت ہے وہ بھی ذکر ہے، نماز کے بعد تسبیحات اور دعائیں ہیں یہ بھی ذکر ہے۔ حج سراپا ذکر ہے تلبیہ ذکر ہے، طواف میں ذکر ہے، سعی میں ذکر ہے، عرفات میں ذکر ہے، مزدلفہ میں ذکر ہے، ایام منیٰ میں ذکر ہے۔ رمی کرتے وقت ذکر ہے۔ قربانی کرتے وقت ذکر ہے۔

سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ نے زندگی کے تمام احوال و اشغال میں اذکار و ادعیہ کی تعلیم دی۔ درحقیقت ذکر ہی اس دنیا کی روح ہے جس دن اللہ کا ذکر نہ ہو گا یہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ صحیح مسلم ص ۸۴ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک ایسا وقت نہ آجائے کہ زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جائے۔ سید المرسلین ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ کان یذکر اللہ فی کل احیاناہ (صحیح مسلم) منیٰ کے قیام کے دوران خوب اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیں۔ تفسیر روح المعانی ص ۹۳ ج ۲ میں ہے: واذا کروا اللہ ای کبروہ اذبار الصلوات و عند ذبح القرابین و عند رمی الجمار وغیرھا۔ یعنی اللہ کی بڑائی بیان کرو نمازوں کے بعد اور قربانی کرتے وقت رمی جمار وغیرہ کے وقت۔ پھر فی ایام معدودات کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: وہی ثلثة ایام التشریق و هو المروی فی المشہور عن عمرو علی و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اور تفسیر معالم التنزیل (ص ۱۷۱ ج ۱) میں لکھا ہے: و من الذکر فی ایام التشریق التکبیر۔ (یعنی ان دنوں کے ذکر میں سے یہ بھی ہے کہ ان میں تکبیر کہی جائے) پھر لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نمازوں کے بعد منیٰ میں تکبیر کہتے تھے اور مجلس میں بھی اور بستر پر ہوتے ہوئے بھی اور راستہ میں بھی اھ تکبیر تشریق بھی ان ایام میں مشروع ہے، منیٰ میں موجود ہوں یا اپنے وطن میں مقیم ہوں غرض نمازوں کے بعد اس کا پڑھنا واجب ہے۔ مرد زور سے تکبیر تشریق پڑھیں اور عورتیں آہستہ کہیں۔ یہ تکبیر نویں تاریخ کی فجر سے لے کر تیرہویں کی عصر تک پڑھی جائے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح منقول ہے۔ ایام تشریق میں خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اہتمام کرنا چاہئے، ان دنوں میں روزہ رکھنا ممنوع ہے فرمایا حضور ﷺ نے ﴿لا تصوموا فی هذا الايام فاتھا ایام اکل و شرب و ذکر اللہ﴾۔ (صحیح مسلم ص ۳۶۰ ص ۱)

یعنی ان دنوں میں روزہ نہ رکھو، کیونکہ یہ دن کھانے پینے کے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں۔
رمی جمار کے بعض مسائل:

ذکر کا حکم فرمانے کے بعد رمی جمار کے بعض مسائل بیان فرمائے جس کی تشریح یہ ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ کبریٰ کی رمی کی جاتی ہے۔ اس کا وقت سورج نکلنے کے بعد سے لے کر آنے والی صبح صادق تک ہے لیکن رات میں کنکریاں مارنا قوت اور صحت والوں کے لیے مکروہ

ہے۔ گیارہ اور بارہ تاریخ کی کنکریاں مارنے کا وقت زوال آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور وہ بھی آنے والی صبح صادق تک رہتا ہے، قوت و صحت والوں کے لیے رمی کرنا ان دونوں راتوں میں بھی مکروہ ہے۔ گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو تینوں جمرات کی رمی کی جاتی ہے۔ دس گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کرنا واجب ہے۔ منیٰ میں چھوٹے چھوٹے تین منارے سے بنائے ہوئے ہیں ان کو جمرات کہتے ہیں جو جمرہ کی جمع ہے، پہلا جمرہ مسجد خیف کے قریب ہے اس کو جمرہ اولیٰ اور جمرہ صغریٰ کہتے ہیں۔ اس کے بعد جو جمرہ ہے اسے جمرہ وسطیٰ کہتے ہیں۔ پھر اس کے بعد جو جمرہ ہے اس کو جمرہ کبریٰ اور جمرہ آخری اور جمرہ العقبة کہتے ہیں۔ اس کے قریب منیٰ کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ ان تینوں جمرات کے نیچے جڑ میں دائرے بنے ہوئے ہیں۔ ان دائروں میں کنکریاں گرنا ضروری ہے۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان تینوں جگہ شیطان نے دوسو ڈال کر ورغلانے کی کوشش کی تھی آپ نے اس کو کنکریاں ماری تھیں۔ کنکریاں مارنا اسی کی یادگار ہے ہر کنکری کے ساتھ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ اَكْبَرُ رَغْمًا لِلشَّيْطَانِ وَرَضِي لِلرَّحْمٰنِ﴾ پڑھے (میں اللہ کا نام لے کر رمی کرتا ہوں، اللہ سب سے بڑا ہے، یہ رمی شیطان کو ذلیل کرنے کے لیے ہے اور رحمن کو راضی کرنے کے لیے ہے)

۱۳ ذی الحجہ کی رمی چھوڑ دینا جائز ہے:

ان دونوں (گیارہ بارہ تاریخ) کی رمی کرنے کے بعد اگر کوئی شخص چاہے کہ منیٰ سے چلا جائے اور تیرہویں تاریخ کی رمی نہ کرے تو اس کی اجازت ہے۔ اسی کو فرمایا ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ لیکن افضل یہ ہے کہ منیٰ میں ٹھہرا رہے اور تیرہویں تاریخ کی رمی کر کے منیٰ سے روانہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر تیرہویں تاریخ کی رمی بھی کی تھی جیسا کہ گیارہ بارہ تاریخ کو زوال کے بعد رمی کی، تیرہویں تاریخ کی رمی کا وقت صرف غروب آفتاب تک ہے۔ فقہانے لکھا ہے کہ بارہویں تاریخ کو اگر منیٰ میں ہوتے ہوئے سورج غروب ہو جائے تو تیرہویں کی رمی چھوڑ کر جانا مکروہ ہے۔ اور اگر منیٰ میں ہوتے ہوئے تیرہویں کی صبح ہو جائے تو تیرہویں کی رمی کرنا بھی واجب ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص گیارہ بارہ کی رمی کر کے چلے جانے کی اجازت ہوتے ہوئے منیٰ میں ٹھہرا رہے اور تیرہویں کی رمی کر کے جائے۔ اس کے بارے میں فرمایا ﴿وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَى﴾ (اور جو شخص تاخیر کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے)۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ لفظ ﴿فَلَا اِثْمَ﴾ جو دو جگہ وارد ہوا ہے اس سے دونوں باتوں میں اختیار دینا مقصود ہے کہ دسویں تاریخ کے بعد دو دن کی رمی کر کے چلا جائے تو اس کا بھی اختیار ہے اور تیسرے دن کی رمی کے لیے ٹھہر جائے اور منیٰ سے روانگی میں تاخیر کرے تو اس کا بھی اختیار ہے۔ اس پر یہ جو اشکال ہوتا ہے کہ جب تیرہویں تاریخ کی رمی کر کے جانا افضل ہے تو اس کے بارے میں ﴿فَلَا اِثْمَ﴾ کے بجائے ایسا لفظ ہونا چاہئے تھا جو فضیلت پر دلالت کرتا۔ اس کے جواب میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے فضیلت کی نفی نہیں ہوتی (کیونکہ جو چیز افضل ہوتی ہے ﴿فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ اس پر بھی صادق آتا ہے) لیکن یہ بات پھر بھی قابل توجہ ہے کہ نفی الاثم کو دونوں جگہ کیوں اختیار کیا گیا۔ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اہل جاہلیت کی تردید کرنے کے لیے یہ طرز اختیار فرمایا ہے کیونکہ وہ آپس میں اختلاف رکھتے تھے۔ بعض لوگ کہتے تھے تعجل گناہ ہے اور بعض کہتے تھے کہ تاخیر گناہ ہے۔ اھ۔

علامہ قرطبی نے بھی (ص ۱۳ ج ۳) یہ بات لکھی ہے کہ اہل عرب کی تردید کے لیے یہ لفظ اختیار کیا گیا ہے حیث قال فمعنى الآية ان كل ذلك مباح و عبر عنه بهذا التقسيم اهتما ما و تاكيدا اذ كان من العرب من يذم المتعجل و بالعكس، فنزلت الآية رافعة للجناح في كل ذلك اھ۔

صاحب معالم التنزیل نے (ص ۹۷ ج ۱) آیت کی تفسیر میں بعض حضرات سے یوں نقل کیا ہے کہ حج کرنے والے پر کوئی گناہ باقی نہیں رہے گا۔ خواہ بارہ تاریخ کو رمی کر کے چلا جائے خواہ تیرہویں کی رمی کے لیے ٹھہر جائے۔ اور اس معنی کی تائید کے لیے حدیث من حج لله فلم يرفث ولم يفسق پیش کی ہے۔ اور پھر فرمایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ہے اس معنی کو لینے سے لمن اتقى كاتعلق

بھی واضح ہو جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ تعجل کرے یا تاخیر کرے کوئی گناہ باقی نہ رہے گا بشرطیکہ اس حج میں تقویٰ اختیار کیا ہو اور گناہوں سے بچا ہو، صاحب معالم التنزیل نے حضرت ابن مسعود کا قول ﴿انما جعلت مغفرة الذنوب لمن اتقى الله تعالى في حجه﴾ اس معنی کی تائید کے لیے نقل کیا ہے..... اور حضرت ابو العالیہ سے لمن اتقى کی تفسیر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ﴿ذهب ائمة لمن اتقى فيما بقى من عمره﴾ (یعنی بعض ائمہ نے لمن اتقى کا معنی یہ کیا ہے کہ حج کرنے کے بعد باقی عمر میں گناہوں سے بچتا رہے) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ ۗ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۝۲۴ وَإِذَا تَوَلَّى سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۝۲۵ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۗ وَلَبِئْسَ الْبِهَادُ ۝۲۶

البہاد ۲۶

لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جس کی گفتگو آپ کو دنیاوی زندگی میں پسند آتی ہے اور وہ اللہ کو گواہ بناتا ہے اس بات پر جو اس کے دل میں ہے۔ حالانکہ وہ سخت ترین جھگڑالو ہے۔ اور جب وہ پیٹھ پھر کر چل دیتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ اس میں فساد کرے اور کھیتی کو اور نسل کو برباد کرے، اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اللہ سے ڈرتو اس کا غرور نفس اس کو گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے۔ سو اس کے لیے جہنم کافی ہے اور بلاشبہ وہ برا بچھونا ہے۔

میٹھی باتیں کر نیوالے منافقوں اور مفسدوں کا تذکرہ

معالم التنزیل ص ۹۷ ج ۱ میں لکھا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی یہ شخص میٹھی باتیں کرنے والا تھا۔ دیکھنے میں بھی اچھا لگتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتا تھا اور پاس بیٹھ کر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور اس پر قسمیں کھاتا تھا اور اندر سے منافق تھا۔ رسول اللہ ﷺ (اس کی ظاہری باتوں کی وجہ سے) اسے قریب بٹھاتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اخنس بن شریق کی حرکت:

لباب النقول میں بحوالہ ابن جریر مفسر سدی سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی، وہ آپ کی خدمت میں آیا اور اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا۔ آپ کو اس کی باتیں پسند آئیں پھر وہ آپ کے پاس سے چلا گیا اور مسلمانوں کی کھیتوں پر گزرا جہاں گدھے بھی (چر رہے) تھے اس نے کھیتوں کو آگ لگا دی اور گدھوں کے پاؤں کاٹ کر چلا گیا۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

﴿يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ﴾ میں اسی کو بیان فرمایا۔ علامہ مناوی نے فیض القدر شرح الجامع الصغیر ص ۲۴۵ ج ۲ میں بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا اللهم انى اعوذ بك من خليل ماكر (الحديث) میں یہ اخنس بن شریق مراد ہے جو میٹھی زبان والا تھا، جب آنحضرت ﷺ سے باتیں تھا تو نرم نرم باتیں کرتا تھا اور یوں کہتا تھا کہ اللہ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔

لباب النقول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک یہ بات نقل کی ہے کہ جس جماعت میں حضرت عاصم اور حضرت مرشد تھے اس جماعت کے شہید ہونے کا جب علم ہوا تو دو منافقوں نے یہ کہا کہ افسوس ہے ان لوگوں پر جو فتنے میں پڑ گئے اور ہلاک ہو گئے۔ نہ تو اپنے گھروں میں ہی

بیٹھے اور نہ تبلیغی ذمہ داری کو پورا کر سکے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

بہر حال آیت کا سبب نزول جو بھی ہو الفاظ کا عموم ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو دنیاوی زندگی میں بیٹھی بیٹھی اور چکنی چڑی باتیں کر کے مسلمانوں کے عوام اور خواص میں اپنا مقام پیدا کرنا چاہتے ہیں اندر سے منافق ہوتے ہیں اور اپنے مسلمان ہونے کے جھوٹے دعوے ثابت کرنے کے لیے بار بار قسم کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ گواہ ہے ہم سچے مسلمان ہیں، ان لوگوں کا مقصد چونکہ اول سے آخر تک دنیا اور دنیا کا جاہ و مال ہی ہوتا ہے اور اندر سے مسلمان نہیں ہوتے اس لیے جب بھی کوئی موقعہ دیکھتے ہیں مسلمانوں کو زک دینے اور نقصان پہنچانے اور ان کی حکومتوں کے خلاف منصوبے بنانے میں اور ان کی حکومتوں کو برباد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہیں رکھتے۔ جو کام اخس بن شریق نے کیا کہ خدمت عالی میں حاضر ہو کر مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا اور اللہ کو اپنے دعوے کی سچائی پر گواہ بنایا اور پھر وہاں سے نکل کر مسلمانوں کی کھیتوں کو آگ لگا دی اور مویشیوں کو کاٹ کر پھینک دیا وہی کام ہمیشہ سے منافقین کرتے آئے ہیں اور اب بھی کرتے رہتے ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ قتادہ اور مجاہد اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ آیت ہر ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو کفر چھپائے ہوئے ہو، نفاق اور جھوٹ کو اپنائے ہوئے اپنی زبان سے اپنے دل کے خلاف ظاہر کرتا ہو۔ نیز علامہ قرطبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ دینی اور دنیاوی امور میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن ص ۱۰ ج ۳)

لفظ ﴿فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ کے بارے میں مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ امور دنیا اور اسباب معاش میں آپ کو اس کی باتیں اچھی لگتی ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ دنیاوی مقصد حاصل کرنے کے لیے وہ ایسی باتیں کرتا ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیاوی باتوں میں اس کی حلاوت اور فصاحت آپ کو پسند آتی ہے لیکن آخرت میں اس کی کوئی بات قابل التفات نہیں ہوگی۔ وہاں جو اس کو وحشت سوار ہوئی اس کی وجہ سے وہ بولنے بھی نہ پائے گا۔ (ص ۱۰۹ ج ۱)

جھگڑالو اور چرب زبان کی مذمت:

﴿الَّذِي خَصَّامٌ﴾ یہ دونوں کلمے آپس میں مضاف مضاف الیہ ہیں۔ پہلا لفظ لد سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے بہت زیادہ جھگڑالو اور خصام بھی جھگڑے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ شخص بہت زیادہ جھگڑالو ہے۔ مفسر بیضاوی نے اس کا ترجمہ شدید العداوہ (سخت دشمنی والا) کیا ہے جو اس کا لازمی معنی ہے۔ منافقوں کی یہ صفت بیان فرمانے سے ہر جھگڑالو کی مذمت معلوم ہوئی جو باطل کے لیے جھگڑتا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ مبغوض وہ ہے جو زیادہ جھگڑالو ہو۔ (صحیح بخاری ص ۶۳۹ ج ۲، ص ۱۰۶۶ ج ۲)

میٹھی میٹھی باتیں کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور دل میں جو کچھ ہے اس کے خلاف ظاہر کرنا آج کی دنیا میں اس کو بڑی ہوشیاری سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ چیز سیاست حاضرہ کا جزو بن چکی ہے، سنن ترمذی ابواب الزہد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایسے لوگ نکلیں گے جو دین کے ذریعہ دنیا حاصل کریں گے اور تواضع ظاہر کرنے کے لیے بھیڑوں کی کھالوں کے کپڑے پہنیں گے ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی۔ اور ان کے دل بھیڑیوں کی طرح ہوں گے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا یہ لوگ میرے حلم سے دھوکہ کھاتے ہیں یا مجھ پر جرات کرتے ہیں میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ میں ان لوگوں پر ان ہی میں سے ایسا فتنہ بھیجوں گا کہ جو ان میں ہوشمند عقل والا ہوگا اسے (بھی) حیران کر دے گا۔

تکبر کی مذمت:

جن لوگوں میں خالص دنیاوی جاہ اور مال کی طلب ہوتی ہے ان کے دلوں میں جھکاؤ نہیں ہوتا۔ وہ غرور نفس کی وجہ سے یہی سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے کسی حق کہنے والے کی بات قبول کر لی تو ہماری ہیٹی ہو جائے گی اور ناک کٹ جائے گی، کفر و شرک پر اور گناہوں پر اصرار کرتے رہتے

ہیں اور حق قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ ان کا نفس انہیں حق قبول کرنے نہیں دیتا، ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ﴾

(کہ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنے طور طریق اور طرز عمل میں اللہ سے ڈرتو اس کی حمیت اسے پکڑ لیتی ہے اور گناہ پر آمادہ رکھتی ہے) تکبر کیا ہے؟

حضور اقدس ﷺ نے تکبر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا الکبر بطن الحق و غمط الناس یعنی حق کو ٹھکرانے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام تکبر ہے۔ بہت سے اسلام کے دعویٰ دار بھی حق کو ٹھکرادیتے ہیں، جب کوئی شخص دین کی بات کرتا ہے اور گناہ چھوڑنے کو کہتا ہے یا کسی بات کی خیر خواہانہ نصیحت کرتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ تو کون ہے ہمیں نصیحت کرنے والا تو ہمارے سامنے کا بچہ ہے فلاں قوم کا فرد ہے، فلاں ملک کا رہنے والا ہے، یہ سب کبر ہے اور حق کو جھٹلانے کی باتیں ہیں۔ اوپر منافقوں اور مفسدوں کا طرز عمل بیان فرمایا اور اخیر میں فرمایا کہ ایسے شخص کو دوزخ کافی ہے اور دوزخ برا بھوننا ہے، مہاد عربی میں بستر کو کہتے ہیں، دوزخ میں اہل نفاق کا جو ٹھکانا بنے گا، اسے مہاد سے تعبیر فرمایا کیونکہ وہ ان کا مستقل ٹھکانا ہے۔ جو ان کو دنیا کے بستروں کی بجائے ملے گا۔ یہاں نرم بستروں پر سوتے تھے اور وہاں آگ کا بستر ہوگا اور آرام و راحت و نیند کا نام نشان نہ ہوگا۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ سَرُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۴﴾

اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو خرید لیتا ہے اپنے نفس کو اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لیے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے

اللہ کی رضا کے لیے جان و مال خرچ کرنے والوں کی فضیلت

حلیۃ الاولیاء ص ۱۰۱ ج ۱ میں حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی نیت سے (مکہ معظمہ سے) نکلے تو قریش کے چند افراد ان کے پیچھے لگ گئے تاکہ ان کو واپس کریں۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے اترے اور اپنے ترکش سے تیر نکالے اور ان سے کہا کہ اے قریش کے لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سے بڑھ کر تیر انداز ہوں اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ میں اپنے سارے تیر تمہاری طرف نہ پھینک دوں جو میرے ترکش میں بھرے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد میں اپنی تلوار سے لڑوں گا جب تک میرے ہاتھ میں سکت رہے گی۔ اب تم جو چاہو کر لو، اور ایک صورت یہ ہے کہ میرا مال اور میرے کپڑے جہاں مکہ میں رکھے ہیں میں تمہیں ان کا پتہ بتا دیتا ہوں تم ان کو لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو، وہ کہنے لگے ہاں یہ ٹھیک ہے ہم اس پر راضی ہیں وہ لوگ تو ادھر چلے گئے اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سفر قطع کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا ربیع البیہ ابایحی ربیع البیہ ابایحیی (اے ابویحیی یہ بیع نفع والی ہے، اے ابویحیی یہ بیع نفع والی ہے) جس کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑی سی دنیا خرچ کر کے جو اپنی جان اور دین کو بچالے یہ نفع کا سودا ہے۔ (ابویحیی حضرت صہیب کی کنیت ہے) ان کے پہنچنے سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو واقعہ کی خبر دیدی تھی۔ مستدرک حاکم ص ۳۹۸ ج ۳ میں بھی تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یہ قصہ مذکور ہے اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ آیت شریفہ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ﴾ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ہی نازل ہو گئی تھی۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے ابویحیی نفع کا سودا ہوا اور آپ نے انہیں آیت بالا پڑھ کر سنائی۔ تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۷ ج ۱ میں ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب میں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش نے کہا کہ اے صہیب رضی اللہ عنہ تم یہاں آئے تھے تو تمہارے پاس کچھ بھی مال نہ تھا اور اب تم یہاں کا کمایا ہوا مال اپنے ساتھ لے جا رہے ہو۔ اللہ کی قسم ایسا نہ ہوگا۔ میں نے ان سے کہا کہ تم مناسب جانو تو میں تمہیں اپنا مال دیدوں اور تم مجھے چھوڑ دو۔ وہ اس پر راضی ہو گئے

اور میں ان کو اپنا مال دے دیا اور مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ نبی اکرم ﷺ کو واقعہ کی خبر مل چکی تھی آپ ﷺ نے فرمایا ﴿رَبِّعَ صُهَيْبٍ رَبِّعَ صُهَيْبٍ﴾ (صہیب نے نفع کا سودا کیا۔ صہیب نے نفع کا سودا کیا)

بعض مفسرین نے یشری کا ترجمہ بیبیع سے کیا ہے یعنی بعض آدمی ایسے ہیں کہ اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لیے اپنے نفس کو بیچ دیتے ہیں۔ مفسر ابن کثیر ص ۲۲۷ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ اکثر حضرات نے آیت کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ ہر ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے، قرآن کی آیت ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ (الایۃ) سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا۔ اس اعتبار سے مجاہدین اپنے جان و مال کو فروخت کرنے والے ہو گئے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں ص ۲۲ ج ۲..... کہ حضرت صہیب کے قصے میں جو یہ وارد ہوا ہے کہ وہ مشرکین مکہ سے قتال کے لیے تیار ہو گئے اس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کو بیچ دیا، اس اعتبار سے ان کے قصہ کو سامنے رکھ کر بھی یشری کا ترجمہ بیبیع (بیچتا ہے) کیا جاسکتا ہے۔ درحقیقت آیت کا جو شان نزول ہے (یعنی حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ) اس کو سامنے رکھتے ہوئے بھی آیت کا عموم ہر اس شخص کو شامل ہے جو بھی اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال خرچ کرے اور اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان پر کھیل جائے، معالم التنزیل ص ۱۸۳ ج ۲ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا مصداق ایسے شخص کو بتایا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے قتل کر دیا جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۗ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۲۸﴾ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تِكُمْ الْبَيِّنَاتُ فَاذْكُرُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۹﴾

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، سوا اگر تم لغزش کھا جاؤ اس کے بعد کہ تمہارے پاس واضح دلیلیں آچکی ہیں تو جان لو کہ بلاشبہ اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے

اسلام میں پورے طور پر داخل ہونے کا حکم

آیت کے شان نزول کے بارے میں لکھا ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم جو پہلے یہودی تھے انہوں نے سیچر کے دن کی تعظیم کو باقی رکھنا چاہا جو شریعت موسوی میں تھی اور اونٹ کا گوشت کھانے سے پرہیز کرنا چاہا کیونکہ یہودیت کے زمانہ میں نہیں کھاتے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ تو ریت بھی تو اللہ کی کتاب ہے، ہم اس کو تہجد کی نماز میں پڑھ لیا کریں (جیسا کہ قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے) اس پر آیت بالانازل ہوئی اور حکم فرمایا کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، شریعت محمدیہ کے آنے کے بعد اب کوئی شریعت باقی نہیں رہی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ میں تمہارے پاس خوب روشن اور صاف شریعت لے کر آیا ہوں اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی اس کے سوا کوئی گنجائش نہ تھی کہ وہ میرا اتباع کریں۔ (معالم التنزیل ص ۲۸۳ ج ۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت مسند احمد اور شعب الایمان للبیہقی میں بھی ہے۔ (کمانی المشکوٰۃ ص ۳۰)

زندگی کے تمام شعبوں میں ہر شخص اسلام کے احکام کا پابند ہے:

اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اسلام کے احکام کو پورا پورا قبول کرو اور اس کے جملہ احکام پر عمل کرو، حاکم ہو یا محکوم بڑا ہو یا چھوٹا، شہری ہو یا دیہاتی، تاجر ہو یا کاریگر، کارخانہ دار ہو، مزدور ہو یا کسان، سب اسلام پر پوری طرح چلیں اور ایک دوسرے کا منہ نہ دیکھے کہ وہ چلے تو میں بھی چلوں۔ ہر ایک اپنی ذمہ داری کو سامنے رکھے۔ بہت سے لوگوں نے یہ طریقہ بنا رکھا ہے کہ نماز روزہ اور ان کے علاوہ دو چار کاموں تک ہی اسلام کو محدود رکھتے ہیں اس کے علاوہ معیشت اور معاشرت، تجارت اور سیاست اور زندگی کے دیگر

تمام شعبوں میں اسلام کے احکام کی پاسداری نہیں کرتے جس طرح چاہیں تجارت کر لیں اور جو بھی چیز سامنے آجائے خرید لیں، یا بیچ دیں۔ جس محکمہ میں چاہیں ملازم ہو جائیں۔ حرام حلال کا کچھ خیال نہیں کیا جاتا۔ بیاہ شادی میں غیر شرعی طریقہ کار اختیار کرتے ہیں۔ سیرا سرگناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ خوشی کے موقع پر ہم پر شرعی کوئی پابندی نہیں۔ حرام حلال کی بحثوں کو فضول سمجھتے ہیں، کوئی عالم اگر بتا دے کہ تمہاری ملازمت حرام ہے یا تجارت میں سود ہے تو کہتے ہیں کہ مولوی ترقی سے روکتا ہے۔ جن قوموں کے دین میں چند تصورات اور توہمات اور چند اعمال کے علاوہ اور کوئی بھی پابندی نہیں ہے اپنے دین کو انہیں کے دین پر قیاس کر لیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) ہمارا دین جامع ہے، کامل ہے مکمل ہے اور زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے احکام تفصیل کے ساتھ اسلام نے نہ بتائے ہوں۔ بعض احکام پر عمل کرنا اور بعض کو چھوڑ دینا یہ وہی چیز ہے جس کو سورہ بقرہ کے رکوع (۱۰) میں یہودیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ”کیا کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض حصہ کے منکر ہوتے ہو“ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مسلمان ہونے کے صرف دعوے دار ہی ہیں۔ اسلام کے فرائض تک پر عمل نہیں کرتے، اور کچھ لوگوں کو دینداری کا خیال تو ہے لیکن ان کی دینداری نماز تک یا ایک دو اعمال تک محدود ہے۔ اگر توجہ دلائی جائے کہ حرام ملازمت چھوڑ دو تو تیار نہیں اگر یوں کہا جائے کہ سود کا لین دین نہ کرو تو آمادہ نہیں اگر یوں کہو کہ حرام چیزیں فروخت نہ کرو تو کہتے ہیں کہ یہ روزی کا معاملہ ہے۔ اس کو کیسے چھوڑیں؟ ان کی جاہلانہ بات کا مطلب یہ ہے کہ روزی کمانے میں گویا پورے آزاد ہیں۔ (العیاذ باللہ)

اصحاب حکومت کی بے راہی:

جن ممالک میں مسلمانوں کی حکومتیں ہیں وہاں کے ذمہ داران ہی طریقوں پر حکومتیں چلاتے ہیں جو کافروں سے سیکھے ہیں کچھریوں میں کافرانہ اور ظالمانہ قوانین کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ اسلام کے قانون کا نام آجائے تو کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ کافرانہ اقوال اور افعال کے باوجود اس کے دعوے دار ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اسلام پر پوری طرح عمل نہ کرنا بعض احکام کو ماننا بعض کو چھوڑنا یہ سب شیطانی حرکات ہیں۔ اسلام میں پورا پورا داخل ہونے کا حکم دینے کے بعد یہ بھی فرمایا کہ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ﴾ شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو، اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ﴿إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ (کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے) لوگ شیطان کو برا بھی کہتے ہیں اور اس پر لعنت بھی بھیجتے ہیں اور اس کے بتائے ہوئے طریقوں کو بھی اختیار کرتے ہیں۔ یہ عجیب طریقہ ہے۔ پھر فرمایا:

﴿فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ فَاَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ ”سو اگر تم لغزش کھا جاؤ اس کے بعد کہ تمہارے پاس واضح دلیلیں آچکی ہیں، تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے۔“

اس آیت میں بتایا کہ واضح دلائل آجانے کے بعد پھر بھی اسلام میں داخل نہ ہوئے تو اس کو معمولی بات نہ سمجھنا یہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت ہے۔ وہ غالب ہے اس کے عذاب اور انتقام سے بچ نہیں سکتے، اور وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے موافق وہ سزا دینے میں جلدی نہ کرے تو اس سے دھوکہ نہ کھانا اور یہ نہ سمجھنا کہ گرفت نہ ہوگی اور انتقام سے محفوظ رہیں گے۔

قال صاحب الروح ص ۹۸ ج ۲ غالب علمی أمر لا يعجزه شيء من الانتقام منكم حكيم لا يترك ماتقتضيه الحكمة من مواخذة المجرمين۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ

الْأُمُورُ ۝ ع

یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ اللہ اور فرشتے بادلوں کے سائبانوں میں ان کے پاس آجائیں اور سارا قصہ ختم ہو جائے۔ اور اللہ ہی

کی طرف امور لوٹائے جائیں گے۔

حق قبول نہ کرنے پر وعید

جو لوگ واضح دلائل کے بعد بھی دین اسلام میں داخل نہیں ہوتے انہیں کیا انتظار ہے ان کے طور طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بس اسی کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ اور اس کے فرشتے بادلوں کے سائبانوں میں آجائیں اور ان کو ان کے کفر کی سزا مل جائے، اور سارا فیصلہ ہو جائے، پھر آگے اسلام قبول کرنے کا موقعہ ہی نہیں ہے۔ کیونکہ عذاب سامنے آنے کے بعد اسلام قبول نہیں ہوتا، پھر فرمایا کہ تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ وہ قاضی روز جزا ہے۔ اس دن مجازی صاحب اختیار بھی کوئی نہ ہوگا۔ وہ حق کے ساتھ فیصلے فرمائے گا، اہل کفر کے بارے میں دائمی عذاب کا فیصلہ ہوگا۔ لہذا اپنا انجام سوچ لیں۔

فائدہ: لفظ یاتیمہم اللہ میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف اتیان (یعنی آنے) کی نسبت کی ہے اس پر ایمان لائیں۔ مفہوم کے سمجھنے اور معنی کریدنے میں نہ لگیں۔ سلف کا یہی طریقہ ہے، اور بعض حضرات نے مضاف مقدر مانا ہے۔ قال القرطبی ص ۲۵ ج ۳ و قيل ليس الكلام على ظاهره في حقه سبحانه و انما المعنى ياتيمهم امر الله و حكمه، و قيل اي بما وعدهم من الحساب و العذاب۔ مطلب یہ ہے کہ ﴿يَاتِيَهُمُ اللّٰهُ﴾ سے اللہ کا امر اور اس کا حکم اور عذاب آنا مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سَلِّبْنِيْ اِسْرَائِيْلَ كَمَا اَتَيْتَهُمُ اللّٰهُ مِنْ اٰيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَاِنَّ

اللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

آپ بنی اسرائیل سے دریافت فرمائیے ہم نے ان کو کتنی واضح دلیلیں دیں۔ اور جو شخص اللہ کی نعمت کو بدل دے اس کے بعد کہ نعمت اس کے پاس آجائے تو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔

بنی اسرائیل کی ناشکری اور اس پر عذاب

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی واضح دلیلیں عنایت فرمائی تھیں۔ وہ ان دلائل سے کام لیتے اور حق پر جتے تو ان کے حق میں اچھا تھا۔ لیکن انہوں نے الٹی ہی چال چلی ہدایت کے بجائے گمراہیوں کو پسند کیا، اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو نعمت سے بدل دیا۔ جس کی وجہ سے دنیا و آخرت میں مستحق عذاب و عقاب ہوئے۔ بنی اسرائیل کو جو دلائل واضح دیئے گئے تھے ان کے بارے میں صاحب معالم التنزیل ص ۱۸۴ ج ۱ لکھتے ہیں کہ اس سے وہ دلائل مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں عطا کئے گئے تھے۔ مثلاً عصا موسوی اور پد بیضاء اور سمندر کو پھاڑ کر بنی اسرائیل کو پار کرنا وغیر ذلک، اور ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے وہ صاف اور واضح بیانات مراد ہیں جو تورات و انجیل میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بارے میں تھے، یہودیوں نے جو ان آیات سے انحراف کیا اور حق واضح ہو جانے کے باوجود گمراہی کا راستہ اختیار کیا اس کے بیان کرنے کے لیے ایک ایسا اسلوب اختیار فرمایا جس سے ہر نعمت کے بدلنے کی شاعت اور قباحت معلوم ہو جائے اور عمومی طور پر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ جو بھی کوئی شخص اللہ کی کسی بھی نعمت کو بدلے گا وہ مستحق عذاب و عقاب ہوگا۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ

الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

مزین کی گئی ان لوگوں کے لیے دنیاوی زندگی جنہوں نے کفر کیا اور وہ ہنسی کرتے ہیں ان لوگوں سے جو لوگ ایمان لائے حالانکہ جن لوگوں

نے پرہیزگاری کو اختیار کیا وہ قیامت کے دن ان سے بالا ہوں گے، اور اللہ جسے چاہے بلا حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

کافروں کے لیے دنیا کا مزین ہونا اور ان کا ایمان والوں پر ہنسنا

اس آیت میں کافروں کے کفر پر جمنے اور کفر اختیار کرنے کا سبب بتایا ہے اور وہ یہ کہ دنیاوی زندگی اور اس سے متعلقہ ساز و سامان آرائش اور زیبائش ان کی نظروں میں بھایا ہوا ہے۔ اسی حسن ظاہر کو دیکھ کر وہ دنیا پر پلے پڑے ہیں۔ چونکہ ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے میں انہیں دنیا اور اسباب دنیا میں کمی ہوتی نظر آتی ہے اس لیے کفر اختیار کیے ہوئے ہیں۔ دنیا کے ساز و سامان مال اور جائیداد ہی کو کامیابی سمجھے ہوئے ہیں اس لیے اہل ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان سے تمسخر کرتے ہیں (کیونکہ ان کے پاس یہ چیزیں نہیں ہیں) یہ دنیا چند روزہ ہے اس کے بعد اہل کفر کے لیے عذاب ہی عذاب ہے اور اہل ایمان کے لیے جنت ہے۔ اہل ایمان قیامت کے دن بلند و بالا ہوں گے۔ جنت کے بالا خانوں میں ہوں گے اور اہل کفر دوزخ میں پڑے ہوں گے اس وقت اہل ایمان ان پر ہنسیں گے جیسا کہ سورہ مطففین میں فرمایا: ﴿فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ﴾ (سو آج ایمان والے کافروں سے ہنسیں گے۔ مسہریوں پر بیٹھے ہوئے دیکھتے ہوئے) علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت مشرکین عرب ابو جہل وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی، یہ لوگ اپنے مالوں میں مست تھے۔ تنعم کی زندگی گزارتے تھے۔ اور آخرت کی تکذیب کرتے تھے اور فقراء مؤمنین مثلاً عبداللہ بن مسعود و عمار بن یاسر اور صہیب اور بلال اور خباب جیسے حضرات کا مذاق بناتے تھے، ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت منافقین (عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں) کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ دنیا میں مزے کی زندگی گزارتے تھے اور فقراء مہاجرین پر پھبتیاں کتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو محمد (ﷺ) کا کہنا ہے کہ ان (مسکینوں) کو ساتھ لے کر لوگوں پر غلبہ پائیں گے۔ حضرت عطاء نے فرمایا کہ یہ آیت رؤسائے یہود کے بارے میں نازل ہوئی جو فقراء مہاجرین پر ہنستے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے وعدہ فرمایا کہ بنی نضیر اور بنی قریظہ کے اموال تم کو بغیر جنگ کے مل جائیں گے۔ چنانچہ الحمد للہ ایسا ہی ہوا۔ (معالم التنزیل ص ۱۸۵ ج ۱)

آیت کے ختم پر فرمایا کہ ﴿وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (اور اللہ جسے چاہے بلا حساب رزق عطا فرماتا ہے) بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے دنیا میں بغیر کسی محنت اور تکلیف کے جس قدر چاہے عطا فرمادے اور اسے اعمال صالحہ کی توفیق دیدے پھر آخرت میں اس مال کا حساب نہ لے، اور بعض حضرات نے بغیر حساب کا یہ معنی بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو جتنا چاہے کم دے زیادہ دے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اس سے کوئی حساب لینے والا نہیں، اور ایک معنی یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حساب خرچ فرماتا ہے۔ اسے خرچ کرنے میں حساب کرنے کی ضرورت نہیں اس کے خزانے بے انتہا ہیں۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً ۗ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۖ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۲۱۳﴾

سب لوگ ایک جماعت تھے، پھر اللہ نے نبی بھیجے خوشخبری دینے والے، اور ڈرانے والے، اور ان کے ساتھ کتاب اتاری حق کے ساتھ، تاکہ فیصلہ فرمائے لوگوں کے درمیان اس بات کا جس میں انہوں نے اختلاف کیا اور یہ اختلاف ان ہی لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی۔ اور انہوں نے یہ اختلاف باہمی ضد اضدی کے باعث اس کے بعد کیا جب کہ ان کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں آچکی تھیں، پھر اللہ نے اپنے فضل سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اس امر حق کی ہدایت دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اللہ جس کو چاہے سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے

سارے انسان امت واحدہ تھے، حق واضح ہونے کے بعد عناد اور ضد کی وجہ سے مختلف فرقے ہو گئے تفسیر درمنثور ص ۲۳۳ ج ۱ میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان جو قرین تھیں یہ سب ہدایت پر اور حق شریعت پر تھے، پھر لوگوں نے اختلاف کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا جو (اس اختلاف کے بعد) سب سے پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا، اور ایسے وقت میں بھیجا جب کہ لوگوں میں اختلاف ہو چکا تھا اور حق کو چھوڑ چکے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بعد رسول بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں جو مخلوق پر رحمت ہیں۔

اور تفسیر قرطبی ص ۳۱ ج ۲ میں کلبی اور واقدی سے نقل کیا ہے کہ امت واحدہ سے وہ مسلمان مراد ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے (اس وقت دنیا میں صرف یہی لوگ اہل ایمان تھے، دوسری کوئی جماعت نہ تھی) حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا (اور اہل ایمان کے مقابلہ میں مشرکوں اور کافروں کی جماعتیں پیدا ہو گئیں)۔

امت واحدہ کا مصداق بیان کرنے کے سلسلہ میں اور بھی اقوال ہیں۔ بہر صورت آیت شریفہ کا مفہوم یہ ہے کہ کسی زمانہ میں تمام انسان ایک ہی مذہب اور ملت اور ایک ہی عقیدہ پر تھے اور یہ وہ دین تھا جو اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول تھا، پھر لوگوں میں (شیطان کے بہکانے سے اور رائے و فکر کے اختلاف سے) بہت سے فرقے پیدا ہو گئے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے راہ حق بتانے کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے راہ حق بتانے اور اصلاح حال کرنے کے لیے اپنی پوری پوری کوششیں کیں، یہ حضرات حق قبول کرنے والے کو جنت کی بشارت دیتے تھے۔ اور حق سے منہ موڑنے والوں کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ امور اختلافیہ میں فیصلہ فرمایا، اور حق اور ناحق کو ممتاز کر کے بتا دیا، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیم و تبلیغ سامنے ہوتے ہوئے بھی لوگوں نے اپنی نفسانیت اور ضد و عناد کی وجہ سے حق سے منہ موڑا، اور باہمی اختلاف کرتے رہے، جن کو علم دیا گیا واضح دلائل سامنے ہوتے ہوئے حق سے منحرف ہوئے۔ اللہ جل شانہ نے اپنے فضل سے اہل ایمان کو راہ حق کی ہدایت دی اور جو چیز حق تھی وہ ان کو بتا دی۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

تفسیر درمنثور ص ۲۳۲ ج ۱ میں ﴿وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابی بن کعب سے نقل کیا ہے کہ جن کو کتاب اور علم دیا گیا ان سے بنی اسرائیل مراد ہیں۔ اور بغیاً بینہم کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی حرص اور ملک کی طلب اور اس کی ظاہری زیب و زینت کی وجہ سے بعض نے بعض پر بغاوت کر دی اور آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مار دیں، لہذا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ہدایت دی جو اختلاف کے وقت اس دین پر قائم رہے جو دین حق تھا وہ خدائے وحدہ لا شریک کے لیے اخلاص کے ساتھ دین میں لگے اور اختلاف والوں سے علیحدہ ہو کر رہے، لہذا یہ لوگ قیامت کے دن دوسری قوموں یعنی قوم نوح اور قوم ہود اور قوم صالح اور قوم شعیب (وغیر ہم) کے مقابلہ میں گواہی دیں گے اور یہ بتائیں گے کہ ان کے رسولوں نے ان کو تبلیغ کی تھی لیکن انہوں نے ان کو جھٹلایا تھا۔

اس عالم میں اللہ جل شانہ کی طرف سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے ہیں اور کتب الہیہ نازل ہوتی رہی ہیں۔ حق پر چلنے والے بھی رہے اور مخالفین بھی رہے اب اہل ایمان کو سمجھ لینا چاہئے کہ اہل کفر ہماری مخالفت کرتے رہیں گے اور حق ظاہر ہونے کے باوجود

اسے اختیار نہ کریں گے اور جب اختلاف ہوگا تو ان سے تکلیفیں بھی پہنچیں گی، اور قتل و قتال کی نوبت بھی آئے گی۔ صبر بھی کرنا ہوگا اور اللہ کی راہ میں جان و مال بھی خرچ کرنا ہوگا کافر اپنے عناد پر جسے رہیں گے۔ اہل ایمان کو ایمانی تقاضوں پر ثابت قدم رہنا لازم ہوگا۔ اس تقریر سے آیت ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ﴾ کا ربط بھی سمجھ میں آ گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ
وَالضَّرَآءُ وَزُلْزَلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرَ اللَّهُ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ

قَرِيبٌ ﴿۲۱۳﴾

کیا تم نے خیال کیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ان لوگوں جیسے واقعات تمہیں پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ ان کو پہنچی سختی اور تکلیف اور وہ لوگ جھنجھوڑ دیئے گئے یہاں تک کہ رسول نے اور ان مؤمنین نے جو رسول کے ساتھی تھے کہہ دیا کہ کب ہوگی اللہ کی مدد، بلاشبہ اللہ کی مدد قریب ہے۔

مصائب میں مسلمانوں کو صبر کی تلقین اور اہم سابقہ کے مسلمانوں سے عبرت حاصل کرنے کی تعلیم مسلمانوں کو مشرکین اور یہود و منافقین سے برابر تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں۔ مکہ معظمہ میں جب تک رہے مشرکین برابر تکلیفیں پہنچاتے رہے پھر جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے آ گئے تو یہودیوں سے اور منافقوں سے واسطہ پڑا اور مشرکین مکہ نے یہاں بھی چین سے نہ رہنے دیا۔ ان کی دشمنی کی وجہ سے بدر اور احد اور خندق کے غزوات پیش آئے۔ دشمنوں کی ایذا رسانیوں کے علاوہ بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیفیں بھی پہنچتی رہتی تھیں۔

اسباب النزول ص ۶۰ میں ہے کہ یہ آیت غزوہ خندق کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ مسلمانوں کو سخت تکلیف پہنچی، دشمنوں کا خوف بھی تھا، اور سردی بھی سخت تھی اور کھانے پینے کی چیزیں بھی مہیا نہ تھیں۔ اور کئی طرح سے تکالیف کا سامنا تھا جس کو اللہ جل شانہ نے سورہ احزاب میں یوں بیان فرمایا ہے کہ: ﴿بَلَّغْتَ الْقُلُوبَ الْحَنَاجِرَ﴾ (اور کلیجے منہ کو آگئے تھے) نیز اللہ جل شانہ نے غزوہ احزاب کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ ﴿هَذَا لِكَيْ تُبْتَلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَ زُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا﴾ کہ اس موقع پر مسلمانوں کو آزمائش میں ڈالا گیا اور ان کو سختی کے ساتھ جھنجھوڑا گیا۔

منافقین اس حال کو دیکھ کر طرح طرح کی باتیں کرنے لگے حتیٰ کہ کفریہ کلمات تک کہہ گئے۔ اللہ رب العزت تعالیٰ شانہ، نے آیت بالا نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم جنت کی آرزو لیے بیٹھے ہو حالانکہ جسے جنت میں جانے کا ارادہ ہو اسے آزما یا جاتا ہے۔ تکلیفوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ تم سے پہلے جو اہل ایمان تھے ان کو دکھ پہنچا، مصیبتوں نے گھیرا، تکلیفوں نے دبوچا، اور ان کو اس قدر سختی کے ساتھ جھنجھوڑا گیا کہ ان کے زمانہ کے رسول نے اور ان کے ساتھیوں نے مدد میں دیر محسوس کی تو یوں کہہ دیا کہ اللہ کی مدد کب ہوگی۔ جب وہ اس حال پر پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری دی گئی کہ خبردار اللہ کی مدد قریب ہے۔

اس میں جہاں منافقین کو جواب دیا گیا (جنہوں نے غزوہ احد میں ﴿مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا﴾ وہاں مسلمانوں کو بھی تسلی دی کہ یہ مصائب اور تکالیف کوئی نئی نہیں ہیں۔ تمہارے ساتھ نیا معاملہ نہیں کیا جا رہا ہے تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں۔ ان کو بھی آزما یا گیا ہے۔ جب ان کو بہت زیادہ تکلیف پہنچی اور انہوں نے ﴿مَتَى نَصُرُ اللَّهُ﴾ (کب ہوگی اللہ کی مدد) کہا تو اللہ پاک کی طرف سے ﴿أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ﴾ کا اعلان کیا گیا اور جلد ہی مدد آگئی، تمہاری تکلیف بھی اس مرحلہ پر پہنچ چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے دنیا میں بھی مدد

ہوگی اور جنت کا داخلہ بھی ہوگا۔ قال ابن کثیر ص ۲۵۱ ج ۱ قال اللہ تعالیٰ الا ان نصر اللہ قریب کما قال فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا و کما تكون الشدة ینزل من النصر مثلها و لهذا قال تعالیٰ الا ان نصر اللہ قریب ۱۵۔

یہ آزمائش پہلے نبیوں (ﷺ) پر اور ان کی امتوں پر آئی ہمارے رسول سرور عالم ﷺ پر آئی آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر آئی، تابعین پر آئی ان کے بعد مسلمانوں پر آئی رہی اور آتی رہے گی۔ سورہ عنکبوت میں فرمایا:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ أَجْرٌ كَبِيرٌ﴾ (کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزما یا نہ جائے گا اور بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو آزما یا جو ان سے پہلے تھے سو اللہ تعالیٰ ضرور ضرور جان لیگا ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور اور ضرور جان لے گا جھوٹوں کو) حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے ان تکلیفوں کی شکایت کی جو مشرکین مکہ سے پہنچتی رہتی تھیں۔ اس وقت آپ کعبہ کے سایہ میں چادر سے تکیہ لگائے ہوئے تشریف فرما تھے۔ ہم نے عرض کیا کیا آپ اللہ سے دعا نہیں فرماتے؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو مسلمان تھے ان میں سے بعض کو زمین میں گڑھا کھود کر کھڑا کر دیا جاتا تھا پھر آ رہ لا کر سر کے اوپر سے لیکر (نیچے تک) چیر دیا جاتا تھا جس سے دو ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ یہ تکلیف بھی ان کو ان کے دین سے نہیں روکتی تھی اور ان کے سروں میں لوہے کی کنگھیاں کی جاتی تھیں جو گوشت سے گزر کر ہڈی اور پٹھے تک پہنچ جاتی تھیں اور یہ چیز انہیں ان کے دین سے نہیں روکتی تھی۔ (مشکوٰۃ عن البخاری ص ۵۲۵)

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ

وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۲۱۵﴾

وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا خرچ کریں؟ آپ فرمادیجیے کہ جو مال تم خرچ کرو اس کا مصرف والدین اور اقربا اور یتیم اور مسکین لوگ ہیں۔ اور جو بھی خیر کا کوئی کام تم کرو گے سو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے۔

کن مواقع میں مال خرچ کیا جائے

اسباب النزول ص ۶۰ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت عمرو بن جموح انصاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، وہ بوڑھے آدمی تھے اور بہت مال والے تھے، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم کیا صدقہ کریں اور کس پر خرچ کریں؟ اس پر آیت نازل ہوئی، تفسیر درمنثور ص ۲۴۳ ج ۱ میں ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں نفلی صدقات کا ذکر ہے اور زکوٰۃ اس کے علاوہ ہے۔

سبب نزول کے بارے میں جو روایت نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دو باتوں کا سوال کیا گیا تھا، اول یہ کہ کیا خرچ کریں، دوم یہ کہ کس پر خرچ کریں، اللہ جل شانہ نے اولاً دوسرے سوال کا جواب دیا کہ والدین پر اور دیگر رشتہ داروں پر، یتیموں اور مسکینوں پر خرچ کرو۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے نفس پر اور بیوی بچوں پر چونکہ انسان اپنے ذاتی تقاضے سے خرچ کرتا ہے اس لیے سوال ان کے علاوہ دوسروں پر خرچ کرنے کے متعلق تھا۔ لہذا اخراجات کی تفصیل بتاتے ہوئے پہلے والدین کا ذکر فرمایا پھر ماں باپ کے بعد دوسرے رشتہ داروں کا اجمالی ذکر فرمایا جو اپنے کنبہ کے لوگ ہیں۔ پھر یتیموں اور مسکینوں کا ذکر فرمایا جو رشتہ داروں میں ہوتے ہیں اور رشتہ داروں کے علاوہ دوسرے خاندانوں میں بھی ہوتے ہیں۔

سنن ابی داؤد ص ۳۴۳ ج ۲ میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ فرمایا، اپنی ماں کے ساتھ! عرض کیا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ، پھر جو تجھ سے زیادہ قریب ہو، پھر اس کے بعد جو تجھ سے زیادہ قریب ہو۔

پھر ﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ فرما کر پہلے سوال کا جواب دیدیا کہ جو مال بھی تھوڑا یا بہت خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا خوب علم ہے وہ اس سب کی جزا عطا فرمائے گا اور مال کو جو خیر سے تعبیر فرمایا اس میں یہ بتادیا کہ مال حلال ہو (کیونکہ مال حرام خیر نہیں ہے) اور رضائے الہی کے لیے خرچ ہو (کیونکہ جس خرچہ سے ریا کاری اور شہرت مقصود ہو وہ خیر نہیں ہے)۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ دوسرے سوال کے جواب کو اس لیے اہمیت دی گئی کہ کوئی شخص کتنا ہی مال خرچ کرے جب تک صحیح مصرف میں خرچ نہ ہو ثواب کا استحقاق نہ ہوگا۔ یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی فضیلت سے متعلق بعض روایات حدیث آیت کریمہ ﴿لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا وُجُوهَكُمْ﴾ کے ذیل میں گزر چکی ہیں۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا
شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۱۶﴾

فرض کیا گیا تم پر جنگ کرنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔ اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو، اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

جہاد کی فرضیت اور ترغیب

مکہ مکرمہ کے زمانہ قیام میں مسلمان بہت ہی ضعیف تھے، تھوڑے سے تھے۔ کافروں کا تسلط تھا ان سے لڑنے اور جنگ کرنے کا کوئی موقع نہ تھا اور نہ جنگ کرنے کی اجازت تھی، بالآخر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ قیام پذیر ہو گئے، یہاں قیام کرنے کے بعد ان لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی جو لڑنے کے لیے آمادہ ہو جائیں جیسا کہ سورہ حج میں فرمایا: ﴿إِذَنْ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بَانِهِمْ ظُلْمًا﴾ اس کے بعد وہ وقت بھی آیا کہ عام مشرکین سے قتال کرنے کا حکم ہو گیا اگرچہ وہ ابتداء نہ کریں۔ (قرطبی ص ۳۸ ج ۳)

آیت بالا کے عموم سے بظاہر یہی مستفاد ہوتا ہے کہ کفار سے جنگ کرنا ہر مسلمان پر نماز روزہ کی طرح فرض عین ہے لیکن سورہ برأت کی آیت ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ﴾ (الایۃ) سے اور بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قتال کرنا ہر مسلمان پر ہر وقت فرض عین نہیں ہے لیکن اسی لیے فقہاء نے اس بارے میں تفصیل لکھی ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ بعض حالات میں فرض عین اور عام حالات میں فرض کفایہ ہے کافروں سے جنگ کرنا جارحانہ بھی مشروع ہے اور مدافعانہ بھی جیسا کہ قرآن و حدیث کی نصوص عامہ سے ثابت ہے، عام طور سے کافروں سے جنگ کرنے کو جہاد کہا جاتا ہے لفظ جہاد جہد سے لیا گیا ہے جو محنت اور کوشش کے معنی میں ہے یہ اپنے عمومی معنی کے اعتبار سے ہر اس محنت اور کوشش کو شامل ہے جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے ہو، سورہ برأت میں فرمایا ﴿انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (نکل کھڑے ہو ہلکے ہو یا بھاری اور جہاد کرو اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے، اللہ کی راہ میں یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو)

اس آیت میں مال اور جان دونوں سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے اور سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جاهد المشركين بأموالكم و أنفسكم و ألسنتكم (باب كراهية ترك الغزو)

اس حدیث میں زبانوں سے جہاد کرنے کا حکم بھی فرمایا ہے۔ زبان سے جہاد کرنے میں بہت سی باتیں آگئیں، کافروں سے مناظرہ کرنا، ان کے خلاف تقریریں کرنا مسلمانوں کو جہاد کے لیے ترغیب دینا اور آمادہ کرنا وغیرہ، مسلمانوں پر ہر قسم کا جہاد باقی رکھنا لازم ہے۔ علامہ ابوبکر

بصا ص احکام القرآن ص ۱۱۳ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام مالک اور تمام فقہاء امصار کا قول ہے کہ جہاد قیامت تک فرض ہے۔ لیکن اس میں اتنی تفصیل ہے کہ عام حالات میں فرض کفایہ ہے مسلمانوں کی ایک جماعت اس میں مشغول رہے گی تو باقی مسلمانوں کو اس کے ترک کرنے کی گنجائش ہوگی، اور یہ بھی لکھا ہے کہ تمام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسلمانوں کے ممالک کی سرحدوں کے رہنے والے مسلمان اگر طاقت ورنہ ہوں اور ان میں کافروں سے مقابلہ کی طاقت نہ ہو جس کی وجہ سے انہیں اپنے شہروں اور اپنی جانوں اور اپنے بال بچوں پر دشمنوں کی طرف سے خوف ہو تو ساری امت پر فرض ہوگا کہ وہ اپنے گھروں سے نکلیں اور کافروں کے حملہ سے مسلمانوں کی حفاظت کریں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ امت میں کسی کا بھی یہ قول نہیں ہے کہ جب (کسی علاقہ میں) مسلمانوں کو اپنی جانوں کے قتل ہونے کا اور بچوں کے قید ہونے کا خطرہ ہو تو دوسرے (علاقہ کے) مسلمانوں کو ان کی مدد چھوڑ کر گھر میں بیٹھنا جائز ہو۔ پھر لکھا ہے کہ امام المسلمین پر اور عامتہ المسلمین پر لازم ہے کہ ہمیشہ کافروں سے جنگ کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ اسلام قبول کریں یا جزیہ ادا کریں۔ (ثم قال: و هو مذهب أصحابنا و من ذکرنا من السلف المقداد بن الأسود و أبی طلحة فی آخرین من الصحابة و التابعین و قال حذیفہ بن الیمان: الاسلام ثمانية أسهم و ذکر سہما منها الجهاد)

علامہ بصا ص نے جہاد کی فرضیت پر متعدد آیات قرآنیہ نقل کی ہیں۔ مثلاً ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينَ لِلَّهِ﴾ اور ﴿قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ﴾ (الآیة) اور ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (الآیة) اور ﴿فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ﴾ اور ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ اور ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَمَا﴾ وغیرہا من الآیات صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جہاد فرض کفایہ ہے، مسلمانوں کی ایک جماعت اگر اس فریضہ پر قائم رہے تو باقی مسلمانوں سے ساقط ہو جائے گا اور اگر کوئی بھی جہاد میں مشغول نہ رہے تو سب گنہگار ہوں گے۔ پھر لکھتے ہیں کہ کافروں سے قتال کرنا واجب ہے۔ اگرچہ وہ خود سے جنگ میں پہل نہ کریں، اور اگر مسلمانوں کے کسی شہر پر دشمن چڑھ آئیں تو تمام مسلمانوں پر ان کا دفاع لازم ہوگا۔ اس صورت میں عورت بھی شوہر کی اجازت کے بغیر نکل کھڑی ہو اور غلام بھی آقا کی اجازت کے بغیر میدان میں آجائے، اس لیے کہ اس صورت میں دشمنوں سے جنگ کرنا فرض عین ہو جاتا ہے۔ (ہدایہ کتاب السیر) جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا جہاد اور قتال اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے اور اللہ کا دین پھیلانے کے لیے ہے اور جنگ برائے جنگ نہیں ہے اور جہاد کے لیے مستقل احکام ہیں جو حدیث اور فقہ کی کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں۔

جہاد کے بعض احکام:

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جب مسلمان کافروں کے ملک میں داخل ہوں اور ان کے کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کر لیں تو ان کو اسلام کی دعوت دیں اگر وہ دعوت قبول کر لیں اور اسلام لے آئیں تو جنگ کرنے سے رک جائیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کی گواہی دیں اور مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائیں۔ (کما رواہ مسلم فی روایۃ) اور اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو ان کو جزیہ ادا کرنے کی دعوت دیں۔ اگر وہ جزیہ ادا کرنا منظور کر لیں تو پھر ان کے وہی حقوق ہونگے جو مسلمانوں کے ہیں اور ان کی وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو (ملک کی حفاظت کے سلسلے میں) مسلمانوں پر عائد ہوں گی (لیکن جزیہ کی دعوت مشرکین عرب کو نہیں دی جائے گی ان کے لیے اسلام ہے یا تلوار ہے) جن لوگوں کو دعوت اسلام نہیں پہنچی ان کو دعوت دیئے بغیر جنگ کرنا جائز نہیں۔ اور جن لوگوں کو دعوت اسلام پہنچ چکی ہے ان کے بارے میں مستحب ہے کہ پہلے ان کو دعوت جائے پھر قتال کیا جائے۔ اگر کفار قبول اسلام سے بھی انکاری ہوں اور جزیہ دینے پر بھی راضی نہ ہوں تو اللہ سے مدد طلب کر کے ان سے جنگ کی جائے اور

عورتوں کو اور بچوں کو اور بہت بوڑھے کو اور اناج کو اور اندھے کو قتل نہ کیا جائے۔ ہاں اگر ان میں سے کوئی شخص امور حرب میں رائے رکھنے والا ہو یا عورت بادشاہ بنی ہوئی ہو تو ان کو قتل کر دیا جائے (من الہدایۃ باب کیفیۃ القتال) مسلمانوں نے جب سے جہاد چھوڑا ہے دشمنوں نے ان پر قابو پایا ہوا ہے۔ اور ایسے معاہدوں میں جکڑ دیا ہے جن کی وجہ سے وہ کافروں پر حملہ نہ کر سکیں اور کافروں کا اپنا یہ حال ہے کہ معاہدوں کی پاسداری کے بغیر جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ سراسر خیر ہی ہے اس سے اسلام پھیلتا ہے کافروں پر حجت قائم ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں قوت آجاتی ہے۔ دشمن مغلوب ہوتے ہیں اور مغلوب رہتے ہیں۔ مسلمان باعزت زندہ رہتے ہیں۔ اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کرنا دشمنان دین کے مشوروں پر چلنا اور ان سے دینا اسی نے تو عالم میں مسلمانوں کی ساکھ خراب کر رکھی ہے۔

مسلمانوں نے خدمت اسلام کے جذبہ کو چھوڑ دیا۔ حب جاہ، حب اقتدار نے ان کے چھوٹے چھوٹے ملک بنا دیئے، ہر ایک اپنے اقتدار کی ہوس میں ہے اور اقتدار باقی رکھنے کے لیے دشمنوں کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ اس طوائف الملوکی نے مسلمانوں کی طاقت کو منتشر کر رکھا ہے۔ آپس میں لسانی عصبیتوں کی بنیاد پر ایک دوسرے کی جانوں کے پیاسے بنے ہوئے ہیں۔ دشمنوں کی شہہ پر اپنی وحدت ختم کر رکھی ہے۔ سارے عالم کے مسلمانوں کا اگر ایک ہی ملک ہوتا اور ایک ہی امیر المؤمنین ہوتا سارے مسلمان اسلام ہی کے لیے سوچتے اور اسی کے لیے جیتتے اور اسی کے لیے مرتے تو کسی دشمن کی ہمت نہ تھی کہ آنکھ اٹھا کر دیکھتا، دشمنوں نے عصبیتیں سمجھا کر بہت سارے چھوٹے چھوٹے ملک بھی بنوا دیئے اور جہاد سے بھی دور کر دیا۔ لہذا اپنے قابو میں کچھ نہ رہا، ہمت کر کے آپس میں ایک ہوں تو اب بھی انشاء اللہ حال ٹھیک ہو جائے گا۔

مجاہدین کے فضائل

حضرت ابو ہریرہ، حضرت سہل بن سعد اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام کو نکلتا ساری دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۲ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ضرور میری خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۲ ج ۱)

حضرت عبدالرحمن بن جبیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بندے کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہو گئے اسے دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی۔ (بخاری ص ۳۹۴ ج ۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا کہ جو بھی کوئی شخص جنت میں داخل ہو گا وہ دنیا میں واپس آنے کی آرزو نہ کرے گا خواہ اس کو وہ سب کچھ مل جائے جو دنیا میں ہے سوائے شہید کے۔ وہ وہاں جو اپنا اعزاز دیکھے گا اس کی وجہ سے آرزو کرے گا کہ دین میں واپس چلا جاتا اور دس مرتبہ قتل کیا جاتا۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۵ ج ۱)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک دن ایک رات اسلامی ملک کی سرحد کی حفاظت میں گزارنا ایک ماہ کے روزے رکھنے اور راتوں رات ایک ماہ نمازوں میں قیام کرنے سے بہتر ہے۔ اگر یہ شخص اسی حالت میں وفات پا گیا تو (ثواب کے اعتبار سے) اس کا وہ عمل جاری رہے گا جو عمل وہ کیا کرتا تھا اور اس کا رزق جاری رہے گا (اور قبر میں) فتنہ ڈالنے والوں سے پرامن رہے گا۔ (صحیح مسلم ص ۱۴۲ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مر گیا کہ اس نے جہاد نہیں کیا اور اس کے نفس میں جہاد کا خیال بھی نہ آیا تو وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مر گیا۔ (صحیح مسلم ص ۱۴۱ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی ہو اور اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس کے

راہ میں کون زخمی ہوتا ہے تو وہ شخص قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا۔ رنگ تو خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔ (صحیح بخاری ص ۳۱۳ ج ۲ صحیح مسلم ص ۱۲۳ ج ۲)

جہاد میں مال خرچ کرنے کا ثواب:

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا بھی بڑا ثواب ہے۔ ایک شخص نے جہاد کے لیے ایک اونٹنی پیش کر دی جس کو مہارنگی ہوئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تیرے لیے اس کے عوض قیامت کے دن سات سو اونٹنیاں ہوں گی ہر ایک کو مہارنگی ہوئی ہوگی (صحیح مسلم ص ۱۳۷ ج ۲) (یعنی مہارنگی ہوئی سات سو اونٹنیاں خرچ کرنے کا ثواب ملے گا)۔

جہاد میں شرکت کے لیے جانے والے کو سامان دے دینا جس سے وہ جنگ کرے اور کھائے پیئے اس کا بھی بہت بڑا ثواب ہے۔ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس نے کسی فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے کو سامان دیا اس نے (بھی) جہاد کیا اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے گھر والوں کی خدمت میں خیر کے ساتھ رہا اس نے بھی جہاد کیا۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۹ ج ۱)

جہاد پر دشمنان اسلام کا اعتراض اور اس کا جواب:

دشمنان اسلام نے جہاد کو بہت مکروہ طریقہ پر پیش کیا ہے اول تو اسلام کی دشمنی میں اسلام کی دعوت کو نہیں سمجھتے۔ اسلام کی دعوت یہ ہے کہ سارے انسان اللہ کو وحدہ لا شریک مانیں اس کے سب رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لائیں۔ خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا نبی اور رسول مانیں، قرآن پر ایمان لائیں اور محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی طرف سے جو شریعت پیش کی ہے اس کو مانیں، جو شخص یہ سب قبول کرے گا وہ مسلم ہوگا۔ اللہ کا فرمانبردار ہوگا۔ مستحق جنت ہوگا۔ اور جو شخص اس دین و شریعت کو قبول نہ کرے گا۔ وہ کافر ہوگا۔ مستحق دوزخ ہوگا۔ ہمیشہ ہمیشہ آگ کے دائمی عذاب میں رہے گا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے جب مسلمان کافروں سے جنگ کریں تو انہیں پہلے اسلام کی دعوت دیں اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو کوئی لڑائی نہیں جنگ نہیں۔ قتال نہیں، اگر اسلام کو قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ دینے کو کہا جائے گا۔ پھر اگر جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو جنگ کی جائے۔ جہاد کا مقصود اعلیٰ کافروں کو دین حق کی طرف بلانا ہے تاکہ وہ جنت کے مستحق ہو جائیں اگر جنگ کر کے کسی قوم کو دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر لیا تو اس میں ان کے ساتھ احسان ہی کیا، کسی قوم کے تھوڑے سے افراد جنگ میں کام آگئے اور اکثر افراد نے اسلام قبول کر لیا تو مجموعی حیثیت سے اس قوم کا فائدہ ہی ہوگا، اگر کوئی قوم اسلام قبول نہ کرے اور جزیہ دینے پر راضی ہو جائے اور اس طرح مسلمانوں کی عملداری میں رہنا قبول کرے تو اس میں بھی اس قوم کا فائدہ ہے کہ دنیاوی اعتبار سے ان کی جانیں محفوظ ہو گئیں اور آخرت کے اعتبار سے یہ فائدہ ہوا کہ انہیں دین اسلام کے بارے میں غور کرنے کا موقع مل گیا۔ مسلمانوں کی اذانیں سنیں گے، نمازیں دیکھیں گے۔ مسلمانوں کا جو اللہ سے تعلق ہے اور جو مخلوق کے ساتھ ان کے معاملات ہیں وہ سامنے آئیں گے۔ مسلمانوں کے زہد و تقویٰ سے متاثر ہوں گے۔ اس طرح سے اقرب ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں اور کفر سے بچ جائیں اور آخرت کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں۔ رہا جزیہ تو وہ ان کی جانوں کی حفاظت کا بدلہ ہے اور وہ بھی سب پر نہیں ہے۔ اور زیادہ نہیں ہے۔ اس ساری تفصیل سے سمجھ لینا چاہیے کہ جہاد میں کافروں کی خیر خواہی پیش نظر ہے اگر کافروں کی کوئی جماعت اسلام بھی قبول نہ کرے اور جزیہ دینا بھی منظور نہ کرے تو ان کے ساتھ جنگ اور قتل و قتال کا معاملہ ہوگا، کافر اللہ کا باغی ہے۔ کفر بہت بڑی بغاوت ہے۔ مجازی حکومتوں میں سے کسی حکومت کا کوئی فرد یا جماعت بغاوت کرے تو اس کو سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے اللہ کے باغی جو اس کی زمین پر بستے ہیں اس کا دیا کھاتے ہیں اس کی عطا کی ہوئی نعمتیں کام میں لاتے ہیں مگر اللہ پر ایمان نہیں لاتے اگر اللہ کو مانتے ہیں تو اس کے ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ بتوں کو پوجتے ہیں اور بہت سے خدائیں مانتے ہیں ایسے لوگ اس قابل کہاں ہیں کہ خدا کی زمین پر زندہ رہیں، اللہ کے وفادار بندے جنہوں نے اللہ کے دین کو قبول کر لیا اللہ کے دین کی دعوت دیتے ہیں پھر ان باغیوں کے منکر ہونے کے بعد اللہ کے وفادار بندے ان کو قتل کر دیں تو اس میں اعتراض کی کیا

بات ہے؟ دنیا سے کفر و شرک مٹانے کے لیے اور خالق و مالک جل مجدہ، کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے جو اسلام میں جہاد شروع کیا گیا ہے اس پر تو دشمنوں کو اعتراض ہے۔ لیکن صدیوں دشمنان اسلام خاص کر یورپ کے لوگ جو ایشیا کے ممالک پر قبضہ کرتے رہے ہیں اور اس سلسلہ میں جو لاکھوں کروڑوں خون ہوئے ہیں۔ ۱۸۵۷ء میں جو انگریزوں نے ہندوستانیوں کا قتل عام کیا ہے اور ۱۹۴۱ء اور ۱۹۴۲ء میں جو عالمی جنگیں ہوئی تھیں اور ہیر و شیمار جو بم پھینکا گیا اور ایک طویل زمانہ تک جو صلیبی جنگیں ہوئی ہیں جن میں لاکھوں انسان تہ تیغ ہوئے یہ سب کچھ کونسی خیر پھیلانے کے لیے ہوئے؟ کیا اس میں ملک گیری کی ہوس اور کفر و شرک پھیلانے کے عزائم اور دین اسلام کو مٹانے کے ارادے نہیں تھے؟ یہ ان لوگوں کی حرکتیں ہیں جو سپدنا حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت رکھنے کے جھوٹے دعوے دار ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم یہ تھی کہ کوئی شخص تمہارے رخسار پر ایک طمانچہ مارے تو دوسرا رخسار بھی اس کے سامنے کر دو، اور مشرکین ہند کو دیکھو جن کے یہاں ہتھیار کرنا بہت بڑا پاپ ہے جو چوہا مارنے کو برا جانتے ہیں وہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں اور برابر فساد کرتے ہیں اور اسلامی جہاد پر اعتراض کرنے والے اپنے آئینہ میں اپنا منہ نہیں دیکھتے اور جو لوگ اللہ کے باغی ہیں ان کی بغاوت کو کچلنے والوں کے جہاد اور قتال پر اعتراض کرتے ہیں، سچ ہے۔

اپنے عیبوں کی کہاں آپ کو کچھ پروا ہے؟
غلط الزام بھی اوروں پر لگا رکھا ہے!
یہ ہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے؟

ممکن ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو:

آیت بالا میں جہاد کی فرضیت بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾

(کہ ممکن ہے تمہیں کوئی چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو، اور ممکن ہے کہ تمہیں کوئی چیز محبوب ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو) سیاق کلام کے اعتبار سے تو اس کا تعلق جہاد اور قتال سے ہے کہ طبعی طور پر جہاد ناگوار معلوم ہوتا ہے لیکن نتائج اور ثمرات کے اعتبار سے تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور جہاد چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جانا اور کاروبار میں لگنا تمہاری محبوب چیز ہے لیکن حقیقت میں جہاد کا چھوڑ دینا تمہارے حق میں شر ہے، اور اس کے چھوڑ دینے سے بہت سی خیر سے محرومی ہے اور برے نتائج سامنے آنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن انداز بیان ایسا اختیار کیا گیا ہے کہ جہاد کے علاوہ بھی بہت سے امور کو شامل ہے، عموماً انسان بعض چیزوں کو مکروہ جانتا ہے لیکن اس کے لیے وہ بہتر ہوتی ہیں اور بہت سی چیزوں کو پسند کرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اس کے لیے مضر ہوتی ہیں اور یہ ایسی بات ہے جس کا رات دن تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ لہذا خیر اسی میں ہے کہ اللہ کے احکام مانیں اور ان ہی پر چلیں۔

آخر میں ارشاد فرمایا: ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ کہ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے، کیونکہ حقیقی علم اللہ ہی کو ہے۔ اسے اپنی مخلوق کا نفع و ضرر اور مصلحت سب کچھ معلوم ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ
وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا
يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۗ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا كَفَرَ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا
 خَالِدُونَ ﴿۱۷۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ
 رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۸۰﴾

آپ سے شہر حرام کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ ان میں جنگ کرنا بڑا جرم ہے، اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے ساتھ کفر کرنا اور اہل مسجد حرام کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ پردازی قتل کرنے سے بڑا جرم ہے اور کافر لوگ برابر تم سے جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں پھیر دیں تمہارے دین سے اگر ان سے ہو سکے، اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پھر حالت کفر میں مرجائے، سو دنیا و آخرت میں ایسے لوگوں کے اعمال اکارت ہو جائیں گے اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں، اور اس میں ہمیشہ رہیں گے، بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہ لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روکنا اور فتنہ پردازی کرنا جرم کے اعتبار سے قتل سے بڑھ کر ہے
 رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی امارت میں چند مہاجرین سے فرمایا کہ مقام بطن نخلہ میں پہنچ کر قریش کے قافلہ کا انتظار کرنا، ممکن ہے کہ کوئی خیر کی خبر لے آوے، بطن نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان ہے، یہ حضرات وہاں پہنچے تو قریش کا قافلہ گزرتا ہوا نظر آیا جو طائف سے سامان تجارت کشمش وغیرہ لے کر آ رہا تھا، یہ قافلہ عمرو بن الحضرمی اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبد اللہ بن مغیرہ اور نوفل بن عبد اللہ پر مشتمل تھا۔ ان لوگوں نے حضرات صحابہ کرام کو دیکھا تو ڈر گئے، حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ لوگ خوف زدہ ہو گئے لہذا ان پر حملہ کر دینا چاہئے جب مشورہ سے یہ بات طے ہو گئی تو واقعہ بن عبد اللہ تمیمی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن الحضرمی کو تیر مار کر قتل کر دیا، یہ پہلا مشرک تھا جو مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا نیز حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے حکم بن کیسان اور عثمان بن عبد اللہ کو قید کر لیا۔ یہ دونوں سب سے پہلے قیدی تھے جنہیں مسلمانوں نے قید کیا۔ قافلہ کا ایک فرد نوفل بن عبد اللہ قابو میں نہ آیا اور فرار ہو گیا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس قافلہ کے سامان کو اور دونوں قیدیوں کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ واقعہ جمادی الاخریٰ کی انتیس تاریخ گزرنے کے بعد آنے والے دن میں پیش آیا۔ اس کے بارے میں یہ طے نہ کر سکے کہ یہ جمادی الاخریٰ کی تیس تاریخ ہے یا رجب کی پہلی ہے۔

رجب کا مہینہ ان چاروں مہینوں میں شمار ہوتا تھا جن میں جنگ کرنا ممنوع تھا (زمانہ جاہلیت میں ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب میں قتل نہیں کرتے تھے اور ابتدائے اسلام میں بھی ان میں قتل کرنے کی ممانعت تھی۔)..... حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو یہ حملہ کر دیا تھا اس میں رجب کا شروع ہونا متحقق نہیں تھا لیکن قریش مکہ نے اس کو اپنے اعتراض کا نشانہ بنا لیا، اور کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے اس میں قتال حلال کر لیا جو شہر حرام میں سے ہے۔ اس مہینہ میں لوگ امن کے ساتھ چلتے پھرتے ہیں اور اپنی روزیوں کے لیے منتشر ہو جاتے ہیں اور انہوں نے اس ماہ کی بے حرمتی کی ہے۔ اس اعتراض کو انہوں نے بہت اہمیت دی۔ مسلمانوں کی جس جماعت نے حملہ کیا تھا ان کو قریش مکہ نے عار دلائی۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی ان کا حملہ آور ہونا پسند نہ آیا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو تمہیں شہر حرام میں قتال کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ آپ نے یہ سامان اور دونوں قیدیوں کا معاملہ موقوف رکھا اور اس مال میں سے کچھ بھی نہیں لیا، جس جماعت نے یہ کارروائی کی تھی انہیں بڑی ندامت ہوئی انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ جس دن ہم نے عمرو بن الحضرمی کو قتل کیا ہے اس دن شام کو جو چاند نظر آیا تو اس کے اعتبار سے ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے ہیں کہ یہ قتل ہم سے جمادی الاخریٰ میں ہوا یا رجب میں، اس پر اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ نزول آیت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قافلہ کا سامان لے لیا اور اس میں سے خمس علیحدہ کر لیا جو مال غنیمت کا اصول ہے۔ اور باقی مال اسی جماعت پر تقسیم کر دیا

جنہوں نے قافلہ سے مال چھین لیا تھا، جو دو قیدی مسلمانوں نے پکڑ لیے تھے مال دے کر ان کو مکہ والوں نے چھڑا لیا، پھر ان دونوں میں سے حکم بن کیسان تو مسلمان ہو گئے اور مدینہ منورہ میں رہے اور بیر معونہ کے غزوہ میں شہید ہوئے اور دوسرا قیدی عثمان بن عبداللہ نامی مکہ معظمہ واپس جا کر حالت کفر میں مر گیا۔ (اسباب النزول ص ۶۲ تا ۶۴، روح المعانی ص ۱۰۷ ج ۲)

مشرکین نے جو اعتراض کیا تھا اس کے جواب میں اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ آپ فرما دیجیے اشہر حرام میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے لیکن مشرکین کو اپنے کرتوت نظر نہیں آتے۔ اللہ کی راہ سے روکنادین حق قبول کرنے والوں کو منع کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے ساتھ کفر کرنا اور اہل مسجد حرام کو وہاں سے نکالنا (جیسا کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے اصحاب کو مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا حالانکہ مسجد حرام کے تقدس کو باقی رکھنے والے اور نمازوں سے اسے معمور کرنے والے یہی حضرات تھے) یہ سب چیزیں اللہ کے نزدیک اشہر حرام میں قتل کرنے سے گناہ گاری میں بڑھ کر ہیں جن کا ارتکاب کیا ہے (قال القرطبی ص ۴۲ ج ۳ و ما تفعلون انتم من الصد عن سبیل اللہ لمن اراد الاسلام و من کفر کم باللہ و اخراجکم اهل المسجد منه کما فعلتم برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ اکبر جرماً عند اللہ۔

پھر فرمایا ﴿وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ (فتنہ پردازی جرم میں قتل سے بڑھ کر ہے) مشرکین مکہ شرک و کفر میں مبتلا تھے اور جو لوگ مسلمان ہو جاتے تھے ان کو مارتے پٹتے تھے اور کفر میں واپس لے جانے کی کوشش کرتے تھے، یہ سب سے بڑا فتنہ ہے جو ایک شخص کے قتل سے بہت بڑھ کر ہے جسے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاند کی صحیح تاریخ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا تھا پھر مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ ﴿وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ﴾ وہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔ اس میں مشرکین کے عزائم بتائے ہیں کہ وہ تمہارے ایمان سے کبھی بھی راضی نہ ہوں گے اور اپنے دین میں واپس کرنے کی کوششیں کرتے رہیں گے (وہ اپنے دین میں پختہ ہیں تو تم اپنے دین میں پختہ رہو، وہ تمہیں اپنے دین میں کھینچنا چاہتے ہیں تم انہیں اپنے دین میں لانے کی کوشش کرتے رہو)۔

مرتد کے احکام:

اس کے بعد فرمایا: ﴿وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولَئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولَئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ﴾

(اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے، پھر حالت کفر میں مر جائے تو دنیا و آخرت میں ان لوگوں کے اعمال اکارت ہو جائیں گے اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے)

اس میں مرتد کے بعض احکام بتائے ہیں، دین اسلام قبول کرنے کے بعد جو شخص اس کو چھوڑ کر کوئی سا بھی دین اختیار کرے۔ (اور اسلام کے علاوہ ہر دین کفر ہی ہے) تو اس نے زمانہ اسلام میں جو اعمال کیے تھے وہ سب ضائع ہو گئے۔ کفر کی وجہ سے ان سب کا اجر و ثواب ختم ہو گیا دنیا میں بھی ان اعمال کا کوئی فائدہ نہ ہوگا جو زمانہ اسلام میں کیے تھے اور آخرت میں بھی ان کا کوئی اجر و ثواب نہ ملے گا۔ اور دوسرے کافروں کی طرح وہ بھی ہمیشہ دوزخ میں جائے گا۔ سورہ مائدہ میں فرمایا ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

(اور جو شخص ایمان کا منکر ہو جائے تو اس کے اعمال حبط ہو گئے اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا) جو شخص مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) اس سے بات کی جائے۔ اس کا جو کوئی شبہ ہو دور کیا جائے۔ اور تین دن اسے بند رکھا جائے۔ اگر تین دن گزر جانے پر اسلام قبول نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اگر عورت مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) اور باوجود سمجھانے کے دوبارہ اسلام نہ لائے تو اسے بند کر دیا جائے

فائدہ: ﴿قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ﴾ (آپ فرمادیجیے کہ اشہر حرام میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے) اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ اشہر حرام میں قتال کرنا ممنوع ہے سورہ برآة کی آیت ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كَتَبِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ﴾ سے بھی خوب واضح طور پر چار مہینوں میں قتال کرنے کی حرمت معلوم ہو رہی ہے۔ ان چار مہینوں میں قتال کی حرمت اب بھی باقی ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے تھے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہے۔ لہذا اشہر حرام میں قتال کرنا جائز نہیں۔ الا یہ کہ دشمن قتال کرنے لگے تو اس کے جواب میں قتال کرنا جائز ہوگا، حضرت سلیمان بن یسار اور سعید بن المسیب رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ اشہر حرام میں قتال کی ممانعت منسوخ ہو گئی اور اب اشہر حرام میں قتل کرنا جائز ہے، علامہ ابو بکر صاص رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں: وَهُوَ قَوْلُ فَتَاهِ الْأَمْصَارِ (کہ یہی فقہاء امصار کا قول ہے)۔

پھر لکھتے ہیں کہ پہلا حکم حرمت قتال والا منسوخ ہے۔ آیت کریمہ ﴿فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ اور دوسری آیت ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ اشہر حرام میں قتال کی ممانعت کے بعد نازل ہوئی۔ (احکام القرآن ص ۲۲۲ ج ۱) علامہ قرطبی ص ۲۳ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ جمہور کا مذہب ہے کہ اشہر حرام میں قتل کرنے کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے اور اب ان میں قتال کرنا مباح ہے، اس کا ناخ کون ہے اس میں اختلاف ہے حضرت زہری نے فرمایا کہ آیت کریمہ ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً﴾ (سورہ توبہ) نے اسے منسوخ کر دیا اور بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشہر حرام میں بنی ثقیف سے جہاد فرمایا تھا اور حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو اشہر حرام میں وادی او طاس میں جہاد کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ ۱۷

بہر حال جمہور کا مذہب ہے کہ اشہر حرام میں قتال کرنے کی ممانعت منسوخ ہے۔ ائمہ اربعہ کا بھی یہی مذہب ہے اور اگر دشمن جنگ کی ابتدا کر دیں تو اس صورت میں وہ حضرات بھی جنگ کرنے کی اجازت دیتے ہیں جو اس حکم کو منسوخ نہیں مانتے ہیں۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَيْرِ وَالْبَيْسِرِ ۗ قُلْ فِيهِمَا إِسْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمَا آكِبْرٌ مِّنْ نَّفْعِهِمَا ۗ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۗ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١٩﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۗ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۗ وَإِنْ تُخَاطَبُوا فَاخْوَانِكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۗ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٠﴾

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرمادیجیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں، اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے، اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، آپ فرمادیجیے کہ جو زائد ہو وہ خرچ کر دیں اللہ ایسے ہی بیان فرماتا ہے آیات، تاکہ تم فکر کرو دنیا میں اور آخرت میں، اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں یتیموں کے بارے میں، آپ فرمادیجیے کہ اصلاح کرنا ان کے لیے بہتر ہے اور اگر ان کا خرچ آپس میں ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ تم میں مفسد کون ہے اور مصلح کون ہے اور اللہ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا، بے شک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

شراب اور جوئے کی حرمت

ان آیتوں میں اول تو شراب اور جوئے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے منافع بھی ہیں پھر یہ فرمایا کہ ان کا گناہ ان کے منافع سے بڑا ہے، اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ کسی چیز کے نفع مند ہونے سے اس کا حلال ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ

کوئی چیز نفع مند ہو اور حرام بھی ہو۔ حرام حرام ہی رہے گا خواہ اس میں کتنا ہی بڑا نفع ہو۔ اور اس کے ارتکاب میں گناہ ہوگا جو دنیا و آخرت میں باعث وبال ہوگا۔ شراب اور جوئے کے بارے میں تفصیلی کلام انشاء اللہ تعالیٰ ہم سورہ مائدہ کی آیت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ﴾ (الایة)

کے ذیل میں لکھیں گے۔ یہاں اتنا سمجھ لیں کہ نشہ لانے والی ہر چیز کا پینا حرام ہے اور ہر ایک جو احرام ہے جس طرح سے بھی ہو اور جس صورت میں بھی ہو، اس کا جو بھی نام رکھ لیا جائے حرام ہی رہے گا۔

فی سبیل اللہ کیا خرچ کریں؟

پھر ارشاد فرمایا کہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں یہ سوال چونکہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ وہاں یہ جواب دیا تھا کہ جو بھی تم مال خرچ کرو اپنے والدین اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو چونکہ وہاں مصارف بتانے کی اہمیت زیادہ تھی اس لیے وہاں خرچ کے مواقع بتا دیے اور پھر یہ بتا دیا کہ جو بھی کوئی خیر کا کام کرو گے وہ اللہ کے علم میں ہوگا (اور وہ اس کا ثواب عطا فرمائے گا) اور یہاں الفاظ سابقہ میں جو دوبارہ سوال مذکور ہے اس میں خصوصیت کے ساتھ اس پر زور ہے کہ کیا خرچ کریں.....؟ لہذا نہیں اسی سوال کا جواب دے دیا گیا۔

لباب النقول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہوا تو چند صحابہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نہیں جانتے کہ ہمارے مالوں میں جو مقرر فرمایا گیا ہے وہ کس قدر ہے ہم اس میں کتنا خرچ کریں ان کے سوال کے جواب میں اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ نازل فرمائی اور سوال کرنے والوں کے جواب میں فرمایا کہ جو مال اپنی ضروریات سے زائد ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: ﴿كَذَلِكَ يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾۔

کہ تم خرچ کرنے میں غور و فکر سے کام لو، آخرت کی ضروریات دیکھو، اور دنیاوی ضروریات کو سمجھو، ایسا بھی نہ ہو کہ خرچ ہی نہ کرو کہ ضروریات سے جس قدر بھی زائد ہو وہ پڑا ہی رہے اور جمع ہی ہوتا رہے اور ایسا بھی نہ ہو کہ سب خرچ کر کے بیٹھ رہو اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو کر کل کو دوسروں سے مانگنے کی نوبت آجائے۔ نیز جوش سخاوت میں ایسا بھی نہ ہو کہ اہل و عیال جن کے حقوق واجب ہیں ان کا کوئی حق ضائع ہو جائے، ضرورت سے زیادہ جو مال جمع ہو جائے اگر اس میں سے فرض زکوٰۃ اور صدقات و نفقات واجبہ ادا ہوتے رہیں تو اس کا جمع کرنا جائز تو ہے لیکن خرچ کر دینا افضل ہے اس میں احوال بھی مختلف ہوتے ہیں، کسی میں زہد غالب ہے اور جتنا زائد ہو سب خرچ کر دیتا ہے اس کی بھی گنجائش ہے۔ رسول اللہ ﷺ کل کے لیے کچھ نہیں رکھتے تھے۔ اگر کوئی شخص فرائض اور واجبات ادا کرنے کے بعد زائد مال میں سے اللہ کی اللہ کچھ خرچ کر دے اور کچھ رکھ لے تو اس کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت زیادہ خرچ کرتے تھے لیکن ان کے پاس مال جمع بھی رہتا تھا اور یہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تھا آپ ﷺ نے نکیر نہیں فرمائی۔

پھر ارشاد فرمایا: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى﴾ کہ وہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں پھر اس سوال کا جواب عنایت فرمایا جواب سمجھنے سے پہلے آیت کا سبب نزول سمجھ لیا جائے اس سے سوال کا مضمون بھی واضح ہو جائے گا، اور پھر جواب بھی سمجھ میں آ جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

درمنثور ص ۳۵۵ ج ۱ میں بحوالہ سنن ابوداؤد اور مستدرک حاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جب آیت کریمہ ﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتَامَىٰ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریقہ سے جو احسن ہو) اور آیت کریمہ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظَالِمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا﴾ (جو لوگ یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھرتے

ہیں) نازل ہوئی تو وہ صحابہ جن کے پاس کوئی یتیم تھا انہوں نے یتیم کا کھانا پینا الگ کر دیا (یتیم کے لیے الگ پکاتے اور اپنے لیے الگ تیار کرتے) ایسا کرنے سے یتیم کے کھانے میں سے کچھ حصہ بچ جاتا تھا اسے رکھ لیتے تھے پھر بعد میں وہ یتیم کھا لیتا تھا یا خراب ہو جاتا تھا۔ جب یہ صورت حال پیش آئی تو ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پوری کیفیت پیش کی اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (درمنثور ص ۵۵ ج)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ مقصود اصلی اصلاح ہے۔ یتیم بچوں کا مال اس طریقہ پر ان پر خرچ کرو کہ ان کا نقصان بھی نہ ہو اور کوئی خراب نیت بھی نہ ہو کہ اس کا مال ساتھ ملا کر پکانے میں اس کے حصہ میں سے اپنے اوپر یا اپنے بچوں پر خرچ ہو جانے کی نیت ہو ان کا مال اپنے مال میں ملا کر پکانے میں چونکہ مصلحت پیش نظر ہے کہ ان کا مال زیادہ خرچ نہ ہو اور ضائع نہ ہو تو اس میں کوئی مواخذہ اور محاسبہ کی بات نہیں ہے وہ تمہارے بھائی ہیں۔ بھائیوں کی طرح مل جل کر اصلاح و خیر خواہی مد نظر رکھتے ہوئے کھاؤ اور پیو، اللہ تعالیٰ شانہ مصلح کو بھی جانتا ہے۔ (جس کی نیت اصلاح کی ہو) اور مفسد کو بھی جانتا ہے جس کی نیت خراب ہو اور فساد اور بگاڑ کا ارادہ رکھتا ہو۔

پھر فرمایا کہ ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَاعْنَتَكُمْ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا اور تم کو حکم دیتا کہ یتیموں کا ہر حال میں الگ پکاؤ اور ایسے انداز سے پکاؤ کہ ذرا بھی خراب نہ ہو اور یہ تمہارے لیے مشکل اور دشواری کا باعث ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے آسانی عطا فرمادی، آسانی پر عمل کرو، اور نیت اچھی رکھو، آخر میں فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے یعنی غلبہ والا ہے) وہ مواخذہ فرمائے تو کوئی اس سے بچ نہیں سکتا اور وہ حکیم بھی ہے اس کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

وَلَا تَتَّكِفُوا الْمُشْرِكِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ ۖ وَلَا مِمَّنْ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ ۚ وَلَا أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۖ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ ۚ وَلَا أَعْجَبَكُمْ ۗ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۗ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۗ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۲﴾

اور نکاح نہ کرو مشرک عورتوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، اور البتہ ایمان والی باندی بہتر ہے مشرک عورت سے اگر چہ وہ تمہیں اچھی لگے، اور نہ نکاح کرو اپنی عورتوں کا مشرکین سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ البتہ ایمان والا غلام بہتر ہے مشرک سے اگر چہ وہ تمہیں اچھا لگے، یہ لوگ بلا تے ہیں دوزخ کی طرف، اور اللہ بلا تاتا ہے جنت اور مغفرت کی طرف اپنے حکم سے، اور اللہ بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے اپنی آیات تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

مشرک مردوں اور عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت

اس آیت شریفہ میں مسلمانوں کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مشرک عورتوں سے نکاح کریں، ہاں اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان سے نکاح کرنا جائز ہوگا مشرک عورتیں بعض مرتبہ حسن و جمال یا اموال کے اعتبار سے اچھی معلوم ہوتی ہیں اور ان سے نکاح کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ تم مشرک سے نکاح نہ کرو، اگر کوئی با ایمان لونڈی مل جائے تو اس سے نکاح کر لو۔ وہ تمہارے لیے مشرک عورت سے بہتر ہے۔ پھر دوسرا حکم ارشاد فرمایا کہ مشرکوں سے اپنی عورتوں کا نکاح نہ کرو، مشرک کی نسبت مومن غلام بہتر ہے (تم اس سے اپنی عورتوں کا نکاح کرو) ہاں اگر کوئی مشرک مسلمان ہو جائے تو وہ تمہارا دینی بھائی ہو گیا اس سے اپنی عورتوں کا نکاح کر سکتے ہو۔

آخر میں مشرکوں سے بچنے اور ان سے ازدواجی تعلقات قائم نہ کرنے کی علت بتادی کہ مشرکین دوزخ کی طرف بلا تے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، مشرکین سے مرد ہوں یا عورت ازدواجی میل جول رکھنے میں خطرہ ہے کہ مسلمان مرد ہو یا عورت خدا نخواستہ ان کے عقائد سے متاثر ہو جائے اور کسی دن ایمان کھو بیٹھے اور مستحق دوزخ ہو جائے، پھر مسئلہ اولاد کا بھی پیدا ہوگا مرد مشرک ہو یا عورت وہ اولاد کو ضرور اپنے دین پر لگائیں گے۔ اگر اولاد مشرک ہوگئی تو دوزخی ہوگی۔ لامحالہ مؤمن مرد و عورت مشرک مرد و عورت سے بہتر ہے چاہے وہ مؤمن غلام یا باندی ہی ہو، چونکہ نہ تو وہ اپنے جوڑے کو دوزخ کی دعوت دیتا ہے اور نہ اولاد کو دوزخ کے راستے پر ڈالتا ہے۔

فائدہ: آیت کے عموم الفاظ سے ظاہر ہے کہ کسی مؤمن عورت کا کسی مشرک مرد سے اور کسی مؤمن مرد کا کسی مشرک عورت سے نکاح درست نہیں ہے اور اس عموم میں ہر طرح کے کافر داخل ہیں۔ ملحد زندقہ دہریے بھی اسی حکم میں آجاتے ہیں۔ ایسے مردوں اور عورتوں سے کسی مرد مؤمن اور عورت مؤمنہ کا نکاح درست نہیں اگر نکاح کر لیا تو وہ نکاح شرعی نکاح نہ ہوگا اور اس کی بنیاد پر ازدواجی تعلقات حرام ہوں گے، البتہ کتابی عورت (یہودیہ ہو یا نصرانیہ) سے مسلمان مرد کا نکاح درست ہے اور اس کا جواز سورہ مائدہ کے پہلے رکوع میں بیان فرما دیا ہے، اس کے بعض احکام ہم وہیں بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ، یہاں اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ اگرچہ یہودیہ و نصرانیہ عورت سے مسلمان کا نکاح درست ہے لیکن ان سے بچنا افضل ہے خاص کر اس زمانہ میں جبکہ یہ عورتیں مسلمانوں سے نکاح کرتی ہی اس لیے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے دین پر لے آئیں اور اولاد کو بھی اپنے دین پر ڈال دیں، اور مسلمانوں کی اندرونی خبریں دشمنان اسلام کو پہنچایا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں اس نزاکت کو بھانپ لیا تھا اور اپنے عہد خلافت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سے روکتے تھے۔ (کمافی کتاب الآثار للامام محمد بن الحسن الشیبانی ص ۸۹)

بہت سے ممالک میں جہاں مسلمان مل جل کر رہتے ہیں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہر مذہب اور مسلک کے لڑکے لڑکیاں یکجا جمع ہو کر کلاسوں میں بیٹھتے ہیں وہاں ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ مسلمان لڑکے اور لڑکیاں مقامی حکومت کے قانون کے مطابق کورٹ میں جا کر نکاح کر لیتے ہیں، اگر لڑکا مسلمان ہو اور لڑکی کتابی ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے بشرطیکہ ایجاب و قبول گواہوں کے سامنے ہو اور اگر لڑکی کتابی نہیں، ہندو، سکھ، بدھسٹ، آتش پرست ہو تو یہ نکاح ہونے ہی کا نہیں، اور کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی بھی کافر سے نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ کافر یہودی و نصرانی ہو۔ بہت سے فرقے ایسے بھی ہیں جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن وہ اپنے عقائد کی وجہ سے کافر ہیں۔ مثلاً وہ لوگ جو ختم نبوت کے منکر ہیں اور وہ لوگ جو تحریف قرآن کے قائل ہیں اور وہ لوگ جو اپنے امام کے اندر خدائے پاک کا حلول مانتے ہیں یہ سب لوگ بھی کافر ہیں ان سے کسی مسلمان لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا اور نہ کسی مسلمان مرد کا اس طرح کی کسی عورت سے نکاح ہو سکتا ہے۔

سبب نزول بیان کرتے ہوئے اسباب النزول ص ۶۶ میں لکھا ہے کہ ابو مرثد غنوی صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عناق نامی عورت سے نکاح کرنے کی اجازت چاہی، یہ عورت قریشی تھی اور حسن و جمال میں بڑھ کر تھی لیکن وہ مشرک تھی اور ابو مرثد مسلمان تھے، ابو مرثد نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ میرے دل کو بھاتی ہے، اس پر آیت ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوْا﴾ نازل ہوئی اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی ایک سیاہ فام باندی تھی انہوں نے غصہ میں اس کو ایک طمانچہ مار دیا پھر کھبرائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ سنایا، آپ نے فرمایا اے عبداللہ وہ کیسی عورت ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ وہ روزہ رکھتی ہے نماز پڑھتی ہے۔ اور اچھی طرح وضو کرتی ہے اور اللہ کی توحید کی اور آپ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عبداللہ وہ مومنہ ہے، انہوں نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں ضرور اس کو آزاد کر دوں گا اور اس سے نکاح کر لوں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اس پر بعض مسلمانوں نے ان پر طعن کیا اور کہا کہ اس نے باندی سے نکاح کر لیا، جو لوگ چاہتے تھے کہ مشرکین سے مناکحت ہوتی رہے (کیونکہ ان لوگوں میں کچھ مال و جمال نظر آتا تھا) ان کی تردید میں اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت ﴿وَلَا مَؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَا اَعْجَبْتُمْ﴾ نازل فرمائی۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۗ قُلْ هُوَ أَدْمَىٰ ۖ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ
يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ

الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿۳۱﴾

اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرمادیجیے کہ وہ گندگی ہے، سو تم علیحدہ رہو عورتوں سے حیض کے زمانہ میں، اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر وہ جب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جس جگہ سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے، بے شک اللہ پسند فرماتا ہے خوب توبہ کرنے والوں کو، اور پسند فرماتا ہے خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو۔

حیض والی عورت سے متعلقہ احکام

اللہ جل شانہ نے نوع انسان کو بڑھانے اور باقی رکھنے کے لیے مرد عورت کے درمیان خاص تعلق رکھا ہے اور شرعی قانون کے مطابق نکاح ہو جانے سے قواعد اور اصول کے مطابق آپس میں ایک دوسرے سے میل ملاپ رکھنے اور قریب تر ہونے کی اجازت دی ہے اور طبعی طور پر مرد عورت میں شہوت رکھی ہے وہ اس شہوت کے تقاضے پر عمل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور یہی شہوت اولاد پیدا ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے اولاد پیدا ہونے کے لیے شہوت رکھ دی اور پھر اس کی پرورش کروانے کے لیے محبت رکھ دی، جسے مانتا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور تکوینی طور پر عورتوں کے لیے یہ تجویز فرمادیا کہ ان کے رحم سے خون جاری ہوا کرے یہ خون عموماً بالغ عورتوں کو ہر مہینہ جاری ہوتا ہے۔ اسے حیض اور حیض کہا جاتا ہے، شریعت مطہرہ میں اس کے بھی احکام ہیں ان میں سے ایک حکم یہ ہے کہ وہ ان ایام میں نہ روزہ رکھیں نہ نماز پڑھیں (اور ایام حیض گزر جانے کے بعد نمازوں کی قضاء بھی واجب نہیں، البتہ رمضان میں حیض آیا تو پاک ہونے کے بعد ان روزوں کی قضا رکھنا واجب ہے) زمانہ حیض میں مسجد میں داخل ہونا کعبہ شریف کا طواف کرنا، قرآن شریف پڑھنا اور قرآن شریف چھونا بھی ممنوع ہے۔ (ہاں اگر اس غلاف کے ساتھ چھوئے جو قرآن شریف سے الگ ہوتا رہتا ہے تو چھو سکتی ہے)۔

جو احکام حیض سے متعلق ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ ان ایام میں عورت کا شوہر اس سے جماع نہ کرے، حیض کے زمانہ میں جماع کرنا حرام ہے۔ جس کو ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ﴾ میں بیان فرمایا ہے، حیض والی عورت کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا سب جائز ہے، اور ناف سے لے کر گھٹنے تک کے حصہ کو چھوڑ کر شوہر اس سے بوس و کنار کے ذریعہ استمتاع بھی کر سکتا ہے، بہت سی قوموں میں یہ رواج ہے کہ حیض کے زمانہ میں عورت اچھوت بنا کر ڈال دی جاتی ہے، شریعت اسلامیہ میں ایسا نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ وہ حیض کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کے مبارک سر میں لنگھی کر دیا کرتی تھیں اور انہوں نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میرے حیض کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ میری گود میں تکیہ لگا کر قرآن شریف کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میرے حیض کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ حکم فرماتے تھے کہ تہبند باندھ لو پھر میرے ساتھ لیٹ جاتے تھے۔ (صحیح بخاری ص ۴۳، ۴۴ ج ۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہودیوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب عورت کو حیض آجاتا تھا تو اس کے ساتھ نہ تو کھاتے پیتے تھے اور نہ گھروں میں ان کے ساتھ رہتے سہتے تھے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم کیا کریں تو اس پر اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ﴾ (آخر تک) نازل فرمائی، آیت نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جماع کرنے کے سوا سب کچھ کرو (اس میں ساتھ کھانے پینے، رہنے سہنے اٹھنے بیٹھنے لیٹنے کی اجازت ہوگی) یہودیوں کو جو اس بات کی اطلاع ہوئی تو کہنے لگے کہ یہ شخص ہر چیز میں ہماری مخالفت کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہے، ان کی یہ بات سن کر (دو صحابی) اسید بن حفیر اور اورعباد بن

بشر حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہودی ایسا ایسا کہتے ہیں تو کیا ہم ایسا نہ کریں کہ حیض والی عورتوں کے ساتھ رہنا چھوڑ دیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا۔ (۱ ج ۱۲۳)

ان روایات حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ﴿فَاعْتَزَلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ﴾ میں جماع کرنے کی ممانعت ہے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی ممانعت نہیں ہے یہ جو فرمایا: ﴿فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾ پس جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جس جگہ سے اللہ نے حکم دیا ہے۔

یعنی عورتوں سے جماع کرنے کے لیے سامنے کے راستہ سے آؤ جو رحم کا راستہ ہے۔ اس میں اس بات کی ممانعت فرمائی کہ کوئی مرد اپنی بیوی سے پیچھے کے راستے سے شہوت پوری کرے، اس بارے میں جو وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ انشاء اللہ ابھی بیان ہوں گی۔

پھر فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ﴾ (کہ بلاشبہ اللہ پسند فرماتا ہے۔ خوب زیادہ توبہ کرنے والوں کو) اس میں باطنی پاکیزگی اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے، یعنی گناہوں سے پاک ہونے کا طریقہ بتایا ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ اللہ پاک کے حضور میں توبہ کرے، اور گناہوں کے سوا دوسری تمام گندی چیزوں سے بچنے کی تعلیم اور ترغیب کے لیے۔ ﴿وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ (اور پسند فرماتا ہے خوب زیادہ پاکی اختیار کرنے والوں کو) فرمایا، اس میں ہر قسم کی ظاہری گندیوں سے بچنے والوں کی مدح فرمائی ہے۔ جسم یا کپڑوں میں ناپاکی کا لگا رہنا حالت حیض میں جماع کرنا گندی جگہ پر شہوت پوری کرنا، ان سب چیزوں کی برائی اور ممانعت اس میں آگئی۔

نِسَاءُكُمْ حَرَّتْ لَكُمْ فَأْتُوا حُرَّتْكُمْ أَنْفُسِكُمْ وَقَدْ مَوْلَا نَفْسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلْقَوَةٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۱﴾

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں، سو تم اپنی کھیتی میں آ جاؤ جس طرف سے ہو کر چاہو اور تم اپنی جانوں کے لیے آگے بھج دو، اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ بلاشبہ تم اس سے ملاقات کرنے والے ہو، اور مومنین کو خوشخبری سنا دو۔

وطی فی الدبر کی حرمت اور یہودی کی ایک بات کی تردید

صحیح بخاری ص ۶۴۹ ج ۲ میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہودی یوں کہتے تھے کہ جو کوئی مرد عورت کی سامنے کی شرم گاہ میں پیچھے کی جانب سے جماع کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوگا۔ ان کے اس خیال کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں لہذا تم اپنی کھیتی میں آ جاؤ جیسے چاہو۔ اس میں اول تو عورتوں کو کھیتی فرمایا اور مرد عورت کے میل ملاپ کی ضرورت اور فائدہ کو واضح طور پر بیان فرمایا کہ اس کی ضرورت اور مشروعیت اولاد طلب کرنے کے لیے ہے جیسا کہ سورہ بقرہ (کے رکوع ۲۲) میں ﴿وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ فرمایا ہے، نکاح کرنے میں جہاں نفس و نظر کی حفاظت ہے، وہاں طلب ولد بھی مطلوب ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت رکھنے والی ہو اور اس سے اولاد زیادہ پیدا ہونے والی ہو (جس کا اندازہ خاندانی عورتوں کے احوال سے ہو جاتا ہے) کیونکہ میں (قیامت کے دن) تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ (سنن ابوداؤد ص ۲۸۰ ج ۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اولاد کی پیدائش پر کوئی پابندی لگانا یا اولاد کی کثرت کے خلاف منصوبے بنانا شریعت اسلامیہ کے مقصد اور مزاج کے خلاف ہے۔

پھر یہ فرمایا کہ تم اپنی کھیتوں میں آ جاؤ جس طرح ہو کر چاہو آ جاؤ اس میں یہ بتا دیا کہ عورت کے پاس مرد کے آنے کا راستہ صرف ایک ہی ہے، یعنی وہ راستہ جسے اختیار کرنے سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اس میں اس بات کی بھی ممانعت فرمائی کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے پیچھے کے راستے

سے شہوت پوری کرے۔ کیونکہ وہ راستہ کھیتی کا نہیں ہے بلکہ اس کی گندگی حیض والی گندگی سے زیادہ ہے۔ پہلے تو فرمایا: ﴿فَاتَوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾

پھر فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾

پھر فرمایا: ﴿فَاتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ اس میں ایک ہی سیاق میں تین اسلوب اختیار فرما کر عورت کے پیچھے والے راستہ سے شہوت پوری کرنے کی ممانعت فرمادی بعض اکابر نے فرمایا کہ غالباً صریح الفاظ میں اس کا ذکر نہ فرمانا اس لیے ہے کہ صراحتاً ایسے خبیث و بدترین فعل کا تذکرہ بصورت نفی یا بصورت نفی بھی گوارا نہیں فرمایا گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے کسی حیض والی عورت سے شہوت پوری کی یا کسی عورت کے پیچھے والے راستہ میں شہوت والا کام کیا، یا کسی ایسے شخص کے پاس آیا جو غیب کی خبریں بتاتا ہو تو وہ اس دین کا منکر ہو گیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۶)

تفسیر درمنثور ص ۲۶۲ ج ۱ میں بحوالہ ابو داؤد والنسائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے کسی مرد یا کسی عورت کے پیچھے والے راستہ میں شہوت کا کام کیا وہ ملعون ہے اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے پیچھے والے راستہ میں شہوت کا کام کرے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا ایسا کام کافر ہی کر سکتا ہے (درمنثور) معلوم ہوا غلام کرنا بیوی کے ساتھ بھی حرام ہے اور اہل کفر کا طریقہ ہے۔ أعاذ اللہ منہ کل مؤمن۔

یہ جو فرمایا: ﴿فَاتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ (کہ تم اپنی کھیتی میں آؤ جیسا چاہو) اس کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے، سامنے سے پیچھے سے اپنی بیویوں سے لذت حاصل کرو، بشرطیکہ کھیتی کی جگہ پر آؤ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت جو ﴿نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاتُوا حَرْثَكُمْ﴾ (آخر تک) نازل ہوئی ہے۔ اس میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ عورتوں سے جو خاص تعلق ہے اس کے لیے آگے سے آؤ یا پیچھے سے آؤ (دونوں طرح اختیار ہے) اور درمیں (یعنی پیچھے کے راستے میں) اور حیض کے زمانہ میں جماع کرنے کی ممانعت فرمادی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھے گا جس نے کسی مرد یا عورت کے پیچھے والے راستہ میں شہوت کا کام کیا۔ (رواہ الترمذی)

پھر فرمایا: ﴿وَقَدْ مَوَّأَ لِنَفْسِكُمْ وَأَتَّقُوا اللَّهَ﴾ (کہ اپنی جانوں کے لیے خیر آگے بھیج دو، اور اللہ سے ڈرو)..... اس میں ہر خیر کا حکم آ گیا اور ہر شر سے بچنے کی تاکید آگئی۔ ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ کے عموم میں تمام گناہوں کے چھوڑنے کا حکم فرمایا۔ چھوٹے ہوں یا بڑے، پھر تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ بتا دیا اور فرمایا ﴿وَأَعْلَمُوا أَنكُمْ مَلْقُوءَةٌ﴾ (کہ تم جان لو کہ بے شک تم اللہ سے ملاقات کرنے والے ہو) جو شخص یوم القیامہ کی حاضری، اور خداوند قدوس کی بارگاہ میں پیشی کا یقین رکھے گا اور بار بار اس کا استحضار کرے گا اسے انشاء اللہ تعالیٰ صفت تقویٰ حاصل ہوگی۔

آخر میں فرمایا ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (کہ مومن بندوں کو کامیابیوں کی اور نعمتوں کی بشارت دے دیجیے)

وَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ عُرْضَةً لِأَيَّانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصَلِّحُوا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ سَبِيحٌ

عَلَيْهِمْ ﴿۳۳﴾

اور اپنی قسموں کے ذریعہ نیکی کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کے لیے اللہ کو آڑ نہ بناؤ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اپنی قسموں کو نیکی اور تقویٰ سے بچنے کا ذریعہ نہ بناؤ

اسباب النزول ص ۷۲ میں ہے کہ یہ آیت شریفہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، ان کے بہنوئی اور بہن کے درمیان کچھ ناراضگی ہو گئی تھی انہوں نے قسم کھائی کہ اس کے پاس کبھی بھی نہیں جائیں گے اور نہ اس سے بات کریں گے اور نہ میاں بیوی کے درمیان صلح کرائیں گے وہ کہتے تھے کہ میں نے تو قسم کھا رکھی ہے۔ اب میں اس کی خلاف روزی کیسے کروں۔ اس پر اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

تفسیر درمنثور ص ۲۶۸ ج ۱ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بعض مرتبہ کوئی شخص قسم کھا لیتا تھا کہ فلاں نیکی اور تقویٰ کا کام نہیں کروں گا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا۔

اگر کوئی شخص قسم کھائے تو خیر کی قسم کھائے یعنی نیک کام کے ارادہ کو موکد کرنے کے لیے قسم کھائی جاسکتی ہے۔ لیکن نیکی نہ کرنے پر قسم کھانا اور گناہ کرنے پر قسم کھانا شرعاً ممنوع ہے بعض لوگ جو قسم کھا لیتے تھے کہ میں فلاں عزیز کے گھر نہیں جاؤں گا یا فلاں مسلمان بھائی کی دعوت قبول نہیں کروں گا یا جماعت سے نماز نہیں پڑھوں گا یا فلاں گناہ کروں گا ایسے لوگوں کو آیت بالا میں ہدایت دی گئی ہے اور فرمایا کہ اللہ کے نام کو نیکیوں سے بچنے اور تقویٰ چھوڑنے کا ذریعہ مت بناؤ، قسم کھا بیٹھے اب کہتے ہیں کہ قسم کے خلاف کیسے کریں؟ حالانکہ قسم اس لیے نہیں ہے کہ اس کو خیر سے بچنے کا ذریعہ بنایا جائے، اگر کوئی شخص گناہ کی قسم کھالے تو قطع رحمی کی یا کسی بھی قسم کے گناہ کی قسم کھالے تو اس پر لازم ہے کہ قسم توڑ دے اور اس کے خلاف کر لے، اور قسم کا کفارہ دیدے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنے چچا کے پاس جاتا ہوں اس سے کچھ سوال کرتا ہوں وہ مجھے نہیں دیتا اور صلہ رحمی نہیں کرتا، پھر اسے حاجت درپیش ہو جاتی ہے تو مجھ سے آکر سوال کرنے لگتا ہے حالانکہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ اسے کچھ نہ دوں گا اور صلہ رحمی نہیں کروں گا، اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں وہ کام کروں جو خیر ہو اور قسم کا کفارہ دیدوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۹۷)

سورہ نور میں ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ اور جو لوگ تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں اور چاہئے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کر دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ایک بھانجے پر خرچ کیا کرتے تھے اس سے ایک ایسی حرکت سرزد ہو گئی جس کی وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بہت ناراضگی ہوئی اور انہوں نے قسم کھالی کہ میں اب اس پر خرچ نہیں کیا کروں گا۔ اس پر سورہ نور کی مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب تو کوئی قسم کھالے پھر تو دیکھے کہ جس چیز پر قسم کھائی ہے دوسری چیز اس سے بہتر ہے (جو اس کے مقابل ہے) تو اس بہتر صورت کو اختیار کر لے (اور اس کے اختیار کرنے سے جو قسم ٹوٹ گئی) اس کا کفارہ دیدے۔ (رواہ البخاری و مسلم کما فی مشکوٰۃ ص ۲۹۶)۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْبَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ

حَلِيمٌ ﴿۳۷﴾

اللہ تعالیٰ تمہارا مواخذہ نہیں فرمائے گا تمہاری لغو قسموں کے بارے میں لیکن مواخذہ اس بات پر فرمائے گا جس کا تمہارے دلوں نے ارادہ

کیا اور اللہ غفور ہے حلیم ہے۔

قسموں کی قسموں کا بیان اور ان کے احکام

جو قسم کھائی جائے اس کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ گزشتہ کسی فعل پر جھوٹی قسم کھائی جائے، جو کام نہیں کیا تھا اس کے بارے میں قسم کھالے کہ میں نے کیا، یا جو کام کیا تھا اس کے بارے میں قسم کھالی کہ یہ میں نے نہیں کیا۔ اس کو بیمن غموس کہا جاتا ہے اس کا بہت بڑا گناہ ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے گناہ یہ ہیں، اللہ کے ساتھ شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو قتل کرنا اور بیمن غموس۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷)

یہ لفظ غموس سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو پوری طرح کسی دوسری چیز میں داخل کر دیا جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جھوٹی قسم کو بیمن غموس اس لیے کہا گیا کہ یہ اولاً گناہ میں پھر دوزخ میں داخل کر دیتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آئندہ کسی کام کے بارے میں قسم کھائے، مثلاً یوں کہنے کہ اللہ کی قسم یہ کام ضرور کروں گا، یا اللہ کی قسم فلاں کام نہیں کروں گا، اس کو بیمن منعقدہ کہا جاتا ہے، اس کی خلاف ورزی کرنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔ جو سورۃ ماندہ کے رکوع نمبر ۱۲ میں مذکور ہے کفارہ قسم کی تفصیلات انشاء اللہ تعالیٰ وہیں بیان ہونگی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی گزشتہ کام پر قسم کھالی اور یہ سمجھ کر قسم کھالی کہ میں سچ بول رہا ہوں سچی قسم کھا رہا ہوں، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ تھا جیسا اس نے سمجھا تھا اپنے خیال میں اس نے سچی قسم کھائی لیکن اصل واقعہ اس کے خلاف تھا۔ اس قسم کا نام بیمن لغو ہے، اس کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر مواخذہ نہیں فرمائے گا، بیمن لغو کی دوسری تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یوں منقول ہے کہ باتوں باتوں میں قسم کی نیت کے بغیر جو زبان سے لاو اللہ اور بلی واللہ نکل جاتا ہے یہ بیمن لغو ہے۔ (رواہ البخاری ص ۹۸۶ ج ۲)

بیمن لغو میں کیونکہ ارادہ نہیں ہوتا اس لیے اس پر مواخذہ نہیں ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ﴾ کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے جو بیمن لغو پر مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ اور بردبار بھی ہے سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتا۔

لِّلَّذِينَ يُؤَلُّونَ مِنْ نِّسَابِهِمْ تَرْبُصٌ اَرْبَعَةٌ اَشْهُرٌ ۚ فَاِنْ فَاَءَوْفَانَا اللّٰهَ غَفُوْرًا سَحِيْمًا ﴿۲۱۶﴾
وَ اِنْ عَزَمُوْا الطَّلٰقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَبِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۷﴾

جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے کے بارے میں قسم کھالتے ہیں، ان کے لیے چار مہینہ کا انتظار ہے پھر اگر رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر وہ طلاق کا پختہ ارادہ کر لیں تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کا بیان

جو کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ میں اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا۔ اس کے لیے شریعت میں کچھ احکام ہیں۔ اگر قسم کھا کر یوں کہا کہ اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا لیکن کوئی مدت مقرر نہیں کی، یا یوں کہا کہ چار ماہ تک اس سے جماع نہیں کروں گا یا چار ماہ سے زیادہ کا ذکر کر دیا (جس میں ہمیشہ کے لیے قسم کھانا بھی شامل ہے) یا چار مہینہ سے کم مدت مقرر کر دی۔ تو ان سب صورتوں میں پہلی تین صورتوں کو ایلاء کہا جاتا ہے۔ ان تینوں صورتوں میں اگر چار مہینہ گزر گئے اور اس نے قسم نہیں توڑی یعنی اس میں بیوی سے جماع نہیں کیا تو اس سے ایک بائن طلاق واقع ہو جائے گی۔ جس کا حکم یہ ہے کہ اب بلا نکاح ثانی کے رجوع نہیں ہو سکتا۔ آپس کی رضا مندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ اور مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں اگر چار ماہ کے اندر اس نے بیوی سے جماع کر لیا جس سے ایلاء کیا تھا تو قسم ٹوٹ گئی۔ اور اس صورت میں بیوی تو نکاح سے نہیں نکلی لیکن قسم ٹوٹ جانے کی وجہ سے قسم توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا جو سورۃ ماندہ میں مذکور ہے۔ اب رہ گئی چوتھی صورت جس میں چار

مہینہ سے کم کی مدت مقرر کر کے بیوی سے جماع نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اس میں اگر مدت مقررہ کے اندر جماع کر لیا تو قسم توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا اور بیوی نکاح سے نہیں نکلے گی، اور اگر مدت مقررہ پوری کر لی تو قسم پوری ہوگئی جس کا کوئی کفارہ نہیں اور نکاح بھی اپنی حالت پر باقی رہا۔ قسم کھانے کے بعد رجوع کرنے کو فیسی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں یہ لفظ بھی رجوع کے معنی میں آتا ہے۔

فائدہ اولیٰ: ایلاء کی صورت میں حکم ایلاء اسی وقت ختم ہوگا جبکہ چار مہینہ کے اندر جماع کر لے، یہ رجوع بالعمل ہے لیکن اگر کوئی ایسی مجبوری ہو کہ جماع نہیں کر سکتا مثلاً یہ کہ عورت مریض ہے جماع کے قابل نہیں یا کم عمر ہے تو اس صورت میں رجوع بالقول بھی ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ مدت ایلاء میں زبان سے کہہ دے فِئْتِ الْيَهَاءِ۔ (یعنی میں نے اپنی بیوی کی طرف رجوع کر لیا) لیکن اگر ایلاء کے اندر پھر جماع پر قادر ہو گیا تو یہ رجوع باللسان باطل ہو جائے گا اور اب لازم ہوگا کہ رجوع بالعمل کرے، یعنی جماع کر لے، اگر جماع نہ کیا اور چار مہینے گزر گئے۔ تو حسب قانون طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

فائدہ ثانیہ: اگر یوں قسم کھائی تھی کہ کبھی بھی اس سے جماع نہیں کروں گا اور چار مہینہ تک جماع نہیں کیا تو ایک طلاق بائن ہو جائے گی اور قسم باقی رہے گی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر پھر اس سے نکاح کر لیا تو قسم باقی رہنے کی وجہ سے ایلاء کا حکم نافذ ہوگا۔ اگر اس دوسرے نکاح کے بعد چار مہینے کے اندر قسم ٹوٹ گئی، جس کا کفارہ واجب ہوگا اور بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی، لیکن اگر نکاح ثانی کی ابتداء سے لے کر چار ماہ پورے ہو جانے تک جماع نہ کیا تو پھر طلاق بائن واقع ہو جائے گی پھر اگر تیسرے نکاح کے بعد سے لے کر چار ماہ گزر جانے تک جماع نہیں کیا تو تیسری طلاق واقع ہو جائے گی، اور اگر اس مدت کے اندر جماع کر لیا تو طلاق واقع نہ ہوگی لیکن قسم ٹوٹ جائے گی اس کا کفارہ دینا ہوگا۔ (مسن الہدایہ)

فائدہ ثالثہ: یہ چار ماہ جن کا بار بار ذکر ہوا چاند کے حساب سے معتبر ہوں گے۔ اس میں شمسی مہینوں کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اسباب النزول ص ۷۲ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل جاہلیت کا ایلاء سال دو سال اور اس سے زیادہ بھی جاری رہتا تھا۔ اللہ جل شانہ نے چار مہینہ کی میعاد مقرر فرمادی۔ لہذا چار مہینے سے کم پر جو قسم کھائے گا تو وہ ایلاء نہ ہوگا (اگرچہ خلاف روزی کرنے پر قسم کا کفارہ دینا لازم ہوگا) اور چار ماہ یا اس سے زیادہ کی قسم کھانے پر چار مہینے تک فسی نہ کرے گا تو طلاق واقع ہو جائیگی (مطلق قسم چونکہ چار ماہ کو بھی شامل ہے اس لیے وہ بھی ایلاء ہوگی)۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں نے عورتوں کو تکلیف پہنچانے کے لیے ایلاء کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ جو شخص اپنی بیوی کو نہیں چاہتا تھا اور ساتھ یہ بھی پسند نہیں کرتا تھا کہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے تو یہ قسم کھا لیتا تھا کہ کبھی بھی اس کے پاس نہیں جائے گا پھر اس کو اسی حال پر چھوڑنے رکھتا تھا اور عورت کی زندگی اس طرح گزرتی تھی کہ نہ وہ شوہر والی ہے اور نہ بے شوہر والی ہے۔ اللہ جل شانہ نے ایلاء کی ایک مدت مقرر فرمادی..... اور آیت شریفہ ﴿لِّلَّذِينَ يُؤَلُّونَ مِن نِّسَائِهِمْ﴾ (آخر تک) نازل فرمادی۔ (معالم التنزیل ص ۲۰۲ ج ۱)

وَالْمُطَلَّاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي
أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحْسَبُهُنَّ بِرِدَّتِهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ
أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۗ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَ

اللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۙ

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنی جانوں کو روکے رکھیں تین حیض آنے تک، اور ان کے لیے یہ بات حلال نہیں ہے کہ جو کچھ اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرمایا ہے اسے چھپائیں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور یوم آخرت پر، اور ان کے شوہران کے لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں اس مدت کے اندر اگر اصلاح کا ارادہ کریں، اور عورتوں کے لیے اس جیسا حق ہے جو ان کے اوپر ہے اچھے طریقہ پر، اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں درجہ بڑھا ہوا ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

مطلقہ عورتوں کی عدت کا بیان

مرد عورت آپس میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں، اس حاجت کے انتظام کے لیے اللہ تعالیٰ نے نکاح کا قانون مشروع فرمایا ہے۔ اور نکاح اس لیے ہے کہ دونوں اطمینان اور سکون کے ساتھ اچھی زندگی گزاریں اور مل جل کر حسن سلوک کے ساتھ رہیں اور زندگی بھر نبانے کی کوشش کریں، آپس میں کوئی ناگوار بات ہو جائے تو اس سے درگزر کرتے رہیں، لیکن کبھی ایسے حالات بن جاتے ہیں کہ ساتھ رہنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایک طرف سے یا دونوں طرف سے طبیعت کا جوڑ نہیں کھاتا اور باہمی میل جول کی خوبصورتی کے ساتھ کوئی صورت نہیں بنتی تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے طلاق اور خلع کا قانون مشروع فرمادیا، بہت سی قوموں میں نکاح تو ہے لیکن طلاق نہیں ہے۔ یہ لوگ پہلے اسلام پر اعتراض کیا کرتے تھے لیکن جب حالات نے مجبور کیا تو خود طلاق کا قانون بنا کر اپنے دین میں داخل کر رہے ہیں۔ چونکہ ان کا دین اپنا ہی بنایا ہوا ہے اس لیے اس میں کمی بیشی بھی کرتے رہتے ہیں۔

ہر چند کہ اسلام میں میاں بیوی کا آپس میں نباہ بہت زیادہ محبوب و مرغوب ہے لیکن اس قدر مجبور بھی نہیں کہ باہمی ساتھ رہنے میں اچھے طریقہ پر زندگی نہ گزار سکیں تو خواہ مخواہ بددلی کے ساتھ نباتے رہیں اور ایک دوسرے کے لیے سوہان روح بنے رہیں۔

اسلام میں جو طلاق کا قانون ہے اس کے کچھ احکام بھی ہیں۔ ان احکام میں ایک یہ بھی ہے کہ عورت طلاق کے بعد کچھ ایسی مدت گزارے گی۔ جس میں کسی دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکے گی۔ اس مدت کے گزرنے کو عدت کہتے ہیں۔ عدت لغت میں شمار کرنے کے معنی میں آتا ہے، چونکہ عورت کو یہ مدت گزارنے کے لیے مہینے یا حیض شمار کرنے پڑتے ہیں اس لیے اس کو عدت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، عدت کے بعد احکام یہاں آیت بالا میں مذکور ہیں اور بعض احکام سورہ طلاق کے پہلے رکوع میں ذکر فرمائے ہیں۔ جس عورت کو اس کا شوہر طلاق دیدے تو دیکھا جائے گا کہ اس کو حمل ہے یا نہیں، اگر اس کو حمل ہے تو اس کی عدت وضع حمل یعنی ولادت ہو جانے پر ختم ہو جائے گی، سورۃ الطلاق میں فرمایا ہے:

﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ اور حمل والی عورتوں کی اجل یعنی ختم عدت یہ ہے کہ وضع حمل ہو جائے۔

اور مطلقہ اگر حمل والی عورت نہیں ہے نابالغ ہے یا بالغ تو ہے لیکن اسے اب تک حیض آیا ہی نہیں یا وہ کبھی حیض والی تھی بوڑھی ہو چکی ہے اور حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہے تو ان تینوں قسم کی عورتوں کی عدت طلاق یہ ہے کہ تین ماہ گزار دیں، ان کو سورہ طلاق میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَاللَّائِي يَنْسَنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ﴾ اور جو عورتیں حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہیں تمہاری عورتوں میں سے اگر تم شک میں پڑو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور جن کو حیض نہیں آیا ان کی عدت بھی یہی ہے۔

اب ان عورتوں کا حکم جاننا چاہئے جو حمل والی نہیں ہیں اور ان کو حیض آتا ہے ایسی عورتوں کو طلاق ہو جائے تو ان کی عدت یہ ہے کہ طلاق کے بعد تین حیض گزاریں۔ جب شرعی اصول کے مطابق تین حیض گزار جائیں گے تو عدت پوری ہو جائے گی۔ خواہ کتنے ہی مہینے میں تین حیض آئیں، آیت بالا میں انہیں عورتوں کی عدت بیان فرمائی ہے جن کو حیض آتا ہے، زمانہ حیض میں طلاق دینا ممنوع ہے جب کسی شخص نے طہر میں یعنی ایسے نھانہ میں طلاق دنی جو پاکی کا زمانہ ہے حیض کا زمانہ نہیں تو یہ عورت ایک حیض گزارے پھر ایک طہر گزارے پھر ایک حیض گزارے پھر ایک طہر گزارے پھر ایک حیض گزارے۔ جب تیسرا حیض ختم ہو جائے تو عدت ختم ہو جائے گی۔

ابھی بیان کیا گیا کہ جس عورت کو حمل ہو اس کی عدت وضع حمل تک ہے۔ حمل اور حیض یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جن کا تعلق خود عورت کی ذات سے ہے وہ جانتی ہے کہ مجھے حیض ہے یا دونوں میں سے کچھ بھی نہیں، اب یہاں عورت کی دیانت پر مسئلہ موقوف ہو جاتا ہے۔ عورت سمجھتی ہے کہ وضع حمل میں تو کئی مہینے لگیں گے لہذا میں یوں بیان کر دوں کہ مجھے حمل نہیں ہے اور حیض والی بھی نہیں ہوں۔ اس طرح عدت مہینوں پر آ جائے گی اور تین ماہ گزر جانے پر میرے بارے میں عدت کا فیصلہ کر دیا جائے گا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض مہینوں میں طہر کا زمانہ لمبا ہو گیا کئی ماہ سے حیض نہیں آ رہا لیکن عدت کا فیصلہ جلد ہو جانے کی وجہ سے دو تین ماہ میں کہہ دیتی ہے کہ مجھے تین حیض آچکے ہیں حالانکہ ابھی تین حیض نہیں آئے اس طرح کی غلط بیانی کرنا حرام ہے، اس بات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: ﴿وَلَا يَحِلُّ لهنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (اور ان کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ جو کچھ اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرمایا ہے اسے چھپائیں اگر اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں)

جو کوئی شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے دن کی پیشی کا اعتقاد رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ کوئی نہیں جانتا تو اللہ تو جانتا ہے ایسا شخص امانت و دیانت کی صفت سے متصف ہو جاتا ہے پھر وہ جھوٹ نہیں بول سکتا اور غلط بیانی نہیں کر سکتا۔

پھر فرمایا: ﴿وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا﴾ (اور ان کے شوہران کے لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اس مدت کے اندر اگر وہ اصلاح کا ارادہ کریں)

اس میں طلاق رجعی سے متعلق ایک مسئلہ بیان فرمایا ہے جب کوئی شخص اپنی بیوی کو صاف صریح لفظوں میں ایک یا دو طلاق دیدے تو یہ طلاق رجعی ہوتی ہے جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر اندر نکاح ثانی کے بغیر شوہر رجوع کر سکتا ہے اگر عدت گزر جائے تو یہ طلاق رجعی بائن ہو جاتی ہے جس کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا۔

یہ اس صورت میں ہے کہ جب نکاح کے بعد جماع بھی ہوا ہو، اگر نکاح ہوا ہو اور اس کے بعد جماع نہ ہوا اور طلاق دیدے تو یہ طلاق رجعی نہیں بلکہ طلاق بائن ہوگی۔ طلاق رجعی جس کے بعد شوہر کو رجوع کا حق ہے اس طلاق کے بعد عدت کے اندر شوہر رجوع کرنا چاہے تو عورت کے رشتہ دار یا کوئی بھی شخص بلکہ خود عورت بھی اس کو برانہ مانے اور کوئی شخص ایسی صورت حال پیدا نہ کر دے جس سے کہ وہ رجوع کے ارادے کو موقوف کر دے، بلکہ جوڑ لگانے کی اور تعلق استوار ہو جانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ شوہر اگر رجوع کر لے تو عورت اور عورت کے رشتہ داروں کی مرضی کے بغیر رجوع تو ہو ہی جائے گا۔ لیکن سب کی خوشی اور رضا مندی سے ہو اور آپس کے تعاون کے ساتھ ہو تو زیادہ مستحسن اور مبارک ہوگا۔

جس طرح عورت اور اس کے رشتہ داروں کو چاہئے کہ رجوع کی فضا بن جائے تو اس میں آڑے نہ آئیں اور ایسی باتیں نہ کریں جن سے شوہر کا دل کھٹا ہو جائے۔ اسی طرح سے شوہر کو بھی لازم ہے کہ اصلاح کی نیت سے رجوع کرے۔ اس کو ﴿إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا﴾ میں بیان فرما دیا ہے۔

شوہر اگر یہ سمجھتا ہے کہ آئندہ میں خوش اسلوبی اور حسن معاشرت اور حسن اخلاق کے ساتھ نباہ کر سکوں گا تو رجوع کر لے، ضرر دینے کا ارادہ نہ کرے۔ بہت سے لوگ جہالت کی وجہ سے اور نفس کی بھڑاس نکالنے کے لیے رجوع کر لیتے ہیں اور پھر حسن سلوک سے پیش نہیں آتے بلکہ صاف کہہ دیتے ہیں تو یوں ہی پڑی رہے گی۔ نہ تیرا حق ادا کروں گا۔ نہ نکاح سے خارج کروں گا اور بہت سے لوگ رجوع کر کے پھر طلاق دیتے ہیں جس سے عدت لمبی ہوتی جاتی ہے، یہ بھی ضرر پہنچانے کا ایک پہلو ہے۔ یہ سب طریقے غیر اسلامی ہیں۔ اصلاح مقصود ہو تو رجوع کرے ورنہ عدت گزرنے دے، عدت گزرتے ہی رجعی طلاق بائن ہو جائے گی، پھر وہ جہاں چاہے اپنی مرضی سے مناسب جگہ نکاح کر لے گی، جب نباہ کرنا نہیں ہے تو رجوع کر کے تکلیف دینا سمجھداری اور دینداری کی بات نہیں ہے۔ بلکہ ظلم ہے۔

اسلام میں عورت کی حیثیت:

پھر فرمایا ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (اور عورتوں کے لیے اس جیسا حق ہے جو ان کے اوپر ہے اچھے طریقہ پر) اس میں یہ بتایا ہے کہ صرف یہی بات نہیں ہے کہ مردوں ہی کے حقوق عورتوں پر ہیں بلکہ جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اسی طرح مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق ہیں۔ عورت کو خدمت گزار سمجھنا اور اس کے حقوق اور حاجات کا دھیان نہ رکھنا، شریعت اسلامیہ سراسر خلاف ہے۔

زمانہ اسلام سے پہلے دنیا کی اقوام میں عورت کی بہت بری گت بنائی جاتی تھی۔ اب باوجود یکہ زمانہ کافی آگے بڑھ چکا ہے۔ پھر بھی اسلام کے علاوہ کسی دین یا قانون میں عورت کو وہ مقام حاصل نہیں جو شریعت اسلامیہ نے اس کو دیا ہے۔ ہندوستان کے مشرکین میں تو یہ دستور تھا کہ مرد مر جاتا تھا تو عورت کو اس کے ساتھ زندہ جلنا پڑتا تھا اور عورتوں کا میراث میں کسی بھی مذہب اور قانون میں حصہ نہیں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ عورت کی حیثیت ایک استعمالی چیز سے زیادہ نہ تھی، عورت مردوں کی ملکیت تصور کی جاتی تھی، عورت کسی چیز کی مالک نہ تھی، جب اس کا شوہر مر جاتا تھا تو شوہر کے خاندان والے ہی اس پر قابض ہو جاتے تھے اور اس کی اجازت کے بغیر جہاں چاہتے جبراً نکاح کر دیتے تھے بلکہ شوہر کی اولاد ہی اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتی تھی۔ عرب کے جاہل لڑکیوں کو زندہ درگور بھی کر دیتے تھے اور پیدا ہوتے ہی قتل کر دیتے تھے اسلام نے عورت کو اس کا صحیح مقام عطا فرمایا جو اس کی شان کے لائق ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ اس کو عورت سے نکال کر مردوں کی صف میں کھڑا کر دیا ہو اور ایسا بھی نہیں کہ وہ محض ایک استعمال کی چیز بن کر رہ جائے نہ اس کا کوئی حق تسلیم کیا جائے اور نہ اس کی کوئی حیثیت مانی جائے۔

اسلام میں عورت گھر کی ملکہ ہے اپنی اولاد کی محترم والدہ ہے اپنے شوہر کی چہیتی بیوی ہے باپ ماں شوہر اور اولاد کے مال کی حسب قوانین وارث ہے اور اپنے مال میں تصرف کرنے کا اسے پورا اختیار ہے جس میں شوہر کی ممانعت کا کوئی حق نہیں ہے۔ بشرطیکہ خلاف شرع کاموں میں خرچ نہ کرے۔ عورت کا ایک طرف میراث میں حصہ ہے دوسری طرف شوہروں پر مہر لازم ہوتا ہے، اور یہ مہر عورتوں کی مرضی سے مقرر ہوتا ہے۔ کمی بیشی کرنا ان کا اپنا حق ہے، وہ چاہیں اپنی مرضی سے معاف کریں اور چاہیں تو پورا وصول کریں۔ اسلام نے صلہ رحمی کی بھی تعلیم دی ہے ایک عورت کسی کی والدہ ہے کسی کی بہن ہے۔ کسی کی خالہ ہے۔ کسی کی پھوپھی ہے۔ صلہ رحمی کے اصول پر سب کو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ شوہر بھی حسن معاشرت سے پیش آئے، نان نفقہ کا خیال کرے اور اس کی حاجات پوری کرے اولاد بھی اکرام و احترام سے پیش آئے۔ اس طرح عورت کی برتری ظاہر ہوگی اور معاشرہ میں اس کا مرتبہ اونچا ہوگا۔ اور عزت و اکرام کے ساتھ اس کی زندگی گزرے گی۔

یورپین اقوام میں عورت کی بے آبروئی:

یورپین اقوام نے عورت کو بالکل ہی بے آبرو کر کے چھوڑ دیا ہے، ان کے یہاں عورت مرد کی نفسانی خواہش پوری کرنے کا محض ایک آلہ ہے۔ ان کے معاشرہ میں اس سے زیادہ عورت کی کوئی حیثیت نہیں۔ میراث میں اسے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ مہر کا بھی کوئی معاملہ نہیں، بلکہ سرے سے نکاح ہی کو ان کے یہاں عیب سمجھا جاتا ہے۔ دوستانہ طریقہ پر برسوں زندگی گزارتے ہیں اور نفسانی خواہشات پوری کرتے ہیں۔ بعد میں کبھی رسمی نکاح بھی کر لیتے ہیں۔ اس لیے ان میں اولاد بھی ثابت النسب نہیں ہے۔ اولاد کی ولدیت میں ماں کے نام لکھے جاتے ہیں اور عورتوں کے اخراجات کی ذمہ داری عموماً چونکہ کسی پر نہیں ہے اس لیے انہیں اپنی آبرو دکھو کر ملازمتیں کرنی پڑتی ہیں راہ گیر کے جو توں پر پالش کرتی ہیں۔ دکانوں میں مال فروخت کرنے پر ملازمت کرتی ہیں۔ رنگ لباس پہن کر شور و موموں کے پاس کھڑی رہتی ہیں تاکہ گاہک متوجہ ہو اور آنے والوں کا نفس ان کی طرف مائل ہو جس سے زیادہ خریداری ہو سکے۔

اس آزادی نسواں کو دیکھ کر بہت سے نام نہاد مسلمان بھی اپنی عورتوں کو یورپین اقوام کی طرح دیکھنا چاہتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ

عورتیں بازاروں میں کاروبار کریں۔ بے پردہ ہو کر رہیں۔ عورتیں ناقص العقل تو ہیں ہی وہ سمجھتی ہیں کہ ہمیں حق دلائے جا رہے ہیں، اور بے پردہ گھومنے اور ننگا لباس پہننے اور دوست تلاش کرنے کی آزادی کو اپنے لیے ہنر اور فخر کی بات سمجھتی ہیں۔ افسوس کہ دور حاضر میں عورت کو یہ گوارا نہیں کہ گھر کی ملکہ بن کر گھر میں بیٹھے، گھر کے سب لوگ اس کا احترام و اکرام کریں اپنے شوہر سے بھی مال ملے۔ میراث میں بھی حصہ ملے اور نفس و نظر کا تعلق صرف شوہر سے رہے اور اپنے مال میں جیسے چاہے تصرف کرے، وہ شیطانوں اور ملعونوں اور ملحدوں اور زندیقوں سے متاثر ہو کر گھر سے باہر نکلنے اور خود کما کر اپنا خرچ اٹھانے پر اپنے حقوق کی ادائیگی سمجھتی ہیں۔

یورپ کے رواجی طریقوں میں جب عورت کا کسی پر کوئی حق ہی نہیں ہے تو کوئی شخص ان کا کیا حق ادا کرے گا؟ درحقیقت عورت کی یہ کوئی زندگی نہیں ہے جو مذہب اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب اور قوانین میں ہے۔ دنیا میں ایسے ممالک بھی ہیں جہاں زنا کی کثرت ہے جو بچے پیدا ہوتے ہیں حکومت ان کی پرورش کرتی ہے..... نہ کوئی ماں ہے نہ باپ نہ چچا ہے، نہ ماموں، نہ خالہ، نہ پھوپھی، نہ صلہ رحمی ہے، نہ نکاح ہے نہ مہر ہے۔ اس سے زیادہ انسانیت کی مٹی اور کیا پلید ہوگی، ان لوگوں کی ناگجھی کی کہاں تک داد دی جائے جو انسانیت و نسوانیت کا خون کر رہے ہیں اور دعویٰ ان کا یہ ہے کہ وہ حقوق انسانی کے محافظ ہیں، اور عورتوں کو ان کے حقوق دلا رہے ہیں۔

مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے:

پھر فرمایا ﴿وَالرِّجَالُ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ (اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے) اس میں یہ بتایا کہ اگرچہ میاں بیوی کے آپس میں ایک دوسرے پر حق ہیں (اور ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرے) لیکن مردوں کو عورتوں پر ایک طرح کی برتری اور فضیلت حاصل ہے۔ سورۃ النساء میں فرمایا ہے ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾

”مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ذمہ عورتوں کا خرچہ مقرر فرمایا ہے اور مردوں کو ان پر فضیلت دی ہے وہ ان پر حکمران ہیں امور خانہ داری میں اور دینی پابندی کرانے میں اور عورت کو اس کے ماں باپ کے یہاں آنے جانے میں اور بہت سے امور میں مرد کے حکموں کی فرمانبرداری کرنا لازم ہے اس کے بغیر گھر کا نظام ٹھیک نہیں بیٹھتا، اگر مرد کی برتری عورتوں پر بالکل ہی نہ رہے، تو شریعت اسلامیہ کے مطابق زندگی کا نظام نہیں چل سکتا، البتہ مردوں کے لیے بھی اس کی اجازت نہیں ہے کہ سردار بن گئے تو ظلم کیا کریں اور اس کے حقوق ادا نہ کریں اور اس کا مال برباد کر دیں۔ عورت یہ سمجھ کر چلے کہ یہ میرا سردار ہے اور مرد یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے میری ضروریات پوری کرنے کے لیے یہ نعمت مجھے عطا فرمائی ہے مجھے خیر و خوبی کے ساتھ نباہنا چاہئے۔ ایسا کریں گے تو ماں باپ اور اولاد سب کی زندگی انشاء اللہ تعالیٰ عمدہ طریقہ پر گزرے گی۔ سورۃ النساء میں فرمایا: ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (کہ خوش اسلوبی کے ساتھ عورتوں کے ساتھ زندگی گزارو) اس میں ہر طرح کی خیر و خوبی ہمہردی اور حقوق کی ادائیگی اور مراعات کا حکم فرمادیا۔

مردوں کو چونکہ سرداری اور بڑائی دی گئی ہے اس لیے وہ اپنے مقام اور مرتبہ کا خیال کریں اور عورتوں کی لغزشوں اور کوتاہیوں پر صبر کریں اور برداشت کریں، اگر برداشت نہ کیا تو بڑائی ہی کیا رہی؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن مرد کسی مومن عورت سے (یعنی ایمان والی بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی ایک بات ناپسند ہوگی تو دوسری بات پسند آجائے گی۔ (مسلم ص ۵۷۵ ج ۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب میں بہتر ہوں۔ (رواہ ابن ماجہ ص ۱۴۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے زیادہ کامل ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں

جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔ اور جو اپنے گھر والوں کے لیے سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۴ ج ۲) آخر میں فرمایا: ﴿وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے) اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی اگر کسی نے کی تو وہ یہ نہ سمجھے کہ میرا گوئی مواخذہ نہیں۔ اللہ نے احکام بھیجے ہیں اور عمل پیرا ہونے کا حکم فرمایا ہے۔ جو خلاف ورزی کرے گا اس کی گرفت ہونے لگے تو بیچ نہیں سکتا۔ کیونکہ حکم دینے والا عزیز اور غالب ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس نے جو احکام دیئے ہیں وہ سب حکمتوں پر مبنی ہیں ان میں بندوں کی رعایتیں ملحوظ ہیں بندوں کے لیے اس نظام سے بہتر کوئی نظام نہیں جو ان کے خالق نے ان کے لیے حکمت کے مطابق تجویز فرمایا ہے۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ ۖ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ ۙ اَوْ تَسْرِيحٌ بِاِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا بِمَا اَنْتُمْ مُّؤْمِنُوْنَۙ سِيْئًا اِلَّا اَنْ يَّخَافَا۟ اَلَّا يُقِيْبَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْبَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِىْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۗ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۗ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ ۙ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِ حَيْثُ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرًا ۗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا۟ اِنْ ظَنَّا۟ اَنْ يُقِيْبَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يَبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲۰﴾

طلاق دو مرتبہ ہے پھر روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ، یا چھوڑ دینا ہے اچھے طریقہ پر، اور تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے۔ کہ تم کچھ بھی لے لو اس مال میں سے جو تم نے ان کو دیا ہے مگر اس صورت میں کہ میاں بیوی اس بات سے ڈرتے ہوں کہ حدود اللہ قائم نہ رکھ سکیں گے سوا اگر تم ڈرو اس بات سے کہ دونوں اللہ کی حدود قائم نہ رکھ سکیں گے تو کوئی گناہ نہیں ان دونوں پر اس بارے میں کہ عورت اپنی جان کا بدلہ دیدے، یہ اللہ کے حدود ہیں۔ سو تم ان سے آگے مت بڑھو۔ اور جو کوئی شخص اللہ کے حدود سے آگے بڑھ جائے تو ایسے لوگ ظلم کرنے والے ہیں، پھر اگر اس کو طلاق دیدی تو اس کے لیے اس کے بعد حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ اس شوہر کے بعد کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ سوا اگر اس نے طلاق دیدی تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ پھر آپس میں رجوع ہو جائیں۔ اگر دونوں کو اس بات کا گمان ہو کہ اللہ کے حدود قائم رکھیں گے اور یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں وہ انہیں بیان فرماتا ہے ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔

طلاق اور خلع کے چند احکام

ان دونوں آیتوں میں طلاق کے متعدد مسائل اور متعدد تنبیہات مذکور ہیں جو زن و شوہر سے متعلق ہیں، طلاق رجعی طلاق بائن، طلاق مغلظہ اور خلع کے مسائل اجمالی طور پر بیان فرمائے ہیں۔

اگر کوئی شخص طلاق دینے کی ضرورت محسوس کرے تو احسن طریقہ یہ ہے کہ کسی ایسے طہر میں (یعنی پاکی کے زمانے میں) ایک طلاق دے دے جس میں جماع نہ کیا ہو پھر عورت کو اپنی حالت پر چھوڑ دے۔ قانون شرعی کے مطابق یہ طلاق رجعی ہوگی (بشرطیکہ عورت سے نکاح کے بعد جماع بھی کر چکا ہو، اگر صرف نکاح ہوا تھا تو یہ طلاق بائن ہوگی) جب پاکی کے زمانے میں طلاق رجعی دے دی اور عورت کو اپنے حال پر چھوڑ دیا حتیٰ کہ عدت گزر گئی (جس کی تفصیل پہلے رکوع میں گزر چکی ہے) تو یہی رجعی طلاق بائن طلاق ہو جائیگی۔ عدت سے پہلے پہلے رجوع کرنے کا حق تھا۔ جب طلاق بائن بن گئی تو اب رجوع کا حق ختم ہو گیا۔ اگر عدت کے اندر ایک طلاق اور دیدی تو یہ بھی طلاق رجعی ہوگی اور

اس کے بعد بھی عدت ختم ہونے تک رجوع کا اختیار رہے گا۔ عدت ختم ہو جانے پر دونوں طلاقیں بائن ہو جائیں گی اور رجوع کا حق ختم ہو جائیگا۔

طلاق بائن کے بعد آپس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ شوہر نے عدت کے اندر تیسری طلاق بھی دیدی تو اب یہ طلاق مغلاظ ہوگئی جس کا حکم یہ ہے کہ اب آپس کی رضامندی سے بھی دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ اب دوبارہ آپس میں نکاح ہونے کی یہی صورت ہے کہ کسی دوسرے مرد سے اس عورت کا نکاح ہو پھر وہ مرد اس سے جماع کرے پھر طلاق دے یا وفات پا جائے اور پھر اس کی عدت گزر جائے اگر دوسرا شوہر جماع کیے بغیر طلاق دیدے تو پھر پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی جس کی تصریح حدیث شریف میں موجود ہے۔ اور یہ طے کر کے کسی سے نکاح کر دینا کہ تو جماع کر کے طلاق دے دینا مکروہ تحریمی ہے اس پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے۔ عن علی رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحلل والمحلل لہ۔ (رواہ ابن ماجہ و رواہ الحاکم فی المستدرک ص ۱۹۹ ج ۲ صححہ و اقرہ الذہبی)

اللہ جل شانہ نے بندوں کی مصلحتوں کی کس قدر رعایت رکھی ہے اول تو حلال چیزوں میں طلاق کو مبعوض ترین چیز قرار دیا (کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابغض الحلال الی اللہ عزوجل الطلاق رواہ ابوداؤد ص ۲۹۶ ج ۲) پھر حالت حیض میں طلاق دینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ بے رغبتی کا زمانہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کو حکم دو کہ رجوع کر لیں پھر حالت طہر یا حمل میں طلاق دیں۔ (رواہ مسلم ص ۷۶ ج ۱) صحیح بخاری ص ۸۰۳ ج ۲ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ زمانہ حیض میں جو طلاق دی ہے اس سے رجوع کر لیں اس کے بعد یہ حیض گزر جائے پھر ایک طہر گزر جائے پھر ایک حیض اور گزر جائے اس کے بعد جو طہر یعنی پاکی کا زمانہ آئے چاہے تو اس میں طلاق دے دے اور یہ طلاق جماع کرنے سے پہلے ہو۔ اگر طلاق دے تو اچھی طرح غور کر لے اگر طلاق کی ضرورت محسوس کرے تو پاکی کے زمانہ میں طلاق دے دے اور ایک طلاق دے کر چھوڑ دے۔ (اگر نکاح کے بعد جماع کیا تو یہ طلاق رجعی ہوگی) عدت گزر جانے سے پہلے ایک طلاق اور دیدی تو وہ بھی رجعی ہوگی۔ اگر عدت کے اندر رجوع نہ کیا تو دونوں طلاقیں بائن ہو جائیں گی۔ لیکن باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔ اس تفصیل کو سامنے رکھ کر غور کر لیا جائے کہ شریعت اسلامیہ میں مرد و عورت کی مصلحتوں کی کس قدر رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اگر شوہر تین طلاقیں دیدے خواہ متفرق اوقات میں دے یا بیک وقت تینوں طلاقیں دے تو اس سے طلاق مغلاظہ ہو جاتی ہے جس کا حکم اوپر بیان ہوا۔ جب شریعت کی دی ہوئی رعایتوں کی پاسداری نہ کی تو اب یہ سزا دی گئی کہ اب دوسرے شوہر سے نکاح اور جماع کیے بغیر پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔

مرد کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے لیکن عورت کو بھی مرد کے نکاح سے نکلنے کے حق سے محروم نہیں کیا گیا ہے اگر کوئی صورت نباہ کی نہ رہے تو وہ مرد سے خلع کر سکتی ہے خلع کا معنی یہ ہے کہ وہ مرد سے یوں کہے کہ میں اپنے مہر کے عوض یا اپنے مال کے عوض آپ سے خلع کرتی ہوں مرد اسے منظور کر لے تو عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور جو مال دینا طے ہوا ہے وہ عورت پر ادا کرنا واجب ہوگا۔

خلع کا یہ مطلب نہیں کہ عورت مرد کو خود سے چھوڑ کر علیحدہ ہو جائے یا حاکم کے یہاں دعویٰ کر کے بغیر کسی شرعی سبب کے جدائی کا فیصلہ کرالے، حاکم سے نکاح فسخ کرانے کے کچھ اصول اور قوانین ہیں بعض صورتوں میں قاضی کو شرائط فسخ ملحوظ رکھتے ہوئے نکاح فسخ کر دینے کا اختیار ہوتا ہے جس کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جن صورتوں میں حاکم کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے ان میں یہ بھی ضروری ہے کہ حاکم مسلمان ہو غیر مسلم حاکموں کے فسخ کرنے سے مسلمان عورت کا نکاح فسخ نہیں ہوگا خواہ کیسی ہی مجبوری ہو۔

میاں بیوی دونوں جہاں تک ممکن ہو آپس میں نباہ کی کوشش کریں لیکن اگر دونوں کو اس بات کا ڈر ہو کہ اللہ کے حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس میں کچھ حرج نہیں کہ عورت مال دے کر اپنی جان چھڑالے، اور اگر عورت کی طرف سے زیادتی اور نافرمانی ہو تب بھی مرد اتنا ہی لے جتنا مہر

اسے دے چکا ہے اس سے زیادہ نہ لے۔ اور اگر زیادہ لے لیا تو قضاء جائز تو ہوگا لیکن مکروہ ہوگا۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی عادت اور خصلت اور دینداری کے بارے میں کوئی ناراضگی نہیں ہے لیکن میں مسلمان ہوتے ہوئے ناشکری کو پسند نہیں کرتی (میرا ان سے دل نہیں ملتا لہذا علیحدگی کی کوئی صورت ہو جائے) آپ نے فرمایا کہ کیا تم ان کا باغیچہ واپس کر دو گی (جو مہر میں دیا تھا) عرض کیا ہاں میں واپس کر دوں گی، آپ نے حضرت ثابت بن قیس سے فرمایا کہ اپنا باغیچہ قبول کر لو اور اس کو طلاق دے دو۔ (رواہ البخاری ص ۹۴ ج ۲)

اس حدیث سے خلع کا جواز معلوم ہوا، اور آیت شریفہ ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ کے سیاق سے معلوم ہوا کہ نباہ کی صورت نہ رہے اور حدود اللہ قائم نہ کر سکیں تو خلع کر لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ خواہ مخواہ بلا وجہ خلع کرنا اور چھوٹ چھٹاؤ کے درپے ہونا محمود نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چھوٹ چھٹاؤ کا مطالبہ کرنے والی اور خلع چاہنے والی عورتیں نفاق والی عورتیں ہیں۔ (رواہ النسائی ص ۱۰۷ ج ۲ والترذی ص ۱۹۱ ج ۱)

مسئلہ: لفظ خلع سے خلع ہو جاتی ہے یعنی شوہر کے قبول کرنے پر عورت پر طلاق واقع ہو جاتی ہے اس کے بعد وہ عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور چونکہ طلاق مغلظہ نہیں ہے اس لیے دوبارہ شوہر اول سے بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ خلع کے علاوہ ایک ”طلاق بالمال“ بھی ہے اور وہ اس طرح سے ہے کہ مرد یوں کہے کہ میں تجھے اتنے مال کے عوض طلاق دیتا ہوں۔ اگر عورت قبول کر لے تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی، اور عورت کو مقررہ مال دینا لازم ہوگا۔

فائدہ: مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں اول دور جمعی طلاقوں کا ذکر ہے اس کے بعد خلع کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر ہے۔ ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ﴾ میں چوتھی طلاق مذکور نہیں ہے بلکہ دو طلاق کے بعد بطور جملہ معترضہ کے خلع کا مسئلہ بیان کرنے کے بعد تیسری طلاق کو ذکر فرمایا ہے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لَلتَّعْتُدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۗ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۗ وَادْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ لِيُعْظِمَكُمْ بِهِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پھر وہ اپنی عدت گزار جانے کے قریب پہنچ جائیں تو ان کو روک لو بھلائی کے ساتھ یا ان کو چھوڑ دو خوبی کے ساتھ اور ضرر پہنچانے کے لیے انہیں روک کر کے نہ رکھو تا کہ تم زیادتی کرو، اور جو شخص ایسا کرے گا سو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور مت بناؤ اللہ کی آیتوں کو مذاق کی چیز اور یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو جو تم پر ہیں، اور جو کچھ اللہ نے تم پر نازل فرمایا ہے کتاب اور حکمت اس کو بھی یاد کرو۔ اللہ اس کے ذریعہ تم کو نصیحت فرماتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بے شک ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

مطلقہ عورتوں کو ضرر پہنچانے کی ممانعت

اس آیت میں چند باتوں پر تشبیہ فرمائی۔ اول یہ کہ جو لوگ اپنی عورتوں کو طلاق رجعی دے دیں اگر انہیں رغبت نہیں ہے۔ اور اب بیوی بنا کر رکھنا گوارا نہیں ہے تو خوش اسلوبی کے ساتھ اسے چھوڑ دیں۔ جب عدت گزارنے کے قریب ہو جائے تو رجوع کیے بغیر عدت ختم ہونے

دیں تاکہ عدت ختم ہوتے ہی طلاق بائن ہو جائے اور عورت کسی دوسری جگہ اپنا نکاح کر سکے، ایسا نہ کریں کہ جب عدت گزرنے کے قریب ہو تو رجوع کر لیں اور اس کے بعد پھر طلاق دے دیں اور جب عدت گزرنے کے قریب ہو پھر لوٹالیں، ایسا کرنے سے خواہ مخواہ عورت کو تکلیف ہو گی اور ضرر پہنچے گی۔ تفسیر روح المعانی ص ۲۲ ج ۲ میں ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ یہی معاملہ کیا حتیٰ کہ اسی طرح نو مہینے گزر گئے، اللہ جل شانہ نے آیت بالانازل فرمائی اور فرمایا: ﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ ان کو اگر اپنے نکاح میں رکھنا ہے تو اچھے طریقہ پر روک لو، اور نکاح میں نہیں رکھنا تو خوبی کے ساتھ اسے چھوڑ دو، اور صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ مزید فرمایا ﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا﴾ کہ ان کو ضرر پہنچانے اور دکھ دینے کے لیے روک کر نہ رکھو تاکہ ان پر ظلم کرو۔

اور مزید فرمایا: ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾ کہ جو شخص ایسا کرے گا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے ایک مومن عورت کو ضرر پہنچانے کی نیت کر کے اپنی جان کو آخرت کے عذاب کے لیے پیش کر دیا اور اللہ کے حکم کی فرماں برداری پر جو ثواب مل سکتا تھا اس سے محروم ہو گیا، کسی بھی مومن کو ضرر پہنچانا حلال نہیں ہے حدیث شریف میں ہے۔ ﴿مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مَوْمِنًا أَوْ مَكْرِبَةً﴾ (یعنی وہ شخص ملعون ہے جو کسی مومن کو نقصان پہنچائے یا اس کے ساتھ مکر کرے)۔ (رواہ الترمذی)

اللہ کی آیات کا مذاق بنانے کی ممانعت:

دوسری تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا﴾ کہ اللہ کی آیات کو اور اس کے احکام کو کھیل اور مذاق محول ٹھٹھا نہ بناؤ۔ ایسا نہ کرو کہ جی چاہا عمل کیا چاہا نہ کیا اور احکام کی رعایت کا دھیان نہ رکھا۔ بلکہ آیات قرآنیہ میں جو احکام بیان کیے گئے ہیں ان کی پابندی کرو اور عزم و ہمت و ارادہ کے ساتھ عمل پیرا ہو۔ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے بارے میں خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غصہ میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اللہ عزوجل کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جائے گا حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ آپ کا غصہ دیکھ کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۲ ج ۱) اکٹھی تین طلاقیں دینا شرعاً مذموم ہے۔ ایک سے زیادہ طلاق دے تو الگ الگ کر کے دے، اور ہر طہر میں (پاکی کے زمانے میں) ایک ایک طلاق دے۔ کیونکہ اس شخص نے اکٹھی تین طلاقیں دے دیں۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگواری ہوئی۔ موطا امام مالک میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا تیری بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور ستانوں کے طلاقوں کے ذریعہ تو نے اللہ کی آیات کا مذاق بنایا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۲)

اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو:

تیسری بات یہ فرمائی کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور جو کچھ اس نے تمہارے اوپر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اس کو بھی یاد کرو۔ یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا شکر ادا کرو نعمتوں کے ذریعہ گناہ نہ کرو۔ اور آیات قرآنیہ پر عمل کرو۔ اللہ کے احکام میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔ ان میں خیر سمجھو۔

پھر فرمایا: **يَعْظُمُكُمْ بِهِ** یہ جو کچھ اللہ نے نازل فرمایا وہ اس کے ذریعہ تم کو نصیحت فرماتا ہے۔ خلاف ورزی کر کے نصیحت سے منہ موڑنے والے نہ بنو۔

پھر فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ اور اللہ سے ڈرو اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔“ سب کے اعمال کو وہ جانتا ہے ان کے مطابق جزا و سزا دے گا اور جن چیزوں میں تمہارے لیے مصلحت ہے ان کو بھی جانتا ہے، اس کے حکموں میں تمہاری مصلحت مضمر ہے۔ مخالفت کر کے اپنے لیے خرابی کا راستہ اختیار نہ کرو۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص مذاق میں طلاق دے دے تو اس سے بھی طلاق ہو جاتی ہے جیسا کہ اس کی تصریح حدیث شریف میں موجود ہے۔ فقد روى أبو هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم ثلاث جُدُّهُنَّ جُدُّ وَهَذَلُهُنَّ جُدُّ، النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ (رواه الترمذی ص ۱۹۱ ج ۱ وحسنہ وأخرجه الحاكم ایضاً المستدرک ص ۱۹۸ ج ۲ وصححه)

فائدہ: ارشاد باری تعالیٰ ﴿لَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا﴾ اگرچہ مسائل طلاق کے ذیل میں وارد ہوا ہے لیکن الفاظ کا عموم اس بات کو بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور احکام کا مذاق بنانا بدترین گناہ ہے بلکہ قصد اور ارادہ اگر آیات و احکام کا مذاق بنایا جائے تو کفر ہے۔ سورہ مائدہ میں مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنتُم مَّوْمِنِينَ۔ وَإِذَا نَادَيْتُم إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوا هُزُوًا وَلَعِبًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ﴾ اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا لیا، یعنی وہ لوگ جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان کے علاوہ دوسرے کافروں کو بھی دوست نہ بناؤ، اور اللہ سے ڈرو، اگر تم مومن ہو، اور جب تم نماز کی طرف بلا تے ہو تو نماز کا مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں یہ اس لیے کہ وہ لوگ سمجھتے نہیں۔“

سورہ الجاثیہ میں اہل دوزخ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ذَلِكُمْ بِأَنكُم اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا﴾ یہ عذاب اس لیے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات کو مذاق بنا لیا تھا۔ اور تم کو دنیا والی زندگی نے دھوکہ میں ڈالا تھا۔“

بہت سے لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں لیکن قرآن اور احادیث شریفہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا مذاق بناتے ہیں ایسے لوگ اگرچہ مدعی اسلام ہوں لیکن اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، بہت سے لوگ حج کے احکام و افعال کو فلماتے ہیں اور سینما میں لہو و لعب کے پردہ پر دکھاتے ہیں اور دیکھنے والے دیکھتے ہیں کعبۃ اللہ شریف کے چاروں طرف جو نماز ہوتی ہے اس کے فوٹو لیے جاتے ہیں۔ حجر اسود کا استلام کرتے ہوئے فوٹو لیے جاتے ہیں۔ منیٰ میں تصویر کشی ہے۔ عرفات میں کیمرے لیے کھڑے ہیں۔ فوٹو کھینچے جا رہے ہیں۔ نیک کام کو معصیت کیساتھ مکر کیا جا رہا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے..... ٹیلیویشن میں ڈرامے آرہے ہیں۔ ان اکابر دین کی داڑھیاں منڈی اور مونچھیں خوب زیادہ بڑھی ہوئی دکھائی جا رہی ہیں۔ ان حضرات کے علم و عمل کو لہو و لعب اور تماشہ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ سب دین اور دینیات کے ساتھ استہزاء اور تمسخر ہے جو لہو و لعب میں شامل ہے۔ عوام الناس نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ اس سے دین کی تبلیغ ہوگی حالانکہ اس کی حیثیت لہو و لعب سے زیادہ نہیں ہے۔ قرأت قرآن کی مجلسیں ہیں۔ قاریوں کی تصویریں کھینچی جا رہی ہیں اور اخبارات میں چھپ رہی ہیں۔ قرآن کے نام پر اجتماعات ہیں۔ فوٹو گرافی ہو رہی ہے۔ فلمیں دکھائی جا رہی ہیں۔ کالج یونیورسٹی میں اسلامیات کی کلاسیں ہیں۔ لڑکیاں لڑکوں کے ساتھ بے پردہ بیٹھی ہوتی ہیں۔ عین اسلامی عنوان کے پریڈ میں احکام قرآن کی خلاف ورزی ہو رہی ہے، سودی لین دین ہے بینک کا نام اسلامی ہے۔ حرام مال سے ایصال ثواب کیا جا رہا ہے اسی سے حج و عمرہ ہو رہا ہے۔ داڑھی مونڈنے کی دکانیں ہیں۔ اسلامی سالوں یا سالوں الحرمین کا نام دیا جا رہا ہے۔ یہ سب اعمال و افعال ایسے ہیں جن سے احکام اسلام کی توہین اور تضحیک ہوتی ہے، اسلام کے نام پر مذاق ہے۔ گناہ کرنا بہت بڑی بدبختی ہے جس کا لوگوں کو بالکل احساس نہیں، داڑھیوں کا، داڑھی رکھنے والوں کا تمسخر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں پر چلنے والوں پر پھبتیاں ہیں، اور یہ سب کچھ ان لوگوں سے صادر ہو رہا ہے جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ سب کو صحیح سمجھ دے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْصِلُوهُنَّ أَن يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ مِنكُم يُوْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْوَاجُ لَكُمْ وَ

أَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۸﴾

اور جب تم طلاق دو عورتوں کو پھر وہ پہنچ جائیں اپنی عدت کو تو ان کو اس سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں جب کہ آپس میں خوبی کے ساتھ رضا مند ہو جائیں۔ اس کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو تم میں سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے۔ یہ تمہارے لیے زیادہ صفائی اور زیادہ پاک کی بات ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مطلقہ عورتیں سابقہ شوہروں سے نکاح کرنا چاہیں تو اس میں رکاوٹ نہ ڈالیں

اس آیت میں عورتوں کے اولیاء اور اقرباء کو ایک خاص نصیحت کی گئی اور وہ یہ کہ جب طلاق کے بعد عورت کی عدت گزر جائے اور وہ اپنے اسی شوہر کے نکاح میں پھر جانا چاہے جس نے طلاق دی تھی تو اس میں رکاوٹ نہ ڈالو، طلاق رجعی کے بعد جب عدت گزر جائے تو یہ طلاق بائن ہو جاتی ہے اور طلاق بائن ہو جانے پر میاں بیوی کی رضا مندی سے آپس میں دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ جب دونوں یہ محسوس کریں کہ ہمیں پھر سے زن و شوہر کی طرح رہنا چاہئے اور پھر سے نکاح کر لینے میں مصلحت محسوس کریں تو عورت کے اولیاء و اقرباء رکاوٹ نہ ڈالیں ان کا نکاح آپس میں ہونے دیں۔ البتہ ان دونوں میں آپس میں خیر و خوبی سے اور عمدہ طریقہ پر نباہ کرنے کے جذبات ہونے چاہئیں۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وقتی جوش میں مرد طلاق دے بیٹھتا ہے اور عورت بھی کبھی غصہ میں طلاق طلب کر لیتی ہے جس سے شوہر کے منہ سے طلاق کے کلمات نکل جاتے ہیں۔ پھر آپس میں پشیمان ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پھر مل بیٹھیں، یعنی دوبارہ نکاح کر لیں۔ جب ایسی صورت حال بن جاتی ہے تو عورت کا باپ یا بھائی یا خاندان کے دوسرے لوگ رکاوٹ ڈالتے ہیں اور اس کو اپنی ہتک عزت سمجھتے ہیں۔ اور بعض مرتبہ رشوت لینے کے پھیر میں ہوتے ہیں اس کے شوہر کو دباتے ہیں تاکہ کچھ مال دینے پر مجبور ہو جائے، ان سب باتوں سے آیت بالا میں منع فرمایا ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی۔ میں نے اپنی ایک بہن کا ایک شخص سے نکاح کر دیا تھا پھر اس نے اس کو طلاق دے دی۔ جب عدت گزر گئی تو پھر وہ اس سے نکاح کرنے کے لیے پیغام لے کر آ گیا میں نے کہا کہ میں نے تجھ سے اس کا نکاح کر دیا اور اس کو تیرے ساتھ بھیج دیا اور تیرا اکرام کیا پھر تو نے طلاق دے دی اب تو دوبارہ نکاح کا پیغام لے کر آیا ہے اللہ کی قسم کبھی بھی تیرے پاس نہ جائے گی۔ یہ آدمی مناسب تھا اور عورت چاہتی تھی کہ واپس چلی جائے۔ اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی آیت سن کر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اب تو میں ضرور وہی کروں گا جس کا حکم ہوا ہے۔ لہذا اپنی قسم کا کفارہ دے دیا اور اسی شخص سے اس کا نکاح کر دیا، بعض روایات میں ہے کہ جب آیت سنی تو حضرت معقل بن یسار نے کہا ﴿سَمِعًا لِرَبِّي وَطَاعَةً﴾ (میں نے اپنے رب کا فرمان سنا اور میں فرمانبرداری کے لیے حاضر ہوں)۔ (تفسیر درمنثور ص ۲۸ ج ۱ عن البخاری و ابی داؤد و الترمذی و الحاکم و غیر ہم)

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اَزْوَاجَهُنَّ سے پہلے شوہروں کے علاوہ وہ لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو پہلے شوہر نہ تھے لیکن طلاق و عدت کے بعد مطلقہ عورتیں بعض مرتبہ بعض مردوں سے رشتہ طے کر لیتی ہیں اور آپس میں دونوں شریعت کے قاعدہ کے مطابق نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو عورت کے اولیاء و اقرباء آڑے نہ آئیں اور نہ طلاق دینے والا پہلا شوہر رکاوٹ ڈالے۔ بالمعروف میں یہ بتا دیا کہ وہ شرعی قاعدے کے مطابق نکاح کرنا چاہیں تو ان کو نکاح کرنے دیں، البتہ خلاف شرع کوئی بات ہو تو اس سے روکنا واجب ہے۔ عورت کو بھی چاہئے کہ اپنے برابر اور میل کے آدمی سے نکاح کرے اور مہر مثل پر نکاح کرے تاکہ اولیاء کو خفت محسوس نہ ہو اور کسی طرح اعتراض کا موقع نہ ملے پھر فرمایا اس میں ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ فرمایا کہ اس حکم کے ماننے میں تمہاری بہت بڑی صفائی اور پاکیزگی ہے کیونکہ اس کی خلاف ورزی میں فتنہ فساد اور گناہوں میں مبتلا ہونے کے مواقع نکل سکتے ہیں اور مرد و عورت کی عفت بھی خطرہ میں پڑ سکتی ہے۔

آخر میں فرمایا ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (کہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) بعض لوگ اپنے خیال سے کچھ مصلحتیں سوچتے

ہیں لیکن فکر میں خطا کرتے ہیں غلط بھی سوچتے ہیں۔ دنیا داری کے جذبات سے سوچتے ہیں مرد و عورت کی مصلحتوں پر نظر نہیں رکھتے، اپنے غورو فکر کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی کریں، اس نے جو قانون بتایا ہے اس پر چلنے میں خیر ہے۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَالِدَيْهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَأَلْتُم مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۷﴾

اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو دو سال پورے اس کے لیے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔ اور جس کی اولاد ہے اس کے ذمہ ماؤں کا کھانا اور کپڑا ہے قاعدہ کے مطابق، کسی جان کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر اس کی برداشت کے مطابق، نہ تکلیف دی جائے والدہ کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ اس کو تکلیف دی جائے جس کا بچہ ہے اس کے بچہ کی وجہ سے، اور وارث کے ذمہ اسی طرح سے لازم ہے۔ سوا گردنوں آپس کی رضامندی اور باہم مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں، اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو اس میں کچھ گناہ نہیں ہے جب کہ تم سپرد کردو جو کچھ ان کو دینا طے کیا ہے قاعدہ کے موافق، اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جنہیں تم کرتے ہو۔

بچوں کو دودھ پلانے کے احکام

اس آیت میں بچوں کو دودھ پلانے اور پلوانے کے بارے میں چند احکام مذکور ہیں۔ جب میاں بیوی خوشی کے ساتھ آپس میں مل جل کر رہ رہے ہوں اور اولاد پیدا ہو جائے تو چونکہ ماں اور باپ دونوں کو بچہ پر شفقت ہوتی ہے اور دونوں اس کی تربیت کرتے ہیں اور دکھ تکلیف سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے بچے ماں باپ کے سایہ میں خوب اچھی طرح پرورش پاتے ہیں اور ایسی صورت میں والدہ اس کے دودھ پلانے یا پرورش کرنے پر اس کے باپ سے کسی طرح کی اجرت بھی طلب نہیں کرتی، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بچے کی والدہ جب اپنے شوہر کے نکاح میں ہے اور بحق زوجیت کھانا کپڑا سے مل رہا ہے تو اس کے لیے یہ درست نہیں کہ دودھ پلانے کے سلسلے میں کوئی اجرت طلب کرے اور بعض مرتبہ ایسا ہو جاتا ہے کہ شوہر طلاق دے دیتا ہے۔ اس میں اول تو یہ اختلاف رونما ہوتا ہے کہ بچہ کون لے۔ اصول یہ ہے کہ لڑکا جب تک سات برس کا نہ ہو جائے اور لڑکی نو سال کی نہ ہو جائے اس وقت تک والدہ کو پرورش کا حق ہے۔ لڑکا یا لڑکی کی پرورش کا حق مطلقہ عورت کو اس وقت تک ہے جب تک کہ کسی ایسے شخص سے نکاح نہ کر لے جو بچے کا محرم نہ ہو، والدہ کی پرورش میں بچہ کے رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بچہ کے اخراجات بھی والدہ ہی کے ذمہ ہوں بلکہ اخراجات بچے کے والد پر ہی واجب ہوں گے، جب کسی مرد نے کسی عورت کو طلاق دے دی اور ماں نے بچہ کو پرورش کے لیے لیا اور ابھی دودھ پلانے کا زمانہ باقی ہے تو جب تک عدت نہ گزر جائے اس وقت تک بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت وہ نہیں لے سکتی کیونکہ اسے طلاق دینے والے شوہر کی طرف سے زمانہ عدت کا نان و نفقہ مل رہا ہے۔ دوہرا خرچہ نہیں دیا جائے گا اور جب عدت گزر جائے اور ابھی دودھ پلانے کا زمانہ باقی ہے تو اب بچہ کی ماں بچہ کے باپ سے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے۔ بچہ

کے دوسرے اخراجات اس کے سوا ہوں گے اور دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ بچہ کی عمر دو سال (قمری مہینوں کے اعتبار سے) ہو جانے تک طلب کیا جاسکتا ہے اس کے بعد بچہ کا باپ دودھ پلانے کی اجرت نہ دے تو دودھ پلانے والی والدہ دودھ پلانے کی اجرت طلب نہیں کر سکتی (حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دودھ پلانے کی مدت زیادہ سے زیادہ ڈھائی سال ہے اور دوسرے اماموں کے نزدیک دو سال ہے۔ اور احتیاط اسی میں ہے کہ دو سال سے زیادہ دودھ نہ پلایا جائے البتہ اگر کسی نے دو سال کے بعد بھی ڈھائی سال ہونے تک کی مدت میں پلایا تو اس سے حرمت رضاعت کا فتویٰ دیا جائے گا کیونکہ تحریم نکاح کے سلسلہ میں اسی میں احتیاط ہے، سوا اگر کوئی عورت دو سال کے بعد دودھ پلائے سوشوہر کے ذمہ دودھ پلانے کا خرچہ نہیں ہے۔

ماں کو یا باپ کو اولاد کی وجہ سے ضرر نہ دیا جائے:

اجرت رضاعت اور مدت رضاعت بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿لَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ جس میں یہ بتایا کہ بچہ کا باپ جو دودھ پلانے والی کو اجرت دے گا اس میں اس کی حیثیت سے زیادہ مطالبہ نہ کیا جائے گا وہ اپنی مالی حیثیت کے مطابق خرچہ دے گا، جو خرچہ اس کی استطاعت سے باہر ہو اس کا مطالبہ اس سے نہ کیا جائے پھر ارشاد فرمایا: ﴿لَا تَضَارُّ وَالِدَةَ بَوْلِهَا وَلَا مَوْلُودًا لَهُ بَوْلًا﴾ یعنی کسی ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور کسی باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے ضرر نہ پہنچایا جائے۔ مثلاً طلاق ہوگئی تو بچہ کے ماں باپ ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے سے باز رہیں اگر بچہ کی والدہ دودھ پلانے سے معذور ہو یا حق پرورش سے دستبردار ہو جائے اور یوں کہے کہ کسی اور سے دودھ پلواتو اس کا باپ زبردستی نہ کرے کہ تجھے ہی پلانا ہوگا اور مفت پلانا ہوگا ماں کی مامتا سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔ یہ نہ سوچے کہ جب بچہ کو تڑپتا دیکھے گی خود ہی پلائے گی۔ یا ماں اجرت پر پلانے کو راضی ہو تو باپ یوں نہ کہے کہ میں تجھ سے نہیں پلواتا۔ میں دوسری عورت کو زیادہ اجرت دے دوں گا لیکن تجھے ایک کوڑی بھی نہ دوں گا۔

باپ نہ ہو تو وارث ذمہ دار ہے:

پھر فرمایا ﴿وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ﴾ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بچہ کا باپ وفات پا جائے تو اس کے دودھ پلانے کی ذمہ داری وارث پر ہے اگر بچہ کا اپنا مال ہو مثلاً اس کے باپ کی میراث سے اسے ملا ہے اور بچہ کے دودھ پینے کی مدت ابھی باقی ہے تو بچہ کے مال میں سے بچہ پر خرچ کرے اور دودھ پلوانے کی اجرت اسی مال سے دے اور اگر بچہ کا اپنا مال نہیں ہے تو یہ وارث اپنے مال سے بچہ پر خرچ کرے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وارث سے بچہ کا وارث مراد ہے مثلاً اگر یہ فرض کیا جائے کہ بچہ کی موت ہوگئی تو اس وقت جو لوگ اس کے وارث ہو سکتے ہیں ان پر اس کا خرچ واجب ہے۔ حضرت امام صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے وہ وارث مراد ہے جو محرم ہو، اگر اس طرح کا وارث ایک ہی ہو تو پورا خرچ اس ایک ہی پر واجب ہوگا، اور اگر چند افراد ایسے ہوں تو ان سب پر بقدر حصہ میراث بچہ کے اخراجات لازم ہوں گے محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی نکاح جائز نہ ہو، اگر بچہ اور اس کے رشتہ دار ایک ہی جنس کے ہوں یعنی سب مرد ہوں تو محرم کے پتہ چلانے کا طریقہ یہ ہے کہ بچہ اور اس کے رشتہ داروں میں سے اگر کسی کو عورت فرض کر لیا جائے تو آپس میں نکاح درست نہ ہو۔ ایسے رشتہ کو رشتہ محرمیت کہتے ہیں۔ چچا بھتیجی کا نکاح تو آپس میں درست نہیں ہے۔ لہذا چچا اپنی بھتیجی کا محرم ہے اور چچا بھتیجا کا بھی محرم ہے اس لیے اگر دونوں میں سے کسی ایک کو عورت فرض کر لیا جائے تو آپس میں نکاح درست نہ ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی بچہ کا والد وفات پا گیا اور بچہ کا مال بھی نہیں ہے اور اس کی والدہ ہے اور دادا ہے تو دونوں پر بقدر اپنے حصہ میراث کے بچے کا خرچہ واجب ہوگا، لہذا ماں کے ذمہ $\frac{1}{3}$ ہوگا اور دادا کے ذمہ $\frac{1}{3}$ ہوگا۔ کیونکہ دونوں محرم بھی ہیں اور بچے کی میراث ان دونوں کو اسی نسبت سے پہنچتی ہے۔

دو سال سے پہلے بھی باہمی مشورہ سے دودھ چھڑا سکتے ہیں:

پھر فرمایا ﴿فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ یعنی اگر دو سال سے پہلے ہی والدین بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں اور آپس میں رضامندی اور مشورے سے اس کا فیصلہ کر لیں تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ مشورے میں بچے کی مصلحت پیش نظر رکھی جائے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بچہ کی والدہ کا دودھ خراب ہو جاتا ہے۔ وہ بچہ کے لیے مضر ہوتا ہے۔ کبھی بچہ دودھ پینا خود سے چھوڑ دیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بچہ ماں کے علاوہ نہ کسی اور عورت کا دودھ پینے کو تیار ہے نہ اوپر کا دودھ پینا گوارا کرتا ہے ایسی صورت میں ماں کا دودھ چھڑائیں گے تو وہ بھوکا رہے گا، دودھ چھڑاتے وقت بچہ کی ہمدردی اور مرہبانہ شفقت پیش نظر رکھی جائے۔

اجرت پر دودھ پلوانے کے مسائل:

پھر فرمایا ﴿وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا اتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ﴾ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم بچوں کی ماؤں کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پلوانا چاہو تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔ ماں زندہ ہے لیکن مناسب یہ سمجھتے ہیں کہ دودھ کسی اور سے پلوائیں۔ تو یہ بھی درست ہے۔ بچہ کی مصلحت پیش نظر ہوتے ہوئے اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اس میں ایک یہ صورت پیش آسکتی ہے کہ بچہ کی ماں کو اس کے باپ نے طلاق دے دی ہے اور عدت بھی گزر گئی ہے اور دودھ پلانے کا زمانہ ابھی ختم نہیں ہوا تو بچہ کی ماں اگر اجرت پر پلانا گوارا کرے تو باپ اس سے بچہ کو جدا نہ کرے اس کی والدہ ہی سے پلوائے، ہاں اگر وہ دوسری دودھ پلانے والیوں کے بہ نسبت زیادہ اجرت مانگتی ہو، یا ماں کے دودھ میں کچھ خرابی ہو تو اس کا باپ دوسری عورت سے دودھ پلوادے تو یہ بھی جائز ہے۔

مسئلہ: جب بچہ ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت سے دودھ پلوائے اور ماں یوں کہے کہ دودھ خواہ وہ پلوائے لیکن رہے میرے ہی پاس تو اس کا یہ مطالبہ صحیح ہے۔ بچہ کے باپ کو یہ مطالبہ پورا کرنا لازم ہے۔

مسئلہ: جب کسی عورت کو دودھ پلانے پر مقرر کریں تو اس کی اجرت اچھی طرح سے طے کر لیں۔ ایسا نہ کریں کہ اجرت طے کر کے اسے بالکل ہی نہ دیں یا جو اجرت طے ہوئی تھی اس سے تھوڑی دیں یا ٹال مٹول کریں۔ جو کچھ طے ہوا ہے قاعدہ کے موافق خوش اسلوبی سے دے دیں ﴿إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا اتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ﴾ میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔

مسئلہ: دودھ پلانے کے علاوہ اگر اس سے اور کوئی خدمت لینا چاہیں تو اسے بھی معاملہ میں طے کر لیں۔

مسئلہ: دودھ پلانے والی کو روٹی کپڑے پر ملازم رکھنا درست ہے۔ البتہ کھانا کپڑا کیسا ہوگا اس کی صاف صاف تصریح کر دے، دودھ پلانے والی کے علاوہ اور کسی ملازم کو روٹی کپڑے پر رکھنا جائز نہیں ہے۔ مذکورہ بالا احکام بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو پوری طرح دیکھنے والا ہے۔ اس میں تشبیہ ہے کہ احکام شرعیہ کی پابندی کرو اور اللہ سے ڈرو، خلاف ورزی کر کے مواخذہ اور عذاب کے مستحق نہ بنو۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ تمہارا کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے چھپا ہوا نہیں ہے، وہ سب کچھ جانتا ہے اور سب کچھ دیکھتا ہے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

خَبِيرٌ ﴿۳۳﴾

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو یہ بیویاں اپنی جانوں کو روکے رکھیں چار مہینے دس دن، پھر جب وہ پہنچ

جائیں اپنی میعاد کو سوتم پر کوئی گناہ نہیں اس بات میں کہ وہ عورتیں اپنی جانوں کے بارے میں خوبی کے ساتھ کوئی فیصلہ کر لیں، اور جو تم کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے۔

شوہر کی موت پر عدت گزارنے کے احکام

اس آیت شریفہ میں ان عورتوں کی عدت بیان فرمائی ہے جن کے شوہر وفات پا جائیں اور یہ عدت چار مہینہ دس دن ہے، چار ماہ دس دن تک وہ عورت کسی دوسری جگہ نکاح نہ کرے۔ اور اس زمانہ میں سوگ بھی کرے، یعنی خوشبو مہندی نہ لگائے اور بن ٹھن کر نہ رہے۔ یہ حکم حدیث شریف میں وارد ہوا ہے، واضح رہے کہ چار ماہ دس دن اس عورت کی عدت ہے جس کو حمل نہ ہو اور اس کا شوہر وفات پا جائے، اگر کسی ایسی عورت کا شوہر وفات پا جائے جو حمل سے ہو تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہے، یعنی شوہر کی موت کے بعد جتنی مدت میں بھی بچہ پیدا ہو اس وقت تک وہ عورت عدت میں رہے گی، خواہ شوہر کی موت کے ایک گھنٹہ بعد ہی ولادت ہو جائے خواہ مہینوں لگ جائیں۔ یہ مضمون سورہ طلاق کی آیت ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ میں بیان فرمایا ہے۔ اور سوگ کرنا بھی اس کے لیے واجب ہے۔

مسئلہ: جو عورت عدت وفات گزار رہی ہو وہ عدت ختم ہونے تک اس گھر میں رہے، جس میں رہتے ہوئے شوہر کی موت ہوئی ہے۔ اگر خرچہ نہ ہو تو بقدر ضرورت روزی حاصل کرنے کے لیے دن کے اوقات میں نکل سکتی ہے۔ ضرورت پوری کر کے پھر اسی گھر میں آجائے۔
مسئلہ: اگر چاندرات کو شوہر کی وفات ہوئی ہو تو مہینوں کے اعتبار سے چار ماہ دس دن پورے کر لے اور اگر چاندرات گزر جانے کے بعد وفات ہوئی ہے تو ایک سو تیس دن شمار کر کے عدت پوری کرے۔

جب عدت گزر جائے تو عورتیں اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کی خود مختار ہیں کہ خوبی کے ساتھ شرعی قواعد کے موافق جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔ اولیاء اس میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔ ہاں اگر کوئی خلاف شرع کام کرنے لگیں تو اولیاء کے ذمہ ہوگا کہ اس سے روکیں اور نبی عن المنکر کریں۔ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔ اور عورتوں کو اور ان کے اولیاء کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی پوری طرح خبر ہے، اور کسی عورت نے خلاف شرع کوئی اقدام کیا یا مردوں نے اس طرح کا اقدام کرنے دیا تو گناہگار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس سے کسی کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ ۖ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تَأْتُوا بِهِنَّ سِرًّا أَلَّا أَنْ تَقُولُوا أَقُولَ لَا مَعْرُوفًا ۗ وَلَا تَعْرُضُوا عَهْدًا
النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابَ أَجَلَهُ ۗ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوا ۗ وَاعْلَمُوا
أَنَّ اللَّهَ عَفُورٌ حَلِيمٌ ۝

اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو کنایتاً نکاح کا پیغام دیدو یا اپنے دلوں میں پوشیدہ رکھو، اللہ کو معلوم ہے کہ بے شک تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے، لیکن ان سے نکاح کا خفیہ طور پر وعدہ نہ کر لینا، مگر یہ کہ ان سے ایسی بات کہو جو قاعدہ کے موافق ہو، اور تم نکاح کرنے کا ارادہ مت کرو یہاں تک کہ عدت قانون کے مطابق ختم ہو جائے، اور تم جان لو کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے، اور سوتم اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بیوہ عورتوں کو صریح پیغام نکاح دینے کی ممانعت

اس آیت شریفہ میں عدت و فوات گزارنے والی عورتوں کے بارے میں ایک تشبیہ فرمائی ہے اور وہ یہ کہ ایسی عورتوں کو صاف صریح الفاظ میں نکاح کا پیغام نہ دیا جائے ہاں اگر اشارتاً و کنایتاً ذکر کر دیا جائے مثلاً یوں کہہ دیا جائے کہ فکر نہ کرنا اللہ مالک ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اور اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ صرف دل میں یہ خیال کر لیا جائے کہ اس کی عدت گزر جائے گی تو اس سے نکاح کر لوں گا۔ اللہ تعالیٰ کو سب کے دلوں کا حال معلوم ہے، اس نے اتنی گنجائش دے دی کہ اشارتاً و کنایتاً عورت کے کان میں بات ڈال دی جائے۔ البتہ اس کی اجازت نہیں دی کہ عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح کریں۔

آیت کے ختم پر وہی بات دہرا دی کہ اللہ تعالیٰ کو دلوں کا سب حال معلوم ہے اس سے ڈرو احکام کی خلاف ورزی نہ کرو، اگر کبھی کوئی خطا ہو جائے تو توبہ کر لو، اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے حلیم بھی ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۖ وَ مِتَّعُوهُنَّ عَلَى التُّوسِعِ قَدْرًا ۚ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدْرُهُ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۱﴾
 طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بَيْنَهُمَا عُقْدَةٌ النِّكَاحِ ۖ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى ۖ وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۲﴾

کوئی گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دے دو عورتوں کو جب کہ تم نے ان کو چھوانہ ہو اور مہر مقرر نہ کیا ہو اور ان کو متعہ دے دو، گنجائش رکھنے والے پر گنجائش بقدر ہے، اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے موافق ہے، یہ فائدہ پہنچانا عمدہ طریقہ پر ہو، واجب ہے اچھا سلوک کرنے والوں پر۔ اور اگر تم ان کو اس سے پہلے طلاق دو کہ ان کو چھوا ہو حالانکہ ان کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو تو اس صورت میں اس کا آدھا ہے جتنا تم نے مقرر کیا ہے، مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، اور یہ بات کہ تم معاف کر دو زیادہ قریب ہے تقویٰ سے۔ اور نہ بھولو آپس میں احسان کرنے کو، بے شک اللہ اس کو دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

مہر اور متعہ کے احکام

ان دونوں آیتوں میں چند مسائل بیان فرمائے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو صرف نکاح کر کے طلاق دیدے نہ اسے ہاتھ لگایا ہونہ اس کے لیے مہر مقرر کیا ہو تو اس صورت میں مہر واجب نہیں ہے۔

البتہ بطور سلوک و احسان اور ولداری کے متعہ دینا واجب ہے، یہ متعہ ایک جوڑا کپڑوں کی صورت میں ہوگا، یعنی طلاق دینے والا مرد مطلقاً عورت کو تین کپڑے دے دے، ایک کرتہ، ایک دوپٹہ اور ایک خوب چوڑی چمکی چادر جو سر سے پاؤں تک ڈھانک سکے۔ اور اس میں مرد حالت کا اعتبار ہوگا، مرد پیسہ والا ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق دے اور تنگ دست ہے تو اپنے حالات کے مطابق دے دے، اس وجوب مؤکد فرمانے کے لیے ارشاد فرمایا: ﴿مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ﴾ کہ یہ نفع پہنچانا شرعی قاعدہ کے مطابق ہو جو محسنین پر واجب

ہے، ہر مسلمان اپنے ایمان کی وجہ سے صفت احسان اختیار کرنے پر مامور ہے اور ہر مؤمن محسن ہے، لہذا اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ جو لوگ فاسق اور گناہ گار ہیں ان پر واجب نہیں۔ آیت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر مہر مقرر کیے بغیر نکاح کر لیا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد اگر مذکورہ بالا صورت پیش آجائے (کہ مرد نے عورت کو ہاتھ بھی نہ لگایا اور طلاق دے دی) تو اس صورت میں متعدد دینا ہوگا جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور اگر مہر مقرر کیے بغیر نکاح کر لیا، اور پھر میاں بیوی والی تنہائی بھی ہوگئی یا خلوت سے پہلے شوہر کی وفات ہوگئی تو مہر مثل دینا ہوگا۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔

اور اگر مہر مقرر کیا تھا لیکن طلاق خلوت سے پہلے دیدی تو اس صورت میں مقرر کردہ مہر کا آدھا دینا لازم ہوگا، ہاں اگر عورت بالکل ہی چھوڑ دے کچھ بھی نہ لے تو معاف ہو جائے گا اور اگر شوہر اسے پورا ہی مہر دیدے باوجود یہ کہ آدھا ہی واجب تھا، یا جو پورا مہر دے چکا تھا اس میں سے آدھا واپس نہ لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ﴿أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بَيَّدَهُ عَقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ میں یہی آخری بات بیان فرمائی ہے۔ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ وہ شوہر ہے، اور اگر مہر مقرر کیا گیا تھا اور خلوت بھی ہوگئی تھی تو پورا مہر دینا فرض ہو جاتا ہے پھر فرمایا: ﴿وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾ (کہ تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے زیادہ قریب ہے) کیونکہ معاف کرنا موجب اجر و ثواب ہے۔ پھر فرمایا:

﴿وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ﴾ یعنی ایک دوسرے کے ساتھ احسان کرنے کو نہ بھولو، آپس میں حسن سلوک سے پیش آتے رہو۔ قال صاحب الروح ص ۱۵۵ ج ۱۲ ای لا تترکوا ان یتفضل بعضکم علی بعض کالشیء المنسی۔

آخر میں فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ کہ بلاشبہ اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ اس میں وہی تذکیر و تنبیہ ہے جو بار بار گزر چکی ہے اور مضامین کے ختم میں بار بار دہرائی جاتی ہے۔ درحقیقت اس بات کا مراقبہ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال سے باخبر ہے۔ اور ہمارے کردار کو وہ دیکھ رہا ہے، سارے اعمال کو درست بنا دینے کا ذریعہ ہے۔ دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ جہاں آخرت کی مسئولیت سے ذرا غفلت ہوتی ہے وہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ضائع ہونے کے مواقع پیش آجاتے ہیں اس لیے قرآن مجید میں بار بار اس بات کو دہرایا ہے کہ آخرت کی پیشی اور محاسبہ کو سامنے رکھیں۔

حِفْظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَىٰ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَنِينًا ﴿۲۴۸﴾

پابندی کرو نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی، اور کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے اس حال میں کہ عاجزی اختیار کیے ہوئے ہو۔

تمام نمازوں اور خاص کر صلوٰۃ وسطیٰ کی محافظت کا حکم

طلاق اور شوہر کی وفات سے متعلق بعض مسائل باقی ہیں۔ درمیان میں نمازوں کی پابندی کا حکم فرما دیا بندے جس حال میں بھی ہوں۔ اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوں اور خاص کر نمازوں کا خوب زیادہ اہتمام کریں۔ نماز سر اپا ذکر ہے، بار بار خالق کائنات جل مجدہ کی یاد کی طرف متوجہ کرتی ہے اور اللہ کی یاد ہی اس پورے عالم کی جان ہے، آدمی کیسی ہی مشغولیت میں ہو نماز سے غافل نہ ہو، اور ان نمازوں میں بھی صلاۃ وسطیٰ یعنی درمیان والی نماز کا اور زیادہ دھیان رکھے۔ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح ہے کہ صلاۃ وسطیٰ، (درمیان والی نماز) سے عصر کی نماز مراد ہے۔ اس نماز کا خصوصی دھیان رکھنے کے لیے اس لیے ارشاد فرمایا کہ عموماً تجارتی امور اور کاروبار اور بہت سے کام ایسے وقت میں سامنے آجاتے ہیں جبکہ نماز عصر کا وقت ہوتا ہے۔ مالوں کی خرید و فروخت کی گرم بازاری عصر ہی کے وقت ہوتی ہے، اس وقت میں نمازوں کی پابندی کرنے والے بھی نماز عصر سے غافل ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ نمازیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرض فرمایا ہے۔ جس نے اچھی طرح ان کا وضو کیا اور ان کو بروقت پڑھا اور ان کا رکوع و خشوع پورا کیا تو اللہ کے ذمہ یہ عہد ہے کہ وہ اس کی مغفرت فرما دے گا، اور جس نے ایسا نہیں کیا تو اس کے لیے اللہ کا کوئی عہد نہیں چاہے تو اسے بخش دے اور چاہے اسے عذاب دے۔ (رواہ ابو داؤد ص ۶۱)

(ج ۱) آخر میں فرمایا: ﴿وَقَوْمًا لِلَّهِ قِنْتَيْنِ﴾ لفظ قنٹین قنوت سے لیا گیا ہے۔ جو اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کی تفسیر کئی طرح سے کی گئی ہے۔ مطیعین، خاشعین، ساکتین، یہ سب اس کی تفسیریں ہیں۔ جو سب حضرات سلف سے مشہور ہیں۔ حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز کے اندر باتیں کر لیا کرتے تھے یہاں تک کہ آیت کریمہ ﴿وَقَوْمًا لِلَّهِ قِنْتَيْنِ﴾ نازل ہو گئی تو ہمیں خاموشی کا حکم ہوا اور آپس میں بات کرنے سے روک دیئے گئے۔ (رواہ البخاری ص ۶۵۰ ج ۲)

نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہی پڑھا جائے اور آپس میں باتیں نہ کی جائیں۔ حضرت مجاہد تابعی نے فرمایا کہ قنوت یہ ہے کہ رکوع لمبا ہو نظر پست ہو اور خشوع حاصل ہو اور یہ کہ کسی طرف التفات نہ کیا جائے، اور کنکریوں کو الٹ پلٹ نہ کیا جائے (جو بعض مسجدوں میں فرش پر پڑی رہتی تھیں) اور دنیاوی امور کے وسوسے اپنے دل میں نہ لائے، بعض حضرات نے قنٹین کی تفسیر کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے۔ مکملین الطاعة و متمیہا علی أحسن وجه من غیر اخلال بشیء مما ینبغی فیہا۔ کہ نہایت اچھے طریقہ پر طاعت کو درجہ کمال تک پہنچایا جائے اور جو چیزیں طاعت کے لیے چاہئیں ان میں سے کسی بھی چیز میں خلل نہ آنے دیا جائے۔ (روح المعانی ص ۱۰۷، ج ۲)

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَدِّرُوا اللَّهُ كَمَا عَلَيْكُمْ مَالٌ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۲۶﴾

پھر اگر تم کو خوف ہو تو کھڑے ہوئے یا سواری پر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ لیا کرو، پھر جب تم کو امن حاصل ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں سکھایا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

دشمنوں کا ہجوم ہو تو نماز کیسے پڑھی جائے

گزشتہ آیت میں تمام نمازوں کی پابندی اور خاص کر صلوٰۃ وسطیٰ کی پابندی کا حکم فرمایا۔ اس آیت میں خوف اور امن کے حالات میں نماز پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جہاں تک بھی ممکن ہو پانچوں نمازوں کو ہر حال میں اور ہر مقام میں ضرور پڑھیں۔ بعض مرتبہ دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اس موقع پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ باقاعدہ رکوع سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنا ممکن نہیں ہوتا ایسی صورت میں کھڑے کھڑے اشارہ ہی سے نماز پڑھ لیا کریں۔ زمین پر اترنے کا موقع نہ ہو تو سواری ہی پر پڑھ لیں۔ پھر جب امن ہو جائے اور اطمینان نصیب ہو جائے تو اسی طرح نماز پڑھو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے امن و اطمینان کے حالات میں نماز پڑھنے کی تعلیم دی ہے اگر دشمنوں کا ہجوم ہو اور کوئی صورت کسی طرح نماز پڑھنے کی بن نہ پڑے تو مجبوراً نماز مؤخر کر دے اور بعد میں قضا پڑھ لے۔ صحیح بخاری ص ۸۳ ج ۱ میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ جنگ خندق کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور کفار قریش کو برا کہنے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز نہیں پڑھ سکا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کی قسم میں نے بھی عصر نہیں پڑھی پھر وادی بطنان کی طرف توجہ فرمائی اور آپ نے وضو کیا اور ہم نے بھی وضو کیا اس کے بعد آپ نے عصر کی نماز پڑھی جبکہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مشرکین کو بددعا دیتے ہوئے) فرمایا اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے روک دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ (صحیح مسلم ص ۲۲۶ ج ۱)

وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنكُمُ وَيَدْرُؤُونَ أَرْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ

حَكِيمٌ ﴿۲۲۷﴾

اور جو لوگ وفات پا جائیں اور چھوڑ جائیں بیویوں کو وصیت کر دیں اپنی بیویوں کے لیے منتفع ہونے کی ایک سال تک اس طور پر کہ وہ گھر

سے نہ نکالی جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس بات میں جو وہ اپنی جانوں کے لیے قاعدہ کے مطابق کر لیں، اور اللہ عزت والا ہے، حکمت والا ہے۔

بیویوں کے لیے وصیت کرنا

زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تھا تو اس کی عدت ایک سال تھی، وہ ایک سال تک کسی کوٹھڑی میں پڑی رہتی تھی اور ایک سال کے بعد اس کوٹھڑی سے نکالتے تھے اور اس کی گود میں اونٹ کی بیگنیاں بھر دیتے تھے پھر اسے باہر گلی کوچے میں نکالتے تھے۔ وہ لوگوں پر بیگنیاں پھینکتی جاتی تھی اس سے لوگ سمجھ لیتے تھے کہ اس کی عدت ختم ہو گئی جیسا کہ صحیح بخاری ۸۰۳ ج ۲ اور صحیح مسلم ص ۲۸ ج ۱ اور سنن ابوداؤد ص ۳۱۲ ج ۱ میں مذکور ہے۔

اسلام میں ایسی عورت کی عدت چار ماہ دس دن مقرر فرمادی جس کا شوہر وفات پا جائے اور وہ حمل سے نہ ہو اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ اس آیت میں حکم فرمایا کہ مرنے والا اپنی بیویوں کا خیال رکھے موت سے پہلے اس بات کی وصیت کر دے کہ شوہر کے ترکہ سے ایک سال تک اس کو نان و نفقہ دیا جائے، لفظ ﴿مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ﴾ میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ یہ حکم پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا اور اس کے ساتھ یہ حکم تھا کہ وصیت میں یہ بھی شامل کر دیں کہ ایک سال تک اسے شوہر کے گھر سے نہ نکالا جائے، ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ میں اس حکم کو بیان فرمایا ہے۔ لیکن عورت کو اختیار تھا کہ اگر وہ چاہے تو مرنے والے شوہر کے گھر میں رہے اور چاہے تو اپنے ماں باپ کے یہاں چلی جائے ﴿فَإِنْ خَرَجْنَ﴾ میں اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔ یہ حکم آیت میراث نازل ہونے سے پہلے تھا۔ جب میراث کا حکم نازل ہو گیا اور اس کے بعد یہ حکم ہو گیا کہ میراث لے لے اور خرچہ اسی میں سے کرے۔ البتہ عدت پوری ہونے تک شوہر ہی کے گھر میں رہے نہ اس میں سے نکلے نہ نکالی جائے۔

وَلِلْمُطَلَّاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۲۳۱﴾ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۳۲﴾

اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے لیے فائدہ پہنچانا ہے اچھے طریقہ پر، یہ ضروری قرار دیا گیا ہے متقیوں پر، اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے اپنی آیات تاکہ تم سمجھو۔

مطلقہ عورتوں کو متعہ دینے کی تاکید

جن عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدی جائے اور مہر مقرر نہ کیا گیا ہو ان کے لیے متعہ دینے کا حکم عنقریب گزر چکا ہے۔ اس آیت میں فرمایا کہ طلاق دی ہوئی عورتوں کے لیے نفع پہنچانا ہے، اس سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں بعض مفسرین نے تو یہ فرمایا ہے کہ اس سے پہلے جن عورتوں کو متعہ یعنی تین کپڑے دینے کا حکم ہوا تھا اس کو یہاں بطور تاکید دوبارہ بیان فرمایا ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۱۶۰ ج ۲ لکھتے ہیں کہ اس کی تعیین اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن جریر نے ابن زید سے روایت کی ہے اور وہ یہ کہ جب لفظ ﴿حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ نازل ہوا تو ایک شخص نے کہا کہ یہ تو احسان اور سلوک کی بات ہوئی۔ (یعنی تبرع والا معاملہ ہوا) چاہے عمل کروں چاہے نہ کروں۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ﴿حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ فرمایا، جس سے ظاہر ہوا کہ جو شخص اس پر عمل نہیں کرے گا وہ گناہ گار ہوگا۔

بعض مفسرین نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے عدت کے زمانہ میں نان و نفقہ مراد ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بھی نفع پہنچانے میں شامل ہے اور لفظ متاع کو اور زیادہ عام لیا جائے تو اس میں وہ سب احکام داخل ہو جاتے ہیں جو مطلقہ عورتوں سے متعلق ہیں جس میں بعض صورتوں میں پورے مہر کی ادائیگی اور بعض صورتوں میں نصف مہر کی ادائیگی واجب ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اگر بیوی کا مہر ادا نہیں کیا ہے تو یہ نہ سمجھے کہ اب تو

میری بیوی رہی ہی نہیں اب کیا لینا دینا ہے بلکہ اب تو مہر کی ادائیگی کی فرضیت اور زیادہ مؤکد ہو گئی کیونکہ جب تک نکاح میں تھی تو معاف کر دینے کا بھی احتمال تھا اب کیوں معاف کرنے لگی۔ لہذا اب جلدی ادائیگی کر کے سبکدوش ہو جائے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۳﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَابِقٌ عَلَيْهِمُ ﴿۳۴﴾

تو نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے اور وہ تعداد میں ہزاروں تھے، پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ مر جاؤ، پھر ان کو زندہ فرما دیا، بے شک اللہ ضرور فضل والا ہے لوگوں پر، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ اور قال کرو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ بے شک اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔

بنی اسرائیل کا ایک واقعہ

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ معالم التنزیل ص ۲۲۳ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ اکثر اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک بستی جس کا نام داوردان تھا اس میں طاعون واقع ہو گیا، اس موقع پر ایک جماعت وہاں سے نکل گئی اور ایک جماعت بستی میں رہ گئی۔ جو لوگ بستی میں رہ گئے تھے ان میں سے اکثر ہلاک ہو گئے اور جو لوگ بستی چھوڑ کر چلے گئے تھے وہ صحیح سلامت رہے اور پھر بستی میں آ گئے، جو لوگ بستی میں رہ گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے یہ ساتھی ہم سے زیادہ ہوشیار رہے۔ آئندہ ہم ایسی زمین کی طرف نکل جائیں گے جہاں وباء نہ ہو چنانچہ آئندہ سال طاعون واقع ہوا تو بستی کے تقریباً سب ہی لوگ چلے گئے اور ایک وسیع میدان میں قیام کر لیا، اس میں میدان میں نجات پانے کی نیت سے قیام کیا تھا لیکن ہوا یہ ایک فرشتہ نے اوپر کے حصہ سے اور ایک فرشتہ نے میدان کے نچلے والے حصہ سے پکارا اور کہا کہ **مُوتُوا** کہ تم سب مر جاؤ، چنانچہ وہ سب مر گئے۔

دوسرا قول علامہ بغوی نے یہ نقل کیا ہے کہ جو لوگ گھروں سے نکلے تھے یہ لوگ جہاد سے فرار ہوئے تھے جس کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے ان کو حکم دیا تھا کہ دشمن سے جنگ کے لیے نکلیں ان لوگوں نے اول تو لشکر تیار کر لیا لیکن پھر ان پر بزدلی سوار ہو گئی اور موت سے جان چھڑانے لگے، لہذا انہوں نے ایک حیلہ بنایا اور اپنے بادشاہ سے کہا کہ جس سرزمین میں جہاد کرنے کے لیے ہم کو جانے کا حکم ہوا ہے اس میں وبا پھیلی ہوئی ہے۔ جب وبا ختم ہو جائے گی تو ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان پر موت بھیج دی، جب وہیں ان کی بستی میں موتیں ہونی شروع ہوئیں تو وہ موت کے ڈر سے گھروں کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ جب بادشاہ نے یہ منظر دیکھا تو بارگاہ خداوندی میں اس نے دعا کی کہ اے اللہ! آپ ان کو کوئی ایسی نشانی دکھا دیجیے جس سے یہ سمجھ لیں کہ موت سے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں، اور فرار موت سے نہیں بچا سکتا۔ چنانچہ جب وہ بستیوں سے نکلے تو اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا **موتوا** (مر جاؤ) اور یہ بطور عقوبت و سزا کے فرمایا۔ چنانچہ وہ لوگ مر گئے، ان کے جانور بھی مر گئے اور ان واحد میں سب کو موت آ گئی۔ جیسے شخص واحد کی موت ہو، وہ آٹھ دن تک اسی طرح پڑے رہے، یہاں تک کہ نعشیں ان کی پھول گئیں۔ ان کی طرف لوگ نکلے تو اتنی کثیر تعداد کو دفن کرنے سے عاجز آ گئے۔ لہذا انہوں نے ان کے چاروں طرف احاطہ بنا دیا تا کہ درندے نہ پھاڑ ڈالیں اور ان کو اسی حالت میں چھوڑ دیا، حضرت حزقیل علیہ السلام جو اس زمانے کے نبی تھے وہ ان لوگوں پر گزرے تو کھڑے ہو گئے اور تعجب سے غور فرمانے لگے، اللہ جل شانہ نے ان کی طرف وحی بھیجی کیا میں تمہیں کوئی نشانی دکھاؤں عرض کیا، ہاں دکھائیے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو زندہ فرما دیا، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام نے ان کے زندہ کرنے کے لیے دعا کی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما دیا، جب وہ لوگ زندہ ہو گئے تو ان کی زبان سے یہ کلمات نکلے۔

﴿سُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّنَا وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ﴾ (اے اللہ اے ہمارے رب ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں) زندہ ہو کر یہ لوگ اپنی قوم میں چلے گئے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بطور سزا کے موت دیدی تھی۔ کیونکہ موت سے بھاگے تھے پھر باقی عمریں پوری کرنے کے لیے زندہ کر دیے گئے، اگر ان کی عمریں ختم ہو چکی ہوتیں تو دوبارہ زندہ نہ کیے جاتے۔

یہ لوگ مقدار میں کتنے تھے جو موت کے بعد زندہ ہوئے اس کے بارے میں علامہ بغوی رضی اللہ عنہ نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں ۳ ہزار، ۴ ہزار، آٹھ ہزار، دس ہزار، تیس ہزار سے کچھ اوپر، چالیس ہزار، ستر ہزار۔ علامہ بغوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے دس ہزار سے زیادہ کہا وہ قول زیادہ مناسب ہے کیونکہ لفظ الوف جمع کثرت ہے جس کا دس ہزار سے کم پر اطلاق نہیں ہوتا۔

یہ جو کچھ معالم التنزیل سے نقل کیا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی کتب تفسیر میں کچھ واقعات نقل کیے گئے ہیں۔ بظاہر یہ سب واقعات اسرائیلیات ہیں اور ان قصوں کے جاننے پر قرآن کا مفہوم سمجھنا موقوف بھی نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے ایک واقعہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں انسانوں کو موت دیدی پھر ان سب کو زندہ فرمادیا، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسے موت دینے اور پھر زندہ کرنے پر قدرت ہے۔ ایک جان کی موت و حیات اور ہزاروں جانوں کی موت و حیات اس کے لیے سب برابر ہیں۔ آن واحد میں وہ ہزاروں افراد کو موت دے سکتا ہے اور زندہ بھی کر سکتا ہے۔ اس واقعہ میں خاص کر بنی اسرائیل کے لیے تذکیر ہے کیونکہ انہیں اپنے خاندان کے واقعات یاد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو امی تھے۔ آپ کو ان باتوں کا پتہ نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو باتیں بتائی ہیں۔ اور یہ آپ کی نبوت کے دلائل میں سے روشن دلیل ہے۔ دوسری آیت میں یہ جو فرمایا کہ اللہ کی راہ میں قتال کرو اس کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کو خطاب ہے جو موت کے بعد زندہ کیے گئے تھے۔ اور یہ بات ان مفسرین کے بیان سے جوڑ بھی کھاتی ہے جنہوں نے فرمایا کہ ان لوگوں نے جہاد سے بچنے کے لیے راہ فرار اختیار کی تھی، اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ اس میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا ہے اور ان کو جہاد کا حکم دیا ہے اس قول کے مطابق بنی اسرائیل کے واقعہ کو حکم جہاد کی تمہید کہا جاسکتا ہے کہ جہاد میں شریک ہونے سے موت کا خوف مانع نہ ہونا چاہیے موت کے ڈر سے بھاگنا موت سے بچا نہیں سکتا۔ بنی اسرائیل کے ہزاروں آدمی بھاگ کھڑے ہوئے تھے لیکن موت نے ان کو نہ چھوڑا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا آخرت کے بہت بڑے اجر و ثواب اور اعلائے کلمۃ اللہ کا ذریعہ ہے جو جہاد نہ کرے گا موت اس کو بھی آئے گی پھر کیوں اجر و ثواب کو کھوئے۔ بعض اہل تفسیر کے قول کے مطابق وہ لوگ طاعون سے بھاگے تھے جو بنی اسرائیل کے لیے عذاب تھا اور اس امت کے لیے رحمت ہے ہمارے نبی فخر الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

طاعون ایک عذاب ہے اللہ جس پر چاہتا ہے اسے بھیج دیتا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اسے مومنین کے لیے رحمت بنایا ہے، جو بھی کوئی شخص کسی ایسی جگہ موجود ہو جہاں طاعون واقع ہو گیا ہو اور صبر کرتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے وہیں ٹھہرا رہے کہ مجھے اس کے سوا کچھ (ضرر) نہیں پہنچ سکتا جو اللہ نے میرے لیے لکھ دیا ہے، تو ایسے شخص کے لیے ایک شہید کا ثواب ہے (رواہ البخاری ص ۸۵۳ ج ۲)

یہ تو اس شخص کے لیے ہے جو طاعون کی جگہ ثابت قدم رہا۔ وہاں سے گیا نہیں اور طاعون میں مبتلا نہ ہوا۔ صبر و استقامت کی وجہ سے اسے شہید کا ثواب ملے گا اور جو شخص طاعون میں مر گیا وہ بھی شہیدوں میں شمار ہے۔ (کما رواہ البخاری ص ۸۵۳ ج ۲)

حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سنو کہ کسی سرزمین میں طاعون ہے وہاں نہ جاؤ اور جب کسی ایسی سرزمین میں طاعون آجائے جہاں تم موجود ہو تو اس سے بھاگنے کے لیے مت نکلتا۔ (رواہ البخاری ص ۸۵۳ ج ۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص طاعون سے بھاگے وہ ایسے ہے، جیسے میدان جہاد سے بھاگا اور جو صبر کرتے ہوئے وہیں رہے اس کے لیے ایک شہید کا ثواب ہے۔ (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص ۱۳۹ ج ۱)

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعَّهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ

إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۲۵﴾

کون ہے جو قرض دے اللہ کو قرض حسن، پھر اللہ اس کے لیے اضافہ فرمادے چند در چند بہت سے اضافے فرما کر، اور اللہ تنگی فرماتا ہے اور کشادہ فرماتا ہے، اور اس کی طرف لوٹا دیئے جاوے۔

اللہ کی رضا کے لیے صدقہ خیرات کرنے کی فضیلت

لباب النقول میں اس آیت کریمہ کا سبب نزول بتاتے ہوئے بحوالہ ابن حبان وغیرہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب آیت شریفہ ﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ﴾ (آخر تک) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا ﴿رَبِّ زِدْنِي﴾ (یعنی اے میرے رب میری امت کو اور زیادہ عطا فرما) اس پر آیت ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ نازل ہوئی۔ اس آیت میں اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے استفہام کا طریقہ اختیار فرمایا ہے (جو ترغیب کا بہت عمدہ طریقہ ہے) کہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دیتا ہے۔ قرض کا معنی تو سب ہی جانتے ہیں اور حسن اچھے کے معنی میں آتا ہے۔

صاحب روح المعانی ص ۱۶۲ ج ۲ لکھتے ہیں کہ اخلاص کے ساتھ خرچ کرنا اور حلال اور طیب مال خرچ کرنا یہ سب قرض حسن کے عموم میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ محتاج نہیں ہے سب کچھ اسی نے پیدا فرمایا اور سب اسی کی ملکیت ہے۔ جو لوگ مجازی مالک ہیں وہ اور ان کے اموال سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ شانہ کا کتنا بڑا فضل ہے اور شان کریمانہ ہے کہ اس کے دیئے ہوئے میں سے جو شخص اس کی مخلوق پر خرچ کرے جو خرچ کرنے والے کی اپنی جنس ہے حتیٰ کہ اپنے اوپر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے اور اس میں ثواب سمجھے تو اس کا نام قرض رکھ دیا اور پھر جتنا دیا ہے اس سے بہت زیادہ عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا جس کو آیت میں ﴿أَضْعَافًا كَثِيرَةً﴾ فرمایا ہے، کسی نے کیا خوب کہا!

مال عالم ملک تست مالک مملوک تو

باوجود اس بے نیازی اقرضوا اللہ کفیت

صحیح بخاری ص ۱۸۹ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص ایک کھجور کے برابر حلال مال سے صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ صرف حلال ہی کو قبول فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالتا ہے پھر اس کی تربیت فرماتا ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے بچہ کی تربیت کرتا ہے اور وہ ذرا سا صدقہ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

صحیح مسلم ص ۲۵۸ ج ۲ میں ہے کہ روزانہ رات کو جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کون ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اس کو دے دوں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت مانگے میں اس کی مغفرت کروں، کون ہے جو ایسے کو قرض دے جس کے پاس سب کچھ ہے اور جو ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ صبح تک یوں ہی فرماتے رہتے ہیں۔ یہ جو فرمایا کہ کون ہے جو ایسے کو دے جس کے پاس سب کچھ ہے اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے مال کی حاجت نہیں ہے اس کی ملکیت میں سب کچھ ہے، کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ضرورت مند کو دے رہا ہوں، بلکہ اپنا فائدہ سمجھ کر اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ اور یہ جو فرمایا کہ وہ ظلم کرنے والا نہیں ہے اس میں یہ بتایا کہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے ضائع نہ جائے گا اس کے مارے جانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ اللہ تعالیٰ تنگی کرتا ہے اور کشادہ فرماتا ہے اور اس کی طرف لوٹائے جاوے۔

اللہ تعالیٰ جس کو جتنا چاہے دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس کی روزی تنگ کر دے اس کا بھی اختیار ہے اس پر کوئی پابندی لگانے والا نہیں۔ کسی کو زیادہ دینا اور دے کر کم کر دینا سب اسی کے قبضہ و قدرت میں ہے اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔ سورہ بنی

اسرائیل میں فرمایا ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّكَ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا﴾ (بلاشبہ تیرا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق عطا فرماتا ہے اور تنگی فرما دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے دیکھنے والا ہے) یہ مضمون سورۃ العنکبوت رکوع ۶ اور سورۃ سبأ رکوع ۴ اور رکوع ۵ میں بھی مذکور ہے۔ آخر میں یہ جو فرمایا ﴿وَالْيَهُ تَرْجَعُونَ﴾ اس میں یہ بتایا کہ اللہ کے لیے خرچ کیا ضائع نہیں ہے۔ جب اللہ کے یہاں پہنچو گے، سب کا ثواب پالو گے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ مَن بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيِّنَا لِمَ ابْعَثْ لَنَا مَلَكًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۗ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاؤُنَا ۗ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۳۳﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلَكًا ۗ قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۗ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۗ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۳۴﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُم إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۳۵﴾

کیا آپ کو بنی اسرائیل کی ایک جماعت کا قصہ معلوم ہے جو موسیٰ کے بعد پیش آیا، جب انہوں نے اپنے نبی سے عرض کیا کہ مقرر کر دیجیے ہمارے لیے ایک بادشاہ تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں، انہوں نے فرمایا کیا ایسا ہوگا کہ اگر تم پر قتال فرض کیا گیا تو تم قتال نہ کرو؟ وہ کہنے لگے اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں حالانکہ ہم نکال دیئے گئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے بیٹوں کے پاس سے، پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا تو پھر گئے سوائے ان میں سے تھوڑے لوگوں کے، اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے، اور کہا ان سے ان کے نبی نے بے شک اللہ نے مقرر فرمایا تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ وہ کہنے لگے کہ ان کو ہم پر حکمران ہونے کا حق کیسے پہنچتا ہے حالانکہ ہم ان سے زیادہ حکمرانی کے مستحق ہیں اور ان کو مالی گنجائش نہیں دی گئی، ان کے نبی نے کہا کہ بے شک اللہ نے ان کو تم پر حکمرانی کے لیے منتخب فرمایا ہے، اور ان کو علم میں اور جسم میں فراخی عطا فرمائی ہے۔ اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا ہے علم والا ہے۔ اور کہا ان سے ان کے نبی نے کہ بلاشبہ ان کے حکمران ہونے کی یہ نشانی ہے کہ آجائے گا تمہارے پاس تابوت جس میں تسکین ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جنہیں چھوڑا تھا آل موسیٰ اور آل ہارون نے جس کو فرشتے اٹھا کر لے آئیں گے۔ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان والے ہو۔

بنی اسرائیل کا ایک واقعہ اور طالوت کی بادشاہت کا ذکر

ان آیات کریمہ میں بنی اسرائیل کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے۔ پورا واقعہ پارہ کے ختم کے قریب تک بیان ہوا ہے۔ اس واقعہ میں بنی

اسرائیل کے لیے جہاں تذکیر نعمت ہے وہاں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے لیے بھی بہت سی عبرتیں ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انہی کی قوم میں سے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے جو یکے بعد دیگرے آتے رہے، حضرت یوشع، حضرت شمعون، شمویل اور حضرت کالب بن یوقنا اور حضرت حزقیل علیہم السلام کے اسماء گرامی لکھے ہیں۔ یہ حضرات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تبلیغ اور تورات کے مضامین بیان فرماتے تھے۔ بنی اسرائیل میں شدہ شدہ بے دینی بلکہ بددینی تک آگئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط فرمادیا۔ جو جالوت کی قوم میں سے اور عمالقمہ میں سے تھے اور بحر روم کے ساحل پر مصر و فلسطین کے درمیان رہتے تھے۔ یہ لوگ بنی اسرائیل پر غالب ہو گئے۔ ان کی زمین چھین لی اور ان کی اولاد کو جن میں ان کے بادشاہوں کی نسل کے لوگ بھی تھے قید کر لیا اور ان پر جزیہ لگا دیا، بنی اسرائیل اس موقع پر بہت ہی زیادہ مصیبت اور سختی میں مبتلا رہے کوئی ایسا نہ رہا جو ان کا قائد اور مدبر ہوتا۔ جب بہت زیادہ دکھ اور تکلیف میں مبتلا ہوئے تو اس زمانہ میں جو ان کے نبی تھے۔ (اور اسی مصیبت کے زمانہ میں وہ پیدا ہوئے اور بڑے ہو کر نبوت سے سرفراز ہوئے) ان کی خدمت میں بنی اسرائیل نے عرض کیا کہ اللہ پاک کی طرف سے آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کرادیں تاکہ ہم ان کے ساتھ مل کر دشمنوں سے جہاد کریں اور ان کو اپنے علاقوں سے نکال دیں (چونکہ بنی اسرائیل کو سیاسی حالات میں بادشاہوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی عادت تھی اس لیے انہوں نے ایسا سوال کیا) جب ان لوگوں نے کسی کو بادشاہ بنانے کا سوال کیا اور دشمنوں سے جہاد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ان کے نبی نے جو ان کے حال اور حال کو جانتے تھے خطرہ ظاہر کیا اور فرمایا کہ تم سے تو یہ امید ہے کہ قتال فرض ہو گیا تو جنگ سے دور بھاگو گے اور لڑائی سے جان چھڑاؤ گے اس پر وہ کہنے لگے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں۔ جنگ نہ لڑنے کا کوئی سبب نہیں بلکہ لڑنے کا سبب موجود ہے اور وہ یہ کہ دشمن نے ہم پر تسلط کر رکھا ہے اس کی وجہ سے ہم اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے ہیں اور اپنی اولادوں سے دور کر دیئے گئے ہیں۔ باتیں تو بڑھ چڑھ کر کر رہے تھے لیکن جب قتال فرض ہو گیا تو وہ خطرہ سامنے آ گیا جو ان کے نبی کو تھا اور تھوڑے لوگوں کے علاوہ باقی سب ارادوں اور وعدوں سے پھر گئے اور جنگ کرنے سے منہ موڑ لیا۔ اللہ جل شانہ نے ان کی درخواست پر حضرت طالوت کو بادشاہ بنا دیا اور ان کے نبی نے اس کا اعلان کر دیا، عمل اور کارگزاری حضرت طالوت کی تھی اور مشورہ اور رہبری ان کے نبی کی تھی۔ بعض مفسرین نے فرمایا یہ نبی جن سے مذکورہ بالا درخواست کی تھی شمعون علیہ السلام تھے۔

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی درخواست پر حضرت طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا گیا تو اپنی روایتی کجروی کے باعث اسی طرح کی الٹی باتیں کیس جیسا کہ ان کا مزاج تھا اور پرانا طریقہ کار تھا۔ ان کی اس طرح کی باتیں ذبح بقرہ کے واقعہ کے سلسلہ میں گزر چکی ہیں۔ حضرت طالوت کی بادشاہت کا اعلان سننے کے بعد کہنے لگے کہ یہ شخص ہمارا بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے اس کے پاس پیسہ ہے نہ کوڑی، اس سے زیادہ تو ہم بادشاہ بننے کے مستحق ہیں اپنی جہالت سے وہ اللہ تعالیٰ شانہ کو بھی رائے دینے لگے کہ اس کے بجائے ہم میں سے کوئی پیسہ والا بادشاہ ہونا چاہئے، اور یہ انسان کا عجیب مزاج ہے کہ وہ پیسے والے کو بڑا آدمی سمجھتا ہے خواہ کیسا ہی بے علم اور نا سمجھ اور بخیل ہو۔

ان کے نبی نے ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو منتخب فرمایا ہے تم پر ان کو ترجیح دے دی اور حکومت کے لیے جس چیز کی ضرورت ہے وہ اس میں پوری طرح موجود ہے حکومت کے لیے علم ہونا چاہئے جس کے ذریعہ وہ تدبیر امور کر سکے اور دشمنوں سے نمٹ سکے اور ساتھ ہی جسمانی قوت بھی ہونی چاہئے علم کی تدبیر اور جسم کی قوت سے ہمت ہوتی ہے اور حوصلہ بلند ہوتا ہے اور دشمنوں پر غلبہ پانے کے لیے انہی چیزوں کی ضرورت ہے۔ اور یوں بھی اللہ کو اختیار ہے وہ جس کو چاہے حکومت اور مملکت عطا فرمائے، تمہیں اعتراض کا کیا حق ہے اور اللہ کے فیصلہ کے خلاف تم رائے دینے والے کون ہو اسے معلوم ہے کہ حکومت ملنے پر کوئی کیا کرے گا اور کیسا ثابت ہوگا۔ ﴿وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ ایک نبی کا فرمانا بات ماننے کے لیے اور حضرت طالوت کو بادشاہ تسلیم کرنے کے لیے کافی تھا۔ لیکن ان کے نبی نے حضرت طالوت کی بادشاہت کا ثبوت دینے کے لیے ایک نشانی بھی بیان فرمائی اور وہ یہ کہ تمہارے پاس وہ تابوت آئے گا جو تمہارے لیے باعث اطمینان و سکون ہوگا۔ اس تابوت میں ان چیزوں کا بقیہ ہوگا جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام نے چھوڑی تھیں چنانچہ وہ تابوت ان لوگوں کے پاس آ گیا جسے فرشتے اٹھائے

ہوئے تھے، دشمنوں نے ان سے چھین لیا تھا جب یہ تابوت ان کے پاس تھا تو دشمنوں سے جنگ کرتے وقت اس کو سامنے رکھا کرتے تھے اور اس کے ذریعہ دشمن پر فتح یابی حاصل کر لیتے تھے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے جو چیزیں چھوڑیں تھیں ان کا بقیہ کیا تھا جو اس تابوت میں تھا۔ ان کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ توراہ شریف کی دو تختیاں تھیں اور ان تختیوں کا کچھ چورا تھا جو ٹوٹ گئی تھیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا اور حضرت ہارون علیہ السلام کی پگڑی تھی، اور کچھ من بھی تھا جو سلویٰ کے ساتھ بنی اسرائیل پر نازل ہوا کرتا تھا، اس تابوت کا ان کے پاس فرشتوں کا لیکر آنا اور دوبارہ واپس مل جانا اس بات کی صریح دلیل تھی کہ حضرت طالوت کو واقعی اللہ تعالیٰ نے بادشاہ بنایا ہے۔ فرشتے یہ تابوت لائے اور حضرت طالوت کے سامنے رکھ دیا لیکن بنی اسرائیل سے پھر بھی یہ بعید نہ تھا کہ انکار کر بیٹھیں اس لیے ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ (تمہارے لیے اس میں نشانی ہے اگر تم مومن ہو)۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُّلقُوا اللَّهَ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَاتَّهَى اللَّهُ الْمُلُوكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مَبَايِشَاءً ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥١﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٥٢﴾

طالوت لشکروں کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ذریعہ آزمانے والا ہے، سو جس نے اس میں سے پی لیا وہ مجھ سے نہیں ہے اور جس نے اس میں سے نہ پیا تو وہ مجھ سے ہے سوائے اس شخص کے جس نے اپنے ہاتھ سے ایک چلو پی لیا، پھر تھوڑے سے افراد کے علاوہ سب نے اس میں سے پی لیا پھر جب آگے بڑھے طالوت اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے تو کہنے لگے کہ آج ہمیں جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے، جو لوگ اللہ کی ملاقات کا یقین رکھتے تھے وہ کہنے لگے کتنی ہی کم تعداد جماعتیں اللہ کے حکم سے بھاری تعداد والی جماعتوں پر غالب ہو چکی ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب یہ لوگ جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلہ کے لیے نکلے تو عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ، اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ سو ان کو شکست دے دی اللہ کے حکم سے اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو اور اللہ نے ان کو ملک دے دیا اور حکمت عطا فرمادی، اور ان کو جو کچھ چاہا علم دے دیا اور اگر نہ ہوتا اللہ کا دفع فرمانا لوگوں کو بعض کو بعض کے ذریعہ تو زمین میں فساد ہو جاتا اور لیکن اللہ جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے۔ یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں اور بلاشبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔

طالوت کے لشکر کا عمالقہ پر غالب ہونا اور جالوت کا مقتول ہونا

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت طالوت کو بنی اسرائیل کا حکمران مقرر کر دیا گیا اور ان کے نبی کی خبر کے مطابق مذکورہ تابوت فرشتے لے کر آگئے تو اب بنی اسرائیل کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہی، اور جہاد کرنے کے لیے نکلنا پڑا۔ جب دشمن سے جنگ کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت طالوت نے اپنے لشکروں سے فرمایا کہ تم لوگوں کا امتحان ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو بتلا فرمائے گا اور یہ ابتلا اور امتحان ایک پانی کی نہر کے ذریعہ ہوگا، چونکہ گرمی سخت تھی اور پیاس سے بے تاب ہو رہے تھے اس لیے اکثر افراد امتحان میں ناکام ہو گئے۔ مفسرین نے لکھا ہے یہ نہر فلسطین تھی اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اردن اور فلسطین کے درمیان کوئی نہر تھی جس کا پانی میٹھا تھا، حضرت طالوت نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ دیکھو اس میں چلو بھر پانی پینے تک تو بات ٹھیک ہے جس نے چلو بھر پانی پی لیا وہ تو میرا ساتھی ہے میرے آدمیوں میں ہے اور جس نے زیادہ پانی پی لیا وہ مجھ سے نہیں ہے میری جماعت میں اس کا شمار نہیں، چونکہ اکثر افراد نے خوب پانی پی لیا تھا اس لیے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور جی چھوڑ بیٹھے اور ہمت ہار گئے اور کہنے لگے ہم تو آج اپنے دشمن جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔ ہماری بساط نہیں کہ ہم ان سے لڑ سکیں۔ مفسرین نے لکھا ہے جو لوگ طالوت کے ساتھ روانہ ہوئے تھے وہ ستر یا اسی ہزار تھے ان میں سے تھوڑے ہی رہ گئے جنہوں نے پانی نہیں پیا، جن لوگوں نے پانی نہیں پیا تھا ان کی تعداد تین سو تیرہ لکھی ہے۔ یہ تھوڑا سا ایک چلو پانی جن لوگوں نے پیا اللہ نے اتنے ہی پانی کو ان کے لیے کافی فرمادیا ان کی پیاسیں اس سے بجھ گئیں اور جن لوگوں نے ڈٹ کے پانی پی لیا تھا وہ وہیں نہر کے کنارے پھیل گئے اور بزدل ہو کر گر پڑے، جو لوگ حضرت طالوت کے ساتھ آگے بڑھے اور دشمن کی طرف پیش قدمی کی وہ دشمن کے مقابلے میں بہت تھوڑے تھے لیکن انہیں یقین تھا کہ ہمیں اللہ کے پاس جانا ہے۔ میدان جہاد سے بھاگنا مؤمن کا شیوہ نہیں۔ ہمیں جہاد کرنا ہی کرنا ہے۔ رہا ہماری جماعت کا کم تعداد ہونا تو اللہ کی مدد کی امید رکھنے والوں کے لیے یہ بات سوچنے کی نہیں ہے۔ بہت سی کم تعداد جماعتیں بڑی بھاری تعداد والی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب ہو چکی ہیں، صبر و ثابت قدمی اللہ کی مدد کو لانے والی ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت طالوت کا لشکر دشمن سے جہاد کرنے کے لیے جارہا تھا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے ایک تھیلے میں چند پتھر رکھ لیے تھے جب دونوں فریق مقابل ہوئے تو جالوت نے کہا تم لوگ اپنے میں سے ایک شخص نکالو جو مجھ سے جنگ کرے اگر اس نے مجھے قتل کر دیا تو میرا ملک تمہارا ہو جائے گا۔ اور میں نے قتل کر دیا تو تمہارا ملک میرے ملک میں شامل ہو جائے گا۔ حضرت طالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو جالوت کے مقابلہ کے لیے روانہ کرنا چاہا اور ان کو ہتھیار پہنا دیئے، حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس سے جنگ کرنے کے لیے ہتھیار پہننا منظور نہیں ہے۔ اصل اللہ کی مدد ہے اگر اللہ نے مدد نہ فرمائی تو کوئی ہتھیار کام نہیں دے سکتا۔ یہ کہہ کر جالوت سے مقابلہ کرنے کے لیے نکلے۔ جالوت نے کہا کہ تم مجھ سے مقابلہ کرو گے انہوں نے فرمایا کہ ہاں، جالوت نے کہا تم تو یہ پتھر اور غلیل لے آئے ہو جس سے کتے کو مارا جاتا ہے، حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تو اللہ کا دشمن ہے کتے سے بھی بدتر ہے یہ کہہ کر اپنی غلیل سے ایک پتھر مارا جو اس کی آنکھوں کے درمیان لگا اور دماغ میں گھس گیا۔

اس سے جالوت کا کام تمام ہوا اور اس کے لشکر نے شکست کھائی۔ جالوت جو ان کا دشمن تھا اور قوم عمالقہ کا بادشاہ تھا اس سے اور اس کے لشکروں سے آمنہ سامنا ہوا، دونوں فریق صف آرا ہوئے تو حضرت طالوت کے ساتھیوں نے اللہ تعالیٰ سے صبر کی اور ثابت قدمی کی اور کافروں کے مقابلہ میں فتح یاب ہونے کی دعا کی، جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں جالوت اور اس کے لشکروں کو شکست ہوئی، اس جہاد میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی شریک تھے۔ ان کے ہاتھ سے جالوت قتل ہوا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حکومت عطا فرمادی جس کا ذکر سورہ صہن کے پہلے رکوہ میں فرمایا ہے۔ حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ ملک سے حکومت اور حکمت سے نبوت مراد ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو دونوں سے سرفراز فرمایا، صاحب روح

المعانی ص ۷۳ ج ۲ لکھتے ہیں کہ ان کے زمانہ کے جو نبی تھے ان کی وفات کے بعد اور طالوت کی وفات کے بعد ان کو نبوت اور بادشاہت دی۔ جس کا اجمالی طور پر ﴿وَعَلَّمَہُم مِّمَّا يَشَاءُ﴾ میں تذکرہ فرمایا ہے۔ مذکورہ قصہ جہاد بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿وَلَوْ لَا دَفَعُ اللّٰهُ النَّاسَ بَعْضُہُمْ بَبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لَکِنَّ اللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ﴾ (کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ فرماتا تو زمین فسادواگی ہو جاتی اور لیکن اللہ تعالیٰ جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے) وہ قوت اور شوکت والوں کی طاقت کو دوسرے لوگوں کے ذریعہ دفع فرماتا رہتا ہے اور ظالمین تباہ ہوتے رہتے ہیں۔ اگر کسی ایک ہی علاقہ یا ایک ہی قوم کی قوت و شوکت ہمیشہ رہتی تو وہ ساری دنیا کو مصیبت میں ڈال دیتے اور سب کو مقہور و مجبور بنا لیتے اور ہمیشہ طغیانی سرکشی کرتے رہتے۔

آخر میں فرمایا ”کہ یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں اور بلاشبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔“ چونکہ آنحضرت ﷺ نے نہ کتابیں پڑھیں تھیں، نہ پرانی تاریخیں سنی تھیں۔ اس لیے ان واقعات کا علم ہو جانا اور لوگوں کو بتانا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بتایا گیا ہے۔ قال صاحب الروح قوله (وانك لمن المرسلین) حیث تخبر بتلك الآیات و القرون الماضیة علی ماہی علیہ من غیر مطالعة کتاب ولا اجتماع بأحد یخبر بذلك۔ (ص ۱۷۵ ج ۲)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۗ وَ اٰتَيْنَا عِيسٰى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتَ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ وَ لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيْتُ وَاٰتٰنَا لٰكِن اٰخْتَلَفُوْا فِیْہُمْ مِّنْ اٰمَنٍ وَ مِنْہُمْ مَّنْ كَفَرَ ۗ وَ لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَاٰتٰنَا لٰكِن اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ۙ

یہ رسول ہیں ہم نے فضیلت دی ان میں بعض کو بعض پر، ان میں بعض سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کو درجات کے اعتبار سے بلند فرمایا، اور ہم نے دیے عیسیٰ بن مریم کو کھلے کھلے معجزات، اور ہم نے ان کی تائید کی روح القدس کے ذریعہ، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ نہ کرتے جو ان کے بعد تھے، اس کے بعد کہ آئے ان کے پاس کھلے ہوئے معجزات، لیکن انہوں نے آپس میں اختلاف کیا سو ان میں سے بعض وہ تھے جو ایمان لائے اور بعض وہ تھے جنہوں نے کفر کیا، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ نہ کرتے لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فرق مراتب

لفظ تلك اسم اشارہ ہے اس کا مشار الیہ المرسلین ہے، یعنی یہ پیغمبر جن کا ذکر ابھی ابھی ہوا، ان کو ہم نے آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت دی کہ بعض کو ایسی منقبت سے متصف فرمادیا جو بعض دوسروں میں نہیں تھی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے تفصیل بالشرائع مراد ہے۔ ان میں سے بعض کو مستقل شریعت دی تھی اور بعض کو سابق نبی ہی کی شریعت کا مویذ و مبلغ بنایا، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں (ص ۲ ج ۲)، پہلے قول کی تائید ﴿مِنْہُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ﴾ سے ہوتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے بعض ایسے حضرات تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو سب ہی کلیم اللہ کے نام سے جانتے ہیں۔ سورۃ النساء میں فرمایا ﴿وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِیْمًا﴾ اور اس کلام سے بلا واسطہ کلام مراد ہے جس میں فرشتے کا واسطہ نہیں تھا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام ان حضرات میں شامل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام فرمایا۔

انبیاء کرام ﷺ کی ایک دوسرے پر فضیلت بیان کرتے ہوئے ﴿وَرَفَعَ بَعْضُهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ بھی فرمایا یعنی بعض انبیاء کے درجات دوسرے بعض انبیاء کے مقابلہ میں زیادہ بلند فرمائے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں بَعْضُهُمْ سے سرور عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ، نے آپ کو وہ خواص علمیہ و عملیہ عطا فرمائے کہ زبانیں ان کو پوری طرح کر کرنے سے عاجز ہیں، آپ رحمۃ اللعالمین ہیں، صاحب الخلق العظیم آپ کی صفت خاص ہے۔ آپ پر قرآن کریم نازل ہوا جو پوری طرح محفوظ ہے۔ آپ کا دین ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جو معجزات کے ذریعے مؤید ہے۔ مقام محمود اور شفاعت عظمیٰ کے ذریعے آپ کو رفعت دی گئی ہے اور آپ کے فضائل اور مناقب اتنے زیادہ ہیں جن کا شمار کرنا بندوں کے بس سے باہر ہے، حضرات علماء کرام نے آپ کے معجزات اور مناقب اور خصائص پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں، حافظ جلال الدین سیوطی کی کتاب الخصائص الکبریٰ، اور امام بیہقی کی کتاب دلائل النبوة کا مطالعہ کیا جائے، آخر الذکر کتاب سات جلدوں میں ہے جو کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

پھر ارشاد فرمایا: ﴿وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتَ وَآيَاتِنَا بِرُوحِ الْقُدُسِ﴾ کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح معجزات عطا کیے اور روح القدس (یعنی جبریل علیہ السلام) کے ذریعے ان کی تائید کی، اس کی تفسیر و تشریح سورۃ البقرہ کے رکوع ۱۲ میں گزر چکی ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ﴾ اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ اور قتل و قتال نہ کرتے۔ جو حضرات انبیاء کرام ﷺ کے تشریف لیجانے کے بعد آپس میں مختلف ہو گئے۔ حضرات انبیاء ﷺ کی امتیں آپس میں اختلاف کرتی رہیں اور ان میں لڑائیاں ہوتی رہیں حالانکہ ان کے پاس کھلے ہوئے دلائل موجود تھے۔ اگر ان کو سامنے رکھتے تو نہ مختلف ہوتے نہ جنگ کرتے ان میں بہت سے لوگ ایسے تھے جنہوں نے ایمان قبول کیا اور انبیاء ﷺ کے تبع بنے اور بہت سے لوگوں نے کفر اختیار کیا اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی تو ان کا آپس میں قتل و قتال نہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور فاعل ہے وہ چاہے کر لے اس پر کسی کا اعتراض ہو نہیں سکتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا انْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۵۷﴾

اے ایمان والو، اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے پہلے کہ وہ دن آئے کہ جس میں نہ بیع ہوگی نہ دوستی اور نہ سفارش اور جو کافر ہیں وہ ظلم کرنے والے ہیں

روز قیامت آنے سے پہلے پہلے اللہ کے لیے خرچ کر لو

اس آیت شریفہ میں مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے اور لفظ رَزَقْنَاكُمْ میں یہ بتا دیا کہ یہ مال ہمارا ہی دیا ہوا ہے جس نے مال دیا اس کو پورا پورا حق ہے کہ مال خرچ کرنے کا حکم فرمائے نیک کاموں میں فرائض و اجبات کے مصارف بھی ہیں اور مستحب و نفلی صدقات بھی اور جس طرح بدنی عبادات (نماز روزہ) آخرت کے عذاب سے بچانے کا ذریعہ ہیں۔ اسی طرح مالی عبادات بھی اس کا سبب ہیں۔

صحیح بخاری ص ۹۱ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ﴾ (دوزخ سے بچو اگرچہ آدھی ہی کھجور کا صدقہ کردو) قیامت کا دن بہت سخت ہوگا نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ ایمان اور اعمال صالحہ ہی کام دیں گے۔ اس دن نہ بیع ہوگی، نہ دوستی نہ سفارش، لہذا اس دن نجات پانے اور عذاب سے بچنے کے لیے اعمال صالحہ کرتے رہنا چاہئے۔ اعمال صالحہ میں اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنا بھی شامل ہے۔

یہ جو فرمایا کہ ”اس دن بیع نہیں ہوگی۔“ اس کے بارے میں حضرات مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے فدیہ یعنی جان کا بدلہ مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی جان کسی جان کے بدلہ عذاب بھگتنے کے لیے تیار نہیں ہوگی جیسا کہ سورۃ البقرہ کے چھٹے رکوع میں فرمایا ﴿لَا

تَجْزِي نَفْسٍ عَنْ نَفْسٍ شَيْنًا ﴿ اور فدیہ کی صورت میں کیونکہ مبادلہ ہوتا ہے اس لیے اسے بیچ سے تعبیر فرمایا۔ اور یہ جو فرمایا وَاُولَٰئِكَ لَا خَلَائِفَ لَهُمْ فِي مَا كَفَرُوا مِنْ شَيْءٍ ﴿ یہ وہ ہیں جو کفر سے توبہ نہیں کرتے اور ان کے لیے کوئی دوسری قیامت کے دن دنیا کی کوئی دوستی کسی کو کام نہ دے گی یہاں جو محبتیں ہیں اور دوستی کے مظاہرے ہیں یہ وہاں بالکل نہ رہیں گے بلکہ دوست دشمن ہو جائیں گے۔ کوئی دوست کسی کی مدد نہ کر سکے گا۔ یہ اہل کفر اور اہل فسق کے بارے میں ہے۔ متقی حضرات کی محبتیں باقی رہیں گی جیسا کہ سورۃ الزخرف میں ارشاد فرمایا: ﴿الْاِخْلَآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ﴾

(کہ اس دن دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ سوائے ان لوگوں کے جو صفت تقویٰ سے متصف تھے)۔ ﴿وَلَا شَفَاعَةَ﴾ فرما کر شفاعت یعنی سفارش کی نفی فرمادی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے لیے اس دن کوئی شفاعت نہ ہوگی۔ جیسا کہ سورۃ المؤمن میں فرمایا: ﴿مَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَلَا شَفِيْعٍ يُطَاعُ﴾ (کہ ظالموں کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا نہ سفارش کرنے والا ہوگا جس کی بات مانی جائے۔ اہل ایمان کے لیے جو شفاعت ہوگی اس میں اس کی نفی نہیں ہے جس کو سفارش کرنے کی اجازت ہوگی وہی سفارش کر سکے گا اور جس کے لیے سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اس کے لیے سفارش ہو سکے گی۔

آیت کے ختم پر فرمایا ﴿وَالْكَافِرُوْنَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ﴾ (کفر کرنے والے ظالم ہی ہیں) انہوں نے معبود حق سے منہ موڑا اور خالق و مالک سے منحرف ہو گئے۔ ایسے لوگوں کی نجات کا کوئی راستہ نہیں۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ ۗ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۗ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ۗ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۗ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾

اللہ ایسا ہے کہ کوئی معبود نہیں مگر وہی، وہ زندہ ہے، قائم رکھنے والا ہے، اس کو نہیں پکڑتی اونگھ اور نہ نیند، اسی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کی اجازت کے ساتھ، وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اور وہ احاطہ نہیں کرتے اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا مگر جو وہ چاہے، گنجائش ہے اس کی کرسی میں آسمانوں کی، اور زمین کی اور اسے بھاری نہیں ہے ان دونوں کی حفاظت، اور وہ برتر ہے، عظمت والا ہے۔

اللہ جل شانہ، کی صفات جلیلہ کا بیان

یہ آیت کریمہ آیۃ الکرسی ہے احادیث شریفہ میں اس کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوالمنذر (یہ ان کی کنیت ہے) کیا تم جانتے ہو اللہ کی کتاب میں وہ کون سی آیت تمہارے پاس ہے جو اعظم ہے (سب سے بڑی عظمت والی ہے) میں نے عرض کیا کہ وہ آیت ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ ہے، آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ اے ابوالمنذر، تمہیں علم مبارک ہو۔ (رواہ مسلم ص ۱۷۱ ج ۱)

بعض احادیث میں اس آیت کو قرآن مجید کی تمام آیات کی سردار بتایا ہے۔ (الدر المنثور ص ۳۲۲ ج ۱)

چونکہ اس آیت شریفہ میں کرسی کا ذکر ہے اس لیے عوام و خواص سب ہی اسے آیۃ الکرسی کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں، خود روایات حدیث میں اسے آیۃ الکرسی کے نام سے ذکر فرمایا ہے۔ آیۃ الکرسی میں اللہ جل شانہ، نے اپنی صفات جلیلہ بیان فرمائی ہیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ معبود برحق ہے، وہی معبود حقیقی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ وحدہ لا شریک ہے۔ صفت الوہیت میں منفرد ہے۔

پھر ارشاد فرمایا ﴿الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ لفظ حی عربی زبان میں زندہ کے لیے بولا جاتا ہے۔ اللہ جل شانہ زندہ ہے ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ اس کی ذات و صفات ازلی وابدی ہیں جن کو کبھی بھی زوال نہیں، اور قیوم مبالغہ کا صیغہ ہے، قائم خود قائم رہنے والا اور قیوم قائم رکھنے والا، ساری کائنات اللہ تعالیٰ شانہ کی مخلوق ہے اور اس نے ان سب کو وجود دیا ہے اور اسی کے اذن و مشیت سے سب کا وجود قائم ہے، کائنات کے سب احوال اسی کی مشیت اور قدرت سے متغیر و متبدل ہوتے ہیں اور وہ جس کو جس حال میں چاہے رکھتا ہے۔ صحیح بخاری ص ۱۵۱ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو جب تہجد کے لیے بیدار ہوتے تھے، تو بارگاہ خداوندی میں جو معرض پیش کرتے تھے۔ اس میں یہ بھی تھا: ﴿اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيُّمُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ﴾ (اے اللہ، آپ ہی کے لیے سب حمد ہے۔ آپ تمام آسمانوں کے اور زمینوں کے اور جو کچھ ان میں ہے ان سب کے قائم رکھنے والے ہیں)۔

پھر فرمایا: ﴿لَا تَأْخُذُكَ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾ (اس کو نہیں پکڑتی ہے اونگھ اور نہ نیند) سِنَّةٌ ہلکی نیند کو کہتے ہیں جس کا ترجمہ اونگھ سے کیا گیا ہے۔ اور نوم سو جانے کو کہا جاتا ہے جس میں ہوش و حواس بالکل ہی قائم نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ شانہ اونگھ اور نیند دونوں سے برتر اور بالا ہے، مخلوق کو تھکن دور کرنے اور آرام پانے کے لیے نیند کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ جل شانہ کو کسی طرح کی کوئی بھی تھکن نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے۔ نیز نیند اور اونگھ میں انفعال ہوتا ہے اور تغیر حال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ انفعال اور تغیر حال سے پاک ہے لہذا اسے نہ نیند آ سکتی ہے نہ آتی ہے۔ مخلوق کا یہ حال ہے کہ کام کرتے کرتے تھک جائیں تو نیند غالب ہو جاتی ہے، سونا نہ چاہیں تب بھی نیند با لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ اپنے اختیار سے سوتا ہے نہ اسے نیند کا غلبہ ہوتا ہے۔ لفظ لَا تَأْخُذُكَ میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ پر نیند غلبہ نہیں پاسکتی۔ جب ہلکی نیند یعنی اونگھ بھی اسے نہیں پکڑ سکتی تو بڑی نیند کیسے غلبہ پائے گی۔ نیند مخلوق کی صفت ہے جو خالق کائنات کے حق میں عیب و نقص ہے اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَنَامُ وَلَا يَنبَغِي لَكَ أَنْ يَنَامَ﴾ (رواہ مسلم ص ۱۷۹ ج ۱)

”یعنی اللہ نہیں سوتا اور نہ یہ اس کی ذات کے شایان شان ہے کہ وہ سوئے۔“

پھر فرمایا: ﴿لَكَ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ (اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے) سب اسی کے بندے ہیں اور ہر چیز اس کی ملکیت ہے سب کو اسی نے پیدا فرمایا ہے وہ فاعل مختار ہے جس طرح چاہے اپنی مخلوق میں تصرف فرمائے پھر فرمایا: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ (کون ہے جو اس کی بارگاہ میں سفارش کرے مگر اس کی اجازت سے) اس میں یہ بتایا کہ کسی کی ایسی حیثیت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کر سکے، ہاں اس کا یہ کرم اور فضل ہے کہ جس کو چاہے سفارش کرنے کی اجازت دیدے اور جس کے لیے اجازت دیدے اسی کی سفارش ہو سکتی ہے۔ قیامت کا دن جو مخلوق کے لیے بہت کٹھن ہوگا۔ اس وقت لوگ متعدد انبیاء کرام ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے جب سب عاجزی ظاہر کر دیں گے تو فخر الاولین والآخرین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ ہماری سفارش فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں روانہ ہو جاؤں گا۔ اور عرش کے نیچے آ کر اپنے رب کے لیے سجدہ میں پڑ جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی وہ تعریفیں اور وہ بہترین ثنا منکشف فرمائیں گے جو مجھ سے پہلے کسی پر منکشف نہ فرمائی تھیں۔ پھر ارشاد ربی ہوگا کہ اے محمد سر اٹھاؤ اور مانگو تمہارا سوال پورا کیا جائے گا۔ سفارش کرو تمہاری سفارش پوری کی جائے گی (اس کے بعد آپ سفارش فرمائیں گے۔ جس کا مفصل واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے)۔

سورہ طہ میں ارشاد فرمایا: ﴿يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾ (اس روز سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو جس کے واسطے رحمن نے اجازت دی ہو اور جس کے لیے بات کرنا پسند فرمایا ہو) سورہ الانبیاء میں فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشِيَّتِهِ مُشْفِقُونَ﴾ (اللہ جانتا ہے ان کے اگلے پچھلے احوال کو اور وہ سفارش نہیں کر سکتے مگر اس کے لیے جس کے لیے خدا تعالیٰ راضی ہو، اور وہ سب اللہ کی ہیبت سے ڈرتے ہیں) سورہ نجم میں فرمایا: ﴿وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مَنْ بَعَدَ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ﴾ (اور بہت سے

فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں جن کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہیں اجازت دیدیں۔ اور راضی ہو جائیں۔

پھر فرمایا: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ (اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ مخلوقات کے آگے اور پیچھے ہے) یعنی ان کے امور دنیویہ و اخرویہ کا اس کو پوری طرح علم ہے۔ بعض مفسرین نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عمل کرنے والوں کے جو اعمال اچھے برے سامنے ہیں وہ ان کو بھی جانتا ہے اور جو پہلے کر چکے ہیں ان کو بھی جانتا ہے، غرض کہ اس کا علم پوری مخلوق کو اور مخلوق کے احوال و اعمال و افعال سب کو پوری طرح محیط ہے۔

پھر فرمایا: ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ (اور بندوں کو اللہ کی معلومات میں سے بس اسی قدر علم ہے جتنا اس نے چاہا) جس کسی مخلوق کو جتنا بھی علم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمانے سے ملا ہے۔ ان میں سے کسی کا کوئی علم ذاتی نہیں ہے اور نہ کسی کا علم ساری معلومات الہیہ تک محیط ہے۔

پھر فرمایا: ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ (کہ گنجائش ہے اس کی کرسی میں آسمانوں کی اور زمینوں کی) اس میں کرسی کی وسعت بتائی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اس کی کرسی میں آسمان اور زمین سب سما سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نشست و برخاست سے اور جگہ و مکان سے بالاتر ہے۔ اور منزہ ہے۔ اس طرح کی آیات کو علماء کرام متشابہات میں شمار فرماتے ہیں جن کا حکم یہ ہے کہ ان کے اس معنی و مفہوم پر ایمان لائیں کہ ان کا جو مطلب اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر قیاس بھی نہ کریں، عرش اور کرسی دونوں کا ذکر قرآن مجید میں وارد ہوا ہے صاحب روح المعانی ص ۹ ج ۳ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرمایا ہے کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کو الگ الگ پھیلا دیا جائے تو کرسی کے مقابلہ میں سب مل کر ایسی ہوں گی جیسے جنگل میں کوئی چھوٹی سی گول چیز پڑی ہو، پھر صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ کرسی عرش کے علاوہ ہے۔ اور کرسی عرش کے سامنے اتنی چھوٹی ہے جیسے چھوٹی سی گول چیز میدان میں پڑی ہو۔ یہ روایت انہوں نے بحوالہ ابن جریر حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کی ہے۔ یعنی حضور اقدس ﷺ کا ارشاد بتایا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عرش اور کرسی ایک ہی چیز ہے۔ کرسی کے بارے میں اور بھی چند اقوال مفسرین نے نقل فرمائے ہیں۔

پھر فرمایا: ﴿وَلَا يَنْوَدُهُ حَفِظُهُمَا﴾ (کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان و زمین کی حفاظت بھاری نہیں ہے۔) چونکہ وہ خالق ہے اور مالک ہے اس لیے اس کی کوئی بھی مخلوق خواہ آسمان ہو خواہ زمین اس کے علم سے اور اس کی حفاظت سے باہر نہیں۔ مخلوق عاجز ہے وہ اپنی جیسی مخلوق کی حفاظت سے بھی عاجز ہے اللہ تعالیٰ خالق و مالک ہے وہ اپنی ساری مخلوق کا نگران و نگہبان ہے۔

آخر میں فرمایا: ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ (کہ اللہ تعالیٰ برتر ہے اور عظمت والا ہے)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ شانہ کی صفات عالیہ الوہیت، وحدانیت، حیات علم، ملک، قدرت، آزادہ، جمع فرمادی ہیں: و نطقت بأنه سبحانه موجود، منفرد فی الوہیت، حی واجب الوجود، لذاتہ، موجد الغیرہ، منزہ عن التحیز والحلول، مبرا عن التغير و الفتور، لا مناسبة بينه و بين الأشباه لا يحل بساحة جلاله ما يعرض النفوس والأرواح، مالك الملوك و الملكوت، و مبدع الاصول و الفروع، ذوالبطش الشديد، العالم وحده بجلى الأشياء و خفيها، و كليها و جزئها، واسع الملك و القدرة لكل ما من شأنه أن يملك و يقدر عليه، لا يشق عليه شاق ولا يثقل شيء لديه، متعال عن كل ما لا يليق بجنابه عظيم لا يستطيع طير الفكر أن يحوم في بیدار صفات قامت به۔ (روح المعانی ص ۱۱ ج ۳)

فائدہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لیا کرے تو جنت کے داخل ہونے میں اس کے لیے صرف موت ہی آڑ بنی ہوئی ہے۔ اور جس نے آیت الکرسی لیتے وقت پڑھ لی اللہ تعالیٰ اس کے گھر کو اور اس کے پڑوسی کے گھر کو اور اس پاس کے چند گھروں کو امن سے رکھے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۹)

اور ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے رات کو اپنے بستر پر پہنچ کر آیت الکرسی پڑھ لی۔ صبح ہونے تک اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نگران مقرر رہے گا، اور شیطان قریب نہ آئے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۵ عن البخاری فی قصۃ اسیر ابی ہریرہ)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس نے صبح کو سورہ حم (یعنی سورہ مومن جسے سورہ غافر بھی کہتے ہیں) ﴿إِلَيْهِ الْمَصِيرُ﴾ تک پڑھی اور اس کے ساتھ آیت الکرسی بھی پڑھ لی تو شام ہونے تک ان دونوں کی وجہ سے محفوظ رہے گا اور جس نے ان دونوں کو شام کو پڑھ لیا تو صبح ہونے تک محفوظ رہے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۷ عن الترمذی)

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفصامَ لَهَا وَاللَّهُ سَبِيحٌ عَلَيْهِمُ ﴿۱۵۱﴾

نہیں ہے زبردستی دین میں، ظاہر ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو کر، سو جو شخص منکر ہو طاغوت کا اور ایمان لائے اللہ پر تو بے شک اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا۔ جو ٹوٹنے والا نہیں ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

دین میں زبردستی نہیں ہے

لباب النقول میں اس آیت کا سبب بتاتے ہوئے بحوالہ ابوداؤد ونسائی وابن حبان، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ زمانہء اسلام سے پہلے جس عورت کا بچہ مر جاتا تھا وہ یہ نذر مان لیتی تھی کہ اگر میرا بچہ زندہ رہا تو اسے یہودی بنادوں گی (العیاذ باللہ) جب یہود کا قبیلہ بنو نضیر مدینہ منورہ سے جلا وطن کیا گیا تو ان میں انصار کے قبیلوں کے وہ لڑکے بھی تھے جو دین یہودیت پر تھے۔ یہودی مدینہ منورہ سے جانے لگے تو ان لڑکوں کے خاندان والوں نے کہا کہ ہم ان کو نہیں جانے دیں گے۔ اس پر اللہ نے آیت کریمہ ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ نازل فرمائی۔
نیز لباب النقول میں بحوالہ ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آیت کریمہ ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی جو قبیلہ بنی سالم میں سے تھے اور جن کا نام حصین تھا۔ ان کے دو بیٹے نصرانی تھے اور وہ خود اسلام قبول کر چکے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یہ دونوں نصرانیت چھوڑنے کو تیار نہیں ہیں، کیا میں ان پر زبردستی نہ کروں (تا کہ وہ دونوں مسلمان ہو جائیں) اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

آیت شریفہ میں واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ دین میں زبردستی نہیں ہے، اگر کوئی شخص دین اسلام قبول نہیں کرتا تو اس پر زبردستی نہیں کی جائے گی کہ تو اسلام قبول کر لے ورنہ تجھے قتل کر دیں گے، شاید حکم جہاد کی وجہ سے کسی کو اس کا وہم اور سوسہ ہو کہ زبردستی نہیں ہے تو جہاد کیوں شروع کیا گیا جن لوگوں کو جہاد کی حقیقت معلوم ہے وہ جانتے ہیں کہ جہاد کا قانون یہ ہے کہ جب کافروں کی کسی جماعت سے مقابلہ ہو تو اول ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اور یہ دعوت ان کو آخرت کے عذاب سے بچانے کے لیے ہے اگر وہ اسلام قبول کرنے پر راضی ہوں تو ان سے کہا جائے گا کہ تم جزیہ دو، جب وہ جزیہ دینے لگیں گے تو ان کا دارالاسلام اور اہل اسلام سے ایک خاص تعلق پیدا ہو جائے گا جس سے آپس میں ملنا جلنا ہوگا۔ اہل کفر اسلام سے قریب ہوں گے اس کے سمجھنے کے مواقع فراہم ہوں گے۔ اللہ کی کتاب ان کے کانوں میں پڑے گی۔ اسلام کی سچائی کے دلائل واضح ان کے سامنے آئیں گے۔ اور اہل ایمان کے اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ دیکھیں گے تو اقرب ہے کہ کفر سے باز آجائیں اور اسلام قبول کر لیں، اگر اسلام کے دلائل واضح سامنے آنے کے بعد بھی کوئی شخص اسلام کو قبول نہیں کرتا تو اس کی حماقت ہے کہ کفر پر جمنے ہی کو اختیار کیے ہوئے ہے۔

اسلام کے عہد اول سے لے کر آج تک مسلمان ممالک میں کروڑوں کافروں نے زندگی گزاری ہے کسی امیر یا خلیفہ یا بادشاہ نے انہیں اسلام پر مجبور نہیں کیا، اور جن قوموں نے اسلام قبول کیا وہ اہل اللہ کی محنتوں و کوششوں سے اسلام کے آغوش میں آئی ہیں، کسی نے سر پر تلوار رکھ

کر یا سینہ پر بندوق رکھ کر کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ فقہاء نے واضح طور پر لکھا ہے کہ میدان جہاد میں عورتوں، بوڑھوں، ابا، بچوں، اور گرجوں میں رہنے والوں کو قتل نہ کیا جائے، حالانکہ ان لوگوں کو تلوار کے ذریعہ بہ آسانی اسلام میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ تفسیر درمنثور ص ۳۲۰ ج ۱ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی بڑھیا کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا ﴿أَسْلِمِي تَسْلِمِي﴾ (یعنی تو اسلام قبول کر لے۔ عذاب سے بچ جائے گی) اس نے انکار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ پاک کے حضور میں عرض کیا اللہم اشہد (کہ اے اللہ آپ گواہ رہیں میں نے دعوت دے دی ہے) اس کے بعد انہوں نے یہی آیت ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ تلاوت کی..... البتہ اتنی بات ضرور سمجھ لینا چاہئے کہ کفر خالق و مالک کی سب سے بڑی بغاوت ہے۔ باغی کی سزا تو سب کو معلوم ہی ہے۔ ان باغیوں کی بہت بڑی اور سب سے بڑی داغی سزا تو ان کو آخرت میں ہوگی لیکن دنیا میں بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کی سرکوبی ہوتی رہے۔ اور کفر کا اثر جس قدر بھی کم ہو اچھا ہے اگر جہاد و قتال نہ ہو تو کافر اہل ایمان پر چڑھ جائیں گے اور اہل ایمان تھوڑے رہ جائیں اور ان کا جینا دو بھر ہو جائے گا۔ لہذا ضروری ہوا کہ اگر جزیہ بھی دینا منظور نہیں کرتے تو ان سے قتال کیا جائے، اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ کفر جو خداوند تعالیٰ کی بغاوت ہے اس کی سزا میں قتل کر دینا اور بات ہے (اور جو لوگ باغیوں کا قانون جانتے ہیں وہ اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں کر سکتے) اور سر پر تلوار رکھ کر یہ کہنا کہ اسلام قبول کرو ورنہ قتل کر دیں گے یہ دوسری بات ہے اس دوسری بات کو اکراہ کہا جاتا ہے اور جہاد کے موقعہ پر اکراہ نہیں کیا جاتا اور یہ بات بھی ہے کہ ایمان قبول کرنے پر زبردستی کا کوئی فائدہ ہے بھی نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص جبر و اکراہ کی وجہ سے ظاہری طور پر اسلام قبول کر بھی لے اور دل سے مسلمان نہ ہو تو نہ تو اس کے حق میں مفید فی الآخرة ہوگا اور نہ جھوٹی زبان سے اسلام قبول کرنے والے سے مسلمانوں کو کوئی نفع پہنچے گا۔ جیسا کہ منافقین ظاہر میں مسلمان تھے اور اندر سے کافر تھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہتے تھے۔ اسلام کی حقانیت اور اس کی سچائی کے دلائل روز روشن کی طرح واضح ہیں دنیا بھر کی زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ چھپ چکا ہے گھر گھر اسلام کا کلمہ پہنچ چکا ہے۔ آلات جدیدہ نے دنیا کے ہر گوشہ میں اسلام کی دعوت پہنچا دی ہے اس کو حق جانتے ہوئے بھی جو لوگ اس کو قبول نہیں کرتے، وہ اپنے کو عذاب میں دھکیلنے کے خود ذمہ دار ہیں۔

ہدایت ظاہر ہو چکی ہے، گمراہی کو لوگ سمجھ چکے ہیں، دونوں میں کوئی التباس و اشتباہ نہیں ہے اب اگر کوئی شخص ہدایت قبول نہیں کرتا اور جانتا ہے کہ یہ ہدایت ہے، دنیاوی مصلحتوں نے جائیدادوں کے خیال نے رشتہ داریوں کے فکر نے عہدوں کے چھن جانے کے خوف نے ہدایت قبول کرنے سے روک رکھا ہے اور چند روزہ دنیاوی زندگی کے منافع و مصالح کی وجہ سے آخرت کے دائمی عذاب کے لیے تیار ہے اور اس طرح اپنی جان کا دشمن بنا ہوا ہے، تو اس کا علاج ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہدایم اللہ تعالیٰ۔

لفظ طاغوت لام واوی ہے جس کا ماضی مضارع طغی یطغی ہے یہ لفظ سرکشی کے معنی پر دلالت کرتا ہے اہل لغت کا فرمانا ہے کہ اس میں قلب مکانی ہوا ہے اصل کلمہ طغوت ہے۔ لام کلمہ کو مقدم کر دیا گیا اور عین کلمہ کو مؤخر کر دیا گیا، پھر حرف علت کو الف سے بدل دیا گیا، یہ تو لفظی تحقیق ہوئی معنوی اعتبار سے اس میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت عمر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے شیطان مراد ہے، مجاہد اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کل ما عبد من دون اللہ فهو طاغوت۔ (یعنی اللہ کے سوا جس کسی کی بھی عبادت کی گئی وہ طاغوت ہے) اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے اصنام یعنی بت مراد ہیں، یہ سب اقوال لکھنے کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ص ۱۳ ج ۳ و الأولى ان يقال بعمومه (یعنی اس کا عمومی معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے) اور اس کے مفہوم میں وہ سب معانی داخل ہیں جو اوپر بیان ہوئے، درحقیقت شیطان اور اس کی مددگار تمام طاغوتی طاقتیں انسان کو اسلام سے روکتی ہیں۔ جس کسی نے بھی ان طاقتوں کو نہ گردانا اور ان سے رشتہ توڑا اور ان سب سے منہ موڑا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے بہت مضبوط حلقہ اور بڑی قوت والا کڑا پکڑ لیا، یہ کڑا ایسا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں جس نے اللہ تعالیٰ کو مان لیا اور اس کے دین کو تسلیم کر لیا اور اس کے رسولوں اور کتابوں پر ایمان لے آیا اس نے سب سے بڑی طاقت کا سہارا لے لیا اور یقین کی دولت سے مالا مال ہو گیا نہ اس قوت کو شکستگی ہے نہ زوال ہے، آخر میں فرمایا کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے، وہ

سب کے اقوال کو سنتا ہے۔ سب کے اعمال کو جانتا ہے جو صرف زبان سے مسلمان ہو اسے اس کا بھی علم ہے اور جس نے جھوٹی زبان سے کلمہ پڑھا وہ اس سے بھی باخبر ہے۔

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں اسلام کو مضبوط پکڑنے والا چونکہ ہلاکت اور خسران سے محفوظ رہتا ہے اس لیے اس کو ایسے شخص سے تشبیہ دی جو کسی مضبوط رسی کا حلقہ ہاتھ میں مضبوط تھام کر گرنے سے مامون ہو جائے اور جس طرح ایسی رسی کے ٹوٹ کر گرنے کا خطرہ نہیں (اور یوں کوئی رسی ہی چھوڑ دے تو اور بات ہے) اسی طرح اسلام میں بطلان کا احتمال نہیں جو مفضی الی الهلاک ہو، اور خود کوئی اسلام ہی کو چھوڑ دے وہ اور بات ہے، اور مقصود آیت کا اسلام کی خوبی کا واضح وثابت بالدلیل ہونا ہے جس کو اس عنوان خاص سے بیان فرمایا گیا۔

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاهُمُ
الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٥٤﴾

اللہ ولی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے، وہ ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے نور کی طرف، اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے اولیاء شیاطین ہیں وہ ان کو نکالتے ہیں نور سے اندھیروں کی طرف، یہ لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ولی ہیں اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں

ولی مددگار ساز اور دوست کو کہتے ہیں، اس آیت شریفہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا ولی ہے وہ ایمان والوں کو کفر و شرک کی اندھیروں سے نکالتا ہے ان کو اسلام کی روشنی میں لاتا ہے ان کو نور پر ثابت قدم رکھتا ہے اور اندھیروں سے بچاتا ہے۔ اور جن کے لیے ایمان مقدر ہے ان کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر نور ایمان عطا فرماتا ہے برخلاف کافروں کے کہ ان کے اولیاء یعنی دوست شیاطین ہیں۔ شیاطین ان کو ایمان قبول کرنے نہیں دیتے اور ان کو کفر کی تاریکیوں ہی میں رکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ کفر پر مر میں شیاطین خود دوزخ والے ہیں وہ اپنے ماننے والوں کو بھی دوزخ میں لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں سب دوزخی ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اہل ایمان کے بارے میں جو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالتا ہے اس کے عام معنی مراد لیے جائیں تو زیادہ بہتر ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو کفر کی تاریکیوں سے اور گناہوں کی تاریکیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور نور کو عام لیا جائے تو تمام اعمال صالحہ کے نور کو بھی اس کا شمول ہوگا والا ولی ان یحمل الظلمات علی المعنی الذی یعم سائر انواعها ویحمل النور ایضا علی ما یعم سائر انواعه، ویجعل فی مقابله کل ظلمة مخرج منها نور مخرج الیہ۔ (ص ۱۴ ج ۳)

صاحب روح المعانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ نور کو مفرد اور ظلمات کو جمع لایا گیا ہے۔ کیونکہ حق ایک ہی ہے جسے نور سے تعبیر فرمایا ہے اور تاریکیاں چونکہ بہت ساری ہیں اور طرح طرح کی ہیں (کیونکہ گمراہی کے راستے بہت سے ہیں) اس لیے اس کے لیے لفظ جمع یعنی ظلمات لایا گیا ہے۔ اہل کفر کا ذکر فرماتے ہوئے جو ﴿يُخْرِجُونَهُمْ مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ﴾ فرمایا اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے یا تو وہ نور فطری مراد ہے جس پر تمام انسان پیدا کیے گئے (وہو المراد بقوله صلى الله عليه وسلم كل مولود يولد على الفطرة) (الحدیث) اور نور بینات بھی مراد ہو سکتا ہے کھلے کھلے دلائل کے ذریعہ جو حق واضح ہو چکا ہے وہ سراپا نور ہے شیاطین اپنے ماننے والوں کو اس سے بچاتے ہیں اور کفر و شرک کے فائدے ان کو سمجھاتے ہیں اور حق قبول کرنے نہیں دیتے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ حَاجَّوْا رَبَّهُمْ فِي رَبِّهِ أَنْ أَسَاءَ اللَّهُ إِلَيْكَ مَ أَدْقَالَ إِبْرَاهِيمَ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي

وَيُيْتُ قَالَ أَنَا أَحْيٌ وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا
مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۲۵﴾

کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم (علیہ السلام) سے حجت بازی کی ان کے رب کے بارے میں اس وجہ سے کہ اللہ نے اس کو حکومت دی تھی، جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے، اس نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں، ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا سو بلاشبہ اللہ لاتا ہے سورج کو پورب سے تو اس کو لے آچھتم سے، پس حیرانی میں پڑ گیا وہ شخص جو کفر اختیار کیے ہوئے تھا اور اللہ قوم ظالمین کو ہدایت نہیں دیتا۔

ایک کافر بادشاہ سے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا مباحثہ

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا پیدائشی وطن شہر بابل کے آس پاس تھا ان کے زمانہ کا بادشاہ نمرود تھا جو اس علاقہ پر حکمران تھا۔ دنیا میں کفر و شرک پھیلا ہوا تھا، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا باپ بھی بت پرست تھا جس کا تذکرہ سورۃ الانعام (ع ۸) اور سورۃ مریم (ع ۳) میں فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جب توحید کی دعوت دی اور پوری قوم کو بتایا کہ تم گمراہی پر ہو تو سب کو برا لگا، نمرود بھی کافر تھا نہ صرف کافر تھا بلکہ داعی کفر تھا اور اپنے آپ کو معبود بتاتا تھا، جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے توحید کی دعوت دی تو وہ کٹ جتی کرنے لگا اور کہنے لگا کہ میرے خیال میں تو میرے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ملک اور مال دیا تھا اسی لیے اس کے گھمنڈ میں اس نے ایسی بات کہی، اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے دلیل مانگی کہ آپ جس رب کی توحید کی دعوت دیتے ہیں اس کے وجود پر کیا دلیل ہے۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے ارشاد فرمایا ﴿رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾ کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ فرماتا ہے۔ اور موت دیتا ہے۔ درحقیقت یہ بہت بڑی دلیل تھی۔ جتنے بھی خدائی کے دعوے دار ہوتے ہیں اور جتنے ان کے ماننے والے ہیں سب کو معلوم ہے کہ زندہ کرنے اور موت دینے کا کام ان میں سے کسی کے بس کا بھی نہیں ہے لا محالہ کوئی ذات ہے جس کے تصرف میں ساری مخلوق ہے اور جلانا اور موت دینا اسی کا کام ہے۔ جو خدائی کے دعوے دار ہوئے وہ اپنی جان کو تو بچا ہی نہیں سکے وہ کسی دوسرے کو کیا زندہ کرتے، ایسی واضح موٹی بات نمرود نے یا تو بے عقل ہونے کی وجہ سے نہ سمجھی یا بطور کٹ جتی کے یوں ہی بحث جاری رکھنے کے لیے اس نے جواب میں یوں کہہ دیا کہ ﴿أَنَا أَحْيٌ وَأُمِيتُ﴾ کہ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ اپنی بات کی دلیل کے لیے اس نے یہ کیا کہ دو آدمیوں کو بلایا جن کے قتل کا حکم ہو چکا تھا ان میں سے ایک کو قتل کروادیا، اور ایک کو چھوڑ دیا، اس کی جہالت کا جواب تو یہ تھا کہ تو یہ بتا کہ جسے تو نے قتل کیا ہے اس میں جان کس نے ڈالی تھی اور جسے تو نے چھوڑ دیا یہ موت کے بعد زندہ کرنا ہو یا زندہ کو چھوڑ دینا ہو لیکن سیدنا ابراہیم (علیہ السلام) نے اس کے عناد اور سفاہت و جہالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے خالق کائنات جل مجدہ کے وجود پر اور کائنات میں اس کے تصرفات پر دوسری دلیل دیدی اور فرمایا: ﴿فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ﴾ کہ اللہ تعالیٰ روزانہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اگر معبود ہونے کا مدعی ہے تو سورج کو پچھتم سے لا کر دکھادے، میرے رب کے حکم سے روزانہ سورج پچھتم کی جانب غروب ہو جاتا ہے تو اسی جانب سے اسے واپس کر دے یہ سنتے ہی خدائی کا دعویٰ دار نمرود مبہوت اور حیران رہ گیا اور بالکل ہی گونگا بن گیا، آگے ایک کلمہ بھی نہ بول سکا۔

پھر فرمایا: ﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کی رہبری نہیں فرماتا وہ کسی نبی یا نبی کے ناصین کے سامنے حجت اور دلیل سے نہیں جیت سکتے۔

سورۃ شوریٰ میں فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتَجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ (اور جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں اس کے بعد کہ اس کا معبود ہونا تسلیم کر لیا گیا ہے) یعنی اصحاب علم و فہم اس پر

ایمان لاکچے ہیں) ان لوگوں کی حجت ان کے رب کے نزدیک باطل ہے، اور ان پر غضب ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ (بعض علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب سورج مشرق سے لاتا ہے تو مغرب سے لا کر دکھا دے تو وہ کہہ سکتا تھا کہ میں مشرق سے لاتا ہوں تو اپنے رب سے کہہ کہ وہ مغرب سے لائے لیکن وہ ابراہیم کے جواب سے ایسا مبہوت و متحیر ہو چکا تھا کہ اس کی سمجھ میں اور کچھ نہ آیا۔ اہل حق کے مقابلہ میں اہل باطل دلیل کے ساتھ چل ہی نہیں سکتے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال کر لے آ، اس کی وجہ سے اس کو یہ یقین ہو گیا کہ واقعی اس پوری دنیا کا کوئی خالق و مالک متصرف ضرور ہے اور یہ شخص جو بر ملا مجھ سے سوال و جواب کر رہا ہے، ضرور اسی ذات پاک کا پیغمبر ہے جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے اور جس کے تصرف میں ساری مخلوق ہے اور اس کی یہ دلیل بہت زیادہ وزن دار ہے اگر میں یہ کہہ دوں کہ میں مشرق سے سورج لاتا ہوں تو اپنے رب سے کہہ کر مغرب سے لے آ، تو حاضرین میں سے کوئی اس کو نہیں مانے گا اور جو میرے ماننے والے ہیں وہ اس کی طرف ہو جائیں گے۔ تھوڑی سی جو جھوٹی سلطنت ہے وہ بھی جاتی رہے گی اس لیے اس نے دم بخود ہو جانا ہی مناسب جانا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةً عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةً عَامٍ فَانظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِرُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۖ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۖ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۷۹﴾

شئی قَدِيرٌ ﴿۱۷۹﴾

یا اس شخص کی طرح سے جو گزرا ایک بستی پر اور وہ اس حال میں تھی کہ چھتوں پر اس کی دیواریں گری پڑی تھی، یہ شخص کہنے لگا کہ اللہ کیونکر زندہ فرمائے گا اس بستی کو اس کی موت کے بعد، پس اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال تک مردہ رکھا پھر اسے اٹھادیا، اس سے سوال فرمایا کہ تو کتنے عرصہ تک ٹھہرا رہا۔ اس نے کہا کہ میں ایک دن یا ایک دن سے کم ٹھہرا ہوں، فرمایا بلکہ تو سو سال تک ٹھہرا رہا ہے؛ سو تو دیکھ لے اپنے کھانے کو اور پینے کی چیز کو وہ سڑی گلی نہیں ہے اور دیکھ لے اپنے گدھے کو، اور تا کہ ہم تجھے نشانی بنا دیں لوگوں کے لیے اور دیکھ ہڈیوں کی طرف ہم ان کو کیسے جوڑ دیتے ہیں پھر ان پر گوشت پہنا دیتے ہیں، سو جب اس پر یہ سب کچھ ظاہر ہو گیا تو کہنے لگا کہ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مردہ کو زندہ فرمانے کا ایک واقعہ

یہ آیت پہلی آیت پر معطوف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح سے ہے۔ ﴿الذی مر علی قریۃ﴾ حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ وغیر ہم بہت سے حضرات نے فرمایا ہے کہ جس شخصیت کا اس آیت میں ذکر ہے وہ حضرت عزیر بن ثریا تھا اور بعض حضرات نے ارمیا بن خلقیہ بھی بتایا ہے اور اس بارے میں دیگر اقوال بھی ہیں لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے، بہر صورت قرآن کریم نے موت کے بعد زندہ ہونے کا مشاہدہ کرنے والے شخص کا واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ یہ حضرت عزیر علیہ السلام ہوں یا کوئی بھی شخصیت ہو، ایک بستی پر ان کا گزر ہوا جس کی سب

آبادی ستم ہو چکی تھی۔ اور بستی کے درو دیوار بھی منہدم تھے چھتیں گر گئی تھیں پھر چھتوں پر دیواریں گر گئی تھیں اس بستی کا یہ حال دیکھ کر ان کے منہ سے بطور تعجب یہ نکلا کہ اللہ اس بستی کو اس کی موت کے بعد کیسے زندہ فرمائے گا۔؟ خدا تعالیٰ شانہ کی قدرت کا انکار کرنا مقصود نہ تھا بلکہ انسان کے مزاج میں جو ایسی چیزوں میں ایک استبعاد کی شان ہے اس کے اظہار کے طور پر منہ سے ایسے الفاظ بے ساختہ نکل گئے جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ یقین کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے کو بھی اولاد دے سکتا ہے خدا تعالیٰ سے اپنے بیٹے کی دعا کی پھر جب فرشتے بیٹے کی خوشخبری لے کر آئے تو بطور تعجب یوں کہنے لگے ﴿رَبِّ اَنْتَ يَكُوْنُ لِيْ غُلْمًا وَّ قَدْ بَلَغَنِي الْكِبَرُ وَاْمْرَاتِيْ عَاْقِرٌ﴾ (کہ اے میرے رب کیسے ہو گا میرے لڑکا حالانکہ میں بڑھاپے کو پہنچ گیا اور میری بیوی بانجھ ہے) جس نے سوال کیا ہو وہی کیسے قدرت الہیہ کا منکر ہو سکتا ہے لیکن بطور تعجب سوال کر بیٹھے، جس واقعہ کا یہاں ذکر ہے اس میں بھی اسی طرح کی بات ہے، جب انہوں نے یہ کہا کہ اللہ کیسے زندہ فرمائے گا اس بستی کو (جس میں تعجب بھی تھا اور کیفیت کا سوال بھی) تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کے کہنے والے ہی کو موت دے دی اور سو (۱۰۰) سال تک اسی حال میں رکھا پھر سو (۱۰۰) سال کے بعد زندہ فرما کر اٹھا دیا اور سوال فرمایا کہ تم کتنے وقت اسی حالت میں ٹھہرے رہے (جو زندگی کی حالت نہ تھی) تو انہوں نے جواب میں عرض کر دیا کہ میں اس حالت میں ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ رہا ہوں، مفسرین نے بیان کیا ہے کہ چاشت کے وقت ان کو موت آئی تھی اور سو (۱۰۰) سال گزرنے کے بعد جب ان کو اللہ تعالیٰ نے اٹھایا تو غروب سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ سورج پر نظر ڈالی تو نظر آیا کہ وہ غروب ہونے والا ہے لہذا انہوں نے جواب میں کہا کہ ایک دن ایسی حالت میں رہا ہوں اور جب یوں غور کیا کہ ابھی تو سورج چھپا بھی نہیں تو کہنے لگے کہ ایک دن بھی نہیں بلکہ دن کا کچھ حصہ رہا ہوں، اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ تمہارا یہ بیان کرنا صحیح نہیں بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ تم سو (۱۰۰) سال تک اسی حالت میں رہے ہو سو سال تک وہ مردہ رہے لیکن چونکہ جسم اسی طرح صحیح سالم تر و تازہ باقی رہا۔ جیسا کہ زندگی میں تھا تو ان کو اس سے مزید تعجب ہوا، اللہ نے اپنی قدرت کاملہ کا ایک اور نمونہ ان کو دکھایا اور فرمایا کہ تو اپنے کھانے پینے کی چیز کو دیکھ لے وہ ابھی گلی سڑی نہیں ہے۔ جس طرح یہ کھانا اپنی حالت پر سو (۱۰۰) سال باقی رہ گیا اس طرح بغیر روح کے تیرا جسم بھی صحیح سالم تر و تازہ رہا، قال فی الروح (ص ۲۲ ج ۳) و استشكل تفرع فانظر على لبث المائة بالفاء وهو يقتضى التغير، و أجيب بأن المفرع عليه ليس لبث المائة بل لبث المائة من تغير في جسمه حتى ظنه زمانا قليلا ففرع عليه ما هو أظهر منه و هو عدم تغير الطعام والشراب وبقاء الحيوان حيا من غير غذاء پھر اللہ جل شانہ نے ان کے سامنے ان کے مردہ گدھے کو زندہ کر کے دکھایا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ تم اپنے گدھے کو دیکھو اور ہڈیوں پر نظر ڈالو۔ گدھے کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو ہم ان کو کس طرح ترکیب دیتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، ان کے سامنے وہ ہڈیاں ترتیب کے ساتھ جمع ہوئیں پھر ان پر گوشت چڑھا اور گدھا زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ جب یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو بے اختیار بول اٹھے کہ میں جانتا ہوں کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یقین تو پہلے ہی سے تھا کیونکہ مؤمن آدمی تھے۔ لیکن عینی مشاہدہ بھی کر لیا، درمیان میں یہ جو فرمایا کہ ﴿وَلَنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ﴾ اس کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ محذوف پر معطوف ہے صاحب روح المعانی ص ۲۳ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ یہاں عبارت مقدر ہے۔ ﴿ای و فعلنا ذلك لنجعلك﴾ یعنی ہم نے تمہیں مردہ کر کے زندہ کر دیا تاکہ ہم تمہاری ذات کو لوگوں کے لیے نشانی بنادیں، تمہیں دیکھ کر اور تمہارا واقعہ معلوم کر کے لوگوں کو ہدایت ہوگی اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر یقین کرنے میں ہچکچاہٹ کرنے کا موقع نہ رہے گا۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ﴿أَنْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ﴾ جو حکم تھا وہ مدت دراز تک موت کی حالت میں رہنے کو ظاہر کرنے کے لیے تھا اور ﴿وَأَنْظُرْ إِلَىٰ الْعِظَامِ﴾ میں جو حکم ہوا وہ مردہ کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنے کے لیے تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَبْتَلِيَٰنِي ۖ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ ۖ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۖ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾

اور جب کہا ابراہیم نے کہ اے میرے رب آپ مجھے دکھا دیجیے کہ مردوں کو کس طرح زندہ فرماتے ہیں، فرمایا کیا تم کو یقین نہیں ہے؟ عرض کیا یقین ہے لیکن اس غرض سے سوال کرتا ہوں کہ میرا قلب مطمئن ہو جائے، فرمایا سو تم لے لو چار پرندے پھر ان کو اپنے سے ہلا لو پھر ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ایک حصہ رکھ دو پھر ان کو بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ عزیز ہے حکیم ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال پر پرندوں کا زندہ ہونا

اس آیت شریفہ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک سوال اور پھر خداوند قدوس کی طرف سے عینی مشاہدہ کرا کر ان کے سوال کا جواب ذکر فرمایا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے موحد تھے حشر و نشر بعث بعد الموت کے قائل تھے پھر بھی انہوں نے نظروں سے دیکھنے کے لیے اللہ جل شانہ سے سوال کیا کہ آپ مجھے دکھا دیجیے کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے، اللہ جل شانہ نے فرمایا کیا تمہیں اس کا یقین نہیں ہے کہ میں مردوں کو زندہ کر دوں گا انہوں نے عرض کیا کہ یقین ضرور ہے پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ علم الیقین سے آگے مجھے عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے۔ اور اپنی آنکھوں سے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھ لوں تاکہ طبعی طور پر انسان کو جو اطمینان دیکھنے سے حاصل ہو جاتا ہے وہ مجھے بھی حاصل ہو جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر حضرات سے منقول ہے کہ جب فرشتہ نے ان کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل بنا لیا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کی دعا قبول فرمائے گا اور آپ کی دعا سے مردوں کو زندہ فرمائے گا تو اس پر انہوں نے یہ سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم چار پرندے لے لو اور پہلے ان کو اپنے پاس رکھو اور مانوس کر لو اور ہلا لو، جب وہ تم سے مانوس ہو جائیں اور ہل جائیں تو ان چاروں کو ذبح کرنا اور ان کے گوشت کو اور پروں کو ایک ساتھ ملا دینا اور ان کا ایک ایک حصہ پہاڑ پر رکھ دینا پھر ان کو پکارنا وہ پرندے تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے، چنانچہ حسب الحکم انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہ پرندے زندہ ہو کر ان کی آواز پر دوڑتے ہوئے چلے آئے، پرندے ہونے کے باوجود وہ اڑ کر نہ آئے بلکہ پیروں سے چل کر آئے کیونکہ نظروں کے سامنے اس کا ظہور بدرجہ اتم ہے۔

آخر میں فرمایا ﴿وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (کہ اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے) اسباب عادیہ وغیر عادیہ سب اس کے قبضہ میں ہیں۔ اس کے سب کاموں میں حکمت ہے۔ (من روح المعانی، ص ۳۱۳ تا ۳۱۶، ج ۳)

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ

مِائَةٌ حَبَّةٌ ۗ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٧﴾

مثال ان لوگوں کی جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ ہو اس نے اگائیں سات بالیں، ہر بال میں ہیں سو دانے، اور اللہ چند در چند کر دیتا ہے جس کے لیے چاہے۔ اور اللہ وسعت والا ہے علم والا ہے۔

فی سبیل اللہ خرچ کرنے والوں کا اجر و ثواب

آیت شریفہ میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی۔ اللہ کی رضا کے لیے جو بھی مال خرچ کیا جائے وہ سب فی سبیل اللہ

ہے۔ اور عام طور سے یہ لفظ جہاد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے بہر صورت جہاد میں خرچ کرے یا غیر جہاد میں خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی فضیلت بہت ہے اور یہ تو عام قانون ہے کہ ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امْتَالِهَا﴾ (جو کوئی شخص ایک نیکی کرے اس کے لیے اس کا دس گنا ہے) ایک نیکی کی دس نیکی یہ تو کم سے کم ہے اور اس کے علاوہ اللہ جل شانہ اس سے زیادہ جتنا جس کو بڑھا چڑھا کر عنایت فرمائے وہ مزید انعام و اکرام ہے۔ اس آیت شریفہ میں اللہ کی راہ میں خرچ کر نیوالوں کے بارے میں ایک مثال بیان فرمائی ہے اور وہ یہ کہ جیسے کوئی دانہ زمین میں گر جائے پھر اس سے ایک درخت نکل آئے اس درخت میں سات بالیس ہوں اور ہر بالی میں سو سودا نے ہوں اس طرح سے ایک دانہ کے سات سودا نے بن گئے، اللہ تعالیٰ شانہ ایک درہم یا ایک دینار یا ایک روپیہ یا ایک پیسہ خرچ کرنے پر اس کے عوض ثواب میں سات سو گنا عطا فرماتے ہیں اور سات سو پر بھی کوئی منحصر نہیں ہے اس سے زیادہ بھی عطا فرمادیتے ہیں جس کو ﴿وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ میں بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ بہت بڑی وسعت والا ہے وہ جس کو جتنا چاہے دے سکتا ہے اور وہ علم والا بھی ہے کسی کی کوئی نیکی اس کے علم سے باہر نہیں اس کی رضا کے لیے جو بھی کوئی بدنی یا مالی عبادت انجام دے گا اس کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ نہیں، آخرت میں اس کا ثواب چند در چند پالے گا۔ سنن ابن ماجہ ص ۱۹۸ میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس نے اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد میں) خرچ کرنے کے لیے مال بھیج دیا اور خود گھر ہی میں رہا تو اسے ہر درہم کے عوض سات سو درہم (کا ثواب) ملے گا اور جس شخص نے اپنی جان سے شریک ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اللہ کی خوشنودی کے لیے مال خرچ کیا تو اس کے لیے ہر درہم کے عوض سات لاکھ درہم ہوں گے، یہ فرما کر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ﴿وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ کی تلاوت فرمائی۔ تفسیر درمنثور ص ۳۲۶ ج ۱ میں بحوالہ طبرانی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ اس کے لیے بہت بڑی خوبی ہے جو فی سبیل اللہ جہاد میں مشغول ہوتے ہوئے اللہ کے ذکر کی کثرت کرے کیونکہ اسے ہر کلمہ کے عوض ستر ہزار نیکیاں ملیں گی جن میں سے ہر نیکی دس گنی کر کے ملے گی اس کے علاوہ جو اس کے لیے اللہ کے نزدیک ہے وہ مزید ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا کیا ثواب ہے آپ نے فرمایا وہ بھی اس قدر ہے۔ حضرت معاذ بن جبل کے شاگرد نے عرض کیا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا ثواب سات سو گنا ہے انہوں نے فرمایا کہ تو کم سمجھ آدمی ہے۔ یہ سات سو گنا اس وقت ہے جب اپنے گھروں میں رہتے ہوئے جہاد میں خرچ کرنے کے لیے بھیج دیں اور خود جہاد میں شریک نہ ہوں اور جب خود جہاد میں شریک ہوں اور اس وقت خرچ کریں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں میں ان کے لیے جو کچھ پوشیدہ رکھا ہے وہاں تک بندوں کے علم کی رسائی نہیں ہے اور بندے اس کی کیفیت کے جاننے سے عاجز ہیں۔ یہ لوگ حزب اللہ (اللہ کی جماعت) ہیں اور اللہ کی جماعت غالب ہونے والی ہے۔

حضرت بریدہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حج و جہاد کا خرچ یکساں ہے ایک درہم خرچ کرنا سات ہر درہم خرچ کرنے کے برابر ہے (درمنثور ص ۳۳۷ ج ۱) اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی کے ثواب میں کوئی کمی نہیں فضل ہی فضل ہے، عطا ہی عطا۔ تھوڑے پر بہت ملتا ہے۔ نیت اللہ کی رضا کی کرنی لازم ہے، آیت بالا میں بھی لفظ فی سبیل اللہ فرما کر اخلاص کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور آئندہ آنے والی آیات میں خرچ کرنے کے آداب بتاتے ہوئے ریاکاری کے طور پر خرچ کرنے کی مذمت فرمائی ہے۔

الَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَدْمًا لَهُمْ أَجْرُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۱۷﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ
يَتَّبِعُهَا أَدْمًا وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَدْمِ

كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَنَسَلَهُ كِشْلًا صَفْوَانٍ عَلَيْهِ
تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۗ لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۳﴾

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد احسان نہیں دھرتے اور ایذا نہیں پہنچاتے ان کے لیے ثواب ہے ان کے رب کے پاس، اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ بھلی بات کہہ دینا اور درگزر کر دینا ایسے صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے اور اللہ غنی ہے حلیم ہے، اے ایمان والو! مت باطل کرو اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر اس شخص کی طرح سے جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کو دکھانے کے لیے اور ایمان نہیں لاتا اللہ پر اور یوم آخرت پر، سواس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنا پتھر ہو جس پر ذرا سی مٹی ہو پھر پہنچ گئی اس کو زوردار بارش سو کر چھوڑا اس کو بالکل ہی صاف، یہ لوگ اپنی کمائی میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے، اور اللہ کا فرقہ کو ہدایت نہیں دیتا۔

فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے آداب اور ریاکاروں کے صدقات کی مثال

ان آیات میں اول تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت بتائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے لیے اجر و ثواب ہے نہ ان پر کوئی خوف ہے نہ وہ رنجیدہ ہوں گے، اور ساتھ ہی دو باتوں پر تشبیہ فرمائی ہے، اول یہ کہ جس کسی کو مال دیں اس پر احسان نہ دھریں اور اسے تکلیف نہ پہنچائیں، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ صدقہ دینے کے بعد احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے، بہت سے لوگوں کی جو یہ عادت ہوتی ہے کہ تھوڑا بہت صدقہ دے کر ان لوگوں پر احسان دھرتے ہیں جن لوگوں کو کچھ دیا۔ اور خاص کر ان لوگوں پر جو رشتہ دار ہیں یا اپنے شہر کے رہنے والے ہیں ایسے لوگ احسان دھرنے سے اپنا ثواب باطل کر دیتے ہیں جس پر احسان دھرا جائے اسے احسان کے الفاظ سننے سے یا احسان دھرنے کی طرح برتاؤ کرنے سے تکلیف ہوتی ہی ہے اور بعض مرتبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں یا ان پر خرچ کرنے کی وجہ سے بیگاریں لیتے ہیں، اس لیے لفظ مِّن (احسان جتانے) سے ساتھ لفظ اَذَى بھی ذکر فرمایا کہ اللہ کے لیے خرچ کریں اور احسان بھی نہ دھریں اور کسی قسم کی کوئی تکلیف بھی نہ پہنچائیں تب ثواب کے مستحق ہوں گے، اگر کسی نے سوال کیا اور اسے نہ دیا اور خوبصورتی کے ساتھ اچھے الفاظ میں جواب دے دیا اور سائل کی بدتمیزی پر اور تنگ کرنے پر جو غصہ آیا اس سے درگزر کر دیا تو یہ اس سے بہتر ہے کہ کچھ دیدے پھر احسان دھرے یا کسی طرح سے تکلیف پہنچائے۔ اس کو فرمایا ﴿قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا اَذًى﴾ جو لوگ صدقہ کر کے احسان جتاتے ہیں یا ایذا پہنچاتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ ان لوگوں کا ایسا حال ہے جیسے کوئی شخص لوگوں کو دکھانے کے لیے مال خرچ کرے اور اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہ رکھتا ہو ایسے شخص کے خرچ کرنے کی مثال دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جیسے کوئی چکنا پتھر ہو اس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور اوپر سے زوردار بارش پڑ جائے جو اس ذرا سی مٹی کو بہا کر لے جائے اور پتھر کو بالکل چکنا ساٹ چھوڑ دے، اول تو پتھر چکنا پھر اس پر مٹی بھی ذرا سی اور جو بارش برسی تو وہ بھی زوردار، ظاہر ہے کہ اس حالت میں پتھر صاف ہو کر چکنا نہ رہ جائے گا تو اور کیا ہوگا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ منافق کے خرچ کرنے کی مثال ہے کیونکہ وہ اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ مسلمانوں میں شریک ہو کر جو کسی نیک کام میں تھوڑا بہت خرچ کیا تو ایسا ہو جیسے چکنے پتھر پر ذرا سی مٹی آجائے اور چونکہ اس خرچ کا اسے کوئی ثواب نہ ملے گا اس لیے یہ خرچ کرنا اس کے حق میں بالکل ہی بے فائدہ ہے جیسا کہ اس ذرا سی مٹی پر خوب تیز بارش برس جائے اور اسے دھو ڈالے۔ یہ لوگ اپنی کمائی پر ذرا بھی قادر نہ ہوں گے کیونکہ انہوں نے جو کچھ کمایا اور خرچ کیا حالت فکر میں تھا اور دکھاوے کے لیے تھا اس کا ثواب انہیں ذرا نہ ملے گا، آخرت میں ان کا کمانا بھی ضائع ہے اور خرچ کرنا بھی، اور جب ایمان نہیں اور اخلاص نہیں تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں جنت کا

راستہ بھی نہ دکھائے گا۔ اوپر منافق ریاکار کا ذکر ہے جو مومن مخلص کے مقابلہ میں آیا ہے۔

اگر کوئی شخص مسلمان ہو اور ریا کاری سے کوئی ایسا کام کرے جو فی نفسہ نیک ہو، خواہ مالی عبادت ہو یا جانی عبادت، ریا کاری کی وجہ سے وہ بھی ثواب سے محروم رہے گا بلکہ ریا کاری اس کے لیے وبال ہوگی اور آخرت میں مستحق عذاب ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے جن لوگوں کے بارے میں سزا کا فیصلہ ہوگا ان میں ایک شخص وہ ہوگا جو بظاہر شہید ہو گیا تھا لیکن اس کی نیت یہ تھی کہ بہادری میں اس کا نام ہو، اور ایک وہ شخص ہوگا جس نے علم پڑھا اور پڑھایا اور قرآن شریف پڑھا۔ علم حاصل کرنے سے اس کی نیت یہ تھی کہ اس کو عالم کہا جائے اور قرآن پڑھنے سے اس کی نیت یہ تھی کہ اس کو قاری کہا جائے۔ اور ایک وہ شخص ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کا مال دیا تھا وہ اللہ پاک کے حضور میں کہے گا کہ جو بھی کوئی خرچ کرنے کی سبیل مجھے ملی جس میں خرچ کرنا آپ کے نزدیک محبوب تھا اس میں نے آپ کے لیے خرچ کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تو جھوٹ کہتا ہے تو نے یہ اس لیے کیا کہ تجھے سخی کہا جائے۔ تینوں آدمیوں سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تمہاری جو خواہش تھی وہ پوری ہو چکی اور جو تم چاہتے تھے وہ کہا جا چکا لہذا ان تینوں کو منہ کے بل گھیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جن کے ذریعہ سب سے پہلے دوزخ کو دھکا یا جائے گا یہ تین آدمی ہوں گے۔ (الترغیب و الترہیب ص ۱۲ ج ۱)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے ریا کاری کرتے ہوئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، اور جس نے روزہ رکھ کر ریا کاری کی اس نے شرک کیا اور جس نے صدقہ دے کر ریا کاری کی اس نے شرک کیا۔ (مشکوٰۃ ص ۲۵۵ ج ۳)

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَشِيئًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاتَتْ أَكْثُهَا ضِعْفَيْنِ فَإِنْ لَمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطُلٌّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۱۵﴾

اور مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اور نفسوں کو پختہ کرنے کے لیے ایسی مثال ہے جیسے ایک باغ ہو کسی ٹیلہ پر جس کو پہنچ جائے زوردار بارش پھر وہ دو گنا پھل لایا ہو، پس اگر زوردار بارش نہ پہنچی تو ہلکی بوند باندی بھی اسے کافی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے۔

اللہ کی رضا کے لیے خرچ کر نیوالوں کی مثال

اس آیت شریفہ میں مؤمنین صالحین مخلصین کے مال خرچ کرنے کی ایک مثال بتائی ہے اور اس مثال میں ان کے ثواب کی کثرت اور عند اللہ مقبولیت ظاہر فرمائی ہے، ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اور اس خرچ کرنے میں ان کی یہ بھی نیت ہے کہ ان کے نفس اس نیکی کرنے میں پختہ ہو جائیں تاکہ نفس خرچ کرنے کے خوگر رہیں اور کنجوسی کو پاس نہ آنے دیں تو ایسے لوگوں کے خرچ کرنے کی ثواب کے اعتبار سے ایسی مثال ہے جیسے کسی ٹیلہ پر ایک باغیچہ ہو (ٹیلوں کی آب و ہوا باغوں کے لیے نہایت مناسب ہوتی ہے) پھر اوپر سے زوردار بارش بھی ہو جائے تو زمین کو اور زیادہ قوت و طاقت پہنچ جائے جس کی وجہ سے دو گنے پھل آجائیں چونکہ یہ باغیچہ اونچے ٹیلہ پر ہے اس لیے زوردار بارش نہ ہو تو تھوڑا بہت چھینٹا بھی اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے جس طرح اس باغیچہ میں پھل خوب کثیر مقدار میں آئیں گے اہل ایمان اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے جو مال خرچ کریں گے اسی طرح ان کے خرچ کرنے کا ثواب بھی بہت زیادہ ملے گا۔

آخر میں فرمایا ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ یعنی جو بھی کوئی کسی طرح کا عمل کرتا ہے اچھا ہو یا برا، اللہ تعالیٰ سب کو دیکھتا ہے ہر عمل کا بدلہ اللہ کے یہاں سے ملے گا۔ ریاکار کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور مخلص کو بھی، اپنے عمل کی ہر ایک کو نگرانی کرنا لازم ہے کہ اخلاص ہے یا نہیں

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ اس تشبیہ میں جو دو (۲) طرح کی بارش فرض کی گئی ہے اس سے مقصود تفاوت مراتب اخلاص کا بیان کرنا ہے کہ چونکہ انفاق ایمان کے ساتھ مقرون ہے مَنْ و اذی و ریا اس میں مفقود ہے اخلاص اس میں موجود ہے تو ضروری ہے مقبول ہو کر موجب تضاعف اجر و ثواب ہو جاتا ہے۔ خواہ اخلاص اعلیٰ درجہ کا ہو یا اوسط یا ادنیٰ کا ہو، نفس قبول و تضاعف کے لیے ہر حال میں کافی ہے گو تفاوت مراتب اخلاص سے مراتب قبول و تضاعف میں بھی تفاوت ہو جائے گا۔

أَيُّدٌ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ مَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَابٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ
كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۳۱۶﴾

کیا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اس کے نیچے جاری ہوں نہریں اس میں اس کے لیے ہر طرح کے پھل ہوں اور اس کو بڑھاپا آجائے اور اس کی ضعیف آل و اولاد ہو پھر پہنچ گئی اس کو سخت تیز آندھی جس میں آگ ہو، سو وہ باغ جل جائے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے تمہارے لیے آیات تاکہ تم فکر کرو

عبادات اور طاعات کو باطل کر دینے والوں کی مثال

اس آیت شریفہ میں ان لوگوں کے بارے میں ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ جو اعمال صالحہ انجام دیتے ہیں لیکن ان کو ریا کاری یا مَنْ و اذی کی وجہ سے یا کسی ایسے عمل کے کرنے سے جو حیط اعمال کا سبب ہو برباد کر دیتے ہیں، ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کا باغ ہو جس میں کھجوروں اور انگوروں کے درخت ہوں اور ان کے علاوہ بھی ہر قسم کے پھل ہوں اس کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں وہ خود بوڑھا ہو گیا ہو اور اس کے اہل و اولاد ضعیف ہوں۔ خود بھی کچھ نہیں کر سکتا اور اولاد بھی کسی قابل نہیں، گزارہ کار راستہ صرف یہی باغ ہے اپنا خرچ بھی اسی سے ہے اور بال بچوں کا سہارا بھی یہی باغ ہے۔ ایسی حالت میں ایک تیز آندھی آئی اس آندھی میں آگ تھی اس آگ نے سارے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا، عین حاجت کے وقت جبکہ اس باغ کی بہت زیادہ ضرورت تھی کچھ بھی نہ بچا سارا ہی جل کر راکھ ہو گیا، اس مثال کو سامنے رکھ کر سمجھ لیں کہ جو اعمال صالحہ انجام دیئے جاتے ہیں ان کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آخرت میں ان کا ثواب ملے۔ وہاں حاجتیں پوری ہوں اور عذاب سے حفاظت ہو لیکن اخلاص نہ ہونے کے باعث جب بہت بڑی اور سب سے بڑی حاجت کا وقت آیا تو جو اعمال کیے تھے انہوں نے کچھ بھی کام نہ دیا کیونکہ اللہ کی رضا کے لیے نہیں بلکہ بندوں کو دکھانے کے لیے اعمال کیے تھے جو بظاہر نیک تھے لیکن ریا کاری نے ان کی نیکی ختم کر دی تھی نماز پڑھی دکھاوے کے لیے، حج کیا نام و نمود کے لیے، صدقہ دیا شہرت کے لیے، جہاد کیا بہادری ظاہر کرنے کے لیے، صدقہ دیا شہرت کے لیے اور شہرت کے خیال سے نہ تھا تو جن کو دیا تھا ان پر احسان دھر کر اور تکلیف پہنچا کر اکرارت کر دیا آخرت میں پیشی ہے اعمال صالحہ کی ضرورت ہے اور اعمال کا ثواب مل نہیں رہا ایسے وقت میں جو بد حالی ہوگی اس کا کچھ اندازہ مذکورہ بالا باغ والے آدمی کی حیرت اور پریشانی سے کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فکر مند بنانے کے لیے طرح طرح کی مثالیں بیان فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طِبِّتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَسَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغِصُوا فِيهِ ۗ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ

حَبِيدٌ ﴿۳۱۷﴾

اے ایمان والو! خرچ کرو اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیزوں کو، اور اس میں سے جو ہم نے نکالا تمہارے لیے زمین میں سے، اور منت ارادہ کروردی چیزوں کا کہ اس میں سے خرچ کرو، اور تم خود اس کے لینے والے نہیں ہو مگر اس صورت میں کہ چشم پوشی کر جاؤ، اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ غنی ہے اور حمید ہے۔

اللہ کی رضا کے لیے عمدہ مال خرچ کرنے کا حکم

گزشتہ آیات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا ثواب ذکر فرمایا ہے اور خرچ کرنے کے آداب بتائے ہیں اس آیت میں اپنے کمائے ہوئے مالوں میں سے طیب عمدہ حلال اور اچھی چیزیں خرچ کرنے کا حکم فرمایا، حرام کماتا تو حرام ہے جو حلال مال ہے اس میں سے بھی عمدہ چیز کو اللہ کی راہ میں دینا چاہئے۔ اسباب النزول صفحہ ۸۲ میں اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی، جب فصل پر کھجوروں کے پھل کاٹتے تھے تو کھجوروں کے خوشے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ستونوں کے درمیان بندھی ہوئی رسی پر لاکر ٹانگ دیتے تھے جس میں سے فقراء مہاجرین کھا لیتے تھے ان میں سوکھے ہوئے خوشے بھی ہوتے تھے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ﴾ (کہ تم ردی چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو۔) لباب النقول میں بحوالہ حاکم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۃ الفطر ادا فرمانے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ کھجور کا ایک صاع صدقہ میں دیا جائے اس پر ایک شخص ردی کھجوریں لے آیا لہذا آیت کریمہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ نازل ہوئی۔ یہ جو فرمایا ﴿وَلَسْتُمْ بِأَخِيذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغِضُّوا فِيهِ﴾ اس میں تشبیہ فرمائی کہ تم اللہ کی راہ میں گھٹیا مال خرچ کرنے کو تیار ہو لیکن ویسا ہی گھٹیا مال تمہیں کوئی دے تو تم خود اسے لینے کو تیار نہ ہو گے۔ تمہارا کسی پر قرضہ ہے قرضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں تمہیں کوئی خراب کھجوریں یا دوسرا کوئی گھٹیا مال دینے لگے تو تم اسے قبول نہ کرو گے ہاں یہ اور بات ہے کہ موقع دیکھ کر آنکھیں میچ لو اور یہ سمجھ کر رکھ لو کہ اس آدمی سے عمدہ مال کبھی بھی نہیں ملے گا چلو جو ہاتھ آتا ہے یہ ہی سہی، یہ مسامت والی بات دوسری ہے رضا اور رغبت اور دل کی خوشی کے ساتھ تم ردی چیز قبول نہیں کر سکتے۔

عمومی طور پر مال طیب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ:

﴿وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ﴾ (کہ ہم نے زمین سے جو کچھ تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ حضرات فقہاء کرام نے اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ زمین کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ ہے اور احادیث شریفہ میں بھی پیداوار کی زکوٰۃ ثابت ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس کو عشر کہا جاتا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے آیت کے عموم سے استدلال کیا ہے کہ زمین سے جو بھی کچھ پیدا ہو (غلہ ہو یا سبزیاں، ترکاریاں ہوں یا پھل) سب کی زکوٰۃ نکالنا فرض ہے۔ البتہ گھاس اور لکڑی ان کے نزدیک اس سے مستثنیٰ ہے۔ پیداوار کی زکوٰۃ کا اصول یہ ہے کہ جو زمین ایسے پانی سے سیراب کی جائے جس کی قیمت ادا کرنی نہ پڑے مثلاً بارش کے پانی سے سیراب کی جائے یا ندی یا دریا کے کنارے پر ترائی میں کوئی چیز پانی دیئے بغیر بونے سے پیدا ہو جائے تو اس کی کل پیداوار سے دسواں حصہ مستحقین زکوٰۃ کو دینا فرض ہے اور یہ بھی زکوٰۃ ہی ہے مثلاً دس کیلو پیداوار میں سے ایک کیلو دیدے اور اسی طرح باغ میں جو پھل پیدا ہوں ان کا بھی دسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کرے۔ اور اگر پانی کی قیمت دے کر زمین کو سیراب کیا گیا ہے تو ایسی زمین کی پیداوار پر نصف العشر یعنی دسویں کا آدھا زکوٰۃ میں دینا فرض ہوتا ہے جس کو بیسواں حصہ کہا جاتا ہے یعنی دس کیلو پیداوار میں سے آدھا کیلو زکوٰۃ میں دیدے۔

مسئلہ: یہ دسواں یا بیسواں حصہ جو زکوٰۃ میں ادا کرنا فرض ہے۔ اس میں کوئی نصاب نہیں ہے یعنی جس قدر بھی پیداوار ہو اس کا دسواں یا بیسواں حسب تفصیل بالا ادا کرے۔

مسئلہ: کھیتی پر جو مال خرچ ہوا مثلاً بیج ڈالا، مزدوروں سے زمین کھودوائی بیل خریدے، ٹریکٹر چلوایا، کام کرنے والوں کو مزدوری دی، یہ سب اخراجات منہا نہیں ہوں گے جو کچھ بھی پیداوار ہو اس کی زکوٰۃ کا دسواں (۱۰) یا بیسواں (۲۰) حصہ (حسب تفصیل بالا) زکوٰۃ میں ادا کرنا لازم ہے۔

فائدہ: زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے میں کچھ تفصیل ہے۔ مختصراً اتنا سمجھ لیا جائے کہ جو کوئی علاقہ کافروں کے قبضہ میں تھا پھر مسلمانوں نے حملہ کر کے وہ علاقہ ان سے چھین لیا اور امیر المومنین نے اس علاقہ کی زمین مسلمانوں میں تقسیم کر دی تو یہ زمین عشری ہے اسی طرح سے اگر کسی شہر کے رہنے والے مسلمان ہو جائیں تو ان کی زمین بھی عشری ہو جائے گی۔

آیت کے ختم پر فرمایا: ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ کہ (اللہ تعالیٰ غنی ہے مستحق حمد ہے) اسے تمہارے صدقات کی حاجت نہیں جو کچھ خرچ کرتے ہو آپس میں خود ہی منتفع ہوتے ہو اس نے جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کے عطاء فرمانے پر وہ مستحق حمد ہے۔ مستحق شکر ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حمید بمعنی حامد بھی ہو سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ عمدہ چیز قبول فرماتا ہے یعنی خرچ کرنے والے کو ثواب دیتا ہے اور یہ قبول کرنا اور ثواب دینا اس کی طرف سے بندوں کی تعریف ہے۔

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ ۗ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۱۸﴾

إِلَّا أُولَٰئِكَ الْبَابُ ﴿۲۱۹﴾

شیطان تم کو ڈراتا ہے تنگدستی سے، اور حکم دیتا ہے تمہیں فحش کاموں کا اور اللہ وعدہ فرماتا ہے تم سے اپنی طرف سے مغفرت کا اور فضل کا، اور اللہ وسعت والا ہے۔ خوب جاننے والا ہے، وہ حکمت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور جس کو حکمت دی گئی، اسے خوب زیادہ خیر عطاء کی گئی، اور وہ ہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

شیطان تنگدستی سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ مغفرت اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے

اس آیت شریفہ میں ہدایت فرمائی ہے کہ شیطان کے بہکانے اور ڈرانے میں نہ آئیں جب تم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ کرو گے تو شیطان تمہارے دل میں وسوسے ڈالے گا۔ اور یوں کہے گا کہ صدقہ دو گے تو مال کم ہو جائے گا۔ تنگدستی آجائے گی اپنی کل کی ضرورت کے لیے مال بچا کر رکھو، بچوں کے کام آئے گا، اگر خرچ کرنے ہی لگو گے تو پھر وہ گھٹیا مال خرچ کرنے کی ترغیب دے گا وہ تنگدستی سے ڈراتا ہے۔ بخل پر ابھارتا ہے اور اس کے علاوہ بے حیائی کے کاموں کا بھی حکم کرتا ہے وہ گناہوں کی ترغیب دیتا ہے، تم اس کے کہنے میں نہ آؤ، اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھو، اس نے تم سے جو مغفرت اور فضل کا وعدہ فرمایا ہے اس کے امیدوار رہو اور یقین جانو کہ وہ اپنے سب وعدے پورے فرمائے گا، اپنے خالق و مالک کے وعدوں کو بھول جانا اور دشمن شیطان کی باتوں میں آجانا سمجھ داری کی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تھوڑا سا دو گے تو بہت ملے گا آخرت میں تو اجر و ثواب ہے ہی دنیا میں بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بڑے بڑے منافع ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں ایک تو یہ ہے کہ صدقہ کرنے سے کسی بندہ کا مال کم نہ ہوگا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جس کسی بندہ پر بھی ظلم کیا جائے وہ اس پر صبر کر لے گا تو اللہ اس کی وجہ سے اس کو ضرور عزت عطا فرمائے گا اور تیسری بات یہ ہے کہ جو بھی شخص بندوں سے مانگنے کا دروازہ کھولے گا تو اس کے لیے ضرور تنگدستی کا دروازہ کھل جائے گا۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۴۵۱ ج ۱)

زکوٰۃ اور صدقات سے مال گھٹتا نہیں ہے بڑھتا ہی ہے اور اس سے مال کی حفاظت بھی ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ ادا کر کے ضائع ہونے سے محفوظ کرو اور اپنے مریضوں کے علاج کے لیے صدقہ دیا کرو (کیونکہ یہ بہت بڑا علاج ہے) اور مصیبت کی

موجوں کا مقابلہ دعاء سے اور تضرع و زاری سے کرو۔ (رواہ ابو داؤد فی المراسیل)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ابن آدم تو (مخلوق پر) خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (صحیح بخاری)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم خرچ کرتی رہو اور گن کرمت رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی گن کر دے گا اور بند کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی داد و دہش بند فرما دے گا جو بھی تھوڑا بہت ہو خرچ کرتی رہو۔ (صحیح بخاری ص ۱۹۳ ج ۱)

شیطان چاہتا ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کریں نفس بھی ہچکچاتا ہے کہ خرچ ہو جائے گا تو آگے کیا ہوگا، کہاں سے آئے گا اور ایسے ہی وقت میں صدقہ کرنے کی زیادہ فضیلت ہے جبکہ نفس کنجوسی کی طرف جاتا ہو۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کونسا صدقہ ثواب سے اعتبار سے زیادہ بڑا ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا صدقہ کہ صدقہ کرتے وقت تندرست ہو۔ (مرض الموت میں نہ ہو) خرچ کرنے کو دل نہ چاہتا ہو۔ تنگدستی سے ڈرتا ہو اور پیسہ پاس رکھنے کی آرزو رکھتا ہو یہ صدقہ ثواب کے اعتبار سے سب سے بڑا ہے اور خرچ کرنے میں تو دیر نہ لگا یہاں تک کہ جب موت آجائے اور جان حلق کو پہنچ جائے تو کہنے لگے کہ فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا (اب فلاں کو کیا دلوار ہے) اب تو دوسروں کا ہو ہی چکا۔ (صحیح بخاری ص ۱۹۱ ج ۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو اس کی وجہ سے مال کا شر چلا گیا (یعنی مال کی وجہ سے جس کسی شر کا اندیشہ تھا اس سے حفاظت ہو گئی)۔ (الترغیب والترہیب ص ۵۱۹ ج ۱)

شیطان انسان کا بہت بڑا دشمن ہے یہی نہیں کہ صرف اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتا ہے بلکہ طرح طرح کی مشکلات سامنے لا کر پریشان کرتا ہے اور ڈراتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے اور بندوں کے ایمان کو متزلزل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی آدم کے دل پر شیطان کی پہنچ بھی ہوتی ہے اور فرشتے کا نزول بھی ہوتا ہے۔ شیطان (تنگدستی وغیرہ سامنے لا کر) ڈراتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے۔ اور فرشتہ خیر کے واقع ہونے کی امیدیں دلاتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے۔ سو تم میں سے جو شخص بھی اسے محسوس کرے تو جان لے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے لہذا اللہ کی حمد کرے اور جو شخص دوسری بات (یعنی شیطان کی سمجھائی ہوئی چیز) محسوس کرے وہ شیطان سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگے۔ یہ بات فرما کر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت **﴿الشیطن یعدکم الفقر و یأمرکم بالفحشاء﴾** تلاوت فرمائی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸ ج ۱)

آیت کے ختم پر فرمایا: **﴿واللہ واسع علیہم﴾** کہ اللہ تعالیٰ وسیع رحمت و وسیع فضل، وسیع علم والا ہے۔ سب کے صدقات کو اور نیمتوں کو جانتا ہے۔ وہ خوب زیادہ دے گا پھر فرمایا **﴿یوتی الحکمۃ من یشاء﴾** کہ اللہ تعالیٰ حکمت عطا فرماتا ہے جس کو چاہے، لفظ حکمت مضبوط چیز کے معنی میں آتا ہے، علم عمل قول جس میں بھی اتقان ہو وہ سب حکمت ہے یہ لفظ قرآن مجید میں بہت سی جگہ وارد ہوا ہے۔ روح المعانی ص ۴۱ ج ۳ میں تفسیر البحر المحیط سے نقل کیا ہے کہ اس میں حضرات علماء کرام کے انیس (۲۹) اقوال ہیں اور تقریباً سب کا مرجع ایک ہی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے فقہ فی القرآن مراد ہے، حضرت قتادہ وغیرہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن کو پڑھنا اور اس میں فکر کرنا یہ حکمت ہے، انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ حکمت سے وہ علم مراد ہے جس کا نفع بہت بڑا ہو اور فائدہ خوب زیادہ ہو، حضرت عطاء نے فرمایا کہ اللہ کی معرفت کا نام حکمت ہے۔ حضرت ابو عثمان نے فرمایا کہ حکمت ایک نور ہے جس کے ذریعہ وساوس اور الہام صحیح میں فرق ہوتا ہے، جو بھی معنی لیا جائے ہر ایک مناسب معلوم ہوتا ہے، بلکہ سب کا مرجع تقریباً ایک ہی ہے، علم محکم اور علم نافع اور عمل صحیح اور قول صحیح اجمالی طور پر یہ معنی مراد لے لیے جائیں تو آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے، اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے حکمت عطا فرمائے۔ پھر فرمایا کہ جسے حکمت عطا کی گئی اسے بہت زیادہ خیر عطا کر دی گئی، کیونکہ حکمت اس کے لیے دنیا و آخرت کی خیر حاصل ہونے کا ذریعہ بنے گی جس کے اقوال و اعمال ٹھیک ہوں علم محکم کے مطابق ہوں۔ صحیح بخاری ص ۱۷۱ ج ۱ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ رشک کے قابل صرف دو ہی آدمی ہیں ایک وہ جسے اللہ نے مال دیا پھر اسے حق کے کاموں میں خوب زیادہ خرچ کرنے پر مسلط فرمایا دینا، اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت دی اور وہ اس کے ذریعہ فیصلے کرتا ہے اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا: ﴿وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ کہ عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں جو اوہام سے اور اتباع ہوئی کی تاریکیوں سے دور ہیں۔ اللہ کی آیات میں غور و فکر کرتے ہیں، اور یہ غور و فکر ان کے لیے ذریعہ موعظت و نصیحت بنتا ہے۔ ﴿وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (الآیة)۔

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ أَوْ نَذْرًا مِّنْ نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۲۷﴾

جو کچھ کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو سو بلاشبہ اللہ اس کو جانتا ہے اور ظلم کرنے والوں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔

جو کچھ خرچ کرو گے یا نذر مانو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت اور ریا اور من و اذی سے بچنے کی تاکید اور مال طیب خرچ کرنے کا حکم فرمانے اور شیطان کے وسوسوں پر عمل نہ کرنے اور خدائی وعدوں کے مطابق اعمال کے ثواب کی امید رکھنے کا حکم دینے کے بعد اب اجمالی طور پر یہ فرمایا ہے کہ تم جو بھی کوئی خرچہ کم یا زیادہ دکھا کر یا پوشیدہ طور پر خرچ کرو گے یا کوئی نذر مانو گے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے وہ نیت اور عمل سب کو جانتا ہے اسی کے مطابق وہ جزا دے گا۔ یہ ایک اعتبار سے گزشتہ مضامین کی تاکید ہے، نفقہ کے ساتھ نذر کا ذکر بھی فرمایا ہے کوئی شخص اگر نذر مان لے بشرطیکہ گناہ کی نذر نہ ہو تو وہ لازم ہو جاتی ہے نذر مطلق بھی ہوتی ہے اور معلق بھی، مطلق یہ کہ یوں زبان سے کہے کہ اللہ کے لیے ایک روزہ رکھوں گا یا دو (۲) رکعت نماز پڑھوں گا یا نفلی صدقہ کروں گا اور نذر معلق یہ ہے کہ یوں کہے کہ میرا بیٹا اچھا ہو جائے تو اتنے نفل پڑھوں گا یا اتنے مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا یا سو (۱۰۰) روپے صدقہ کروں گا۔ دونوں طرح کی نذر کرنے سے نذر کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

سورہ حج میں ارشاد ہے: ﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾ (کہ اپنی نذروں کو پورا کریں)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام طور سے لوگ چونکہ مرض یا خوف یا کسی مصیبت کے دور کرنے کے لیے نذر مانتے ہیں اور عموماً مال خرچ کرنے کی نذر ہوتی ہے اس لیے یہاں نفقہ کے ساتھ اس کا بھی ذکر فرما دیا ہے، نذر کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نذر ماننے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ وہ کسی چیز کو دفع نہیں کر سکتی اور ہوتا یہ ہے کہ اس کے ذریعہ بخیل سے کوئی چیز نکال لی جاتی ہے۔ (رواہ البخاری ص ۹۹۰ ج ۲)

نذر ماننا مناسب تو نہیں جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا لیکن اگر کوئی شخص نذر مان لے تو اسے پورا کرے۔ البتہ اگر گناہ کی نذر مانی ہو تو اس کو پورا نہ کرے لیکن اس کا کفارہ ادا کرے جو قسم کا کفارہ ہے وہ ہی نذر کی خلاف ورزی کا بھی کفارہ ہے قسم کا کفارہ سورہ مائدہ میں ساتویں پارہ کے شروع میں مذکور ہے وہاں اس کی تفصیل دیکھی جائے۔

مسئلہ: کسی بھی گناہ کی نذر ماننا حرام ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی اطاعت کی نذر مانے وہ اللہ کی اطاعت کرے اور جو شخص معصیت کی نذر مان لے وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے (رواہ البخاری ص ۹۹۱ ج ۲) یعنی گناہ کی نذر ماننے کی وجہ سے یہ نہ سمجھے کہ مجھے گناہ کرنا ہی ہے بلکہ اپنی نذر کی خلاف ورزی کرے اور کفارہ دیدے۔ (کما فی روایۃ ابی داؤد و الترمذی و النسائی مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۹۸)

وجوب نذر سے متعلق فقہاء نے چند مسائل لکھے ہیں ان کے لیے کتب فقہ کی مراجعت کی جائے۔ پھر فرمایا: ﴿وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ (کہ ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں)۔ ہر معصیت ظلم ہے۔ چھوٹے بڑے جتنے بھی گناہ ہیں اپنے اپنے درجہ کے اعتبار سے ظلم ہیں

بہت سے گناہ ایسے ہیں جو دوسروں پر ظلم کرنے کا سبب بنتے ہیں لیکن ہر گناہ، گناہ کرنے والے کی جان پر تو بہر حال ظلم ہے ہی اور سب سے بڑا ظلم کفر و شرک ہے۔

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۷۱﴾

اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تو یہ اچھی بات ہے، اور اگر تم ان کو چھپاؤ اور فقراء کو دو تو وہ زیادہ بہتر ہے تمہارے لیے، اور اللہ تمہارے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا۔ اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔

صدقات کو ظاہر کر کے یا پوشیدہ طریقہ پر دینا

اس آیت شریفہ میں صدقات دینے کے بارے میں ایک بہت اہم بات ذکر فرمائی ہے اور وہ صدقات ظاہر کر کے دینے اور چھپا کر دینے کے متعلق ہے اول تو یہ سمجھنا چاہئے کہ ریا کاری جس کا نام ہے وہ خواہ مخواہ چپکتی نہیں پھرتی وہ تو نیت اور ارادہ کا نام ہے، جو کوئی شخص نماز پڑھے یا ذکر کرے یا زکوٰۃ دے یا صدقہ نافلہ دے اور اس کی نیت یہ ہو کہ لوگ مجھے نیک سمجھیں، میرا نام ہو، میری شہرت ہو تو یہ ریا کاری ہوگی اور گناہ ہوگا جس سے اعمال اکارت ہو جائیں گے، لیکن اگر کوئی شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جانی و مالی عبادت کرے چاہے لوگوں کے سامنے ہی ہو اور اس سے نام و نمود و شہرت مقصود نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اگر یہ نیت ہو کہ لوگوں کے سامنے عمل کرنے سے دوسروں کو بھی ترغیب ہوگی تو اس نیت کا مستقل ثواب ملے گا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ میں اپنے گھر کے اندر اپنی نماز کی جگہ نماز پڑھ رہا تھا کہ آدمی داخل ہوا اس نے مجھے دیکھ لیا اس کے آنے سے مجھے یہ بھلا معلوم ہوا کہ اس نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ عرض کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ تجھ پر اللہ کی رحمت ہو اس میں تیرے لیے دواجر ہیں، پوشیدہ عمل کرنے کا اجر بھی اور ظاہر عمل کرنے کا اجر بھی۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو یہ بیان کیا کہ ”مجھے یہ بھلا معلوم ہوا کہ اس نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا“ اس کے بیان کرنے میں یا تو ان کا یہ مطلب تھا کہ میرے نفس میں ریا کاری کا وسوسہ آ گیا کہ مجھے ایک آدمی نے تنہائی میں نماز پڑھتے دیکھ لیا یا یہ مطلب تھا کہ نفس کو اس بات کی خوشی ہوئی کہ یہ جو آدمی آیا ہے یہ میرا عمل دیکھ کر خود بھی عمل کرے گا۔ بہر حال جو بھی صورت ہو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوہرے اجر کی خوشخبری دی۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ ریا لوگوں کے سامنے عمل کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ تو اندر کے اس جذبہ کا نام ہے کہ لوگ میرے معتقد ہوں اور مجھے اچھا کہیں اور عبادت کی وجہ سے میری تعریف ہو۔ اس تمہید کے بعد آیت بالا کی تفسیر ذہن نشین کر لینی چاہئے، اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اگر تم صدقات ظاہر کر کے دے دو تو یہ بھی اچھی بات ہے، جب نیت خالص ہے اور اللہ کی رضا مقصود ہے تو یہ ادائیگی ریا کاری نہ رہی اور اس میں اس فائدہ کی امید ہے کہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب ہوگی پھر فرمایا اور اگر تم صدقات کو چھپا کر دو تو تو یہ تمہارے لیے ظاہر کر کے دینے سے زیادہ بہتر ہے۔ ظاہر کر کے دینے کو اچھی بات بتایا اور چھپا کر دینے کو زیادہ بہتر بتایا، کیونکہ چھپا کر دینے میں احتمال ریا کا ختم ہو جاتا ہے اور نفس کے پھولنے کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ اور اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جس کو صدقہ دیا جائے وہ تنہائی میں لینے سے شرماتا نہیں اور اپنی خفت بھی محسوس نہیں کرتا۔ الفاظ آیت کے عموم سے معلوم ہو رہا ہے کہ چھپا کر دینا ہی زیادہ بہتر ہے۔ بعض حالات کے اعتبار سے لوگوں کے سامنے خرچ کرنا زیادہ باعث فضیلت ہو جائے وہ دوسری بات ہے مثلاً کسی جگہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے

کاروانج نہیں ہے لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں فریضہ زکوٰۃ زندہ کرنے اور اس کاروانج ڈالنے کے لیے لوگوں کے سامنے دے یا کوئی ایسا شخص ہو جس کی اقتداء میں لوگوں کو خرچ کرنے کی طرف توجہ ہوگی تو ایسی صورت میں لوگوں کے سامنے دینے اور خرچ کرنے میں چھپا کر دینے سے زیادہ ثواب ہو سکتا ہے اصل چیز اخلاص نیت ہے اور نفس پر قابو پانا چونکہ ہر شخص کے بس کا نہیں ہے اس لیے چھپا کر خرچ کرنے کو زیادہ بہتر اور افضل بتایا ہے، بہت سے لوگ دیتے تو تنہائی میں ہیں لیکن اخبارات کے ذریعے شہرت کرتے ہیں اور مساجد و مدارس کی روئیدادوں میں اپنا نام لانے کی کوشش کرتے ہیں اور بڑے بڑے القاب و آداب کے ساتھ اپنا نام چھپنے کے انتظار میں رہتے ہیں۔ تنہائی میں دینے کا کیا فائدہ ہوا جبکہ دل میں ریا کاری کی موجیں اٹھ رہی ہیں۔ عمل ظاہر میں کرے یا پوشیدہ کرے صرف اللہ کی رضا مقصود ہو اور عمل کی جو خوبی ظاہر میں ہو وہی پوشیدہ حالت میں ہو تو یہ دلیل اخلاص ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ جب لوگوں کے سامنے نماز پڑھتا ہے اور اچھی طرح نماز پڑھتا ہے اور پوشیدہ طور پر نماز پڑھتا ہے تب اچھی نماز پڑھتا ہے تو اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ واقعی یہ میرا بندہ ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۵)

صاحب روح المعانی (ص ۴۴ ج ۳) لکھتے ہیں کہ چھپا کر صدقہ کرنے کے بارے میں کثیر تعداد میں احادیث و آثار وارد ہوئے ہیں پھر مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو صدقہ کسی فقیر کو چپکے سے دے دیا جائے یا ایسا شخص صدقہ کر دے جو تنگ دست ہوتے ہوئے محنت اور کوشش کر کے مال حاصل کرے اور صدقہ دے دے اس کے بعد آپ نے آیت بالاتلاوت فرمائی۔ صحیح بخاری ص ۹۱ ج ۱ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سات افراد ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، ان سات آدمیوں میں ایک وہ شخص ہے جس نے دائیں ہاتھ سے اس طرح چھپا کر صدقہ دیا کہ اس سے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا يُفْسِدُكُمْ ۗ وَمَا تَنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿۴۶﴾

آپ کے ذمہ نہیں ہے ان کی ہدایت، لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جو کچھ بھی اچھا مال تم خرچ کرتے ہو تو وہ تمہاری جانوں کے لیے ہے، اور تم نہیں خرچ کرتے ہو مگر اللہ کی رضا کے لیے، اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے اچھا مال وہ پورا پورا تمہیں دے دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

جو کچھ بھی اچھا مال خرچ کرو گے اس کا بدلہ تمہیں مل جائے گا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت محنت و کوشش فرماتے تھے اور اہل کفر کو حق کی دعوت دیتے تھے۔ وہ لوگ جب قبول نہیں کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعی طور پر رنج ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے آیات نازل ہوتی تھیں، ایسی آیات قرآن کریم میں کئی جگہ موجود ہیں انہی میں سے ایک یہ آیت بھی ہے کہ آپ کا کام براہ دکھانا ہے۔ صحیح بات بتانا ہے، حق کا قبول کرانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہادی ہے۔ وہ جس کو چاہے۔ ہدایت دے، آپ کو غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ صاحب روح المعانی (ص ۴۵ ج ۳) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا سبب نزول یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ہم صرف اہل اسلام پر خرچ کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ انصار کی رشتہ داریاں تھیں جن میں بعض لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ حضرات ان کو صدقہ دینے سے بچتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ اسلام قبول کر لیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی، سبب نزول کو سامنے رکھنے کے اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ہدایت پر لانا آپ کا کام نہیں ہے کہ صدقہ روک کر لوگوں کو اسلام پر لانے کی صورت پیدا کی جائے صدقات نافلہ غیر مسلم ضرورت مندوں کو

دینے میں بھی ثواب ہے اسلام قبول کرنا نہ کرنا ان کا کام ہے۔

پھر فرمایا: ﴿وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا نُنْفِسُكُمْ﴾ صاحب روح المعانی اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو مال بھی نیک کاموں میں خرچ کرو گے اس کا نفع تم ہی کو ہوگا۔ لہذا من اور ریا کاری سے اسے ضائع نہ کرو یا یہ مطلب ہے کہ فقراء کو دے دیا کرو، خواہ وہ کافر ہی ہوں تمہیں ثواب ملنے سے مطلب ہے۔

پھر فرمایا: ﴿وَمَا تَنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ﴾ کہ تم تو صرف اللہ کی رضا ہی کے لیے خرچ کرتے ہو، لہذا ان آداب کی رعایت کرو جن سے اللہ کی رضا حاصل ہو اور ان اعمال سے بچو جن سے اللہ کی ناراضگی ہوتی ہو اور جن سے صدقات باطل ہو جاتے ہوں۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ نفی نبی کے معنی میں ہے یعنی تم نہ خرچ کرو مگر اللہ کی رضا کے لیے۔

پھر فرمایا: ﴿وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤْتِكُمْ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تظَلُمُونَ﴾ یعنی جو مال بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا اور ذرا سی بھی کمی نہ ہوگی اس میں پچھلے جملہ کی تاکید ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے خرچ کرنے کے بعد مزید مال عطا فرمائے گا۔ بحکم حدیث اللہم اعط منفقاً خلفاً یہ معنی لینا بھی بعید نہیں ہے۔ (من روح المعانی ج ۳ ص ۴۶)

مسئلہ: کافر کو نفلی صدقات دینا جائز ہے اس میں بھی ثواب ہے۔ البتہ کافر کو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ دینا جائز نہیں۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ

أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيَاهِهِمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ

اللَّهُ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۴۲﴾

صدقات فقراء کے لیے ہیں جو اللہ کی راہ میں روکے ہوئے ہیں وہ زمین میں سفر نہیں کر سکتے۔ سوال سے بچنے کے سبب انجان آدمی انہیں مالدار سمجھتا ہے، تو انہیں پہچان لے گا ان کی نشانی سے، وہ لوگ لپٹ کر لوگوں سے سوال نہیں کرتے، اور جو بھی کچھ تم خرچ کرو گے، اچھا مال سوال اللہ اس کو جاننے والا ہے۔

فی سبیل اللہ کام کرنے والوں پر خرچ کرنے کا حکم

اس آیت شریفہ میں ان فقراء پر خرچ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی جو دینی کاموں میں مشغول ہوں ان کی دینی مشغولیت انہیں کہیں آنے جانے نہیں دیتی اور کسب مال کے مواقع ان کی مشغولیت کی وجہ سے میسر نہیں ہے۔

صاحب روح المعانی نے (ص ۴۶ ج ۳) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ان سے حضرات اصحاب صفہ مراد ہیں پھر لکھا ہے کہ یہ حضرات تین سو (۳۰۰) کے لگ بھگ تھے ان کی تعداد میں کمی بیشی بھی ہوتی رہتی تھی یہ فقراء مہاجرین تھے جو مسجد نبوی کے چبوترے پر رہتے تھے جس پر چھپر پڑا ہوا تھا۔ یہ حضرات اپنے اوقات علم دین حاصل کرنے میں اور جہاد میں خرچ کرتے تھے اور جو کوئی جماعت جہاد کے لیے رسول اللہ ﷺ بھیجتے تھے اس میں چلے جاتے تھے۔

حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ ان سے وہ حضرات مراد ہیں جن کو جہاد میں زخم آگئے تھے، اور وہ معذور ہو گئے تھے لہذا مسلمانوں کے اموال میں ان کا حق مقرر فرما دیا۔

صاحب روح المعانی اس کے بعد لکھتے ہیں کہ دونوں روایتوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا مفہوم ان حضرات کو اولیت کے اعتبار سے شامل ہے حصر مقصود نہیں ہے کیونکہ ایسے لوگوں پر خرچ کرنے کا حکم قیامت (کے دن تک باقی ہے) جو لوگ اللہ کی راہ میں روکے گئے

ہیں ان کی ایک صفت تو یہ بیان فرمائی کہ دینی مشغولیت کی وجہ سے چل پھر کر کسب معاش نہیں کر سکتے اور ان پر خرچ کرنے کا یہ بہت بڑا سبب ہے۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ ﴿يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾ کہ یہ لوگ مخلوق کے سامنے سوال کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اس وجہ سے انجان آدمی جسے ان کا اندرونی حال معلوم نہیں ہے انہیں مالدار سمجھتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دینی کاموں میں لگے ہوئے ہیں جنہیں کمانے کی فرصت نہیں وہ مخلوق سے بالکل بے نیاز ہو کر کام کریں کسی کے سامنے کوئی حاجت نہ رکھیں ایسے بے نیاز ہو کر رہیں کہ جنہیں ان کا حال معلوم نہ ہو وہ ان کی بے نیازی کو دیکھ کر انہیں مالدار سمجھیں۔ ہاں دوسرے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ خرچ کرنے کی صحیح جگہ پہنچیں اور ایسے حاجت مندوں کا پتہ چلائیں، اور درحقیقت اصل مسکین وہی ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ وہ مسکین نہیں ہے جو لوگوں کے پاس گھومتا پھرتا ہے اسے ایک لقمہ اور دو لقمے اور ایک کھجور اور دو کھجوریں در بدر پھرتی ہیں لیکن واقعی مسکین وہ ہے جسے اتنا مقدور نہیں جو اسے بے نیاز کر دے اور اس کا پتہ بھی نہیں چلتا تا کہ اس پر خرچ کر دیا جائے اور وہ لوگوں سے سوال کرنے کے لیے بھی کھڑا نہیں ہوتا۔ (رواہ البخاری ج ۱)

ان حضرات کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی ﴿تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ﴾ کہ اے مخاطب ایسے لوگوں کو تو ان کی نشانی سے پہچان لے گا۔ نشانی سے حالت ظاہرہ مراد ہے جسے دیکھ کر ان کی حاجت مندی اور بے چارگی معلوم ہو جائے۔ اس نشانی کے بارے میں بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مشقت کے ظاہری آثار جو چہرے سے عیاں ہوں وہ مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بھوک کی وجہ سے جو رنگ زرد ہو گئے ہوں وہ مراد ہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کپڑوں کا پھٹا پرانا ہونا مراد ہے۔ صاحب معالم التزیل ص ۲۵۹ ج ۱ نے یہ اقوال نقل کیے ہیں لیکن درحقیقت ان پر کوئی انحصار نہیں، بھانپنے والے طرح طرح سے بھانپ لیتے ہیں جو فکر مند ہو گا وہ ان کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اور ان کے پاس اٹھ بیٹھ کر ان کی حاجت مندی کو پہچان ہی لے گا۔

پھر فرمایا کہ ﴿لَا يَسْتَلُونَ النَّاسَ الْحَافَا﴾ یعنی یہ حضرات لوگوں سے لگ لپٹ کر ذمہ ہو کے ضد کر کے سوال نہیں کرتے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ الحافا قید احترازی نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ وہ بالکل ہی سوال نہیں کرتے اگر سوال کرتے تو دیکھنے والا انہیں مالدار کیوں سمجھتا اور ان کے بارے میں ﴿يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾ کیوں ارشاد ہوتا۔ آخر میں فرمایا۔ ﴿وَمَا تَنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ اور جو بھی کچھ تم خیر میں سے خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے اس کی قدر فرمائے گا اور اس کی جزا دے گا تمہارا خرچ کیا ہوا ضائع نہ ہوگا۔

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں اس آیت کے مصداق سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دینیہ کی اشاعت میں مشغول ہیں پس اس بنا پر سب سے اچھا مصرف طالب علم ٹھہرے اور ان پر بعض نا تجربہ کاروں کا جو یہ طعن ہے کہ ان سے کمایا نہیں جاتا اس کا جواب قرآن میں دے دیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص ایسے دو کام نہیں کر سکتا جن میں سے ایک میں یا دونوں میں پوری مشغولی کی ضرورت ہو اور جس کا علم دین کی خدمت کا کچھ مذاق ہو گا وہ مشاہدہ سے سمجھ سکتا ہے کہ اس میں غایت مشغولی اور انہماک کی حاجت ہے اس کے لیے اس کے ساتھ اکتساب مال کا شغل جمع نہیں ہو سکتا اور اس کے کرنے سے علم دین کی خدمت نا تمام رہ جاتی ہے چنانچہ ہزاروں نظائر پیش نظر ہیں۔

الَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۷﴾

جراگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں پوشیدہ طور پر اور علانیہ طور پر سوان کے لیے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس، اور ان پر کوئی خوف نہیں، اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

رات دن مال خرچ کرنے والوں کی فضیلت اور منقبت

اس آیت میں رات دن اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنے کا تذکرہ ہے۔ جو پوشیدہ طور پر اللہ کی راہ میں مال خرچ کریں گے یا علانیہ طور پر قیامت کے دن ان کا خرچ کیا ہو مال اجر و ثواب کی صورت میں انہیں مل جائے گا۔ وہ وہاں غمگین نہ ہوں گے، جبکہ بہت سے لوگ بد عملی کی وجہ سے یا اپنے مالوں کو گناہوں میں خرچ کرنے کی وجہ سے غمگین ہوں گے۔ اس آیت میں مال خرچ کرنے کے بیان میں سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے سامنے مال خرچ کرنا ریا کاری میں شامل نہیں جس سے گناہ ہو اور خرچ کرنا اکارت ہو جاتا ہو، گو خفیہ طریقہ پر خرچ کرنے کی فضیلت زیادہ ہے لیکن اگر دکھاوا مقصود نہ ہو نام و نمود پیش نظر نہ ہو اور مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہی ہو تو لوگوں کے سامنے خرچ کرنے سے ریا کاری میں شمار نہ ہوگا، ریا کاری اپنے دل کے جذبہ اور ارادہ کا نام ہے، اگر کوئی شخص تنہائی میں نیک عمل کرے اور مال خرچ کرے اور پھر لوگوں کو معتقد بنانے کے لیے اپنے عمل کو ظاہر کرے یا دل میں یہ تڑپ ہو کہ میرے اعمال لوگوں پر ظاہر ہوں تاکہ میری تعریف ہو تو یہ بھی ریا میں شامل ہو جائے گا بلکہ اس میں دہرا ریا ہے کہ لوگ یوں کہیں گے کہ دیکھو کیسے مخلص ہیں تنہائیوں میں عمل کرتے ہیں۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا أَلَّا يَقْوَمُونَ إِلَّا كَمَا يَقْوَمُ الَّذِينَ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا ۗ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۗ فَمَنْ جَاءَكَ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ ۗ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ ۗ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۗ هُمْ فِيهَا

خُلِدُونَ ﴿۲۵﴾

جو لوگ کھاتے ہیں سود وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جیسے کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے شیطان لپٹ کر مخلوط بنا دے، یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ بیع تو سود ہی کی طرح سے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا، سو جس کے پاس آگئی نصیحت اس کے رب کی طرف سے پھر وہ باز آ گیا تو اس کے لیے وہ ہے جو گزر چکا، اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے، اور جو شخص پھر عود کرے سو یہ لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

سود خوروں کی مذمت

ان آیات میں سود خوروں کی مذمت بیان فرمائی ہے اور ان کا حال بیان فرمایا ہے جو قیامت کے دن ان کو پیش آئے گا یعنی وہ قیامت کے دن قبروں سے اس طرح حیران اور مدہوش کھڑے ہوں گے جیسے کسی کو شیطان لپٹ چپٹ جائے اور وہ اس کی وجہ سے مخلوط ہو جائے یعنی اس کے ہوش خطا ہو جائیں، مبہوت ہو جائے۔ بہکی بہکی باتیں کرے اس کا دل اور دماغ کام نہ کر سکے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جس کے پیٹ بیوت یعنی گھروں کی طرح سے تھے ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو ان کے پیٹوں کے باہر سے نظر آ رہے تھے۔ میں نے کہا، اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ سود کھانے والے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳۶ بحوالہ احمد و ابن ماجہ)

جس کے سامنے ایک سانپ ہو اس کی حیرانی اور پریشانی کا تصور کرو، پھر یہ سوچو کہ اگر کسی کے پیٹ میں ایک سانپ ہو تو اس کا کیا حال ہو گا اور اس کے بعد یہ غور کرو کہ جس کا پیٹ گھر کے برابر ہو اور اس میں سانپ بھرے ہوئے ہوں اس کا کیا حال ہوگا اور کیا ہوش برقرار رہے گا۔

سود خوروں کی قیامت کے دن کی حالت بتا کر یہ بتایا کہ یہ لوگ سود کو حلال قرار دینے کے لیے یوں کہتے ہیں کہ سود میں اور بیع میں فرق کیا ہے کاروبار کرنے میں بھی زیادہ مال ملتا ہے۔ اور سود کے لین دین میں بھی زیادہ مال ملتا ہے۔ لہذا بیع کی طرح سود لینا بھی صحیح ہوا۔ اس بات کو سود لینے والے مختلف الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو نفع کے نام سے کھا جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے پیسے کا نفع ہے حالانکہ کسی چیز کا نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی اور حرام حلال نہیں ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے وہ ہمیشہ حرام ہی رہے گا، جب سے بینکوں کا نظام جاری ہوا ہے لوگوں کو سود لینے کی عادت ہو گئی ہے اور جب تک سود نہ کھائیں ان کے نفس کو تسلی ہی نہیں ہوتی اور علماء کو خصوصیت کے ساتھ ہدف ملامت بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مولویوں نے قوم کو سود لینے سے اور سودی کاروبار سے روک دیا جس کی وجہ سے قوم بہت نیچے چلی گئی اور دوسری قومیں سودی کاروبار کر کے بام عروج پر پہنچ گئیں۔ بھلا مولوی کی کیا مجال ہے کہ وہ اپنے پاس سے خود کچھ کہے۔ وہ تو حکم سنانے والا ہے۔ حلال چیز کو حرام قرار دینا اس کے عہدہ میں کب ہے۔؟ جن لوگوں کو حرام کا ذوق ہے وہ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اعتراض کرتے ہیں کہ بیع اور سود میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاحِلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ کہ اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا پھر کیسے فرق نہیں ہے؟ ایک چیز حلال ہے دوسری چیز حرام ہے یہ بہت بڑا فرق ہے اور بیع اور سود کی حقیقت میں بھی فرق ہے۔ بیع تو مال سے مال کے مبادلہ کو کہا جاتا ہے پوری قیمت کے بدلہ مال آجاتا ہے اور سود میں یہ ہوتا ہے کہ جتنا قرض دیا وہ پورا وصول کر لیا جاتا ہے اور اس کے سوا الگ سے بھی زائد رقم لی جاتی ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر وہ قرض جو ذرا سا بھی زائد کچھ لے کر آئے تو وہ سود ہے۔ (کل قرض جرنفعاً فهو ربوا)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو کچھ قرض دے پھر قرض لینے والا کچھ ہدیہ دے یا اپنے جانور پر سوار کر لے تو نہ سوار ہونہ ہدیہ قبول کرے۔ ہاں اگر ان کے درمیان اس سے پہلے ہدیہ لینے دینے کا تعلق تھا تو وہ اور بات ہے۔ (رواہ ابن ماجہ البیہقی فی شعب الایمان کما فی مشکوٰۃ ص ۲۳۶)

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی انہوں نے فرمایا کہ تم ایسی سرزمین میں رہتے ہو جہاں سود کا لین دین رواج پائے ہوئے ہے جب کسی پر کچھ قرض ہو پھر وہ تمہیں بھوسہ کی ایک کٹھڑی یا جو کی کٹھڑی یا رسی میں بندھی ہوئی سبزی بھی دینا چاہے تو اس کو مت لینا کیونکہ وہ سود ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی احتیاط کا تو یہ عالم تھا کہ جب کسی قرضدار سے تقاضا کرنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو اس کی دیوار کے سایہ میں کھڑے نہ ہوتے تھے تاکہ قرضدار کی کسی چیز سے انتفاع نہ ہو جس کو قرض دیا ہو اس سے ہدیہ لینے کی ممانعت سے اس بات کا جواب بھی نکل آیا کہ جو شخص سود دیتا ہے۔ وہ اپنی خوشی سے دیتا ہے پھر اس کے لینے پر کیوں پابندی ہے؟ ہدیہ لینے کی ممانعت سے معلوم ہوا کہ خوشی سے دینے پر بھی سود لینا حلال نہیں ہے۔ جبکہ قرضدار سے ہدیہ لینا بھی حلال نہیں ہے تو سود کے نام سے اور سود کے عنوان سے جو کچھ ملے کر کے لیا جائے اس کے حلال ہونے کا ذکر ہی کیا ہے؟ باہمی رضامندی سے نہ سود حلال ہے نہ رشوت حلال ہے نہ زنا حلال ہے۔ سود کا لین دین پرانی امتوں میں بھی حرام تھا۔ سورۃ نساء میں فرمایا: ﴿فَبُظْلَمَ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ (سو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لیے حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ کثرت سے اللہ کے راستہ سے روکنے کا کام کرتے تھے اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ ان کو اس سے روکا گیا تھا، اور باطل طریقوں سے لوگوں کے مال کھانے کی وجہ سے، اور ہم نے ان کے لیے جو ان میں سے کفر پر ثابت رہے، دردناک عذاب تیار کیا ہے)

چونکہ سودی لین دین میں غریبوں پر ظلم ہوتا ہے۔ اور مہاجرین لوگ گھر بیٹھے ہوئے عوام کا خون چوستے ہیں اس لیے سود کھانے کی وہ سزا جو عالم برزخ میں ہے رسول اللہ ﷺ کو ایک خواب میں یوں دکھائی گئی کہ ایک شخص خون کی نہر میں کھڑا ہے اور نہر کے کنارے ایک آدمی ہے

جس کے۔ اے پتھر ہیں جو شخص نہر میں ہے وہ نکلنا چاہتا ہے تو یہ شخص اس کے منہ پر پتھر مار دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اسی جگہ چلا جاتا ہے جہاں پہلے تھا جب بھی وہ شخص نکلنا چاہتا ہے تو یہ شخص اس کے منہ پر پتھر مار دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی جگہ چلا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دونوں ساتھیوں سے پوچھا جن میں ایک جبریل اور دوسرے میکائیل تھے (ﷺ) کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ ان دونوں نے بتایا کہ یہ شخص جو نہر کے اندر ہے سود کھانے والا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۱۸۵ ج ۱)

کیونکہ سود کا لین دین بہت ہی بڑا گناہ ہے اس لیے سود سے متعلق ہر شخص پر لعنت کی گئی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور اس کی لکھا پڑھی کرنے والے پر اور اس کے گواہوں پر، اور فرمایا کہ یہ لوگ گناہ میں سب برابر ہیں۔ (رواہ مسلم ص ۲۷ ج ۱)

جو لوگ سودی کاغذات لکھتے ہیں اس کی فائلیں بنا کر رکھتے ہیں سودی لین دین کی فرموں اور کمپنیوں اور بینکوں میں کام کرتے ہیں اور جو سود لیتے ہیں اور سود دیتے ہیں وہ اپنے بارے میں غور کر لیں کہ لعنت کے کام میں مشغول ہیں۔ گناہ کی مدد بھی حرام ہے اور جس نوکری میں گناہ کرنا پڑے وہ بھی حرام ہے اور اس کی تنخواہ بھی حرام ہے۔ سود کا لین دین کرنے والوں اور زیادہ آمدنی کی خواہش رکھنے والوں کو مفتیوں کی بات ناگوار تو لگتی ہے مگر حق تو کہنا ہی پڑتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سود کا ایک درہم جو انسان کھالے اور وہ جانتا ہو کہ یہ سود کا ہے تو یہ چھتیس (۳۶) مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (رواہ احمد والدارقطنی مشکوٰۃ ص ۲۲۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سود کے ستر حصے ہیں ان میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ برا کام کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۲۶)

بیچ کی حلت اور سود کی حرمت بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿فَمَنْ جَاءَكَ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ﴾ کہ جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آگئی سو جو کچھ گزر چکا وہ اسی کے لیے ہے یعنی اب تک جو سود لیا اس پر مؤاخذہ نہ ہو گا قال النسفی فی مدارک التنزیل ص ۱۳۸ ج ۱ فلا یؤاخذ بما معنی منه لأنه اخذ قبل نزول التحريم یعنی گزشتہ عمل پر اس کا مؤاخذہ نہ ہو گا کیونکہ اس نے حرمت نازل ہونے سے پہلے لیا ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۵۱ ج ۳ لکھتے ہیں کہ یہ سود واپس نہ کروایا جائے گا کیونکہ حرمت نازل ہونے سے پہلے حرمت کا قانون نافذ نہیں تھا۔ لہذا معاف کر دیا گیا۔

پھر فرمایا ﴿وَ أَمْرًا إِلَى اللَّهِ﴾ کہ نصیحت اور موعظت کے بعد جس نے توبہ کر لی اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اگر سچے دل سے توبہ کی ہے تو اللہ کے یہاں قبول ہوگی۔ اور جھوٹی توبہ کی ہے تو نفع نہیں دے گی، ظاہری توبہ کے بعد بندوں کو بدگمانی کا کوئی موقع نہیں۔

اور جس نے پہلی بات کی طرف عود کیا یعنی سود کو حلال بنایا اور یوں کہا کہ وہ توبہ کی طرح سے ہے تو ایسا کہنے والے دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ تفسیر مدارک و روح المعانی کی تصریح سے معلوم ہوا کہ ﴿فَلَهُ مَا سَلَفَ﴾ نزول تحریم سے پہلے جو سود لیا تھا اس سے متعلق ہے۔ بعد تحریم کے بعد جو شخص سود لے گا وہ واپس ہوگا۔

يَسْحَقُ اللَّهُ الرِّبَّوْا وَيُرِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿٢٤٦﴾

اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو، اور اللہ دوست نہیں رکھتا کسی کفر کرنے والے، گناہ کرنے والے کو

صدقات کی برکات اور سود کی بربادی

سود خوروں کی مذمت بیان فرمانے کے بعد اس آیت شریفہ میں سود اور صدقات کے درمیان ایک فرق عظیم بتایا ہے اور وہ یہ کہ صدقات کو

اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے اور سود کے مال کو بے برکت کر دیتا ہے اور اس کو برباد اور تلف فرما دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ سود اگرچہ بہت ہو جائے اس کا انجام کمی کی طرف ہو جائے گا۔ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان واحمد کما فی مشکوٰۃ ص ۲۴۶)

دنیا میں سودی مالوں کی بے برکتی تو سب کی نظروں کے سامنے ہے، سود خور ہمیشہ ایک کے دس کرنے ہی کے فکر میں رہتا ہے اور پیسہ ہی اس کی زندگی بن جاتا ہے۔ خدائے پاک کی رضا کے لیے کوئی کام کرے اس سے تو اس کا ذہن فارغ ہی رہتا ہے اس میں بے رحمی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ حاجت مند کی حاجت دیکھتا ہے اور اس کی مجبوری سے مال حاصل کرنے کا راستہ نکالتا ہے اور مجبور اور بے کس کو سود پر قرض دے دیتا ہے اور خیر کے کاموں میں اس کا مال خرچ ہونے کا تو ذکر ہی کیا ہے؟ پھر سود سے جو مال جمع ہوتا ہے اس سے اسباب معیشت تو جمع ہو جاتے ہیں لیکن سکون و اطمینان سلب ہو جاتا ہے۔ اسباب راحت ہیں۔ راحت نہیں، پھر یہ سودی اموال ہلاک ہو جاتے ہیں مالوں سے بھرے ہوئے جہاز ڈوب جاتے ہیں اور بینک دیوالیہ ہوتے رہتے ہیں، یہ سب باتیں نظروں کے سامنے ہیں اگر کسی سود خود کا مال دنیا میں ہلاک اور برباد نہ ہو تو آخرت میں لے جانے کا ذریعہ بنے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص حرام مال کما کر صدقہ کرے گا تو وہ قبول نہ ہوگا اور جو کچھ اس میں سے خرچ کرے گا تو اس میں برکت نہ ہوگی۔ اور اپنے پیچھے چھوڑ کر جائے گا تو وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ میں لیجانے والا تو شہ بنے گا۔ (رواہ احمد کما فی مشکوٰۃ ص ۲۴۲)

پھر جو حرام مال آل و اولاد پر زندگی میں خرچ ہوتا ہے اور جو موت کے بعد ان کو پہنچے گا اور ان پر خرچ ہوگا وہ ان کے لیے بھی وبال ہوگا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو گوشت حرام سے بڑھا ہو، جنت میں داخل نہ ہوگا اور جو گوشت حرام سے بڑھا دوزخ کی آگ اس کی زیادہ مستحق ہوگی۔ (احمد و دارمی، مشکوٰۃ ص ۲۴۲)

اس مال کی کثرت کس کام کی جو صاحب مال کے لیے اور اس کی اولاد کے لیے دوزخ میں جانے کا ذریعہ بنے اور دنیا میں بے برکت ہو اور اس کی وجہ سے آرام و چین مفقود ہو، برخلاف حلال مال کے کہ وہ خواہ تھوڑا ہی ہو اس میں برکت ہوتی ہے۔ اس میں سے جو صدقہ کر دیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوتا ہے اور تھوڑا مال بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے تو بہت زیادہ چند در چند مضاعف کر دیا جاتا ہے جس کا بے انتہا ثواب آخرت میں ملے گا۔

پھر فرمایا ﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَتَيْمٍ﴾ یعنی جو شخص سود کی حرمت کا قائل نہ ہو اس کو حلال سمجھے اور کفر اختیار کرے اور سود کھا کھا کر خدائے پاک کی نافرمانی کرے اللہ تعالیٰ کو ایسا شخص پسند نہیں ہے وہ شخص اللہ کا مبغوض ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۴۴﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی سو ان کے لیے ان کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس نہ وہ خوفزدہ ہوں گے اور نہ غمگین ہوں گے۔

مومنوں، نمازیوں اور زکوٰۃ دینے والوں کا اجر و ثواب

ابھی سود کے بارے میں بعض احکام کا بیان باقی ہے۔ درمیان میں اہل ایمان کی فضیلت اور ان کا اجر و ثواب بیان فرما دیا، اور ان کے بعض اعمال خاصہ کا تذکرہ فرمایا یعنی نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور فرمایا کہ بروز قیامت ان لوگوں پر کوئی خوف نہ ہوگا اور رنجیدہ نہ ہوں گے برخلاف سود لینے والوں کے کہ وہ وہاں دیوانوں کی طرح کھڑے ہوں گے مجبوط الحواس ہوں گے۔ اموال دنیا میں چھوڑ چکے ہوں گے اور وہاں

ان اموال کے حاصل کرنے اور خرچ کرنے کی وجہ سے عذاب میں ڈالے جائیں گے۔

اول تو مال حرام والے نیک کاموں میں پیسے خرچ کرتے ہی نہیں اور اگر خرچ کر بھی دیں تو آخرت میں ان کا کچھ اجر نہیں نمازوں اور زکوٰۃ اور صدقات والے وہاں آرام اور چین سے ہوں گے کوئی خوف ان کو لاحق نہ ہوگا اور سود خوروں کا برا حال ہوگا، جیسا کہ پہلی آیت میں مذکور ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذُرُوا مَآبِقِي مِنَ الرِّبَا إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا
فَأَذِّنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ۖ لَا تَظْلُمُونَ وَلَا
تُظْلَمُونَ ﴿٢٤٩﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم ایمان والے ہو، پس اگر تم نہ کرو تو جنگ کا اعلان سن لو اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے، اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لیے اصل مال ہیں نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

سود خوروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ

اس آیت کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے علماء تفسیر نے نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی ثقیف کے چار آدمی جو آپس میں بھائی بھائی تھے بنی مغیرہ سے سود کا معاملہ کرتے تھے یعنی بنی مغیرہ کو سود پر قرض دیتے تھے۔ جب طائف پر رسول اللہ ﷺ کا غلبہ ہو گیا (اور طائف اسلامی علاقہ میں داخل ہو گیا) تو یہ چاروں بھائی بھی مسلمان ہو گئے، انہوں نے بنی مغیرہ سے اپنا سود طلب کیا تو بنی مغیرہ نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم اسلام قبول کرنے کے بعد سود نہیں دیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ختم فرما دیا ہے، یہ قضیہ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہما کی خدمت میں پیش ہو جو مکہ معظمہ پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عامل یعنی حاکم تھے۔ انہوں نے پورا واقعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لکھ کر بھیج دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت نازل فرمائی، سودی مال بہت زیادہ تھا۔ آیت شریفہ سن کر ان لوگوں نے اپنا سود چھوڑ دیا۔ آیت شریفہ میں باقی سود چھوڑنے کا حکم فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ تم اصلی مال لے سکتے ہو، نیز یہ بھی فرمایا کہ اگر تم سود چھوڑنے کو تیار نہیں ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو، یہ بات سن کر لوگوں نے کہا کہ ہمیں اللہ سے مقابلہ کی کہاں طاقت ہے؟ کس کے بس کی بات ہے جو اللہ سے جنگ کرے؟ ہم اپنا سود چھوڑتے ہیں۔

آیت کا سبب نزول ہم نے اس لیے ذکر کیا کہ کوئی ایسا شخص جو مسلمان ہے اور اس نے سود پر قرضے دے رکھے ہیں اور بہت سے سود وصول بھی کر رکھے ہیں وہ آیت کا مطلب یہ نہ نکال لے کہ جو سود میں نے اب تک لیا ہے وہ میرے لیے حلال ہے باقی سود چھوڑ دیتا ہوں اور اصل مال لے لیتا ہوں، آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن لوگوں نے زمانہ کفر میں سود پر قرضے دیئے تھے اور بہت سا سود قرض داروں سے وصول کر چکے تھے، وہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی باقی سود وصول کرنا چاہتے تھے ان کو حکم فرمایا کہ جو سود باقی ہے اس کو چھوڑ دو۔ جو کوئی مسلمان سود پر قرضے دے کر سود وصول کر چکا ہو اس کا حکم اس آیت میں مذکور نہیں ہے، اگر کسی مسلمان نے سود لیا ہے اگرچہ سود دینے والے نے خوشی سے دیا ہے تو اس کا واپس کر دینا واجب ہے، اگر یاد نہ رہا ہو کہ کس کس سے لیا ہے تو جتنا مال سود کا وصول کیا تھا اس کا صدقہ کر دینا واجب ہے، جن لوگوں نے سودی قرضے دے رکھے ہیں وہ توبہ کریں کہ سود وصول نہ کریں گے اگر توبہ نہیں کرتے تو اپنا انجام سوچ لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنا ہے اور اس کی گرفت و عذاب سے نڈر ہو جانا ہے جو اموال سود کے طور پر لے چکے ہیں ان کو واپس کریں جن سے سود لیا ہے البتہ اپنا حاصل مال وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ سود لے کر ظلم نہ کریں، اور جن لوگوں پر قرضے ہیں وہ اصل مال روک کر قرض دینے والوں پر ظلم نہ کریں۔

بنکوں میں جو رقمیں رکھتے ہیں اور ان پر سود لیتے ہیں یہ سخت حرام ہے اگرچہ ان کا نام نفع رکھ لیں۔ توبہ کریں اور وہاں سے اپنا اصلی مال لے لیں، نام رکھنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی اور سود کا نام نفع رکھنے سے نفع نہیں ہو جاتا، جو لوگ سود کا نام نفع رکھ لیتے ہیں اور پھر سود لیتے رہتے ہیں ان کا قول انہی لوگوں کے قول کے مطابق ہو جاتا ہے جنہوں نے ﴿إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا﴾ کہ تھا۔ اللہ پاک نے ان کی تردید فرمائی اور ﴿وَاحِلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ فرمایا، جب کسی چیز کا رواج ہو جاتا ہے وہ خواہ کیسی ہی بری چیز ہو اس کی قباحت اور شناعیت دلوں سے اٹھ جاتی ہے۔ جب سے بینکوں کا سلسلہ چلا ہے لوگ بینکوں سے سود لینے کے خوگر ہو گئے ہیں اور اس کی قباحت دلوں سے جاتی رہی ہے اور سود کو حلال کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ صاحب بینک والے ہمارے پیسوں سے تجارت کرتے ہیں نفع کماتے ہیں ہمیں بھی انہوں نے اگر نفع میں شریک کر لیا تو کیا ہوا؟ یہ ان کی جہالت و گمراہی کی بات ہے۔ وہ بینک تجارت تو کرتا ہے، اور تمہارے پیسوں سے کرتا ہے لیکن تم نے بینک کو مال مضاربت کے اصول پر نہیں دیا، تمہیں فی صد ایک متعین رقم مل جاتی ہے۔ شرعی اصول سے یہ سود ہے، باتوں کی ہیرا پھیری سے سود حلال نہ ہوگا۔

فائدہ: جو شخص سود نہ چھوڑے اس کے لیے اللہ پاک نے اپنی طرف سے اور اپنے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ فرمایا، اس طرح کا مضمون ان لوگوں کے بارے میں بھی آیا ہے جو اللہ کے دوستوں سے دشمنی کریں، صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ مَنْ عَادَى لِيُ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتَهُ بِالْحَرْبِ﴾ (کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میرے کسی دوست سے دشمنی کرے تو اس سے میں جنگ کا اعلان کرتا ہوں)۔ اور ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ من عادى لله ولية فقد بارز الله بالمحاربة (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵۵ از ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان) یعنی جس نے اللہ کے کسی ولی سے دشمنی کی وہ اللہ سے جنگ کرنے کے لیے میدان میں آ گیا، شراح حدیث نے لکھا ہے کہ یہی دو گناہ ایسے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ان کا ارتکاب کرنے والوں سے اعلان جنگ کرتا ہوں اور یہ دونوں گناہ ایسے ہیں جو آج کل بہت زیادہ رواج پا گئے ہیں۔ سود کا لین دین بھی بہت ہو رہا ہے۔ اور جو اولیاء اللہ ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ عبادت و تلاوت میں لگے رہتے ہیں قرآن و حدیث کے علوم پڑھتے ہیں۔ دینی علوم و اعمال کی طرف بلا تے ہیں دین کے لیے محنتیں کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے دشمنی کی جاتی ہے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے امیدوار بھی ہیں جس سے لڑائی ہے اس سے امید رحمت کیسی نا سمجھی کی بات ہے۔

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۗ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۸۰﴾

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۸۱﴾

اور اگر تنگ دست ہو تو مہلت دینا ہے آسودہ ہو جانے تک، اور یہ بات کہ تم صدقہ کر دو تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو، اور ڈرو تم اس دن سے جس میں لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف، پھر ہر جان کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ اس نے کسب کیا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

تنگ دست قرض دار کو مہلت دینا

اس آیت میں تنگ دست قرض دار کو مہلت دینے کی ترغیب دی ہے کہ جب تک مال میسر نہ ہو اس کو مہلت دیدو، اور یہ بھی فرمایا کہ اگر اس پر صدقہ کر دو یعنی اپنا قرض بالکل ہی معاف کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔ سود خوروں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ ادھار کی وجہ سے اصل مال پر زائد رقم لیتے ہیں اور جب قرض دار وقت پر ادانہ کر سکے تو دل سے خوش ہوتے ہیں اور سود کی رقم کو اصل کے ساتھ ملا کر مزید سود لگا دیتے ہیں، اللہ جل شانہ نے اس کے خلاف حکم دیا کہ اول تو اصل رقم سے زائد نہ ٹھہراؤ (غریب کی حاجت پوری کرنے کے لیے قرض دے دو) پھر جب دیکھو

کہ باوجود مقررہ اجل پورا ہونے کے وہ ادائیگی پر قادر نہیں تو اس کو مہلت دیدو، اور اگر بالکل معاف ہی کر دو تو یہ اور زیادہ بہتر ہے۔ معاف کرنے کو صدقہ سے تعبیر فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح صدقہ دینے سے مال بڑھتا ہے اور مال میں برکت ہوتی ہے اسی طرح قرضدار کا قرضہ معاف کر دینے میں بھی وہی برکات حاصل ہوں گی جو صدقہ دینے کی برکات ہیں۔ تنگ دست قرض دار کو مہلت دے دینے اور قرضہ معاف کر دینے کی احادیث شریفہ میں بڑی فضیلت آئی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک تاجر لوگوں سے قرضوں کا لین دین کیا کرتا تھا قرضے وصول کرنے پر جو غلام اس نے مقرر کر رکھے تھے ان سے کہتا تھا کہ جب کسی تنگ دست کے پاس پہنچو تو اس سے درگزر کر دینا امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بھی درگزر فرمائے گا۔ چنانچہ موت کے بعد جب وہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوا تو خداوند تعالیٰ شانہ نے اس سے درگزر فرما دیا۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کو اس بات کی خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی بے چینوں سے نجات دے تو تنگ دست (قرضداروں) کو مہلت دیدے یا معاف کر دے۔ (رواہ البخاری ص ۲۷۹ ج ۱ و مسلم ص ۱۸ ج ۲)

حضرت ابو بصر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دے دی یا قرضہ معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسے (قیامت کے دن) اپنے سایہ میں رکھے گا۔ (رواہ مسلم ص ۳۱۶ ج ۲)

قرض دینا بھی ایک طرح کا صدقہ ہے اگرچہ بعد میں وصول ہو جائے اور مہلت دینا بھی صدقہ کرنے میں شامل ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ مسند احمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دیدی تو اس کو روزانہ اسی قدر صدقہ دینے کا ثواب ہوگا جتنا قرض اس نے کسی کو دیا ہے یہ ثواب ادائیگی دین کا مقررہ وقت آنے سے پہلے ملتا ہے پھر مقررہ وقت آنے کے بعد مہلت دے تو روزانہ اتنے مال کا دو گنا صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے جتنا اس نے قرض دیا ہے۔ (ص ۱۳۱ ج ۱)

آخر میں ارشاد ہے: ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ﴾ (الآیۃ) سود اور قرض سے متعلقہ احکام بیان فرمانے کے بعد قیامت کے دن کی حاضری کی طرف متوجہ فرمایا اور یوم الحساب کی حاضری کا مراقبہ کرنے کا حکم دیا جس دن ہر شخص اپنے پورے پورے اعمال کی فہرست پر مطلع ہوگا اور اپنے اپنے کیے ہوئے کا بدلہ ملے گا۔ جسے فکر آخرت ہو موت کے بعد کے حالات کا یقین ہو اور بارگاہ خداوندی میں اعمال کا حساب دینے کا استحضار ہو وہ وہاں کی نجات اور اجر و ثواب کے لیے ہر طرح کے حرام مال کو باسانی چھوڑ سکتا ہے اور اس کے لیے نفس کو راضی کر سکتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَيْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوا ۚ وَلْيَكْتُب بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيَسْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمِلْ وَلِيَهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَأَسْتَشْهِدُ وَاشْهَيْدَا ۚ وَمَنْ رَجَا لَكُمْ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ رَجُلًا رَجُلًا ۚ وَأَمْرًا ۚ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ ۚ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكَّرَ

إِحْدَاهُمَا الْآخِرَىٰ ۖ وَلَا يَأْبُ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۗ وَلَا تَسْمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ
 كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۗ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ
 تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهَدُوا إِذَا
 تَبَايَعْتُمْ ۗ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۗ وَإِنْ تَفَعَّلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۗ
 وَيَعْلَمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۸۱﴾

اے ایمان والو! جب تم مقررہ مدت تک ادھار لینے دینے کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور چاہئے کہ جو شخص تمہارے درمیان لکھنے والا ہو وہ انصاف کے ساتھ لکھے، اور کوئی لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے۔ سو چاہئے کہ لکھ دیا کرے، اور جس کے اوپر حق ہے اسے چاہئے کہ لکھوادے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے، سوا گروہ شخص کم سمجھ ہو جس پر حق ہے یا ضعیف ہو یا املا کرانے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ لکھوادے، اور اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنا لیا کرو، پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان گواہوں میں سے جنہیں تم پسند کرتے ہو تا کہ ان دو عورتوں میں سے اگر ایک بھٹک جائے تو ایک دوسری کو یاد دلا دے، اور نہ انکار کریں گواہ جب ان کو بلایا جائے، اور قرضے کے معاملہ میں لکھنے سے مت اکتاؤ، چھوٹا ہو یا بڑا ہو اس کی مدت مقررہ تک یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والی ہے اور اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو، مگر یہ کہ کوئی تجارت ہو جس میں لینا دینا دست بدست ہو جس کا تم آپس میں معاملہ کر رہے ہو سو تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ لکھا پڑھی نہ کرو، اور گواہ بنا لیا کرو جب کہ تم آپس میں خرید و فروخت کا معاملہ کرو، اور نہ ضرر دیا جائے کاتب کو، اور نہ گواہ کو، اور اگر تم ایسا کرو تو بلاشبہ اس میں گناہ گاری ہے تمہارے لیے، اور اللہ سے ڈرو اللہ تمہیں سکھاتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

مدایت اور کتابت اور شہادت کے ضروری مسائل

یہ کلمات اور حروف کے اعتبار سے قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت ہے جو متعدد احکام پر مشتمل ہے۔
 شروع آیت میں فرمایا کہ جب تم آپس میں قرض کا لین دین کرو جس کی میعاد مقرر ہو تو اسے لکھ لیا کرو۔ اس سے ایک تو قرض کے لین دین کا جواز معلوم ہوا۔ دوسرے اس بات کا تاکید حکم معلوم ہوا کہ قرض کے لین دین کو لکھ لیا کرو۔ اس لکھنے میں قرض کی مقدار بھی آجائگی اور جس وقت ادا کرنا طے کیا ہو وہ وقت تحریری طور پر متعین ہو جائے گا۔ دونوں باتیں مفید ہوں گی۔ کیونکہ خدا نخواستہ آپس میں کوئی اختلاف ہو گیا تو تحریر سامنے ہوگی جس سے اختلاف رفع ہو جائے گا۔ لفظ اجل کے ساتھ جو مسٹی بڑھایا ہے اس میں یہ بتایا کہ ادائیگی کا وقت اس طرح مقرر کریں جسے واقعی مقررہ وقت کہا جاسکے۔ مثلاً کسی مہینہ کی تاریخ مقرر کر دیں، اگر یوں کہا کہ جب میرا باغ پکے گا تو دے دوں گا یا کھیت کئے گا تو دیدوں گا یا میرا بیٹا یا باپ سفر سے آئے گا تو ادا کر دوں گا تو یہ اجل مسٹی نہیں ہے۔

قرض کے لین دین کے لکھنے کا تاکید حکم فرمایا ہے علماء کرام نے اس کو فرض یا واجب پر محمول نہیں کیا بلکہ یہ ایک مستحب عمل ہے اور استحباب مؤکد ہے تا کہ کوئی اختلاف واقع ہو جائے یا بھول چوک ہو جائے تو تحریر کے ذریعہ رفع ہو سکے۔ جہاں دین (قرض) کی لکھا پڑھی کا حکم ہوا اسی کے ساتھ ان لوگوں کو بھی پابند کیا جو لکھنا جانتے ہیں کہ انصاف کے ساتھ لکھیں، کچھ رد و بدل نہ کر دیں اور یہ بھی فرمایا کہ جو لکھنا جانتا ہو وہ اللہ کی نعمت کی قدر دانی کرے اللہ نے اسے کتابت کی نعمت دی ہے اور لکھنے کے لائق بنایا ہے تو اللہ کی مخلوق کے کام آئے اور جب

اس سے لکھنے کے لیے کہا جائے تو لکھ دیا کرے۔

پھر فرمایا: ﴿وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ﴾ یعنی جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ املا کرے اور کتاب کو بتائے کہ یہ لکھ دو اور عبارت لکھوانے میں اللہ سے ڈرے، سچ بات لکھوائے، پورا حق لکھوائے، حق واجب میں سے ذرا سی کمی بھی نہ کرے۔ تحریر کرانے میں اس کو خطاب فرمایا جس پر حق ہے کیونکہ جس پر حق ہے اس کا لکھوانا ایک قسم کا اقرار بھی ہے اور چونکہ اسی کو ادا کرنا ہے اس لیے حق واجب سے زیادہ تو لکھوا ہی نہیں سکتا۔ البتہ صاحب حق کی غفلت یا کم سمجھی یا مخادرات نہ جاننے یا کاتبوں کی اصطلاحات نہ سمجھنے کے باعث اصل حق سے کم نہ لکھوا

دے۔

اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ وہ کم سمجھ اور خفیف العقل ہے یا کسی بھی اعتبار سے ضعیف ہے (جس میں کم سن نابالغ بچہ ہونا اور بہت زیادہ بوڑھا ہونا بھی شامل ہے جو کتاب تک نہیں پہنچ سکتا یا اس پر خطا و نسیان غالب ہے) یا املاء کرانے لکھوانے پر قدرت نہیں رکھتا (مثلاً غیر ملکی ہے یا گونگا ہے یا بے پڑھا ہے۔ عبارت بنانے اور بولنے پر قدرت نہیں رکھتا یا جو عبارت دستاویز میں لکھی جاتی ہے وہ نہیں جانتا بات کے الٹ پلٹ ہونے کا اندیشہ ہے) تو اس کا ولی (جس کے ذمہ اس کے اعمال و اموال کی دیکھ بھال ہے) انصاف کے ساتھ املا کرادے، کتابت کرانے کے حکم کے ساتھ گواہ بنا لینے کا بھی حکم فرمایا اور فرمایا کہ ﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِدَيْنِ مِنْ رَجَالِكُمْ﴾ جس کا مطلب ہے کہ کتابت کے ساتھ دو گواہ بھی بنا لو، دونوں گواہ مرد ہوں اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے کہ دو (۲) مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لیں، عورتیں چونکہ حافظہ کے اعتبار سے اور ادائیگی مفہوم کے اعتبار سے کمزور ہوتی ہیں اس لیے ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی رکھی گئی ہے۔ اس بات کو ﴿إِنْ تَضَلَّ أَحَدُهُمَا فَتَذَكَّرْ أَحَدُهُمَا الْأُخْرَى﴾ میں بیان فرمایا کہ ایک عورت بھٹک جائے تو دوسری عورت اسے یاد دلا دے گی۔ قانون چونکہ عمومی احوال کے اعتبار سے وضع کیا جاتا ہے اس لیے شاذ و نادر احوال اور افراد کو سامنے نہیں رکھا جاتا اس سے یہ اشکال رفع ہو گیا کہ بعض عورتیں بعض مردوں سے زیادہ فہیم ہوتی ہیں اور حافظہ میں بڑھی ہوئی ہوتی ہیں اور بات پیش کرنے کا سلیقہ زیادہ رکھتی ہیں۔ گواہ عاقل بالغ ہوں، مسلم ہوں یہ ﴿مِنْ رَجَالِكُمْ﴾ سے مفہوم ہو رہا ہے اور ﴿مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾ جو فرمایا اس سے واضح ہو رہا ہے کہ گواہ صالح عادل ہونے چاہئیں جن پر بھروسہ ہو اور جن پر دونوں فریق کا اعتماد ہو، اور ان میں سے کسی کے بارے میں جانب داری اور غلط بیانی کا احتمال نہ ہو۔

پھر فرمایا: ﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا﴾ کہ جن لوگوں کے سامنے معاملہ ہوا ہے ان کو معاملہ کی سچ خبر ہے اب جب ضرورت کے وقت ان کو بلا یا جائے کہ گواہی دے دو تو ان کا انکار کرنا جائز نہیں ہے وہ جا کر حاکم کے یہاں یا جہاں بلائے جائیں جا کر گواہی دے دیں، اگر کسی کا حق مارا جاتا ہو اور گواہ کی گواہی سے اس کا حق زندہ ہو سکتا ہو تو گواہوں پر واجب ہے کہ گواہی دیں حق جانتے ہوئے گواہی کو چھپائیں گے تو گناہ گار ہوں گے جس کا ذکر آئندہ آیت میں آرہا ہے۔

بعض مرتبہ آپس کے اعتماد یا ہجوم اشغال کی وجہ سے کتابت کرانے میں تنگی محسوس کرتے ہیں اس کے بارے میں تنبیہ فرمائی کہ ﴿وَلَا تَسْمُوا أَنْ يَكْتُوبَهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ﴾ کہ چھوٹا قرضہ ہو یا بڑا اس کے لکھنے میں بددلی اختیار نہ کرو، یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی چیز ہے اور ٹھیک طرح گواہی کی ادائیگی کے لیے بھی بہت زیادہ قائم رکھنے والی ہے اور اس میں ہر قسم کے شک و شبہ سے بچنے اور دور رہنے کا فائدہ ہے البتہ ایک صورت میں کتابت کرنے کی تاکید نہیں ہے جسے یوں بیان فرمایا: ﴿إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ إِلَّا تَكْتُبُوهَا﴾ کہ اگر ایسی تجارت ہو جس کا لین دین نقد اسی وقت ہو رہا ہو اس کی اگر لکھا پڑھی نہ کی تو اس میں کوئی گناہ ہے۔ لفظ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں نہ لکھنے کی اجازت تو ہے لیکن اگر لکھ لیا تو وہ بھی کوئی ممنوع چیز نہیں ہے جیسا کہ دور حاضر میں خریدتے وقت کیش میمنفد کاٹ کر دے دیتے ہیں اور اس میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جس کا نام کیش میمنفد میں لکھ دیا گیا ہو اس پر خود دکان دار جس سے خریدا ہے یا دوسرا شخص غصب کرنے یا چرانے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

پھر فرمایا: ﴿وَاشْهَدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ﴾ (اور جب تم خرید و فروخت کا معاملہ کرو تو گواہ بنا لیا کرو) گواہ بنانے میں بہت سے فائدے ہیں

آپس میں کوئی اختلاف ہو جائے گا تو گواہوں کے ذریعہ رفع ہوگا۔ مثلاً فریقین کے دل میں کوئی خیانت کا جذبہ پیدا ہو جائے یا بھول کر کسی بات کا انکار کر دیں مثلاً بیچنے والا کہنے لگے کہ مجھے قیمت وصول نہیں ہوئی (حالانکہ خریدار کا دعویٰ ہے کہ میں قیمت ادا کر چکا ہوں) یا بیچنے والا سرے سے بیچ ہی کا انکار کر دے یا یوں کہہ دے کہ میں نے ہر عیب سے برأت کر لی تھی یا خریدار کہنے لگے کہ میں نے خرید ہی نہیں، یا یوں کہہ دے کہ قیمت تو میں نے دے دی ہے لیکن سامان مجھے نہیں ملا، یا یوں کہنے لگے کہ میں نے اپنے لیے واپسی کا اختیار بھی رکھا تھا جسے بائع نے مان لیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ بیچ کا معاملہ کرتے وقت اور قیمت لیتے وقت اور مال دیتے وقت گواہ بنانے کی صورت میں اس طرح کے انکار اور نزاع کا دفعیہ ہو سکے گا، گواہ ہوں گے تو صحیح بات کی گواہی دے دیں گے، بھول اور خیانت سب کا دفاع ہو جائے گا۔

پھر فرمایا: ﴿وَلَا يُضَارُّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ﴾ (کہ کسی کاتب کو اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے)

پہلے کاتب کو حکم دیا کہ انصاف کے ساتھ کتابت کر دے اور لکھنے سے انکار نہ کرے اور اللہ کی اس نعمت کی قدر کرے کہ اس نے اسے لکھنا سکھایا ہے اور گواہوں کو حکم دیا کہ گواہی کو نہ چھپائیں (جیسا کہ آئندہ آیت میں مذکور ہے) کاتب اور گواہ دونوں کو ان سے متعلقہ کام کی تاکید کے ساتھ ان لوگوں کو ہدایت فرمائی جو کاتب سے کتابت کروائیں اور جو گواہوں کی گواہی دینے کے لیے بلائیں کہ کتابت کرانے والے ایسا نہ کریں کہ کاتب کو کسی طرح کی کوئی تکلیف یا نقصان پہنچائیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر کاتب کتابت کرنے پر اجرت مانگے تو اس کو اجرت دے دی جائے اور مفت لکھنے پر مجبور نہ کیا جائے، اسی طرح جب گواہ کو بلائیں اور اس کو آنے جانے میں زحمت ہو یا جگہ دور ہو سواری طلب کرتا ہو تو اس کے لیے سواری کا انتظام کر دینا واجب ہے، اور جب وہ گواہی دے چکے تو اس کے واپس گھر پہنچانے کا بھی انتظام کر دیں ایسا نہ کریں کہ اب تو ہمارا کام نکل ہی گیا ہے اب خیر و خیر کا خیال نہ کیا تو کیا حرج ہے۔ البتہ گواہی دینا چونکہ فرض ہے اس لیے اس کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ جب سچی گواہی کی اجرت لینا جائز نہیں تو جھوٹی گواہی کی اجرت لینا جس کا عام رواج ہو گیا ہے کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

یوں تو ہر مسلمان کو ضرر پہنچانا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ملعون من ضاراً مؤمناً او مکربہ (رواہ الترمذی) وہ شخص ملعون ہے جو کسی مومن کو ضرر پہنچائے یا اس کے ساتھ مکر کرے، کاتب اور شہید کو ضرر نہ پہنچانے کی تاکید فرمائی اور مزید تشبیہ کرتے ہوئے فرمایا ﴿وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ﴾ کہ اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارے گناہ گار ہونے کی بات ہے۔ آخر میں فرمایا ﴿وَ اتَّقُوا اللَّهَ ط وَيَعْلَمُ اللَّهُ ط وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (کہ اللہ سے ڈرو اللہ تعالیٰ کا احسان مانو، وہ تمہیں احکام کی تعلیم دیتا ہے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے، کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کرو گے تو اسے اس کا علم ہوگا، دنیا میں کسی کا حق مار لیا یا کسی کو ضرر پہنچایا یا تکلیف دے دی تو یہ نہ سمجھنا کہ یہیں پر ختم ہو گیا بلکہ وہ سب محفوظ ہے۔ اللہ کے علم میں ہے۔ یومِ آخرت میں پیش ہونے کا یقین رکھو اور وہاں کے مواخذہ اور محاسبہ سے ڈرو۔

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَ مَقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ

الَّذِي أُؤْتِيَ أَمَانَةً وَيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۖ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۗ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۙ

اور اگر تم سفر میں ہو اور حال یہ ہو کہ نہ پاؤ کسی کاتب کو تو رہن کی چیزیں قبضہ میں دے دی جائیں۔ سوا اگر تم میں سے ایک دوسرے پر اطمینان کرے تو جس کو امانت دار سمجھا گیا ہے صاحب امانت کو امانت ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو مت چھپاؤ، اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا تو اس کا دل گناہ گار ہے، اور اللہ ان کاموں کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

رہن کا حکم اور گواہی چھپانے کی مذمت

اس آیت کریمہ میں اول تو رہن کا قانون مشروع فرمایا، اور فرمایا کہ تم اگر کہیں سفر میں ہو اور کوئی کاتب معاملہ لکھنے والا نہ ملے تو جس کے ذمہ قرض ہو وہ دوسرے فریق کو اطمینان دلانے کے لیے بطور رہن کے کوئی چیز دے دے جس پر وہ قبضہ کر لے اور اسے اطمینان ہو جائے کہ میرا حق واجب مارا نہیں جائے گا۔

سفر کی قید احترازی نہیں ہے اور رہن رکھنے کو بھی کوئی چیز نہیں اور اس سب کے باوجود جس کا حق ہے وہ اس شخص پر بھروسہ کرتا ہے جس کے ذمہ قرض ہے اور ادھار دے دیتا ہے تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے اس پر لازم ہے کہ امانت کو پوری طرح صحیح طریقہ پر مدت مقررہ کے مطابق ادا کر دے نفس یا شیطان کے سمجھانے سے حق مارنے کا ارادہ نہ کر لے اور یہ نہ سوچے کہ نہ تحریر ہے نہ گواہ ہیں نہ میں نے کوئی چیز رہن رکھی ہے اگر میں مکر ہی جاؤں تو یہ کیا کرے گا؟ یوں تو سب کے حقوق مالیہ ادا کرنا فرض ہے لیکن جس نے اطمینان کیا اور بھروسہ کیا اس کے حق کی ادائیگی کا فکر کرنا تو اور زیادہ لازم ہے، اور شرافت کا یہ ہی تقاضا ہے۔ اگر کوئی گواہ یا تحریری سند نہ ہونے کی وجہ سے دنیا والے صاحب حق کا حق نہ دلا سکیں تو اس سے چھٹکارہ نہیں ہو سکتا۔

سامنے آخرت ہے یوم الحساب ہے اس دن سب کے حقوق ادا کرنے ہوں گے۔ قاضی روز جزا جل مجدہ حساب لے گا، اور ذرہ ذرہ کا محاسبہ ہوگا اور اموال کی جگہ اعمال صالحہ دینے ہوں گے اعمال صالحہ نہ ہوئے تو حقوق والوں کے گناہ سر ڈال دیے جائیں گے۔ دنیاوی حکام کچھ نہیں کر سکتے تو احکم الحاکمین کو تو سب کچھ معلوم ہے جب وہاں پیشی ہوگی تو چھٹکارے کا کوئی راستہ نہ ہوگا اسی کو ارشاد فرمایا ﴿وَلَيَتَقَ اللَّهُ رِبًّا﴾ کہ اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

پھر فرمایا: ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ﴾

”یعنی گواہی کو مت چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ گواہی کا چھپانا حرام ہے جب کسی کا کوئی حق مارا جا رہا ہو اور ایک شخص کو معلوم ہے کہ واقعی اس کا حق فلاں شخص پر ہے تو اس کے لیے حرام ہے کہ گواہی کو چھپائے۔ بشرطیکہ صاحب حق اس سے درخواست کرے کہ تم چل کر گواہی دے دو اگر وہ درخواست نہ کرے تو گواہی کے لیے جانا واجب نہیں۔ گواہی چھپانے والے کے بارے میں فرمایا کہ اس کا دل گنہگار ہے اس میں یہ بتایا کہ گواہی کے لیے نہ جانا صرف اعضاء ظاہرہ ہی کا گناہ نہیں دل کا گناہ بھی ہے۔

مسئلہ: شہادت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ البتہ گواہ آمد و رفت کا کرایہ لے سکتا ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

آخر میں فرمایا ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے حق نہ دینے والا اور گواہی کو چھپانے والا اور ہر شخص اس بات کا یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اور اس کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔

لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِنْ تُبَدَّلُوْا مٰفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ يَخْفُوْا عَلَيْكُمْ يَحٰسِبُكُمْ بِاللّٰهِ ۗ فَيَغْفِرْ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۳﴾ اَمِنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۗ كُلُّ اَمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ ۗ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ ۗ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرٰنَكَ رَبَّنَا ۗ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۴﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۗ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا كُتِبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِيْنَا ۗ اَوْ اَخْطَاْنَا ۗ رَبَّنَا وَلَا

تَحْمِلُ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحِثْنَا مَالًا وَلَا طَاقَةً لَنَا بِهِ
وَاعْفُ عَنَّا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۲۸۱﴾

اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے نفسوں میں ہے یا اس کو پوشیدہ رکھو اللہ اس کا محاسبہ فرمائے گا۔ پھر جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، ایمان لایا رسول اس پر جو اس کی طرف نازل کیا گیا اس کے رب کی طرف سے، اور مؤمنین بھی ایمان لائے، سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا، ہم آپ کی بخشش کا سوال کرتے ہیں، اے ہمارے رب تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے، اللہ نہیں مکلف بناتا کسی جان کو، جس کی اسے طاقت نہ ہو، ہزبجان کے لیے وہی ہے جو اس نے کسب کیا، اور اس کے اوپر وبال ہے اس کا جو وہ گناہ کرے، اے ہمارے رب ہمارا مواخذہ نہ فرمانا اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے چوک ہو جائے۔ اے ہمارے رب اور نہ رکھ ہم پر بھاری بوجھ جیسا کہ آپ نے ان لوگوں پر بھاری بوجھ رکھا جو ہم سے پہلے تھے، اے ہمارے رب اور ہم پر ایسا بار نہ ڈالے جس کی ہم کو طاقت نہ ہو، اور ہمیں معاف فرمادیجیے اور ہماری مغفرت فرمادیجیے اور ہم پر رحم فرمائیے، آپ ہمارے مولیٰ ہیں۔ سو ہماری مدد فرمائیے کافر قوم کے مقابلہ میں۔

خطا اور نسیان کی معافی اور چند دعاؤں کی تلقین

اعضاء و جوارح کے افعال دو (۲) قسم کے ہیں ایک اختیاری دوسرے وہ جو بلا اختیار صادر ہوں بلا اختیار کی صورت ایسی ہی ہے جیسے رعشہ کی وجہ سے ہاتھ ہر وقت حرکت کرتا ہو، جس کو یہ مرض ہو وہ ہاتھ کی حرکت کو روکنے پر قادر نہیں ہوتا۔ یا جیسے سوتے میں زبان سے کچھ الٹی سیدھی بات نکل جائے۔ یہ بھی اختیاری نہیں ہے۔ امور غیر اختیاری پر گرفت نہیں ہے۔ جزا سزا امور اختیار یہ سے متعلق ہیں۔ کسی کا بچہ فوت ہو گیا اس کو بے اختیار رونا آ گیا تو اس پر کوئی گرفت نہیں لیکن اگر زبان سے ایسے کلمات نکال دیے جن سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہوتا ہو تو ایسے کلمات کفریہ کلمات کے دائرہ میں آجاتے ہیں اور ان پر عذاب اور عتاب ہے۔

اسی طرح قلب کے اعمال بھی دو طرح کے ہوتے ہیں جو خیالات اور وسوسے غیر اختیاری طور پر آجائیں ان پر گرفت نہیں اور اپنے اختیار سے جو باطن دل میں جمالے کفر کی بات ہو یا فسق کی تو اس پر گرفت ہے۔ کینہ، حسد، کسی گناہ کے کرنے کا پختہ عزم، کسی کو نقصان پہنچانے کا مضبوط ارادہ، یہ سب گرفت کی چیزیں ہیں اور محض وسوسہ اور خیال پر کوئی مواخذہ نہیں، آیت بالا میں اول تو یہ فرمایا کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت ہے سب کچھ اس کی مخلوق بھی ہے اور مملوک بھی ہے، اسے اپنی مخلوق کے بارے میں پورا پورا اختیار ہے ان کے اعمال و افعال کے بارے میں تکوینی یا تشریحی طور پر جو بھی حکم فرمادے اسے کوئی روکنے والا نہیں اس کے بعد افعال قلبیہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تمہارے نفسوں میں ہے اسے ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ فرمائے گا۔ ان افعال قلبیہ میں جو لائق مواخذہ ہوں گے۔ جس کے لیے چاہے معاف فرمادے گا اور جس کو چاہے عذاب دے گا البتہ کفر و شرک کی کبھی بخشش نہ ہوگی جیسا کہ دوسری آیت میں اس کی تصریح ہے۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ سب کا حساب لے سکتا ہے۔ بخش بھی سکتا ہے، اور عذاب بھی دے سکتا ہے۔

آیت میں بظاہر اختیاری اور غیر اختیاری کی تفصیل نہیں ہے۔ اس لیے مضمون آیت پر مطلع ہو کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت پریشان ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ اب تک تو ہمیں ان اعمال کا حکم تھا جنہیں ہم کر سکتے ہیں یعنی نماز اور روزہ جہاد اور صدقہ اور اب یہ آیت نازل ہوئی ہے اس پر عمل کرنے کی تو ہمیں طاقت نہیں (کیونکہ بلا اختیار وسوسے آجاتے ہیں اگر ان

بھی پکڑ ہوئی تو ہمارا کیا بنے گا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم بھی وہی کہنا چاہتے ہو جو اہل کتاب یعنی تو رہیت و بجیل والوں نے کہا ان کے پاس احکام آئے تو کہنے لگے، ﴿سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ (کہ ہم نے سن لیا اور مانیں گے نہیں) تم یوں کہو: ﴿سَمِعْنَا وَ اطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ﴾ (ہم نے سنا اور مان لیا، اے ہمارے رب ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری ہی طرف جانا ہے) حضرات صحابہ دل اور زبان سے مان گئے اور بار بار ان کلمات کو دہرایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد والی آیتیں ﴿أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ آخر سورت تک نازل فرمائیں۔ جن میں اپنے رسول ﷺ کی اور مومن بندوں کی تعریف فرمائی اور انہوں نے بخوشی جو ﴿سَمِعْنَا وَ اطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ﴾ کہا تھا قبولیت کے انداز میں نقل فرمایا اور حکم سابق کو جس میں بظاہر عموم تھا منسوخ فرما دیا اور بالتصریح فرمایا دیا کہ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (کہ اللہ تعالیٰ کسی جان کو ایسے کام کا مکلف نہیں بناتا جو اس کے بس میں نہ ہو)۔ (صحیح مسلم ص ۷۷ ج ۱)

بعض حضرات نے اس پر اشکال کیا ہے کہ اخبار میں نسخ نہیں ہوتا اس کو نسخ سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟ درحقیقت یہ نسخ بالمعنی الحقیقی نہیں ہے۔ بلکہ ایضاً مجمل کو نسخ سے تعبیر فرما دیا ہے، نسخ کے قول سے احتراز کرنے کے لیے بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کا تعلق سابق آیت سے ہے جس میں کتمان شہادت کا ذکر ہے، مطلب یہ ہے کہ عمل ظاہری طور پر کرو گے یا پوشیدہ طور پر اللہ تعالیٰ اس کا حساب فرمائے گا۔ یعنی مواخذہ فرمائے گا۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ حضرت شعیب اور حضرت عکرمہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اس قول کو لیا جائے تو نسخ لازم نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ نے ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ کے ساتھ ہی ﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ بھی فرمایا ہے پہلے جملہ میں یہ بتایا ہے کہ افعال غیر اختیاریہ پر مواخذہ نہیں ہے اور دوسرے دنوں جملوں میں یہ بتایا کہ جو اچھا عمل اپنے اختیار سے کرو گے اس پر اجر ملے گا اور جو کوئی کام ایسا کرو گے جس کی ممانعت ہے تو وہ وبال جان ہوگا اور اس پر مواخذہ اور محاسبہ کا قانون جاری ہوگا۔

یہ عموم افعال قلبیہ کو بھی شامل ہو گیا جیسا کہ سورہ بقرہ میں فرمایا کہ ﴿وَ لٰكِنْ يُّؤَخِّدُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ﴾ (لیکن اللہ تمہارا مواخذہ فرمائے گا ان چیزوں پر جنہیں تمہارے قلب نے کسب کیا) اور سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُوَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْنُوْلًا﴾ (بے شک کان، آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا)۔ آیت کی تفسیر میں جو اعمال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ کی تفصیل لکھی ہے اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے فکر مند ہونے پر ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ کے ذریعہ عموم الفاظ سے مفہوم ہونے والے مضمون کا منسوخ ہونا مذکور ہو اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ بلا اختیار جو سوسے آجاتے ہیں ان پر مواخذہ نہیں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان چیزوں کے بارے میں درگزر فرما دیا ہے جو ان کے نفسوں میں آجائیں جب تک کہ ان پر عمل نہ کریں یا زبان سے نہ کہیں۔ (صحیح مسلم ص ۷۵ ج ۱)

انسان کے دل میں بہت سے خطرات گزرتے ہیں اور سوسے آتے ہیں۔ برے برے خیالات کا ہجوم ہوتا ہے شیطان وسوسے ڈالتا ہے چونکہ یہ چیزیں اختیاریہ نہیں ہیں اس لیے ان پر گرفت نہیں ہے۔ لہذا ان سے پریشان بھی نہ ہوں اور فکر میں بھی نہ پڑیں۔ ہاں اگر برائی کا کوئی وسوسہ آیا پھر اس پر عمل کر لیا یا اپنے اختیار سے زبان سے کوئی برا کلمہ نکال دیا تو اس پر مواخذہ ہوگا کیونکہ یہ چیزیں دائرہ اختیار میں آگئیں۔ جو لوگ بکے مومن ہوتے ہیں ان کے دل میں ایسے وسوسوں کا آنا ہی خالص مومن ہونے کی دلیل ہے۔ صحیح مسلم ص ۹ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم اپنے نفسوں میں ایسی بات محسوس کرتے ہیں کہ جس کو زبان پر لانا بھاری معلوم ہوتا ہے آپ نے یہ سن کر سوال فرمایا کیا واقعی تم نے ایسا محسوس کیا ہے؟ عرض کیا ہاں محسوس کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ خالص ایمان ہے۔ سنن ابوداؤد ص ۳۲۱ ج ۲ میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا میں اپنے نفس میں ایسی چیز محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اسے زبان سے نکلانے کی بہ نسبت کوئلہ ہو جانا زیادہ محبوب ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا اللہ اکبر، اللہ اکبر، پھر فرمایا کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے

شیطان کی شرارت کو دوسو سہ تک ہی رہنے دیا (اگر دل سے مومن نہ ہوتے تو اس بات کو برا کیوں جانتے اور زبان پر لانے کو کیوں بھاری چیز سمجھتے، یہ بھاری سمجھنا اور کوئلہ ہو جانے کو محبوب جاننا سراسر ایمان ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان تمہارے پاس آئے گا پھر کہے گا کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی، فلاں چیز کس نے پیدا کی، اس طرح کے کئی سوال کرتے ہوئے یوں کہے گا کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا سو جب تم میں سے کسی شخص کے ساتھ اس طرح کی صورت حال پیش آجائے تو اللہ کی پناہ مانگے اور وہیں رک جائے (دوسو کو اور سوال و جواب کو آگے نہ بڑھائے)۔ دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ برابر آپس میں طرح طرح کے سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ یہ بھی سوال کریں گے یہ (جو کچھ موجود ہے) اللہ کی مخلوق ہے اسے اللہ نے پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جو کوئی شخص ایسے سوالات میں سے کوئی چیز (اپنے اندر) محسوس کرے تو ﴿أَمِنْتُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ (میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا) کہہ دے (ایضاً)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے دوسو سے آنے پر پڑھنے کے لیے یہ بتایا ﴿اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ اور فرمایا اس کے بعد بائیں طرف کو تین بار تھوک دے اور اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھ لے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹)

پھر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے بندوں کو دعاء تلقین فرمائی کہ اس طرح دعا مانگا کریں، جو متعدد جملوں پر مشتمل ہے اور ان میں متعدد دعائیں ہیں پہلے یہ دعا بتائی: ﴿رَبَّنَا لَا تَوَاضِعُنَا أَنْ نَسِيَنَّا أَوْ نَخْطَا نَا﴾ (اے ہمارے رب ہماری گرفت نہ فرما۔ اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے چوک ہو جائے) صاحب جلالین فرماتے ہیں کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ خطا اور نسیان پر مواخذہ نہیں ہے۔ لہذا یہ سوال کرنا اللہ تعالیٰ شانہ کی اس نعمت کا اقرار کرنا ہے کہ اس نے بھول اور خطا پر مواخذہ نہیں رکھا، خطا اردو کے محاورہ میں گناہ کے لیے استعمال ہوتا ہے یہاں وہ معنی مراد نہیں ہیں بلکہ خطا سے وہ عمل مراد ہے جو بلا ارادہ صادر ہو جائے۔ یاد رہے کہ مواخذہ ہونا نہ ہونا اور بات ہے اور خطا و نسیان سے بعض احکام کا متعلق ہونا دوسری بات ہے۔ خطا اور نسیان کے بارے میں جو بعض احکام ہیں عدم مواخذہ فی الآخرة سے ان احکام کی نفی نہیں ہوتی مثلاً نماز میں بھول کر کوئی شخص بول پڑا تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر خطا کسی مومن کو قتل کر دے گا تو دیت اور کفارہ واجب ہوگا۔

پھر ایک اور دعا تلقین فرمائی اور وہ یہ ہے ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا﴾ اس میں ارشاد فرمایا ہے کہ بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کرو کہ اے ہمارے رب ہم پر بھاری احکام کا بوجھ نہ رکھ جیسا کہ ہم سے پہلے لوگوں یعنی بنی اسرائیل پر رکھا تھا مثلاً توبہ قبول ہونے کے لیے اپنی جان قتل کرنا مشروط تھا اور زکوٰۃ میں چوتھائی مال نکالنا فرض تھا اور کپڑا دھو کر پاک نہیں ہو سکتا تھا اس کے لیے نجاست کی جگہ کو کاٹ دینا پڑتا تھا اور جب کوئی شخص چھپ کر رات کو گناہ کرتا تھا تو صبح کو اس کے دروازے پر لکھا ہوا ہوتا تھا کہ اس نے فلاں گناہ کیا ہے، اور بعض طیبات ان پر حرام کر دی گئی تھیں۔

کما قال تعالیٰ ﴿حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَقَالَ تَعَالَىٰ وَ عَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ﴾ (الآیۃ) اور نماز پڑھنے کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ مسجد ہی میں نماز پڑھیں اور مال غنیمت ان لوگوں کے لیے حلال نہیں تھا اللہ تعالیٰ شانہ نے امت محمدیہ کے لیے آسانی فرمائی اور مشکل احکام مشروع نہیں فرمائے جو بنی اسرائیل پر فرض تھے۔ سورہ اعراف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتِ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (وہ پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال فرماتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔)

مزید دعا تلقین فرماتے ہوئے ارشاد ہے ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾ (اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالے جس کی ہم کو طاقت نہ ہو) اس سے تکالیف شرعیہ بھی مراد ہو سکتی ہیں اور مصائب تکوینیہ بھی اور دونوں بھی مراد لے سکتے ہیں۔ صاحب جلالین لکھتے ہیں: من التكاليف و البليات اس سے دونوں کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

آخر میں مختصر الفاظ میں چار دعائیں اکٹھی تلقین فرمائیں۔ ﴿وَأَعْفُ عَنَّا﴾ (اور ہمیں معاف فرما) وَاغْفِرْ لَنَا (اور ہماری مغفرت فرما) وَاَرْحَمْنَا (اور ہم پر رحم فرما) ﴿أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ (تو ہمارا مولیٰ یعنی ولی اور مددگار ہے۔ سو ہماری مدد فرما، کافر قوم کے مقابلہ میں) صحیح مسلم ص ۸۷ ج ۱ میں ہے کہ ہر دعا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب میں نعم کا جواب ملا، دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دعا کے جواب میں ﴿قَدْ فَعَلْتُ﴾ فرمایا یعنی میں نے تمہارے سوال کے مطابق کر دیا، یعنی تمہاری دعائیں قبول ہو گئیں۔

صحیح مسلم ص ۹۷ ج ۱ میں یہ بھی ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں عطا کی گئیں۔ (۱) پانچ نمازیں (۲) سورۃ البقرہ کا آخری حصہ (آمن الرسول سے سورت کے ختم تک) (۳) آپ کی امت میں جو لوگ مشرک نہ ہوں ان کے بڑے بڑے گناہوں کی بخشش کر دی گئی۔ (گناہ کبیرہ محض اللہ کی رحمت سے یا توبہ سے یا بطور تطہیر و تہیص عذاب بھگت کر معاف ہو جائیں گے اور اہل ایمان، ایمان کی وجہ سے جنت میں چلے جائیں گے۔ فاسق کو دائمی عذاب نہیں ہے۔ کافر و مشرک کو دائمی عذاب ہوگا)۔ قال النووی فی شرح صحیح مسلم والمراد واللہ اعلم یغفرانہا انہ لا یخلد فی النار بخلاف المشرکین ولیس المراد انہ لا یعذب اصلا الخ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف رکھتے تھے اسی اثناء میں اوپر سے ایک آواز سنی، انہوں نے اوپر کو سر اٹھایا اور بتایا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ آج کھولا گیا ہے۔ جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس دروازے سے ایک فرشتہ نازل ہوا جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ فرشتہ زمین پر نازل ہوا ہے آج سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا تھا۔ اس فرشتے نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ آپ دونوں کی خوشخبری سن لیں جو آپ کو عطا کئے گئے ہیں آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ اول فاتحہ الكتاب یعنی سورۃ فاتحہ، دوم سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں (سورۃ فاتحہ اور یہ آیات دعاؤں پر مشتمل ہیں) ان میں سے جو بھی کوئی حصہ آپ تلاوت کریں گے (جو سوال پر مشتمل ہوگا) تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو سوال کے مطابق عطا فرمائیں گے۔ (صحیح مسلم ص ۱۷۱ ج ۱)

مذکورہ بالا روایات سے سورۃ البقرہ کی آخری دونوں آیات کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوئی کہ یہ آیات شب معراج میں عطا ہوئیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں کو قبول فرمایا۔ صحیح بخاری ص ۵۵ ج ۲ اور صحیح مسلم ص ۱۷۱ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الایتان فی آخر سورة البقرة من قرء بهما فی لیلة کفتاہ (یعنی جس نے کسی رات میں سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ لیں تو اس کے لیے کافی ہوں گی)

حضرات شراح حدیث نے کافی ہونے کے کئی مطلب لکھے ہیں اول یہ کہ پڑھنے والے کو تمام انسان اور جنات کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے کافی ہوں گی، دوسرے یہ کہ ہر قسم کی آفات و مکروہات سے حفاظت رہے گی، تیسرے یہ کہ رات کو جو پڑھنے کی چیزیں ہیں وہ رہ گئیں تو ان کی جگہ کفایت کریں گی، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ قیام اللیل یعنی رات کو نفل نمازوں کے قیام کے قائم مقام ہو جائیں گی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

و لقد من اللہ تعالیٰ باکمال تفسیر سورة البقرة علی ید هذا العبد الضعیف بالمدينة المنورة فی اواخر شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ بحسن توفیقه و تیسیره و أرجو أن یوفقنی اللہ تعالیٰ لاتمام تفسیر کتابہ کله والحمد لله اولاً و آخراً، والصلوة والسلام علی من جاءنا بکتاب اللہ تعالیٰ و أرسل طیباً و طاهراً، و كانت مدة تالیفه من بدء سورة الفاتحة إلى آخر سورة البقرة سنة فصاعداً واللہ ولی التوفیق و بیده اذمة التحقيق۔

﴿ آیاتہا ۲۰ ﴾ ﴿ ۳ سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ ۸۹ ﴾ ﴿ رُكُوعَاتُهَا ۲۰ ﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

سورہ آل عمران مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں دو سو آیات ہیں اور بیس رکوع ہیں
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ
كَفَرُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ۝ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ
فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۝ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

الحمد اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے قائم رکھنے والا ہے۔ اس نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی۔ ایسی
کتاب جو ان کتابوں کی تصدیق کر نیوالی ہے جو اس سے پہلے تھیں اور اس سے پہلے نازل فرمایا تو ریت کو اور انجیل کو جو لوگوں کے لیے
ہدایت ہیں اور نازل فرمایا فرقان کو، بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ غلبہ والا ہے بدلہ
لینے والا ہے۔ بے شک اللہ ایسا ہے کہ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں، اللہ وہ ہے جو تمہاری تصویریں بناتا ہے رحموں
میں جس طرح چاہے کوئی معبود نہیں اس کے سوا۔ وہ غلبہ والا ہے، حکمت والا ہے۔

نصاری کے ایک وفد سے گفتگو اور ان کی باتوں کی تردید

اسباب النزول میں صفحہ ۹۰ اور معالم التنزیل میں (صفحہ ۲۷: ج ۱) علماء تفسیر سے نقل کیا ہے کہ نجران کے لوگ وفد کی صورت میں مدینہ
منورہ آئے یہ لوگ نصاری تھے ان کا یہ وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا ان میں چودہ آدمی ایسے تھے جو ان کی قوم کے سردار تھے اور ان میں سب سے
بڑا ایک شخص عبداسح نامی اور ایک شخص ابہم نامی تھا یہ بھی بڑا سردار تھا۔ یہ لوگ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور مشرق کی طرف انہوں نے اپنی نماز
پڑھی ان میں سے جو دو آدمی سب سے بڑے دو سردار اور قوم کے ذمہ دار تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی انہوں
نے کہا کہ ہمارا دین تو اسلام ہی ہے ہم آپ سے پہلے اس دین کو قبول کر چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم جھوٹے ہودین اسلام پر نہیں ہو (اللہ تعالیٰ
نے اپنی مخلوق کے لیے دین اسلام ہی کو پسند فرمایا ہے اور اسی پر نجات کا مدار ہے دین اسلام میں سب سے بڑی دعوت، دعوت توحید ہے جو
توحید والا نہیں وہ اللہ کے بھیجے ہوئے دین پر نہیں ہو سکتا۔ تم لوگ دین والے کس طرح ہو سکتے ہو جبکہ تم اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہو اور
صلیب کی عبادت کرتے ہو اور خنزیر کھاتے ہو انہوں نے کہا کہ اگر عیسیٰ اللہ کے بیٹے نہیں ہیں تو پھر ان کا باپ کون ہے اور اس طرح سے انہوں
نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کٹ جھتی کی اور بحثا بحثی میں ان کے دوسرے لوگ بھی شریک ہو گئے۔

حضرت سرور دو عالم ﷺ نے ان سے فرمایا کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟ کہنے لگے ہاں! یہ بات تو ہے
آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس پر موت طاری نہ ہوگی اور (تمہارے عقیدہ کے

(مطابق عیسیٰ کو موت آچکی ہے۔) کیونکہ ان کے عقیدہ میں وہ مقتول ہو چکے ہیں اور اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ وہ قرب قیامت میں تشریف لائیں گے اور وفات پائیں گے) وہ کہنے لگے ہاں یہ بات بھی ہے! آپ نے فرمایا کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ ہمارا رب ہر چیز کو قائم کیے ہوئے ہے سب کی حفاظت فرماتا ہے اور سب کو برزق عطا فرماتا ہے کہنے لگے ہاں ہم اس کو بھی مانتے ہیں! آپ نے فرمایا تو اب تم بتاؤ کیا عیسیٰ ان میں سے کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں ان چیزوں پر وہ قادر نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم یہ بات نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ آسمان میں اور نہ زمین میں؟ کہنے لگے ہاں! ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں، آپ نے فرمایا اب بتاؤ کیا عیسیٰ علیہ السلام کو اس سے زیادہ کچھ علم تھا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا؟ کہنے لگے ان کو اس سے زیادہ کچھ علم نہ تھا! آپ نے فرمایا ہمارے رب نے رحم مادر میں عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بنا دی جس طرح چاہا۔ اور ہمارا رب نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ بتاؤ اس بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ کہنے لگے جو کچھ آپ نے فرمایا وہ صحیح ہے پھر آپ نے ان سے سوال کیا کہ بتاؤ کیا عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ میں نہیں رہے جیسا کہ اور بچے رہتے ہیں پھر ان کی اسی طرح پیدائش ہوئی جیسا کہ دوسرے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر بچوں کی طرح انہیں غذا دی گئی اور وہ کھاتے تھے اور پیتے تھے اور حالت حدت بھی ان پر طاری ہوتی تھی وہ کہنے لگے کہ ہاں یہ بھی ٹھیک ہے! آپ نے فرمایا پھر ایسے شخص کے بارے میں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ پاک کا بیٹا ہو۔

یہ بات سن کر وہ لوگ خاموش ہو گئے اور اللہ جل شانہ نے سورہ آل عمران کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں جن کی تعداد اسی (۸۰) سے کچھ اوپر ہے (ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں عقائد بیان فرمائے جن کے بغیر کوئی موحد اور مسلم نہیں ہو سکتا۔ درمیان میں مشرکین سے بھی خطاب فرمایا۔ اور اہل دنیا کے مرغوبات بیان فرما کر ان کے مقابلہ میں آخرت کے انعامات بیان فرمائے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف دین اسلام ہی معتبر ہے۔ حضرت مریم اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کا بھی تذکرہ فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا فرمانے کی بھی تصریح فرمائی۔ نیز ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا تذکرہ فرمایا اور آنحضرت سرور دو عالم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان کو مہالہ کی دعوت دیں۔ آپ نے ان کو مہالہ کی دعوت دی تو وہ مقابلہ میں آنے سے عاجز ہو گئے۔ یہ مضامین اور ان کے ساتھ اور بہت سے امور ساتویں رکوع کے ختم تک بیان کیے گئے ہیں۔

سورہ آل عمران کی فضیلت:

سورہ آل عمران یہود و نصاریٰ اور مشرکین سب پر حجت ناطقہ ہے اس میں ان سب سے خطاب فرمایا ہے اور ان کو حق کی دعوت دی ہے اور ان کے عقائد باطلہ کی خوب کھول کر تردید فرمائی اور حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جو خیالات باطلہ لوگوں نے اختیار کیے ہوئے تھے ان سب کا رد فرمایا۔

حضرت نواس بن سمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن قرآن کو لایا جائے گا اور قرآن والوں کو بھی لایا جائے گا جو اس پر عمل کرتے تھے آگے آگے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ہوں گی جو دو بادلوں کی طرح یاد و سائبانوں کی طرح ہوں گی جن کا سایہ خوب زیادہ گھنا ہوگا ان کے درمیان میں روشنی چمک رہی ہوگی۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۷: ج ۱)

الم: یہ حروف مقطعات میں سے ہیں متشابہات میں شمار کیے جاتے ہیں ان کا معنی اللہ ہی کو معلوم ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں بیان کیا گیا۔

الحی القيوم کی تفسیر:

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ اس میں اولاً اللہ جل شانہ کی توحید بیان فرمائی اور بتایا کہ اللہ کے سوال کوئی معبود نہیں ہے اس سے

تمام مشرکین کی تردید ہوگئی۔ ثانیاً اللہ جل شانہ کی دو بڑی اہم صفات ذکر فرمائیں یعنی الحی القیوم۔
حی

یعنی زندہ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا سے کبھی موت نہیں آئے گی۔ قیوم جو ساری مخلوق کو قائم رکھنے والا ہے اسی نے سب کو پیدا فرمایا۔ وہی سب کی پرورش فرماتا ہے اسی نے سب کا وجود باقی رکھا ہے وہ جب چاہے گا سب کو فنا کر دے گا۔ اور وہ خود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ جو ذات ان صفات سے متصف ہے وہی عبادت کے لائق ہے اور جس کا وجود پہلے نہ تھا بعد میں وجود ملا اور وہ وجود اسے خالق و مالک جل مجدہ نے بخشا اور اپنی بقا میں وہ اپنے خالق و مالک کا محتاج ہے وہ کسی طرح بھی معبود نہیں ہو سکتا۔ معبود صرف وہی ہے جو حی ہے اور قیوم ہے جو لوگ معبودان باطلہ کو مانتے ہیں اور ان کی پرستش کرتے ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ یہ چیزیں اپنی بقا میں خالق تعالیٰ شانہ کی محتاج ہیں اور پہلے ان کا وجود بھی نہ تھا اور انہیں دنیاوی چیزوں کی حاجت ہے یہ سب باتیں دیکھتے اور سمجھتے ہوئے ان باطل معبودوں کی عبادت کرتے ہیں یہ ان کی حماقت ہے۔ لفظ الحی القیوم باری تعالیٰ شانہ کی صفات میں ذکر فرما کر تمام مشرکین کی پوری پوری تردید ہوگئی۔
کتاب سماویہ کا تذکرہ:

﴿نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ﴾
اس آیات میں قرآن مجید اور توریت شریف اور انجیل شریف کے نازل فرمانے کا ذکر فرمایا ہے۔ قرآن کے بارے میں فرمایا کہ وہ ان سب کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے نازل کی گئیں اس میں یہود و نصاریٰ کی تالیف قلوب بھی ہے اور قرآن کے ماننے کی طرف دعوت بھی ہے۔ قرآن سے اور صاحب قرآن سے کیوں دور بھاگتے ہو یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جن کو تم مانتے ہو وہ کتابیں جن کو تم مانتے ہو اور قرآن مجید اصولی طور پر عقیدہ توحید اور عقیدہ رسالت اور عقیدہ معاد کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر قرآن مجید تمہاری کتابوں کی مخالفت کرتا تو یہ بہانہ کر سکتے تھے کہ یہ ہمارے دین کے خلاف ہے جس طرح انجیل نے توریت کی تصدیق کی اسی طرح قرآن توریت اور انجیل کی اور تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے نیز قرآن کے نزول سے متعجب نہیں ہونا چاہیے اس سے پہلے توریت اور انجیل نازل ہو چکی ہیں جن کو تم تسلیم کرتے ہو۔ جس ذات پاک نے ان دونوں کو نازل فرمایا اسی نے قرآن مجید نازل فرمادیا۔

توریت اور انجیل کے بارے میں ﴿هُدًى لِلنَّاسِ﴾ فرمایا جیسا کہ قرآن مجید کے بارے میں بھی سورہ بقرہ رکوع ۲۲ میں ﴿هُدًى لِلنَّاسِ﴾ فرمایا توریت و انجیل لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اسی ہدایت میں یہ بھی ہے کہ نبی عربی ﷺ تشریف لائیں گے ان پر ایمان لانا ﴿الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ﴾ (الآیة)
فرقان سے کیا مراد ہے؟

پھر فرمایا ﴿وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ﴾ لفظ الفرقان فعلان کے وزن پر ہے جس کا معنی ہے فرق کرنے والی چیز۔ یہاں الفرقان سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے (صفحہ ۷۷ جلد ۳) متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ حضرت قتادہ تابعی کا ارشاد ہے کہ الفرقان سے قرآن مراد ہے جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے اس میں حلال و حرام، حدود اور فرائض، طاعت اور معصیت کو خواب اچھی طرح واضح فرمادیا ہے پہلے اس کی تنزیل کا ذکر فرمایا پھر اس کی صفت بیان فرمائی کہ وہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے تمام کتب الہیہ مراد ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے زبور مراد ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ مشہور چار کتابوں میں سے تین کتابوں کا ذکر فرما کر ﴿وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ﴾ میں زبور شریف کا ذکر فرمایا ہے۔ بعض حضرات کا ارشاد ہے کہ الفرقان سے معجزات مراد ہیں جن کے ذریعہ حضرات انبیاء کرام ﷺ کی تائید اور تصدیق ہوتی رہی اور حق اور باطل میں فرق ظاہر ہوتا رہا۔

منکرین کے لیے وعید:

توحید اور رسالت کے بیان کے بعد منکرین کے لیے وعید ذکر فرمائی اور فرمایا کہ ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ کہ جنہوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے پھر فرمایا ﴿وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ﴾ کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور جسے چاہے عذاب دے سکتا ہے۔ عزیز کے ساتھ ذواتنقام بھی فرمایا کہ وہ مجرموں کو سزا دینے والا ہے اور اسے پوری پوری طاقت اور قوت ہے کوئی مجرم اس کے علم سے باہر نہیں اور اس کے فیصلے سے کسی کو کوئی مفر نہیں۔

اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں:

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ کے علم کی وسعت بیان فرمائی اور فرمایا کہ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ پر کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ارض و سماء (آسمان و زمین) سے پورا عالم مراد ہے آسمان و زمین کے علاوہ بھی مخلوقات ہے ان میں سے کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں آسمان و زمین چونکہ نظروں کے سامنے ہیں اور عام طور سے لوگ انہیں جانتے ہیں اس لیے ان کا ذکر فرمایا۔ لہذا من اطلاق الجزء و ارادة الكل۔

اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ بعض مغیبات کا علم اللہ تعالیٰ شانہ نے جو کسی کو عطا فرمایا (جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) کہ لوگوں کو ان کے گھروں میں رکھی ہوئی چیزیں بتا دیتے تھے) اس سے معبود ہونا لازم نہیں آتا۔ معبود حقیقی وہی ہے جس کے علم سے کوئی بھی چیز باہر نہ ہو۔

قال صاحب الروح في بيان ذلك تنبيه على ان الوقوف على بعض المغيبات كما وقع لعيسى عليه السلام بمعزل من بلوغ رتبة الصفات الالهيه۔

اللہ جیسے چاہے رحم مادر میں تصویر بناتا ہے:

پھر اللہ جل شانہ کی ایک اور خاص صفت بیان فرمائی اور فرمایا ﴿هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ماؤں کے رحموں میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بنا دیتا ہے یہ ایک ایسی صفت ہے جسے موجد اور مشرک سب ہی مانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے ماؤں کے رحموں میں تصویریں بنا دیتا ہے کسی کے اعضاء صحیح سالم ہیں کسی میں نقص۔ کوئی کالا ہے کوئی گورا ہے کوئی مذکر ہے کوئی مؤنث ہے۔ کسی کی ناک اونچی ہے اور کسی کی ناک پھٹی ہے کسی کے ہونٹ موٹے ہیں اور کسی کا ہاتھ ٹیڑھا ہے۔ کان تو ہیں مگر بہرا پیدا ہوا زبان تو ہے مگر گونگا ہے اور اس طرح کی کتنی چیزیں ہیں نہ باپ کچھ کر سکتا ہے نہ ماں کچھ کر سکتی ہے نہ پیدا ہونے والا کوئی طاقت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ جیسی صورت بنا دے اسی صورت میں عالم دنیا میں انسانوں کے بچے ظہور پذیر ہو جاتے ہیں اور انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوق کا بھی یہی حال ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو اپنی صورت خود نہیں بنا سکتا وہ کیا معبود ہو سکتا ہے۔ خالق و مالک نے اس کی جیسی صورت بنا دی وہ مجبور ہے کہ اسی صورت میں رہے۔ اسے یہ مرتبہ کہاں حاصل ہو سکتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ماننے والوں کی بھی واضح تردید ہو گئی۔ حضرت عیسیٰ نہ خود پیدا ہوئے نہ اپنی صورت بنا سکے ان کو خدا ماننا سراسر گمراہی ہے آخر میں فرمایا ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ اس میں پھر مضمون توحید کا اعادہ فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اللہ عزیز اور حکیم ہے۔ اس کی قدرت سے کوئی باہر نہیں اور جو کچھ وجود میں ہے اب اس کی حکمت کے موافق ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا
الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ
تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّسَخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا
أُولُو الْأَلْبَابِ ④

اللہ وہ ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ اس میں آیات محکمات ہیں جو ام الکتاب ہیں اور دوسری آیات متشابہات ہیں۔ سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ ان کے پیچھے پڑتے ہیں جو قرآن میں متشابہات ہیں فتنہ تلاش کرنے کے لیے اور اس کا مطلب تلاش کرنے کے لیے اور نہیں جانتا اس کے مطلب کو مگر اللہ اور جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف ہے۔ اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل والے

محکمات اور متشابہات کا مطلب

اس آیت شریفہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن میں بہت سی آیات محکمات ہیں اور بہت سی آیات متشابہات ہیں، اور بعض آیات میں تمام آیات کو محکم بتایا ہے جیسا کہ سورہ ہود میں فرمایا ہے ﴿كِتَابٌ أَحْكَمْتُ آيَاتِهِ﴾ اور بعض جگہ پورے قرآن کو متشابہ فرمایا جیسا کہ سورہ زمر میں فرمایا: ﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ﴾ ان مواقع میں محکم اور متشابہ کا وہ معنی مراد نہیں ہے جو سورہ آل عمران کی مذکورہ بالا آیت میں مراد ہے جو ابھی مذکور ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پورا قرآن محکم اس اعتبار سے ہے کہ وہ سارا حق ہے لفظی اور معنوی اعتبار سے بالکل صحیح ہے کسی بھی جگہ کسی طرح کا اس میں اشکال نہیں ہے اس کے الفاظ اور معنی سب ہی محکم مضبوط اور مربوط ہیں اور جہاں پورے قرآن کو متشابہ فرمایا وہاں یہ مراد ہے کہ قرآن مجید کی آیات آپس میں متشابہ ہیں اس کے معانی حسن اور خوبی میں، حق اور صادق ہونے میں ایک دوسرے سے تشابہ رکھتے ہیں۔

یہاں (سورہ آل عمران میں) محکمات سے وہ آیات مراد ہیں جن کا مطلب ظاہر اور واضح ہے۔ نیز یہ آیات ام الکتاب یعنی اصل الاصول ہیں جن کے معانی و مفاہیم میں کوئی اشتباہ نہیں ان میں اوامر و نواہی ہیں اور احکام ہیں جو بالکل واضح ہیں ان کے جاننے اور سمجھنے میں کوئی اشتباہ والتباس نہیں اگر کسی آیت میں کوئی ابہام یا اجمال ہو تو اس کے مفہوم کو بھی انہیں محکمات یعنی اصل الاصول کی طرف راجع کر دیا جاتا ہے۔ دوسری قسم کی آیات یعنی متشابہات سے وہ آیات مراد ہیں جن میں صاحب کلام کی مراد ہمیں معلوم نہیں۔ ان آیات کو متشابہات کہا جاتا ہے۔

راسخین فی العلم کا طریقہ:

ان کے بارے میں راسخین فی العلم کا یہ طریقہ ہے کہ ان کے مفہوم کو آیات محکمات کے مفہوم کی طرف لوٹا دیتے ہیں جو معنی آیات محکمات کے خلاف پڑے اس کی قطعاً نفی کی جائے اور متکلم کی مراد وہ سمجھی جائے جو آیات محکمات کے خلاف نہ ہو۔ اور کوئی ایسی تاویل اور توجیہ صحیح نہ سمجھی جائے جو اصول مسلمہ اور آیات محکمہ کے خلاف ہو۔ آیات متشابہات کا صحیح مطلب وہی تسلیم کیا جائے جو اللہ کے نزدیک ہے یہ اسلم ترین راہ ہے۔ بہت سے لوگ ان کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور سمجھ نہیں پاتے اور چونکہ ان کے دلوں میں کجی ہے اس لیے آیات محکمات کے واضح بیانات کو چھوڑ کر متشابہات کے معانی سمجھنے اور کریدنے کے نامبارک شغل میں لگ جاتے ہیں اور فتنہ گری کے لیے ان کے وہ مفاہیم تجویز کرتے ہیں جو ان کی خواہشوں اور افکار و آراء کے موافق ہوں۔ اگرچہ ان کی یہ تاویل آیات قرآنیہ محکمہ کے خلاف ہی ہو۔

بہت سے وہ لوگ جو منکرین حدیث تھے منکرین قرآن بن گئے۔ کیونکہ وہ لوگ متشابہات کے پیچھے لگے اور ان کے دل کی کجی نے ان

قرآن پاک سے دور کر دیا۔ قرآن میں جو ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ اور ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ اور ﴿جَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ اور ﴿يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾ وارد ہوا۔ راسخین فی العلم ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور سمجھے بغیر ان کے معانی اور مفہم کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا جو مطلب اللہ کے نزدیک ہے وہی ہمارے نزدیک ہے اسی کو فرمایا: ﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ کہ جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ جو لوگ قرآن کی تعلیمات کا مرکز اور محور آیات محکمات کو مانتے ہیں اور تشابہات کے بارے میں اپنے علم کے تصور کا اعتراف کرتے ہیں اور ان کے حقیقی معانی کو خدا کے سپرد کرتے ہوئے یوں کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ ان کا جو مفہم اللہ کے نزدیک ہے ہم اسے تسلیم کرتے ہیں اس پر ہمارا ایمان ہے۔ جب امام مالک رضی اللہ عنہ سے ﴿اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ﴾ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

المعنى معلوم و الكيف مجهول و الايمان به واجب السؤال عنه بدعة (معنى معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے (معنی کے) بارے میں سوال کرنا بدعت ہے) نقائص اور عیوب سے اور تجسیم و تعطیل سے اللہ تعالیٰ کی تزیہ کرنا بھی واجب ہے اور جو کچھ وارد ہوا ہے اس پر ایمان لانا بھی واجب ہے تاکہ تشابہات کے ان مفہم پر بھی ایمان ہو جائے جو اللہ کے نزدیک ہیں اور ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ کے خلاف بھی عقیدہ نہ ہو جائے۔ بہت سے لوگ تشابہات کے ظاہری معنی لیتے ہیں اور ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ کو بھول جاتے ہیں یہ اتباع ہوئی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو تشابہات کی تفتیش میں لگے ہوئے ہوں تو ان سے پرہیز کرو۔ کیونکہ یہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے لہذا ان سے پرہیز کرو۔ (صحیح بخاری صفحہ ۶۵۲: ج ۲)

”ای ذکر ہم فی قولہ ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زِينَةٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ﴾“

بعض علماء اصول نے فرمایا ہے کہ تشابہات اہل علم کے ابتلاء کے لیے ہیں، جن کا تفتیش اور تلاش کا مزاج ہوتا ہے ان کا ابتلاء اس میں ہے کہ بس رک جاؤ آگے نہ بڑھو۔ اور جن لوگوں کو علم کا ذوق نہیں ان کا ابتلاء اس میں ہے کہ ان کو ترغیب دے کر علم پر لگایا جائے اور آیات محکمات کے سمجھنے اور پڑھنے پڑھانے پر آمادہ کیا جائے۔

رَبَّنَا لَا تَزِرْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَا

إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ أَلَيُّهُمْ فِيهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْبِعَادَ ﴿۹﴾

اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو کج نہ کر دیجیے اس کے بعد کہ آپ نے ہم کو ہدایت دی، اور ہمیں اپنے پاس سے بڑی رحمت عطا فرمائیے! بے شک آپ بہت عطا فرمانے والے ہیں اے ہمارے رب! بے شک آپ لوگوں کو اس دن جمع فرمانے والے ہیں جس میں کوئی شک نہیں۔ بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں فرماتا

راسخین فی العلم کی دعاء

ان دونوں آیتوں میں ان لوگوں کی دعا نقل فرمائی ہے جنہیں رسوخ فی العلم حاصل ہے۔ وہ یوں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! آپ نے ہم کو ہدایت عطا فرمائی ہے۔ ہم کو ہدایت پر ہی رکھے ہمارے دلوں میں کجی اور ٹیڑھا پن پیدا نہ فرمائیے۔ جو لوگ دلوں کی کجی کی وجہ سے تشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں ہمیں ان میں سے نہ کیجیے اور اپنے پاس سے ہمیں بڑی رحمت عطا فرمائیے۔ یہ رحمت عامہ ہمیں دنیا میں بھی شامل ہو۔ اور آخرت میں بھی شامل ہو۔ ہمارا ایمان محکمات پر بھی رہے اور تشابہات پر بھی رہے۔ درحقیقت یہ دعا بہت اہم ہے اور یہ دعا برابر کرتے رہنا چاہیے۔ بہت سے لوگوں نے ہدایت اختیار کرنے کے بعد گمراہی اختیار کر لی فتنہ گروں کے اتباع میں لگ گئے اور فتنہ میں پڑ گئے

اور ایمان کھو بیٹھے اور ہدایت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ بنی آدم کے دل سب کے سب رحمان کے قبضہ میں ہیں وہ جیسے چاہے پھیر دے۔ پھر آپ نے یہ دعا کی:

”اللَّهُمَّ مَصْرِفَ الْقُلُوبِ صَرَّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ“ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ: ۲۰)

(اے اللہ! دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی فرمانبرداری پر لگائے رکھ)

راستحین فی العلم کی دوسری دعا یہ نقل فرمائی کہ اے ہمارے رب! آپ سب لوگوں کو ایسے دن میں جمع فرمائیں گے جس میں کوئی شک نہیں ہے آپ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے جو سچا وعدہ ہے قیامت کا دن ضرور آئے گا اور تمام لوگ اس میں ضرور جمع ہوں گے۔

اس دعا میں اپنی حاجت اصلیہ کا اظہار کر دیا جو دن واقعی حاجت مندی کا ہے اس دن کی خیر طلب کی۔ کما قال صاحب الروح صفحہ

۹۱: ۳ و مقصود ہم من هذا کما قال غیر واحد۔ عرض کمال افتقارهم الی الرحمة و أنها المقصد الأسنى عندهم والتاکید لاظہار ما هم علیہ من کمال الطمانینة و قوة الیقین باحوال الاخرة لمزید الرغبة فی استنزال طائر الاجابة۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ هُمْ وَقُودُ

النَّارِ ۝ كَذَابٍ أَلْفِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ

وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور اولاد اللہ کے نزدیک کچھ بھی کام نہ آئیں گے، اور یہ لوگ وہ ہیں جو دوزخ کا ایندھن ہیں ان کا طریقہ وہی ہے جو آل فرعون کا اور ان لوگوں کا تھا جو ان سے پہلے تھے۔ ان لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ سو اللہ نے ان کو پکڑ لیا ان کے گناہوں کی وجہ سے، اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔

آخرت میں اموال و اولاد کام نہیں آئیں گے

اہل کفر اپنے مالوں پر اور اولاد پر بہت فخر کرتے ہیں اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ یہ چیزیں ہمارے لیے بہت فائدہ مند ہیں دنیا میں کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچ ہی جاتا ہے ان کا خیال خام یہ ہے کہ آخرت میں بھی مال اور اولاد سے کام چلے گا اور اللہ کے عذاب سے یہ چیزیں ہم کو بچالیں گی۔ سورہ سبارکوع نمبر ۴ میں کافروں کا قول نقل فرماتے ہوئے ارشاد ہے: ﴿وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ﴾ (اور انہوں نے کہا ہم زیادہ مال اور اولاد والے ہیں اور ہم کو عذاب ہونے والا نہیں ہے)

جب آخرت میں کفر پر عذاب ہوگا تو وہاں مال تو ہونے ہی کا نہیں۔ اگر مال ہو بھی تو جان کے بدلے میں قبول نہیں ہو سکتا جیسا کہ سورت کے رکوع ۹ میں فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يُقْبَلُوا مِنْ أَحَدِهِمْ مِلَّةُ الْأَرْضِ ذَهَبٌ وَلَوْ افْتَدَى بِأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ﴾ (بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ اس حالت میں مر گئے کہ کافر تھے سو ہرگز ان میں سے کسی کی طرف سے بھی زمین بھر کر سونا قبول نہیں کیا جائے گا اگر چہ وہ اپنی جان کا بدلہ دینا چاہے ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کے لیے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔)

یہ تو مال کے بارے میں ارشاد فرمایا اور اولاد کے بارے میں سورہ عبس میں فرمایا کہ ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبِ وَبَنِيهِ لِكُلِّ امْرئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾ (جس دن بھاگے گا انسان اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے، ہر شخص کی الگ الگ حالت ہوگی جو دوسروں کی طرف توجہ کرنے سے بے نیاز کر دے گی)

ان حالات میں یہ امید رکھنا کہ جس طرح مال و اولاد سے دنیا میں کام چل جاتا ہے آخرت میں بھی کام چل جائے گا سراپا حماقت اور بے وقوفی ہے اور جھوٹی آرزو ہے جنہوں نے کفر کیا اور کفر پر مرے ان کو دوزخ میں جانا ہی ہوگا اور وہ دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔

حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کا حال اور طور طریق وہی ہے جو آل فرعون کا تھا۔ اور جو ان لوگوں کا تھا جو ان سے پہلے تھے ان لوگوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے سبب گرفت فرمائی۔ دنیا میں بھی ان پر عذاب آئے اور آخرت میں بھی ان کے لیے عذاب ہی عذاب ہے۔

قوله تعالى من الله شيناً قال الكلبي من عذاب الله و قال ابو عبيده من بمعنى عند اي عند الله۔ (معالم التنزيل صفحہ

(۲۸۱: ج ۱)

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سُلُوبٌ وَأَسْتُغْلَبُونَ وَيُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۗ وَيَبُغِ السُّبُحَاتُ ۗ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الَّذِينَ تَقَاتَلُوا فِئَةٌ تَقَاتَلَتْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِّثْلِهِمْ رَأَىٰ الْعَيْنُ ۗ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصَرِهِ مَن يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۗ

آپ ان لوگوں سے فرمادیجئے جنہوں نے کفر کیا کہ عنقریب تم مغلوب ہو گے اور جمع کیے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور وہ برا بچھونا ہے۔ بلاشبہ تمہارے لیے نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو آپس میں مقابل ہوئیں ایک جماعت لڑ رہی تھی اللہ کی راہ میں اور دوسری جماعت کافر تھی وہ دیکھتی آنکھوں مسلمانوں کی جماعت کو دو گنی دیکھ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی مدد کے ساتھ جس کی چاہے تائید فرماتا ہے۔ بلاشبہ اس میں ضرور بڑی عبرت ہے ان لوگوں کے لیے جو آنکھوں والے ہیں۔

یہودیوں کو نصیحت کہ واقعہ بدر سے عبرت لیں

روح المعانی میں صفحہ ۹۴: ج ۳ بحوالہ بیہقی وغیرہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو بدر میں فتحیابی ہوئی تو آپ نے بدر سے واپس ہو کر یہودیوں کو بنی قینقاع کے بازار میں جمع فرمایا اور فرمایا اے یہودیو! اسلام قبول کرو اس سے پہلے کہ تم کو بھی وہی مصیبت پہنچ جائے جو قریش کو پہنچی، یہ سن کر یہودیوں نے کہا کہ اے محمد ﷺ! تم اس دھوکے میں نہ رہو کہ تم نے قریش کے چند ایسے افراد کو قتل کر دیا جو اناڑی ناتجربہ کار تھے جنگ کرنا نہیں جانتے تھے، تم یہ خیال نہ کرو کہ ہمارے مقابلہ میں بھی کامیاب ہو جاؤ گے۔ خدا کی قسم! اگر تم نے ہم سے جنگ کی تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم ہم ہیں، ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیات نازل فرمائی اور ان کو بتا دیا کہ تم نے بھی کفر اختیار کر رکھا ہے تم بھی عنقریب مغلوب ہو گے۔ (یہ گیدڑ بھکیاں کچھ کام نہ آئیں گی) دنیا میں مغلوب و مقتول ہو گے اور آخرت میں دوزخ میں جمع کر دیے جاؤ گے دوزخ بہت برا بچھونا ہے وہاں کی جو آگ ہے اسی پر پڑے رہو گے اور جلتے رہو گے۔

یہودیوں کی ڈھٹائی:

یہودیوں نے بہت بڑی بھکی دی لیکن بالآخر مغلوب ہوئے بنی قریظہ مقتول ہوئے اور بنی نضیر کو خیبر کی طرف جلا وطن کر دیا گیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد وہاں بھی ان پر مسلمان حملہ آور ہوئے اور ان کے قلعے فتح ہوئے اور ان سے یہ معاہدہ ہوا کہ کھیتی باڑی کرتے رہیں اور کھجور کے باغوں میں کام کریں اور جو پیداوار ہو اس کا مخصوص حصہ مسلمانوں کو دیا کریں۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کو خیبر سے بھی نکال دیا گیا۔ یہ دنیا میں ان کی مغلوبیت ہوئی اور آخرت میں تو ہر کافر کے لیے جہنم ہے

ہی۔

غزوہ بدر کا منظر:

یہودیوں کو اللہ رب العزت نے توجہ دلائی اور فرمایا کہ تمہارے لیے عبرت ہے اور اس بات کی نشانی ہے کہ مسلمان کافروں پر غالب ہوں گے اور یہ عبرت بدر کے معرکہ سے تم کو لے لینی چاہیے۔

بدر میں دو جماعتیں مقابل ہوئیں ایک جماعت مسلمانوں کی تھی جو اللہ کی راہ میں جنگ کر رہے تھے اور دوسری جماعت کافروں کی تھی یہ قریش مکہ تھے مسلمان تعداد میں تھوڑے سے تھے ان کی تعداد ۳۱۳ تھی جن میں ۷۷ مہاجرین اور ۲۳۶ انصاری تھے ان کے پاس ستر اونٹ تھے ہر تین آدمیوں کو ایک اونٹ دیا گیا تھا جو اترتے چڑھتے نمبر وار سفر کرتے تھے دو گھوڑے تھے اور چھ زرہیں تھیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ مدینہ منورہ سے بدر کا سفر تھا جو سو میل سے پہاڑی راستہ تھا اس کو گزار کر بدر میں پہنچے۔

مشرکین مکہ کی تعداد مسلمانوں سے تین گنا تھی ان میں ۹۰۰ لڑنے والے تھے اور عورتیں ان کے علاوہ تھیں۔ یہ لوگ بڑے طمطراق سے گاتے بجاتے ہوئے کھانے پینے کا بہت زیادہ سامان لے کر بدر پہنچے۔ ان کے ساتھ سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے۔ جب جہاد ہوا تو مشرکین مکہ میں سے ستر آدمی مقتول ہوئے اور ستر افراد کو قید کر کے مدینہ منورہ لایا گیا اور مسلمانوں میں سے چھ مہاجرین اور آٹھ انصاری شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی کئی طرح مدد فرمائی۔ ایک صورت مسلمانوں کی مدد اور تائید کی یہ ہوئی کہ مشرکین مکہ مسلمانوں کو اپنے سے دو گنا دیکھ رہے تھے (یہ اس صورت میں ہے جب مثلیہم کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہو) سورہ انفال میں فرمایا ہے:

﴿وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ التَّيْتُمُ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا﴾ (اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تمہاری ٹڈ بھيڑ ہونے کے وقت تمہاری آنکھوں میں ان کو کم دکھا رہا تھا اور تم کو ان کی آنکھوں میں کم دکھا رہا تھا تاکہ جو بات ہونے والی تھی اسے کر دکھائے)۔

دونوں آیات کا مضمون ملانے سے معلوم ہوا کہ جنگ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی آنکھوں میں مسلمانوں کو ان کی اپنی تعداد سے کم دکھایا تاکہ مشرکین میں جنگ کرنے کی جرأت بڑھ جائے اور زیادہ تعداد دیکھ کر واپس نہ ہو جائیں پھر جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسلمانوں کی اصل تعداد سے زیادہ دکھایا (وہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان ہم سے دو گنے ہیں) اور مسلمانوں کی آنکھوں میں مشرکین کی تعداد کم دکھائی تاکہ مسلمان خوب زیادہ جرأت سے لڑیں اور مشرکین بزدل ہو جائیں۔ آیت کی تفسیر میں علماء کا یہ ایک قول ہے جسے صاحب معالم التنزیل نے صفحہ ۲۸۳ ج ۱ میں نقل کیا ہے۔

صاحب روح المعانی نے بھی صفحہ ۹۶ ج ۲ میں یہ قول ذکر کیا ہے۔

وقال و كان ذلك عند ترانی الفئتين بعد ان قللهم الله تعالى في اعينهم عند الترائي ليجترعوا عليهم ولا يرهبوا فيهربوا حيث ينفع الهرب۔

﴿إِذِ التَّقِيْتُمْوَهُمْ﴾ کو سامنے رکھ کر یوں کہا جائے گا کہ جب ابتدائی مقابلہ کے لیے فریقین آمنے سامنے آئے تو مشرکین مسلمانوں کو اپنے سے دو گنا دیکھ رہے تھے اور جب بالکل ہی ٹڈ بھيڑ ہونے لگی تو وہ مسلمانوں کو کم دیکھ رہے تھے اور مسلمان ان کو کم دیکھ رہے تھے لفظ ترانی اور ترانی جو صاحب روح المعانی اپنی عبارت میں لائے ہیں اس سے یہ معنی مفہوم ہوتا ہے۔ صاحب روح المعانی نے بعض علماء سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یرون کی ضمیر مرفوع سے مومنین مراد ہیں اور ضمیر منصوب کافروں کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا کہ مومنین کافروں کو اپنے سے دو گنا دیکھ رہے تھے حالانکہ وہ ان سے تین گنا تھے اور ان کو دو گنا اس لیے دکھایا کہ انہیں اپنی فتح کا اطمینان رہے کیونکہ ﴿فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ﴾ میں اللہ تعالیٰ کا ان سے وعدہ تھا کہ اپنے سے دو گنوں پر غالب ہوں گے۔

علامہ صاوی نے فرمایا کہ فاعل اور مفعول کے ضمیروں کے احتمالات کو دیکھتے ہوئے معنوی اعتبار سے چار صورتیں بنتی ہیں یعنی:

(۱) یشاہد المومنون الکفار قدر انفسہم مرتین

(۲) یری المومنون الکفار قدر الکفار مرتین محنة لهم

(۳) یری الکفار المومنین قدر ہم مرتین

(۴) یری الکفار المومنین قدر المومنین مرتین

یہ سب احتمال ہو سکتے ہیں لیکن دوسرا احتمال بعید معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بمرادہ پھر فرمایا ﴿وَاللَّهُ يَأْتِدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مدد کے ساتھ جس کی چاہے تقویت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے ۳۱۳ بے سرو سامان جماعت کو ہزار افراد کے لشکر پر غالب فرمایا جبکہ اس مغلوب ہونے والے لشکر کے پاس خوب زیادہ ہتھیار تھے۔ سب لڑنے والے مسلح تھے اور کھانے پینے کا سامان بھی خوب تھا اور ہر طرح کی آسائش تھی۔ یہودیوں نے اس بھرپور مدد کو نہ دیکھا اور عبرت حاصل نہ کی۔ بلکہ الٹا اثر لیا اور کہنے لگے کہ وہ تو اناڑی لوگ تھے جو جنگ میں ہار گئے۔ ہم سے پالا پڑا تو پتہ چلے گا کہ لڑنے والے کیسے ہوتے ہیں۔

در حقیقت جب ظاہری و باطنی بینائی کو کام میں نہ لایا جائے اور قصداً کوئی شخص اندھا بنے تو وہ ہلاک ہی ہو کر رہتا ہے اسی کو فرمایا ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ﴾ کہ بدر کے واقعہ میں بصارت اور بصیرت رکھنے والوں کے لیے بہت بڑی عبرت ہے، اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہودی قصداً اندھے بنے ہوئے ہیں بصیرت سے کام نہیں لیتے عقل اور سمجھ کو کام میں لاتے تو مشرکین مکہ کی شکست دیکھ کر جو سرور عالم محمد رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا معجزہ تھا اسلام قبول کر لیتے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ
وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ

البَابُ ١٣

خوش نما بنادی گئی ہے لوگوں کے لیے خواہشوں کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے اور بڑے بھاری مال سونے کے اور چاندی کے اور نشان لگائے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتیاں، یہ دنیا والی زندگی کا فائدہ اٹھانا ہے اور اللہ کے پاس ہے اچھا ٹھکانہ۔

لوگوں کے لیے دنیاوی مرغوبات مزین کر دی گئی ہیں

اس آیت کریمہ میں اجمالی طور پر انسانوں کی مرغوب چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ چیزیں چونکہ انسان کو مرغوب اور محبوب ہیں اور ایمان قبول کرنے کی صورت میں بظاہر ان چیزوں کا ضائع ہونا نظر آتا ہے اس لیے عموماً اہل کفر ایمان قبول نہیں کرتے۔ یہودیوں کے سامنے بھی یہی چیزیں تھیں جو ایمان سے مانع تھیں یہ انسان کی بیوقوفی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کے دین پر چلوں گا تو نعمتیں چھن جائیں گے۔ حالانکہ ایمان کی وجہ سے نعمتیں زیادہ ملتی ہیں یہ بات اور ہے کہ کچھ دن کے لیے بطور امتحان کچھ تکلیف پہنچ جائے۔

خواہش کی چیزیں جو انسان کو مرغوب ہیں وہ بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں ان چیزوں میں عورتیں بھی ہیں بیٹے بھی اور بھاری تعداد میں اموال بھی ہیں، (یہ اموال سونے چاندی کی صورت میں ہیں) اور ان میں نشان لگائے ہوئے گھوڑے بھی ہیں اور مویشی بھی اور کھیتیاں بھی۔ ان چیزوں سے انسان خوش ہوتے ہیں اور جس کے پاس یہ چیزیں ہوں اس کو دنیاوی اعتبار سے بڑا آدمی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ چیزیں چند روزہ ہیں دنیاوی زندگی میں ان سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالیا جاتا ہے۔ اور آخرت میں تو صرف ایمان اور اعمال صالحہ ہی کام آئیں گے اسی کو فرمایا:

﴿ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ﴾

انسان کو چاہیے کہ اپنی آخرت کی فکر کرے ایمان صالحہ سے آراستہ ہوتا کہ دار آخرت میں اچھا ٹھکانہ نصیب ہو۔

القناطر:

یہ قطار کی جمع ہے عربی میں قطار مال کثیر کو کہتے ہیں پھر اس کو المقنطرہ سے موصوف فرمایا۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ خوب بڑے بڑے مال۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں ظِلُّ ظَلِيلٌ اور لَيْلٌ لَيْلٌ مبالغہ کے معنی ظاہر کرنے کے لیے القناطر المقنطرة فرمایا۔ بعض روایات حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ سے قطار کا معنی پوچھا گیا تو آپ نے بارہ ہزار اوقیہ بتایا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم چاندی کا ہوتا تھا (ایک درہم ۳ ماشہ ایک رتی اور ۵ راتی کا) دور حاضر کے اعتبار سے القناطر المقنطرة کا معنی نوٹوں کے گڈے کیا جاسکتا ہے۔

الْخَيْلُ الْمَسُومَةُ

(کشان زدہ گھوڑے) اہل عرب گھوڑوں پر کچھ نشان لگالیا کرتے تھے اس لیے الْمَسُومَةُ فرمایا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ لفظ تسویم سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے جانوروں کو چراگاہ میں چرنے کے لیے چھوڑ دینا۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ ایسے گھوڑے پر جو چراگاہوں میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ اور حضرت مجاہد نے الْمَسُومَةُ کا معنی الْمُطَهَّمَةُ الْحَسَانُ کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے گھوڑے جو جسمانی اعتبار سے خوب اچھی طرح صحیح اور تندرست ہوں اور خوبصورت ہوں۔

وَ الْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ:

پھر مویشیوں کا ذکر فرمایا اور ان کو لفظ "الانعام" سے تعبیر کیا۔ مطلب یہ ہے کہ اونٹ گائے بکری وغیرہ بھی لوگوں کو مرغوب ہیں جس کے پاس یہ چیزیں زیادہ ہوتی ہیں عام طور سے اسے گاؤں کا بڑا اور چودھری مانا جاتا ہے جب صبح کو مویشی چرنے کے لیے جاتے ہیں اور شام کو آتے ہیں اس وقت چودھری صاحب کے نشہ کا کیا پوچھنا، اپنے جانوروں کو دیکھ دیکھ کر پوری طرح مست ہو جاتا ہے اور اپنے سامنے کسی کو نہیں سمجھتا۔ سورہ نحل میں فرمایا ﴿وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ﴾ آخر میں کھیتوں کا ذکر فرمایا کھیتوں اور کھیتوں والے بھی اپنی فصل کو دیکھ دیکھ کر مست ہوتے ہیں اور خوشی میں پھولے نہیں سماتے اہل دنیا اپنی دنیا میں خوش ہیں اور اہل آخرت اپنی آخرت طرف متوجہ ہیں اہل دنیا کو آئندہ آیت میں آخرت کی نعمتوں کی طرف متوجہ فرمایا چنانچہ ارشاد ہے:

قُلْ أَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ بِحَيْثُ مِمَّنْ ذِكْمٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

خُلْدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾ الَّذِينَ يَقُولُونَ

رَبَّنَا إِنَّا أَمْنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ

وَالسَّائِغِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ﴿١٧﴾

آپ فرمادیجیے کیا میں تم کو اس سے بہتر بتا دوں؟ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کے لیے ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور بیویاں ہیں پاکیزہ، اور رضامندی ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب بلاشبہ ہم ایمان لائے لہذا بخش دے ہمارے گناہوں کو اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا دے۔ یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں اور سچے ہیں، اور حکم ماننے والے ہیں، اور خرچ کرنے والے ہیں اور راتوں کے پچھلے حصوں میں مغفرت طلب کرنے والے ہیں۔

اہل تقویٰ کا آخرت میں انعام

لوگوں کی دنیاوی مرغوبات ذکر فرمانے کے بعد اس آیت میں آخرت کی نعمتوں کو ذکر فرمایا اور بتا دیا کہ ان دنیاوی چیزوں سے بہتر

چیزیں ہیں جو آخرت میں نصیب ہوں گی لیکن وہ ہر شخص کو نہیں ملیں گی۔ وہ اہل تقویٰ کو نصیب ہوں گی۔ سب سے بڑا تقویٰ تو یہ ہے کہ انسان کفر اور شرک سے بچے اور ایمان قبول کرے ایمان کے بغیر کوئی عمل صالح معتبر نہیں اور اس کے بعد تقویٰ کے درجات ہیں، کبیرہ گناہوں سے بچنا یہ بھی تقویٰ ہے اور مشتبہات سے بچنا بھی تقویٰ ہے۔ متقی بندوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کے رب کے پاس انہیں ایسے باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ مزید برآں یہ کہ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں بھی ملیں گی (پاکیزہ کا مطلب سورہ بقرہ کے رکوع ۳ کی تفسیر میں دیکھ لیجئے)۔

رضائے الہی:

اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے ان سب سے اپنی رضامندی کا اعلان فرما دیا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی رضا ہر نعمت سے بڑھ کر ہے اور سب سے بڑی چیز ہے۔ سورہ توبہ میں فرمایا ﴿وَرَضَوَانِ مِنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ اور جگہ جگہ ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ کا اعلان فرمایا ہے ایک غلام کی اس سے بڑھ کر کیا سعادت اور نیک بختی ہوگی کہ اس کا آقا اس سے راضی ہو۔

حضرت رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جنت والوں سے فرمائیں گے کہ اے جنت والو! وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں اور تمہیں ارشاد کے لیے موجود ہیں اور پوری خیر آپ ہی کے قبضہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کیسے راضی نہ ہوں گے۔ آپ نے ہم کو وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا میں تم کو اس سے افضل چیز عطا کر دوں؟ وہ عرض کریں گے اے پروردگار اس سے افضل اور کیا چیز ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں۔ اب اس کے بعد کبھی بھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ (بخاری و مسلم) اہل تقویٰ کو ان کے رب کے پاس جو نعمتیں ملیں گی جن میں سب سے بڑی نعمت اللہ کی رضا ہے ان کا ذکر فرمانے کے بعد ان حضرات کی دعا کا تذکرہ فرمایا اور ان کی چند صفات ذکر فرمائیں کہ وہ لوگ یوں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے لہذا آپ ہمارے گناہوں کو بخش دیجیے اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچائیے۔ پھر ان کی صفات کا تذکرہ فرمایا اور صفت صبر کو مقدم کیا اور فرمایا۔

﴿الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقُنُوتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ﴾

الصَّابِرِينَ (صبر کرنے والے): اس صفت کو مقدم فرمایا کیونکہ صفت صبر ہی ایسی چیز ہے جس کا تمام نیکیوں میں دخل ہے جیسا کہ آیت کریمہ ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ کی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ صبر کی تین قسمیں ہیں اول نیکیوں پر جما رہنا دوسرے گناہوں کے چھوڑنے پر نفس کو لگائے رہنا اور گناہوں کے تقاضوں کو دبانا تیسرے تکلیفوں پر صبر کرنا۔ مومن بندہ کی زندگی میں ہر موقعہ پر اور ہر عبادت میں مالی ہو یا بدنی اس صفت کی ضرورت پڑتی ہے پھر فرمایا:

وَالصَّادِقِينَ (سچے لوگ): سچائی بہت بڑی صفت ہے۔ ایمان میں سچائی ہو تو انسان منافق نہیں ہوتا۔ اقوال میں سچائی ہو تو انسان جھوٹ نہیں بولتا اعمال میں سچائی ہو تو اعمال کو اچھی طرح انجام دیتا ہے اور نیت میں سچائی ہو تو سب اعمال درست ہوتے ہیں۔

سورہ زمر میں فرمایا ﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ (اور جو شخص سچ لے کر آیا اور سچ کی تصدیق کی یہ لوگ تقویٰ والے ہیں)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم سچ کو لازم پکڑ لو کیونکہ سچ نیکی کی راہ بتاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور انسان برابر سچ کو اختیار کرتا ہے اور اہتمام سے فکر کر کے سچ کو اختیار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک صدیق (بہت زیادہ سچا) لکھ دیا جاتا ہے۔ اور تم لوگ جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گنہگاری کی راہ بتاتا ہے اور گنہگاری دوزخ کی طرف لے جاتی ہے اور انسان برابر جھوٹ اختیار کرتا ہے اور دھیان کر کے سوچ سوچ کر جھوٹ کو اختیار کرتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کذاب (بہت زیادہ جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

وَالْقَانِطِينَ (فرمانبرداری کرنے والے): یہ لفظ قنوت سے لیا گیا ہے۔ قنوت کے متعدد معنی ہیں ان میں سے ایک معنی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے کے ہیں اس کے عموم میں ہر طرح کی فرمانبرداری اور تمام عبادات اور ترک منکرات داخل ہیں۔

وَالْمُنْفِقِينَ پھر فرمایا وَالْمُنْفِقِينَ (خرچ کرنے والے) اس میں مال خرچ کرنے کی فضیلت ذکر فرمائی یعنی تقویٰ اختیار کرنے والے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنے والے ہیں، خرچ کرنے کا تعلق مالداری سے نہیں ہے آخرت میں ثواب ملنے کے جذبات سے ہے۔ جن کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی عادت نہیں ہوتی مال کثیر ہوتے ہوئے بھی خرچ نہیں کرتے اور جن کے پیش نظر آخرت کا ثواب ہوتا ہے وہ تھوڑا مال ہوتے ہوئے بھی اللہ فی اللہ خرچ کر دیتے ہیں۔

وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ:

پھر فرمایا ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ﴾ (اور پچھلی راتوں میں گناہوں کی مغفرت طلب کرنے والے ہیں) یہ بھی اہل تقویٰ کی خاص صفت ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ قیام اللیل (نماز تہجد) کو لازم پکڑ لو کیونکہ تم سے پہلے جو صالحین تھے یہ ان کا طریقہ رہا ہے اور یہ تمہارے رب کی نزدیکی کا سبب ہے اور گناہوں کا کفارہ کرنے والی ہے اور گناہوں سے روکنے والی ہے۔ (ترمذی)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کون ہے جو مجھ سے دعا کرے کہ میں اس کی دعا قبول کروں کون ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اسے عطا کروں کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے میں اس کی مغفرت کر دوں۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۵۳: ج ۱)

رات کو اٹھنے کی فضیلت:

حضرت عمرو بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب آخری رات کے حصے میں ہوتا ہے۔ سوا گرتجھ سے ہو سکے تو ان لوگوں میں سے ہو جا جو اس وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ (رواہ الترمذی)

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُحْسِنِينَ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ بے شک جو لوگ تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں وہ باغوں اور چشموں میں ہوں گے ان کے رب نے جو انہیں عطا فرمایا اس کے لینے والے ہوں گے۔ بلاشبہ یہ لوگ اس سے پہلے اچھے کام کرنے والے تھے رات کو کم سوتے تھے اور راتوں کے پچھلے حصوں میں استغفار کرتے تھے۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۗ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بِنِعْمَةِ اللَّهِ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ ءَأَسْلَمْتُمْ ۗ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۗ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ ۗ وَاللَّهُ بِاصْيَارِ الْعِبَادِ ۗ

اللہ نے گواہی دی کہ بلاشبہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا اور فرشتوں نے اور اہل علم نے، وہ انصاف کے ساتھ قائم ہے، کوئی معبود نہیں مگر وہی،

وہ غلبہ والا ہے حکمت والا ہے، بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ گیا محض آپس میں ضد اضدی کی وجہ سے، اور جو شخص اللہ کی آیات کا انکار کرے سو اللہ جلد حساب لینے والا ہے، سو اگر وہ آپ سے حجت بازی کریں تو آپ فرمادیجئے کہ میں نے اپنی ذات کو اللہ کی فرمانبرداری میں لگا دیا اور ان لوگوں نے بھی جنہوں نے میرا اتباع کیا اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی آپ ان سے اور ان پڑھوں سے کہہ دیجئے کیا تم اللہ کے فرمانبردار ہوئے؟ پس اگر وہ فرمانبردار ہو جائیں تو انہوں نے ہدایت پالی، اور اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کے ذمہ پس پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

توحید پر گواہی

روح المعانی صفحہ ۱۰۴: ج ۳ اور معالم التنزیل صفحہ ۲۸۵: ج ۱ میں کلبی سے نقل کیا ہے کہ شام کے علماء یہود میں سے دو عالم مدینہ منورہ آئے انہوں نے مدینہ کو دیکھا ان میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا کہ یہ شہر تو ہو بہو وہی معلوم ہوتا ہے جس کے بارے میں ہم نے پڑھا ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ اس شہر میں قیام پذیر ہوں گے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو انہیں صفات کے ساتھ پہچان لیا جو انہیں پہلے سے معلوم تھیں انہوں نے دریافت کیا کہ آپ محمد ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں محمد ہوں! پھر سوال کیا کہ آپ احمد ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں احمد ہوں! کہنے لگے کہ ہم ایک شہادت کے بارے میں آپ سے دریافت کرتے ہیں اگر آپ نے ہم کو بتا دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے، آپ نے فرمایا تم دونوں سوال کرو، کہنے لگے ہمیں یہ بتائیے کہ اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کون سی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ (آخر تک) نازل فرمائی۔ اس کو سن کر ان دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی گواہی کا ذکر ہے کہ اس نے اپنے معبود لا شریک لہ ہونے کی گواہی دی، اور فرشتوں کی گواہی کا بھی ذکر ہے جو اللہ کے برگزیدہ اور مقرب بندے ہیں ہر طرح گناہوں سے معصوم اور محفوظ ہیں۔ ان میں سے بہت سے دربار الہی کے حاضرین بھی ہیں اور تمام فرشتوں کی معرفت بھی حاصل ہے، پھر اہل علم کی گواہی کا ذکر فرمایا کہ ان حضرات نے بھی اللہ کے معبود وحدہ لا شریک ہونے کی گواہی دی۔

اہل علم کون ہیں؟

اہل علم سے حضرات انبیاء کرام ﷺ اور وہ تمام حضرات مراد ہیں جنہوں نے حضرات انبیاء ﷺ کا اتباع کیا۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے دلائل قطعیہ عقلیہ سے انہوں نے اللہ کو پہچانا اور اسے اپنی ذات و صفات میں اور معبود حقیقی ہونے میں وحدہ لا شریک لہ ہونے میں خوب اچھی طرح سے جانا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بہت سے لوگ جو اللہ کی مخلوقات کا تجزیہ اور تحلیل کرنے میں مصروف ہیں اور کائنات میں طرح طرح کی ریسرچ کرتے ہیں۔ حیوانات، نباتات، جمادات کے احوال جاننے کے لیے محنتیں کرتے ہیں۔ ان میں اہل علم کہنے کے لائق وہی لوگ ہیں جو مخلوق کے ذریعہ خالق کی معرفت حاصل کرنے میں عمریں خرچ کرتے ہیں اور جو خالق جل مجدہ، کے منکر ہیں یہ لوگ اہل علم نہیں ہیں۔ بڑی بڑی ریسرچ کرتے ہوئے بھی جہالت میں مبتلا ہیں۔ اسی کو سورہ زمر میں فرمایا۔ ﴿قُلْ أَفَعَيَّرُوا اللَّهَ تَأْمُرُونََنِي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ﴾ (آپ فرما دیجئے کیا اللہ کے سوا کسی کی عبادت کا تم مجھے حکم دیتے ہو اے جاہلو!) مخاطبین کو جاہل فرمایا حالانکہ وہ اس زمانہ کے اعتبار سے فصاحت و بلاغت میں بہت زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے۔

قَائِمًا بِالْقِسْطِ

پھر فرمایا ﴿قَائِمًا بِالْقِسْطِ﴾ کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کاملہ کے ساتھ عدل کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے سب احکام اور فیصلے

انصاف کے ساتھ ہیں مخلوق کی جزاء اور سزا کے سب فیصلے جو دنیا میں ہیں اور آخرت میں ہوں گے سب میں انصاف ملحوظ ہے۔ کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں ہے اور نہ ہوگا جو لوگ ظلم اور انصاف کے معانی نہیں سمجھتے وہی اشکال کرتے ہیں۔ اللہ کے احکام اور قضایا میں کوئی ظلم نہیں۔

پھر فرمایا ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ اس میں بطور تاکید ابتدائی آیت کے مضمون کا اعادہ فرمایا ہے۔ شروع آیت میں توحید بیان فرمائی اور اس آیت میں بھی اور دو صفات کا ذکر فرمایا کہ وہ عزیز ہے یعنی زبردست ہے اور سب پر غالب ہے اور حکمت والا ہے جو کچھ مخلوق میں تصرفات ہوتے ہیں وہ سب اس کی حکمت کے مطابق ہیں۔

اللہ کے نزدیک صرف دین اسلام معتبر ہے:

اس کے بعد فرمایا ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ اس میں اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی معتبر ہے۔ وہی ذریعہ نجات ہے اگر کسی نے اللہ کو مانا لیکن اللہ کے دین کو نہ مانا جو اس کے نزدیک معتبر ہے تو وہ گمراہ ہے آخرت میں اس کی نجات نہ ہوگی اسی سورت کے رکوع ۹ میں فرمایا ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ (اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کو تلاش کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا) اسلام کا لغوی معنی فرمانبرداری ہونے کا ہے جو دین اللہ پاک نے اپنے بندوں کے لیے تجویز فرمایا اس کا نام اسلام رکھا ہے۔ کیونکہ وہ سہرا پر فرمانبرداری ہی ہے ہر شخص اپنے خالق و مالک کے سامنے ظاہر سے اور باطن سے جسم سے اور جان سے جھک جائے اور ہر حکم کو مانے اور تعمیل ارشاد کرتا رہے۔

تمام انبیاء کرام ﷺ دین اسلام کے داعی تھے۔ ہر نبی کا دین اسلام تھا جو ان پر ایمان لایا وہ مسلم تھا اور جس نے ان کی دعوت کو نہ مانا وہ غیر مسلم تھا کافر تھا حضرت نبی آخر الزمان ﷺ کا دین بھی اسلام ہے انہوں نے اسی کی دعوت دی اور اس کی دعوت قیامت تک ہے جو شخص اس دین کو مانے گا مسلم ہوگا۔ اللہ کا فرمانبرداری ہوگا۔ اور جو اسے نہ مانے گا وہ کافر ہوگا۔

لفظ اسلام کا مادہ سلامتی ہے جو شخص اسلام قبول کرے گا دنیا و آخرت کی آفات اور مصائب اور عذاب اور تکالیف سے محفوظ رہے گا اسے ہر طرح کی سلامتی ملے گی۔ مضمون بالا سورہ بقرہ کی آیت ﴿إِنَّ الدِّينَ أَمْنٌ وَ الَّذِينَ هَادُوا وَ النَّصْرِيُّ وَ الصَّبِيئِينَ﴾ اور دوسری آیت ﴿إِذْ قَالَ لَكَ رَبُّكَ أَسْلِمْتُ﴾ کے ذیل میں بھی بیان ہو چکا ہے اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے جو اختلاف کیا اور داعی اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف راستہ اختیار کیا ان کا یہ اختلاف جہالت سے نہیں بلکہ یہ جاننے کے بعد ہے کہ یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں اسلام کی حقانیت کی دلیل پہنچ گئی پھر بھی ضد اضدی کا مزاج رکھنے کے جذبات نے ان کو حقانیت اسلام کے انکار پر آمادہ کیا۔ انہیں دنیا میں سرداری مطلوب ہے جس کی وجہ سے اللہ کی آیات کے منکر ہو رہے ہیں اور جانتے بوجھتے حق کا انکار کر کے مستحق عذاب بن رہے ہیں اللہ تعالیٰ جلد سب کا حساب لے لے گا اسی کو فرمایا ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ پھر فرمایا ﴿فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَ مَنْ اتَّبَعَنِي﴾ (پس اگر وہ آپ سے حجت بازی کریں تو آپ فرمادیں کہ میں نے اپنی ذات کو اللہ کے لیے جھکا دیا اور ان لوگوں نے بھی جنہوں نے میرا اتباع کیا) تم نہیں مانتے تم جانو نہ ماننے کی سزا بھگتو گے ہم اللہ کے ہو گئے اس کی فرمانبرداری ہمارا شعار ہے پھر فرمایا ﴿وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَ الْأُمِّيِّينَ ءَ أَسْلَمْتُمْ﴾ یعنی آپ ان لوگوں سے فرمادیں جن کو کتاب دی گئی۔ (یعنی یہود و نصاریٰ) اور مشرکین عرب سے بھی فرمادیں جو امی یعنی ان پڑھ ہیں کہ بولو تم نے اسلام قبول کیا؟ یعنی ان کو دعوت دے دو۔

﴿فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ اگر اسلام قبول کر لیں تو ہدایت والے ہو جائیں گے ﴿وَ إِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ﴾ اور اگر وہ آپ کی دعوت سے اعراض کریں اور روگردانی کریں تو آپ کو اس سے کوئی ضرر نہ ہوگا کیونکہ آپ کا کام صرف پہنچا دینا ہے منوانا آپ کے ذمہ نہیں۔ آخر میں فرمایا ﴿وَ اللَّهُ بِصِيرٍ بِالْعِبَادِ﴾ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے وہ مسلم کو بھی جانتا ہے اور کافر کو بھی۔ داعی حق کا بھی اسے علم ہے اور حق قبول کرنے والے کا بھی۔ وہ ہر ایک کو اس کی جزاء دے دے گا۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میری حرکتوں کی میرے خالق کو خبر نہیں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيْنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ
بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۚ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿١١﴾ أُولَئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ ۖ وَمَالُهُمْ مِّنْ نَّصِرِينَ ﴿١٢﴾

بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کرتے رہے ہیں اور ان لوگوں کو قتل کرتے ہیں جو انصاف کا حکم دیتے ہیں سوان کو آپ دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجیے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے اور ان کی کوئی مدد کرنے والا نہ ہوگا۔

کافروں کے لیے عذاب کی وعید

اس آیت شریفہ میں وعید ہے تمام کافروں کے لیے جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں جن میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں اور خاص کر یہودیوں کا ذکر فرمایا کہ وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں۔ جن یہودیوں نے حضرات انبیاء ﷺ کو قتل کیا وہ تو قاتل تھے ہی اور جو یہودی نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں تھے وہ بھی چونکہ اپنے اسلاف کی حرکتوں سے بیزار نہیں تھے اس لیے ان کی طرف بھی قتل کا اسناد کیا گیا۔ نیز ان لوگوں کا ذکر بھی فرمایا جو ایسے حضرات کو قتل کرتے رہے جو انصاف کا حکم کرتے تھے جن لوگوں نے حضرات انبیاء ﷺ کو قتل کیا ان سے کوئی بعید نہیں کہ ان امتیوں کو قتل کریں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں، اس دور میں بھی لوگ اہل حق اور اہل عدل کے قتل کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ ان سب لوگوں کے بارے میں فرمایا ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ کہ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو خوشخبری تو آہرام راحت اور نعمت کی ہوتی ہے لیکن عذاب الیم کے ساتھ جو بشارت فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنی حرکتوں کو ذریعہ عذاب سمجھنے کی بجائے اچھی چیز سمجھتے تھے اور مغفرت اور نجات آخرت کی امید رکھتے تھے لہذا ان کو عذاب الیم کی خوشخبری دی گئی۔ صاحب روح المعانی صفحہ (۱۰۹: ج ۳) نے ابن جریر اور ابن ابی حاتم کے حوالہ سے ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت کے دن کن لوگوں کو ہوگا؟ آپ نے فرمایا وہ شخص سب سے زیادہ سخت عذاب میں ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا یا کسی ایسے شخص کو قتل کیا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو پھر آنحضرت ﷺ نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اے ابو عبیدہ بنی اسرائیل نے ایک ہی وقت علی الصباح ۴۳ نبیوں کو قتل کیا ان کو منع کرنے کے لیے ایک سو ستر افراد کھڑے ہو گئے جو بنی اسرائیل کے عبادت گزاروں میں سے تھے انہوں نے ان قاتلین کو اچھے کاموں کا حکم دیا اور بری باتوں سے روکا تو دن کے آخر حصہ میں وہ سب بھی قتل کر دیئے گئے۔ آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرما دیا ہے۔

کافروں کے اعمال اکارت ہیں:

پھر فرمایا ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَالُهُمْ مِّنْ نَّصِرِينَ﴾ کہ ان لوگوں کے سارے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت چلے گئے دنیا میں ان کے جان و مال محفوظ نہ رہے اور کسی طرح کی مدح اور تعریف کے مستحق نہ ہوئے اور آخرت میں بھی ان کے اعمال نے کچھ کام نہ دیا کیونکہ ان اعمال کا کوئی ثواب نہ ملا اور ان کے اعمال عذاب دفع کرنے کا ذریعہ نہ بن سکے، آخرت میں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا جو کسی طرح کی مدد یا سفارش کر سکے۔

جو اعمال برے ہوں ان پر تو ثواب ملنے کا کوئی سوال ہی نہیں جو اعمال نیکی کے نام سے کیے ہوں ان کے جبط ہونے کا تذکرہ فرمایا، کافر کی کوئی نیکی آخرت میں فائدہ نہیں دے سکتی۔ (من روح المعانی)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ فَرِيقًا مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۱۳﴾ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ نَسْنَأَ النَّارَ إِلَّا آيَاتًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۴﴾ فَكَيْفَ إِذَا جُمِعْتُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۵﴾

اے مخاطب کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا، انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر ان میں سے ایک فریق اعراض کرتے ہوئے منہ پھیر لیتا ہے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ ہرگز ہمیں آگ نہ چھونے گی مگر چند گنے چنے دنوں میں، اور ان کو دھوکے میں ڈال دیا ان کے دین کے بارے میں اس چیز نے جس کو وہ افترا کرتے تھے، پس کیا حال ہوگا جب ہم ان کو جمع کریں گے اس دن جس میں کوئی شک نہیں، اور ہرجان کو اس عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کیا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

یہودیوں کا اللہ کی کتاب سے اعراض کرنا اور خوش فہمی میں مبتلا ہونا

روح المعانی صفحہ ۱۱۰: ج ۳ میں ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت المقدس میں تشریف لے گئے (جو یہودیوں کی مذہبی اور تعلیمی جگہ تھی) وہاں یہودی جمع تھے آنحضرت ﷺ نے توحید کی دعوت دی۔ ان لوگوں میں نعمان بن عمرو اور حارث بن زید دو آدمی تھے انہوں نے کہا کہ اے محمد! آپ کس دین پر ہیں آپ نے فرمایا میں ابراہیم کی ملت پر ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ابراہیم تو یہودی تھے آپ نے فرمایا کہ تورات لے آؤ وہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گی وہ تورات لانے پر راضی نہ ہوئے اور اس کا فیصلہ ماننے سے انکار کر بیٹھے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں یہ بتایا کہ ان کو اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کر دے لیکن ان میں کا ایک فریق (جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا) اللہ کی کتاب کو ماننے سے اعراض کرتا ہے اور حق قبول کرنے سے روگردانی کرتا ہے۔ یہودیوں کے خیالات اور آرزوئیں:

پھر ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ طریقہ کار (حق سے منہ پھیرنا اور اللہ کی کتاب سے اعراض کرنا) اس لیے ہے کہ خود تراشیدہ خیالات کی دنیا میں پھنسے ہوئے ہیں انہوں نے اپنے دلوں میں سوچ رکھا ہے کہ بس جی ہم دوزخ میں صرف چند دن کے لیے جائیں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ان چند دنوں سے وہ چند دن مراد لیتے تھے جن میں ان کے آباؤ اجداد نے پچھڑے کی عبادت کی تھی، یہ کتنی بڑی حماقت ہے اپنے عقیدہ کے مطابق چند دن کو دوزخ میں جانے کے لیے تیار ہیں جس کے عذاب کی ایک منٹ کی بھی سہا نہیں اور حق ماننے اور اسلام قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، جو جھوٹی باتیں انہوں نے تراش رکھی تھیں اور جن جھوٹے خیالات میں مبتلا تھے ان چیزوں نے ان کو دھوکے میں ڈالا اور خام خیالیوں کی وجہ سے مستحق عذاب ہوئے۔

﴿وَعَرَّاهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی ایسی سند نہیں جس میں اس کا وعدہ ہو کہ چند دن کے بعد وہ دوزخ سے نکل آئیں گے انہیں معلوم ہے کہ دین حق کا انکار کفر ہے اور کفر کا عذاب دائمی ہے۔ پھر بھی اوہام و خیالات اور افترا آت کی دنیا میں مستغرق ہیں ان کی خوش فہمیوں میں یہ بھی تھا کہ ہم انبیاء کرام کی اولاد ہیں وہ ہمیں بخشوا لیں گے، یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے بیٹوں کو عذاب نہیں دے گا۔ بس اتنا ہوگا کہ دوزخ سے عبور کریں گے اور یہ بھی کہتے تھے کہ ﴿وَنَحْنُ

میں چار پانچ ہی گھنٹے کا فرق ہوتا ہے اور کہیں پندرہ سولہ گھنٹے یا اس سے زیادہ کا بھی فرق ہو جاتا ہے یہ نظام جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے کسی بھی مخلوق کو قدرت نہیں ہے کہ اس کے خلاف کر سکے، نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ مفسرین نے اس کی شرح میں فرمایا ہے کہ نطفہ جو بے جان ہے اس سے زندہ حیوان نکالتا ہے اور زندہ حیوان سے نطفہ نکالتا ہے جو بے جان ہے، اور بعض حضرات نے اس کی مثال بچہ اور انڈے سے دی ہے کہ چوزہ کو انڈے سے اور انڈے کو پرندے سے نکالتا ہے، حضرت حسن اور عطاء نے اس کا ایک اور معنی بتایا اور وہ یہ کہ مومن کو کافر سے اور کافر کو مومن سے نکالتا ہے یعنی مومن کی اولاد کافر اور کافر کی اولاد مومن ہوتی ہے۔ مومن زندہ ہے اور کافر مردہ ہے۔

قَالَ تَعَالَى ﴿أَوْ مَنْ كَانَ مِيْتًا فَاحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلَهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا﴾ آخر میں فرمایا! ﴿وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ رازق حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے اور کئی بیشی کرنا بھی اس کے قبضہ میں ہے۔ ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيَحْذَرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۲۸﴾

نہ بنائیں مومن کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر، اور جو شخص یہ کام کرے گا تو اللہ سے دوستی کرنے کے کسی شمار میں نہیں۔ مگر اس حالت میں کہ دشمنوں سے کچھ بچاؤ کرنا ہو، اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اہل ایمان کو حکم کہ کافروں سے دوستی نہ کریں

اس آیت شریفہ میں اہل ایمان کو اس بات سے منع فرمایا کہ مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنائیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی شخص ایسا کرے گا یعنی مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنائے گا اللہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ معالم التنزیل صفحہ ۲۹۱: ج ۱ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مذکورہ بالا آیت عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی، یہ لوگ ظاہر میں مومن ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور دل سے کافر تھے۔ یہودیوں سے اور مشرکوں سے دوستی رکھتے تھے اور ان کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے تھے اور یہ امید باندھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں یہودی اور مشرکین غلبہ پالیں گے اور فتح یاب ہو جائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مومنین کو منع فرمادیا کہ ان لوگوں کی طرح عمل نہ کریں اور کافروں کی دوستی سے پرہیز کریں اپنی دوستی صرف مسلمانوں سے رکھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ چند یہودی بعض انصار سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا اندرونی مقصد یہ تھا کہ ان کو دین اسلام سے پھیر دیں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان انصاریوں کو ان یہودیوں کی دوستی سے منع کیا ان لوگوں نے نہ مانا اور ان کے ساتھ گھلنا ملنا جاری رکھا۔ اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی اور دشمنان دین کی دوستی سے منع فرمادیا۔ موالات کفار (کافروں کی دوستی) کی ممانعت اس آیت کے علاوہ دیگر آیات میں بھی وارد ہوئی ہے۔ سورہ ممتحنہ میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تَلْقَوْنَ إِلَيْهِمْ بِالْمُودَةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمُودَةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ إِنْ يَتَّقُواكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَالسِّنَنَهُمْ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ﴾ اے ایمان والو! مت بناؤ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست تم ان کی طرف دوستی کے

پیغامات بھیجتے ہو حالانکہ انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا جو تمہارے پاس حق آیا وہ نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو اس وجہ سے کہ تم ایمان لائے اللہ کے ساتھ جو تمہارا رب ہے اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے اور میری رضا کی تلاش میں، تم چپکے سے ان کی طرف دوستی کے پیغام بھیجتے ہو اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم نے پوشیدہ کیا اور جو کچھ ظاہر کیا اور تم میں سے جو شخص ایسا کام کرے گا تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔ اگر وہ تم کو پالیں تو تمہارے دشمن ہوں گے اور تمہاری طرف اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو بڑھادیں گے برائی کے ساتھ، اور ان کی آرزو ہے کہ کاش تم لوگ کافر ہو جاؤ۔

کافروں سے محبت کرنے کے نتائج:

ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کافروں سے موالات اور ان سے دوستی رکھنا قطعاً اور سخت ممنوع ہے آجکل مسلمانوں کو اس ممانعت کی طرف بالکل توجہ نہیں ہے کافروں سے دوستی ہے اور اپنوں سے بیزاری ہے۔ دنیا کا مفاد پیش نظر ہے اپنے مفاد کو باقی رکھنے کے لیے کافروں سے دوستی کرتے ہیں اور مسلمانوں کی دوستی کا خیال تک نہیں آتا۔ مسلمان غیر قوموں کے مخبر بھی بن جاتے ہیں مسلمانوں کے ملکوں کی خبریں ان کے دشمنوں کو پہنچاتے ہیں۔ آپس میں بگاڑ ہے اور کافروں سے جوڑ ہے، اس افسوس ناک صورت حال نے مسلمانوں کے ملکوں کو کافروں کی حکومتوں کا دم چھلہ بنا رکھا ہے۔ کوئی ملک کافروں کی کسی حکومت کا سہارا لے کر جی رہا ہے اور کوئی ان کی کسی دوسری حکومت کا خاص الخاص بنا ہوا ہے، مسلمان مقالے لکھتے ہیں، ڈاکٹریٹ کرتے ہیں، دشمن ان سے ایسے مضامین لکھاتے ہیں جو مسلمانوں کے اندرونی حالات اور معاملات اور ان کے ارادوں اور اداروں کی خبروں پر مشتمل ہوں، یہ لوگ کافروں کے دوست ہیں اسلام اور مسلمان کی دوستی ان کے پیش نظر نہیں، مسلمانوں کے بعض ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ ظلم اور جفا کا معاملہ ہوتا ہے ان کو اجنبی کہہ کر ممالک سے خارج کر دیا جاتا ہے اور کافروں کو المواطن کہہ کر گلے لگایا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں کافروں کی موالات اور دوستی سے جو منع فرمایا یہ بہت اہم بات ہے لوگ اس کو رواداری کے خلاف سمجھتے ہیں، رواداری اور چیز ہے اور موالات یعنی دل سے دوستی کرنا اور چیز ہے۔ دل سے جب دوستی ہوتی ہے تو مسلمانوں کی خبریں بھی دشمنوں کو پہنچائی جاتی ہیں اور مسلمان حکومتوں کے اندر کے پروگرام بھی دشمن کو بتا دیئے جاتے ہیں، ایمان کا تقاضا ہے کہ قلبی محبت صرف مسلمانوں سے ہو کافروں سے نہ ہو، کہتے ہیں فلاں صاحب نمازی ہیں، نمازی تو ہیں لیکن اندر سے دشمنوں کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں ان کو اسلام کا یہ حکم ماننا گوارا نہیں وہ کافروں سے موالات اور محبت نہ کریں۔

مسلمانوں میں طرح طرح کی عصبیتیں ہیں آپس میں موالات نہیں رہی کہیں صوبائی عصبیت ہے کہیں لسانی عصبیت، اور کہیں عرب و عجم کی عصبیت ہے۔ ایمانی رشتوں کو چھوڑ کر غیر ایمانی تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں۔ اس میں کافروں سے بھی موالات کرنی پڑتی ہے اور یہ عصبیتیں کافروں ہی نے سمجھائی ہیں۔ بعض ملکوں میں تو کافروں سے دوستی کا یہ حال ہے کہ لوگ دشمنوں کے مندر تک بنوادیتے ہیں اور ان کی دوستی میں نمازیں تک چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے مذہبی تہواروں میں شرکت بھی کرتے ہیں اور ہدیے بھی دیتے ہیں۔ اس صورت حال نے مسلمانوں کی اپنی ذاتی کوئی حیثیت دنیا میں باقی نہیں رکھی، کافروں سے یہ امید کرنا کہ وہ ہمیں فائدہ پہنچادیں گے غلط خیال ہے جو بظاہر ان سے فائدہ پہنچتا ہے اس کی آڑ میں نقصان ہی پوشیدہ ہوتا ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا﴾ میں صاف بتا دیا کہ کافروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ اور یہ بھی واضح طور پر بتا دیا گیا کہ وہ لوگ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہ کریں گے، وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑی رہے ان کے ممالک ہماری طرف جھکے رہیں اس طرح ہمارے محتاج بھی رہیں اور ہمارے خلاف کچھ کر بھی نہ سکیں اور ہمیں ان کے اندرونی راز بھی معلوم ہوتے رہیں۔

آیت میں جو لفظ ﴿مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ فرمایا اس میں اس پر خاص تنبیہ ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی نہ کریں۔ اس کا

یہ مطلب نہ لیا جائے کہ مسلمانوں کو نہ چھوڑے ان سے بھی دوستی رکھے اور کافروں سے بھی۔ کیونکہ مقصود کافروں کی دوستی سے منع کرنا ہے اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ کافروں سے قلبی دوستی جہی ہو سکتی ہے جبکہ مسلمانوں کی دوستی کو نظر انداز کر دیا جائے۔ خواہ مستقل طور پر مسلمانوں سے بے تعلقی اختیار کی جائے خواہ عارضی طور پر ہر حال میں کافروں سے قلبی محبت ہوگی تو وہ ضرور مسلمانوں سے کسی نہ کسی درجہ میں تعلق کم کرنے یا تعلق توڑنے پر مجبور کرے گی۔

کافروں سے موالات کرنے والوں کے لیے وعید شدید:

آیت شریفہ میں کافروں کی موالات سے سختی کے ساتھ منع فرمایا اور ان سے دوستی کرنے والوں کے حق میں ارشاد فرمایا کہ ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ﴾ کہ جو شخص ایسا کرے گا تو اللہ کی دوستی یا اللہ کے دین کا اس سے کوئی بھی تعلق نہیں۔

قال صاحب الروح ص ۱۲۱: ج ۲ و الکلام علی حذف مضاف ای من ولایتہ او من دینہ والظرف الاول حال من

(شیء) والثانی خبر لیس۔ و تنوین (شیء) للتحقیر ای لیس فی شیء یصح ان یطلق علیہ اسم الولاية او الدین۔

موالات کی ایک صورت مستثنیٰ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ یعنی اسی صورت میں ظاہری دوستی کی اجازت ہے جبکہ ان سے کسی قسم کا ضرر پہنچنے کا واقعی اندیشہ ہو، کوئی مسلمان کافروں میں پھنس جائے۔ مقتول ہونے کا یا کسی عضو کے تلف ہونے کا واقعی اندیشہ ہو اور کافر زبردستی کریں کہ تو ہمارے دین کے مطابق نہ بولا تو تجھے مار ڈالیں گے تو صرف ظاہری طور پر زبان سے (نہ کہ دل سے) کوئی کلمہ ایسا کہہ دے جس سے جان بچ جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَيَحْذَرُ كُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ وَ إِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ﴾ اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ لہذا ہر عمل میں اس کو سامنے رکھیں اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے یہ ہمیشہ پیش نظر رہے اگر اس پر عمل کریں گے تو گناہوں سے بچ سکیں گے گناہوں میں موالات کفار بھی شامل ہے۔

مواسات اور مدارات کس حد تک جائز ہے:

واضح رہے کہ آیات قرآنیہ میں کافروں سے قلبی دوستی کی ممانعت فرمائی ہے مواسات اور مدارات کی ممانعت نہیں ہے خوش خلقی سے پیش آنا مہمانی کے طور پر کچھ کھلانا پلانا۔ دفنوں میں ان کے ساتھ ملازمتیں کرنا، تجارتی معاملات کرنا اس کی ممانعت نہیں ہے۔ البتہ جو کفار دارالحرہ کے ہوں اور مسلمانوں سے برسر پیکار ہوں ان سے کسی قسم کا تعاون نہ کیا جائے اور معاملات میں بھی شرعی اصول کے موافق جائز نا جائز کا خیال رکھا جائے۔ حربی کافروں کے ہاتھ اسلحہ فروخت کرنا ممنوع ہے کافروں کو ملازم رکھنا اور ان کے اداروں میں ملازم ہونا یہ بھی جائز ہے۔ البتہ دلی دوستی اور محبت کسی کافر کے ساتھ کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ قرآن کریم نے کافروں سے جو قلبی دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے یہ کوئی اشکال کی بات نہیں ہے۔ خود کافر بھی اسی پر عامل ہیں وہ بھی مسلمانوں سے قلبی دوستی نہیں رکھتے جب تک کافر اور کافر سے قلبی نفرت نہ ہوگی اسلامی احکام پر پوری طرح عمل نہیں ہو سکتا۔

کافروں نے ممالک میں یک جہتی کے نام سے تحریک چلا رکھی ہے۔ اس طرح سے مسلمانوں کو ان کے دین میں کچا کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو اپنی جماعت میں مدغم کرنے کی کوشش میں ہیں اور ان کی کوشش انہیں مسلمانوں میں کامیاب ہوتی ہے جنہیں کفر اور کافر سے نفرت نہیں ہے بعض مسلمان کافروں سے جھینپتے ہیں کہ قرآن میں کافروں سے موالات کرنے کو منع فرمایا ہے اس میں جھینپنے کی کوئی بات نہیں کافر اس پر اعتراض کریں تو ان سے کہیں کہ تم خود بتاؤ کیا تم ہمیں دل سے چاہتے ہو اور ہمارے دین کو اچھا سمجھتے ہو؟ کیا ہمارا وجود تمہیں گوارا ہے؟ وہ اگر صحیح جواب دیں گے تو یہی کہیں گے کہ ہم تمہیں دل سے نہیں چاہتے لہذا ان سے کہیں کہ جو تمہارا حال ہے وہی ہمارا طریقہ ہے۔

روافض کا تقیہ اور اس کی تردید:

روافض کے دین میں تقیہ کی بہت اہمیت ہے یہ ان کے دین کا بہت بڑا رکن ہے لایمان لمن لا تقیہ لہ ان کا مشہور عقیدہ ہے اور اس پر ان کا عمل بھی ہے انہوں نے اپنے تقیہ کے لیے آیت کے الفاظ ﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ سے استدلال کیا ہے اول یہ سمجھ لیں کہ روافض کو تقیہ کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ بات یہ ہے کہ یہودیوں نے جب روافض کو سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے دین کے علاوہ دوسرا دین بنا کر دیا تو اس میں یہ بھی تھا کہ حضرت ابوبکر و عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے خلافت غصب کر لی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلا فصل تھے، اس پر مسلمانوں کی طرف سے یہ سوال اٹھایا گیا کہ اگر وہ خلیفہ بلا فصل تھے تو انہوں نے حق کا اعلان کیوں نہیں کیا اور ۲۶ سال تک ان حضرات کے مشوروں میں کیوں شریک رہے؟ اور جہادوں میں ان کے ساتھ کیوں شرکت کی اور ان کے پیچھے جمعہ اور عیدین کیوں پڑھتے رہے۔ اور روزانہ جماعتوں میں کیوں حاضر رہے؟ اس پر روافض کو ان کے استادوں یعنی یہودیوں نے یہ نکتہ بھجا دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ کر لیا تھا، یہ تقیہ کا ایسا ہتھیار دشمنوں نے ان کے ہاتھ میں دیا کہ اس کو انہوں نے دین کا بہت بڑا ستون بنا لیا۔ ہر بات میں تقیہ کے ذریعہ گرفت میں آنے سے بچ جاتے ہیں۔ اور اپنے عقیدہ کے خلاف قصد و ارادہ بہت سی باتیں کہہ جاتے ہیں اور اس کو بہت بڑی نیکی سمجھتے ہیں۔ کہاں حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا جری اور بہادر بانگ دہل حق کا اعلان کرنے والے اور کہاں روافض کا تقیہ جو عقیدہ کے خلاف کہہ دینے اور مخاطب کو دھوکہ دینے پر مبنی ہے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلفاء ثلاثہ سے دبنے کی کوئی ضرورت نہ تھی وہ حق گو، حق بین، حق شناس صحابی (رضی اللہ عنہ) تھے۔ باطل سے دہنا اور حق کے خلاف زبان نہ کھولنا اہل حق کا شیوہ نہیں۔ بزعم روافض حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلا فصل بھی تھے اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے دبن بھی گئے خاتم النبیین ﷺ کا خلیفہ مخلوق سے دبن جائے یہ بات اہل ایمان کی سمجھ میں آنے والی نہیں۔

اب دوسرا رخ لیجیے وہ یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب روافض کی دعوت پر کوفہ پہنچے اور وہاں دیکھا کہ ان کے جھوٹے حامی ان سے الگ ہو گئے اور ان کے ساتھ اپنے ہی خاص لوگ مختصر سی تعداد میں رہ گئے تو انہوں نے اظہار کے لیے جان دینا اور اپنے اہل بیت کو قتل کروانا مناسب جانا، اگر تقیہ کوئی دین کا کام تھا تو ان کو بطور تقیہ یزید اور ابن زیاد کی بات مان لینا چاہیے تھا، معلوم ہوا کہ روافض کا تقیہ ان کے آئمہ سے بھی ثابت نہیں ہے یہ ایک تراشیدہ عقیدہ ہے اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں قرآن سے اس کا کوئی ثبوت نہیں اور جن کو شیعہ اپنا امام مانتے ہیں ان سے بھی ثابت نہیں اور جو روایات روافض نے تقیہ کے بارے میں اماموں کی طرف منسوب کی ہیں وہ سب جعلی ہیں، شیعہ مؤلفین نے تراشی ہیں، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر آئمہ نے (بقول روافض) تقیہ خوف کی وجہ سے کیا ہو یا بلا خوف، یہ خلیفہ برحق کی شان کے خلاف ہے۔ اندر کچھ ہو اور باہر کچھ یہ امام کی شان کے خلاف ہے۔ روافض کے نزدیک خلیفہ اول کا جو حال ہے وہی بعد کے اماموں کا بھی حال ہے ان کے نزدیک وہ سب تقیہ کرنے والے تھے (العیاذ باللہ) روافض کا جو تقیہ ہے اس کا قرآن کریم سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ میں یہ بتایا ہے کہ کوئی مسلمان کافروں میں پھنس جائے، مثلاً مجبوس ہو یا مجبوسوں کی طرح سے ہو (جیسے اندھے اپنا بچ، لنگڑے لو لے اور بیمار) اور کافر کفر کلمہ کہلوانے پر کسی ایسی تکلیف دینے کی دھمکی دیں جو ناقابل برداشت ہو اور وہ جو دھمکی دے رہے ہیں اس پر وہ قادر بھی ہوں تو زبان سے کلمہ کفر کے کہنے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ سورہ نحل کی آیت ﴿إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ میں اجازت دی ہے۔ لیکن فضیلت اسی میں ہے کہ جان دیدے اور تکلیف اٹھالے اور کفر کا کلمہ زبان پر نہ لائے اور روافض کو قرآن مجید سے استدلال کرنے کا حق کیا ہے وہ تو اسے محرف مانتے ہیں اور صحیفہ عثمانی مانتے ہیں، جو قرآن ہمارے پاس ہے جس کو ہم اللہ کی کتاب مانتے ہیں اور جس کے بارے میں محفوظ غیر محرف ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اس سے منکرین قرآن کو استدلال کرنے کا کیا حق ہے۔ ممکن ہے کوئی رافضی یوں کہے کہ ہم تمہیں الزام دینے کے لیے تمہارے قرآن سے استدلال کرتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی جہالت سے اپنے خود تراشیدہ عقیدہ کے لیے آیت کا مطلب جو تم نے تجویز کیا ہے ہم پر حجت نہیں، پھر تمہیں تو پھر بھی تقیہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے

اس کی دلیل کے لیے کم از کم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک ارشاد ہی ثابت کر دیجیے جو صحیح سند سے ہو۔ روافض کا بنایا ہوا نہ ہو۔

قُلْ إِنْ تَحْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يُعَلِّمَهُ اللَّهُ ۖ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحَضَّرًا ۗ وَ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَاللَّهُ سَرِيعٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

آپ فرمادیجیے اگر تم چھپاؤ گے جو تمہارے سینوں میں ہے یا اسے ظاہر کرو گے تو اللہ اس کو جان لے گا، اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس دن ہر شخص اپنے نیک عمل کو حاضر پائے گا اور ان کاموں کو بھی پالے گا جو برے تھے اس کی خواہش ہوگی کہ کاش اس کے اور اس دن کے درمیان بہت دور کی مسافت ہوتی، اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

اللہ سب جانتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

پہلے تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو سب کچھ معلوم ہے دلوں کا حال چھپاؤ یا ظاہر کرو وہ سب کو جانتا ہے، جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ اسے وہ سب معلوم ہے اور اسے ہر چیز پر قدرت بھی ہے۔ جس ذات پاک کے علم و قدرت سے کچھ بھی باہر نہیں اس سے ڈرنا اور اس کے احکام کی پابندی کرنا لازم ہے۔

قیامت کے دن کی پریشانی:

پھر قیامت کے دن کا ایک منظر بتایا اور وہ یہ کہ دنیا میں جس شخص نے جو بھی عمل کیا ہو گا خیر ہو یا شر وہ اسے وہاں اپنے سامنے حاضر کیا ہوا پالے گا انسان کی یہ تمنا ہوگی کہ کاش یہ دن نہ ہوتا جس میں اعمال پیش ہوئے، میرے اور اس دن کے درمیان بہت بڑی مسافت حائل ہوتی، لہذا اس دن سے پہلے ہی ہر شخص کو اپنے اعمال درست کر لینا اور اعمال صالحہ کی فکر کر لینا لازم ہے۔ برے عمل کا برا انجام ہے پہلی آیت میں ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ﴾ فرمایا پھر اس آیت میں بھی اس کا اعادہ فرما کر مکرر نصیحت فرمادی۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۱﴾
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ ﴿۲۲﴾

آپ فرمادیجیے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا، اور اللہ غفور ہے رحیم ہے، آپ فرمادیجیے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی، سو اگر وہ اعراض کریں تو بلاشبہ اللہ دوست نہیں رکھتا کافروں کو

اگر اللہ سے محبت ہے تو رسول اللہ کا اتباع کرو

ان دونوں آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کے اتباع اور اطاعت کا حکم دیا ہے، اطاعت فرمانبرداری اور حکم ماننے کو کہتے ہیں اور اتباع اپنے مقتدا کے پیچھے چلنے اور اس کی راہ اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔ جتنی بھی مذہبی قومیں ہیں وہ اللہ کو مانتی ہیں (اگرچہ ماننے کے طریقے مختلف ہیں) اور انہیں یہ بھی دعویٰ ہے کہ ہم اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء ﷺ سے اپنی کتاب میں یہ اعلان کروادیا کہ محبت صرف دعویٰ کرنے کی چیز نہیں اس کا ایک معیار ہے اور وہ محبت معتبر ہے جو محبوب کی مرضی کے مطابق ہو اس محبت کا معیار جو اللہ کے نزدیک معتبر ہے یہ ہے کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کا اتباع کیا جائے آپ نے جو کچھ بتایا ہے اور جو کچھ کر کے دکھایا اسے اختیار کریں اور اسے عمل میں لائیں، اگر

کوئی شخص ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کو بھی اس سے محبت ہوگی۔ اور یہ محبت دنیا اور آخرت میں خیر و خوبی کا ذریعہ بنے گی۔ اتباع کے ساتھ اطاعت کا بھی حکم دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، ان دونوں اطاعتوں سے اعراض کرنے والے کو کافر قرار دیا اور فرمایا کہ اگر وہ اعراض کریں تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا، فرمانبرداری عقائد میں بھی ہے اور ارکان دین میں بھی، فرائض میں بھی اور واجبات میں بھی، عقائد اسلامیہ سے اعراض کرنا تو کفر ہے ہی۔ فرائض کی فرضیت کا انکار بھی کفر ہے، اگر کسی کے عقائد صحیح ہوں اور فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہو اور فرائض کو ماننا ہو تو ترک فرائض کی وجہ سے اس کا کفر اعتقادی نہیں بلکہ عملی ہوگا۔

محبت کے دعویداروں کو تنبیہ:

جو لوگ دین اسلام قبول نہیں کرتے اور اللہ سے محبت کرنے کے دعویدار ہیں ان کے لیے تو آیت شریفہ میں تنبیہ ہے ہی کہ جب تک محبوب رب العالمین خاتم النبیین ﷺ کی دعوت پر لبیک نہ کہو گے ان کی دعوت اور ان کا دین قبول نہ کرو گے اللہ سے محبت کرنے والوں میں اللہ کے نزدیک شمار نہ ہو گے اور تمہاری محبت اور محبت کا دعویٰ سب ضائع ہے بیکار ہے اور ا کارت ہے، ساتھ ہی ان مسلمانوں کو بھی تنبیہ ہے جو اللہ سے محبت کے بھی دعویدار ہیں اور نبی کریم ﷺ کی محبت کا بھی بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرتے ہیں لیکن نبی اکرم ﷺ کے اتباع اور اطاعت سے دور ہیں کاروبار بھی حرام ہے۔ پھر بھی اللہ و رسول سے محبت ہے داڑھی منڈی ہوئی ہے پھر بھی محبت کا دعویٰ ہے۔ لباس نصرانیوں کا ہے پھر بھی مدعیان محبت ہیں ملکوں کو کافروں کے قوانین کے مطابق چلاتے ہیں پھر بھی محبت کرنے والے ہیں، یہ محبت نہیں محبت کا دھوکہ ہے اور جھوٹا دعویٰ ہے۔

منکرین حدیث کی تردید:

ساتھ ستر سال سے ایک گروہ ایسا نکلا ہے جو عمل بالقرآن کا مدعی ہے یہ لوگ اطاعت رسول اور اتباع رسول کو دین کا جزو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے جو رسول کے ذریعہ آئی ہے اور رسول کی حیثیت ایک ڈاکیہ کی ہے کتاب کو ہم سمجھ لیں گے جیسے مکتوب الیہ اپنے نام کا خط خود پڑھ لیتا ہے رسول کو بیچ میں ڈالنے اور اس کے سمجھانے اور تفسیر کرنے کی کیا ضرورت؟ العیاذ باللہ یہ لوگ ان تمام آیات کے منکر ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے اتباع اور اطاعت کا حکم دیا گیا ہے سورہ نحل میں فرمایا ﴿وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ اور ہم نے آپ کی طرف ذکر کو نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کے لیے بیان فرمائیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا اور تاکہ لوگ فکر کریں۔ اور سورہ نساء میں فرمایا ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ﴾ (بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلے کریں اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے آپ کو سمجھایا) معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کا بیان کرنا بھی رسول اللہ ﷺ کا کام ہے اس سے ہٹ کر جو سمجھنے کا ارادہ کرے گا وہ اللہ کی کتاب سے دور ہوگا، جاہل بالقرآن نہیں ہوگا۔ بلکہ اپنے نفس کی ذاتی رائے پر چلنے والا ہوگا۔ سورہ اعراف میں رسول اللہ ﷺ کی صفت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا، ﴿يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ کہ وہ لوگوں کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں، معلوم ہوا کہ تحریم و تحلیل کا کام بھی رسول اللہ ﷺ کو سپرد کیے ہوئے کاموں میں سے ہے۔

حدیث کو چھوڑ کر عمل بالقرآن کے مدعی درحقیقت نفس کی آزادی چاہتے ہیں اور اتباع رسول اور اطاعت رسول کے انکار کی لپیٹ میں انکار قرآن بھی مضمر ہے اور یہ لوگ عجمی سازش کا شکار ہیں اپنے عجمی استادوں یعنی یورپ اور امریکہ کے یہود و نصاریٰ کے اشاروں سے گمراہی اور زندہ پھیلا رہے ہیں اگر قرآن کے ماننے والے ہوتے تو بحکم قرآن رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کو لازم قرار دیتے اور احادیث شریفہ پر عمل کرنے کی تلقین کرتے۔

قرآن کے بارے میں قرآن ہی کا بیان معتبر ہے قرآن نے تو یہ نہیں فرمایا کہ میری حیثیت ایک ذاتی خط کی ہے قرآن نے تو اپنے بارے

میں ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ﴾ فرمایا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ سارے انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوا۔ اور چونکہ عقل انسانی ہدایت پانے کے لیے ناکافی ہے (اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل فرمائی) اور اللہ جل شانہ نے رسول اللہ ﷺ کو مبین قرآن اور مفسر قرآن بنا کر بھیجا اور آپ کے اتباع کا حکم دیا اس لیے آپ کی تشریحات و تعلیمات کے مطابق عمل پیرا ہونا لازم ہے اگر کتاب اللہ کے معانی و مفاہیم ہر شخص کی سمجھ کے مطابق تسلیم کر لیے جائیں تو ہر آیت کے معانی سینکڑوں طرح کے تجویز کر دیئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب عقلمندی کے جھوٹے دعویداروں کا کھلونا بن کر رہ جائے گی۔ ﴿اعاذنا اللہ خرافاتھا﴾

ان جاہلوں کو اپنے خیال میں قرآن سے عقیدت ہے لیکن قرآن کے نازل فرمانے والے کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنانے میں ذرا بھی پاک محسوس نہیں کرتے وہ خالق و مالک ہے اسے سب کچھ اختیار ہے۔ اگر اس نے کتاب نازل فرما کر رسول اللہ ﷺ کے ذمہ اس کی تشریح و تفسیر عائد فرمادی اور بہت سے احکام آپ کی زبانی بیان کروادئے تو اس سے ناگواری کیوں ہے؟

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّتَهُ بَعْضَهَا مِنْ بَعْضٍ ۖ وَاللَّهُ سَبِيْعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّبِيْعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ ۖ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيْدُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهُمَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۖ وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ لِيَرِيْمُ أُنِّي لَكَ هَذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

بے شک اللہ نے منتخب فرمایا آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو سارے جہانوں پر، بعض ان میں بعض کی اولاد ہیں، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے، جب عرض کیا عمران کی بیوی نے کہ اے میرے رب بے شک میں نے آپ کے لیے نذرمان لی کہ جو بچہ میرے شکم میں ہے وہ آزاد ہوگا لہذا آپ اس کو قبول فرمائیے، بے شک آپ ہی سننے والے جانے والے ہیں۔ پس جب اس کو جنا تو کہنے لگیں اے میرے رب بلاشبہ میں نے اس کو لڑکی جنا ہے، اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا، اور نہیں ہے بیٹا بیٹی کی طرح سے، اور میں نے اس کا نام رکھ دیا ہے مریم اور بے شک میں اس کو اور اس کی ذریت کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے، سو اس کے رب نے قبول فرمایا اس بچی کو اچھی طرح کا قبول فرمانا اور اس کو بڑھانا اور اس کو زکریا کی کفالت میں دے دیا۔ جب زکریا داخل ہوئے ان پر محراب میں تو پایا ان کے پاس رزق، تو انہوں نے کہا کہ اے مریم کہاں سے ہے یہ تیرے لیے۔ انہوں نے کہا کہ وہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بے شک اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے حساب

حضرت مریم کی والدہ کی نذر، اور ان کی ولادت اور کفالت کا تذکرہ

ان آیات میں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت نوح ﷺ کو اور حضرت ابراہیم اور جناب عمران کی آل و اولاد کو سارے جہانوں پر فضیلت دی اور ان کو منتخب فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ بعض بعض کی اولاد ہیں آدم ﷺ تو سب کے باپ ہیں ہی پھر نوح ﷺ

اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل اور عمران اور آل عمران سب ہی نسل در نسل آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا حضرت نوح علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی پیغمبر بنایا اور آئندہ جتنے بھی نبی آئے وہ سب انہیں کی نسل میں سے تھے۔ جن میں خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی ہیں اور آل عمران بھی ان ہی کی نسل میں سے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے تھے۔ اور یہ عمران کی بیٹی تھیں یہ عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کے علاوہ دوسرے عمران ہیں۔ معالم التنزیل صفحہ ۲۳۶: ج ۱ میں لکھا ہے کہ ان دونوں کے درمیان ۱۸۰۰ سال کا فاصلہ تھا۔ پھر مریم علیہا السلام کی والدہ عمران کی بیوی کی نذر کا تذکرہ فرمایا انہوں نے نذر مانی تھی کہ اے میرے رب میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں نے اس کو آزاد چھوڑنے کی منت مان لی اور آزاد چھوڑنے کا مطلب یہ تھا کہ اس کو صرف بیت المقدس کی خدمت کے لیے فارغ رکھوں گی دنیا کا کوئی کام نہیں لوں گی۔ مسجد کی خدمت کرنے والے مرد ہوتے تھے اب ہوا یہ کہ جس حمل کے بچہ کو آزاد چھوڑنے کی منت مانی تھی جب اس حمل کی پیدائش ہوئی تو لڑکا نہ تھا بلکہ لڑکی تھی۔ عمران کی بیوی افسوس کرنے لگیں اور کہنے لگیں کہ اے میرے رب میرے تو لڑکی پیدا ہو گئی۔ لڑکی بیت المقدس کی خدمت گزار کیسے بنے گی۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی تھا کہ اس نے کیا جانا لیکن انہوں نے بطور حسرت کے اللہ پاک سے یوں خطاب کیا۔ ﴿رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی﴾ اور اپنی حسرت کو دوسرے الفاظ میں یوں دہرایا۔ ﴿وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی﴾ کہ لڑکا لڑکی کی طرح سے نہیں ہے۔ اس عبارت کو بعض علماء نے مبالغہ قلب پر محمول کیا ہے اور علامہ بیضاوی نے اول تو دونوں لاجہد کے لیے بنائے ہیں پھر یہ تفسیر کی ہے۔ اِنِّیْ وَلَیْسَ الذَّکَرُ الذَّیْ طَلِبَتْ کَالْاُنْثٰی التی وھبت اور پھر لکھا ہے۔ ویجوز ان یکون من قولنا بمعنی و لیس الذکر کالانثی سینا فیما نذرت فیکون الامر للجنس مطلب یہ ہے کہ لڑکا لڑکی کی الحقیقت برابر نہیں ہیں۔ لڑکی وہ کام نہیں کر سکتی جو لڑکا کر سکتا ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا کہ و لیس الذکر کالانثی حضرت مریم کی والدہ کا قول نہیں ہے بلکہ یہ جملہ معترضہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لڑکی انہوں نے جنی ہے لڑکا اس لڑکی کے برابر نہیں ہو سکتا تھا جو انہوں نے طلب کیا تھا بلکہ یہ لڑکی ہی افضل ہے کیونکہ ان کے کمالات و برکات عجیب و غریب ہوں گے یہ معنی لینے سے تشبیہ مقلوب کا احتمال ختم ہو جاتا ہے۔

عمران کی بیوی نے لڑکا پیدا نہ ہونے کا افسوس ظاہر کرنے کے بعد کہا ﴿وَ اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ﴾ کہ میں نے اس بچی کا نام مریم رکھ دیا پھر یوں کہا ﴿وَ اِنِّیْ اُعِیْذُہَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَہَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾ (کہ میں اس لڑکی اور اس ذریت کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے) صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کبھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے شیطان اس کو چھوٹا ہے جس وقت پیدا ہوتا ہے۔ سو وہ اس کے چھوٹنے سے چھٹتا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے (کہ وہ ان کو نہیں چھوٹا) بعض روایات میں ہے کہ شیطان اپنی انگلی سے پتو کا دیتا ہے اسی لیے بچہ چنچ پڑتا ہے سوائے مریم اور ان کے بیٹے کے کہ وہ ان دونوں تک نہیں پہنچ سکا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ پردے میں انگلی ہار کر چلا گیا۔ (روح المعانی ص ۱۳۷: ج ۱)

حضرت مریم کا نشوونما اور حضرت زکریا کی کفالت:

حضرت مریم کی والدہ کا قول ذکر فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَنَتَّبِعْنَا لَہَا رِیْقًا بِقَبُولِ حَسَنٍ وَ نَتَّبِعْنَا لَہَا حَسَنًا وَ کَفَلْنَاہَا زَکَرِیَّا﴾ کہ اس کے رب نے اس بچی کو قبول فرمایا، نذر کو ہدیہ سے تشبیہ دی۔ اور ان کی نذر سے رائق ہوئے کو قبول کرنے سے تشبیہ فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور بہت خوبی کے ساتھ قبول فرمایا۔ علامہ تفسیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو ان کی والدہ جن کا نام حدہ تھا ان کو پیرے میں لپیٹ کر بیت المقدس میں لے گئیں اور وہاں جو عبادت میں مشغول رہنے والے حضرت مقبر تھے ان کے سامنے رکھ دیا (اور پوری کیفیت بتاؤں کہ میری یہ نذر تھی اور لڑکی پیدا ہوئی ہے) زمانہ حسن میں لڑکی کے والد جناب عمران کی وفات ہو چکی تھی وہ وہاں کے امام بھی تھے۔ وہ ہوتے تو پرورش کے زیادہ مستحق تھے۔ مریم کی والدہ نے مریم (عابدہ) نام رکھا جس میں یہ اشارہ ہے کہ

میں اپنی نذر پر اب بھی قائم ہوں۔ خدمت کے لیے نہیں تو عبادت ہی کے لیے سہی اسی نذر کی وجہ سے وہ بیت المقدس کے مقیمین کے پاس لے گئیں۔ (روح المعانی و بیان القرآن)

ان حضرات نے بچی کی کفالت کے سلسلے میں منافست اختیار کی اور ہر ایک چاہتا تھا کہ میں اس کی پرورش کروں انہیں حضرات میں حضرت زکریاؑ بھی تھے جو ان سب کے سردار تھے انہوں نے فرمایا کہ میں اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حقدار ہوں اس لیے کہ اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے وہ حضرات کہنے لگے کہ ہم سب آپس میں قرعہ ڈالیں گے جس کا نام نکل آیا وہی زیادہ حقدار ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے قلم منگوائے اور ان کو جمع کر کے ڈھانک دیا۔ حضرت زکریاؑ نے ایک نابالغ بچے سے فرمایا کہ تو ہاتھ ڈال کر ایک قلم نکال لے اس نے نکالا تو حضرت زکریاؑ کا قلم نکل آیا۔ لہذا انہوں نے حضرت مریمؑ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ (اس کی مزید تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ چند صفحات کے بعد آئے گی) حضرت زکریاؑ کی کفالت میں مریمؑ رہنے لگیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا نشوونما خوب اچھے طریقہ سے کیا جو دوسرے بچوں سے مختلف تھا۔ حضرت زکریاؑ نے ان کو علیحدہ ایک محراب میں رکھ چھوڑا تھا۔ محراب سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بیت المقدس میں ایک کمرہ ان کے لیے مخصوص کر دیا تھا یہ کمرہ بلندی پر تھا۔ جس میں زینہ سے چڑھتے تھے اور بعض حضرات نے محراب سے مطلق مسجد مراد لی ہے اور بعض حضرات نے محراب کا معروف معنی مراد لیا ہے۔

حضرت مریم کے پاس غیب سے پھل آنا:

بہر حال وہ بیت المقدس میں رہتی رہیں اور نشوونما ہوتا رہا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی طور پر ان کو پھل ملتے رہے، گرمی کے پھل سردی کے زمانہ میں اور سردی کے پھل گرمی کے زمانہ میں ان کے پاس ملتے تھے۔ حضرت زکریاؑ ان کا بہت دھیان رکھتے تھے۔ اور ان کے سوا کوئی شخص حضرت مریمؑ کے پاس نہیں جاسکتا تھا جب وہ ان کے پاس جاتے تو دیکھتے تھے کہ غیر موسم کے پھل رکھے ہوئے ہیں اول تو دروازہ بند ہوتے ہوئے اندر پھلوں کا پہنچ جانا پھر غیر موسم کے پھل ہوتا۔ یہ دونوں باتیں بڑے تعجب کی تھیں حضرت زکریاؑ نے ان سے سوال فرمایا کہ یہ پھل کہاں سے آئے انہوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں اور ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ ﴿إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ اس آیت سے کرامات اولیاء کا ثبوت ہوتا ہے۔ (روح المعانی)

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۗ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾
فَنَادَتْهُ الْمَلِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيحْيَىٰ مُصَدِّقًا لِّكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَأَحْسَبًا ۗ وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي كُنْتُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَآمَرَنِي عَاقِرٌ ۗ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۗ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْرًا ۗ وَادْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

اس موقع پر زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا اے میرے رب مجھے آپ اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرمادیجیے بلاشبہ آپ دعا سننے والے ہیں، پس فرشتوں نے ان کو آواز دی اس حالت میں کہ وہ کھڑے ہوئے محراب میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بلاشبہ اللہ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے وہ اللہ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا اور عورتوں سے دور رہنے والا ہوگا۔ اور نبی ہوگا صالحین میں سے۔ وہ کہنے لگے کہ اے میرے رب کہاں سے ہوگا میرے لڑکا حالانکہ مجھے بڑھا پانچ چکا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہے۔ وہ کہنے لگے کہ اے میرے رب میرے لیے کوئی نشانی فرمادیجیے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری نشانی یہ ہے

کہ تو تین دن تک لوگوں سے بات نہ کرے گا مگر صرف اشارہ سے اور یاد کر اپنے رب کو کثرت کے ساتھ اور اللہ کی پاکی بیان کر شام اور صبح

اولاد کے لیے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعاء

حضرت زکریا علیہ السلام خوب زیادہ بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کے کوئی اولاد نہ تھی جو دینی علوم اور اعمال میں ان کی وارث بنے جیسا کہ سورہ مریم میں ذکر فرمایا:

﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا﴾

”عرض کیا اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل پڑی اور آپ سے مانگنے میں اے میرے رب ناکام نہیں رہا ہوں اور میں اپنے بعدرشتہ داروں سے اندیشہ رکھتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے سو آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے ایک وارث دے دیجیے کہ وہ میرا وارث بنے اور یعقوب کے خاندان کا وارث بنے اور اس کو اے میرے رب پسندیدہ بنائیے۔“

حضرت یحییٰ کی پیدائش کی خوشخبری:

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور فرشتوں کے ذریعے ان کو خوشخبری بھیجی کہ تمہارے لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام یحییٰ ہوگا یہ لڑکا اللہ کے کلمہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔ اور یہ لڑکا سردار ہوگا (صاحب روح المعانی نے متعدد علماء کرام سے سید کے متعدد معانی نقل کیے ہیں، الکریم، الحلیم، الحسن، الخلق، الشریف، الفقیہ العالم، الراضی بقضاء اللہ تعالیٰ، الخلیل، المتوکل العظیم الہمة، الذی لا یحسد، الذی یفوق بالخیر قومہ، اس کے بعد لکھتے ہیں کہ سب معانی یحییٰ علیہ السلام کی شان کے لائق ہیں مگر تحقیقی بات یہ ہے کہ سید کے اصل معنی یہ ہیں کہ جو اپنی قوم کا سردار ہو اور اس کے اتباع ہوں پھر ہر اس شخص کے لیے اسی کا اطلاق ہونے لگا جو دین میں یا دنیا میں دوسروں پر فائق ہو۔

حضور کا معنی:

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اوصاف میں حضور بھی فرمایا اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں معناه الذی لا یاتى النساء مع القدرة علی ذلك یعنی حضور وہ ہے جو قدرت ہوتے ہوئے عورتوں سے شہوانی حاجت پوری نہ کرے اور نفس کی خواہش کے باوجود صبر کرتا رہے۔ بعض حضرات نے فرمایا اس سے ہر طرح کی مباح اور حلال خواہشوں سے بچنا مراد ہے۔ نیز حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات بتاتے ہوئے ﴿نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾ بھی فرمایا کہ یہ بچہ جس کی پیدائش کی بشارت دی جا رہی ہے نبی ہوگا اور صالحین میں سے ہوگا۔

صالحین کا مصداق:

صالح صلاح سے مشتق ہے جو شخص گناہوں سے بچتا ہو اور نیکیوں سے آراستہ ہو اللہ تعالیٰ کی طرف انابت اور رجوع رکھتا ہو وہ صالح ہے اور اس کے بہت سے درجات ہیں اور مراتب ہیں۔ حضرات سلیمان علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا ﴿وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ﴾ اور سورہ انبیاء میں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿وَأَدْخِلْنَهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾ (اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ بے شک وہ صالحین میں سے تھے) معلوم ہوا کہ صالحیت بہت بڑی بلکہ اہل خیر کی مرکزی صفت ہے۔ صالح ہونا بہت بڑی چیز ہے۔ آجکل کوئی شخص بزرگ مشہور ہو اس کے مریدوں کے سامنے کوئی کہہ دے کہ ان کے پیر صالح آدمی ہیں تو وہ برامانے گا کہ واہ صاحب ہمارے حضرت بس صرف صالح ہیں وہ تو شمس العارفین ہیں اور قطب الاقطاب ہیں حالانکہ کسی کے بارے میں صالح ہونے کی گواہی بہت بڑی گواہی ہے کیونکہ یہ مقبولین بارگاہ الہی کی مرکزی صفت ہے۔

حضرت زکریا کو استعجاب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب:

جب حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹا ملنے کی خوشخبری مل گئی اور بیٹے کی صفات بھی معلوم ہو گئیں تو بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگے کہ میرے لڑکا کہاں سے ہوگا میں تو بوڑھا ہو چکا اور میری بیوی بھی بانجھ ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے تو دعا ہی میں عرض کر دیا تھا کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے اور اللہ کی قدرت پر بھروسہ کرتے ہوئے انہوں نے دعا کی تھی اب جب دعا قبول ہو گئی تو تعجب کیوں کر رہے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں حضرات مفسرین کرام نے کئی باتیں لکھی ہیں اول یہ کہ ان کا سوال حصول ولد کی کیفیت سے تھا کہ مجھے اسی عورت سے اولاد عطا ہوگی یا دوسری کوئی جوان عورت سے نکاح کرنا ہوگا۔ دوم یہ کہ یہ تعجب بشریت کے فطری تقاضے کے اعتبار سے ان کی زبان سے ظاہر ہو گیا۔ قدرت الہی کو کامل جانتے ہوئے بھی اس قسم کے مواقع پر انسان کی زبان سے ایسے کلمات نکل جاتے ہیں۔ سوم بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ غایت اشتیاق کی وجہ سے انہوں نے سوال کیا تا کہ خدائے پاک کی طرف سے دوبارہ بشارت کا اعادہ ہو اور قلبی لذت میں اضافہ ہو جائے۔ جب حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے تعجب خیز انداز میں یہ کہا کہ اے میرے رب میرے لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ مجھ کو بڑھاپا پہنچ گیا اور میری عورت بانجھ ہے تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا ﴿كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ﴾ یعنی تمہارا بڑھاپا ہوتے ہوئے ہی اولاد ہو جائے گی اللہ جو چاہے کرے اسے اختیار ہے، خلاف عادت افعال عجیبہ پر اس کو پوری طرح قدرت ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ كَذَلِكَ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی الامر كَذَلِكَ اور ﴿اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ﴾ کو اس کا بیان قرار دیا ہے۔

جب دوبارہ بشارت مل گئی تو حضرت زکریا علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ میرے لیے کوئی ایسی نشانی مقرر فرما دیجیے کہ جس سے مجھے پتہ چل جائے کہ استقرار حمل ہو چکا۔ یہ اس لیے عرض کیا کہ خوشی کی ابتداء ابتداء حمل ہی سے ہو جائے اور اللہ کی نعمت کا شکر مزید در مزید ہوتا رہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے لیے یہ نشانی مقرر فرمادی کہ تم تین دن تین رات تک لوگوں سے بات نہ کر سکو گے تین دن کا ذکر تو یہیں اسی آیت میں موجود ہے۔ اور تین رات کا ذکر سورہ مریم میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تم لوگوں سے بول ہی نہ سکو گے البتہ ہاتھ کا یا سر کا اشارہ کر کے بات کر سکو گے زبان سے بات کرنے پر قدرت نہ ہوگی اللہ کے ذکر پر تم کو قدرت ہوگی۔ اور اپنے رب کا ذکر خوب زیادہ کرنا۔ صبح شام اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے اوقات نماز کی پابندی مراد ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ صبح شام کنا یہ ہے جمع اوقات سے مطلب یہ ہے کہ ہر وقت اللہ کی تسبیح بیان کرتے رہنا۔

سورہ انبیاء اور سورہ مریم میں بھی حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور دعا کی قبولیت کا ذکر ہے۔ سورہ مریم میں کچھ مضمون زائد ہے۔ پہلے رکوع کے ختم پر دیکھ لیا جائے اور سورہ انبیاء میں فرمایا ﴿فَاسْتَجِبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيٰى وَاصْلَحْنٰا لَهُ زَوْجَهُ﴾ کہ ہم نے زکریا کی دعا قبول کی اور ان کو یحییٰ (بیٹا) عطا فرمادیا اور اس کی بیوی کو درست کر دیا یعنی ولادت کے قابل بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ خالق الاسباب اور خالق المسببات ہے۔ اسباب بھی پیدا فرماتا ہے اور اسباب کے بغیر بھی اسے ہر چیز کی تخلیق پر قدرت ہے۔

نکاح کی شرعی حیثیت:

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات میں جو لفظ حضور وارد ہوا ہے (عورتوں سے پرہیز کرنے والا) اس سے حضرات شوافع نے اپنے مذہب کے لیے استدلال کیا ہے کہ نکاح نہ کرنا افضل ہے۔ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ نکاح کرنا سنت ہے اور نفس کا تقاضا زیادہ ہو تو نکاح کرنا واجب ہے احادیث شریفہ سے یہ امر بخوبی واضح ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے جوانو! تم میں سے جسے نکاح کی قدرت ہو وہ نکاح کر لے کیونکہ وہ نظر کو پست رکھنے کا ذریعہ ہے اور شرم کی جگہ کو پاک رکھنے والی چیز ہے، اور جسے نکاح کی قدرت نہ ہو اسے چاہیے کہ روزے رکھے۔ کیونکہ روزوں سے اس کی قوت شہوانیہ دب جائے گی۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے تجل یعنی نکاح نہ کرنے کے

اجازت چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات کو رد فرما دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۶۷ از بخاری و مسلم)
 نکاح نہ کرنا حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خصوصیت تھی۔ عام طور سے حضرات انبیاء علیہم السلام نکاح کرتے رہے۔ سورہ رعد میں فرمایا: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا
 رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾ (اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے اور ان کے لیے بیویاں مقرر کیں اور اولاد
 عطا کی) سنن الترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں پیغمبروں کے طریقوں میں سے ہیں شرم والا ہونا۔ عطر لگانا۔
 مسواک کرنا۔ نکاح کرنا۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ لَيُؤَيِّمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ طَهَّرَكَ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَىٰ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾ لَيُؤَيِّمُ

اِقْتَنِي لِرَبِّكَ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۳۴﴾

اور جب کہا فرشتوں نے کہ اے مریم بے شک اللہ نے تجھے منتخب فرمایا اور پاک بنا دیا اور سب جہانوں کی عورتوں کے مقابلہ میں تم کو چن
 لیا اے مریم تو اپنے رب کی فرمانبرداری کرتی رہو اور سجدہ کرو اور رکوع کرو اور ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں۔

فرشتوں کا حضرت مریم کو بتانا کہ اللہ نے تمہیں چن لیا

اس سے پہلے رکوع کی ابتداء میں فرمایا تھا کہ آل عمران کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا پھر اسی ذیل میں حضرت مریم کی پیدائش اور نشوونما اور
 حضرت زکریا کی دعا اور حضرت یحییٰ کا پیدا ہونا بیان فرمایا اب اسی سلسلہ کے تتمہ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ حضرت مریم کا منتخب فرمانا پھر ان کے
 بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری دینا اور ان کو رسالت سے سرفراز فرمانا اور ان کے بعض معجزات کا ذکر فرمانا۔ یہ باتیں اس رکوع میں مذکور ہیں۔
 اصطفاک کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں اختارک من اول الامر و لطف بک و میزک علی کل محرو و
 خصک بالکرامات السنیة یعنی شروع ہی سے اللہ نے تجھے چن لیا اور تیرے ساتھ مہربانی فرمائی اور تجھے ان تمام لڑکوں پر امتیاز بخشا جن کو
 بیت المقدس کی خدمت کے لیے آزاد کیا جاتا ہے اور بڑی بڑی کرامات کے ساتھ تجھے مخصوص فرمایا، اور طہرک کے بارے میں لکھتے ہیں ای
 من الادناس و الاقدار التي تعرض للنساء مثل الحيض و النفاس حتى صرت صالحه لخدمة المسجد یعنی اللہ نے تجھے ان
 گندگیوں سے پاک فرمایا جو عورتوں کو پیش آجاتی ہیں جیسے حیض اور نفاس یہاں تک کہ تو مسجد کی خدمت کے لائق ہو گئی اور بعض حضرات نے
 فرمایا کہ طہرک بالایمان عن الکفر و بالطاعة من المعصية یعنی تجھے ایمان دیا اور کفر سے پاک رکھا اور طاعت میں لگایا اور گناہوں
 سے پاک رکھا اور بعض حضرات نے اس کا مطلب بتاتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ ﴿نَزَّهَكَ عَنِ الْأَخْلَاقِ الذَّمِيمَةِ وَ الطَّبَاعِ الرَّدِيئَةِ﴾ یعنی
 تجھے برے اخلاق سے اور بری طبیعتوں سے پاک صاف کر دیا۔ اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ عموم پر محمول کیا
 جائے اور مطلب یہ ہے کہ ہر طرح کی گندگیوں سے تجھے اللہ نے پاک کر دیا۔ اقدار حسیہ معنویہ قلبیہ قلبیہ سب سے صاف اور ستھری بنا دیا۔

حضرت مریم کی فضیلت:

پھر فرمایا ﴿وَاصْطَفَىٰ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ﴾ اور تجھے جہانوں کی عورتوں کے مقابلہ میں منتخب فرمایا۔ عموم الفاظ کے پیش نظر بعض
 حضرات نے فرمایا کہ دنیا کی تمام عورتوں پر حضرت مریم کو فضیلت دی گئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے ان کے اپنے زمانہ کی عورتیں
 مراد ہیں۔

روایات حدیث میں حضرت مریم بنت عمران حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) اور حضرت خدیجہ بنت خویلد (رسول اللہ ﷺ کی سب سے
 پہلی اہلیہ) اور حضرت فاطمہ بنت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ ان فضائل کی وجہ سے بعض
 حضرات نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور بعض حضرات نے توقف کیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان کے فضائل مختلف جہات

سے ہیں۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کا جگر گوشہ تھیں اس حیثیت سے ان کو سب پر فضیلت حاصل ہے اور صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے۔ مجھے وہ چیز ناگوار ہوتی ہے جو اسے ناگوار ہو۔ اور وہ چیز مجھے ایذا دیتی ہے جو اسے ایذا دے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۷۸ از بخاری و مسلم) نیز صحیح بخاری صفحہ ۵۱۲: ج ۱ میں ہے کہ آنحضرت سرور دو عالم ﷺ نے اپنے مرض وفات میں حضرت فاطمہ سے فرمایا اما ترضین ان تکونی سیدۃ نساء اهل الجنة او نساء المومنین (کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ جنت والی عورتوں کی سردار ہوگی یا یوں فرمایا کہ مومنین کی عورتوں کی سردار ہوگی)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس اعتبار سے افضل ہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کی سب سے پہلی بیوی ہیں اور سب سے پہلے انہوں نے ہی اسلام قبول کیا اور اپنا مال رسول اللہ ﷺ پر اور دین اسلام کی خدمت میں پوری طرح لگا دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا: ﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى﴾ اس کی تفسیر میں علماء لکھتے ہیں آی بمل خدیجۃ (یعنی اللہ نے آپ کو بے پیسے والا پایا سو آپ کو خدیجہ کے مال کے ذریعہ مال والا بنا دیا)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اس اعتبار سے دوسری تمام عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد انہوں نے آسمان کے علوم کو تمام بیویوں سے زیادہ پھیلا یا احکام و مسائل بتادیئے بہت بڑی تعداد میں ان کے شاگرد تھے جنہوں نے ان سے علوم حاصل کیے الاصابہ صفحہ ۲۶۰: ج ۳ میں ہے کہ حضرت عطاء بن ابی رباح تابعی نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب لوگوں سے زیادہ فقیہ تھیں۔ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب بھی کوئی مشکل معاملہ پیش ہوا تو ہم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ضرور اس کے بارے میں علم پایا۔ یہ تو حضرت خدیجہ حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلتیں ہیں جو مختلف جہات سے ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت اس اعتبار سے ہے کہ ان کی والدہ نے ان کو بیت المقدس کے لیے بطور خادم مقرر کیا اور حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کی کفالت کی اور ان کے پاس غیب سے رزق آیا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بنیں۔

حضرت آسیہ کی فضیلت:

اور حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) کی فضیلت اس اعتبار سے ہے کہ انہوں نے اس ماحول میں اسلام قبول کیا جبکہ فرعون ایمان قبول کرنے والوں کو بہت تکلیف دیتا تھا۔ زمین پر لٹا کر ہاتھوں میں کیلیں گاڑ دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے بطور مثال اہل ایمان کا ذکر فرماتے ہوئے سورہ تحریم میں یوں ان کا ذکر فرمایا: ﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَةً فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ (اور اللہ نے بیان فرمایا مسلمانوں کے لیے فرعون کی بیوی کا حال جبکہ اس دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنائے اور مجھ کو فرعون سے اور اسکے عمل سے نجات دیجیے اور مجھ کو تمام ظالم لوگوں سے نجات دیجیے)۔

صحیح بخاری صفحہ ۵۳۲: ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ مردوں میں بہت لوگ کامل ہوئے اور عورتوں میں کامل نہیں ہیں مریم بنت عمران اور آسیہ فرعون کی بیوی اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسی فضیلت ہے شریک کی باقی تمام کھانوں پر۔

بہر حال ان پانچوں خواتین کی فضیلت بہت زیادہ ہے جو روایات حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتی ہے۔ کلی فضیلت کس کو حاصل ہے۔ اللہ ہی کو معلوم ہے۔

وَأَرْكَعِي مَعَ الرَّكْعَيْنِ كِتَابِ تَفْسِيرِ:

حضرت مریم علیہا السلام کے انتخاب اور اصطفاء کا ذکر فرمانے کے بعد اس بات کا ذکر فرمایا کہ فرشتوں نے ان سے اللہ تعالیٰ شانہ کی فرمانبرداری کرنے اور رکوع کرنے اور رکوع سجدہ کرنے کے لیے کہا اس میں سجدہ کا ذکر رکوع سے پہلے ہے اس کی وجہ سے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ پہلی امتوں میں سجدہ رکوع سے پہلے کیا جاتا تھا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ واو ترتیب کے لیے نہیں مطلق جمع کے لیے ہے پہلی امتوں میں بھی رکوع سجدہ سے پہلے ہی تھا۔ رکوع کے ذکر کے ساتھ مع الرکعتین بھی فرمایا اس کے بارے میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ بعض یہود نے نماز میں رکوع چھوڑ دیا تھا جیسے بعضے ہم میں قومہ چھوڑ دیتے ہیں اور بعضے رکوع کرتے تھے اس لیے حکم فرمایا کہ نماز کے طریقہ میں ان لوگوں کے ساتھ رہنا جو رکوع بھی کیا کرتے ہیں پس مقصود اہتمام ہے رکوع کا، میں کہتا ہوں کہ اگر یہ امر منقول کسی کے نزدیک ثابت نہ ہو تو عمدہ وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ فرائض صلوٰۃ میں قیام و سجود کی ہیئت میں عادتہ خلل کم ہو سکتا ہے بخلاف رکوع کے کہ اس کی ہیئت میں خلل زیادہ محتمل ہوتا ہے جیسا کہ اکثر مشاہدہ ہے کہ رکوع میں لوگ کم جھکتے ہیں جس سے وہ اقرب الی القیام رہتا ہے اور کیونکہ اس ہیئت میں معانیہ کو ایک خاص دخل ہے اس لیے مع الرکعتین بڑھا دیا کہ جس طرح سے کامل رکعتین کیا کرتے ہیں۔ ویسے ہی کرنا۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ اِلَيْكَ ۗ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اذْ يُقْتُلُونَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ

مَرْيَمَ ۗ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿۳۳﴾

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں اور آپ نہیں تھے ان کے پاس جب کہ وہ ڈال رہے تھے اپنی قلموں کو کہ ان میں کون مریم کی کفالت کرنے۔ اور آپ نہیں تھے ان کے پاس جس وقت کہ وہ جھگڑ رہے تھے۔

نبوت محمدیہ پر واضح دلیل

ابھی حضرت مریم علیہا السلام سے متعلق بعض چیزوں کا بیان باقی ہے۔ جو اس آیت کے بعد آنے والا ہے۔ درمیان میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلا دی اس میں بظاہر خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن مضمون یہودیوں کی یاد دہانی سے متعلق ہے یہودیوں کے سامنے بار بار ایسی چیزیں تھیں جن سے یہ یقین ہو جاتا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی آخر الزمان آپ ہی ہیں جن کی خوشخبری ان کی کتاب میں دی گئی تھی لیکن وہ ضد و عناد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے تھے خود ان کے اپنے آباؤ اجداد سے متعلق واقعات جو وہ جانتے تھے قرآن مجید میں وہ بھی بیان کیے گئے اور سب کو یہ بھی معلوم تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امی ہیں کتابیں نہیں پڑھیں۔ اور علماء یہود کے پاس رہنا بھی نہیں ہوا۔ لامحالہ یہودیوں کے آباؤ اجداد سے متعلق واقعات ضرور وحی کے ذریعہ پہنچے ہیں۔ لیکن جسے ہدایت پر آنا ہی نہ ہو وہ کسی بھی بات سے ہدایت و عبرت حاصل نہیں کر سکتا۔ حضرت مریم کی والدہ کا نذر ماننا پھر حضرت مریم کا پیدا ہونا پھر حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں نشوونما ہونا ان کے پاس غیب سے رزق آنا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا دعا کرنا اور ان کے ہاں بیٹا پیدا ہونا۔ حضرت مریم کو فرشتوں کا خطاب کرنا یہ سب امور غیب کی باتیں ہیں جنہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے نہیں جانتے تھے ان چیزوں کا علم آپ کو صرف وحی کے ذریعہ ہوا۔ اور یہ آپ کے معجزات واضح میں سے ہے آیت بالا میں یہودیوں کو توجہ دلائی کہ دیکھو یہ خبریں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں سے معلوم ہوئیں جو تمہارے آباؤ اجداد سے متعلق ہیں اور جنہیں تم جانتے اور پہچانتے ہو۔ ظاہر ہے کہ ان کا ذریعہ صرف وحی ہے لہذا حق قبول کرو۔

حضرت مریم کی کفالت کے لیے قرعہ اندازی:

مذکورہ خبروں کے تذکرہ کے علاوہ ایک اور بات کا بھی تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ان کو بیت المقدس میں لے کر آئیں تو ان کی کفالت کے سلسلے میں وہاں کے حاضرین و عابدین آپس میں جھگڑنے لگے ہر ایک کہتا تھا کہ مجھے ان کی کفالت کی سعادت نصیب ہو۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنا استحقاق ظاہر فرمایا کہ اس بچی کی خالہ میرے گھر میں ہے اس کی تربیت کا حق مجھے زیادہ پہنچتا ہے لیکن وہ لوگ نہ مانے اور کہنے لگے کہ ہم قرعہ ڈالیں گے جس کا نام نکلے گا اسی کو استحقاق کفالت ہوگا۔ معالم التنزیل صفحہ ۲۹۶: ج ۱ میں لکھا ہے کہ یہ حضرت ۱۲۹ افراد تھے انہوں نے آپس میں طے کیا کہ سب لوگ پانی میں قلم ڈالیں جس کا قلم چڑھ جائے وہ زیادہ مستحق ہوگا یہ لوگ نہرا ردن پر پہنچے اور اس میں اپنے اپنے قلم ڈالے ہر ایک قلم پر صاحب قلم کا نام لکھا ہوا تھا سب کے قلم پانی میں بیٹھ گئے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ پانی میں بہہ گئے اور حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم پانی پر اس طرح کھڑا ہو گیا جیسا کہ مٹی میں کھڑا ہو۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا قلم پانی کے بہاؤ کے ساتھ نہیں گیا بلکہ پانی کے اوپر اٹا دھر ہی کو چلا گیا جس طرف سے پانی آ رہا تھا۔ بہر حال حضرت زکریا علیہ السلام کے نام قرعہ نکل آیا اور مجبوراً سب کو ان کا استحقاق ماننا پڑا۔ قرآن کریم نے اس کا اجمالی تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ﴾ (کہ آپ ان کے پاس نہیں تھے جبکہ وہ اپنے قلموں کو ڈال رہے تھے) ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ﴾ (اور آپ ان کے سامنے نہیں تھے جبکہ وہ جھگڑ رہے تھے) اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعہ یہ واقعہ بتایا یہ بھی آپ کے معجزات میں سے ہے۔ مخاطبین بصیرت سے کام لیں اور ضد و عناد اختیار نہ کریں تو یہ بھی ان کی ہدایت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ قال صاحب الروح ص ۱۵۸: ج ۳ قوله تعالى من انباء الغيب اي من اخبار ما غاب عنك و عن قومك مما لا يعرف الا بالوحي على ما يشير اليه المقام و قال القرطبي ص ۸۵: ج ۴ فيه دلالة على نبوة محمد صلی اللہ علیہ وسلم حيث اخبر عن قصة زكريا و مريم و لم يكن قرأ الكتب و اخبر عن ذلك و صدقه اهل الكتاب بذلك۔ فائدہ: قرعہ ڈالنا امت محمدیہ میں بھی مشروع ہے اس کے مواقع کتب فقہ میں مذکور ہیں کتاب القسمة میں بھی اس کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈال لیتے تھے جس کا نام نکل آتا تھا اسے ساتھ لے جاتے تھے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

إِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ لَإِيمَانِ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بَكَلْبَةٍ مِنْهُ ۗ أَسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۗ ﴿۳۵﴾ وَيَكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۗ وَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۶﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۗ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۗ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۳۷﴾

جب کہا فرشتوں نے کہ اے مریم بے شک اللہ تمہیں خوشخبری دیتا ہے ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا اس کا نام مسیح ہوگا وہ عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ وہ دنیا اور آخرت میں باوجاہت ہوگا اور مقربین میں سے ہوگا اور وہ لوگوں سے بات کرے گا گہوارہ میں اور بڑی عمر میں اور وہ صالحین میں سے ہوگا وہ کہنے لگیں کہ اے میرے رب میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا فرمایا اللہ اسی طرح پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرمادے تو فرمادیتا ہے کہ ہو جاسو وہ ہو جاتا ہے۔

حضرت مریم کو حضرت مسیح عیسیٰ کی پیدائش کی خوشخبری

ان آیات میں اس بات کو ذکر فرمایا کہ فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو بیٹا ہونے کی خوشخبری دی۔ بیٹے کا نام مسیح ہوگا جو عیسیٰ بن مریم ہوگا

اور یہ بتایا کہ یہ بیٹا من جانب اللہ ایک کلمہ ہوگا۔

کلمۃ اللہ اور مسیح کا مطلب:

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں ﴿مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ﴾ گزر چکا ہے۔ وہاں بھی کلمۃ من اللہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ﴿كَلِمَةً مِّنَ اللَّهِ﴾ اس لیے فرمایا کہ وہ بغیر باپ کے صرف اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے: قال فی الروح صفحہ ۱۶۰: ج ۳ و اطلاق الکلمۃ علی من اطلقت علیہ باعتبار انه خلق من غیر واسطۃ اب بل بواسطۃ کن فقط علی خلاف افرد بنی آدم فكان تاثیر الکلمۃ فی حقہ اظہر واکمل۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مسیح بھی بتایا اور عیسیٰ بھی، لفظ مسیح کے بارے میں صاحب معالم التنزیل صفحہ ۳۰۱: ج ۱ لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ فعل مفعول کے معنی میں ہے مسیح بمعنی مسوح ہے اور ان کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ ان کو گندگیوں اور گناہوں سے پاک کیا گیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کے جسم پر اپنا بازو پھیر دیا تھا جس کی وجہ سے شیطان ان سے دور رہتا تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مسیح بمعنی مسح ہے اور اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریض کے جسم پر ہاتھ پھیر دیتے تھے اور اس سے وہ اچھا ہو جاتا تھا۔ اس لیے ان کو یہ نام دیا گیا۔ دجال کو بھی مسیح کہا گیا ہے۔ وہ مسیح بمعنی مسوح ہے کیونکہ وہ ایک آنکھ سے کانا ہوگا۔ گویا اس کی آنکھ پر کوئی چیز پھیر دی گئی۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ابن مریم کے ساتھ کیا گیا ہے، چونکہ ان کا کوئی باپ نہیں تھا اس لیے والدہ ہی کی طرف نسبت کی گئی۔ اس زمانہ میں بعض ایسے لوگ ہیں جو قرآن و سنت کی تصریحات کے خلاف عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے کافر ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے باپ تجویز کرتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن کی تکذیب کرتے ہیں۔ اعاذ باللہ منہم۔

وجیہا فی الدنیا و الاخرۃ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ بھی فرمایا: ﴿وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ﴾ کہ وہ دنیا و آخرت میں باوجاہت ہوں گے۔ جب پیدا ہوئے تو ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت زیادہ رفعت و عزت عطا فرمائی۔ جب یہودی ان کے قتل کے درپے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اوپر اٹھالیا۔ ﴿بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ قیامت کے قریب ان کا نزول ہوگا۔ صاحب اقتدار ہوں گے امت محمدیہ کو ساتھ لے کر دین اسلام کو قائم کریں گے اور اس پر چلیں گے اور چلائیں گے۔ نیز فرمایا ﴿وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ﴾ کہ اللہ کے نزدیک مقربین میں سے ہوں گے ہر پیغمبر اللہ کا مقرب ہے اور سب اولیاء اللہ، اللہ کے مقرب ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے مقرب ہیں۔

حضرت یحییٰ کی تصدیق:

جب عیسیٰ علیہ السلام نبوت سے سرفراز ہوئے تو یحییٰ علیہ السلام بھی منصب نبوت پر دنیا میں موجود تھے۔ انہوں نے ان کی نبوت کی تصدیق کی اور وہ پیشین گوئی صادق آئی جو ﴿مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ﴾ یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے سلسلہ میں مذکور ہوئی۔ روح المعانی صفحہ ۱۴۷: ج ۴ میں لکھا ہے: وهو اول من امن بعیسیٰ علیہ السلام و صدقہ انہ کلمۃ اللہ تعالیٰ و روح منہ (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اعلان اور اس بات کی تصدیق کہ وہ اللہ کا کلمہ ہیں اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں سب سے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کی)۔

فِی الْمَهْدِ وَ كَهْلًا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مزید فرمایا ﴿وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا﴾ (کہ اے مریم تمہارے جو یہ لڑکا پیدا ہوگا۔ گہوارہ میں اپنے بچپن میں بات کرے گا۔ اور بڑی عمر میں بھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ سورہ مریم کے دوسرے رکوع میں تفصیل سے بیان

فرمایا ہے کہ جب ان کی ولادت ہوگئی اور ان کی والدہ ان کو اٹھالائیں تو لوگوں نے کہا کہ اے مریم تم نے یہ بڑے غضب کا کام کیا۔ اس وقت انہوں نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کر دیا اور کہنے لگے کہ ہم اس سے کیا بات کریں جو گوارہ میں ہے بچہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے کہ ﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَنِي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا وَجَعَلَنِي مُبْرَكًا مِّمَّنْ أَمِنَ مَا كُنْتُ وَ أَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا وَ بَرًّا بِوَالِدَتِي وَ لَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا﴾ (وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھ کو کتاب دی اور اس نے مجھ کو نبی بنایا اور مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ رہوں اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا اور اس نے مجھ کو سرکش بد بخت نہیں بنایا) فی المہد کے ساتھ و کھلا بھی فرمایا یعنی یہ بچہ زمانہ کہولت میں بھی لوگوں سے بات کرے گا۔ کہولت جو ان اور بوڑھے کی درمیانی عمر کو کہتے ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس کا کلام کرنا بچپن میں اور زمانہ کہولت میں یکساں ہوگا۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں حضرت مریم علیہا السلام کی بشارت دی گئی کہ تمہارا بچہ زمانہ کہولت کو بھی پائے گا اور اس کی اتنی عمر ہوگی کہ جوانی کی عمر سے بڑھ کر زمانہ کہولت میں بھی داخل ہوگا۔

آخر میں فرمایا ﴿وَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ یہ بچہ صالحین میں سے ہوگا۔ چند صفحات پہلے صالح کا مطلب بتا دیا گیا ہے اور وہاں یہ بتایا گیا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام صفت صلاح سے متصف ہیں۔

بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش:

حضرت مریم علیہا السلام کو جو فرشتوں نے بشارت دی اس بشارت کو سن کر انہیں تعجب ہوا اور کہنے لگیں ﴿رَبِّ اِنِّي يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَ لَمْ يَمَسِّنِي بَشْرٌ﴾ (مریم عرض کرنے لگیں کہ اے میرے رب! میرے لڑکا کہاں سے ہوگا حال یہ ہے کہ مجھے کسی بھی بشر نے چھوا تک نہیں) سورہ مریم میں یہ بھی ہے کہ حضرت مریم نے عرض کیا ﴿وَلَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾ اور نہ میں بدکار ہوں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا ﴿كَذَلِكَ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ﴾ اللہ تعالیٰ اسی طرح پیدا فرماتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے انسانوں کی پیدائش عادیہ جس طرح ہوتی ہے چونکہ ان کی پیدائش اس کے خلاف تھی اس لیے لوگوں کو تعجب ہوا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی بھی مشکل نہیں ہے کہ بغیر باپ کے پیدا فرمادے ﴿اِذَا قَضَىٰ اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ وہ جب کسی چیز کے وجود میں لانے کا فیصلہ فرمائے تو کن (ہو جا) فرمادیتا ہے۔ پس وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ قادر مطلق جل مجدہ نے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمادیا اور اپنی کتاب قرآن حکیم میں بتا دیا لیکن یہود و نصاریٰ کی تقلید میں بعض لوگ قرآن کو جھٹلاتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے یوسف نجار کو باپ تجویز کرتے ہیں اور ان کو اپنے کفریہ عقیدہ پر اصرار ہے۔ ﴿اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ﴾

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيلَ ﴿۳۸﴾ وَرَسُولًا اِلَىٰ بَنِي اِسْرَائِيْلَ اِنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ اِنِّي اَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الطَّيْرِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُبْرِيءُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدْخُرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ

مِنَ التَّوْرَةِ وَلَا جِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا ۝۵۱ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوا ۝۵۲ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝۵۱

اور اللہ سکھا دے گا اس کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل اور بنا دے گا اس کو رسول بنی اسرائیل کی طرف، بنی اسرائیل سے ان کا یہ خطاب ہوگا کہ بلاشبہ میں تمہارے پاس آیا ہوں تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر، کہ بلاشبہ میں بناتا ہوں تمہارے سامنے مٹی سے پرندہ کی طرح ایک چیز بھی اس میں پھونک دیتا ہوں تو وہ پرندہ ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے، اور اچھا کرتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور برص والے کو اور زندہ کرتا ہوں مردوں کو اللہ کے حکم سے، اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں اس چیز کی جو تم کھاتے ہو اور ذخیرہ رکھتے ہو اپنے گھروں میں، بلاشبہ اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم ایمان قبول کرنے والے ہو، اور سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو تورات ہے تاکہ میں حلال کروں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جو تم پر حرام کی گئیں، اور میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف سے لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منصب کی ذمہ داری اور ان کے معجزات

ان آیات میں حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بعض صفات بیان فرمائیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ ان کو کتاب کی تعلیم دے گا۔ کتاب سے کیا مراد ہے جبکہ تورات اور انجیل کا ذکر بعد میں آ رہا ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے اس سے تورات و انجیل کے علاوہ کتابیں مراد ہیں مثلاً زبور وغیرہ، نیز فرمایا کہ اللہ ان کو حکمت سکھائے گا۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۱۶۶: ج ۳ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے علم الحلال والحرام مراد ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ تمام امور دینیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو سکھائے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنتیں مراد ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو تورات اور انجیل سکھائے گا۔ انجیل تو انہیں پر نازل ہوئی تھی اور تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی جو بنی اسرائیل کے لیے دینی و دنیاوی امور میں مفصل دستور حیات تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تورات بھی سکھا دی اور اس کے علوم بھی بتا دیئے۔ یہ سب باتیں فرشتوں کی خوشخبری ہی کے ذیل میں مذکور ہو رہی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور نبوت سے سرفراز فرمایا ان سب باتوں کا ظہور ہو گیا اور ایسا ہی ہوا جیسے فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو خوشخبری دی تھی۔

معجزات کی تفصیل:

خوشخبری میں یہ بات بھی شامل تھی کہ مریم کا یہ لڑکا بنی اسرائیل کی طرف اللہ کا رسول ہوگا اور اس کو معجزات دیئے جائیں گے ان کو جو معجزات دیئے گئے ان میں ایک یہ تھا کہ وہ مٹی (گارا) لے کر پرندہ کی ایک صورت بنا دیتے تھے پھر اس میں پھونک دیتے تھے تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ پرندہ ہو کر اڑ جاتا تھا۔ اور ایک معجزہ یہ تھا کہ وہ مادرزاد اندھے کی آنکھوں کی جگہ پر ہاتھ پھیر دیتے تھے جس سے وہ بینا ہو جاتا تھا اور دیکھنے لگتا تھا۔ اور ایک معجزہ یہ تھا کہ وہ برص والے کے جسم پر ہاتھ پھیر دیتے تھے جس سے اس کے جسم کی کھال صحیح ہو جاتی تھی اور مرض جاتا رہتا تھا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو خصوصیت کے ساتھ ایسی چیزیں بھی بطور معجزہ دی جاتی ہیں جن سے اہل زمانہ اپنے فن میں ماہر ہونے کے باوجود عاجز ہوتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگری کا بہت زور تھا ان کو غصا دے دی گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا بہت زور تھا بڑے بڑے ماہرین موجود تھے جو اکمہ (مادرزاد اندھا) اور برص کے علاج سے بالکل ہی عاجز تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بطور معجزہ ایسی چیز دی گئی جس کا مقابلہ کوئی بھی صاحب فن طبیب نہیں کر سکا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک یہ بھی معجزہ تھا کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے روح المعانی صفحہ ۱۶۹: ج ۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار آدمیوں کو زندہ کیا اور ان چار میں حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا سام بھی تھا۔ جب انہوں نے مردوں کو زندہ کیا تو

مخاندین کہنے لگے کہ یہ تو آپ نے ان کو زندہ کر کے دکھایا جو زمانہ حال ہی میں مرے تھے ممکن ہے ان کو سکتہ طاری ہو گیا ہو کسی ایسے شخص کو زندہ کرو جس کی موت کو زمانہ طویل ہو چکا ہو۔ لہذا انہوں نے سام بن نوح کو زندہ کیا ان کی موت کو چار ہزار سال سے زیادہ ہو چکے تھے اور فرمایا کہ اب تو ایمان لے آؤ ان میں سے بعضے ایمان لائے اور بعض نے تکذیب کی اور کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے۔ دوسرا کوئی معجزہ دکھاؤ۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ چیزیں بتاتا ہوں جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور ذخیرہ رکھتے ہو اور فرمایا کہ یہ سب معجزات خوارق عادات جو تمہارے سامنے آئے یہ واضح معجزات ہیں اگر تمہیں ایمان قبول کرنا ہے راہ حق اختیار کرنا ہے تو ایمان لے آؤ۔ لیکن جن کو ماننا نہ تھا انہوں نے نہ مانا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ جو میرے سامنے تورات شریف ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں کہ وہ اللہ کی کتاب ہے یہ بات کہنے کی ضرورت اس لیے تھی کہ بنی اسرائیل تورات شریف کو مانتے تھے اگر کوئی تورات شریف کی تصدیق نہ کرتا تو ایمان نہ لانے کا یہ بہانہ ہو سکتا تھا کہ تم اللہ کی کتاب کو نہیں مانتے تم پر کیسے ایمان لائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تورات شریف کی تصدیق کرتا ہوں تمہارے اور تمہارے دین کے خلاف کوئی دین لے کر نہیں آیا اور تمہارے لیے اللہ کی طرف سے بعض ان چیزوں کو بھی حلال قرار دیتا ہوں جو تم پر سابقہ شریعت میں حرام تھیں اور یہ معجزات منصف سمجھ دار کے لیے کافی ہیں تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ کفر اختیار کر کے اپنی بربادی نہ کرو۔ اندیشہ تھا کہ مذکورہ بالا معجزات اور خاص کراہیاء موتی کا منظر دیکھ کر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا سمجھنے لگیں اس لیے انہوں نے دوبارہ باذن اللہ فرمایا۔ سورہ مائدہ کے ختم کے قریب بھی ان کے معجزات کا ذکر ہے وہاں چار مرتبہ یہ فرمایا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دعوت دیتے ہوئے مزید فرمایا کہ:

دعوت تو حید:

﴿إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾ (کہ بلاشبہ میرا رب اور تمہارا رب اللہ ہے پس اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بار بار بنی اسرائیل کو ایمان کی دعوت دی لیکن وہ ان کے دشمن ہو گئے۔ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا اور ان سے پہلے پتہ نہیں کتنے انبیاء کو قتل کر چکے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے بھی درپے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا اور اوپر اٹھالیا۔ پھر صدیوں کے بعد ان لوگوں نے جو اپنے جھوٹے خیال میں ان کے ماننے والے تھے عقیدہ تثلیث اور عقیدہ تکفیر اپنی طرف سے گھڑ لیا اور اب جو لوگ ان کے ماننے کے دعویٰ دار ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود مانتے ہیں خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کا قتل ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ (العیاذ باللہ) جس نے بار بار تو حید کی دعوت دی اور اپنے کو اللہ کا بندہ بتایا اس کے جھوٹے ماننے والوں نے شرک اختیار کر لیا۔

فائدہ: سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو مٹی سے پرندہ کی شکل بناتے تھے اس کے لیے بعض اکابر نے فرمایا کہ تصویر بنانا ان کی شریعت میں جائز تھا اس سے ہماری شریعت میں جواز پر استدلال نہ کیا جائے کیونکہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر سازی کو مطلقاً منع فرما دیا۔ احقر کے خیال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے جواز تصویر پر استدلال کرنے کا موقعہ اس لیے بھی نہیں ہے کہ وہ تو معجزہ دکھانے کے لیے بناتے تھے اور وہ تصویر اپنی حالت میں باقی نہیں رہتی تھی بلکہ ان کے پھونکنے سے پرندہ بن کر اڑ جاتی تھی، آجکل مورتیوں اور تصویروں کا رواج ہے وہ زندہ کر کے دکھانے کے لیے نہیں ہے۔ الماریوں میں رکھنے اور گاڑیوں میں لٹکانے اور دفنوں میں آویزاں کرنے کے لیے ہے کہاں موجودہ صورت حال اور کہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۗ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ ۗ آمَنَّا بِاللَّهِ وَأَشْهَدُ بِأَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ ۗ فَاكْتُتِبْنَا

مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿۵۲﴾

پھر جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار دیکھا تو کہنے لگے کہ کون ہیں جو میرے مددگار ہو جائیں اللہ کی طرف، حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیے کہ ہم فرمانبردار ہیں اے ہمارے رب ہم اس پر ایمان لائے جو آپ نے نازل فرمایا اور ہم رسول کا اتباع کیا آپ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجیے جو تصدیق کرنے والے ہیں

عامۃ بنی اسرائیل کا کفر اختیار کرنا اور حواریوں کا حضرت عیسیٰ کی مدد کے لیے کھڑا ہونا

سیدنا عیسیٰ ﷺ نے بنی اسرائیل کو اپنے اتباع اور اطاعت کی دعوت دی اور انجیل پر ایمان لانے کا حکم فرمایا اور ان کو بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں تم میری اطاعت و فرمانبرداری کرو۔ لیکن بنی اسرائیل نے عناد اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ لی حضرت عیسیٰ ﷺ یہود سے خطاب فرماتے اور حق کی دعوت دیتے تھے اور وہ لوگ ان کا مذاق بناتے تھے ان کے انکار اور ہٹ دھرمی میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ حضرت عیسیٰ ﷺ نے محسوس فرمایا کہ بنی اسرائیل ایمان لانے والے نہیں ہیں لہذا انہوں نے پکارا کہ کون ہے جو میرا مددگار بنے؟ اس پر بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے ایمان قبول کیا اور ایک جماعت نے کفر اختیار کیا جیسا کہ سورہ صف کی آخری آیت میں مذکور ہے وہیں پر حواری بھی موجود تھے انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔

حواری کون تھے؟

حواری کون لوگ تھے اس کے بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال نقل کیے ہیں لفظ حواری حور سے مشتق ہے۔ حور سفیدی کو کہتے ہیں جنت کی عورتوں کو اس لیے حور کہا گیا کہ ان کا رنگ سفید ہوگا ایک قول کے مطابق حضرت عیسیٰ ﷺ کے حواری دھو بیوں کا کام کرتے تھے۔ یعنی اجرت پر لوگوں کے کپڑے دھوتے تھے اس لیے ان کو حواری کہا جاتا تھا۔ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ ان کے کپڑے سفید تھے اس لیے حواری کا لقب دیا گیا۔ حضرت قتادہ کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قلوب کی صفائی اور اخلاق کی پاکیزگی کی وجہ سے حواری کہا گیا صاحب روح المعانی صفحہ ۶۷۱ ج ۳ نے یہ اقوال لکھے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بارہ افراد تھے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ انتیس آدمی تھے، بہر حال یہ حضرت عیسیٰ ﷺ کے خاص تبعین میں سے تھے انہوں نے ایمان بھی قبول کیا اور ان کے ساتھ دعوت کے کام میں شریک رہنے کا بھی اعلان کیا اور کہا کہ ہم راہ خداوندی کی طرف دعوت دینے میں آپ کے ساتھی ہیں۔ اور اللہ کے مددگار ہیں۔ اللہ کو کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔ یہ اس کا کرم ہے کہ جو اس کے دین کی نصرت کرے اس کے عمل کو اپنی مدد کرنے سے تعبیر فرما دیا۔ جیسا کہ سورہ محمد میں ہے کہ ﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ (اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا) حواریوں نے حضرت عیسیٰ ﷺ سے یہ بھی عرض کیا کہ ہم اللہ پر ایمان لائے آپ ہمارے فرمانبردار ہونے کے گواہ بن جائیں۔ اور انہوں نے اللہ سے یہ دعا بھی کی کہ اے ہمارے رب آپ نے جو کچھ نازل فرمایا ہم اس پر ایمان لے آئے آپ کے رسول کا اتباع کیا آپ ہمیں ان لوگوں میں لکھ دیجیے جو انبیاء کے سچا ہونے کی گواہی دیتے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

پھر لفظ حواری ایسے خصوصی شخص کے لیے استعمال ہونے لگا جو بہت ہی زیادہ خاص ہو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرِ﴾ (بلاشبہ ہر نبی کے لیے ایک حواری ہے اور میرا حواری زبیر ہے)۔

بہر حال عیسیٰ ﷺ کو ایسے خاص خادم مل گئے تھے جو ان کے ساتھ دعوت کے کام میں شریک تھے لیکن پوری قوم بنی اسرائیل کے مقابلہ میں ان کی تعداد بہت ہی کم تھی بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ ﷺ کی تکذیب کی اور ان سے دشمنی کی اور ان کی دعوت کو نہ مانا۔ بلکہ ان کے قتل کے درپے ہو گئے (جیسا کہ آئندہ آیت کی تفسیر میں آ رہا ہے)۔

وَمَكْرُؤًا وَّمَكْرًا لِلَّهِ ۗ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِيْنَ ۗ اِذْ قَالَ اللّٰهُ لِيَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ سَلِّمْ عَلٰىكَ وَاَنْتَ سَلِّمْ عَلَيْهِ ۗ وَرَافِعَكَ اِلَىَّ
وَمُطَهِّرَكَ مِنَ الذِّنِّ كَفْرًا وَاَوْجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ
ثُمَّ اِلَى مَرْجِعِكُمْ فَاَحْكُم بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۵۳

اور ان لوگوں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے۔ جب فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اے عیسیٰ میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تمہیں ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنہوں نے کفر کیا، اور جن لوگوں نے تمہارا اتباع کیا ان کو غالب رکھوں گا قیامت کے دن تک ان لوگوں پر جنہوں نے کفر اختیار کر لیا۔ پھر میری طرف تم سب کو لوٹنا ہوگا۔ پھر فیصلے کروں گا تمہارے درمیان اس چیز کے بارے میں جس میں تم اختلاف رکھتے تھے۔

یہودیوں کا حضرت عیسیٰ کے قتل کا منصوبہ بنانا اور اس میں ناکام ہونا

جیسے جیسے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت آگے بڑھتی گئی اور آپ اپنے عہدہ رسالت کے مطابق کام کرتے رہے اور کچھ نہ کچھ افراد ان کے ساتھی ہوتے گئے بنی اسرائیل کی دشمنی تیز ہوتی گئی اور بالآخر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی ٹھان لی اور طے کر لیا کہ انہیں ختم کر کے رہیں گے۔ اب بنی اسرائیل نے ایسی تدبیریں شروع کر دی جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام شہید کر دیئے جائیں اور ان سے اب بنی اسرائیل کا چھٹکارہ ہو جائے۔ بنی اسرائیل نے جب سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ تو ان کو ایک مکان میں بند کر دیا اور ان پر ایک نگران مقرر کر دیا۔ جب قتل کرنے کے لیے وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اس نگران کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی صورت بنا دی اور ان کو اوپر اٹھا لیا (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل صفحہ ۴۹۶: ج ۱) ان لوگوں نے اندر جا کر دیکھا تو وہاں ایک ہی شخص کو پایا اور اسے قتل کر دیا کیونکہ یہ شخص صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل تھا لیکن اس سوچ بچار میں رہے کہ اگر یہ شخص وہی تھا جس کے قتل کرنے کے لیے ہم آئے تھے تو ہمارا آدمی کہاں گیا؟ قتل تو اس کو کر دیا لیکن پھر بھی شک و شبہ میں رہے، اس کو سورہ نساء میں یوں بیان فرمایا: ﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اٰخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ﴾ (اور انہوں نے نہ ان کو قتل کیا نہ ان کو صلیب پر چڑھایا لیکن ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا اور بلاشبہ جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں وہ ان کی طرف سے ضرور شک میں ہیں) اس کی مزید توضیح انشاء اللہ تعالیٰ سورہ نساء کی آیت بالا کی تفسیر کے ذیل میں بیان ہوگی۔ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تھا وہ ان کے قتل میں ناکام ہو گئے اور ان کو اشتباہ ہو گیا کہ ان کا اپنا آدمی قتل ہو یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کی تدبیر غالب آئی اور یہود کی مکاری دھری رہ گئی اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ﴿اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعَكَ اِلَىَّ وَ مُطَهِّرَكَ مِنَ الذِّنِّ كَفْرًا﴾ پورا ہو گیا۔

مکر کا معنی:

لفظ مکر خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں، یہ اچھے کام کے لیے بھی ہوتی ہے اور برے کام کے لیے بھی، سورہ فاطر میں فرمایا ﴿وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاٰهْلِهِ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ مکر اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی، اور عربی زبان میں دونوں معنی کی گنجائش ہے اگر چاہا جاسکے اور دھوکہ سے کوئی تدبیر کی جائے گی تو وہ اردو زبان کے محاورہ میں مکاری ہوگی اور ضروری نہیں کہ تدبیر بری ہی ہو، قرآن مجید میں جو مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اس سے اردو کے محاورہ والا مکر مراد نہیں ہے بلکہ عربی کے معنی مراد ہیں، یعنی خفیہ اور لطیف تدبیر جس کا دوسرے کو پتہ نہ چل سکے۔

فی روح المعانی ص ۷۹: ج ۳ و نقل من الامام ان المکر ایصال المکر وہ الی الغیر علی وجہ یخفی فیہ و انه یجوز صدورہ عنہ تعالیٰ حقیقۃ، و قال غیر واحد انه عبارة عن التدبیر المحکم و هو لیس بممتنع علیہ تعالیٰ! و قال فی تفسیر قولہ تعالیٰ واللہ خیر الماکرین ای اقواہم مکرراً و اشدہم أو ان مکرہ احسن و اوقع فی محلہ لبعده عن الظلم۔

مُتَوَفِّیْكَ اور رَافِعُكَ کی تفسیر:

اللہ جل شانہ نے یہ جو فرمایا کہ ﴿يَعِيسَى ابْنِي مَرْيَمَ وَ رَافِعُكَ الَّتِي وَ مَطَهْرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ لفظ اذ لفظ مکر کا ظرف ہے یا یہاں اذ کر مقدر ہے جیسا کہ اس قسم کے مواقع میں مانا جاتا ہے۔ اگر مکر سے متعلق کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا جب اللہ نے خفیہ تدبیر فرمائی اور یہ فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں اوپر اٹھالینے والا ہوں اور تمہیں ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنہوں نے کفر کیا۔ چونکہ آسمان پر اٹھانا پہلے ہوا اور احادیث کی تصریح کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور ایک عرصہ تک زندہ رہ کر پھر ان کو طبعی موت آئے گی اس لیے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مُتَوَفِّیْكَ ذکر میں مقدم ہے اور وقوع کے اعتبار سے مؤخر ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب فرمایا تھا جبکہ یہودی ان کے قتل کے درپے ہو چکے تھے اس لیے مُتَوَفِّیْكَ کا یہ معنی لینا (کہ میں تم کو طبعی موت دوں گا یہ تمہیں قتل نہ کر سکیں گے اور ابھی تو تم کو اوپر اٹھانے والا ہوں) سیاق کلام سے بعید نہیں ہے اور اس میں یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے جو لفظ توفی سے لیا گیا ہے توفی کا اصل معنی موت کا نہیں ہے بلکہ کسی چیز کو پورا پورا لے لینے اور اٹھانے کا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ نیند کے لیے بھی استعمال فرمایا ہے۔ جیسا کہ سورہ انعام میں فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ﴾ (اللہ وہ ہے جو تمہیں اٹھالیتا ہے رات کو اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو دن میں) اگر مُتَوَفِّیْكَ کا یہ معنی لیا جائے کہ تمہیں پورا پورا اٹھانے والا ہوں تو اس میں بھی تقدیم و تاخیر کا قول اختیار کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اور رَافِعُكَ اس صورت میں متوفی کا عطف تفسیری ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا تو کافروں سے ان کی جان چھڑادی کیونکہ وہ لوگ ان کے دشمن بنے ہوئے تھے۔

قرآن مجید میں صاف صاف فرمادیا ہے۔ ﴿وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ (سورہ نساء ع ۲۲) (اور یہ یقینی بات ہے کہ ان لوگوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا) اس تصریح سے واضح ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول نہیں ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عالم بالا کی طرف اٹھالیا۔

قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں تشریف لانا:

احادیث کثیرہ متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور عدل و انصاف قائم کریں گے۔ حافظ ابن کثیر صفحہ ۱۳۲: ج ۴ میں لکھتے ہیں:

وقد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ ﷺ انه اخبر بنزول عیسیٰ علیہ السلام قبل یوم القیامة اماماً عادلاً و حکماً مقسطاً۔ ”تواتر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے اترنے کی خبر دی وہ امام عادل ہوں گے اور انصاف کے فیصلے کریں گے۔“

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے لے کر آج تک مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول نہیں ہوئے ان کو آسمان پر اٹھالیا گیا اور وہ وہاں زندہ ہیں اور اسی لیے ان کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں شمار کیا ہے۔ (شب معراج میں دیگر انبیاء علیہم السلام سے جو ملاقات ہوئی وہ ان حضرات کی برزخی زندگی میں تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی چونکہ ابھی وفات نہیں ہوئی اس لیے ان سے جو وہاں ملاقات ہوئی وہ موت سے قبل

والی زندگی میں تھی لہذا وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں شمار ہیں) حیات مسیح کا انکار کرنے والے قرآن کے منکر ہیں:

حیات مسیح ﷺ کے عقیدہ کا انکار ایک جاہل جھوٹے شخص نے کیا جس نے خود اپنے کو ان کی جگہ مسیح موعود کے نام سے پیش کیا اس شخص کے ماننے والے آج تک اسی لکیر کو پیٹ رہے ہیں۔ سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اختیار کرے اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت واضح ہوگئی اور مومنین کی راہ کے علاوہ دوسری راہ اختیار کرے تو ہم اس کو وہ کچھ کرنے دیں گے جو وہ کرتا ہے اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر بتا دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنا اور مومنین کی راہ کے علاوہ دوسری راہ اختیار کرنا دوزخ میں جانے کا سبب ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں مسلمین کی راہ کو بھی معیار حق بتایا اور ارشاد فرمایا کہ اس کے خلاف راہ اختیار کرنے والا دوزخ میں جائے گا اور جو اس کی یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ سے عقائد و اعمال سیکھے اور ان سے تابعین نے اور ان سے تبع تابعین نے اور ان کے بعد سلفا عن خلف تمام مسلمانوں نے وہی عقائد و اعمال سیکھے جو آنحضرت ﷺ نے بتائے تھے لہذا اس دین کے خلاف جو کچھ ہو وہ سراسر گمراہی ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی وہ لوگ دوزخ میں جانے کو تیار ہیں لیکن حق ماننے کو تیار نہیں، جب ان کے سامنے ﴿رَافِعُكَ إِلَىٰ﴾ اور ﴿رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ پیش کیا جاتا ہے جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا تو کہتے ہیں کہ اس سے رفع درجات مراد ہے جب یہ جاہلانہ تاویل کرتے ہیں تو لفظ الیٰ اور الیہ کا ترجمہ کھا جاتے ہیں۔ جاہلوں کے سامنے ادھر اتر جمہ کرتے ہیں، قرآن مجید میں جہاں رفع درجات کا ذکر ہے وہاں الیٰ نہیں ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں فرمایا ﴿وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ ان کافروں ملحدوں کو قرآن ماننا نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے کہ ابن مریم قیامت سے پہلے نازل ہوں گے اس بات کے ماننے کو تیار نہیں ہیں، جھوٹے شخص پر ایمان لے آئے تو اب جھوٹ ہی کو پھیلا رہے ہیں قبحہم اللہ تعالیٰ۔

مُطَهَّرُكَ کی دوسری تفسیر:

مُطَهَّرُكَ کی ایک تفسیر تو وہی ہے جو ہم نے دو صفحے پہلے بیان کی کہ اللہ تم کو گندے لوگوں کے ماحول سے دور کر کے پاک کرنے والا ہے۔ قال روح المعانی صفحہ ۱۸۳: ج ۳ یحتمل ان یکون تطہیرہ علیہ السلام بتبعیدہ منہم بالرفع و یحتمل ان یکون بنبجاتہ مما قصد و افعله بہ من القتل اور ایک تفسیر یہ ہے کہ یہود نے تم پر جو الزامات لگائے ہیں اور جو تمہارے نسب کو مطعون کیا ہے اللہ تعالیٰ حضرت خاتم النبیین ﷺ کے ذریعے ان سب چیزوں سے تمہاری تطہیر فرمائے گا اور تم کو ان سب سے بری کر دے گا۔

وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا:

اللہ جل شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خطاب فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا ﴿وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ (الآیۃ) (جن لوگوں نے تمہاری اتباع کی ان کو قیامت تک ان لوگوں پر غالب رکھوں گا جنہوں نے کفر کیا)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اتباع کرنے والوں میں نصاریٰ تھے پھر مسلمان بھی ان کی رسالت اور نبوت کے ماننے والے ہو گئے ان دونوں قوموں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکرین یعنی یہودیوں پر قیامت تک کے لیے غلبہ عطا فرمایا یہ غلبہ دنیاوی ہے۔ رہا مسئلہ آخرت کی نجات کا تو وہ اس ایمان پر موقوف ہے جو ایمان اللہ کے ہاں معتبر ہے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنی دعوت کے مطابق کسی نہ کسی قسم کا تعلق رکھتے ہیں لیکن سیدنا خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ پر ایمان لانے کے لیے ان سے فرما دیا تھا ﴿وَمُبَشِّرًا

بِرَسُولٍ يَأْتِيهِمْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدٌ ﴿۱۸۳﴾ اور مسلمانوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مانا کہ وہ اللہ کے رسول تھے اور سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ پر بھی ایمان لائے اور ان باتوں کا بھی عقیدہ رکھا جو قرآن و حدیث میں ان کے بارے میں بیان کی گئی ہیں اس لیے وہ نجات آخرت کے بھی مستحق ہوئے بہر حال یہودیوں پر مسلمین اور نصاریٰ دونوں قوموں کو برتری اس دنیا میں حاصل ہے۔ قال صاحب الروح صفحہ ۱۸۳: ج ۳ و هذا الاتباع يصح ان يراد بالمتبعين ما تشمل المسلمين والنصارى مطلقاً من آمن به قبل مجيئنا ﷺ و من آمن به بعد ذلك۔

فلسطين کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے میں اولاً انگریزوں کے تسلط دینے سے اور اب امریکہ کی سرپرستی میں جو یہودیوں کی نام نہاد حکومت قائم ہے اس کی وجہ سے آیت کے مضمون پر کوئی اشکال نہ کیا جائے۔ چونکہ یہ حکومت انہیں نصاریٰ نے ہی دی ہے اور نصاریٰ ہی ان کی سرپرستی کر رہے ہیں اور پورے عالم کے مسلمان اور نصاریٰ مل کر ان پر تعداد اور اموال اور ہتھیاروں کے اعتبار سے غالب ہی ہیں اس لیے ان کی حکومت قائم ہونے سے آیت قرآنی کے مضمون پر کوئی اشکال نہیں ہوتا۔ اگر نصاریٰ ان کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھالیں تو ان کی نام نہاد حکومت ذرا دیر بھی باقی نہیں رہ سکتی۔

پھر فرمایا ﴿ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ﴾ (الآیة) اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ دنیا میں تو غالب اور مغلوب کافر اور مومن سب ہی زندگی گزاریں گے پھر سب کو میری طرف لوٹنا ہوگا اور میدان قیامت میں ان سب باتوں کے بارے میں فیصلے کر دوں گا جن کے بارے میں اختلاف رکھتے ہو اس اختلاف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت بھی ہے ان کو یہودیوں نے اللہ کا رسول نہیں مانا اور نصاریٰ میں سے کسی نے خدا مانا کسی نے خدا کا بیٹا اور مسلمانوں نے قرآن حکیم اور رسول کریم ﷺ کی تعلیمات کی وجہ سے ان کے بارے میں صحیح عقائد رکھے۔ قیامت کے دن غلط عقائد رکھنے والوں کو صحیح بات کا پتہ چل جائے گا۔

فَأَمْالَ الَّذِينَ كَفَرُوا فَاَعَذَّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَالَهُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ﴿۵۶﴾
وَأَمْالَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۵۷﴾ ذَلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿۵۸﴾

سو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا پس ان کو سخت عذاب دوں گا، دنیا میں اور آخرت میں اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو اللہ ان کو پورے اجر عطا فرمادے گا، اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ یہ آیات اور ذکر حکیم ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں۔

کافروں کے لیے وعید عذاب شدید اور اہل ایمان کے لیے اجر و ثواب کا وعدہ دنیا میں مومن اور کافر بھی زندہ رہتے ہیں اور کھاتے کھاتے ہیں۔ یہ سب دنیاوی امور ہیں آخرت میں تو ایمان مدار نجات یافتہ ہوگا ایمان اور اعمال صالح کی بنیاد پر جنت ملے گی اور اس وقت اعمال کا پورا پورا بدلہ اللہ پاک کی طرف سے دے دیا جائے گا اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لیے دنیا میں بھی سزا ہے اور آخرت میں بھی، یہ سزا مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ جب مسلمان جہاد کرتے تھے (جواب بھی واجب ہے) اس وقت کفران کے ہاتھوں قتل ہوتے تھے قید ہوتے تھے غلام باندی بنائے جاتے تھے جزیہ دینے پر مجبور ہوتے تھے۔ اور اب بھی ان کے ملکوں میں تباہی آتی رہتی ہے۔ نئی بیماریاں زلزلے وغیرہ مصائب و آلام کا شکار ہوتے رہتے ہیں اور اگر کہیں دنیاوی حال اچھا ہے تو وہ استدراج ہے اور مسلمانوں کے ملکوں میں جو کبھی اس طرح کی کوئی چیز آ جاتی ہے۔ وہ کفارہ سینات کا ذریعہ بنتی ہے۔ نصاریٰ کا دنیا میں یہودیوں پر فائق اور غالب رہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ آخرت میں نجات کے مستحق ہوں گے۔ کیونکہ وہاں کی نجات کا تعلق اس ایمان سے

ہے جو اللہ کے ہاں معتبر ہے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح نہیں مانتے جیسا انہوں نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ﴾ اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان نہیں لاتے (ان کی تشریف آوری کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی) اس لیے کافروں میں شمار ہیں اور کفر کی وجہ سے آخرت میں ان کو سخت اور دائمی عذاب ہوگا اور یہودی بھی کفر اختیار کیے ہوئے ہیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان نہیں لائے اور سیدنا حضرت محمد ﷺ کی رسالت کو بھی نہیں مانتے لہذا وہ بھی آخرت میں عذاب دائمی کے مستحق ہیں۔ آخر میں فرمایا ﴿ذَلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ﴾ کہ اے محمد یہ جو کچھ ہم پڑھ کر سناتے ہیں یہ ان آیات یعنی دلائل واضحہ میں سے ہے جو آپ کی نبوت کی تصدیق کرتے ہیں ان چیزوں کو کوئی شخص نہیں جان سکتا جب تک کہ پرانی کتاب نہ پڑھی ہو یا کسی معلم سے علم حاصل نہ کیا ہو آپ کو یہ دونوں باتیں حاصل نہیں لہذا یہ ساری معلومات متعینہ طور پر وحی کے ذریعہ آپ کو معلوم ہوئیں ﴿وَالذِّكْرُ الْحَكِيمُ﴾ اور ذکر حکیم یعنی قرآن حکم بھی ہم آپ کو سناتے ہیں جو باطل سے محفوظ ہے اور حکمتوں سے پر ہے۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُسْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَا جَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَ نَاوَأَبْنَاءَ كُمْ وَنِسَاءَ نَاوَأَنِسَاءَ كُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ۖ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلُ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ﴿٦١﴾ إِنَّ هَذَا هُوَ الْقَصْصُ الْحَقُّ ۚ وَمِمَّنْ إِلَّا اللَّهُ ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

بلاشبہ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ایسی ہے جیسے آدم کی مثال پیدا فرمایا ان کو مٹی سے پھر ان سے فرمادیا ہو جا پس ان کی پیدائش ہو گئی یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔ سو جو شخص ان کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرے اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ گیا ہے تو آپ فرمادیجیے کہ آ جاؤ ہم بلا لیں اپنے بیٹوں کو اور تم بلا لو اپنے بیٹوں کو اور ہم بلا لیں اپنی عورتوں کو اور تم بلا لو اپنی عورتوں کو اور ہم حاضر کر دیں اپنی جانوں کو اور تم بھی حاضر ہو جاؤ اپنی جانوں کو لے کر پھر ہم سب مل کر خوب سچے دل سے اللہ سے دعا کریں اور لعنت بھیج دیں جھوٹوں پر، بلاشبہ یہ سچی بات ہے، اور کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا اور بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی طرح سے ہے

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش جو بغیر باپ کے ہوئی اس پر یہودیوں نے شک کیا اور حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی اور آج بھی قرآن کے منکرین اسی لکیر کو پیٹ رہے ہیں ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ بلا باپ کے مریم بتول کے ہاں کیسے لڑکا پیدا ہو گیا؟ اللہ جل شانہ نے ان سب کے استعجاب اور استبعاد کا جواب دے دیا اور فرمایا ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ﴾ (الآیة) اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کی پیدائش ایسی ہی ہے جیسے کہ آدم کو پیدا فرمادیا، آدم کا پتلا بنایا پھر اس میں روح پھونک دی بس باذن اللہ بغیر ماں باپ کے پیدا فرمادیا اور پھر ابوالبشر کا جوڑا یعنی حضرت حوا انہی کے جسم سے پیدا فرمادیا ﴿خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ اور حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا فرمادیا۔

اللہ جل شانہ نے انسانوں کی عام تخلیق کا سبب والدین کے ملاپ کو بنا دیا ہے اور یہ سلسلہ سب کے سامنے ہے عادتہ مستمرہ ہے اس لیے اس میں کسی کو تعجب نہیں اور ایک جان کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا اور ایک جان کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا ان سب میں اس کی قدرت کے مظاہرے ہیں۔ جو ذات پاک بغیر ماں باپ کے پیدا فرمائے اسے اس پر بھی قدرت ہے کہ بغیر باپ کے پیدا فرما

دے۔ قرآن وحدیث کی تصریحات ہوتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بلا باپ کا انکار کر کے کفر اختیار کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش آدم کی طرح سے ہے۔

پھر فرمایا ﴿الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ﴾ کہ یہ جو کچھ بیان ہوا آپ کے رب کی طرف سے حق ہے آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں بظاہر اس میں خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور مقصود امت کو خطاب کرنا ہے کہ وہ کسی طرح سے شک میں نہ پڑیں۔ کما قال البغوی فی معالم التنزیل الخطاب للنبی ﷺ والمراد امتہ۔ (صفحہ ۳۱۰: ج ۱)

اسباب النزول صفحہ ۹۸ میں لکھا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد آیا اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ کیا بات ہے آپ ہمارے صاحب کو (یعنی ہم جسے مانتے ہیں) برا کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں کیا کہتا ہوں؟ کہنے لگے آپ کہتے ہیں کہ وہ ایک بندہ ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور وہ اللہ کا کلمہ ہیں جسے کنواری عورت بتول کی طرف ڈالا۔ یہ سن کر وہ لوگ غصہ ہو گئے اور کہنے لگے کیا کوئی انسان کبھی بغیر باپ کے آپ نے دیکھا ہے۔ ہمیں کوئی شخص ایسا دکھاؤ جو بغیر باپ کے پیدا ہوا ہو اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ﴾ (الآیة) نازل فرمادی جس میں ان کا جواب مذکور ہے۔

نصاریٰ کو دعوت مباہلہ:

اللہ جل شانہ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: ﴿فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ (الآیة) اس میں دعوت مباہلہ کا ذکر ہے۔ مفسر ابن کثیر نے صفحہ ۴۳۸: ج ۱ میں محمد بن اسحاق بن یسار سے نقل کیا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد جو ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ان میں چودہ اشخاص ان کے اشراف میں سے تھے جن کی طرف ہر معاملہ میں رجوع کیا جاتا تھا ان میں سے ایک شخص کو سید کہتے تھے جس کا نام ایہم تھا اور ایک شخص ابو حارثہ تھا اور بھی لوگ تھے ان میں عاقب ان کا امیر تھا اور صاحب رائے سمجھا جاتا تھا اسی سے مشورہ لیتے تھے اور اس کی ہر رائے پر عمل کرتے تھے اور سید ان کا عالم تھا۔ ان کی مجلسوں اور محفلوں کا وہی ذمہ دار تھا اور ابو حارثہ ان کا پوپ تھا جو ان کی دینی تعلیم و تدریس کا ذمہ دار تھا بنی بکر بن وائل کے قبیلے سے تھا اور عربی تھا۔ لیکن نصرانی ہو گیا تھا۔ رومیوں نے اس کی بڑی تعظیم کی اس کے لیے گر جا گھر بنا دیئے۔ اور اس کی طرح طرح سے خدمت کی۔ اس شخص کو رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کا علم تھا کتب سابقہ میں آپ کی جو صفات مذکور ہیں ان سے واقف تھا لیکن آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری پر بھی نصرانیت پر مصر رہا۔ دنیاوی اکرام اور عزت و جاہ نے اس کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھا۔

جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نماز عصر سے فارغ ہوئے تھے اور مسجد ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے بہت ہی بڑھیا کپڑے پہن رکھے تھے اور خوب صورت چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ ان کی اپنی نماز کا وقت آ گیا تو انہوں نے مسجد نبوی ہی میں مشرق کی طرف نماز پڑھ لی۔ ان میں سے ابو حارثہ عاقب اور سید نے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی اور وہی اپنی شریکہ باتیں پیش کرنے لگے کسی نے کہا عیسیٰ اللہ ہے کسی نے کہا ولد اللہ ہے کسی نے کہا ثلاث ثلاثہ (یعنی ایک معبود عیسیٰ ہے ایک اس کی والدہ اور ایک اللہ تعالیٰ ہے) ان لوگوں نے گفتگو میں یہ سوال کیا کہ اے محمد ﷺ عیسیٰ کا باپ کون تھا؟ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کے شروع سے لے کر اسی (۸۰) سے کچھ اوپر آیات نازل فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس اللہ کی طرف سے جب تفصیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وحی نازل ہو گئی اور ان سے مباہلہ کرنے کی دعوت کا حکم نازل ہو گیا تو آپ نے اس کے مطابق ان کو مباہلہ کی دعوت دی۔

مباہلہ کا طریقہ:

دعوت یہ تھی کہ ہم اپنی اولاد اور عورتوں سمیت آجاتے ہیں تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں اور اپنی جانوں کو لے کر حاضر ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی

بارگاہ میں دونوں فریق مل کر خوب سچے دل سے دعا کریں گے کہ جو بھی کوئی جھوٹا ہے اس پر لعنت ہو جائے، جب آنحضرت ﷺ نے مباہلہ کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ ابوالقاسم ﷺ ہمیں مہلت دیجیے ہم غور و فکر کر کے حاضر ہوں گے۔

نصاری کا مباہلہ سے فرار:

جب آپ کے پاس سے چلے گئے اور آپس میں تنہائی میں بیٹھے تو عبدالمسیح سے کہا کہ تیری کیا رائے ہے اس نے کہا کہ یہ تو تم نے سمجھ لیا کہ محمد نبی مرسل ہیں اور انہوں نے تمہارے صاحب (یعنی حضرت عیسیٰ) کے بارے میں صاف صاف صحیح باتیں بتائی ہیں اور تمہیں اس بات کا بھی علم ہے کہ جس کسی قوم نے کسی نبی سے کبھی کوئی مباہلہ کیا ہے تو کوئی چھوٹا بڑا ان میں باقی نہیں رہا۔ اگر تمہیں اپنا بیچ ناس کھونا ہے تو مباہلہ کر لو۔ اگر تمہیں اپنا دین نہیں چھوڑنا تو ان سے صلح کر لو اور اپنے شہروں کو واپس ہو جاؤ، مشورے کے بعد وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اے ابوالقاسم ﷺ ہمارے آپس میں یہ طے پایا ہے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہ کریں آپ کو آپ کے دین پر چھوڑ دیں اور ہم اپنے دین پر رہتے ہوئے واپس لوٹ جائیں اور آپ اپنے آدمیوں سے ایک شخص کو بھیج دیں جو ہمارے درمیان ایسی چیزوں میں فیصلہ کر دے جن میں ہمارا مالیاتی سلسلہ میں اختلاف ہے آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ معالم التنزیل صفحہ ۳۱۰: ج ۱ میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے آیت بالا ﴿نَدُّعُ ابْنَاءَنَا وَابْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ﴾ آخر تک نجران کے نصاریٰ کے سامنے پڑھی اور ان کو مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے کل تک مہلت مانگی جب صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے آپ پہلے سے حضرت حسین کو گود میں لیے ہوئے اور حضرت حسن کا ہاتھ پکڑے ہوئے تشریف لائے تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پیچھے پیچھے تشریف لارہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے تھے آپ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا یہ منظر دیکھ کر نصاریٰ نجران کا پوپ کہنے لگا کہ اے نصرانیو! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر اللہ سے یہ سوال کریں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو ضرور ہٹا دے گا لہذا تم مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا یہ سن کر کہنے لگے کہ اے ابوالقاسم ﷺ ہماری رائے یہ ہے کہ ہم مباہلہ نہ کریں اور آپ کو آپ کے دین پر چھوڑ دیں اور ہم اپنے دین پر رہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر تمہیں مباہلہ سے انکار ہے تو اسلام قبول کرو اسلام قبول کرنے پر تمہارے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور تمہاری وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو مسلمانوں کی ہیں انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اس پر آپ نے فرمایا کہ بس ہمارے اور تمہارے درمیان جنگ ہوگی وہ کہنے لگے کہ ہمیں جنگ کی طاقت نہیں ہم آپ سے صلح کر لیتے ہیں۔

نصاری نجران سے مال لینے پر صلح:

اور وہ یہ کہ ہر سال دو ہزار جوڑے کپڑوں کے پیش کیا کریں گے۔ ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہ رجب میں، آپ نے ان سے اس بات پر صلح کر لی اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اہل نجران پر عذاب منڈلار ہا تھا اگر وہ مباہلہ کر لیتے تو مسخ کر دیئے جاتے اور بندر اور خنزیر بنا دیئے جاتے اور ان کے سارے علاقے کو آگ جلا کر ختم کر دیتی اور نجران کے لوگ بالکل ختم ہو جاتے یہاں تک کہ پرندے بھی درختوں پر نہ رہتے۔ اور ایک سال بھی پورا نہ ہوتا کہ تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔

تفسیر ابن کثیر میں صفحہ ۳۶۹: ج ۱ بحوالہ مسند احمد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ سے مباہلہ کرنے کو تیار ہو رہے تھے اگر مباہلہ کے لیے نکل آتے تو (میدان مباہلہ سے) اس حال میں واپس ہوتے کہ نہ مال پاتے نہ اہل و عیال میں سے کسی کو پاتے۔ (اور خود بھی مر جاتے)

نصاری مباہلہ کے لیے راضی نہ ہوئے اور اپنے باطل دین پر قائم رہے اور یہ جانتے ہوئے کہ محمد عربی رضی اللہ عنہ واقعی اللہ کے رسول ہیں ایمان نہ لائے اور ایمان سے روگردانی کر بیٹھے اور آج تک ان کا یہی طریقہ ہے حضرات علماء کرام نے بارہا مناظروں میں شکست دی ہے۔ ان کی

موجودہ انجیل میں تحریف ثابت کی ہے ان کے دین کو مصنوعی خود ساختہ دین بارہا ثابت کر چکے ہیں لیکن وہ اپنے دنیاوی اغراض سیاسیہ اور غیر سیاسیہ کی وجہ سے دین اسلام کو قبول نہیں کرتے اور دنیا بھر میں فساد کر رہے ہیں جس وقت رسول اللہ ﷺ نے ان کو مہابہ کی دعوت دی تھی اس وقت سے لے کر آج تک ان کا یہی طریقہ رہا ہے اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ﴾ (کہ اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو اللہ مفسدوں کو خوب جاننے والا ہے) یہ وعید اس وقت سے لے کر آج تک کے نصاریٰ کو اور آج کے بعد جو نصاریٰ حق سے اعراض کریں گے قیامت تک ان سب کو شامل ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۱۳﴾

آپ فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب آ جاؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم عبادت نہ کریں مگر اللہ کی اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کو چھوڑ کر ہم آپس میں کوئی کسی دوسرے کو رب نہ بنائیں، سوا گروہ روگردانی کریں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں

اہل کتاب کو توحید کی دعوت

اس آیت میں یہود و نصاریٰ کو توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے نزدیک مسلم ہے ہم بھی مانتے ہیں تم بھی مانتے ہو اور وہ یہ کہ ہم سب صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔

یہود و نصاریٰ کو معلوم تھا کہ ہمارے دین کی اصل تعلیم یہی ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کریں۔ اگرچہ انہوں نے شرک اختیار کر لیا تھا لیکن ان کے دین میں جو صحیح بات تھی وہ ان کو معلوم تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ ان کو توحید کی طرف بلاؤ اور انہیں بتاؤ کہ یہ وہ چیز ہے جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے اس کو قبول کرو صحیح بات کو کیوں قبول نہیں کرتے۔ اس آیت سے بعض لوگوں نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ مسلمان عیسائیوں سے یہ بات کریں کہ ہمارا دین اور تمہارا دین جن چیزوں پر اتفاق ہے دونوں قومیں مل کر غیر قوموں کو ان چیزوں کی دعوت دیں یعنی یہود و نصاریٰ اپنے اپنے دین پر ہوتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کریں اور توحید کی دعوت دیتے رہیں العیاذ باللہ آیت کا یہ مطلب نہیں ہے قرآن کسی قوم کو دین کفر پر باقی رہنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر لوگوں کو صرف توحید کی دعوت دی اور اسلام کی دعوت نہ دی اور وہ موحد ہو گئے تو یہ توحید اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر نہیں جب تک دین اسلام قبول نہ کریں گے باوجود موحد ہونے کے آخرت میں نجات نہ پائیں گے یہ تو غیر اقوام کو دھوکہ دینا ہوا کہ تم توحید کی دعوت میں شریک ہو جاؤ اگرچہ اسلام قبول نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ملک روم ہرقل کو خط لکھا تو اس میں تحریر فرمایا: سلام علی من اتبع الهدی یعنی اللہ کا سلام ہے اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے، پھر تحریر فرمایا کہ:

اما بعد فاني ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم يعطك الله اجرک مرتین فان تولیت فان عليك اثم الیریسین۔

”کہ میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں تو اسلام قبول کر سلامت رہے گا۔ اللہ تجھے دہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تو نے اعراض کیا تو تیرے اوپر تمام کاشتکاروں کا گناہ ہوگا۔“

مطلب یہ کہ اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے تجھ پر تیرا گناہ تو ہوگا ہی تیری وجہ سے تیری مملکت کے کاشت کار جو اسلام قبول نہ کریں گے ان کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا کیونکہ تو ان کو اسلام سے روکنے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ سرور عالم ﷺ نے اپنے مکتوب گرامی

میں آیت بالا تحریر فرمائی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۵)

آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اول اسلام کی دعوت دی پھر آیت بالا تحریر فرمائی جس سے واضح ہوا کہ آیت شریفہ کا مقصد اسلام ہی کی دعوت دینا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ تم یہودیت اور نصرانیت پر باقی رہتے ہوئے ہمارے ساتھ مل کر دعوت تو حید کا کام کرو۔

قولہ تعالیٰ ﴿وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (اور نہ بنا لیں ہم آپس میں ایک دوسرے کو رب، اللہ کو چھوڑ کر) تفسیر روح المعانی صفحہ ۱۹۳: ج ۳ میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم (صحابی رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم غیر اللہ کی عبادت تو نہیں کرتے تھے (پھر یہ کیوں فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنا لیں) آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ تمہارے لیے کچھ چیزوں کو حلال اور کچھ چیزوں کو حرام قرار نہیں دیتے تھے اور تم ان کی بات پر عمل نہیں کرتے تھے تو عرض کیا ہاں ایسا تو تھا، آپ نے فرمایا یہ رب بنانے میں داخل ہے (کیونکہ چیزوں کو حلال یا حرام قرار دینا صرف اللہ تعالیٰ کی شان عالی کے لائق ہے وہ خالق و مالک ہے اپنی مخلوق میں جسے چاہے جس کے لیے حلال یا حرام قرار دے یہ مرتبہ کسی کو حاصل نہیں) واضح رہے کہ عدی بن حاتم پہلے نصرانی مذہب رکھتے تھے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنزِلَتِ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٥﴾ هَآئِنْتُمْ هَآؤِلَا ءِ حَآجَجْتُمْ فِيبَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيبَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ؕ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦﴾ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٧﴾ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلى الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٨﴾

اے اہل کتاب تم کیوں حجت کرتے ہو ابراہیم کے بارے میں، حالانکہ نہیں اتاری گئی توریت اور انجیل مگر ان کے بعد، کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو، اے لوگو! تم ایسے لوگ ہو جنہوں نے اس چیز میں جھگڑا کیا جس کا تمہیں کچھ علم تھا، پھر تم کیوں حجت کرتے ہو اس بات میں جس کا تمہیں علم نہیں اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے، نہیں تھے ابراہیم یہودی اور نصرانی، لیکن وہ حق کو اختیار کرنے والے فرمانبردار تھے، اور مشرکین میں سے نہ تھے، بلاشبہ انسانوں میں ابراہیم کے ساتھ سب سے زیادہ قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا اتباع کیا اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سب مومنین کا ولی ہے۔

اہل کتاب کی بات کی تردید کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا نصرانی تھے

لباب النقول صفحہ ۵۳ میں ہے (بحوالہ دلائل النبوة للبیہقی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نجران کے نصاریٰ اور یہودیوں کے علماء رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمع ہوئے اور آپ کے پاس جھگڑا کرنے لگے علماء یہود نے کہا کہ ابراہیم یہودی ہی تھے اور نصاریٰ کے کہ وہ تو نصرانی ہی تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی اور یہود و نصاریٰ دونوں جماعتوں کی سرزنش فرمائی کہ تم کو جو تھوڑا سا علم حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے بارے میں تھا اس کے متعلق تو تم نے کچھ حجت بازی کر لی لیکن جس چیز کا تمہیں بالکل ہی علم نہیں اس کے بارے میں کیوں حجت بازی کرتے ہو۔ تورات اور انجیل میں جو باتیں ہیں ان کا کچھ تمہیں علم ہے لیکن ان باتوں سے غلط نتیجے نکال کر تم نے حجت بازی کر لی اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی تھے یہ تو جھوٹ ہی جھوٹ اس کی طرف تو کوئی بھی اشارہ تمہارا کتابوں میں نہیں ہے۔ ابراہیم علیہ السلام یہودی کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی نسل سے ہیں اور ان سے سینکڑوں سال کے بعد دنیا میں تشریف لائے اور مبعوث ہوئے اور ان پر تورات شریف نازل ہوئی، دین یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہوا اب تم بتاؤ کہ جو شخص

سے سینکڑوں سال پہلے گزر چکا ہو وہ ان کے دین پر کیسے ہوگا؟ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سینکڑوں سال کے بعد تشریف لائے ان پر انجیل شریف نازل ہوئی۔ اب بتاؤ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور تم نے تو دین یہودیت اور دین نصرانیت میں شرک ملا لیا ہے۔ خدا تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کر لی ہے۔ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو اور ابراہیم علیہ السلام خالص موحد تھے مشرک نہ تھے۔ وہ حق کو اختیار کرنے والے اور باطل سے دور رہنے والے تھے بھلا وہ کیسے یہودی یا نصرانی ہو گئے؟ تم علم کے دعویدار ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس بات کا وجود ہی نہیں تم اس کے مدعی ہو یہ سب تمہاری بے عقلی بھی ہے بے علمی بھی ہے۔ پہلی آیت کے ختم پر ﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ فرمایا اور دوسری آیت کے ختم پر ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ فرمایا اس سے ان کا بے عقل ہونا بھی بتا دیا اور بے علم ہونا بھی۔

حضرت ابراہیم سے زیادہ خصوصی تعلق والا کون ہے؟

پھر فرمایا ﴿إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ﴾ (الآیة) (بلاشبہ انسانوں میں ابراہیم کے ساتھ سب سے زیادہ خصوصیت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا اتباع کیا) یہود و نصاریٰ نے نہ صرف یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا تعلق ظاہر کیا بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ وہ یہودی اور نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی تکذیب فرمائی اور فرمایا کہ ابراہیم سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی شریعت کا اتباع کیا اور یہ نبی یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور جو لوگ ان پر ایمان لائے یہ بھی ابراہیم سے قریب تر ہیں کیونکہ یہ امت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہے۔ جیسا کہ سورہ حج کے آخر میں فرمایا۔ ﴿مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ﴾ توحید اور عقیدہ معاد میں تمام انبیاء علیہم السلام مشترک ہیں لیکن شریعت محمدیہ ﷺ کے احکام کثیر تعداد میں ایسے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے موافق ہیں توحید کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو محنت کی جان جو کھوں میں ڈالی۔ اس کے لیے آگ میں ڈالے گئے وطن چھوڑا۔ امت محمدیہ نے پوری طرح محنت اور کوشش کر کے جانوں اور مالوں کی قربانی دے کر اس دعوت کو صحیح طریقہ پر باقی رکھا اور کروڑوں موحدان کوششوں کی وجہ سے وجود میں آئے۔ دعوت توحید کے لیے اور توحید پر خود باقی رہنے اور دوسروں کو باقی رکھنے میں امت محمدیہ نے جو قربانیاں دی ہیں اس کی نظیر دوسری امتوں میں نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ تو مشرک ہو گئے۔ انہوں نے توحید کی دعوت ختم ہی کر دی ان کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

اللہ مومنین کا ولی ہے:

﴿خِرَافٌ فِي مِثْلِهَا﴾ ﴿وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾ کہ اللہ ایمان والوں کا ولی ہے۔ وہ دنیا و آخرت میں ان کی مدد اور حفاظت فرمائے گا اور ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا دے گا وَلِيُّهُمْ كِي بَجَائِ ﴿وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾ فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ صفت ایمان ہی ایسے چیز ہے جس کے ذریعہ اللہ کی مدد و نصرت اور حفاظت حاصل ہوتی ہے۔

وَدَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَو يُضَلُّوكُمْ ط وَمَا يُضَلُّونَ إِلَّا أَنفُسُهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٩﴾
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٧٠﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِالْحَقِّ
بِالْبَاطِلِ وَتَكْفُرُونَ بِالْحَقِّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٧١﴾

اہل کتاب کی ایک جماعت نے اس بات کی خواہش کی کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کر دیں۔ اور وہ گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے ہی نفسوں کو اور وہ نہیں سمجھتے، اے اہل کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی آیات کے ساتھ، حالانکہ تم اقرار کرتے ہو، اے اہل کتاب تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں مخلوط کرتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

اہل کتاب کی خواہش کہ مسلمانوں کو گمراہ کریں

ان آیات میں اول تو مسلمانوں کو یہ بتایا کہ اہل کتاب کا ایک گروہ ایسا ہے جو تمہیں گمراہ کرنے کے درپے ہے ان کی خواہش ہے کہ جس طرح ہو سکے تمہیں گمراہ کر لیں۔ کافروں کو یہ گوارا نہیں کہ تم اپنے دین پر رہو اور وہ اپنے دین پر رہیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ۔ سورہ بقرہ کے رکوع ۱۳ میں گذر چکا ہے کہ اہل کتاب تمہیں مرتد بنانے کی آرزو رکھتے ہیں۔

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾ اور سورہ نساء میں فرمایا ﴿وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ﴾ (یعنی ان کی خواہش ہے کہ تم کافر ہو جاؤ جیسا کہ انہوں نے کفر اختیار کیا اور ان کی خواہش ہے کہ تم اور وہ برابر ہو جائیں) اور سورہ ممتحنہ میں فرمایا ﴿وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ﴾ (اور ان کی خواہش ہے کہ کاش تم کافر ہو جاتے) زمانہ نبوت میں جو یہود و نصاریٰ اور مشرکین تھے ان کی یہ خواہش ہمیشہ رہی کہ مسلمان اپنا دین چھوڑ کر کفر اختیار کریں اور اس کے لیے تدبیریں کرتے رہے۔ ان کا ایسی تدبیریں کرنا خود ان ہی کی مزید گمراہی میں مبتلا ہونے اور کفر میں شدید ہونے کا ذریعہ بنتا رہا۔ اور ان کی اس کوشش کا وبال نہیں پڑا، آج بھی کافروں کی اس طرح کی کوششیں جاری ہیں۔ ان کے دلوں پر ایسے سیاہ پردے پڑے ہوئے ہیں کہ انہیں یہ احساس ہی نہیں کہ ہم گمراہی میں ترقی کر رہے ہیں۔

اے اہل کتاب! تم کیوں کفر اختیار کرتے ہو اور حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو؟

پھر اہل کتاب سے خطاب فرمایا کہ تم اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ آیات حق ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت پر جو دلائل قاطعہ سامنے آچکے ہیں ان کو جانتے ہوئے گمراہی کو اختیار کرنا سخت در سخت عذاب کا ذریعہ ہے۔

نیز فرمایا کہ اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں مخلوط کرتے ہو، اس کے بارے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ توریت اور انجیل میں جو انہوں نے تحریف کر لی تھی مخلوط کرنے سے وہ مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ زبان سے اسلام ظاہر کرتے تھے اور دلوں میں انہوں نے کفر اختیار کر رکھا تھا۔ منافق بنے ہوئے تھے اس کی تفسیر میں اور بھی بعض اقوال ہیں، مزید فرمایا: ﴿وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ کہ تم حق کو یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو چھپاتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ نبی برحق ہے، یہودی آپس میں اور بعض مرتبہ انصار اور مہاجرین کے سامنے یہ بات کہہ دیتے تھے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں لیکن دنیاوی اغراض کی وجہ سے حق قبول نہیں کرتے تھے۔ جانتے بوجھتے گمراہ ہونا بہت بڑی شقاوت ہے۔

وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَيَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَ أَكْفُرُوا
 آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤٢﴾ وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنْ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ أَنْ
 يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيْتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنْ الْفَضْلُ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن
 يَّشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٣﴾ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَّشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٤٤﴾

اور کہا اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہ ایمان لاؤ اس پر جو نازل کیا گیا مسلمانوں پر دن کے شروع حصہ میں اور منکر ہو جاؤ دن کے آخر حصہ میں امید ہے کہ یہ لوگ واپس لوٹ آئیں۔ اور اقرار مت کرنا مگر ایسے شخص کے سامنے جو تمہارے دین کا تابع ہو۔ آپ فرمادیجیے کہ بلاشبہ ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے یہ باتیں تم اس لیے کرتے ہو کہ کسی دوسرے کو ایسی چیز مل رہی ہے جو تمہیں دی گئی یا اس لیے کہ وہ تم پر دلیل میں غالب ہو جائیں گے تمہارے رب کے پاس۔ آپ فرمادیجیے کہ بلاشبہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ اسے عطا فرماتا ہے جسے

چاہے اور اللہ واسع ہے خوب جاننے والا ہے۔ وہ مخصوص فرماتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

یہودیوں کی ایک مکاری کا تذکرہ

ان آیات میں اول تو یہودیوں کے ایک منافقانہ طریق کار کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ ان میں سے ایک جماعت نے آپس میں ایک دوسرے کو مشورہ دیا کہ صبح جب دن شروع ہو تم مسلمانوں کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے یوں کہو کہ ہم مسلمان ہیں ہم نے تمہارا دین قبول کر لیا اور دن بھر اسی طرح گزار دو، اور جب شام کا وقت ہو جائے دن جانے لگے تو کفر اختیار کر لو۔ تاکہ مسلمان اپنے دین سے واپس ہو جائیں۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۱۹۹: ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ یہودی خیر کے علماء میں سے بارہ آدمیوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا تھا اور ﴿وَ اٰكْفُرُواٰ اٰخِرًا﴾ جو انہوں نے کہا تھا کہ اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صبح کو اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کے بعد اسی دن شام کو اپنے کفر کا اظہار کر دینا (جو دل میں پہلے ہی سے تھا) اور مسلمانوں سے یوں کہنا کہ ہم نے اپنی کتابوں میں غور کیا اور اپنے علماء سے مشورہ کیا تو ہماری سمجھ میں یہی آیا کہ محمد ﷺ کا دین باطل ہے جب ایسا کہو گے تو سچے مسلمانوں پر بھی اثر پڑے گا وہ سمجھیں گے کہ یہ تو اہل کتاب ہیں اہل علم ہیں جب انہوں نے دین اسلام قبول کر کے چھوڑ دیا تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین اسلام صحیح نہیں ہے۔ یہ طریقہ کار انہوں نے اپنے خیال میں مسلمانوں کو ورغلانے کے لیے اختیار کیا لیکن دشمنوں کے مکر و فریب کا الحمد للہ کسی مسلمان نے کچھ بھی اثر نہ لیا۔

اس کے بعد یہودیوں کی ایک اور بات کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انہوں نے آپس میں یوں کہا ﴿وَلَا تُؤْمِنُوا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ﴾ کہ تمہارا جو دین یہودیت ہے اس دین پر مضبوطی کے ساتھ جمنے کا اقرار ان ہی لوگوں کے سامنے کرنا جو تمہارے دین کے تابع ہیں۔ یعنی اپنا اندرونی عقیدہ اپنے ہی لوگوں کے سامنے بیان کرنا۔ اور مسلمانوں کو دین اسلام سے پھیرنے کے لیے اوپر اوپر سے یہ کہہ دینا کہ ہم نے تمہارا دین قبول کر لیا (اندر سے اپنے عقیدہ پر رہنا) پھر ظاہری طور پر بھی یوں کہہ دینا کہ ہم اپنے دین پر واپس آگئے حالانکہ دل سے انہوں نے اپنا دین چھوڑا ہی نہیں تھا۔ یہ ان کا مکر تھا۔

اور بعض مفسرین نے ﴿وَلَا تُؤْمِنُوا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ﴾ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم صرف اسی شخص پر ایمان لاؤ جو تمہارے دین کی موافقت کرتا ہو کما فی معالم التنزیل ای ولا تصدقوا الا لمن تبع دینکم ای وافق ملتکم (جس کا معنی یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ چونکہ نئی شریعت لے کر آئے ہیں اور وہ تمہاری شریعت کے موافق نہیں ہے اس لیے تم ان پر ایمان نہ لاؤ) اللہ جل شانہ نے فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدٰى اللّٰهِ﴾ کہ اے محمد ﷺ آپ فرمادیں کہ بلاشبہ ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے وہ جسے ہدایت دینا چاہے اور ہدایت پر رکھنا چاہے اسے کسی کی تدبیر ہدایت سے نہیں روک سکتی یہ معنی پہلی تفسیر کے مطابق ہے اور دوسری تفسیر کے مطابق اس کا یہ معنی ہوگا کہ اللہ کو اختیار ہے کہ اپنی بھیجی ہوئی ایک شریعت کو منسوخ کر دے اور اس کی جگہ دوسری شریعت بھیج دے اور اس پر عمل کرنے کا حکم فرمادے جب اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ دوسری شریعت بھیج دی تو اسے قبول کر لو اگر اس کے خلاف چلو گے تو برابر کفر کی گمراہی میں رہو گے تو لہ تعالیٰ ﴿اَنْ يُّوْتٰى اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ﴾ اس میں بھی یہودیوں کی ایک بات کا تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے آپس میں کہا کہ تم کبھی یہ تصدیق نہ کرنا کہ تم کو جو علم اور کتاب اور حکمت دی گئی ہے اس جیسی کسی اور کو بھی عطا کی گئی ہو، علم اور کتاب اور حکمت یہ صرف ہمارا ہی حصہ ہے، نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ تم اس بات کی تصدیق نہ کرنا کہ تمہارے رب کے پاس دوسرے لوگ حجت میں تم پر غالب آجائیں گے۔ کیونکہ تمہارا ہی دین صحیح ہے اس صورت میں ﴿اَنْ يُّوْتٰى﴾ سے پہلے ایک ﴿وَلَا تُؤْمِنُوا﴾ مقدر ماننا ہوگا صاحب بیان القرآن نے ﴿اَنْ يُّوْتٰى اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ﴾ کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ اے یہودیو! تم ایسی باتیں اس لیے کرتے ہو کہ تمہیں مسلمانوں پر حسد ہے کہ انہیں آسمانی کتاب کیوں مل گئی یا یہ لوگ تم پر مذہبی مناظرہ میں کیوں غالب آجاتے ہیں اس حسد کی وجہ سے اسلام اور اہل اسلام کے تنزل کی کوششیں کرتے ہو اس صورت میں ﴿اَنْ يُّوْتٰى﴾ سے پہلے تدبیر تم یا قلمتہ مقدر ماننے کی ضرورت ہوگی۔

آخر میں یہودیوں کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ (الآیۃ) آپ فرمادیجئے کہ بلاشبہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمادے، وہ بڑی وسعت والا ہے بڑے علم والا ہے، وہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو مخصوص فرمادے اور وہ بڑے فضل والا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین سیدنا محمد عربی ﷺ کو نبوت و رسالت سے نوازا دیا اور ان پر کتاب نازل فرمادی اور ان کے ذریعہ ہدایت پھیلا دی اس پر تم حسد کرنا جہالت اور کفر ہے یہ تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کے علاوہ کسی دوسرے کو نبی کیوں بنایا۔ یہ عصبیت جاہلیہ اہل علم کو برباد کر دیتی ہے، مزید توضیح اور تشریح کے لیے سورہ بقرہ (ع ۱۱) میں ﴿بَغْيًا أَنْ يَنْزِلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلٰی مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾ کی تفسیر پیچھے گزر چکی ہے۔ یہ لوگ عصبیت جاہلیہ کی وجہ سے کفر اختیار کرنے اور کفر پر جے رہنے اور دائمی عذاب میں پڑنے کو تیار ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے راضی ہونے پر تیار نہیں کہ وہ اپنی رحمت سے جسے چاہے اپنا فضل عطا فرمائے۔ اللہ کی مشیت اور ارادہ میں کسی کو چوں کرنے کا مقام نہیں۔

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِقِطَاعٍ يُودِّعَ إِلَيْكَ ۖ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِدِينَارٍ لَا يُودِّعَ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمَّتْ عَلَيْهِ قَائِمًا ۗ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا أَلَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّينِ سَبِيلٌ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵۵﴾ بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۵۶﴾

اور اہل کتاب میں بعض ایسے ہیں کہ ان کے پاس اگر بہت مال امانت رکھ دو گے تو وہ تمہاری طرف ادا کر دیں گے اور ان میں ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار امانت رکھ دو گے تو وہ تمہاری طرف ادا نہیں کریں گے مگر یہ کہ تم برابر سر پر کھڑے رہو۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ ان پڑھوں کے بارے میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔ ہاں جس نے اپنے عہد کو پورا کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔

اہل کتاب کی امانت داری اور خیانت کا تذکرہ

اس آیت میں ان اہل کتاب کا بیان ہے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور ان اہل کتاب کا ذکر ہے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور وہ بدستور حب مال اور حب دنیا میں غرق رہے۔ صاحب معالم التزیل لکھتے ہیں کہ ﴿يُودِّعَ إِلَيْكَ﴾ سے مومنین اہل کتاب مراد ہیں جیسے عبد اللہ بن سلام اور دیگر صحابہ جو پہلے یہودی تھے اور بعد میں انہوں نے اسلام قبول کیا اور ﴿لَا يُودِّعَ إِلَيْكَ﴾ سے وہ یہود مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور بدستور حب دنیا اور حب مال میں مستغرق تھے۔ جیسے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن سلام کے پاس ایک شخص نے بارہ سواوقیہ سونا امانت رکھ دیا تھا انہوں نے اس کو ادا کر دیا (ایک اوقیہ چالیس درہم کے وزن کے برابر ہوتا ہے) اور نحاص بن عازد ایک یہودی تھا اس کے پاس ایک قریشی نے ایک دینار امانت رکھ دیا تو وہ خیانت کر بیٹھا۔ قرآن مجید میں اہل کتاب کی دو جماعتوں کا حال بیان فرمایا کہ بعض ان میں ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس قنطار یعنی مال کثیر امانت رکھ دو گے تو وہ واپس کر دیں گے اور اچھے طریقے پر ادا کر دیں گے اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کے پاس اگر ایک دینار امانت رکھ دو تو ادا نہ کریں گے ہاں سر پر برابر کھڑے ہی رہو اور تقاضوں سے عاجز آ کر ادا کر دے تو دوسری بات ہے۔ ابو بکر صاص احکام القرآن صفحہ ۱۷۷ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ ﴿إِلَّا مَا دُمَّتْ عَلَيْهِ قَائِمًا﴾ سے معلوم ہوا کہ جس کا حق ہے وہ اس کے پیچھے پڑ سکتا ہے اور مسلسل اس کا پیچھا کر سکتا ہے جس کے اوپر حق ہے۔ وقد دلت الآية على ان للطالب ملازمة المطلوب للدين۔

آیت میں اہل کتاب کا تذکرہ تو ہے ہی اس امت کے نادہندہ لوگوں کو بھی تنبیہ ہے قرض لینے اور امانت رکھنے کے لیے تو جلد سے جلد تیار ہو جاتے ہیں اور جب دینے کا وقت آتا ہے تو ٹال مٹول کرتے ہیں۔ صاحب حق کو چکر کھلاتے ہیں۔ پریشان کرتے ہیں امانت کھا جاتے ہیں قرض مار لیتے ہیں۔ پھر بدنیت لوگوں کی اللہ پاک کی طرف سے مدد بھی نہیں ہوتی۔ صحیح بخاری صفحہ ۳۲۱: ج ۱ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے لوگوں کے مال لے لیے جن کی ادائیگی کا وہ ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا فرمادیتا ہے یعنی اس کی حسن نیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قرضوں کی ادائیگی کے لیے سہولت پیدا فرمادیتے ہیں اور جس نے لوگوں کے مال لیے جنہیں وہ تلف کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ تلف فرمادیتا ہے (مال اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا اور اس پر قرضہ باقی رہ جائے گا۔ قیامت کے دن حقوق العباد مارنے کی وجہ سے عذاب میں جائے گا)۔ (کما فی حاشیۃ البخاری عن العینی)

یہودیوں کا یہ جھوٹ کہ ہمیں ان پڑھوں کا مال مارنا حلال ہے:

یہودیوں پر ایک اور جہالت سوار تھی اور وہ یوں کہتے تھے کہ عرب کے امی لوگوں کا ہمارے لیے سب کچھ حلال ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جو بھی کوئی ہمارے دین پر نہ ہو اس پر ظلم کرنا مال مارنا حلال ہے۔ حضرت حسن نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں عرب لوگوں نے یہودیوں سے خرید و فروخت کے معاملات کیے یہودیوں پر ان کے قرضے تھے جب وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور یہودیوں سے تقاضا کیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارا ہم پر کوئی حق نہیں۔ اور نہ ہمارے ذمہ کچھ ادائیگی ہے تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور ہمارے تمہارے درمیان جو عہد تھا وہ ختم ہو گیا اور ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ ہم نے یہ بات اپنی کتابوں میں پائی ہے۔ عربوں کو اُمّیون (ان پڑھ) کہا کیونکہ یہ لوگ یہودیوں کے مقابلہ میں پڑھے لکھے نہیں تھے یہودیوں نے کہا کہ ان پڑھوں کے ہم نے مال مار لیے تو کیا ہے ان کے مالوں کے بارے میں ہم سے کوئی پوچھ گچھ نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں کو ہمارے لیے حلال کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور فرمایا ﴿وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ کہ یہ لوگ اللہ کے ذمہ جھوٹ لگاتے ہیں اور جانتے بھی ہیں کہ ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں (معالم التنزیل صفحہ ۳۱۷۔ ۳۱۸: ج ۱) تفسیر ابن کثیر میں حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ جب اہل کتاب نے ﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ﴾ کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کذب اعداء اللہ کہ اللہ کے دشمنوں نے جھوٹ کہا۔ تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۷۴: ج ۱ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک آدمی نے کہا کہ ہم جہاد میں جاتے ہیں اور ذمی (یعنی وہ کافر جو دارالاسلام میں رہتے ہیں) ہم کو ان کے جو مال مل جاتے ہیں مرغی اور بکری ہم انہیں کھا جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تم کیا سمجھ کر کھا جاتے ہو اس نے جواب دیا کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے اہل کتاب نے کہا ﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ﴾ جب ذمیوں نے جزیہ ادا کر دیا تو تمہارے لیے ان کے مال حلال نہیں ہیں ہاں اگر وہ اپنے نفسوں کی خوشی کے ساتھ دیں تو اور بات ہے۔

جھوٹے فقروں کا طریق کار:

اس امت میں بھی بہت سے جھوٹے پیر فقیر ایسے ہیں کہ جن بستیوں میں ان کے کسی باپ دادا سے لوگ مرید ہو گئے تھے ان بستیوں کو اپنا مرید آباد بنا رکھا ہے۔ سالانہ ان علاقوں میں گشت کرتے ہیں اور جو کچھ چاہتے ہیں ان کے مالوں میں سے بلا اجازت لیتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور وہ لوگ لحاظ اور مروت کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے۔ شرعاً اس طرح کا لیا ہوا مال حلال نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ الا لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منه (خبردار کسی مسلمان آدمی کا مال حلال نہیں ہے مگر یہ کہ وہ نفس کی خوشی سے دے دے۔) کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۲۵۵، بے آبروئی کے ڈر سے یا کسی بھی طرح کے دباؤ سے کوئی شخص اگر اجازت دیدے تب بھی اس کا مال لینا حلال نہیں ہوتا اگر چہ وہ ظاہری طور پر زبان سے اجازت بھی دیدے یا خاموش رہے، اسی لیے طیب نفس کی قید لگائی جو مال طیب نفس سے نہ ملے گا اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جو شخص فاسق ہو اندر سے اس کا باطن پاک نہ ہو اور اسے بزرگ سمجھ کر ہدیہ دیا جائے اگر چہ خوشدلی سے ہو وہ ہدیہ اس کے لیے حلال نہیں ہے۔

(کمانی احیاء العلوم صفحہ ۱۰۴: ج ۲)

مَنْ أَوْفَىٰ بَعْدَهُ وَاتَّقَىٰ كِتَابِ

آخر میں فرمایا: ﴿بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بَعْدَهُ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾ کہ یہ بات نہیں ہے کہ ان پڑھوں کے مالوں کو حرام طریقے پر رکھ لینے سے ان پر کوئی مواخذہ نہ ہو ان پر مواخذہ ضرور ہے۔

فی الروح لصفحة ۲۰۳: ج ۳ بلی جواب لقولهم ليس علينا في الاميين سبيل وايجاب لما نفوه والمعنى بلى عليهم في الاميين سبيل اور من او في بعهد و اتقى۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ یہودی باوجود ایسی حرکتوں کے جو او پر ذکر ہوئیں اپنے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بھی سمجھتے ہیں۔ اللہ کا محبوب وہ ہے جو اس کے عہد کو پورا کرے (عہد میں یہ بھی شامل ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لائیں) اور گناہوں سے بچے سب سے بڑا گناہ کفر اور شرک ہے اس سے بھی بچے اور لوگوں کے اموال مارنے سے بھی بچے (یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کا پوری طرح خیال رکھے) جو شخص ایسا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔

قال ابن كثير صفحة ۳۷۴: ج ۱ ای لکن من او فی بعهدہ و اتقى منکم یا اهل الكتاب الذی عاهدکم اللہ علیہ من الایمان بمحمد ﷺ اذا بعث کما اخذ العہد والميثاق علی الانبياء و امهم بذلك و اتقى محارم اللہ و اتبع طاعته و شریعتہ التی بعث بها خاتم رسله و سید ہم (فان اللہ یحب المتقین)

اس آیت میں عہد پورا کرنے کی اہمیت کا بھی ذکر ہے۔ اللہ سے عہد ہو یا بندوں سے اس کا پورا کرنا لازم ہے۔ اللہ سے اہل کتاب کا یہ عہد تھا کہ نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لائیں گے اسے انہوں نے پورا نہ کیا اور ہر مسلمان کا اللہ سے عہد ہے کہ میں آپ کے احکام کی تعمیل کروں گا۔ حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایک بات بتادیجئے جس کے بعد مجھے آپ کے علاوہ کسی اور سے پوچھنا نہ پڑے اور یہ بات اسلام کی باتوں میں سب سے زیادہ جامع ہو آپ نے فرمایا: قال امننت باللہ ثم استقم (تو امننت باللہ کہہ دے اور اس پر جمار ہے)۔ (رواہ مسلم کمانی مشکوٰۃ صفحہ ۱۲)

اسلام کا کلمہ پڑھ لینا محض زبانی بات نہیں ہے اس کی ذمہ داریاں ہیں اس میں اللہ تعالیٰ سے اقرار ہے اور عہد ہے کہ میں آپ کے احکام پر چلوں گا جو آپ کی کتاب اور آپ کے رسول کے ذریعے مجھے پہنچے ہیں۔ اسلام کی جو پابندیاں ہیں ہر مسلمان ان کے پورے کرنے کا عہد کر چکا ہے ان کا پورا کرنا لازم ہے اور بندوں سے بھی بہت سے عہد کیے جاتے ہیں ان میں سے جو گناہ نہ ہو اس کا پورا کرنا لازم ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ (اور عہد کو پورا کرو بلاشبہ عہد کے بارے میں باز پرس ہونے والی ہے) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں جس شخص میں ہوں گی خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں ایک خصلت ہوگی جب تک اسے چھوڑ نہ دے گا اس میں نفاق کی ایک خصلت موجود ہوگی (۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (۳) جب عہد کرے تو دھوکہ دے۔ (۴) جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان)

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا

يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴۰﴾

بے شک اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے مقابلہ میں جو لوگ حقیر معاوضہ لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ ان سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر فرمائے گا اور نہ ان کو پاک فرمائے گا اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک

اللہ کے عہد کے عوض دنیا کمانے والوں کو تنبیہ

یہودیوں سے جو اللہ تعالیٰ کا عہد تھا کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں گے اس عہد کو انہوں نے اپنے عوام سے چھپایا اور بدل بھی دیا۔ کیونکہ جو صفات تورات شریف میں رسول اللہ ﷺ کی پڑھی تھیں ان کو واقعی طور پر جاننے کے باوجود بھی تغیر و تبدل کر دیا اور اپنے عوام کو بتایا کہ جو صفات ہم نے پڑھی ہیں وہ ان پر منطبق نہیں ہوتیں اور اس طرح اپنے عوام کو اپنی جانب کر کے اپنی ریاست باقی رکھی۔ اور اپنے عوام سے رشوت لیتے رہے۔ یہ عہد خداوندی کے عوض حقیر دنیا حاصل کرنا ہوا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ابورافع اور کنانہ اور حی اور ان کے علاوہ دیگر رؤساء یہود کے بارے میں نازل ہوئی ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی ان صفات کو چھپا دیا جو تورات شریف میں مذکور تھیں اور ان کو بدل کر دوسری صفات اپنے قلم سے لکھ دیں اور انہوں نے قسم کھائی کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے تاکہ رشوتیں اور کھانے پینے کے طریقے جو جاری کر رکھے تھے وہ ہاتھ سے نہ جائیں۔ اور ان کے اتباع سے جو کچھ ملتا تھا وہ ملتا رہے۔

جھوٹی قسم اور اس کا وبال:

یہودی مالیات کے سلسلے میں جھوٹی قسمیں بھی کھا جاتے تھے اور اس طرح کی حرکتیں دوسرے لوگوں سے بھی صادر ہوتی ہیں اس لیے کسی جماعت کا نام لینے کے بجائے عمومی بات ذکر فرمادی کہ جو لوگ ایسا ایسا کریں گے ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر سخت غصہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہ فرمائے گا۔ اور ان کی طرف نظر رحمت سے بھی نہیں دیکھے گا۔ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ظاہر کرنے کے لیے فرمائیں۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۲۰۴: ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ اس لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے خود حساب لے، بلکہ فرشتے ان سے بات کریں گے اور حساب لیں گے۔ ولایز کیہم کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ بغوی معالم التنزیل صفحہ ۳۱۹: ج ۱ میں فرماتے ہیں ای لا یثنی علیہم بالجمیل ولا یطہرہم من الذنوب کہ اللہ تعالیٰ ان کو اچھائی کے ساتھ یاد نہ فرمائے گا اور انہیں گناہوں سے پاک نہ کرے گا۔ اور حافظ ابن کثیر صفحہ ۳۷۵: ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ ای من الذنوب و الادناس ویامر بہم الی النار یعنی اللہ تعالیٰ ان کو گناہوں سے پاک نہیں کرے گا اور ان کو دوزخ میں بھیج دے گا۔ (نہ ان کی مغفرت ہوگی جس سے گناہ معاف ہوں اور نہ یہ ہوگا کہ کچھ مدت کے لیے دوزخ میں بھیج کر گناہوں کی سزا دے کر پاک صاف کر کے جنت میں بھیجا جائے جیسا کہ بعض گنہگار اہل اسلام کے ساتھ ہوگا) ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے جس سے کبھی نہ نکلیں گے۔ صحیح بخاری صفحہ ۳۶۶: ج ۱ میں ہے کہ حضرت اشعث بن قیسؓ نے بیان فرمایا کہ میرے اور ایک یہودی شخص کے درمیان زمین کے بارے میں محاسمت تھی اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ تمہارا کوئی حق نہیں۔ میں اسے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کیا تمہارے پاس گواہ ہیں میں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے یہودی سے فرمایا کہ تو قسم کھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ تو قسم کھالے گا اور میرا مال لے جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر آیت نازل فرمائی ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ (الآیۃ)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص جھوٹی قسم کھالے تاکہ کسی کا مال اس کے ذریعہ حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی تصدیق نازل فرمائی۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔ روای حدیث حضرت ابووائل (شاگرد ابن مسعودؓ) فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت اشعث سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن مسعود نے آج تم سے کیا بیان کیا میں نے ان سے حدیث بالا بیان کر دی اور عرض کر دیا کہ آخر میں انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت اشعث نے فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۳۶۸: ج ۱)

حضرت عبداللہ بن ابی اونیؓ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص مال بیچنے کے لیے کھڑا ہوا اور اس نے اللہ کی قسم کھائی کہ میں نے اس کے عوض

اتنا اتنا مال دیا ہے (اور یہ جھوٹ تھا۔ کیونکہ اس نے اتنا مال نہیں دیا تھا جتنا اس نے بتایا۔ تاجروں کی عادت ہوتی ہے کہ زیادہ نفع کمانے کے لیے گاہک کے سامنے جھوٹی قسم کھا جاتے ہیں کہ میں نے تو خود اتنے میں خریدا ہے) اس پر آیت ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۳۶۷: ج ۱)

مذکورہ بالا روایات سے آیت کے چند اسباب نزول معلوم ہوئے بیک وقت چند چیزیں جمع ہو گئی ہوں جو آیت نازل ہونے کا سبب بن گئیں اس میں کوئی بعد نہیں۔ آیت شریفہ میں اللہ کے عہد کو بدلنے والوں اور جھوٹی قسم کھا کر دوسروں کا مال حاصل کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے اور ان کی آخرت کی سزا ذکر کی ہے۔ آیت کا مضمون عام ہے اور ہر اس شخص کو شامل ہے جو اس طرح کی حرکت کرے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ ان سے کلام نہ فرمائے گا۔ ان کے لیے عذاب الیم ہے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ان کا براہو اور نقصان میں پڑیں۔ کون ہیں یہ لوگ یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا اپنے کپڑوں کو ٹخنے سے نیچے لٹکانے والا اور (کسی کو کچھ دے کر) احسان جتانے والا۔ اور اپنی بکری کے سامان کو جھوٹی قسم کے ذریعہ چالو کرنے والا۔ (صحیح مسلم) نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم سودا بکوادیتی ہے اور برکت کو ختم کر دیتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۴۳: ج ۱۱ بخاری و مسلم)

بہت سے لوگ حاکم کے ہاں جھوٹا مقدمہ لے جاتے ہیں بعض مرتبہ مدعی جھوٹا ہوتا ہے اور جھوٹے گواہ پیش کر دیتا ہے اور بعض مرتبہ مدعی علیہ جھوٹا ہوتا ہے وہ جھوٹی قسم کھا جاتا ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اس چیز کا دعویٰ کیا جو اس کی نہیں ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور ایسا شخص اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔ (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے بڑے گناہوں میں سے اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے اور ماں باپ کو تکلیف دینا ہے۔ جھوٹی قسم کھانا ہے اور جس کسی شخص نے بھی اپنی بات پر جھٹتے ہوئے قسم کھائی اور اس میں مچھر کے پر کے برابر بھی کوئی جھوٹی بات داخل کر دی تو وہ قسم قیامت کے دن تک اس کے لیے سیاہ داغ بن جائے گی۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۲۸)

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوَنَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ
وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۴۸﴾

اور بلاشبہ ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی زبانوں کو موڑ کر کتاب بیان کرتا ہے تاکہ تم اس کو کتاب سے سمجھو حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس سے ہے حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں ہے اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

بعض اہل کتاب، کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے

یہ آیت بھی یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ تورات شریف میں تحریف اور تغیر کرتے تھے۔ بیان کرتے ہوئے اس انداز سے زبان موڑ کر بات کر جاتے تھے کہ سننے والا یہ سمجھ لے کہ جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ اللہ کی کتاب میں سے ہے رسول اللہ ﷺ کی صفات جو تورات شریف میں پائی تھیں ان کو بدل دیا اور آیت رجم کو چھپا لیا۔ تحریف کرتے ہوئے جو بات کہتے تھے اس کو ایسے انداز میں پیش کرتے تھے کہ سننے والا یہ سمجھے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ بات خود تراشیدہ ہوتی تھی۔ اَلْسِنَتَهُم کا جو مطلب اوپر عرض کیا گیا اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص سے مدعی نے کہا کہ تو کعبہ کی قسم کھا اس نے زبان دبا کر کابک کی قسم کھالی دوسرے کاف کی طرف مدعی اور دوسرے سننے والوں کا ذہن بھی نہ گیا انہوں نے سمجھا کہ اس نے واقعی کعبہ کی قسم کھالی۔ پھر جب مجلس سے جدا ہوا تو اس کے متعلقین نے کہا کہ تو نے جھوٹی قسم کھائی تو کہنے لگا کہ میں نے تو کابک کی قسم کھائی ہے۔

کابک بعض علاقوں میں کبوتر بند کرنے کے پیجرے کو کہتے ہیں۔ کعبہ کی قسم کھانا بھی جائز نہیں ہے ایک مثال ذہن میں آئی تھی عرض کر دی اس طرح کے اور بھی واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ لوی لسانہ عن کذا سے ماخوذ ہے اور یہ غیر کے معنی میں ہے۔ حافظ ابن کثیر اس کا معنی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

يحر فون الكلم عن مواضعه و يبدلون كلام الله و يزيلونه عن المراد به ليو هموا الجهلة انه في كتاب الله كذلك و ينسبونه الى الله هو كذب على الله و هم يعلمون من انفسهم انهم قد كذبوا و افتروا في ذلك كله۔
حافظ بغوی اور حافظ ابن کثیر نے زبان موڑ کر بیان کرنے کا معنی یہی لیا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں یعنی اس کا مطلب غلط بتاتے ہیں اور لوگوں کو یہ سمجھاتے ہیں کہ ہم نے اللہ کی کتاب کا مطلب تمہارے سامنے صحیح بیان کیا ہے وہ لوگ تحریف کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے لکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے اور جان بوجھ کر یہ گناہ کرتے تھے۔ سورہ بقرہ میں فرمایا:

﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَ وَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ﴾

چونکہ اللہ کی کتاب کی تعلیم ان کے ہاں عام نہیں تھی اور چند علماء ہی ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے اس لیے اپنے عوام کو جو چاہتے تھے سمجھا دیتے تھے۔ امت محمدیہ میں بھی بعض فرقے جو اہل ہوئی ہیں حقیر دنیا کے لیے اہل کتاب کی نقل اتارتے ہیں ایک داعظ صاحب جو رسول اللہ ﷺ کی بشریت کے منکر تھے اپنے عوام کو خوش کرنے کے لیے ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ﴾ کا ترجمہ کرتے ہوئے ما کونافیہ بتا گئے اور اس سے بشریت کی نفی ثابت کر گئے اہل ہوئی کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ خواہ کافر ہی ہو جائیں لیکن ان کے عوام ناراض نہ ہوں۔ اور عوام سے جو ملتا ہے وہ ملتا رہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّكُمْ عَلِيمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٩﴾ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَالِيكَ وَالنَّبِيْنَ أَرْبَابًا ۗ أَيُّكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٠﴾

کسی بشر سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ اسے کتاب حکمت اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے یوں کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ اور لیکن وہ یہ کہے گا کہ تم اللہ والے ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ تم پڑھتے ہو اور وہ تمہیں یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب بنا لو کیا وہ تم کو کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔

ہر نبی کی دعوت ہوتی تھی کہ اللہ والے بن جاؤ

لباب النقول صفحہ ۵۴ میں ہے کہ جب مدینہ کے یہودی اور نجران کے نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمع ہوئے اور آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو ابورافع نے کہا (جو یہود کے قبیلہ بنی قریظہ سے تھا) اے محمد! آپ جو چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں جیسے نصرانی عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں آپ نے فرمایا معاذ اللہ (اللہ کی پناہ) میں ایسی دعوت کیوں دینے لگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم آپ کو اسی طرح سلام کرتے ہیں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا جاتا ہے کیا ہم ایسا نہ کریں (کہ آپ کی رفعت اور عظمت ظاہر کرنے کے لیے) آپ کو سجدہ کریں آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو اپنے نبی کا اکرام کرو اور صاحب حق کا حق پہچانو۔ کیونکہ اللہ کے سوا کسی کے لیے سجدہ کرنا درست نہیں ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

(روح المعانی صفحہ ۲۰۷: ج ۳)

اوپر آیت کے دو سبب نزول بیان ہوئے اگر دونوں ہی ہوں تو اس میں کوئی بات قابل اشکال نہیں آیت میں صاف صاف واضح طور پر بیان فرمایا کہ جس کسی بشر کو اللہ پاک کتاب اور حکمت عطا فرمائے اور نبوت سے نوازے اس کے لیے کسی طرح سے بھی یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اپنے بندہ بنانے کی دعوت دے۔ نبیوں کا کام تو یہ تھا کہ لوگوں کو خدائے پاک کی بندگی کی طرف بلائیں اور خدا کا بندہ بنائیں وہ خدائے پاک کی عبادت چھڑا کر اپنی عبادت یا کسی بھی غیر اللہ کی طرف دعوت نہیں دے سکتے اس میں نصاریٰ کی تردید ہو گئی جو یہ کہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اور اپنی ماں کی عبادت کی دعوت دی ہے۔ اور یہودیوں کے اس قول کا بھی رد ہو گیا جنہوں نے کہا کہ اے محمد! تم اپنی عبادت کرانا چاہتے ہو۔ جس کسی بھی بندہ کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اس نے یہی دعوت دی کہ تم ربانی بن جاؤ، اللہ پر ایمان لاؤ اسی کی عبادت کرو۔

قولہ تعالیٰ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ، اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی صفحہ ۲۰۸: ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ الباء السببية متعلقة بكونوا ای كونا كذلك بسبب ماثرب تكلم على تعليمكم الكتاب و دراستكم له و المطلوب ان لا ينفك العلم عن العمل اذ لا يعتد احد هيا بدون الآخر اس کا مطلب یہ ہے کہ باء سبب ہے جار مجرور كونا سے متعلق ہے۔ یعنی تم لوگ ربانی ہو جاؤ۔ اس وجہ سے کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور کتاب کو پڑھتے ہو جس کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور جس کو پڑھتے پڑھاتے رہے ہو اس کا تقاضا یہی ہے کہ ربانی بنو اور جو تمہارے پاس علم ہے اس پر عمل کرو کیونکہ علم بغیر عمل کے معتبر نہیں اور عمل بغیر علم کے صحیح نہیں۔

ربانی کون ہیں؟

لفظ ربّین ربانی کی جمع ہے جو رب کی طرف منسوب ہے نسبت میں الف اور نون زائد کر دیا گیا ہے۔ لفظ ربانی کا معنی بتاتے ہوئے حضرات مفسرین کرام نے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے متعدد اقوال نقل کیے ہیں معالم التنزیل صفحہ ۳۲۰: ج ۱ میں حضرت علی اور ابن عباس اور حسن سے کونوا ربانیین کا معنی نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کونوا فقہاء، علماء اور حضرت قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ حکماء و علماء اور سعید بن جبیر نے فرمایا العالم الذی یعمل بعلمہ اور حضرت ابن عباس کا ایک قول یہ ہے۔ فقہاء معلّمین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے۔ ہو الذی یوتی علمہ بعلمہ۔

مجموعی طور پر ان سب اقوال کا خلاصہ یہی ہوا کہ ربانی وہ لوگ ہیں جو اہل علم ہیں فقیہ ہیں حکیم ہیں متقی ہیں اپنے علم پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی حق کی راہ بتاتے ہیں اور حق پر چلاتے ہیں۔ اور ایمان تو بہر حال ثواب اور نجات آخرت کے لیے شرط ہے ہی، یہ سب چیزیں ہوں اور با ایمان ہوتے ربانی کا مصدق ہوگا جس کا ترجمہ حضرت حکیم الامت تھانوی نے اللہ والے فرمایا۔ یہ ترجمہ بہت جامع ہے اس میں علم اور عمل تعلیم تدریس عبادت اخلاق حسنہ سب کچھ آجاتا ہے۔ ربانیین کی ذمہ داری ہے کہ خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی عمل پڑھالیں۔ سورہ مائدہ میں فرمایا ﴿لَوْ لَا يَنْهَهُمُ الرَّبُّنِيُّونَ وَ الْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَ أَكْلِهِمُ السُّحْتَ﴾ (کیوں نہیں روکتے ان کو ربانی لوگ اور اہل علم گناہ کی باتیں کرنے سے اور حرام کھانے سے)

غیر اللہ کو رب بنانے کی ممانعت:

پھر فرمایا ﴿وَ لَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَ النَّبِيْنَ أَرْبَابًا﴾ (کہ نبی تم کو یہ حکم نہیں دیتا کہ تم فرشتوں کو اور پیغمبروں کو اپنا رب بنا لو) تمام انبیاء علیہم السلام تو حید کی دعوت دینے کے لیے تشریف لائے تھے وہ غیر اللہ کو رب ماننے کی دعوت کیسے دے سکتے تھے؟ ﴿يَأْمُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (کیا نبی تم کو کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم اللہ کے فرمانبردار ہو)۔ اگر تم موحد ہو تو نبی تم کو تو حید سے کیوں ہٹائے گا؟ وہ شرک کی دعوت نہیں دے سکتا۔ ہاں اپنی نبوت اور رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دے گا۔ جس کا وہ مامور ہے اور جس پر ایمان لانے

بغیر تم مومن نہیں ہو سکتے اور تمہارا عقیدہ تو حید اس پر ایمان لائے بغیر تمہیں نجات نہیں دلا سکتا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت یہ تھی کہ صرف اللہ کے بندے بنو اسی کی عبادت کرو نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی کی دعوت دی اور اسی دعوت پر محنت کی۔ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اسی دعوت کے لیے مشقت اٹھائی اور جہاد کیے۔ ایک مرتبہ فارس کے جہاد کے موقع پر حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ بطور سفیر رستم کے پاس تشریف لے گئے۔ رستم اہل فارس کا صاحب اقتدار تھا۔ رستم نے کہا کہ تم لوگ کیوں آئے ہو انہوں نے فرمایا کہ اللہ نے ہم کو بھیجا ہے تاکہ ہم بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت کی طرف لے جائیں اور موجودہ دین میں ان کے ظلم سے بچا کر اسلام کے عدل کی طرف لے آئیں۔ (کما ذکر ابن کثیر فی البدایۃ فی ذکر یوم القادسیہ) دور حاضر میں بہت سے ایسے پیر و فقیر ہیں جنہیں نہ شریعت سے تعلق ہے نہ طریقت کو جانتے ہیں، سجادے بنے ہوئے گدیاں سنبھالے ہوئے ہیں۔ اپنے مریدوں سے خود اپنے کو سجدہ کراتے ہیں اور ان قبروں کو بھی جن کو کسب دنیا کا ذریعہ بنا رکھا ہے طریقت تو شریعت کی خادم ہے۔ بیعت اور ارشاد اور تصوف و سلوک اسی لیے ہے کہ انسان اللہ کے بندے بنیں اور اس کی عبادت میں لگیں نہ اس لیے کہ غیر اللہ کو سجدے کیے جائیں۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَلِكُمْ إِصْرِي ۚ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا ۚ وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝۸۱ ۚ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝۸۲

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں جو کچھ بھی تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں پھر آجائے تمہارے پاس رسول جو تصدیق کرنے والا ہو اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور تم نے اس پر میرا مضبوط عہد قبول کر لیا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا سو تم گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں، پھر جو شخص اس کے بعد روگردانی کرے گا سو یہی لوگ نافرمان ہیں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ کا عہد لینا

ان دو آیتوں میں اس عہد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے لیا۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ عہد لیا کہ تمہاری موجودگی میں جو دوسرا کوئی نبی آئے گا اس پر ایمان لانا اور اپنی امت کو بھی اس پر ایمان لانے کی دعوت دینا تبلیغ کرنا اور اس نبی کی مدد کرنا۔ اگر تمہاری موجودگی میں کوئی نبی نہ آئے تو اپنی امت کو تاکید کر دینا کہ اس نبی پر ایمان لانا جو میرے بعد آئے اور اس کی تصدیق اور اس کی مدد کرنا۔ اسی سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عہد لیا کہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام سے عہد لیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جبکہ رسول کی تنوین تکبیر کے لیے ہو اور بعض مفسرین نے یوں بیان فرمایا کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے عہد لیا کہ تمہاری موجودگی میں محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں گے تو ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اور اپنی امتوں کو بھی اس کا حکم دینا کہ ان میں سے جو بھی ان کا زمانہ پالے ان پر ایمان لائے اور ان کی مدد کرے۔ (معالم التنزیل صفحہ ۳۲۲ ج ۱)

عہد لے کر اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمایا ﴿أَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَلِكُمْ إِصْرِي﴾ (کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر تم نے میرا مضبوط عہد لے لیا) سب نے عرض کیا کہ ہاں ہم نے اس کا اقرار کر لیا اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں

سے ہوں۔ یہ عہد حضرات انبیاء کرام ﷺ سے بھی لیا اور ان کے واسطے سے ان کی امتوں سے بھی لیا۔ اس عہد کو جن لوگوں نے پورا نہ کیا ان کے بارے میں فرمایا: ﴿فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ﴾ کہ جس نے اس عہد کے بعد روگردانی کی عہد کو پورا نہ کیا کسی بھی ایک نبی کو جھٹلایا تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے نافرمان ہیں اور نافرمانی کے بدترین مرتبہ میں ہیں کیونکہ وہ کافر ہیں۔ (قال فی الروح ای الخار جون فی الکفر الی افحش مراتبه) حضرات انبیاء کرام ﷺ سے تو اللہ کی نافرمانی کا صدور ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کی امتوں نے اس عہد سے منہ موڑا اور کفر اختیار کیا۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے اور یہود و نصاریٰ دونوں قومیں محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی منکر ہو کر کفر پر مصر رہیں۔

خاتم النبیین ﷺ کی فضیلت:

شیخ ابوالحسن تقی الدین السبکی رحمہ اللہ کا مستقل ایک رسالہ ہے جو آیت بالا کی تفسیر سے متعلق ہے اس رسالہ کا نام التعظیم والمنة فی لتؤمنن بہ و لتنصرنہ ہے جو فتاویٰ سبکی میں صفحہ ۳۸: ج ۱ سے شروع ہے۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ رسول مصدق سے مراد اس آیت میں ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور کوئی نبی ایسا نہیں جس سے اللہ نے یہ عہد نہ لیا ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کروں گا اگر وہ تمہارے زمانہ میں آئیں تو تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اور اپنی امت کو اس کی وصیت کرنا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اور اخذ میثاق میں نبی اکرم ﷺ کی جس عظمت شان کا بیان ہے وہ پوشیدہ نہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر انبیاء کرام کے زمانہ میں آپ کی بعثت ہوتی تو آپ ان کے لیے بھی مرسل ہوتے اور اس طرح سے آپ کی نبوت اور رسالت تمام مخلوق کو عام ہو گئی۔ آدم علیہ السلام سے لے کر اخیر زمانے تک۔ اور اس طرح سے حضرات انبیاء کرام ﷺ اور ان کی امتیں سب آپ کی امت میں داخل ہیں۔ اور آپ کا ارشاد ہے بُعثت الی الناس كافةً صرف انہیں لوگوں سے متعلق نہیں ہے جو آپ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک ہوں گے بلکہ ان لوگوں سے بھی متعلق ہے جو آپ سے پہلے تھے۔ اور اس سے آپ کے ارشاد کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد کا معنی بھی واضح ہو جاتا ہے۔

أَفْعَبِرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ
يُرْجَعُونَ ﴿۱۲﴾ قُلْ أَمَّا بِاللهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ
وَيَعْقُوبَ وَالْإِسْبٰطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَالنَّبِيُّونَ مِنْ سَابِقِهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ
مِّنْهُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي
الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿۱۴﴾

کیا اللہ کے دین کے علاوہ کوئی دین تلاش کرتے ہیں، حالانکہ وہ سب اس کے فرمانبردار ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور اسی کی طرف سب واپس ہوں گے، آپ فرمادیں گے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ نازل کیا گیا ہم پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ابراہیم پر اور اسمعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور ان کی اولاد پر اور اس پر جو عطا کیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے، ہم ان میں سے کسی کے درمیان بھی تفریق نہیں کرتے۔ اور ہم اس کے لیے فرمانبردار ہیں۔ اور جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کو طلب کرے گا تو ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

دین اسلام ہی اللہ کے نزدیک معتبر ہے

جو دین اللہ نے اپنی مخلوق کے لیے پسند فرمایا ہے وہ دین اسلام ہے جیسا کہ سورہ آل عمران کے دوسرے رکوع میں فرمایا ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (بے شک دین جو معتبر ہے اللہ کے نزدیک وہ اسلام ہی ہے) اور سورہ مائدہ میں فرمایا ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (آج میں نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنا انعام مکمل کر دیا اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا) اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا نام اسلام رکھا ہے جس کا معنی فرمانبردار ہونے کا ہے۔ ساری مخلوق اللہ کی فرمانبردار ہے اور ہمیشہ سے تمام انبیاء کرام ﷺ کا دین اسلام ہی تھا یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی دعوت دی جس کا طریقہ اللہ کی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ معلوم ہوتا رہا ہے۔ حضرت ابراہیم اور اسمعیل علیہ السلام جب کعبہ شریف بنا رہے تھے تو اس وقت انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ ہم کو تو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری ذریت میں سے ایک امت مسلمہ پیدا فرما۔ ان کی دعا اللہ نے قبول فرمائی اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور امت مسلمہ پیدا فرمایا جو امت محمدیہ ہے۔

دین اسلام میں سراپا خالق اور مالک کی فرمانبرداری ہے۔ بندہ کا کام ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے ظاہر و باطن سے جسم و جان سے جھک جائے اور ہر حکم کو مانے سارے فرشتوں کا دین اور ان کے علاوہ ساری مخلوق اور جو کچھ بھی آسمان اور زمین میں ہے سب کا دین اسلام ہے۔ مخلوق میں انسان اور جنات بھی ہیں اللہ پاک کی طرف سے ان کے لیے بھی دین اسلام ہی کو پسند فرمایا ہے۔ لیکن چونکہ ان دونوں قوموں کا ابتلاء بھی مقصود ہے اس لیے ان کو مجبور نہیں کیا گیا کہ اسلام ہی کو اختیار کریں اسی وجہ سے ان میں بہت سے کافر اور بہت سے مومن ہیں ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ البتہ تکوینی طور پر یہ دونوں بھی وہی کرتے ہیں جو اللہ کی قضا و قدر کا فیصلہ ہوتا ہے مجبوراً قضا و قدر کے فیصلے کے مطابق ہی جیتے اور مرتے ہیں۔ ان دونوں قوموں کو بتا دیا ہے کہ ایمان کی جزاء یہ ہے اور کفر کی سزا یہ ہے۔ اب اپنے اختیار سے دوزخ یا جہنم کی تیاری کرتے ہیں۔

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا﴾

تمام انبیاء کرام ﷺ مسلم تھے۔ اللہ کے فرمانبردار تھے اپنی امتوں کو بھی انہوں نے اسی کی دعوت دی اسی لیے فرمایا کہ اے محمد ﷺ آپ اعلان فرمادیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس کتاب پر بھی جو ہم پر نازل کی گئی اور ان چیزوں پر جو ابراہیم، اسمعیل، اسحاق یعقوب اور یعقوب کی اولاد پر نازل کی گئیں اور اس پر جو موسیٰ اور عیسیٰ اور تمام نبیوں ﷺ کو ان کے رب کی طرف سے عطا کیا گیا ان سب پر بھی ایمان لائے۔ ان حضرات میں سے ہم کسی کے درمیان بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

کیونکہ تمام انبیاء کرام ﷺ کا دین ایک ہی ہے اس لیے ہم سبھی پر ایمان لاتے ہیں جو احکام ان پر نازل ہوئے ہم ان پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ وہ بھی اللہ کی طرف سے ہیں۔ یہ سب حضرات اللہ کے فرمانبردار ہیں (لفظ النبیون) تمام انبیاء کرام ﷺ کو شامل ہے پھر بھی بعض انبیاء ﷺ کا خصوصی تذکرہ فرمادیا کیونکہ یہود و نصاریٰ ان حضرات کو جانتے اور مانتے تھے۔

طوعاً و کرہاً کی تفسیر:

طوعاً و کرہاً کی تفسیر بتاتے ہوئے مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں صفحہ ۳۷۹ ج ۱۔

اما من فی السموات فالملائکة و اما من فی الارض فمن ولد علی الاسلام و اما کرہاً فمن اتی بہ من سبایا الامم فی السلاسل والا غلال یقادون الی الجنة و ہم کارہون۔ ”یعنی آسمانوں میں فرشتے اور زمین میں وہ لوگ ہیں جو اسلام پر پیدا ہوئے یہ بخوشی اسلام پر چلتے ہیں اور ناخوشی سے چلنے والے وہ لوگ ہیں جن کو زنجیروں میں اور بیڑیوں میں قید کر کے لایا گیا۔ (اس وقت وہ کافر تھے) بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا یہ قید کر کے لانا ان کے جنت میں جانے کا سبب بن گیا جس وقت کیے گئے تھے ان کو ناگوار تھا)

صاحب روح المعانی نے کرہا کا ایک معنی بتاتے ہوئے لکھا ہے ما کان حاصلًا بالسيف و معاينة ما يلجني الى الاسلام یعنی اہل اسلام کی تلواروں کی وجہ سے اور ان چیزوں کی وجہ سے اسلام قبول کرنے پر مجبور ہوئے جنہوں نے اضطرابی طور پر اسلام کے لیے آمادہ کر دیا۔ پھر اس کے علاوہ ایک اور قول بھی لکھا ہے وہ ان کو خود ہی پسند نہیں آیا۔ پھر صوفیہ سے ایک قول نقل کیا کہ طوعاً کا معنی یہ ہے کسی ظلمت نفسانیہ کے بغیر اللہ کے احکام کو مان لیا اور انانیت کا کوئی پردہ حائل نہیں ہوا۔ اور کرہا کا معنی یہ ہے کہ وساوس پیش آگئے اور پردے حائل ہو گئے۔ پھر لکھتے ہیں کہ طوعاً کا مصداق حضرات ملائکہ اور بعض ان حضرات کا اسلام سے جو اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں زمین میں رہتے ہیں اور دوسرا اسلام ان لوگوں کا ہے جن کو شکوک پیش آتے رہتے ہیں، پھر لکھتے ہیں کہ کفار قسم ثانی سے ہیں کیونکہ انہوں نے خالق کو تو مانا لیکن ظلمات نفسانیہ کی وجہ سے خالق جل مجدہ کے ساتھ انہوں نے شرک شروع کر دیا۔ ان کا ایمان شرک میں ملا ہوا ہے جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کیا تو کہتے ہیں اللہ نے پیدا کیا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ طوعاً و کرہاً کی تفسیر مجاہد (تابعی) کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔ اس تفسیر سے اطمینان نہیں ہوتا کیونکہ دنیا میں وہ لوگ بھی ہیں جو بالکل ہی خدا تعالیٰ کو نہیں مانتے وہ خالق اور صانع کے منکر ہیں۔ اور من کا عموم سامنے رکھا جائے تو ابن کثیر کی بات بھی عام اور تام نہیں ہوتی۔ اس لیے احقر نے وہ تفسیر کی ہے جو اوپر مذکور ہے جس میں کرہا کا معنی اللہ کی قضا اور قدر کے تابع ہونا اور تکوینی طور پر اس کے فیصلوں کے مطابق چلنا اختیار کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تکوینی طور پر سب اسی کی قضا اور قدر کے مطابق مرتے اور جیتے ہو تو جو دین تشریحی طور پر اس نے تمہارے لیے بھیجا ہے اسے بھی اختیار کرو واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

دین اسلام کے سوا کوئی دین عند اللہ مقبول نہیں:

آخر میں فرمایا: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ﴾ (یعنی جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کرے گا تو ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا) دین اسلام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ بھیجا اور اسی کو آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے جس کا سورہ مائدہ میں اعلان فرمایا: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ یہ دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول و معتبر ہے اس کے علاوہ جو بھی دین کوئی شخص اختیار کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہ ہوگا خواہ کتنی ہی عبادت کرے۔ اس کی مزید تشریح اور توضیح کے لیے سورہ بقرہ کی آیت إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا (آخر تک) کی تفسیر مطالعہ کی جائے۔ نیز آیت شریفہ ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ کا مطالعہ کیا جائے جو سورہ آل عمران کے رکوع نمبر ۲ میں ہے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٨٦﴾ أُولَئِكَ جزأ وَّهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَكِةِ وَالنَّاسِ
أَجْعِلِينَ ﴿٨٧﴾ خَلِيدِينَ فِيهَا لَا يَخَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ
بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْحَابًا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٨٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ارْتَدَوْا
كُفْرًا لَنْ نُقْبَلَ تَوْبَتَهُمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الصَّالُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَأَمَاتُوا هُمْ كُفْرًا فَلَنْ
يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مَلَأَ إِلَّا رِضْ ذَهَبًا وَلَوْ افْتَدَى بِهِ ﴿٩١﴾ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَالَهُمْ مِنْ

تَصْرِیْحٌ

اللہ کیونکر ہدایت دے اس قوم کو جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا۔ حالانکہ وہ گواہی دے چکے تھے کہ بلاشبہ رسول حق ہے اور ان کے پاس واضح دلائل بھی آگئے اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا پھر کفر میں بڑھتے رہے ہرگز ان کی توبہ قبول نہ ہوگی اور یہ لوگ بکے گمراہ ہیں۔ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے تو ان میں سے کسی سے زمین بھر کر بھی سونا قبول نہ کیا جائے گا اگر چہ وہ اپنی جان کے بدلہ میں دینا چاہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا

مرتدوں اور کافروں کی سزا

تفسیر درمنثور صفحہ ۱۹: ج ۲ میں نقل کیا ہے کہ حارث بن سوید نے اسلام قبول کیا پھر کافر ہو کر اپنی قوم کی طرف چلا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا..... غُفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ تک نازل فرمائی۔ اس کی قوم میں سے ایک شخص اس کے پاس گیا اور اسے پوری آیت سنائی۔ آیت سن کر حارث بن سوید نے کہا میں جہاں تک جانتا ہوں تو سچا ہے اور رسول اللہ ﷺ تجھ سے بڑھ کر سچے ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم دونوں سے بڑھ کر سچا ہے۔ اس کے بعد اس نے (دوبارہ) اسلام قبول کر لیا اور اچھی طرح اسلام کے کاموں میں لگا رہا۔ چونکہ آیت میں ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا﴾ بھی ہے اس لیے حارث بن سوید نے اس استثناء پر نظر کی اور اسلام قبول کر لیا اور سچی توبہ کر لی۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اسلام قبول کر کے اسلام سے پھر جائے پھر سچی توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو جائے تو اس کی توبہ قبول ہے اور اس کا اسلام بھی قبول ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أَزْدَادُوا كُفْرًا﴾ (الآیۃ) اس کے بارے میں درمنثور میں حضرت حسن سے نقل کیا ہے کہ اس سے یہود اور نصاریٰ مراد ہیں جو موت کے وقت توبہ کرنے لگیں۔ موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہے۔ جیسا کہ آیت ﴿حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْإِسْلَامَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارًا﴾ (سورہ نساء ع ۳) کے ذیل میں بیان ہوگا۔ حضرت ابو العالیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا اور پھر کفر میں آگے بڑھتے چلے گئے پھر اس کے بعد کفر پر باقی رہتے ہوئے گناہوں سے توبہ کرنے لگے۔ لہذا ان کی توبہ قبول نہ ہوگی کیونکہ کفر پر ہوتے ہوئے گناہوں کی توبہ مقبول نہیں اور حضرت مجاہد نے ﴿ثُمَّ أَزْدَادُوا كُفْرًا﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ کفر پر مر گئے۔

آخر میں فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا﴾ (الآیۃ) جن لوگوں نے کفر اختیار کیا پھر حالت کفر ہی میں مر گئے تو قیامت کے دن ان سے ان کی جان کا بدلہ قبول نہ کیا جائے گا تا کہ مال دے کر چھوٹ جائیں۔ وہاں کسی کے پاس کچھ بھی نہ ہوگا، لیکن اگر بالفرض ہو بھی اور وہ دینا چاہے اور اتنا سونا دے جس سے زمین بھر جائے تو بھی قبول نہ ہوگا۔ دائمی عذاب ہی بھگتنا ہوگا اور وہاں کوئی مددگار نہ ہوگا۔ سورہ مائدہ میں فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ يُرِيدُونَ أَن يُخْرَجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخارجِينَ مِنْهَا وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ﴾ (بلاشبہ جو لوگ کافر ہیں ان کے پاس تمام دنیا بھر کی چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تا کہ وہ ان کو دے کر قیامت کے دن کے عذاب سے چھوٹ جائیں تو وہ چیزیں ان سے قبول نہ کی جائیں گی اور ان کو دردناک عذاب ہوگا وہ چاہیں گے کہ دوزخ کے عذاب سے نکل آئیں حالانکہ وہ اس سے کبھی نہ نکلیں گے اور ان کو دائمی عذاب ہوگا۔)

﴿إِنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾ کی تشریح کے لیے سورہ بقرہ رکوع نمبر ۱۹ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

لَنْ تَسْأَلُوا اللَّهَ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۹۲﴾

ہرگز نہ پاؤ گے تم بھلائی کو یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز میں سے جس سے تم محبت کرتے ہو، اور جب وہی چیز خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو جانتے والا ہے۔

فی سبیل اللہ محبوب مال خرچ کیا جائے

اس آیت میں اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ خیر (کامل) تمہیں نہیں مل سکتی جب تک کہ اپنی محبوب چیز اللہ کی رضا کے لیے خرچ نہ کرو، حضرات صحابہ کرام ایک ایک حکم پر عاشق تھے، جب آیت بالا نازل ہوئی تو انہوں نے اپنی محبوبات پر نظر ڈالی کہ ہماری محبوب چیزیں کیا کیا ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصار مدینہ میں باغوں کی ملکیت کے اعتبار سے سب سے زیادہ مالدار حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ تھے، مسجد نبوی کے مقابل ان کا باغ تھا جس میں ایک کنواں پیرحاء کے نام سے موسوم تھا۔ رسول کریم ﷺ کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے اور پیرحاء کا پانی پیتے تھے، حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ باغ ان کو اپنی جائیداد میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے تمام اموال میں پیرحاء مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں اور اس کے ثواب کی امید رکھتا ہوں اور اللہ کے یہاں اس کو ذخیرہ بنانا چاہتا ہوں۔ آپ جس کام میں پسند فرمائیں اس کو اپنی صوابدید سے جیسے اللہ آپ کے دل میں ڈالے خرچ فرمادیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ عظیم منافع کا باغ ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے اقرباء میں تقسیم کر دو، حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے اس مشورہ کو قبول فرمایا اور اپنے اقرباء اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم فرمادیا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۹۷: ج ۱)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعض واقعات:

تفسیر درمنثور میں اس طرح کے اور بھی واقعات لکھے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے مال میں ایک رومی لونڈی جس کا نام سرجانہ تھا سب سے زیادہ محبوب تھی۔ آیت شریفہ سن کر انہوں نے اسے آزاد کر دیا۔ اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ جلواء کے قیدیوں میں سے ایک باندی میرے لیے خرید لو جب وہ باندی آگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت بالا پڑھی اور اسے آزاد فرمایا۔ حضرت محمد بن المنکدر نے بیان فرمایا کہ جب آیت بالا نازل ہوئی تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنا گھوڑا صدقہ میں دے دیا۔ کیونکہ وہ ان کو سب سے زیادہ محبوب تھا۔ (صفحہ ۲۰: ج)

ہر شخص کی محبوبات الگ الگ ہیں اور جس شخص کے پاس پیسہ کم ہو وہ اس میں سے اللہ کے لیے خرچ کر دے تو وہ بھی اس آیت کے مفہوم میں شامل ہے۔ کیونکہ کم مال ہونے کی وجہ سے پیسہ زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ہو یا صدقات واجبہ یا نافلہ الٰہی میں سب سے اچھا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے اور اپنی محبوب چیزیں مستحقین میں خرچ کی جائیں۔ اگر کوئی شخص ایسی چیز کو اللہ کی راہ میں دیدے جو اس کی ملکیت تو ہے لیکن ضرورت سے زائد ہے جیسے پرانے اتارے ہوئے کپڑے تو اس کا بھی اجر ہے۔ البتہ جس چیز سے محبت اس کے خرچ کرنے میں زیادہ ثواب ہے اسی لیے بعض مفسرین نے البدر کی تفسیر الخیر الکامل سے کی ہے۔ یعنی کامل ثواب اسی میں۔ جبکہ محبوب چیز خرچ کی جائے۔ آیت کا مطلب یہ نہیں کہ جو چیز محبوب نہیں اسے خرچ نہ کرو مطلب یہ ہے کہ محبوب چیز خرچ کرنے کی طرف رغبت کرو۔ آیت کے آخر میں جو فرمایا ﴿وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ اس کے عموم سے اس طرف اشارہ ملتا ہے۔ حضرت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے نیا کپڑا پہنا پھر یوں کہا اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَانِي مَا اُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي اَتَجَمَّلُ بِهِ فِي حَيَاتِي (سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے کپڑا پہنایا جس کے ذریعہ اپنی شرم کی جگہ کو چھپاتا ہوں اور اپنی زندگی میں اس کے ذریعہ جمال حاصل کرتا ہوں) پھر اس کے بعد اس کپڑے کو صدقہ کر دیا جسے پرانا کیا تھا تو اللہ کی حفاظت میں اور اللہ کی طرف سے

پوشی میں ہوگا۔ زندگی اور موت کے بعد۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۳۷۷)

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ
التَّوْرَةُ قُلْ فَأَتُوا بِالتَّوْرَةِ فَاتْلُوهَا إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۳﴾ فَمِنْ أَقْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ
بَعْدِ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ
المُشْرِكِينَ ﴿۹۵﴾

سب کھانے حلال تھے بنی اسرائیل کے لیے سوائے اس کے جو اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لیے تھے۔ اس سے پہلے کہ تورات نازل ہو۔ آپ فرمادیجیے کہ تم تورات لے آؤ پھر اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو۔ پھر اس کے بعد جس شخص نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا سو وہی لوگ ہیں بڑے بے انصاف۔ فرمادیجیے کہ اللہ نے سچ فرمایا لہذا تم ملت ابراہیم کا اتباع کرو جو باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کرنے والے تھے اور مشرکین میں نہ تھے۔

ملت ابراہیمہ میں کیا چیزیں حلال تھیں

معالم التنزیل صفحہ ۳۲۶: ج ۲ میں ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ ملت ابراہیم پر ہیں اور ابراہیم اونٹوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے اور اونٹنیوں کا دودھ نہیں پیتے تھے معلوم ہوا کہ آپ ان کی ملت پر نہیں ہیں، اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ چیزیں ابراہیم علیہ السلام کے لیے حلال تھیں وہ کہنے لگے ہر وہ چیز جو ہمارے نزدیک حرام ہے وہ نوح پر اور ابراہیم علیہ السلام پر حرام تھیں اور اس کی حرمت اسی طرح ہم تک پہنچی ہے اللہ جل شانہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے آیت بالا نازل فرمائی اور فرمایا کہ سب کھانے بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے سوائے اس کے جو اسرائیل (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام) نے تورات نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر حرام کر لیے تھے۔

قال مجاهد: حرم لحوم الانعام، وروی عكرمة عن ابن عباس انه حرم زائد تي الكبد و الكليتين و الشحم الا ما كان على الظهر و عن عطاء انه حرم لحوم الابل و البانها و سبب تحريم ذلك كما في الحديث الذي أخرجه الحاكم و غيره بسند صحيح عن ابن عباس انه عليه الصلوة والسلام كان به عرق النساء فنذر ان شفى لم ياكل كل احب الطعام اليه و كان ذلك احب اليه و في رواية سعيد بن جبير عنه انه كان به ذلك الداء فاكل من لحوم الابل فبات بليلة يزقو فحلف ان لا ياكله ابداً۔ (روح المعاني صفحہ ۲: ج ۴)

آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ ان حلال کھانوں میں اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ بھی تھا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حرام نہیں کیے گئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام پر بھی حرام نہیں تھے اور ان کی اولاد پر بھی حرام نہیں تھے۔ البتہ یعقوب علیہ السلام نے کچھ کھانے اپنے اوپر حرام کر لیے تھے یعنی اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ (ان کی حرمت روایتی طور پر ان کی اولاد میں چلتی رہی) اور یہ تورات شریف نازل ہونے سے پہلے تھا۔ تورات شریف میں اونٹ کے گوشت اور اونٹنی کے دودھ کی حرمت نہیں ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے بھی بالکل ابتدائی عمر میں ان کو اپنے اوپر حرام نہیں کیا تھا بلکہ کچھ اسباب ایسے عارض ہوئے کہ انہوں نے ان دو چیزوں کو حرام کر لیا تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بعض چیزیں اپنے اوپر کیوں حرام کی تھیں اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان کو عرق النساء کی تکلیف ہو گئی تھی۔ انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر شفا ہو گئی تو سب سے زیادہ جو محبوب کھانا ہے وہ نہیں کھاؤں گا ان کو اونٹ کا گوشت اور

اونٹنی کا دودھ سب سے زیادہ محبوب تھا لہذا شفا ہو جانے پر انہوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ (روح المعانی صفحہ ۲: ج ۴)

اونٹ کے گوشت اور اونٹنیوں کے دودھ کو یہودی اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ان کی حرمت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلی آرہی ہے اسی بات کے پیش نظر انہوں نے آنحضرت ﷺ پر اعتراض کر دیا کہ آپ ملت ابراہیمی پر ہوتے تو آپ بھی ان کو نہ کھاتے پیتے۔ آیت میں یہودیوں کے دعویٰ کی تردید فرمائی۔

یہود سے تورات لا کر پڑھنے کا مطالبہ اور ان کا فرار

اور مزید فرمایا ﴿قُلْ فَاتُوا بِالَّتُورِيَةِ فَاتْلُوهَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (آپ فرمادیجیے کہ تم تورات لے آؤ اور اس کو پڑھو اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو کہ تورات میں یہ چیزیں حرام ہیں) ابراہیم علیہ السلام پر تو یہ چیزیں کیا حرام ہوتیں خود تورات میں ان کی حرمت نہیں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینکڑوں سال کے بعد حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی جسے تم پڑھتے پڑھاتے ہو۔ صاحب روح المعانی (صفحہ ۳: ج ۴) لکھتے ہیں کہ وہ لوگ تورات لا کر سنانے کی ہمت نہ کر سکے اور مبہوت رہ گئے۔ نیز صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی نبوت کی بھی دلیل ہے کیونکہ آپ نے ان کو چیلنج کر دیا کہ تورات شریف لے آؤ حالانکہ آپ نے نہ تورات پڑھی تھی اور نہ کوئی دوسری آسمانی کتاب پڑھی تھی۔ ظاہر ہے کہ آپ نے یہود کو جو چیلنج دیا وہ سب کچھ وحی کے ذریعہ تھا۔ پھر فرمایا ﴿فَمِنْ اَفْتَرٰى عَلٰى اللّٰهِ الْكُذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (کہ اس کے بعد جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھے سو یہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں) ظہور حق کے بعد نہ حق قبول کرتے ہیں اور نہ اپنے اتباع کو قبول کرنے دیتے ہیں یہ اپنی جانوں پر بھی ظلم ہے اور اپنے ماننے والوں پر بھی۔

ملت ابراہیمیہ کے اتباع کا حکم:

آخر میں فرمایا ﴿قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيفًا وَّ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (آپ فرمادیجیے کہ اللہ نے سچ فرمایا کہ کھانے کی سب چیزیں بنی اسرائیل پر حلال تھیں) (سوائے اس کے جن کو اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا) یہ جو کچھ اسرائیل نے حرام کر لیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں حرام نہ تھا۔ لہذا تم ملت ابراہیمیہ کا اتباع کرو جو دین اسلام ہے جسے لے کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے جو تمام باطل دینوں سے ہٹ کر اور سچ کر دین حق پر رہے جو دین توحید تھا۔ اور تمام عبادات میں اور تحلیل و تحریم کے بارے میں احکام الہی پر عمل کرتے رہے۔ اور مشرکین میں سے بھی نہ تھے (اے یہودیو! تم ان سے اپنا تعلق جوڑتے ہو حالانکہ تم نے شرک اختیار کر لیا)

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًىٰ لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مِّمَّا مَقَّامُ

اِبْرٰهِيْمَ ؕ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَبِاللّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۗ وَمَنْ

كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾

بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ جو برکت والا ہے اور لوگوں کے لیے ہدایت ہے اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں داخل ہوگا امن والا ہوگا اور اللہ کے لیے لوگوں کے ذمہ ہے اس گھر کا حج کرنا جسے طاقت ہو اس گھر تک راہ طے کر کے جانے کی اور جو شخص منکر ہو سو اللہ بے نیاز ہے سارے جہانوں سے۔

کعبہ شریف کی تعمیر اور حج کی فرضیت

روح المعانی میں حضرت ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ بیت المقدس کعبہ سے اعظم ہے کیونکہ وہ اس جگہ ہے جہاں حضرات انبیاء علیہم السلام ہجرت کرتے رہے اور وہ ارض مقدسہ میں ہے اور مسلمانوں نے کہا کہ کعبہ شریف اعظم ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی، اور حضرت مجاہد نے فرمایا کہ جب گذشتہ آیت میں کافروں کو حکم دیا کہ ملت ابراہیمیہ کا اتباع کریں تو بیت اللہ یعنی کعبہ شریف کی تعظیم کا بھی حکم دیا اور اس کی فضیلت اور حرمت بیان فرمائی کیونکہ کعبہ کا حج کرنا اور اس کی فضیلت و حرمت کا اقرار کرنا یہ بھی ملت ابراہیمیہ میں شامل ہے۔

کعبہ شریف کا کثیر البرکت ہونا:

آیت بالا میں فرمایا کہ سب سے پہلا گھر جو عبادت کے لیے زمین میں بنایا گیا وہ وہ گھر ہے جو مکہ معظمہ میں واقع ہے اور وہ کعبہ معظمہ ہے۔ وہ بابرکت ہے یعنی کثیر الخیر ہے۔ اس میں عبادت کا ثواب بہت زیادہ ہے جو شخص حج یا عمرہ کرے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ ان برکات کے علاوہ اس کی ظاہری برکات بھی بہت ہیں۔ سورہ قصص میں اس کی ظاہری برکات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ﴿يُجِيبُ إِلَيْهِ تَمَزَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا﴾ (لائے جاتے ہیں اس کی طرف ہر چیز کے پھل جو بطور رزق ہمارے پاس سے دیئے جاتے ہیں) یہ ظاہری برکات بھی کعبہ شریف میں دیکھی جاتی ہیں۔ دنیا بھر کے ثمرات اور مصنوعات ہر وقت مکہ معظمہ میں مل جاتی ہیں۔ پھر قربانیاں بھی وہاں اس کثرت سے ہوتی ہیں جو کسی شہر میں نہیں ہوتیں۔ نیز کعبہ شریف کو ﴿هُدًى لِّلْعَالَمِينَ﴾ بھی فرمایا یعنی وہ جنت کی طرف ہدایت کا ذریعہ ہے (روح المعانی صفحہ ۵: ج ۴) اور سارے عالم کے مسلمان جو اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اس میں بھی ﴿هُدًى لِّلْعَالَمِينَ﴾ کا خوب مظاہرہ ہے۔ لفظ اول بیت سے اس طرف اشارہ ہے کہ بنائے ابراہیمی سب سے پہلے بنا نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی کعبہ شریف بنایا گیا تھا۔

زمین میں پہلا گھر:

معالم التنزیل صفحہ ۳۲۸: ج ۱ میں اول بیت کے معنی بتاتے ہوئے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ کعبہ شریف سب سے پہلا گھر ہے جو پانی پر ظاہر ہوا آسمان وزمین کے پیدا فرمانے سے دو ہزار سال پہلے وجود میں آیا اس وقت یہ پانی پر سفید بلبلہ تھا۔ پھر زمین اسی کے نیچے سے پھیلا دی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر، مجاہد اور قتادہ کا یہی قول ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ سب سے پہلا گھر ہے جو زمین میں بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک گھر مقرر فرمایا جو بیت معمور ہے اور فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں پھر ان فرشتوں کو حکم دیا جو زمین میں رہتے ہیں کہ زمین میں ایک گھر بنائیں جو البیت المعمور کی محاذات میں ہو اور اس جیسا ہو اور زمین والوں کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں جیسے آسمان کے رہنے والے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں۔ یہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما (حضرت زین العابدین) کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے اس کو بنایا تھا وہ اس کا حج کیا کرتے تھے، جب آدم علیہ السلام نے اس کا حج کیا تو فرشتوں نے کہا کہ اے آدم! اللہ تمہارا حج قبول فرمائے ہم نے اس گھر کا حج تم سے دو ہزار سال پہلے کیا ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ حاصل سب کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہی اس کے پہلے بانی نہیں ہیں اس سے پہلے بھی اس کی بناء تھی اسی لیے سورہ ابراہیم میں حضرت ابراہیم کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔ ﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾ اس وقت وہاں گھر موجود نہیں تھا پھر بھی انہوں نے ﴿عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾ کہا اور سورہ حج میں ہے ﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ﴾ (اور جب ہم نے ابراہیم کو بیت کی جگہ بتادی) حضرات مفسرین نے فرمایا کہ بَوَّأْنَا کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ شریف کی جگہ متعین طریقے پر بتادی کیونکہ کعبہ شریف کی عمارت اس وقت موجود نہ تھی۔

تاریخ بناء کعبہ:

صاحب روح المعانی (صفحہ ۱۴۲: ج ۱) لکھتے ہیں کہ کعبہ شریف پانچ مرتبہ بنایا گیا پہلی مرتبہ فرشتوں نے بنایا یہ بناء آدم علیہ السلام سے پہلے تھی اور یہ سرخ یا قوت سے بنایا گیا تھا۔ حضرت نوح کے طوفان میں اس کو اٹھالیا گیا۔ دوسری بناء ابراہیم ہی ہے جب اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ بیت اللہ بنائیں تو انہیں اس کی جگہ معلوم کرنے کی ضرورت تھی۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیج دی جو خوب تیز چلی اور اس نے پرانی بنیاد ظاہر کر دیا۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر شروع کر دی۔ تیسری تعمیر قریش کی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے اس وقت حجر اسود کے رکھنے میں جھگڑا ہوا اور ہر قبیلے نے یہ چاہا کہ ہم حجر اسود کو رکھیں پھر یہ طے کیا کہ کل کو جو شخص سب سے پہلے فلاں گلی سے نکلے اور مسجد حرام میں داخل ہو وہ جو فیصلہ کرے وہی منظور ہوگا۔ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ سب لوگ آپ کو امین کہتے تھے آپ کے فیصلہ پر سب راضی ہو گئے اور آپ نے فیصلہ فرمایا کہ حجر اسود کو ایک چادر میں رکھ دیں پھر تمام قبیلے اس چادر کو اٹھائیں۔ چنانچہ ان سب نے اس چادر کو اٹھایا اور حجر اسود کو اس جگہ تک لے گئے پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اس جگہ رکھ دیا۔ یہ واقعہ بعثت سے پندرہ سال پہلے کا ہے چوتھی تعمیر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ہے اور پانچویں تعمیر حجاج کی ہے۔ اور وہی آج تک موجود ہے۔ اس میں کچھ مرمت کے طور پر تغیر اور تبدیلی ہوتی رہی ہے لیکن اصل تعمیر حجاج ہی کی ہے (انتہی)

بعض حضرات نے حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر اور حضرت شیث علیہ السلام (جوان کے بیٹے تھے) اور عمالقہ اور بنی جرہم کی تعمیر بھی بتائی ہے (روح المعانی صفحہ ۵: ج ۴) بہر حال سب سے پہلی تعمیر فرشتوں نے کی ہو یا حضرت آدم علیہ السلام نے اول بیت و وضع للناس اس پر صادق آتا ہے۔ اور بنائے ابراہیم بھی بیت المقدس کی تعمیر سے پہلے ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

بکہ اور مکہ:

آیت بالا میں کعبہ شریف کو مکہ میں بتایا۔ عام طور سے اس شہر کو مکہ کہا جاتا ہے جس میں کعبہ شریف ہے اور سورہ فتح میں مکہ میم سے وارد ہوا ہے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ با اور میم قریب الخرج ہیں اور اہل عرب ایک کو دوسری جگہ استعمال کر لیتے ہیں جیسے لازم کو لازب کہتے ہیں۔ لہذا مکہ میں با کو میم سے بدل دیا۔ اور بعض حضرات نے دونوں میں فرق بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ مکہ بیت اللہ کی جگہ ہے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان مکہ ہے اور باقی مکہ ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ پورا حرم مکہ ہے۔ (الجامع اللطیف فی فضل مکة و بناء بیت الشریف: ص ۱۳۶)

آیات بینات اور مقام ابراہیم:

پھر فرمایا ﴿فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ﴾ (اس میں آیات بینات ہیں اور مقام ابراہیم ہے) جن آیات کا تذکرہ فرمایا ہے ان میں سے بعض آیات تکوینی ہیں اور بعض آیات تشریحی ہیں۔ کعبہ شریف کا مبارک ہونا اور ﴿هُدًى لِّلْعَالَمِينَ﴾ ہونا اور جو شخص وہاں داخل ہو جائے اس کا مامون ہونا اور بشرط استطاعت حج کا فرض ہونا یہ تشریحی نشانیاں ہیں اور مقام ابراہیم کا وہاں موجود ہونا (یہ وہ پتھر ہے جو زینہ کا کام کرتا تھا۔ اس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے تھے) یہ تکوینی نشانی ہے جو اب تک موجود ہے۔ سب کی نظروں کے سامنے ہے۔ نیز کعبہ شریف کی تکوینی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس کسی نے بھی کعبہ شریف پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا وہ خود تہس نہس ہو گیا۔ اصحاب فیل کا واقعہ تو مشہور ہی ہے کہ ابرہہ یمن کا حاکم ہاتھی لے کر حملہ کرنے کے لیے آیا تھا اللہ تعالیٰ نے پرندے بھیج دیئے جنہوں نے ان پر کنکریاں پھینکیں اور ہاتھی اور ہاتھی والے سب چورہ ہو کر رہ گئے جس کا ذکر سورہ فیل میں ہے۔

اس ساری تفصیل سے کعبہ شریف کی اولیت اور افضلیت دونوں چیزیں معلوم ہوئیں کیونکہ بیت المقدس میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے نہ بابرکت ہونے میں کعبہ شریف سے زیادہ ہے نہ وہاں نماز پڑھنے کا ثواب مسجد حرام سے بڑھ کر ہے۔ نہ اس کی طرف رخ کر کے

نماز پڑھی جاتی ہے نہ ہی وہاں کے داخل ہونے والے کو مامون بتایا نہ وہاں حج کے لیے جانے کا حکم ہے۔ نہ وہاں مقام ابراہیم ہے۔
حرم مکہ کا جائے امن ہونا:

پھر فرمایا ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾ (کہ جو شخص اس میں داخل ہوگا وہ امن سے ہوگا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کعبہ شریف بنایا اس وقت دعا کی تھی ﴿رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا﴾ (کہ اے اللہ اس شہر کو امن والا بنا دے) ان کی دعا مقبول ہوئی اور مکہ اور حرم مکہ امن والا بنا دیا گیا۔ اہل عرب آپس میں بہت لڑتے تھے اور ایک دوسرے کو مارتے اور لوٹتے تھے۔ لیکن حد و حرم میں کسی پر حملہ کرنے سے باز رہتے تھے۔ سورہ عنکبوت میں فرمایا ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَوَيْتَخَطَفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ﴾ (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا ہے اور حرم والوں کی چاروں طرف لوگ اچک لیے جاتے ہیں) صحیح بخاری صفحہ ۲۲۷: ج ۱۔ میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ نے اس شہر کو حرام قرار دے دیا جس دن آسمان وزمین کو پیدا فرمایا۔ اور وہ قیامت تک اللہ کی حرمت کی وجہ سے حرام ہے۔ اس میں مجھ سے پہلے کسی کے لیے جنگ حلال نہیں تھی اور میرے لیے بھی حلال نہیں ہوئی مگر دن کے تھوڑے سے حصہ میں پس وہ قیامت تک اللہ کی حرمت کی وجہ سے حرام ہے۔ نہ اس کے کانٹے کاٹے جائیں نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے اور نہ اس کی پڑی ہوئی چیز کو اٹھایا جائے الا یہ کہ کوئی شخص اعلان کرنے کے لیے اٹھائے (کہ کسی کی کوئی چیز گری ہو تو وصول کر لے) اور اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے۔ وہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اذخر کا استثناء ہونا چاہیے (جو ایک خاص قسم کی گھاس تھی) کیونکہ وہ اہل مکہ کے سناروں کے لیے اور ان کے گھروں (کی چھتوں) کے کام آتی ہے۔ آپ نے فرمایا الا اذخر یعنی اذخر کے کانٹے کی اجازت ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بے شک مکہ کو اللہ پاک نے حرام قرار دیا ہے لوگوں نے اسے حرام قرار نہیں دیا جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں ہے کہ اس میں خون بہائے اور اس کے درخت کاٹے۔ سواگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے قتال کے پیش نظر اپنے لیے رخصت نکالے تو اس سے کہہ دو کہ بلاشبہ اللہ نے اپنے رسول کے لیے اجازت دی تھی اور تم کو اجازت نہیں دی اور مجھے بھی صرف دن کے تھوڑے سے حصہ میں اجازت دی ہے اور اس کی حرمت اسی طرح آج واپس آگئی جیسے کل اس کی حرمت تھی۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۲: ج ۱)

معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو اس کے پر امن ہونے کی دعا کی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح اس کا پر امن ہونا پہلے سے چلا آ رہا ہے اب بھی اسی طرح باقی رہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حرم میں کسی کو قتل کر دے یا کسی کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے پھر حرم میں داخل ہو جائے تو اس سے حرم ہی میں قصاص لیا جائے گا۔ اور جو شخص کسی کو حرم سے باہر قتل کر دے پھر حرم میں داخل ہو جائے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا ہاں اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ حرم سے باہر نکل جائے نہ کوئی شخص اس کے ہاتھ کچھ فروخت کرے نہ اسے کھانے پینے کو دے تاکہ مجبور ہو کر حرم سے باہر نکل جائے اور وہاں قصاص لیا جائے۔ حضرت امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر صورت میں حرم میں قصاص لیا جائے گا۔ (کما ذکرہ البصاص فی احکام القرآن صفحہ ۲۱: ج ۲)

جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر حال میں حرم میں قصاص لینا ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بعض صورتوں میں قصاص لینا اور وہ کان آمنا کے خلاف نہیں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص بیت اللہ کی پناہ لے لے بیت اللہ سے پناہ دیدے گا۔ لیکن اگر وہ قتل کر کے آیا ہو تو اس کو نہ ٹھکانہ دیا جائے اور نہ کھلایا پلایا جائے جب باہر نکلے تو اس کی جنایت کا بدلہ لے لیا جائے (ابن کثیر صفحہ ۳۸۴: ج ۱) حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق ہے۔

حج کی فرضیت:

پھر فرمایا: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (اور اللہ کے لیے لوگوں کے ذمہ ہے اس گھر کا حج کرنا جسے طاقت ہو وہاں تک راہ طے کر کے پہنچے کی)

اس آیت میں حضرت حفص کی روایت اور حضرت حمزہ اور کسائی کی قرأت حِجِّ الْبَيْتِ حاکم کے زیر کے ساتھ ہے اور باقی حضرات نے حاکم کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغت فصیح ہیں۔ (ذکرہ البغوی معالم التنزیل) استطاعت کیا ہے؟

آیت بالا میں ان لوگوں پر حج کرنا فرض بتایا ہے جن کو مکہ معظمہ تک پہنچنے کی طاقت ہو آیت میں جو ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ وارد ہوا ہے اس کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ مَا السَّبِيْلُ (کہ سبیل سے کیا مراد ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا زادوراحلہ (کہ سفر خرچ اور سواری) ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا چیز حج کو فرض کرتی ہے آپ نے فرمایا زَادُ وَّرَاحِلَةٌ (کہ سفر خرچ اور سواری ہونے سے حج فرض ہو جاتا ہے) دونوں حدیثیں مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۲۲ میں مذکور ہیں۔

ترک حج پر وعیدیں:

درمنثور صفحہ ۵۶: ج ۲ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے ارادہ کر لیا ہے شہروں میں لوگوں کو بھیجوں وہ ان کو دیکھیں جو مالدار ہیں اور انہوں نے حج نہیں کیا میں ان لوگوں پر جزیہ مقرر کر دوں، یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا اگر لوگ حج کو چھوڑ دیں گے تو میں ان سے قتال کروں گا جیسا کہ نماز اور زکوٰۃ چھوڑنے پر قتال ہوگا۔ آیت مبارکہ سے اور حدیث سے معلوم ہوا کہ حج اس شخص پر فرض ہے جس کے پاس مکہ معظمہ تک آنے جانے کا اور سفر خرچ کا انتظام ہو، اتنا پیسہ بہت سے لوگوں کے پاس ہوتا ہے مگر حج نہیں کرتے ایسے لوگ وعید پر غور کریں۔

لوگوں نے حج کے بہت سے خرچے اپنے ذمہ لگا لیے ہیں سامان خرید کر لاتے ہیں عزیزوں کو قیمتی ہدایا دیتے ہیں ان سب کو انہوں نے حج کے خرچ میں شمار کر رکھا ہے بہت سے لوگ مرجاتے ہیں اور اس لیے حج نہیں کر پاتے کہ ان کے پاس رواجی خرچ نہیں ہوتا۔ یا خرچ ہوتا تو ہے لیکن لڑکیوں کی رواجی شادیاں اور دوسرے دنیاوی انتظامات کی وجہ سے حج کرنے میں تاخیر کرتے ہیں ان میں بعض لوگ ایسے وقت حج کرتے ہیں جبکہ بوڑھے کھوسٹ ہو جاتے ہیں۔ احکام حج ادا کرنے سے بوجہ ضعف اور کمزوری قاصر رہتے ہیں اور بعض لوگ گھربار کے انتظامات کے انتظار میں مرجاتے ہیں اور حج سے رہ جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جسے کسی مجبوری نے یا کسی ظالم بادشاہ نے یا روکنے والے مرض نے حج سے نہ روکا اور مر گیا اور حج نہ کیا تو اسے چاہیے کہ یہودی ہونے کی حالت میں مرجائے یا نصرانی ہونے کی حالت میں مرجائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۲۲ عن الدارمی)

بڑے بڑے سیٹھ حج نہیں کرتے اور یوں ہی مرجاتے ہیں لاکھوں روپے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیوں پر یا کاریوں کے لیے خرچ کرتے ہیں لیکن حج کے لیے رقم خرچ کرنے سے ان کا دل دکھتا ہے۔ اور بعض لوگ تو حج کا مذاق ہی اڑاتے ہیں اور حج کی فرضیت کے منکر ہیں یہ لوگ تو کافر ہی ہیں اور بعض لوگ حج کی فرضیت کے منکر تو نہیں لیکن استطاعت ہوتے ہوئے حج کو جاتے بھی نہیں۔ ایسے لوگوں کو کافر تو نہ کہا جائے گا لیکن کفران عملی میں ضرور مبتلا ہیں جو کوئی آدمی استطاعت ہوتے ہوئے حج نہ کرے اپنا ہی کچھ کھوئے گا۔ گنہگار ہوگا اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہ ہو گا۔ اسے کسی کی عبادت کی حاجت نہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (اور جو شخص منکر ہو تو اللہ

تعالیٰ تمام جہانوں سے غنی ہے) فرضیت کا منکر اور جو عملاً منکر ہو آیت کا عموم دونوں کو شامل ہے حج کے مسائل اور احکام بہت ہیں معتبر کتابوں میں دیکھ لیا جائے کچھ مسائل آیت ﴿وَاتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ کے تحت ہم بیان کر آئے ہیں۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنِ امْنٍ تَبْغُونَهَا عِوَجًا ۗ وَأَنتُمْ شُهَدَاءُ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرِينَ ﴿٢٠﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۗ وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَتَّىٰ تُقَاتِبُوا وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٢٢﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۗ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً قَالَفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۗ وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٢٣﴾

اے اہل کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی آیات کے ساتھ حالانکہ اللہ کو تمہارے سب کاموں کی اطلاع ہے، آپ فرما دیجیے کہ اے اہل کتاب تم کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے اس شخص کو جو ایمان لائے، تم اس میں کجی تلاش کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو، اور اللہ ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو، اے ایمان والو! اگر تم کہنا مانو گے ایک جماعت کا ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں واپس کافر بنا دیں گے اور تم کفر کیسے کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہیں اور تمہارے اندر اس کا رسول موجود ہے اور جو شخص اللہ کو مضبوط پکڑ لے سو اس کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت کی گئی، اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز مت مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں متفرق نہ ہو، اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تمہارے اوپر ہے جبکہ تم دشمن تھے سو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا فرمادی لہذا تم اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اللہ نے تم کو اس سے بچا دیا۔ اللہ ایسے ہی بیان فرماتا ہے تمہارے لیے اپنی آیات تاکہ تم ہدایت پر رہو

یہودیوں کی شرارت سے مسلمانوں میں انتشار، اور مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کا حکم تفسیر درمنثور صفحہ ۵۷: ج ۲ میں ان آیات کا سبب نزول یوں لکھا ہے کہ شاس بن قیس ایک بوڑھا یہودی تھا جو بہت بڑا کافر تھا، یہ مسلمانوں سے بہت زیادہ کینہ رکھتا تھا اور بہت سخت حاسد بھی تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک مجلس پر گزرا جس میں اوس اور خزرج کے حضرات جمع تھے۔ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ (اوس اور خزرج کے درمیان زمانہ جاہلیت میں لڑائیاں رہتی تھی) اس حاسد کو ان حضرات کا انس اور محبت کے ساتھ جمع ہونا اور آپس میں ان کی صلح ہونا بہت ناگوار ہوا۔ اس نے ایک یہودی نوجوان کو حکم دیا کہ تو جا کر ان کے پاس بیٹھ جا اور ان کو ان کی پرانی لڑائیاں یاد دلا دے اور ان کے سامنے بعض اشعار پڑھ دے جو یوم بعاث کے سلسلہ میں انہوں نے کہے تھے (بعاث ایک زبردست جنگ ہوئی تھی جس میں اوس کو خزرج پر غلبہ ہوا تھا) وہ نوجوان اس مجلس میں چلا گیا اور اس نے ایسی ہی باتیں کیں جن کی وجہ سے اوس اور خزرج

کو پرانی باتیں یاد آگئیں اور جھگڑے شروع ہو گئے اور ایک دوسرے پر فخر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ دو آدمی آپس میں لڑنے بھی لگے، اور دونوں فریق میں لڑائی ٹھن گئی۔ پھر یلی زمین میں (جس کو اہل مدینہ حرہ کہتے ہیں) لڑنے کا اعلان ہو گیا اور دونوں قبیلے آپس میں جمع ہونے لگے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ کو یہ قصہ معلوم ہوا آپ مہاجرین کو ساتھ لے کر ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے مسلمانوں کی جماعت تم اللہ سے ڈرو کیا تم جاہلیت کے دعوے کو لے کر اٹھ رہے ہو اور میں تمہارے درمیان موجود ہوں اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی اور اسلام کے ذریعہ تم کو عزت دی اور جاہلیت کی چیزوں کو ختم فرما دیا اور تمہیں کفر سے بچا دیا اور تمہارے درمیان الفت پیدا کر دی کیا تم اسی حالت پر واپس ہونا چاہتے ہو، جس پر تم حالت کفر میں تھے۔

آنحضرت سرور عالم ﷺ کی بات سن کر دونوں قبیلوں کو احساس ہوا کہ یہ جو کچھ تم سے صادر ہوا اور جنگ کا ارادہ ہو یا یہ شیطانی حرکت ہے اور دشمن کی مکاری ہے لہذا انہوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور رونے لگے اور آپس میں ایک دوسرے سے گلے ملنے لگے۔ پھر فرمانبردار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے آئے۔ اللہ نے دشمن کی مکاری کو ختم فرما دیا۔ اور شاس بن قیس کے بارے میں دو آیات:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ﴾ نازل فرمائیں اور وہ دو آدمی آپس میں لڑ پڑے تھے (جن میں ایک کا نام اوس اور دوسرے کا نام جبار تھا) ان کے بارے میں اور جو لوگ لڑنے کے لیے ان کے ساتھ ہو گئے تھے ان کے بارے میں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا﴾ سے لے کر (متعدد آیات) ﴿عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ تک نازل فرمائیں۔ ان آیات میں اول تو یہودیوں کو خطاب فرمایا جن میں شاس بن قیس بھی شامل ہے کہ تم لوگ اللہ کی آیات کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو۔ حالانکہ اللہ کو سب معلوم ہے جو تمہارا کردار ہے اور ایمان لانے والوں کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو؟ اللہ کی راہ میں ٹیڑھا پن اور کجی کیوں تلاش کرتے ہو حالانکہ تم اپنے اعمال پر خود گواہ ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔ یہ حسد اور کینہ دونوں تمہیں دنیا میں لے ڈوبے اور آخرت میں بھی لے ڈوبیں گے تم اپنی فکر کو حسد اور حقد (کینہ) سے باز آؤ اور کفر اور بد اعمالی کو چھوڑو۔

پھر اہل ایمان کو خطاب فرمایا جن میں اوس اور جبار بھی شامل ہیں کہ اگر تم اہل کتاب کے ایک فریق کی بات مانو گے تو وہ تم کو ایمان پر نہ رہنے دیں گے تم کو کفر میں واپس کر کے چھوڑ دیں گے۔ دشمن کی بات کو سمجھ کر چلنا چاہیے۔ کافر تمہارے ایمان سے کبھی راضی نہیں ہو سکتے نیز فرمایا کہ تم کیسے کفر اختیار کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور تمہارے اندر اللہ کا رسول ﷺ موجود ہے ان آیات اور رسول کی تعلیمات کو چھوڑو گے تو دشمن تم کو قابو کر لے گا اور دین کفر پر لگا دے گا۔ تم اللہ کو مضبوطی سے پکڑو جس نے اللہ کو مضبوطی سے پکڑا اس کو صحیح اور سیدھے راستے کی ہدایت مل گئی۔

اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ كَمَا مَطَلَب:

پھر ایمان والوں سے مزید خطاب فرمایا کہ ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ﴿حَقَّ تَقَاتِهِ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور اسے یاد کیا جائے بھولنا نہ جائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ﴿حَقَّ تَقَاتِهِ﴾ کا یہ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں جیسا کہ جہاد کا حق ہے اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں اور انصاف کے ساتھ اللہ کے لیے کھڑے ہوں اگر اپنے خلاف اور اپنے ماں باپ کے خلاف بھی انصاف کرنا پڑے تو ایسے وقت میں بھی انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ (درمنثور صفحہ ۵۹: ج ۲)

اسلام پر مرنے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم اور افتراق کی ممانعت:

نیز فرمایا ﴿وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ اور ہرگز مت مرنا مگر اس حال میں کہ مسلمان ہو مطلب یہ ہے کہ آخری دم تک اسلام پر قائم رہنا، مزید فرمایا ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور متفرق مت ہو جاؤ) حضرت

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی کتاب اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک پہنچی ہوئی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن اللہ کی رسی ہے اس کا ایک سر اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سر تمہارے ہاتھوں میں ہے تم اس کو مضبوطی سے پکڑ لو کیونکہ اس کے پکڑنے کے بعد کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے اندر اللہ کی کتاب چھوڑ رہا ہوں وہ اللہ کی رسی ہے جس نے اس کا اتباع کیا وہ ہدایت پر ہوگا اور جس نے اس کو چھوڑا وہ گمراہی پر ہوگا۔ (درمنثور صفحہ ۶۰: ج ۲)

ان روایات سے جہاں قرآن کو مضبوطی سے تھامنے کی اہمیت اور ضرورت معلوم ہوئی وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کو چھوڑ دینا گمراہی ہے آیت بالا میں ﴿وَلَا تَفْرَقُوا﴾ بھی فرمایا کہ افتراق نہ کرو اور جدا جدا فرقتے نہ بناؤ۔ ایک زمانہ سے مسلمانوں میں فرقہ بندیاں ہیں جس کا سبب قرآن کو چھوڑنا بھی ہے اور قائدین کے اپنے اپنے مفادات بھی ہیں اس افتراق نے دشمنوں کو قابو دے رکھا ہے دشمن جیسے چاہتے ہیں استعمال کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمت کی یاد دہانی:

پھر فرمایا ﴿وَإِذْ كُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً﴾ (الآیة) کہ تم اللہ کے انعام کو یاد کرو جبکہ تم دشمن تھے اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا فرمائی لہذا تم اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور دوزخ کے گڑھے کے کنارہ پر تھے اللہ نے تم کو بچا لیا۔ دوزخ کے کنارہ پر ہونا تو ظاہر ہی ہے کیونکہ اوس اور خزرج دونوں قبیلے کافر اور مشرک تھے اور ان کی آپس کی دشمنی کا یہ عالم تھا کہ بقول ابن اسحاق اوس اور خزرج میں ایک سو بیس سال تک جنگ جاری رہی تھی جب دونوں قوموں نے اسلام قبول کیا تو وہ جنگ کی آگ اللہ نے بھجادی ان کے درمیان اللہ نے الفت پیدا فرمادی۔ (درمنثور صفحہ ۶۱: ج ۲)

آخر میں فرمایا ﴿كَذَلِكَ يَبِينُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ کہ اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی آیات بیان فرماتے ہیں تاکہ تم ہدایت پر رہو۔

ضروری تشبیہ: مذکورہ بالا آیات میں اول تو تقویٰ کا حکم فرمایا اور یہ فرمایا اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ پھر فرمایا کہ جب مرو تو اسلام ہی کی حالت میں مرو، شیطان کے بہکانے سے یا دشمنوں کے ورغلانے سے یا دنیا کی محبت کی وجہ سے اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار مت کرو۔ پھر سب مسلمانوں کو اتفاق کے ساتھ مجتمع رہنے کی ہدایت فرمائی سب کو معلوم ہے کہ اتفاق و اتحاد ہر قوم کی قوت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اور اتفاق اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب کہ ہر قبیلہ ہر قوم ہر علاقہ کے لوگ اسلام کی قوت اور ساکھ برقرار رکھنے کے لیے اپنے اپنے جذبات کو دبا کر رکھیں۔ مسلمانوں کا پورا عالم میں ایک ہی امیر المومنین ہونا چاہیے اور مشرق سے مغرب تک تمام مسلمانوں کا ایک ہی ملک ہو تو اس قوت کا کیا عالم ہوگا اس کو غور کر لیں۔ دشمنوں نے جو عرصیتیں بیدار کر دی ہیں کہ عربی عجمیوں کے ماتحت کیوں رہیں اور عراقی اور شامی اور یمنی حجاز کے ماتحت کیوں رہیں اور سندھی پنجابیوں کے ماتحت کیوں رہیں اور بنگالی پٹھانوں کے ماتحت کیوں رہیں اور غیر بنگالی بنگالیوں کے ماتحت کیوں رہیں ان باتوں نے کثیر تعداد میں مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے ملک بنا دیئے ہیں پھر دشمن نے ان ملکوں کے سربراہوں پر سیاسی یا نظریاتی قبضہ کر رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تمہارا امیر ایسا شخص بنا دیا جائے جس کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں جو تمہیں اللہ کی کتاب کے ذریعہ لے کر آگے چلتا ہو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ (رواہ مسلم صفحہ ۱۲۰: ج ۲) ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ بات سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر ایسے شخص کو عامل بنا دیا جائے جو حبشی غلام ہو گیا کہ اس کا سر کشمش کی طرح چھوٹا سا ہو۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۰۵: ج ۲)

حضرت عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ بات سنیں گے اور فرمانبرداری کریں گے تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی، خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی اور اس بات پر بھی کہ صاحب اقتدار سے جھگڑانہ کریں

گے ہاں اگر بالکل ظاہر باہر کفر نظر آئے جس کے بارے میں ہمارے پاس اللہ کی طرف سے کھلی ہوئی دلیل ہو تو اس وقت ہم اس سے جھگڑا کریں گے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۱۲۵: ج ۲)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ امیر المؤمنین کیسا ہی ہو اس کے ساتھ چلنا چاہیے۔ بشرطیکہ اللہ کی کتاب کے ذریعہ لے کر چلتا ہو۔ اپنی رائے اور منشاء کے موافق ہوتے ہیں۔ فرما نبرداری کریں اور اپنی رائے اور منشا کے مخالف ہوتے ہیں۔ اگر ہمارے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جاتی ہو تب بھی بات مانیں اور اطاعت کریں۔ اگر کالے حبشی کو امیر بنا دیا جائے تب بھی اطاعت کریں۔ حبشی کی مثال دینے سے رسول اللہ ﷺ نے رنگ اور نسل کا سوال ختم فرما دیا اور یہ جو فرمایا کہ اگر امیر کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں تب بھی بات سنیں اور اطاعت کریں۔ اس سے صورت اور شکل کا سوال ختم فرما دیا۔ پھر عبد حبشی فرما کر یہ بتا دیا کہ اگرچہ آئمہ قریش سے ہونے چاہئیں، لیکن اس کے خلاف کسی غلام کو بھی اقتدار دے دیا جائے تب بھی اس سے جڑے رہو بعض مرتبہ امیر کی رائے سے اختلاف ہو جاتا ہے اور اس کی رائے خطا معلوم ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے اس نے صحیح فیصلہ نہیں کیا اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ باوجود اختلاف رائے کے جھگڑا نہ کریں ہاں اگر بالکل ہی دلیل واضح سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا فیصلہ بالکل کافرانہ فیصلہ ہے اور تم اس کی دلیل اللہ پاک کے حضور میں دے سکتے ہو تو اس سے منازعت کر سکتے ہو۔ امیر اور مامورین کے بارے میں احادیث تو اور بھی ہیں لیکن ان چند احادیث میں ایسے چند امور ارشاد فرمادیے جن کو اختیار کرنے سے امت کا شیرازہ بندھا رہ سکتا ہے اور وحدت قائم رہ سکتی ہے سارے مسلمان اللہ کی رسی کو مضبوط تھا میں صاحب اقتدار یا عوام یا جماعتیں دشمنوں کا کھلونا نہ بنیں نہ کسی کے ہاتھ بکیں وحدت اسلامیہ کو قائم رکھنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ باوجود یکہ زبانیں مختلف ہوں جغرافیائی اعتبار سے مختلف علاقوں کے رہنے والے ہوں لیکن سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے ہوئے ہوں۔ زبانوں کے اختلاف کو اور اختلاف رائے اور فروعی مسائل کو جنگ و جدال اور اختلاف کا ذریعہ نہ بنائیں اور پہلے سے دیکھ کر متقی آدمی کو امارت اور خلافت سونپیں، یورپ سے آئی ہوئی جمہوریت جاہلیہ کو ذریعہ انتخاب نہ بنائیں۔ جو فاسقوں بلکہ کفریہ عقائد رکھنے والوں کو بھی اقتدار اعلیٰ اور اقتدار ادنیٰ دلوادیتی ہے۔

افتراق کے اسباب، اتحاد کا طریقہ:

اس آیت میں اول تو اجتماعیت کا طریقہ بتایا ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا﴾ پھر افتراق سے منع فرمایا اور واضح طور پر بتایا ﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ﴾ (آپ فرمادیجئے کہ بلاشبہ یہ میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے لہذا تم اس کا اتباع کرو اور دوسری راہوں پر مت چلو وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی) مسائل فرعیہ میں جو آئمہ کا اختلاف ہے وہ اتحاد و اتفاق سے مانع نہیں ہے صدیوں سے حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ، ساتھ ساتھ چلتے رہے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کا احترام کرتے رہے ہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی مسائل میں اختلاف تھا لیکن وہ باوجود اختلاف کے آپس میں شیر و شکر ہو کر مجتمع رہے۔ اگر کہیں شدید اختلاف ہو گیا تو وہ بھی اللہ ہی کے لیے تھا۔ کسی سے خطا اجتہادی ہو گئی یہ دوسری بات ہے لیکن مقصد کسی کا دین اسلام کے خلاف چلنا نہ تھا، البتہ اصحاب ہوئی (جنہیں اپنی خواہشات پر چلنا ہے) اہل حق کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

بحوالہ درمنثور روایت گذر چکی ہے کہ اوس اور خزرج میں ۱۲۰ سال سے لڑائی چلی آرہی تھی وہ اسلام قبول کرنے پر ختم ہو گئی اور سب آپس میں بھائی بھائی ہو گئے جس کو اللہ تعالیٰ شانہ نے ﴿وَإِذْ كُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾ میں یاد دلایا ہے۔ اتنی پرانی دشمنی محبت سے بدل سکتی ہے تو دور حاضر کے مسلمانوں کے آپس کے صوبائی اور لسانی اور سیاسی اختلافات وحدت اسلامیہ کو قائم کرنے کے لیے کیوں ختم نہیں ہو سکتے جو علماء سیاست ہیں، جنہیں اسلام سے تعلق ہی نہیں وہ برملا اسلام سے اپنی برأت ظاہر کرتے ہیں۔ اسلام کے قوانین پر اعتراض کرتے ہیں عجیب بات ہے کہ اسلام کا کلمہ پڑھنے والے انہیں کے پیچھے لگے ہوئے

ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو حدود کفر میں تو داخل نہیں ہوئے لیکن وحدت اسلامیہ سے زیادہ انہیں اپنا اقتدار محبوب ہے ان حالات میں وحدت کیسے قائم ہو؟

جو لوگ نام کے مسلمان ہیں لیکن اپنے عقائد کی وجہ سے اور اسلام پر اعتراض کرنے کی وجہ سے حدود کفر میں داخل ہیں ﴿عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ﴾ ان پر بھی صادق ہے یہ لوگ سچے دل سے صحیح معنی میں اسلام قبول کریں تو عذاب دوزخ سے بچ جائیں گے اللہ کی آیات ہمیشہ کے لیے ہیں۔ ﴿كَذٰلِكَ يَبِيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾

وَلَتَكُنَّ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْبَعْرِوْفِ وَيُنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۗ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُ وَاَسْوَدُ وُجُوْهُ ۗ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اَسْوَدَتْ وُجُوْهُهُمْ فَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اٰيٰتِنَا ۗ فَذُقُوْا الْعَذَابَ ۗ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اَبْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ ۗ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ وَاِلٰى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۸﴾

اور تم میں سے ایک ایسا گروہ ہونا ضروری ہے جو دعوت دیتے ہوں خیر کی طرف اور حکم کرتے ہوں اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہوں برے کاموں سے اور یہ لوگ پورے پورے کامیاب ہیں اور امت ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جو آپس میں متفرق ہو گئے اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح احکام پہنچے آپس میں اختلاف کر لیا اور یہ لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کیا تم نے کفر اختیار کیا اپنے ایمان کے بعد سو کچھ لو عذاب اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے۔ اور جن کے چہرے سفید ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیات ہیں ہم آپ پر ان کی تلاوت کرتے ہیں حق کے ساتھ، اور اللہ جہانوں کے ساتھ ظلم کا ارادہ نہیں فرماتا اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے۔

ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے جو خیر کی دعوت دیتی ہو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی ہو

مسلمان کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ خود اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرے۔ نیکیاں کرتا رہے گناہوں سے بچتا رہے اور دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ دوسروں کو خیر کی دعوت دیتا رہے اور برائیوں سے روکتا رہے خود نیک بن جانا اسلامی معاشرہ باقی رکھنے کے لیے کافی نہیں ہے دوسروں کو بھی خیر کی دعوت دیتے رہیں اور نیکیوں کا حکم کرتے رہیں اور برائیوں سے روکیں تب اسلامی معاشرہ باقی رہے گا چونکہ انسان کے اندر بہیمیت کے جذبات بھی ہیں اور اس کے پیچھے شیطان بھی لگا ہوا ہے اس لیے بہت سے لوگ فرائض اور واجبات چھوڑ بیٹھتے ہیں اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کو صحیح راہ پر باقی رکھنے کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت:

آیت بالا میں حکم فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہو جو خیر کی دعوت دیتی ہو امر بالمعروف کرتی ہو اور نہی عن المنکر کرتی ہو، جو کام اللہ کی رضا مندی کے ہیں ان کو معروف اور جو کام اللہ کی ناراضگی کے ہیں ان کو منکر کہا جاتا ہے پانچ آیات کے بعد پھر اس کی اہمیت پر زور

دیا ہے اور فرمایا ہے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ اور سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ﴾ (اور مسلمان مرد اور عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں یہ لوگ نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کرتے ہیں عنقریب اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا۔) اس کے علاوہ دوسری آیات میں بھی قرآن مجید میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت اور ضرورت بتائی ہے سورہ توبہ کی آیت سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں کام مومنین کی خاص امتیازی صفات ہیں احادیث شریفہ میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بہت زیادہ اہمیت اور ضرورت بتائی گئی ہے۔ (صحیح مسلم صفحہ ۵۱: ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مَنكراً فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ ” یعنی تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے یعنی برائی کرنے والے کو اپنے زور کی طاقت سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے بدل دے (یعنی برائی کرنے سے روک دے) اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جان کر خاموش رہ جانا اور ہاتھ یا زبان سے منع نہ کرنا) ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

معلوم ہوا کہ ہر شخص نیکیوں کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے کا مامور ہے اپنے گھر کے بڑے، اداروں کے بڑے، کمپنیوں اور فرموں کے ذمہ دار، حکومتوں کے عہدیدار بقدر اپنی قوت اور طاقت کے اس فریضے کو انجام دیں۔ گھر کے لوگ اپنی اولاد کو اور نوکروں کو نیکیوں کی دعوت دینے اور برائیوں سے روکنے میں پوری قوت استعمال کر سکتے ہیں لیکن افسوس فرائض اور واجبات کا انہیں حکم نہیں دیتے اور گناہوں سے انہیں نہیں روکتے۔

اصحاب اقتدار کی غفلت:

بہت سے لوگوں کو مختلف طرح کے عہدے اور مناصب حاصل ہیں وہ اپنے ماتحتوں کو نہ فرائض اور واجبات کا حکم کرتے ہیں اور نہ گناہ چھوڑنے کا حکم دیتے ہیں۔ حکومتوں کے چھوٹے بڑے عہدوں پر فائز ہونے والے خود بھی بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور فرضوں کے تارک ہوتے ہیں نہ صرف یہ کہ اپنے ماتحتوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے بلکہ اپنا اقتدار جمانے کے لیے ماتحتوں کو گناہ کرنے کا حکم دیتے ہیں اور سرکاری کاموں میں نمازیں تک برباد کر دی جاتی ہیں۔

اہل ایمان اصحاب اقتدار کی صفات بتاتے ہوئے سورہ حج میں ارشاد فرمایا ہے ﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ (یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو حکومت دے دیں تو نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور اچھے کاموں کا حکم کریں گے اور برائیوں سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑنے پر دنیا میں عذاب:

قدرت ہوتے ہوئے امر بالمعروف نہ کرنا اور برائیوں سے نہ روکنا سخت وبال کی چیز ہے اس دنیا میں عہدے اچھے لگتے ہیں لیکن جب ان کا وبال آخرت میں سامنے آئے گا تب پچھتاوا ہوگا جس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ہر مسلمان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پابند ہے اور اس فریضہ کا چھوڑ دینا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی عذاب آنے کا ذریعہ ہے اگر اس فریضہ کو چھوڑ دیا جائے تو دعائیں تک قبول نہیں ہوتیں۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس قوم میں کوئی ایک شخص گناہ کرتا ہو جسے روکنے پر قدرت رکھتے ہوئے وہ لوگ نہ روکیں تو مرنے سے پہلے ان لوگوں پر عذاب آئے گا۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۴۰: ج ۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو حکم دیا کہ فلاں فلاں بستی کا تختہ اس کے رہنے والوں کے ساتھ الٹ دو۔ حضرت جبریل نے عرض کیا کہ اے پروردگار ان میں آپ کا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کے بقدر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی (کیا اسے بھی عذاب میں شریک کر لیا جائے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ اس بستی کو اس شخص پر اور باقی رہنے والوں پر الٹ دو کیونکہ اس کے چہرہ پر میرے (احکام) کے بارے میں کبھی کسی وقت شکن بھی نہیں پڑی۔ (مشکوٰۃ المصابیح باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر)۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور ضرور امر بالمعروف کرو اور نہی عن المنکر کرو ورنہ قریب ہے کہ اللہ اوپر اپنے پاس سے عذاب بھیج دے گا۔ پھر تم اس سے دعا کرو گے تو وہ دعا قبول نہ فرمائے گا۔ (رواہ الترمذی)

معلوم ہوا کہ بھلائیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ایسا اہم اور ضروری کام ہے کہ اس کے نہ ہونے سے نیکیاں کرنے والے بھی عذاب کی لپیٹ میں آسکتے ہیں اور جب عذاب آئے گا تو جو دعائیں کی جائیں گی تو وہ بھی قبول نہ ہوں گی۔ عموماً لوگ خود گناہوں میں مبتلا ہیں نمازیں چھوڑے ہوئے ہیں زکوٰتیں نہیں دیتے۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں ان گواہیوں کے ذریعہ پیسہ کماتے ہیں ڈاکے پڑ رہے ہیں مال لوٹے جا رہے ہیں۔ چوریاں ہو رہی ہیں۔ قانون شریعت کی اجازت کے بغیر قتل ہو رہے ہیں۔ اور کوئی شخص بولنے والا نہیں ایسی صورت میں عذاب سے کیسے حفاظت ہو؟ اور عذاب آئے تو دعائیں کیسے قبول ہوں؟

ہر شخص کی ایمانی ذمہ داری حدیث شریف میں بتادی کہ جو بھی شخص کسی منکر کو دیکھے اس کو اپنی طاقت کے بقدر روک دے۔ اور ہر شخص کی ذمہ داری کے سوا آیت بالا میں مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہونے کا حکم بھی فرمایا جو دعوت الی الخیر کرتی ہو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کا خصوصی کام ہو۔ یہ جماعت فرض کفایہ کے طور پر ہر علاقہ میں کام کرے اور اتنے افراد ہونے چاہئیں جو ہر علاقہ کے افراد کو دعوت خیر دے سکیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے سکیں۔ جماعت سے یہ مراد نہیں کہ دور حاضر کے انداز کی کوئی جماعت ہو جس کا صدر ہو سیکرٹری ہو ممبران ہوں دفتر ہو جماعت کا کوئی نام یونین فارم ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کام کے کرنے والے بقدر ضرورت امت میں موجود رہیں۔ حکومت ایسے افراد مہیا کرے۔ حکومت نہ کرے تو مسلمان خود ایسی جماعت قائم رکھیں جو اس فریضہ کو انجام دیتی رہے اور چھوٹی موٹی جماعت نہ ہو بلکہ اتنی بڑی جماعت ہو کہ ہر علاقہ میں اہل اسلام کے جتنے افراد رہتے اور بستے ہوں ان تک بات پہنچانے کے لیے کافی ہوں۔

فائدہ: آیت شریفہ میں پہلے ﴿يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ فرمایا اس کے بعد ﴿يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ فرمایا، دعوت الی الخیر میں سب باتیں داخل ہو گئیں کافروں کو اسلام کی دعوت دینا بھی اس میں آگیا اور فرائض اور واجبات کے علاوہ سنن اور مستحبات کی دعوت دینے کو بھی ﴿يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ کا عموم شامل ہو گیا، مستحبات کو چھوڑ دینا اگرچہ منکر نہیں ہیں لیکن ان پر عمل کرنے میں بہت بڑا فائدہ ہے۔ اس لیے ان کی دعوت بھی دیتے رہنا چاہیے لیکن سختی نہ کی جائے البتہ فرائض اور واجبات کی دعوت سختی سے دی جائے۔ جس درجہ کا جو حکم ہے اسی درجہ میں اس کی دعوت ہونی چاہیے بہت سے لوگ فرائض اور واجبات میں مسامحت کرتے ہیں بلکہ خود بھی فرائض کو چھوڑے ہوئے ہوتے ہیں اور مستحبات کے بارے میں سختی کرتے ہیں۔ یہ طریقہ صحیح نہیں شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں جس چیز کا جو درجہ ہے اسی درجہ کے مطابق دعوت میں سختی اور نرمی اختیار کی جائے، لفظ ”خیر“ ہر نیک کام کو شامل ہے۔ تفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۹۰ ج ۱ میں حضرت ابو جعفر باقر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت ﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ الخیر اتباع القرآن و سنتی (کہ قرآن کا اور میری سنت کا اتباع کرنا خیر ہے) اس کے مطابق ہر چھوٹی بڑی نیکی کو لفظ خیر شامل ہے۔

کامیاب کون لوگ ہیں؟

جو لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ کہ یہ لوگ پورے پورے کامیاب ہیں۔ کامیابی کو تو ہر شخص چاہتا ہے لیکن مقاصد کے اعتبار سے ہر ایک کے نزدیک کامیابی کا معیار الگ الگ ہے۔ قرآن کریم نے بھی کامیابی کا معیار بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے کام کیے جائیں۔ جن کی وجہ سے دوزخ سے حفاظت ہو جائے اور جنت مل جائے اور جو کام بتائے ہیں وہ اللہ کے کام ہیں اس لیے ان پر عمل پیرا ہونے والوں کو مفلحون (کامیاب) فرمایا۔

دلائل سے حق واضح ہونے کے بعد انحراف کرنے والوں کی سزا:

پھر فرمایا ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾ (اور مت ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جو آپس میں متفرق ہو گئے اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح احکام پہنچے)

صاحب روح المعانی صفحہ ۲۲: ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ ان لوگوں سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں جنہوں نے اختلاف کیا اور افتراق کی راہ اختیار کی، امت مسلمہ کو حکم ہوا کہ ان جیسے نہ ہو جاؤ جن کے پاس آیات بینات اور حجت بالغہ آئیں جو متحد رہنے کا حکم دے رہی تھیں انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی اور اتحاد کے بجائے افتراق کو اپنایا یہ افتراق دنیاوی اغراض اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑنے اور اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت سے منہ موڑنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے بہت سے اصحاب ہوئی دین کو اپنی افکار و آراء کے تابع بنا کر چلتے ہیں اور ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتے ہیں، مرجیہ، کرامیہ، مجسمہ، مشبہ، معطلہ، جہمیہ فرقے عصر ماضی میں گزر چکے ہیں، اور اب بھی ایسے بہت سے فرقے ہیں جو مدعی اسلام ہیں لیکن ملت اسلامیہ سے خارج ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو حدیث نبوی ﷺ کی حجیت کے منکر ہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جو تحریف قرآن کے قائل ہیں اور ایسی جماعت بھی ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے بعد کسی کو نبی مانتی ہے اور بھی طرح طرح کے کفریہ عقائد رکھنے والے موجود ہیں۔

افتراق کرنے والے جو اپنے اہواء و افکار کی وجہ سے حدود اسلام سے نکل جائیں ان کے لیے آخرت کا عذاب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ (اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے چہرے سیاہ ہوں گے) پھر فرمایا ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ (سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا، کیا تم نے کفر کیا اپنے ایمان کے بعد سو چکھ لو عذاب اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے) ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت یعنی جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

قیامت کے دن اہل کفر کی بد صورتی:

قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی قیامت کے دن چہروں کا سفید و سیاہ ہونا مذکور ہے سورہ عبس کے آخر میں فرمایا ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرَةُ الْفَجِرَةُ﴾ (اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے ہنستے ہوئے ہوں گے۔ خوش ہوں گے اور اس دن بہت سے چہرے ایسے ہوں گے کہ جن پر ظلمت ہوگی جن پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی یہ لوگ کافر فاجر ہوں گے)۔

سورہ زمر میں فرمایا: ﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ﴾ (اور اے مخاطب تو قیامت کے دن دیکھے ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے)۔

سورہ یونس میں فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سِنِّيَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَّا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ

وَجُوهُهُمْ قِطْعًا مِّنَ النَّارِ مُظْلِمًا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۰﴾ (اور جن لوگوں نے برے کام کیے بدلہ برائی کا اسی جیسا ہوگا اور چھا جائے گی ان پر ذلت، ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا گویا کہ ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیئے گئے یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے)

مضمون کے ختم پر فرمایا: ﴿تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ﴾ (کہ یہ اللہ کی آیات ہیں ہم تمہارے اوپر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اللہ جہانوں کے ساتھ ظلم کا ارادہ نہیں فرماتا) پھر فرمایا: ﴿وَاللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾ (کہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور اسی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں) وہ مالک اور متصرف ہے اسے سب اختیار ہے اپنی مخلوق میں جیسا تصرف کرے کوئی اسے روکنے والا نہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۗ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ ۗ وَكَثُرَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۰۱﴾

تم سب امتوں سے بہتر امت ہو جو نکالی گئی لوگوں کے لیے بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو، اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر ان میں سے فرمانبرداری سے باہر ہیں۔

امت محمدیہ کی امتیازی صفات

اس آیت شریفہ میں امت محمدیہ کو ﴿خَيْرَ أُمَّةٍ﴾ فرمایا ہے اور اس امت کا نبی بھی خیر الانبیاء اور سید الانبیاء ہے۔ جس کا آیت ﴿لَتُؤْمِنَنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ﴾ میں ذکر فرمایا ہے، نیز آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا انا سید ولد آدم یوم القیامہ کہ میں قیامت کے دن آدم کی تمام اولاد کا سردار ہوں گا (رواہ مسلم ۲۴۵: ج ۲) نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میں آدم کی تمام اولاد کا سردار ہوں گا اور بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ہوں اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ہوں اور اس دن آدم ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور نبی ہو سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جس سے زمین پھٹے گی (یعنی قبر سے سب سے پہلے ظاہر ہوں گا) اور میں بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ہوں۔ (رواہ الترمذی کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۳)

سنن مذتری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ ستروین (۷۰) امت کو پورا کر رہے ہو تم سب امتوں سے بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب امتوں سے بڑھ کر اکرم ہو (قال الترمذی ہذا حدیث حسن) اس امت کو خیر الامم بتاتے ہوئے اس کے اوصاف بھی بتادیئے اور وہ یہ کہ تم بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ معلوم ہوا کہ اس امت کا طرہ امتیاز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ امت کا ہر فرد اس کام میں لگے البتہ اس میں تفصیلات ہیں کہ کبھی فرض عین ہوتا ہے کبھی فرض کفایہ کبھی واجب اور کبھی سنت۔ روح المعانی (صفحہ ۲۸: ج ۴) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا: یا ایہا الناس من سرہ ان یکون من تلکم الامۃ فلیود شرط اللہ تعالیٰ و اشار بذالک الی قوله سبحانہ تامرون بالمعروف و تنہون عن المنکر۔

گزشتہ رکوع میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فضیلت اور ضرورت اور اہمیت بیان ہو چکی ہے اس کو دوبارہ دیکھ لیا جائے یہاں یہ بات بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ کو کیوں مؤخر کیا جبکہ ایمان ہر عمل سے مقدم ہے۔ اور ہر عمل کے قبول ہونے کے لیے شرط ہے۔ صاحب روح المعانی نے اس سلسلہ میں تین باتیں لکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مقصود بالبیان اس جگہ پر چونکہ امر بالمعروف اور نہی

عن المنکر ہے اس لیے ان دونوں کو مقدم کیا۔ لیکن پھر ایمان کا تذکرہ بھی فرمایا ہے کہ تَوَمِنُونَ بِاللَّهِ اس لیے فرمایا کہ آگے اہل کتاب سے جو کلام متعلق ہے اس سے مرتبط ہو جائے۔

اکثر اہل کتاب فرمانبرداری سے خارج ہیں:

اہل ایمان کا ذکر فرمایا کہ اہل کتاب کا ذکر فرمایا: ﴿وَلَوْ أَمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا) اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد آپ سے پہلے جس کسی نبی یا جس کسی کتاب ساوی پر کسی کا ایمان تھا یا اب ہے وہ معتبر نہیں ہے جب تک کہ نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان نہ ہو۔ پھر فرمایا اہل کتاب میں بعض مومن ہیں جیسے عبد اللہ بن سلام اور بعض دیگر اہل کتاب (جنہوں نے حق کو قبول کیا اور دنیاوی منافع نے ان کو حق سے نہیں روکا) اور اہل کتاب میں اکثر اللہ کی فرمانبرداری سے خارج ہیں، یعنی کافر ہیں۔

لَنْ يَضُرُّكُمْ إِلَّا أَدْمَىٰ ۖ وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُؤَلُّوْكُمْ إِلَّا دَبَارًا ۖ ثُمَّ لَا يُنصِرُونَ ﴿۱۱۱﴾ ضَرَبَتْ عَلَيْهِمُ
الدِّيلَةَ آيِنَ مَا تَقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُ وَبِعَصَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضَرَبَتْ
عَلَيْهِمُ السُّكْنَةَ ۖ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ ۖ ذٰلِكَ
بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوا سَوَاءً ۖ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَابِلَةٌ يَتَّبِعُونَ آيَاتِ اللَّهِ
إِنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ
يُكْفَرُوهُ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۱۱۵﴾

تم کو ہرگز ضرر نہ پہنچا سکیں گے مگر ذرا سی تکلیف اور اگر تم سے جنگ کریں گے وہ تو پشت پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی، جمادی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں بھی پائے جائیں مگر ایسے سبب سے جو اللہ کی طرف سے ہو اور ایسے سبب سے جو لوگوں کی طرف سے ہو، اور وہ لوٹ گئے اللہ کے غصہ کو لے کر، اور جمادی گئی ان پر مسکنت، یہ اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے اللہ کی آیتوں کے ساتھ اور وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ یہ لوگ سب برابر نہیں ہیں اہل کتاب میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو حق پر قائم ہے رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، یہ لوگ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور امر بالمعروف کرتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں، اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اور یہ لوگ صالحین میں سے ہیں، اور یہ لوگ جو بھی کچھ خیر کا کام کریں گے تو اس کی ناقدری نہ کی جائے گی اور اللہ متقیوں کو جاننے والا ہے۔

یہودی ذلت اور مسکنت

زمانہ نبوت میں یہودیوں کی دشمنی ظاہر بھی تھی اور پوشیدہ بھی تھی مسلمانوں کو ان سے تکلیف پہنچتی رہتی تھی، خطرہ تھا کہ کوئی ایسی کارروائی کر بیٹھیں جس سے زیادہ تکلیف پہنچ جائے۔ بلکہ رؤسا یہود نے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان عوام کو جو یہودیت چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ زبانی طور پر ایذا دینے کا سلسلہ شروع بھی کر دیا تھا۔ اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کے اس خطرہ کو دور فرمایا۔ اور فرمایا کہ یہ لوگ تمہیں

بس ذرا سی تکلیف پہنچا سکیں گے اور اگر انہوں نے جنگ چھیڑی تو پشت پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر یہودیوں کی حالت مغضوبیت بیان فرمائی کہ ان پر ذلت کی چھاپ ماردی گئی جہاں کہیں بھی ہوں گے ذلیل ہوں گے۔
یہود کی موجودہ حکومت:

ہاں اگر اللہ کے کسی عہد میں آجائیں یا انسانوں کے عہد میں آجائیں تو (دنیاوی) ذلت سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔ اللہ کے عہد میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً مسلمانوں سے ان کا کوئی معاہدہ ہو جائے اور معاہدہ کے موافق مسلمان ان سے تعرض نہ کریں یا یہ لوگ جزیہ قبول کریں اور مسلمانوں کی عملداری میں رہنا قبول کریں تو اس صورت میں ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جو ذمیوں کے ساتھ ہوتا ہے یا کہیں لڑائی ہو تو مسلمان ان کے بچے اور عورتوں کو حسب قانون شرعی قتل کرنے سے باز رہیں گے اور انسانوں کے عہد میں آنے کا یہ مطلب ہے کہ کسی حکومت سے ان کا کوئی معاہدہ ہو جائے وہ حکومت ان کو امان دیدے۔

جب سے یہودیوں کی حکومت قائم ہوئی ہے لوگوں کو اشکال ہو رہا ہے کہ ترآن نے تو ان کے بارے میں ذلت کا اعلان کیا تھا پھر ان کی حکومت کیسے قائم ہوئی؟ درحقیقت قرآن کے اعلان میں کوئی بات قابل شک و شبہ نہیں ہے کیونکہ اول تو قرآن نے یہ نہیں فرمایا کہ ہمیشہ ہمیش تا قیامت ان لوگوں کا یہی حال رہے گا۔ دوام ذلت تو کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں، پھر یہودیوں کی جو حکومت قائم ہے وہ ﴿حَبِلَ مِنَ النَّاسِ﴾ کی وجہ سے ہے۔ یہودیوں سے کچھ معاہدے کر کے بعض نصرانی حکومتوں نے ان کی حکومت قائم کی ہے اور نصاریٰ ہی کے بل بوتے اور سہارے پر ان کی حکومت قائم ہے قرآن کریم نے جو حبل من الناس فرمایا ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ان کے بعض حالات انسانوں سے جوڑ توڑ رکھنے کی وجہ سے ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن میں ان کو کچھ عزت مل جائے اور ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ﴾ کا اطلاق عام مستثنیٰ ہو جائے۔

پھر فرمایا کہ یہودی اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور ان پر مسکنت کی چھاپ ماردی گئی اور اس کا سبب یہ بتایا کہ وہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے نافرمانی کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ یہ مضمون سورہ بقرہ کے رکوع سات کے اخیر میں بھی گزر چکا ہے۔

بعض اہل کتاب کی تعریف جنہوں نے اسلام قبول کیا:

پھر ان اہل کتاب کی تعریف فرمائی جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا کہ وہ راتوں رات اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور یوم آخرت پر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام انجام دیتے ہیں۔ نیکیوں میں آگے بڑھتے ہیں اور یہ لوگ صالحین میں سے ہیں اور یہ لوگ جو بھی خیر کا کام کریں گے اس کی ناقدری نہ کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کو متقیوں کا علم ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتُهُ ۗ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِن أَنفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۷﴾

بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا ہرگز ان کے کام نہ آئیں گے ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس کی مثال جو کچھ وہ اس دنیاوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک ہوا ہو جس میں سخت سردی

ہو جو ایسے لوگوں کی کھیتی کو پہنچ گئی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا پھر اس کو برباد کر دیا۔ اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

کافروں کے اموال اور اولاد عذاب سے نہ بچا سکیں گے

پہلی آیت میں تو یہ فرمایا کہ اہل کفر پر جب اللہ کا عذاب آئے گا تو ان کے مال اور اولاد کچھ بھی نفع نہ دے سکیں گے یہ لوگ اپنے کفر کی وجہ سے دوزخی ہیں اور دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ سورہ آل عمران کے رکوع ۲ کے شروع میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے۔ پھر ان لوگوں کے اخراجات اور نفقات کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ خرچ کرتے ہیں اور ان اخراجات میں وہ اموال بھی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں خرچ کیے جاتے ہیں۔ ان اخراجات کی مثال ایسی ہے جیسے کسی ایسی قوم کی کھیتی ہو جنہوں نے کفر اور معاصی کے ذریعہ اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو۔ اس کھیتی پر اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیج دی جس میں سخت ٹھنڈک تھی اس ٹھنڈک نے ساری کھیتی کو برباد کر دیا۔ کھیتوں کو سخت سردی پہنچ جاتی ہے تو اس کو عام محاورات میں پالا پڑ جانا یا پالے سے ہلاک ہو جانا کہتے ہیں یہ ہوا بطور سزا اور عقاب کے ان کے کھیتوں کو لگی اور سب کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا بلکہ وہی خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے، یہ عذاب ان کے کرتوتوں کی وجہ سے آیا۔ اللہ کو کوئی الزام نہ دیں اپنے کفر اور معاصی کو دیکھیں کافروں نے ثواب کی نیت سے جو کچھ خرچ کیا وہ بھی بھسم ہے اس کا کوئی ثواب آخرت میں نہیں ملے گا اور جو کچھ دین اسلام کی دشمنی میں خرچ کرتے ہیں ظاہر ہے اس کا کیا ملنا ہے؟ دنیا میں بھی مالوں کی بربادی ہے اور آخرت میں زیادتی فی الکفر کی وجہ سے عذاب در عذاب کا سبب بنے گا۔ سورہ ابراہیم میں فرمایا:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ذَٰلِكَ هُوَ الصَّلْوةُ الْبَعِيدَةُ﴾ (مثال ان لوگوں کی جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ایسی ہے جیسے کہیں راکھ پڑی ہو آندھی کے دن میں سخت تیز ہو اس کو اڑا دے یہ لوگ قادر نہ ہوں گے اپنے کمائے ہوئے میں سے کسی چیز پر بھی یہ دور کی گمراہی ہے)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۖ وَدُوَامَاعِنْتُمْ ۖ قَدْ بَدَتِ
 الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۗ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۗ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ
 تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾ هَآنَتْكُمْ أَوْلَا ۖ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ ۗ وَإِذَا الْقُوكُمْ قَالُوا
 آمَنَّا ۗ وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۗ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ
 الصُّدُورِ ﴿١١٩﴾ إِن تَمَسُّكُمْ حَسَنَةٌ تَسُوهُمْ ۗ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوا بِهَا ۗ وَإِن تُصِبرُوا
 وَتَتَّقُوا ۖ لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾

اے ایمان والو! اپنے سوا کسی کو اپنا رازدار مت بناؤ وہ لوگ تمہارے بگاڑ میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے، ان کو وہ چیز پسند ہے جس سے تمہیں تکلیف ہو بغض ظاہر ہو چکا ہے، ان کے مونہوں سے اور جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں وہ اس سے بڑھ کر ہے، تحقیق ہم نے بیان کر دیں تمہارے لیے آیات اگر تم عقل رکھتے ہو، تم لوگ ایسے ہو کہ ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تم پوری کتاب پر ایمان لاتے ہو، اور جب وہ تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور وہ جب آپس میں تنہائیوں میں جاتے ہیں تو مارے غصہ کی جلن کے اپنی انگلیوں کو دانتوں سے کاٹ لیتے ہیں، آپ فرمادیجیے کہ مر جاؤ اپنی جلن میں، بے شک اللہ جاننے والا ہے ان سب چیزوں کو

جو سینوں میں ہیں۔ اگر تم کو کوئی اچھی حالت پہنچ جائے تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی بری حالت پہنچ جائے تو اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی مکاری تمہیں کچھ بھی ضرر نہ پہنچائے گی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔

کافروں کو رازدار نہ بناؤ

ان آیات میں دشمنان اسلام کی دشمنی کو خوب زیادہ واضح کر کے بیان فرمایا ہے اور چونکہ وہ دشمن ہیں اس لیے دشمنی ہی کی امید رکھی جاسکتی ہے سب سے پہلے ارشاد فرمایا کہ اپنے علاوہ دوسرے لوگوں کو اپنا رازدار مت بناؤ وہ تمہیں بگاڑنے اور خراب کرنے میں ذرا سی بھی کسر نہ چھوڑیں گے اور اس میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہ رکھیں گے۔

مسلمانوں کی بد حالی:

تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی بھی اس نصیحت کے خلاف کیا ہے مسلمانوں نے مار کھائی، دشمن اسی طریقہ سے قابو پاتا ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کو مال دے کر یا عہدے دے کر اپنا ہمبونا بنا لیتا ہے یہ مال کے لالچی اور عہدوں کے حریص دشمنوں کے سامنے مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی خفیہ باتیں سب اگل دیتے ہیں، دشمنوں نے مسلمانوں کے ملکوں میں مسلمانوں میں سے ایسے جاسوس بنا رکھے ہیں جو ہر چھپی ڈھکی بات اور ہر خفیہ مشورہ دشمنوں تک پہنچا دیتے ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کی حکومتیں زیروزبر ہوتی رہتی ہیں، اہم افراد قتل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کا کلمہ پڑھنے کے باوجود اسلام کو اور مسلمان کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔

کافروں کو خیر خواہ سمجھنے کی بیوقوفی:

دشمن سے تو کبھی بھی کسی طرح کی دوستی کرنے کی گنجائش ہی نہیں مسلمانوں کی بعض حکومتیں دشمنوں کے بل بوتے پر قائم ہیں اور اس ڈر سے کہ وہ حکومت کسی اور کو نہ دلا دیں دشمنوں کی ہر بات مانتے ہیں اور جس طرح دشمن کہتے ہیں اسی طرح کرتے ہیں۔ دشمنوں نے سمجھا رکھا ہے کہ عوام کو بہکانے کے لیے کہتے رہو کہ ہم اسلام قائم کریں گے، اگر کوئی شخص واقعی اسلام لانے لگے تو وہ مقتول یا معزول ہو جاتا ہے دشمن کے سہارے اقتدار لے کر بیٹھنا ہی اسلام کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ دشمن تو مسلمانوں کی تکلیف سے خوش ہیں جیسا کہ رب العزت جل شانہ نے فرمایا **وَمَا عَنتمْ کفر ملت واحدہ ہے سارے کافر خواہ کسی بھی دین سے تعلق رکھتے ہوں اندر سے سب ایک ہیں اور مسلمانوں کے دشمن ہیں جب کبھی موقع آتا ہے ان کی وحدت کا مظاہرہ ہو جاتا ہے ان میں سے بہت سے لوگ صاف اور صریح الفاظ میں اسلام دشمنی کا اعلان کر بھی دیتے ہیں جیسا کہ زمانہ نبوت میں یہودیوں نے کیا تھا اسی کو فرمایا: ﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَ مَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ﴾ (کہ ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں سے اور جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بڑھ کر ہے)۔**

مسلمانوں کو بار بار جھجھوڑ کر ارشاد فرمایا: ﴿قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (کہ بلاشبہ ہم نے تمہارے لیے آیات بیان کر دیں اگر تم عقل رکھتے ہو)

مسلمانوں کی غفلت پر سرزنش:

مزید فرمایا کہ اے مسلمانو! تم ایسے ہو کہ دشمنوں سے محبت کا برتاؤ کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، حالانکہ تم اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، تم ان کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہو، جو انبیائے سابقین **ﷺ** پر نازل ہوئیں اور وہ تمہاری کتاب یعنی قرآن مجید پر ایمان نہیں رکھتے تم جو ان کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو انہیں اس کی کچھ پاسداری نہیں، ان میں منافقت ہے، جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو غصہ کی جلن کے مارے اپنی انگلیاں کاٹے لیتے ہیں کہ مسلمان کیسے آگے بڑھ رہے ہیں اور کیسے قوت پار ہے ہیں ان کے اس حال کے بارے میں ارشاد

فرمایا ﴿قُلْ مَوْتُوا بِغِيظِكُمْ﴾ کہ تم اپنے غصہ کی جلن میں مر جاؤ، دین اسلام کو قوت ہو کر رہے گی۔ اسلام کی قوت اور شان و شوکت بڑھنے پر انگلیاں کاٹنے سے کیا ہوتا ہے اس غصہ میں مر بھی جاؤ گے تب بھی اسلام کا کلمہ بلند ہوگا۔ سب دینوں پر اسلام غالب ہوگا۔ پھر فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ (بے شک اللہ سینوں کی باتوں کو جانتا ہے) تمہارے دلوں میں جو کفر ہے اسے اس کا پتہ ہے اس نے مسلمانوں کو بھی تمہارا حال بتا دیا تاکہ وہ چوکنے ہو کر رہیں اور آخرت میں تمہیں کفر کی سزا دے گا۔

مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا ﴿إِنْ تَمَسَّكُمْ حَسَنَةٌ تَسُوهُمْ وَإِنْ تَصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَنْفِرْ حَوَابِيهَا﴾ (کہ اگر تم کو اچھی حالت پیش آ جاتی ہے اس سے وہ رنجیدہ ہوتے ہیں اور اگر تم کو کوئی ناگواری کی حالت پیش آ جائے تو وہ خوش ہوتے ہیں) کیا ایسے لوگ محبت کرنے کے قابل ہیں؟

تفسیر درمنثور صفحہ ۶۶: ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ﴾ کا سبب نزول یہ نقل کیا ہے کہ مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے تھے جن کا زمانہ جاہلیت میں یہود مدینہ سے پڑوسی ہونے کی وجہ سے تعلق تھا اور بعض مواقع میں آپس میں ایک دوسرے کے حلیف بھی بن جاتے تھے اس پر انے تعلق کی وجہ سے قبول اسلام کے بعد بھی ان مسلمانوں نے یہودیوں سے اپنا تعلق جاری رکھا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسے تعلق سے منع فرمایا جس سے دشمن رازدار بن جائے (تجارت اور معاملات کی حد تک تو تعلق رکھنے کی گنجائش ہے لیکن ایسے تعلق کی کوئی گنجائش نہیں جس سے مسلمانوں کے راز دشمنوں پر کھلیں اور مسلمانوں کی اندرونی حالت سے دشمن باخبر ہو جائیں۔) آیت کے سبب نزول سے معلوم ہوا کہ یہودیوں کے پاس بعض مسلمانوں کا آنا جانا تھا اس پر تنبیہ فرمائی اور یہودیوں کا ظاہر باطن سب بتا دیا چونکہ ہر زمانے کے کافروں کا مسلمانوں کے بارے میں ایک ہی حال ہے اس لیے ہم نے دور حاضر کے مسلمانوں کو بھی تنبیہ کر دی اور بتا دیا کہ کسی بھی کافر کو رازدار نہ بنائیں اور مسلمانوں کے بھید ان کو نہ پہنچ جائیں۔

یہودیوں کی مکاریاں اور دسیسہ کاریاں ابھی تک جاری ہیں، گواحوال اور ظروف کے اعتبار سے کچھ بدل گئی ہیں نصاریٰ کی حکومتوں میں بھی یہودیوں کا بہت دخل ہے، وہ مسلمانوں کے خلاف مسلمانوں کے افراد کو بھی استعمال کرتے ہیں اور نصرانی حکومتوں میں بھی ان کی خفیہ سازشیں اور پوشیدہ مکاریاں جاری ہیں جو ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار اپنی تدبیروں میں مسلمانوں پر کیوں غالب ہیں اس کا جواب آیت کے اخیر میں دے دیا جو ہمیشہ کے لیے ناطق فیصلہ ہے اللہ جل شانہ نے فرمایا: ﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ (کہ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی مکاری تمہیں کچھ بھی نقصان نہ دے گی)

مسلمان صبر اور تقویٰ اختیار کریں، دین پر جمیں، گناہوں سے بچیں تو دشمن کی مکاریاں کچھ بھی ضرر نہ دیں گی۔ ہتھیاروں کا انتظام کرنا جیسا کہ دشمن کے دفاع کا سبب ہے اسی طرح سے صبر و تقویٰ بھی دفاع دشمن کا ایک ہتھیار ہے بلکہ سب سے بڑا ہتھیار ہے جس سے اہل ایمان غافل رہتے ہیں آخر میں فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾ (کہ بلاشبہ اللہ کو تمہارے دشمنوں کا پوری طرح علم ہے)۔ وہ ان کو اپنی حکمت مشیت و ارادہ کے مطابق سزا دے گا۔

کافر تمہارے بگاڑ میں کبھی کوتاہی نہ کریں گے:

کافروں کے میل ملاپ سے جو منع فرمایا، اور ان کو راز دار بنانے کی جو ممانعت فرمائی اس میں مسلمانوں کے لیے بہت بڑی عبرت اور موعظت اور نصیحت ہے۔ کافروں کو دوست بناتے ہیں اور قرآن مجید میں جو واضح طور پر فرمایا ہے ﴿لَا يَأْكُفِرُكُمْ﴾ اس سے غافل ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ لوگ تمہارے فساد اور بگاڑ میں ذرا بھی کوتاہی نہ کریں گے۔ یہود و نصاریٰ اور تمام مشرکین حتیٰ کہ وہ لوگ جو اسلام کے مدعی ہیں لیکن اپنے عقائد کے اعتبار سے کافر ہیں (جن میں روافض پیش پیش ہیں) یہ سب اسلام اور اہل اسلام کے پورے اور یکے دشمن ہیں۔ ان سے دوستی کر کے اچھی امید رکھنا بیوقوفی ہے، اسلام کے عہد اول سے ہی دشمنان اسلام اپنی مکاریوں اور تدبیروں سے کبھی غافل نہیں ہوئے

اسلام کو بڑھتا دیکھتے ہیں تو جلتے ہیں۔ اگر ان کے بس میں ہوتا تو اسلام مکہ سے آگے نہ بڑھتا، لیکن یہ جلتے رہے اسلام بڑھتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْ مَوْتُوا بِغِيظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ دشمن تو تباہ کرنے کی فکر میں ہے اور مسلمان ہیں کہ ان سے دوستی کرنے ہی کو ہنر سمجھ رہے ہیں، انا لله وانا اليه راجعون۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَبِيحٌ عَلَيْهِمُ ۝۱۱۱ إِذْ هَمَّتْ
طَّآئِفَتٌ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلُوا وَاللَّهُ وَلِيُّهَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝۱۱۲

اور جب آپ اپنے گھر سے صبح کے وقت نکلے مسلمانوں کو قتال کرنے کے لیے مقامات بتا رہے تھے، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ بزدل ہو جائیں اور اللہ ان کا ولی تھا اور اللہ پر بھروسہ کریں مومن بندے

غزوہ احد کا تذکرہ

ان آیات میں غزوہ احد کا تھوڑا سا ذکر ہے۔ پھر آئندہ رکوع میں اور اس کے بعد والے رکوع میں تفصیل سے اس غزوہ کا تذکرہ فرمایا۔ حضرت سرور عالم ﷺ نے مکہ معظمہ میں جب اسلام کی دعوت دی تو مکہ کے مشرکین آپ کے دشمن ہو گئے۔ بڑی بڑی مشکلات سے گزرتے رہے دشواریاں پیش آتی رہیں۔ تیرہ سال تک محنت و مجاہدہ کرتے ہوتے اور مشقت اٹھاتے ہوئے آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اسلام کی دعوت دی لیکن مکہ معظمہ کے مشرکوں نے آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا اور انصار مدینہ کی دعوت پر آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے یہاں آ کر بھی مشرکین مکہ نے پیچھا نہ چھوڑا اور یہود مدینہ نے اندرونی خلفشار اور دشمنی کا سلسلہ جاری رکھا منافقوں کا بھی ظہور ہوا یہ لوگ ظاہری طور پر اسلام کا نام لیتے تھے اور اندر سے کاٹ کرتے تھے چونکہ یہودی بہت بڑے دشمن تھے اس لیے ان سے میل محبت کا تعلق رکھنے سے منع فرمایا جس کا ذکر اوپر کی آیات میں ہو چکا اس وقت کے موجودہ دشمن یہودی تھے (جو مدینہ میں رہتے تھے) اور مشرکین مکہ بھی دشمن تھے ان سب سے میل و محبت سے منع فرمایا اور ہمیشہ کے لیے تمام مسلمانوں کو یہ ممانعت کر دی گئی۔

مشرکین مکہ اپنی دشمنی کی وجہ سے ہجرت کے دوسرے سال بہت بھاری تعداد میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے چڑھ آئے اور مقام بدر میں فیصلہ کن جنگ ہوئی سب کی نظروں کے سامنے حق و باطل کا فیصلہ ہو گیا غزوہ بدر کا واقعہ کچھ اسی رکوع میں آنے والی آیات میں بیان فرمایا اور کچھ سورہ آل عمران کے دوسرے رکوع میں گزر چکا۔ اور تفصیل کے ساتھ سورہ انفال کے پہلے اور دوسرے رکوع میں اور چھٹے اور ساتویں رکوع میں بیان فرمایا۔ ہم اس کو تفصیل سے سورہ انفال کی تفسیر میں انشاء اللہ بیان کریں گے۔

غزوہ احد کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ:

ہجرت کے تیسرے سال غزوہ احد پیش آیا۔ مشرکین مکہ کو غزوہ بدر میں چونکہ بہت بڑی شکست ہوئی تھی جس میں تین سو تیرہ نہتے مسلمان دشمن کی تین گنا تعداد پر غالب آئے اور دشمن کے ستر آدمی مقتول ہوئے اور ستر کو قیدی بنا کر مدینہ منورہ لایا گیا اس لیے قریش مکہ کو بدلہ لینے کی بہت بڑی فکر تھی۔ لہذا آپس میں خوب زیادہ چندہ کیا اور قریش آپس میں مجتمع ہو کر رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے مکہ معظمہ سے نکلے قریش مکہ اپنے اموال اور فوج اور سپاہ کو لے کر مدینہ منورہ پہنچے تو احد پہاڑ کے قریب پڑاؤ ڈال لیا۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے حضرات صحابہ سے مشورہ کیا آپ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر ہی مقابلہ کیا جائے باہر نہ نکلیں لیکن وہ مسلمان جو گزشتہ سال غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم شہر سے باہر نکلیں گے اور احد جا کر ہی ان سے لڑیں گے ان حضرات کا اندازہ تھا کہ جس طرح مسلمان سال گزشتہ بدر میں دشمن کے مقابلہ میں فتح یاب ہو چکے ہیں اس مرتبہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ ضرور غالب ہوں گے۔ یہ حضرات برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کو باہر نکلنے پر آمادہ کر لیا آنحضرت سرور عالم ﷺ نے تیاری فرمائی۔ زرہ پہن لی اور خود (لوہے کی ٹوپی) اوڑھ لی آپ

مشورہ کی وجہ سے آمادہ تو ہو گئے لیکن ہتھیار پہننے سے پہلے آپ نے فرمایا دیا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں ایک مضبوط زرہ کے اندر ہوں جس کی تعبیر میں نے یہ دی کہ اس سے مدینہ منورہ مراد ہے اور میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری تلوار کچھ کند ہو گئی اس کی تعبیر میں نے یہ دی کہ تمہارے اندر کچھ شکستگی ہوگی اور میں نے یہ بھی خواب دیکھا کہ ایک بیل کو ذبح کیا جا رہا ہے اور وہ بھاگ رہا ہے۔ مطلب اس خواب کے بیان کرنے کا یہ تھا کہ مدینہ منورہ ہی کے اندر رہنا چاہیے اور یہ کہ جنگ ہونے کی صورت میں مسلمانوں میں شکستگی ہوگی۔ بعد میں بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ ہماری تاریخ یہ ہے کہ جب کبھی اندر رہتے ہوئے جنگ لڑی ہے تو ہم کامیاب ہوئے ہیں اور جب کبھی باہر نکل کر جنگ کی ہے تو دشمن فتح یاب ہوا ہے۔ لہذا رائے یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے اندر ہی رہیں باہر نہ نکلیں جن حضرات نے خوب جماؤ کے ساتھ باہر نکلنے کا مشورہ دیا تھا بعد میں ان کو بھی ندامت ہوئی جب آپ کی خدمت میں دوسرا مشورہ پیش کیا اور عرض کیا کہ آپ کی جیسی رائے ہو آپ اس پر عمل فرمائیں تو آپ نے فرمایا کسی نبی کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ سامان جنگ سے آراستہ ہو جائے اور دشمن کی طرف نکلنے کا حکم دے دے تو وہ قتال کیے بغیر واپس ہو جائے۔ میں نے تم کو پہلے اس امر کی دعوت دی تھی کہ مدینہ ہی میں رہیں لیکن تم لوگوں نے نہیں مانا پس اب اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور دشمن سے ڈبھٹو ہو جائے تو جماؤ کے ساتھ جنگ کرنا۔ اور اللہ نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ مسلمانوں کو لے کر احد کی طرف تشریف لے چلے اس وقت آپ کے ساتھ ایک ہزار کی نفری تھی اور دشمن کی تعداد تین ہزار تھی۔ احد جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ایک جگہ قیام کیا تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول تین سو آدمیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ لہذا مسلمانوں کی تعداد سات سو رہ گئی۔ عبداللہ بن ابی جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس ہو گیا تو انصار کے دو قبیلے بنی سلمہ اور بنی حارثہ کی نیت بھی ڈانواں ڈول ہو گئی اور ان کے اندر بھی بزدلی کا اثر ہونے لگا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو استقامت دی اور یہ بھی لشکر اسلام کے ساتھ ٹھہر گئے اسی کو آیت بالا میں فرمایا: ﴿إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَيْنِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيَهُمَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ (اور جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ بزدل ہو جائیں اور اللہ ان کا ولی ہے اور اللہ پر بھروسہ کریں مومن بندے)۔ حضرت سرور دو عالم ﷺ احد کے دامن میں پہنچ گئے اور وہاں ایک گھاٹی میں نزول فرمایا آپ نے اور آپ کے لشکر نے احد کی طرف پشت کر لی تاکہ احد پیچھے رہے اور دشمن سے احد کے سامنے میدان میں قتال کیا جاسکے۔ وہیں ایک پہاڑی پر پچاس صحابہ کو مقرر فرمایا اور ان کا امیر حضرت عبداللہ بن جبیر کو بنا دیا اور ان حضرات سے فرمایا کہ تم لوگ ۴۰ پہاڑ پر ثابت قدم رہنا۔ فتح ہو یا شکست تم یہاں سے مت ٹلنا۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہم کو پرندے بھی بوٹی بوٹی کر کے لے اڑیں تب بھی اس جگہ سے نہ جانا ان حضرات کا کام یہ تھا کہ دشمن کے لشکروں کو مقررہ پہاڑی سے نیزے مارتے رہیں تاکہ وہ ان کی طرح سے گزرتے ہوئے لشکر اسلام پر حملہ نہ کر دیں۔

رسول اللہ ﷺ دوزر ہیں پہنے ہوئے تھے۔ اور جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ نے اپنے لشکر کی ترتیب دی اور ان کے ٹھکانے مقرر فرمائے، میمنہ اور میسرہ کی تعیین فرمائی جس کو آیت بالا میں اس طرح بیان فرمایا: ﴿وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ﴾ (اور جب آپ اپنے گھر سے صبح کے وقت نکلے کہ مسلمانوں کو قتال کے لیے مقامات بتا رہے تھے)

جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور فتیاب فرمایا لیکن پھر یہ ہوا کہ جن پچاس افراد کو تیر اندازی کے لیے ایک پہاڑی پر مقرر فرمایا تھا انہوں نے جب فتح و ظفر دیکھی تو ان میں آپس میں اختلاف ہو گیا ان میں سے بعض صحابہ کہنے لگے کہ اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت کیا ہے اب تو ہم فتیاب ہو ہی چکے لہذا اس جگہ کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں، اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ جو بھی صورت ہو ہمیں جم کر رہنے کا حکم ہے، جماعت کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے کچھ ساتھی وہیں جمے رہے اور اکثر حضرات نے جگہ چھوڑ دی اور مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ دشمن کے پاؤں اکھڑ چکے تھے، اور وہ شکست کھا کر راہ فرار اختیار کر چکا تھا لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ تیر انداز پہاڑی سے اتر چکے ہیں تو پلٹ کر پھر جنگ شروع کر دی، اب صورت حال بدل گئی مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ ﴿۱۴۲﴾ اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ
 اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُبَدِّدَ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنَزَّلِينَ ﴿۱۴۳﴾ بَلَىٰ اِنْ تَصْبِرُوا وَ
 تَتَّقُوا وَيَاْتُوكُم مِّنْ فَوْرِهِمْ هَذَا يُبَدِّدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿۱۴۵﴾ وَمَا
 جَعَلَهُ اللَّهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيزِ
 الْحَكِيمِ ﴿۱۴۷﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خٰٓئِبِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

اور بلاشبہ اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی، حالانکہ تم کمزور حالت میں تھے، پس اللہ سے ڈرو تا کہ تم شکر گزار ہو، جب آپ مومنین سے فرما رہے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد فرمادے جو اتارے گئے ہوں، ہاں اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور دشمن تم پر فوراً آپہنچے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعہ جن پر نشان لگے ہوئے ہوں گے۔ اور اللہ نے یہ مدد صرف اس لیے کی کہ تمہارے لیے بشارت ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہوں، اور مدد نہیں ہے مگر صرف اللہ کی طرف سے جو زبردست حکمت والا ہے۔ تاکہ کافروں میں سے ایک گروہ کو ہلاک کر دے یا ان کو ذلیل کر دے تو وہ واپس ہو جائیں محروم ہو کر

غزوہ بدر کی فتح یابی کا تذکرہ

ابھی غزوہ احد کا واقعہ مکمل نہیں ہوا، انشاء اللہ آگے مزید اس کا بیان ہوگا۔ اللہ جل شانہ نے غزوہ احد کا تھوڑا سا واقعہ بیان فرمایا کہ غزوہ بدر کا تذکرہ فرمایا۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کو خوب زیادہ بڑھ چڑھ کر فتح حاصل ہوئی اور اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کی خوب مدد فرمائی تھی یہاں اس مدد کا تذکرہ ہے۔ غزوہ بدر والی مدد احد کی حالیہ شکست کے مقابلہ میں سامنے رکھی جائے تو وہی زیادہ معلوم ہوتی کیونکہ بدر میں ستر کافر قتل ہوئے اور ستر کافروں کو قید کر کے مدینہ منورہ لے آئے۔ اور غزوہ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے تھے لہذا اس فتح کے سامنے یہ شکست آدھی رہ جاتی ہے اس طرح سے غزوہ بدر کے تذکرہ میں مسلمانوں کے لیے بہت بڑی تسلی ہے۔

﴿اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (الآیۃ) میں فرشتوں کے نزول کے وعدہ کا تذکرہ ہے غزوہ بدر میں فرشتے آئے تھے انہوں نے جنگ میں بھی حصہ لیا اور مسلمانوں کو ہمتیں دلائیں اور ان کو ثابت قدم رکھا۔ کیا غزوہ احد میں بھی فرشتوں کا نزول ہوا تھا۔ اس بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے، آیت بالا میں جو تین ہزار فرشتوں کے نزول کا تذکرہ ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں غزوہ بدر ہی کے فرشتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سورہ انفال میں غزوہ بدر میں ایک ہزار فرشتوں کے نزول کا تذکرہ ہے اور یہاں تین ہزار پھر پانچ ہزار فرشتوں کے نزول کا تذکرہ فرمایا ہے اور یہ سب غزوہ بدر سے متعلق ہے اول ایک ہزار پھر تین ہزار پھر پانچ ہزار فرشتوں کے نزول کا وعدہ فرمایا اور پانچ ہزار کا نزول ہوا۔

معالم التنزیل صفحہ ۳۴: ج ۴ میں حضرت قتادہ کا قول اسی طرح نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ مسلمانوں نے بدر میں صبر کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ ہزار فرشتے نازل فرمائے، نیز معالم التنزیل میں ضحاک اور عکرمہ کا قول یوں نقل کیا ہے کہ جس وعدہ کا ﴿اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ میں ذکر ہے جنگ احد کے بارے میں ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں سے بشرط صبر مدد کا وعدہ فرمایا تھا لیکن انہوں نے صبر نہیں کیا لہذا ان کی مدد نہیں کی گئی۔ صاحب روح المعانی اسی قول کو معتمد بتاتے ہیں کہ یہ آیت جس میں پانچ ہزار فرشتوں کی آمد کا ذکر ہے اس میں غزوہ بدر ہی کا ذکر ہے۔

لفظ مُسَوِّمِينَ کا ترجمہ نشان لگے ہوئے سے کیا گیا ہے ان فرشتوں کے کیا نشان تھے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی صفحہ ۴۶:

ج ۴ بحوالہ ابن اسحاق اور طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ غزوہ بدر میں فرشتوں کی نشانی یہ تھی کہ وہ سفید پگڑیاں باندھے ہوئے تھے جن کے شملے کمروں پر ڈالے ہوئے تھے اور غزوہ حنین میں ان کے عمائے سرخ تھے اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں جو کتب تفسیر میں مذکور ہیں۔

مدد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے:

پھر فرمایا ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ (اور اللہ نے یہ مدد صرف اس لیے کی کہ تمہارے لیے بشارت ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہوں اور مدد نہیں ہے مگر صرف اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمت والا ہے)

یہ آیت تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ غزوہ بدر کے تذکرہ میں سورہ انفال کے دوسرے رکوع کے ختم پر بھی ہے۔ اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ فرشتوں کے ذریعہ جو مدد کی گئی وہ اس لیے ہے کہ تمہارے دل خوش ہو جائیں اور مطمئن ہو جائیں تاکہ دشمن کی کثرت کا خوف نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے وہ جس کی مدد فرمائے وہی منصور اور کامیاب ہوگا لوگوں کی آپس کی مدد کی کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ کی مدد کے سامنے ہر جماعت شکست خوردہ ہے اور ہر مدد بے حیثیت ہے۔ اللہ عزیز ہے یعنی غالب ہے اور حکیم بھی ہے۔ وہ حکمت کے موافق مدد فرماتا ہے۔ اور بعض مرتبہ حکمت کا تقاضا یہ ہو کہ مدد نہ کی جائے تو ایسا بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ غزوہ احد میں ہوا۔

پھر فرمایا ﴿لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا﴾ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بدر میں تم کو اس لیے غلبہ دیا کہ کافروں کے ایک گروہ کو ہلاک فرمادے یا ان میں سے بعض کو ذلیل اور خوار کر دے پھر ناکام ہو کر لوٹ جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بدر میں ستر کافر مارے گئے جو اپنی جماعت کے رؤسا تھے اور ستر قید کر کے لائے گئے۔ جو بچے تھے وہ ناکام ہو کر واپس ہو گئے ان کی تعداد اور سامان نے کچھ کام نہ دیا اللہ کی مدد کی وجہ سے مسلمان غالب ہوئے حالانکہ وہ تھوڑے سے تھے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبُهُمْ فَأِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٧٨﴾ وَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

وَمَا فِي الْأَرْضِ يُعْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٧٩﴾

آپ کو کچھ بھی اختیار نہیں ہے اللہ چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق دے یا ان کو عذاب دے کیونکہ وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ مغفرت فرماتا ہے جس کی چاہے اور عذاب دیتا ہے جس کو چاہے، اور اللہ غفور رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کو سب کچھ اختیار ہے

یہاں سے پھر غزوہ احد کے واقعہ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ اسباب النزول صفحہ ۱۱۶ میں حضرت انس سے نقل کیا ہے کہ غزوہ احد میں آنحضرت ﷺ کے سامنے کے دانت شہید ہو گئے تھے اور آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا تھا۔ چہرہ مبارک سے خون بہہ رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے کہ وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جنہوں نے اپنے نبی کے چہرہ کو خون سے رنگ دیا۔ اس حال میں کہ وہ انہیں ان کے رب کی طرف بلا رہا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ نازل فرمائی یعنی تمام امور اللہ کی طرف مفوض ہیں اور سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ آپ کو صبر کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی تو ان کو ایمان کی توفیق دے کر ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور اگر چاہے گا تو ان کو عذاب دے گا۔ کفر پر مریں گے، عذاب میں مبتلا ہوں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا جو لوگ احد میں مکہ معظمہ سے لڑنے کے لیے آئے تھے ان میں سے بعض بعد میں مسلمان ہو گئے جن میں ابوسفیان بھی تھے۔ صفوان بن امیہ بھی تھے ابوسفیان کی بیوی ہند بھی مسلمان ہو گئی جس نے آنحضرت

ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ اور وحشی بن حرب بھی مسلمان ہوئے جنہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۲۰﴾
 وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۱۲۱﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۲۲﴾ وَسَارِعُوا
 إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۳﴾ الَّذِينَ
 يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكُظَيِّمِ الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ
 الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۲۴﴾ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا
 لِذُنُوبِهِمْ ۖ وَمَن يَغْفِرَ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَلَمْ يُعْرِضُوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۲۵﴾ أُولَٰئِكَ
 جَزَاءُ وَّهُمْ مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۗ وَنِعْمَ أَجْرُ
 الْعَامِلِينَ ﴿۱۲۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۖ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
 الْبَاغِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۸﴾

اے ایمان والو مت کھاؤ سود چند در چند بڑھا کر، اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور ڈرو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور جلدی آگے بڑھو مغفرت کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور جنت کی طرف جس کا عرض ایسا ہے جیسے تمام آسمان اور زمین، وہ تیار کی گئی ہے متقیوں کے لیے جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں، اور جو ضبط کرنے والے ہیں غصہ کو اور جو لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ محبت فرماتا ہے اچھے کام کرنے والوں سے، اور وہ لوگ جنہوں نے جب کوئی برا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی مغفرت چاہی اور گناہوں کو کون بخشے گا سوائے اللہ کے اور انہوں نے اپنے کیے پر اصرار نہیں کیا وہ جانتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کا بدلہ مغفرت ہے ان کی رب کی طرف سے اور باغ ہیں جن کے نیچے جاری ہیں نہریں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا، تم سے پہلے بہت سے طریقے گزر چکے ہیں لہذا تم چلو زمین میں پھر دیکھو کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا یہ بیان ہے لوگوں کے لیے اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے متقیوں کے لیے۔

سود کھانے کی ممانعت اور مغفرت خداوندی کی طرف بڑھنے میں جلدی کرنے کا حکم
 ابھی غزوہ احد کا واقعہ پورا مذکور نہیں ہوا اس کا بہت سا حصہ باقی ہے۔ درمیان میں بعض گناہوں سے خصوصی طور پر بچنے کا حکم فرمایا اور تقویٰ کا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم فرمایا اور بعض طاعات کی ترغیب دی اور اہل اطاعت کے اخروی بدلہ کا تذکرہ فرمایا۔ غزوہ احد میں مسلمانوں سے جو حکم کی خلاف ورزی ہو گئی تھی۔ جس کا ذکر آیت شریفہ ﴿إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا﴾ میں فرمایا ہے یہاں عمومی طور پر گناہوں سے بچنے اور اطاعت میں لگنے کا حکم فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ گناہ عمومی طور پر مصیبتوں کو لانے والے ہیں اور اطاعت مصائب کو دور کرنے کا سبب ہیں اور آخرت میں مغفرت اور جنت ملنے کا ذریعہ ہیں خاص کر سود لینے کی ممانعت فرمائی۔ یہ گناہ ایسا ہے جو انسان کو خالص دنیا دار بنا دیتا ہے۔ سود خوروں کے دلوں میں تقویٰ اور خوف باقی نہیں رہتا مال زیادہ ہو جانا ہی ان کا وظیفہ زندگی بن

جاتا ہے۔ اور مخلوق پر رحم کھانے کا ان میں جذبہ رہتا ہی نہیں۔ یہ جو فرمایا ہے کہ چند در چند سود نہ کھاؤ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ تھوڑا بہت کھانا جائز ہے۔ کیونکہ سود کا ایک درہم لینا بھی حرام ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سود کا ایک درہم بھی کوئی شخص کھاتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ وہ سود کا ہے تو وہ چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۲۶: از احمد و دارقطنی)

جو لوگ سود پر رقمیں دیتے ہیں عموماً ان کے اصل مال سے سود کا مال بڑھ جاتا ہے۔ اور ان کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ماہانہ مقررہ فیصد پر رقم قرض دیتے ہیں پھر جب وقت پر ادا نہیں ہوتا تو اصل اور سود دونوں پر سود لگا دیتے ہیں اور جب تک اصل رقم اور سود ادا نہ ہوگا ہر ماہ سود بڑھتا ہی رہے گا۔ اصل پر اور سود پر برابر سود کا اضافہ ہوتا جائے گا۔ اس طرح سے اضعاغاً مضاعفہ (چند در چند گنا) ہوتا چلا جاتا ہے۔ سود خوروں میں جو طریقہ مروج ہے آیت کریمہ میں اس کا ذکر فرما دیا ہے۔ کوئی سود خور فاسق یہ نہ سمجھ لے کہ تھوڑا بہت سود ہو تو جائز ہے (العیاذ باللہ من ذالک) سود خوری کا خصوصی ذکر اس جگہ غزوہ کے ذیل میں بیان فرمانا اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سود خور کا جہاد میں حوصلہ نہیں ہو سکتا وہ اپنے مال کی وجہ سے ایمان کے تقاضے پورا کرنے سے عاجز رہے گا سود کے بارے میں جو وعیدیں حدیث شریف میں وارد ہوئیں ان کا تذکرہ آیت کریمہ ﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ﴾ کے ذیل میں گزر چکا ہے اور بھی معلومات متعلقہ سود وہاں لکھی جا چکی ہیں۔

سود سے بچنے کا حکم دینے کے بعد تقویٰ کا حکم فرمایا اور اس کو کامیابی کا سبب بتایا پھر دوزخ کی آگ سے بچنے کا حکم دیا۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ گناہوں سے پرہیز کیا جائے ہر گناہ دوزخ کی طرف کھینچنے والا ہے۔ گناہوں سے بچنا ہی دوزخ سے بچنا ہے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ﴿أَعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾ یعنی دوزخ کی آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ اصل مقام کافروں ہی کا ہے۔ مسلمانوں کا گناہوں میں مبتلا ہو کر اس مقام میں جانا نہایت شرم کی بات ہے دشمن کی جگہ تو یوں بھی نہیں جانا چاہیے چہ جائیکہ عذاب کی جگہ پہنچنے کی راہ ہموار کی جائے اور عذاب بھی معمولی نہیں بلکہ سخت در سخت ہے۔ ان مومن مخلص بندوں کی حرص کریں جو جنت ہی کے کاموں میں لگے رہتے ہیں اور جنت متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے جیسا کہ انہیں آیات میں مذکور ہے تقویٰ اختیار کر کے جنت میں جائیں جو مومنین کا اصل مقام ہے گناہوں میں مبتلا ہو کر دوسری راہ کیوں اختیار کریں۔

پھر ارشاد فرمایا: ﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے) معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا رحم لانے والی چیز اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔

پھر ارشاد فرمایا: ﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ (الآیة) کہ اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف جلدی جلدی آگے بڑھو مسارعت اور مقابلہ کی چیز مغفرت اور جنت ہے اعمال صالحہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔

جنت کا طول و عرض:

ساتھ ہی جنت کی وسعت کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ ﴿عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ﴾ کہ جنت کا چوڑاؤ ایسا ہے جیسے تمام آسمانوں اور زمین کی وسعت ہے، انسانوں کی نظر کے سامنے چونکہ آسمان اور زمین ہی طول و عرض کے اعتبار سے سب سے بڑی چیزیں ہیں اس لیے جنت کی وسعت بتانے کے لیے تقریب الی الفہم کے طور پر یہ ارشاد فرمایا کہ جنت کی چوڑائی ایسی ہے جیسی آسمانوں اور زمین کی چوڑائی ہے۔ صاحب روح المعانی (صفحہ ۵۶: ج ۴) نے فرمایا: کنایۃ عن غایۃ السعۃ بما هو فی تصور السامعین حقیقت میں جنت آسمانوں اور زمینوں سے بہت بڑی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے آخری جنتی کو اتنی بڑی جگہ ملے گی جیسی یہ دنیا ہے اور اس جیسی دس گنی اور مزید ملے گی (مشکوٰۃ المصابیح: صفحہ ۴۹۲: ج ۲) جس خالق نے آسمان وزمین پیدا فرمائے اس کی قدرت میں یہ بھی ہے کہ ان سے بڑی مخلوق پیدا فرما دے۔ لوگ آسمان پر تو پہنچے ہی نہیں زمین کے لمبے چوڑے سفر کر کے کہتے ہیں کہ ہمیں فلاں چیز نہیں ملی جس کا قرآن و حدیث میں ذکر ہے اول

تو اس کی کوئی دلیل نہیں کہ ہر جگہ پہنچ چکے ہیں اور اگر زمین کو ہر جگہ ٹٹول بھی لیا تو اس زمین کے علاوہ اور چھ زمینیں ہیں اور سات آسمان ہیں ان سب کے درمیان خلا ہے وہاں تک تو پہنچے ہی نہیں اور سورج تک پہنچنے کا تصور ہی نہیں کر سکے پھر یہ سوال کرنا کہ جنت دوزخ کہاں ہے سرپا بے وقوفی ہے جو چیز آسمان اور زمین سے باہر ہو وہ آسمانوں میں اور زمین میں کیسے ملے گی۔

صاحب معالم التنزیل صفحہ ۳۵۱: ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ جنت کے عرض کو بیان فرمایا ہے اور معلوم ہے کہ طول عرض سے زیادہ ہوتا ہے جب اس کا عرض اتنا بڑا ہے تو طول کتنا بڑا ہوگا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ جنت آسمان میں ہے یا زمین میں۔ انہوں نے فرمایا کہ کون سی زمین اور کون سا آسمان ہے جس میں جنت کے سما جانے کی گنجائش ہو؟ عرض کیا گیا پھر کہاں ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اور عرش کے نیچے ہے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین یہ جانتے تھے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے عرش کے نیچے ہے اور دوزخ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔ (انتہی بخذف)

متقیوں کی بعض صفات

• پھر فرمایا ﴿أَعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ کہ جنت متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے اس کے بعد متقیوں کی بعض صفات بیان فرمائیں۔

اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنا:

اول اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا کہ ﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ﴾ (یہ حضرات خرچ کرتے ہیں تکلیف میں بھی اور خوشی میں بھی) اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ ہر حال میں خرچ کرتے رہنا چاہیے ایک ہزار روپے میں جو ایک روپے کی حیثیت مالدار کے لیے ہے وہی حیثیت ایک روپے میں سے ایک پیسے کی غریب آدمی کے لیے ہے۔ جن کو اللہ کے لیے خرچ کرنے کا ذوق ہے وہ تنگدستی میں بھی خرچ کرتے ہیں جس کی تعریف فرماتے ہوئے سورہ حشر میں فرمایا ہے ﴿وَيُؤْتِرُونَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (کہ وہ اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو خود حاجت ہو) فی سبیل اللہ خرچ کرنا مالداروں ہی کا حصہ نہیں غریبوں کا بھی حصہ ہے۔ سخاوت ایک مزاج ہے جس کا تعلق مالداروں سے نہیں جسے سخاوت کا مزاج نصیب ہو جائے وہ ہر حال میں خرچ کرتا ہے۔

غصہ پینے کی فضیلت:

دوم یہ فرمایا ﴿وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾ کہ یہ حضرات اپنے غصے کو ضبط کرنے والے ہیں یعنی جب غصہ آتا ہے تو روک دیتے ہیں اور غصہ کے مقتضی پر عمل نہیں کرتے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسرے کو پچھاڑ دے (بلکہ) پہلوان وہی ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو پالے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۹۰۳: ج ۲) رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ نے اللہ کے نزدیک کوئی گھونٹ اس گھونٹ سے زیادہ فضیلت والا نہیں پیا جو غصہ والا گھونٹ ہو جسے وہ اللہ کی رضا مندی کے لیے ضبط کر جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۳ از مسند احمد) سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ غصہ شیطان سے ہے اور بے شک شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی ہی بجھاتا ہے سو تم میں سے کسی شخص کو غصہ آئے تو وضو کرے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اس طرح غصہ چلا جائے تو بہتر ہے ورنہ لیٹ جائے۔ (رواہ الترمذی المشکوٰۃ صفحہ ۴۳۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے اور جس نے اپنے غصے کو روک لیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روک لیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۳)

معاف کرنے کی فضیلت:

سوم یہ فرمایا **وَالْعَافِينَ** کہ یہ لوگ لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔ معاف کرنا بہت فضیلت والی صفت ہے اور یہ فضیلت ہر قسم کے مظالم کے معاف کرنے کو شامل ہے کسی آدمی نے مال مار لیا ہو حق روک لیا ہو، مار پیٹ کی ہو، غیبت کی ہو، بہتان لگایا ہو ان سب کے معاف کرنے میں اجر و ثواب ہے اور معاف کرنے کا بلند مرتبہ یہ ہے کہ قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب! آپ کے نزدیک آپ کے بندوں میں سب سے زیادہ باعزت کون ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۴ از بیہقی فی شعب الایمان)

محسنین اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں:

چہارم یوں فرمایا: **﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾** (اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے) المحسنین محسن کی جمع ہے جس کا مصدر احسان ہے اور احسان ہر کام کو خوبی کے ساتھ انجام دینے کو کہا جاتا ہے۔ عبادات کا احسان تو حدیث جبریل میں بیان فرمادیا کہ: **أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ** (کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے جیسے تو اس کو دیکھ رہا ہے سوا اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے) اور بندوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں احسان یہ ہے کہ ان کے ساتھ جو معاملات پیش آئیں ان میں خوبی اور عمدگی اختیار کرے۔ مثلاً قرضوں کے تقاضوں میں نرمی اختیار کرے۔ بڑوں کی عزت کرے چھوٹوں پر رحم کرے یتیموں، مسکینوں اور ضعیفوں کی خدمت کرے ضرورت مندوں کو کھلائے پلائے پہنائے اور دوسروں کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہو۔

حضرت زین العابدین کا ایک واقعہ:

صاحب روح المعانی نے یہاں ایک واقعہ لکھا ہے اور وہ یہ کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو ان کی ایک باندی وضو کر رہی تھی اس کے ہاتھ سے لوٹا گر گیا جس سے ان کا چہرہ زخمی ہو گیا انہوں نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس نے **﴿وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ﴾** پڑھ دیا اس پر انہوں نے کہا کہ میں نے اپنا غصہ ضبط کر لیا پھر اس نے **وَالْعَافِينَ** عن الناس پڑھا آپ نے اس کو معاف کر دیا۔ پھر اس نے **﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾** پڑھا اس پر انہوں نے فرمایا اچھا جا تو اللہ کے لیے آزاد ہے۔

توبہ استغفار کی فضیلت:

پھر فرمایا **﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ﴾** (الآیہ) اس میں ان لوگوں کی تعریف فرمائی جس سے کوئی فاحش گناہ سرزد ہو جائے یا کسی بھی گناہ کے ذریعہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو استغفار کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ اس کے بعد اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں اور اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔ اس میں توبہ کی ایک بڑی شرط کی طرف راہنمائی فرمائی اور وہ یہ کہ جب گناہ ہو جائے اور توبہ کرے تو توبہ میں یہ بھی شامل ہے کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عہد کرے گناہ پر اصرار نہ کرے زبان سے توبہ توبہ کرے اور گناہ کے کام بھی جاری رہیں تو اس طرح توبہ نہیں ہوتی۔ اسی کو کسی نے کہا ہے

سبحہ بر کف توبہ بر لب دل پر از ذوق گناہ معصیت را خندہ می آید براستغفار ما

اور حضرت رابعہ بصریہ نے فرمایا کہ **إِسْتِغْفَارُنَا يَحْتَابِرُ إِلَى اسْتِغْفَارِ كَثِيرٍ** یعنی ہمارا استغفار ایسا ہے کہ اس کے لیے بھی بہت استغفار کی ضرورت ہے کیونکہ وہ سچے دل سے نہیں ہوتا غفلت کے ساتھ جو استغفار ہے وہ مقام بندگی کے خلاف ہے۔ (ذکرہ ابن الجزری فی الحصن الحصبہ)

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی گناہوں کا بخشنے والا نہیں ہے:

درمیان میں فرمایا ﴿وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (کہ اللہ کے سوا وہ کون ہے جو گناہوں کو معاف فرمائے) اس میں جہاں مومن بندوں کو توجہ دلائی ہے کہ اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوں وہاں اس میں نصاریٰ کے اس عقیدہ کی بھی تردید ہے کہ جو کچھ گناہ کریں گے اتوار کے دن گرجا میں جا کر اپنے پوپ سے معاف کرا لیں گے، عام گناہوں کو تو وہ بغیر کسی درخواست کے معاف کر دیتا ہے اور بعض گناہ ایسے ہیں جن کے بارے میں انہوں نے یہ شرط لگا رکھی ہے کہ پوپ کے کان میں کہہ دے کہ ہم نے یہ گناہ کیا اس پر وہ معاف کر دیتا ہے یہ کیسی بیہودہ بات ہے جو عقل سے بھی باہر ہے کہ انسان گناہ کرے اللہ کا اور اس کی بخشش کر دے کوئی انسان۔ نعوذ باللہ من اباطیلہم و جہلہم۔

نیک بندوں کا ثواب:

پھر نیک بندوں کی جزاء بیان فرمائی کہ ﴿أُولَٰئِكَ جَزَاءُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الآیۃ) یعنی ان کے اعمال کا بدلہ مغفرت ہے ان کے رب کی طرف سے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ پھر اس بدلہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ﴾ (کیا ہی خوب بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا)۔

اہم سابقہ سے عبرت:

پھر فرمایا ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ﴾ (یعنی تم سے پہلے بہت سے طریقے گزر چکے ہیں۔ لہذا تم چلو زمین میں پھر دیکھو کیا انجام ہے جھٹلانے والوں کا) مطلب یہ ہے کہ تم سے پہلی امتوں کے واقعات گزر چکے ہیں جنہوں نے اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا اور جھٹلانے والے انجام کے اعتبار سے مغلوب اور معذوب اور ہلاک ہوئے دنیا میں چل پھر کر ان کا انجام اپنی نظروں سے دیکھ لو۔ کتنی قومیں تھیں کہاں کہاں آباد تھیں ان کی بربادی کے نشانات ابھی تک دنیا میں موجود ہیں جو آنکھوں والوں کو عبرت کے لیے کافی ہیں۔ (قال صاحب الروح صفحہ ۲۵: ج ۴ ای وقائع فی الامم الملکذبة اجراھا اللہ تعالیٰ حسب عادته)

اگر وقتی طور پر تمہارے دشمنوں کو کسی طرح کی ظاہری فتح حاصل ہوگی تو اس سے گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں پھر فتح یابی سے سرفراز فرمائے گا۔ (قال معالم التنزیل صفحہ ۳۵: ج ۱) ای يقول اللہ عزوجل وانا امہلہم و استدر جہم حتی یبلغ اجلی الذی اجلت فی نصرۃ النبی ﷺ و اولیاءہ و اہلک اعدائہ۔

آخر میں فرمایا ﴿هٰذَا بَيِّنَاتٌ لِّلنَّاسِ﴾ (الآیۃ) کہ یہ لوگوں کے لیے بیان ہے اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے) یعنی جو کچھ اوپر بیان ہوا۔ یہ واضح بیان ہے لوگوں کے لیے لوگوں کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو جنگ کرنے کے لیے آئے تھے اور عام ملذبین بھی۔ آخر میں ﴿وَهُدًى وَ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ﴾ فرما کر یہ بتا دیا کہ اہل تقویٰ ہی واقعی طور پر ہدایت اور عبرت اور نصیحت حاصل کرتے ہیں (قال صاحب روح المعانی صفحہ ۶۶: ج ۴) والمراد بیان لجميع الناس لكن المنتفع به المتقون لانہم یبتدون بہ و ینتفعون بوعظہ)

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾

اور ہمت نہ ہارو اور غمگین نہ ہو اور تم ہی بلند ہو گے اگر تم مومن ہو

تم ہی بلند ہو گے اگر مومن ہو

اسباب النزول صفحہ ۱۲۰ میں علامہ واحدی حضرت ابن عباس سے نقل فرماتے ہیں کہ جب غزوہ احد میں صحابہ کو شکست ہو گئی تو خالد بن ولید (جو اس وقت مشرکین کے لشکر میں تھے) مشرکین کے لشکر کو لے کر آگے بڑھے ارادہ یہ تھا کہ پہاڑ کے اوپر سے چڑھ کر پھر حملہ کر دیا جائے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اس موقع پر یوں دعا کی:

اللَّهُمَّ لَا يَعْلُونَ عَلَيْنَا اللَّهُمَّ لَا قُوَّةَ لَنَا إِلَّا بِاللَّهِ اللَّهُمَّ لَيْسَ يَعْبُدُكَ بِهَذِهِ الْبَلَدَةِ غَيْرَ هَؤُلَاءِ النَّفَرِ

”اے اللہ یہ ہم پر بلند نہ ہو جائیں اے اللہ ہمارے پاس کوئی قوت نہیں سوائے آپ کے اس شہر میں ان چند آدمیوں کے علاوہ آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہیں۔“

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور چند مسلمان جو تیر انداز تھے پہاڑ پر چڑھ گئے جنہوں نے مشرکین کی گھوڑے سوار جماعت کو تیروں کا نشانہ بنایا جس سے وہ شکست خوردہ ہو کر واپس چلے گئے۔ مسلمانوں کی ہمت ٹوٹی ہوئی تھی پھر بھی انہوں نے ہمت کر لی اور دشمن کو تیروں کی بوچھاڑ سے مار بھگایا۔

إِنْ يَسِسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۖ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۗ
وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝۱۳۰
وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيُحِقَّ الْكُفْرَيْنَ ۝۱۳۱ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ
جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۝۱۳۲ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَسْتَوُونَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ ۗ فَقَدْ
رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝۱۳۳

اگر تم کو زخم پہنچ گیا تو تمہاری مقابل قوم کو اس جیسا زخم پہنچ چکا ہے۔ اور یہ دن ہیں جنہیں ہم باری باری بدلتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان اور تاکہ اللہ جان لے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور بنا لے تم میں سے شہادت پانے والے، اور اللہ پسند نہیں فرماتا ظالموں کو۔ اور تاکہ پاک صاف کرے ایمان والوں کو، اور مٹادے کافروں کو، کیا تم نے یہ خیال کیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے ان لوگوں کو جو جہاد کرنے والے ہیں تم میں سے، اور تاکہ وہ جان لے ثابت قدم رہنے والوں کو، اور اس میں شک نہیں کہ تم لوگ موت کے سامنے آنے سے پہلے اس کی آرزو کرتے تھے، سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا اس حال میں کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

مسلمانوں کو تسلی

ان آیات میں اول تو مسلمانوں کو تسلی دی اور فرمایا کہ اگر تمہیں زخم پہنچا ہے تو اس سے پہلے تمہارے دشمنوں کو بھی اس جیسا زخم پہنچ چکا ہے (کہ بدر میں ان کے بھی ستر آدمی مارے جا چکے ہیں) پھر یہ بیان فرمایا کہ ہم اہل زمانہ کا حال یکساں نہیں رکھتے یہ ایام باری باری سے بدلتے رہتے ہیں کبھی کسی کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے اور کبھی اس کے مقابل دشمن کو غلبہ ہو جاتا ہے، اسی معمول کے مطابق پچھلے سال تمہارے دشمن مغلوب ہو گئے اور اس سال انہوں نے غلبہ پالیا اور تم کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔

واقعہ احد کی حکمتیں:

اس کے بعد واقعہ احد کی بعض حکمتیں بیان فرمائیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ وہ جان لے کہ ایمان والے کون ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے مصیبت کے وقت امتحان ہو جاتا ہے اور مخلص اور غیر مخلص کی پہچان ہو جاتی ہے، چنانچہ منافقین وہ معرکہ پیش آنے سے پہلے ہی واپس ہو گئے اور جو اہل ایمان تھے شکست کھا کر بھی اپنے نبی ﷺ کے ساتھ رہے (اللہ تعالیٰ کو علم تو ہر بات اور ہر واقعہ کا پہلے ہی سے ہے، لیکن ایک علم وہ ہے جو قبل الوقوع ہے اور ایک علم وہ ہے جو بعد الوقوع ہے اس قسم کے مواقع میں وہ علم مراد ہوتا ہے جو بعد الوقوع ہو کیونکہ یہ علم ہونا کہ اب یہ واقعہ ہو چکا یہ وقوع کے بعد ہی ہو سکتا ہے اس کو خوب سمجھ لیں)

اور دوسری حکمت یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو تم میں سے شہید بنانا منظور تھا شہادت بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی قیمت اور عظمت وہی جانتے ہیں جن کا قرآن و حدیث پر ایمان ہے۔

تیسری حکمت یہ بیان فرمائی کہ اللہ کو یہ منظور تھا کہ ایمان والوں کو پاک و صاف کر دے، کیونکہ مصیبت پر صبر کرنے اور تکلیفیں جھیلنے سے اخلاق اور اعمال کا تصفیہ ہو جاتا ہے۔

چوتھی حکمت یہ بیان فرمائی کہ اللہ کو یہ منظور تھا کہ کافروں کو مٹا دے وہ اس مرتبہ غالب ہوئے تو آئندہ پھر اسی گمان سے چڑھ کر آئیں گے کہ ہمیں غلبہ ہوگا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں آکر ہلاک ہوں گے۔

صاحب روح المعانی صفحہ ۷۰ ج ۴ میں فرماتے ہیں کہ یہاں کافرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو احد کے موقع پر جنگ کرنے کے لیے آئے پھر کفر پر مصر رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ختم کر دیا اور ہلاک فرما دیا۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کافر جب کبھی غالب ہو جاتے ہیں تو شیطان ان کو اور غلاتا ہے اوزان کے دلوں میں یہ بات ڈالتا ہے کہ برابر کفر پر مصر رہیں پھر اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک فرما دیتا ہے اور ہمیشہ کے لیے وہ عذاب نار میں داخل ہو جاتے ہیں۔

کیا جنت میں بغیر جہاد اور صبر کے داخل ہو جاؤ گے؟

پھر ارشاد فرمایا ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ﴾ (الآیة) (کیا تم نے یہ خیال کیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کا علم نہ ہو جنہوں نے جہاد کیا، اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نہ جان لے جو صبر کرنے والے ہیں) مطلب یہ ہے کہ تم جنت کے طلب گار ہو جنت حاصل کرنے کے لیے محنت، مشقت، جہاد اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے جنت میں جانے کی آرزو رکھنے والوں کو ان سب چیزوں کے لیے تیار رہنا چاہیے اور حسب موقع ان چیزوں میں اپنی جانوں کو لگا دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ وہ تم کو ان تکالیف میں مبتلا کرے پھر وہ تمہاری جہاد والی محنت کو اور صبر کو ان کے وقوع کے بعد جان لے کہ تم نے واقعی جہاد کیا اور صبر سے کام لیا۔

شہادت کی آرزو کرنے والوں سے خطاب:

آخر میں فرمایا ﴿وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ﴾ (اور اس میں شک نہیں کہ تم لوگ موت کے سامنے آنے سے پہلے اس کی آرزو کرتے تھے سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا اس حال میں کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے) اس میں ان حضرات صحابہ سے خطاب ہے جو غزوہ بدر میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے۔ بدر میں جنگ کی صورت پیش آجائے گی یہ بات ان کے ذہن میں نہ تھی، اس لیے وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے جب وہاں معرکہ پیش آیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت نازل ہوئی جس میں بعض صحابہ شہید بھی ہوئے تو یہ پیچھے رہ جانے والے شریک نہ ہونے پر نادم ہوئے یہ حضرات جنگ کی آرزو کرنے لگے اور کہنے لگے کہ کاش ہم بھی ان حضرات کے ساتھ مقتول ہو جاتے جو بدر میں مقتول ہوئے اور ہم بھی شہادت کا درجہ پا لیتے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے غزوہ احد میں

شریک ہونے کا موقعہ دیا اور مسلمانوں کی فتح کے بعد صورت حال پلٹ گئی اور مشرکین بھاگنے کے بعد الٹ کر واپس آ کر حملہ آور ہوئے جس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو ان لوگوں نے بھی ثابت قدمی کا ثبوت نہ دیا جو شہادت کے پیش نظر غزوہ میں شریک ہوئے تھے۔ (روح المعانی صفحہ ۷۱: ج ۴)

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَصُرَ اللَّهُ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳۴﴾
 كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كَتَبْنَا مُوَجَّلًا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَيَجْزِي الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳۵﴾

اور محمد صرف رسول ہیں، ان سے پہلے رسول گذر چکے ہیں، تو کیا ان کو موت آجائے یا مقتول ہو جائیں تو تم اٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اٹے پاؤں پھر جائے تو وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہ دے گا۔ اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو ثواب دے گا۔ اور کسی جان کو موت نہیں آ سکتی مگر اللہ کے حکم پر کہ اس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے، اور جو شخص دنیا کے بدلہ کا ارادہ کرے گا ہم اس میں سے اس کو دے دیں گے اور جو شخص آخرت کے ثواب کا ارادہ کرے گا ہم اس میں سے اسے دے دیں گے اور عنقریب ہم شکر گزاروں کو جزا دیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر پر پریشان ہونے والوں کو تنبیہ

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو ابتداء غزوہ احد میں فتح حاصل ہو گئی لیکن جب فتح یابی دیکھ کر ان تیر انداز حضرات نے اپنی جگہ چھوڑ دی جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک پہاڑی پر مقرر فرما دیا تھا تو مشرکین نے واپس ہو کر حملہ کیا اور ستر مسلمان شہید ہو گئے جن میں آنحضرت سرور عالم ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب بھی تھے اور وہ حضرات بھی جو پہاڑی پر استقامت کے ساتھ جمے رہے۔ آنحضرت ﷺ کو بھی اس موقعہ میں تکلیف پہنچی آپ کے دندان مبارک میں ایک پتھر آ کر لگا جس سے سامنے کے بعض دندان مبارک شہید ہو گئے اور چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ اسی موقع پر ایک مشرک نے آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا حضرت مصعب بن عمیر وہاں موجود تھے جن کے ہاتھ میں جھنڈا تھا انہوں نے آنحضرت ﷺ کا دفاع کیا لیکن خود شہید ہو گئے دشمن نے یہ سمجھا کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ شہید ہو گئے تو اس نے پکار کر کہا کہ میں نے محمد ﷺ کو شہید کر دیا اور بعض اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ ابلیس نے یہ اعلان کیا۔ یہ آواز سن کر مسلمانوں میں کھلبلی مچ گئی اور ادھر ادھر منتشر ہو گئے اس موقعہ پر بعض منافقین نے یوں کہا کہ محمد تو مقتول ہو گئے (ﷺ) لہذا اب اپنے پہلے دین کو اختیار کر لو منافقین تو پہلے ہی دین اسلام پر نہ تھے ظاہری طور پر اپنے کو مسلمان کہتے تھے اب جب ایسا موقعہ آ گیا تو مخلص مسلمانوں کو بھی دین اسلام سے پھر جانے کی دعوت دینے لگے رسول اللہ ﷺ نے پکارنا شروع کیا۔ الیٰ عباد اللہ (کہ اے اللہ کے بندو میری طرف آؤ) چنانچہ تیس آدمی آپ کے آس پاس جمع ہو گئے اور انہوں نے آپ کی حفاظت کی حتیٰ کہ مشرکین کو دفع کر دیا۔ اس موقعہ پر بعض صحابہ نے بہت ہی دلیری سے کہا کیا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اتنی تیز تیر اندازی کی کہ ان کی کمان کا ایک حصہ مڑ گیا۔ رسول اکرم ﷺ خود اپنے دست مبارک سے ان کو تیر دیتے رہے اور فرماتے رہے کہ اے سعد تیر پھینکو تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اس موقعہ پر حضرت طلحہ نے اپنے ہاتھوں سے آنحضرت ﷺ کو بچایا ان کا ایک ہاتھ تیر لگنے سے بالکل بیکار ہو گیا۔ حضرت قتادہ کی آنکھ حلقے سے نکل کر ان کے رخسار پر گر پڑی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی آنکھ کو دوبارہ حلقے میں لگا دیا وہ پہلے سے بھی زیادہ اچھی ہو گئی۔ جب آنحضرت ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور صحابہ جمع ہونے شروع ہوئے تو سب سے پہلے آپ کو حضرت کعب بن مالک نے پہچانا ان کی نظر آپ کی مبارک آنکھوں پر پڑ گئی دیکھا کہ آپ

مبارک آنکھیں خود کے نیچے سے پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہیں۔ انہوں نے بلند آواز سے پکارا کہ خوشخبری سن لو۔ یہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ آپ نے خاموش رہنے کو فرمایا (شاہد اس میں یہ مصلحت ہو کہ دشمن ارادہ بدل کر واپس نہ آجائے) حضرت کعب کی آواز سن کر صحابہ کی ایک جماعت آپ کے پاس پہنچ گئی آپ نے ان کو ملامت کی کہ تم لوگوں نے راہ فرار اختیار کی وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ہمارے باپ دادے اور بیٹے آپ پر قربان ہوں ہم نے جو خبر سنی تھی کہ آپ شہید کر دیئے گئے اس سے ہمارے دلوں پر رعب چھا گیا اور ہم بھاگ نکلے اس پر آیت ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ﴾ (الآیة) نازل ہوئی۔

جب حضرت رسول اکرم ﷺ کی شہادت کی خبر اڑادی گئی تو حضرت انس بن نصر نے صحابہ سے کہا آپ لوگ کیوں بیٹھے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے اب ہم کیا کریں انہوں نے کہا اب رسول اللہ ﷺ کے بعد زندہ رہ کر ہی کیا کرو گے۔ قوموا فموتوا علی مامات علیہ رسول اللہ ﷺ (کھڑے ہو جاؤ اور اسی دین پر پرجاؤ جس دین پر رسول اللہ ﷺ نے جان دے دی) اس کے بعد انہوں نے دشمن کی طرف رخ کیا اور جنگ کرتے کرتے شہید ہو گئے۔

حضرت ثابت بن وداح نے بھی حضرات صحابہ سے اسی قسم کا خطاب کیا اور فرمایا: اِنْ كَانَ مُحَمَّدٌ ﷺ قَدْ قُتِلَ فَاِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ فَقَاتِلُوا عَنْ دِينِكُمْ فَاِنَّ اللَّهَ مُطَهِّرٌ كُمْ وَنَاصِرٌ كُمْ (یعنی اگر محمد ﷺ شہید ہو گئے تو اللہ تو ہمیشہ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی لہذا اپنے دین کی طرف سے لڑائی لڑو اللہ تمہیں پاک صاف فرمائے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا) کچھ انصاری ان کے کہنے سے جمع ہو گئے۔ اور انہوں نے لڑنا شروع کر دیا حتیٰ کہ خالد بن ولید نے نیزہ مار کر ان کو شہید کر دیا۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک مہاجر صحابی کا ایک انصاری پر گذر ہوا جو اپنے خون میں لت پت پڑے ہوئے تھے۔ مہاجر صحابی نے ان سے کہا کیا تمہیں پتہ ہے کہ محمد ﷺ شہید ہو گئے اس انصاری نے اسی حالت میں جواب دیا اگر وہ شہید ہو گئے تو انہوں نے رسالت کا کام پورا کر دیا (اب ہمارا کام باقی ہے) لہذا ان کے دین کی طرف سے قتال کرو۔ حضرت سعد بن ربیع کا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے۔ حضرت زید بن ثابت کو رسول اللہ ﷺ نے ان کی تلاش میں بھیجا اور فرمایا کہ ان کو کہیں دیکھ لو تو میرا سلام کہنا۔ حضرت زید بن ثابت ان کو مقتولین میں تلاش کر رہے تھے تو دیکھا کہ ان میں زندگی کے دو چار سانس رہ گئے ہیں اور ستر زخم ان کے جسم میں آچکے ہیں۔ حضرت زید نے ان کو آنحضرت ﷺ کا پیغام دیا اور ان سے کہا کہ آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ سعد بن ربیع نے جواب دیا کہ اللہ کے رسول پر سلام اور تم پر سلام رسول اللہ ﷺ سے کہہ دینا کہ جنت کی خوشبو پا رہا ہوں اور میری قوم انصار سے کہنا کہ اگر رسول اللہ ﷺ تک دشمن پہنچ گئے اور تم میں سے ایک آنکھ بھی دیکھتی رہی (یعنی تم میں سے کوئی بھی زندہ رہ گیا) تو تمہارے لیے اللہ کے نزدیک کوئی عذر نہ ہوگا۔ یہ کہا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔

جب آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر اڑی جس سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے تو اس وقت ابوسفیان نے (جو اس وقت لشکر کا قائد تھا) پہاڑ کے نیچے والے حصے سے آواز دی اَعْلَى هُبَل (ہبل شکرین کا ایک بت تھا) مذکورہ الفاظ میں اس کا نعرہ لگایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم اس کا جواب نہ دیں آپ نے فرمایا ہاں جواب دو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے جواب میں یہ نعرہ لگایا کہ اَللّٰهُ اَعْلَى وَاَجَل (کہ اللہ سب سے بالا اور بڑتر ہے اور بزرگ تر ہے)۔ پھر ابوسفیان نے کہا لَنَا الْعُزَّى وَلَا عُزَّى لَكُمْ (کہ ہمارے لیے عزی ہے اور تمہارے لیے عزی نہیں) عزی بھی ان لوگوں کا ایک بت تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کا یوں جواب دو اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَى لَكُمْ اللّٰهُ هَامِدٌ دَاكِرٌ (کہ اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں) چنانچہ یہ جواب دے دیا گیا۔

پھر ابوسفیان نے پوچھا کہ فلاں فلاں کہاں ہیں، اس کا یہ سوال حضرت رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے بارے میں تھا۔ حضرت عمر نے جواب میں فرمایا یہ رسول اللہ ہیں اور یہ ابو بکر ہیں اور میں بھی موجود ہوں۔ ابوسفیان نے کہا کہ یہ بدر کے دن کا بدلہ ہے اور یہ بھی کہا کہ دن بدلتے رہتے ہیں کبھی کسی کی فتح ہوتی ہے اور کبھی کسی کی، لڑائی برابر برابر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ برابر نہیں ہے۔ ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین دوزخ میں ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ اگر تم یہ عقیدہ رکھتے ہو تو ہم تو بالکل ہی برباد ہیں۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بارہ افراد رہ گئے تھے (بعد میں دیگر افراد بھی حاضر ہو گئے تھے) ان کے علاوہ جو صحابہ تھے ان میں سے کچھ لوگ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے اور کچھ پہاڑی پر چڑھ گئے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت حارث بن صمہ اور دیگر چند صحابہ تھے (رضی اللہ عنہم) آپ ان حضرات کے ساتھ گھائی کی طرف روانہ ہو گئے۔ جنگ سے پہلے قیام تھا۔

مشرک ابی بن خلف کا قتل:

جب آپ گھائی میں ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تو ابی بن خلف مشرک نے آپ کو دیکھ لیا اور کہا کہ میں محمد ﷺ کو قتل کر دوں گا، یہ بات وہ پہلے سے کہا کرتا تھا جب مکہ مکرمہ میں تھا۔ آپ نے فرمایا میں تجھے قتل کر دوں گا۔ یہ شخص پوری طرح لوہے کے ہتھیاروں سے مسلح تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی ہنسلی نظر آ گئی آپ نے اس کو ایک نیزہ مار دیا جس کی وجہ سے وہ گھوڑے سے گر پڑا آپ کا نیزہ لگنے سے اسے بظاہر معمولی سی خراش آ گئی تھی لیکن وہ گائے کی طرح آوازیں نکال رہا تھا۔ اس کے ساتھی اٹھا کر لے گئے اور کہنے لگے کہ اتنا کیوں چیختا ہے ذرا سی ہی تو خراش آئی ہے وہ کہنے لگا کہ میں مڑ کر رہوں گا، محمد (ﷺ) نے کہا تھا کہ میں ابی کو قتل کر دوں گا۔ پھر کہنے لگا کہ یہ تکلیف جو مجھے ہو رہی ہے اگر سب اہل حجاز کو ہو جائے تو سب مر جائیں واپس ہوتے ہوئے رابع میں مر گیا اور جہنم رسید ہوا۔ (صحیح بخاری، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن کثیر)

سیدنا رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے پورے غزوات میں یہی ایک شخص مقتول ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب میں وہ شخص مبتلا ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہو یا جس کو کسی نبی نے قتل کیا ہو یا جس نے والدین میں سے کسی کو قتل کیا ہو اور تصویر بنانے والوں کو بھی سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا۔ اور اس عالم کو بھی سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا جس نے اپنے علم سے نفع حاصل نہ کیا ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۷۳۸)

آیت بالا میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ محمد ﷺ اپنے عہدہ اور مرتبہ کے اعتبار سے رسول ہی تو ہیں تم نے یہ کیسے اپنے پاس سے تجویز کر لیا کہ ان کو موت نہیں آئے گی۔ یہ تو خالق کائنات جل مجدہ کی شان ہے کہ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ پھر مسلمانوں کو سرزنش فرمائی کہ محمد ﷺ اللہ کی طرف بلانے والے تھے۔ معبود نہیں تھے۔ معبود تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اپنی دعوت کا کام کر کے شرک چھڑا کر اور تم کو توحید پر لگا کر اور اللہ کی عبادت کی تعلیم دے کر اپنی طبعی موت سے اس دنیا میں تشریف لے گئے یا مقتول ہو گئے تو کیا تم اپنے بچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے کیا دین حق کو چھوڑ کر پھر دین باطل کو اختیار کر لو گے۔ دین تو اللہ کا بھیجا ہوا ہے جس کا دین ہے وہ تو ہمیشہ زندہ ہے۔ ہمیشہ اسی کی عبادت کرتے رہو۔ ان باتوں اور ان وسوسوں کا کیا مقام ہے جو اس وقت تمہارے نفوس میں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دن حضرت ابوبکر کا خطاب:

غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نہ مقتول ہوئے تھے نہ آپ کو موت طبعی طاری ہوئی تھی لیکن جس دن آپ کو واقعی موت آئی تھی اس دن حضرات صحابہ کو بہت زیادہ حیرانی و پریشانی ہوئی۔ حضرت عمر جیسے جری اور سمجھدار شخص بھی کہنے لگے کہ اللہ کی قسم آپ کو موت نہیں آئی آپ تو اپنے رب سے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس رات کے لیے اپنے رب کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تھے پھر واپس آ گئے اسی طرح آنحضرت سرور عالم ﷺ بھی واپس تشریف لے آئیں گے جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو موت آ گئی ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت ابوبکر تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا کہ اے عمر ٹھہرو خاموش ہو جاؤ۔ اس کے بعد انہوں نے اللہ جل شانہ کی حمد و ثناء بیان کی پھر فرمایا کہ اے لوگو! تم میں سے جو کوئی شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو وہ سمجھ لے کہ ان کو موت آ چکی ہے اور جو کوئی شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس کو موت نہیں آئے گی۔ اس کے بعد انہوں نے آیت بالا ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ﴾ (آخر تک) تلاوت فرمائی۔ حضرات صحابہ اور حضرت عمر کے ذہنوں میں اس وقت یہ آیت نہ تھی۔ گویا کہ انہیں اس کا علم ہی نہ تھا۔ آیت شریفہ سن کر سب کو آنحضرت ﷺ کی موت کا یقین ہو گیا۔

حضرت عمر نے بھی فرمایا کہ جب میں نے یہ آیت سن لی تو میں نے بھی جان لیا کہ واقعی آنحضرت ﷺ کو موت آگئی ہے۔ (الہدایہ والنبایہ)
 آیت شریفہ میں اس سرزنش کے بعد کہ محمد رسول اللہ ﷺ شہید ہو جائیں یا مقتول ہو جائیں تو کیا تم بچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے۔ یوں
 فرمایا ﴿وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنُيَضِرَ اللَّهُ شَيْئًا﴾ (کہ جو شخص بچھلے پاؤں پلٹ جائے اور دین حق کو چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی
 نقصان نہ دے گا۔) اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ جو کوئی شخص دین حق پر ہے یعنی دین اسلام قبول کیے ہوئے ہے۔ وہ ہرگز یہ نہ سمجھے کہ میرے
 ایمان و اسلام سے اور میری عبادت سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع ہے اگر میں اس دین کو چھوڑ دوں اور اللہ کی عبادت نہ کروں تو اللہ کا کوئی نقصان ہو
 جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے برتر اور بالا ہے کہ اسے کوئی فائدہ یا نقصان پہنچے۔ البتہ جو کوئی شخص موحد مومن مسلم ہے۔ اللہ کی عبادت کرتا
 ہے اللہ تعالیٰ شانہ اس کو اس کے ایمان کی اور اعمال صالحہ کی جزا دے گا۔ ایمان اور اعمال صالحہ میں خود مومنین کا اپنا نفع ہے۔ صاحب روح
 المعانی فرماتے ہیں کہ الشاکرین سے الثابتین علی دین الاسلام مراد ہیں۔ اسلام پر ثابت قدمی اسی وقت ہوتی ہے جب اس کی حقانیت
 کا یقین ہو۔ اور اسلام پر ثابت رہنا شکر ہے اور اس دین کو چھوڑ دینا کفران نعمت ہے (اور بہت بڑا کفران وہ ہے جو کفر کی صورت میں ظاہر ہوتا
 ہے)

ہر شخص کو اجل مقرر پر موت آئے گی:

پھر فرمایا ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا﴾ (الایۃ) یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی جان اللہ کے حکم کے بغیر مر
 جائے۔ یعنی جس کو بھی موت آئے گی اللہ کے حکم سے آئے گی اور اجل مقرر کے مطابق آجائے گی جس کی جو اجل یعنی موت کا وقت مقرر ہے
 اس سے پہلے موت نہیں آسکتی اور اس وقت سے ٹل بھی نہیں سکتی جو اس کے لیے مقرر ہے۔ صاحب روح المعانی (صفحہ ۷۵: ج ۴) فرماتے ہیں
 کہ اس میں جہاد کی ترغیب ہے اور قتل کے ڈر سے جہاد کو چھوڑ دینے پر ملامت کی گئی ہے۔ پھر فرماتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں مسلمانوں
 کو تسلی دی گئی ہو کہ نبی اکرم ﷺ کی موت کی جو خبر سنی اس میں استبعاد کی کوئی بات نہیں۔ ان کو بھی اللہ کے حکم سے موت آئے گی۔ جیسا کہ سب
 جانوں کو موت آتا ہے۔ اگر ان کو موت ہو ہی گئی جو اللہ کے حکم سے ہے تو ان کے دین کو چھوڑنے کا کیا جواز ہے۔

پھر ارشاد فرمایا ﴿وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا﴾ (الایۃ) کہ جو شخص اپنے عمل سے دنیا کا بدلہ چاہے گا۔ مثلاً جہاد سے مال غنیمت
 کا طالب ہو تو ہم اس میں سے اسے دے دیں گے۔ (مگر ضروری نہیں کہ دے ہی دیں کمافی سورۃ بنی اسرائیل) ﴿عَجَّلْنَا لَهُ فَيَسَاءَ مَا نَشَاءُ
 لِمَنْ نُرِيدُ﴾ اور جو شخص آخرت کے ثواب کا ارادہ کرے گا تو ہم اس میں سے دے دیں گے۔ پھر فرمایا ﴿وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ﴾ (اور
 عنقریب ہم شکر گزاروں کو بدلہ دیں گے)۔ اس میں ان حضرات پر تعریف ہے جنہوں نے غنیمت کے مالوں کی طرف توجہ کر لی اور نبی اکرم
 ﷺ کے ارشاد میں جو مصلحت تھی اس پر غور نہ کیا اور ان حضرات کی تعریف ہے جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

دور حاضر کے مقررین اور اصحاب جرائد کو تنبیہ:

اللہ جل شانہ کے افعال میں بڑی بڑی حکمتیں ہوتی ہے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ کی موت کی خبر اڑ جانے سے مسلمانوں کے پریشان
 اور سراسیمہ ہونے میں پھر اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے عتاب نازل ہونے میں (کہ اگر محمد ﷺ مر جائیں یا مقتول ہو جائیں کیا تم اللہ کا دین
 چھوڑ دو گے اور واپس دین باطل کو اختیار کر لو گے) ہمیشہ کے لیے سبق دے دیا گیا کہ دین اللہ جل شانہ کا ہے اسی کی عبادت کرنا وہ ہمیشہ زندہ
 ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اور اسی آیت کو سامنے رکھ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کی وفات کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور
 تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو خاموش کیا اور اس سے تسلی دی اور آئندہ رہتی دنیا کے تمام مسلمانوں کو سبق دے دیا کہ کسی بھی شخصیت کے وفات پا جانے پر
 اگر طبعی رنج ہو تو ہو لیکن عقلی طور پر اس بات کے سمجھنے اور جاننے اور ماننے کی ضرورت ہے کہ جس خادم دین منشی، مرشد، محدث کی وفات ہوئی
 ہے اس کی موت ہونا تو ضروری ہی تھا رنج کر کے اور آنسو بہا کر بیٹھ کر رہنا کوئی سمجھداری کی بات نہیں جس محنت اور دعوت اور اعمال صالحہ پر

انہوں نے زندگی گزاری اسی پر زندہ رہیں اور باقی زندگی گزاریں نہ عقلی طور پر رنجیدہ ہونے کی ضرورت ہے نہ جاہلانہ دہائی کا موقع ہے کہ ہائے اب کیا ہوگا۔ ہمارے حضرت کی وفات ہوگئی اور نہ اعمال صالحہ میں اور دعوت حق کو کچا پڑنے کی ضرورت ہے عالم برحق اور مرشد برحق نے جو کچھ کیا اسی کو کرتے رہیں جو گیا وہ تو دوبارہ دنیا میں آنے والا نہیں اور یہ بات کہ آگے کیا ہوگا اس کے بارے میں سوچ لیں کہ جب یہ نہیں تھے تو دین کس طرح قائم تھا آخر ان کے بھی تو مشائخ تھے جن کی موت کا رونا لے کر بیٹھے ہیں۔ جب دین اللہ کا ہے اور اللہ جی اور باقی ہے تو اس کے دین پر چلتے رہو آنے والے آتے رہیں گے اور جانے والے جاتے رہیں گے۔

اس سلسلے میں اصحاب جرائد، مدیران صحف و مجلات تعزیتی جلسوں کے مقررین بڑی بیباکی سے ایسے کلمے کہہ گزرتے ہیں جن سے کفر تک عائد ہو جاتا ہے کوئی کہتا ہے کہ قدرت کے سفاک ہاتھوں نے (العیاذ باللہ) اس شخص کو ہم سے ایسے موقع پر چھین لیا جبکہ اس کی ہم کو بہت زیادہ ضرورت تھی۔ کوئی لکھتا ہے کہ اب اس جیسا کوئی شخص کہاں پیدا ہوگا۔ کوئی کہتا ہے کہ حضرت ہم کو بے سہارا چھوڑ گئے۔ یتیم کر گئے، (گویا کہ وہ اجل مقرر سے پہلے اور اذن الہی کے بغیر خود سے چلے گئے)۔ (العیاذ باللہ)

آیت بالا میں اس قسم کے ماتمی کلمات کہنے والوں کا جواب ہے۔ اللہ کی قضا اور قدر پر راضی رہو اور اعمال صالحہ ادا کرتے رہو۔ جب تک اللہ چاہے گا اس کا دین دنیا میں رہے گا کسی شیخ اور محدث اور مفتی اور پیر و مرشد کے مرنے جینے پر دین کی بقاء موقوف نہیں، واقعہ احد سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سالانہ ماتم کرنے والوں کی بھی تردید ہوگئی۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ غزوہ احد کے بعد سات سال تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے آپ نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کوئی ماتم نہیں کیا۔ اور ماتم کرنا سوئے بہانایوں بھی زندہ قوم کو زیب نہیں دیتا۔

وَكَايِنٍ مِّنْ نَّبِيِّ قُتِلَ مَعَهُ رِيبِيُونٌ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿١٣٦﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿١٣٧﴾ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحَسُنَ ثَوَابُ الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٨﴾

اور بہت سے نبی گزرے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، پھر جو مصیبتیں ان کو اللہ کی راہ میں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ ہمت ہارے نہ کمزور پڑے۔ اور نہ عاجز ہوئے اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے، اور ان کا قول اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ انہوں نے یوں کہا کہ اے ہمارے رب بخش دے ہمارے گناہوں کو، اور ہمارے کاموں میں حد سے آگے بڑھ جانے کو اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما، سو اللہ نے ان کو دنیا کا بدلہ دیدیا اور آخرت کا عمدہ بدلہ دیا اور اللہ پسند فرماتا ہے اچھے کام کرنے والوں کو۔

انبیاء سابقین علیہم السلام کے ساتھیوں کے مجاہدات اور ان کی ریاضتیں

دھیما میں عہد قدیم سے ایمان اور کفر کی جنگ رہی ہے۔ سیدنا حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کی اولاد میں جب سے اہل کفر کا وجود ہوا اسی وقت سے اہل ایمان اور اہل کفر کا آپس میں مقابلہ اور مقاتلہ ہوتا رہا ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے جو ساتھی تھے ان کو اپنے اپنے زمانہ میں کافروں سے جنگ کرنی پڑی۔ دشمن کے مقابلہ میں ان حضرات نے جانوں کی بازی لگائی۔ ان آیات میں ان حضرات کی تعریف فرمائی کہ انہوں نے اللہ کی راہ میں جنگ کرنے میں نہ ہمت ہاری نہ سستی دکھائی نہ دشمن کے سامنے عاجزی ظاہر کی۔ صبر و ثبات اور استقامت کے ساتھ جنگ کرتے رہے، عمل تو ان کا یہ تھا اور قول یہ تھا کہ اللہ جل شانہ سے گناہوں کی مغفرت مانگتے رہے اور اپنے کاموں میں جو کچھ اسراف ہوا یعنی

حدود۔ آگے بڑھ گئے اس کی بھی مغفرت طلب کی۔ اور کافروں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں بھی بدلہ دیا یعنی فتح نصیب فرمائی اور آخرت میں بھی بدلہ دیا جو اچھا بدلہ ہے یعنی اللہ کی رضا اور جنت۔

امت محمدیہ کے لیے ان تمام امور میں عبرت اور نصیحت ہے کہ تم سے پہلی امتیں اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ دشمنوں کے ساتھ جم کر لڑیں وہ مصائب اور شدائد سے نہ گھبرائے، تمہارے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اللہ والوں کو ایسی مشکلات پیش آتی ہی ہیں۔ دشمن اپنی کوششیں جاری رکھتے ہیں جنگ کرنی پڑتی ہے اپنے آدمی مقتول بھی ہوتے ہیں۔ ہر صورت حال پر قابو پانے کو اپنا وطیرہ بناؤ اور جم کر لڑو سستی اور کمزوری نہ دکھاؤ۔ دشمن کے سامنے عاجز نہ ہو جاؤ۔

امم سابقہ کی جو دعائیں نقل فرمائی ہیں کہ ”اے اللہ ہمارے گناہوں کی مغفرت فرما اور ہمارے حد سے آگے بڑھ جانے کو معاف فرما اور کافروں کے مقابلہ میں ہم کو ثابت قدمی عطا فرما۔“ اس میں اس بات کی بھی تعلیم ہے کہ نیکیاں کرتے ہوئے بھی استغفار کی ضرورت ہے کیونکہ مالک الملک جلالہ کی شان اقدس کے لائق بندوں سے عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ ادائے حق میں کوتاہی ہوتی رہتی ہے۔ لہذا جو حضرات جہاد میں یا کسی بھی نیک عمل میں مشغول ہوں، استغفار بھی ساتھ ساتھ کرتے رہیں، استغفار سے گناہ بھی معاف ہوں گے اور اعمال میں بھی جو کوتاہیاں ہوں گی ان کی بھی تلافی ہوگی۔ اور بعض مرتبہ کسی نیک کام میں لگنے سے جو دوسرے نیک کام چھوٹ جاتے ہیں اور اس طرح حدود سے آگے بڑھ جانے کی صورت بن جاتی ہے جس کو اسراف سے تعبیر فرمایا استغفار سے اس کی بھی تلافی ہوگی۔ کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدمی کی دعا کرنے میں اس طرح بھی اشارہ نکلتا ہے کہ اپنے آلات اور اسباب اور تعداد پر کبھی گھمنڈ نہ کریں۔ اللہ ہی سے مدد مانگیں اور اسی کی طرف متوجہ رہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَسِرِينَ ﴿١٣٩﴾
بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿١٤٠﴾ سَلِّقُوا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا
بِاللَّهِ مَا لَهُمْ يَنْزِلُ بِهِ سُلْطَانٌ وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۖ وَبِئْسَ مَثْوًى لِلظَّالِمِينَ ﴿١٤١﴾

اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں کا کہا مانو گے جنہوں نے کفر اختیار کیا تو وہ تم کو الٹے پاؤں پھیر دیں گے، جس کی وجہ سے تم ناکام ہو جاؤ گے۔ بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب مدد کرنے والوں سے بہتر ہے۔ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے ایسی چیز کو اللہ کا شریک بنایا جس کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل فرمائی اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ ظلم کرنے والوں کا برا ٹھکانہ ہے۔

کافروں کی اطاعت نہ کرو

اوپر تین آیتوں کا ترجمہ مذکور ہے۔ پہلی آیت میں کافروں کی بات ماننے پر زبرد تو بیخ ہے اور اس کا نتیجہ بیان فرمایا ہے کہ اگر تم کافروں کی بات مانو گے تو وہ تم کو واپس الٹے پاؤں لوٹا دیں گے یعنی پھر سے دین شرک میں داخل کر لیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو تم بری طرح سے ناکام ہو جاؤ گے دنیا کی خیر اور آخرت کی سعادت دونوں سے محرومی ہوگی۔ پھر دوسری آیت میں فرمایا ﴿بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ﴾ کہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اسی کی فرمانبرداری کرو اور اسی سے مدد مانگو اور وہ سب مدد کرنے والوں سے بہتر ہے۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۸۷: ج ۴ میں لکھتے ہیں کہ کفر و اسے منافقین مراد ہیں۔ جب شکست ہوگئی تو انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ اپنے بھائیوں کی طرف واپس ہو جاؤ اور ان

کے دین میں داخل ہو جاؤ یہ حضرت علی سے منقول ہے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی یعنی مشرکین مکہ جو غزوہ احد میں جنگ کرنے کے لیے آئے تھے وہ مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ان کے سامنے عاجزی ظاہر نہ کرو اور ان سے امان طلب نہ کرو (کیونکہ اس موقع پر بعض لوگوں نے یہ رائے بھی دی تھی کہ اب ہتھیار ڈال دیں اور دشمنوں سے امان طلب کریں)۔ اور یہود و نصاریٰ بھی مراد ہو سکتے ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کے مشوروں میں ان کو مخلص نہ جانو ان کی باتیں نہ مانو۔ ابن جریج نے اسی کو اختیار کیا ہے، قرآن مجید کا طرز بیان عام ہے جس میں ہمیشہ کے لیے تمام مسلمانوں کو کافروں کی باتیں اور ان کے مشورے ماننے کی ممانعت فرمادی ہے، مومن کا کام ہے کہ اللہ ہی سے مانگے اسی کو اپنا مددگار سمجھے کافروں کے سامنے نہ جھکے اور نہ ان کو خیر خواہ سمجھے۔

کافروں کے قلوب میں رعب ڈالنے کا وعدہ:

﴿سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ صاحب روح المعانی اس کا سبب نزول بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جب ابوسفیان اور اس کے ساتھی غزوہ احد کے بعد مکہ مکرمہ کی طرف چل دیئے اور کچھ دور پہنچ گئے تو نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ تم لوگوں نے برا کیا، چاہیے تھا کہ ان لوگوں کو (یعنی سب مسلمانوں کو) قتل کر کے آتے یہاں تک کہ ان میں اس کے سوا کوئی بھی نہ باقی رہتا جو ادھر ادھر نکلا ہوا ہو لہذا واپس چلو اور ان سب کو ختم کر کے آؤ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہیں سے واپس چلے گئے البتہ ایک اعرابی کو اس پر کچھ دینا کیا کہ تو مدینہ منورہ پہنچے تو محمد ﷺ کے ساتھیوں کو یہ کہہ دینا کہ ہم نے ان کے لیے ایسی ایسی تیاری کر رکھی ہے، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر دے دی آپ نے مقام حراء الاسد تک اپنے صحابہ کو بھیجا تا کہ ان کا پیچھا کریں وہ لوگ جا چکے تھے کہیں ملاقات نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا ذکر فرمایا کہ ہم ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے، اور رعب ڈالنے کا سبب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ﴿بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا﴾ کہ ہمارے اس رعب ڈالنے کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا جس کی کوئی دلیل اور سند اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔ دنیا میں ان کے دلوں میں رعب ڈال کر مومنین کو محفوظ رکھا اور ان کا آخرت کا عذاب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَمَا لَهُمْ النَّارُ﴾ کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے ﴿وَبَنَسْ مَثْوَى الظَّالِمِينَ﴾ اور وہ ظالموں کا برا ٹھکانہ ہے۔ آیت کے انداز بیان سے معلوم ہو رہا ہے کہ شرک باللہ رعب واقع ہونے کا سبب ہے اور یہ آزمائی ہوئی بات ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب فارس کی طرف رخ کیا تو وہاں کے مشرکین آتش پرست بڑی بھاری تعداد میں ان کے مقابلہ میں آتے تھے۔ پھر جب معرکہ شروع ہوتا تھا ان کے کشتوں کے پستے لگ جاتے تھے اور بچے کھچے بے تحاشا بھاگ جاتے تھے صلیبی جنگوں میں بھی ایسے ہی واقعات پیش آئے۔ ہندوستان پر جب مسلمانوں نے حملے کیے تو مشرکین رعب کھا گئے، مقتول ہوئے اور راہ فرار اختیار کی اور فاتحین نے ان کے ملک پر توحید کے جھنڈے لہرا دیئے۔ شرک کے مزاج میں مرعوبیت اور توحید کے مزاج میں شجاعت دلیری اور بہادری ہے۔

دین حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہو:

﴿مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا﴾ سے یہ بات بتائی ہے کہ زندگی گزارنے کا طریق کار وہی صحیح ہے جس کی اللہ کی طرف سے سند اور دلیل ہو انسان فطری طور پر اس بات کو مانتا ہے کہ میں مخلوق ہوں اور میرا کوئی خالق اور مالک اور معبود ہے لیکن جنہوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کا دامن نہیں پکڑا انہوں نے اپنے خالق اور مالک حقیقی کی عبادت میں شرک کی ملاوٹ کر دی وہ اپنے خالق کی بھی عبادت کرتے ہیں اور مخلوق کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ اور بہت سے لوگوں نے اپنے خالق اور مالک کے بارے میں ایسے عقیدے تجویر کر لیے ہیں، جو گمراہی پر مبنی ہیں۔ عقائد اور عبادت کے بارے میں اپنی طرف سے کچھ تجویر کر لینا بالکل گمراہی ہے اسلام کے علاوہ دنیا میں جو مذاہب معروف ہیں اور ان میں جو عبادت کے طریقے رائج ہیں ان کے ماننے والے اپنے عقائد اور اعمال کے بارے میں کسی بھی طرح یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ ان کے یہ عقائد اور اعمال ان کے مذہب کے بانیوں نے یا بعد کے لوگوں نے بنائے ہیں اور بتائے ہیں جو عقیدہ اور عمل خالق کی طرف سے نہ بتایا گیا ہو اس کو

زندگی کا مشغلہ بنانا اور اس پر نجات کی امید رکھنا عقل و فہم کی رو سے کسی بھی طرح صحیح نہیں۔ ایسے عقائد اور اعمال کے اختیار کرنے کی وجہ سے یہ امید رکھنا کہ موت کے بعد نجات ہوگی اور عذاب سے محفوظ ہوں گے بہت بڑی نادانی ہے جو عقل و دانش کے سراسر خلاف ہے۔ ان سب لوگوں سے یہ سوال کرنے کی ضرورت ہے کہ خالق کی ذات و صفات کے بارے میں جو عقائد رکھتے ہو اور جن طریقوں سے تم اس کی عبادت کرتے ہو کیا تمہارے پاس اس کی کوئی سند ہے کہ خداوند قدوس جل مجدہ نے تمہیں یہ عقائد اور اعمال بتائے ہیں۔ مشہور ادیان میں نصاریٰ کا دین بھی ہے نصاریٰ کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے یہ فرمایا ہو کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں یا یہ فرمایا ہو کہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے اور میرے قتل کے بعد جو شخص یہ عقیدہ رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو قتل کرا کر ان سب لوگوں کو نجات دے دی جو ان کو اللہ کا بیٹا مانیں۔ ان میں سے کوئی بات بھی حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے نہیں فرمائی۔ یہ سب باتیں عرصہ دراز کے بعد تجویز کی گئیں ہر مذہب والا اس بات پر غور کرے کہ میں جس دین پر ہوں میرے پاس اس کی کیا دلیل اور سند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دین پر چلنے کا حکم دیا ہے اور اس پر چل کر آخرت میں میری نجات ہوگی۔ قرآن شریف نے واضح طور پر بتا دیا کہ ہر عقیدہ اور ہر عبادت وہی صحیح ہے جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم دی گئی ہو اور جو سند صحیح کے ساتھ بندہ تک پہنچی ہو سب کو معلوم ہے کہ دین اسلام کے علاوہ کوئی دین ایسا نہیں ہے جو اس بات کی سند پیش کر سکے کہ میرا دین اللہ کی طرف سے ہے۔ پس جب ان لوگوں کے پاس اپنے دین کے صحیح ہونے کی سند خالق و مالک جل مجدہ کی طرف سے نہیں ہے تو ہر شخص اس دین پر آئے جو دین اللہ جل شانہ نے بھیجا ہے اور تمام انسانوں کی نجات اسی پر رکھی ہے اور وہ دین اسلام ہے۔ ادا منا اللہ علیہ و اما تنا علیہ۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِإِذْنِهِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ
وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ ۗ مِّنْكُمْ مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۚ
ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۵۲﴾ إِذْ
تُصْعِدُونَ وَلَا تَلُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أَخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلًا تَحْزَنُوا
عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا آصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ
أَمْنَةً نُعَاسًا يَعْشَىٰ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ ۚ وَطَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ
ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۚ يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي
أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۗ يَقُولُونَ لَوْ كَان لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قَاتَلْنَا هَهُنَا ۗ قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي
بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ
وَلِيَسْحَبَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۵۴﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى
الْجَبْعَيْنِ ۗ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۗ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
حَلِيمٌ ﴿۱۵۵﴾

اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جو اس نے تم سے کیا تھا جس وقت تم دشمنوں کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور حکم کے بارے میں تم نے آپس میں اختلاف کیا اور تم نے اس کے بعد نافرمانی کی جبکہ تمہیں اللہ نے وہ چیز دکھادی جسے تم محبوب رکھتے تھے تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت کے طلبگار تھے۔ پھر اللہ نے تم کو دشمنوں کی طرف سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے اور البتہ تحقیق اللہ نے تم کو معاف فرمادیا اور اللہ مومنین پر بڑے فضل والا ہے۔ جب تم دور چلے جا رہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے اور رسول تم کو پکار رہے تھے تمہارے پیچھے سے پس اللہ نے تمہیں غم کی پاداش میں غم دے دیا تاکہ تم غمگین نہ ہو اس چیز پر جو تم سے جانی رہے اور نہ اس مصیبت پر جو تم کو پہنچ جائے اور اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے، پھر اللہ نے غم کے بعد تم پر امن کو نازل فرمادیا جو اونگھ کی صورت میں تھی جو تم میں سے ایک جماعت پر چھائی ہوئی تھی اور ایک جماعت ایسی تھی جن کو اپنی ہی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی یہ لوگ اللہ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت والا خیال کر رہے تھے۔ یوں کہہ رہے تھے کیا ہمارے ہاتھ میں بھی کچھ اختیار ہے۔ آپ فرمادیتے تھے کہ بلاشبہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے۔ یہ لوگ اپنے نفسوں میں ایسی بات چھپا رہے ہیں جسے آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تھے یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ اگر ہمارا کچھ بھی اختیار چلتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے، آپ فرمادیتے تھے اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی بلاشبہ وہ لوگ جن کے بارے میں قتل ہونا مقدر ہو چکا تھا اپنی ان جگہوں کے لیے نکل کھڑے ہوتے جہاں جہاں وہ قتل ہو کر گرے اور تاکہ اللہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ اس کو صاف کرے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ بے شک تم میں سے جو لوگ اس دن پشت پھیر کر چلے گئے جس دن دونوں جماعتیں آپس میں مقابل ہوئی تھیں۔ بات یہی ہے کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی بعض ایسے اعمال کے سبب جو انہوں نے کیے اور البتہ تحقیق اللہ نے ان کو معاف فرمادیا بے شک اللہ بخشنے والا ہے علم والا ہے۔

غزوہ احد میں شکست کے اسباب کیا تھے؟

ان آیات میں مسلمانوں کی اس عارضی شکست کے اسباب بیان فرمائے جو انہیں غزوہ احد میں پیش آگئی تھی۔ اور ابتداءً جو مسلمانوں کو غلبہ ہوا تھا اس کا بھی تذکرہ فرمایا، نیز مسلمانوں کو غم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ایک آرام اور چین کی صورت پیش آگئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اونگھ کا غلبہ فرمادیا تھا تاکہ غم غلط ہو جائے اس کا بھی تذکرہ فرمایا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے تیر اندازوں کے ایک دستہ کو ایک پہاڑی پر مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم یہاں سے مت ٹلنا اور یہ کہ ہم برابر غالب ہی رہیں گے جب تک کہ تم اپنی جگہ پر ثابت قدم رہو گے، اس وعدہ کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبانی فرمایا تھا مسلمانوں کو ابتدا میں فتح حاصل ہوئی اور وہ دشمنوں کو باذن اللہ قتل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مشرکین کی عورتیں جن میں ہند بنت عتبہ بھی تھیں، بھاگنے لگیں اپنے سامان میں سے قلیل یا کثیر اٹھا کر چلنے کا بھی ان کو ہوش نہ رہا۔ لیکن فتح دیکھنے کے بعد (جو مسلمانوں کو محبوب تھی) تیر انداز حضرات (جو پہاڑی پر مقرر تھے) نے اول تو آپس میں اختلاف کیا کہ ہم کیا کریں اختلاف کرنا ہی صحیح نہ تھا کیونکہ یہ ارشاد نبوی ﷺ کے خلاف تھا (اس کو ﴿تَنَازَعْتُمْ فِيهِ الْأَمْرَ﴾ سے تعبیر فرمایا) اور پھر اکثر افراد پہاڑی کو چھوڑ کر چلے ہی گئے اور مال غنیمت لینے لگے (اس کو ﴿وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا أَرْكُمُ مَا تَحِبُّونَ﴾ میں بیان فرمایا) اور مال غنیمت کے لوٹنے میں مشغول ہونے کے بارے میں ﴿مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيدُ الدُّنْيَا﴾ فرمایا۔ جب دشمنوں نے پہاڑی خالی دیکھی تو پلٹ کر حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں کو مقابلہ کی ہمت نہ رہی۔ اور دشمنوں کا دفاع نہ کر سکے اس کو ﴿ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ﴾ سے تعبیر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس میں تمہاری آزمائش مقصود تھی ﴿لِيَبْتَلِيَكُمْ﴾ ساتھ ہی معافی کا اعلان بھی فرمایا دیا ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾

کافروں کے پلٹ کر حملہ کرنے سے جو مسلمانوں میں انتشار ہوا اور میدان پھوڑ کر چل دیئے تو رسول اللہ ﷺ کی آواز ﴿إِلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ﴾ پر بھی متوجہ نہیں ہوئے (مگر چند افراد) تو اللہ تعالیٰ نے غم کے بدلہ غم پہنچایا یعنی رسول اللہ ﷺ کو جو تم نے تکلیف پہنچائی تھی اس تکلیف

کے بدلہ تم کو تکلیف پہنچائی گئی۔ اس کو ﴿وَإِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَلُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أَخْرَاكُمْ فَأَتَابَكُمْ غَمًّا بَعْدَ﴾ میں بیان فرمایا ہے۔

تَصْعَدُونَ باب افعال سے ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس کا معنی ذہاب اور ابعاد فی الارض ہے بعض حضرات نے اس کے مشہور معنی بھی لیے ہیں۔ اور گھوڑوں کا چڑھنا مراد لیا ہے۔

غَمًّا بَعْدَ کی ایک تفسیر تو یہی ہے جو ابھی اوپر بیان ہوئی اور اس کے علاوہ مفسرین کے اور بھی چند اقوال اس کی تفسیر کے بارے میں بیان کیے گئے ہیں جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ ایک غم تو مقتول اور مجروح ہونے اور شریکین کے غالب ہونے کی وجہ سے تھا اور دوسرا غم وہ تھا جو رسول اکرم ﷺ کی شہادت کی خبر آ جانے سے ہوا (اس صورت میں باء مصاحبت کے لیے ہوگی) مزید اقوال جاننے کے لیے روح المعانی کا مطالعہ کیا جائے۔

غم پہنچنے میں بھی حکمت:

پھر فرمایا ﴿لِكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَتَكُمُ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ﴾ (تا کہ تم غمگین نہ ہو اس چیز پر جو تم سے جاتی رہے اور نہ اس مصیبت پر جو تم کو پہنچ جائے) مطلب یہ ہے کہ جو غم تم کو پہنچا اس میں حکمت ہے کہ تم میں پختگی ہو جائے اور آئندہ جب بھی کوئی مشکل درپیش ہو مثلاً کوئی چیز جاتی رہے یا کوئی مصیبت آ پڑے تو تم صبر کرو۔ صبر کی عادت ہو جانے سے ہر مشکل آسانی سے گزر جائے گی اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے صبر سے اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے۔

غم غلط کرنے کے لیے نیند کا غلبہ:

مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچ گئی اور شکست کا جو سامنا ہوا (جو بہت بڑا غم تھا) اس غم کو غلط کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اونگھ بھیج دی اور اتنی زیادہ اونگھ سوار ہوئی کہ رنج و غم کی طرف توجہ ہی نہ رہے۔ علاج کرنے والوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جب مریض کی تکلیف بڑھ جاتی ہے اور کسی طرح سے افاقہ نہیں ہوتا تو تکلیف سے بے خبر کرنے کے لیے کوئی ایسی دوا دیتے ہیں یا انجکشن لگا دیتے ہیں جس سے نیند آ جائے اللہ جل شانہ نے ان حضرات پر نیند غالب فرمادی جس سے غم کا محسوس ہونا ختم ہو گیا ﴿ثُمَّ نَزَّلْنَا عَلَيْكُمْ مِنَ بَعْدِ الْفِتْنَةِ أَمْنَةً نُفَعَا لِنَفْسِكُمْ﴾ میں اسی کو بیان فرمایا اور اونگھ کو امنۃ یعنی چین اور راحت بتایا، یہ تو مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔ جو منافقین تھے ان کا دوسرا امنۃ تھا۔ ان کو اپنی جانوں کی پڑی تھی، انہیں رسول اللہ ﷺ سے اور دین اسلام سے کچھ بھی ہمدردی نہ تھی اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت کے خیالات پکارتے تھے کہتے تھے کہ ہاں تو کچھ چھتی ہی نہیں۔ ہمارے تو پہلے ہی کہا تھا کہ شہر سے باہر جا کر نہ ٹریں، ہاں بات چستی اور ہماری رائے پر عمل ہوتا تو یہاں آ کر ہم کیوں ہارے جاتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو جواب دے دو کہ سب احمق رہتے تھے تو سب کا مسند کی قضا اور قدر کے مطابق ہوتے ہیں اگر تم اپنے حُروں میں ہوتے تب بھی وہ لوگ حُروں سے نکل کر اپنی اپنی گاہوں میں پہنچ جاتے جن کے بارے میں مقتول ہونا مقدر ہو چکا تھا۔

پھر فرمایا ﴿وَلِيَسْتَلِيَّ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَيُخَيَّرَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾

”اور تاکہ اللہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ اس کو صاف کرے جو تمہارے دلوں میں ہے اور تاکہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہوا اس لیے پیش آیا کہ اللہ تمہارے باطن کی آزمائش فرمائے کیونکہ مصیبت کے وقت بچوں اور جھوٹوں کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ منافقوں کا نفاق کھل گیا اور مومنین کا ایمان اور زیادہ مضبوط اور ثابت ہو گیا اور یوں تو اللہ تعالیٰ سب باتوں کو جانتا ہی ہے لیکن غم ظہور پر یہ باتیں ظاہر ہوئیں اور مسلمانوں کو بھی بچوں اور جھوٹوں کا پتہ چل گیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی معافی کا اعلان:

آخر میں فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ﴾ (الآیة) بے شک تم میں سے جو لوگ اس دن پشت پھیر کر چلے گئے جس دن دونوں جماعتیں آپس میں مقابل ہوئیں بات یہی ہے کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی بعض ایسے اعمال کے سبب جو انہوں نے کیے اور البتہ تحقیق اللہ نے ان کو معاف فرمایا بے شک اللہ بخشنے والا علم والا ہے۔ اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو تسلی بھی دی ہے (کیونکہ ان کی معافی کا اعلان فرمایا ہے) اور یہ بھی بتایا ہے کہ جو لوگ پشت پھیر کر چل دیئے تھے ان کو شیطان نے لغزش دے دی تھی اور اس لغزش کا سبب ان کے بعض گناہ بن گئے اس سے معلوم ہوا کہ گناہ گناہوں کی طرف کھینچتے ہیں ایک گناہ دوسرے گناہ کا سبب بن جاتا ہے۔ اور گناہوں کے ذریعہ شیطان دوسرے گناہوں پر آمادہ کر دیتا ہے۔

(غزوہ احد کے بارے میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے حافظ ابن کثیر کی تفسیر سے اور البدایہ والنہایہ سے اور تفسیر روح المعانی سے ماخوذ ہے)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ
كَانُوا غُزًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكُ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ
يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَسَغْفِرَ اللَّهُ
لَكُمْ وَرَحْمَةً خَيْرٌ مِمَّا يَجْعَلُونَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٥٨﴾

اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں سے کہا، جب وہ زمین میں سفر کرنے لگیں یا غازی بن جائیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ اللہ اس بات کو ان کے دلوں میں حسرت بنا دے اور اللہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے۔ اور البتہ اگر تم قتل کر دیئے جاؤ یا اللہ کی راہ میں مر جاؤ تو بلاشبہ اللہ کی طرف سے مغفرت اور رحمت بہتر ہے اس چیز سے جسے وہ لوگ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر گئے یا قتل ہو گئے یا ضرور اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔

کافروں کی طرح نہ ہو جاؤ جن کو جہاد میں جانا پسند نہیں

بہت سے لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ خیر کا کام نہ خود کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں اور جو لوگ خیر کے کاموں میں لگیں ان کو طعنے دیتے ہیں۔ اور جو خیر انہیں نصیب ہوا سے نقصان سے تعبیر کرتے ہیں جو لوگ حب دنیا میں غرق ہوں انہیں دوسروں کے آخرت کے اعمال نہیں بھاتے۔ اللہ کے لیے جو ان کی جانی یا مالی قربانی ہو وہ انہیں اچھی نہیں لگتی۔ منافقین کا یہی حال تھا انہوں نے کہا کہ ہمارے بھائی (نسب میں ان کے بھائی ہوتے تھے اور منافقین ظاہری طور پر دینی بھائی بھی کہلاتے تھے) جو سفر میں گئے یا جہاد میں شریک ہوئے یہ اگر یہیں ہمارے پاس رہتے، سفر میں نہ جاتے، جہاد نہ کرتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے بظاہر ان کا یہ کہنا ہمدردی جتانے کے لیے تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ ہمدردی خیر کے کاموں سے روکنے میں نہیں۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ ایسا کہنا ان کے قلوب میں حسرت کا سبب ہے پھر فرمایا کہ موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے کوئی شخص کسی جگہ قیام کرنے سے قضائے الہی سے نہیں بچ سکتا وہ جہاں بھی ہوگا قضا اور قدر کے موافق اجل مسمیٰ پر اس کو موت آ ہی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت دنیاوی سامان سے بہتر ہے:

پھر فرمایا کہ تم اللہ کی راہ میں اگر قتل ہو گئے یا اللہ کی راہ میں مر گئے تو یہ کوئی نقصان کا سودا نہیں ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت

اور رحمت کا سبب ہے اور اللہ کی مغفرت اور رحمت اس سے بہتر ہے جو کچھ ایسی باتیں کرنے والے جمع کرتے ہیں۔ دنیا کے لالچی دنیا ہی کے لیے سوچتے ہیں اور اسی دنیا کو دوسروں کے لیے پسند کرنے کی وجہ سے انہوں نے یہ بات کہی کہ یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ مزید زندگی پالیتے کچھ پیسہ اور کما لیتے اور یہ پیسہ اللہ کی مغفرت اور رحمت کے سامنے کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم مر گئے یا مقتول ہو گئے تو اللہ کی بارگاہ میں ضرور جمع کیے جاؤ گے، مرنا اور بارگاہ خداوندی میں پیش ہونا ہر ایک کے لیے ضروری ہے پھر اللہ کی راہ میں کیوں نہ مریں۔

فِيمَا رَحِمَهُ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ عَلَى اللَّهِ إِنْ اللَّهُ يُحِبُّ

الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿۱۵۹﴾

سوال اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، سو آپ ان کو معاف فرمادیجئے اور ان کے لیے استغفار کیجئے اور کاموں میں ان سے مشورہ لیجئے پھر جب آپ پختہ عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کیجئے بے شک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمانہ

غزوہ احد کے موقع پر مسلمانوں سے جو لغزش ہو گئی تھی اور میدان چھوڑ کر چلے گئے تھے جس سے رسول اکرم ﷺ کو غم پہنچا اور تکلیف ہوئی اس پر آپ نے ان سے سختی کا معاملہ نہیں کیا۔ ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کے ان کریمانہ اخلاق اور آپ کی نرم مزاجی کی اس آیت میں تعریف فرمائی۔ نیز مسلمانوں کی بھی دلداری اور دل جوئی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اول تو دو مرتبہ اپنی طرف سے معافی کا اعلان فرمایا۔ جس کا ذکر پچھلے رکوع میں آچکا ہے پھر اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ آپ بھی معاف فرمادیں اور نہ صرف یہ کہ خود معاف فرمادیں بلکہ ان کے لیے اللہ جل شانہ سے بھی استغفار کریں۔ اور مزید دلداری یوں فرمائی کہ آپ کو ان سے مشورہ لینے کا حکم دیا پھر فرمایا کہ مشورہ کے بعد جس طرف آپ کی رائے پختہ ہو جائے اللہ کے بھروسہ پر اس پر عمل کر لیجئے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھتے ہیں وہ اللہ کو محبوب ہیں۔

خوش خلقی کا بلند مرتبہ:

آنحضرت ﷺ خوش اخلاق و خوش مزاج ہمیشہ ہی سے تھے اس موقع پر خاص طور پر اس کا مظاہرہ ہوا۔ موطا میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اسی لیے بھیجا گیا ہوں کہ حسن اخلاق کی تکمیل کروں۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ سب سے زیادہ بھاری چیز قیامت کے دن جو مومن کی ترازو میں رکھی جائے گی وہ اچھے اخلاق ہوں گے اور بے شک اللہ کو بخش گو اور بد زبان مغضوب ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک مومن اپنی خوش اخلاقی کی وجہ سے راتوں رات نماز پڑھنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔ نرمی خوش خلقی کا بہت بڑا جزو ہے صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نرمی سے محروم ہو گیا وہ خیر سے محروم ہو گیا۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ نرمی جس کسی چیز میں بھی ہوگی اسے زینت دے دے گی اور جس چیز سے نرمی نکال جائے گی وہ عیب دار ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں بتا دوں جو آتش دوزخ پر حرام ہے اور جس

پر آتش دوزخ حرام ہے پھر فرمایا کہ یہ صفت اس شخص کی ہے جس سے ملنا جلنا آسان ہو نرم مزاج ہو قریب ہو سہل ہو، سنن ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں سخت مزاج بد اخلاق داخل نہیں ہوگا۔ (یہ روایات مشکوٰۃ المصابیح باب الرفق والحوار و حسن الخلق) میں مذکور ہیں۔ آنحضرت ﷺ تو تمام خلق حسن والوں کے سردار تھے۔ آپ کیوں نرم نہ ہوتے آپ کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچیں سب کو سہہ گئے اور نرمی کے ساتھ نباہ گئے۔

یہ جو فرمایا ﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظًا لَّانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے) اس میں جہاں آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خوش خلقی اور نرم مزاجی اور رافت اور شفقت کا ذکر ہے وہاں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ یہ صحابہ جو آپ کے پاس جمع ہیں اور آپ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور دل و جان سے آپ پر نثار ہیں اس میں اس کا بہت دخل ہے کہ آپ سخت مزاج اور سخت دل نہیں ہیں اگر خدا نخواستہ آپ ایسے ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے چلے جاتے اور منتشر ہو جاتے۔

معلمین اور مرشدین خوش خلقی اختیار کریں:

انسان کا مزاج ہے کہ بردبار و خوش اخلاق متواضع اور منکر المزاج کے پاس جانا اور اٹھنا بیٹھنا اور اس سے فیض لینا اور علم و معرفت حاصل کرنا پسند کرتا ہے جو حضرات حضرت رسول اکرم ﷺ کے نائب ہیں معلم ہیں محدث ہیں، مفتی ہیں، مرشد ہیں، مبلغ ہیں داعی اور ہادی ہیں، ان لوگوں کے لیے اس میں بہت بڑی نصیحت ہے، اگر امت کو علم سکھانا اور فیض پہنچانا ہے تو نرم مزاج، نرم خو، شفیق اور مہربان بردبار بنیں ورنہ صاحب بڑے عالم اور اونچے درجہ کے مرشد ہیں اور ہمیں ان سے فیض مل سکتا ہے پھر بھی فیض لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے، یوں تو ہر مسلمان ہی کو خوش خلق اور نرم مزاج ہونا چاہیے لیکن خاص کر مسلمین مصلحین، مبلغین مرشدین کو تو بہت ہی زیادہ اس صفت سے متصف ہونا ضروری ہے۔ حضرت سعدی رضی اللہ عنہ نے کیا اچھا فرمایا:

کس نہ بیند کہ تشنگان حجاز برب آب شور گرد آیند

کجا چشمہ بود شیریں مردم و مرغ و مور گرد آیند

کمال یہی ہے کہ عامۃ المسلمین میں گھل مل کر رہے۔ خیر کے کام کرے خیر کی تعلیم دے اور ان سے جو تکلیف پہنچے اس کو برداشت کرے۔ اپنی ذاتی نیکیوں کو لے کر تنہائی میں بیٹھ جانا تاکہ لوگ تکلیف نہ دیں اس میں وہ بات نہیں جو خیر پہنچانے اور تکلیف اٹھانے میں ہے۔ سنن مذتری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان لوگوں میں گھل مل کر رہتا ہے اور ان سے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرتا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو گھل مل کر نہیں رہتا اور لوگوں کی تکلیف پر صبر نہیں کرتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۲)

مشورہ کرنے کا حکم:

پھر فرمایا ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ اللہ جل شانہ نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کو صحابہ کرام سے مشورہ فرمانے کا حکم دیا۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ جس آیت کے نازل ہونے سے پہلے بھی اپنے صحابہ سے مشورہ فرماتے تھے۔ اور اس کے بعد بھی آپ نے مشورے فرمائے۔ آیت شریفہ میں مشورے کا حکم دے کر حضرات صحابہ کی اللہ تعالیٰ نے دلجوئی فرمائی اور ان کا اعزاز و اکرام فرمایا یہ مشورہ ان امور میں نہیں تھا جہاں کو نص قطعی اور واضح حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے موجود ہو، جن امور کو آنحضرت سرور عالم ﷺ کے سپرد فرما دیا گیا ان میں مشورہ کرنے کا حکم فرمایا۔ مشورہ کی ضرورت اور اہمیت:

اس سے مشورے کی اہمیت اور ضرورت ظاہر ہوئی اور یہ بھی پتہ چلا کہ جب سید الاولیٰین والآخرین ﷺ مشورہ سے مستغنی نہیں تو آپ کے بعد ایسا کون ہو سکتا ہے جو مشورہ سے بے نیاز ہو، آئندہ آنے والے امراء اور اصحاب اقتدار اور امت کے کاموں کے ذمہ دار جو بھی آئیں سب

کے لیے مشورہ کرنے کی ضرورت واضح ہوگئی۔ مشورہ میں بہت خیر ہے جو اصحاب رائے ہوں خواہ عمر یا مرتبہ میں چھوٹے ہی ہوں ان کو مشورہ میں شریک کرنا چاہیے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مشورہ کرنے کی صورت میں مختلف رائیں سامنے آ جاتی ہیں۔ ان رایوں کے درمیان سے کسی مناسب ترین رائے کو اختیار کر لینا آسان ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ بڑے کی نظر سے وہ گوشے اوجھل رہ جاتے ہیں جو چھوٹوں کی سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ تمام گوشے سامنے آنے سے کسی پہلو کو اختیار کرنے میں بصیرت حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **خَابَ مَنْ اسْتَخَارَ وَلَا نَدِيمَ مَنِ اسْتَشَارَ** (یعنی جس نے استخارہ کیا وہ ناکام نہ ہوگا۔ اور جس نے مشورہ کیا اسے ندامت نہ ہوگی)۔ (ذکرہ ایشی فی جمع الزوائد)

خانگی امور میں اور اداروں کے معاملات میں مشورے کرتے رہنا چاہیے جن لوگوں سے مشورہ کیا جائے ان کی ذمہ لازم ہے کہ وہ وہی رائے دیں جسے اپنی دیانت سے فیما بینہم و بین اللہ صحیح سمجھتے ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ان المستشار مؤتمن (یعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہے) (اخرجہ الترمذی فی ابواب الزہد وابن ماجہ فی کتاب الادب)

اگر کوئی شخص اپنے ذاتی معاملہ میں مشورہ کرے تب بھی اسے وہی مشورہ دے جو اس کے حق میں بہتر ہو۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ من اشار علی اخیہ بامر یعلم ان الرشد فی غیرہ فقد خانہ (جس نے اپنے بھائی کو کوئی ایسا مشورہ دیا جس کو وہ سمجھتا ہے کہ مشورہ لینے والے کی بہتری دوسری رائے میں تھی جو پیش نہیں کی گئی تو اس نے خیانت کی) (رواہ ابوداؤد فی کتاب العلم) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کا قاعدہ کلیہ مروی ہے جسے علامہ سخاوی نے المقاصد الحسنہ صفحہ ۳۸۳ میں نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ فاذا استشیر احدکم فلیشر بما ہو صانع لنفسہ (کہ جب کسی سے مشورہ طلب کیا جائے تو وہ مشورہ دے جسے وہ اپنے لیے اختیار کرتا اگر وہ خود اس جال میں مبتلا ہوتا جس میں مشورہ لینے والا مبتلا ہے) اور یہ مضمون اس حدیث کے مطابق ہے جس میں افضل الایمان بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ان تحب للناس ماتحب لنفسک وتکرہ لہم ماتکرہ لنفسک (یعنی یہ کہ تو لوگوں کے لیے اسی کو پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے لوگوں کے لیے اس چیز کو ناپسند جانے جس کو اپنے لیے ناپسند جانتا ہے) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۶)

مشورہ کی شرعی حیثیت:

مشورے کا حکم دینے کے بعد فرمایا ﴿فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلٰی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾ (پھر جب آپ پختہ عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کیجیے بے شک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں) مطلب یہ ہے کہ مشورے کے بعد آپ جب کسی جانب کو طے فرما کر عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیجیے اور اپنے عزم کے مطابق عمل کیجیے۔ اس میں یہ بات ظاہر ہے کہ مشورہ کرنے کے بعد آپ کو سب کے یا کسی ایک کے مشورے کا پابند ہونا ضروری نہیں۔ جس طرف آپ کا رجحان ہو اس پر عمل کر لیں اس میں مشورہ دینے والوں کو بھی دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں مشورہ دینا اور لینا ضائع نہیں ہے کیونکہ اس میں ہر شخص کو غور و خوض کرنے اور اپنی رائے پیش کرنے کا ثواب مل چکا ہے اب آپ جس رائے کو مناسب جانیں (اور رایوں میں اپنی ذاتی رائے بھی ہے) اس پر عمل فرمائیں۔

اپنا عزم فرمانے کے بعد اللہ پر بھروسہ کرنے کا حکم فرمایا اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ تمام مشوروں اور تدبیروں کے بعد بھروسہ صرف اللہ ہی پر رہے بندوں کی رائیں اور تدبیریں صرف اسباب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسباب پر بھروسہ کرنا مومن کا کام نہیں، مومن کا بھروسہ صرف اللہ پر ہوتا ہے۔

آنحضرت سرور عالم ﷺ کے بعد بھی مشورہ کی سنت جاری ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ مشورہ لینے والے کے لیے خواہ امیر المؤمنین ہی ہو یہ ضروری نہیں ہے کہ سب کا یا کسی ایک کا مشورہ مانے۔ باوجود مشورہ لینے کے اسے اپنی رائے پر عمل کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔ حق بات یہ ہے کہ جب مشورہ لینے والا بھی مخلص ہو اور مشورہ دینے والے بھی مخلص ہوں اور ہر ایک کو اللہ کی رضا مقصود ہو تو کسی وقت بھی

بدمزگی پیدا ہونے کا موقعہ نہیں رہتا۔ آپس میں ضد اضدی اور یہ اعتراض کہ میری رائے پر عمل کیوں نہ کیا اور امیر کی شکایت کہ وہ امر مطلق ہے مشورہ کر کے بھی اپنی رائے پر عمل کرتا ہے۔ یہ سب باتیں جھبی ہوتی ہیں جب امیر اور مامور میں اخلاص نہ ہو اور آپس میں اعتماد نہ ہو اور امارت کے اصول پر امیر و مامور کو چلنے کا ارادہ نہ ہو، نفسانی اور دنیاوی چیزوں نے جگہ پکڑ رکھی ہو۔ اگر امیر کے انتخاب میں اللہ کی رضامندی کا دھیان رکھا ہو ارتقی آدمی کو امیر بنایا ہو جس کے علم و عمل اور اخلاص پر اعتماد ہو جو دنیا دار نہ ہو عہدہ کا طالب نہ ہو تو اس صورت میں امیر کا اپنی رائے پر عمل کرنا ناگوار نہ ہوگا۔ انتخاب تو غلط کریں اور پھر امیر کے خلاف احتجاج کرنے جلوس نکالنے کے جاہلانہ طریقوں سے امیر کو ہٹانے کی کوشش کریں۔ ان دونوں باتوں میں کوئی جوڑ نہیں ہے۔

موجودہ جمہوریت اور اس کا تعارف

زمانہ قدیم میں بادشاہتیں جاری تھیں ولی عہدی کے اصول پر بادشاہت ملتی تھی عرب و عجم میں بادشاہ تھے ان میں ظالم بھی تھے، رحم دل بھی تھے اور انصاف پسند بھی۔ لیکن بادشاہت کی تاریخ میں زیادہ تر مظالم ہی ملتے ہیں۔ ان مظالم سے تنگ آ کر یورپ والوں نے جمہوریت کا طرز حکومت جاری کیا۔ اور اس کا نام عوامی حکومت رکھا۔ اس کے جو طریق کار ہیں انہیں عام طور سے سبھی جانتے ہیں۔ اس جمہوریت کا خلاصہ عوام کو دھوکہ دینا اور کسی ایک پارٹی کے چند افراد کے ملک پر مسلط ہونے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ عنوان یہ ہے کہ اکثریت کی رائے انتخاب میں معتبر ہوگی۔ اور انتخاب بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوگا اس میں امیدوار کے لیے عالم ہونا، دیندار ہونا بلکہ مسلمان ہونا بھی شرط نہیں پڑھے لکھے اور بالکل جاہل، چپٹ مرد عورت امیدوار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بعض پارٹی کے نمائندے ہوتے ہیں اور بعض آزاد ہوتے ہیں ان میں بعض وہ بھی ہوتے ہیں جو اسلام کے خلاف بولتے رہتے ہیں۔ اسلام کے نظام حدود و قصاص کو ظالمانہ کہتے ہیں جس کی وجہ سے حدود کفر میں داخل ہو جاتے ہیں اور انتخاب میں پارٹیوں کے زور پر اور سرداروں کے زور پر اور پیسوں کے زور پر ووٹ دینے والے بھی عموماً وہی لوگ ہوتے ہیں جو دین اسلام کے تقاضوں کو نہیں جانتے لہذا بے پڑھے اور ملحد اور زندقہ بھی منتخب ہو کر پارلیمنٹ میں آ جاتے ہیں۔ جس شخص کو زیادہ ووٹ مل گئے وہی ممبر منتخب ہو جاتا ہے اگر کسی سیٹ پر گیارہ آدمی کھڑے ہوں تو ان میں سے اگر دس آدمیوں کو ۱۵۔۱۵ ووٹ ملیں اور ایک شخص کو سولہ ووٹ مل جائیں تو یہ شخص سب کے مقابلہ میں کامیاب مانا جائے گا اور کہا یہ جائے گا کہ اکثریت سے منتخب ہوا حالانکہ اکثریت اس شخص کے مخالف ہے ڈیڑھ سو افراد نے اسے ووٹ نہیں دیئے۔ سولہ آدمیوں نے ووٹ دیئے ہیں ڈیڑھ سو کی رائے کی حیثیت نہیں یہ جمہوریت ہے جس میں ۱۵۰ آدمیوں کی رائے کا خون کیا گیا اور سولہ افراد کی رائے کو مانا گیا۔ پھر پارلیمنٹ میں جس کسی پارٹی کے افراد زیادہ ہو جائیں اسی کی حکومت بن جاتی ہے اور وہ افراد اسی طریقہ پر پارلیمنٹ میں آئے ہیں جو ابھی ذکر ہوا اس طرح سے تھوڑے سے افراد کی پورے ملک پر حکومت ہو جاتی ہے اور پارٹی کے چند افراد اختیار سنبھال لیتے ہیں اور سیاہ و سفید کے مالک ہو جاتے ہیں خود پارٹی کے جو افراد کسی بات سے متفق نہ ہوں انہیں پارلیمنٹ میں پارٹی ہی کے موافق بولنا پڑتا ہے اپنی ذاتی رائے کا خون کر دیتے ہیں۔ یہ جمہوریت اور اکثریت کی حقیقت ہے۔

پھر خدا کی پناہ مرکزی حکومت کے صدر اور وزیر اعظم اور دوسرے وزراء کے بے تنگے اخراجات بنگلے اور ان کی سجاوٹیں گاڑیاں ڈرائیور، پٹرول کا خرچ، باورچی، مالی اور دوسرے خادموں کی تنخواہیں اور وزیروں کی بے جا کھپت پارٹی کے آدمی ہونے کی بنیاد پر خواہ مخواہ عہدے نکالنا اور حد یہ ہے کہ وزیر بے قلمدان بنانا اور کثیر تعداد میں مشیروں کو کھپانا ان سب کا بوجھ قوم کی گردن پر ہوتا ہے۔ پھر ہر صوبہ کا گورنر، وزیر اعلیٰ دوسرے وزراء اور نائب وزراء ان سب اخراجات سے ملک کا خزانہ خالی ہو جاتا ہے اور ملک چلانے کے لیے سودی قرضے لیتے ہیں۔ اور قوم پر ٹیکس لگاتے ہیں۔ انکم ٹیکس، برآمد ٹیکس، کسٹم ڈیوٹی۔ یہ سب مصیبت قوم پر سوار ہوتی ہے اور عوام کو دھوکہ دے رکھا ہے کہ تمہاری حکومت ہے عوام ان پارٹی بازوں اور سیاسی بازی گروں کی باتوں میں آ جاتے ہیں اور سیدھا سادھا اسلامی نظام جس میں ایک امیر مرکزی حکومت میں ہو جس کا معمولی سا وظیفہ ہو۔ اور علاقوں میں چند امیر ہوں اور یہ سب لوگ سادگی کے ساتھ رہیں بقدر ضرورت واجب ان کو وظیفہ مل جائے معمولی

سے گھر میں رہیں۔ اگر کسی کا اپنا گھر ہے تو اسی میں قیام پذیر ہو۔ اس نظام کو ماننے کے لیے لوگ تیار نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
 کہا جاتا ہے کہ اسلام میں جمہوریت ہے اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ اسلام میں شوریٰ کی بھی کوئی حیثیت ہے تو یہ بات ٹھیک ہے۔ مگر اس کی حیثیت وہی ہے جو اوپر ذکر کر دی گئی ایسی حیثیت جس میں پورے ملک میں انتخاب ہو بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہر کس و ناکس ووٹر ہو اور کثرت رائے پر فیصلہ رکھا جائے اسلام میں ایسی جمہوریت نہیں ہے۔ بعض اہل علم بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ اسلام کی بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بڑی محنتوں سے جمہوریت کو لائے ہیں اب اس کے خلاف کیسے بولیں۔ اور ان کی لائی ہوئی جمہوریت بالکل جاہلانہ جمہوریت ہوتی ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ انتخاب میں کوئی بھی کیسا ہی بے دین منتخب ہو جائے جمہوریت جاہلیہ کی وجہ سے اس کے عہدہ کو ماننے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اب کیا کریں اب تو منتخب ہو ہی گیا عوام کی رائے کو کیسے ٹھکرائیں۔ قانون کے تابع ہیں اس کے خلاف چلنے بولنے کی کوشش کرنے کی کوئی اجازت نہیں۔

حضرات خلفائے اربعہ کا انتخاب:

یہ تو سب جانتے ہیں کہ حضرات ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم خلفاء راشدین تھے ان حضرات کو منتخب کرتے وقت کوئی بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر انتخاب نہیں ہوا۔ نہ پورے ملک سے ووٹ لیے گئے تاریخ اور سیرت کے جاننے والے اس امر سے واقف ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرات مہاجرین اور انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ وہاں اس بات کا مشورہ ہو رہا تھا کہ امیر کون ہو۔ انصار میں سے بعض حضرات یہ رائے دے رہے تھے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے ہو۔ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی وہاں پہنچ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ لائیے میں بیعت کرتا ہوں انہوں نے ہاتھ بڑھا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کر لی اس کے بعد مہاجرین نے بیعت کر لی ان کے بعد انصار نے بیعت کی۔ یہ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب تھا جو سب سے پہلے خلیفہ تھے۔ اس کی تفصیل البدایۃ والنہایۃ صفحہ ۲۴۶: ج ۵ میں مذکور ہے، اس کے بعد جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہونے لگی تو انہوں نے بغیر کسی مشورہ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دشمن نے خنجر مار دیا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب میں جانبر ہونے والا نہیں ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ خلافت کا مستحق ان حضرات کے علاوہ کوئی نہیں جن سے رسول اللہ ﷺ راضی تھے اور اسی حالت رضا مندی میں آپ کی وفات ہوئی۔ پھر انہیں حضرات میں سے حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کے نام لیے اور فرمایا کہ ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیا جائے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میرا بیٹا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مشورے میں شریک ہوگا لیکن اسے خلافت سپرد نہ کی جائے اور فرمایا کہ اگر سعد کو منتخب کر لیا جائے تو وہ اس کے اہل ہیں۔ اور اگر ان کے علاوہ کسی دوسرے کو امیر بنا لیا جائے تو وہ ان سے مدد لیتا رہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور ان کو دفن کر دیا گیا تو وہ حضرات جمع ہوئے جن کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا تھا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سب اپنا معاملہ تین آدمیوں کے سپرد کرو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اپنا معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنا معاملہ عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنا معاملہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم دونوں میرے سپرد کرتے ہو تو میں تم میں جو افضل ترین ہوگا اس کے انتخاب میں کوتاہی نہیں کروں گا ان دونوں نے کہا کہ ہاں ہم تمہارے سپرد کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے دونوں سے علیحدہ علیحدہ تنہائی میں بات کی اور دونوں نے اقرار کیا کہ اگر میرے علاوہ دوسرے کو تم نے امیر بنا دیا تو میں فرمانبرداری کروں گا اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا لاؤ ہاتھ بڑھاؤ یہ کہہ کر ان سے خود بیعت کر لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان سے بیعت کر لی۔ دوسرے حضرات جو باہر منتظر تھے وہ بھی اندر آئے اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔ مفصل واقعہ صحیح بخاری صفحہ ۵۲۲: ج ۱ میں مذکور ہے۔ یہ انتخاب خلیفہ ثالث کا تھا (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برضاء و رغبت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تھی اور پہلے سے اقرار کر لیا تھا کہ اگر ان کو امیر بنا دیا گیا تو

میں فرمانبردار ہوں گا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو ان کی جگہ کسی امیر کے انتخاب کی ضرورت محسوس کی گئی اہل مصر جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اصرار کرتے رہے کہ آپ خلافت کا بوجھ سنبھالیں لیکن وہ راضی نہ ہوئے اور باغوں کی طرف تشریف لے گئے۔ کوفہ والوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو تلاش کیا وہ بھی نہ ملے۔ بصرہ والوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معروض پیش کی انہوں نے بھی قبول نہ کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے انہوں نے بھی نہ مانا ساری کوششیں کر کے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خلافت قبول کرنے پر اصرار کرتے رہے آخر میں انہوں نے ذمہ داری قبول فرمائی۔ یہ تفصیل البدایۃ والنہایۃ صفحہ ۲۲۶ ج ۷ میں لکھی ہے۔

یہ چاروں خلفاء کا انتخاب تھا ان میں کبھی بھی پورے ملک میں ایکشن نہیں ہوا۔ بلکہ پورے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شریک نہیں ہوئے نہ پورا مدینہ شریک ہوا چند افراد نے منتخب کر لیا سب نے مان لیا۔ ممکن ہے یورپ کی جمہوریت جاہلیہ سے مرعوب ہو کر بعض ناواقف یہ کہنے لگیں کہ صحیح طریقہ وہی ہے جو آج کل رواج پائے ہوئے ہے۔ ان حضرات نے انتخاب صحیح نہیں کیا۔ (العیاذ باللہ) اس جاہلانہ تیج کا جواب دینے کی ضرورت تو نہیں لیکن پھر بھی ہم عرض کر دیتے ہیں کہ یہ اعتراض اللہ تعالیٰ کی ذات پر پہنچتا ہے۔ اللہ جل شانہ نے سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۰ میں مہاجرین اور انصار اور جو خوبی کے ساتھ ان کا اتباع کریں ان کی تعریف فرمائی اور ان کے بارے میں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ فرمایا اگر انہیں حضرات نے اسلام کو نہیں سمجھا اور امیر کا انتخاب جس طرح ہونا چاہیے تھا اس طرح نہیں کیا تو ان کے بعد اسلام کو اور اسلام کے تقاضوں کو جاننے والا کون ہے؟ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین المہدیین (رواہ ابوداؤد الترمذی) (کہ میرے طریقے کو اور خلفاء راشدین کے طریقے کو اختیار کرنا) اگر ان حضرات کا اپنا انتخاب صحیح نہیں اور انہوں نے دوسروں کا انتخاب صحیح نہیں کیا تو وہ خلفاء راشدین ہو ہی نہیں سکتے اگر آج کے جاہلوں کی بات مان لی جائے تو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی خلیفہ راشد نہیں ہوا (العیاذ باللہ) دشمنوں کے طریقہ کار سے مرعوب ہو کر اسلام کی تحریف اور تبدیل کرنے پر آمادہ ہو جانا ایمانی تقاضوں کے سراسر خلاف ہے۔

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذَلْكُمْ فَسِنَّ الذِّي يَنْصُرْكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۶۰﴾

اگر اللہ تمہاری مدد فرمائے تو تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں۔ اور اگر وہ تمہیں بغیر مدد کے چھوڑ دے تو وہ کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا۔ اور اللہ ہی پر بھروسہ کریں مومن بندے۔

اللہ تعالیٰ مدد فرمائے تو کوئی غالب نہیں ہو سکتا

پہلی آیت میں ارشاد فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں) اس آیت شریفہ میں اللہ پر توکل کرنے کا حکم دیا ہے اور ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا ہے کہ کسی قوم پر غالب ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد ہی اصل چیز ہے قلت اور کثرت اور اسباب سے اس کا حقیقی تعلق نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو تم پر کوئی غالب ہونے والا نہیں۔ بدر میں اللہ تعالیٰ نے نصرت فرمائی۔ مسلمان تھوڑے تھے سامان حرب بھی معمولی تھا دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ان کے پاس سامان بھی بہت تھا لیکن دشمن مغلوب ہوئے۔ پھر فرمایا اگر اللہ تعالیٰ تم کو مدد کے بغیر چھوڑ دے تو کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ اور واقعہ احد میں یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے حاصل یہ کہ مدد اور نصرت کے لیے ہمیشہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔ اور اسی سے مدد طلب کریں اور اسی پر توکل کریں۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يُغْلَبَ ۖ وَمَنْ يَغْلِبْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ

هُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۳۱﴾

اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے اور جو شخص خیانت کرے گا وہ اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن لے کر آئے گا پھر ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

جو شخص خیانت کرے گا قیامت کے دن ساتھ لے کر آئے گا

تفسیر درمنثور صفحہ ۵۱: ج ۲ میں ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر مال غنیمت میں سے ایک سرخ چادر نہیں مل رہی تھی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لی ہو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ غلول کرے؟ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ غلول کا اصل معنی یہ ہے کہ خفیہ طریقہ سے کوئی چیز لے لی جائے۔ پھر یہ لفظ مال غنیمت میں سے کوئی چیز چرا لینے کے لیے مخصوص کر دیا گیا اس کو غلول بھی کہا جاتا ہے۔ اور مطلق خیانت کو بھی غلول کہتے ہیں کیونکہ اس میں ایک طرح سے خفیہ طریقے پر دوسرے کا مال اپنا مال بنا لیا جاتا ہے جو اپنے لیے حلال نہ ہو۔

پھر فرمایا ﴿وَمَنْ يَغْلِبْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ کہ جو شخص خیانت کرے گا اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن لے کر آئے گا۔ تاکہ اس کی خوب اچھی طرح رسوائی ہو اور لوگ جان لیں کہ اس نے خیانت کی تھی سنن ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جب مال غنیمت حاصل ہوتا تھا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرماتے تھے کہ تم لشکر میں یہ پکار دو کہ جس کے پاس جو بھی مال غنیمت ہو وہ حاضر کر دے جب مال جمع ہو جاتا تو آپ اس میں سے پانچواں حصہ لے کر (جس کا ذکر ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَ لِلرَّسُولِ﴾ (الآیہ) میں ہے) باقی مال کو مجاہدین پر تقسیم فرمادیتے تھے۔ ایک دن ایک شخص تقسیم کے بعد بالوں کی ایک رسی لے کر آیا جسے باگ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا تھا۔ اور اس نے عرض کیا یہ وہ ہے جو مجھے مال غنیمت میں سے ملی تھی۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے بلال کی آواز سنی تھی؟ تین مرتبہ سوال فرمایا اس نے کہا جی ہاں سنی تھی آپ نے فرمایا پھر تو کیوں نہیں لے کر آیا تجھے اس کے لانے سے کیا مانع تھا اس نے کچھ عذر پیش کیا۔ آپ نے فرمایا اب تو ہی اسے قیامت کے دن لے کر آئے گا، میں تجھ سے ہرگز قبول نہیں کروں گا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ غزوہ خیبر کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے چند صحابہ یہ کہتے ہوئے حاضر ہوئے کہ فلاں شہید اور فلاں شہید۔ اسی ذیل میں انہوں نے ایک آدمی کا ذکر کیا آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہرگز نہیں بلاشبہ میں نے اسے دوزخ میں دیکھا ہے ایک چادر کے بارے میں جس کا اس نے غلول کر لیا تھا (یعنی چھپا کر رکھ لی تھی) پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے ابن خطاب جاؤ اور لوگوں میں پکار کر تین بار کہہ دو کہ جنت میں داخل نہ ہوں گے مگر ایمان والے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس مضمون کا تین مرتبہ اعلان کر دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۳۲: ج ۲)

مال غنیمت کے علاوہ اور بھی جو کوئی مال کسی طرح سے لے لیا جائے جو لینے کا حق نہ ہو اس مال کا لینے والا قیامت کے دن گردن پر لے کر آئے گا۔ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک صاحب کو جو قبیلہ بنی ازد میں سے تھے، صدقات وصول کرنے پر مقرر فرمایا جب وہ آئے تو انہوں نے عرض کیا کہ یہ آپ کے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے یہ سن کر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے خطبہ دیا اور اللہ کی حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد فرمایا ابا بعد! میں بہت سے لوگوں کو ان کاموں پر مقرر کرتا ہوں جن کا اللہ نے مجھے والی بنا یا پھر ان میں سے ایک شخص آتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ تمہارے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے، کیوں نہ بیٹھ گیا وہ اپنے باپ یا ماں کے گھر میں پھر وہ دیکھتا کہ اسے ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو بھی کوئی شخص اس مال میں سے کچھ بھی لے لے گا

جس کی تحصیل کے لیے مقرر کیا گیا تو قیامت کے دن اسے لے کر آئے گا جسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے ہوگا۔ اگر اونٹ ہوگا تو وہ بولتا ہوا ہوگا اور اگر گائے ہوگی تو وہ بھی آواز نکال رہی ہوگی اور بکری ہوگی تو وہ بھی ہنہنا رہی ہوگی، پھر آپ نے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ ہم نے آپ کی مبارک بگلوں کی سفیدی دیکھ لی۔ پھر دوبار آپ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ **اللَّهُمَّ هَلْ بَلَغْتُ اللَّهُمَّ هَلْ بَلَغْتُ**۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۵۶)

جو لوگ اوقاف کے اموال میں یا عامۃ الناس کے مالوں میں بیت المال کی املاک میں غبن کرتے ہیں، آخرت کے دن کا تصور کریں اور غور کریں کہ اموال میں خیانت کرنے اور غبن کرنے کا انجام کیا ہوگا۔ آیت کے ختم پر جو کچھ ارشاد فرمایا اسے بار بار ذہن میں بٹھائیں۔ ﴿تَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ (پھر ہر جان کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔)

أَفَمِنْ اتَّبَعِ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا أُوْبَهُ جَهَنَّمَ ۗ وَبِئْسَ الْبَصِيرُ ﴿۱۷۲﴾ هُمْ

ط ۱۷۲ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۷۳﴾

کیا جو شخص اللہ کی رضا کا تابع ہو وہ ایسے شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب کا مستحق ہو اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور برا ٹھکانہ ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجات میں مختلف ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب اس جیسا نہیں جو ناراضگی کا مستحق ہو

ان دونوں آیتوں میں اللہ کی رضا تلاش کرنے والے اور اللہ کے غصہ کے مستحق ہو جانے والے کے درمیان جو فرق ہے وہ بیان فرمایا ہے ارشاد ہے کہ اللہ کے طالب اور وہ لوگ جو اپنے اعمال بد کی وجہ سے اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے یہ دونوں فریق برابر نہیں ہو سکتے۔ اس مضمون کو بیان فرمانے کے لیے استفہام انکاری کا طریقہ اختیار فرمایا تاکہ سننے والے خود بھی غور کر لیں۔ اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے والوں کے ذیل میں جنت کا ذکر نہیں فرمایا۔ کیونکہ وہ تو حاصل ہو ہی جائے گی اور صرف اللہ کی رضا کے طالب ہونے پر اکتفا فرمایا کیونکہ اللہ کی رضا جنت سے بھی بڑی چیز ہے اور دوسری جانب میں غضب الہی کا تذکرہ فرمایا۔ اور یہ بھی ذکر فرمایا کہ غضب الہی کے مستحقین دوزخ میں داخل ہوں گے۔ اور فرمایا کہ دوزخ بہت بری جگہ ہے پھر ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں فریق مختلف درجات والے ہوں گے (جو لوگ اللہ کی رضا کے طالب ہیں وہ جنتوں میں طرح طرح کی نعمتوں میں ہوں گے اور جو لوگ غضب الہی کے مستحق ہوئے وہ دوزخ کے مختلف عذابوں میں ہوں گے) یہ درجات جنت اور درجات جہنم اللہ کے علم میں ابھی سے مقرر ہیں اور اللہ سب کے اعمال کو دیکھتا ہے، اچھے برے اعمال کی جزا دے گا کسی کا کوئی عمل اس کے علم سے باہر نہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱۷۳﴾

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا جبکہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

اپنا رسول بھیج کر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا

اللہ جل شانہ بہت بڑا کریم ہے، صدیوں سے لوگ شرک اور کفر کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے، بجز خال خال چند افراد کے اللہ کے ماننے والے دنیا میں رہے ہی نہ تھے جو لوگ اپنے خیال میں اللہ کو مانتے اور جانتے تھے وہ بھی عموماً مشرک تھے عرب اور عجم سب پر شیاطین کا تسلا

تھا۔ پوری دنیا کفر کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی ایسے موقعہ پر اللہ جل شانہ نے نبی آخر الزمان ﷺ کو مبعوث فرمایا، آپ کی ذات گرامی سے تاریکیاں چھٹ گئیں ایمان کا نور پھیل گیا۔ لاکھوں افراد جو کفر اور شرک کی وجہ سے مستحق دوزخ ہو چکے تھے انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اور وہ خود اور ان کی قیامت تک کی آنے والی نسلیں جو دین اسلام قبول کریں گی وہ سب جتنی بن گئے۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے، اللہ تعالیٰ شانہ نے انسانوں میں سے رسول بھیجنا کہ وہ قول سے بھی بتائے اور عمل سے بھی کر کے دکھائے اور انہیں کے اندر رہتے ہوئے ان کی اصلاح کرے ان کو اللہ کی آیات بھی سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت بھی سکھلائے اور ان کا تزکیہ بھی کرے یعنی ان کے نفسوں کو صفاتِ رذیلہ اور اخلاقِ ذمیرہ سے پاک کرے، یہ مضمون تفصیل کے ساتھ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۹ میں بیان ہو چکا ہے جو پارہ اول کے ختم کے قریب ہے اس کو دوبارہ دیکھ لیا جائے۔

أَوْلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلِيهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ
اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّتَىٰ الْجَعْنِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۶﴾
وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوَادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ
قِتَالًا لَا تَبْعَنَّاكُمْ هُم لِّلْكَفْرِ يَوْمِيذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيْمَانِ يَقُولُونَ يَا فَوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي
قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿۱۲۷﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِلْإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قَاتَلُوا
قُلْ فَادْرَأُوْا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۲۸﴾

اور جس وقت تم کو ایسی مصیبت پہنچی جس کی دو گنی مصیبت تم پہنچا چکے ہو تو کیا تم یوں کہتے ہو کہ یہ کہاں سے ہے آپ فرمادیجیے یہ تمہاری طرف سے ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جو تکلیف تمہیں پہنچی جس دن دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلے میں آئی تھیں سو یہ اللہ کے حکم سے تھا اور تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے مومنین کو اور جان لے ان کو جنہوں نے نفاق اختیار کیا۔ اور ان سے کہا گیا کہ آؤ جنگ کرو اللہ کی راہ میں یا دفاع کرو، وہ کہنے لگے کہ اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے، وہ لوگ بہ نسبت ایمان کے آج کفر سے زیادہ قریب ہیں۔ وہ اپنے مومنوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور اللہ خوب جاننے والا ہے اس بات کو جسے وہ چھپاتے ہیں، جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا اور خود بیٹھ رہے کہ اگر ہماری بات مانتے تو نہ مارے جاتے آپ فرمادیجیے تم اپنی جانوں سے موت کو دفع کرو اگر تم سچے ہو

مسلمانوں کو تسلی اور منافقوں کی بد حالی کا بیان

مسلمانوں کو جو غزوہ احد میں وقتی طور پر شکست ہوئی اور اس سلسلہ میں تکلیف پہنچی اس مصیبت پر کچھ لوگوں کے منہ سے یہ نکلا انی هذا (یہ مصیبت کہاں سے آئی) اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ اے نبی ﷺ آپ ان کو جواب میں فرمادیں کہ یہ اسباب ظاہرہ تمہاری اپنی جانوں کی طرف سے ہے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی اور پہاڑی پر جن تیر اندازوں کو بٹھا دیا گیا تھا انہوں نے باوجود تائیدی حکم کے اس جگہ کو چھوڑ دیا۔ اور مالِ غنیمت لوٹنے میں لگ گئے اس بات کو بیان فرماتے ہوئے ﴿قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلِيهَا﴾ بھی فرمایا کہ تم کو جو تکلیف پہنچی ہے گذشتہ سال غزوہ بدر میں اس سے دو گنی مصیبت تم دشمنوں کو پہنچا چکے ہو۔ ستر آدمی ان کے قتل ہوئے تھے اور ستر آدمی آدمیوں کو تم قیدی بنا کر مدینہ منورہ میں لے آئے تھے۔ اس میں تسلی دینے کا پہلا اختیار فرمایا کہ تم اپنے دشمنوں کو اپنی مصیبت سے دو گنی مصیبت پہنچا چکے ہو۔ اب

اگر تمہیں مصیبت پہنچ ہی گئی اور وہ بھی تمہاری نافرمانی کی وجہ سے تو اس پر عملیں کیوں ہو رہے ہو۔ پھر فرمایا ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّقِي الْجَمْعِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (جس دن دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئی تھیں اس روز تمہیں جو تکلیف پہنچی سو یہ تکلیف پہنچنا اللہ کے حکم سے تھا) یعنی سب ظاہر وہی تھا، جس کا ذکر ہوا کہ تم نے نافرمانی کی اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ جنگ کے موقع پر جو کچھ مصیبت پیش آئی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم تکوینی سے تھی وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہے۔ بعض حکمتیں پہلے بیان ہو چکی ہیں اور بعض حکمتیں آگے بیان ہوتی ہیں اور وہ یہ ہیں، ﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا﴾ اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان لے جنہوں نے منافقت کی، جو اندر سے مسلمان نہ تھے زبانوں سے کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمانوں میں گھل مل کر رہتے تھے اب جب جنگ کا موقع آیا تو ظاہری دوستی بھی چھوڑ بیٹھے اور ان کا نفاق کھل کر ظاہر ہو گیا جس کی صورت آگے بیان فرمائی۔ ﴿وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا﴾ یعنی ان سے کہا گیا کہ آ جاؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو اگر جنگ نہیں کر سکتے ہو تو ہمارے ساتھ ہی رہو اگر ہمارے ساتھ رہو گے تو دشمن کو ہماری جماعت زیادہ نظر آئے گی اس سے بھی دشمن کے دفاع کی ایک صورت بنے گی (ذکرہ فی الروح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) آگے ان کا جواب نقل فرمایا ﴿قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا اتَّبَعْنَاكُمْ﴾ وہ کہنے لگے اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے اس کا ایک مطلب تو وہی ہے جو ترجمہ میں ظاہر کیا گیا اور ایک مطلب یہ ہے کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ واقعی لڑائی مفید ہو سکتی ہے تو ہم تمہارے ساتھ جنگ میں شرکت کر لیتے، ہمارے خیال میں تو لڑائی کا ڈھنگ نہیں ہے یہ کیا لڑائی ہے کہ تم تھوڑے سے آدمی ہو اور دشمن زیادہ ہے، سامان حرب بھی تمہارے پاس کم ہے کم سے کم برابر ہو تو لڑائی لڑی جائے، غالب ہونے کی امید نہ ہو تو کم از کم مدافعت کرنے کی قوت تو ہو۔ اب تو ظاہری حالات میں اپنے کو جنگ میں جھونک دینا سراسر ہلاکت میں ڈال دینا ہے۔ (ذکرہ فی الروح)

اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ﴿هُمْ لِلْكَفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ﴾ یعنی اس بات کے کہنے سے وہ اب ظاہر میں بھی کفر سے زیادہ قریب ہو گئے جبکہ اس سے پہلے ایمان کے جھوٹے دعوے کر کے مسلمانوں میں گھلے ملے رہنے کی وجہ سے ظاہر میں ایمان کے قریب تھے، اندر سے کافر تو پہلے ہی سے تھے لیکن ظاہر میں جو ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اس دعوے پر خود ان کے اپنے قول و فعل نے پانی پھیر دیا۔ ہر عقل مندان کی باتوں کے پیش نظریہ کہنے پر مجبور ہے کہ یہ مومن نہیں ہیں، کیونکہ باتیں کافروں جیسی کر رہے ہیں۔

پھر فرمایا ﴿يَقُولُونَ بَأْفَوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ﴾ کہ وہ اپنے مومنوں سے وہ باتیں کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں، ان کا یہ کہنا کہ ہم جنگ کو جانتے ہوتے یا یہ کہ جنگ کا ڈھنگ دیکھتے تو تمہارے ساتھ ہو جاتے، دونوں باتیں ایسی ہیں جو ان کے قلبی عزائم کے خلاف ہیں۔ حقیقی بات یہ ہے کہ وہ کوئی بھی حیلہ بہانہ کریں ان کو تمہارے ساتھ ہونا ہی منظور نہ تھا، پھر فرمایا ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ﴾ کہ اللہ تعالیٰ کو پوری طرح اس کا علم ہے جس کو وہ دلوں میں چھپاتے ہیں (مومنین تو اجمالی طور پر علامات سے ان کے ظاہر کو دیکھ کر باطن کا اندازہ کرتے ہیں اور اللہ جل شانہ پوری طرح ان کے باطن سے باخبر ہے ان کے قلبی عزائم کو پوری طرح جانتا ہے)

جنگ میں شرکت نہ کرنے سے موت سے چھٹکارہ نہیں ہو سکتا:

منافقین کا مزید حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿الَّذِينَ قَالُوا لِأَخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قَاتَلُوا﴾ کہ یہ وہ لوگ ہیں جو خود تو لڑائی سے جان بچا کر بیٹھ رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا (جو ان کے نسب میں رشتہ دار تھے) کہ ہم نے تو پہلے ہی رائے دے دی تھی کہ جنگ نہ کی جائے ہماری بات مان لیتے تو مقتول نہ ہوتے ان کے جواب میں بطور سرزنش اور توبیخ کے ارشاد فرمایا ﴿قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ کہ آپ فرما دیجیے موت سے کہاں بچاؤ ہے لڑائی چھوڑ کر گھر میں بیٹھ رہے اور یہ سمجھ لیا کہ موت سے بچ گئے یہ بیوقوفی ہے موت تو پھر بھی آئی ہی ہے۔ جب تم کو موت آنے لگے جو اپنے مقررہ وقت پر آئے گی تو موت کو دفع کر دینا اور اسے نال دینا اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ جنگ میں شرکت نہ کرنے سے موت سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔ منافق کے نزدیک جان کی قیمت زیادہ ہے

اللہ کی راہ میں جان دینے سے کتر اتا ہے مومن کو اللہ کی رضا مندی مقصود ہے وہ اللہ کے لیے جیتا ہے اور اسی کے لیے مرتا ہے اللہ کے لیے لڑنے اور جان دینے سے اسے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِينَ
بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ۗ أَلَّا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلِهِ ۗ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ
الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۱﴾

اور ہرگز گمان نہ کرو ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں وہ خوش ہیں اس سے جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا اور وہ خوش ہو رہے ہیں ان لوگوں کی وجہ سے جو ان کے پاس نہیں پہنچے ان کے پیچھے رہ گئے کہ کوئی خوف نہیں ان پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے، وہ خوش ہو رہے ہیں، بوجہ نعمت اور فضل خداوندی کے اور اس بات سے خوش ہیں کہ بلاشبہ اللہ ضائع نہیں فرماتا مومنین کے اجر کو۔

شہداء زندہ ہیں اور خوش ہیں

اوپر کی آیت میں مذکور ہے کہ منافقین نے اللہ کی راہ میں مقتول ہو جانے والوں کے بارے میں یوں کہا تھا کہ اگر ہماری بات مان لی جاتی تو مقتول نہ ہوتے گویا کہ ان کا مقتول ہو جانا ان کے نزدیک اچھا نہ ہو اور ان کی خیر خواہی اس میں ظاہر کر رہے تھے کہ وہ مقتول نہ ہوتے اور دنیا میں اور زیادہ زندہ رہ جاتے آیت بالا میں ان لوگوں کی جاہلانہ بات کا توڑ بھی ہے اور مومنین کو تسلی بھی ہے اور بشارت بھی کہ جو حضرات اللہ کی راہ میں مقتول ہوئے ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور دنیا کی چیزیں ان کے پاس نہیں ہیں تو یہ کوئی نقصان کی بات نہیں کیونکہ ان کو وہاں ان کے رب کے پاس سے رزق ملتا ہے جو دنیا کی نعمتوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر اعلیٰ اور افضل ہے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا اس پر وہ خوش ہیں ہشاش بشاش ہیں، وہ تو نعمتوں میں ہیں اور رحمتوں میں ہیں اور منافقین خواہ مخواہ کی ہمدردی ظاہر کر رہے ہیں کہ ہماری بات مانتے تو مقتول نہ ہوتے یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ کی راہ میں مرجانا موت نہیں ہے بلکہ وہ زندگی ہے اور عمدہ زندگی ہے اور بہت بڑی زندگی ہے۔

جو حضرات شہید ہو گئے وہ نہ صرف اپنی نعمتوں میں خوش ہیں بلکہ وہ ان مسلمانوں کے بارے میں بھی خوش ہو رہے ہیں جو ان تک ابھی نہیں پہنچے اس دنیا میں ان سے پیچھے رہ گئے کہ اگر یہ لوگ بھی اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں تو ان پر بھی ہماہنگی طرح انعام ہوگا، نہ خوف زدہ ہوں گے نہ مغموم ہوں گے، وہ سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا، نہ اس نے ہمارا اجر ضائع فرمایا نہ ہمارے بعد میں آنے والے اہل ایمان کا اجر ضائع فرمائے گا۔

قال صاحب الروح صفحه ۱۲۳: ج ۲ ای يستبشرون بما تبين لهم من حسن حال اخوانهم الذين تركوهم احياء و

هو انهم عند قتلهم في سبيل الله تعالى يفوزون كما فازوا او يحوزون من النعيم كما حازوا۔

حضرت مسروق تابعی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ کا مطلب معلوم کیا انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطلب معلوم کر چکے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں ان کے لیے قندیل ہیں جو

عرش سے لٹکے ہوئے ہیں وہ جنت میں جہاں چاہیں چلتے پھرتے ہیں۔ پھر ان قدیلوں میں واپس آجاتے ہیں، اللہ جل شانہ نے خاص توجہ فرمائی اور ان سے دریافت فرمایا کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے انہوں نے عرض کیا ہمیں کس چیز کی خواہش ہوگی؟ اور حال یہ ہے کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں چلتے پھرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ شانہ نے تین مرتبہ اسی طرح سوال فرمایا جب انہوں نے سمجھ لیا کہ ہمیں کچھ نہ کچھ جواب دینا ہی پڑے گا، جب تک خواہش کا اظہار نہ کریں سوال ہوتا ہی رہے گا تو اللہ تعالیٰ شانہ سے عرض کیا کہ اے رب! ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں واپس کر دی جائیں تاکہ ہم ایک بار پھر آپ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ انہیں اور کوئی حاجت نہیں ہے تو سوال کرنا چھوڑ دیا گیا (اول تو کسی چیز کی خواہش ظاہر نہ کی اور ظاہر کی بھی تو یہ کہا کہ ہمیں دنیا میں دوبارہ واپس بھیج دیا جائے تاکہ ایک بار پھر شہید ہو جائیں وہاں سے واپس آنے کا قانون نہیں اور اس کے سوا اور کچھ مانگتے نہیں، لہذا آگے سوال نہیں فرمایا)۔ (رواہ مسلم صفحہ ۱۳۵: ج ۱)

شہادت اور شہداء کی فضیلت کا مزید بیان سورہ بقرہ کی آیت ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمُوتَ﴾ کے ذیل میں گزر چکا

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ احْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا
اَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۴۲﴾ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّ
قَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۴۳﴾ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ اِلَى الْبِلَادِ الَّتِي كَانُوا فِيهَا
رِاضًا لِلَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۴۴﴾ اِنَّمَا ذِكْرُ الشَّيْطٰنِ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ
وَخَافُوْنَ اِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو مان لیا اس کے بعد کہ ان کو زخم پہنچ چکا تھا ان میں سے جنہوں نے نیکی کے کام کیے اور تقویٰ اختیار کیا ان کے لیے بہت بڑا ثواب ہے یہ ایسے ہیں کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ لوگوں نے تمہارے لیے سامان جمع کیا ہے، لہذا تم ان سے ڈرو تو ان کی اس بات نے ان کا اور زیادہ ایمان بڑھا دیا، اور کہنے لگے کہ ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے، سو وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل لے کر واپس ہوئے ان کو کچھ بھی تکلیف نہیں پہنچی اور وہ اللہ کی رضامندی کے تابع رہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ یہ جو بات پیش آئی صرف اس وجہ سے کہ شیطان اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔

صحابہ کی تعریف جنہوں نے زخم خوردہ ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا درمنثور صفحہ ۱۰۱: ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب ابوسفیان اور اس کے ساتھی (غزوہ احد کے بعد) واپس ہوئے اور مشرکین کا آپس میں مشورہ ہوا کہ ہم شکست دے کر واپس آگئے (یہ تو کچھ بھی نہ ہوا) سب مسلمانوں کو ختم ہی کر دیتے لہذا واپس چل کر پھر حملہ کریں، اس کی خبر آنحضرت ﷺ کو ہوگئی تو آپ اپنے صحابہ کو لے کر ان کے پیچھے چلے اور مقام حراء الاسد تک ان کا پیچھا کیا جب ابوسفیان کو یہ پتہ چلا کہ آپ ہمارے پیچھے آ رہے ہیں تو ابوسفیان اپنے ساتھیوں کو لے کر چلا گیا، راستے میں بنی عبدالمعزی کے چند سواروں سے ملاقات ہوئی ان سے ابوسفیان نے کہا دیا کہ تم محمد ﷺ کو کہہ دو کہ ہم واپس لوٹ کر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو بالکل ہی ختم کر دیں، ان لوگوں کی حراء الاسد میں آنحضرت سرور دو عالم ﷺ سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے ابوسفیان کی بات نقل کر دی اس پر آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ کہا کہ (اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور ہمارا کارساز ہے)۔

اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی (جس میں مسلمانوں کی تعریف ہے کہ غزوہ احد میں زخم خوردہ ہونے کے بعد بھی) اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی بات مان لی اور دشمن کا پیچھا کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوئے حراء الاسد تک پیچھا کیا اور جب دشمن کی طرف سے یہ بھسکی ملی کہ ہم نے بہت سا سامان تیار کر لیا ہے۔ تو حسبنا اللہ ونعم الوکیل مضبوط اعتقاد اور یقین کے ساتھ پڑھ لیا اور دشمن واپس نہ ہوئے اور سیدھے مکہ معظمہ چلے گئے۔

اور ابن شہاب زہری سے بحوالہ بیہقی فی الدلائل نقل کیا ہے کہ ابوسفیان نے چلتے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ اب بدر میں جنگ ہوگی جہاں تم نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا تھا اس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بدر کے لیے روانہ ہوئے ساتھ ہی تجارت کے لیے سامان بھی لے لیا تھا کہ اگر جنگ ہوئی تو جنگ کر لیں گے، ورنہ تجارت تو ہو ہی جائے گی، جب یہ حضرات بدر کے لیے جا رہے تھے تو راستہ میں شیطان نے اپنے دوستوں کو ان کے ڈرانے کے لیے کھڑا کر دیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے مقابلہ کے لیے سامان تیار کر لیا گیا ہے۔ لہذا تم اپنے ارادہ سے باز آؤ اور احتیاط سے کام لو دشمن تم سے جنگ کرے گا اور تمہارا سامان چھین لے گا ان شیطانی حرکتوں کا ان حضرات پر کچھ اثر نہ ہوا اور برابر چلتے رہے حتیٰ کہ بدر میں پہنچ گئے وہاں دشمن کا نام و نشان بھی نہ تھا انہوں نے اپنے اموال کو فروخت کیا اور نفع کے ساتھ واپس ہوئے۔

مذکورہ بالا آیات میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف ہے جو غزوہ احد میں چوٹ کھانے کے باوجود دشمن کا پیچھا کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور دشمن کی جھوٹی بھسکیوں اور شیطان کی حرکتوں کا بھی ذکر ہے اور مسلمانوں کو جو مال تجارت میں نفع حاصل ہوا اس کا بھی تذکرہ ہے۔ شیطان کے دوستوں نے جو ڈرایا کہ تمہارا دشمن ایسے ایسے سامان حرب سے لیس ہو کر حملہ آور ہونے والا ہے اس کا اثر لینے کی بجائے وہ اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوئے اور مضبوط یقین کے ساتھ انہوں نے ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ کہا جس سے ان کا قلب قوی ہوا ایمان بڑھ گیا، مومن بندوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا لازم ہے، شیطان اور شیطان کے دوستوں کی شرارتیں تو جاری رہتی ہی ہیں لیکن مسلمان کو اللہ کافی ہے اور وہی ان کا کارساز ہے، اگر اللہ کی مدد اور نصرت نہ ہوتی تو اسلام پورے عالم میں کیسے پھیلتا، شیطان اور اس کے دوستوں نے کبھی بھی اسلام کی دشمنی میں کمی نہیں کی۔

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾

وَلَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ يَسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَن يَصُرُوا اللَّهَ شَيْئًا إِلَّا يَجْعَلْ لَهُمْ حَظًّا فِي الْأَخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَصُرُوا اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٤٧﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمَلِّئُهُمْ خَيْرًا لَّا نُنْفِسُهُمْ إِنَّمَا نُمَلِّئُهُمْ لِيُزِدُوا الشَّاكِرِينَ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٤٨﴾

اور آپ کو وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو تیزی کے ساتھ کفر میں جا پڑتے ہیں بے شک وہ لوگ اللہ کو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے، اللہ چاہتا ہے کہ ان کو آخرت میں کچھ بھی حصہ نہ دے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے، بے شک جن لوگوں نے کفر کو ایمان کے بدلہ خرید لیا وہ ہرگز اللہ کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ ہم جو ان کو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کی جانوں کے لیے بہتر ہے بات یہی ہے کہ ہم انہیں مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ گناہوں میں اور زیادہ ترقی کر لیں اور ان کے لیے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔

جو لوگ تیزی کے ساتھ کفر میں گرتے ہیں ان کے عمل سے رنجیدہ نہ ہوں

اس آیت میں حضرت رسول اکرم ﷺ کو اللہ پاک نے تسلی دی ہے، خطاب تو آپ کو ہے لیکن تسلی کے مضمون میں تمام مسلمان شریک ہیں مطلب یہ ہے کہ جو لوگ تیزی کے ساتھ کفر میں گر رہے ہیں اور کفر انہیں خوب زیادہ مرغوب ہے ان کی حرکتوں اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف ان کی کوششوں سے رنجیدہ نہ ہوں اور یہ اندیشہ نہ کریں کہ یہ لوگ آپ کو نقصان پہنچادیں گے اور آپ کے مقابلہ میں دوسروں کی مدد کر دیں گے۔

قال صاحب الروح صفحه ۱۳۳: ج ۴ والمراد لا يحزنك و خوف ان يضروك و يعينوا عليك۔

حضرت مجاہد تابعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ﴿الذین یسار عون فی الکفر﴾ سے یہاں منافقین مراد ہیں جنہوں نے غزوہ احد میں شرکت نہیں کی، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے تمام کفار مراد ہیں، آیت نازل ہونے کے وقت خواہ منافقین ہی مراد ہوں لیکن مضمون عام ہے، تمام کافروں کی ہر قسم کی حرکتیں سامنے ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کو غمگین نہیں ہونا چاہیے۔ کافر تیزی کے ساتھ کفر میں پڑتے ہیں، اور اسلام کے خلاف کفرانہ سازشیں کرتے ہیں یہ لوگ اللہ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں مضاف مقدر ہے، مطلب یہ ہے کہ لن یضروا اولیاء اللہ شیئا اور بعض اکابر نے یہاں لفظ ”دین“ کو مقدر مانا ہے ای لن یضروا دین اللہ شیئا یعنی یہ لوگ اللہ کے دین کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے کافروں کی سازشیں ہمیشہ سے رہیں اور برابر رہیں گے، مومن بندے غمگین نہ ہوں کیونکہ دشمن کو تو دشمنی کرنی ہی ہے لیکن ان کی دشمنی سے اللہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا وہی تمہارا مددگار ہے، لہذا اسی پر بھروسہ کرو اور اس سے مدد مانگو۔

دشمن جو تیزی سے کفر میں گر رہے ہیں اور اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا ذرا سا حصہ بھی نہ ہو ظاہری دنیا کے اعتبار سے ان کو غلط فہمی ہے کہ ہم اچھے رہے کہ اسلام قبول نہ کیا اور اپنے جان و مال کو بچا لیا۔ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ آخرت کے منافع سے بالکل محروم ہو گئے بلکہ وہ وہاں بڑے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

پھر فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (بے شک جن لوگوں نے ایمان کو کفر کے بدلہ خرید لیا وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکیں گے، اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک) کفر کو ایمان کے بدلے خرید کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ایمان کے بدلہ کفر اختیار کر لیا۔ ایمان کو چھوڑ کر کفر کو رغبت کی چیز بنا لیا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہاں جو کفر ﴿لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا﴾ فرمایا یہ بطور تاکید کے ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس سے تعریض مقصود ہو اور مطلب یہ ہو کہ یہ لوگ صرف اپنی ہی ذاتوں کو ضرر دے رہے ہیں۔ اللہ کو کوئی ضرر نہیں دے سکتے اور اپنی حرکتوں کی وجہ سے دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمَلِّي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمَلِّي لَهُمْ لِيُزَادُوا إِثْمًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ (اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ ہم جو ان کو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے۔ یہ مہلت اس لیے ہے کہ وہ گناہوں میں اور زیادہ ترقی کر لیں اور ان کے لیے عذاب ہے ذلیل کرنے والا) کافروں کو جو یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم تو بہت اچھے حال میں ہیں۔ صاحب مال ہیں، صاحب اولاد ہیں، کھاتے پیتے ہیں، ہمیں اسی حال میں اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور ہماری زندگیاں دراز ہو رہی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض نہیں ہے یہ ان کی نا سمجھی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو متنبہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ہمارے ڈھیل دینے کو یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا ڈھیل دینا ان کے حق میں بہتر ہے، ہم تو صرف اس لیے ڈھیل دیتے ہیں کہ وہ گناہوں میں ترقی کرتے چلے جائیں پھر ان کو خوب زیادہ سزا ملے، اور سزا بھی خوب ذلیل کرنے والی ہوگی۔ یہ مضمون قرآن مجید میں کئی جگہ وارد ہوا ہے۔ سورہ اعراف میں فرمایا ﴿وَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْإِيمَانِ سَتَدْرُجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ وَ أَهْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ﴾ (اور جن لوگوں نے کہ ہماری آیات کو جھٹلایا ہم ان کو اس طور پر بتدریج لیے جا رہے ہیں کہ ان کو علم بھی نہیں اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں، بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے) سورہ توبہ میں فرمایا

﴿فَلَا تَعْجَبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾ (سوان کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیاوی زندگی میں ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کی جانیں اس حال میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں)۔

مسلمانوں کو بھی اس سے عبرت حاصل کرنا چاہیے۔ دنیا میں مال و اولاد زیادہ ہونا دلیل اس بات کی نہیں ہے کہ جس کے پاس یہ چیزیں ہوں، وہ اللہ کا محبوب ہی ہو اللہ تعالیٰ جن سے ناراض ہے ان کو بھی یہ چیزیں دیتا ہے بلکہ اپنے محبوبین سے زیادہ دیتا ہے، اپنے دشمنوں کی جو دنیاوی چیزیں زیادہ عنایت فرماتا ہے اس میں یہ حکمت ہے کہ یہ لوگ کفر اور معاصی میں زیادہ سے زیادہ ترقی کرتے رہیں پھر ان کو یکبارگی سخت ترین عذاب میں مبتلا کر دیا جائے اسی طرح بہت سے سے فاسقوں اور فاجروں کو بھی مال بہت زیادہ دیتا ہے، مخلصوں اور متقیوں کو اتنا نہیں دیتا۔ جن لوگوں کو تکوینی قانون معلوم نہیں ہے وہ اس پر تعجب کرتے ہیں اور بعض تو تعجب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ پر اعتراض بھی کر دیتے ہیں جنہیں ایمان اور اعمال کے ساتھ حلال مال مل گیا گھوڑا ہی ہو وہ بہت مبارک ہے اور جسے کفر کے ساتھ مال دولت مل گیا یا فسق و فجور کے ساتھ مال مل گیا جس کی وجہ سے کافر ہو جاتے ہیں یا وہ شخص فسق و فجور میں ترقی کرتے رہتے ہیں، تو یہ کوئی نعمت کی چیز نہیں ہے۔ استدراج کا خطرہ پیش نظر رہنا چاہیے اگر مال حلال ہی ہو اور گناہوں میں خرچ ہو تو یہ زبردست مواخذہ کی چیز ہے اور اگر حرام ہو تو وہ تو سراپا عذاب ہی عذاب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز کسی فاجر کی نعمت پر شک نہ کر کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ موت کے بعد اسے کس مصیبت سے دوچار ہونا ہے اس کے لیے اللہ کے نزدیک ایک قاتل ہے جو کبھی نہ مرے گا یعنی دوزخ کی آگ۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۷)

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُسُلِهِ مَن يَشَاءُ ۗ فَأَمِّنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۗ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَتَقَافِكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٤٩﴾

اللہ مومنین کو اس حالت پر چھوڑنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو جب تک کہ ناپاک کو پاک سے جدا نہ فرمادے، اور اللہ تم کو امور غیب پر مطلع نہیں فرماتا لیکن اللہ منتخب فرمالتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان پر قائم رہے اور تم نے تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لیے ثواب عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ اچھے اور برے لوگوں میں امتیاز فرمائے گا

منافقین مخلص مسلمانوں میں گھلے ملے رہتے تھے ان کے ظاہری دعووں کی وجہ سے اور بعض نمازوں میں حاضر ہونے کی وجہ سے ظاہری طور پر یہ امتیاز نہ ہو پاتا تھا کہ منافق کون ہے اور مخلص کون ہے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم کو اس حالت پر نہیں رکھنا چاہتا جس پر تم اب ہو بلکہ اللہ پاک کی طرف سے ایسے شہائد اور مصائب پیش آتے ہیں اور پیش آئیں گے کہ ناپاک لوگ یعنی منافقین کا پاک لوگوں (یعنی مومن مخلصین) سے امتیاز ہو جائے کیونکہ مصیبت کے وقت اپنے پرانے کا اچھی طرح پتہ چل جاتا ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُسُلِهِ﴾ اس میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہ تمہیں منافقین کے نفاق پر اس طرح مطلع فرمادیں کہ تم ان کے قلوب کو جان لو ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے، حکمت یہ ہے کہ عملی طور پر ظاہری طریقے پر منافقوں کا نفاق کھل جائے اور وہ اس طرح سے واضح ہو کہ جب مصیبتیں پیش آئیں اور اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے کے مواقع آئیں تو منافقین بھاگ نکلیں غزوہ احد میں عمل سے بھی راہ فرار اختیار کی اور زبانی طور پر بھی ایسے کلمات بول اٹھے جن سے صاف ظاہر

ہو گیا کہ یہ اندر سے مومن نہیں ہیں۔ اگر مسلمانوں کو منافقوں کے قلوب کا حال بتا دیا جاتا اور مسلمان اپنے اسی علم کی بنیاد پر یہ کہتے کہ تم منافق ہو مسلمان نہیں ہو تو وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ تمہارے پاس ہمارے منافق ہونے کی کیا دلیل ہے تم غلط کہتے ہو ہم تو سچے پکے مسلمان ہیں، لیکن جب مصیبتوں کا سامان ہوا اور منافق بھاگ کھڑے ہوئے تو ظاہری طور پر خود ہی مسلمانوں سے الگ ہو گئے اور اب ان کا منہ نہ رہا کہ مومن مخلص ہونے کا دعویٰ کریں۔

ہاں اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے غیب کی بات بتا دیتا ہے اس غیب میں یہ بھی ہے کہ کسی کا نفاق اور دل کا چورا اپنے رسول اللہ ﷺ کو بتا دے اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ پر ظاہر فرمائے یا مصائب اور شدائد اور تکالیف اور قربانی کے مواقع سامنے لا کر منافقین کا نفاق ظاہر فرمائے اور سب کے سامنے رسوا فرمائے یہ سب حکمت کے مطابق ہے۔

قال صاحب الروح صفحه ۳۷: ج ۴ والا استدراك اشارة الى كيفية وقوعه على سبيل الاجمال و ان المعنى ما كان الله ليترك المخلصين على الاختلاط بالمنافقين بل يرتب المبادئ حتى يخرج المنافقين من بينهم وما ذلك باطلاعكم على ما في قلوبهم من الكفر و النفاق ولكنه تعالى يوحى الى رسوله ﷺ فيجزه بذلك و بما ظهر منهم من الاقوال و الافعال حسبما حكى عنهم بعضه فيما سلف فيفضهم على رثوس الاشهاد و يخلصكم مما تكرر هون۔

آخر میں فرمایا ﴿فَأْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ (کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ) یعنی اسی پر ثابت قدم رہو اور اگر تم مومن رہو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لیے اجر عظیم ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنْتَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۚ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ وَاللَّهُ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

خَيْرٌ ۙ

اور ہرگز خیال نہ کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بخل کرنا ان کے لیے بہتر ہے بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے جس چیز کے ساتھ انہوں نے بخل کیا، عنقریب قیامت کے دن ان کو اس کا طوق پہنایا جائے گا اور اللہ کے لیے آسمانوں کی اور زمین کی میراث ہے اور اللہ ان کاموں کی خبر رکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔

جو لوگ بخیل ہیں وہ بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں

جو لوگ مومن نہ تھے وہ اللہ کی راہ میں جس طرح جان دینے سے بچتے تھے اسی طرح مال خرچ کرنے سے بھی گریز کرتے تھے۔ اس آیت میں بخل کی مذمت فرمائی اور فرمایا کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں جو لوگ کنجوسی کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کا یہ عمل ان کے لیے بہتر ہے۔ یہ تو ان کے لیے بہت ہی برا ہے اور اس کا برا انجام آخرت میں سامنے آئے گا، ان کا مال قیامت کے دن طوق بنا کر ان کے گلون میں ڈال دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے اللہ نے مال دیا پھر اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس کا مال قیامت کے دن گنجا سانپ بنا دیا جائے گا۔ (جس سانپ کے زیادہ زہریلا ہونے کی وجہ سے سر کے بال اڑ گئے ہوں اسے گنجا سانپ کہا جاتا ہے) یہ گنجا سانپ اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا پھر وہ اس کی دونوں باجھوں کو پکڑ کر کہے گا انا مالک انا کنزک (کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں) پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ﴾ (الآیۃ) (رواہ البخاری صفحہ ۱۸۸: ج ۱) پھر فرمایا ﴿وَاللَّهُ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ یعنی آسمانوں کی اور زمین کی میراث سب اللہ کے لیے ہے سب کا وہی مالک ہے ملکیت حقیقی میں کوئی اس کا ساجھی نہیں، اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اللہ کا حکم نازل ہونے پر خرچ نہ کرنا اور مال خرچ کرنے میں اللہ

کی رضا کا خیال نہ کرنا بڑی بے وقوفی ہے جن مالوں کو آپس میں کیے بعد دیگرے میراث میں تقسیم کر لیتے ہیں وہ اولاً آخر اسب اللہ ہی کا ہے۔
﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ اور جو بھی عمل کرتے ہو سخاوت ہو یا کنجوسی خیر ہو یا شر اللہ تعالیٰ کو ان سب کی خبر ہے وہ ان سب کا بدلہ دے گا۔

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ
الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۱۸۱﴾ ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ آيِدِيكُمْ وَ أَنَّ اللَّهَ
لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۱۸۲﴾ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عٰهَدَ إِلَيْنَا لَنُؤْتِيَنَّهُنَّ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا
بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّن قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَ بِالذِّمَى قُلْتُمْ فَلِمَ
قَتَلْتُمُوهُمَ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۸۳﴾ فَإِن كَذَّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ مِّن قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ
وَ الذِّمَى وَ الْكُتُبِ الْمُبِينِ ﴿۱۸۴﴾

بلاشبہ اللہ نے سن لی ان کی بات جنہوں نے کہا ہے کہ بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں، عنقریب ہم ان کی بات کو لکھ لیں گے اور جو انہوں نے نبیوں کے ناحق خون کیے ہیں اس کو بھی لکھ لیں گے اور ہم کہیں گے کہ چکر لوجھنے کا عذاب یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے اور بلاشبہ اللہ بندوں پر ظلم فرمانے والا نہیں ہے۔ جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ نے ہم سے یہ فرمایا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی کی چیز نہ لائے جسے آگ کھا جائے آپ فرمادیتے تھے مجھ سے پہلے بہت سے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور جو تم کہہ رہے ہو وہ بھی لائے پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو؟ سو اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں وہ کھلی کھلی نشانیاں لائے اور صحیفے لائے اور روشن کتاب لائے۔

یہود کی بیہودگی اور ان کے لیے عذاب کی وعید

باب النقول صفحہ ۶۱ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما ایک دن یہودیوں کے بیت المدارس (یعنی مدرسہ) میں تشریف لے گئے وہاں ایک شخص کے پاس یہودی جمع تھے جس کا نام فخاص تھا فخاص نے کہا اے ابو بکر ہمیں اللہ کی طرف کوئی محتاجی نہیں اور اللہ ہمارا محتاج ہے اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض کیوں مانگتا تمہارا نبی یہ بتاتا ہے کہ اللہ قرض طلب کرتا ہے اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کو غصہ آ گیا اور فخاص کے چہرے پر طمانچہ مار دیا۔ فخاص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا اور کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! دیکھو تمہارے ساتھی نے میرے ساتھ کیا کیا۔ آپ نے ابو بکر سے فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے بہت سخت بات کہی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ اس پر فخاص منکر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ جب آیت کریمہ ﴿مَنْ ذَٰلِذِي يَقْرُضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ نازل ہوئی تو یہودیوں نے ابن اکرم رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد! تمہارا رب تو فقیر ہو گیا، وہ بندوں سے مانگتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت ﴿عَلَّمَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَ نَحْنُ أَغْنِيَاءُ﴾ (آخر تک) نازل فرمائی۔ یہ تو مشہور ہی ہے کہ اعتراض کرنے والا اندھ ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ نے زکوٰۃ صدقات دینے کا جو حکم فرمایا پھر اس پر آخرت میں ثواب دینے کا وعدہ فرمایا اس کی مہربانی کے طور پر قرض سے تعبیر کہ یہاں میرے بندوں پر خرچ کر دو اور اس کا اجر و ثواب میں تم کو آخرت میں دے دوں گا، سارے بندے اور بندوں کے سارے مال سب

اللہ ہی کی ملکیت ہیں وہ اگر سارا مال خرچ کرنے کا حکم دیتا اور بالکل کچھ بھی ثواب نہ دیتا تو اسے اس کا بھی اختیار ہے وہ تو بے غرض اور بے حاجت ہے غنی ہے معنی ہے بے نیاز ہے اسے کسی چیز کی حاجت نہیں اس نے ابتلاء اور امتحان کے طور پر بندوں کو حکم دیا کہ بندوں پر خرچ کریں۔ اور اپنے پاس سے دینے کا وعدہ فرمایا۔ یہودیوں نے اس کرم اور فضل اور مہربانی کو نہ سمجھا اللہ نے اپنے دیئے ہوئے مال میں سے حکم کے مطابق خرچ کرنے کا نام قرض رکھ دیا اور ثواب کا وعدہ فرمایا اور قرآن مجید کی اس تعبیر پر اعتراض کر بیٹھے اور کہنے لگے کہ اللہ فقیر ہو گیا ہم سے مانگتا ہے لہذا ہم مالدار ہوئے اور وہ فقیر ہوا (العباذ باللہ)

اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ انہوں نے جو کہا ہے اس کو ہم لیں گے یعنی صحائف اعمال میں اس کو درج کر دیں گے اور ان کی یہ بات محفوظ رہے گی، جس پر ان کو سزا ملے گی۔ یہودیوں کی اس بات میں اللہ جل شانہ کے بارے میں بد عقیدہ ہونے کا اظہار ہے اور قرآن کا استہزاء ہے اور ان کا ایک یہی قول باعث عذاب و عقاب نہیں ہے بلکہ وہ تو اور بھی بہت سے بری حرکتیں کر چکے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے ناحق انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا، یہ کام کیا تو تھا ان کے آباؤ اجداد نے لیکن موجودہ یہودیوں کی اس پر کوئی نکیر نہیں اور اپنے آباؤ اجداد کے اس عمل سے راضی ہیں لہذا یہ بھی قیامت کے دن ان کے اعمال ناموں میں لکھا ہوا ملے گا۔ کافرانہ عقیدوں اور حرکتوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گے اور کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھ لو اور یہ عذاب تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے دنیا میں کیے اور آخرت میں بھیج دیئے۔ جو کچھ بھی عذاب ہے تمہارے اپنے کیے کا پھل ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم فرمانے والا نہیں ہے۔

اس کے بعد یہودیوں نے ایک اور بات نقل فرمائی پھر اس کا جواب دیا، یہودیوں نے یہ کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم تم پر کیسے ایمان لائیں ہمیں تو اللہ نے تورات میں یہ حکم دیا ہے اور تاکید فرمائی ہے کہ جو بھی کوئی شخص رسالت اور نبوت کا مدعی ہو، ہم اس کی تصدیق نہ کریں جب تک کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں قربانی پیش نہ کرے اور یہ قربانی ایسی ہو جسے آگ جلا کر بھسم کر دے یہ آگ کا جلانا دلیل اس بات کی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی قبول ہوگئی اور یہ شخص جس نے قربانی پیش کی ہے واقعی اللہ کا رسول ہے، اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ آپ جو اب میں فرمادیجئے کہ تم سے پہلے کثیر تعداد میں انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے ان کے پاس کھلے کھلے معجزات تھے اور تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ قربانی پیش کی جائے جسے آگ جلا دے انہوں نے تمہارے سامنے یہ بھی کیا قربانیاں پیش کیں جنہیں آگ نے جلا یا، تم تو اس پر بھی ایمان نہ لائے اور نہ صرف یہ کہ ایمان نہ لائے بلکہ تم نے ان کو قتل کر دیا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو انبیاء سابقین پر ایمان لے آتے بات یہ ہے کہ تمہیں ایمان لانا نہیں ہے بطور کٹ جتی حیلے بہانے تراشنے کے لیے ایسی باتیں کہتے ہو۔ (روح المعانی صفحہ ۱۴۱ تا ۱۴۲ ج ۴)

پھر فرمایا ﴿فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُ وَ بِالْبَيِّنَاتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتَابِ الْمُنِيرِ﴾ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے آپ سے پہلے رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے۔ وہ حضرات کھلے کھلے معجزات لے کر آئے ان کے پاس اللہ کے عطا فرمودہ صحیفے تھے اور خوب اچھی طرح واضح کر کے بیان کرنے والی کتاب تھی۔ اس سب کے باوجود جنہیں ایمان نہ لانا تھا وہ ایمان نہ لائے اور رسولوں کی تکذیب کرتے رہے اگر آپ کی تکذیب کی جائے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ فَمَن رُّحِزَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ
الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَمْتَاعٌ الْعُرُورِ ﴿۱۸۵﴾

ہر جان موت چکھنے والی ہے اور بات یہی ہے کہ تم کو قیامت کے دن پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، سو جو شخص بچا دیا گیا آگ سے اور داخل کر دیا گیا جنت میں سو وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا والی زندگی دھوکہ کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں

ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے

اس آیت شریفہ میں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کو مرنا ہے اور موت کا مزہ چکھنا ہے مومن ہو یا کافر سب کو یہاں سے چلا جانا ہے اور زندگی کا مرحلہ موت پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ زندگی میں جو اچھے یا برے کام کیے موت کے بعد ان کا بدلہ ملے گا اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، حساب ہوگا اعمال کی پیشی ہوگی قاضی روز جزا جل مجدہ فیصلے فرمائے گا، جو شخص دوزخ سے بچا دیا گا اور جنت میں داخل کر دیا گیا اصل کامیاب وہی ہے۔

کامیاب کون ہے؟

لوگوں نے دنیا میں اپنی کامیابی کے لیے بہت سے معیار تجویز کر رکھے ہیں، حکومتوں والے سمجھتے ہیں کہ ہم کامیاب ہیں، سیٹھ اور مہاجن اس دھوکہ میں مبتلا ہیں کہ ہم کامیاب ہیں، بڑے بڑے عہدوں پر پہنچنے والے اپنی کامیابی کے گھمنڈ میں ہیں بڑے بڑے محلوں میں رہنے والے گمان کر رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہیں، ان لوگوں کو آخرت کی کامیابی اور ناکامی کا ذرا بھی دھیان نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ جو دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہے، اس میں یہودیوں کو بھی نصیحت ہوگئی جو اپنے احوال اور اموال میں مست ہیں اور کفر کو اختیار کرنے کے باوجود اپنے کو کامیاب سمجھ رہے ہیں، یہ لوگ بہت بڑی گمراہی میں ہیں۔ اور اپنی جانوں کو دوزخ میں دھکیل رہے ہیں یہاں کی عارضی زندگی کو کامیابی سمجھ رہے ہیں، اور دوزخ کے داخلے کی صورت میں جو ناکامی سامنے آئے گی اور جو جنت سے محرومی ہوگی اس بات کی طرف ذرا دھیان نہیں ہے۔

مسلمانوں کو بھی اس میں تعلیم دی گئی کہ دنیا میں کسی قوم یا فرد کی مال اور دولت والی زندگی دیکھ کر اپنے کو ناکام نہ سمجھیں، جب مومن ہو اور جنت اور دوزخ کو مانتے ہو اور یہ بھی سمجھتے ہوں کہ مومن جنت میں اور کافر دوزخ میں داخل ہوں گے تو اپنی وہاں کی کامیابی پر نظر رکھو اور اسی پر خوش رہو۔

دنیا دھوکہ کا سامان ہے:

آخر میں فرمایا ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعٌ الْغُرُوْرُ﴾ (اور دنیا والی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں) اس جملے کی تشریح ہزاروں صفحات میں ہو سکتی ہے دنیا اور احوال دنیا اور اصحاب دنیا اور ان کے احوال پر نظر ڈالیں تاریخ کا مطالعہ کریں، بادشاہوں کی تاریخ دیکھیں، دولت مندوں کے واقعات سنیں، اپنے سامنے جو دنیا میں حوادث پیش آرہے ہیں، ان کو دیکھیں انقلابات پر نظر ڈالیں تو واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ دنیا والی زندگی صرف دھوکہ ہے جس کی مثال کھیتی کی طرح ہے آج لہلہا رہی ہے۔ کل کو سوکھ گئی کسانوں نے کاٹ پیٹ کر برابر کر دی ﴿فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَدْرُوْهُ الرِّيَّامُ﴾ لوگوں کے سامنے انقلابات ہیں، حوادث ہیں، قرون اولیٰ کی تاریخ ہے اور یہ بھی پتہ ہے کہ مریں گے۔ پھر بھی دنیا ہی سے دل لگائے ہوئے ہیں اسی کے لیے سوچتے ہیں، اسی کے لیے جیتتے ہیں اسی کے لیے مرتے ہیں اور آخرت کی دائمی اور عظیم نعمتوں کے حاصل کرنے کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرتے اور دوزخ کے عذاب سے بچنے کا ذرا دھیان نہیں کرتے۔

لَتُبْلَوْنَ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْبَعَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ
اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا ۗ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۶۱﴾

تم لوگ ضرور ضرور آزمائے جاؤ گے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور جن لوگوں نے شرک کیا ان کی طرف سے ضرور بالضرور بہت سی باتیں دل آزاری کے سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو بلاشبہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

جانوں اور مالوں میں تمہاری ضرور آزمائش ہوگی

اس آیت شریفہ میں مسلمانوں کو بتا دیا ہے کہ صبر اور آزمائش کے جو واقعات تمہارے سامنے آئے یہ نہ سمجھو کہ یہ آخری ہیں انکے بعد بھی ایسے واقعات پیش آتے رہیں گے، جن سے تمہاری آزمائش ہوتی رہے گی، یہ آزمائش جانوں میں بھی ہوگی اور مالوں میں بھی ہوگی، ہمت اور حوصلہ کے ساتھ سب کو برداشت کرتے رہو، نیز اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکین تمہیں ایذا پہنچاتے رہیں گے اور ان سے ایسی باتیں سنو گے جن سے تمہیں دکھ پہنچے گا، دشمن اپنی حرکت سے باز نہ آئے گا، تمہیں ان کی ایذاؤں سے اور بدزبانیوں سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ صبر اختیار کرو اور تقویٰ کو ہاتھ سے نہ جانے دو تمہارے لیے اسی میں خیر ہے اور صبر اور تقویٰ اختیار کرنا ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

صبر کرنے سے تسلی ہوتی ہے اور تقویٰ سے اعمال کی تکمیل ہوتی ہے جب یہ دونوں چیزیں اختیار کر لیں تو دشمن کی دل آزاریوں سے صرف نظر کرنا آسان ہوگا۔

وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْفُرُونَهُ فَبَدُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبُئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ ۗ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۸۹﴾

اور جب اللہ نے ان لوگوں سے مضبوط عہد لیا جن کو کتاب دی گئی کہ تم ضرور ضرور کتاب کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور اس کو نہ چھپانا سو انہوں نے اس کو اپنی پشتوں کے پیچھے ڈال دیا اور انہوں نے اس کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت خرید لی، سو بری ہے وہ چیز جو وہ خریدتے ہیں، آپ ہرگز خیال نہ کریں کہ جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں اور اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ جو کام انہوں نے نہیں کیے ان پر ان کی تعریف کی جائے ان کے بارے میں آپ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ وہ عذاب سے چھوٹ گئے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اور اللہ ہی کے لیے ہے ملک آسمانوں اور زمین کا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اہل کتاب سے ميثاق لینا اور ان کا عہد سے پھر جانا

جن لوگوں کو امت محمدیہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب دی گئی جن میں یہود و نصاریٰ کے علماء بھی تھے ان سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا تھا کہ جو کتاب تمہیں دی گئی ہے اس کو لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور کسی چیز کو چھپانا نہیں۔

عہد کی ان لوگوں نے پاسداری نہ کی، اور اس کو پس پشت ڈال دیا اور حقیر دنیا حاصل کرنے کے لیے کتاب کے مضامین کو چھپایا اور حق کو بیان کرنے سے پیچھے ہٹتے رہے، اللہ کے عہد کو پس پشت ڈال کر اور حق کو چھپا کر جو اپنے معتقدین سے ذرا بہت دنیا حاصل کر لی یہ انہوں نے بہت بڑے نقصان کا سودا کیا اپنی آخرت برباد کی اور ذرا سی دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ حق چھپانے کے واقعات یہودیوں کی طرف سے پیش آتے رہے تھے ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے علماء یہود سے کوئی بات پوچھی (جو تورات شریف میں تھی) ان لوگوں نے اصل بات کو چھپا دیا اور اس کی جگہ دوسری بات نقل کر دی جب وہاں سے چلے گئے تو خوش ہو رہے تھے کہ واہ ہم نے خوب کام کیا اور ان کی خواہش تھی کہ ان کی اس پر تعریف کی جائے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب بیان کر دی اس پر آیت ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ﴾ نازل ہوئی۔

اور بعض روایات میں یہ ہے کہ بہت سے لوگ منافقین میں سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں نہیں گئے اور مدینہ منورہ ہی میں بیٹھے رہے جب آپ واپس تشریف لائے تو جھوٹے عذر پیش کیے جن پر قسمیں کھا گئے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ جو کام نہیں کیا اس پر تعریف کی جائے (یعنی جہاد کے شرکاء میں ان کو شامل کر لیا جائے) اس پر آیت کریمہ ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ﴾ (آخر تک) نازل ہوئی۔ (درمنثور صفحہ ۱۰۸: ج ۲)

دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، دونوں ہی باتیں سبب نزول ہو سکتی ہیں۔ انسان کے نفسانی تقاضوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی تعریف کی جائے اور اس کی محبت اس درجہ میں ہے کہ جو عمل نہیں کیے وہ عمل اس کی طرف منسوب کیے جائیں اور پھر ان کی تعریف کی جائے یہودیوں اور منافقوں کا یہی طریقہ تھا اور بھی بہت سے لوگ اس مزاج کے پائے جاتے ہیں جو حضرات متقی اور محتاط ہیں وہ اپنے اعمال حسنہ پر بندوں کی طرف سے تعریف کیے جانے کی تمنا نہیں کرتے پھر جو عمل نہیں کیے ان پر کہاں تعریف کے متنی ہو سکتے ہیں، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ دیکھو یہ شخص پوری رات نماز پڑھتا ہے یہ سن کر حضرت امام صاحب پوری رات نماز پڑھنے لگے اور فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ اس عمل پر میری تعریف ہو جو میں نے نہیں کیا۔

یہودیوں نے اور منافقین نے جو اس بات کی آرزو کی کہ جو کام انہوں نے نہیں کیے ان پر ان تعریف کی جائے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کامیاب ہو گئے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّاهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (آپ ہرگز یہ خیال نہ فرمائیں کہ یہ لوگ عذاب سے چھوٹ گئے بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

آخر میں فرمایا ﴿وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اس میں بہت سی باتیں آگئیں جو لوگ حقیر دنیا کے لیے حق چھپاتے تھے ان کو بھی بتا دیا کہ جو کچھ لینا ہے اللہ سے لو اس کی رضا کے کام کر کے لو۔ ہر چیز کا وہی مالک ہے اور مسلمانوں کو بھی توجہ دلا دی کہ اگر دنیا میں کسی فاسق فاجر کے پاس مال زیادہ ہے تو اس کی طرف نظریں نہ اٹھائیں سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے وہ جب چاہے گا تم کو بھی عطا فرمادے گا۔ اور اس کی مشیت ہوگی تو تمہیں دشمنوں سے زیادہ عطا فرمادے گا، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاجْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ مَن تَدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾ رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۗ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مَعَ الْآبِرَارِ ﴿١٩٣﴾ رَبَّنَا وَإِنَّمَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْوَعْدَ ﴿١٩٤﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّمَّنْ ذَكَرَ آوَانِي ۖ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۗ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا ۗ لَأَكْفِرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۗ تَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِنْدَ أَحْسَنِ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں، جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے، اور لیٹے ہوئے، اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں، اے ہمارے رب آپ نے اس کو عبث پیدا نہیں فرمایا، ہم آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں سو آپ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا دیجیے، اے ہمارا رب اس میں شک نہیں کہ جسے آپ دوزخ میں داخل فرمادیں تو واقعی آپ نے اس کو رسوا کر دیا اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں، اے ہمارے رب بلاشبہ ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ وہ ایمان کے لیے پکار رہا ہے کہ تم ایمان لاؤ اپنے رب پر، سو ہم ایمان لے آئے اے ہمارے رب سو آپ مغفرت فرمادیں ہمیں عطا فرمائیے جو آپ نے اپنے رسولوں کی معرفت وعدہ فرمایا اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کیجیے بلاشبہ آپ وعدہ خلافی نہیں فرماتے، پس اللہ پاک نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں ضائع نہ کروں گا تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک دوسرے سے ہو سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ان کو ایذا دی گئی اور انہوں نے جنگ کی اور قتل کیے گئے سو میں ضرور ضرور ان کے گناہوں کا کفارہ کر دوں گا، اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، یہ بدلہ ملے گا اللہ کے پاس سے اور اس کے پاس اچھا بدلہ ہے

عقلمندوں کی صفات اور ان کی دعائیں

ان آیات میں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ آسمانوں کو اور زمین کو جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے کا جو نظام رکھا ہے جس کے مطابق رات اور دن آگے پیچھے آتے رہتے ہیں اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ یعنی یہ چیزیں بتاتی ہیں کہ ان کا پیدا فرمانے والا قادر مطلق ہے، خالق ہے، حکیم ہے، یہ نشانیاں ایسی ہیں کہ عقل والے ان کو دیکھتے ہیں اور ان کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب یہ جو کچھ آپ نے پیدا فرمایا ہے بے کار، عبث اور لایعنی نہیں ہے۔ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں اور تو ہمیں عذاب دوزخ سے بچا دینا۔ درمیان میں ان عقل والوں کی یہ صفت بیان فرمائی کہ یہ لوگ کھڑے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ زبان سے اور دل سے اللہ کو یاد کرتے ہیں اللہ کی ذات و صفات کا تذکرہ کرنا اس کی تکوین و تخلیق بیان کرنا اس کی قدرت اور حکمت کا تذکرہ کرنا یہ سب ذکر اللہ میں داخل ہے جن لوگوں کو اللہ کی معرفت حاصل ہو جائے وہی حقیقت میں عقل والے ہیں اور ان کے عقل مند اور عارف ہونے کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ بیٹھے ہوں، لیٹے ہوں، کھڑے ہوں چل رہے ہوں کسی حال میں ذکر اللہ سے غافل نہیں ہوتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ پر بیٹھے جس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو یہ مجلس ان کے لیے نقصان کا باعث ہوگی، اللہ چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو مغفرت فرمائے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص کسی جگہ میں لیٹا اس میں اللہ کو یاد نہ کیا تو اس کا لیٹنا اللہ کی طرف سے اس کے لیے نقصان کا باعث ہوگا اور جو شخص کسی جگہ میں چلا اس نے اس چلنے کے دوران اللہ کو یاد نہ کیا تو یہ چلنا اس کے لیے اللہ کی طرف سے نقصان کا باعث ہوگا۔ (الترغیب ۴۰۹: ج ۲) درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی اس عالم کی روح ہے جب تک اس دنیا میں ایک مرتبہ بھی اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی۔ (کما رواہ مسلم صفحہ ۸۴: ج ۱)

آج کل بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں عقلمند سمجھا جاتا ہے ان لوگوں نے اپنے طور پر سائنس کی معلومات میں اور دیگر امور کی معرفت حاصل کرنے میں بہت محنت کی ہے۔ لیکن ان معلومات کے ذریعہ انہوں نے خالق کائنات جل مجدہ کو نہیں پہچانا۔ ان میں بہت سے تو خالق جل مجدہ کے وجود ہی کے منکر ہیں اور جو لوگ اسے موجود مانتے ہیں، وہ بھی اس کی صفات جلال و جمال کو نہیں مانتے۔ اور اس کو تکوینی حکمتوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اس کے مظاہر قدرت سے اس کی معرفت حاصل کرنے کی بجائے مادہ ہی کو یا طبیعت ہی کو سب کچھ مانتے ہیں۔ اور یوں کہتے ہیں کہ طبیعت خود ترقی کرتے کرتے یہاں تک پہنچ گئی یہ ان لوگوں کی اپنے خالق کی معرفت سے محرومی ہے، پھر انہیں یہ احساس نہیں

کہ ہم کیوں پیدا ہوئے اور اس دنیا کے بعد ہمارا کیا بنے گا، اور یہ کہ ہمارے خالق نے زندگی گزارنے کا جو نظام بھیجا ہے وہ ہم پر قبول کرنا فرض ہے، ان کے علوم اور تجربات سب اسی دنیا تک ہیں۔ ﴿يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ﴾
 اولوالالباب (عقل والے لوگوں) کی جو دعائیں ذکر فرمائی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔ ﴿رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تَدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهُ﴾ (کہ اے ہمارے رب بلاشبہ آپ جسے دوزخ میں داخل فرمائیں اسے رسوا فرمائیں گے) اور یہ ایسی رسوائی ہے جس سے بڑھ کر کوئی رسوائی نہیں۔ دوزخ کا عذاب ﴿عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ یعنی ذلیل کرنے والا ہے اور وہاں کی رسوائی سے بڑھ کر کوئی رسوائی نہیں۔ تمام اولین و آخرین کے سامنے ذلیل ہونا بہت بڑی رسوائی ہے لوگ یہ تو سوچتے ہیں کہ دنیا میں رسوائی نہ ہو اور آخرت کی رسوائی سے محفوظ رہنے کا کوئی خیال نہیں رکھتے۔ ﴿وَلِعَذَابِ الْآخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يَنْصُرُوْنَ﴾

پھر فرمایا ﴿وَمَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ (اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا) سب سے بڑا ظلم کفر ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَالْكَافِرُوْنَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ﴾ میدان قیامت میں کافروں کا نہ کوئی دوست ہوگا نہ مددگار اور نہ سفارشی۔

اولوالالباب یعنی عقل والوں کی یہ دعا بھی ذکر فرمائی ﴿رَبَّنَا اِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا نَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَ لَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ (اے ہمارے رب بلاشبہ ہم نے ایک پکارنے والے کی پکار سنی جو ایمان کی دعوت دے رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، سوائے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے، سو ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہمارے گناہوں کا کفارہ فرما اور ہمیں نیک بندوں کے ساتھ موت دیجیے اے ہمارے رب اور ہمیں وہ اجر و ثواب عطا فرما جس کا ہم سے آپ نے اپنے رسولوں کی معرفت وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کیجیے اور بلاشبہ آپ وعدہ خلافی نہیں فرماتے) اس دعا میں جو ﴿مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْاِيْمَانِ﴾ وارد ہوا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے مفسرین کے دو قول لکھے ہیں۔

اول یہ کہ اس سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں اور لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے قرآن کریم مراد ہے مفسر طبری نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن ایسا منادی ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور ایمان کی دعوت دیتا رہے گا۔

پھر صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ جس کو بھی (تا قیامت) رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی اطلاع ملی اور آپ کی دعوت پہنچی (اگرچہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے) ان سب کے حق میں آپ منادی اور مادی اور داعی ہیں۔ اس لیے بعد میں آنے والے بھی آپ کے بارے میں ﴿سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْاِيْمَانِ﴾ کہہ سکتے ہیں، لہذا پہلا قول بھی صحیح ہے۔

صاحب روح المعانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ منادیا فرمایا اور داعیا نہیں فرمایا کیونکہ نداء معنوی اعتبار سے ابلغ ہے، کیونکہ نداء آواز بلند کرنے کے بغیر نہیں ہوتی اور ظاہر ہے نداء دور تک پہنچتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے خطبوں میں خوب بلند آواز سے نصیحت اور موعظت فرماتے تھے۔

اور حاضرین سے یہ بھی فرماتے تھے، لیبلاغ الشاهد منكم الغائب (یعنی جو لوگ موجود ہیں ان لوگوں کو پہنچادیں جو موجود نہیں ہیں)

﴿فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا﴾ اس میں فاء تفریعیہ ہے مطلب یہ ہے کہ ہم منادی کی آواز سن کر ایمان لے آئے لہذا ہمارے گناہ معاف فرما دیجیے، چونکہ مغفرت ایمان پر مرتب ہے اس لیے درمیان میں فاء لائی گئی۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایمان نہ ہو تو گناہوں کی مغفرت نہیں ہو سکتی اور کافر کی توبہ کافر ہوتے ہوئے مقبول نہیں۔

﴿وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا﴾ (اور ہماری برائیوں کا کفارہ فرما دیجیے) ذنوبنا کے بعد جو سینیاتنا لایا گیا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ذنوبنا سے پہلے گناہ اور سینیاتنا سے پچھلے گناہ مراد ہیں۔ اور دوسرا قول یہ لکھا ہے کہ ذنوبنا سے کبائر اور سینیاتنا سے صغائر مراد ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ذنوبنا سے وہ گناہ مراد ہیں جن کا یہ

چانتے ہوئے ارتکاب کیا ہو کہ یہ گناہ ہیں اور سَيِّئَاتِنَا سے وہ گناہ مراد ہیں جو جہالت اور لاعلمی کی بناء پر صادر ہو گئے ہوں (چونکہ لاعلمی بھی گناہ ہے اس لیے ایسے گناہوں کی بخشش طلب کرنے کی بھی ضرورت ہے)۔ (روح المعانی صفحہ ۱۶۴: ج ۴)

﴿وَتَوْفَقْنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ (اور ہمیں نیک آدمیوں کے ساتھ وفات دیجیے) مطلب یہ ہے کہ ہمیں صالحین میں شمار فرمائیے اور موت کے بعد ہم سے وہی معاملہ فرمائیے جو نیک آدمیوں کے ساتھ ہوگا، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی دعائیں یوں کہا تھا ﴿تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَاَلْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ﴾ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ لفظ مع الا برار میں تواضع ہے اور حسن ادب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ابرار میں سے تو نہیں ہیں لیکن ہمیں ابرار میں شامل فرمادیجیے، ہم اس کے امیدوار ہیں۔

﴿رَبَّنَا وَاَتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ اور اے ہمارے رب جس کا ہم سے آپ نے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا ہے وہ ہمیں عطا فرما اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کیجیے اور بلاشبہ آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے (ایمان اور اعمال صالحہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جو اجر و ثواب عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے اس میں اس کے ملنے کی عاجزانہ درخواست ہے، اعمال میں جو کمی اور کوتاہی ہو اس سے درگزر فرما کرو، وہی ثواب پورا پورا عطا کیجیے، جس کا رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا ہے اور بعض حضرات نے ﴿مَا وَعَدْتَنَا﴾ سے نصرت علی الاعداء یعنی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد فرمانے کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ مراد لیا ہے، اگر نصرت علی الاعداء مراد لیا جائے تو اس سے عطا دنیوی مراد ہوگی جیسا کہ ﴿وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ سے عطاء اخروی مراد ہے جسے آخرت میں ثواب مل گیا اور وہاں کے عذاب سے محفوظ ہو گیا وہ وہاں کی رسوائی سے بچ گیا۔

﴿اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ (بلاشبہ آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے) ان الفاظ میں اپنی دعاؤں کی مقبولیت کا یقین ظاہر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں جو دعائیں ہم نے کی ہیں وہ ضرور قبول ہوں گی، اس کا وعدہ سورہ بقرہ کی آیت ﴿اَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَا﴾ میں اور سورہ مؤمن کی آیت ﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ میں فرمایا ہے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں تزییل لتحقیق مانظمو فی سلك الدعاء۔

المیعاد سے بعث بعد الموت بھی مراد ہو سکتا ہے، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور صحیح ہے، اگر یہ معنی لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ یوم الحساب کا جو وعدہ آپ نے فرمایا ہے وہ ضرور واقع ہوگا، اس دن کے حساب اور عذاب سے ہمیں محفوظ فرمائیے اور ہمیں اس دن رسوا نہ کیجیے۔

دعاؤں کی مقبولیت:

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّي لَا اُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثَىٰ﴾ (سوان کے رب نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور فرمایا کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت) اعمال کا ثواب سب کو ملے گا، جو کبھی کوئی فرد ایمان قبول کرے گا، اعمال صالحہ میں لگے گا، دعائیں کرے گا اس کا کچھ بھی ضائع نہ ہوگا، جیسے مردوں کے اعمال صالحہ مقبول ہیں اسی طرح عورتوں کے اعمال صالحہ بھی مقبول ہیں۔

﴿بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ﴾ (تم میں سے بعض بعض سے ہیں) اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں ماقبل سے مرتب ہونے کے اعتبار سے "ضحاک" کا قول اقرب معلوم ہوتا ہے جسے معالم التنزیل صفحہ ۳۲: ج ۱ میں نقل کیا ہے رجالکم شکل نسانکم ونسانکم شکل رجالکم فی الطاعة یعنی اللہ کی فرمانبرداری میں مرد عورتوں کی طرح اور عورتوں مردوں کی طرح ہیں۔ جو بھی فرمانبردار ہوگا اپنا اجر و ثواب پائے گا۔ نیز اعمال خیر میں مرد عورتوں کے اور عورتیں مردوں کی معاون ہیں ایک دوسرے کے لیے خیر کا سبب ہیں جیسا کہ سورہ توبہ میں فرمایا ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ (اور مؤمن مرد عورتیں بعض بعض کے معاون اور مددگار ہیں)۔

مہاجرین اور مجاہدین کا ثواب:

﴿فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ (الی قوی تعالیٰ) ﴿وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ﴾ (سوجن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستے میں انہیں ایذا دی گئی اور جنہوں نے قتال کیا اور جو مقتول ہوئے میں ضرور ضروران کی برائیوں کا کفارہ کر دوں گا اور ضرور ضرور ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ان کو اللہ کی طرف سے بدلہ دیا جائے گا اور اللہ کے پاس اچھا بدلہ ہے)۔ اس آیت میں چند اعمال خیر کا تذکرہ فرمایا پھر اصحاب اعمال کے بدلہ کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اور یہ حضرات جنت میں داخل ہو جائیں گے جن اعمال کا تذکرہ فرمایا ان میں ایک ہجرت ہے۔ جن لوگوں نے دشمنوں کے مجبور کرنے سے دین حق پر باقی رہنے کے لیے اپنے وطن کو اور جاگیر و جائداد اور عزا و اقربا کو چھوڑا ان کی بڑی قربانی ہے، نیز اللہ کی راہ میں جن لوگوں کو تکلیفیں پہنچائی گئیں اور وہ صبر و استقامت کے ساتھ ایمان پر باقی رہے اور اعمال صالحہ میں لگے رہے یہ عمل بھی بہت بڑا ہے جسے ﴿وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي﴾ سے تعبیر فرمایا، نیز اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کا بھی تذکرہ فرمایا جس میں کافروں کو قتل کیا جاتا ہے اور اہل ایمان بھی مقتول ہو جاتے ہیں اس عمل کو قتلوا و قتلوا سے تعبیر فرمایا، جہاد بہت بڑا عمل ہے جسے ایک حدیث میں چوٹی کا عمل بتایا، (ذروة سنامه الجهاد "مشکوٰۃ ص ۱۴) مذکورہ بالا اعمال خیر کا بدلہ تکفیر سیئات اور دخول جنت کی صورت میں ہوگا، آخر میں فرمایا ﴿وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ﴾ اس میں عمومی طور پر فرمادیا کہ نیک اعمال کا جو بدلہ اللہ کے پاس سے ملے گا وہ اچھا ہی ہوگا۔

لَا يَغْرَتُكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۗ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۖ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَ بئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْآبِرِينَ ﴿۱۹۸﴾

ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے آپ کو کافروں کا شہروں میں آنا جانا، یہ تھوڑا سا نفع ہے۔ پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا بچھونا ہے، لیکن وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے، اور جو اللہ کے پاس ہے بہتر ہے نیک بندوں کے لیے۔

کافروں کے احوال و اموال دیکھ کر دھوکہ نہ کھائیں

گزشتہ آیت میں اہل ایمان کا اجر و ثواب بتایا ہے اہل ایمان میں تنگ دست فقراء اور مساکین بھی ہوتے ہیں۔ اور دنیاوی احوال و اموال کے اعتبار سے ان میں ایک گونہ کمزوری ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی تسلی کے لیے فرمایا کہ اہل کفر کو جو دنیا میں ادھر ادھر آنے جانے اور اموال کمانے کی قدرت اور وسعت دی گئی ہے یہ کوئی قابل رشک چیز نہیں ہے ان لوگوں کی خوشحالی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے یہ تو چند دن کی بہار ہے اس کے بعد ان کے لیے عذاب ہی عذاب ہے۔ عذاب بھی معمولی نہیں بلکہ جہنم کا عذاب ہے جو آگ ہی آگ ہے ایسی خوشحالی پر کیا رشک کرنا جس کے کچھ عرصہ کے بعد آگ کے دائمی عذاب میں داخل ہونا پڑے۔ اسباب النزول صفحہ ۱۳۴ میں لکھا ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ خوشحال تھے تجارت کرتے تھے اور دنیا کے ساز و سامان سے منتفع ہوتے تھے۔ بعض اہل ایمان کے منہ سے نکل گیا کہ اللہ کے دشمن تو اچھے حال میں ہیں اور ہم بھوک اور مشقت سے ہلاک ہو رہے ہیں اس پر آیت لَا يَغْرَتُكَ آخِرَتِكَ نازل ہوئی۔

جہنم کے بارے میں کہیں ﴿بئسَ الْمَصِيرُ﴾ اور کہیں ﴿بئسَ الْمِهَادُ﴾ فرمایا اور کہیں دوسرے الفاظ میں اس کا برا ٹھکانا ہونا بتایا۔ یہاں ﴿بئسَ الْمِهَادُ﴾ برا بچھونا جو فرمایا ہے سیاق کلام کے اعتبار سے نہایت ہی بر محل ہے۔ کیونکہ جو لوگ اصحاب اموال ہوتے ہیں دنیاوی

چیزوں سے متنع اور متمتع ہونے کے جوان کے طریقے ہیں، ان میں جہاں عمدہ کھانا پینا اور لباس فاخرہ ہوتا ہے وہاں بسترے بھی عمدہ اور نرم ہوتے ہیں۔ آیت شریفہ میں بتا دیا کہ ان کے یہاں کے بستروں کو نہ دیکھوان کے اصلی اور دائمی بستر پر نظر کرو جو دوزخ کی آگ کا ہوگا، وہاں آرام کا نام نہیں اور نیند کا گمان نہیں۔

نزول قرآن کے وقت سفر کے ذرائع یہی چوپائے تھے گھوڑے، اونٹ خچر وغیرہ۔ دور حاضر میں سیارے اور طیارے ہیں جن سے قلب کا مفہوم بہت زیادہ واضح ہے ایک شخص ایک ہی دن میں ایشیا میں بھی ہے اور یورپ میں بھی دوسرا شخص امریکہ جاتا ہے پھر شام تک واپس بھی آ جاتا ہے، ایشیا والوں کے لیے افریقہ اور آسٹریلیا ایسے ہیں جیسے کبھی دو تین میل کی مسافت تک جا کر واپس آ جاتے تھے۔ یہ قلب کا بہت بڑا مصداق ہے، قرآن مجید میں جو لفظ قلب ہے قیامت تک آنے والی سواریوں کے لیے شامل ہے۔

سورہ مومن میں بھی اس مضمون کو بیان فرمایا ﴿مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرُكَ تَقْلِبُهُمْ فِي الْبِلَادِ﴾ (نہیں جھگڑتے ہماری آیات کے بارے میں مگر وہی لوگ جنہوں نے کفر کیا۔ سو دھوکہ میں نہ ڈالے آپ کو شہروں میں ان کا چلنا پھرنا)۔
متقیوں کا ثواب:

پھر فرمایا ﴿لِكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ (جو لوگ اپنے رب سے ڈریں ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے) اس میں سلی سے اہل ایمان کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں کہ تمہیں ہمیشہ کے لیے وہ نعمتیں ملیں گی جو اہل کفر کے تصور میں بھی نہیں۔ ان کی نعمتوں کو ہیچ سمجھو۔ ان کی نعمتیں ان کے لیے باعث عذاب ہیں اور تمہاری نعمتیں واقعی اور حقیقی اور دائمی ہوں گی جو اللہ کی طرف سے بطور مہمانی کے عطاء کی جائیں گی۔ کما قال تعالیٰ ﴿نَزَّلْنَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْأَبْرَارِ﴾ (مہمانی سے اللہ کی طرف سے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک بندوں کے لیے بہتر ہے) کیونکہ یہ دائمی ہے اور کثیر در کثیر اور کافروں کے پاس قلیل در قلیل ہے اور عارضی ہے۔

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

اور بلاشبہ بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا تمہاری طرف اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف جو عاجزی کرنے والے ہیں اللہ کے لیے، وہ نہیں خریدتے اللہ کی آیات کے بدلہ تھوڑی سی قیمت، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے

مومنین اہل کتاب کا اجر

مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب سب ہی ایسے نہیں جو کفر پر جبرے رہیں۔ اور اللہ کے آخری نبی اور آخری کتاب کے انکار پر تلے رہیں۔ بلکہ ان میں ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو کتاب تم پر یعنی اہل اسلام پر نازل ہوئی ہے اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور جو کتاب ان پر اتاری گئی (یعنی ان کے انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے ہے) اس پر بھی ایمان لاتے ہیں، ان میں عناد اور تکبر نہیں ہیں۔ وہ اللہ کے سامنے جھکتے ہیں اور اللہ کی آیات کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت حاصل نہیں کرتے یعنی یہ لوگ طالب دنیا نہیں ہیں جو پوری کی پوری آخرت کے مقابلہ میں ذرا سی چیز ہے یہ لوگ آخرت کے طالب ہیں اللہ کی رضا چاہتے ہیں، اللہ کے ہاں ان کو اپنا اجر ملے گا، لہذا حق کو نہیں چھپاتے، اور اللہ کی آیات کو صحیح بیان کرتے ہیں، اپنی قوم سے کسی طرح کی رشوت کے طالب نہیں۔

﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ (ان کے لیے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس) یعنی ان کے اعمال کا ثواب ان کو ملے گا۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اضافت عہد کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کو وہ اجر عطا کر دیا جائے گا جس کا ان سے وعدہ فرمایا ہے جو سورہ قصص میں مذکور ہے۔ ﴿أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا﴾ کہ انہیں دہرا اجر دیا جائے گا اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا۔ اسباب النزول صفحہ ۱۳۴ میں حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ آیت بالانجاشی کے بارے میں نازل ہوئی (جو حبشہ کا بادشاہ تھا اور وہیں اس نے اسلام قبول کر لیا تھا) حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ کو نجاشی کی موت کی خبر دی آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ چلو اپنے بھائی کی نماز جنازہ پڑھو جو تمہاری اس سرزمین کے علاوہ دوسری جگہ وفات پا گیا۔ آپ بقیع کی طرف روانہ ہو گئے اور جب اس کی نماز جنازہ پڑھانے لگے تو نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے کر دیا گیا (یہ بطور معجزہ تھا) آپ نے نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لیے استغفار کیا اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس کے لیے استغفار کرو اس پر منافقین کہتے لگے کہ دیکھو یہ ایک حبشی نصرانی کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں جس کو انہوں نے دیکھا بھی نہیں اور جو ان کے دین پر بھی نہیں تھا۔ اس پر آیت ﴿وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ﴾ آخر تک نازل ہوئی۔

پھر حضرت مجاہد اور ابن جریج اور ابن زید سے صاحب اسباب النزول نے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان تمام اہل الکتاب کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ سب نزول خاص ہوتے ہوئے بھی الفاظ کا عموم تمام اہل کتاب مومنین کو شامل ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (بے شک اللہ جلدی حساب لینے والا ہے) ابرار اور صالحین کو ان کا بدلہ دیا جائے گا اور کافر اور شرار کو ان کا بدلہ دے دیا جائے گا یہ دنیاوی زندگی گزرنے میں جو دیر لگ رہی ہے اس کو دیر نہ سمجھنا چاہیے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَبِرُوا وَأَصَابِرُوا وَابْتَطُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝٤٤

اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں جم کر رہو اور نیک کاموں میں لگے رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

اہل ایمان کو چند نصیحتیں

یہ سورہ آل عمران کی آخری آیت ہے اس میں اہل ایمان کو چار وصیتیں فرمائیں، جن میں جینے کا طریقہ بتایا ہے، عام حالات میں کیسے رہیں اور کافروں سے مقابلہ ہو تو کیسے لڑیں۔ اجمالی طور پر یہ بات بتادی ہے۔ پہلی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا صبر کرو، صبر کے تینوں معنی ذہن میں لے آئیں (یعنی نیک کاموں پر مضبوطی سے قائم رہنا اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے رہنا اور جو دکھ تکلیف پیش آئے اس کے بارے میں جزع فزع سے باز رہنا)۔

دوسری نصیحت یہ فرمائی وَصَابِرُوا چونکہ یہ بات مفاعلہ ہے اس لیے عربی قواعد کے اعتبار سے دونوں جانب سے اشتراک کو چاہتا ہے، اسی کے پیش نظر حضرات مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ دشمنوں سے مقابلہ کی نوبت آجائے تو خوب جم کر مقابلہ کرو۔ گواصبروا میں بھی یہ مفہوم داخل ہے لیکن مستقل طریقہ پر اس کو علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ قتال کے موقع پر صبر کی اہمیت اور فضیلت زیادہ ہے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

وذكره بعد الامر بالصبر العام لانه اشد فيكون افضل، فالعطف كعطف جبريل على الملائكة والصلوة

الوسطى على الصلوات۔

تیسری نصیحت یہ فرمائی وَابْتَطُوا یہ بھی باب مفاعلہ سے ہے جس کا مادہ ربط ہے اور ربط باندھنے کو اور اپنے نفس کو کسی کام پر جمائے رکھنے کہتے ہیں۔ کفار کے مقابلہ کے لیے گھوڑے باندھ کر رکھنا ان کو کھلانا پلانا چرانا جنگ کے لیے تیار کرنا اس کے لیے بھی لفظ رباط وارد ہوا ہے۔ جیسا کہ سورہ انفال میں ہے۔ ﴿وَاعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (اور تیاری کرو ان کے لیے جو بھی طاقت تمہارے بس میں ہو اور گھوڑوں سے بھی تیاری کرو جو تمہارے پاس بندھے ہوئے ہیں تم اس کے ذریعہ اللہ

کے دشمنوں اسلامی ملک کی سرحد کی حفاظت اور اپنے دشمنوں پر رعب ڈالتے رہو گے) نیز لفظ رباط اسلامی ملکوں کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے بھی آیا ہے۔ جنگ کے مواقع تو کبھی کبھار آتے ہیں لیکن چونکہ کافروں کی طرف سے حملہ کرنے کا خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے اس لیے سرحدوں پر لشکروں کو پڑاؤ ڈالنے کی ضرورت رہتی ہے۔ اس کی بھی بہت فضیلت ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے صاحب روح المعانی نے لفظ رباطورا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ای اقیموا فی الثغور رباطین خیولکم فیہا حاسبین لہا مترصدین للغزو مستعدین لہ بالغین فی ذلک المبلغ الاوفی اکثر من اعداء کم (یعنی سرحدوں میں قیام کیے رہو۔ گھوڑوں کو وہاں باندھ کر رکھو اور جہاد کے مواقع کی تاک میں رہو۔ خوب اچھی طرح جنگ کے لیے تیار رہو تمہاری تیاری دشمنوں کی تیاری سے بڑھ کر ہو)

سرحد کی حفاظت کے لیے پڑاؤ ڈال کر رہنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رباط الیوم فی سبیل اللہ خیر من الدنیا وما علیہا۔ (اللہ کی راہ میں ایک دن سرحد کی حفاظت میں گزارنا دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب سے بہتر ہے)۔ (رواہ البخاری صفحہ ۴۰۵: ج ۱)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن اور ایک رات اسلامی سرحد کی حفاظت میں گزارنا ایک ماہ کے روزے رکھنے اور ایک ماہ راتوں رات نماز میں قیام کرنے سے بہتر ہے، اور اگر اسی عمل میں موت آگئی تو اس کا وہ عمل جاری رہے گا جو وہ کرتا تھا۔ اور اس کا رزق اسے ملتا رہے گا، اور وہ قبر میں عذاب دینے والوں سے بے خوف رہے گا۔ (رواہ مسلم صفحہ ۱۳۲: ج ۲)

اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے وفات پا گیا وہ بڑی گھبراہٹ (یعنی قیامت کے دن کی پریشانی) سے محفوظ رہے گا۔ اور (قبر میں) اسے صبح شام رزق ملتا رہے گا اور اسے برابر مرابط (یعنی رباط کے کام میں لگنے والے) کا ثواب ملتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے (قیامت کے دن قبر سے) اٹھائے۔ (رواہ الطبرانی ورواہ ثقات کمانی الترغیب صفحہ ۲۳۳: ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے رباط کے ثواب کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایک رات رباط کے کام میں مشغول رہا مسلمانوں کی حفاظت کرتا رہتا کہ دشمن حملہ آور نہ ہو جائے تو اسے ان سب لوگوں کا ثواب ملے گا جو اس کے پیچھے روزہ رکھ رہے ہوں اور نماز پڑھ رہے ہوں۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد جدید کمانی الترغیب صفحہ ۲۳۵: ج ۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن اللہ کی راہ میں رباط کے کام میں خرچ کرنا ان ہزار دنوں سے افضل ہیں جو اس کے علاوہ دوسری عبادات میں خرچ کیے جائیں۔ (رواہ النسائی والترمذی وقال حدیث حسن غریب کمانی الترغیب صفحہ ۲۳۶: ج ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں دوزخ کی آگ نہیں پہنچے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے روئی اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کی راہ میں (مسلمانوں کی) حفاظت کرتے ہوئے رات گزار لی ہو۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب کمانی الترغیب صفحہ ۲۳۸: ج ۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں ایسی رات نہ بتا دوں جو شب قدر سے بھی افضل ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ وہ رات ہے کہ جس میں کسی نے خوف و خطرہ کی جگہ چوکیداری کی (مسلمانوں کی حفاظت میں رات گزار لی) اسے خطرہ ہے کہ شاید اپنے گھر واپس ہی نہ جائے گا (لیکن پھر بھی حراست اور حفاظت کے کام میں لگا ہوا ہے)۔ (رواہ الحاكم وقال صحیح علی شرط البخاری کمانی الترغیب صفحہ ۲۵۰: ج ۲)

روایات حدیث سے معلوم ہوا کہ عین سرحد پر ہی مسلمانوں کی حفاظت کے لیے رات گزارنا فضیلت عظیمہ کا باعث نہیں بلکہ جس موقع پر بھی شہر میں محلہ میں آبادی سے باہر یا اندر مسلمانوں کی حفاظت میں وقت خرچ کیا جائے وہ سب بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے حدیث

شریف میں بعض اعمال صالحہ میں پابندی سے لگے رہنے کو بھی رباط سے تعبیر فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں وہ اعمال نہ بتا دوں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ خطاؤں کو محو فرمادے گا (یعنی بالکل ختم کر دے گا) اور درجات کو بلند فرمادے گا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ضرور ارشاد فرمائیں آپ نے فرمایا (وہ کام یہ ہیں):

(۱) ناگوار یوں کے باوجود وضو کا پانی اچھی طرح اعضاء پر پہنچانا (سردی میں گرمی میں ہر حالت میں خوب اچھی طرح ہر جگہ اعضاء وضو پر پانی پہنچانا اگرچہ نفس کو ناگوار ہو خاص کر سردی کے زمانہ میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا۔ (۲) مسجدوں کی طرف کثرت کے ساتھ جانا۔ (۳) نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا۔

یہ بیان فرمایا کہ آپ نے فرمایا فذلکم الرباط (یہ رباط ہے جس میں نفس کو پابند رکھا جاتا ہے) بعض روایات میں ہے کہ آپ نے ذلکم الرباط دو مرتبہ فرمایا (صحیح مسلم صفحہ ۲۲۷: ج ۱) اور مؤطا میں ہے کہ اس لفظ کو تین بار فرمایا (کمانی شرح النووی)

اوپر جو رباطوں کا ترجمہ کیا گیا کہ نیک کاموں میں لگے رہو اسی عموم کے اعتبار سے کیا ہے جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ ملتا ہے۔ چوتھی نصیحت فرماتے ہوئے ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ فرمایا یہ حکم بار بار جگہ جگہ قرآن میں وارد ہوا ہے اور صفت تقویٰ ہی وہ چیز ہے جو خیر کے ہر کام پر لگاتی اور گناہوں سے بچاتی ہے، یہ صفت جامع الخیرات ہے اس لیے بار بار اس کا اعادہ فرمایا۔

آخر میں فرمایا ﴿لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ﴾ کہ تم یہ کام کرو گے تو کامیاب ہو گے۔ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے جو ایمان اور اعمال صالحہ پر تقویٰ اختیار کرنے پر موقوف ہے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک دن رات کو اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس سو گئے (یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ تھیں) اور مقصد یہ تھا کہ رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد دیکھیں۔ انہوں نے بیان فرمایا کہ جب آپ رات کو اٹھے تو آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ سے شروع فرمایا کہ ختم سورت تک سورہ آل عمران کی آخری آیات کی تلاوت فرمائی (صحیح بخاری صفحہ ۲۵۷: ج ۲ صحیح مسلم صفحہ ۲۶۱: ج ۱) لہذا تہجد پڑھنے کے لیے اٹھیں تو ان آیات کو پڑھیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے سورہ آل عمران کا آخری حصہ ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ﴾ سے کسی رات میں پڑھ لیا تو اسے پوری رات میں قیام کرنے کا ثواب ملے گا۔ (رواہ الدارمی صفحہ ۲۲۵: ج ۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے سورہ آل عمران پڑھ لی وہ مالدار ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فقیر آدمی کا خزانہ سورہ آل عمران ہے جسے وہ تہجد کی نماز میں پڑھتا ہے۔ (سنن دارمی صفحہ ۲۲۵: ج ۲)

ولقد تم تفسیر سورة آل عمران بفضل الله و حسن توفيقه والحمد لله أولاً و آخراً و ظاهراً و باطناً

ایاتھا ۱۷۷ ﴿۴﴾ سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ ۹۲ ﴿۳﴾ رُكُوعَاتُهَا ۲۴ ﴿۲﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

سورہ نساء مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو چھتر (۱۷۶) آیتیں اور چوبیس ۴۲ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُوْنَ بِهِ وَاَلْرَحٰمَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُم رَاقِبًا ۝۱ وَاتُّوا الَّذِيْنَ اٰمَوا لَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا الْاَغْيٰثَ بِالطَّيِّبِ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰى اَمْوَالِكُمْ ۗ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور اس جان سے اس کا جوڑا پیدا فرمایا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیئے اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے آپس میں سوال کرتے ہو۔ اور قرابت داریوں سے بھی ڈرو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے اور دیدہ و بینوں کو ان کے مال اور مت بدل و خبیث مال کو اچھے مال سے، اور مت کھاؤ ان کے مالوں کو اپنے مالوں میں ملا کر، بے شک ایسا کرنا بڑا گناہ ہے

بنی آدم کی تخلیق کا تذکرہ اور یتیموں کے مال کھانے کی ممانعت

ان آیات میں اول تو تمام انسانوں کو ان کے خالق و مالک اور پرورش کرنے والے سے ڈرنے کا حکم فرمایا اور یہ حکم جگہ جگہ قرآن حکیم میں موجود ہے اللہ تعالیٰ شانہ سے ڈرنا ہی سب کامیابیوں کی کنجی ہے کوئی شخص خلوت میں ہو یا جلوت میں اپنے رب تعالیٰ شانہ سے ڈرے گا اور خوف و خشیت کی صفت سے متصف ہوگا تو دنیا و آخرت میں اس کے لیے کامیابی ہی کامیابی ہے۔ دنیا و آخرت کی بربادی گناہوں میں مبتلا ہونے سے ہوتی ہے اور خوف و خشیت دل میں جگہ پکڑ لے تو پھر گناہ چھوٹتے چلے جاتے ہیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا عَلَيكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ اَزِيْنُ لِاَمْرِكَ كَلِمَةً (کہ تم اللہ سے ڈرنے کو لازم پکڑ لو کیونکہ اس سے تمہارے ہر کام میں زینت آجائے گی) (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۱۵) پھر رب جل شانہ کی صفت جلیلہ بیان فرمائی اور وہ یہ کہ اس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس جان سے اس کا جوڑا پیدا فرمایا پھر اس جوڑے سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا۔ ایک جان سے حضرت آدم علیہ السلام ہمارا ہیں۔

حضرت حوا کی تخلیق:

ان کا جوڑا یعنی حضرت حوا علیہا السلام کو ان ہی سے پیدا فرمایا صحیح مسلم صفحہ ۴۷۵: ج ۱ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے وہ کسی طریقہ پر تیرے لیے سیدھی نہیں ہو سکتی۔ سوا اگر تو اس سے نفع حاصل کرنا چاہے تو اس کی کجی یعنی ٹیڑھے پن کے ہوتے ہوئے ہی نفع حاصل کر سکتا ہے اور اگر تو اسے سیدھا کرنے لگے تو توڑ ڈالے گا اور اس کو توڑ دینا طلاق دینا ہے، صحیح بخاری صفحہ ۷۷۹: ج ۲ کی ایک روایت میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ قرآن مجید میں جو ﴿وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ فرمایا

اس کی تفسیر حدیث شریف سے معلوم ہوگی کہ حضرت حوا حضرت آدم علیہما السلام کی پسلی سے پیدا کی گئیں۔

بہت سے لوگ جن کا مزاج معتزلہ والا ہے وہ چونکہ اپنی عقل کو پہلے دیکھتے ہیں بعد میں قرآن و حدیث پر نظر ڈالتے ہیں اور جو چیز ان کی عقل میں نہ آئے اس کے منکر ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں نے یہاں بھی ٹھوکر کھائی ہے انہوں نے حضرت حوا کا حضرت آدم علیہما السلام سے پیدا ہونے کا انکار کیا ہے۔ آیت کو انہوں نے سمجھنا چاہا آیت کے مفہوم صریح تک ان کے ذہن کی رسائی نہیں ہوئی۔ رہی حدیث تو اس مزاج کے لوگ احادیث کو مانتے ہی نہیں۔ ہداهم اللہ پھر فرمایا ﴿وَبَثَّ مِنْهُمَا رَجُلًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ کہ ان دونوں (یعنی ایک مرد اور ایک عورت) سے بہت سارے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے بیس لڑکے اور بیس لڑکیاں پیدا ہوئیں ان ہی سے آگے نسل چلی جس سے کروڑوں انسان مرد اور عورتیں زمین پر پھیل گئے۔ (درمنثور صفحہ ۱۱۶: ج ۲)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کی بیوی پیدا فرمائی پھر ان دونوں سے خوب زیادہ نسل چلی اور پھلی پھولی اور پھیلی، موجودہ دور کے انسان اسی نسل سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کو بھی سامنے رکھیں اور صفت ربوبیت کو بھی کہ اس نے پیدا فرمایا اور پرورش بھی فرمائی اور پرورش کے سامان پیدا فرمائے کئی طرح سے اس کا شکر واجب ہے اور شکر کا بہت بڑا جزو یہ ہے کہ اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ یعنی جو مال و اولاد اس نے عطا فرمایا ہے اس کو گناہوں سے محفوظ رکھا جائے اور انہیں اللہ کی نافرمانی کا ذریعہ نہ بنایا جائے، یہ تقویٰ کی صفت ہے، شروع آیت میں تقویٰ کا حکم فرمایا اور یہ بھی بتا دیا کہ تقویٰ کیوں اختیار کیا جائے؟ جس نے اللہ تعالیٰ شانہ کی صفت خالقیت اور صفت ربوبیت کو جان لیا وہ ضرور متقی ہوگا اور خلوت و جلوت میں گناہوں سے بچے گا۔

اللہ سے ڈرنے کا حکم:

پھر فرمایا ﴿وَ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ﴾ (کہ تم اللہ سے ڈرو جس کے نام کا واسطہ دے کر آپس میں ایک دوسرے سے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو۔) جس نے حق مار لیا ہو یا حق دینے میں دیر لگا دی ہو اس سے کہتے ہو کہ تو خدا سے ڈرو اور میرا حق دے۔ حقوق مانگنے کے سوا دوسری ضروریات کے لیے بھی ایک دوسرے سے یوں کہتے ہو کہ اللہ کے لیے میرا یہ کام کر دو، خدا کے لیے مجھے یہ دے دو جس خدا تعالیٰ کے نام سے اپنے کام چلاتے ہو اس سے ڈرو اور گناہوں سے بچو۔

صلہ رحمی کا حکم اور قطع رحمی کا وبال:

پھر فرمایا وَالْأَرْحَامَ أَرْحَامَ رَحْمٍ كِي جَمْعُ هِ، عربی میں رحم بچہ دانی کو کہا جاتا ہے جس کے اندماں کے پیٹ میں بچہ رہتا ہے پھر یہ کلمہ مطلقاً رشتہ داری کے تعلقات کے لیے استعمال ہونے لگا، زمانہ اسلام سے پہلے بھی اہل عرب کے نزدیک رشتہ داری کے تعلقات باقی رکھنا اور انہیں خوبی کے ساتھ نباہنا بہت اہم کام تھا۔ تعلقات باقی رکھنے کو صلہ رحمی اور تعلقات توڑ دینے کو قطع رحمی کہتے ہیں۔ اسلام نے بھی اس کی اہمیت کو باقی رکھا صلہ رحمی پر بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا اور قطع رحمی پر وعیدیں بیان فرمائیں۔ اہل عرب آپس میں صلہ رحمی کے تعلقات کو یاد دلایا کرتے تھے اور قسم دلا کر کہتے کہ اے فلاں تجھے رحم کی قسم ہے تو ہماری رعایت کر اور قطع رحمی نہ کر۔ اس آیت شریفہ میں عرب کی اس عادت کو یاد دلایا ہے۔ اور فرمایا کہ تم قرابت داری کے حقوق ضائع کرنے سے ڈرو۔ آپس میں ایک دوسرے کو رحم کا واسطہ دے کر جو سوال کرتے ہو اس واسطہ کی لاج رکھو اور آپس کے حقوق ضائع نہ کرو۔ صلہ رحمی کی شریعت اسلامیہ میں بھی بہت اہمیت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جسے پسند ہو کہ اس کا رزق زیادہ کر دیا جائے اور اس کی عمر بڑھادی جائے تو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۸۸۵: ج ۱)

اپنے قرابت داروں سے ملنا جلنا اور شریعت کے قوانین کی پابندی کرتے ہوئے آنا جانا، لینا دینا یہ سب صلہ رحمی میں شامل ہے۔ حضرت عبد اللہ بن ابی اونی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں کوئی بھی شخص قطع رحمی کرنے والا ہو ان پر رحمت نازل

نہیں ہوتی۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۲۰: ج ۲)

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا (ایضاً) سنن ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اللہ ہوں، میں رحمن ہوں، میں نے لفظ رحم کو اپنے نام سے نکالا ہے جو شخص صلہ رحمی کرے گا میں اسے اپنے سے ملا لوں گا۔ اور جو شخص قطع رحمی کرے گا میں اسے اپنے سے کاٹ دوں گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۲۰: ج ۲)

آج کل قطع رحمی کا گناہ بہت عام ہے جو لوگ دینداری کے مدعی ہیں نمازوں کے پابند ہیں تہجد گزار ہیں وہ بھی اس گناہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ کسی کا بہن کے گھر آنا جانا نہیں، کوئی بھائی سے روٹھا ہوا ہے۔ کوئی چچا سے ناراض ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جن کے ماں باپ سے ہی تعلقات صحیح نہیں۔ لوگوں کا مزاج یہ بن گیا ہے کہ غیروں کے ساتھ گزارہ کر سکتے ہیں اچھے تعلقات رکھ سکتے ہیں مگر اپنوں کے ساتھ گزارہ نہیں کر سکتے معمولی سی باتوں کی وجہ سے قطع تعلق کر بیٹھتے ہیں۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ آپس کے تعلقات درست رکھے جائیں ایک دوسرے سے جو قصور اور کوتاہی ہو جائے اس سے درگزر کرتے رہیں اور صلہ رحمی کی فضیلت اور دنیاوی و آخروی منفعت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ کا دست مبارک پکڑ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے فضیلت والے اعمال بتا دیجیے آپ نے فرمایا عَقْبَةُ صِدْقٌ مِّنْ قَطْعِكَ وَأَعْطِي مَنْ حَرَمَكَ وَأَعْرِضْ عَنِ مَنْ ظَلَمَكَ (کہ اے عقبہ! جو شخص تمہارے ساتھ قطع رحمی کا معاملہ کرے اس سے تعلقات جوڑے رکھو اور جو تمہیں نہ دے اسے دیتے رہو اور جو شخص تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرتے رہو یعنی اس کے ظلم کی طرف دھیان نہ دو) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یوں فرمایا: "وَأَعْفُ عَنِ مَنْ ظَلَمَكَ" (جو شخص تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو)۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۳۴۲: ج ۳)

جو شخص یوں کہتا ہے کہ رشتہ دار میرے ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو میں بھی کروں گا ایسا شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں وہ تو بدلہ اتارنے والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تعلق جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو بدلہ اتار دے بلکہ تعلق جوڑنے والا وہ ہے کہ جب اس کے ساتھ قطع رحمی کا برتاؤ کیا جائے تب بھی وہ صلہ رحمی کرے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۸۸۶: ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ مہمان کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ صلہ رحمی کرے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۸۸۹: ج ۲)

اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے:

پھر فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر نگران ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔ تمہارا کوئی عمل خیر یا شر اس کے علم سے باہر نہیں۔ وہ اعمال کے بدلے پورے پورے دیدے گا اس میں تقویٰ کے مضمون کو دوسرے الفاظ میں دہرا دیا ہے۔ جو ذات پاک خالق اور مالک ہے جسے ہر عمل کا علم ہے جو خلوتوں اور جلوتوں کے تمام اعمال کو جانتا ہے اس سے ڈرنا ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔

اموال یتامی کے بارے میں تین حکم:

پھر یتیموں کے اولیاء کو حکم دیا کہ تم ان کے مال ان کو دے دو اچھے مال کو برے مال سے تبدیل نہ کرو۔ اور اپنے مال ان کے مالوں میں ملا کر نہ کھا جاؤ اس میں تین باتوں کا حکم فرمایا ہے۔

یتامی کے اموال دے دو:

اول یہ کہ جو یتیم بچے تمہاری پرورش میں ہیں ان کے مال جو انہیں میراث میں ملے ہیں یا کسی نے انہیں ہبہ کر دیئے ان کے بالغ ہونے تک ان کے مالوں کو محفوظ رکھو اور بقدر ضرورت ان کے مالوں میں سے ان پر خرچ کرتے رہو۔ پھر جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کے مال ان کے سپرد کر دو۔ ایسا نہ کرو کہ جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کا مال بلا وجہ اپنی تحویل میں رکھے رہو اور ان کو دینے سے منع کر دو۔ اسباب النزول صفحہ ۱۳۶ میں ہے کہ یہ آیت بنی غطفان کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی اس کی پرورش میں ایک یتیم بچہ تھا جو اس کے بھائی کا لڑکا تھا۔ جب یتیم بالغ ہو گیا تو اس نے اپنا مال طلب کیا۔ چچا نے اس کا مال سپرد کرنے سے انکار کر دیا اس پر دونوں چچا بھتیجے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس پر یہ آیت نازل ہوئی چچا نے جب یہ آیت سنی تو کہا کہ ہم اللہ ورسول کی اطاعت کرتے ہیں اور بڑے گناہ سے پناہ مانگتے ہیں یہ کہا اور یتیم کا مال اس کے حوالے کر دیا۔

یتامی کے اچھے مال کو برے مال سے تبدیل نہ کرو:

دوم یہ فرمایا کہ برے مال کو اچھے مال سے تبدیل نہ کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ یتیم بچے جو تمہاری پرورش اور نگرانی میں ہیں جن کا مال تمہارے قبضہ میں ہے ان کے اچھے مال کو خود اپنے جھے میں اور اپنے گھٹیا مال کو اس کے عوض اس کے حساب میں لگا کر حساب پورا نہ کر دو۔ اپنی اولاد کی خاطر لوگ یتیم کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں کہ اچھی جائیداد اور اچھا مال جو یتیموں کی ملکیت ہو اسے اپنا بنا کر اپنے نام رجسٹری کروا لیتے ہیں اور یتیم بچوں کو گھٹیا مال دے دیتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے ﴿وَلَا تَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ﴾ کا یہ معنی بھی بتایا ہے کہ اپنے حلال مال کو چھوڑ کر یتیموں کا مال نہ کھا جاؤ جن کا کھانا تمہارے لیے حرام ہے۔ اگر ایسا کرو گے تو طیب کو چھوڑ کر خیانت کر کے دوسرے کا مال کھانے والے بن جاؤ گے۔ اور یہ مال چونکہ تمہارے لیے حرام ہوگا اس لیے خبیث ہوگا، یہ معنی بھی لفظ قرآنی سے بعید نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب اپنا گھٹیا مال یتیم کے حصہ میں لگا کر اس کا اچھا مال لینا حرام ہے تو یہ تو بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا کہ ان کا مال بالکل ہی بلا بدل کے کھالیا جائے۔

یتامی کے مال کو اپنے مال میں ملا کر نہ کھا جاؤ:

سوم: یہ ارشاد فرمایا کہ ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالِكُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ﴾ (اور یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ) یتیم بچے جن لوگوں کی پرورش میں ہوتے ہیں ان میں جن کا مزاج خیانت والا ہوتا ہے ایسے لوگ مختلف طریقوں اور تدبیروں سے یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں میں ملا کر کھا جاتے ہیں کچھ لوگ تو غفلت اور بے دھیانی میں ایسا گزرتے ہیں کہ گھر کی مشترکہ ضرورتوں میں مال خرچ کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ یتیم بچے پر اس کے اپنے ذاتی مال میں سے کتنا خرچ ہوا اور اس کے مال میں سے مشترکہ ضروریات میں دوسروں پر کتنا خرچ ہوا ہے؟ اور کچھ لوگ قصداً اور ارادہً ایسا کرتے ہیں کہ یتیم بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے ہی ان کے مال کو کسی نہ کسی طرح اپنے نام میں یا اپنی اولاد کے نام میں لکھوا دیتے ہیں پھر جب وہ بالغ ہو جاتا ہے تو اسے اپنے مال میں سے ذرا بہت ملتا ہے یا بالکل ہی محروم ہو جاتا ہے۔

فائدہ: یتیم بچوں کا کھانا اپنے کھانے میں ملا کر پکانے کے بارے میں ضروری ہدایت سوزہ بقرہ کی آیت ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ﴾ کی تفسیر میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

آخر میں فرمایا ﴿إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا﴾ (یعنی یتیم کے مال میں خیانت کرنا بڑا گناہ ہے) ہر امانت داری کی خلاف ورزی گناہ ہے لیکن یہاں مستقل طریقہ پر یتیم کے مال میں خیانت کرنے پر تنبیہ فرمائی اور صرف یہی نہیں فرمایا کہ گناہ ہے بلکہ یہ فرمایا کہ بڑا گناہ ہے جو لوگ یتیموں کے مالوں کے محافظ و متولی ہیں پوری آیت کو بار بار پڑھیں۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِمَّنِّي وَثَلَاثٌ وَرُبَاعٌ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةٌ أَوْ مَمْلُوكَةٌ ۚ ذَٰلِكُمْ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۗ

اور اگر تم کو ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان عورتوں سے نکاح کر لو جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو، تین تین، چار چار سوا اگر تم کو ڈر ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی عورت سے نکاح کر لو، یا ان لونڈیوں پر بس کرو جو تمہاری ملکیت ہوں۔ یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم زیادتی نہ کرو

یتیم بچیوں کے نکاح کرنے کے بارے میں ہدایت

آیت کا مضمون سمجھنے سے پہلے سبب نزول ذہن نشین کر لینا چاہیے تفسیر درمنثور صفحہ ۱۱۸: ج ۲ میں بخاری وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اے میری بہن کے بیٹے اس آیت میں ایسی یتیم بچیوں کا ذکر ہے جن کا باپ فوت ہو جاتا تھا اور جو مال میراث میں ملتا وہ اس بچی اور اس کے ولی کا مال مشترک ہوتا تھا جسے تقسیم کرنا لازم تھا۔

اب ہوتا یہ تھا کہ جو شخص اس یتیم بچی کا ولی (سرپرست) ہوتا تھا وہ اس کے مال میں یا جمال میں رغبت رکھنے کی وجہ سے اس سے نکاح کر لیتا تھا لیکن بچی چونکہ اپنے ہی گھر میں اپنی ہی پرورش میں ہے اس لیے اس کا مہر جس قدر ہونا چاہیے اتنا مقرر نہیں کرتے تھے۔ دوسری جگہ سے جو مہر ملتا اس سے کم مقرر کیا جاتا تھا۔ لہذا اس بات سے منع فرمادیا گیا کہ ان لڑکیوں سے نکاح کریں اور پورا مہر نہ دیں، بلکہ حکم یہ فرمایا کہ ان لڑکیوں کو پورا حق مہر دو جتنا زیادہ سے زیادہ ان کو دوسری جگہ سے مل سکتا تھا۔ (راجع صحیح البخاری صفحہ ۷۷۲: ج ۲)

اور یہ بھی حکم فرمایا کہ اگر ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے تو ان کے علاوہ اپنی پسند کی دوسری عورتوں سے نکاح کر لیں۔ دوسری عورتوں سے نکاح کریں گے تو چونکہ وہ خود سوچ سمجھ والی ہوں گی اور پہلے سے ان پر قابو نہ ہوگا تو حسب منشا جتنا مہر چاہیں گی مقرر کرالیں گی کیونکہ ان پر کوئی دباؤ نہ ہوگا، اگر کوئی شخص یتیم لڑکی ہی سے نکاح کرنا چاہے اور مہر اس کو پورا پورا دے تو یہ بھی درست ہے اسی لیے ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا﴾ فرمایا، نیز تفسیر درمنثور میں بحوالہ ابن جریر وغیرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ ایک شخص کی سرپرستی میں کوئی یتیم لڑکی ہے اور وہ مالدار بھی ہے تو جس کی سرپرستی میں ہے وہ اس سے مال کی وجہ سے نکاح کر لیتا تھا لیکن چونکہ طبعی طور پر اسے پسند نہ تھی اس لیے اس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتا تھا لہذا اس بارے میں نصیحت فرمائی۔

سبب نزول کے جاننے سے معلوم ہوا کہ یتیم لڑکیاں جو صاحب مال ہوتی تھیں ان سے نکاح تو کر لیتے تھے لیکن ان سے سلوک اچھا نہ رکھتے تھے اور ان کو مہر بھی اتنا نہ دیتے تھے۔ جتنا ان کو اور جگہ سے مل سکتا تھا۔ لہذا ان کو حکم دیا کہ اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ یتیم بچیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو دوسری عورتوں سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند ہوں۔

چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت اور عدل کرنے کا حکم:

اور ساتھ ہی ساتھ عورتوں کی تعداد کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا کہ جو عورتیں پسند ہوں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر سکتے ہو اور اگر یہ ڈر ہو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو دوسری عورتوں سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند ہوں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اول تو ہر شخص کو بیک وقت دو یا تین یا چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ جو تمہیں اچھی لگیں ان سے نکاح کر لو ایک سے زائد نکاح کرنا جائز ہے۔ فرض اور واجب نہیں ہے اور جائز بھی اس شرط پر ہے کہ جتنی بیویاں ہوں ان سب کے درمیان عدل و انصاف رکھے۔ قلبی تعلق پر تو مواخذہ (گرفت) نہیں ہے کہ یہ اختیاری چیز نہیں۔ البتہ اختیاری چیز میں عدل نہ کیا تو گرفت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو عورتیں ہوں اور وہ ان دونوں

عورتوں کے درمیان عدل یعنی برابری نہ کرتا ہو تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا، جتنی راتیں ایک کے پاس رہے اتنی ہی راتیں دوسری کے پاس رہے تقسیم جس طرح چاہے کرے اس کے اختیار میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح: صفحہ ۲۷۹: از ترمذی وغیرہ)

بہت سے لوگ پیسہ زیادہ ہونے کی وجہ سے یا خواہ مخواہ شوق میں آ کر پہلی بیوی پرانی ہو جانے کی وجہ سے یا نئی بیوی کے مالدار ہونے کی وجہ سے دوسری شادی کر لیتے ہیں۔ لیکن پھر برابری نہیں کرتے اور کسی ایک کے ساتھ ظلم و زیادتی بھی کرتے رہتے ہیں یہ شرعاً حرام ہے۔ اگر کسی کو برابری پر قدرت نہ ہو تو ایک ہی بیوی رکھے تاکہ ظلم و زیادتی سے محفوظ رہے۔

فائدہ: شریعت اسلامیہ میں بیک وقت صرف چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت ہے مگر مذکورہ بالا شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ دوسری قوموں میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اس کے بدلے میں ان کے یہاں یہ جائز ہے کہ بہت سی دوستانیاں (گرل فرینڈز) رکھ لے۔ زنا کاری کرنا ان کے نزدیک کچھ عیب کی بات نہیں ہے البتہ نکاح کر کے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا اور حلال طریقہ سے زندگی گزارنا ان کے نزدیک عیب ہے۔ اسلام پر جو بعض جاہلوں کے اعتراضات ہیں ان میں سے ایک یہ اعتراض بھی ہے کہ اسلام میں تعدد ازواج کی اجازت ہے۔ یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اول تو چار تک کی اجازت ہے واجب نہیں۔ دوسرے دنیاوی احوال کے اعتبار سے اس اجازت کی ضرورت ہے اول تو اس میں نسل بڑھانے کا فائدہ ہے اور دوسرا عظیم فائدہ یہ ہے کہ جب کسی وجہ سے مردوں کی قلت ہو جائے (جیسا کہ جہاد کے مواقع میں مرد شہید ہو جاتے ہیں) تو عورتیں بیوہ ہو جائیں۔ تحفظ آبرو کے ساتھ ان کے اخراجات کا انتظام ہو جائے۔ پھر جب عورتوں کی کثرت ہو اور مردوں کی کمی ہو (جیسا کہ اس کا دور شروع ہو چکا ہے) تو عورتوں کی عفت و عصمت اور شریفانہ معیشت کا انتظام اسی میں ہے کہ مرد ایک سے زیادہ نکاح کریں۔ جو لوگ گہرائیوں میں نہیں جاتے۔ حکمتوں کو نہیں سمجھتے انہوں نے اپنے ذمہ صرف اعتراض کرنا ہی لے رکھا ہے جب اجازت اور اباحت کو عدل و انصاف کے ساتھ مشروط و مقید کر دیا گیا تو پھر کسی عقلمند کے لیے کسی طرح بھی اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔

پھر آیت کے خاتمے پر فرمایا: ﴿ذٰلِكَ اٰدْنٰی اِلَّا تَعُوْلُوْا﴾ (یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم زیادتی نہ کرو) یعنی نکاح کے بارے میں جو تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے اس کے مطابق عمل کرو گے تو ظلم و زیادتی سے محفوظ رہ سکتے ہو مذکورہ ہدایت پر عمل کرنا ظلم سے بچانے کے لیے بہت زیادہ قریب تر ہے۔

فائدہ: بیک وقت چار عورتوں تک سے نکاح کرنے کی اجازت ہے لیکن اس میں شرطیں ہیں ہر عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا، مثلاً جو عورت کسی مرد کی عدت میں ہو اس سے نکاح نہیں ہو سکتا، دو بہنیں ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں اور جن عورتوں سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے ان سے کبھی نکاح نہیں ہو سکتا۔ جس کی تفصیل اس سورت کے چوتھے رکوع میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اگر کوئی شخص بیک وقت چار عورتیں نکاح میں ہوتے ہوئے پانچویں عورت سے نکاح کرے گا تو یہ نکاح شرعی نہ ہوگا اور یہ عورت اس کی شرعی بیوی نہ بن سکے گی زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ بغیر کسی قانون کے بہت سی عورتوں سے نکاح کر لیا کرتے تھے۔ اسلام میں صرف چار تک کی اجازت دی گئی اور عدل و انصاف کی قید لگا دی گئی۔ غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے پاس دس عورتیں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار کو رکھ لو اور باقی کو چھوڑ دو۔ (رواہ ابن ماجہ فی کتاب الطلاق)

باندیوں سے جماع کرنے کی اجازت:

پھر فرمایا: ﴿اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ﴾ یعنی انصاف پر قائم نہ رہ سکنے کی صورت میں ایک بیوی پر اکتفا کرو۔ یا پھر ان باندیوں سے گزارہ کرو جو تمہاری ملکیت میں ہیں جو باندی ہو اس سے بھی جن ملکیت جماع کرنا جائز ہے لیکن ان کے حقوق بیوی والے حقوق نہیں ہیں اگر کئی باندیاں ہوں تو ان سے جماع کرنا تو جائز ہے لیکن چونکہ جماع کا حق نہیں اس لیے ان کے درمیان راتیں تقسیم کرنا بھی لازم نہیں ہے۔ البتہ

بسبب ملکیت ان کے کھلانے پلانے اور پہنانے کے جو حقوق ہیں وہ اپنی جگہ پر واجب ہیں۔

جو کافر عورتیں قید میں آجاتی تھیں ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا لہذا وہ ان کی ملکیت ہو جاتی تھیں اور ان سے گھربار کی خدمت لینے کے علاوہ جماع کرنا بھی جائز تھا۔ اس کے جائز ہونے کی بھی کچھ شرطیں ہیں۔ جو کتب فقہ میں لکھی گئی ہیں۔ باندی سے جو اولاد ہو جاتی تھی وہ ثابت النسب ہوتی تھی اور وہ اولاد آزاد ہوتی تھی اور جس باندی سے اولاد پیدا ہوتی وہ باندی آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جاتی تھی۔ تفصیلی احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

کافر قیدیوں کو غلام باندی بنانے میں حکمت:

جب مسلمان جہاد کرتے تھے تو جن کافروں کو قید کر لیا جاتا تھا ان میں مرد بھی ہوتے تھے اور عورتیں بھی۔ امیر المؤمنین کو اختیار تھا کہ ان کو جہاد کرنے والوں میں تقسیم کر دے جب ان مجاہدین میں قیدی تقسیم ہو جاتے تھے تو ان کی ملکیت میں آجاتے تھے اس لیے ان کا بیچنا، فروخت کرنا جائز تھا اور یہ غلامی کفر کی سزا ہے اور اس میں ان غلاموں کا یہ نفع ہے کہ دارالاسلام میں رہیں گے تو مسلمانوں کے اسلامی معاشرہ سے مانوس ہوں گے اذانیں سنیں گے، نمازیں دیکھیں گے، اور اسلام قبول کریں گے، اور آخرت کے دائمی عذاب سے بچ جائیں گے اور حکومت اسلامیہ کا یہ نفع ہے کہ جب ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا تو ان کی قوت بھی ٹوٹ گئی جس سے بغاوت کا اندیشہ تھا اور بیت المال پر ان قیدیوں کو کھلانے پلانے کا بار بھی نہ پڑا، اگر ان کو جیل میں رکھتے تو بغاوت کا بھی خطرہ تھا۔ آپس میں مشورہ کرتے رہتے اور دارالحرب سے تعلقات پیدا کر کے دارالاسلام میں فساد کا باعث بن جاتے اور بیت المال کو روزانہ ان لوگوں پر بھاری رقم خرچ کرنی پڑتی۔ دوسری طرف مجاہدین کو نفع ہوا ان کو کام کاج کرنے والے افراد مل گئے اور چونکہ یہ لوگ اپنے مالکوں کا کام کریں گے اس لیے ان کو کھلانا پلانا بھی ناگوار نہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ جو غلام تمہارے احوال کے مناسب اور موافق ہو اسے اسی میں سے کھلاؤ جس میں سے تم کھاتے ہو اور اسی میں سے پہناؤ جس میں سے تم پہنتے ہو اور جو تمہارے احوال کے مناسب نہ ہو اس کو بیچ دو اور اللہ کی مخلوق کو عذاب نہ دو، (رواہ احمد و ابوداؤد کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۲۹۲)

مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے احوال کے موافق اور مناسب نہ ہوگا تو خواہ مخواہ اس کی مار پیٹ کی طرف بھی طبیعت چلے گی اور کھلانے پلانے میں بھی کوتاہی ہوگی اسے بیچ دو گے تو انشاء اللہ تعالیٰ دوسری جگہ اس کے حال کے مناسب مل جائے گی جب غلام اسی کھانے میں سے کھائے گا جو گھر والوں کے لیے پکایا گیا اور اسی کپڑے میں سے پہنے گا جو دوسرے گھر والے پہنتے ہیں اور اس کے علاوہ رواداری، دلداری اور حسن معاشرت کے مظاہرے اس کے سامنے آئیں گے تو حسن و خوبی کے برتاؤ کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو اجنبی محسوس نہ کرے گا اور رفتہ رفتہ اسلام قبول کرنے کے قریب تر آجائے گا۔

اسلام کی تاریخ میں بڑے بڑے محدثین ایسے حضرات گزرے ہیں جو غلام تھے۔ یا باندیوں کی اولاد تھے۔ حدیث کی کتابوں میں غلاموں کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ گزارہ کرنے اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرنے کے بارے میں مفصل ہدایات موجود ہیں۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اپنے مرض الوفا میں بار بار یہ فرمایا الصلوٰۃ و ما ملکت ایمانکم (کہ تم نماز کا دھیان رکھنا اور جو تمہارے غلام اور باندیاں ہو ان کے حقوق کی نگہداشت کرنا) (رواہ احمد صفحہ ۸۱: ج ۳) یہ ہے وہ غلامی جسے یورپ کے متعصب جاہلوں نے اعتراضات کا نشانہ بنا رکھا ہے۔

فائدہ: غلام اور باندیوں کے جو احکام بیان ہوئے یہ سب اب بھی مشروع ہیں، کوئی بھی حکم منسوخ نہیں ہے لیکن اس دور میں مسلمان غلام اور باندیوں سے اس لیے محروم ہیں کہ اول تو اللہ کے لیے جہاد نہیں کرتے اور جو کوئی جنگ ہوتی ہے وہ دشمن کے اشارہ سے ہوتی ہے اور دشمن ہی کے اشارہ سے بند کر دی جاتی ہے۔ پھر دشمنوں نے مسلم حکومتوں کو ایسے معاہدوں میں جکڑ رکھا ہے جن کی وجہ سے وہ قیدیوں کو غلام اور باندیاں

نہیں بنا سکتے، غلام اور باندیاں جو بہت بڑی نعمت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دی تھی کہ گھر گھر ان کے باندیاں اور غلام ہوں ان سب سے یکسر محروم ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دشمنوں کے پنجے سے چھڑائے اپنے دین پر چلائے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے اور اصول شریعت کے مطابق جہاد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نو کرانیاں باندیاں نہیں ہیں ان سے جماع کرنا حرام ہے اور آزاد لڑکے اور لڑکی کو فروخت کرنا بھی حرام ہے وہ باندیاں جن سے جماع کرنا جائز ہے وہ یہ قیدی ہیں جو جہاد کے موقع پر لائے گئے ہوں اور جنہیں امیر المؤمنین نے مجاہدین میں تقسیم کر دیا ہو۔ اس کے سوا ابتداء کسی مرد یا عورت کو غلام باندی بنانے کا کوئی راستہ نہیں۔ گھروں میں جو نو کرانیاں رکھ لیتے ہیں، یہ باندیاں نہیں ہیں ان سے پردہ بھی واجب ہے اور ان سے جماع کرنا بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح دوسری عورتوں سے حرام ہے۔ ان عورتوں سے جماع کرنا سراپا زنا کاری ہے اس کو خوب سمجھ لیا جائے، اگر کسی لڑکی کے ماں باپ لڑکی فروخت کر دیں یا کہیں سے اغوا کر کے کوئی لاکر بیچ دے یا کوئی عورت خود سے کہہ دے کہ میں باندی بن کر رہوں گی اس طرح سے وہ شرعی باندی نہ بنے گی اور اس سے جو جماع کیا جائے گا وہ زنا ہوگا۔

کیسی عورتوں سے نکاح کیا جائے:

﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ میں لفظ طاب فرمایا ہے یہ خوبی بہتری اور عمدگی کے معنی میں آتا ہے اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ جو عورتیں تمہیں پسند ہوں اس سے نکاح کر لو۔ پسند آنے کے اسباب میں حسن و جمال بھی ہے۔ مال بھی ہے اور دین داری بھی ہے۔ خوش خلقی بھی ہے اور بہت سے اوصاف ہیں جو عورتوں میں ہوتے ہیں۔ آیت کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ خوبی والی عورتیں تلاش کرنا غلط کام نہیں ہے بلکہ اس کی اجازت ہے اگر حسن و جمال کو دیکھا جائے تو یہ بھی جائز ہے البتہ دیندار کو ترجیح دینی چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزوں کی وجہ سے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال کی وجہ سے اس کے صاحب مرتبہ ہونے کی وجہ سے (شخصی حیثیت کی وجہ سے) اس کے جمال کی وجہ سے، اس کے دین کی وجہ سے، پس اے مخاطب تو دین والی کو حاصل کر کے کامیاب ہو جا، اللہ تیرا بھلا کرے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۴۷۳: ج ۱)

اچھی بیوی کی صفات:

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا ساری کی ساری نفع کی چیز ہے اور دنیا کے منافع میں سب سے بہتر چیز نیک عورت ہے (رواہ مسلم صفحہ ۴۷۵: ج ۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل فرماتے ہیں کہ بہتر عورتیں جو اونٹوں پر سوار ہیں (عرب عورتیں) قریش کی وہ عورتیں ہیں جو بچوں پر بہت زیادہ شفیق ہوتی ہیں اور شوہر کے مال کی بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں (رواہ البخاری صفحہ ۷۶۰: ج ۲) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ کے بعد جو چیزیں بندہ کو حاصل ہوں ان میں نیک بیوی سے بڑھ کر کوئی بہترین نعمت نہیں۔ پھر نیک بیوی کے اوصاف بیان فرمائے۔

(۱) اگر اسے حکم دے تو فرمانبرداری کرے۔

(۲) اور اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کرے۔

(۳) اور شوہر کوئی قسم کھائے (جو عورت کے عمل کرنے سے متعلق ہو مثلاً یوں کہے کہ تم فلاں کام ضرور ضرور کرو گی) تو اس کی قسم پوری

کرے۔

(۴) اور اگر شوہر کہیں چلا جائے تو اپنی جان اور شوہر کے مال میں خیر خواہی کرے۔ (رواہ ابن ماجہ صفحہ ۱۳۲)

جس طرح عورتوں میں دینداری کو دیکھ کر نکاح کرنے کو ترجیح دینی چاہیے اسی طرح لڑکیوں کے لیے مرد بھی نیک دیکھنے چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیغام بھیجے جس کی دینی اور اخلاقی حالت

تمہیں پسند ہو تو اس سے نکاح کر دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ ہوگا اور (لمبا) چھوڑا فساد ہوگا۔ (رواہ الترمذی صفحہ ۲۰۷: فی ابواب النکاح)

نکاح کرنا شرعی ضرورت ہے:

نکاح انسان کی ضروریات میں سے ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے مرد میں عورت کی اور عورت میں مرد کی خواہش رکھی ہے۔ یہ خواہش فطری اور طبعی ہے نفس اور نظر کو پاک رکھنے کے لیے اس کی ضرورت ہے۔ سنن ترمذی (اول کتاب النکاح) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں پیغمبروں کے طریقے میں سے ہیں۔ (۱) حیا (۲) خوشبو لگانا (۳) مسواک کرنا (۴) نکاح کرنا۔

نکاح کے بغیر رہنا کوئی کمال اور دینداری کی بات نہیں ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اے جوانو! تم میں سے جسے نکاح کرنے پر قدرت ہو نکاح کر لے، کیونکہ وہ نظر کو پست رکھنے والا ہے اور شرم کی جگہ کو پاک رکھنے والا ہے، اور جسے نکاح کی قدرت نہ ہو وہ روزے رکھے کیونکہ اس سے شہوت دب جائے گی۔ (رواہ البخاری صفحہ ۷۵۸: ج ۲)

قوت مردانہ زائل کرنے کی ممانعت:

اگر نکاح کرنے کا موقع نہ لگے تو قوت مردانہ ختم کرنے کی اجازت نہیں البتہ عارضی طور پر اور بقدر ضرورت روزے رکھ کر شہوت کو دبا لے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خصی ہونے اور قوت مردانہ زائل کرنے کی اجازت مانگی تو آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَصَى وَلَا اخْتَصَى إِنَّ خِصَاءَ أُمَّتِي الصِّيَامُ یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی ہو بلاشبہ میری امت کا خصی ہونا یہ ہے کہ روزے رکھا کریں۔ (رواہ فی شرح السنہ کما فی مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۶۹)

نکاح کرنے میں دینی، دنیاوی بہت سے منافع ہیں مرد کو سکون کی جگہ مل جاتی ہے، کام کاج کر کے تھکا ماندہ آ کر آرام کا ٹھکانہ پکڑ لیتا ہے جسے سورت اعراف میں ﴿لَيْسُ كُنَّ إِلَيْهَا﴾ سے تعبیر فرمایا اور عورت کو بھی اخراجات کی طرف سے اطمینان ہو جاتا ہے اسے کمانا نہیں پڑتا پردہ میں محفوظ رہتی ہے مرد و عورت دونوں کی حیثیت اور شخصیت بن جاتی ہے گھریار والے آل اولاد والے کہلاتے ہیں پھر جو اولاد ہوتی ہے اس سے دل خوش ہوتا ہے بچوں کو کھلانے پلانے پہنانے سے مسرت کی لہریں دوڑ جاتی ہیں اور اس اولاد کو جب دین اور علم دین پڑا جائے تو آخرت میں بھی رفع درجات کا ذریعہ بن جاتی ہے، اسلام کے احکام فطرت انسانیہ کے موافق ہیں۔ انسانی خواہشوں کو اسلام نے ختم نہیں فرمایا بلکہ ان کی حدود مقرر فرمادی ہیں اور متعلقہ احکام کی تعلیم دے کر ان کا پابند بنا دیا ہے۔

وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا ۝

اور تم عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کر دو، سوا گروہ تمہارے لیے اس میں سے نفس کی خوشی سے کچھ چھوڑ دین تو اس سے مبارک طور پر خوشگوااری کے ساتھ کھا لو

عورتوں کے مہر ادا کرنے کا حکم

شریعت مطہرہ میں عورت کی ایک حیثیت ہے جب کوئی مرد اس سے نکاح کرے تو اس کا مہر مقرر کرے اور جس قدر مہر پر وہ راضی ہوا تنے مہر پر نکاح ہوگا، مہر کی مقدار مقرر کرنے کے لیے اس پر زبردستی نہیں کی جاسکتی پھر جب مہر مقرر کر دیا تو اس کا ادا کرنا فرض ہے، اور مرد جب تک مہر ادا نہ کرے بیوی کا قرض دار رہے گا اگر عورت پورا مہر یا کچھ حصہ معاف کر دے یا کچھ حصہ لینے کے بعد واپس کر دے تو اس کو رکھ لینا جائز ہے البتہ اس میں ایک شرط لازم ہے اور وہ یہ کہ عورت نے جو کچھ دیا ہو یا معاف کیا ہو وہ اس نے طیب نفس کے ساتھ دیا ہو، طیب نفس کا معنی یہ ہے کہ اچھی طرح خوب خوشی سے دل کی گہرائی سے دے دے یا معاف کر دے اگر زبردستی معاف کروا لیا یا لکھوا لیا یا دھوکہ دے کر دستخط کرا لیے

یا انگوٹھا لگو الیا تو خواہ اس کی وجہ سے دنیاوی عدالتوں میں دعویٰ نہ کر سکے لیکن اس کا حق باقی رہے گا۔ اور آخرت میں ادا کرنا ہوگا۔ وہ معافی معتبر ہے جو طیب نفس سے ہو۔

قرآن مجید میں مہر چھوڑنے کو جو طیب نفس کے ساتھ مشروط کیا ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ جب تک سچ سچ اندر کے جذبات سے بلا دباؤ اور بلا اکراہ معاف نہ کیا گیا ہو اس وقت تک معاف نہ سمجھا جائے، بغیر طیب نفس کے معاف سمجھ لینا غلط ہے۔ طیب نفس کا لفظ استعمال فرمایا طیب قلب نہیں فرمایا اس میں یہ نکتہ ہے کہ انسان جب سوچنے بیٹھتا ہے تو بہت کچھ سوچ کر فیصلہ کرتا ہے اس سوچ بچار میں آئندہ حالات کے پیش نظر نفع نقصان کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ رشوت دینے والے سوچ سمجھ کر جان بوجھ کر رشوت دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بیس روپے دیں گے تو سو روپے بچیں گے یہ قلب (دل) کا اور دماغ کا کام ہے۔ لیکن نفس کبھی بھی اپنا حق چھوڑنے یا بے جگہ خرچ کرنے کو تیار نہ ہوگا۔ جب شوہر بیوی سے مہر معاف کرواتے ہیں تو اسے پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اگر میں معاف نہ کروں تو کتنے نوٹوں کے گڈے میری ملکیت میں آئیں گے اور ان کے خرچ کرنے کے بارے میں مجھے پورا پورا اختیار ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب معاف کرانے لگتے ہیں تو وہ دور تک سوچتی ہے کہ میں نے اگر معاف نہ کیا تو شوہر کو ناگواری ہوگی۔ اور یہ ناراض ہو گیا تو کہاں جا کر رہوں گی۔ ماں باپ کب تک سہارا دیں گے، بھائی ہمیشہ رکھ نہیں سکتے ایسی باتیں سوچ کر اور یہ سمجھ کر کہ ملتا تو ہے نہیں لاؤ معاف ہی کر دوں، لہذا اوپر کے دل سے معاف کر دیتی ہیں۔ شرعاً بددلی کی معافی کا کوئی اعتبار نہیں، زبردستی یہ ہی نہیں ہے کہ کسی سے ڈنڈا نار کر چھین لیا جائے جو بھی چیز بددلی کے ساتھ لی جائے وہ لینے والے کے لیے حلال نہیں ہوتی۔ آیت شریفہ میں مہر کی معافی یا بخشش کے بارے میں فرمایا کہ طیب نفس سے دے دیں تو کھالو اور حدیث شریف میں قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ قانون بتا دیا کہ **الَا لَا تَظْلِمُوا الْاِلَا لَا یَحِلُّ مَالُ اَمْرِیْ ؕ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ** (خبردار ظلم نہ کرو۔ خبردار کسی شخص کا مال حلال نہیں ہے مگر اس کے نفس کی خوشی کے ساتھ)۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۵۵)

بہت سے لوگ دوسرے کا مال لے لیتے ہیں وہ لحاظ میں یا کسی قسم کے دباؤ میں کچھ نہیں کہتا اور اندر سے تلملا تارہ جاتا ہے اس کی خاموشی سے حلال سمجھ لینا غلط ہے اس طرح مال لے لینا حرام کھانے ہی کے درجہ میں ہے۔ بعض لوگ مذاق میں کسی کی چیز لے لیتے ہیں۔ پھر واپس نہیں کرتے اور جس کی چیز ہے وہ دل سے راضی نہیں ہوتا اس طرح سے کسی کا مال لے لینا حرام ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے **لَا یَاخُذُ اَحَدٌ کُمْ عَصَا اَخِیْہِ لَاعِبًا جَاذًا فَمَنْ اَخَذَ عَصَا اَخِیْہِ فَلِیْرِدْہَا اِلَیْہِ** (تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی لاٹھی اس طرح سے نہ لے لے کہ (ظاہر میں) دل لگی ہو اور دل سے واقعی طور پر لینے کا ارادہ ہو جو شخص اپنے بھائی کی لاٹھی لے لے تو واپس کر دے) (لاٹھی کو بطور مثال کے فرمایا چونکہ یہ معمولی چیز ہوتی ہے، ہر چھوٹی بڑی چیز کا یہی حکم ہے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۵۵)

آخر میں یہ جو فرمایا **﴿فَاَکُلُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنَاکُمْ﴾** اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز خوش دلی سے دی جائے اس کا کھانا مبارک بھی ہوگا اور خوشگوار بھی ہوگا۔ دل میں فرحت بھی ہوگی اور خوبی کے ساتھ جسم و جان میں بھی لگے گا۔ برخلاف اس کے جو چیز کسی کو بددلی سے دی جائے وہ نہ مبارک ہوگی نہ خوشگوار ہوگی، اور نہ صحیح طور پر جسم و جان میں لگے گی۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفْہَاءَ اَمْوَالِکُمْ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَکُمْ قِیَآءًا وَّرٰزُقُوْہُمْ فِیْہَا وَاکْسُوْہُمْ وَقُوْلُوْا لَہُمْ
قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَاَبْتَلُوْا الْیَتٰمٰی حَتّٰی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ ۚ فَاِنْ اَنْتُمْ مِنْہُمْ رٰشِدًا فَاَدْفَعُوْا
اِلَیْہُمْ اَمْوَالِہُمْ ۚ وَلَا تَاْکُلُوْہَا اِسْرَآفًا وَّیَدَآرًا اِنَّ یَّکْبُرُوْا ۙ وَ مَنْ کَانَ غَنِیًّا فَلِیْسَتْ عَلَیْہِ
مِنْ کَانَ فَقِیْرًا فَلِیَا کُلِّ بِالْمَعْرُوْفِ ۙ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْہُمْ اَمْوَالِہُمْ فَاَشْہِدُوْا عَلَیْہُمْ ۙ وَ کَفٰی

بِاللَّهِ حَسِبًا ①

اور بے وقوفوں کو اپنے مال مت دو جن کو اللہ نے تمہارے لیے زندگی گزارنے کا ذریعہ بنایا ہے اور ان مالوں سے ان کو کھانے پینے کے لیے دے دو اور ان کو کپڑے پہنا دو، اور ان سے بھلی بات کہہ دو، اور آزمائشوں کو یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل ہو جائیں سو اگر تم ان کی طرف سے سمجھداری محسوس کرو تو ان کے مال ان کو دے دو اور مت کھا جاؤ ان کے مالوں کو فضول خرچی کرتے ہوئے اور ان کے بڑے ہو جانے سے پہلے جلدی کرتے ہوئے اور تم میں سے جو شخص صاحب مال ہو وہ پرہیز کرے اور جو شخص تنگ دست ہو سو وہ مناسب طریقہ پر کھالے سو جب تم دے دو ان کو ان کے مال تو اس پر گواہ بنا لو اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا۔

یتیم بچوں کے مالوں کے بارے میں چند ہدایات

ان دونوں آیتوں میں متعدد احکام ذکر فرمائے ہیں اول یہ فرمایا کہ بیوقوفوں کو اپنے مال نہ دے دو، بیوقوفوں سے یتیم مراد ہیں، اول یہ حکم فرمایا تھا کہ یتیموں کو ان کے مال دے دو جب وہ بالغ ہو جائیں اور یہاں یہ فرمایا کہ باوجود بالغ ہو جانے کے ان کا مال ان کو نہ دو، اگر ان کے اندر ہوش مندی اور سمجھداری نہ پائی جائے بالغ ہو کر بھی ان میں بچپن کی بیوقوفی موجود ہو جس سے اندیشہ ہو کہ مال کو برباد کر دیں گے تو ان کے مال ان کے سپرد نہ کرو بلکہ اپنی تحویل میں حفاظت سے رکھو اور ان کے کھانے پینے کے اخراجات میں خرچ کرتے رہو اور جب وہ دلگیر ہوں، برامانیں کہ ہمارا مال ہمارے قبضہ میں نہیں آیا تو ان کو سمجھا دو کہ تمہاری مصلحت کے لیے میں نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے، ذرا اور بڑے ہو جاؤ تمہارا مال ہے تم ہی کو ملے گا وغیرہ وغیرہ۔

یہاں ایک نکتہ قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ اَمْوَالُہُمْ نہیں فرمایا بلکہ اَمْوَالُکُمْ فرمایا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یتیموں کے مالوں کو خورد برد کرنے اور اپنے اوپر خرچ کرنے کے بارے میں تو ان کے مال کو اپنا مال نہ سمجھو لیکن حفاظت سے رکھنے کے بارے میں ایسا سمجھو جیسے تمہارا ہی مال ہے ان کے مال کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرو، اور اس طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ تم میں سے جو کوئی شخص کسی یتیم کو مال ہبہ کرنے تو اس مال کو بھی حفاظت سے رکھے اور ان کو اس وقت تک حوالہ نہ کرے جب تک کہ ان میں بالغ ہونے کے بعد ہوش مندی اور سمجھداری نہ دیکھ لے۔

نیز ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے وہ یہ کہ مال کو قیاماً سے تعبیر فرمایا کہ اس میں یہ بتایا کہ مال کے ذریعہ انسان کی زندگی اچھی طرح سے گزرتی ہے اور مال انسانی زندگی کے صحیح طریقے پر قائم رہنے اور انسانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا ذریعہ ہے، اللہ کسی کو حلال مال دے تو اس کی قدر کرے اپنی جان پر اہل و عیال پر خرچ کرے مال کو ضائع نہ کرے فضول خرچی میں نہ اڑا دے۔ مال ضائع کرنا ہنر اور کمال نہیں بلکہ حرام ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ نے تم پر حرام فرمایا ہے ماؤں کو تکلیف دینا اور بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا (جیسے اہل عرب کرتے تھے) اور جس کا حق چاہیے اس کا حق روک دینا اور جس پر اپنا حق نہ ہو اس سے مانگنا اور اللہ نے اس کو پسند نہیں فرمایا کہ قیل و قال کی جائے، اور زیادہ سوال کیے جائیں اور مال ضائع کیا جائے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۳۲۲: ج ۱)

دوسرا حکم یہ دیا کہ آزمالو جب وہ بالغ ہو جائیں تو دیکھو ان کے اندر سمجھداری اور ہوش مندی ہے یا نہیں، اگر ان کا مال ان کے سپرد کر دیا جائے تو حفاظت سے رکھتے ہوئے سلیقہ سے اچھے چلن کے ساتھ زندگی گزارنے کا ذریعہ بنا سکیں گے یا نہیں۔ بے جا خرچ کر کے مال کو برباد تو نہ کر دیں گے، جب تم یہ محسوس کر لو کہ مال ضائع نہیں کریں گے خوبی سے خرچ کریں گے تو ان کے مال ان کو دے دو اس صورت میں بالغ ہو جانے کے بعد ان کے مال ان کے سپرد کرنے میں دیر نہ لگاؤ۔

تیسرا حکم یہ ارشاد فرمایا کہ یتیموں کے مالوں کو فضول خرچی کر کے نہ کھا جاؤ اور اس ڈر سے نہ اڑا دو کہ یہ بڑا ہو جائے گا تو اپنا مال مانگ لے

گا اور ضابطہ کے مطابق اس کو دینا پڑے گا یہ سوچ کر اس کے بالغ ہونے سے پہلے ہی اپنی ذات یا اپنی اولاد پر یا احباب و اصحاب پر خرچ نہ کر ڈالو۔

چوتھا حکم یہ بیان فرمایا کہ جو اولیاء یتیموں کے مالوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں ان میں جو لوگ صاحب حیثیت ہیں، وہ ان یتیموں کے مالوں میں سے نہ کھا میں اور جو لوگ محتاج و ضرورت مند ہوں وہ مناسب طریقے پر ان کے مال میں سے کھا سکتے ہیں، اس کے بارے میں علامہ آلوسی نے روح المعانی صفحہ ۲۰۸ ج ۴ میں تین قول لکھے ہیں اول یہ کہ پہلے ضرورت مند ولی کو یتیم کے مال سے کھانے کی اجازت تھی بعد میں آیت کریمہ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى﴾ (الآیۃ) نے اس کو منسوخ کر دیا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یتیم کا ولی جو تنگ دست ہو بطور قرض بقدر ضرورت اس کے مال سے کھا سکتا ہے جب مال ہاتھ میں آجائے تو ادا کیگی کر دے۔ یہ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت مجاہد اور حضرت ابو العالیہ اور حضرت عبیدہ سلمانی اور حضرت باقر رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یتیم کا ولی جو ضرورت مند ہو اس کے مال کی نگرانی اور متعلقہ امور ضروریہ کی مشغولیت کے عوض بطور اجرت اس میں سے کھا سکتا ہے، مگر یہ کھانا بالمعروف یعنی مناسب طریقہ پر ہو مثلاً ایک یتیم ہے اس کے باپ نے جائیداد چھوڑی ہے بہت دکانیں ہیں۔ مکان ہیں، کھیتیاں ہیں، باغات ہیں ان کی دیکھ بھال کرنے، کرائے وصول کرنے اور محکموں میں جانے، مزدوروں کسانوں کو تلاش کرنے میں کافی وقت صرف ہوتا ہے اس کو ڈھوپ محنت و کوشش کے عوض وہ شخص کھا سکتا ہے جو ان کاموں میں لگا ہوا ہے اور یہ کھانا بھی بالمعروف یعنی مناسب طریقے پر ہو، اس میں یتیم کی ہمدردی کا پورا پورا لحاظ رہے مال اڑانے کا طریقہ اختیار نہ کیا جائے، اس سے زیادہ نہ لے جتنا اور کسی شخص کو اس کی اجرت دینا گوارا ہوتا اور یہ بھی دیکھ لیں کہ ہم اپنے کام کے لیے کرتے تو کتنا خرچ ہوتا۔ ایسا نہ کریں کہ یتیم کے مال کی نگہداشت کرنے کے سلسلہ میں سفر میں جائیں تو بڑے بڑے ہوٹلوں میں ٹھہر کر بے تحاشا مال خرچ کر دیں اور اپنی ضرورت سے اسی شہر میں جائیں تو معمولی سے کرائے کی جگہ لیں اور معمولی سا کھانا کھا کر گزار لیں۔ اصولی بات یہ ہے جو اپنے لیے پسند کریں وہی یتیم کے لیے پسند کریں۔

پانچواں حکم یہ ہے کہ جب یتیموں کو ان کے مال سپرد کرنے لگو تو گواہ بنا لیا کرو اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ بعد میں وہ یہ نہ کہہ سکیں گے ہم نے مال نہیں لیا، اور جتنا مال دیا ہوگا اس کی مقدار کا علم بھی رہے گا۔ اور کبھی کوئی بات مخالفت اور اعتراض کی پیش آگئی تو گواہوں کے ذریعہ فیصلہ ہو سکے گا۔

آخر میں فرمایا ﴿وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا﴾ (اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لیے کافی ہے) اس لفظ میں بہت جامعیت ہے جو بھی ولی یا وصی یتیم کے مال کی نگرانی کرے گا اور اس سلسلہ میں غلط طریقہ اختیار کرے گا مثلاً حساب غلط لکھے گا۔ کسی حاکم کو رشوت دے کر غلط فیصلہ کرائے گا، یا یتیم بالغ ہو کر مال لینے کے بعد وصول کرنے سے انکاری ہو جائے گا یا جتنا مال ملا ہے اس کی مقدار کم ظاہر کرے گا (غرض جس جانب سے بھی غبن یا خیانت ہو) تو وہ دنیا کی ظاہری کاغذی کارروائی کے ذریعہ مطمئن نہ ہو جائے اس کے پیش نظر رہے کہ یوم آخرت بھی سامنے ہے اللہ جل شانہ حساب لینے والا ہے وہ سب کچھ جانتا ہے وہاں کے حساب میں صحیح اترنا چاہیے۔

فائدہ: آیت بالا میں جو یہ فرمایا ﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ﴾ کہ یتیم بچے جب بالغ ہو جائیں تو سمجھداری محسوس ہونے پر ان کے مال ان کے حوالے کر دو اس میں بلوغ کا ذکر ہے۔ لڑکا بالغ جب ہوتا ہے جب احتلام ہو جائے یا انزال ہو جائے اور لڑکی اس وقت بالغ ہوتی ہے جب اسے حیض آجائے یا احتلام ہو جائے یا حاملہ ہو جائے اگر ان چیزوں میں سے کچھ نہ ہو تو لڑکا یا لڑکی جب بھی ہجری سال کے اعتبار سے پندرہ سال کا ہو جائے شرعاً بالغ سمجھا جائے گا۔ قول مفتی بہ یہی ہے۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۖ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ④

④

مردوں کے لیے اس مال میں سے حصہ ہے جو ان کے ماں باپ نے اور رشتہ داروں نے چھوڑا، اور عورتوں کے لیے اس مال میں سے حصہ ہے جو ان کے ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا، وہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حصہ مقرر کیا ہوا ہے

میراث میں مردوں اور عورتوں کے حصے مقرر ہیں

اس آیت شریفہ میں میراث جاری کرنے کی اہمیت بتائی ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مردوں اور عورتوں کے جو حصے مقرر ہیں ان کا دے دینا فرض ہے، مردوں کا بھی اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے متروکہ مالوں میں حصہ مقرر ہے، اور عورتوں کے لیے بھی اپنے ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کے چھوڑے ہوئے اموال و املاک میں حصہ مقرر ہے، زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو مرنے والے کی میراث سے حصہ نہیں دیا کرتے تھے اور اب بھی بہت سی قوموں میں یہی رواج ہے، اول تو لوگ میراث تقسیم کرتے ہی نہیں جس کے قبضہ میں جو کچھ ہوتا ہے اس پر قبضہ جمائے بیٹھا رہتا ہے، اور اگر حصہ دینے بھی لگتے ہیں تو مرنے والوں کی بیویوں اور لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے۔ خاص کر جہاں دو بیویوں کی اولاد ہو ان میں جس بیوی کی اولاد کا قابو ہو گیا وہی سارا مال دبا لیتے ہیں شرعی طور پر حق دینے کا ذرا بھی خیال نہیں کیا جاتا۔ وارثین میں یتیم بچے ہوتے ہیں، ان کا مال بھی کھا جاتے ہیں، اور میراث کا جو شرعی نظام ہے اس پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، نماز پڑھنے کی حد تک تو مسلمان ہیں، تلاوت ذکر اذکار بھی خوب کرتے ہیں لیکن میراث جاری کرنا جو شریعت کا ایک لازمی حکم ہے اس کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ آیت بالا سے معلوم ہوا کہ جیسے والدین سے میراث پہنچتی ہے ایسے ہی دوسرے رشتہ داروں کے مال میں سے بھی بطور میراث مردوں اور عورتوں کو حصہ پہنچتا ہے جس کی کچھ تفصیلات انشاء اللہ سورہ نساء کے دوسرے رکوع کی تفسیر میں معلوم ہوں گی، ہر رشتہ دار کو حصہ نہیں پہنچتا ہے اس کے کچھ اصول مقرر ہیں جو کتب فرائض میں مذکور ہیں۔

وَ إِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَرْضُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝۸ وَلِيُخَشِ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝۹ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝۱۰

اور جب تقسیم کرنے کے موقع پر رشتہ دار اور یتیم اور مسکین حاضر ہو جائیں تو اس مال میں سے ان کو بھی کچھ دے دو اور ان سے اچھے طریقے پر بات کرو، اور چاہیے کہ وہ لوگ ڈریں جو اپنے پیچھے ضعیف بچوں کو چھوڑ جاتے اور ان پر خوف ہوتا سو یہ لوگ اللہ سے ڈریں اور ٹھیک بات کریں۔ بے شک جو لوگ ظلم کے طریقے پر یتیموں کا مال کھاتے ہیں بات یہی ہے کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب دکھتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے

یتیموں کا مال کھانے پر سخت وعید اور ان کے مالوں کی نگرانی کا حکم

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ میراث کا کام تقسیم ہونے لگے تو عزیز رشتہ دار اور یتیم مسکین بھی حاضر ہو جاتے ہیں جن کو میراث میں شرعاً حصہ نہیں پہنچتا اگر یہ لوگ ایسے موقع پر حاضر ہو جائیں تو بالغ ورثا اپنے حصوں میں سے کچھ دے دیں تاکہ ان کی دلداری ہو جائے اور ان کو مناسب طریقہ پر نرمی کے ساتھ اچھے الفاظ میں سمجھا دیں کہ شرعاً تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے تم کو میراث میں سے نہ دینا کوئی ظلم زیادتی کی بات نہیں ہے اور یہ ہم اپنے پاس سے پیش کر رہے ہیں، آپ حضرات قبول کر لیں اور دلگیر نہ ہوں اللہ کی قضا و قدر اور اس کی شریعت پر راضی رہیں، پھر یہ ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں کے قبضہ میں مرنے والے کا مال آجائے وہ لوگ مال کو خود ہی لے کر نہ بیٹھ جائیں شرعی حصہ داروں کو ان کے حصے

د۔ کر شرعی فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں، ان میں ضعیف بھی ہوتے ہیں محتاج بھی، یتیم بھی اور چھوٹے بچے بھی، اگر ان کا حصہ نہ دیا یا حصہ دینے میں دیر لگائی تو ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہذا یہ غور کریں کہ اگر ہم مر جاتے اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ جاتے تو ہماری کیا خواہش ہوتی۔ اپنی اولاد کے بارے میں یہ سوچتے کہ پورا پورا حصہ ملے تاکہ ضائع ہو جانے سے بچ جائیں۔ یہی بات دوسروں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے بارے میں سوچنی چاہیے۔ لہذا اللہ سے ڈرو اور میراث صحیح طریقہ پر تقسیم کرو اور بچوں کا مال ایسے ولی یا وصی کے سپرد کرو جو مال کو ضائع نہ کر دے خیانت نہ کرے اور بچوں پر مناسب طریقہ پر خرچ کرے اور جب بالغ ہو جائیں تو ان کو دے دے عملی طور پر بھی بچوں کو مطمئن کر دے اور ان کا حصہ دیدے تاکہ حق بحق دارسید پر عمل ہو جائے اور قوی طور پر بھی ایسی باتیں کرے جو مناسب ہوں جن میں ان کی دلداری ہو۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ دنیا ہی میں سب کچھ ہے، کھایا پیا یہیں برابر ہو جائے گا، خوب سمجھ لیں کہ آگے آنے والی گھائی بہت سخت ہے یوم آخرت میں حساب و کتاب ہے یتیموں کے مال کھانا آسان بات نہیں۔ یہاں وہ ضعیف ہیں معصوم بچے ہیں کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن بارگاہ خداوندی میں جب پیشی ہوگی تو اس حرام خوری کی سزا بھگتنی ہوگی یتیم کا مال کھا رہے ہیں، بظاہر روٹی سے پیٹ بھر رہے ہیں لیکن حقیقت میں اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے بھر رہے ہیں اور پھر قیامت کے دن دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ جو لوگ ورثہ کا مال تقسیم نہیں کرتے یتیموں کا حق نہیں دیتے اور جو لوگ یتیم خانے کھول کر بیٹھے ہوتے ہیں یتیموں کے نام سے چندے کرتے ہیں اور ان پر ذرا بہت خرچ کر کے خود ہی کھا جاتے ہیں۔ آیت کے مضمون پر بار بار غور کریں حقیقت یہ ہے کہ میراث کے مال تقسیم نہ کرنے کی وجہ سے گھر گھر یتیم کا مال کھایا جا رہا ہے اور کھانے والوں کو ذرا اس طرف توجہ نہیں۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِ كَرِمِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ
ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلَا يُؤْتِيهِ الْكُلَّ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا الشُّدُسَ مِمَّا
تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَةٌ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ
فَلَأُمِّهِ الشُّدُسُ مِمَّن بَعْدَ وَصِيَّتِهِ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينٍ ۚ أَبَاؤُكُمْ وَ أَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرِمُونَ أَيُّهُم
أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

اللہ تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے، لڑکے کے لیے اتنا حصہ ہے جتنا دو لڑکیوں کا ہے، سواگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لیے اس مال کا دو تہائی ہے جو مرنے والے نے چھوڑا اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے اور اس کے ماں باپ کے لیے یعنی ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا بشرطیکہ اس کے لیے اولاد نہ ہو، پس اگر اس کے لیے اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے تہائی ہے، سواگر مرنے والے کے بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے، اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو مرنے والے کی ہو یا اس قرض کی ادائیگی کے بعد جو میت پر ہو، تمہارے باپ اور بیٹے ہیں تم نہیں جانتے کہ ان میں سے تم کو کون شخص نفع پہنچانے میں زیادہ قریب تر ہے، یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کیے گئے ہیں، بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

میراث پانے والوں کے حصوں کی تفصیل

اس رکوع میں تفصیلی طور پر اللہ جل شانہ نے میراث کے احکام بتائے ہیں اور میراث کے بعض احکام سورہ نساء کے آخری رکوع میں بھی

مذکور ہیں۔ مندرجہ بالا آیت میں ماں باپ اور اولاد کے حصے بیان فرمائے اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تم کو اولاد کی میراث کے بارے میں حکم دیتا ہے اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ مرنے والے کے چھوڑے ہوئے مال میں جو حصے دیئے جا رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ خود مرنے والے کو یا کسی بھی حکومت کے لیے جائز نہیں ہے کہ ان میں رد و بدل کرے، قرآن کے بیان فرمودہ قانون کے خلاف جو کوئی قانون بنا دیا جائے وہ قانون باطل ہوگا، اس کے بعد فرمایا: ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ یعنی لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دے دو۔

(۱) مثلاً اگر ماں باپ نہ ہوں اور بیوی اور شوہر بھی نہ ہو اور ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہوں تو متروکہ مال کے چار حصے کر کے دو حصے لڑکے کو اور ایک حصہ ہر لڑکی کو دے دیا جائے۔

(۲) اور اگر مرنے والے کے ماں باپ ہیں یا دونوں میں سے ایک ہے یا شوہر یا بیوی ہے تو ان کا حصہ دے کر جو مال بچ جائے ان کو بھی اسی اصول کے مطابق تقسیم کر دیا جائے یعنی ہر لڑکے کو ہر لڑکی سے دو گنا دے دیا جائے۔

(۳) اور اگر مرنے والے نے اولاد میں صرف لڑکیاں چھوڑی ہیں لڑکا کوئی نہیں ہے تو اگر صرف ایک لڑکی ہے تو اس کو کل مال کا آدھا حصہ دے دیا جائے (اور باقی حسب ضابطہ دوسرے وارثوں کو دے دیا جائے گا)۔

(۴) اور اگر لڑکیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں اور لڑکا کوئی نہ ہو تو ان دونوں لڑکیوں کو کل مال کا دو تہائی ۲/۳ حصہ دے دیا جائے یعنی ہر لڑکی کو تہائی حصہ دے دیں (اور باقی ایک تہائی دوسرے وارثوں کو حسب ضابطہ دے دیا جائے)۔

(۵) اگر مرنے والے کے ماں باپ بھی ہیں اور اولاد بھی ہے اگرچہ ایک لڑکا یا ایک لڑکی ہی ہو تو ہر ایک کو چھٹا چھٹا حصہ یعنی ۱/۶ دے دیا جائے، یعنی باپ کو بھی چھٹا حصہ اور ماں کو بھی چھٹا حصہ دے دیں، باقی مال جو بچے وہ اولاد پر تقسیم کر دیا جائے جس کا اصول اوپر بیان کیا گیا۔

(۶) اور اگر مرنے والے کی اولاد نہ ہو نہ لڑکا ہو نہ لڑکی، اور میراث پانے والے صرف والدین ہی ہوں تو کل مال کا ایک تہائی حصہ ۱/۳ والدہ کو اور دو تہائی ۲/۳ والد کو دے دیا جائے۔

(۷) اگر مرنے والے کی اولاد نہ ہو اور میراث پانے والے ماں باپ ہوں اور ساتھ ہی اس کے بھائی بہن بھی ہوں جو ایک سے زیادہ ہوں (مثلاً ایک بھائی ہو اور ایک بہن ہو) خواہ سگے ہوں یا باپ شریک یا ماں شریک ہوں تو اس صورت میں اس کی ماں کو کل مال سے چھٹا حصہ ۱/۶ دیا جائے گا اور باقی جو بچا وہ اس کے والد کو دے دیا جائے (بہن یا بھائی کو کچھ نہیں ملے گا، البتہ ان کے موجود ہونے سے اتنا فرق پڑ گیا کہ والدہ کا حصہ تہائی سے کم ہو کر چھٹا حصہ رہ گیا)۔

وَهَذَا حَجَبُ النُّصَانِ فِي إِصْطِلَاحِ أَهْلِ الْفَرَائِضِ وَ انْتَقَصَ حِصَّةُ الْأُمِّ مَعَ أَنَّ الْإِخْوَةَ لَمْ يَنَالُوا شَيْئًا

(۸) اور اگر مرنے والے کی اولاد نہ ہو اور میراث پانے والے ماں باپ ہوں اور ساتھ ہی اس نے صرف ایک بھائی یا صرف ایک بہن چھوڑی ہو تو اس سے والدہ کے حصہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا، وہ حسب ضابطہ ۱/۳ حصہ لے گی اور باقی ۲/۳ باپ کو ملے گا۔

اولاد اور والدین کے حصے بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿أَبَاؤُكُمْ وَ أَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمُ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾ یعنی یہ تمہارے اصول و فروع ہیں تمہیں پتہ نہیں کہ ان میں سے کون سا شخص تم کو (امید کے اعتبار سے) نفع پہنچانے میں زیادہ قریب تر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری رائے پر میراث کی تقسیم چھوڑ دی جاتی تو تم یہ دیکھتے کہ جو شخص ہمیں زیادہ نفع پہنچانے والا ہو اسی کو حصہ زیادہ دیں اس طرح حصے مقرر ہی نہ ہو سکتے تھے، اور پھر یہ بھی ممکن تھا کہ کسی سے زیادہ امید باندھ کر زیادہ مال دینے کی وصیت کر دی جاتی خواہ اس نے کچھ بھی نفع نہ پہنچایا ہو لہذا نفع یا امید پر میراث کے حصوں کی تقسیم نہیں رکھی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے دوسری مصلحتوں کے اعتبار سے خود ہی حصے مقرر فرمادیئے اور حصوں کی بنیاد اولاد یا ماں باپ ہونے پر رکھ دی یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے ان میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور جس کا جو حصہ مقرر

کیا گیا ہے اسے وہی دینا ہوگا، کمی بیشی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں، کسی وارث کو محروم کرنا بھی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے اس نے جو کچھ حکم دیا وہ حکمت کے مطابق ہے۔

فائدہ: بہت سے لوگ اپنی بعض اولاد کو عاق کر دیتے ہیں اور حاکم کے یہاں یہ لکھوادیتے ہیں کہ اس کو ہماری میراث سے کچھ نہ دیا جائے ایسا کرنا حرام ہے اگر کوئی شخص ایسے لکھ بھی دے تب بھی کوئی اولاد حصہ شرعی سے محروم نہ ہوگی اور لامحالہ شرعی حصہ دینا ہی ہوگا۔ میراث کی تقسیم نفع پہنچانے یا خدمت زیادہ کرنے کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ اولاد ہونے کی بنیاد پر ہے لہذا کسی بھی لڑکے یا لڑکی کو میراث سے محروم کرنا یا ایسی وصیت کر دینا کہ اسے میراث نہ ملے شرعاً حرام ہے۔

فائدہ ثانیہ: اللہ تعالیٰ شانہ نے ماں باپ کی میراث میں تمام اولاد کو حصہ دار بنایا ہے لڑکے ہوں یا لڑکیاں، البتہ لڑکی کا حصہ لڑکے سے آدھا رکھا ہے، اس میں حکمت یہ ہے کہ لڑکی کو شوہر کی طرف سے مہر بھی ملے گا، اور اس کی اولاد کی پرورش بھی اس کے شوہر یعنی بچوں کے باپ کے ذمہ ہوگی۔ برخلاف اس کے لڑکوں کو اپنی بیویوں کو مہر دینے ہوں گے اور اولاد کی پرورش بھی خود کرنی ہوگی۔

بہنوں کو میراث سے محروم کرنا حرام ہے:

اور یہ بات ملحوظ رہے کہ لڑکیوں کو میراث سے محروم کر دینا اور ان کو جو میراث سے حصہ ملتا ہے وہ لڑکوں کا آپس میں ہی تقسیم کر لینا (جیسا کہ اکثر یہی ہوتا ہے) یہ سخت حرام ہے، بہنوں پر ظلم ہے اور قانون خداوندی سے بغاوت ہے اگر کسی فرد یا جماعت یا پانچایت یا ملک کے حکام اپنے مروجہ قانون کے مطابق لڑکوں ہی میں مرنے والوں کی میراث تقسیم کر دیں اور لڑکیوں کو محروم کر دیں تو اس طرح سے لڑکوں کے لیے شرعاً بہنوں کا حصہ لے لینا حلال نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے لڑکیوں کے حصہ کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے ﴿لَلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ فرمایا یعنی لڑکوں کا حصہ علیحدہ سے بتایا ہی نہیں بلکہ لڑکیوں کا حصہ بتاتے ہوئے لڑکوں کا حصہ بتایا ہے غیر منقسم ہندوستان میں جب انگریزوں کا تسلط تھا اور انہیں کا قانون رائج تھا اس زمانہ میں ایک مسلمان انگریز مجسٹریٹ کے یہاں اپنے باپ کی میراث تقسیم کرانے کے لیے گیا، اور اس سے کہا کہ آپ انگریزی قانون کے مطابق تقسیم کر دیں، مجسٹریٹ نے کہا چونکہ میں سرکاری ملازم ہوں اس لیے میں اسی طرح تقسیم کر دوں گا جیسے آپ کہہ رہے ہیں لیکن میرا سوال یہ ہے کہ آپ مسلمان ہوتے ہوئے قرآن کے مطابق کیوں تقسیم نہیں کراتے؟ قرآن میں تو آدھی سطر سے بھی کم میں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کا حصہ بیان فرما دیا ہے آپ قرآن کے لفظ لَلذَّكَرِ کو تو ماننے کے لیے تیار ہیں ﴿مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ ماننے کو تیار نہیں۔ یہ قرآن ماننے کا کون سا طریقہ ہے؟ مسلمان صاحب اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔

بعض لوگ بہنوں کا حصہ یوں کہہ کر دبا لیتے ہیں کہ وہ لیتی ہی نہیں یا انہوں نے معاف کر دیا ہے، اگر واقعی سچے دل سے معاف کر دیں تو وہ معاف ہو جاتا ہے لیکن اگر انہوں نے اوپر کے دل سے معاف کر دیا تو اس سے معاف نہیں ہوگا، اس میں بھی وہی تفصیل جو ﴿فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ﴾ کے ذیل میں مہروں کی معافی کے سلسلہ میں ذکر ہو چکی ہے، اگر بہنوں کو بتادے کہ تمہارا اتنا اتنا حصہ ہے اتنے اتنے ہزار روپے تمہارے حصے میں آ رہے ہیں اور باغ میں تمہارا اتنا حصہ ہے اور مکان میں جائیداد میں اور زرعی زمین میں اتنا اتنا حصہ ہے، اور وہ سمجھ لیں کہ ہم اپنے اپنے حصہ میں صاحب اختیار ہیں، معاف نہ کریں تو ہمارے بھائی ضرور ہمارا حصہ ہم کو دے دیں گے اس کے باوجود معاف کریں تو یہ معافی معتبر ہوگی اگر انہوں نے یہ سمجھ کر اوپر کے دل سے معاف کر دیا کہ ملنا تو ہے ہی نہیں۔ بھائیوں کا دل بھی کیوں برا کروں، اگر شوہر سے مخالفت ہوگئی یا اس کی موت ہوگئی تو ان بھائیوں کے پاس آنا پڑے گا، اس وقت بھائی برامانیس گے اور بھابھیاں طعنہ دیں گی، اس لیے لاؤ مجبوراً زبانی طور پر معاف ہی کر دیں۔ ایسی معافی کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ طیب نفس سے اور اندر کی خوشی سے نہیں ہے۔

فائدہ: میت کے مال میں سے جو حصے تقسیم ہوں گے وہ قرضوں کی ادائیگی اور وصیت نافذ کرنے کے بعد جاری ہوں گے جس کو ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينَ﴾ کے مختصر الفاظ میں بیان فرما دیا ہے یہ واضح رہے کہ قرضوں کی ادائیگی میراث نافذ کرنے سے پہلے ہوگی اس کی

مزید تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب انہیں اوراق میں بیان ہوگی۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا
تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِيَّوُصِيَّيْنِ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۖ وَلَكُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ
فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَكُنَّ النُّسْبُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِيَّوُصِيَّيْنِ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۖ

اور تمہارے لیے اس مال میں سے آدھا ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اگر ان کے اولاد نہ ہو، سوا اگر ان کے اولاد ہو تو تمہارے لیے اس مال کا چوتھائی ہے جو کچھ انہوں نے چھوڑا اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو وہ وصیت کر گئیں اور اس قرض کی ادائیگی کے بعد جو ان کے ذمہ ہے اور ان کے لیے اس مال کا چوتھائی ہے جو تم نے چھوڑا اگر تمہارے اولاد نہ ہو، سوا اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کے لیے آٹھواں ہے اس میں سے جو تم نے چھوڑا اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو تم وصیت کر گئے ہو یا قرض کی ادائیگی کے بعد جو تمہارے ذمہ ہو۔

میراث میں شوہر اور بیوی کا حصہ

اس آیت میں شوہر اور بیوی کا حصہ میراث بیان فرمایا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- (۱) اگر بیوی فوت ہو جائے تو اس کے کل متروکہ اموال و املاک سے شوہر کو آدھا مال ملے گا، بشرطیکہ اس نے کوئی اولاد نہ چھوڑی ہو نہ کوئی لڑکا ہو اور نہ کوئی لڑکی نہ ایک اور نہ ایک سے زیادہ، نہ اس شوہر سے اور نہ کسی پہلے شوہر سے۔
 - (۲) اگر عورت فوت ہو جائے اور اس نے کوئی اولاد چھوڑی ہو خواہ ایک لڑکا یا لڑکی ہی ہو موجودہ شوہر سے ہو یا پہلے شوہر سے تو جس شوہر کی زوجیت میں ہوتے ہوئے فوت ہوئی ہے اس شوہر کو اس عورت کے متروکہ مال میں سے چوتھائی حصہ ملے گا اور دونوں صورتوں میں یہ حصہ ادائے دین اور نفاذ وصیت کے بعد دیا جائے گا۔
 - (۳) اگر شوہر فوت ہو جائے اور اس نے کوئی اولاد نہ چھوڑی ہو نہ موجودہ بیویوں میں سے کسی سے اور نہ کسی پہلی بیوی سے تو مرتے وقت منکوہہ موجودہ بیوی کو کل متروکہ مال سے چوتھائی حصہ ملے گا۔
 - (۴) اور اگر شوہر نے کوئی اولاد بھی چھوڑی ہے، خواہ ایک لڑکا یا ایک لڑکی ہی ہو (کسی سابقہ یا موجودہ بیوی سے) تو موت کے وقت جو بیوی اس کے نکاح میں تھی اس کو شوہر کی میراث سے آٹھواں حصہ ملے گا۔
- یہ حصہ دونوں صورتوں میں ادائیگی دیون اور نفاذ وصیت کے بعد دیا جائے گا۔
- فائدہ: اگر مرنے والے نے ایک سے زیادہ بیویاں چھوڑی ہوں تو ۱/۴ یا ۱/۸ میں سب شریک ہوں گی، اور مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق چوتھائی یا آٹھواں حصہ دیا جائے۔

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوْ امْرَأَةٌ وَوَلَةٌ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ
كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثَّلَاثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِيَّوُصِيَّيْنِ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۖ غَيْرِ مُضَارٍّ
وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ١٣

اور اگر مرنے والا کوئی مرد یا کوئی عورت ہو جس کو معبوث بنایا جا رہا ہو اور حال یہ ہے کہ (کلالہ کی تفسیر کو ترجمہ میں لے لیا گیا ہے) اس کے ماں باپ (دادا بھی باپ کے حکم میں ہے) میں سے کوئی نہ ہو اور نہ کوئی بیٹا بیٹی ہو اور نہ پوتا پوتی ہو اور اس نے کوئی بھائی یا بہن چھوڑی ہو تو

ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے، سو اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی مال میں شریک ہوں گے اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جس کی وصیت کی گئی ہو اور ادائے قرض کے بعد، اس حال میں کہ نقصان پہنچانے کی نیت نہ کی ہو۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ علیم ہے اور حلیم ہے۔

اخینافی بہن بھائی کا حصہ

یہاں پر کلامہ کی میراث کا حکم بیان فرمایا، وہ مرد یا عورت ہے جس کی نہ ماں زندہ ہو نہ باپ نہ دادا، نہ بیٹی ہو، نہ بیٹا، نہ بیٹے کی اولاد ہو، اگر کلامہ مر جائے اور اس کے سگے بہن بھائی ہوں یا باپ شریک بہن بھائی ہوں تو ان کا حصہ سورہ نساء کی آخری آیت ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ میں بیان فرمایا ہے کہ اگر ایسے مرد یا عورت کا کوئی بہن یا بھائی ماں شریک ہو (جسے فقہاء کی اصطلاح میں اخینافی بہن بھائی کہتے ہیں) تو ان کا حصہ یہاں بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی مرد یا عورت کلامہ ہو اور اس کا ایک بھائی ماں شریک یا ایک بہن ماں شریک ہو تو ان میں سے ہر ایک کو مرنے والے کے مال میں سے چھٹا حصہ ملے گا، یہ اس صورت میں ہے جبکہ صرف ایک بھائی یا ایک بہن ہو اور اگر یہ لوگ ایک سے زیادہ ہوں یا دو بھائی اور ایک بہن ہو یا اس سے بھی زیادہ ہوں تو وہ سب مرنے والے کے تہائی مال میں برابر کے شریک ہوں گے، ان میں مذکور وراثت کا حصہ برابر ہوگا اور باقی دو تہائی مال دوسرے وارثوں کو دے دیا جائے گا، ان کو دونوں صورتوں میں جو حصہ ملے گا ادائے دین اور نفاذ وصیت کے بعد دیا جائے گا یہ تفصیل اخینافی بہن بھائی کے حصوں کے بارے میں ہے۔

یعنی اور علاتی بہن بھائی کا حصہ:

اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو گیا جو کلامہ ہے یعنی اس کی اولاد یا ماں باپ نہیں ہیں اور اس کی ایک بہن حقیقی یا باپ شریک ہے تو اس بہن کو مرنے والے کا آدھا مال دیا جائے گا اور اگر کوئی عورت وفات پاگئی جو کلامہ ہے جس کے اولاد اور ماں باپ نہیں ہیں اور اس کا ایک بھائی حقیقی یا باپ شریک ہے تو یہ بھائی اپنی بہن کے کل مال کا وارث ہو جائے گا، اگر مرنے والا کلامہ ہے اور اس کی دو بہنیں ہیں، سگی یا باپ شریک ہیں تو یہ دونوں مرنے والے کے کل ترکہ سے دو تہائی ۲/۳ مال لے لیں گی اور اگر دو بہنوں سے زیادہ ہوں تب بھی سب دو تہائی ہی میں شریک ہوں گی۔ اور اگر کوئی شخص کلامہ فوت ہو گیا اور اس نے سگے یا باپ شریک بہن بھائی چھوڑے ہوں تو ان میں مرنے والے کی میراث ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ کے اصول پر تقسیم ہوگی، یعنی ہر لڑکے کو ہر لڑکی سے دو گنا حصہ دیا جائے گا، مثلاً ایک شخص کی وفات ہوگئی جس کی اولاد اور ماں باپ نہیں ہیں اور اس نے ایک سگے بھائی اور دو سگی بہنیں چھوڑی ہیں تو کل مال کے چار حصے کر کے دو حصے بھائی کو اور ایک ایک حصہ ہر بہن کو دے دیا جائے گا، اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ کلامہ کے بہن بھائیوں کی میراث کا حکم سورہ نساء میں دو جگہ بیان کیا گیا ہے، سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں ماں شریک بہن بھائیوں کا حصہ بتایا ہے اور سورہ نساء کے آخری رکوع میں سگے اور باپ شریک بہن بھائیوں کا حصہ بتایا ہے۔

میراث کے مقررہ حصے ادائے دین اور نفاذ وصیت کے بعد دیئے جائیں گے

جتنے بھی حصے شروع رکوع سے اب تک بیان فرمائے ان سب میں یہ قید لگائی ہے کہ یہ حصے مرنے والے کی وصیت نافذ کرنے اور ادائے دین کے بعد دیئے جائیں گے یہاں یہ بات واضح رہے کہ وصیت کا ذکر اگرچہ دین سے پہلے آیا ہے لیکن اصول یہ ہے کہ پہلے مرنے والے کے مال سے اس کے کفن و دفن کے اخراجات پورے کیے جائیں جو واجبی شرعی اخراجات ہوں اس کے بعد اس کے قرضے ادا کیے جائیں، اگر پورا مال قرضوں کی ادائیگی میں خرچ ہو جائے تو اس نے جو کچھ وصیت کی ہو نہ اس کی کوئی حیثیت باقی رہے گی اور نہ کسی وارث کو کچھ ملے گا۔

ادائے دین انفاذ وصیت سے مقدم ہے:

حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ یہ آیت پڑھتے ہو ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِيَنَّ بِهَا أَوْ دِينَ﴾ (جس سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وصیت مقدم ہے) اور حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وصیت نافذ کرنے سے پہلے قرضے کی ادائیگی کا فیصلہ فرمایا ہے۔ (رواہ ابن ماجہ والترندی مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۶۳)

وصیت تہائی مال میں نافذ ہوگی:

اگر قرضوں کی ادائیگی کے بعد کم یا زیادہ کچھ مال بچ گیا تو مرنے والے کے تہائی مال کے اندر اندر وصیت نافذ کی جائے گی (بشرطیکہ وصیت شرعاً صحیح ہو) اگر اس نے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی ہے تب بھی تہائی مال میں نافذ ہوگی ہاں اگر بالغ ورثاء اپنے حصہ میں خرچ کرنے پر راضی ہو جائیں تو جتنے مال کی اجازت دیں، اسی قدر مال میں وصیت نافذ ہو سکے گی، نابالغ وارث کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر مرنے والے کی کوئی وصیت نہیں ہے تو قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو بھی مال بچے گا اس سارے مال میں میراث جاری ہوگی، اگر نہ قرض ہے اور نہ وصیت ہے تو وارث اپنے اپنے مقررہ حصوں کے بقدر پورا مال تقسیم کر لیں گے۔

وصیت کے بعض احکام:

اگر کوئی شخص آخرت کے اجر و ثواب کے لیے بطور صدقہ جاریہ کچھ مال خرچ کرنے کی وصیت کر دے یا وارثوں کے علاوہ کسی دوسرے عزیز قریب یا کسی اجنبی کو اپنے مال میں سے کچھ دینے کے لیے وصیت کر دے تو صرف تہائی مال میں وصیت کرے اور بہتر یہ ہے کہ تہائی سے بھی کم میں کرے۔ جب مرنے والے نے وصیت کر دی تو اب وارثوں پر فرض ہے کہ جو وصیت شریعت کے مطابق ہو اس کو نافذ کریں اور وصیت کا مال خود نہ کھا جائیں اگر ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے، قرآن مجید میں جو وصیت کو دین سے پہلے ذکر کیا ہے (اور بار بار ایسا ہی فرمایا ہے) بعض علماء نے اس کی یہی حکمت بتائی ہے کہ جن لوگوں کا قرض ہے وہ تو لڑ جھگڑ کر قوت و طاقت سے وصول کر لیں گے اور وصیت کا نافذ کرنا محض وارثوں کے رحم و کرم پر ہے، نہ مسجد و مدرسہ والے دعویٰ لے کر انھیں گے نہ دوسرا شخص جس کے لیے وصیت کی ہے جھگڑنے کے لیے کھڑا ہوگا (بلکہ بعض مرتبہ اسے پتہ بھی نہیں ہوتا جس کے لیے وصیت کی ہے) اس لیے قرآن مجید بطور تاکید اور شدت اہتمام ظاہر فرمانے کے لیے وصیت کو ترتیب ذکر میں مقدم فرمایا اگرچہ وہ عملاً دین سے مؤخر ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص پر حج فرض تھا اور اس نے وصیت کر دی کہ میری طرف سے حج کرادیا جائے تو یہ وصیت بھی تہائی مال میں نافذ ہوگی، وارثوں پر فرض ہوگا کہ اس کے تہائی مال میں سے حج بدل کرادیں۔ یہ لوگ وصیت پر عمل نہ کریں گے تو گنہگار ہوں گے اگر تہائی مال سے حج کے مصارف پورے نہ ہوتے ہوں تو جہاں سے سفر کرانے سے تہائی مال سے مصارف پورے ہو سکتے ہوں وہاں سے کسی کو بھیج کر حج کرادیں۔ اور اگر ورثاء اپنے حصے میں سے باقی اخراجات برداشت کر لیں تو یہ بہتر ہے۔ ثواب میں شریک ہو جائیں گے۔

فائدہ: وارثوں کو وراثت سے محروم کرنا یا اس کی نیت کرنا حرام ہے حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے وارث سے کچھ حصہ کاٹ دیا اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث کاٹ دے گا (رواہ ابن ماجہ صفحہ ۱۹۴) (مثلاً کسی وارث کے بارے میں یوں کہا کہ اسے میراث نہ دی جائے یا خود ہی اپنی موت سے پہلے سارا مال ادھر ادھر کر دیا تاکہ وارث کو نہ ملے تو اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث کاٹ دے گا)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک مرد اور عورت ساٹھ سال تک اللہ کی فرمانبرداری کے مطابق عمل کرتے رہتے ہیں پھر موت کے وقت ایسی وصیت کر جاتے ہیں جس میں (وارثوں کو) ضرر پہنچا دیتے ہیں۔ لہذا ان کے لیے دوزخ واجب ہو جاتی ہے، اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے آیت میراث کا یہ حصہ تلاوت فرمایا:

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينَ غَيْرِ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ إِلَى قَوْلِهِ تَعَالَى 'وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ' (رواه احمد کما فی مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۲۶)

مسئلہ: وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہاں اگر دوسرے ورثاء اجازت دیں تو اس کی گنجائش ہے۔
مسئلہ: قاتل کو مقتول کی میراث نہیں ملے گی۔

میراث کے بعض احکام:

مسئلہ: مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ۔ (رواه البخاری صفحہ ۱۰۰: ج ۲)

فائدہ: میراث پانے والے تین قسم کے رشتہ دار ہیں۔

اول اصحاب الفرائض جن کے حصے قرآن مجید نے مقرر کیے ہیں (جن کا بیان تفصیل کے ساتھ اوپر گزر چکا ہے)۔

دوم عصبات، جو مال اصحاب الفرائض سے بچ جائے، یہ لوگ اس کے مستحق ہوتے ہیں، مثلاً مرنے والے کی اولاد میں جبکہ لڑکے لڑکیاں دونوں موجود ہوں تو دوسرے اصحاب الفروض کا حصہ دے کر جو بچے گا وہ ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حِظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ کے اصول پر تقسیم کریں گے اسی طرح میت کے باپ کی اولاد یعنی میت کے بھائی اور میت کے دادا کی اولاد یعنی چچا اور چچاؤں کے لڑکے یہ سب اقرب فالاقرب عصبہ ہونے کی بنیاد پر وارث ہوتے ہیں۔

اور ان میں تفصیل بہت ہے جو میراث کی کتب میں مذکور ہے اس مختصر سے بیان کو پڑھ کر مفتی نہ بن جائے اگر اصحاب فرائض نہ ہوں تو پورا مال بعد ادائے دیون و انفاذ وصیت یہی لوگ لے لیتے ہیں، ان کے بعد ذوی الارحام کا درجہ ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں عصبات نہ ہونے کی صورت میں حصہ ملتا ہے جیسے بیٹیوں کی اولاد، بہنوں کی اولاد، بھائیوں کی بیٹیاں، ان مسائل میں تفصیلات بہت ہیں جو باقاعدہ استاد سے پڑھنے سے سمجھ میں آتی ہیں۔

مسئلہ: بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عصبات نہیں ہوتے اور اصحاب الفرائض سے جو مال بچ جاتا ہے ان ہی کو بقدر ان کے حصوں کے واپس کر دیا جاتا ہے اس کو علماء میراث کی اصطلاح میں رد کرنا کہتے ہیں اس سے شوہر اور بیوی مستثنیٰ ہیں ان پر رد نہیں کیا جاتا۔

مسئلہ: مرنے والے نے بیوی کا مہر اگر ادا نہیں کیا تو بیوی بحیثیت قرض خواہ ہونے کے اول اپنا قرض لے گی جو بصورت مہر شوہر پر واجب ہے، پھر اپنا میراث کا مقررہ حصہ مستقل لے گی، عام طور سے لوگ مرنے والے کی بیویوں پر ظلم کرتے ہیں، مہر نہیں دیتے یا میراث نہیں دیتے یا دونوں ہی سے محروم کر دیتے ہیں یہ ظلم آخرت میں وبال بن کر سامنے آئے گا۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۗ

وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا

خَالِدًا فِيهَا ۚ وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۱۴﴾

یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں، اور جو شخص اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اسے اللہ تعالیٰ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے بہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے آگے نکل جائے وہ اسے آگ میں داخل فرمائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم اور نافرمانی پر وعید

میراث کے حصے بیان فرمانے کے بعد احکام خداوندی پر عمل پیرا ہونے کی تاکید فرماتے ہو اور شاذ فرمایا کہ جو کچھ اوپر بیان ہوا یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں خدائے پاک کے قانون کو توڑنا اور حد بندیوں سے آگے بڑھنا بغاوت ہے، اور قانون کی پاسداری کرنا اور اس کی حفاظت کرنا اللہ تعالیٰ شانہ کی رضامندی اور اس کے انعامات حاصل ہونے کا سبب ہے۔ فرمانبرداروں کے لیے باغ ہیں جو دارالنعیم میں ہوں گے ان میں ہمیشہ رہیں گے ان باغوں میں داخل ہو جانا بہت بڑی کامیابی ہے اور جو لوگ حدود و قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ نافرمان ہیں، نافرمانوں کی سزا دوزخ کا عذاب ہے جو ذلیل کرنے والا ہے۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کو نہیں مانتے یا جھوٹے منہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اللہ کے قوانین کو غلط قرار دیتے ہیں ان کو ظالمانہ قوانین بتاتے ہیں ان کا مذاق اڑاتے ہیں وہ تو کافر ہیں ہی ان کے لیے سزا دائمی اور ابدی ہے ان کو دوزخ سے کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا، اور جو لوگ ایمان رکھتے ہوئے بے عمل ہیں سزا کے مستحق وہ بھی ہیں۔ اللہ کی جب مشیت ہوگی ان کی دوزخ سے رہائی ہو جائے گی۔ قوانین میراث کے بارے میں جو عملی خلاف ورزیاں ہوتی ہیں ان کا تذکرہ سلسلہ بیان میں کچھ آچکا ہے، بعض باتیں جو رہ گئی ہیں اب ان کے بارے میں عرض کیا جاتا ہے۔

ضروری مسائل و فوائد متعلقہ میراث:

(۱) دور حاضر کے جاہل کہتے ہیں کہ مرنے والے کا مال جو اس کے بیٹوں پر برابر تقسیم ہوتا ہے اس میں یہ بھی ہونا چاہیے کہ اگر کوئی بیٹا باپ سے پہلے مر گیا تو اس کا حصہ مرنے والے کے بیٹے کے بیٹوں کو دے دیا جائے، یہ بات ملحدوں اور زندیقوں نے نکالی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تقسیم میراث میں اقریبیت کو بنیاد بنایا ہے، مرنے والے کے بیٹے ہوں گے تو پوتوں کو میراث نہ ملے گی، اور یہ کہنا کہ مرنے والے کے بیٹے کا حصہ اس کے بیٹے کے بیٹوں کو دے دیا جائے سراپا جہالت اور گمراہی ہے اس لیے کہ باپ کی زندگی میں اس کے مال میں اولاد کا کوئی حصہ نہیں ہوتا یعنی بطور میراث کسی کا کوئی استحقاق نہیں ہوتا، جس کسی کا کوئی حصہ ہے اصول کے مطابق مرنے والے کی موت کے بعد ہی ہے، جو میراث کے عنوان سے ملتا ہے۔

(۲) مرنے والے کی بیویوں، بیٹیوں کو عموماً میراث نہیں دیتے یہ جو ظلم ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

(۳) عموماً میراث تقسیم کرتے ہی نہیں اسے مل جل کر کھاتے پیتے رہتے ہیں، وارثوں میں یتیم بچے بھی ہوتے ہیں، ان کا مال کھاپنی کر دوسرے لوگ برابر کر دیتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ اپنے بیٹوں میں دوزخ کی آگ بھرتے ہیں۔

(۴) کفن میں غیر شرعی اخراجات کرتے ہیں، چارپائی کے اوپر کی چادر کفن کے ساتھ خریدی جاتی ہے، قبر میں اتارنے کے لیے علیحدہ ایک چادر خریدی جاتی ہے، پھر یہ چادریں قبرستان والوں کو یا رسم کے مطابق جس کو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔ یہ چیزیں کفن کی ضرورت میں شامل نہیں ہیں۔ میراث کے مشترک مال سے ان کو خریدنا خصوصاً جبکہ غائب وارث اور یتیم بچے بھی ہوتے ہیں جائز نہیں ہے جو لوگ یہ کپڑے لے لیتے ہیں ان کے لیے یہ کپڑے لے لینا حرام ہے کیونکہ یہ میراث کا مال مشترک ہے جو تقسیم سے پہلے دیا گیا ہے۔

(۵) بعض علاقوں میں اس میراث کے مشترک مال سے دفن کے بعد قبر پر روٹیاں یا کوئی اور چیز تقسیم کی جاتی ہے اور بعض جگہ دفن کے بعد فقیروں یا شرکائے جنازہ کو گھر بلا کر کھانا کھلایا جاتا ہے اور یہ سب اسی مشترک مال میں سے خرچ کیا جاتا ہے یہ رسم بدعت بھی ہے اور اس میں مشترک مال سے خرچ کرنے کا وبال بھی ہے۔ کھانے والوں کو ہوش نہیں کہ ہم کیا کھا رہے ہیں۔

(۶) پھر اسی مشترک مال سے تیجا، دسواں، چالیسواں کیا جاتا ہے اور سال بھر کے بعد برسی کی جاتی ہے ان کا بدعت ہونا تو سب کو معلوم ہی ہے، لیکن میراث کے مشترک مال میں سے خرچ کرنا یہ مستقل گناہ ہے۔

(۷) بہت سے لوگوں کو قرآن پڑھنے کے لیے ایصال ثواب کے لیے گھر بلا یا جاتا ہے یا بعض لوگوں کو مقرر کیا جاتا ہے کہ قبر پر چالیس دن

تک قرآن پڑھتے رہو اور ان کو نذرانہ اور کھانا پینا اجرت کے طور پر دیا جاتا ہے اس میں اول تو مال مشترک میں سے خرچ کرتے ہیں جو ناجائز ہے دوسرے ایصالِ ثواب کے دھوکہ میں رہتے ہیں جو شخص دنیاوی لالچ کے لیے قرآن مجید پڑھے اسے خود ہی ثواب نہیں ہوتا دوسروں کو کیا ثواب بخشے گا۔

(۸) بہت سے علاقوں میں حیلہ اسقاط کا رواج ہے، میراث کے اسی مال مشترک سے لے کر بیس تیس سیرغلہ میت کے چاروں طرف گھماتے ہیں پھر جو لوگ حاضر ہوتے ہیں آپس میں بانٹ لیتے ہیں، اور بعض علاقوں میں رواج ہے کہ اولیاء میت پر یکمشت مخصوص رقم واجب کر دی جاتی ہے بالکل دکانداری کی طرح میت کا ولی گھنٹاتا ہے اور واجب کرنے والا بڑھاتا ہے اور جس مقدار پر اتفاق ہو جاتا ہے اس کو بھی واجب کرنے والے آپس میں بانٹ لیتے ہیں، یہ سب کچھ اسی مشترک مال میں سے ہوتا ہے جس میں نابالغوں کا بھی حصہ ہے اس کا خرچ کرنا جائز نہیں۔ تقسیم کرنے والے اور اس مال کے کھانے والے بظاہر اہل علم اور دیکھنے میں صالحین ہوتے ہیں یہ لوگ اپنی ظاہری دنیاوی آمدنی کو دیکھتے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ آخرت میں اس کا کیا وبال ہوگا۔

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا
فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَقَّعَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۝۱۵ وَالَّذِينَ يَأْتِيَنَّهَا
مِنْكُمْ فَاذْذُوهنَّ فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۝۱۶ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝۱۷

اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں سوان پر چار آدمیوں کی گواہی طلب کر لو جو تم میں سے ہوں، سوا گزوہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں روکے رکھو یہاں تک کہ اللہ ان کو موت دے دے یا ان کے لیے کوئی راہ تجویز فرمادے اور جو بھی دو شخص تم میں سے بے حیائی کا کام کریں ان کو اذیت پہنچاؤ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو اس سے اعراض کرو، بلاشبہ اللہ توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے

احکام متعلقہ مرد و زن جو فواحش کے مرتکب ہوں

ان دونوں آیتوں میں زنا کاروں کے بارے میں بعض احکام بتائے ہیں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ جو عورتیں فاحشہ کام کر گزریں ان کے اس عمل پر چار گواہ طلب کر لو۔

جب کسی عورت کے بارے میں یہ بات سنی جائے کہ اس نے ایسا کام کیا ہے تو خبر چونکہ کانوں کان محلہ اور بستی میں گونج جاتی ہے (اگرچہ جھوٹی ہی ہو) اور یہ عورت کے لیے اور اس کے خاندان کے لیے باعثِ ننگ و عار بن جاتی ہے اس لیے شریعت اسلامیہ نے گواہ طلب فرمانے کا حکم دیا۔ اس قسم کے امور گواہوں کے بغیر ثابت نہیں ہوتے، جب حاکم کے پاس معاملہ چلا جائے تو وہ گواہ طلب کرے یہ گواہ صرف مرد ہوں گے، عورتوں کی گواہی اس سلسلہ میں معتبر نہیں۔ گواہ بھی چار ہوں گے اور مسلمان ہوں گے دیگر امور میں دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر ہو جاتی ہے، لیکن چونکہ یہ ننگ و ناموس اور عزت و آبرو کا معاملہ ہے اس لیے اس میں سختی کی گئی جب تک چار مرد گواہی نہ دیں اس وقت تک کوئی سزا نہیں دی جاسکتی۔ اگر چار گواہ نہ ملیں تو جن لوگوں نے یہ بات اڑائی ہے وہ سب اور خود گواہ جو چار سے کم رہ گئے ان سب پر حد قذف یعنی تہمت لگانے کی سزا نافذ کی جائے گی جو ۸ کوڑے ہیں، سورۃ نور کے پہلے رکوع میں حد قذف بیان فرمادی ہے۔

اگر کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائی گئی اور چار مرد مسلمان گواہ قائم نہ ہو سکے تو عورت پر سزا نافذ نہ کی جائے گی۔ البتہ اگر واقعی میں اس نے ایسا کام کیا ہو جسے وہ جانتی ہے تو اللہ کے حضور میں توبہ کرے اور یہ نہ سمجھے کہ چونکہ قاضی کے پاس ثبوت نہ ہو سکا اور مجھ پر سزا نافذ کرنے کا فیصلہ نہیں دیا گیا تو میں یہ کام کرتی ہی رہوں۔ اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔ بندوں کو علم ہو یا نہ ہو وہ گناہوں پر سزا دے گا، لہذا ہر گناہ سے توبہ کرنا لازماً

ہے۔

اگر چار مسلمان مرد گواہی دے دیں کہ فلاں عورت نے زنا کیا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ شادی شدہ عورت نے اگر ایسا کیا ہو تو اسے رجم کر دیا جائے یعنی پتھر مار کر ہلاک کر دیا جائے اور اگر شادی شدہ نہ ہو تو سو (۱۰۰) کوڑے مارے جائیں یہ شریعت کا حکم ہے جو سورۃ نور میں مذکور ہے۔ اس سے پہلے یہ حکم تھا کہ ان عورتوں کو گھروں میں روکے رکھیں کیونکہ باہر نکلنے ہی سے عموماً زنا کاری کے واقعات پیش آتے ہیں۔ یہ حکم سورہ نساء میں مذکور ہے ارشاد ہے۔ ﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾ (یعنی ان کو گھروں میں روکے رکھو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو موت دیدے یا ان کے لیے کوئی راستہ نکال دے) یہ حکم سورۃ نور کی آیت سے منسوخ ہو گیا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا الرجم للثیب والجلد للبکر یعنی شادی شدہ زنا کار کو سنگسار کرنا اور غیر شادی شدہ کے لیے کوڑے لگانا یہ سزا مرد عورت دونوں کے لیے ہے اس کی مزید تفصیل و توضیح انشاء اللہ تعالیٰ سورۃ نور کے پہلے رکوع کی تفسیر میں بیان ہوگی۔

دوسری آیت ﴿وَ الْأَذْنَ يَأْتِيْنَهَا مِنْكُمْ فَأَذُوْهُمَا﴾ میں یہ حکم دیا جو دو آدمی (مرد و عورت) بدکاری کریں تو ان کو ایذا دو۔ ایذا دینے میں زبان سے عار دلانا اور زجر تو بیخ کی باتیں کرنا بھی شامل ہے اور اس آیت میں مار پیٹ کی صورت میں کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی، اس کو حکام کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا لیکن سورۃ نور کی آیت میں سزا مقرر کر دی گئی تو اب اس پر عمل کرنا لازم ہو گیا، ایذا دینے کا حکم دے کر فرمایا کہ اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو ان سے اعراض کرو اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

غیر فطری طریقے پر قضاء شہوت کرنے والوں کی سزا:

﴿وَ الْأَذْنَ يَأْتِيْنَهَا﴾ کے بارے میں بعض مفسرین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ چونکہ یہ اسم موصول تثنیہ مذکر کے لیے ہے اس لیے اس سے مراد غیر فطری طریقہ سے قضائے شہوت کا کام کرنے والے بھی ہو سکتے ہیں، یعنی اس آیت میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے عمل کا تذکرہ ہے لفظوں کے اعتبار سے یہ تفسیر مستبعد نہیں ہے لیکن اس کو بھی منسوخ ہی کہا جائے گا، کیونکہ جو لوگ اس موجب لعنت عمل کو کریں ان کے لیے اب اتنی سی بھی بات نہیں ہے کہ ان کو ایذا دی جائے، بعض روایات حدیث میں فرمایا ہے کہ جو لوگ ایسا کریں فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۲)

قتل کی کیا صورت ہو اس کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کے مشورہ سے جلانے کا حکم دیا تھا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایسا کام کرنے والے کو سب سے اونچی جگہ پر لے جا کر اوندھے منہ کے گردایا جائے۔ (رواہ ابن ابی شیبہ کما فی فتح القدر)

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے وہی سزا مقرر فرمائی جو زانی یا زانیہ کی ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس کوئی سزا خاص مقرر نہیں ہے۔ پہلی بار ایسا کرے تو امام المسلمین مار پیٹ کی سزا دیدے اور دوسری بار کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ (کما ذکر الشامی عن الاشباہ وغیرہ)

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْنَ وَلَا الَّذِينَ يَسُؤُونَ وَهُمْ كُفَّارًا ۗ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا

لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۱۸

پس اللہ کے ذمہ ان لوگوں کی توبہ قبول کرنا ہے جو حماقت کے ساتھ گناہ کر لیتے ہیں، پھر قریب ہی وقت میں توبہ کر لیتے ہیں، سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ قبول فرمائے گا، اور اللہ علم والا حکمت والا ہے، اور ان لوگوں کی توبہ نہیں جو برے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت حاضر ہو جائے تو کہتا ہے کہ بے شک میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ ہے جو کافر ہونے کی حالت میں مرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے

توبہ کی ضرورت اور اس کا طریقہ

ان دونوں آیتوں میں توبہ کا قانون بیان فرمایا ہے اولاً توبہ فرمایا کہ جو لوگ حماقت سے گناہ کر بیٹھیں پھر جلدی ہی توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اگر توبہ سچی ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ضرورت قبول ہوئی اور گناہ معاف ہو جائے گا، صغیرہ گناہوں کا کفارہ تو نیکیوں سے بھی ہوتا رہتا ہے لیکن کبیرہ گناہ (یقینی طور پر) صرف توبہ ہی سے معاف ہوتے ہیں اور صغیرہ گناہ پر اصرار کرنے سے صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے اور صغیرہ گناہ کو بھی معمولی نہ سمجھا جائے کیونکہ یہ بھی خالق و مالک جل مجدہ کی بغاوت ہے اور اس پر بھی مواخذہ اور عذاب ہو سکتا ہے جب کوئی گناہ ہو جائے چھوٹا ہو یا بڑا جلد سے جلد توبہ کریں جیسا کہ آیت بالا میں ﴿ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ﴾ فرما کر جلدی توبہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔

توبہ کی حقیقت:

توبہ کی کیا حقیقت ہے اس کو سمجھنا چاہیے بہت سے لوگ زبان سے توبہ توبہ کے الفاظ نکال دیتے ہیں اور ان کے دل میں ذرا بھی اس بات کی کسک نہیں ہوتی کہ گناہ کو چھوڑیں سو جاننا چاہیے کہ توبہ کے تین جزو ہیں، اول یہ کہ جو بھی گناہ ہو گئے ہیں ان سب پر سچے دل سے خوف ندامت ہو اور اس بات کی شرمندگی و پشیمانی ہو کہ ہائے! میں نے کیا کر دیا؟ میں نے اپنے خالق و مالک کی نافرمانی کر دی۔ دوسرا جزو یہ ہے کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا خوب پکا مضبوط عہد ہو۔

تیسرا جزو یہ ہے کہ جو حقوق ضائع کیے (اللہ کے حقوق ہوں یا بندوں کے) ان کی ادائیگی کرے، اللہ کے حقوق مثلاً زکوٰۃ میں حساب کر کے دے اور اتنا مال دیدے کہ یقین ہو جائے کہ اس سے زیادہ کی ادائیگی فرض نہ ہوگی۔ اور حج بھی کرے اور نمازوں کی بھی قضا کرے، فرضوں اور وٹروں کی قضا ہوگئی تو ان میں بھی حساب لگائے کہ زیادہ سے زیادہ اتنی ہوں گی، ان سب کو ادا کرے، اگر رمضان کے روزے چھوڑے ہوں ان کو بھی قضا کرے اور ان کے علاوہ بھی غور کرے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کیا کیا ضائع کیے ہیں اور ان کی تلافی کی فکر کرے، بندوں کے حقوق کی بھی ادائیگی کرے، کس کس کی مال خیانت کی ہے چوری کی ہے، سودا بیچتے وقت ناپ تول میں کمی کی ہے اور خرید و فروخت میں دھوکہ دیا ہے قرض لے کر مار لیا ہے، غیبتیں کی ہیں یا سنی ہیں بہتان باندھے ہیں کسی کو گالیاں دی ہیں، مار پیٹ کی ہے وغیرہ وغیرہ ان سب امور کی تلافی کرے، مالی حقوق کو ادا کرے ادائیگی کا انتظام نہ ہو تو ان لوگوں سے معاف کرائے جن کے حقوق ہیں، جن کی غیبتیں کی ہیں یا سنی ہیں ان سے معافی مانگے اور جن پر بہتان باندھے ہیں ان سے بھی معافی مانگے اور جن کو گالیاں دی ہیں ان سب سے معافی مانگے، ظالمانہ مار پیٹ کی تلافی کرے یعنی جس کو بلا اجازت شرعی مارا ہو اگر چہ وہ اپنے سے چھوٹا ہی ہو اس کو بدلہ دے یا معافی مانگے اس میں خفت اور ذلت محسوس نہ کرے کیونکہ آخرت میں اصحابِ حقوق کے گناہ ظلم کرنے والے کے ذمہ ڈال دیئے جائیں گے۔

حاصل یہ ہے کہ توبہ کے تین اہم جزو ہیں اول گناہ پر نادم ہونا، دوم آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عہد کرنا، سوم ضائع کردہ حقوق کی تلافی کرنا، یہ چیزیں نہ ہوں اور زبانی توبہ توبہ کرتا رہے تو اس سے مطلوب توبہ نہیں ہوتی خوب سمجھ لیا جائے آج کل غفلت کے ساتھ توبہ کی جاتی ہے جو زبان کی حد تک ہوتی ہے اور دل میں اس کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہوتا، دل کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ میری زبان سے توبہ کے الفاظ نکل رہے ہیں، اسی

کو حضرت رابعہ بصریہ نے فرمایا استغفارنا یحتاج الی استغفار کثیر یعنی ہمارا استغفار بھی ایک طرح کا گناہ ہے (کیونکہ غفلت کے ساتھ ہے) اس کے لیے بھی استغفار کی ضرورت ہے۔ ہست استغفار ماحتاج استغفار فرما۔

جب سچے دل سے پوری شرطوں کے ساتھ توبہ کی جائے گی تو ضرور قبول ہوگی۔ انشاء اللہ۔

فائدہ: آیت شریفہ میں ﴿یَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ﴾ فرمایا ہے اس میں جہالت حماقت کے معنی میں ہے جو بھی کوئی شخص گناہ کرتا ہے وہ حماقت ہی سے کرتا ہے کیونکہ یہ شخص اپنے آپ کو عذاب سے آخرت میں مبتلا کرنے کا راستہ اختیار کرتا ہے گناہ میں جو ذرا سا مزہ ہے اس کے لیے آخرت کے بڑے عذاب کے لیے اپنی جان کو تیار کرنا حماقت نہیں ہے تو کیا ہے؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جہالت کے یہی معنی منقول ہیں، لہذا آیت کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ عمداً گناہ کو گناہ جانتے ہوئے کوئی شخص گناہ کرے تو توبہ قبول نہ ہوگی، گناہ عمداً ہوں یا سہواً اخطا ہوں۔ جہلاً توبہ سے سب معاف ہو جاتے ہیں مگر شرط وہی ہے کہ توبہ اصول و شرائط کے مطابق ہو۔

موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی:

پھر ارشاد فرمایا کہ جو لوگ گناہ کرتے چلے جائیں اور جب موت آنے لگے تو توبہ کرنے لگیں ایسے لوگوں کی توبہ کوئی توبہ نہیں۔ اور جو لوگ کفر پر مر رہے ہیں ان کی توبہ بھی کوئی توبہ نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ جب موت کا وقت آجائے، دوسرے عالم کے حالات نظر آنے لگیں اس وقت جو کوئی توبہ کرے وہ توبہ قبول نہیں۔ حدیث شریفہ میں فرمایا ان الله يقبل توبة العبد ما لم يغرب بنفسه (رواہ احمد، ورجاله رجال الصحیح غیر عبدالرحمن وهو ثقہ کما فی مجمع الزوائد) کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک کہ غرغره کی حالت نہ ہو جائے، جب روح نکلنے لگے اور اندر سے جان نکلنے کی آواز آنے لگے اس وقت کو غرغره کہا جاتا ہے۔ اس وقت چونکہ عالم غیب کی چیزیں سامنے آ جاتی ہیں فرشتے نظر آنے لگتے ہیں اور جان کنی کی تکلیف شروع ہو جاتی ہے اور اس طرح سے دوسرے عالم سے تعلق ہو جاتا ہے اس لیے اس حالت میں توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اس وقت نہ مومن کی توبہ قبول ہوتی ہے جو گناہوں سے توبہ کرے اور نہ کافر کی توبہ قبول ہوتی ہے جو کفر سے توبہ کرنے لگے کیونکہ ایمان وہ معتبر ہے جو ایمان بالغیب ہو جب عالم برزخ کی چیزیں نظر آنے لگیں اور ان کا مشاہدہ کر لیا تو اب ایمان بالغیب نہ رہا اس لیے اس وقت کسی کا ایمان معتبر نہیں ہے۔

غرغره کی حالت سے پہلے سب کی توبہ قبول ہے، اگر غرغره سے پہلے کافر ایمان لے آئے تو وہ بھی معتبر ہے مومن ہمیشہ توبہ کرتا رہے اور جب توبہ کرے پکی توبہ کرے اگر توبہ کے بعد گناہ ہو جائے تو پھر توبہ کرے اور توبہ کی شرائط جو اوپر لکھی گئی ہیں ان کا لحاظ رکھے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا

اتَّيَمُّوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ

فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾

اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث ہو جاؤ اور تم ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت رکھو کہ جو مال تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ واپس لے لو، مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح فحش کام کر بیٹھیں اور تم ان کے ساتھ اچھے طریقہ پر زندگی گزارو، سوا اگر تم کو وہ ناپسند ہیں تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں زیادہ خیر رکھ دے

جبر و اکراہ کے ساتھ عورتوں کی جان و مال کا وارث بننے کی ممانعت

جاہلیت کے زمانہ میں عورتوں پر لوگ طرح طرح سے ظلم و زیادتی کرتے تھے۔ یہ ظلم ان کی جانوں پر بھی ہوتا تھا اور ان کے مالوں پر بھی۔ ان کی جانوں پر اس طرح ظلم ہوتا تھا کہ جب کسی عورت کا شوہر مر گیا تو اس عورت کو میت کے ساتھ مال کی طرح اپنی میراث سمجھتے تھے۔ عورت کو اپنی جان میں کوئی اختیار نہ ہوتا تھا کہ خود سے کہیں اپنا نکاح نہیں کر سکتی تھیں۔ پھر جو لوگ وارث ہوتے اس عورت کو اپنی مرضی سے جہاں چاہتے بیاہ دیتے تھے اور یہ بیاہنا ایک طرح کا بیچنا ہوتا تھا۔ مہر میں جو مال ملتا تھا خود ہی کھا جاتے تھے۔ یا باقاعدہ باندی کی طرح بیچ دیتے تھے اور قیمت پر قابض ہو جاتے تھے۔ نیز عورت کے مال کے جبراً مالک بن جاتے تھے۔ میراث میں جو اس کا حق نکلتا اسے خود ہی دبا لیتے تھے یا اس کو نکاح نہ کرنے دیتے تھے۔ تاکہ یہیں ہمارے گھر پڑی پڑی مر جائے اور ہم اس کا مال لے لیں، یا وہ اپنے مال میں سے دینے پر مجبور ہو جائے (یہ چیزیں اب بھی بہت سے خاندانوں میں پائی جاتی ہیں) عورتوں کے مال زبردستی وصول کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ عورت کو طرح طرح سے تکلیفیں دیں ایذائیں پہنچائیں اور جب وہ اپنی جان چھڑانے کے لیے طلاق مانگے تو اس سے کہیں کہ اتنی رقم دیدے یا حق معاف کر دے تو میں چھوڑوں وہ بیچاری مصیبت زدہ اپنی جان چھڑانے کے لیے مجبور ہو کر مال دے دیتی ہے یا مہر معاف کر دیتی ہے، آیت کے عمومی الفاظ سے اہل ایمان کو اس طرح کی تمام حرکتوں سے منع فرما دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے ایسا کرنا حلال نہیں ہے۔ **الْبَتَّةُ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ** فرما کر یہ بتا دیا کہ اگر عورتیں کوئی صریح نازیبا حرکت کر لیں تو ان سے مال لیا جاسکتا ہے۔

صریح نازیبا حرکت سے کیا مراد ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے عورت کی زبان درازی، بد خلقی یا فرامانی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر عورت ایسی حرکتیں کرے تو شوہر اپنا مال جو مہر کی صورت میں دیا تھا۔ وہ بطور خلع لے سکتا ہے، اور اس صورت میں یہ مال لینا جائز ہوگا، اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ ان سے العیاذ باللہ اگر زنا صادر ہو جائے تو خاوند اس سے اپنا دیا ہوا مال واپس لے لے اور اس کو طلاق دے کر جدا کر دے، یہ حکم ابتدائے اسلام میں حدود نازل ہونے سے پہلے تھا اب جب زنا کی حد نازل ہو گئی تو یہ حکم باقی نہیں رہا لہذا عورت کے زنا کر لینے سے مہر کا وجوب ساقط نہیں ہوگا۔

عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم:

پھر ارشاد فرمایا **﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾** اور تم عورتوں کے ساتھ اچھے طریقہ پر زندگی گزارو یعنی خوش اخلاقی سے پیش آؤ، نان نفقہ خوراک و پوشاک کی خیر و خبر رکھو اور اگر تمہیں ان کی کوئی ادا طبعی طور پر ناپسند ہو تو اس کو برداشت کر لو اور یہ سمجھ لو کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کسی ایسی چیز میں کوئی بڑی منفعت رکھ دے جو چیز تمہیں ناپسند ہو۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ رنگ و روپ اور شکل و صورت کے لحاظ سے عورت دل کو نہیں بھاتی لیکن خدمت گزار ہوتی ہے، مال کی حفاظت کرتی ہے، گھربار کو سنبھال کر رکھتی ہے، بچوں کو اچھی تربیت کرتی ہے ان کو تقویٰ اور اعمال صالحہ پڑھاتی ہے یہ خیر کی صورتیں ہیں، تھوڑی سی طبعی ناگواری اس طرح کے منافع کے لیے برداشت کرنی چاہیے۔

کچھ دار اور دیندار مرد ایسا ہی کرتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مرد مومن کسی مومنہ (بیوی) سے بغض نہ رکھے اگر اس کی ایک خصلت ناپسند ہوگی تو دوسری خصلت پسند آجائے گی۔ (رواہ مسلم صفحہ ۴۷۵: ج ۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کامل ایمان والوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھے اخلاق والے اور سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۸۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنے اہل کے لیے سب سے بہتر ہیں اور میں تم میں اپنے اہل کے لیے سب سے زیادہ بہتر ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۸۱ از ترمذی)

درحقیقت بات یہ ہے کہ بیویوں کے ساتھ معاشرت ہو یا دوسرے لوگوں کے ساتھ مراقت و مصاحبت ہو سو فیصدی ہر ایک کا ہر ایک کے ساتھ دل مل جائے اور ذرا سی بھی طبعی و عقلی اذیت نہ پہنچے اس دارالمصائب میں عموماً ایسا ہوتا ہی نہیں فوائد و منافع کو دیکھ کر ناگوار یوں کو برداشت کرنے ہی سے مصاحبت اور مراقت باقی رہ سکتی ہے۔

وَإِنْ أَرَادْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ لَّاتِيْتُمْ أَحَدَهُنَّ قِنَاطِرًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا
أَتَأْخُذُونَ بِبُهْتَانٍ أَشْهَامِيْنَا ۚ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَ وَقَدْ أَقْضَىٰ بِعُضُكُمُ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ
مِنْكُمْ مِّيثَاقًا غَلِيظًا ۝۲۱

اور اگر ایک بیوی کو دوسری بیوی کی جگہ بدلنا چاہو اور تم ان میں سے ایک کو بہت سے مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی نہ لو، کیا تم اس کو واپس لوگے بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کا ارتکاب کر کے اور تم اس کو کیسے لیتے ہو حالانکہ تم ایک دوسرے تک پہنچ چکے ہو اور انہوں نے تم سے خوب پختہ عہد کے لیا ہے۔

بیویوں کو جو کچھ دے دیا ہو اس کے واپس لینے کی ممانعت

اگر کسی شخص کے نکاح میں کوئی عورت ہو اور وہ اسے طلاق دے کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہے اس کے متعلق آیت بالا میں ہدایت فرمائی ہے کہ اگر کسی بیوی کو چھوڑ رہے ہو جسے تم مہر میں یا مہر کے علاوہ بھی بطور ہبہ و عطیہ کے بہت سا مال دے چکے ہو تو اس مال میں سے کچھ نہ لو، اول تو طلاق دینا ہی مبعوض چیز ہے پھر ایسی عورت کو جو ایک عرصہ ساتھ رہی ہے خصوصاً جبکہ اس کا کوئی قصور نہ ہو اس کو طلاق دینا اور جو مال اس کو دے دیا ہو وہ اس سے واپس لے لینا اخلاق اسلامیہ کے خلاف ہے اس قسم کے مواقع میں عورتیں مال واپس کرنے سے گریز کرتی ہیں لہذا مال لینے کے لیے طرح طرح سے انہیں تنگ کیا جاتا ہے یا ان پر کسی طرح کی تہمت رکھ دی جاتی ہے یا زبردستی چھین لیا جاتا ہے، یہ سب ایا ظلم ہے اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا ﴿اتَّخِذُوا نِكَاحًا مُّبِينًا﴾ (کیا تم واپس لوگے بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کا ارتکاب کر کے؟)۔ پھر فرمایا ﴿وَكَيفَ تَأْخُذُونَ﴾ کہ جو مال تم نے اپنی بیوی کو دے دیا ہے حالانکہ تم ایک دوسرے سے بے حجاب ہو کر مل بھی چکے ہو، وہ اپنی ذات تمہارے حوالے کر چکی ہے (اور مہر اسی کا عوض ہے) تو اب اس عوض کو جو تم دے چکے ہو کس طرح واپس لوگے؟ یہ تو عقلاً بھی برا ہے اور مزید یہ ہے کہ وہ عورتیں تم سے مضبوط اقرار لے چکی ہیں کہ تم نے جو مہر مقرر کیے وہ مہر ادا کرو گے، لہذا اس عہد کی خلاف ورزی کرنا عقلاً و شرعاً مذموم ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ بوقت نکاح ادائے مہر کا عہد و پیمانہ ہوا، پھر آپس میں مل کر بے حجابانہ میل جول بھی رکھتے رہے اب ان کو مجبور کرنا کہ مال واپس کرو یا معاف کرو یہ سب ایا ظلم و جور ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ

سَبِيلًا ۝۲۲

ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں مگر جو پہلے گزر چکا ہے بے شک یہ بے حیائی اور غصہ کا کام ہے اور برا راستہ ہے

والدنی بیوی سے نکاح کرنے کی حرمت

اسباب نزول صفحہ ۱۴۱ میں نقل کیا ہے کہ یہ آیت حسن بن ابی قیس کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرنا چاہا نیز اسود بن خلف اور صفوان بن امیہ نے اور بھی دو تین افراد کے نام لکھے ہیں جو باپ کی بیوی سے نکاح کرنے کے مرتکب ہوئے ابو قیس کی بیوی کو جب ابو قیس کے بیٹے نے نکاح کا پیغام دیا تو وہ کہنے لگی کہ میں تجھے اپنا بیٹا سمجھتی ہوں تجھ سے کیسے نکاح کروں؟ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کروں گی۔ چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں (اور بات سامنے رکھی) اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت نازل فرمائی۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ مرنے والے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا کرتے تھے۔ ابتداء اسلام میں بعض ایسے واقعات پیش آئے۔ پھر ہمیشہ کے لیے باپ کی بیوی سے نکاح کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے دیا، واضح رہے کہ جس کسی بھی عورت سے کسی شخص نے نکاح کر لیا صرف نکاح کر لینے سے ہی وہ عورت اس شخص کے بیٹوں پر حرام ہوگئی باپ کے ساتھ اس عورت کی خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میرے ماموں ابو بردہ میرے پاس سے گزرے ان کے پاس ایک جھنڈا تھا میں نے کہا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کا سر کاٹ کر لاؤں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۲۷۴)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَوْنُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَالْأَخْرَجُ وَبَنَاتُ الْأَخْرَجِ
وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَّائِكُمُ اللَّاتِي فِي
حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ
اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

حرام ہو گئیں ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جن بیویوں سے دخول کر چکے ہو جو تمہاری گودوں میں ہیں، سوا اگر تم نے ان بیویوں سے دخول نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لو، اور حرام ہیں تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو اپنے نکاح میں جمع کر دو مگر جو گزر چکا، بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان کا تفصیلی بیان

ان آیات میں تفصیل کے ساتھ محرمات کا تذکرہ فرمایا ہے محرمات وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح جائز نہ ہو۔ بعض عورتیں تو وہ ہیں جن سے کبھی بھی نکاح جائز ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ پہلی آیت میں ان عورتوں کا ذکر ہے اور بعض عورتیں وہ ہیں جن سے کسی موجودہ سبب کی وجہ سے نکاح جائز نہیں۔ اگر وہ سبب دور ہو جائے تو نکاح جائز ہو جاتا ہے مثلاً کوئی عورت کسی مرد کے نکاح میں ہو تو جب تک وہ عورت اس مرد کے نکاح سے نہ نکل جائے (اس مرد کی وفات ہو جانے کے بعد عدت یا طلاق دینے کی وجہ سے) اور عدت نہ گزر جائے، اس وقت تک کسی دوسرے مرد سے اس عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا، طلاق یا موت کے بعد عدت گزر جائے تو یہ عورت ایسے مرد سے نکاح کر سکتی ہے جس سے نکاح

کرنا حلال ہو۔ اسی طرح جب کسی عورت نے کسی مرد سے نکاح کر لیا تو جب تک یہ عورت اس مرد کے نکاح میں رہے گی، اس وقت تک اس عورت کی بہن سے اس مرد کا نکاح نہیں ہو سکتا، منکوحہ بہن کا شوہر طلاق دیدے یا فوت ہو جائے اور اس کی عدت گزر جائے تو اس کی بہن سے اس کے شوہر کے نکاح میں آسکتی ہے جس نے طلاق دی ہے یا فوت ہوا ہے۔

محرمات ابدیہ:

جن سے کبھی بھی نکاح درست نہیں تین طرح کی ہیں: اول محرمات نسبیہ (جو نسب کے رشتے کی وجہ سے حرام ہیں) دوم محرمات رضاع (جو دودھ پینے کے رشتے کی وجہ سے حرام ہیں) سوم محرمات بالمصاہرہ (جو سالی رشتے کی وجہ سے حرام ہیں)

محرمات نسبیہ:

بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ﴾ حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں۔ اس کے عموم میں مائیں اور ماؤں کی مائیں اور پرتک جہاں تک سلسلہ چلا جائے سب کی حرمت آگئی۔

وَبَنَاتُكُمْ (اور حرام کی گئیں تمہاری بیٹیاں) اس کے عموم میں بیٹیاں اور بیٹوں اور بیٹیوں کی بیٹیاں اور ان کی بیٹیاں سب داخل ہو گئیں۔
وَأَخَوَاتُكُمْ (اور حرام کی گئیں تمہاری بہنیں) اس کے عموم میں سگی بہنیں باپ شریک بہنیں اور ماں شریک بہنیں سب آگئیں۔
وَعَمَّاتُكُمْ (اور حرام کی گئیں تمہاری پھوپھیاں) اس میں باپ کی سگی بہنیں اور باپ شریک بہنیں اور ماں شریک بہنیں سب آگئیں۔
وَوَخَلَاتُكُمْ (اور حرام کی گئیں تمہاری خالائیں) اس کے عموم میں بھی ماں کی سگی بہنیں اور باپ شریک بہنیں اور ماں شریک بہنیں سب داخل ہو گئیں۔

﴿وَبَنَاتُ الْأَخِ﴾ (اور بھائی کی بیٹیاں حرام کی گئیں) اس کے عموم میں سگی بھائی کی بیٹیاں اور باپ شریک بھائی کی بیٹیاں اور ماں شریک بھائی کی بیٹیاں سب داخل ہیں۔

﴿وَبَنَاتُ الْأَخْتِ﴾ (اور بہن کی بیٹیاں حرام کی گئیں) اس کے عموم میں سگی بہن باپ شریک بہن، ماں شریک بہن سب کی بیٹیاں داخل ہیں۔

محرمات بالرضاع:

یہاں تک محرمات نسبیہ کا بیان ہوا، اس کے بعد رضاعی رشتوں کا ذکر فرمایا ارشاد ہے ﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ﴾ اور حرام کی گئیں تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا۔

﴿وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ﴾ (اور حرام کی گئیں تمہاری بہنیں جو تمہاری دودھ شریک ہیں) قرآن مجید میں رضاعت کے رشتہ کو حرمت کا سبب بیان فرماتے ہوئے رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت بیان کرنے پر اکتفا فرمایا ہے، احادیث شریفہ میں اس کا قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿الرِّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوَالِدَةَ﴾ یہ صحیح بخاری صفحہ ۷۶۴ کے الفاظ ہیں (مطلب یہ ہے کہ جو عورت ولادت کے رشتہ سے حرام ہے رضاعت کے رشتہ سے بھی حرام ہے) اور صحیح مسلم صفحہ ۴۶ میں یہ الفاظ ہیں ﴿يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يُحَرِّمُ مِنَ النَّسَبِ﴾ (بلاشبہ رضاعت کی وجہ سے وہ سب رشتے حرام ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد میرے رضاعی چچا میرے پاس آئے جنہوں نے اندر آنے کی اجازت چاہی میں نے اجازت نہ دی اور جواب میں کہہ دیا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ سے دریافت نہ کر لوں گی اجازت نہ دوں گی جب آنحضرت سرور عالم ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے دریافت کیا آپ نے فرمایا وہ تمہارا رضاعی چچا ہے اس اندر آنے کی اجازت دے دو۔ میں نے عرض کیا مجھے تو

عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے تو دودھ نہیں پلایا آپ نے فرمایا وہ تمہارا چچا ہے تمہارے گھر میں اندر آسکتا ہے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۶۴، ۷، و مسلم صفحہ ۴۶۷: ج ۱) صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جب کوئی عورت کسی بچی کو دودھ پلا دے تو یہ بچی اس عورت کے شوہر پر اور اس کے باپوں پر اور اس کے بیٹوں پر حرام ہو جائے گی اور جس شوہر کے ذریعہ دودھ پلانے والی عورت کا دودھ اترتا ہے وہ اس دودھ پینے والی بچی کا باپ ہو جائے گا، اور جس کسی عورت کا دودھ کسی لڑکے نے پی لیا اور اس عورت کا دودھ کسی لڑکی نے بھی پی لیا تو ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا اور جس لڑکی نے کسی عورت کا دودھ پی لیا اس لڑکی کا دودھ پلانے والی کے لڑکے سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور دودھ پلانے والی کے پوتے سے بھی اس دودھ پینے والی لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی بچہ نے کسی عورت کا دودھ پی لیا تو اس بچہ کا نکاح دودھ پلانے والی کے شوہر کی بہن سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ اس کی رضاعی پھوپھی ہے۔ رضاعی باپ (جس کی بیوی کا دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کا نکاح نہیں ہو سکتا)۔

مسئلہ: ذرا سا دودھ (اگرچہ ایک ہی قطرہ ہو) اگر حلق میں صرف ایک ہی بار اتر جائے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔
مسئلہ: دو سال (چاند کے اعتبار سے) کی مدت کے اندر حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے اس پر سب آئمہ کا اجماع ہے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دودھ پلانے کی مدت ڈھائی سال ہے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ ڈھائی سال کے اندر کوئی بچہ یا بچی دودھ پی لے تو اس دودھ پینے کی وجہ سے حرمت کا فتویٰ دیا جائے۔ اکثر اماموں کے نزدیک دو سال کے بعد دودھ پینے سے اور حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ڈھائی سال کے بعد دودھ پینے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

مسئلہ: محض کسی ایک عورت یا چند عورتوں کے کہنے سے کہ فلاں عورت نے فلاں لڑکے یا لڑکی کو دودھ پلایا ہے۔ حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی بلکہ اس کے ثبوت کے لیے دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہونا شرط ہے، البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ اگر ایک عورت بھی کہہ دے کہ میں نے فلاں لڑکے اور لڑکی کو دودھ پلایا ہے تو ان کا آپس میں نکاح نہ کیا جائے۔

مسئلہ: اگر مرد کے دودھ اتر آئے اور وہ کسی بچہ کو پلا دیا جائے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی رضاعت سے متعلقہ مسائل میں کچھ مزید تفصیل بھی ہے اور (حرم من الرضاع ما حرم من النسب) کے عموم میں تھوڑا سا استثناء بھی ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے۔

محرمات بالمصاہرہ:

اس کے بعد محرمات بالمصاہرہ کا تذکرہ فرمایا ﴿وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ﴾ یعنی تمہاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام کی گئیں ان سے بھی نکاح نہیں ہو سکتا، کسی عورت سے نکاح ہو جانا ہی اس کی ماں سے نکاح ہونے کی حرمت کے لیے کافی ہے۔ بیوی سے خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

﴿وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاءَ عَلَيْكُمْ﴾ یعنی جن عورتوں سے تم نے نکاح کیا ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جنہیں تم گودوں میں لیتے ہو، اور کھلاتے ہو ان لڑکیوں سے بھی نکاح کرنا حرام ہے، بشرطیکہ تم نے ان لڑکیوں کی ماؤں سے جماع کیا ہو۔ اگر کسی عورت سے نکاح تو کر لیا لیکن جماع نہیں کیا پھر اسے طلاق دے دی تو اس عورت کی پہلے شوہر والی لڑکی سے نکاح جائز ہے ﴿فِي حُجُورِكُمْ﴾ قید احترازی نہیں ہے جس بیوی سے نکاح کر کے جماع کر لیا اس کی لڑکی سے نکاح درست نہیں اگرچہ کسی دوسرے رشتہ دار کے پاس پرورش پاتی ہو اور اس کی گود میں پلتی ہو۔

﴿وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ﴾ یعنی تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشتوں سے ہیں وہ بھی تم پر حرام ہیں۔ اس میں بھی عموم ہے حرمت کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ بیٹے نے کسی عورت سے نکاح کر لیا ہو۔ نکاح کے بعد جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو بہر حال اب نکاح کرنے والے کے باپ سے اس عورت کا نکاح حرام ہوگا۔

مسئلہ: پوتوں کی بیویوں سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔

مسئلہ: رضاعی بیٹے کی بیوی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔

منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کا حکم:

مسئلہ: اگر کسی کو منہ بولا بیٹا بنا لیا جائے اور وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور عدت گزر جائے تو اس کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے (بشرطیکہ اور کوئی مانع نہ ہو) مفسرین نے فرمایا ہے کہ مِنْ أَصْلَابِكُمْ کی قید ذکر فرما کر اسی مسئلے کو بیان فرمایا ہے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اپنے متنبی (منہ بولے بیٹے) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی بیوی سے ان کے طلاق دینے کے بعد نکاح فرمایا تھا۔ اس پر دشمنان دین نے اعتراض کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی حلت کی تصریح نازل ہوئی اور فرمایا ﴿فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا﴾ (سورۃ الاحزاب ع ۵)

(پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی ہم نے اس کا آپ سے نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر کسی طرح کی کوئی تنگی نہ رہے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے کے بارے میں جبکہ وہ اپنی حاجت پوری کر چکیں)۔

فائدہ: جس طرح منہ بولا بیٹا اصلی بیٹا نہیں ہوتا اسی طرح منہ بولا باپ یا منہ بولا بھائی یا بہن یا منہ بولی ماں حقیقی ماں باپ اور بھائی بہن نہیں ہو جاتے اگر کوئی دوسرا رشتہ محرمیت کا نہ ہو تو صرف منہ بولا باپ یا ماں یا بھائی یا بہن یا بیٹا یا بیٹی بنا لینے سے محرم والے احکام جاری نہیں ہوتے ان کا آپس میں پردہ کرنا واجب ہوتا ہے، اور آپس میں نکاح کرنا بھی جائز ہے (بشرطیکہ کوئی اور مانع نہ ہو)

جمع بین الاختین کی حرمت:

اس کے بعد ان محرمات کا ذکر فرمایا جو بعض اسباب کی وجہ سے حرام ہوتی ہوں اگر وہ عارض دور ہو جائے تو نکاح اپنی شرائط کے ساتھ جائز ہو جاتا ہے ارشاد فرمایا ﴿وَ أَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأَخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ کہ یہ بھی تم پر حرام کیا گیا کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرو، جب ایک بہن سے کسی نے نکاح کر لیا تو جب تک اسے طلاق نہ دیدے یا فوت نہ ہو جائے اور اس کی عدت نہ گزر جائے اس وقت تک اس کی کسی بھی بہن سے نکاح نہیں ہو سکتا، ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن سے نکاح کر لیا تو شرعاً وہ نکاح نہ ہوگا۔

فائدہ: جس طرح دو بہنوں کو بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح سے پھوپھی اور بھتیجی خالہ اور بھانجی ایک مرد کے نکاح میں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کسی عورت کا اس کی پھوپھی پر یا پھوپھی کا اس کے بھائی کی بیٹی پر اور کسی عورت کا اس کی خالہ پر یا خالہ کا اپنی بہن کی بیٹی پر نکاح کیا جائے نہ بڑی کا نکاح چھوٹی پر کیا جائے اور نہ چھوٹی کا بڑی پر کیا جائے۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد، مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۷۲، و ہونی البخاری صفحہ ۷۶۶: ج ۲ بالا اختصار) مطلب یہ ہے کہ چونکہ خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی ایک مرد کے نکاح میں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتی ہیں اس لیے پہلے سے کسی مرد کے نکاح میں بڑی ہو تو چھوٹی سے اور چھوٹی ہو تو بڑی سے اس مرد کا نکاح نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: حضرات فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ جن دو عورتوں میں ایسا رشتہ ہو کہ ان میں سے کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو دونوں کا آپس میں نکاح نہ ہو سکے ایسی دو عورتیں بھی بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَأُجَلَ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ
ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ ۗ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ

أَجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا تَرَضِيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۳۳﴾

اور حرام ہیں وہ عورتیں جو کسی مرد کے نکاح میں ہوں سوائے ان عورتوں کے جن کے تم مالک ہو جاؤ۔ اللہ نے ان احکام کو تم پر فرض فرما دیا ہے، اور تمہارے لیے حلال کی گئیں ہیں وہ عورتیں جو ان کے علاوہ ہیں کہ تم اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو اس حال میں کہ تم پاک دامنی اختیار کرنے والے ہو، پانی بہانے والے نہ ہو، سوان میں سے جن عورتوں سے نفع حاصل کر لو ان کے مہر دے دو جو مقرر ہو چکے ہیں اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ مقرر مہر کے بعد آپس کی رضامندی سے کسی بات پر راضی ہو جاؤ بلاشبہ اللہ علیم ہے حکیم ہے

جو عورت کسی کے نکاح میں ہو اس سے نکاح کرنے کی حرمت

محرمات بالسبب میں وہ عورتیں بھی ہیں جو کسی مرد کے نکاح میں ہوں یعنی جب کسی عورت کا کسی مرد سے نکاح ہو گیا ہو اگرچہ رخصتی ابھی نہ ہوئی ہو تو اس کا نکاح کسی دوسرے مرد سے نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ عورت اپنے شوہر کے نکاح سے نہ نکلے اس کا شوہر مر جائے یا طلاق دیدے اور پھر اس کی عدت گزر جائے تب کسی دوسرے مرد سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے، اس کے بغیر نہیں ہو سکتا اسی کو ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾ میں بیان فرمایا ہے ہاں اگر ایسی صورت پیش آئے کہ مسلمانوں کا فردوں سے جہاد کریں اور وہاں سے عورتوں کو قید کر کے لے آئیں اور امیر المؤمنین عورتوں کو باندی بنا کر مجاہدین پر تقسیم کر دے تو یہ مجاہدین بحق ملکیت (بالشرائط المعترتة) ان باندیوں سے جماع کر سکتے ہیں اگرچہ وہ اپنے شوہر دار الکفر میں چھوڑ کر آئی ہوں۔ اصول یہ ہے کہ جب دار الحرب کی عورتوں کو قید کر کے دارالاسلام میں لے آئیں تو اپنے سابقہ شوہروں کے نکاح سے نکل جاتی ہیں۔ ان کو باندی بنا کر امیر المؤمنین جس کسی مسلمان کو دے دے وہ ان سے جماع کر سکتا ہے شرط اور قیود کے لیے کتب فقہ کی مراجعت کر لی جائے۔

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾ کے بعد جو ﴿إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ فرمایا ہے اس استثناء میں ان ہی عورتوں کا ذکر ہے جو دار الحرب سے قید کر کے لائی گئی ہوں اور ان کے شوہر وہیں دار الحرب میں رہ گئے ہوں۔ (راجع صحیح مسلم صفحہ ۴۷۰) پھر فرمایا ﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَّرَاءَ ذٰلِكُمْ اِنْ تَبَتَّغُوا بِاَمْوَالِكُمْ﴾ یعنی جن عورتوں سے نکاح کرنے کی حرمت اب تک بیان ہوئی ان کے علاوہ دوسری عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں، مثلاً خالہ اور چچا کی لڑکی، ماموں زاد اور پھوپھی زاد بہن یا ماموں اور چچا کی بیوی جس کی عدت ماموں یا چچا کی وفات یا طلاق کے بعد گزر جائے، بشرطیکہ اور کوئی رشتہ یا کوئی سبب حرمت کا موجود نہ ہو، لفظوں کے عموم میں بہت سی صورتیں ہیں، اور اسی عموم میں بعض استثناء کی صورتیں بھی ہیں ان میں سے بعض گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہیں، اور بعض فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

مہروں کے ذریعہ ازواج طلب کرو:

﴿اِنْ تَبَتَّغُوا بِاَمْوَالِكُمْ﴾ میں یہ بتایا ہے کہ اپنے مالوں کے ذریعہ نکاح میں لانے کے لیے عورتوں کو تلاش کرو (جن سے نکاح کرنا حلال ہو) اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں مہر ہونا ضروری ہے اگر مرد عورت بلا مہر کے آپس میں نکاح کے راضی ہو جائے تب بھی مہر لازم ہوگا جس کی کم سے کم مقدار حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک دس درہم ہے، اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ کیا گیا ہو، نکاح تب بھی ہو جائے گا لیکن مہر پھر بھی دینا ہوگا، جس کی تفصیل سورۃ بقرہ کے رکوع نمبر ۳۱ کے ذیل میں بیان کی گئی ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَبِنِ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ
 فَتْيَتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَإِنْ كُنْتُمْ بِأَذْنِ أَهْلِهِنَّ
 وَاتَّوَهُنَّ أَجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرِ مُسْفِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ فَإِذَا
 أُحْصِنَ فَإِنَّ اتَّيْنَنَّ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ذَٰلِكَ لِمَنْ
 خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ١٥

اور تم میں جس شخص کو اس کا مقدور نہ ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرے تو آپس کی ایمان والی باندیوں سے نکاح کر لے جو تمہاری
 مملوکہ ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے ایمان کو تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو، سو تم مذکورہ باندیوں سے ان کے مالکوں کی
 اجازت سے نکاح کر لو اور انہیں ان کے مہر بہتر طریقہ پر دیدو، یہ منکوحہ باندیاں نہ علانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ طریقہ پر
 دوست بنانے والی ہوں پس جب وہ باندیاں نکاح میں آجائیں تو اگر کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھیں تو ان پر اس کی آدھی سزا ہے جو آزاد
 عورتوں پر ہے یہ اس کے لیے ہے جو تم میں سے زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رکھتا ہو اور یہ بات کہ تم صبر کرو بہتر ہے اور اللہ غفور ہے رحیم ہے

باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت

اپنی مملوکہ باندی سے تو (شروط و قیود کے مطابق) بلا نکاح بھی جماع کرنا جائز ہے اور اپنی باندی سے نکاح درست بھی نہیں۔ اور نہ اس کی
 حاجت ہے کیونکہ کہ اس سے جماع بھی حلال ہے اور اس سے جو اولاد ہوگی وہ بھی (حسب ضابطہ) ثابت النسب ہوگی، البتہ دوسرا کوئی مسلمان
 اپنے مسلمان بھائی کی باندی سے نکاح کرنا چاہے تو یہ نکاح کرنا درست ہے، یہ نکاح باندی کے مالک کی اجازت سے ہو سکتا ہے، اور جو مہر مقرر
 کر دیا گیا ہو وہ خوبی کے ساتھ ادا کر دیا جائے اس مہر کا مالک اس باندی کا آقا ہی ہوگا۔ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا﴾ سے یہ مفہوم ہوتا
 ہے کہ جو شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہو وہ باندی سے نکاح نہ کرے۔ چونکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مفہوم و
 صف معتبر ہے اس لیے ان کے نزدیک آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی قدرت ہوتے ہوئے کسی بھی باندی سے نکاح کرنا درست
 نہیں۔ اگر آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو تو ان کے نزدیک باندی سے نکاح کرنا جائز ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے
 نزدیک آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت ہوتے ہوئے بھی باندی سے نکاح درست ہے۔ بشرطیکہ وہ باندی مسلمہ ہو یا کتابیہ لیکن ایسا کرنا
 مکروہ ہے۔ آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی قدرت ہو تو باندی سے نکاح نہ کرے اور اگر باندی سے نکاح کرے تو مؤمنہ تلاش کرے (من
 البحر الرائق صفحہ ۱۱۳: ج ۳) یہ مفہوم شرط اور مفہوم وصف والی بحث علمی بات ہے جس کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں لکھی ہے اس کے سمجھنے
 کے لیے کسی عالم سے رجوع کر لیں۔

بات یہ ہے کہ شادی کا مقصد پاک دامن رہنا اور اولاد کا طلب کرنا ہے اولاد کی تربیت میں ماؤں کا بہت زیادہ داخل ہوتا ہے جس طرح
 بچہ ماں کی زبان سیکھتا ہے (اور اسی لیے اس کی زبان کو مادری زبان کہتے ہیں) اسی طرح سے دین و ایمان، اخلاق و آداب، اطوار و عادات بھی
 ماں سے سیکھتا ہے اور اول تو یہی کوشش رہے کہ آزاد مسلمان عورت سے نکاح کیا جائے پھر مسلمان عورتوں میں دیندار صالحہ اور تقویٰ طہارت
 والی عورت کو تلاش کیا جائے۔ اگر آزاد مسلمان عورت سے نکاح پر قدرت نہ ہو، اس کے مہر کی ادائیگی اور دیگر اخراجات کا تحمل نہ ہو تو پھر لونڈی
 سے نکاح کر لے، اس میں بھی مؤمنہ باندی کو ترجیح دی جائے۔

یہ جو فرمایا ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ﴾ اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ایمان کا خوب اچھی طرح علم ہے۔

ایمان ہی وجہ فضیلت ہے، بعض مرتبہ مومن باندی مرتبہ ایمانیہ میں آزاد عورت کے مقابلہ میں بڑھی ہوئی ہوتی ہے اس کے نکاح سے عار نہ کریں اور باندی کے آقا کی اجازت سے نکاح کریں اور جنس انسانیت کے اعتبار سے سب حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی اولاد ہیں اور کسی نے باندی سے نکاح کیا تو اپنی جنس ہی سے نکاح کیا۔

اور یہ جو فرمایا ﴿مُحْصَنَاتٍ غَيْرِ مُسْفِحَاتٍ وَلَا مَتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن باندیوں سے نکاح کر لو جو پاکدامن ہوں مسافحات (علانیہ زنا کرنے والی) اور ﴿مَتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾ (خفیہ طریقہ پر آشنا تلاش کرنے والی نہ ہوں) پاکدامن عورت ہی نکاح کے لائق ہے آزاد ہو یا باندی ہو۔

یہاں خصوصیت کے ساتھ باندیوں کے نکاح کے ذیل میں اس بات کا اس لیے تذکرہ فرمایا کہ باندیوں کی نگرانی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ کام کاج کے لیے وہ باہر جاتی ہیں۔

پھر فرمایا ﴿فَإِذَا أَحْصِنَ فَإِنَّ اتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب باندیاں نکاح میں آجائیں اور اس کے بعد زنا کا ارتکاب کر لیں تو ان کو آدھی سزا ملے گی بمقابلہ اس سزا کے جو آزاد عورتوں کے لیے مقرر ہے اگر وہ زنا کر بیٹھیں یہاں آزاد عورتوں سے غیر شادی شدہ عورتیں مراد ہیں، غیر شادی شدہ عورت اگر زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے ہے۔ اس اعتبار سے باندی اگر زنا کرے تو اس کو پچاس کوڑوں کی سزا ملے گی، شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے تو اس کی سزا رجم ہے۔ یعنی پتھروں سے مار دینا ہے، چونکہ رجم میں تنصیف نہیں ہو سکتی اس لیے اگر باندی اور غلام شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اس سے زنا سرزد ہو جائے تو پچاس کوڑے ہی لگیں گے، زنا کی سزا کا تفصیلی بیان انشاء اللہ سورۃ نور کے پہلے رکوع کی تفسیر میں لکھا جائے گا۔

آخر میں فرمایا ﴿ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنْتَ مِنْكُمْ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (کہ باندیوں سے نکاح کرنا اس شخص کے لیے ہے جو زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ رکھتا ہو، اور باوجود اجازت کے صبر کرنا بہتر ہے)۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَبِيلُوا مِيلًا
عَظِيمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾

اللہ چاہتا ہے کہ بیان فرمائے تمہارے لیے اور تم کو بتلا دے طریقے ان لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے اور یہ کہ وہ تمہاری توبہ قبول فرمائے اور اللہ علم والا ہے حکمت والا ہے۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے اور جو لوگ خواہشات نفسانیہ کے پیچھے چلتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ تخفیف کا ارادہ فرماتا ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے اور نفس کی خواہشوں کے پیچھے چلنے والے تمہیں راہ حق سے ہٹانا

چاہتے ہیں

ان آیات میں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیئے ہیں اور زندگی گزارنے کے جو طریقے بتائے ہیں اس میں تمہارا فائدہ ہے تم سے پہلے جو صالحین تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے طریقے بھی تمہیں بتائے ہیں تاکہ تم سمجھو کہ گزشتہ امتوں کے لیے بھی احکام آئے تھے اور وہ ان پر عمل کرتے تھے۔ تم کو بھی عمل کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کو تمہاری توبہ قبول کرنا منظور ہے اس نے جو بھی کچھ حکم دیا ہے تمہارے لیے اس میں خیر ہے وہ علیم ہے تمہارے انفرادی و اجتماعی اعمال کو جانتا ہے۔ اور حکیم بھی اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے (لہذا تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اس کے احکام پر چلو) اور جو لوگ نفسانی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں، جنہوں نے خواہشات ہی کو اپنا پیشوا بنا رکھا ہے وہ خود ڈوبے ہیں اور تمہارے لیے بھی یہی چاہتے ہیں کہ راہ حق سے ہٹ جاؤ اور بہت دور تک ہٹتے چلے جاؤ۔ ان لوگوں کو اپنے لیے عفت و عصمت اور حیا و شرم محبوب نہیں ہے۔ فحاشی اور شہوت پرستی ہی ان کے پیش نظر ہے یہ تم کو بھی اپنی راہ پر لانا چاہتے ہیں، تمہاری عفت و عصمت بھی ان کو کھولتی ہے اور انہیں یہ گوارا نہیں کہ تم حیا و شرم کے ساتھ زندگی گزارو، تم احکام خداوندیہ پر مضبوطی سے جمے رہو تا کہ یہ شہوت کے بندے اور خواہشوں کے غلام تمہیں اپنے راستے پر نہ ڈالیں (ناول افسانے لکھنے والے سینما میں کام کرنے والے ایکٹروں کی وی اور وی سی آر میں بے حیائی اور فحاشی کے مناظر سامنے لانے والے سب ہی عفت و عصمت کے دشمن ہیں)۔

احکام شرعیہ میں انسانی کمزوریوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے:

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تمہارے لیے احکام میں تخفیف فرمائے یعنی آسانی فرمائے۔ اس نے انسان کو پیدا فرمایا ہے۔ انسان کا ضعف اور انسان کی کمزوری اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ان کمزوریوں کا احکام میں لحاظ رکھا ہے اور ایسے احکام دیئے ہیں جو بندہ کی قدرت سے باہر نہیں ہیں، اول تو نکاح کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اس کا حکم دیا، اور ایک سے لے کر چار بیویوں تک کی اجازت دی اور عورتوں کے لیے مہر مقرر فرمانے کا حکم دیا تا کہ معاشرہ میں عورت کی بھی حیثیت و عزت قائم رہے اور مردوں کی باندیوں سے استمتاع کرنے کی بھی اجازت دی مملوکہ ہوں یا منکوحہ یہ سب آسانیاں ہیں جن کی انسان کو حاجت ہے احکام نکاح کے علاوہ دوسرے احکام میں بھی آسانیاں رکھی ہیں، اور کوئی حکم ایسا نہیں دیا جس کی تعمیل انسان کے بس سے باہر ہو، البتہ انسان کو شتر بے مہار کی طرح آزاد بھی نہیں چھوڑا جو مرد جس عورت سے چاہے استمتاع کرے اس کی اجازت نہیں دی کیونکہ یہ تو حیوانی زندگی ہے اگر سب کچھ حلال کر دیا جائے تو انسان اور حیوان میں فرق ہی کیا رہے گا؟ اس طرح سے تو انسانیت کا شرف ہی ختم ہو جائے گا جس پر پابندی نہیں وہ تو انسان ہی نہیں۔

شہوت پرستوں کا طریق کار:

جو لوگ شہوتوں کے بندے ہیں انہیں انسانیت محبوب و مرغوب ہی نہیں وہ تو انسان ہو کر پچھتا رہے ہیں اور نفس کے مزہ کے لیے محض حیوانیت پر اتر آئے ہیں۔

یورپ، امریکہ میں بے ہودگی، فحاشی، زنا کاری کا جو سیلاب آیا ہوا ہے، چھوٹے بڑے حاکم و محکوم اور ہر طبقہ کے لوگ اس میں بہہ چکے ہیں، حکومتوں کا یہ حال ہے کہ کوئی قانون بناتے ہیں پھر جب دیکھتے ہیں کہ عوام اس کے مطابق نہیں چلتے تو قانون کو بدل دیتے ہیں۔ تھوڑا بہت جو قانون کا بھرم باقی ہے تو صرف اتنا سا ہے کہ زنا بالجبر ممنوع ہے۔ آپس کی خوشی سے زنا کاری جتنی مرتبہ بھی ہو جائے اس پر ان کے نزدیک کوئی مواخذہ نہیں، اور اب استلذاذ بالمثل کا قانون پاس کر دیا ہے ان شہوت پرستوں کے نزدیک عورت عورت سے اور مرد مرد سے استمتاع کر سکتا ہے، اور خلاف فطرت قضائے شہوت میں ان کے بڑے لوگ بھی مبتلا ہیں (دینی بڑے ہوں یا دیناوی ذمہ دار ہوں) ایسے پارک ہیں جن میں کسی عمل پر کوئی پابندی نہیں، اس پارک میں اعلانیہ طور پر مرد اور عورت جو فعل کرے ان کے یہاں اس پر قانون کی کوئی گرفت نہیں ہے۔ قرآن مجید میں جو ﴿وَيَا كُلُّونَ وَ يَتَمَتَّعُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ فرمایا ہے کہ اس کے پورے پورے مصداق بنے ہوئے ہیں۔

جن ملکوں میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں وہاں بھی بہت سے لوگ یورپ اور امریکہ کے حیوانوں کی طرح جنسی خواہشات پورا کرنے کے متوالے ہیں، یہ لوگ نہ صرف یہ کہ خود بے حیائیوں فحاشیوں اور زنا کاریوں میں مبتلا ہیں بلکہ باقاعدہ ان کی سوسائٹیاں بنی ہوئی ہیں جن کی

برابر اور مستقل یہ کوشش ہے کہ نکاح اور حیا و شرم کو بالائے طاق رکھ دیا جائے ایسے جرائم و نفع روزه اور ماہنامے جاری ہیں جن میں بے حیائی کے کاموں کو اچھالا جاتا ہے۔ ننگی تصویریں شائع کی جاتی ہیں جذبات نفسانیہ کو ابھارا جاتا ہے اور ایسی انجمنیں بنی ہوئی ہیں جو عامۃ المسلمین کو بے حیائی اور زنا کاری کے غار میں دھکیلنے کی پوری کوشش کر رہی ہیں، ننگوں کے کلب ہیں زنا کاری کے اڈے ہیں ان کی سرپرستی کی جاتی ہے، فاحشہ عورتوں کو حکومتیں لائسنس دیتی ہیں، پہلے تو اتنا ہی تھا کہ سینما ہال میں معاشرت کے نظارے کیے جاتے تھے اور ننگی سے ننگی اور گندی سے گندی فلمیں بنوا کر سینماؤں کے مالکان خوش ہوتے تھے (کیونکہ اس میں ذریعہ آمدنی بہت زیادہ ہے) اور اب تو گھر گھر عشقیہ فلمیں اور ڈرامے دیکھے جا رہے ہیں، ٹی وی پروگراموں نے اور وی سی آر (ویڈیو کیسٹ ریکارڈر) نے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک سب کے جذبات میں تلاطم پیدا کر دیا ہے، بے حیائی باپ بچوں کے ساتھ بیٹھ کر یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور بچوں کو دکھاتے ہیں جن حکومتوں کے سربراہوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ہماری اسلامی حکومت ہے ان کے ٹی۔وی پروگراموں اور یورپ امریکہ کے پروگراموں میں کوئی فرق نہیں، وی سی آر بازاروں میں فروخت ہو رہے ہیں، دینداری کے دعویدار بھی اپنے بچوں کو اس سے منع نہیں کرتے۔ پورا معاشرہ عریانی و فحاشی کی راہ سے گزر رہا ہے۔ پرانے قسم کے جو کچھ لوگ باقی ہیں وہ نئی نسل کے نوجوانوں کو کھلتے ہیں اور قرآن و حدیث کی عفت و عصمت کی تعلیم نوجوانوں کو پسند نہیں ہے بے حیائی کے داعیوں نے عامۃ الناس کو اس سطح پر لا کر کھڑا کر دیا ہے کہ پیچھے مڑنے اور حیا و شرم اختیار کرنے کے لیے بہت بڑی محنت کی ضرورت ہے۔ گزشتہ زمانوں میں کوئی شخص زنا کرتا تو چھپ کر کرتا تھا اور اس طرح کا پیشہ کرنے والی عورتوں کو بھی بری نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ معاشرہ میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ تھی لیکن آج تو عفت و عصمت حیا و شرم عیب بن گئی ہے اور بے حیائی اور فحاشی و عریانی ہنر اور کمال سمجھی جا رہی ہے اور اسے معاشرہ کا جزو اعظم سمجھا جاتا ہے۔

حیاء و شرم نبیاء کرام ﷺ کے اخلاق عالیہ میں سے ہیں:

عفت و عصمت اور حیا و شرم کی تمام انبیاء کرام نے اپنی اپنی امتوں کو تعلیم دی ہے اور یہ اہل ایمان کا شعار ہے، حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں حضرات انبیاء ﷺ کے طریقہ زندگی میں سے ہیں۔ (۱) حیا (۲) تطہر (یعنی خوشبو لگانا) (۳) مسواک کرنا (۴) نکاح کرنا۔ (رواہ الترمذی فی اول کتاب النکاح) نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر دین کا ایک خاص مزاج ہے اور دین اسلام کا مزاج حیا ہے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حیا اور ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں جب ان میں سے ایک چھین لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی چلا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲)

آنحضرت ﷺ نے سچ فرمایا (نظروں کے سامنے ہے کہ) جن قوموں میں حیا نہیں ان میں ایمان نہیں اور جو قوموں میں مسلمان ہونے کی دعویٰ ہیں ان میں جیسے جیسے بے حیائی بڑھ رہی ہے ویسے ویسے ایمان اور ایمانیات سے محروم ہوتے جا رہے ہیں، یورپ اور امریکہ میں جو مسلمان جا کر رہے ہیں ان میں جو تھوڑا بہت ایمان و اسلام تھا وہ ان کی نسلوں میں وہاں برباد ہو رہا ہے، شریعت اسلامیہ نے عفت و عصمت کے لیے جو قانون بنائے اور ان کی حفاظت کے لیے جو پابندیاں رکھی ہیں ان میں پہلی پابندی نظر پر ہے اور بد نظری کو حرام قرار دیا ہے، نیز عورتوں کے لیے پردہ لازمی قرار دیا ہے۔ عورتوں کو گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے جو کوئی عورت خوشبو لگا کر باہر نکلے اسے زنا کار قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس پر نظریں ڈالنے لگتا ہے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۶۹) تعجب ان لوگوں پر ہے جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور ساتھ ہی بے حیاء بھی ہیں اور عفت و عصمت کے دشمن بھی ہیں جو لوگ عفت و عصمت کے دشمن ہیں عام مسلمانوں کو بڑی حد تک بے حیائی پر ڈال چکے ہیں ان کی کوششیں جاری ہیں کہ مسلمان بالکل ہی عفت و عصمت اور

حیاء و شرم سے ہاتھ دھو بیٹھیں ولقد صدق اللہ تعالیٰ ﴿وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا﴾ اللہ تعالیٰ کی بات نہ ماننا اور دشمنوں کی راہ اختیار کرنا یہ کیسی مسلمانی ہے؟

فَاللَّهُ يَهْدِيهِمْ وَيُفَقِّهُهُمْ لِمَا يَحِبُّ وَيَرْضَى

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَاْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدُوًّا وَإِنَّا وَظَلْمًا فَسَوْفَ نُصَلِّيهِ نَارًا ۗ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مالوں کو ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی تجارت آپس کی رضا مندی سے ہو، اور مت قتل کرو اپنی جانوں کو، بے شک اللہ تم پر بہت بڑا مہربان ہے اور جو شخص زیادتی اور ظلم اختیار کرے گا سو عنقریب ہم اسے دوزخ میں داخل کر دیں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

باطل طریقے پر مال کھانے کی ممانعت اور تجارت کا اصول

اس آیت کریمہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ پر نہ کھاؤ صاحب معالم التنزیل صفحہ ۷۴: ج ۱ پر لکھتے ہیں بالحرام یعنی بالربوا و القمار والغصب والسرقة والخيانة ونحوها وقيل هو العقود الفاسدة (یعنی باطل سے مراد یہ ہے کہ حرام طریقہ پر ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ مثلاً سود لے کے جوئے بازی کے طریقے سے اور چھین کر، چوری کر کے، خیانت کر کے اور اسی طرح کے دوسرے غیر شرعی طریقوں سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے عقود فاسدہ مراد ہیں یعنی خرید و فروخت اور اجارہ وغیرہ کے وہ طریقے جو شرعاً فاسد ہیں ان کے ذریعہ ایک دوسرے کا مال حاصل نہ کرو۔ لفظ باطل بہت عام ہے مال حاصل کرنے کا ہر وہ طریقہ جو شرعاً جائز نہ ہو وہ سب باطل کے عموم میں داخل ہے۔

پھر ﴿إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ فرماتے ہوئے تجارت کے ذریعہ مال حاصل کرنے کو جائز قرار دیا اور ساتھ ہی عن تراض کی بھی قید لگادی یعنی تجارت کے ذریعہ بھی وہ مال حاصل کرنا حلال ہے جو آپس کی رضا مندی سے ہو۔ خریدار یا صاحب مال دونوں کسی معاملہ پر راضی ہو جائیں اور یہ رضا مندی خوش دلی سے ہو تو لین دین جائز ہے کسی فریق کو خریدنے یا بیچنے پر مجبور نہ کیا جائے بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ کسی کی چیز اٹھا کر چل دیتے ہیں یہ غصب یا لوٹ مار ہے اور بعض لوگ صاحب مال کو کچھ پیسے دے دیتے ہیں۔ اول تو وہ بیچنے پر راضی نہیں ہوتا اور اگر راضی ہو جائے تو اتنی قیمت نہیں دیتے جس پر وہ خوش دلی سے راضی ہو زبردستی کسی کی چیز لے لینا یا اپنے پاس سے خود قیمت تجویز کر کے دے دینا جس سے صاحب مال راضی اور خوش نہ ہو تو یہ سب حرام ہے۔

چند غیر شرعی معاملات کا تذکرہ:

جتنے بھی غیر شرعی معاملات ہیں ان کے ذریعہ جو مال حاصل ہوگا وہ باطل طریقے پر کھانے میں شمار ہوگا، شراب، خنزیر اور مردار کی بیع حرام ہے، رشوت لینا حرام ہے جو پیسہ اس ذریعہ سے ملے وہ بھی حرام ہے جو چیز اپنی ملکیت میں نہیں اس کی بیع باطل ہے، پرندہ کی بیع جبکہ وہ اڑ رہا ہے اور مچھلی کی بیع جبکہ وہ سمندر میں ہو یہ بھی بیع باطل ہے، اگر مال مثلاً سو روپے کا لیا ہو اور خریدار سے یوں کہے کہ میں نے ایک سو دس میں لیا ہے اور تمہیں اصل دام پر دیتا ہوں، یہ بھی حرام ہے اس میں جھوٹ بھی ہے اور فریب بھی۔ کرایہ پر مکان، دکان کا دینا لینا بھی ایک قسم کی تجارت ہے اس میں بھی باہمی رضا مندی شرط ہے بہت سے لوگ کسی کے خالی مکان کو دیکھ کر قبضہ کر لیتے ہیں پھر صاحب مکان کو مجبور کرتے ہیں کہ

کرایہ لے لو اگر وہ کرایہ لینا منظور کرے تو اپنا منہ بولا کرایہ دینے پر مجبور کرتے ہیں وہ مجبور ہو کر بددلی کے ساتھ تھوڑا کرایہ منظور کر لیتا ہے، یہ بھی حرام ہے اور بعض لوگ حکومتوں کے غیر شرعی قانون کی آڑ لیتے ہیں۔ حکومتوں کا قانون ہے کہ کرایہ دار سے خالی نہیں کرا سکتے، کرایہ بھی نہیں بڑھا سکتے، ایسے قانون بنانا اور ایسے قانون کو استعمال کر کے مالک مکان کو نقصان پہنچانا یہ بھی حرام ہے۔ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ مال ایک ہزار کا خرید اور دکاندار سے کیش میموبارہ سو کا بنوا لیا پھر جب کوئی شخص خریدنے آیا تو اس کو وہ کیش میموبارہ کرایہ باور کرا دیا کہ یہ مال ہم نے بارہ سو میں خریدا ہے لہذا تم دام کے دام خرید لو یا سو روپیہ نفع دے کر لے لو۔ یہ سب دھوکہ دہی ہے اور حرام ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (اپنی جانوں کو قتل نہ کرو) اس کی تفسیر بعض مفسرین نے یوں فرمایا ہے کہ حرام مال کھا کر اپنی جانوں کو قتل نہ کرو (کیونکہ آخرت کا عذاب دنیاوی قتل کی تکلیف سے کہیں زیادہ ہے) اور بعض حضرات نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ﴿لَا يَقْتُلُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس میں خودکشی کی ممانعت فرمائی ہے (معالم التنزیل صفحہ ۴۱۸) چونکہ الفاظ میں عموم ہے اس لیے آیت کا مفہوم ان سب کو شامل ہے۔

اس زمانہ میں قتل و غارت کی بہت کثرت ہے، مسلمان مسلمان کو قتل کرتا ہے، لسانی اور صوبائی عصبیتوں اور طرح طرح کی جاہلانہ باتوں کی وجہ سے خوزیزی کا بازار گرم ہے دشمنوں نے مسلمانوں کو آپس کے جنگ و جدال پر آمادہ کر رکھا ہے بظاہر دنیاوی مفاد سامنے آتا ہے، اس لیے بے تحاشا قتل کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں، اس بارے میں جو وعیدیں ہیں سورہ نساء کی آیت ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا﴾ (الآیۃ رکوع ۱۴) کے ذیل میں انشاء اللہ بیان ہوں گی۔

خودکشی کا گناہ:

جیسا کہ کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے اپنی جان کو قتل کرنا بھی حرام ہے، یہ جان اس ذات پاک کی ملکیت ہے جس نے جان بخشی ہے کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی بھی طرح خودکشی کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے پہاڑ سے گر کر خودکشی کر لی وہ دوزخ کی آگ میں ہوگا، ہمیشہ ہمیشہ اس میں چڑھتا اور گرتا رہے گا، اور جس شخص نے زہری کر خودکشی کر لی اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا دوزخ کی آگ میں وہ ہمیشہ ہمیشہ اس کو پیتا رہے گا، اور جس شخص نے کسی لوہے کی چیز سے خودکشی کر لی اس کا وہ لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ اس لوہے کو اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا (رواہ البخاری تلمانی مشکوٰۃ صفحہ ۲۹۹) دنیا کی مصیبتوں سے تنگ آ کر بعض لوگ خودکشی کر لیتے ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ آخرت کا عذاب اس دنیاوی تکلیف سے بہت زیادہ ہے۔

آخر میں فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے اس نے جو احکام بھیجے ہیں ان کو اپنے حق میں خیر سمجھو، ان احکام کی تعمیل میں تمہارے لیے دنیا و آخرت کی خیر ہے، جس حکم کی تعمیل میں تکلیف محسوس ہوتی ہو ہمت کر کے اس کی بھی تعمیل کرو کیونکہ حکم کی خلاف ورزی میں تمہارے لیے سراپا ضرر ہے اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے ہیں ان میں تمہیں نقصان اور ضرر سے بچایا ہے۔

دوسری آیت میں قتل نفس کی وعید بتائی اور ارشاد فرمایا ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصَلِّيْهِ نَارًا﴾ کہ جو شخص زیادتی اور ظلم کے طور پر کسی جان کو قتل کرے، ہم اس کو دوزخ میں داخل کریں گے، بعض صورتوں میں قتل کرنے کا جو شرعی جواز ہے اس سے آگے بڑھ جا اور حد و شرعی سے نکل کر کسی کو قتل کر دینا حرام ہے، قتل نفس کی سزا جہنم کا داخلہ ہے، اللہ تعالیٰ کو سب پر قدرت ہے کوئی اس کی قدرت سے باز نہیں اور اس کے ملک سے کوئی نہیں نکل سکتا نہ موت سے پہلے نہ موت کے بعد، اللہ تعالیٰ کو سب کچھ آسان ہے، اور ہر طرح کی قدرت ہے جس کو جیسے چاہے سزا دے سکتا ہے۔

إِنْ تَجْتَنِبُوا كِبَا بِرِمَاتِهِمْ عَنْهُ نَكْفُرْ عَنْكُمْ سَيَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مَدْخَلًا كَرِيمًا ﴿۳۱﴾

جن چیزوں سے تمہیں منع کیا جاتا ہے، اگر ان میں سے بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کرو گے تو ہم تمہارے گناہوں کا کفارہ کر دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ میں داخل کریں گے۔

تکفیر سیئات کا وعدہ

اس آیت میں کبائر سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے اور صغائر کو معاف کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، اور بتایا ہے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں کو معاف فرمادیں گے، دیگر نصوص کبیرہ کی بنا پر بعض علماء نے یہ اشکال کیا ہے کہ محض اجتناب کبائر سے (جن میں عدم ادائے فرائض بھی داخل ہے) اگر صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں تو جتنے بھی صغائر ہیں بظاہر نتیجہ کے طور پر مباح کا درجہ لے لیں گے کیونکہ ان کے ارتکاب کرنے والے کو یہ یقین رہے گا کہ کبائر سے بچنے کی وجہ سے میرے تمام صغائر معاف ہیں، لہذا صغائر پر کوئی عتاب اور عذاب نہ ہوگا اور مباح ہونے کا یہی معنی ہے۔ اس اشکال کو رفع کرنے کے لیے معتزلہ کی تردید کے ذیل میں صاحب مدارک التزیل صفحہ ۲۲۲: ج ۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وتثبت المعتزلة بالاية على ان الصغائر واجبة المظفرة باجتنااب الكبائر وعلى ان الكبائر غير مفضرة باطل كان الكبائر والصغائر في مشية الله تعالى سواء ان شاء عذب عليهما وان شاء عفا عنهما لقوله تعالى ان الله لا يفر ان يشرك به و يغفر مادون ذلك لمن يشاء فقد وعد المظفرة لمادون الشرك وقرنها بمشيته تعالى وقوله ان الحسنات يذهبن السيئات فهذه الاية تدل على ان الصغائر والكبائر يجوز ان يذهبا بالحسنات لان لفظ السيئات يطلق عليهما۔

مطلب یہ ہے کہ وعدہ مغفرت تو ہے لیکن مشیت الہی پر موقوف ہے وہ جس گناہ کو چاہے گا معاف فرمادے گا۔ اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ یہاں کبائر ماتنہون عنہ سے وجوہ کفر مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ تمام وجوہ کفر سے اجتناب کرو گے یعنی مسلمان رہو گے تو تمہارے سب گناہ معاف کرنے کا وعدہ ہے، کفر کے علاوہ جو باقی گناہ ہیں وہ چونکہ کفر کے مقابلہ میں صغائر ہیں (اگرچہ فی نفسہ ان میں بھی فرق مراتب ہے ان میں صغیرہ بھی ہیں اور کبیرہ بھی) ان کے معاف فرمانے کا وعدہ فرمایا، لیکن یہ وعدہ تحت المشیة ہے اور اس آیت کا مفہوم اور آیت کریمہ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ کا ایک ہی مفہوم ہے۔

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وقیل المراد بها انواع الكفر بدلیل قراءۃ عبد اللہ کبیر ماتنہون عنہ وهو الكفر علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ بات کہی ہے اور جمع والی قرأت (کبائر ماتنہون عنہ) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے اجناس کفر مراد ہیں پھر فرماتے ہیں: والایة التي قيدت الحكم فتد اليها هذه المطلقات كلها قوله تعالى ويغفر مادون ذلك لمن يشاء۔ (صفحہ ۱۹۵: ج ۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الصلوات الخمس والجمعة الى الجمعة ورمضان الى رمضان مكفرات لما بينهن اذا اجتنبت الكبائر (یعنی پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک اپنے درمیانی وقفہ کے گناہوں کا کفارہ کرنے والے ہیں جبکہ بڑے گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔) (صحیح مسلم صفحہ ۲۲۱: ج ۱)

اور صحیح مسلم صفحہ ۱۲۱: ج ۱ کی ایک حدیث مرفوع میں یوں ہے کہ ما من امرء مسلم تحضره صلوة مكتوبة فيحسن وضوءها وخشوعها وركوعها الا كانت كفارة لما قبلها من الذنوب ما لم يؤت كبيرة (یعنی جس مسلمان کی موجودگی میں فرض نماز کا وقت ہو گیا اور اس نے اچھی طرح وضو کیا اور اس کا رکوع سجود بھی اچھی طرح ادا کیا تو اس سے اس کے پیچھے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا، جب تک کہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو۔)

ان حدیثوں میں بظاہر وہی بات ہے کہ جب بڑے گناہوں سے پرہیز کیا جائے گا تو نیکیوں سے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا، لیکن علامہ نووی شرع مسلم میں لکھتے ہیں:

معناه ان الذنوب كلها تغفر الا الكبائر فانها لا تغفر وليس المراد ان الذنوب تغفر مالم تكن كبيرة فان كانت لا يغفر شئ من الصغائر فان هذا وان كان محتملا فسياق الحديث ياباه قال القاضي عياض هذا المذکور فی الحديث من غفران الذنوب مالم یوت كبيرة هو مذهب اهل السنة وان الكبائر انما یغفرها التوبة ورحمة الله تعالیٰ وفضله والله اعلم۔ (شرح صحیح مسلم صفحہ ۱۲۱: ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کے ذریعہ جو گناہ معاف ہونے کا وعدہ ہے یہ صغیرہ گناہوں سے متعلق ہے کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہ ہوں گے، اور یہ مطلب نہیں ہے کہ بڑے گناہ نہ ہوں تو چھوٹے گناہ معاف ہوں گے، ظاہری الفاظ میں اس معنی کا احتمال تو ہے لیکن حدیث کا سیاق اس سے انکار کرتا ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث میں گناہوں کی مغفرت کا ذکر ہوا کہ جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو صغائر معاف کر دیئے جائیں گے یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے، اور کبار صرف توبہ سے یا اللہ کی رحمت و فضل سے معاف ہوں گے، بظاہر آیت شریفہ ﴿إِنْ تَحْتَبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ﴾ اور حدیث اذا اجتنبت الكبائر اور مالم یوت كبيرة سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ بڑے گناہوں کے ہوتے ہوئے چھوٹے گناہوں کا کفارہ نہ ہوگا، لیکن علامہ نووی فرماتے ہیں کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں اگرچہ محتمل ہے، امام نووی نے جو بات فرمائی ہے اور جو بات قاضی عیاضی سے نقل کی ہے اور جو کچھ علامہ نسفی نے لکھی ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے آیت اور حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم چاہیں گے تو تمہارے سارے گناہوں کا کفارہ کر دیں گے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو (کبیرہ گناہوں کا کفارہ نہ ہوگا کیونکہ ان کی مغفرت اور کفارہ کے لیے توبہ شرط ہے)۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی بات ان نصوص کی وجہ سے دل کو لگتی ہے جن میں اعمال صالحہ کے ذریعہ گناہوں کے کفارہ کا تذکرہ ہے اور اس میں کبیرہ گناہوں سے بچنے کی کوئی قید یا شرط نہیں سورۃ ہود میں فرمایا ہے ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (کہ بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے واقعہ کی خبر دی تو اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَاقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ نازل فرمائی اس شخص نے عرض کیا کہ یہ بشارت میرے ہی لیے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میری امت کے تمام افراد کے لیے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۸: ج ۱) آیت بالا کے الفاظ میں جو عموم ہے اس سے بھی یہ معلوم ہو رہا ہے کہ نیکیوں کے ذریعہ گناہ معاف ہوتے ہیں اور بے شمار احادیث میں ان نیکیوں کا ذکر ہے جن کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔

لفظ ﴿إِنْ تَحْتَبُوا﴾ سے شرط معلوم ہو رہی ہے اس کے بارے میں جو اکابر نے فرمایا ہے وہ ہم نے لکھ دیا ہے، بعض حضرات نے اور بھی توجیہات کی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آیت کا تعلق گزشتہ آیت سے ہے، گزشتہ آیت میں یہ فرمایا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل ذریعہ سے مت کھاؤ اب یہاں یہ بات فرمائی کہ باطل مال لینے کے لیے کوئی شخص چلا جس کا ارادہ مثلاً غصب کرنے یا چوری کرنے کا تھا پھر وہ غصب یا چوری کرنے سے پہلے ہی گناہ کے ارادہ سے باز آ گیا تو ارتکاب کبیرہ کے لیے جو وہ اپنے گھر سے روانہ ہوا یہ روانگی اور وہ سب گناہ معاف ہو گئے جو غصب یا چوری کے ارتکاب کے لیے کیے تھے جب اس نے چوری اور غصب کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دیا تو اس سلسلہ میں جو عمل کیے تھے وہ بھی معاف ہو گئے۔

اور بعض حضرات نے یوں فرمایا کہ ﴿إِنْ تَحْتَبُوا﴾ میں مفہوم شرط معتبر نہیں یعنی کبار سے اجتناب کرنے کی وجہ سے تو صغیرہ گناہ معاف ہوں گے لیکن عدم اجتناب کبار سے صغیرہ معاف نہ ہوں اس پر اس کی دلالت نہیں ہے۔

کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟

کبیرہ گناہ کون سے ہیں اس کے بارے میں حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الکبائر کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اس میں

انہوں نے فرمایا ہے کہ ان کی تعین میں حضرات علماء کے مختلف اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ کبیرہ گناہ سات ہیں جنہیں بخاری و مسلم کی حدیث اجتنبوا السبع الموبقات میں بیان فرمایا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ کبیرہ گناہ ستر کے قریب ہیں، پھر فرمایا ہے کہ جس حدیث میں سات گناہوں کا ذکر ہے اس میں حصر مقصود نہیں ہے، بلکہ اس میں بہت بڑے بڑے گناہوں کا تذکرہ فرما دیا ہے، نیز یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو کبیرہ گناہ ہیں ان میں خود فرق مراتب ہے، بعض بعض سے بڑے ہیں۔

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں صفحہ ۱۵۹: ج ۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر دوزخ کے داخلے کی یا اللہ کے غصے کی یا لعنت کی یا عذاب کی وعید آئی ہو، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ کبیرہ گناہ سات سو کے قریب ہیں، ساتھ ہی ان کا یہ مقولہ بھی نقل کیا ہے لا کبیرة مع استغفار ولا صغیرة مع اصرار یعنی جب استغفار ہوتا رہے تو کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا۔ (بشرطیکہ استغفار سچے دل سے ہو، زبانی جمع خرچ نہ ہو) اور صغیرہ پر اصرار ہوتا رہے تو پھر وہ صغیرہ نہیں رہتا۔ پھر لکھتے ہیں:

وقد اختلف الناس فی تعدادها وحصرها اختلاف الآثار فیها، و الذی انزل انه قد جاء ت فیها احادیث کثیرة

صحاح و حسان لم یقصد به الحصر و لكنها بعضها اکبر من بعض الی ما یکثر ضرره و الی آخر مقال۔

حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب میں ستر گناہ لکھے ہیں اور ان کے بارے میں جو وعیدیں ہیں وہ بھی درج کی ہیں۔ ان کی کتاب کا مراجعہ کر لیا جائے۔

کبیرہ گناہوں کی فہرست:

اجمالی طور پر ہم حافظ ذہبی کی کتاب سے کبیرہ گناہوں کی فہرست لکھتے ہیں:

- (۱) شرک اور شرک کے علاوہ وہ عقائد و اعمال جن سے کفر لازم آتا ہے (کفر و شرک کی مغفرت کبھی نہ ہوگی۔ کما جاء مقصراً فی کتاب اللہ تعالیٰ)
- (۲) کسی جان کا عداً قتل کرنا۔
- (۳) جادو کرنا۔
- (۴) فرض نماز کو چھوڑنا یا وقت سے پہلے پڑھنا۔
- (۵) زکوٰۃ نہ دینا۔
- (۶) بلا رخصت شرعی رمضان شریف کا کوئی روزہ چھوڑنا یا رمضان کا روزہ رکھ کر بلا عذر توڑ دینا۔
- (۷) فرض ہوتے ہوئے حج کیے بغیر مرجانا۔
- (۸) والدین کو تکلیف دینا اور ان امور میں ان کی نافرمانی کرنا جن میں فرمانبرداری واجب ہے۔
- (۹) رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا۔
- (۱۰) زنا کرنا۔
- (۱۱) غیر فطری طریقے پر عورت سے جماع کرنا یا کسی مرد یا لڑکے سے اغلام کرنا۔
- (۱۲) سود کا لین دین کرنا یا سود کا کاتب یا شاہد بننا۔
- (۱۳) ظلماً یتیم کا مال کھانا۔
- (۱۴) اللہ پر یا اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ بولنا۔
- (۱۵) میدان جہاد سے بھاگنا۔

- (۱۶) جو اقتدار اعلیٰ پر ہو اس کا رعیت کو دھوکہ دینا اور خیانت کرنا۔
- (۱۷) تکبر کرنا۔
- (۱۸) جھوٹی گواہی دینا یا کسی کا حق مارا جا رہا ہو تو جانتے ہوئے گواہی نہ دینا۔
- (۱۹) شراب پینا یا کوئی نشہ والی چیز کھانا پینا۔
- (۲۰) جوا کھیلنا۔
- (۲۱) کسی پاکدامن عورت کو تہمت لگانا۔
- (۲۲) مال غنیمت میں خیانت کرنا۔
- (۲۳) چوری کرنا۔
- (۲۴) ڈاکہ مارنا۔
- (۲۵) جھوٹی قسم کھانا۔
- (۲۶) کسی بھی طرح سے ظلم کرنا۔ (مار پیٹ کر ہو یا ظلماً مال لینے سے ہو یا گالی گلوچ کرنے سے ہو)
- (۲۷) ٹیکس وصول کرنا۔
- (۲۸) حرام مال کھانا پینا یا پہننا یا خرچ کرنا۔
- (۲۹) خودکشی کرنا یا اپنا کوئی عضو کاٹ دینا۔
- (۳۰) جھوٹ بولنا۔
- (۳۱) قانون شرعی کے خلاف فیصلے کرنا۔
- (۳۲) رشوت لینا۔
- (۳۳) عورتوں کا مردوں کی پامردوں کا عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا (جس میں ڈاڑھی موٹنا بھی شامل ہے)
- (۳۴) اپنے اہل و عیال میں فحش کام یا بے حیائی ہوتے ہوئے دور کرنے کی فکر نہ کرنا۔
- (۳۵) تین طلاق ہوئی عورت کے پرانے شوہر کا حلالہ کروانا اور اس کے لیے حلالہ کر کے دینا
- (۳۶) بدن میں یا کپڑوں میں پیشاب لگنے سے پرہیز نہ کرنا۔
- (۳۷) دکھاوے کے لیے اعمال کرنا۔
- (۳۸) کسب دنیا کے لیے علم دین حاصل کرنا اور علم دین کو چھپانا۔
- (۳۹) خیانت کرنا۔
- (۴۰) کسی کے ساتھ حسن سلوک کر کے احسان جتانا۔
- (۴۱) تقدیر کو جھٹلانا۔
- (۴۲) لوگوں کے خفیہ حالات کی ٹوہ لگانا، تجسس کرنا اور کنسوئی لینا۔
- (۴۳) چغلی کھانا۔
- (۴۴) لعنت بکنا۔
- (۴۵) دھوکہ دینا اور جو عہد کیا ہو اس کو پورا نہ کرنا۔
- (۴۶) کاہن اور منجم (غیب کی خبریں بتانے والے) کی تصدیق کرنا۔

- (۴۷) شوہر کی نافرمانی کرنا۔
- (۴۸) تصویر بنانا یا گھر میں لٹکانا۔
- (۴۹) کسی کی موت پر نوحہ کرنا۔ منہ پیٹنا، کپڑے پھاڑنا۔ سر منڈانا ہلاکت کی دعا کرنا۔
- (۵۰) سرکشی کرنا، اللہ کا باغی ہونا، مسلمان کو تکلیف دینا۔
- (۵۱) مخلوق پر دست درازی کرنا۔
- (۵۲) پڑوسی کو تکلیف دینا۔
- (۵۳) مسلمانوں کو تکلیف دینا اور ان کو برا کہنا۔
- (۵۴) خاص کر اللہ کے نیک بندوں کو تکلیف دینا۔
- (۵۵) ٹخنوں پر یا اس سے نیچے کوئی کپڑا پہننا ہوالٹکانا۔
- (۵۶) مردوں کا ریشم اور سونا پہننا۔
- (۵۷) غلام کا آقا سے بھاگ جانا۔
- (۵۸) غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا۔
- (۵۹) جانتے بوجھتے ہوئے اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو باپ بنا لینا۔ یعنی یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں میرا باپ ہے۔ حالانکہ وہ اس کا باپ نہیں۔
- (۶۰) فساد کے طور پر لڑائی جھگڑا کرنا۔
- (۶۱) (بوقت حاجت) بچا ہوا پانی دوسروں کو نہ دینا۔
- (۶۲) ناپ تول میں کمی کرنا۔
- (۶۳) اللہ کی گرفت سے بے خوف ہو جانا۔
- (۶۴) اولیاء اللہ کو تکلیف دینا۔
- (۶۵) نماز باجماعت کا اہتمام نہ کرنا۔
- (۶۶) بغیر شرعی عذر نماز جمعہ چھوڑ دینا۔
- (۶۷) ایسی وصیت کرنا جس سے کسی وارث کو ضرر پہنچانا مقصود ہو۔
- (۶۸) مکر کرنا اور دھوکہ دینا۔
- (۶۹) مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کی ٹوہ لگانا اور ان کی پوشیدہ چیزوں پر دلالت کرنا۔
- (۷۰) کسی صحابی کو گالی دینا۔
- یہاں تک حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے اقتباس ہوا، ہم نے ترتیب سے نمبر ڈالے ہیں، بعض چیزیں مکرر بھی آگئیں ہیں اور بعض مشہور چیزیں ان سے رہ گئی ہیں۔ اور ان کی کتاب کے بعض نسخوں میں بعض چیزیں زائد ہیں (جو ذیل میں درج شدہ فہرس میں آگئی ہیں)، صغائر و کبار کے بیان میں علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی صاحب بحر الرائق رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک رسالہ ہے جو الاشباہ والنظائر کے آخر میں چھپا ہوا ہے۔ انہوں نے مزید کبیرہ گناہوں کی فہرست دی ہے جو حافظ ذہبی کی فہرست سے زیادہ ہے مثلاً۔
- (۷۱) کسی ظالم کا مددگار بننا، قدرت ہوتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کرنا۔
- (۷۲) جادو کا سیکھنا اور سکھانا یا اس پر عمل کرنا۔

- (۷۳) قرآن کو بھول جانا۔
 (۷۴) کسی حیوان کو زندہ جلانا۔
 (۷۵) اللہ کی رحمت سے ناامید ہو جانا۔
 (۷۶) مردار یا خنزیر بغیر اضطرار کے کھانا۔
 (۷۷) صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا۔
 (۷۸) گناہوں پر مدد کرنا اور ان پر آمادہ کرنا۔
 (۷۹) گانے کا پیشہ اختیار کرنا۔
 (۸۰) لوگوں کے سامنے ننگا ہونا۔
 (۸۱) ناچنا۔
 (۸۲) دنیا سے محبت کرنا۔
 (۸۳) حاکمین قرآن اور علماء کرام کے حق میں بدگوئی کرنا۔
 (۸۴) اپنے امیر کے ساتھ غدر کرنا۔
 (۸۵) کسی کے نسب میں طعن کرنا۔
 (۸۶) گمراہی کی طرف دعوت دینا۔
 (۸۷) اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرنا۔
 (۸۸) اپنے غلام کو خصی کرنا یا اس کے اعضاء میں سے کوئی عضو کاٹ دینا۔
 (۸۹) کسی محسن کی ناشکری کرنا۔
 (۹۰) حرم میں الحاد کرنا۔
 (۹۱) نرد سے کھیلنا، ہروہ کھیل کھیلنا جس کی حرمت پر امت کا اجماع ہے۔
 (۹۲) بھنگ پینا (ہیروئن اسی کے حکم میں ہے)۔
 (۹۳) کسی مسلمان کو کافر کہنا۔
 (۹۴) بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنا۔
 (۹۵) مشیت زنی کرنا۔
 (۹۶) حالت حیض میں جماع کرنا۔
 (۹۷) مسلمانوں کے ملک میں مہنگائی ہو جائے تو خوش ہونا۔
 (۹۸) جانور کے ساتھ بد فعلی کرنا۔
 (۹۹) عالم کا اپنے علم پر عمل نہ کرنا۔
 (۱۰۰) کھانے کو عیب لگانا۔
 (۱۰۱) بے ریش حسین لڑکے کی طرف دیکھنا۔
 (۱۰۲) کسی کے گھر میں بلا اجازت نظر ڈالنا اور بلا اجازت اندر چلے جانا۔
- علامہ ابن نجیم کی فہرست متعلقہ کبار ختم ہوئی۔ ہم نے مکررات کو ختم کر دیا یعنی حافظ ذہبی کے رسالہ میں جو چیزیں آئی تھیں ان کو نہیں لیا۔

اور بعض دیگر چیزوں کو بھی چھوڑ دیا ہے۔

صغیرہ گناہوں کی فہرست:

اس کے بعد حافظ ابن نجیم نے صغائر کی فہرست دی ہے، جو یہ ہے:

- (۱) جہاں نظر ڈالنا حرام ہو وہاں دیکھنا۔
- (۲) بیوی کے سوا کسی کا شہوت سے بوسہ لینا بیوی کے سوا کسی کو شہوت سے چھونا۔
- (۳) اجنبیہ کے ساتھ خلوت میں رہنا۔
- (۴) سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا۔
- (۵) کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنا یعنی سلام کلام بند رکھنا۔
- (۶) کسی نمازی کا نماز پڑھتے ہوئے اپنے اختیار سے ہنسنا۔
- (۷) کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔
- (۸) مصیبت پر نوحہ کرنا اور منہ پیٹنا (یا گریبان پھاڑنا اور جاہلیت کی دہائی دینا)۔
- (۹) مرد کا ریشم کا کپڑا پہننا۔
- (۱۰) تکبری چال چلنا۔
- (۱۱) فاسق کے ساتھ بیٹھنا۔
- (۱۲) مکروہ وقت میں نماز پڑھنا۔
- (۱۳) مسجد میں نجاست داخل کرنا یا دیوانے کو یا بچے کو مسجد میں لے جانا جس کے جسم یا کپڑے پر نجاست ہونے کا غالب گمان ہو۔
- (۱۴) پیشاب پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا یا پشت کرنا۔
- (۱۵) تنہائی میں بطور عبث شرم گاہ کو کھولنا۔
- (۱۶) لگا تار نفلی روزے رکھنا جس کے بیچ میں افطار نہ ہو۔
- (۱۷) جس عورت سے ظہار کیا ہو کفارہ دینے سے پہلے اس سے وطی کرنا۔
- (۱۸) کسی عورت کا بغیر شوہر اور محرم کے سفر کرنا۔
- (۱۹) کسی دوسرے خریدار سے زیادہ قیمت دلوانے کے لیے مال کے دام زیادہ لگا دینا جبکہ خود خریداری کا ارادہ نہ ہو۔
- (۲۰) ضرورت کے وقت مہنگائی کے انتظار میں غلہ روکنا۔
- (۲۱) کسی مسلمان بھائی کی بیع پر بیع کرنا یا کسی کی منگنی پر منگنی کرنا۔
- (۲۲) باہر سے مال لانے والوں سے شہر سے باہر ہی سودا کر لینا (تاکہ سارا مال اپنا ہو جائے اور پھر دام چڑھا کر بیچیں)
- (۲۳) جو لوگ دیہات سے مال لائیں ان کا مال اپنے قبضہ میں کر کے مہنگا بیچنا۔
- (۲۴) اذان جمعہ کے وقت بیع و شراء کرنا۔
- (۲۵) مال کا عیب چھپا کر بیچنا۔
- (۲۶) شکار یا مویشیوں کی حفاظت کی ضرورت کے بغیر کتا پالنا۔
- (۲۷) مسجد میں حاضرین کی گردنوں کو پھاند کر جانا۔

(۲۸) زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہو جانے کے بعد ادائیگی میں تاخیر کرنا۔

(۲۹) راستے میں بیچ و شراہ یا کسی ضرورت کے لیے کھڑا ہونا جس سے راہ گیروں کو تکلیف ہو یا راستے میں پیشاب پاخانہ کرنا (سایہ اور دھوپ میں جہاں لوگ اٹھتے بیٹھتے ہوں اور پانی کے گھاٹ پر پیشاب پاخانہ کرنا بھی اسی ممانعت میں داخل ہے)۔

(۳۰) بحالت جنابت اذان دینا یا مسجد میں داخل ہونا یا مسجد میں بیٹھنا۔

(۳۱) نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا اور کپڑے وغیرہ سے کھیلنا۔

(۳۲) نماز میں گردن موڑ کر دائیں بائیں دیکھنا۔

(۳۳) مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا، اور وہ کام کرنا جو عبادت نہیں ہیں۔

(۳۴) روزے دار کا بوس و کنار کرنا۔ اور وہ کام کرنا جو عبادت نہیں ہیں۔

(۳۵) گھٹیا مال سے زکوٰۃ ادا کرنا۔

(۳۶) ذبح کرنے میں اخیر تک (پوری گردن) کاٹ دینا۔

(۳۷) بالغ عورت کا اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لینا۔

(۳۸) ایک سے زیادہ طلاق دینا۔

(۳۹) زمانہ حیض میں طلاق دینا۔

(۴۰) جس طہر میں جماع کیا ہو اس میں طلاق دینا۔

(۴۱) اولاد کو لینے دینے میں کسی ایک کو ترجیح دینا، الا یہ کہ علم یا صلاح کی وجہ سے کسی کو ترجیح دے۔

(۴۲) قاضی کا مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان برابری نہ کرنا۔

(۴۳) سلطان کا یا جس کے مال میں غالب حرام ہو ہدیہ قبول کرنا اور اس کا کھانا کھانا اور اس کی دعوت قبول کرنا۔

(۴۴) کسی کی زمین میں بغیر اجازت کے چلنا۔

(۴۵) انسان یا کسی حیوان کا مثلہ کرنا، یعنی ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹ دینا۔

(۴۶) نماز پڑھتے ہوئے تصویر پر سجدہ کرنا یا ایسی صورت میں نماز پڑھنا کہ نمازی کے مقابل یا اس کے برابر تصویر ہو۔

(۴۷) کافر کو سلام کرنا۔

(۴۸) بچہ کو وہ لباس پہنانا جو بالغ کے لیے جائز نہ ہو۔

(۴۹) پیٹ بھرنے کے بعد بھی کھاتے رہنا۔

(۵۰) مسلمان سے بدگمانی کرنا۔

(۵۱) لہو و لعب کی چیزیں سننا۔

(۵۲) غیبت سن کر خاموش رہ جانا (غیبت کرنے والے کو منع نہ کرنا اور تردید نہ کرنا)۔

(۵۳) زبردستی امام بننا (جبکہ مقتدیوں کو اس کی امامت گوارا نہ ہو اور اس کی ذات میں دینی اعتبار سے کوئی قصور ہو)۔

(۵۴) خطبے کے وقت باتیں کرنا۔

(۵۵) مسجد کی چھت پر یا مسجد کے راستے میں نجاست ڈالنا۔

(۵۶) دل میں یہ نیت رکھتے ہوئے کسی سے کوئی وعدہ کر لینا کہ پورا نہیں کروں گا۔

(۵۷) مزاح یا مدح میں افراط کرنا۔

(۵۸) غصہ کرنا (ہاں اگر دینی ضرورت سے ہو تو جائز ہے)۔

عام طور سے جن چیزوں میں لوگ مبتلا ہیں وہ ہم نے ذکر کر دی ہیں بعض چیزیں جو ابن نجیم کی کتاب میں ہیں وہ ہم نے چھوڑ دی ہیں اور صغائر ہیں انہوں نے بعض وہ چیزیں ذکر کی ہیں جن کو حافظ ذہبی نے کبائر میں شمار کیا ہے اور یوں بھی مذکورہ گناہوں میں بعض کو صغائر میں شمار کرنا محل نظر ہے۔ خاص کر کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنا اور سلام کلام بند رکھنا اس کو صغائر میں شمار کرنا نادرست ہے اس پر حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے۔ اور یہ ایک اجتہادی امر ہے کہ صغیرہ گناہ کون کون سے ہیں اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق حضرات اکابر نے تعین فرمادی ہے۔

حج یا عمرہ کا احرام میں داخل ہو کر اسے فاسد کر دینا یا ممنوعات احرام کا قصد ارتکاب کرنا یا نماز شروع کر کے بغیر عذر شرعی کے توڑ دینا اس کا ذکر نہ حافظ ذہبی نے کیا نہ ابن نجیم نے، اگر دیگر احادیث شریفہ پر نظر ڈالی جائے تو بہت سے اور گناہ بھی سامنے آجائیں گے۔ ہمارا رسالہ گناہوں کی فہرست میں بھی ملاحظہ کر لیا جائے جس میں گناہوں پر جو وعیدیں ہیں وہ ذکر کر دی گئی ہیں۔

صغیرہ گناہ بھی گناہ ہے۔ اس سے بھی بچنا واجب ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا بھی مواخذہ کرنے والے ہیں یعنی فرشتے جو نیکی بدی لکھنے پر مامور ہیں وہ ان کو بھی لکھتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۵۸)

فائدہ: صغیرہ گناہ کا ارتکاب اگر عذاب اور مواخذہ سے ڈرتے ہوئے کر لیا جائے تو صغیرہ ہے، اگر لا پرواہی سے کیا جائے اور یہ سمجھ کر کرے کہ اس میں کوئی بات نہیں تو پھر کبیرہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح صغیرہ پر اصرار کرنے یعنی بار بار ارتکاب کرنے سے بھی صغیرہ کبیرہ ہو جاتا ہے اور جس عمل کی جو ممانعت قرآن و حدیث میں وارد ہوئی ہے اس ممانعت کو کوئی حیثیت نہ دینا یہ کفر ہے۔ خواہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔

وَلَا تَتَّبِعُوا مَا فُضِّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۖ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا لِلنِّسَاءِ ۗ
نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا ۖ وَسْئَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۳۲﴾ وَ لِكُلِّ
جَعَلْنَا مَوَالِي مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتَوْهُمْ نَصِيبَهُمْ ۗ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿۳۳﴾

اور تم کسی ایسی چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ذریعہ اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں نے جو اعمال کیے ان کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ہے، اور عورتوں نے جو اعمال کیے ان کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو، بلاشبہ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے، اور ہر ایک کے لیے ہم نے اس مال میں وارث مقرر کر دیئے ہیں جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں اور جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ ہوا، ان کو ان کا حصہ دے دو، بے شک اللہ کو ہر چیز کی اطلاع ہے

امور غیر اختیاریہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی آرزو مت کرو

معالم التنزیل صفحہ ۲۲۰: ج ۱ میں حضرت مجاہد تابعی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم جہاد نہیں کرتیں اور ہم کو بھی میراث میں ان کے برابر حصہ ملتا ہے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ پھر بعض حضرات سے یوں نقل کیا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے میراث کے حصے بیان فرماتے ہوئے ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ خِطِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ فرمایا تو عورتوں نے کہا کہ ہم زیادہ حصہ کی مستحق ہیں کیونکہ ہم ضعیف ہیں، اور مرد قوی ہیں اور انہیں روزی حاصل کرنے پر قدرت زیادہ ہے، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ جب ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ خِطِّ

دے دو) اس میں عقد موالات کا تذکرہ ہے، زمانہ جاہلیت میں یہ تھا کہ دو شخص آپس میں یوں اقرار کر لیتے تھے کہ ہماری تمہاری آپس میں دوستی ہے جب ہم میں سے کوئی جنایت کرے تو دوسرا اس کی دیت کا تحمل ہو اور جب دونوں میں سے کوئی مر جائے تو اس کے مال کا وارث ہو ان میں سے ہر شخص کو مولی الموالاة کہا جاتا تھا۔ کیا اس کا حکم اسلام میں باقی ہے؟ اس کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایسا معاقدہ اور معاہدہ دو آدمی آپس میں کر لیں پھر ان میں سے کوئی شخص مر جائے اور مرنے والے کا کوئی بھی وارث اصحاب فرائض میں سے اور عصبات کے رشتہ داروں میں سے اور ذوی الارحام میں سے موجود نہ ہو تو مولی الموالاة کو میراث مل جائے گی اگر دو شخصوں نے آپس میں کوئی ایسا معاہدہ کیا ہو تو اسے آپس میں منسوخ بھی کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان میں سے کسی ایک نے دوسرے کی طرف سے دیت ادا نہ کی ہو اگر ان میں سے کوئی شخص دوسرے کی ادیت ادا کر چکا ہے تو اب یہ موالاة فسخ نہیں ہو سکتی۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عقد موالات کی وجہ سے اب ایک کی دوسرے کو میراث نہیں ملے گی، بلکہ جس کسی شخص نے کسی سے موالاة کی ہو اگر وہ مر جائے اور اس کا کوئی وارث رشتہ داروں میں سے نہ ہو تو اس کی میراث عامۃ المسلمین کو ملے گی۔ (یعنی اس کا ترکہ بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا) علامہ ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ آیت بالا سے مولی الموالاة کی میراث ثابت ہو رہی ہے اور کوئی ایسی چیز کتاب و سنت میں نہیں ہے جس سے اس کو منسوخ کیا جاسکے۔ اور آیت کریمہ ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِی كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ﴾ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس میں ذوی الارحام کو مولی الموالاة سے اولیٰ بتایا ہے (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے) پس اگر ذوی الارحام میں سے کوئی موجود نہ ہو تو بتقاضائے آیت کریمہ مولی الموالاة کو میراث ملنی چاہیے۔ (احکام القرآن صفحہ ۱۸۶: ج ۲)

علامہ نسفی مدارک التنزیل میں فرماتے ہیں:

والمراد به عقد الموالاة وھی مشروعة والوراثۃ بہا ثابتۃ عند عامۃ الصحابة رضی اللہ عنہم وهو قولنا۔
آخر میں فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا﴾ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہے کوئی شخص اپنے کسی عمل کو اللہ تعالیٰ سے پوشدہ نہیں رکھ سکتا۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِأَنفُسِهِمْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۗ
فَالصَّالِحَاتُ قَنِيئَاتٌ حَفِيظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۗ وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ
وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْبَضَائِعِ وَأَضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ إِنَّ اللَّهَ
كَانَ عَلِيمًا كَبِيرًا ﴿۳۳﴾

مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اس سبب سے کہ اللہ نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مالوں میں سے خرچ کیا۔ سو جو عورتیں نیک ہیں وہ اطاعت کرنے والی ہیں۔ مرد کی عدم موجودگی میں بحفاظت الہی نگہبانی کرنے والی ہیں، اور جن عورتوں کی بدخوئی کا تمہیں ڈر ہو ان کو نصیحت کرو اور انہیں لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو، اور ان کو مارو، سواگروہ تمہاری فرمانبرداری کریں تو ان پر زیادتی کرنے کے لیے بہانہ نہ ڈھونڈو بے شک اللہ تعالیٰ رفعت والا ہے بڑا ہے

زن و شوہر کے بارے میں چند ہدایات

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا شان نزول یوں بیان کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طمانچہ مار دیا تھا، وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں فریاد لے کر حاضر ہوئی۔ اس کے گھر والے بھی ساتھ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قصاص (بدلہ) ہوگا۔ اس پر یہ آیت ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ نازل ہوئی۔ آیت کے نزول کے بعد آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایک بات کا ارادہ کیا (یعنی بدلہ دلانے کا) اور اللہ تعالیٰ نے دوسری بات کا ارادہ فرمایا۔ (اسباب النزول للواحدی صفحہ ۱۴۵)

مرد عورتوں پر حاکم ہیں:

آیت بالا میں اول تو یہ فرمایا کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اور ساتھ اس کے دو سبب بیان فرمائے اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، جس میں یہ بھی ہے کہ عموماً مردوں کی سمجھ زیادہ ہوتی ہے اور ان کے فکر میں بہت کچھ نشیب و فراز آتا رہتا ہے وہ پیش آنے والے حالات کے پھیلاؤ اور گہراؤ کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں ان کی نارسافہم وہاں تک نہیں پہنچتی جہاں تک مردوں کی رسائی ہوتی ہے۔ لہذا جن گھریلو معاملات میں اختلاف ہو جائے اور کوئی بھی قضیہ کھڑا ہو جائے اس میں مردوں کی رائے معتبر ہوگی اور مرد جو کہیں گے اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا، عورتیں محکوم ہیں وہ مردوں کی فرمانبرداری کریں، دوسرا سبب مردوں کے حاکم ہونے کا یہ بیان فرمایا کہ مرد عورتوں پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں عورت کا نان و نفقہ، روٹی کپڑا مرد کے ذمہ ہے وہ چونکہ خرچ کرتا ہے اس لیے عورتوں کو پابند رہنا چاہیے۔ یہی عقل سلیم کا تقاضا ہے، عورت خرچہ تو لے مرد سے اور کرے اپنی من مانی یہ کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ بہت سی عورتیں جن کے مزاج میں نیکی ہوتی ہے وہ شوہر کی فرمانبرداری ہوتی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ اللہ کا حکم ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کریں اور عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کرتے ہوئے زندگی گزاریں۔

صالحات کی تعریف:

ایسی عورتوں کے بارے میں فرمایا: ﴿فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ کہ نیک عورتیں فرمانبرداری کرنے والی ہوتی ہیں۔ اللہ کی فرمانبرداری کرتی ہیں اور شوہروں کی فرمانبرداری بھی کرتی ہیں اور مرد گھر پر موجود نہ ہوتے ہیں اپنی آبرو اور شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس حفاظت اور نگہداشت کی توفیق دی ہے اور انہیں برائیوں سے بچایا ہے۔ (قال صاحب الروح صفحہ ۶۴: ج ۵)

فَالصَّالِحَاتُ مِنْهُنَّ مُطِيعَاتٌ لِلّٰهِ تَعَالٰی وَلَا زَوَاجِهِنَّ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ اِی یَحْفَظْنَ اَنْفُسَهُنَّ وَ فُرُوجَهُنَّ فِی حَالِ غِیْبَةِ اَزْوَاجِهِنَّ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ اِی بِمَا حَفِظَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی مَهْوَرِهِنَّ وَ الزَّامِ اَزْوَاجِهِنَّ النَّقِیَّة: قال الزحاج و قیل بحفظ اللّٰہ تعالیٰ لهن و عصمتہ ایاہن ولو لا ان اللّٰہ تعالیٰ حفظهن و عصمهن لما حفظن انتہی بحذف۔

حافظات للغیب کے عموم میں سب چیزیں داخل ہیں، مرد کے مال کی حفاظت کرنا، اس کی اولاد کی حفاظت کرنا۔ اور اپنی جان میں خیانت نہ کرنا یعنی دوسرے غیر مردوں کو گھر میں نہ آنے دینا۔ غیر مردوں سے تعلقات پیدا نہ کرنا۔ یہ سب اس کے عموم میں داخل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ عورتوں میں کون سی عورت بہتر ہے؟ فرمایا وہ عورت بہتر ہے کہ شوہر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کرے اور حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور اپنی جان و مال کے بارے میں شوہر کی مخالفت نہ کرے (یعنی ایسے کام نہ کرے جو شوہر کو ناگوار ہوں)۔ (رواہ النسائی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۲۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو عورتیں اونٹوں پر سوار ہیں (عرب عورتیں) ان میں سب سے بہتر قریش کی نیک عورتیں ہیں جو بچوں پر ان کی چھوٹی عمر میں بہت زیادہ شفقت کرنے والی ہوتی ہیں اور شوہر کے مال کی خوب زیادہ حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ (رواہ البخاری صفحہ ۷۶: ج ۲)

معلوم ہوا کہ مومن عورت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ بچوں کی ہر طرح سے حفاظت کرے، اور شوہر کے مال کی بھی حفاظت کرے اس کے

قال صاحب الروح فاحذروا فان قدرته سبحانه عليكم اعظم من قدرتكم على من تحت ايديكم۔

عورتوں کو مارنے کے بارے میں تشبیہ:

یہ جو ارشاد فرمایا کہ ان کو نصیحت کرو اور ان کے بستروں میں ساتھ لیٹنا چھوڑ دو اس سے معلوم ہوا کہ ناراضگی میں گھر چھوڑ کر نہ نکل جائیں خود بھی گھر میں رہیں۔ بیوی بھی گھر میں رہے اور نافرمانی کی سزا کے طور پر ساتھ لیٹنا چھوڑ دیں۔ اگر گھر چھوڑ کر چلے گئے تو اس میں اور بہت سے خطرات ہیں۔ حضرت معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بیوی کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا حق یہ ہے کہ جب تو کھائے تو اسے بھی کھلا اور جب تو پہنے اسے بھی پہنا، اور چہرہ پر نہ مار۔ اور برے الفاظ زبان سے نہ نکال اور اس سے تعلق مت چھوڑ مگر گھر میں رہتے ہوئے۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۹۱: ج ۱)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں (صفحہ ۲۵: ج ۵) کہ عورتوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو برداشت کریں اور صبر سے کام لینا مارنے سے افضل ہے۔ ہاں اگر کوئی بہت ہی مجبوری پیش آجائے تو مار پیٹ سے کام چلا لو۔ اور مارنے میں اعتدال ملحوظ رہے۔ سخت مار نہ دی جائے جیسا کہ اوپر گزرا۔ حضرت عبداللہ بن زعمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی بیویوں کو ایسے نہ مارو جیسے غلام کی پٹائی کی جاتی ہے کیونکہ اس کے بعد دن کے آخر حصہ میں اس سے جماع کرنے لگو گے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۷۸۴: ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ مرد کو عورت کی حاجت ہے اس سے مطلب نکلتا ہے ابھی تو مار بجائی پھر چند گھنٹے بعد ساتھ لیٹنے لگیں گے۔ اس وقت شریف الطبع آدمی کو لحاظ آئے گا ابھی تو اس کو مارا تھا اور اب اسے محبوبہ بنا کر ساتھ لٹالیا۔ ایسا کام کرے جس سے خفت ہو، اپنے نفس کو بھی خفت محسوس ہوگی اور عورت کے دل میں عزت کم ہوگی، وہ کہے گی کہ یہ کیسا مرد موا ہے ذرا سے میں کچھ ہے اور ذرا میں کچھ، صاحب روح المعانی صفحہ ۲۵: ج ۵ پر لکھتے ہیں کہ مرد چار باتوں پر عورت کو مار سکتا ہے۔

(۱) بناؤ سنگھار چھوڑنے پر جبکہ شوہر اس کو چاہتا ہو۔

(۲) شوہر کے پاس آنے سے انکار کرنے پر جب کہ وہ اپنے بستر پر بلائے۔

(۳) فرض نماز اور فرض غسل چھوڑنے پر۔

(۴) گھر سے نکلنے پر جبکہ نکلنے کے لیے کوئی شرعی مجبوری نہ ہو۔

ان چار چیزوں جیسی کوئی اور بات ہو تو اس پر بھی سزا دی جاسکتی ہے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا

يُوقِقُ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ﴿۲۵﴾

اور اگر تم کو شوہر اور بیوی کے آپس کے اختلاف کا ڈر ہو تو بھیج دو ایک آدمی فیصلہ کرنے والا مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی فیصلہ کرنے والا عورت کے خاندان میں سے، اگر دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا فرمادے گا، بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا خبر رکھنے والا ہے۔

میاں بیوی کے درمیان مخالفت ہو جائے تو دو آدمی موافقت کرانے کے لیے بھیجے جائیں

جب دو آدمی ساتھ رہتے ہیں تو کبھی کبھی ناگواری کی بات پیش آتی ہے اور میاں بیوی کا تو روزانہ رات دن کا ساتھ ہے اس میں ناگواری پیش آجانا کوئی بعید بات نہیں۔ سمجھ دار میاں بیوی تو بات کو آئی گئی کر دیتے ہیں، گویا کہ کچھ تھا ہی نہیں۔ لیکن کبھی بات بڑھ جاتی ہے اور زیادہ ناچاقی ہو جاتی ہے اس لیے اللہ جل شانہ نے صلح کرانے کے بارے میں ایک طریق کار تجویز فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب میاں بیوی کے

درمیان آپس میں اختلاف ہو جائے (ان خفتم بمعنی علمتم علی مقال بعض المفسرین) تو ایک آدمی مرد کے گھر والوں میں سے اور ایک آدمی عورت کے گھر والوں میں سے بھیج دیں جو حکم (فیصلہ کرنے والے) ہوں گے، یہ دونوں طرف کی شکایتیں سنیں اور مصالحت کی کوشش کریں۔ جوڑ بٹھائیں جس کی بھی زیادتی ہو اس کو سمجھائیں اگر ان دونوں فیصلہ کرنے والوں میں نیک جذبات ہوں گے اور اخلاص کے ساتھ کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں میں موافقت پیدا فرمادے گا انشاء اللہ۔ میاں بیوی کو بھی ایک دوسرے پر زیادتی کرنا اور ایک دوسرے کے بارے میں غلط بیان دینا جائز نہیں۔ اور جو لوگ فیصلہ کرنے کے لیے گئے ہیں ان کو بھی اختلاف بڑھانے کی باتیں کرنا اور مخالفت کی خلیج وسیع کرنا جائز نہیں۔ جو کوئی شخص غلط عمل کرے گا غلط بات کہے گا اس کا مواخذہ ہوگا، اس پر تنبیہ فرماتے ہوئے آیت کے آخر میں فرمایا کہ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا﴾ (بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا باخبر ہے) اللہ تعالیٰ کو سب کے ظاہر اور باطن کا علم ہے، جو شخص ظلم اور زیادتی کرے گا مستحق سزا ہوگا۔

میاں بیوی میں جو جھگڑے ہوتے ہیں اور طول پکڑ جاتے ہیں جس میں بعض مرتبہ جدائی کی نوبت آ جاتی ہے اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ دونوں ایک دوسرے پر زیادتی کرتے چلے جاتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی ہمدردی کے جذبات ختم کر دیتے ہیں۔ پھر اوپر سے اس لاوے پر دونوں فریق کے خاندانوں کا عمل آگ کا کام دیتا ہے دونوں خاندان صلح جوئی اور آپس میں موافقت کی فضا بنانے کی بجائے مزید مخالفت کو شدہ دیتے ہیں جوڑ بٹھانے کی بجائے آپس میں تناؤ اور بعد پیدا کر دیتے ہیں کہ مل بیٹھنے اور صلح صفائی کا موقع ہی نہیں دیتا۔ اللہ جل شانہ نے جو طریقہ اصلاح کا بیان فرمایا اس کی خلاف ورزی کے باعث میاں بیوی میں افتراق ہو جاتا ہے اور دونوں خاندانوں میں بغض و عناد اور دشمنی جگہ پکڑ لیتی ہے۔ بغض و عناد اور دشمنی کی فضا بنانا اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے اور یہ دنیا و آخرت میں گرفت کا باعث ہے۔

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالسَّبْيِ وَالسَّبْكِينِ وَ
 الْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ
 اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴿۱۶﴾ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ
 وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿۱۷﴾ وَالَّذِينَ يَنْفِقُونَ
 أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا
 فَسَاءَ قَرِينًا ﴿۱۸﴾ وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۗ وَكَانَ
 اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ﴿۱۹﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۗ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً يُضْعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ
 لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۲۰﴾

اور اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پاس والے پڑوسی اور دور والے پڑوسی اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور ان لوگوں کے ساتھ جو مال کا نہ طور پر تمہارے قبضہ میں ہیں اچھا سلوک کرو، بے شک اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں فرماتا جو اپنے آپ کو بڑا سمجھے، شیخی کی باتیں کرے جو لوگ کنجوسی کرتے ہیں اور لوگوں کو کنجوسی کا حکم دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے

ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لیے اور اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ آخرت کے دن پر، اور شیطان جس کا ساتھی ہو سو وہ بہت برا ساتھی ہے، اور کیا نقصان ہے ان کا اگر وہ ایمان لائیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور خرچ کریں اس میں سے جو اللہ نے انہیں دیا ہے، اور اللہ ان کو خوب جانتا ہے، بے شک اللہ ظلم نہیں فرمائے گا ذرہ برابر بھی، اور اگر نیکی ہوگی تو اس کو چند در چند کر دے گا، اور اپنے پاس سے بڑا ثواب عطا فرمائے گا

والدین، اقرباء پڑوسی، یتیمی مساکین، اور مسافروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم

ان آیات میں اول تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عبادت ہی کر لیے پیدا فرمایا ہے اس لیے بار بار قرآن میں اس کی یاد دہانی فرمائی ہے سب سے بڑی عبادت توحید ہے اور شرک سے توحید ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے بار بار شرک سے بیزار ہونے کا بھی حکم فرمایا ہے، عبادت اللہ کا حق ہے، حقوق اللہ کو ذرہ کر فرمانے کے بعد حقوق العباد کا تذکرہ فرمایا جن میں سے سب سے پہلے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا، چونکہ ماں باپ اس دنیا میں اولاد کے وجود میں آنے کا سبب ہیں اس لیے ان کا حق بہت بڑا ہے۔ حق اللہ بیان فرمانے کے ساتھ ہی حکم فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ لفظ حسن سلوک میں سب باتیں آ جاتی ہیں۔ جس کو سورہ بقرہ میں اور یہاں سورہ نساء میں اور سورہ انعام میں اور سورہ اسراء میں ﴿بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ سے تعبیر فرمایا ہے۔ ماں باپ کی فرمانبرداری راحت رسانی اور ہر طرح کی خدمت ان لفظوں کے عموم میں آ جاتی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری جائز نہیں۔ مزید تشریح سورہ بقرہ کے دسویں رکوع کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ ویدی القربی فرما کر دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم فرمایا ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آنے اور انہیں لینے دینے کو صلہ رحمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صلہ رحمی کی دین اسلام میں بہت بڑی فضیلت ہے اور اس کے برخلاف قطع رحمی کی بہت زیادہ مذمت آئی ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا کچھ بیان اور اس کی تفصیلات سورہ بقرہ (۲۲۷) کے ذیل میں گزر چکی ہے، نیز یتیمی اور مساکین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے بارے میں بھی وہیں لکھا جا چکا ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔ (انوار البیان صفحہ ۲۹) قطع رحمی کے بارے میں اسی سورہ نساء کے پہلے رکوع کی تفسیر دوبارہ دیکھ لیں۔

پھر ﴿الْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ﴾ اور ﴿وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾ اور ﴿الصَّاحِبِ بِالْجَنبِ﴾ اور ﴿ابْنِ السَّبِيلِ﴾ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم فرمایا ہے ﴿الْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ﴾ کا ترجمہ پاس والا پڑوسی اور ﴿الْجَارِ الْجُنُبِ﴾ کا ترجمہ دور والا پڑوسی کیا گیا ہے۔ اور ﴿الصَّاحِبِ بِالْجَنبِ﴾ سے مفسرین نے ہم مجلس مراد لیا ہے۔

یوں تو تمام مسلمانوں بلکہ سارے انسانوں کے ساتھ خوش اخلاقی والی زندگی گزارنا اور ہر ایک کے حقوق پہچاننا اور ان کا ادا کرنا ضروری ہے۔ لیکن عام طور سے چونکہ والدین اور عزیز قریب اور پڑوسی اور ہم مجلس سے واسطہ زیادہ پڑتا ہے اس لیے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرنے کی خصوصیت سے نصیحت فرمائی۔

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام مجھے برابر پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ خیال ہو گیا کہ وہ پڑوسی کو وارث ہی بنا دیں گے (رواہ البخاری صفحہ ۸۸۹) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پڑوسیوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسیوں کے ساتھ تعلقات میں اور حسن سلوک میں سب سے بہتر ہو۔ (رواہ الترمذی)

ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ میں نے اچھا عمل کیا یا برا عمل کیا آپ نے فرمایا کہ جب تو اپنے پڑوسیوں سے سنے کہ تیرے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ تو نے اچھا کیا تو سمجھ لے واقعی تو نے اچھا کیا اور جب تو اپنے پڑوسیوں سے سنے کہ وہ تیرے

بارے میں کہہ رہے ہیں کہ تو نے برا کیا تو سمجھ لے تو نے برا کیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۴) ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں۔ عرض کیا گیا کون یا رسول اللہ؟ فرمایا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے بے فکر نہیں۔ (رواہ البخاری صفحہ ۸۸۹: ج ۲) اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے بے خوف نہ ہو (رواہ مسلم صفحہ ۵۰: ج ۱) بہت سے لوگوں کو نفلیں پڑھنے اور ذکر و تسبیح میں مشغول رہنے کا تو خیال ہوتا ہے لیکن پڑوسیوں کو ان سے تکلیف پہنچتی رہتی ہے۔ حالانکہ حقوق العباد کا خیال رکھنا نفل عبادت سے زیادہ ضروری ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں عورت کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ نمازیں بہت پڑھتی ہے روزے بہت رکھتی ہے اور صدقہ بہت دیتی ہے لیکن وہ پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا بھی پہنچاتی ہے آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے، اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں عورت کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ نفل روزے کم رکھتی ہے اور صدقہ بھی کم دیتی ہے اور نفل نماز بھی کم پڑھتی ہے اور پیر کے کچھ ٹکڑوں کا صدقہ دیتی ہے اور اپنی زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی آپ نے فرمایا کہ وہ جنت میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۴۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص مومن نہیں جو پیٹ بھر لے اور اس کا پڑوسی اس کی بغل میں بھوکا رہ جائے (رواہ البیہقی فی شعبۃ الایمان کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۴۴) تمام ہی پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا دھیان رکھا جائے، اگر کچھ لینا دینا ہو (اور زیادہ نہ ہو) تو اس میں قریب ترین پڑوسی کا خیال رکھے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو شور بارپکائے تو اس کا پانی زیادہ کر دینا اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھنا۔ (رواہ مسلم صفحہ ۳۴۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں میں ان میں سے کس کو ہدیہ دوں؟ آپ نے فرمایا ان دونوں میں سے جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو اس کو دے دو۔ (صحیح بخاری صفحہ ۸۹۰: ج ۲)

﴿الْجَارُ ذِي الْقُرْبَى﴾ کا مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی نزدیک والا پڑوسی اور دوسرا مطلب وہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ پڑوسی بھی ہو اور رشتہ دار بھی اس طرح سے اس کے دو حق ہو جائیں گے، ایک پڑوسی ہونے کا اور دوسرا قرابت دار ہونے کا اور ﴿الْجَارُ الْجُنُبُ﴾ سے صرف وہ پڑوسی مراد ہوگا، جو رشتہ دار نہ ہو۔

﴿الصَّاحِبُ بِالْجُنُبِ﴾ کا ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی پہلو کا ساتھی اور مفسرین نے اس سے ہمنشین یعنی مجلس میں ساتھ بیٹھنے والا مراد لیا ہے، پاس بیٹھنے والوں کے بھی حقوق ہیں، ان کو تکلیف نہ پہنچائے، اپنی ایسی حالت نہ رکھے جس سے انہیں تکلیف ہو اور مجلس کی بات کو امانت سمجھے دوسری جگہ نہ پہنچائے، چغتل خوری نہ کرے، ادھر کی ادھر نہ لگائے اور عموم لفظ کی وجہ سے بعض مفسرین نے سفر کے ساتھی کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔

لہذا ہر رفیق سفر، رشتہ دار، غیر رشتہ دار سب کے ساتھ حسن سلوک کرے نہ قول سے تکلیف دے، اور نہ عمل سے، اور نہ کسی اور طرح سے۔ جگہ تنگ ہو تو فراخ کرنے کی کوشش کرے تاکہ اپنا اور سب کا سفر اچھی طرح سے گزرے جو لوگ کسی جگہ ایک ساتھ کام کرتے ہیں وہ بھی اصحاب بالجنب کے عموم میں شامل ہیں (من روح المعانی) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے خیر الاصحاب عند اللہ خیر ہم لصاحبه یعنی ساتھیوں میں سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہتر ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۴)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سفر میں جماعت کا سردار وہی ہے جو ان کا خدمت گزار ہو، سو جو شخص اپنے ساتھیوں سے خدمت میں بڑھ گیا وہ شہید ہونے کے علاوہ کسی عمل کے ذریعہ اس سے آگے نہ بڑھیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

(صفحہ ۳۴۰)

حضرت علیؓ نے الصاحب بالجنب (پہلو کا ساتھی) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا هو المداۃ تكون معه الی جنبہ یعنی اس سے بیوی مراد ہے جو پہلو میں ساتھ رہتی ہے (ذکرہ فی معالم التنزیل) یہ تفسیر بھی الفاظ قرآنیہ سے قریب ہے بلکہ قریب تر ہے۔
 ﴿وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ یعنی مسافر، صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۴۳۵: ج ۱) لکھتے ہیں کہ اکثر حضرات نے اس کو مہمان پر محمول کیا ہے۔ درحقیقت مسافر کے معنوں میں مہمان بھی آجاتا ہے، مسافر مہمان ہو یا غیر مہمان اس کی دلداری، مدد اور اعانت ضروری ہوتی ہے۔ پردیس میں وہ ذرا ذرا سی میٹھی بات کو ترستا ہے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا بہت بڑے اجر و ثواب کی چیز ہے۔
 غلام باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم:

پھر فرمایا ﴿وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ کہ جو تمہارے باندی اور غلام ہیں اور وہ تمہارے تصرف میں ہیں ان کے ساتھ بھی خوبی کا برتاؤ کرو۔ اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے پیش آؤ۔ ان کی خوراک پوشاک کا خیال کرو۔ ان پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔ طاقت سے زیادہ کام نہ لو۔ حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ یہ باندی غلام تمہارے بھائی ہیں اور تمہارے خادم ہیں۔ اللہ نے ان کو تمہارے تصرف میں دے دیا ہے۔ سو جس کے تصرف میں کوئی غلام ہو وہ اسے اسی میں سے کھلائے جس میں سے خود کھاتا ہے۔ اور اسی میں سے پہنائے جس میں سے خود پہنتا ہے اور ان سے وہ کام نہ لو جس کی ان کو طاقت نہ ہو۔ اگر طاقت سے زیادہ کام لو تو ان کی مدد کرو۔ (رواہ البخاری صفحہ ۳۴۶)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے غلام کو ایسے عمل پر سزا دی جو عمل اس نے نہیں کیا تھا۔ یا اس کو طمانچہ مار دیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۵۱: ج ۲)
 حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جو اپنے مملوک کے ساتھ بری طرح پیش آتا ہو۔ (رواہ الترمذی باب ماجاء فی الاحسان الی الخادم)
 حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے مرض الوفاۃ میں یہ وصیت فرماتے رہے کہ نمازوں کا اہتمام کرنا اور غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا۔ (رواہ ابی نعیم فی شعب الایمان کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۲۹۱) مسلمانوں میں شرعی جہاد نہیں رہا تو غلاموں اور باندیوں کی نعمت سے بھی محروم ہو گئے اللہ وہ دن لائے کہ شرعی جہاد ہو اور کافر قیدی آئیں اور غلام اور باندیاں بنیں۔
 تکبر کی مذمت:

پھر فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا﴾ (کہ بلاشک اللہ دوست نہیں رکھتا اس شخص کو جو اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور شیخی کی باتیں کرے) آیت کے اس جزو میں ان لوگوں کی مذمت فرمائی جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں اور دوسروں کو حقیر جانتے ہیں فخر، کبر اور نخوت کے نشے میں بھرے رہتے ہیں یہ مضمون سورۃ لقمان میں اور سورۃ الحدید میں بھی بیان فرمایا ہے لفظ مختال خیلاء سے ماخوذ ہے اور باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، یہ لفظ اپنے کو بڑا سمجھنے، اترانے، آپے میں پھولے نہ سمانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اپنے کو بڑا سمجھنا یہ دل کا بہت بڑا روگ ہے اور اکثر گناہ اسی وجہ سے ہوتے ہیں۔ شہرت کا طالب ہونا، اعمال میں ریا کاری کرنا، بیاہ شادی میں دنیا داری کی رسمیں برتنا اور یہ خیال کرنا کہ ایسا نہ کیا تو لوگ کیا کہیں گے، یہ سب تکبر کے شعبے ہیں۔
 ٹخنے سے نیچے کپڑا پہننا تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جو شخص تکبر کرتے ہوئے اپنا کپڑا گھسیٹ کر چلا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت سے

دیکھے گا۔ (رواہ البخاری صفحہ ۸۶۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مومن کا تہبند آدھی پنڈلیوں تک ہونا چاہیے (اور) اس میں اس پر کوئی گناہ نہیں کہ آدھی پنڈلیوں اور ٹخنوں کے درمیان ہو، اور جو اس کے نیچے ہو وہ دوزخ میں لے جانے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا، جس نے اپنا تہبند اترا تے ہوئے گھسیٹا (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۱۰: ج ۲) کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کا گناہ صرف تہبند ہی میں نہیں۔ بلکہ دوسرے کپڑوں میں بھی ہے، کرتہ، عمامہ، پاجامہ کو اگر کوئی ٹخنوں سے نیچے لٹکائے تو یہ بھی اسی ممانعت میں شامل ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا سبال فی الازار و القميص و العمامة من جرمها شیئا خیلاء لم ينظر الله الیه یوم القیامة۔

(رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۱۰: ج ۲)

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصیحتیں فرمائیں ان میں سے یہ بھی ہے اِيَّاكَ وَاِسْبَالَ الْاِزَارِ فَاِنَّهَا مِنَ الْمَخِيَلَةِ وَاِنَّ لَا يُحِبُّ الْمَخِيَلَةَ (کہ تہبند کو لٹکانے سے پرہیز کرو کیونکہ یہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے اور بے شک اللہ تکبر پسند نہیں کرتا۔) (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۱۰: ج ۲)

آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہاں مِنَ الْمَخِيَلَةِ فرما کر ان لوگوں کی بات کی تردید فرمادی ہے جو ٹخنوں سے نیچا کپڑا پہنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تکبر کی وجہ سے نہیں پہنتے جو لوگ ٹخنوں سے نیچا کپڑا پہنتے ہیں اگر اونچا پہن لیں تو اس میں اپنی اہانت سمجھتے ہیں اور جو لوگ اونچا کپڑا پہنتے ہیں ان کو حقیر جانتے ہیں یہی تو تکبر ہے یہ لوگ کسی بھی طرح آدھی پنڈلی تک تہبند باندھ کر بازار میں جا کر دکھادیں دیکھو نفس گوارا کرتا ہے یا نہیں؟ اس سے پتہ چل جائے گا کہ ٹخنوں سے نیچا پہننا تکبر کے لیے ہے یا نہیں؟ سابقہ امتوں میں سے ایک شخص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ تکبر سے اپنے تہبند کو گھسیٹتا ہوا جا رہا تھا لہذا اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا، وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔ (رواہ البخاری صفحہ ۸۶۱: ج ۲)

تکبر کے چند شعبے:

ناحق پر اصرار کرنا، حق کو ٹھکرانا، غلط بات کہہ کر غلطی واضح ہو جانے پر حق قبول نہ کرنا، شریعت پر چلنے میں خفت محسوس کرنا، گناہوں کو اس لیے نہ چھوڑنا کہ معاشرہ والے کیا کہیں گے، یہ سب تکبر سے پیدا ہونے والی چیزیں ہیں، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، جوتا اچھا ہو (کیا یہ تکبر ہے؟) فرمایا اللہ جل شانہ جمیل ہے جمال کو پسند فرماتا ہے، تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرائے اور لوگوں کو حقیر جانے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۶۵: ج ۱)

مختال کی مذمت کے ساتھ فخور کی مذمت بھی فرمائی ہے، لفظ فخر فخر سے ماخوذ ہے شیخی بگھارنا اپنی جھوٹی سچی تعریفیں کرنا، ان سب کو فخر شامل ہے بہت سے لوگوں میں یہ مرض ہوتا ہے کہ مال یا علم یا عہدہ کی وجہ سے نشہ میں چور رہتے ہیں، شیخی بگھارتے ہیں اور فخر کرتے ہیں ان کا ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ ان کے پاس جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہے، اور وہ اللہ کے عاجز بندے ہیں، جو کچھ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی ہیں اس انداز میں لوگوں کے سامنے ان کا مظاہرہ کرتے ہیں جیسے ان کے حاصل ہونے میں ان کا کمال شامل ہے اور جن کے پاس وہ چیزیں نہیں ان سے اپنے کو بلند اور برتر سمجھتے ہیں اور اپنے خالق و مالک کو بھول جاتے ہیں، اس نے جس کو دیا ہے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اور جس کو نہیں دیا اس میں اس کی حکمت ہے بندہ کا مقام یہ ہے کہ اپنے کو عاجز سمجھے اور شکر گزار رہے اور اللہ کے دوسرے بندوں کو حقیر نہ سمجھے۔

صاحب روح المعانی نے مذکورہ بالا احکام ذکر کرنے کے بعد متصل تکبر و فخر و مباہات کی مذمت بیان کرنے کا ارتباط ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے ای ذی خیلاء کبریانف من جیرانہ مثلاً واقاربه ولا یلتف الیہم یعد مناقبہ علیہم تطاولا وتعاضماً والجملة تعلیل الامر السابق مطلب یہ ہے کہ تکبر و غرور اور شیخی والا اپنے عزیزوں پڑوسیوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور ان کے مقابلہ میں اپنی فضیلتیں شمار کرتا ہے اور تکبر و فخر کی وجہ سے حسن سلوک سے متعلق جو احکام ہیں ان پر عمل نہیں کرتا، صاحب روح المعانی نے ٹھیک فرمایا جن لوگوں میں اپنی بڑائی اور برتری کا دھیان ہوتا ہے، وہ اعزہ و اقربا پڑوسیوں کی مدد تو کیا کرتے ان کی تو خواہش یہی رہتی ہے کہ یہ لوگ حاجت مند غریب اور فقیر ہی رہیں تاکہ ہماری برابری نہ کر سکیں۔ اگر ایک بھائی پیسے والا ہے تو غریب بھائی کے گھر آنا جانا بھی گوارا نہیں کرتا۔ اور اس میں خفت و بے آبروئی محسوس کرتا ہے۔ یہ جذبہ تکبر صلہ رحمی سے مانع رہتا ہے۔

بخل کی مذمت:

پھر فرمایا ﴿الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ (یعنی یہ لوگ ایسے ہیں جو بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اس کو چھپاتے ہیں) اس میں بھی ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے جن کا اوپر تذکرہ ہوا ہے، یعنی یہ لوگ متکبر ہیں فخر کرنے والے ہیں اور کنجوس بھی ہیں، اور صرف خود ہی کنجوس نہیں بلکہ دوسروں کو بھی کنجوسی کا حکم دیتے ہیں۔ خود تو اعزہ و اقرباء ضعفاء یتامی اور مساکین اور مسافروں پر خرچ ہی نہیں کرتے دوسروں کو بھی خرچ نہیں کرنے دیتے، جن لوگوں کا مزاج اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا نہیں ہوتا۔ انہیں دوسروں کا خرچ کرنا بھی کھولتا ہے، مال کی محبت اس درجہ دل میں بیٹھ جاتی ہے کہ دوسروں کا خرچ کرنا بھی ان کے نفسوں کو ناگوار اور شاق ہوتا ہے۔

سورۃ الفجر میں فرمایا ﴿كَلَّا بَلْ لَا تُكْرَمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا تَحْضُونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمُسْكِينِ وَتَاْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمًّا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾ (کہ تم لوگ یتیم کا اکرام نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتے اور میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو۔)

کنجوسی کرنے والے مال کو چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ نہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں نہ اس کی مخلوق پر خرچ کرتے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ یہ مال کس نے دیا ہے؟ مال صرف اللہ نے دیا ہے اور وہ بھی اپنے فضل سے، اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ خوب بڑھ چڑھ کر اللہ کی رضامندی کے کاموں میں خرچ کرتے۔

پھر فرمایا ﴿وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ (کہ ہم نے کافروں کے لیے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں کفر سے کفران نعمت یعنی ناشکری کے معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہیں، اور کافر بمعنی معروف بھی مراد ہو سکتا ہے۔ پھر آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہودی انصار کے پاس آتے تھے اور ان سے خیر خواہانہ طور پر کہتے تھے کہ تم لوگ اپنے مال کو خرچ نہ کرو ہمیں ڈر ہے کہ تمہارے مال ختم ہو جائیں گے۔ اگر اخراجات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لوگے تو نہ جانے آگے کیا ہوگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے ﴿الَّذِينَ يَبْخُلُونَ﴾ سے ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا﴾ تک آیت نازل فرمائی۔ اگر سبب نزول کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو کافروں سے کفر کا معنی معروف ہی مراد ہوگا۔

ریا کاری کے طور پر مال خرچ کرنے کی مذمت:

پھر فرمایا ﴿وَالَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِنَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (اور جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور آخرت کے دن پر) یہ بھی مختلفاً فخوراً کی صفت ہے۔ درمیان میں بطور جملہ معترضہ کافروں کے لیے عذاب مہین کا تذکرہ فرما دیا اس میں یہ بتایا کہ یہ تکبر اور فخر کے متوالے اللہ کی رضا کے کاموں میں تو خرچ نہیں کرتے

البتہ لوگوں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ دنیا دار کو جاہ و شہرت مطلوب ہوتی ہے وہ چاہتا ہے کہ میری تعریف ہو اور لوگوں پر میری مالداری ظاہر ہو۔ اسی لیے اہل دنیا اللہ کی رضا کے کاموں میں مال خرچ کرنے سے جان چراتے ہیں۔ ان لوگوں کی مذمت فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اللہ پر ایمان لاتے تو اس سے ثواب لینے کی امید رکھتے اور عذاب سے ڈرتے اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے (جہاں اعمال کی جزا ملتی ہے) تو اپنی زندگی کو درست کرتے۔

آخر میں فرمایا ﴿وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا﴾ (یعنی اور شیطان جس کا ساتھی ہو سو وہ برا ساتھی ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں شیطان سے ایسے اور اس کے مددگار جو اس کے قبیلہ سے ہیں اور وہ لوگ جو اس کی باتوں پر چلتے ہیں یہ سب مراد ہیں پھر لکھتے ہیں کہ نفسانی قوتیں اور خواہشیں اور شیطاں الانس والجن بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ شیطان کو برا ساتھی اس لیے بتایا کہ ہمیشہ گناہوں کی طرف بلاتا ہے اور گناہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور گناہ دوزخ میں داخل ہونے کا سبب ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (یعنی یہ لوگ جو کفر میں مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کے منکر ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ نہیں کرتے ان پر کیا وبال آجائے اور کیا ضرر لاحق ہو جائے اگر ایمان لائیں اور اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کریں) یہ سوال بطور استفہام انکاری کے ہے۔ بطور زجر تو نسخ یہ سوال کیا ہے اور ان کو توجہ دلائی ہے کہ اپنے طرز زندگی کے بارے میں فکر مند ہوں اور نفع و نقصان کے بارے میں سوچیں۔ اگر غور کریں گے تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ ان کا طریقہ غلط ہے اور جو اہل ایمان کا طریقہ ہے اسی کو اختیار کرنا لازم ہے اسی میں ان کا بھلا ہے اور اس کی مخالفت میں ضرر ہے اور وبال ہے۔

قال صاحب الروح صفحہ ۲۱: ج ۵ بل المراد توبيخهم على الجهل بمكان المنفعة والإعتقاد في الشيء على خلاف ما هو عليه وتحريرهم على صرف الفكر التحصيل الجواب لعله يوذي بهم إلى العلم..... الخ

اللہ تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم نہ کرے گا:

پھر فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں فرماتا۔) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نا فرمانی کے بغیر عذاب نہیں دے گا اور کسی کی کوئی نیکی ضائع نہیں فرمائے گا۔ اگر ذرہ برابر بھی کسی کی نیکی ہوگی اس کا ثواب بھی عطا فرمائے گا بلکہ وہ اس نیکی کو چند در چند بڑھا دے گا اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ ایک نیکی کم از کم دس نیکی کے برابر تو کر دی ہی جاتی ہے جیسا کہ سورہ انعام وغیرہ میں فرمایا ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مِثَالِهَا﴾ اور اس کے بعد سات سو تک اور سات لاکھ تک اور اس سے بھی بڑھ کر جہاں تک اللہ چاہے ایک نیکی کا ثواب عطا کر دیا جاتا ہے۔ کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھ کر دیکھے اور گناہ چھوڑے نیکیوں میں لگے پھر دیکھے کیسا مالا مال ہوتا ہے۔ حقیر دنیا چونکہ نظر کے سامنے ہے اس لیے اس کے لیے گناہ بھی کر لیتے ہیں۔ اور نیکیوں سے بھی محروم رہتے ہیں۔ جعلنا الله من السابقين الى الخيرات والمبارين الى الحسنات۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٣١﴾

پس کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان پر گواہ بنائیں گے

قیامت کے دن ہر امت کے ساتھ ایک گواہ ہوگا

اس آیت میں میدان آخرت کا ایک منظر بتایا ہے کہ قیامت کے دن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کے ساتھ آئیں گے اور ہر نبی اپنی اپنی امت کے بارے میں گواہی دے گا کہ یہ لوگ عقائد و اعمال کے لحاظ سے ایسے ایسے تھے ان لوگوں کی گواہیوں پر حضرت خاتم الانبیاء سرور عالم ﷺ گواہی دیں گے کہ یہ حضرات سچ فرما رہے ہیں اور ان کی گواہی صحیح ہے۔ سورہ بقرہ میں ﴿لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ﴿۱﴾ کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ حضرات انبیاء ﷺ کی امتیں جب منکر ہو جائیں گی کہ کسی نے ہم کو تبلیغ نہیں کی تو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام واکتبیہ حضرات انبیاء کرام ﷺ کے حق میں گواہی دے گی کہ واقعی ان حضرات نے تبلیغ کی تھی۔ پھر آنحضرت ﷺ گواہی دیں گے کہ میری امت کی گواہی صحیح ہے اور یہ گواہی دینے کے لائق ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ میں نے عرض کیا کیا آپ کے سامنے تلاوت کروں حالانکہ آپ ہی پر تو نازل ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ کسی دوسرے سے سنوں اس پر میں نے سورہ نساء پڑھنی شروع کی یہاں تک کہ جب میں اس آیت پر پہنچا

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ﴾ تو آپ نے فرمایا کہ بس کرو میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۶۵۹ ج ۲)

یہ حدیث نقل کر کے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ جب شاہد کا یہ حال ہے کہ اس شہادت کے استحضار سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو مشہود علیہ یعنی اس کا کیا حال ہوگا جس کے خلاف یہ گواہی ہوگی اور جسے یوم قیامت کے مصائب نے گھیر رکھا ہوگا۔

يَوْمَئِذٍ يَوْمَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ كَوُتُسُوا بِهِمْ إِلَّا رِجَالٌ ۙ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ

حَدِيثًا

جس دن وہ لوگ آرزو کریں گے جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی کہ کاش! ان پر زمین برابر کر دی جاتی اور یہ لوگ اللہ سے کوئی بات بھی نہ چھپائیں گے

قیامت کے دن کافروں کی آرزو کہ کاش زمین کا پیوند ہو جاتے

گزشتہ آیت میں جس دن کی گواہی کا ذکر ہے اس دن کی مصیبت اور شدت اور بد حالی اس آیت میں بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ جس دن یہ گواہیاں ہوں گی اس دن کفار اور وہ لوگ جنہوں نے رسولوں کی نافرمانی کی (علی ارادۃ الجنس) اس بات کی تمنا کریں گے کہ ہائے کاش! ہم آج کے دن دفن کر دیے جاتے اور زمین کا پیوند بنا دیے جاتے اور جس عذاب اور مصیبت میں مبتلا ہیں اس سے رہائی ہو جاتی۔ اور اس دن اللہ سے کوئی بات نہ چھپائیں گے خود اپنے اقرار اور اپنے اعضا و جوارح کے اقرار سے دوزخ میں داخل ہوں گے اس دن حالات مختلف ہوں گے کبھی تو پوشیدہ رکھیں گے اور کہیں گے واللہ ربنا ما کنا مشرکین (کہ قسم ہے اللہ کی جو ہمارے رب ہے ہم شرک کرنے والے نہ تھے) لیکن پھر اعضا و جوارح کی گواہیوں کے بعد اپنی نافرمانیوں کا اقرار کر لیں گے اس وقت یہ کہیں گے کہ ہائے کاش! ہم زمین کا پیوند بنا دیے جاتے۔ (من روح المعانی صفحہ ۳۵ ج ۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا

عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۗ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ

لَسْتُمْ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَسَّؤْا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ

كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿۱۳﴾

اے ایمان والو! اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو نماز کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جان لو کہ کیا کہہ رہے ہو، اور نہ اس حالت میں نماز کے

پاس جاؤ جبکہ تم پر غسل فرض ہو مگر یہ کہ راستہ گزرنے والے ہو یہاں تک کہ تم غسل کر لو، اگر تم مریض ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو پھر پانی نہ پاؤ تو ارادہ کرو پاک مٹی کا، مسح کر لو اپنے چیزوں کا اور ہاتھوں کا بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا مغفرت فرمانے والا ہے۔

حالت نشہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت

اس آیت شریفہ میں اولاً تو یہ فرمایا کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ اگر کوئی حالت نشہ میں ہو تو اس وقت تک نماز نہ پڑھے جب تک کہ ہوش نہ آجائے اور یہ نہ جان لے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ ابتداء اسلام میں جب تک شراب پینا حرام قرار نہیں دیا گیا تھا اس عرصہ میں ایک واقعہ پیش آیا جو حضرت علیؓ سے مروی ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کھانا تیار کیا اور ہم لوگوں کو کھانے پر بلایا، کھانا کھلایا اور شراب پلا دی۔ شراب نے اپنا اثر دکھایا پینے والوں کو نشہ آ گیا اور اسی وقت نماز کا وقت ہو گیا۔ حاضرین نے مجھے امامت کے لیے آگے بڑھا دیا میں نے ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ پڑھی جس میں ﴿وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾ پڑھ دیا (جس سے مفہوم بدل گیا اور معنی الٹ گیا) اس پر اللہ جل شانہ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو جب تک یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو (اخرجہ الترمذی فی تفسیر سورة النساء وقال حسن غریب صحیح) اس کے بعد قطعی طور پر شراب بالکل حرام کر دی گئی جس کا ذکر سورہ مائدہ کی اس آیت میں ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ﴾

باب النقول میں دوسرا سبب نزول یوں نقل کیا ہے کہ حضرت اسلم بن شریکؓ نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اوثنی کا کجاوہ باندھا کرتا تھا ایک رات مجھ پر غسل فرض ہو گیا۔ ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے سے موت یا مرض کا اندیشہ ہو گیا میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى﴾ (آخر تک) نازل فرمائی (جس میں تیمم کرنے کی اجازت دی گئی)۔

تیمم کے مسائل:

یہ پہلی آیت ہے جس میں تیمم کرنے کی اجازت مذکور ہے۔ دوسری آیت تیمم سورہ مائدہ میں ہے جو دوسرے رکوع کی ابتداء میں ہے اس آیت میں وضو کا طریقہ بھی بتایا ہے اور تیمم کا طریقہ بھی۔ دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں یا مریض یا مسافر ہونے کی حالت میں حدث اکبر اور حدث اصغر دونوں سے پاک ہونے کے لیے تیمم کرنا درست ہے، غسل فرض ہو جائے تو اس کو حدث اکبر اور ٹوٹ جائے تو اسے حدث اصغر کہا جاتا ہے اور دونوں آیتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدث اکبر ہو یا حدث اصغر ان کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا ممنوع ہے اور چونکہ تیمم کی اجازت دے دی گئی ہے اس لیے پانی نہ ہونے کا عذر بنا کر نماز چھوڑ دینا جائز نہیں ہے، جیسے حدث اکبر یا حدث اصغر ہوتے ہوئے نماز پڑھنا حرام ہے اس طرح سے نماز کو قصداً و عمدتاً اس کے وقت سے مؤخر کر دینا بھی حرام ہے۔ لفظ ولا جنبا میں غسل فرض ہونے کی حالت بیان فرمائی۔ اور ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾ میں حدث اصغر کی حالت بیان فرمائی۔ الْغَائِطُ نشیبی زمین کو کہتے ہیں جس میں قضائے حاجت کے لیے جاتے ہیں۔ لفظ ﴿أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ﴾ سے حضرت علیؓ و حضرت ابن عباسؓ نے تیمم کے نزدیک حدیث اکبر کی حالت بیان کرنا مقصود ہے لَمَسْتُمُ کا اصل معنی چھونے کا ہے لیکن ان حضرات نے اس کو بطور کنایہ جَامِعْتُمُ کے معنی میں لیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کو اپنے حقیقی معنی پر رکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ عورت کو بغیر حائل کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور بعض دیگر حضرات کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور لَمَسْتُمُ جَامِعْتُمُ کے معنی میں ہے جیسا کہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ رات کو نماز پڑھتے رہتے تھے۔ اور میں آپ کے سامنے جنازہ کی طرح لیٹی رہتی تھی یہاں تک کہ آپ وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو میرے پاؤں کو ہاتھ لگا دیتے تھے۔ (رواہ النسائی صفحہ ۳۸)

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا جب حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا تو آیت شریفہ میں جو اَوْلَمَسْتُمْ وَاَرَدْتُمْ اِسْکَانَہُمْ وَاَرَدْتُمْ اِسْکَانَہُمْ اس کا معنی جَامِعْتُمْ متعین ہو گیا۔

تین صورتوں میں تیمم کرنے کی اجازت معلوم ہوئی اول یہ کہ پانی موجود نہ ہو دوم یہ کہ مریض ہو، سوم یہ کہ مسافر ہو، ان سب کی تفصیلات اور توضیحات کتب فقہ میں مذکورہ ہیں مختصر طریقہ پر یہ جان لینا چاہیے کہ پانی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نمازی جہاں بیٹھا یا لیٹا ہے اسی جگہ پانی موجود ہو۔ قریب میں اگر پانی ہو تو پانی کا طلب کرنا اور وضو کرنا لازم ہے، گھر میں یا بستی میں عموماً پانی ہوتا ہے۔ کنوئیں ہوتے ہیں نل ہوتے ہیں۔ عام طور پر قیمتاً یا بلا قیمت پانی مل جاتا ہے۔ ان صورتوں میں پانی تک پہنچ کر وضو کرے یہ سمجھ کر کہ میرے گھر میں پانی نہیں ہے غسل یا وضو کی جگہ تیمم کرنا درست نہیں ہے۔ اگر کنوئیں پر کھڑا ہے لیکن ڈول رسی نہیں ہے تو تیمم کر سکتا ہے۔ اگر پانی کہیں بھی نہیں ہے تو مجبوراً تیمم کرنا ہی لازم ہوگا، مریض کو بھی تیمم کرنے کی اجازت ہے لیکن ہر مریض کو نہیں، بعض امراض تو ایسے ہوتے ہیں جن میں پانی کا استعمال مضر ہوتا ہی نہیں۔ بلکہ مفید ہوتا ہے، سخت سردی ہو یا پانی بہت ٹھنڈا ہو گرم کرنے کی کوئی صورت نہ ہو، سخت مریض ہو جانے کا یا مرض بڑھ جانے یا کسی عضو یا جان کے تلف ہو جانے کا غالب اندیشہ ہو تو تیمم کرے، اسی طرح کوئی شخص سفر میں ہے اور پانی موجود نہیں ہے تو وہ بھی تیمم کرے۔ اس میں کچھ تفصیل ہے جو کتب فقہ میں مذکورہ ہے۔ مثلاً آس پاس قریب میں پانی ہو تو تلاش کرے اپنے ساتھیوں سے طلب کرے اگر پانی قیمتاً مل جاتا ہو اور مناسب قیمت پر یا کچھ زیادہ قیمت میں ملتا ہو تو حسب ضرورت پانی خرید کر غسل یا وضو کرے۔ تیمم امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات میں سے ہے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے انبیاء کرام رضی اللہ عنہم پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی۔ اول مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے۔ دوم رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی (کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیا ہے، جس کی وجہ سے حملہ آور ہونے سے ڈرتے ہیں) سوم میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا (جو کافروں سے جنگ کے موقع پر ہاتھ لگتا ہے) چہارم ساری زمین میرے لیے سجدہ گاہ یعنی نماز پڑھنے کی جگہ بنا دی گئی ہے اور ساری زمین میرے لیے پاک کرنے والی بنا دی گئی ہے۔ (کیونکہ اگر پاک مٹی سے تیمم کر لیا جائے، جبکہ شرائط تیمم متحقق ہوں تو اس سے وہی پاک مٹی حاصل ہوتی ہے جو وضو اور غسل سے حاصل ہوتی ہے) پنجم میں ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں (آپ سے پہلے انبیاء کرام رضی اللہ عنہم خاص اپنی قوموں کی طرف بھیجے جاتے تھے) ششم انبیاء کرام رضی اللہ عنہم کی آمد میری آمد پر ختم کر دی گئی، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۵۱۲)

اس حدیث میں چھ فضیلت والی چیزوں کا ذکر ہے دوسری احادیث میں اور بہت سے فضائل مذکور ہیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے، اگر چہ دس سال تک پانی نہ ملے۔ پس جب پانی مل جائے تو اسے استعمال کرے۔ (رواہ الترمذی)

تیمم کا طریقہ:

پھر تیمم کرنے کا طریقہ بتایا اور فرمایا ﴿فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيكُمْ﴾ (پس مسح کرو اپنے چہروں اور ہاتھوں کا) سورہ مائدہ میں اس کے آگے لفظ منہ بھی ہے یعنی مٹی سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کر لو۔ احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے کہ مٹی پر ہاتھ مار کر ایک مرتبہ پورے چیزہ کا مسح کیا جائے اور پھر دوسری دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کا مسح کہنیوں تک کر لیا جائے یعنی جہاں تک وضو میں ہاتھوں کو دھویا جاتا ہے وہاں تک دونوں ہاتھوں کا مسح کیا جائے۔ تیمم میں نیت بھی شرط ہے اگر کسی نے کوئی عمارت گرائی اس سے چہرہ اور ہاتھ مٹی میں بھر گئے تو اس سے تیمم نہ ہوگا۔

پھر آخر میں فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا﴾ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے) وہ بخشتا اور معاف کرتا ہے اس نے احکام میں آسانی بھی دی ہے پانی نہ ہونے یا مسافر و مریض ہونے کی حالت میں تیمم کو مطہر بنا دیا اور حدث اکبر و حدث اصغر دونوں کے لیے تیمم کا طریقہ مشروع فرما دیا جو ایک ہی طریقہ ہے دونوں کے تیمم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۗ وَكَفَى بِاللَّهِ وَلِيًّا ۗ وَكَفَى بِاللَّهِ نَصِيرًا ﴿۳۵﴾ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا أَوَّحَاثًا فَكَلِمَةً مِّنَ الْكَلِمِ عَنْ مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَسْمَعُ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۗ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأَسْمَعُ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمًا ۗ وَلَكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۳۶﴾

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور یہ ارادہ کرتے ہیں کہ تم راہ سے بھٹک جاؤ، اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو جاننے والا ہے اور اللہ کافی ہے، ولی ہونے کے اعتبار سے اور اللہ کافی ہے مددگار ہونے کے اعتبار سے، جو لوگ یہودی ہیں ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کلمات کی تحریف کرتے ہیں ان کی جگہوں سے اور کہتے ہیں ہم نے سن لیا اور نہیں مانیں گے اور کہتے ہیں کہ سن لے اس حال میں کہ تو سننے والا نہ ہو، اور اپنی زبانوں کو موڑتے ہوئے اور دین میں طعن کرتے ہو لفظ راعنا کہتے ہیں اور اگر وہ یوں کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور آپ سن لیجئے اور ہم پر نظر فرمائیے تو ان کے لیے بہتر ہوتا اور لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی سو وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑے سے آدمی۔

یہودیوں کی شرارت اور شقاوت

تفسیر درمنثور صفحہ ۱۶۸: ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رفاعہ بن زید یہودیوں کا ایک چودھری تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتا تو اپنی زبان موڑ کر بات کرتا پھر اس نے اسلام میں طعن زنی شروع کر دی اور احکام اسلام میں عیب نکالنے لگا اس پر یہ آیت شریفہ الا قلیلاً تک نازل ہوئی۔ یہودیوں کو اللہ تعالیٰ نے تورات کا علم دیا تھا باوجودیکہ اس میں تحریف کر لی تھی پھر بھی اس میں آنحضرت سرور عالم ﷺ کی بعثت اور نبوت و رسالت کا ذکر موجود تھا۔ ہر قوم کے چھوٹے اپنے بڑوں کے پیچھے لگتے ہیں۔ یہودیوں کے علماء اور زعماء حق جانتے ہوئے نہ اسلام کی طرف آتے تھے اور نہ عوام کو اس کی طرف آنے دیتے تھے۔ ہدایت کی جگہ گمراہی اختیار کی، اپنی قوم کو بھی کفر پر جمایا اور مسلمانوں کو بھی اسلام سے ہٹانا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے فرمایا کہ اللہ کو تمہارے دشمنوں کا خوب علم ہے اور وہ تمہاری مدد کے لیے کافی ہے۔

یہودی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو زبان موڑ کر بات کرتے تھے۔ ایسے الفاظ بولتے تھے جن کا ظاہری معنی کچھ اور ہوتا تھا اور دل سے دوسرے معنی لیتے تھے۔ ان الفاظ میں سے لفظ راعنا بھی تھا۔ جس کا معنی عربی میں تو یہ ہے کہ ہماری رعایت فرمائیں اور ان کی زبان میں یہ لفظ موت کی بددعا کے لیے بولا جاتا ہے۔ جس کی تشریح سورہ بقرہ کے رکوع نمبر ۱۳ میں آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا﴾ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ اس آیت شریفہ میں بھی ان لوگوں کی اس حرکت بدکا تذکرہ فرمایا ہے وہ بات سنتے تھے

ساتھ ہی عَصِيْنَا بھی کہتے تھے کہ ہم فرمانبرداری نہیں کریں گے، اور اس بات کو نہیں مانیں گے (یہ تو ان کا مطلب دل میں تھا، اور ظاہری مطلب یہ تھا کہ آپ کے خلاف کسی کی بات نہ مانیں گے) اور جب آنحضرت ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے اِسْمَعُ کہتے تھے تو ساتھ ہی غیبر مُسْمِعٌ بھی لگا دیتے تھے۔ صاحب روح المعانی (صفحہ ۴: ج ۵) لکھتے ہیں کہ اس لفظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک معنی شرک ہے اور وہ یہ کہ تم سننے والے نہ رہو جس کا مقصد قوت سامعہ ختم ہو جانے کی بددعا دینا تھا۔ اور یہی ان لوگوں کا مقصود تھا دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ کو کوئی مکروہ بات سننا نہ پڑے۔ یہودی ملعون قوم ہے وہ بطور استہزاء یہ لفظ بولتے تھے تاکہ ظاہر میں کچھ اور سمجھا جائے اور اپنے دلوں میں وہ اپنی نیت کے مطابق معنی لیتے رہیں۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ اِگر یہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا) کہتے اور اِسْمَعُ (سن لیجئے) کہتے اور ساتھ ہی ﴿غَيْرَ مُسْمِعٍ﴾ کا لفظ نہ ملاتے اور اَنْظُرْنَا (ہماری طرف توجہ فرمائیے) کہتے اور اِعْنَانَا کہتے تو ان کے لیے اچھا تھا اور ٹھیک تھا انہوں نے بیہودگی اختیار کی۔ اللہ پاک نے ان کے کفر کے سبب ان کو ملعون قرار دے دیا۔ اب یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ہاں ان میں سے تھوڑے سے آدمی ایمان لائیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آؤْتُوا الْكِتَابَ امْنُوا بِنَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّن قَبْلِ أَنْ نَطَّيْسَ وُجُوهاً
فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ آذُنِهَا أَوَّعِنَا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۖ وَكَانَ أَمْرًا لِّلَّهِ مَفْعُولًا ﴿۴۰﴾

اے وہ لوگو! جن کو کتاب دی گئی ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا جو اس کی تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے اس سے پہلے کہ ہم چیزوں کو مٹا دیں پھر ان کو الٹی جانب کی طرح بنا دیں یا ہم ان پر لعنت کر دیں، جیسا کہ ہم نے ہفتہ کے دن والوں پر لعنت کی اور اللہ کا حکم پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔

یہود کا ملعون ہونا

در منشور صفحہ ۱۶۸: ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے رؤساء یہود سے بات کی جن میں عبد اللہ بن صوریہ اور کعب بن اسد بھی تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ اے یہودیو! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو۔ اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ جو دین میں لے کر آیا ہوں وہ حق ہے، کہنے لگے کہ اے محمد! کہ ہم اس کو نہیں پہچانتے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی اور فرمایا کہ اے اہل کتاب! جو کتاب ہم نے نازل کی ہے اس پر ایمان لاؤ جو کتاب تمہیں دی گئی تھی یعنی تورات شریف یہ کتاب اس کی بھی تصدیق کرتی ہے اس سے پہلے ایمان لے کر آؤ کہ ہم (بیز اس کے طور پر) چہروں کو بالکل مٹا دیں اور ان کو الٹی جانب یعنی گدی کی طرح بالکل صفا چٹ بنا دیں، ناک آنکھ منہ کچھ بھی نہ رہے۔ یا ہم ان لوگوں پر لعنت کر دیں، جیسا کہ ہم نے ہفتہ کے دن زیادتی کرنے والوں پر لعنت کی تھی، یہودیوں کو ہفتہ کے دن کی تعظیم کا حکم دیا گیا۔ جس میں یہ بھی تھا کہ اس دن شکار نہ کریں، وہ لوگ نہ مانے نافرمانی کی تو ان کو بندر بنا دیا گیا، جیسا کہ سورہ بقرہ رکوع ۸ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ چونکہ یہ واقعہ یہودیوں کا تھا تھا ان ہی میں پیش آیا تھا اور باپ دادوں سے سنتے چلے آئے تھے، اس لیے ان کو یاد دلایا اور بتایا کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ آخر میں فرمایا:

﴿وَكَانَ أَمْرًا لِّلَّهِ مَفْعُولًا﴾ کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کسی امر کا ہو جائے تو وہ ہو کر ہی رہے گا۔ اس کے فیصلہ کو کوئی روک نہیں سکتا۔

آیت بالا میں جو طمس الوجوه (یعنی چہروں کا مسخ) فرمانے کا ذکر ہے اس کے بارے میں مفسرین نے بڑی لمبی بحث کی ہے۔ اور یہ سوال اٹھایا ہے کہ یہ مسخ دنیا میں یہودیوں کے ساتھ ہو چکا ہے۔ یا آئندہ کبھی ہوگا؟ صاحب روح المعانی نے اس کے بارے میں دو صفحے خرچ کیے ہیں اور مفسرین کے متعدد اقوال نقل فرمائے، ہیں، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ واقعہ پیش نہیں ہوا کیونکہ اس کے بعد بعض یہود مسلمان ہو گئے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے پہلے یہ واقعہ پیش آئے گا، اور یہودیوں میں مسخ ہوگا۔ بعض حضرات نے یوں فرمایا کہ دو

چیزوں کا ذکر تھا۔ ﴿مَنْ قَبِلَ أَنْ تَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُّهَا عَلَىٰ آدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعْنَا أَصْحَابَ السَّبْتِ﴾ اس میں حرف عطف او استعمال فرمایا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ چہرے مسخ کر دینا یا لعنت کر دینا دونوں میں سے ایک ہوگا جب یہود پر لعنت ہوگی تو دونوں میں سے ایک چیز وجود میں آگئی اور وعید پوری ہوگئی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آخرت میں مسخ کرنا مراد ہے۔

لیکن حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ قرآن میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ ایمان نہ لاؤ گے تو مسخ ضرور ہوگا۔ بلکہ بطور احتمال ایک سزا کا ذکر فرمایا ہے اس کے وہ مستحق تو ہیں اللہ کو اختیار ہے کہ عذاب دے نہ دے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ
اِفْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿۳۸﴾

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشنے گا کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے اور اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے بخش دے گا اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے تو اس نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا۔

شرک بہت بڑا گناہ ہے اور شرک کی بخشش نہیں ہوگی

اس آیت میں اس بات کا واضح طور پر اعلان فرمادیا کہ شرک کرنے والا جو بغیر ایمان لائے مر جائے اس کی بخشش کبھی نہ ہوگی۔ اور شرک کے علاوہ دوسرے جو گناہ ہیں اللہ جن کو چاہے گا معاف فرمادے گا اور جس گناہ پر چاہے گا عذاب دے گا، شرک بہت ہی بڑا جرم ہے۔ پیدا کیا اللہ نے زندہ وہ رکھے کھانے پینے کو وہ دے جائیں وہ پوری کرے اور عبادت میں یا استعانت میں یا ایسی تعظیم میں جو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے زیبا ہے دوسروں کو شریک کر لیا جائے عقلی طور پر بھی یہ بہت بڑی حماقت ہے اور سفاقت ہے اور نا انصافی ہے قرآن مجید میں جگہ جگہ تو حید کا حکم فرمایا صرف اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک اور رب سمجھیں اور صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کریں، شرک کی جگہ جگہ مختلف عنوانات سے تردید فرمائی ہے اور مشرکین کی بے عقلی پر تہنید فرمائی۔ دنیا میں کوئی شخص کسی چیز کا مالک ہو اور دوسرے لوگ کسی شخص کے بارے میں کہنے لگیں کہ وہ بھی اس میں شریک ہے تو مالک کو کتنا ناگوار ہوتا ہے حالانکہ وہ صرف مالک مجازی ہے، نہ مالک حقیقی ہے نہ خالق ہے، پھر بھی اسے دوسرے کی شرکت کا تصور ناگوار ہوتا ہے جن کو مشرکین اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں وہ سب مل کر ایک کبھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، اور وہ خود اپنے وجود میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، وہ اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں ان کو موت بھی آتی ہے ٹوٹتے پھوٹتے بھی ہیں، کھاتے پیتے بھی ہیں۔ عاجز محض ہیں ان کو خدائی کا درجہ دینا نہایت ہی حماقت کی بات ہے اور خالق کائنات جل مجدہ کی نادر نصیبی کا باعث ہے جو بھی کوئی شخص حالت شرک میں مرتے گا، ہمیشہ کے لیے دوزخ کے عذاب میں داخل ہوگا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں جیسے مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے اور جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتاتے ہیں اور جیسے یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کے اللہ کا بیٹا ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ سب شرک ہے۔

مشرکوں کے علاوہ دوسرے کافروں کو بھی بخشش نہ ہوگی

مشرک کے علاوہ اور جو کفر کی دوسری صورتیں ہیں جو شخص ان کا مرتکب ہوگا وہ بھی ہمیشہ کے لیے دوزخ کے عذاب میں داخل ہوگا، جس کی تصریح قرآن مجید کی دوسری آیات میں وارد ہوئی ہے۔ سورہ احزاب میں فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكُفْرِينَ وَآمَدَ لَهُمُ سَعِيرًا خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾ (بے شک اللہ نے لعنت کی کافروں پر اور ان کے لیے تیار کی ہے دہکتی ہوئی آگ اس میں ہمیشہ رہیں گے، میں یا میں سے کوئی دوست اور مددگار) سورہ نساء میں فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ صَرِيحًا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (جو لوگ کافر ہوئے اور ظلم کیا ہرگز اللہ ان کو بخشنے

والا نہیں اور نہ دکھلائے گا ان کو کوئی راہ مگر دوزخ کی راہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔
خدا تعالیٰ شانہ کے وجود کے منکر دہریے اور اسلام کے منکرین اور خدا تعالیٰ پر اعتراض کرنے والے قرآن کے منکر اور ارکان اسلام کے منکر قرآن و سنت کا مذاق بنانے والے ختم نبوت کے منکر اور ہر اس بات کے منکر جو قطعی الثبوت ہو یہ سب کافر ہیں مشرک اور کافر بھی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْكُونَ أَنفُسَهُمْ ۖ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿۳۹﴾ انظر
كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ ۖ وَكَفَىٰ بِهٖ إِثْمًا مُّبِينًا ﴿۴۰﴾

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی جانوں کو پاکیزہ بتاتے ہیں بلکہ اللہ جس کو چاہے پاکیزہ بناتا ہے اور لوگوں پر کھجور کی گٹھلی کے تانے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا دیکھو یہ لوگ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھتے ہیں اور ان کا یہ افتراء صریح گناہ ہونے کے لیے کافی ہے۔

یہودیوں کی مذمت جو اپنے کو پاکیزہ بتاتے تھے

گزشتہ آیت میں یہودیوں کی بعض بد حرکتوں کا ذکر تھا اس میں بھی ان کے ایک فعل بد کا ذکر ہے۔ صاحب روح المعانی بحوالہ ابن جریر حضرت حسن سے نقل فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ دونوں فریق کے بارے میں نازل ہوئی۔ کیونکہ ان لوگوں نے یہ کہا تھا کہ ﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاءُ كَآء﴾ (کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب بندے ہیں) اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ﴿لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَى﴾ (ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگا مگر جو یہودی ہو یا نصرانی ہو) اس طرح انہوں نے اپنے نفسوں کا تزکیہ کیا یعنی اپنے کو نیک اور صالح اور مستحق جنت بتایا اور اللہ کا محبوب ہونے کا دعویٰ کیا، باوجود کفر میں مبتلا ہونے کے اپنے نفسوں کی تعریف کی اور اپنے کو اچھا بتایا، اور اپنے بارے میں عقیدہ بھی اچھا رکھا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ اے مخاطب کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی جانوں کا تزکیہ کرتے ہیں یعنی اپنے کو پاک بتاتے ہیں، حالانکہ وہ پاک نہیں ہیں، خود اپنی تعریف کرنے سے انسان نہ پاک ہوتا ہے اور نہ مستحق نجات ہوتا ہے خود اپنا تزکیہ حماقت ہے بلکہ وبال ہے، اللہ تعالیٰ شانہ کو سب کے عقائد اور اعمال کی خبر ہے اور انجام کی بھی خبر ہے وہ جس کا تزکیہ فرمادے وہی پاک ہے جو لوگ کفر میں مبتلا ہوتے ہوئے اپنے کو پاکیزہ بتا رہے ہیں اللہ تعالیٰ شانہ ان کی بد کرداری کی سزا دے گا، اور ان کو جو عذاب دیا جائے گا وہ ان کے اعمال بد کے اعتبار سے مناسب اور موافق ہوگا ان پر ذرہ بھر بھی ظلم نہ کیا جائے گا، ایسا نہ ہوگا کہ جتنا جرم کیا ہے اس سے زیادہ سزا دی جائے۔

حقیر اور صغیر چیز کی مثال دینے کے لیے اہل عرب لفظ نقیر اور فتیل اور قطمیر استعمال کیا کرتے تھے۔ کھجور کی گٹھلی میں جو گڑھا ہے اسے نقیر اور اسے گڑھے میں جو تگا ہوتا ہے اسے فتیل اور گٹھلی پر جو ہلکا سا چھلکا ہوتا ہے اسے قطمیر کہا جاتا ہے۔ یہ بتاتے ہوئے ان پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا، یہاں لفظ فتیل استعمال فرمایا ہے اسی سورت کے آئندہ رکوع میں اور چند رکوع کے بعد لفظ نقیر آیا ہے اور سورہ فاطر میں فرمایا مَّا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ (کہ وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی مالک نہیں)

پھر فرمایا مَّا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ کہ دیکھ لو یہ لوگ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھتے ہیں ان کا یہ کہنا کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ العیاذ باللہ اللہ کے نزدیک کفر پسندیدہ چیز ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ پر بڑی تہمت ہے۔

پھر فرمایا: ﴿انظر كيف يفترون على الله الكذب﴾ کہ ان کا یہ قول سراسر صریح بہتان ہونے کے لیے کافی ہے، اپنے جھوٹے دعوؤں اور آرزوؤں کو لیے بیٹھے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ رہے ہیں کہ ہم اس کے نزدیک محبوب اور مقبول ہیں۔

تزکیہ نفس کی ضرورت اور اہمیت:

اپنے نفس کو رذائل سے اور برے اخلاق سے پاک صاف کرنا چاہیے اور یہ بہت مبارک عمل ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے کا رہائے نبوت میں ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾ فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے موافق جو شخص اپنے نفس کو رذائل سے اور برے اخلاق اور برے اعمال سے پاک کرے اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف میں فرمایا ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾ (کہ بے شک وہ کامیاب ہوا جو پاک ہوا) جو لوگ رذائل اور بد اخلاقی میں مبتلا ہیں ان کا اپنے کو پاک بڑا بتانا یہ تو دہرا جرم ہے، ہیں برے اور بنتے ہیں اچھے۔ لیکن جو لوگ سچ سچ نیک اور صالح ہیں اور رذائل سے پاک ہیں اخلاق حسنہ سے متصف ہیں، ان کو بھی اپنی تعریف اور تزکیہ کرنا زیب نہیں دیتا کیونکہ اس کا باعث عموماً تکبر ہوتا ہے۔ سورہ والنجم میں ارشاد فرمایا ﴿فَلَا تَزُكُّوا انْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى﴾ (سو تم اپنے نفسوں کی پاکیزگی بیان مت کرو اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کون متقی ہے)۔

اپنی تعریف کرنے کی ممانعت:

اگر کوئی شخص عمومی طور پر گناہوں سے اور رذائل اور بد اخلاقی سے بچتا ہو تب بھی کچھ نہ کچھ خرابی کو تا ہی تو باقی رہ ہی جاتی ہے۔ پھر انجام کا پتہ نہیں کہ خاتمہ کس حالت پر ہوگا اس لیے اپنے تزکیہ سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو ایسا نام رکھنا بھی پسند نہیں فرمایا جس سے اپنی تعریف کا پہلو نکلتا ہو۔ حضرت زینب بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ میرا نام برہ (نیک عورت) رکھ دیا گیا تھا آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو ارشاد فرمایا کہ اپنی جانوں کو پاکیزہ نہ بتاؤ۔ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ تم میں نیک کون ہے اس کا نام زینب رکھ دو۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۰۸: ج ۲) تحدیث بالنعمة کی اجازت:

اللہ نے اگر کسی کو اچھے اعمال اور اچھے اخلاق کی نعمت سے نوازا ہو اور بطور تحدیث بالنعمة اپنی اچھی حالت بیان کر دے تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن بیان کرتے وقت اپنے باطن کا جائزہ لے کہ نفس کہیں دھوکہ تو نہیں دے رہا ہے، تحدیث بالنعمة کے پردہ میں اپنی تعریف اور تزکیہ کا کام تو نہیں ہو رہا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ
لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَعْدَاؤُنَا وَمَن آتَاهُم مِّنْهُم مُّوَدَّةٌ فَلَنَ كَرِهْنَا اللَّهُ ط
يَلْعَنُ اللَّهُ فُلًا مَّنْ تَجَدَّلَهُ تَصِيرًا ط

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا، وہ مانتے ہیں بتوں کو اور شیطان کو، اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے ان کے نسبت یہ کافر زیادہ راہ راست پر ہیں ایسا کہنے والے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کر دے تو اس کے لیے کوئی مددگار نہ پائے گا۔

یہودیوں کی جسارت جنہوں نے شرک کو توحید سے افضل بتا دیا

لباب النقول صفحہ ۷۱ میں اس آیت کا شان نزول بتاتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہودیوں کے علماء اور رؤساء جو قبیلہ بنی نضیر میں سے تھے مکہ معظمہ پہنچے۔ قریش مکہ نے آپس میں کہا کہ یہ لوگ علماء یہود ہیں پہلی کتابوں کا بھی علم رکھتے ہیں۔ ان سے دریافت

کرو کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد ﷺ کا دین بہتر ہے؟ چنانچہ انہوں نے علماء یہود سے دریافت کیا۔ ان لوگوں نے (یہ جانتے ہوئے کہ قریش مکہ مشرک ہیں اور دین ابراہیمی کو چھوڑ چکے ہیں اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ حق پر ہیں واقعی اللہ کے نبی ہیں) جواب میں کہہ دیا کہ تم لوگ محمد سے اور ان کا اتباع کرنے والوں کی نسبت زیادہ ہدایت پر ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الصَّابِرُونَ﴾ سے لے کر ﴿مُلْكًا عَظِيمًا﴾ تک آیات نازل فرمائیں۔

یہودی یہ جانتے تھے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں وہ آپ کی آمد کے انتظار میں بھی تھے۔ اور جو علامات پہلے سے انہیں معلوم تھیں ان کے اعتبار سے آپ کو پہچان بھی لیا لیکن چند افراد کے علاوہ یہود کے علماء اور عوام نے اسلام قبول نہ کیا ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ اور مشرکین کو بھی انہوں نے یہ بتایا کہ تم نسبت محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب اور اتباع کے زیادہ ہدایت والے ہو۔ نفسانیت اور عناد کا ناس ہو جب یہ دونوں چیزیں کسی کے دل میں جگہ پکڑ لیتی ہیں تو حق اور حقیقت کو دیکھنے ہی نہیں دیتیں، آنکھوں پر پٹی باندھ دیتی ہیں دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ جن لوگوں کے پاس تو ریت شریف کا علم تھا اور وہ جانتے تھے کہ حضرات انبیاء کرام ﷺ توحید کی دعوت دینے کے لیے تشریف لاتے رہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ شرک بدترین چیز ہے اس بات کو جانتے ہوئے علماء یہود نے مشرکین مکہ کو ضد اور عناد میں داعی توحید سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب و اتباع سے زیادہ ہدایت پر بتا دیا۔ جو کچھ علم ان کے پاس تھا اس کی کچھ لاج نہ رکھی اور جب اور طاغوت پر ایمان لے آئے۔

جب اور طاغوت کا معنی:

لفظ جب اور طاغوت کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ جب ایک بت کا نام تھا۔ اس کے بعد وہ ہر معبود باطل کے لیے استعمال ہونے لگا۔ اور طاغوت ہر باطل چیز کو کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ جب جادوگر کے لیے اور طاغوت شیطان کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں ہم نے بعض اقوال کے مطابق آیت شریفہ کا ترجمہ کر دیا ہے یہودیوں کی شرارت نفس دیکھو کہ علم کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ دیا اور جہالت اختیار کر لی اور اہل شرک کو ہدایت پر بتا دیا، اور اس طرح وہ بتوں پر شیطان پر ایمان لے آئے۔

ایسی جاہلانہ باتیں عصبيت جاہلیہ کی وجہ سے دور حاضر کے بعض فرقوں اور بعض جماعتوں سے بھی صادر ہوتی رہتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ﴾ کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان پر لعنت کی یعنی اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ اس لعنت نے ان کو کہیں کا نہ رکھا۔ ملعون ہونے کی وجہ سے نڈر اور بے باک ہو کر کفر اور شرک کی حمایت کر رہے ہیں اور مشرکین کو اصحاب توحید کی نسبت زیادہ ہدایت پر بتا رہے ہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فْلَنْ تَجِدَهُ نَجسًا﴾ (کہ اللہ نے جس کو ملعون قرار دیا تو اس کے لیے کوئی مددگار نہ پائے گا) دنیا و آخرت میں جب اسے مزا ملنے لگے گی تو کوئی مددگار اور بچانے والا نہ ملے گا۔

مشرکوں اور کافروں پر تو لعنت ہے ہی بہت سے گنہگاروں پر بھی حدیثوں میں لعنت آئی ہے۔ گناہ تو سبھی چھوڑنے لگے ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ ان گناہوں سے پرہیز کریں جن کے کرنے والوں پر لعنت وارد ہوئی ہے۔ قرآن میں چند وہ احادیث لکھی جاتی ہیں جن میں گناہوں پر لعنت کا ذکر ہے۔

شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت بھیجی۔

(۲) شراب بنانے والے پر

(۱) شراب بنانے والے پر

- (۳) اس کے پینے والے پر
(۵) جس کی طرف اٹھا کر لے جائی جائے اس پر
(۶) اس کے پلانے والے پر
(۷) اس کے بیچنے والے پر
(۸) اس کی قیمت کھانے والے پر
(۹) اس کے خریدنے والے پر
(۱۰) جس کے لیے خریدی جائے اس پر
(مشکوٰۃ صفحہ ۲۲۲ از ترمذی وابن ماجہ)

مسلمانوں کو نقصان پہنچانا یا اس کے ساتھ مکاری کرنا:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ملعون ہے جو کسی مومن کو نقصان پہنچائے یا اس کے ساتھ مکر کرے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۲۸ از ترمذی)

تقدیر کو جھٹلانا اور کتاب اللہ میں کچھ بڑھا دینا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چھ اشخاص ایسے ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے اور ہر نبی کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ (وہ چھ اشخاص یہ ہیں)۔

(۱) اللہ کی کتاب میں بڑھانے والا

(۲) تقدیر کو جھٹلانے والا

(۳) اللہ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ان کو حلال کرنے والا

(۴) میری عترت یعنی اولاد کی بے حرمتی کرنے والا

(۵) اور سنت کو چھوڑنے والا۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۲۰۵: ج ۷ عن الطبرانی فی الاوسط ورجالہ ثقات)

اس حدیث میں ابتداء چھ افراد کا ذکر کیا لیکن شمار میں پانچ ہیں۔ ممکن ہے کسی کاتب سے کچھ رہ گیا ہو۔ مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۲ میں بھی یہ حدیث ہے۔ اس میں چھٹا آدمی اس شخص کو ذکر کیا ہے جو زبردستی اقتدار حاصل کر لے تاکہ اس کو عزت دے جس کو اللہ نے دلیل کیا اور اس کو ذلت دے جس کو اللہ نے عزت دی۔ صاحب المشکوٰۃ نے یہ حدیث امام بیہقی کی کتاب المدخل سے نقل کی ہے اس حدیث میں تارک سنت کو جو ملعون قرار دیا ہے اس سے وہ شخص مراد ہے جو بالکل ہی آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے روگردانی کر لے یا کسی بھی سنت کا مذاق اڑائے۔ (کما ذکرہ علی القاری فی المرقاۃ)

عورتوں کا قبروں پر جانا اور وہاں چراغ جلانا:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کے لیے جانے والی عورتوں پر اور ان لوگوں پر لعنت فرمائی جو قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیں اور جو قبروں پر چراغ جلانیں (ابوداؤد ترمذی) اس حدیث میں قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور ان لوگوں پر جو قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیں اور وہاں چراغ جلانیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

نوحہ کرنے والی اور نوحہ سننے والی پر لعنت:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی عورت اور (اس کا نوحہ) سننے والی پر لعنت کی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۵۱ از ابوداؤد)

شوہر کی نافرمانی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے جس کی وجہ سے شوہر غصہ کی حالت میں رات گزارے تو اس عورت پر صبح ہونے تک فرشتے لعنت کرتے رہیں گے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۰ از بخاری و مسلم)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہہ رہے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ تمہارے شر پر اللہ کی لعنت۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۵۴ از ترمذی)

سود کھانا اور سود کا کاتب اور گواہ بننا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والوں پر اور فرمایا کہ (گناہ میں) یہ سب برابر ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۲۴ از مسلم) اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ نے سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور گودنے والے اور گدوانے والی پر اور تصویر بنانے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۳۱ از بخاری)

رشوت کا لینا دینا اور اس کا واسطہ بننا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۲۶ از ابوداؤد ابن ماجہ)

اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی ہے جو شخص رشوت لینے والے اور دینے والے کے درمیان واسطہ بنے اس پر بھی اللہ کی لعنت ہے۔ (مشکوٰۃ از شعب الایمان)

ضرورت کے وقت غلہ روکنا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص دوسری جگہ سے (شہر یا بستی میں) غلہ لے کر آئے (جس سے لوگوں کو خوراک ملتی ہے) ایسا شخص مرزوق ہے (یعنی اللہ اس کو رزق دے گا) اور جو شخص (ضرورت کے وقت) غلہ روک کر رکھے (مہنگائی کا انتظار کرتا رہے) ایسا شخص ملعون ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۵۱ از ابن ماجہ)

جاندار چیز کو تیز اندازی کا نشانہ بنانا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص پر لعنت کی جو کسی جاندار چیز کو نشانہ بنائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۵۷ از بخاری و مسلم) زندہ مچھلی کو کانٹے میں لگا کر مچھلیاں پکڑنا بھی حرام ہے۔

مردوں کا زنانہ پن اور عورتوں کا مردانہ وضع اختیار کرنا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں اور ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۸۰ از بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہجڑہ بننے والے مردوں پر اور مردوں کی طرح (وضع قطع بنا کر یا لباس پہن کر) مردانہ مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ان کو اپنے گھروں سے نکال دو۔ (ایضاً)

اس حدیث پاک میں ان مردوں اور عورتوں پر لعنت بھیجنے کا ذکر ہے جو فطرت خداوندی کو چھوڑ کر دوسری جنس کی وضع قطع شکل و صورت لباس و پوشاک اختیار کریں۔ البتہ جو نیکوئی ہیچڑہ ہو چونکہ وہ اپنے اختیار سے نہیں بنا ہے اس لیے اسے ملعون نہ کہا جائے گا۔ لیکن جو مرد قصداً ترکیب اور تدبیر کر کے عورت پر اختیار کرتے ہیں یعنی اپنے اعضاء مردی کو ختم کر دیتے ہیں یا عورتوں کی طرح بال بڑھا کر چوٹی بناتے ہیں یا زنانہ لباس پہنتے ہیں۔ حدیث بالا کی رو سے بلاشبہ وہ ملعون ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنے گھروں میں آنے کی اجازت دینا سخت گناہ ہے۔

مردوں کا زنانہ اور عورتوں کا مردانہ لباس پہننا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لعنت بھیجی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر جو عورت کا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مرد کا لباس پہنے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۸۳ از ابوداؤد)

کسی مرد یا عورت سے اغلام کرنا سبب لعنت ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی کے پیچھے والے حصہ میں شہوت پوری کرے۔ مشکوٰۃ ص ۲۷۶ از احمد و ابوداؤد اور مسند احمد ص ۴۰۹: ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر جو لوط علیہ السلام کی قوم جیسا عمل کرے تین بار یوں ہی فرمایا اور مسند احمد ص ۲۱۷ میں یہ بھی ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو کسی چوپائے سے اپنی شہوت پوری کرے۔

عورتوں کا بالوں میں بال ملانا اور جسم گودوانا:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی بالوں میں بال ملانے والی پر اور بالوں میں بال ملوانے والی پر اور گودنے والی پر اور گودانے والی پر۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۱۲۰: ج ۲ از بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی گودنے والیوں اور گودانے والیوں پر اور چہرے کے بال اکھاڑنے والیوں پر اور لعنت بھیجی ان عورتوں پر جو حسن کے لیے دانتوں کو گھس کر باریک بناتی ہیں جو اللہ کی تخلیق کو بدلنے والے ہیں۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۱۲۰: ج ۲ از بخاری و مسلم)

عیب چھپا کر بیچ دینا:

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے کسی (چیز کو) عیب (کے ساتھ) فروخت کر دیا جس سے خریدار کو آگاہ نہیں کیا تو برابر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہے گا یا فرمایا کہ اس پر فرشتے لعنت کرتے رہیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۲۴۹ از ابن ماجہ)

غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا اور زمین کی حد بندی کی نشانی چرانا:

حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس پر جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے اور اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس پر جو زمین کی نشانی چرائے اور اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس پر جو اپنے باپ پر لعنت کرے اور اللہ کی لعنت ہو اس پر جو کسی ایسے شخص کو ٹھکانہ دے جس نے (دین اسلام میں عمل یا عقیدہ کے اعتبار سے) کوئی نئی چیز نکالی ہو۔ (صحیح مسلم صفحہ ۱۶۰: ج ۴)

اس حدیث میں کئی شخصوں پر لعنت کی ہے ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو زمین کی حد بندی کی نشانی کو چرالے یعنی کھیتوں کے درمیان جو نشانیاں مقرر کر دیتے ہیں ان کو ہٹا دے یا چرا کر پھینک دے یا مینڈھ کو کاٹ دے اور اس طرح دوسرے کی زمین اپنی زمین میں ملا لے، بہت سے لوگ پنواری سے مل کر اور کچھ لے دے کر نقشہ بدلوا کر یا کسی بھی طرح دوسرے کی زمین اپنے نام کرا لیتے ہیں یہ سب حرام ہے اور سب

لعنت ہے۔ جو کسان ایسی حرکتیں کرتے ہیں اس حدیث سے عبرت حاصل کریں۔

نامحرم مرد و عورت کا دیکھنا اور دکھانا موجب لعنت ہے:

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہو دیکھنے والے پر اور جس کی طرف دیکھا جائے اس پر بھی (مشکوٰۃ صفحہ ۲۷۰ از شعب الایمان) یہ حدیث بہت سی جزئیات پر حاوی ہے جس میں بطور قاعدہ کلیہ کے ہر نظر حرام کو مستحق لعنت بتایا ہے اور نہ صرف دیکھنے والے پر لعنت بھیجی بلکہ اپنی خوشی اور اختیار سے جو کوئی مرد یا عورت کسی ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں اس پر نظر بد ڈالی جاسکے اس پر بھی لعنت بھیجی۔

نیز اگر کوئی بھی مرد و عورت کسی بھی مرد و عورت کے سامنے وہ حصہ کھول دے یا کھلا رہنے دے جس کا دیکھنا اس کے لیے حلال نہ ہو جس کے سامنے کھولا ہے تو یہ دکھلانے والا بھی مستحق لعنت ہے۔

نسب بدلنا:

حضرت عمرو بن خارجه رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا باپ بنایا یا اپنے مولیٰ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت ظاہر کی تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس پر فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ اس سے نہ فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔ (مسند احمد صفحہ ۱۸۷ ج ۴)

اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے تنبیہ ہے جو اپنا نسب بدلتے ہیں اونچے خاندان کی طرف اپنی نسبت کر لیتے ہیں اور ناموں کے ساتھ نسبتوں کو لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ جو فرمایا کہ جس نے اپنے مولیٰ کے علاوہ دوسرے کسی شخص کی طرف اپنی نسبت ظاہر کی تو اس پر لعنت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے پاس باندی اور غلام تھے اس وقت وہ غلام اور باندیوں کو آزاد کر دیا کرتے تھے۔ آزاد کرنے والے ان کے مولیٰ تھے اور ان کے درمیان جو نسبت قائم ہوتی تھی اس کو ولاء کہا جاتا تھا۔ اس نسبت کے بدلنے پر بھی لعنت وارد ہوئی ہے۔
مُحَلِّلٌ أَوْ مَحَلَّلٌ لَهُ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لعنت بھیجی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلل پر اور اس شخص پر جس کے لیے حلال کی جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح عن الدارمی صفحہ ۲۸۴ ورواہ ابن ماجہ عن علی وابن عباس وعقبہ بن عامر)

شریعت مطہرہ میں اول تو طلاق دینا ہی مبعوض ہے پھر اگر طلاق دے تو طلاق رجعی سے کام چلائے جس میں عدت میں رجوع ہو جاتا ہے اگر تین طلاقیں دے دیں (چاہے ایک ساتھ دی ہوں یا متفرق کر کے) تو پھر طلاق دینے والے شوہر کے نکاح میں دوبارہ اس طرح آسکتی ہے کہ عدت گزرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح ہو جائے جس سے نکاح جائز ہو پھر وہ مرد جماع کرے پھر وہ مرے یا طلاق دے پھر اس کی عدت گزرے۔ بعض لوگ تین طلاق دے کر کسی دوسرے مرد سے اس شرط پر نکاح کر دیتے ہیں کہ تو جماع کر کے طلاق دے دینا ایسی صورت میں جو شخص حلال کر کے دے یعنی نکاح کر کے جماع کر کے طلاق دے اس کو مُحَلِّلٌ لَهُ اور شوہر اول کو مُحَلِّلٌ لَهُ کہا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پر لعنت فرمائی۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نکاح اس لیے ہے کہ دنوں میاں بیوی بن کر رہیں اس لیے نہیں ہے کہ جدا ہو جائیں اور جدائی بھی ایسی جس کا نکاح سے پہلے ہی ارادہ کر لیا گیا تھا۔ یہ مقاصد شریعت کے خلاف ہے اس لیے یہ تحلیل کا کام موجب لعنت ہے۔

نابینا کو غلط راستہ پر ڈال دینا اور والدین کو تکلیف دینا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے اس پر لعنت کی جو زمین کی نشانیوں کو بدل دے، اللہ نے لعنت کی اس شخص پر جو نابینا کو راستہ سے بھٹکا دے، اللہ نے اس پر لعنت کی جو اپنے ماں باپ کو دکھ دے۔ (مسند احمد صفحہ ۳۱۷ ج ۱)

پیسے کا غلام بننا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دینار کا غلام اور درہم کا غلام لعنت کیا گیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۱ از ترمذی)

اس حدیث میں اصلی دنیا دار کا نقشہ کھینچا ہے یوں دنیا میں پیسہ تو سبھی کماتے ہیں اور کمانا پڑتا بھی ہے۔ حلال کمائیں، حلال کھائیں، اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ اپنی ضرورتوں کے لیے حلال کمانے میں ثواب بھی ہے۔ لیکن یہ بات کہ پیسے ہی کا غلام ہو کر رہ جائے پیسے ہی کے لیے کمائے اور نہ حلال دیکھے نہ حرام دیکھے۔ سوئے بھی پیسہ کے لیے جاگے بھی پیسے کے لیے کسی سے ملے تو بھی پیسے کے لیے نہ تن کا ہوش نہ پیٹ کا خیال، نہ ماں باپ اور اولاد کا فکر، نہ اللہ کے فرائض و واجبات کا دھیان، سب کمانا ہی کمانا ہے ایسا شخص دینار اور درہم کا غلام ہے، اس پر لعنت کی گئی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہلاک ہو دینار کا غلام اور درہم کا غلام اور چادر کا غلام (اگر ان چیزوں میں سے) کچھ دے دیا گیا تو راضی ہو گیا اور اگر نہ دیا گیا تو ناراض ہو گیا ایسا شخص ہلاک ہو اور اوندھے منہ ہو کر گرے، اور جب اس کو کانا لگ جائے تو خدا کرے اس کا کانا بھی نہ نکلے۔ (رواہ البخاری کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۹) غور کیا جائے کہ رحمۃ اللعالمین ﷺ نے دنیا دار کو، پیسے کے غلام کو کیسی بد دعا دی۔

ان اوراق کے لکھتے وقت یہ چند احادیث ذہن میں آگئیں مزید تتبع اور تلاش سے انشاء اللہ مزید احادیث بھی مل سکتی ہیں جن میں لعنت کے اسباب مذکور ہوں۔

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذَا لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿۵۲﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ﴿۵۳﴾
فَمِنْهُمْ مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۗ وَكُفِيَٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿۵۴﴾

کیا ان لوگوں کا ملک میں کچھ حصہ ہے، سوائی صورت میں لوگوں کو وہ ذرا سی چیز بھی نہ دیتے کیا وہ لوگوں سے اس چیز پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے سو ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور ہم نے ان کو بڑا ملک عطا کیا، سوان میں سے بعض اس پر ایمان لائے اور بعض نے اس سے روگردانی کی اور کافی ہے دوزخ کا دکھتی ہوئی آگ ہونا

یہودیوں کو بغض اور حسد کھا گیا

باب النقول صفحہ ۱۷ میں ہے کہ اہل کتاب نے کہا کہ محمد ﷺ یوں کہتے ہیں کہ ان کو جو کچھ دیا گیا تو وضع کی وجہ سے دیا گیا اور ان کی بیویاں ہیں اور ان کا مقصد بس نکاح کرنا ہی ہے اور اس سے بڑھ کر کون سا بادشاہ ہوگا، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ﴾ آخر تک نازل فرمائی۔

یہود حق کو قبول کرتے نہ تھے۔ البتہ اعتراضات اور جھوٹے بہانے تلاش کرتے رہتے تھے اور کچھ نہ ملا تو رسول اللہ ﷺ کے کثرت ازواج پر ہی اعتراض کر دیا جب دلائل سے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور رسالت ثابت ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہے کہ نبی اور رسول، اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف نہ خود چلتے ہیں نہ دوسروں کو چلاتے ہیں تو اب یہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہوا کہ اس نے ایسے شخص کو کیوں نبی بنایا جس کی بیویوں کی تعداد زیادہ ہے، اعتراض کرنا یہودیوں کی جہالت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے اگر ملک کا کچھ

حصہ ان کے پاس ہوتا تو کسی کو نقیر کے برابر بھی کچھ نہ دیتے۔ (نقیر کھجور کے گٹھلی کے اندر کے گڑھے کو کہا جاتا ہے جس کا ترجمہ ہم نے پوں کیا ہے کہ کسی کو ذرا بھی کچھ نہ دیتے) خود تو کسی کو پھوٹی کوڑی دینے کو تیار نہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ عطا فرمایا ہے اس پر حسد کرتے ہیں۔ حسد کرنے والا بہت بڑا بیوقوف ہوتا ہے اس کے حسد سے کسی کی نعمت چھن نہیں جاتی اور وہ خواہ مخواہ ان نعمتوں کو دیکھ دیکھ کر جو اللہ نے کسی کو دی ہیں اندر اندر کڑھتا رہتا ہے اور حسد کی آگ میں جلتا بھنتا ہے حسد کی یہ سب سے بڑی شناخت اور قباحت ہے کہ حاسد اللہ کی قضا و قدر پر راضی نہیں۔ اللہ نے تو اپنی مہربانی سے نعمت عطا فرمادی۔ لیکن حاسد اللہ کے اس انعام سے راضی نہیں۔

آل ابراہیم کو اللہ نے کتاب اور حکمت اور ملک عظیم عطا فرمایا:

چونکہ یہودی بنی اسرائیل کی تاریخ سے واقف تھے اس لیے ان کو اللہ تعالیٰ نے یاد دلایا کہ ہم نے آل ابراہیم کو کتاب بھی دی اور حکمت بھی دی اور ان کو ملک بھی عطا کیا۔ آل ابراہیم سے حضرت داؤد علیہ السلام مراد ہیں۔ داؤد علیہ السلام کو اللہ نے اپنی کتاب زبور عطا فرمائی تھی اور داؤد و سلیمان علیہ السلام کو حکومت اور سلطنت بھی عطا کی تھی اور ان حضرات کی بیویاں بھی بہت زیادہ تھیں۔ معالم التنزیل صفحہ ۴۴۲: ج ۱ میں لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار تین سو بیویاں تھیں۔ اور داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں، جیسے وہ حضرات آل ابراہیم میں سے تھے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آل ابراہیم میں سے ہیں ان کی بیویاں متعدد ہو گئیں تو اس میں کیا اشکال کی بات ہے۔ سورہ ابراہیم میں فرمایا ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾ (اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجے آپ سے پہلے رسول اور ہم نے ان کو بیویاں دیں اور ذریت بھی دی)۔

اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جس کو جو نعمت چاہے عطا فرمائے اس میں کسی کو کیا اعتراض ہے اللہ کی عطا اور بخشش پر اعتراض کرنا اور اس سے راضی نہ ہونا کفر ہے پھر جس طرح تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کو پورا پورا اختیار ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اسی طرح بیویاں حلال فرمادیں اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نو بیویوں کی اجازت دے کر ارشاد فرمایا ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِّن بَعْدُ﴾ (الایۃ) اور امت محمدیہ کو صرف چار بیویوں تک کی اجازت دے دی وہ مالک تکوین و تشریح ہے اس پر اعتراض کرنا جہالت اور ضلالت ہے۔

پھر فرمایا ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ آمَنَ بِهِ﴾ (الایۃ) یعنی ان لوگوں میں سے بعض ایمان لے آئے اور بعض نے اعتراض کیا۔ صاحب روح المعانی تحریر فرماتے ہیں کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے اور مطلب یہ ہے کہ آل ابراہیم کو جو کچھ کتاب و حکمت دی گئی بعض اس پر ایمان لے آئے اور بعض منکر ہوئے اسی طرح آپ کے زمانہ کے لوگ بعض ایسے ہیں جو ایمان لے آئے اور بعض ایسے ہیں جو اعتراض کر رہے ہیں۔ یہ پہلے سے ہوتا آیا ہے آپ رنجیدہ نہ ہوں جو لوگ منکر ہیں ان کے لیے دہکتی ہوئی آگ ہے جو ان کے لیے کافی ہے۔ ان کی ساری شرارتوں اور حرکتوں پر انہیں سخت ترین عذاب مل جائے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا ۖ كَلِمًا تَضَجَّتْ جُلُودُهُمْ بَدَلْنَاهُمْ جُلُودًا
غَيْرَ هَٰلِكَ ۚ وَتَوَالِي عَذَابٍ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۵۱﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۚ وَ
سَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿۵۲﴾

بلاشبہ جن لوگوں نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب بھی ان کی کھالیں پک جائیں گی تو ہم

ان کی کھالوں کے علاوہ ان کی دوسری کھالیں پلٹ دیں گے تاکہ عذاب چکھیں، بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کی عنقریب ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، ان میں ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو گھنے سائے میں داخل کریں گے۔

کافروں کو دوزخ میں سخت عذاب، کھالوں کا بار بار جلنا اور بار بار نئی کھال پیدا ہونا اور اہل ایمان کا جنتوں میں عیش کرنا

اوپر مومنین اور منکرین کا ذکر تھا۔ اب یہاں کافروں کا عتاب اور مومنین کا ثواب ذکر کیا جاتا ہے۔ پہلی آیت میں کافروں کے سخت عذاب کا اور دوسری آیت میں اہل ایمان کا اجر و ثواب اور انعامات کا ذکر ہے۔

کافروں کے بارے میں فرمایا کہ بلاشبہ ہم ان کو آگ میں داخل کر دیں گے یہ آگ معمولی نہ ہوگی بہت بڑی آگ ہوگی جس پر لفظ ناراً کی تین دلالت کرتی ہے اور سورہ اعلیٰ میں اس آگ کے بارے میں فرمایا ﴿يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری یہ آگ (جو دنیا میں ہے) جہنم کی آگ کا ستر واں حصہ ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ (انسانوں کے عذاب کے لیے) تو یہی کافی تھی آپ نے فرمایا (اس کے باوجود) دوزخ کی آگ دنیاوی آگ پر ۶۹ درجہ زیادہ بڑھادی گئی ہے ہر درجہ کی حرارت اسی قدر ہے جس قدر دنیا کی آگ میں حرارت ہے۔ (صحیح بخاری ص ۶۳۲: ۱)

اہل دوزخ کے عذاب کی کچھ تفصیل بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب ان کی کھالیں جل کر پک جائیں گی تو ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں پلٹ دیں گے اور بار بار ایسا ہی ہوتا رہے گا دنیا میں جس طرح ہوتا ہے کہ آگ نے جلادیا اور جل کر ختم اور بھسم ہو گئے۔ وہاں ایسا نہ ہوگا، وہاں تو ہمیشہ ہی عذاب ہوگا، اور وہ عذاب والی زندگی ایسی ہوگی جس کے لیے ﴿لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى﴾ فرمایا کہ نہ تو زندگی ہوگی جس میں آرام ہو اور اسے زندگی کہا جائے اور نہ موت آئے گی تاکہ عذاب ختم ہو جائے۔ اسی لیے فرمایا ﴿لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ﴾ یعنی ہم کھالوں کو پلٹتے رہیں گے تاکہ وہ عذاب چکھیں۔

پھر فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ کہ بلاشبہ اللہ زبردست ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اور غالب ہے اس کے ارادہ سے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور وہ حکیم بھی ہے اس کا ہر فیصلہ اور ہر فعل حکمت کے موافق ہے۔

اہل کفر کی سزا بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان کے انعامات کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ (الآیۃ) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے ہم ان کو عنقریب ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی وہ ظاہری الالاش حیض و نفاس اور بلغم اور میل کچیل سے پاک ہوں گی اور بد اخلاقی اور بد مزاجی اور ہر اس چیز سے پاک ہوں گی جو نفرت اور وحشت کا سبب ہو۔

آخر میں فرمایا ﴿وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا﴾ (اور ہم ان کو گھنے گنجان سایہ میں داخل کریں گے) مطلب یہ ہے کہ وہ جن باغوں میں داخل ہوں گے ان میں گنجان اور گھنا سایہ ہوگا۔ گھنا سایہ خوب ٹھنڈا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ سایہ بھی ہوتا ہے لیکن پتوں کے درمیان سے دھوپ بھی چھن کر آتی رہتی ہے وہاں ایسا نہ ہوگا۔ سارا سایہ متصل ہوگا اور گنجان ہوگا۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا

بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَبِيحًا بَصِيرًا ﴿۵۸﴾

بے شک اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ امانت والوں کو امانتیں دے دیا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلے کرو

بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس چیز کی تمہیں نصیحت فرماتا ہے وہ بہت اچھی ہے بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

امانت کی ادائیگی اور فیصلوں میں انصاف کا حکم

اس آیت کے سبب نزول میں حضرات مفسرین کرام نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت سرور عالم ﷺ نے عثمان بن طلحہ حجابی سے کعبہ شریف کی چابی لے لی تھی۔ (ان کے خاندان میں عرصہ دراز سے کعبہ شریف کے کھولنے اور بند کرنے کی خدمت آرہی تھی جس کو اہل عرب سدانۃ البیت کے نام سے تعبیر کرتے تھے) آپ کعبہ شریف میں داخل ہوئے وہاں نماز پڑھی جب باہر نکلے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ چابی ہمیں دے دیجیے تاکہ بنی ہاشم میں سقایۃ الحاج (حاجیوں کو پانی پلانا) اور سدانۃ البیت دونوں جمع ہو جائیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ عباس بن عبدالمطلب نے یہ سوال کیا تھا۔ آپ نے ان دونوں میں سے کسی کو چابی نہ دی۔

جب آپ کعبہ شریف سے باہر تشریف لائے تو آیت بالا ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ تلاوت فرما رہے تھے رب العالمین جل مجدہ کے فرمان کے مطابق آپ نے چابی اسی کو دے دی جس سے لی تھی۔ جب آپ نے ان کو چابی عطا فرمائی تو فرمایا خذوها یا بنی ابی طلحہ بامانة اللہ لا ینزعا منکم الا ظالم (اے بنی طلحہ اس چابی کو اللہ کی امانت کے طور پر لے لو اس چابی کو تم سے ظالم کے علاوہ کوئی نہیں چھینے گا)۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا خذوها یا بنی ابی طلحہ خالدة قالدة (اے بنی ابی طلحہ اس کو ہمیشہ کے لیے لے لو تو یہ تمہارے لیے خاندانی میراث ہے) اس کے بعد سے آج تک یہ چابی انہیں کے خاندان میں ہے جس کے پاس چابی ہوتی ہے۔ اہل مکہ اس کو شیبی کہتے ہیں۔ عثمان بن طلحہ کے والد ابو طلحہ تھے جن کا نام عبد اللہ بن عبد العزیٰ تھا اور عثمان شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کے چچا زاد بھائی تھے۔ یہ شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ ہیں۔ جن کے خاندان میں اب تک کعبہ شریف کی کلید برداری چلی آرہی ہے اور اسی لیے اس خاندان کو شیبی خاندان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن طلحہ سے ہی چابی لی تھی اور درمیان میں حضرت علی حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے طالب بن گئے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ امانت کو امانت والوں کے پاس پہنچاؤ۔ (تفسیر درمنثور صفحہ ۱۷۲ ج ۲) (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۵۱۵ ج ۱) (اسباب النزول للواحدی صفحہ ۱۵۱)

قرآن مجید کی متعدد آیات میں ادائے امانت کا حکم فرمایا ہے اور خیانت کرنے والوں کی مذمت کی ہے، سورۃ الانفال میں ارشاد فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنَتَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول کے حقوق میں خیانت نہ کرو اور آپس کی امانتوں میں خیانت نہ کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔

سورہ یوسف میں فرمایا ﴿وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ﴾ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو راہ نہیں دیتا۔
سورہ انفال میں فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ﴾ بلاشبہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔
سورہ حج میں فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ﴾ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا۔
سورہ معارج میں اچھے لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں۔

امانتوں کی تفصیل:

سورہ نساء کی آیت بالا اور دیگر آیات جو ہم نے نقل کی ہیں ان سب سے عمومی طور پر ہر قسم کی امانتوں کی ادائیگی کا حکم اور ہر قسم کی خیانت کی مذمت معلوم ہوئی۔ اللہ کے حقوق جو بندوں پر ہیں نماز، زکوٰۃ، روزے کفارات نذر اور ان کے علاوہ بہت سی چیزیں یہ سب امانتیں ہیں۔ جن کی ادائیگی یا اضاعت ہر شخص کو معلوم ہوتی ہے کہ میں نے کس حکم پر عمل کیا اور کس حکم کی حکم عدولی کی، دوسروں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح سے آپس میں حقوق العباد جو ایک دوسرے پر واجب ہیں وہ بھی امانتیں ہیں ان کی ادائیگی فرض ہے، کسی نے مال امانت رکھ دیا قرض دے دیا یا کسی

سے مال غصب کر لیا کسی کے مال میں خیانت کر لی یا چوری کر لی یہ سب اموال امانتیں ہیں ان کی ادائیگی فرض ہے حکام کو بلکہ صاحب مال کو معلوم ہو یا نہ ہو ہر شخص اپنے اپنے متعلقہ احکام میں امانتدار ہے چھوٹے بڑے حکام اور ملوک اور رؤسا اور وزراء امانتدار ہیں۔ انہوں نے جو عہدے اپنے ذمہ لیے ہیں وہ ان کی ذمہ داری شریعت اسلامیہ کے مطابق پوری کریں۔ کسی بھی معاملے میں عوام کی خیانت نہ کریں۔ اسی طرح سے بائع اور مشتری اور سفر کے ساتھی اور پڑوسی اور میاں بیوی اور ماں باپ اور اولاد سب ایک دوسرے کے مال کے اور دیگر متعلقہ امور کے امانتدار ہیں جو بھی کوئی کسی کی خیانت کرے گا گنہگار ہوگا اور میدان آخرت میں پکڑا جائے گا۔

سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا ﴿فَإِنْ آمَنَ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ فَمِنْ بَعْضٍ فَمِنْ بَعْضٍ فَمِنْ بَعْضٍ﴾ سوا اگر تم میں سے ایک دوسرے پر اعتماد کرے تو جس پر اعتماد کیا گیا وہ دوسرے کی امانت کو ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

امانتداری ایمانی تقاضوں میں سے ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے خطاب فرمایا ہو اور یہ نہ ارشاد فرمایا ہو کہ لا ایمان لمن لا امانة له و لا دين لمن لا عهد له (اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانتدار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح عن البیہقی فی شعب الایمان صفحہ ۱۵)

صحیح مسلم صفحہ ۵۶: ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں اگر چہ نماز پڑھے اور روزے رکھے اور وہ یہ خیال کرے کہ میں مسلمان ہوں۔

(۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

(۲) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔

(۳) اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہوگی تو یوں سمجھا جائے گا کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک اسے چھوڑ نہ دے۔

(۱) اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

(۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

(۳) جب عہد کرے تو دھوکہ دے۔

(۴) جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۰: ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب تیرے اندر چار خصلتیں ہوں تو تجھے اس بات کا ضرر نہیں کہ دنیا کی باقی چیزیں تیرے پاس نہیں ہیں۔ (۱) امانت کی حفاظت (۲) بات کی سچائی (۳) اخلاق کی خوبی (۴) لقمے کی پاکیزگی۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

موظا امام مالک میں ہے کہ حضرت لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا کہ آپ علم و فضل کے اس مرتبے پر کیسے پہنچے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بات کی سچائی، امانت کی ادائیگی اور لایعنی سے پرہیزان تینوں کی وجہ سے میں اس مرتبہ پر پہنچا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۴۵)

اداروں کے اموال کی حفاظت میں امانتداری:

جن لوگوں کے ہاتھوں میں دوسروں کے اموال ہیں ان میں ملوک اور حکام بھی ہیں۔ اور یتیموں کے اولیاء بھی۔ مسجدوں کے متولی بھی اور مدارس کے مہتمم بھی۔ اور بیت المال کے نگران بھی۔ اور کہیں پر پڑا ہوا مال اٹھانے والے بھی۔ اور بہت سے عہدیدار ہیں جن پر دوسروں کے

مالوں کی حفاظت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے یہ سب لوگ اس بات کے مامور ہیں کہ مالوں کی حفاظت کریں اور ذرا سی بھی خیانت نہ کریں۔ امانت کی حفاظت اور اس کی ادائیگی بہت بڑی ذمہ داری ہے، یہ سارے عہدے جنہیں دنیا میں خوشی خوشی قبول کر لیا جاتا ہے۔ پھر ان سے متعلقہ ذمہ داریوں کو پورا نہیں کیا جاتا قیامت کے دن وبال بن جائیں گے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے کسی عمل پر نہیں لگاتے؟ (یعنی مجھے کوئی عہدہ نہیں عنایت فرماتے؟) اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کے مونڈھے پر ہاتھ مارا پھر فرمایا اے ابو ذر! تو ضعیف ہے اور بلاشبہ یہ عہدہ امانت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قیامت کے دن رسوائی اور ندامت کا ذریعہ ہوگا سوائے اس شخص کے جس نے حق کے ساتھ لیا اور متعلقہ ذمہ داری کو پورا کیا۔ اور ایک روایت یوں ہے کہ آپ نے فرمایا اے ابو ذر! میں تمہیں ضعیف دیکھتا ہوں اور میں تمہارے لیے وہ پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں دو آدمیوں کا امیر مت بننا اور یتیم کے مال کا متولی نہ ہونا۔ (رواہ مسلم)

نا اہلوں کو عہدے دینا خیانت ہے:

بہت سے لوگ نا اہلوں کو اپنی کوشش سے یا اپنے اقتدار سے چھوٹے بڑے عہدے دے دیتے ہیں یا دلا دیتے ہیں حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ جس کو عہدہ دیا جا رہا ہے۔ یہ اس عہدہ کا اہل نہیں ہے یہ عہدہ ایک امانت ہے اس کی ذمہ داری بہت بڑی ہے لیکن دنیاوی تعلقات اور دنیاوی منافع کے پیش نظر جو فاسقوں، فاجروں ظالموں بے نماز جموں کو عہدے دیئے اور دلا دیئے جاتے ہیں، یہ سب امانت میں خیانت ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ جسے اقتدار سپرد کر دیا جاتا ہے جب وہ عہدے تقسیم کرنے لگتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ جسے اقتدار سپرد کیا جا رہا ہے یہ شریعت اسلامیہ سے واقف ہے یا ناواقف ہے اس کے عقائد اسلامی ہیں یا غیر اسلامی جس کو عہدہ دیا جا رہا ہے اس پر خدا ترسی کی شان ہے بھی یا نہیں اور یہ دین پر چلے گا یا نہیں عوام کے ساتھ اس کا سلوک اچھا ہوگا یا برا۔ عہدہ سپرد کرنے میں رشتہ داریاں اپنی اپنی پارٹی کا آدمی دیکھا جاتا ہے یا وطنی عصبیتوں کی رعایت کی جاتی ہے، یعنی صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ ہمارا آدمی ہے۔ اپنوں کو نوازنا مقصود ہوتا ہے دین خداوندی پر چلنے اور چلانے اور امت مسلمہ کے ساتھ عدل و انصاف اور خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات کا کہیں سے کہیں تک بھی دھیان نہیں ہوتا۔ اس لیے سارے فیصلے غیر شرعی ہوتے ہیں اور عوام عہدہ داروں کے ظالمانہ فیصلوں کو بھگتتے رہتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے متعلقہ امور سے جو شخص کسی امر کا والی بنا پھر اس نے ان پر کسی شخص کو (ذاتی) مروت اور تعلقات کی بنا پر امیر بنا دیا تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اس سے کوئی فرض یا نفل قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اللہ اس کو دوزخ میں داخل فرمادے گا۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۱۷۹)

پھر جن لوگوں کے سیاسی وعدے ہوتے ہیں جب عہدہ مل جاتا ہے تو عوام پر ظلم بھی کرتے ہیں اور وعدہ فراموشی بھی کرتے ہیں اور عذر بھی کرتے ہیں، اس بارے میں جو ارشادات نبویہ ﷺ ہیں ان سب کو یکسر بھول جاتے ہیں۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مامن وال یلی رعیۃ من المسلمین فی موت و هو غاش لہم الاحرم اللہ علیہ الجنۃ (صحیح بخاری صفحہ ۱۰۵۲: ج ۴) جو بھی کوئی شخص مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کا والی بنا (یعنی ان کی دیکھ بھال اس کے ذمہ کی گئی) پھر وہ اس حال میں مر گیا کہ وہ ان کے ساتھ خیانت کرنے والا تھا تو اللہ اس پر جنت حرام فرمادے گا۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

مامن عبد یسترعیۃ رعیۃ فلم یحطہا بنصیحۃ الالم یجد رانحة الجنۃ۔

”جس کی بندہ کو اللہ نے چند افراد کا نگہبان بنایا پھر اس نے ان لوگوں کو اچھی طرح خیر خواہی نہ کی تو جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا۔“ (صحیح

بخاری صفحہ ۱۰۵۹-۱۰۵۸: ج ۲)

رعیت کو دھوکہ دینے کے بارے میں حدیث ذیل پرھیے۔

عن سعد رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال لكل غادر لواء عند استه يوم القيامة و في رواية لكل غادر لواء يوم القيامة يرفع له بقدر غدره الا ولا غادر اعظم غدرًا من امير عامة۔ ”حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ دینے والے کے لیے ایک جھنڈا ہوگا جو اس کے پاخانہ کے مقام پر نصب کیا جائے گا وہ اس کے دھوکہ کے بقدر بلند کیا جائے گا (پھر فرمایا) خبردار جو شخص عوام کا امیر ہو اس کے غدر یعنی دھوکے سے بڑھ کر کسی کا غدر نہیں۔“ (رواہ مسلم کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۲۳)

کام پورا نہ کرنا اور تنخواہ پوری لینا خیانت ہے:

جو لوگ تنخواہ پوری لیتے ہیں اور کام پورا نہیں کرتے یا وقت پورا نہیں دیتے یہ سب لوگ خیانت کرنے والے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ رشوت لیتے ہیں اور رشوت لینے کی وجہ سے کار مفوضہ انجام دینے کی بجائے رشوت دینے والے کی مرضی کے مطابق اس کا کام کر دیتے ہیں، یہ لوگ بھی خیانت کرنے والے ہیں، رشوت حرام ہے ہی ملازمت کی تنخواہ بھی پوری حلال نہیں ہوتی کیونکہ جس کام کی تنخواہ دی جاتی ہے اس کے خلاف کام کرتے ہیں۔ درحقیقت امانت داری کی صفت بہت بڑی صفت ہے اور اس کو پورا کرنا ایمان کا بہت بڑا مطالبہ ہے۔ یہ ایسی عظیم صفت ہے۔ جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ یہ صفت صرف مالیات ہی سے متعلق نہیں۔

مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں:

دیگر امور میں بھی آنحضرت ﷺ نے امانت داری پر قائم رہنے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ المجالس بالامانة کہ مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں (رواہ ابوداؤد فی کتاب الادب) یعنی مجلس میں جو باتیں ہوتی ہیں ان کو مجلس سے باہر لے جانا اور تجھ مجھ سے بیان کر دینا امانت داری کے خلاف ہے اور اہل مجلس کی خیانت ہے ہاں اگر مجلس میں کسی کا خون کرنے کا یا زنا کاری کا یا کسی کا ناحق مال حاصل کرنے کا مشورہ کیا گیا ہو تو اس کو دوسروں سے بیان کر سکتا ہے تاکہ اس گناہ پر عمل نہ ہو و قد ذاد فی الحدیث الاثلثة مجالس سفک دم حرام و فرج حرام او اقتطاع مال بغير حق ایک حدیث میں ہے کہ جب کسی آدمی نے کوئی بات کہی پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا (کہ کوئی سن تو نہیں رہا) تو یہ بات امانت ہے۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

مشورہ دینا امانت ہے:

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان المستشار مؤتمن کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے (رواہ الترمذی فی ابواب الزہد) مطلب یہ ہے کہ جس سے مشورہ لیا جائے اس پر واجب ہے کہ صحیح مشورہ دے جو اس کے نزدیک مشورہ لینے کے حق میں بہتر ہو۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کو کسی ایسی بات کا مشورہ دیا جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ یہ مشورہ مصلحت کے خلاف ہے تو اس نے مشورہ لینے والے کی خیانت کی۔ (اخرجہ ابوداؤد فی کتاب العلم)

بلا اجازت کسی کے گھر میں نظر ڈالنا خیانت ہے:

آنحضرت سرور عالم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں کہ جن کا کرنا کسی کے لیے حلال نہیں:

(۱) جو شخص کسی جماعت کا امام بنے پھر ان کو چھوڑ کر صرف اپنے لیے ہی دعا کرے اگر ایسا کیا تو اس نے خیانت کی۔

(۲) جو شخص اجازت لیے بغیر کسی گھر میں نظر ڈالے اگر اس نے ایسا کیا تو گھر والوں کی خیانت کی۔

(۳) کوئی شخص پیشاب پاخانہ رو کے ہوئے نماز نہ پڑھے جب تک ہلکا نہ ہو جائے (یعنی ان سے فارغ نہ ہو جائے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۹۶)

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ اموال کے علاوہ دیگر امور میں بھی امانت داری کی صفت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔
عدل و انصاف کا حکم:

ادائیگی امانت کا حکم فرمانے کے بعد فیصلوں میں عدل و انصاف کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا ﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرو) شریعت اسلامیہ میں جن امور کا بہت زیادہ اہمیت اور تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے ان میں انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا بھی ہے۔ عدل و انصاف کرنے والوں کو بلند مراتب کی خوشخبری دی گئی ہے اور ظالمانہ فیصلے کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے اور ان کے لیے بڑی بڑی وعیدیں ہیں اللہ تعالیٰ شانہ نے جو فیصلوں کے قوانین اپنی کتاب اور اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ بھیجے ہیں ان کے مطابق فیصلے کرنے ہی سے انصاف ہوگا، نیز اللہ کے قانون میں جس کی جو چیز ہو اور جس کا جو حق ہو وہ حق اور وہ چیز مستحق کو دلانے سے انصاف قائم ہوگا۔

قرآن و حدیث کے خلاف فیصلے ظالمانہ ہیں:

انسانوں نے اپنی طرف سے جو دستور اور قوانین بنائے ہیں عموماً وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہیں۔ قرآن و حدیث کے خلاف فیصلے کرنا ظلم ہے۔ اگرچہ اہل دنیا سے انصاف ہی کہتے ہوں۔ میراث اور وصیت دیت اور قصاص حدود اور جنایات کے شرعی قوانین، تجارت زراعت سے متعلقہ احکام نکاح و طلاق کے مسائل، حکومت سپرد کرنے اور حکومت چلانے کے قوانین اور انسانی زندگی میں جو کچھ پیش آتا ہے اس کے اصول و قواعد جو شریعت اسلامیہ نے بتائے ہیں ان کے خلاف فیصلے دینا ظلم ہے۔

سورہ مائدہ میں فرمایا ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (اور جو شخص اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے اتارا تو یہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں) جن ملکوں میں کافروں کی عملداری ہے وہاں تو اللہ کی شریعت کے خلاف فیصلے ہوتے ہی ہیں لیکن جن ملکوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اقتدار دیا ہے وہاں کے ذمہ دار بھی اسلامی احکام کو قبول کرنے اور ان کے مطابق فیصلے کرنے کو تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن جب ان کے سامنے یہ بات آتی ہے کہ اسلامی قوانین نافذ کرو تو کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ عوام جو مغربی قوانین کے مطابق فیصلوں کے باعث ظلم سہتے ہیں وہ بھی اسلامی نظام نافذ کرنے کے حق میں نہیں۔ دعویٰ مسلمان ہونے کا کرتے ہیں اور قوانین اور احکام دشمنان دین کے نافذ کرتے ہیں۔

سورہ مائدہ میں فرمایا ﴿أَفَحُكْمَ الجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (کیا پھر یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے اچھا کون ہوگا، یقین رکھنے والوں کے لیے)۔

ظالمانہ فیصلوں کی وجہ سے مصائب کی کثرت:

اب جو غیر اسلامی فیصلے ہو رہے ہیں ان کی وجہ سے آفات اور مصائب کا طوفان آیا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے اندر پانچ چیزیں موجود ہو جائیں اور میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ وہ چیزیں تمہارے اندر موجود ہوں:

(۱) جس قوم میں زنا کاری کھلم کھلا ہونے لگے گی ان میں طاعون پھیل جائے گا اور ایسے ایسے مرض ظاہر ہو جائیں گے جو ان کے آباء اجداد میں نہیں تھے۔

(۲) اور جو لوگ زکوٰۃ دینا روک دیں گے ان کو آسمان کے قطروں سے یعنی بارش سے محروم کر دیا جائے گا۔ اگر چوپائے نہ ہوں تو

(بالکل بھی) بارش نہ ہو۔

(۳) اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کو قحط بھیج کر سزا دی جائے گی اور ان کو سخت محنت اور صاحب اقتدار کے ظلم میں مبتلا کر دیا جائے گا۔

(۴) اور جس قوم کے امراء اس فیصلے کے علاوہ کوئی فیصلہ کریں گے جو اللہ نے نازل فرمایا تو اللہ تعالیٰ ان پر دشمن مسلط فرمادے گا پھر یہ دشمن ان کے قبضے کی بعض چیزوں پر قبضہ کر لیں گے۔

(۵) اور جو لوگ اللہ کی کتاب کو اور اس کے نبی کی سنت کو معطل کر دیں گے یعنی اس پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے اللہ تعالیٰ ان کے درمیان جنگ و جدال کی صورت پیدا فرمادیں گے۔

(ذکرہ المنذری فی الترغیب و الترہیب صفحہ ۳۰: ج ۳ وعزاه الی البیہقی و قال فی آخرہ رواہ الحاکم بنحوہ

من حدیث بریدۃ و قال صحیح علی شرط مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس کسی قوم میں خیانت ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتے ہیں اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگتے ہیں ان کا رزق کاٹ دیا جاتا ہے اور جو لوگ ظلم کے فیصلے فیصلہ کرتے ہیں ان میں خوزری پھیل جاتی ہے اور جو لوگ عہد شکنی کرتے ہیں ان پر دشمن مسلط کر دیا جاتا ہے۔ (رواہ مالک فی الموطا و هو موقوف فی حکم المرفوع)

تقویٰ کے بغیر انصاف نہیں ہو سکتا

انصاف جیسی ہو سکتا ہے جبکہ اللہ کا خوف ہو، تقویٰ ہو، حق کا اتباع مقصود ہو، قرآن و حدیث کا علم ہو قضا کے احکام اور مسائل سے واقفیت ہو۔ امیر و غریب اپنے پرانے، چھوٹے بڑے کی کوئی رعایت نہ ہو، عادلانہ فیصلے کا معیار ایک حدیث میں یوں بتایا و حکموا للناس کحکمہم لانفسہم کہ لوگوں کے درمیان وہی فیصلے کرتے ہیں جو اپنی جانوں کے بارے میں فیصلے کرتے ہیں (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۲۲) مطلب یہ ہے کہ جیسے اپنے لیے حق و انصاف چاہتے ہیں اسی طرح جب دوسروں کے بارے میں فیصلہ کرنے لگیں تب بھی حق و انصاف اختیار کریں۔ آج کل فیصلہ اس کے حق میں ہوتا ہے جو ہم وطن ہو یا ہم پیشہ ہو یا ہم زبان ہو ایسے حاکم کے لیے آخرت میں سخت عذاب ہے جو ظلم کا فیصلہ دے اور ظالم کا ساتھی بنے اور اس کی رعایت کرے جس سے کسی قوم کا تعلق ہو اور جس کا واقعی شرعی حق بنتا ہو اسے حق سے محروم کر دے، رشوتیں لے کر بھی فیصلے دیئے جاتے ہیں جس نے رشوت دے دی موٹی رقم پکڑا دی اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ رشوتیں اور موٹی رقمیں نوٹوں کے گڈے دنیا میں اچھے لگتے ہیں لیکن آخرت میں جو ان کا وبال ہوگا اس کی طرف سے بے خبر ہیں۔

انصاف کے فیصلے کرنے والوں کے لیے بشارت اور ظالموں کی ہلاکت:

جیسے ظلم کرنے والوں کے لیے وعیدیں ہیں ایسے ہی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلے کرنے والوں کے لیے بشارتیں ہیں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قاضی (فیصلہ دینے والے) تین قسم کے ہیں ان میں سے ایک جنت میں ہے اور دوزخ میں ہیں، جنت والا تو وہ شخص ہے جس نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا اور ان میں سے ایک وہ شخص ہے جس نے حق کو پہچانا اور ظلم کا فیصلہ کیا سو یہ شخص دوزخ میں ہوگا اور ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو جہالت کے ساتھ لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے (اس کو حق ناحق کا کچھ پتہ نہیں) سو یہ بھی دوزخ میں ہوگا۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ کما فی الترغیب صفحہ ۱۵۶: ج ۳)

جن سات آدمیوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن وہ اللہ کے عرش کے سائے میں ہوں گے جس دن اللہ کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا ان میں سب سے پہلے امام عادل کا ذکر ہے یعنی مسلمانوں کا وہ اعلیٰ اقتدار والا شخص جو انصاف کرنے والا ہو۔ (رواہ البخاری

صفحہ ۱۹۱: ج ۱)

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اہل جنت تین قسم کے لوگ ہوں گے:

- (۱) وہ صاحب اقتدار جو انصاف والا ہے اور اسے خیر کی توفیق دی گئی ہے۔
 - (۲) وہ شخص جو رحم کرنے والا ہے نرم دل ہے، ہر قرابت دار کے لیے جو مسلمان ہو۔
 - (۳) وہ شخص جو صاحب اہل و عیال ہوتے ہوئے (حرام سے اور سوال سے) پرہیز کرنے والا ہو اور پرہیز کرنے کا اہتمام کرتا ہو۔
- (رواہ مسلم کما فی الترغیب صفحہ ۱۶۷: ج ۳)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ پیارا اور اللہ سے سب سے زیادہ قریب مجلس کے اعتبار سے امام عادل ہوگا اور اللہ کو سب سے زیادہ مبغوض اور مجلس کے اعتبار سے اللہ سے سب سے زیادہ دور امام جائز ہوگا۔ (الترغیب صفحہ ۱۶۷: ج ۳ عن الترمذی والطبرانی)

حاکم جائز سے مراد ہے ظلم کرنے والا شخص جسے اقتدار اعلیٰ حاصل ہو۔

حاکم بننا اور فیصلے کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لینا یہ معمولی چیز نہیں یہ ذمہ داری بہت بڑی ہے اور آخرت میں اس کا حساب بہت بڑا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے والا مقرر کر دیا گیا تو وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۴)

مطلب یہ ہے کہ اس عہدے کا انجام بہت برا ہے عام طور سے لوگ عدل و انصاف پر قائم نہیں رہتے قیامت کے دن یہ عہدہ وبال بنے گا اور اس عہدے کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرنے پر جو عذاب ہوگا اس کو اس دنیا میں اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے کسی کو چھری کی بجائے (دھاردار آ لے کے علاوہ) کسی چیز سے ذبح کر دیا جائے چھری سے ذبح کرنے کی تکلیف ذرا دیر ہوتی ہے لیکن اگر بغیر چھری کے ذبح کیا جائے تو اس کی تکلیف بہت ہی زیادہ ہوتی ہے۔

حاکموں کو ضروری تنبیہ:

اس حدیث پر ہر وہ شخص غور کرے جو حاکم و قاضی و مجسٹریٹ بنا ہوا ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو بھی کوئی حاکم لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے قیامت کے دن اسے لایا جائے گا پھر جہنم کے کنارے پر اسے کھڑا کر دیا جائے گا پھر اگر حکم ہوگا کہ اسے دھکا دے دیا جائے تو اس کو دھکیل دیا جائے گا جس کے نتیجے میں وہ ستر سال تک گہرائی میں گرتا چلا جائے گا۔ (رواہ البزار کما فی الترغیب صفحہ ۱۸۳: ج ۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انصاف کرنے والے قاضی پر قیامت کے دن ضرور ایک ایسی گھڑی آئے گی کہ وہ حساب کی سختی کی وجہ سے یہ تمنا کرے گا کہ میں کبھی کسی ایک کھجور کے بارے میں بھی فیصلہ نہ کرتا تو اچھا تھا۔ (الترغیب صفحہ ۱۵۷: ج ۳)

حاکم کیسے شخص کو بنایا جائے؟

شاید کسی کو یہ خیال گزرے کہ جب یہ وعیدیں ہیں تو لوگوں کے درمیان جو جھگڑے ہوں ان کے فیصلے کون کرے گا؟ جواب یہ ہے کہ شریعت کے اصول کے مطابق اگر کسی کو حاکم بنا دیا جائے اور پھر وہ شریعت کے مطابق فیصلے کرے حق و انصاف کو سامنے رکھے قرآن و حدیث کے مطابق اپنی زندگی گزارے اور دوسروں کو بھی اس پر ڈالے تو ایسا قاضی ان شاء اللہ کامیاب ہوگا۔ وہ اصول کون سا ہے جس کے موافق قاضی بنایا جائے؟ وہ یہ ہے کہ جو شخص قاضی بننے کی تمنا نہ کرے نہ اس کا طلب گار ہونے اس کے لیے کوشش کریں نہ سفارشیں کروائے نہ رشوتیں دے اور عہدہ قضا سے بچتا رہے اس کو قاضی بنا دیا جائے۔

مضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عہدہ قضا کا طلبگار ہو اور اس سلسلے میں سفارش کرنے والوں سے سوال کرے (جس پر اسے عہدہ دے دیا جائے) تو وہ اپنے نفس کے حوالے کر دیا جائے گا (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد نہ ہوگی وہ جانے اس کا نفس جانے جب ایسا ہوگا تو ظاہر ہے کہ نفس کے موافق فیصلے ہوں گے) اور جس کو قاضی بننے پر مجبور کیا جائے اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیج دیتا ہے جو اسے ٹھیک راستے پر چلاتا رہتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص عہدہ قضا کا طلبگار ہو اسے تو عہدہ سپرد کیا ہی نہ جائے جس کے دل میں خواہش ہے کہ میں فیصلے کرنے والا بنوں وہ حق پر قائم نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اس کی رغبت اور خواہش بتا رہی ہے کہ وہ اس سے دنیاوی منافع حاصل کرے گا اسے جاہ اور مال کی رغبت ہے اس لیے وہ اس عہدے کا طالب ہوا۔ اس کو عہدہ مل جائے گا تو فیصلے اپنی مرضی کے مطابق کرے گا اور جہالت کے ساتھ کرے گا، رشوتیں بھی لے گا اور اپنے پرانے کا خیال بھی کرے گا اور جس پر زبردستی کر کے عہدہ قضا ڈال دیا گیا وہ اس کی ذمہ داریوں سے جیسا پہلے ڈرتا تھا ایسے ہی اب اپنے نفس کو ذمہ داریاں پوری کرنے کا پابند بنائے گا، یہ ایک ایسا سنہری اصول ہے کہ اسے اختیار کر لیا جائے تو فیصلوں میں جو ظلم ہوتے ہیں ان کی روک تھام ہو جائے گی۔ اب تو ہوتا یہ ہے کہ جن کو حج اور مجسٹریٹ بننا ہے وہ پڑھتے ہی اس لیے ہیں کہ ڈگری لے کر اس کام میں لگیں گے پھر درخواستیں دیتے ہیں۔ سفارشیں لاتے ہیں رشوتیں دیتے ہیں پھر جن لوگوں کے ہاتھ میں تقرر ہوتا ہے وہ بھی رشوتوں اور سفارشوں اور ڈگریوں کی بنیاد پر حج اور مجسٹریٹ بنا دیتے ہیں۔ اور اوپر جسٹس تک یہی سلسلہ چلتا ہے یہ جس کا تقرر کرتے ہیں اس کے بارے میں یہ تو دیکھا ہی نہیں جاتا کہ اسے قرآن وحدیث کا کچھ علم ہے یا نہیں اور اس میں تقویٰ کتنا ہے خدا ترسی کتنی ہے۔ اس سے انصاف کی امید کتنی ہے۔

حاکم تک کوئی شخص خود نہیں پہنچ سکتا وکیل کے بغیر حاکم کے ہاں کسی مظلوم کا کیس پیش نہیں ہو سکتا اول وہ وکیل کی فیس فراہم کرے پھر اس کا استغاثہ دائر ہو پھر تاریخوں پر تاریخیں پڑتی رہتی ہیں جس سے اس کے وقت اور پیسے کا خون ہوتا رہتا ہے یہ دشمنان اسلام کا طریق کار ہے مجسٹریٹ اس سے مانوس ہیں اور اسی پر چلتے ہیں اور اسی کی تنخواہ لیتے ہیں مظلوم کی داد رسی کا ذرا دھیان نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نصیحت قبول کرنے میں خیر ہے:

آخر میں فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس چیز کی تمہیں نصیحت فرماتا ہے وہ بہت اچھی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے جو حکم دیا ہے اس میں تمہارے لیے بہتری ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد اور ہدایت تمہارے لیے سراپا بہتر ہے اس میں دنیا و آخرت کی خیر ہے اس کو خوشی سے قبول کرو اور عمل کرو۔ اور جو شخص نصیحت نہ مانے گا خیر کو قبول نہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے اس کی جزا دے دے گا وہ سمیع یعنی سننے والا ہے اور بصیر یعنی دیکھے والا ہے کسی کا کوئی عمل اس کے علم سے خارج نہیں درحقیقت یہ بہت بڑی تشبیہ ہے جو لوگ خلاف شرع فیصلے کرنے اور نا اہلوں اور ظالموں کو اور رشوت خوروں کو عہدہ قضا دینے کے خوگر ہو گئے ہیں وہ سب لوگ اس کا مراقبہ کریں اور غور کریں کہ آخر بارگاہ خداوندی میں پیش ہونا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ٥٩

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی فرمانبرداری کرو رسول کی اور ان لوگوں کی فرمانبرداری جو اولوالامر ہیں تم میں سے، پس اگر تم آپس میں کسی چیز کے بارے میں جھگڑنے لگو تو اس کو لوٹا دو اللہ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بہت خوب تر ہے

اللہ اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم اور امور متنازعہ میں کتاب و سنت کی طرح رجوع کرنے کا فرمان

آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے علامہ واحدی نے اسباب النزول صفحہ ۱۵۲ میں اور علامہ آلوسی نے روح المعانی صفحہ ۶۵: ج ۵ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوجی دستہ کا امیر بنا کر بھیجا ان کی زیر امارت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے اجازت لیے بغیر ایک شخص کو امان دے دی حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا اور ان سے کہا کہ میرے بغیر اجازت تم نے کیوں امان دی۔ اس سے دونوں میں تلخی پیدا ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معاملہ پیش ہوا تو آپ نے عمار کی امان کو نافذ فرمایا اور ان سے فرمایا کہ آئندہ امیر سے رائے لیے بغیر امان نہ دیا کریں پھر آپس میں دونوں میں رضامندی ہو گئی۔ سبب نزول جو بھی ہو آیت کا مفہوم عام ہے جس میں اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم دیا ہے اور اولو الامر کی فرمانبرداری کا بھی حکم دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جب تم میں کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، جو حکم اور فیصلہ وہاں سے ملے اسے قبول کر لو اور اس پر راضی ہو جاؤ اللہ تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم قرآن مجید میں جگہ جگہ موجود ہے اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہے احکم الحاکمین ہے اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور ان کے ذریعہ احکام نازل فرمائے۔

ان کی اطاعت ہر شخص پر فرض ہے اور نافرمانی باعث مواخذہ اور سبب عتاب و عذاب ہے۔

اس آیت میں اللہ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت کرنے کا بھی حکم دیا ہے بات یہ ہے جب کسی کو امیر بنا لیا جسے امام اور خلیفہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کا حکم ماننے ہی سے امت کا شیرازہ مجتمع رہ سکتا ہے امیر کی فرمانبرداری نہ کرنے سے شیرازہ منتشر ہو جاتا ہے اور ہر ایک اپنی اپنی راہ پکڑتا ہے۔ جب انتشار ہوتا ہے تو وحدت قائم نہیں رہتی اور دشمن حاوی ہو جاتا ہے پھر امیر اعلیٰ جن لوگوں کو مختلف جماعتوں کا امیر بنائے یا چند مسلمان مل کر کسی کو امیر بنائیں تو اس کی اطاعت بھی ضروری ہے اس کی اطاعت نہ کرنے سے بھی پھوٹ پڑے گی اور آپس میں نزاع اور جدال کی صورتیں پیدا ہوں گی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ امیر کی اطاعت کرو اس لیے امیر کی اطاعت کرنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اس اطاعت میں ثواب بھی ہے اور امت مسلمہ کا اتحاد بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ (معالم التنزیل صفحہ ۴۴۴: ج ۱)

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں ہے:

حضرت ام الحصین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم پر ایسا شخص امیر بنا دیا جائے جس کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں اور وہ تم کو اللہ کی کتاب کے مطابق لے کر چلتا ہو تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ (رواہ مسلم صفحہ ۱۲۵: ج ۳)

جو لوگ امیر ہوں ان کی اطاعت واجب ہے لیکن انہی امور میں اطاعت واجب ہے جو شریعت کے خلاف نہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان آدمی پر بات سننا اور فرمانبرداری کرنا واجب ہے دل چاہے یا نہ چاہے جب تک کہ گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ سوجب گناہ کا حکم دیا گیا تو کوئی بات سننا نہیں اور کوئی فرمانبرداری نہیں۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۰۵: ج ۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گنہگاری میں کوئی فرمانبرداری نہیں۔ فرمانبرداری صرف اچھے کام میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۱۹)

آج کل جو لوگ عہدے لے لیتے ہیں امارت سنبھال لیتے ہیں ان کو یہ تو خیال ہو جاتا ہے کہ ہم اولو الامر ہیں اور اس خیال کے مطابق وہ چاہتے ہیں کہ عوام اور خواص ہماری اطاعت کریں لیکن خود یہ نہیں سوچتے کہ ہم جو حکم دے رہے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تو نہیں ہے؟

خود بھی اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوتے ہیں اور ماتحتوں سے بھی اللہ کی نافرمانی کراتے ہیں اور جب کوئی بات منوانی ہو اور جاہلی قانون کے مطابق کوئی فیصلہ کرنا ہو یا آرڈی ننس جاری کرنا ہو تو آیت مذکورہ بالا ریڈیو اور ٹی وی پر نشر کر دیتے ہیں اور لوگوں کو یہ باوا کرانا چاہتے ہیں کہ ہمارا فرمان واجب العمل ہے حضور اقدس ﷺ نے صاف طور پر فرمادیا کہ اللہ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں۔ جن لوگوں کو اقتدار حاصل ہو جائے وہ لوگ خود بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند رہیں اور دوسروں کو بھی شرعی احکام پر چلائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ امام المسلمین پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ احکام کے مطابق فیصلے کرے اور امانت ادا کرے، وہ جب ایسا کرے گا تو رعیت پر واجب ہوگا کہ اس کی بات سنیں اور فرمانبرداری کریں۔ (معالم التنزیل صفحہ ۴۴۴: ج ۱)

اولوالامر سے کون مراد ہیں؟

اولوالامر سے امراء مراد ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا، اور حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اولوالامر سے فقہاء اور علماء مراد ہیں جو لوگوں کو دینی احکام سکھاتے ہیں۔ حضرت حسن اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اولوالامر سے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔ اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ اس سے مہاجرین و انصار اور تابعین بالاحسان مراد ہیں۔ (ذکرہ البغوی فی تفسیرہ صفحہ ۴۴۴، ۴۴۵: ج ۱)

مفسر ابن کثیر صفحہ ۵۱۸: ج ۱ میں فرماتے ہیں: والظاهر والله اعلم انها عامۃ فی کل اولی الامر من الامراء والعلماء (یعنی بظاہر آیت شریفہ کا عموم تمام اولی الامر کو شامل ہے امراء اور علماء بھی اولی الامر ہیں) اور وجہ اس کی یہ ہے کہ علماء کے ہاتھ میں نظام دین ہے ان کی فرمانبرداری بھی ضروری ہے اور امراء کے ہاتھ میں نظام حکومت ہے دونوں فریق کی فرمانبرداری سے دین کے تمام شعبوں پر عمل ہو سکتا ہے اور اتحاد باقی رہ سکتا ہے۔

رفع تنازع کے لیے کیا کیا جائے؟

پھر فرمایا ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (پس اگر تم آپس میں کسی چیز کے بارے میں جھگڑنے لگو تو اس کو لوٹا دو اللہ کی طرف اور رسول کی طرف اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو) آپس کے اختلاف کو رفع کرنے کے لیے اس آیت میں سب سے بڑا سنہری اصول بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب اللہ پر ایمان لے آئے اور آخرت کے دن کی پیشی اور وہاں کے حساب کتاب کو بھی جزو ایمان بنا لیا تو مومن کی شان یہ ہے کہ ہر معاملے میں اور ہر موقع پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرے اور جو کتاب و سنت کا فیصلہ ہے اس پر راضی ہو جائے اور اپنی رائے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشاد کے سامنے ختم کر دے۔ بہت سے لوگ جن میں رؤسا و وزراء امراء عوام و خواص سب ہی شامل ہیں اپنی رائے پر ضد کرتے ہیں اور بہت سے وہ لوگ جن کا کوئی دنیاوی نفع قرآن و حدیث کے فیصلے کی وجہ سے مارا جاتا ہے وہ بھی بس اپنے ہی دعوے کو دیکھتے ہیں مومن بندہ کا یہ طریقہ نہیں۔ مومن بندہ کا یہ طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے پر راضی رہے۔

مسلم حکومتوں کا غلط طریق کار:

مسلمانوں کی حکومتیں ہیں صاحب اقتدار اسلام کے دعویدار ہیں اسمبلی میں قانون بناتے ہیں تو یورپ کے طرز حکومت کو سامنے رکھتے ہیں قرآن و حدیث کو سامنے نہیں رکھا جاتا، یورپین حکومتوں نے جو قوانین بنا رکھے ہیں انہیں میں کچھ رد و بدل کر کے قوانین نافذ کر دیتے ہیں۔ حدود اور جنایات کے احکام شریعت کے مطابق نافذ کرنے کو کہا جاتا ہے تو کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں دیت اور قصاص کا قانون نافذ کرنے کے

لیے کہا جاتا ہے تو بات سننے کو تیار نہیں۔ کسی ملک میں اقتدار مل جاتا ہے تو دشمنوں کو خوش کرنے کے لیے اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا طریقہ کار نیشنل ازم ہوگا کوئی ملک اعلان کرتا ہے کہ ہم کمیونزم اور سوشلزم جاری کریں گے کچھ لوگ مغربی جمہوریت کے دلدادہ ہیں اور کچھ لوگ لادینی حکومت بنانے کا اعلان کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور اسلامی نظام نافذ کرنے سے شرماتے ہیں۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے یہ طور طریق کہاں تک زیب دیتا ہے۔ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر چلیں اور عوام کو بھی چلائیں۔ ﴿إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ فرما کر اسی پر تنبیہ فرمائی ہے۔

یہ صورت حال مسلمانوں کے تقریباً تمام ہی طبقات میں ہے کہ جو حکم قرآنی اپنے فائدہ کے مطابق نہ ہو دنیاوی رواج کے خلاف ہو اسے نہیں مانتے حاکم محکوم سرمایہ دار فیکٹری کے مالک مستاجر اور اجیر کسان اور مزدور سبھی اختلافات کے مواقع میں اپنے ذاتی منافع کو اپنی اپنی رایوں کو اور قبیلوں کے رواج کو سرداروں کے فیصلوں کو دیکھتے ہیں قرآن کی طرف دیکھنے کو تیار نہیں ہوتے۔ بدعت اور سنت ہونے کا معیار:

بہت سے امور ہیں جن کو ایک جماعت بدعتی کہتی ہے اور دوسری جماعت ان کو امور دین بتاتی ہے ان اختلافات کا حل بالکل آسان ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع ہوں جو فیصلہ قرآن و حدیث سے ملے اسی پر راضی ہو جائیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ بدعتوں کے جاری کرنے والے ہیں اور ان کے خوگر ہو چکے ہیں وہ آیات اور حدیث کے مقابلہ میں اپنی رائے اور اپنی جاری کردہ بدعت ہی کی پاسداری کرتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی وهو المستعان

آخر میں فرمایا ﴿ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بہت خوب تر ہے) اس میں تنبیہ فرمائی کہ اپنی اپنی رایوں پر چلنے میں خیر نہیں ہے۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میری رائے یا میری جماعت کی رائے بہتر ہے بہتر وہی ہے جس کا اللہ نے حکم دیا۔ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا انجام بہتر ہوگا اور بہتری اللہ ہی کا قانون ماننے میں ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی کی فرمانبرداری میں ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ إِلَيْكَ وَمَا نُزِّلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ
يَتَّخِذُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۗ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا
بَعِيدًا ﴿١٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتُ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ
عَنْكَ صُدُودًا ۚ ﴿١١﴾ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ
يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿١٢﴾ أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ
فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ وَعَظَّمَهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿١٣﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ
بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ
لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿١٤﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے جو اللہ نے آپ کی طرف نازل فرمایا اور اس پر بھی ایمان لائے جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ شیطان کی طرف اپنا قضیہ لے جائیں حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس کے منکر ہوں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو گمراہ کر کے دور کی گمراہی میں ڈال دے اور جب ان سے کہا گیا کہ آ جاؤ اس حکم کی طرف جو اللہ نے نازل فرمایا اور آ جاؤ رسول کی طرف تو آپ منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے ہٹتے ہیں، پس کیا حال ہو گا جب ان کو کوئی مصیبت پہنچے ان کے ہاتھوں کے کیے ہوئے کرتوتوں کی وجہ سے پھر وہ آئیں آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بھلائی کی صورت نکل آئے اور آپس میں موافقت ہو جائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ سے جانتا ہے۔ سو آپ ان سے اعراض کیجئے اور ان کو نصیحت کیجئے اور ان کی ذاتوں کے متعلق ان سے ایسی باتیں کہہ دیجئے جو ان کے حق میں خوب زیادہ فائدہ مند ہو اور ہم نے پیغمبر نہیں بھیجے مگر اسی لیے کہ بحکم خداوندی ان کی فرمانبرداری کی جائے اور جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا آپ کے پاس آتے پھر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول ان کے لیے استغفار کرتا تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والے اور مہربانی فرمانے والے پاتے۔

ایک منافق کا واقعہ جو یہودی کے پاس فیصلہ لے گیا

صاحب معالم التزیل (صفحہ ۲۳۶: ج ۱) سبب نزول بتاتے ہوئے یہیں ایک واقعہ نقل کیا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہ کہ بشر نامی ایک منافق تھا اس کے اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا تھا۔ فیصلہ کرانے کے لیے کہیں جانا تھا۔ یہودی نے کہا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں ان سے فیصلہ کرائیں لیکن بشر منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں۔ کعب بن اشرف یہودیوں کا سردار تھا۔ یہودی نے کہا کہ نہیں میں تو محمد ﷺ ہی کے پاس لے چلوں گا، جب منافق نے یہ دیکھا کہ یہ اور کسی جگہ جانے کو تیار نہیں ہے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دونوں حاضر ہو گئے آنحضرت ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرما دیا جب باہر آئے تو بشر منافق نے یہودی سے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے یہودی نے پورا واقعہ سنایا اور بتا دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمارے بارے میں یہ فیصلہ فرما دیا ہے اور اب یہ چاہتا ہے کہ آپ سے فیصلہ کرائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کہ ذرا ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر وہ تشریف لے گئے اور اندر سے تلوار لے کر نکلے جس سے بشر منافق کو انہوں نے قتل کر دیا اور فرمایا کہ جو اللہ کے اور اللہ کے رسول ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ ہو ہمارے نزدیک اس کا یہ فیصلہ ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر کے دکھا دیا اسی وجہ سے ان کو فاروق کہا جانے لگا۔

غیر اسلامی قانون کا سہارا لینے والے کی مذمت:

واقعہ مذکورہ کے علاوہ کتب تفسیر میں سبب نزول بتاتے ہوئے بعض دیگر واقعات بھی لکھے ہیں۔ سبب نزول جو بھی کچھ ہو آیت مذکورہ میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن پر بھی ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی کتب سابقہ پر بھی ایمان لائے۔ دعویٰ تو ان کا یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں لیکن جب کوئی قضیہ درپیش ہو جائے اور فیصلہ کرانا پڑے تو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کے موافق فیصلہ کرانے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ مقدمہ ایسے لوگوں کے پاس لے جانے کی کوشش کرتے ہیں جن سے امید ہو کہ غیر اسلامی قانون کو سامنے رکھ کر یارشوت لے کر ان کی خواہش کے مطابق فیصلہ کر دے یوں تو بڑے زور شور سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جب معاملات اور خصومات کا موقع سامنے آتا ہے تو طاغوت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی سے فیصلہ چاہتے ہیں۔ لفظ طاغوت شیطان کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں قرآن مجید میں یہ لفظ کعب بن اشرف یہودی کے لیے استعمال فرمایا ہے جو بہت بڑا یہودی شیطان تھا۔ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ کسی بھی شیطان کی بات نہ مانیں اور ہر غیر اسلامی قانون سے پرہیز کریں جس کو ﴿وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ﴾ میں بیان فرمایا، لیکن دنیا کے غلام اور مادی منافع کے طالب اسلام کے مدعی ہونے کے باوجود ان لوگوں سے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں جو اسلامی قوانین

کے خلاف ان کے حق میں فیصلہ کر دیں جب کوئی شخص یہ راہ اختیار کرے گا تو شیطان اس کو راہ حق سے ہٹا دے گا، اور اسے دور پھینک دے گا اور اسی کو فرمایا ﴿وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾

بشر منافق کا جو واقعہ پیش آیا اس کو الفاظ کے عموم میں اس طرح بیان فرمایا ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا﴾ کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کیا اور اللہ کے رسول کی طرف آؤ تو منافقین رسول کے پاس آنے سے بچتے ہیں اور کہتے ہیں، مسلمان ہونے کے دعوے تو بڑھ چڑھ کر کرتے ہیں لیکن فیصلے کرانے کے لیے کسی دوسرے کا منہ دیکھتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو حکم بنانے کی بجائے دوسروں سے فیصلہ چاہتے ہیں، اس طرح کے لوگ بشر کے علاوہ بھی پائے جاتے ہیں اس لیے آیت شریفہ میں عام الفاظ استعمال فرمائے تاکہ سب کو تنبیہ ہو جائے۔

منافق مذکور کے قبیلہ والوں کی غلط تاویلیں:

صاحب روح المعانی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ جس شخص کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا تھا اس کے ورثاء خون کا بدلہ طلب کرنے کے لیے حاضر ہو گئے اور جب ان کے سامنے یہ بات لائی گئی کہ تمہارا آدمی رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ سن کر دوبارہ فیصلہ کرانے کے لیے اپنے ساتھی یعنی یہودی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کیوں لے گیا اور حضور اقدس ﷺ کے فیصلے سے کیوں ناراض ہوا جو سراسر کفر ہے تو وہ اپنے آدمی کے اس عمل کی تاویلیں کرنے لگے۔ ان کی ان باتوں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ﴾ (الایۃ) کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا کہ جب ان کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچ جائے تو آپ کے پاس (مدد طلب کرنے کے لیے) آئیں اور قسمیں کھا کھا کر کہیں کہ بشر والے معاملے میں ہم لوگوں کا مقصد اچھی صورت نکالنا اور باہمی رضامندی کے ذریعہ موافقت پیدا کرنا تھا۔ دل سے ہم کسی غیر کے فیصلے پر راضی نہ تھے۔ جو کچھ تھا اوپر اوپر سے تھا اس میں ان لوگوں کے لیے وعید ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ عذر پیش کریں گے لیکن عذر کوئی فائدہ نہ دے گا۔ ان کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا لہذا کوئی معذرت قابل قبول نہ ہوگی۔

پھر فرمایا ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ﴾ (الایۃ) کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دلوں کا حال معلوم ہے وہ ان کو سزا دے گا، آپ ان سے اعراض کریں زجر و توبیح نہ کریں ہاں ان کو نصیحت کرتے رہیں جو ان کی ذاتوں کے بارے میں ہو اور انتہائی وضاحت کے ساتھ ان سے ایسی باتیں فرمائیں جو موثر ہوں راہ حق پر لانے والی ہوں۔

﴿فَاعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ کا ایک مطلب تو مفسرین نے یہی بتایا ہے جو ابھی اوپر بیان ہوا کہ ان سے اعراض کریں اور زجر و توبیح سے کام نہ لیں اور دوسرا مطلب یہ بتایا ہے کہ ان کا عذر قبول کرنے سے اعراض فرمائیں اور انہوں نے جو بشر مقتول کے خون کا دعویٰ کیا ہے اس طرف توجہ فرمائیں کیونکہ اس کے خون کی کوئی قیمت نہیں نیز ﴿وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ﴾ کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ ان کی ذاتوں کے بارے میں انہیں نصیحت فرماتے رہیں اور دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کو انتہائی میں نصیحت فرمائیں کیونکہ انتہائی میں سمجھانا نصیحت قبول کرنے کے لیے زیادہ قریب تر ہوتا ہے۔ (از ابن کثیر صفحہ ۵۱۹: ج ۱، روح المعانی صفحہ ۶۹: ج ۵)

رسول کی رسالت اطاعت ہی کے لیے ہے:

جن لوگوں نے اپنے عمل کی تاویلیں پیش کیں اور جھوٹے عذر سامنے لا کر رسول اللہ ﷺ کو خوش کرنے لگے، ان کے لیے مزید تنبیہ فرمائی اور توبہ و استغفار کی طرف متوجہ فرمایا۔ ارشاد فرمایا ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ کہ ہم نے جو بھی کوئی رسول بھیجا اسی لیے بھیجا کہ بحکم خداوندی اس کی اطاعت کی جائے۔ رسول کا کام اللہ کے احکام پہنچانا ہے اور رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے اور رسول کی نافرمانی اللہ ہی کی نافرمانی ہے۔ جن لوگوں نے طاغوت کی طرف مقدمہ لے جانے کا ارادہ ظاہر کیا اور پھر جب رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا اس سے راضی نہ ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پھر سے مقدمہ پیش کرنے کی ضد کی اس میں سراسر اللہ کے رسول کی اور اللہ

کی نافرمانی ہے۔ نافرمانی کے باعث بشر منافق تو مقتول ہو گیا لیکن اس کے متعلقین نے جو اس کے عمل کی تاویل کی اور عمل شرک و عمل خیر بنانے کی کوشش کی ان لوگوں نے بھی اللہ کی نافرمانی کی۔ ان کو چاہیے تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور آپ بھی ان کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا فرماتے تو اس طرح ان کی مغفرت اور بخشش کی صورت بن جاتی۔ توبہ صحیح کے بعد اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادیتا ہے۔ خواہ تنہائی میں توبہ کی جائے یا مجمع میں۔ لیکن خاص طور سے ان لوگوں کے لیے یہ فرمانا کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اللہ سے استغفار کرتے اور آپ بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو اللہ کو تواب اور رحیم پالیتے۔

اس سے جو خدمت عالی میں حاضر ہونے کی شرط مفہوم ہو رہی ہے اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ چونکہ انہوں نے آپ کے منصب نبوت پر حملہ کیا اور آپ کے فیصلے کو نظر انداز کرنے کا تاویلوں کے ذریعہ جواز نکالا اور آپ کو دکھ پہنچایا اس لیے ان کے جرم کی توبہ کے لیے یہ شرط لگائی گئی کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے توبہ کریں اور یہ بھی کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں۔ پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ طریقے پر اور اعلانیہ گناہ کی توبہ اعلانیہ طور پر ہو یہ توبہ کا اصول ہے۔ ان کی حرکت معروف و مشہور ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ کو ان سے دکھ پہنچ گیا لہذا یہ ضروری ہوا کہ بارگاہ عالی میں حاضر ہو کر اللہ کے حضور توبہ کریں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٢٥﴾

سو قسم ہے آپ کے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ جو ان کے آپس کے جھگڑے ہوں ان میں آپ کو فیصلہ کرنے والا بنا کر آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں کسی بھی طرح کی تنگی محسوس نہ کریں اور پورا پورا تسلیم کر لیں۔

رسول اللہ کے فیصلہ کو دل و جان سے قبول کیے بغیر مومن نہ ہوں گے

صحیح بخاری کتاب التفسیر ۶۶۰: ج ۱ میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما کا ایک انصاری سے کاشت کے سیراب کرنے کے سلسلہ میں جھگڑا ہو گیا۔ دونوں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (پانی کا بہاؤ کچھ اس طرح سے تھا کہ پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی زمین پڑتی تھی) آپ نے فرمایا کہ اے زبیر! تم پانی کھیتی کو سیراب کر لو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو۔ اس انصاری نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے اس لیے آپ نے اس کے حق میں فیصلہ دیا اور اس کو ترجیح دے دی، رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور فرمایا اے زبیر! تم اپنی زمین کو سیراب کرو اور پانی یہاں تک روک لو کہ تمہاری کیاریوں کے اوپر تک آجائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو، آنحضرت ﷺ نے اس انصاری کے غصہ دلانے والے کلمات کی وجہ سے زبیر کو ان کا صاف صاف پورا حق دلا دیا، حالانکہ آپ نے پہلے ایسی بات فرمائی تھی جس میں دونوں کے لیے گنجائش تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ آیت ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ میرے ہی بارے میں نازل ہوئی (مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر جب فریق مقابل راضی نہ ہوا بلکہ اعتراض بھی کر دیا کہ آپ نے اپنی پھوپھی کے بیٹے کو ترجیح دے دی تو اس پر تنبیہ فرمانے کے لیے آیت شریفہ نازل ہوئی) حضور اقدس ﷺ نے حضرت زبیر کو اپنی زمین کو سیراب کرنے کا حق پہلے اس لیے دیا کہ ان کی زمین پہلے پڑ رہی تھی اور آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ پہلے اپنی کیاریوں میں اوپر تک پانی بھر لینا بلکہ صرف اتنا فرمادیا تھا کہ تم اپنی زمین سیراب کر کے اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دینا۔ لیکن انصاری نے جب ایسی بات کہہ دی جو اوپر مذکور ہوئی تو آپ نے زبیر کو ان کا پورا پورا حق دے دیا کہ پہلے تم اچھی طرح سیراب کر لو پھر پانی چھوڑ دو۔ پہلا فیصلہ انصاری کے حق میں بہتر تھا اس نے یہ تونہ دیکھا کہ زبیر کو پوری کیاریاں پر کرنے کو نہیں فرمایا ہے بلکہ یہ دیکھ لیا کہ ان کو پہلے اپنی زمین سیراب کرنے کا حق دے دیا۔

آیت بالا میں مستقل یہ قانون بتا دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں پر دل و جان سے راضی ہونا یہی ایمان کا تقاضا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ کا کوئی فیصلہ سامنے آجائے تو اس کے خلاف اپنے نفس میں ذرا بھی کچھ تنگی محسوس نہ کرے۔ سبب نزول خواہ وہی ہو جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا لیکن آیت کے عموم نے بتا دیا کہ جب کبھی بھی کوئی واقعہ پیش آجائے تو جہاں ایک شخص دوسرے پر دعویٰ کرتا ہو اور ان کے جھگڑے مٹانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ موجود ہو تو ہر فریق دل و جان سے اسی پر راضی ہو جائے۔ ذرا سا بھی کوئی تکدر اور میل اپنے دل میں نہ لائے۔ بہت سے لوگ جو اپنے معاملات اور مخاصمات میں غیر اسلامی قوانین کی طرف دوڑتے ہیں اور ان کے سامنے قرآن و حدیث کا فیصلہ لایا جاتا ہے تو اس سے راضی نہیں ہوتے ایسے لوگ اپنے ایمان کے بارے میں غور کر لیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت بالا میں قسم کھا کر خوب واضح طریقے پر بتا دیا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ کو اپنے جھگڑوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا نہ بنا لیں اور فیصلہ کرا کر آپ کے فیصلے پر دل و جان سے راضی نہ ہوں اور پوری طرح فیصلے کو تسلیم نہ کر لیں تو ایسے لوگ مومن نہ ہوں گے، جب تک آنحضرت سرور عالم ﷺ اس دنیا میں تھے اس وقت تک آپ کی ذات اطہر سامنے تھی اور آپ کے تشریف لے جانے کے بعد قرآن مجید اور آپ کی احادیث موجود ہیں۔ اب ان کو سامنے رکھ کر اپنے فیصلے چکائیں اور جو مسلمان قاضی اور حاکم ہیں انہیں کے مطابق فیصلے کریں۔ اگر ایسا نہ کریں گے قرآن مجید کی تصریح کے مطابق ﴿لَا يُؤْمِنُونَ﴾ کا مصداق ہوں گے۔

دور حاضر کے لوگوں کی بد حالی:

لوگوں کے ذہن مغرب کے بنائے ہوئے ظالمانہ قوانین سے اس قدر مغلوب اور مانوس ہو چکے ہیں کہ ان کے مطابق ظالم بننے اور مظلوم بننے کو تیار ہیں لیکن اسلام کے عادلانہ قوانین پر عمل کرنے کو تیار نہیں۔ زنا کاری کے عام ہو جانے پر خوش ہیں چوری اور ڈکیتی کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں جنہیں بھگتتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے قوانین کو نافذ کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ان قوانین کو نہ صرف دل سے برا جانتے ہیں بلکہ صاف الفاظ میں ظالمانہ کہہ کر کفر اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں اور زانیوں کو سنگسار کرنے اور کوڑے لگانے کی حد جاری کی جائے اور شراب پینے والوں کو کوڑے لگائے جائیں اور ڈاکوؤں کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو سورہ مائدہ میں مذکور ہے کہ ان کو (حسب واردات) قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں یا جیل میں ڈالا جائے اور قاتلوں سے قصاص دلایا جائے اور دیت کے احکام نافذ ہوں تو یہ جھگڑے، فسادات، چوریاں، ڈکیتیاں اور زنا کاری کا وجود ختم ہو جائے۔ کہنے کو مسلمان ہیں لیکن احکام قرآنیہ پر راضی نہیں، کافروں کے قوانین کے مطابق فیصلے کرتے ہیں اور فیصلے کراتے ہیں ایسے لوگ غور کر لیں ان کا کیا دین و ایمان ہے، آیت بالا میں فرمایا کہ مومن ہونے کے لیے صرف یہی شرط نہیں ہے کہ اپنے جھگڑوں کے فیصلے رسول اللہ ﷺ سے کرائیں بلکہ یہ بھی شرط ہے کہ آپ کے فیصلے پر دل میں ذرا سی بھی تنگی محسوس نہ کریں۔

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ ائْخُرْجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوا إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ ۗ وَ لَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيثًا ۗ وَإِذْ أَلَيْنَاهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ۗ وَ لَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۗ

اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کرو یا یہ کہ اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اس پر عمل نہ کرتے مگر تھوڑے سے لوگ، اور اگر وہ لوگ ان کاموں کو کرتے جن کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اور یہ ان کے ایمان کو زیادہ پختہ کرنے والا عمل ہوتا اور اس وقت ان کو ہم اپنے پاس سے ضرور اجر عظیم عطا کرتے اور ہم ان کو سیدھے راستے پر چلاتے

جانوں کے قتل کرنے اور گھروں سے نکلنے کا حکم ہوتا تو تھوڑے افراد عمل کرتے

اوپر کی آیات میں یہ بتایا کہ مومن کی شان یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر فیصلے پر بلا چون و چرا سچے دل سے راضی ہو اور دل میں ذرا سی بھی تنگی محسوس نہ کرے۔ اور اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ ان کو جو حکم دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کریں اور آپ کے حکم کو تسلیم کریں اور آپ کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں یہ کوئی ایسی مشکل چیز نہیں ہے جس پر عمل نہ ہو سکے۔ اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کرو (جیسا کہ بنی اسرائیل کو پچھڑے کی عبادت کرنے کی وجہ سے بطور توبہ جانوں کے قتل کرنے کا حکم ہوا تھا) یا یہ حکم دیتے کہ اپنے گھروں سے نکل جاؤ (جیسا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کا حکم ہوا تھا) تو اس پر عمل نہ کرتے مگر تھوڑے سے افراد۔ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر مجھے حکم دیں کہ اپنی جان کو قتل کروں تو میں ضرور ایسا کر گزروں گا۔ آپ نے فرمایا اے ابو بکر رضی اللہ عنہ! تم نے سچ کہا اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ اگر یہ چیز فرض کی جاتی تو یہ بھی انہیں قلیل افراد میں سے ہوتے جو اس پر عمل کر لیتے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی آنحضرت ﷺ نے ایسا فرمایا، حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چند حضرات نے کہا کہ اگر یہ ہمیں حکم ہو گا تو ضرور عمل کر لیں گے۔ ان لوگوں کی یہ بات آنحضرت ﷺ کو پہنچ گئی آپ نے فرمایا کہ ایمان ان کے قلوب میں مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے پہاڑوں سے بھی زیادہ جما ہوا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سب تعریف ہے جس نے ہمیں عافیت سے رکھا اگر ہمیں حکم ہوتا کہ اپنی جانوں کو قتل کریں تو ہم ضرور ایسا کر لیتے، آنحضرت سرور عالم ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ میری امت میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کے دلوں میں ایمان جمے ہوئے پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہیں۔ (روح المعانی صفحہ ۷۲: ج ۵ معالم التنزیل)

بعض آثار میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ زین کی سیرابی والے قضیہ کا فیصلہ کرنا اور واپس ہو رہے تھے تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ پر ان کا گزر ہوا حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کس کے لیے فیصلہ ہوا۔ انصاری نے اپنا منہ پھیرتے ہوئے جواب دیا کہ اپنی پھوپھی کے بیٹے کے لیے فیصلہ کر دیا وہاں ایک یہودی بھی موجود تھا اس نے بات کو سمجھ لیا اور کہنے لگا کہ اللہ ان لوگوں کا برا کرے یہ لوگ گواہی دیتے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور اس کے باوجود اگر آپ کوئی فیصلہ کر دیں اس میں آپ کو (جانبداری) کی تہمت لگاتے ہیں قسم اللہ کی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ایک گناہ کیا تھا انہوں نے توبہ کی دعوت دی اور توبہ کے سلسلہ میں جانوں کے قتل کرنے کا حکم دیا تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر عمل کرتے ہوئے ہم لوگوں نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ مقتولین کی تعداد ۷ ہزار کو پہنچ گئی اور اس سے ہمارا رب راضی ہو گیا۔ واقعہ مذکورہ ایک ہی انصاری کا تھا لیکن یہودی نے تمام انصار و مہاجرین پر طعن کر دیا اس پر ثابت بن قیس اور ابن مسعود اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہمیں جان کے قتل کا حکم ہو گا تو ہم ضرور عمل کریں گے۔ یہودی کا یہ کہنا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے اس کا جواب دینا اس کی سند تو بیان نہیں کی گئی لیکن بشرط ثبوت آیت شریفہ کا ربط آیت سابقہ سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔ (از روح المعانی صفحہ ۷۲: ج ۵)

جس شخص کا یہ واقعہ ہے وہ منافق تھا انصار کے کسی قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے اسے انصاری کہہ دیا گیا تھا۔

پھر فرمایا ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ (الایۃ) کہ اگر یہ لوگ اس پر عمل کرتے جو ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو دنیا و آخرت میں ان کے لیے بہتر ہوتا اور ان کو سختی کے ساتھ حق پر جانے کا ذریعہ ہوتا، اور جب یہ اس پر عمل کر لیتے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو ہم ان کو اپنے پاس سے اجر عظیم عطا کر دیتے اور ان کو سیدھے راستے پر چلاتے۔ (روح المعانی صفحہ ۴: ج ۵)

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿١٩﴾ ذٰلِكَ الْفَصْلُ مِنَ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَٰلِمًا

اور جو لوگ اللہ کی اور رسول کی فرمانبرداری کریں سو یہ ان اشخاص کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ حضرات اچھے رفیق ہیں یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے والوں کے لیے بشارت عظیمہ

اوپر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا ذکر ہے یہاں بطور قاعدہ کلیہ فرمانبرداروں کا عظیم مرتبہ ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا یہ صلہ ہے کہ ایسے لوگوں کو آخرت میں حضرات انبیاء کرام ﷺ اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی رفاقت حاصل ہو۔

صاحب معالم التنزیل (صفحہ ۴۵۰: ج ۱) لکھتے ہیں کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے ان کو رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ محبت تھی اور آپ کی زیارت کے بغیر صبر نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دن حاضر خدمت ہوئے تو ان کے چہرہ کارنگ بدلا ہوا تھا جس کی وجہ سے رنج و غم کا اثر ظاہر ہو رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا رنگ کس چیز نے بدل دیا عرض کیا یا رسول اللہ نہ مجھے کوئی مرض ہے نہ کوئی تکلیف ہے صرف اتنی بات ہے کہ مجھے آپ کی ملاقات کا بہت زیادہ شوق ہو اور اس کے بغیر مجھے چین نہ آیا اور اپنے اندر سخت وحشت محسوس کرتا رہا، پھر مجھے آخرت یاد آگئی اس پر یہ خیال آیا کہ میں وہاں آپ کو نہ دیکھ سکوں گا کیونکہ آپ نبیوں کے درجات میں ہوں گے اور اگر میں جنت میں داخل ہو گیا تو آپ کے درجے سے نیچے کے درجے میں ہوں گا اور اگر جنت میں داخل نہ ملا تو کبھی بھی آپ کو نہ دیکھ سکوں گا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

معلوم ہوا کہ باوجود درجات مختلف ہونے کے اہل جنت کی آپس میں معیت اور ملاقات ہوگی۔

جس سے محبت ہو اس کے ساتھ ہوں گے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسے شخص کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے جس نے کسی قوم سے محبت کی اور (علم و عمل) کے اعتبار سے ان (کے مقام) کو نہ پہنچا اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ یعنی انسان اس کے ساتھ ہے جس سے محبت کرتا ہے۔ (رواہ البخاری لمکافی المشکوٰۃ صفحہ ۴۲۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قیامت کب قائم ہوگی آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے (قیامت کے بارے میں سوال کر رہا ہے) یہ تو بتا کہ تو نے قیامت کے دن کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے اس کے سوا کوئی تیاری نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں، فرمایا تو اس کے ساتھ ہے جس سے تو نے محبت کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نعمت اسلام کے بعد کسی اور چیز سے مسلمانوں کو اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی اس بات سے خوشی ہوئی (کہ جو شخص جس سے محبت کرے گا اسی کے ساتھ ہوگا)۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۶ عن البخاری)

آنحضرت سرور عالم ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ المرء مع من احب (انسان اسی کے ساتھ ہے جس سے اس نے محبت کی) اس کے عموم میں دونوں باتیں داخل ہیں اچھوں سے محبت کی تو اچھوں کے ساتھ ہوگا، اور بروں سے محبت کی تو بروں کے ساتھ ہوگا، نیز اس کا عموم دنیا و آخرت دونوں کے لیے شامل ہے۔ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بروں کے ساتھ برے لوگ ہوتے ہیں اور اچھوں کے ساتھ اچھے لوگ ہوتے ہیں اسی

طرن۔ آخرت میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ہر ایک اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا المرء علی دین خلیلہ فلینظر احد کم من ینظر۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)
(یعنی انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے سو تم میں سے ہر شخص غور کرے کہ وہ کس سے دوستی رکھتا ہے)۔

جس نے نماز کی پابندی نہ کی قارون فرعون کے ساتھ ہوگا:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے نماز کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا جس نے نماز کی پابندی کی وہ اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگی اور (اس کے ایمان کی) دلیل ہوگی اور اس کی نجات (کا سامان) ہوگی۔ اور جس نے اس کی پابندی نہ کی اس کے لیے نہ نور ہوگی نہ دلیل ہوگی اور نہ نجات کا سامان ہوگی، اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (رواہ احمد والدارمی و ابیہتی فی شعب الایمان کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۵۹)

علماء حدیث نے حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ نماز کی پابندی نہ کرنے والے کئی قسم کے ہیں کچھ لوگ مال کی وجہ سے نماز کی پابندی نہیں کرتے یہ لوگ قارون کے ساتھی ہوں گے اور کچھ لوگ حکومت کی وجہ سے نماز کی پابندی نہیں کرتے یہ لوگ فرعون کے ساتھ ہوں گے اور کچھ لوگ ملازمت کی وجہ سے نماز کی پابندی نہیں کرتے یہ لوگ ہامان کے ساتھ گے (یہ شخص فرعون کا وزیر تھا) اور جو لوگ تجارت کی مشغولیت کی وجہ سے نماز کی پابندی نہیں کرتے وہ ابی بن خلف کے ساتھ ہوں گے۔ یہ ایک مشرک تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے قتل کیا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح اچھے لوگ اچھے لوگوں کے ساتھ ہوں گے اسی طرح بد عمل برے لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔

صاحب روح المعانی صفحہ ۸۷: ج ۵ لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی معیت کا جو آیت میں ذکر ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ درجات میں اختلاف نہ ہوگا اور یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ صرف دخول جنت کے اشتراک کو معیت سے تعبیر فرمایا ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ نیچے کے درجات والے اوپر کے درجات والوں کو بعد مسافت کے باوجود دیکھ بھی سکیں گے اور زیارت بھی کر سکیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نیچے درجے والوں کو زیارت کے لیے اوپر جانے کی اجازت دی جائے اور بلند درجات والوں کو نیچے آنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ اپنے بھائیوں کی زیارت کر لیں۔ جو بھی صورت ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کو مذکورہ بالا حضرات کی معیت نصیب ہوگی۔ ان حضرات سے جو قلبی محبت ہے وہ ان کی معیت کا ذریعہ بن جائے گی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر دو بندوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے آپس میں محبت کی اگر ان میں سے ایک شخص مشرق میں تھا اور دوسرا مغرب میں تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان دونوں کو جمع فرمائیں گے اور ارشاد ہوگا کہ یہ ہے وہ شخص جس سے تو میرے لیے محبت کرتا تھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۲۷)

حضرت ربیعہ بن کعب کا واقعہ:

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس رات گزارا کرتا تھا (یہ بعض احوال اور بعض اوقات کا بیان ہے) اور (رات کو جب آپ بیدار ہوتے تو) آپ کی خدمت میں وضو کا پانی اور دوسری چیزیں حاضر کر دیتا تھا (ایک دن آپ نے فرمایا کہ سوال کر لو (جو تم چاہتے ہو) میں نے عرض کیا میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں آپ نے فرمایا اس کے سوا اور کچھ چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا میرا مقصود تو یہی ہے، آپ نے فرمایا اگر ایسی ہی بات ہے تو اپنے نفس کے خلاف میری اس طرح مدد کرو کہ سجدے زیادہ کرتے رہو۔ (یعنی نفل نمازیں خوب زیادہ پڑھو)۔ (رواہ مسلم صفحہ ۱۹۳: ج ۱)

معلوم ہوا کہ بلند درجات والوں کی معیت حاصل ہونے کے لیے اعمال صالحہ میں لگا رہنا چاہیے اور نماز ایمان کے بعد سب سے بڑی چیز

ہے جتنی زیادہ نمازیں پڑھیں گے اتنے زیادہ سجدے ہوں گے اور سجدوں کی یہ کثرت معیت کا ذریعہ بنے گی۔ آرزو کے ساتھ عمل بھی ہونا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ اپنے نفس کے مقابلہ میں میری مدد کرو اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نفس انسان کو آگے نہیں بڑھنے دیتا اعمال صالحہ کرنے میں ہمت کرنی پڑتی ہے اور نفس سے مقابلہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض اعمال صالحہ ایسے ہیں کہ خصوصیت کے ساتھ ان اعمال پر حضرات انبیاء کرام ﷺ اور صدیقین اور شہداء کی معیت کا وعدہ فرمایا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سچا امانت دار تاجر بنیوں، صدیقیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (رواہ الترمذی فی البیوع) جنت کے بالا خانے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ نے ان لوگوں کے لیے تیار فرمایا ہے جو اس کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا سب سے زیادہ بہتر اور بلند درجہ ہے اور اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں جاری ہیں۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۱۰۴ ج ۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ (عام) جنتی بالا خانوں کے رہنے والے کو اپنے اوپر اس طرح دیکھیں گے جیسے تم (دنیا میں) چمکدار ستارہ کو دیکھتے ہو جو آسمان کے کناروں میں مشرق یا مغرب کی جانب دور نظر آ رہا ہو اور یہ ان کے آپس کے فرق مراتب کی وجہ سے ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو انبیاء کرام ﷺ کے رہنے کی جگہیں ہوں گی جہاں اور کوئی نہ پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے انبیاء کرام ﷺ کے علاوہ وہ لوگ ان میں رہیں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کی تصدیق کی۔ (رواہ البخاری صفحہ ۴۶۱ ج ۱)

جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ان حضرات کو چار جماعتوں میں ذکر فرمایا اول حضرات انبیاء ﷺ، دوم حضرات صدیقین یعنی وہ حضرات جنہوں نے حضرات انبیاء ﷺ کی تصدیق میں ذرا بھی تامل نہیں کیا۔ جب نبی کی دعوت سامنے آئی فوراً البیک کہا اور پھر آخر تک نہایت اخلاص کے ساتھ اپنے جان و مال اور ہر طرح کی خدمات سے حاضر رہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اسی لیے صدیق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی دعوت سنتے ہی فوراً تصدیق کی۔ ہر منصب کی ایک ذمہ داری ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے وہ اس وقت اپنے بعض غلاموں پر لعنت کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا لعنہم و صدیقین (یعنی کیا لعنت کرنے والے صدیق ہو سکتے ہیں؟) پھر فرمایا کلا ورب الکعبہ یعنی رب کی قسم ایسا ہرگز نہیں (یعنی لعنت کرنے کی صفت اور صدیقیت دونوں جمع نہیں ہو سکتے)۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اس دن اپنے بعض غلاموں کو آزاد کر دیا پھر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اب ایسا نہیں کروں گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۱۵)

سوم شہداء یعنی وہ حضرات جنہوں نے اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لیے دشمنان اسلام سے جنگ لڑی اور کافروں کے ہاتھوں مقتول ہو گئے یہ بھی مقربین بارگاہ الہی ہیں اور ان کے بڑے درجات ہیں۔

چہارم صالحین یعنی وہ حضرات جن کے قلوب برائیوں سے دور ہیں اور نیکیوں کی طرف راغب ہیں۔ اخلاص کے ساتھ نیکیوں ہی میں لگے رہتے ہیں۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ کوئی شخص صالح ہو اس کی طبیعت اور مزاج میں نیکی کرنا پوری طرح اثر انداز ہو چکا ہو صالح ہونا بہت بڑا وصف ہے اس لیے حضرات انبیاء کرام ﷺ کو بھی اس صفت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں ﴿نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ﴿وَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ فرمایا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے دعائیں عرض کیا ﴿تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَّ الْحَقُّنِي بِالصَّالِحِينَ﴾ (اے اللہ مجھے اس حال میں موت دے کہ میں مسلم

ہوں اور مجھے نیکوں کے ساتھ ملا دے۔ چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس لیے یہاں وہ صالحین مراد ہیں جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہیں۔ آیت کے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں پر انعام فرمایا ہے وہ چار ہی قسم کے حضرات ہیں۔ انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین اور ان ہی حضرات کی راہ پر چلنے کی دعا کرنے کی تلقین فرمائی۔ ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں اس میں ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ تلاوت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بہت زیادہ ہیں۔ کافر اور فاسق بھی ان سے منفع و متمتع ہوتے ہیں۔ لیکن اصل انعام وہی ہے جو مذکورہ اشخاص پر ہوا۔ کیونکہ ہدایت اور تعلق مع اللہ اور صلاح و فلاح کا جو انعام ہے وہی حقیقی انعام ہے۔ آخرت میں اس کی وجہ سے بلند درجات نصیب ہوں گے۔ دوسرے انعامات اور ان کے فوائد اسی دنیا میں رہ جائیں گے۔

آخر میں فرمایا ﴿وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا﴾ کہ مذکورہ بالا حضرات کی رفاقت بہت ہی اچھی ہے۔ کیونکہ جنتوں میں ان کی معیت اور رفاقت حاصل ہوگی۔ پھر فرمایا ذلک الفضل من اللہ کہ یہ مہربانی اللہ کی طرف سے ہے کہ اس نے اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کی توفیق دے دی اور اسی میں لگائے رکھا۔ یہاں تک کہ آخرت میں ان حضرات کا ساتھ نصیب ہوا جو اللہ کے مقرب بندے ہیں۔ آخر میں فرمایا ﴿وَكَفَى بِاللَّهِ عَلِيمًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ جاننے والا کافی ہے، اسے ہر عمل کا پتہ ہے اور وہ عمل کرنے والوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرًا كَمَا خُذْتُمْ فَأَنْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوْ أَنْفِرُوا جَمِيعًا ﴿۴۱﴾ وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْنَا إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَاهِدِينَ ﴿۴۲﴾ وَأَلَيْنَ أَصَابِكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لِيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يُلَيْتُنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿۴۳﴾ فليقاتل في سبيل الله الذين يبشرون الدنيا بالدنيا والآخرة ومن يقاتل في سبيل الله فيقتل أو يغلب فسوف نؤتيه أجرًا عظيمًا ﴿۴۴﴾

اے ایمان والو! تم اپنے بچاؤ کا سامان لے لو پھر نکل کھڑے ہو چھوٹی جماعتیں یا بڑی جماعتیں بنا کر اور بلاشبہ تم میں بعض ایسے لوگ ہیں جو دیر لگاتے ہیں، سو اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو کہتے ہیں اللہ نے مجھ پر انعام فرمایا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ حاضر نہ تھا اور اگر تم کو اللہ کا فضل حاصل ہو جائے تو کہنے لگتے ہیں گویا کہ تمہارے اور ان کے درمیان کوئی دوستی ہی نہیں اے کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بڑی کامیابی حاصل ہوتی سو چاہئے اللہ کی راہ میں لڑیں وہ لوگ جو آخرت کے بدلہ دنیا والی زندگی کو اختیار کرتے ہیں اور جو شخص اللہ کی راہ میں جنگ کرے پھر وہ قتل کر دیا جائے یا غالب ہو جائے سو عنقریب ہم اسے اجر عظیم عطا کریں گے

دشمنوں سے ہوشیار رہنے اور قتال کرنے کا حکم

ان آیات میں اول تو مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ دشمنوں کی جانب سے چوکنے رہیں ہتھیار تیار رکھیں اور موقع کے مطابق نکل کھڑے ہوں، جہاں چھوٹی جماعتوں سے ضرورت پوری ہوتی ہو وہاں چھوٹی جماعتیں چلی جائیں اور جہاں بڑی جماعت کی ضرورت ہو وہاں بڑی جماعت چلی جائے۔

منافقوں کا طر عمل:

اس کے بعد منافقوں کے طرز عمل کا تذکرہ فرمایا، چونکہ منافقین مسلمانوں میں مل جل کر رہتے تھے اس لیے فرمایا کہ تم میں بعض وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے جہاد میں جانے کی بات آتی ہے تو چونکہ اندر ایمان نہیں ہے، اس لیے ان پر جہاد شاق گزرتا ہے دل سے شرکت کرنا نہیں چاہتے اس لیے بددلی کے ساتھ نکلتے ہیں۔ لَبِطَنَّ بَاب تَفْعِيل سے ہے اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی جانوں کو روکتے ہیں اور جہاد کی شرکت سے پیچھے رہ جانے اور نکلنے میں دیر لگانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کو جہاد کی شرکت سے روکتے ہیں جیسا کہ غزوہ احد میں منافقین نے کیا تھا۔ چونکہ یہ لوگ صرف صاحب دنیا ہیں باہر سے مسلمانوں میں شریک ہیں اور اندر سے ان کے دشمن ہیں اس لیے ان کی زبانوں پر وہ باتیں آجاتی ہیں جو ان کے نفاق اور دل کی مرض کو ظاہر کر دیتی ہیں۔ جب مسلمانوں کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو کہتے ہیں کہ اچھا ہی ہوا کہ اللہ نے مجھے گھر میں بیٹھنے کے انعام سے نوازا اور میں ان لوگوں کے ساتھ حاضر نہ ہوا جہاں ان لوگوں کو مصیبت پہنچی۔ اور جب مسلمانوں کو اللہ کا فضل شامل حال ہو جائے فتح یا بی نصیب ہو جائے یا مال غنیمت مل جائے تو ایسے طور پر خود غرضی کے ساتھ کہ گویا مسلمانوں سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ یوں کہتا ہے کہ ہائے کیا خوب ہوتا جو میں بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوتا اور مجھے بھی بڑی کامیابی حاصل ہوتی مجھے بھی مال و دولت مل جاتا۔ چونکہ منافق دل سے مسلمانوں کا ساتھی نہیں اس لیے ان پر جو اللہ کا فضل ہو اس فضل پر اسے خوشی نہیں بلکہ اسے اس کا افسوس ہے کہ میں ساتھ نہ ہوا اور مال غنیمت سے محروم رہ گیا۔ جو لوگ دل سے مسلمان ہیں وہ اگر کسی وجہ سے جہاد میں نہ گئے اور مسلمانوں کو کامیابی ہوگئی تو وہ اس پر ایسی ہی خوشی مناتے ہیں جیسا کہ ان کے ساتھ جاتے اور فتح یا بی میں شریک ہوتے، منافق دنیا دار مال کا لالچی اس غم میں ڈوب رہا ہے کہ ہائے میں ان کے ساتھ نہ ہوا، اور اس کے نزدیک مال ہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ جبکہ مسلمانوں کے نزدیک اعلائے کلمۃ اللہ اور کفر اور اہل کفر کی شکست سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اس کے بعد فرمایا ﴿فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ﴾ یعنی جو لوگ طالب دنیا ہیں اپنی دنیا بنانے کے لیے آخرت کو چھوڑ رہے ہیں اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں یہ لوگ بھی مسلمانوں کی طرح سے اللہ کی راہ میں جنگ لڑیں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے گھروں سے نکلیں کفر کو دبائیں اور کافروں کو شکست دیں۔

هذا اذا كان شري بمعنى اشترى يعني الذين يختارون الدنيا على الآخرة و جاز ان يكون بمعنى يبيعون فيكون المراد من الموصول المومنون ويكون المعنى ان صدق المنافقون فليقاتلوا في سبيل الله ولا يبالوا بالمباغين الذين يصدونهم

جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت:

اس کے بعد اللہ کی راہ میں قتال کرنے والوں کے لیے اجر عظیم کا وعدہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقتلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ جو شخص اللہ کی راہ میں جنگ کرے گا وہ خواہ مقتول ہو جائے خواہ غالب ہو جائے ہر حال میں اس کے لیے اجر عظیم کا وعدہ ہے۔ اصل تو آخرت ہی کا اجر ہے اور دنیا میں جو مال غنیمت مل جائے وہ مومن کا مقصود نہیں وہ الگ سے اللہ کا فضل ہے اس میں منافقوں کو تنبیہ ہے کہ جب مسلمانوں کو مال غنیمت مل جاتا ہے تو افسوس کرتے ہیں کہ ہائے ہم ساتھ نہ ہوئے ہم کو بڑی کامیابی حاصل ہوتی حالانکہ مال بڑی کامیابی نہیں ہے آخرت کا اجر بڑی کامیابی ہے سچے دل سے ایمان قبول کر کے اللہ کی رضا کے لیے اللہ کے دشمنوں سے لڑیں۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مال غنیمت مل جانے سے اجر ضائع نہیں ہوتا کیونکہ مومن مخلص کی نیت مال حاصل کرنے کی نہیں ہوتی وہ تو صرف اللہ کی رضا کے لیے لڑتا ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۝

اور تمہیں کیا عذر ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ضعیفوں کی خاطر جن میں مرد اور عورتیں اور بچے ہیں جنگ نہ کرو جو یوں کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارا رب نکال ہم کو اس بستی سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور بنادے ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایت کرنے والا اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار بنادے، جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں، سو تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو بلاشبہ شیطان کی تدبیر ضعیف ہے

قتال کے دواعی ہوتے ہوئے قتال کیوں نہیں کرتے؟

اس آیت میں مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کی تاکید فرمائی اور فرمایا تمہیں کیا عذر ہے کہ تم اللہ کی راہ میں قتال نہ کرو۔ قتال نہ کرنے کا تو کوئی عذر ہے ہی نہیں۔ قتال کرنے کا ایک بہت بڑا داعیہ موجود ہے اور وہ یہ کہ مردوں اور عورتوں اور بچوں میں جو لوگ ضعیف ہیں اور اپنے ضعف کی وجہ سے ہجرت کرنے سے عاجز ہیں اور مکہ معظمہ میں گھرے ہوئے ہیں اور مشرکین کے ظلم سے تنگ ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال دے جس کے رہنے والے ظالم ہیں۔ جو شرک کی وجہ سے ظلم عظیم کے مرتکب ہیں اور اہل ایمان کو بھی تکلیفیں دے رہے ہیں، یہ ضعیف مظلومین یہ دعا بھی کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمارا کوئی حمایتی بنادے اور ہمارا کوئی مددگار بنادے۔ صاحب روح المعانی (صفحہ ۸۲: ج ۵) لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی دعا قبول فرمائی۔ نبی اکرم ﷺ کے ہاتھوں مکہ فتح ہوا اور آپ نے ان سب ضعیفوں کی مدد فرمائی۔ پھر آپ نے اپنے صحابی عتاب بن اسید رضی اللہ عنہما کو مکہ کا والی بنا دیا انہوں نے ان ضعیفوں کی حمایت اور مدد کی یہاں تک کہ یہ لوگ سب سے زیادہ عزت والے ہو گئے۔

صحیح بخاری صفحہ ۶۶۰: ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں اور میری والدہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھے جن کا ﴿وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ میں ذکر ہے۔

جو حضرات ضعیف تھے ہجرت نہ کر سکتے تھے اور مکہ معظمہ میں مشرکین کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے ان میں ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے لیے نماز میں رکوع کے بعد کھڑے ہو کر (آخری رکعت میں) دعا فرمایا کرتے تھے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۱۳) پھر یہ حضرات کافروں کی بندش سے آزاد ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہو گئے تھے۔

مومن اور کافر کی جنگ میں نیتوں کا فرق:

پھر مومن کافر کی جنگ کے مقاصد کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ﴿الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (الآیۃ) یعنی جو لوگ مومن ہیں وہ اللہ کی راہ میں جنگ لڑتے ہیں ان کا مقصد صرف اللہ کو راضی کرنا اور اس کے دین کو بلند کرنا ہوتا ہے اور کافر جو جنگ لڑتے ہیں وہ طاغوت یعنی شیطان کی راہ میں جنگ کرتے ہیں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کفر کو رواج دیں اور کفر کا غلبہ ہو۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو حکم دیا ﴿فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ﴾ کہ شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو۔ شیطان اپنے دوستوں کی مدد تو کرتے ہیں لیکن ان کی مدد اللہ کی مدد کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رہتی جب مومن بندے اللہ کا بول بالا کرنے کے لیے میدان میں نکلتے ہیں اور ان کو اللہ کی مدد حاصل ہو جاتی ہے تو

شیطان اور اس کے اولیاء راہ فرار اختیار کرتے ہیں اور مسلمانوں کی تھوڑی سی جماعت کے مقابلہ میں عاجز رہ جاتے ہیں۔ اور شیطان اور اس کی ساری تدبیریں دھری رہ جاتی ہیں۔ بس اہل ایمان میں ایمان کی قوت اور اخلاص یعنی جہاد فی سبیل اللہ ہونا چاہیے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقْبُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشِيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كُتِبَتْ عَلَيْنَا الْقِتَالُ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٤٤﴾

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو، پھر جب ان پر جنگ کرنا فرض کیا گیا تو اس وقت ان میں سے ایک فریق لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسا اللہ سے ڈرتے ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگے اور کہنے لگے کہ اے رب! آپ نے ہم پر جنگ کیوں فرض کی ہم کو تھوڑی مدت کے لیے مہلت کیوں نہ دی۔ آپ فرمادیجئے کہ دنیا کا نفع تھوڑا سا ہے اور آخرت بہتر ہے اس کے لیے جو پرہیزگاری اختیار کرے اور تم لوگوں پر کھجور کی گٹھلی کے تاکے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا

قتال سے پہلو تہی کرنے والوں کا تذکرہ

باب القول ۴۷ میں بحوالہ نسائی اور متدرک حاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما اور ان کے بعض ساتھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے) اور انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ہم جب مشرک تھے تو عزت میں تھے پھر جب ہم ایمان لے آئے تو ذلت والے ہو گئے۔ (لہذا ہمیں دشمنان دین سے جنگ کرنا چاہیے) آپ نے فرمایا کہ مجھے معاف اور درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لہذا جنگ نہ کرو پھر جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ پہنچا دیا تو قتال کا حکم دیا اس وقت لوگ جنگ کرنے سے بچنے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالانازل فرمائی۔

مطلب یہ ہے کہ پہلے تو جہاد اور قتال کا شوق رکھتے تھے اور اس کی اجازت چاہتے تھے۔ اس وقت ان سے کہا گیا تھا کہ ابھی قتال نہ کرو نمازیں پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو لیکن جب قتال کا حکم آ گیا اور قتال فرض قرار دے دیا گیا تو وہی لوگ جو قتال کی خواہش کرتے تھے ان پر بزدلی سوار ہو گئی اور بزدلی بھی معمول نہیں ان میں سے ایک جماعت لوگوں سے خوف کھانے لگی جیسے اللہ سے ڈرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگے اور کہنے لگے کہ اے ہمارے رب آپ نے ابھی سے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔ ہمیں تھوڑی سی مہلت اور مل جاتی تو اچھا ہوتا۔ یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ پہلے سے جہاد کا مطالبہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، ہر حال میں یہ الفاظ تو اعتراض کے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا مومن کی شان نہیں عام مومنین بھی ایسی بات نہیں کہتے چہ جائیکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ایسا کہیں۔ اس کے جواب میں علامہ بغوی معالم التنزیل صفحہ ۴۵۲ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ منافقین نے کہے تھے (یہ بات جب صحیح ہو سکتی ہے جبکہ مدینہ منورہ میں بھی فرضیت جہاد سے پہلے جہاد کی اجازت طلب کی گئی ہو اور ایسا ممکن ہے کہ ہجرت سے پہلے بھی جہاد کا مطالبہ کیا گیا ہو اور ہجرت کے بعد بھی اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ اس کے جواب میں اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ادائے زکوٰۃ کا حکم ہے اور یہ معلوم ہے کہ زکوٰۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی) علامہ بغوی نے دوسرا قول یہ لکھا ہے کہ یہ قول ایسے مسلمانوں سے سرزد ہوا جو علم میں راسخ نہ تھے خوف اور بزدلی کی وجہ سے ان کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے بطور اعتقاد ایسا نہ تھا پھر بعد میں انہوں نے توبہ بھی کر لی، اور تیسرا قول یہ لکھا ہے کہ جن لوگوں نے یہ بات کہی پہلے مومن تھے جب قتال فرض ہوا تو بزدلی کی وجہ سے

منافق ہو گئے اور جہاد سے پیچھے رہ گئے۔

حب دنیا بزدلی کا سبب ہے:

بہر حال جو بھی صورت ہو (اعتراض ہو یا صورت اعتراض) اس کا باعث بزدلی تھا اور بزدلی انسان پر حب دنیا کی وجہ سے طاری ہو جاتی ہے اگر آخرت کی محبت ہو (جو باقی رہنے والی ہے) اور حقیر دنیا سے بے رغبتی ہو تو لڑنا مرنا اور اللہ کے لیے جان دینا سب آسان ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ان کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ﴾ کہ آپ فرمادیجئے دنیا کا فائدہ ذرا سا ہے دنیا اول تو پہلے ہی تھوڑی ہے پھر اس تھوڑی میں سے بھی جس کو ملی ہے تھوڑی سی ملی ہے۔ اس ذرا سی دنیا کی وجہ سے آخرت کی رغبت نہ کرنا نا صحیحی ہے مزید فرمایا ﴿وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَى﴾ (آخرت بہتر ہے اس شخص کے لیے جو تقویٰ اختیار کرے) تقویٰ اختیار کرنے میں کفر و شرک سے بچنا اور صغیرہ کبیرہ گناہوں سے بچنا سب کچھ داخل ہے۔ اہل تقویٰ کے لیے آخرت ہی بہتر ہے اور دنیا (خواہ کتنی ہی زیادہ ہو) آخرت کی ذرا سی نعمت کے سامنے ہچ ہے۔ پھر دنیا فانی ہے اسے ختم ہونا ہی ہے اور اس کے ختم ہونے سے پہلے دنیا والے ختم ہو جائیں گے اور آخرت ابد الابد تک ہے۔ باقی کافانی سے اعلیٰ اور افضل ہونا ظاہر ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَلَا تَظْلَمُونَ فَتِيلًا﴾ کہ تم لوگوں پر (فتیل کے برابر یعنی) ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ ہر عمل خیر پر پورا پورا بدلہ ملے گا جس قدر عمل کیا چند در چند کر کے اس پر اجر عظیم عطا کیا جائے گا، پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ فتیل کھجور کی گٹھلی کے گڑھے میں جوتا گا ہوتا ہے اسے کہا جاتا اور اہل عرب اسے حقیر چیز کے لیے بطور مثال پیش کیا کرتے ہیں۔

أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَدْرِكَكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ ۗ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۗ قُلْ كُلُّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ فَبِأَلِّ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ۝۴۸ مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَبِمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَبِمِنَ نَفْسِكَ ۗ وَأُرْسَلْنَا لِنَاسٍ رَّسُولًا ۗ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝۴۹

تم جہاں بھی ہو تم کو موت پکڑ لے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں کے اندر ہو، اور اگر ان کو کوئی اچھی حالت پیش آ جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے اور اگر ان کو کوئی بری حالت پیش آ جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری وجہ سے ہے، آپ فرمادیجئے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے، سو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں جاتے، تجھے جو کوئی اچھی حالت پہنچ جائے سو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور تجھے جو کوئی بری حالت پہنچ جائے سو وہ تیری طرف سے ہے اور ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کافی ہے گواہی دینے والا۔

تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت پکڑ لے گی

جو لوگ بزدلی اختیار کرتے ہیں اور فی سبیل اللہ جہاد کرنے سے کتراتے ہیں موت کے ڈر سے ایسا کرتے ہیں موت کا وقت مقرر ہے جب موت آئے گی مرنا ہی پڑے گا اور جہاں کہیں بھی ہوں موت پہنچ جائے گی۔

اس آیت میں فرمایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو گے تمہیں موت پکڑ لے گی، اگرچہ مضبوط قلعوں کے اندر ہو، موت سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں۔ صاحب معالم التزیل (صفحہ ۲۵۳: ج ۱) لکھتے ہیں کہ آیت ﴿أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُمُ الْمَوْتُ﴾ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب غزوہ احد میں مسلمان شہید ہو گئے تو منافقین نے کہا کہ ﴿لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا﴾ (اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ وہ

مرتے اور نہ مقتول ہوتے) اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی بات کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمہیں پکڑ ہی لے گی اگر مضبوط قلعے میں ہو تب بھی موت سے مفر نہیں۔

منافقوں اور یہودیوں کی احمقانہ باتیں

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ لوگ کہنے لگے کہ جب سے ان کی آمد ہوئی ہے ہمارے پھل کم ہوتے جا رہے ہیں اور کھیتوں کی پیداوار بھی گھٹتی جا رہی ہے انہیں جو کوئی تکلیف پہنچی یا پیداوار میں کمی ہوئی یا مہنگائی ہو گئی تو اسے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی آمد کی طرف منسوب کر دیا ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ سب محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے آنے کی نحوست ہے، اچھی حالت کو تو انہوں نے اللہ کی طرف منسوب کیا اور جو کوئی چیزوں کی کمی یا مہنگائی کی زیادتی ہو گئی اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا، ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ کہ آپ فرمادیتے تھے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آپ ان سے فرمادیں کہ سب کچھ نعمت اور نعمت، خوشحالی اور بد حالی اللہ ہی کی طرف سے ہے، میرا اس میں کوئی دخل نہیں، نعمت تو محض اللہ کے فضل سے ہے اور نعمت و مصیبت کے آنے میں تمہاری بد اعمالیوں کو بھی دخل ہے، لیکن ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے۔

پھر فرمایا ﴿فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا﴾ (ان لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے پاس نہیں پھٹکتے) باتوں کو سمجھتے تو کیا سمجھنے کے پاس بھی نہیں گزرتے ان کا جہل ان پر غالب ہے۔ (روح المعانی صفحہ ۸۸: ج ۵)

پھر فرمایا ﴿مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ﴾ (جو کچھ تجھے اچھی حالت پہنچ جائے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو کچھ تجھے بد حالی پہنچ جائے وہ تیری طرف سے ہے) یہ خطاب ہر انسان کو ہے اور اس میں اچھی بری حالت پیش آنے کا قانون بنا دیا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق واجب نہیں جو بھی نعمت اور اچھی حالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے وہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے نیک اعمال کرنے سے بھی اللہ پر کسی کا کچھ حق واجب نہیں ہوتا۔ نیک اعمال پر جو نعمتوں اور برکتوں کے وعدے ہیں وہ سب اس کا فضل ہے اور جو کوئی نعمت یا مصیبت بد حالی انسان کو پہنچ جائے وہ انسان کے اپنے برے اعمال کی وجہ سے ہے۔

سورہ شوریٰ میں فرمایا ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ﴾ (جو کچھ تم کو دکھ تکلیف پہنچ جائے سو وہ تمہارے اپنے کیے ہوئے اعمال کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ بہت سے اعمال بد سے درگزر فرمادیتے ہیں) مصیبتیں آتی ہیں تو انسانوں کے اعمال کی وجہ سے لیکن اس میں مومن بندوں کو یہ فائدہ ہو جاتا ہے کہ ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

آخر میں فرمایا ﴿وَ أَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا وَ كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾ اس میں رسول اللہ ﷺ کے منصب عظیم یعنی رسالت کا بیان ہے لفظ للناس میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ تمام انسانوں کے لیے رسول ہیں اور ﴿وَ كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾ یہ فرمایا کہ اگر کوئی شخص آپ کی رسالت کا منکر ہو تو اس کے انکار سے آپ کے منصب رسالت میں کوئی فرق نہیں آتا، منکرین کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں، آپ کی رسالت پر اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے۔

بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر گواہ ہے سب کے اعمال خیر و شر سے باخبر ہے وہ سب کا بدلہ دے دے گا۔ (روح المعانی صفحہ ۹۰-۹۱: ج ۵)

یہ مطلب لینا بھی مضمون سابق کے مناسب ہے۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۗ

جو شخص فرمانبرداری کرے رسول کی تو اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جس نے روگردانی کی سوہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا

رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے

اس آیت کریمہ میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری اللہ ہی کی فرمانبرداری ہے۔ معالم التنزیل (صفحہ ۴۵۵: ج ۱) میں اس کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ ارشاد فرمایا کہ من اطاعنی فقد اطاع اللہ و من اجبنی فقد احب اللہ (جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی) تو بعض منافقین نے کہا کہ بس جی یہ آدمی تو یہ چاہتا ہے کہ ہم اسے رب ہی بنا لیں۔ جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو رب بنایا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ جس میں یہ بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی ہی فرمانبرداری ہے کیونکہ آپ جو کچھ دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ پیغام پہنچانے والے واسطہ سے جو پیغام پہنچے اور اس پر عمل کیا جائے وہ پیغام بھیجنے والے کے ہی حکم پر عمل کرنا ہوتا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پیغام لانے والا رب ہو جائے۔ نصاریٰ نے تو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو نبوت و رسالت کے درجہ سے آگے بڑھا دیا ان کو خدا کا بیٹا بتا دیا اور ان کو الوہیت کا درجہ دے دیا۔ کہاں نصاریٰ کی جہالت اور حماقت اور کہاں رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

فتنہ انکار حدیث پر ایک نظر:

دور حاضر میں جن لوگوں نے انکار حدیث کا فتنہ اٹھا رکھا ہے آیت شریفہ میں ان کا بھی جواب ہے یہ لوگ عوام کو طرح طرح کی باتیں کر کے بہکاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ قول رسول اللہ ﷺ حجت نہیں (العباد باللہ) قرآن مجید میں جگہ جگہ اطاعت رسول اور اتباع رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ اور آپ کو مقتدا بتایا ہے اور فرمایا ہے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ اور آپ کے بارے میں فرمایا ہے ﴿يُحِلُّ لِهِمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ (وہ حلال قرار دیتے ہیں ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو اور خبیث چیزوں کو ان پر حرام قرار دیتے ہیں) قرآن مجید مجمل ہے تفصیلی احکام رسول اللہ ﷺ نے بتائے ہیں جو شخص رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کو شرعی حجت نہ مانے وہ درحقیقت قرآن کا بھی منکر ہے۔ منکر یہ حدیث نے اہل قرآن ہونے کا لیبیل تو لگا لیا اور حقیقت میں قرآن و حدیث دونوں کے منکر ہیں جو قرآن ماننے کا دعویدار ہے وہ قرآن کی اس بات کو کیوں نہیں مانتا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع اور اقتداء فرض ہے اور آپ کے اتباع کو اللہ کا محبوب بننے کا ذریعہ بتایا ہے ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾

آپ کا کام صرف ابلاغ ہے:

پھر فرمایا کہ ﴿وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِيظًا﴾ (جو شخص روگردانی کرے آپ کی ہدایت قبول نہ کرے راہ حق اختیار نہ کرے تو آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں آپ کے ذمہ پہنچا دینا ہے زبردستی عمل کروانا آپ کے ذمہ نہیں ہے) اگر کوئی شخص ایمان قبول نہ کرے تو آپ سے کسی قسم کی باز پرس نہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِيظًا﴾ کما قال تعالیٰ ﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ﴾۔

صاحب معالم التنزیل اور صاحب درمنثور نے بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ یہ جہاد فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے جب کہ آپ کی بعثت کا ابتدائی زمانہ تھا بعد میں جہاد کا اور سختی کرنے کا حکم نازل ہوا۔ اور جن آیات میں قتال کا حکم ہے وہ اس مضمون کے لیے ناسخ ہو گئیں۔ نسخ کی بات اسی صورت میں صحیح ہے جبکہ آیت کا مضمون یہ ہو کہ ابھی جہاد و قتال نہ کرو اور اگر آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہو کہ آپ ہدایت قبول نہ کرنے والوں کی طرف سے فکر مند نہ ہوں کیونکہ آپ کے ذمہ صرف پہنچانا ہے قبول کرانا نہیں ہے تو منسوخ کہتے کی کوئی وجہ نہیں۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۗ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّنُونَ ۚ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿۸۱﴾ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ
الْقُرْآنَ ۗ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَوْجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿۸۲﴾

اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا کام بات ماننا ہے پھر جب آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو ان میں سے کچھ لوگ اس بات کے خلاف کہتے ہیں جو وہ کہہ چکے تھے۔ اور اللہ لکھتا ہے جو کچھ وہ راتوں کو مشورے کرتے ہیں سو آپ ان کی طرف سے اعراض کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں اور اللہ کافی ہے کارساز۔ کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر وہ اللہ کے سوا کسی غیر کے پاس سے ہوتا تو اس میں بکثرت اختلاف پاتے

منافقین کی ایک عادت بد کا تذکرہ

اس آیت میں منافقین کی ایک عادت بد کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب آپ کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم آپ کے حکم سے کیسے باہر ہو سکتے ہیں ہمارا کام تو بات ماننا اور فرمانبرداری کرنا ہے (ای امرنا و شاننا طاعة) علیٰ انہ خبر مبتداء محذوف پھر جب آپ کی مجلس سے باہر نکل جاتے ہیں ان میں سے ایک جماعت (یعنی ان کے رؤسا) راتوں کو اس بات کے علاوہ مشورے کرتے ہیں جو انہوں نے آپ کی مجلس میں کہا تھا یعنی آپ کے ارشاد کے خلاف چلتے ہیں اور آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور خلاف ورزی کے منصوبے بناتے ہیں۔

﴿وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّنُونَ﴾ (اور اللہ لکھتا ہے جو وہ رات کو مشورے کرتے ہیں) وہ دنیا اور آخرت میں ان کے عمل کا بدلہ دے دے گا۔ ﴿فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ (ان سے اعراض کیجیے) اور ان سے بدلہ لینے کا فکر نہ کیجیے۔ ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ (اور اللہ پر بھروسہ کیجیے) تمام امور اللہ کے سپرد کیجیے ﴿وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾ (اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا) وہی آپ کے سب کام بنائے گا، ان کے شر اور ضرر سے بھی محفوظ فرمائے گا۔ (روح المعانی صفحہ ۵۲: ج ۵)

قرآن میں تدبر کرنے ترغیب:

پھر فرمایا ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ﴾ (الآیۃ) کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے اگر قرآن میں غور و فکر کریں تو ان کو یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ قرآن اللہ ہی کی طرف سے ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ محمد رسول اللہ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں جن کے رسول ہونے کی گواہی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دی ہے۔ ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَوْجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ اور اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ اور کہیں سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔ اس کی خبروں میں بھی تعارض ہوتا، اس کی نظم و بلاغت میں تفاوت ہوتا، بعض خبریں صحیح ہوتیں اور بعض غلط ہوتیں، کہیں معنی فاسد ہوتا کہیں صحیح ہوتا، لیکن ایسا نہیں ہے اس کے الفاظ، معانی اور اخبار میں کہیں کچھ کہنے اور انگلی رکھنے کی جگہ نہیں ہے۔ قرآن نے مقابلے میں ایک آیت لانے کا چیلنج کیا جو اب تک قرآن میں موجود ہے اور اب بھی سارے انسانوں کو چیلنج ہے، کوئی بھی اس کے مقابل نہ لاسکا اور نہ اس پر کوئی اعتراض کر سکا، اور اپنی بد فہمی سے جس کسی نے کوئی اعتراض کیا اس کا جواب اس کو قرآن ہی میں مل گیا۔ یا اہل دانش نے اس کا جواب دے دیا۔ (روح المعانی صفحہ ۹۲-۹۳: ج ۵)

قرآن میں تدبر کرنے کے اہل کون ہیں؟

آیت بالا میں تدبر قرآن کی دعوت دی گئی ہے جن لوگوں کو اللہ نے علم و فہم دیا ہے وہ قرآن میں تدبر کریں، ہر شخص اپنی اپنی فہم اور استعداد

کے مطابق تدبر کر سکتا ہے اور جہاں کہیں کچھ سمجھ میں نہ آئے یا کوئی اشکال ہو تو اہل علم سے رجوع کرے۔ اہل فہم کے درجات مختلف ہیں اور تدبر کی صورتیں بھی مختلف ہیں معانی میں تدبر، حقائق و معارف کی تلاش، احکام و مسائل کا استنباط، فصاحت و بلاغت کی گہرائی میں اترنا، اسلوب و بیان کو دیکھنا یہ سب تدبر میں آتا ہے۔ حضرات آئمہ مجتہدین نے خوب تدبر کیا مسائل کا استنباط کیا معارف و حقائق کو سمجھا۔ ان کے بعد دوسرے علماء بھی تدبر کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے بھی قرآن سے مسائل کا استنباط اور اثبات کیا ہے۔

تدبر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ذرا بہت عربی اردو پڑھے ہوئے لوگ جنہیں نہ صیغوں کی پہچان نہ علم الصرف کا علم نہ وجوہ اعراب کا پتہ نہ مشتق و مشتق منہ کی خبر نہ حروف اصلیہ اور زائدہ کا علم ان جیسے لوگ تدبر کرنے لگیں اور اپنے آپ کو علماء راہنہ کے برابر سمجھ کر جو اپنی سمجھ میں آئے اسی کو قرآن کا مطلب بتانے لگیں یہ تو ان کی جہالت ہوگی۔

تفسیر بالرائے کی قباحت:

لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن پر مولویوں کی ہی اجارہ داری کیوں ہے ہم اہل فہم ہیں اور اہل علم ہیں ہم بھی قرآن کا مطلب بتا دیتے ہیں، ان میں سے بعض جاہلوں نے رسول اللہ ﷺ ہی کو درمیان سے نکال دیا اور کہنے لگے کہ قرآن اللہ نے ہمارے پاس بھیجا ہے۔ ہم خود سمجھ لیں گے رسول اللہ ﷺ کے بیان کی ضرورت نہیں (العیاذ باللہ) جو شخص قرآن لانے والے سے قرآن نہ سمجھے گا اور قرآن لانے والے کے شاگردوں کو درمیان سے نکال دے گا وہ تفسیر بالرائے کرے گا، تفسیر بالرائے گمراہی ہے بہت سے لوگ علم کے بغیر قرآن کی تفسیر لکھنے بیٹھے تو گمراہ ہو گئے اور اپنے اتباع و اذنا ب کو گمراہی میں ڈال گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا من قال فی القرآن براہ فلیتبعوا مقعدہ من النار (کہ جس شخص نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنا لے) اور حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا من قال فی القرآن براہ فاصاب فقد اخطا کہ جس نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور ٹھیک کہا تب بھی اس نے غلط کام کیا۔ (رواہما الترمذی کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۳۵)

معلوم ہوا کہ اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرنا ممنوع ہے، اگر کوئی بات ٹھیک بھی کہہ دی تب بھی خطا کی کیونکہ جو منصب اس کا نہیں تھا اس نے اس کو اختیار کر لیا، قرآن میں تدبر کریں تو تدبر کے قابل بنیں۔

رہی یہ بات کہ قرآن پر مولویوں کی اجارہ داری کیوں ہے تو یہ جاہلانہ سوال ہے جب علاج پر ڈاکٹروں کا قبضہ ہے اور قانون سازی پر قانون دانوں کا قبضہ ہے اور انجینئرنگ کے کاموں پر انجینئروں کا قبضہ ہے تو قرآن کے معانی اور مفہم بتانے کے لیے قرآن کے عالم کا قبضہ کیوں نہ ہوگا؟ شاید کسی کے دل میں یہ خطرہ بھی گزرے کہ قرآن حکیم میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن کو آسان کر دیا پھر اس کا تدبر اور سمجھنا سب کے لیے آسان کیوں نہیں؟ اس وسوسے کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ قرآن آسان ہے مگر اصول و قواعد کے ساتھ آسان ہے کوئی بھی آسان چیز اپنے قاعدوں اور اصولوں کے بغیر آسان نہیں ہوتی، مثلاً سب سے آسان کام حلوہ کا لقمہ نکل لینا ہے اور اسے آسانی کی مثالوں میں بیان کیا جاتا ہے مگر ننگن سے پہلے چینی، سوچی، گھی وغیرہ کا انتظام کرنا بنانے اور پکانے کا طریقہ جاننا پھر قاعدے کے مطابق اسے تیار کرنا پھر لقمہ اٹھا کر منہ تک لے جانا تو بہر حال ضروری ہے، قرآن آسان تو ہے مگر عربی میں ہے، عربی سمجھنے کے لیے جن علوم کی ضرورت ہے ان کے بغیر قرآن سمجھنے کا ارادہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص نہ حلوہ بنانے کی چیزوں سے واقف ہو نہ حلوہ بنانے نہ منہ تک لے جائے مگر حلوہ کا لقمہ ننگن کی مجنونانہ حرکت کرنے لگے، قرآن مجید کے اوامر و نواہی کا سمجھ لینا اور حرام و حلال جان لینا تو اس قدر آسان ہے کہ جس نے قرآن نہ پڑھا اس کے سامنے بیان کر دیے جائیں تو وہ بھی سمجھ لے گا لیکن اول سے آخر تک پورے قرآن مجید کی تفسیر جاننا اور معارف و دقائق کا نکالنا، مجمل و مبہم کی تعین کرنا، مشترک الفاظ کے معانی میں سے کسی ایک کو سیاق و سباق دیکھ کر طے کرنا اس کے لیے بہر حال عربیت کا بھرپور علم ہونا ضروری ہے۔

اس زمانہ کے جہلاء اپنی طرف سے قرآن کا مطلب بتانے میں ذرا بھی نہیں جھجکتے اور جن کی عمریں قرآن فہمی میں ختم ہو گئیں، وہ لب کھولتے ہوئے لرزتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی احتیاط:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے زیادہ قرآن سے واقفیت رکھنے والا آنحضرت ﷺ کے بعد کون ہو سکتا ہے جب ان سے سورہ عبس کی آیت ﴿وَ فَآكِهَةٌ وَّآبَاءُ﴾ کا مطلب پوچھا گیا تو فرمایا کہ ائى سَمَاءٍ تُظِلُّنِي اَوْ ائى اَرْضٍ تُقَلِّبُنِي اِنْ قُلْتُ فِى كِتَابِ اللّٰهِ مَا لَا اَعْلَمُ (تاریخ الخلفاء) مجھے کون سا آسمان سایہ دے گا اور کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اگر میں اللہ کی کتاب کے بارے میں وہ بات کہہ دوں جس کا مجھے علم نہیں۔

مفسر کی ذمہ داریاں:

مفسر کے لیے ضروری ہے کہ اولاً قرآن کی تفسیر خود قرآن شریف ہی میں تلاش کرے کیونکہ قرآن شریف میں اکثر ایسا ہے کہ ایک آیت کی توضیح و تفسیر دوسری آیات میں مل جاتی ہے، اگر کسی جگہ کی تفسیر قرآن شریف میں نہ ملے تو آنحضرت کے ارشادات میں تلاش کرے کیونکہ سنت نبوی علی صاحبہا الصلاة والتحية قرآن شریف کی مستند اور معتمد مفسر اور بہترین شارح ہے، ظاہر ہے کہ جس ذات گرامی پر قرآن کا نزول ہوا اس نے جو قرآن کی تفسیر کی ہو وہ سراسر حق ہوگی اور اس کے خلاف جو بھی شخص تشریح کرے گا وہ اور اس کی تفسیر مردود ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاكَ اللّٰهُ﴾۔

اگر کسی آیت کی تفسیر حدیث شریف میں بھی نہ ملے تو حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال کی طرف رجوع کرے کیونکہ یہ حضرات آنحضرت ﷺ کے بعد قرآن شریف کے سب سے زیادہ عالم تھے۔ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال کی طرف رجوع کرے کیونکہ قرآن و احوال سے باخبر تھے جو نزول قرآن کے وقت سامنے آتے رہتے تھے۔ پھر آنحضرت ﷺ کی صحبت کی برکت سے فہم کامل، علم صحیح اور عمل صالح کی دولت سے مالا مال تھے۔ حضور اقدس ﷺ جیسا کہ اپنے صحابہ کو قرآن شریف کے الفاظ سکھاتے تھے اسی طرح قرآن شریف کے معانی بھی بیان فرماتے تھے۔

ابو عبدالرحمن سلمی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیر ہم نے فرمایا کہ جب ہم آنحضرت ﷺ سے دس آیات سیکھتے تھے تو جب تک ان سے متعلقہ علم و عمل کونہ جان لیتے تھے (دوسرے سبق کے لیے) آگے نہ بڑھتے تھے قرآن اور قرآن کا علم و عمل ہم نے سب ساتھ ساتھ سیکھا ہے۔

بے پڑھے مفسرین کو تنبیہ:

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جو بھی آدمی کسی فن کی کتاب پڑھتا ہے (مثلاً حساب یا طب کی کتاب) تو ضرور بالضرور اس کے معانی اور مطالب کو اچھی طرح سمجھنے اور جاننے اور یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہے، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ کی مقدس کتاب کے معانی اور مطالب نبی اکرم ﷺ سے معلوم نہ کیے ہوں، حالانکہ قرآن کونجات کا ذریعہ اور دونوں عالم کی صلاح و فلاح کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ قرآن و حدیث اور تفسیر صحابہ پر جسے عبور نہ ہو ایسا شخص محض عربی دانی کے زور پر جو قرآن کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرے گا ضرور گمراہ ہوگا اور امت کو گمراہ کرے گا، قرآن کے صحیح واضح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ عقیدہ اور عمل درست ہو، یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو جو عقائد و اعمال پر ڈالا تھا ان کا پابند ہو، فسق و فجور اور الحاد و زندقہ سے پاک ہو، قرآن پر چلنے کا ارادہ رکھتا ہو، اس کی نیت قرآن کو اپنے نظریہ

خود ساختہ معانی پر چیکانے کی نہ ہو۔

وَ إِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۖ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۸۳﴾

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آ جاتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں، اور اگر اس خبر کو پہنچا دیتے رسول کی طرف اور ان لوگوں کی طرف جو ان میں سے فہم رکھنے والے ہیں تو ان میں جو ایسے حضرات ہیں جو اس سے استخراج کر لیتے ہیں وہ اس کو جان لیتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان کے پیرو ہو جاتے سوائے چند آدمیوں کے۔

غیر محقق بات کو پھیلانے کی مذمت اور خبروں کو اہل علم تک پہنچانے کی اہمیت

صحیح مسلم صفحہ ۴۸۰: ج ۱ میں ایک تفصیلی واقعہ ذکر کیا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے (طلاق دیے بغیر کچھ عرصہ کے لیے) ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار فرمائی تھی اس بات کی خبر لوگوں کو پہنچی تو اس کو طلاق پر محمول کر کے آگے بڑھانا شروع کر دیا اور یہ مشہور ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں حاضری کی اجازت چاہی اجازت مل جانے پر خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور سوال کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں! عرض کیا کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو وہاں لوگ جمع تھے وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی آپ کی اجازت ہو تو میں ان کو بتا دوں کہ آپ نے طلاق نہیں دی آپ نے فرمایا اگر چاہو تو بتا دو میں مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوا اور بلند آواز میں پکار کر اعلان کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی ہے۔ اور یہ آیت نازل ہوئی (جس کا اوپر ترجمہ کیا گیا) لہذا میں ان لوگوں میں ہوں جنہوں نے اس امر کا کھوج لگایا اور تحقیق کی کہ آپ نے واقعی طلاق دی ہے یا طلاق کی بات غلط مشہور ہو گئی۔

منافقین کی عادت بد کا تذکرہ:

علامہ بغوی رضی اللہ عنہ معالم التنزیل صفحہ ۴۵۶: ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ مختلف علاقوں میں فوجی دستے بھیجا کرتے تھے۔ جب وہاں سے واپس ہوتے تو منافقین جلدی سے آگے بڑھ کر ان سے پوچھتے تھے کہ نتیجہ کیا ہوا آپ لوگ غالب ہوئے یا مغلوب ہوئے وہ حضرات باخبر کر دیتے تو یہ لوگ رسول ﷺ تک بات پہنچنے سے پہلے اس خبر کو پھیلا دیتے تھے (اگر شکست و ہزیمت کی خبر ہوتی تو اس سے نقصان پہنچتا تھا کیونکہ) اس سے مومنین کے قلوب میں ضعف پیدا ہو جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ جب ان کے پاس کوئی خبر امن کی (یعنی فتح اور غنیمت کی) یا کوئی خبر خوف کی (یعنی قتل اور شکست کی) پہنچ جاتی ہے تو اسے شہرت دے دیتے ہیں اور اگر خبر کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاتے اور ان لوگوں کے پاس لے جاتے جو صحابہ رضی اللہ عنہم میں صاحب رائے حضرات ہیں تو ان میں جو اہل علم ہیں جو باتوں کو سمجھتے ہیں اونچ نیچ کو جانتے ہیں اس کی گہرائی میں اترتے ہیں وہ اس کو سمجھتے اور اپنے علم کے مطابق عمل کرتے جو چیز چھپانے کی تھی پھیلانے کی نہ تھی اسے آگے نہ بڑھاتے اور جو چیز آگے بڑھانے کی تھی اس کو آگے بڑھاتے اور پھیلا دیتے۔ رسول اللہ ﷺ اور اصحاب علم اور اصحاب رائے صحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچانے سے پہلے ہی خبر کو اڑا دینے سے مسلمانوں کو نقصان ہونے کا اندیشہ تھا لیکن چونکہ منافقین کو مسلمانوں کی خیریت مطلوب ہی نہ تھی اس لیے ذرا احتیاط نہ کرتے تھے ادھر بات کو سنا ادھر اس کو پھیلا دیا۔ بات کا نشیب و فراز کیا ہے اس طرف ذرا بھی دھیان نہ دیا۔ لفظ یَسْتَنْبِطُونَ استنباط سے مضارع کا صیغہ ہے استنباط لغت میں زمین کے اندر سے پانی نکالنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، یہاں بات

کی تحقیق کرنے اور ان کی اونچ نیچ کو سمجھنے اور اس کی گہرائی میں اترنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

اللہ کا فضل اور رحمت:

پھر فرمایا ﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان کے پیرو ہو جاتے سوائے چند آدمیوں کے) اللہ تعالیٰ نے دین اسلام بھیجا جو اس کا فضل ہے اور قرآن نازل فرمایا جو اس کی رحمت ہے ارشاد ہے کہ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم سب لوگ شیطان کے پیچھے لگ لیتے بجز چند افراد کے۔ یہ چند افراد وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری اور نزول قرآن سے پہلے دین فطرت پر تھے اور توحید اختیار کیے ہوئے تھے شرک سے متنفر تھے جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرہا مشرکین کے ماحول میں رہتے ہوئے عقل کی راہنمائی سے توحید اختیار کرنا بھی اللہ ہی کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے لیکن چونکہ رسول کا بھیجنا اور کتاب کا نازل فرمانا خاص فضل اور خاص رحمت ہے اس لیے یوں فرمایا کہ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم سب شیطان کا اتباع کر لیتے بجز چند لوگوں کے۔ (از معالم التنزیل صفحہ ۲۵۶ ج ۱)

فائدہ: (۱) آیت شریفہ کے ترجمہ اور سبب نزول سے معلوم ہوا کہ جب کوئی بات سننے میں آئے تو اس کی تحقیق کی جائے۔ سنتے ہی اس کو آگے بڑھانا شروع نہ کر دے کیونکہ غلط ہونے کا امکان ہے، ہر سنی ہوئی بات صحیح نہیں ہوتی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿كُفِيَ بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ﴾ (کہ انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ جو بات سنے اسے آگے بیان کر دے) (رواہ المسلم فی مقدمہ) آج کل نہ صرف یہ کہ سنی ہوئی باتوں کے نقل کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں بلکہ خود خبریں گھڑی جاتی ہیں اور ان کو شائع کیا جاتا ہے اور جھوٹی خبروں کے ذریعہ پیسے کمائے جاتے ہیں۔ جماعتیں اور حکومتیں ایسے افراد مہیا کرتی ہیں جنہیں پیسے دے کر جھوٹی خبریں بنانے اور پھیلانے کے کام پر لگایا جاتا ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ جو قرآن مجید سے بالصریح معلوم ہوئی کہ جو خبر سچی بھی ہو اس کے پھیلانے اور آگے بڑھانے میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ سچی خبر کے پھیلانے سے بھی بعض مرتبہ نقصان پہنچ جاتا ہے۔ منافقین جنگ سے واپس آنے والے حضرات سے فتح اور شکست کی صورت حال معلوم کر کے پھیلا دیتے تھے۔ اس پر ان کو عتاب ہوا اور فرمایا کہ اگر اس کو رسول اللہ ﷺ اور اصحاب رائے تک پہنچا دیتے تو وہ اس کی اونچ نیچ اور نشیب و فراز کو سمجھ لیتے پھر اس کو پھیلا نا مناسب ہوتا تو پھیلا دیتے اور اس میں جو سمجھنے کی بات ہوتی تو اس کی تہہ تک پہنچ جاتے، بہر حال سننے میں پھر تحقیق کرنے میں پھر بات کے آگے بڑھانے میں احتیاط کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

فائدہ: (۲) علامہ بغوی رحمہ اللہ معالم التنزیل صفحہ ۲۵۶ ج ۱ میں لکھتے ہیں:

وفى الآية دليل على جواز القياس فان من العلم ما يدرك بالتلاوة والرواية وهو النص ومنه ما يدرك بالا

استنباط وهو القياس على المعانى المودعة فى النصوص۔

یعنی آیت بالا میں قیاس (فقہی) کے جواز کی دلیل ہے۔ کیونکہ علم کا ایک حصہ وہ ہے جو تلاوت اور روایت کے ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جو نص (مرح) سے معلوم ہوتی ہیں اور علم کا ایک حصہ وہ ہے جو استنباط کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور یہ استنباط قیاس ہے جس کا معنی یہ ہے کہ جو معانی نصوص میں موجود ہیں ان معانی پر غیر منصوص چیزوں کو قیاس کر لیا جائے، جو امور منصوصہ ہیں ان کے بارے میں اجتہاد و استنباط کی ضرورت نہیں اور نصوص کے ہوتے ہوئے قیاس جائز بھی نہیں۔ البتہ جو حکم نصوص شریعہ میں نہ ملے اور امت کو ان کا حکم جاننے کی ضرورت ہو اس کے بارے میں اجتہاد، استنباط اور قیاس سے کام لیا جاتا رہا ہے۔ حضرات ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ استنباط فرماتے تھے اور مقیاس

مقیس علیہ میں جو کوئی چیز جامع ہوتی تھی اس کو دیکھ کر قیاس کر لیتے تھے۔ جن لوگوں کو قرآن وحدیث کا بھرپور علم ہے اور اجتہاد کے لیے جن علوم کی ضرورت ہے اس سے بھی مالا مال ہیں ایسے حضرات حوادث اور نوازل میں آج بھی اجتہاد کر لیتے ہیں لیکن ان کو یہ بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین نے اس قسم کے معاملات اور حالات میں کیا رخ اختیار کیا۔ اگر ائمہ سلف کو نہ دیکھیں گے تو بے راہ ہو جائیں گے جیسا کہ بہت سے گروہ اجتہاد کے مدعی ہو کر راہ صواب سے ہٹ چکے ہیں ان لوگوں کا یہ عالم ہے کہ ان کے اندر نہ تقویٰ ہے نہ انہیں پورے قرآن مجید پر عبور ہے نہ صرف، نحو اور علم اشتقاق سے واقف ہیں نہ احادیث شریفہ کا ذخیرہ ان کے پیش نظر ہے مگر دعویٰ اجتہاد ہے ایسے لوگوں کے اجتہاد سے دور رہنا لازم ہے۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلِّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكْفِ بِأَسْ
الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَاللَّهُ أَشَدُّ بِأَسَاؤِ أَشَدُّ تَنْكِيلًا ﴿۱۴﴾

سو آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجیے آپ مکلف نہیں ہیں مگر اپنی جان کے، اور ایمان والوں کو ترغیب دیجیے، عنقریب اللہ کافروں کے زور کو روک دے گا اور اللہ بہت سخت ہے زور کے اعتبار سے اور بہت سخت ہے سزا دینے کے اعتبار سے

اللہ کی راہ میں قتال کیجیے، اہل ایمان کو ترغیب دیجیے

علامہ بغوی معالم التنزیل صفحہ ۲۵۷: ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ غزوہ احد کے بعد آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ابوسفیان سے (جو مشرکین مکہ کا سپہ سالار تھا) وعدہ فرمایا تھا کہ ذیقعدہ میں بدر کے موقعہ پر پھر جنگ ہوگی، وعدہ کے مطابق جنگ کے لیے پیش قدمی کرنے کی ضرورت ہوئی تو آپ نے لوگوں کو چلنے کے لیے دعوت دی اس پر بعض لوگوں کو ناگوار ہوا۔ لہذا اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں یہ ارشاد فرمایا کہ آپ اللہ کی راہ میں جنگ کریں اگر کوئی ساتھ نہ دے تب بھی جہاد نہ چھوڑیں آپ صرف اپنی جان کے مکلف ہیں اپنی جان کے ساتھ میدان میں حاضر ہو جائیں اللہ تعالیٰ کا آپ سے نصرت کا وعدہ ہے اور مومنین کو جہاد کی ترغیب دیتے رہیں اور اس کا ثواب بتاتے رہیں۔ جو ساتھ ہوگا وہ ثواب پائے گا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ ستر سواروں کو لے کر نکلے اور اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی قتال کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے وعدہ فرمایا کہ عنقریب اللہ کافروں کے زور کو روک دے گا، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ زور والا ہے دنیا میں جب اہل ایمان کی مدد فرمائے تو ان پر کوئی غالب ہونے والا نہیں اور دنیا و آخرت میں وہ سخت عذاب دینے والا بھی ہے۔ (کافروں کے لیے سخت عذاب ہے)

مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا ۗ وَمَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ
مِنْهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْبِلًا ﴿۱۵﴾

جو کوئی شخص اچھی سفارش کرے، اسے اس میں سے حصہ ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرے اس کو اس میں سے حصہ ملے گا اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اچھی سفارش کا ثواب اور بری سفارش کا گناہ

اس آیت شریفہ میں شفاعت یعنی سفارش کرنے کی ترغیب دی ہے جبکہ سفارش اچھی ہو۔ اور سفارش کرنے پر وعید بھی بتائی ہے جبکہ سفارش بری ہو۔ جبکہ کسی کا مطلوب اچھا ہو تو اس کی سفارش کر دینا ثواب کا کام ہے سفارش سے صاحب ضرورت کا کام بن جائے گا اور سفارش کرنے والے کو ثواب مل جائے گا۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی بات پوری نہیں پہنچا سکتے اور بات کو صحیح طریقے پر نہیں کہہ سکتے

اور بہت سے لوگ اپنے علم و فہم اور لسان و بیان کے اعتبار سے اپنا مقصد ادا کرنے پر قادر تو ہوتے ہیں لیکن جن لوگوں سے کام ہے ان لوگوں تک پہنچ نہیں پاتے دونوں قسم کے لوگوں کے لیے سفارش کر دی جائے تو یہ بہت مبارک ہے اور ثواب کا کام ہے، ضروری نہیں کہ جس کی سفارش کی جائے اس کا کام ہو ہی جائے البتہ سفارش کرنے والے کو سفارش کا ثواب ضرور مل جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے اِشْفَعُوا فَلْتَوْجُرُوا وَيَقْضِيَ اللَّهُ عَلَى لِسَانِ رَسُولِهِ مَا شَاءَ۔ (رواہ البخاری صفحہ ۸۹۱: ج ۲) یعنی تم سفارش کر دیا کرو تم کو ثواب دیا جائے گا اور اللہ اپنے رسول کی زبانی جو چاہے فیصلہ فرمائے گا، مطلب یہ ہے کہ تم سفارش کر کے ثواب لے لو جس کی سفارش میرے پاس لاؤ گے اس کا پورا ہونا نہ ہونا یہ دوسری بات ہے، اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی تو میرے ذریعہ سے کام ہو جائے گا اگر اس کا کام نہ ہو اتب بھی تمہارا ثواب تو کہیں نہیں گیا۔

شمال ترمذی میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَأَبْلَغُونِي حَاجَةً مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ إِبْلَاغَهَا فَإِنَّهُ مَنْ أَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةً مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ إِبْلَاغَهَا ثَبَّتَ اللَّهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
یعنی تم اس شخص کی حاجت مجھ تک پہنچا دیا کرو جو خود اپنی حاجت نہیں پہنچا سکتا کیونکہ جو شخص کسی صاحب اقتدار کو کسی ایسے شخص کی حاجت پہنچا دے جو خود اپنی حاجت نہیں پہنچا سکتا تو اللہ تعالیٰ شانہ قیامت کے دن اس کو ثابت قدم رکھے گا۔

جس طرح اچھی سفارش کرنے پر ثواب ہے اسی طرح بری سفارش کرنے پر گرفت ہے اور بری سفارش کرنا گناہ ہے کوئی شخص کسی گناہ کے کام میں لگنا چاہتا ہے کسی ایسے محکمہ میں ملازمت چاہتا ہے جو شرعاً حرام ہے سو دیا قمار کا کاروبار کرنا چاہتا ہے حرام چیزیں بیچنے کے لیے دوکان کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو ایسے شخص کے لیے سفارش کرنا حرام ہے اور یہ شفاعت سیئہ یعنی بری سفارش ہے۔ بہت سے لوگ یہ دیکھ لیتے ہیں کہ یہ ہمارا عزیز قریب ہے یا کسی دوست کا لڑکا ہے اس کے لیے سفارش کر دیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ کس مقصد اور کس عمل کے لیے سفارش کر رہا ہوں یہ عمل اور یہ مقصد حرام ہے یا حلال گناہ ہے یا ثواب؟ گناہ کی سفارش کر کے گناہ میں شریک ہو جاتے ہیں جس کے لیے سفارش کی ہے وہ جب تک گناہ کا کام کرتا رہے گا اور اس کے زیر اثر جو لوگ گناہ کریں گے ان سب کے گناہ میں سفارش کرنے والے کی شرکت رہے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے بارے میں جس کسی کی شفاعت حاصل ہوگئی تو اس نے اللہ کا مقابلہ کیا اور جس کے بارے میں جھگڑا کیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ باطل ہے تو وہ برابر اللہ کی ناراضگی میں رہے گا جب تک کہ باز آجائے اور جس کسی نے کسی مومن کے بارے میں ایسی بات کہی جو اس میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخیوں کے جسموں سے نکلنے والے خون پیپ میں ٹھہرا دے گا یہاں تک کہ وہ اپنی کہی ہوئی بات سے نکل جائے۔ (رواہ احمد و ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۱۵)

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے جرائم کی جو حدود مقرر فرمائی ہیں ان کے رکوانے کے لیے سفارش کرنا حرام ہے، بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کر لی تھی قریش نے چاہا کہ اس کا ہاتھ نہ کٹے انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو سفارش کے لیے آمادہ کیا جب وہ سفارش کرنے لگے تو آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا اشفع فی حد من حدود اللہ (کیا تم اللہ کی مقرر فرمودہ حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو) پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ کوئی اونچے خاندان کا شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔ اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی (اعازہا اللہ تعالیٰ) تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۰۰۳: ج ۲)

جس طرح گناہ کے کاموں کے لیے سفارش حرام ہے اسی طرح سے نااہل کے لیے بھی سفارش نہ کرے، کیونکہ جس شخص کو جو کوئی چھوٹا بڑا منصب یا عہدہ یا ملازمت دلائی جائے اگر وہ اس کا اہل نہ ہو تو اس میں حکومت کی اور عوام کی خیانت ہے اور نااہل کے لیے سفارش کر دینا غدر ہے اور فریب ہے، سفارش کرنے میں صرف اپنے اور پرانے ہی کو نہ دیکھے بلکہ حلال و حرام کو بھی دیکھے اور نااہل اور نااہل کو بھی دیکھ لیا کرے۔

فائدہ: سفارش کی حقیقت اتنی سی ہے کہ جس شخص سے کام بن سکتا ہو اس سے کہہ دیا جائے کہ فلاں شخص کا کام کر دے یہ اچھا آدمی ہے صاحب ضرورت ہے لیکن جس سے سفارش کی جائے اس پر واجب نہیں ہو جاتا ہے جس کام کی سفارش کی گئی اسے کر ہی دے، سفارش کر کے ثواب لے لیں لیکن اگر وہ شخص کام نہ کرے تو کس کی طرف سے رنجیدہ ہونا صحیح نہیں۔ اور اسی سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ کسی طرح کا زور ڈال کر سفارش کرنا صحیح نہیں۔ جس شخص پر کوئی کام کرنا واجب نہیں وہ کرے یا نہ کرے خوشی کا سودا ہے، دباؤ ڈال کر کام کروانا سفارش کے اصول کے خلاف ہے۔

مسئلہ: کسی بھی طرح کی سفارش پر کسی طرح کی کوئی رقم یا ہدیہ لینا حلال نہیں اگر کچھ لے لیا تو وہ رشوت کے حکم میں ہوگا اور حرام ہوگا۔
 اخیر میں فرمایا ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا﴾ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے) اسے ہر چیز پر قدرت ہے وہ نیکی پر ثواب دے اور برائی پر عذاب دے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ لفظ مقیتا کے بارے میں امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں: قیل مقتدرًا و قیل حافظًا و قیل شہدًا یعنی مقیت کا ترجمہ تینوں طرح کیا گیا، قدرت رکھنے والا، محافظت کرنے والا اور ہر چیز کی اطلاع رکھنے والا، مفردات القرآن میں تو اتنا ہی لکھا ہے لیکن معالم التنزیل میں اس کا ایک معنی یہ بھی لکھا ہے کہ یوصل القوت الی کل حیوان یعنی وہ ہر حیوان کی طرف اس کی خوراک کو پہنچاتا ہے۔ اگر یہ معنی لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ روزی تقسیم فرمانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اگر کسی کی سفارش نہ مانی گئی تو جس کے لیے سفارش ہے اس کی روزی میں کچھ فرق نہ پڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو روزی جس کے لیے تقسیم فرمادی ہے وہ اسے ملنی ضرور ہے۔

وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنِ مِمَّا أُوْرِدُوْهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

اور جب تمہیں کسی تحیہ کے ذریعہ دعا دی جائے تو تم اس سے اچھی دعا دے دو یا اسی کو لوٹا دو، بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے

سلام اور جواب سلام کے احکام و مسائل

لفظ حُيِّتُمْ باب تفعیل سے بروزن سُمِّيتُمْ صیغہ جمع مذکر ہے اور فَحَيُّوْا اسی سے امر کا صیغہ ہے۔ اس کا مصدر تَحِيَّةٌ ہے اس کا اصل معنی ہے حیاك اللہ کہنا یعنی یہ دعا دینا کہ اللہ تجھے زندہ رکھے۔ یہ تو اس کا اصل لغوی معنی ہوا۔ پھر لفظ تحیہ ملاقات کے وقت سلام کرنے کے لیے استعمال ہونے لگا کیونکہ سلام میں زندگی کے ساتھ سلامتی کی بھی دعا ہے۔ سورہ نور میں ارشاد فرمایا ﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبْرَكَةٌ طَيِّبَةٌ﴾ پھر جب تم گھر جانے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو دعا کے طور پر جو خدا کی طرف سے مقرر ہے برکت والی عمدہ چیز ہے۔

اس لیے بعض اکابر نے إِذَا حُيِّتُمْ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ جب تمہیں سلام کیا جائے۔

سلام کی ابتداء:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم عليه السلام کو پیدا کیا اور ان کے اندر روح پھونک دی تو ان کو چھینک آئی انہوں نے الحمد للہ کہا ان کے رب نے يَرْحَمُكَ اللہ فرمایا (اور فرمایا) کہ اے آدم! ان فرشتوں کی طرف جاؤ جو (وہاں) بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کو جا کر السلام علیکم کہو، حضرت آدم عليه السلام نے وہاں پہنچ کر السلام علیکم کہا تو فرشتوں نے اس کے جواب میں علیک السلام ورحمة اللہ کہا پھر وہ واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ تحیہ ہے تمہارا اور آپس میں تمہارے بیٹوں گا۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۰۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں سلام کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے سب انسانوں کے باپ حضرت آدم عليه السلام کو

حکم دیا کہ فرشتوں کو جا کر سلام کہو، انہوں نے السلام علیکم کہا فرشتوں نے اس کا جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سلام تمہارا اور تمہاری اولاد کا تحیہ ہے کہ جب آپس میں ملاقات کریں تو اس طرح ایک دوسرے کو دعا دیا کریں، اللہ تعالیٰ کا دین اسلام ہے۔ اس میں دنیا و آخرت کی سلامتی ہے جب آپس میں ملاقات کریں تو ملاقات کرنے والا بھی سلامتی کی دعا دے یعنی السلام علیکم کہے اور جس کو سلام کیا وہ بھی اس کے جواب میں سلامتی کی دعا دے اور وعلیکم السلام کہے۔ دونوں طرف سے لفظ سلام کے ذریعہ ہر وقت باسلامت رہنے کی دعا دی جائے یہ سلامتی کسی وقت اور کسی حال کے ساتھ مخصوص نہیں۔

ان کلمات کا تذکرہ جو غیر اقوام کے یہاں ملاقات کے وقت استعمال کیے جاتے ہیں:

یہ جو بعض قوموں میں گڈ مورنگ اور گڈ ایوننگ اور گڈ نائٹ کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں ان میں اول تو سلامتی کے معنی کو پوری طرح ادا کرنے والا کوئی لفظ نہیں ہے بلکہ ان میں انسانوں کے بارے میں کوئی دعا ہے ہی نہیں وقت کو اچھا بتایا جاتا ہے پھر اس سے بطور استعارہ انسانوں کو اچھی حالت میں مراد لی جاتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ان میں الفاظ میں دائمی سلامتی کی دعا نہیں ہے بلکہ اوقات مخصوصہ کے ساتھ دعا مقید ہے۔ اسلام نے جو ملاقات کا تحیہ بتایا ہے وہ ہر لحاظ سے کامل اور جامع ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں (ملاقات کے وقت) یوں کہا کرتے تھے انعم اللہ بک عیناً (اللہ تیری آنکھیں ٹھنڈی رکھے) اور انعم صباحاً (تو صبح کے وقت میں اچھے حال میں رہے) اس کے بعد جب اسلام آیا تو ہمیں اس سے منع کر دیا گیا۔ (رواہ ابوداؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کے بتائے ہوئے طریقے کے علاوہ ملاقات کے وقت دوسروں کے طریقے اختیار کرنا اور ان کے رواج کے مطابق کلمات منہ سے نکالنا ممنوع ہے جو لوگ انگریزوں کے طریقے پر گڈ مورنگ وغیرہ کہتے ہیں یا عربوں کے رواج کے مطابق صباح الخیر یا مساء الخیر کہتے ہیں اس سے پرہیز کرنا لازم ہے۔

دنیا کی مختلف اقوام میں ملاقات کے وقت مختلف الفاظ کہنے کا رواج ہے لیکن اسلام میں جو سلام کے الفاظ مشروع کیے گئے ہیں ان سے بڑھ کر کسی کے یہاں بھی کوئی ایسا کلمہ مروج نہیں جس میں اظہار محبت بھی ہو اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی ہو کہ آپ کو اللہ تعالیٰ ہر قسم کی اور ہر طرح کی آفات اور مصائب سے محفوظ رکھے۔ لفظ السلام جہاں اپنا مصدری معنی رکھتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ شرح حدیث نے فرمایا ہے اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو سلامتی دینے والا ہے تمہیں اس کے حفظ و امان میں دیتا ہوں وہ تمہیں ہمیشہ سلامت رکھے۔

سلام کی کثرت محبوب ہے:

اسلام میں سلام کی کثرت بہت زیادہ مرغوب اور محبوب ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تک تم مومن نہ ہو گے جنت میں داخل نہ ہو گے اور مومن نہ ہو گے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو گے (پھر فرمایا) کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتا دوں کہ اس پر عمل کرو گے تو آپس میں محبت پیدا ہوگی؟ پھر فرمایا آپس میں خوب سلام کو پھیلاؤ (رواہ مسلم صفحہ ۵۴: ج ۱) یہ سلام کا پھیلانا اور ایک دوسرے کو سلام کرنا ایمان کی بنیاد پر ہے جان پہچان کی بنیاد پر نہیں۔ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں ان کو بیان فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا اِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ کہ جب تو مسلمان سے ملاقات کرے اس کو سلام کر۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۳۳) پھر جس طرح سلام کرنا حقوق مسلم میں سے ہے اسی طرح سلام کا جواب دینا بھی مسلم کے حقوق میں سے ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں (۱) سلام کا جواب دینا (۲) مریض کی عیادت کرنا (۳) جنازوں کے ساتھ جانا (۴) دعوت قبول کرنا (۵) چھینکنے والے کا جواب دینا (یعنی جب وہ الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا)۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۱۳: ج ۲)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام کے اعمال میں سب سے بہتر کون سا عمل ہے آپ نے فرمایا یہ کہ کھانا کھلایا کرے اور اس کو بھی سلام کرے جس سے جان پہچان ہے اور اس کو بھی سلام کرے جس سے جان پہچان نہیں ہے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۶: ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو سلام کرے اس کے بعد اگر درمیان میں کوئی درخت یا دیوار یا پتھر کی آڑ ہو جائے اور پھر ملاقات ہو جائے تو پھر سلام کرے۔ (رواہ ابوداؤد)

راستہ کے حقوق:

گھروں سے باہر اگر راستوں میں بیٹھیں تو راستے کے حقوق ادا کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ راستوں میں نہ بیٹھو اور اگر تمہیں راستوں میں بیٹھنا ہی ہے تو راستے کا حق ادا کرو عرض کیا یا رسول اللہ راستہ کا حق کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ نظریں نیچی رکھنا (تاکہ کسی ایسی جگہ نہ پڑے جہاں نظر ڈالنا جائز نہیں) اور تکلیف دینے سے بچنا، اور سلام کا جواب دینا، اور بھلی بات کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۱۳: ج ۲)

کسی مجلس یا کسی گھر میں جائیں تو سلام کریں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی مجلس میں پہنچو تو سلام کرو اور اگر موقع مناسب جانو تو بیٹھ جاؤ، پھر جب (روانہ ہونے کے لیے) کھڑے ہو تو دوبارہ سلام کرو چونکہ جس طرح پہلی مرتبہ سلام کرنے کی اہمیت تھی دوسری مرتبہ سلام کرنا اہم ہے۔ (ترمذی و ابوداؤد)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو اور جب وہاں سے چلنے لگو تو انہیں سلام کے ساتھ رخصت کرو۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلًا کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۳۹۹)

اپنے گھر والوں کو سلام:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بٹو! جب تو اپنے گھر والوں کے پاس جائے تو سلام کر، یہ چیز تیرے لیے اور تیرے گھر والوں کے لیے برکت کا ذریعہ بنے گی۔ (رواہ الترمذی)

ابتداءً بالسلام کی فضیلت:

سلام ابتداءً بخود کرنے کی کوشش کی جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا البادی بالسلام بری من الکبیر یعنی جو شخص خود سے ابتداءً سلام کرے وہ تکبر سے بری ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۰۰)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ لوگوں میں اللہ سے قریب تر وہ شخص ہے جو ابتداءً خود سلام کرے۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۳۵۰: ج ۲)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں کثرت سلام محبوب اور مرغوب ہے اور سلام اور سلام کا جواب دینا مسلم کے حقوق میں سے ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کے گھر جائے تو گھر والوں کو سلام کرے اور جب وہاں سے چلنے لگے تب بھی سلام کرے، کسی مجلس میں پہنچے تو اس وقت سلام کرے، چلنے لگے تب بھی سلام کرے، اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرے۔

آیت بالا میں ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص تمہیں سلام کرے تو تم اس کے سلام کا اس سے اچھا جواب دو یا (کم از کم) جواب میں اسی قدر الفاظ کہہ دو جتنے الفاظ سلام کرنے والے نے کہے ہیں۔ اگر کسی نے السلام علیکم کہا ہے تو اس کے جواب میں کم از کم و علیکم السلام کہہ دیا جائے

تا کہ واجب ادا ہو جائے اور بہتر یہ ہے کہ اس کے الفاظ پر اضافہ کر دیا جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب فرشتوں کو خطاب کر کے السلام علیکم فرمایا تو انہوں نے جواب میں ورحمۃ اللہ کا اضافہ کر دیا تھا۔ اگر سلام کرنے والا ورحمۃ اللہ بھی کہہ دے تو جواب دینے والا برکاتہ کا اضافہ کر دے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے کہا السلام علیکم آپ نے اس کا جواب دے دیا پھر وہ بیٹھ گیا آپ نے فرمایا اس کو دس نیکیاں ملیں، پھر دوسرا شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ نے اس کا جواب دے دیا وہ بیٹھ گیا آپ نے فرمایا اس کو بیس نیکیاں ملیں ایک تیسرا آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ آپ نے اس کا جواب دے دیا وہ بیٹھ گیا آپ نے فرمایا اس کو تیس نیکیاں ملیں ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ و مغفرتہ آپ نے فرمایا اس کو چالیس نیکیاں ملیں اور یہ بھی فرمایا کہ اسی طرح فضائل بڑھتے جاتے ہیں۔

یہ حدیث سنن ابوداؤد میں ہے نیز سنن ترمذی میں بھی ہے لیکن اس میں مغفرتہ کا ذکر نہیں ہے۔ امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن بتایا ہے پھر فرمایا ہے وفی الباب عن ابی سعید و علی وسهل بن حنیف رضی اللہ عنہم۔ اور مفسر ابن کثیر نے (صفحہ ۵۳۱: ج ۱) بحوالہ ابن جریر ایک روایت یوں نقل کی ہے کہ جب ایک شخص نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ کہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وعلیک اور فرمایا کہ تو نے ہمارے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔ لہذا ہم نے اسی قدر واپس کر دیا جتنا تم نے کہا۔ اس کے بعد مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ و برکاتہ سے آگے سلام میں اضافہ نہیں ہے۔ مفسر قرطبی نے صفحہ ۲۹۹: ج ۵ بھی یہی لکھا ہے کہ فان قال سلام علیک ورحمۃ اللہ زدت فی ردک و برکاتہ وهذا هو النہایۃ فلا مزید مطلب یہ ہے برکاتہ سے آگے اضافہ نہیں ہے۔ صاحب درمختار نے کتاب الحظر والاباحہ میں لکھا ہے ولا یزید الراد علی و برکاتہ یعنی جواب میں و برکاتہ سے زیادہ نہ کہا جائے۔ سنن ابوداؤد میں جو سلام کرنے والے کی طرف سے و مغفرتہ کا اضافہ ہے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ و برکاتہ سے آگے بھی اضافہ درست ہے لیکن جس روایت و مغفرتہ کا اضافہ آیا ہے سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اسی لیے فقہاء نے اس کو نہیں لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے عمل سے بھی حضرات فقہاء کی تائید ہوتی ہے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ یمین کے ایک شخص نے ان کو سلام کیا اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ تک کہنے کے بعد کچھ اور اضافہ کر دیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان السلام انتھی الی البرکاتہ (یعنی سلام برکت تک ختم ہو گیا) امام محمد رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے مؤطا میں حضرت ابن عباس والی روایت کو لکھا ہے پھر فرمایا ہے وبہذا ناخذ اذا قال و برکاتہ فلیکف فان اتبع السنۃ افضل (یعنی ہم بھی اس کو اختیار کرتے ہیں کہ جب وہ برکاتہ کہہ دے تو ختم کر دے۔ کیونکہ سنت کا اتباع افضل ہے)۔

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے فتح الباری میں ایسی احادیث جمع کی ہیں جن سے و برکاتہ پر اضافہ ثابت ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں لیکن سب کے مجموعے سے ایک طرح کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ حافظ کی بات سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے کہ و برکاتہ پر اضافہ کرنا اگر مسنون نہیں تو بہر حال جائز تو ہے ہی واللہ تعالیٰ اعلم۔

چند مسائل

مسئلہ: سلام کرنا سنت ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے اور یہ ان چند چیزوں میں سے ہے جن میں سنت کا ثواب واجب سے بڑھا ہوا ہے۔

مسئلہ: جب کسی کے گھر جانا ہو تو پہلے سلام کرے پھر اندر آنے کی اجازت مانگے۔ جس کے الفاظ حدیث شریف میں یوں آئے ہیں۔ السلام علیکم ادخل (تم پر سلام ہو کیا میں داخل ہو جاؤں) تین مرتبہ سلام کرے اور اجازت طلب کرے اجازت نہ ملے تو واپس ہو جائے۔ بغیر اجازت نہ کسی کے گھر میں داخل ہونہ اندر نظر ڈالے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے لاتادنو المن لم یبداء بالسلام (کہ اسے اندر آنے کی

اجازت نہ دو جو شروع میں سلام نہ کرے یعنی سلام کر کے اجازت نہ مانگے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۰۰-۴۰۱)

مسئلہ: جب کوئی شخص کسی کے ذریعے سلام بھیجے تو سلام کے جواب میں سلام لانے والے کو بھی شریک کرے مثلاً یوں کہ ﴿عَلَيْكَ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ﴾ ایک صحابی نے اپنے لڑکے کے ذریعے آنحضرت ﷺ کی خدمت سلام بھیجا تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا علیک وعلی ابیک السلام (تجھ پر اور تیرے باپ پر سلام)۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۳۵۴)

مسئلہ: جب دو آدمیوں میں رنجش ہو قطع تعلق ہو اور سلام کلام بند ہو تو دونوں کو چاہیے کہ جلد سے جلد رنجش دور کریں تین دن سے زیادہ سلام کلام بند رکھنا حرام ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے لیے یہ حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔ ملاقات کر رہے ہیں تو یہ ادھر کو اعراض کر رہا ہے اور وہ دوسری طرف اعراض کر رہا ہے اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۸۹۷: ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ کسی مومن کے لیے حلال نہیں کسی مومن سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے جب تین دن گزر جائیں تو ملاقات کرے اور سلام کرے جس کو سلام کیا تھا اگر اس نے سلام کا جواب دے دیا تو دونوں ثواب میں شریک ہو گئے اور اگر اس نے جواب نہ دیا تو وہ گنہگار ہو اور سلام کرنے والا قطع تعلق کے گناہ سے نکل گیا۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۱: ج ۲)

تین دن تک قطع تعلق کی اجازت یہ آخری حد ہے اس سے پہلے ہی تعلق صحیح کرنے کی کوشش کر لیں اور نفس کو آمادہ کر لیں چونکہ نفس متکبر ہوتا ہے اور جھکتا نہیں چاہتا اس لیے جو شخص سلام میں پہل کرے اس کی فضیلت زیادہ ہے۔ صحیح بخاری میں ہے وخیر ہما الذی یبداء بالسلام یعنی ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔ (کمانی حدیث ابی ایوب)

مسئلہ: جو شخص سواری پر جا رہا ہو وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے اور تھوڑی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۹۲: ج ۲)

مسئلہ: اگر بیٹھی ہوئی جماعت کو کسی نے سلام کیا تو ایک شخص کا جواب دے دینا کافی ہے اور گزرنے والوں میں سے اگر ایک شخص سلام کرے تو یہ بھی سب کی طرف سے کافی ہے۔ (سنن ابوداؤد صفحہ ۳۵۲: ج ۲)

مسئلہ: نماز پڑھنے میں اگر کسی کو زبان سے سلام کرے یا کسی کا زبان سے جواب دے اگرچہ بھول کر ہو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور اگر نماز میں ہاتھ سے سلام کیا یا ہاتھ سے سلام کا جواب دیا تو یہ مکروہ ہے۔

مسئلہ: نماز پڑھنے والے اور تلاوت کرنے والے اور ذکر الہی میں مشغول ہونے والے اور حدیث بیان کرنے والے اور خطبہ دینے والے اور خطبہ سننے والے اور علم دین پڑھنے پڑھانے میں جو شخص مشغول ہو اور جو شخص تلبیہ پڑھ رہا ہو اسی طرح جو قاضی قضا کے کام میں مشغول ہو ان سب کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح اذان دینے والے اور اقامت کہنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ ان لوگوں کو کوئی شخص سلام کرے تو جواب دینا واجب نہیں۔

مسئلہ: جو لوگ شطرنج کھیل رہے ہوں یا اور کسی گناہ میں مشغول ہوں ان کو بھی سلام نہ کیا جائے جو شخص قضائے حاجات کے لیے بیٹھا ہو اس کو بھی سلام نہ کیا جائے۔

مسئلہ: کافر کو سلام نہ کیا جائے۔

مسئلہ: جوان عورتیں جو اجنبی ہیں یعنی محرم نہیں ہیں ان کو سلام کرنا بھی مکروہ ہے۔

مسئلہ: سونے والے کو اور جو شخص نشہ پئے ہوئے ہے ان کو بھی سلام نہ کیا جائے۔

مسئلہ: گانے بجانے والے اور کبوتر اڑانے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: فاسق معلسن جو علانیہ گناہ کرتا ہو کو بھی سلام کرنا ممنوع ہے۔ (یہ مسائل درالمختار اور ردالمحتار صفحہ ۴۱۴-۴۱۵: ج ۱ میں مذکور ہیں)

لڑتے پس اگر وہ تم سے الگ رہیں سو تم سے قتال نہ کریں اور تمہارے ساتھ سلامت روی کا معاملہ رکھیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر کوئی راہ نہیں دی، عنقریب تم دوسرے لوگوں کو پاؤ گے جو یہ چاہیں گے کہ تمہاری طرف سے بے خطر ہو کر رہیں اور اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں۔ جب کبھی لوٹائے جائیں فتنے کی طرف تو اس کی طرف واپس لوٹ جائیں سو اگر وہ تم سے یکسو نہ ہوں اور تمہاری طرف سے سلامت روی کا معاملہ نہ رکھیں اور اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں سو ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی ان کو پاؤ اور یہ وہ لوگ ہیں جن پر ہم نے تمہارے لیے ایسی حجت دے دی ہے جو واضح ہے۔

منافقوں اور دشمنوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے

روح المعانی صفحہ ۱۰۷: ج ۵ میں مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہاں ان لوگوں کا بیان ہے جو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ آئے اور یہ ظاہر کیا کہ ہم مہاجر ہیں پھر وہ مرتد ہو گئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگی کہ ہم مکہ معظمہ جا کر اپنا تجارتی سامان لے آئیں تاکہ تجارت کیا کریں، مسلمانوں کا آپس میں ان کے بارے میں اختلاف ہوا ایک جماعت نے کہا کہ یہ منافق ہیں دوسری جماعت نے کہا کہ یہ مومن ہیں۔ اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کا نفاق کھول کر بیان فرما دیا۔ اور ان کو قتل کرنے کا حکم دیا، اور ضحاک سے نقل کیا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جو مکہ معظمہ ہی میں رہ گئے تھے انہوں نے اپنے ایمان کا اعلان تو کیا لیکن ہجرت نہیں کی ان کے بارے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہوا کچھ لوگوں نے ان سے میل محبت باقی رکھی اور کچھ لوگوں نے ان سے بیزاری ظاہر کر دی اور کہنے لگے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ آئے اور ہجرت نہیں کی لہذا ان سے ہماری بیزاری ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے اس آیت میں بتا دیا کہ وہ لوگ منافق ہیں اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ جب تک وہ ہجرت کر کے نہ آئیں اس سے دوستی نہ رکھیں۔

ان دو روایتوں کے بعد صاحب روح المعانی نے بحوالہ بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و احمد یوں نقل کیا ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ غزوہ احد کے موقع پر جب احد کی طرف روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ روانہ ہونے والوں میں سے کچھ لوگ واپس ہو گئے ان واپس ہونے والوں کے بارے میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوا ایک جماعت کہتی تھی کہ ان کو قتل کر دیں اور دوسری جماعت کہتی تھی کہ قتل نہ کیے جائیں اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث صفحہ ۶۶۰: ج ۲ پر ہے اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو کیا ہوا کہ منافقین کے بارے میں دو جماعتیں بن گئے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے اعمال بد کی وجہ سے واپس لوٹا دیا، اور ان کو گمراہ فرما دیا جسے اللہ نے گمراہ کر دیا کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ اس کو ہدایت دو؟ اور فرمایا کہ جسے اللہ گمراہ فرما دے اس کے لیے تم کوئی صحیح راستہ پا ہی نہیں سکتے۔ اس کے بعد ان منافقین کے عزائم اور اردوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً﴾ کہ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسا کہ انہوں نے کفر اختیار کیا اور اس طرح سے وہ اور تم برابر ہو جاؤ ایسے نالائقوں کو دوست نہ بناؤ ہاں اگر نبی سبیل اللہ ہجرت کر لیں جس سے ان کا ایمان متحقق ہو جائے تو ان سے دوستی کی جاسکتی ہے۔ ہجرت کو لفظ نبی سبیل اللہ کے ساتھ مقید فرمایا کیونکہ جو ہجرت اللہ کی رضا کے لیے نہ ہو دنیاوی اغراض کے لیے ہو وہ ہجرت معتبر نہیں ہے۔ (آیات کا پورا مضمون سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات تینوں قسم کے منافقین کے بارے میں نازل ہوئیں لیکن تمام احکام سب کے بارے میں نہیں ہیں کیونکہ مدینہ منورہ میں جو منافقین تھے ان کو قتل نہیں کیا گیا۔)

مزید فرمایا ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَنَحْزِبُهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وِلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾ کہ یہ لوگ اگر ہجرت نبی سبیل اللہ سے اعراض کریں تو جب بھی تمہیں ان پر قدرت حاصل ہو جائے ان کو جہاں بھی پاؤ ان کو قتل کرو اور ان میں سے کسی کو بھی دوست اور مددگار نہ بناؤ ان سے بالکل ہی کلی طریقے پر اجتناب کرو۔ قال صاحب الروح ای جانبوہم مجانبة کلیة ولا تقبلوا ولایة ونصرة ابدًا۔

پھر فرمایا ﴿إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ﴾ اس میں ان لوگوں کو قتل سے مستثنیٰ فرمادیا جو ان لوگوں سے مل جائیں جن سے مسلمانوں کا عہد ہے یعنی صلح ہے اور ان لوگوں کو بھی مستثنیٰ فرمایا جو مسلمانوں کے پاس اس حالت میں آجائیں کہ ان کا دل جنگ کرنے سے منقبض ہو وہ نہ مسلمانوں سے لڑنا گوارا کریں اور نہ اپنی قوم سے جنگ کریں۔ (یعنی دونوں جماعتوں سے صلح رکھیں ایسے لوگ بھی پکڑنے اور قتل کرنے سے مستثنیٰ ہیں۔)

پھر اللہ تعالیٰ نے بطور امتنان ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط فرمادیتا اور وہ تم سے قتال کرتے اب جب وہ تم سے کنارہ کش ہو گئے اور تم سے جنگ نہ کی اور تمہارے سامنے صلح کی پیش کش کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قتل کرنے اور پکڑنے کا کوئی راستہ نہیں بنایا یعنی ان کو پکڑنے اور قتل کرنے کی اجازت نہیں دی۔

یہاں تک دو جماعتوں کا ذکر ہوا اول وہ جماعت جو اسلام تو قبول کر لیں مگر ہجرت نہ کریں یا ہجرت کرنے کے بعد واپس دارالحرب میں چلے جائیں۔ دوسری وہ جماعت جو مسلمانوں کے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیں یا معاہدہ کرنے والوں سے جا کر مل جائیں۔ اس کے بعد تیسری جماعت کا تذکرہ فرمایا جو دفع الوقتی کے طور پر صلح کر لیں جن کا مقصد یہ ہو کہ مسلمانوں کی طرف سے بے خطرہ ہو کر رہیں اور اپنی قوم کی طرف سے بھی، لیکن جب کبھی ان کو شرارت اور فتنہ گری کی طرف متوجہ کیا جائے تو فوراً اس کو قبول کر لیں اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے آمادہ ہو جائیں اور اپنا عہد توڑ دیں، اس جماعت کا ذکر ﴿سَتَجِدُونَ أَهْلَ بَيْتِكُمْ فِيهَا﴾ میں فرمایا ہے ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر یہ تم سے کنارہ کش نہ ہوں اور سلامت روی کے ساتھ نہ رہیں اور اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں تو ان کو پکڑو اور جہاں کہیں ان کو پاؤ قتل کرو ہم نے تم کو ان پر صاف حجت دے دی ہے یعنی ان کے قتل کی واضح طور پر اجازت عنایت فرمائی ہے۔ واضح رہے کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں پر فرض تھا کہ دارالاسلام یعنی مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے آجائیں اور ہجرت کو ایمان کی شرط قرار دے دیا گیا تھا جو لوگ ہجرت کر کے نہ آئیں ان سے مسلمانوں جیسا معاملہ کرنا ممنوع تھا جیسا کہ اوپر آیت سے معلوم ہوا اس کے بعد جب مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو مدینہ منورہ کو ہجرت کرنا فرض نہ رہا اور آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمادیا کہ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَإِذَا اسْتَنْفَرْتُمْ فَاَنْفِرُوا (بخاری و مسلم از مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۳۱) یعنی فتح مکہ کے بعد مدینہ منورہ کو ہجرت کرنا فرض نہیں رہا جو ترک وطن کی صورت میں تھا اب جہاد ہے اور نیت ہے جیسی ضرورت پڑے گی ہجرت کی یا جہاد کی اس پر عمل کرنا ہوگا اور جب جہاد کے لیے نکلنے کو کہا جائے تو نکل کھڑے ہونا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهَا إِلَّا أَنْ يَصَدَّقُوا ۗ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۗ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۗ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۲﴾

اور کسی مومن کی شان نہیں ہے کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے مگر خطا کے طور پر۔ اور جو شخص کسی مومن کو بطور خطا قتل کر دے تو اس پر واجب ہے کہ ایک مومن غلام آزاد کرے اور اس کے خاندان والوں کو دیت ادا کرے الا یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں اور اگر وہ مقتول ایسی قوم میں سے ہو جو تمہارے مخالف ہیں اور وہ شخص خود مومن ہے تو ایک مومن غلام آزاد کرنا واجب ہے اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو تو دیت بھی واجب ہے جو اس کے خاندان والوں کے سپرد کر دی جائے اور ایک مومن غلام آزاد کرنا بھی واجب ہے پھر جس شخص

کو غلام نہ ملے تو وہ لگا تا دو ماہ کے روزے رکھے بطریق توبہ کے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے

قتل خطا کے مسائل

گزشتہ آیات میں قتل و قتال کا ذکر تھا یہاں قتل کے کچھ دنیوی اور اخروی احکام بیان فرمائے ہیں، قتل عمد میں تو قصاص ہے جس کا ذکر سورہ بقرہ کے رکوع ۲۱ میں گزر چکا ہے اور قتل خطا میں دیت اور ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے، مومن غلام نہ ملے تو دو ماہ کے لگا تا روزے رکھنا فرض ہے، اولاً تو یہ فرمایا کہ کسی مومن کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ کسی مومن کو قتل کر دے، قتل کرنا ہر اس جان کا گناہ کبیرہ ہے جس کی حفاظت شرعاً واجب ہو اس میں ذمی اور معاہدہ کا قتل بھی داخل ہے۔ جب ذمی اور معاہدہ کا قتل بھی حرام ہے تو مومن کا قتل کرنا بطور اولیٰ حرام ہوا۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ کہ کسی جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہو مگر حق کے ساتھ قتل کر سکتے ہو، کافر حربی کو جو کسی معاہدہ میں شامل نہیں ہے اور جو مستامن بھی نہیں ہے اس کا قتل کرنا جائز ہے، اور جو شخص مھسن ہوتے ہوئے زنا کر لے وہ بھی قتل کیا جائے گا۔ (یعنی اسے سنگساری کی سزا دی جائے گی) اور جو شخص کسی کو عمداً قتل کر دے جس کا شرعاً قتل کرنا حلال نہیں ہے اس کے قتل کرنے سے قصاص لازم ہوگا۔

مومن کو قتل کرنے کا بہت بڑا گناہ ہے اور اس پر بہت سخت وعید قرآن و حدیث میں وارد ہوئی ہے لہذا کسی مومن سے یہ تصور ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اپنے مومن بھائی کو قصداً قتل کر دے ہاں خطا یعنی غلطی سے کوئی قتل ہو جائے تو یہ دوسری بات ہے۔ غلطی سے قتل ہو جانے کو قتل خطا سے تعبیر کیا جاتا ہے، قتل خطا کی دو صورتیں ہیں خطائی القصد اور خطائی الفعل، خطائی القصد یہ ہے کہ اس نے کسی چیز کو دیکھا اسے شکار سمجھ کر تیر مار دیا اور وہ شکار نہ تھا بلکہ کوئی آدمی تھا یا اس نے یہ سمجھا کہ سامنے کافر حربی کھڑا ہے اس کو مار دیا بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ مسلمان تھا اور خطائی الفعل یہ ہے کہ کسی نشانہ پر تیر پھینکے اور وہ تیر کسی آدمی کو لگ جائے ان دونوں صورتوں میں کفارہ بھی واجب ہوتا ہے اور دیت بھی واجب ہوتی ہے، دیت خون بہا کو کہتے ہیں یعنی جان کے بدلہ جو مال دیا جائے وہ دیت ہے یہ لفظ اصل میں وَدَىٰ تھا۔ وَزَنٌ اور وَعْدٌ عِدَّةٌ کی طرح اس کا فاعل یعنی واو حذف کر دیا گیا اور آخر میں اس کے عوض تالگا دی گئی۔ ودی یدی لفیف مفروق ہے جس کا معنی بہنے کا ہے۔ چونکہ خون بہانے کا عوض دیا جاتا ہے اس لیے اسے دیت کہتے ہیں۔ شریعت مطہرہ کے قانون میں دیت اور قصاص جانوں کی حفاظت کے لیے مشروع کیے گئے ہیں افسوس ہے کہ حکومتوں کے ذمہ دار جو اسلام سے انتساب رکھتے ہیں وہ دیگر احکام شریعت کی طرح ان احکام کو بھی عمل میں نہیں لاتے لہذا جانیں بے قیمت ہو کر رہ گئی ہیں۔ بعض ممالک میں جہاں دیت کی ادائیگی کرانے کا اہتمام ہے وہاں بڑی حد تک جانوں کی حفاظت ہے۔

دیت اور کفارہ ادا کرنے کا حکم:

آیت شریفہ میں یہ بتانے کے بعد کہ کسی مومن کے شایان شان نہیں ہے کہ کسی مومن کو قتل کرے، اولاً دیت قتل خطا کا عمومی حکم بیان فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے ﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ اٰهْلِہِ﴾ یعنی جو شخص کسی مومن کو خطا قتل کر دے تو اس پر یہ فرض ہے کہ ایک غلام آزاد کرے یا ایک باندی آزاد کرے اور ان کا مومن ہونا شرط ہے اور دیت بھی ادا کرے جو مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دی جائے پھر فرمایا ﴿اَلَا اَنْ يَّصَدَّقُوْا﴾ کہ اگر یہ لوگ (یعنی وارثین) اس قاتل پر دیت کو صدقہ کر دیں یعنی معاف کر دیں تو یہ دیت معاف ہوئے گی اگر سب معاف نہ کریں تو جو شخص معاف کر دے گا اس کا حصہ معاف ہو جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا ﴿فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوِّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ یعنی اگر مقتول ایسی جماعت سے ہو جن سے تمہاری دشمنی ہے یعنی وہ حربی کافروں میں رہتا ہے خود تو وہ مومن ہے لیکن اس کی قوم مسلمان نہیں ہوئی اور ان لوگوں سے صلح بھی نہیں ہے تو بطور کفارہ ایک رقبہ یعنی مومن غلام یا باندی آزاد کرنا ہوگا۔ رہی دیت تو وہ اس لیے واجب نہ ہوگی کہ اس کے متعلقین کافر ہیں اور دیت میراث کے اصول پر تقسیم ہوتی ہے اور چونکہ کافر اور مومن کے درمیان میراث نہیں چلتی اس لیے دیت واجب نہ ہوگی، کسی کو بھی نہ دی جائے گی۔

غلام آزاد کرنا یا دو ماہ کے روزے:

پھر فرمایا ﴿وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فِدْيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِمْ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ یعنی مومن مقتول اگر کسی ایسی قوم سے ہو جن کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو تو اگرچہ وہ قوم کافر ہے لیکن یہ مقتول چونکہ مومن سے اس لیے اس کے قاتل پر دیت واجب ہوگی جو اس کے خاندان کی طرف سپرد کردی جائے گی بشرطیکہ اس کے خاندان میں اہل اسلام موجود ہوں اور اگر ان میں کوئی بھی مسلمان نہیں ہے تو دیت واجب نہ ہوگی، البتہ رقبہ مومنہ آزاد کرنا پھر بھی واجب ہوگا۔ (مزید تشریح آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)۔

واضح رہے کہ قتل مومن میں دیت کا اور تحریر رقبہ یعنی غلام آزاد کرنے کا جو حکم ہے یہ صرف اسی صورت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ مقتول ایسی قوم میں سے ہو جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو بلکہ دارالاسلام میں مسلمانوں کے درمیان ہوتے ہوئے کوئی مومن کسی مومن کو خطا قتل کر دے تب بھی دیت اور تحریر رقبہ واجب ہے۔ (روح المعانی صفحہ ۱۱۴ ج ۵)

اس کے بعد فرمایا ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ﴾ کہ جو رقبہ یعنی غلام باندی نہ پائے (مثلاً غلام باندی ملتے ہی نہ ہوں کمافی ہذا الزمان یا مکتے تو ہوں لیکن خریداری کی طاقت نہ ہو) تو دو مہینے کے روزے لگاتا رکھے ان روزوں میں رمضان المبارک کا مہینہ نہ ہو۔ رمضان کے علاوہ پورے دو مہینوں کے روزے ہوں یہ غلام آزاد کرنے کی جگہ روزے رکھنا بطور کفارہ ہے۔ دیت بہر حال واجب رہے گی۔

پھر فرمایا ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ کہ اللہ تعالیٰ علیم ہے وہ سب کچھ جانتا ہے اسے قاتل کا بھی علم ہے اور مقتول کا بھی اگر کسی نے قتل کر دیا اور بندوں کو حال معلوم نہ ہوا قاضی تک بات نہ پہنچی تو یہ نہ سمجھے کہ دونوں جہاں میں میرا چھٹکارا ہو گیا جس کی شریعت ہے وہ دیکھنے والا اور جاننے والا ہے۔ وہ آخرت کے دن احکام کے خلاف ورزی کی سزا دیدے گا، نیز وہ حکیم بھی ہے اس کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں، دیت اور تحریر رقبہ وغیرہ جو بھی کچھ احکام بندوں کے لیے مشروع فرمائے ہیں ان سب میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔

تنبیہ: ﴿وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ﴾ میں چونکہ لفظ ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ مذکور نہیں ہے اس لیے بعض فقہاء نے اس کو ذمی اور معاہدہ کے قتل پر محمول کیا ہے۔ علامہ قرطبی اپنی کتاب احکام القرآن صفحہ ۳۲۵ ج ۳ میں فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور شعبی اور نخعی اور شافعی کا قول ہے اور طبری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، پھر بحث کے ختم پر بعض علماء کا قول نقل کیا یہ مضمون عرب کے ان مشرکوں کے بارے میں تھا جنہوں نے حضور اقدس ﷺ سے اس بات کا معاہدہ کیا ہوا تھا کہ وہ اسلام قبول کر لیں گے یا ان کو جنگ کا اعلان کر دیا جائے گا یہ معاہدہ ایک مخصوص میعاد کے لیے تھا اس زمانہ میں ان میں سے کوئی شخص مقتول ہو جاتا تو دیت اور کفارہ دونوں واجب ہوتے تھے پھر جب آیت کریمہ ﴿بَدَأَ اللَّهُ مِن رَّسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ نازل ہوئی تو یہ معاہدہ بھی ختم اور اس کے ساتھ معاہدہ کی وجہ سے جو کچھ التزام کیا گیا تھا وہ بھی ختم اب یہ حکم باقی نہیں رہا۔

مسائل متعلقہ دیت،

مسئلہ: قتل خطا میں ایک جان کی دیت سوانٹ ہیں جن میں سے بیس بنت مخاض اور بیس بنت لبون اور بیس ابن مخاض اور بیس حقے اور بیس جدے ہوں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے۔ (اونٹوں کے یہ القاب ان کی عمروں کے اعتبار سے ہیں اہل عرب نے اونٹوں کے نام اس طرح رکھے تھے)۔

مسئلہ: اگر اونٹوں کے علاوہ دوسرے مال سے دیت دی جائے تو ہزار دینار سونے کے اور دس ہزار درہم چاندی کے دیئے جائیں۔

مسئلہ: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک دیت صرف انہی چیزوں سے ادا کی جائے گی یعنی اونٹوں سے اور دینار سے اور درہم سے، اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ گایوں اور بکریوں اور کپڑوں سے بھی ادا کی جاسکتی ہے اگر گایوں سے دیت ادا کی جائے تو سو گائیں دی

جائیں اور بکریوں سے دی جائے تو ہزار بکریاں دی جائیں اور کپڑوں سے ادا کی جائے تو دو سو جوڑے ادا کیے جائیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح مقرر فرمایا تھا۔

مسئلہ: عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔

مسئلہ: مسلم اور ذمی کی دیت برابر ہے (ذمی وہ کافر لوگ ہیں جو مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہیں)۔

مسئلہ: دیت میراث کے حکم میں ہے جو مقتول کے شرعی وراثہ میں حسب حصص شرعیہ مقررہ فی الاوارث تقسیم کی جائے گی۔ اگر سب وارث معاف کر دیں تو سب معاف ہو جائے گی اور بعض وراثہ معاف کریں تو ان کے حصے کے بقدر معاف ہو جائے گی۔

مسئلہ: قتل خطا کی دیت عاقلہ پر واجب ہوتی ہے، اور کفارہ (تحریر زقبہ یا صیام شہرین متتابعین) بہر حال قاتل ہی پر واجب ہوتا ہے۔ عاقلہ سے اہل نصرت مراد ہیں جن میں قاتل رہتا سہتا ہو اور جو آپس میں مل جل کر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوں اہل نصرت نہ ہوں تو پھر قاتل کا قبیلہ ہی عاقلہ ہوگا، اس اجمال کی تفسیر کتب فقہ میں مذکور ہے۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیت صرف قاتل کے کنبے اور قبیلے پر ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قتل تو صرف ایک شخص نے کیا ہے اس کی دیت اہل قرابت یا اہل نصرت پر کیوں پڑے؟ اس کا اصل جواب تو یہ ہے کہ احادیث اور آثار سے ایسا ہی ثابت ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بے احتیاطی قاتل سے ایسی ہوتی ہے کہ وہ اپنے اہل نصرت اور اہل قرابت پر بھروسہ کرتا ہے اور ان کی نصرت اور حمیت کے پیش نظر وہ اپنے اندر ایک قوت محسوس کرتا ہے جن لوگوں پر اسے اعتماد ہے ان لوگوں کو بھی دیت کی ادائیگی میں شریک کر لیا جائے تو وہ بھی اپنے قبیلے کے ہر فرد متعلقین کو جن سے نصرت اور حمیت کا تعلق ہے بہت زیادہ احتیاط کی تاکید کریں گے اور اس طرح سے قتل خطا کا وجود بہت کم ہوگا، دیت کی ادائیگی کے خوف سے وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو برابر منع کرتے رہیں گے کہ دیکھو قتل کا کوئی واقعہ نہ ہو جائے ورنہ سب کو جھگتنا پڑے گا۔

مسئلہ: عاقلہ سے تین سال میں تھوڑی تھوڑی کر کے دیت وصول کی جائے گی۔ قاتل کا اپنا قبیلہ اس لائق نہ ہو کہ دیت ادا کر سکے اور اس کے قبیلے سے جو قریب ترین قبیلہ نسب کے اعتبار سے ملتا ہو اس کو بھی ادائیگی دیت میں شامل کر لیا جائے گا، خود قاتل بھی عاقلہ کا ایک فرد ہوگا اور اس سے بھی حصہ مقررہ وصول کیا جائے گا، تفصیلات فقہ میں مذکورہ ہیں۔

قتل شبہ عمد:

مسئلہ: قتل خطا کے علاوہ ایک قسم قتل عمد ہے اور ایک قتل شبہ عمد ہے قتل عمد کا ذکر آئندہ آیت میں انشاء اللہ تعالیٰ آرہا ہے اور قتل شبہ عمد وہ ہے جس میں قصد امارنے کا ارادہ کیا ہو لیکن دھار والے ہتھیار سے یا ہتھیار جیسی چیز سے (جس سے تفریق اعضاء ہو) نہ مارا ہو۔ مثلاً کوڑوں سے یا لاشی سے مارا ہو قتل شبہ عمد میں بھی دیت ہے اور کفارہ ہے اس کی دیت بھی عاقلہ پر ہوگی۔ دینار اور درہم سے دیت ادا کی جائے تو وہ تو اسی قدر ہے جتنی قتل خطا میں ہے۔ اور اگر اونٹوں کے ذریعہ ادا کی جائے تو اس میں کچھ فرق ہے اور وہ یہ کہ اونٹ تو سو ہی ہوں گے لیکن اونٹوں کی پانچ قسموں کی بجائے چار قسمیں کی جائیں گی یعنی پچیس بنت محاص اور پچیس بنت لبون اور پچیس حقیق اور پچیس جذع دینے ہوں گے، یہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول اور مروی ہے۔

مسئلہ: کفارہ قتل میں آزاد کرنے کے لیے لفظ رقبہ وارد ہوا ہے یہ لفظ لونڈی اور غلام دونوں کو شامل ہے جسے بھی آزاد کر دے گا کفارہ ادا ہو جائے بشرطیکہ مومن ہو اور اعضاء صحیح سالم ہوں۔

مسئلہ: اگر غلام نہ ملے تو دو ماہ کے روزے رکھنا لازم ہوگا۔ اگر مرض کی وجہ سے تسلسل ٹوٹ جائے تو دو پارہ روزے رکھنے ہوں گے۔ البتہ عورت کو اگر درمیان میں حیض آجائے تو اس کی وجہ سے تسلسل باطل نہ ہوگا، اور رمضان کے روزے کفارہ کے حساب میں نہیں لگ سکتے۔ (کماذ

(کرناہ من قبل)

قتل کی کچھ اور صورتیں:

قتل خطا کے ساتھ فقہاء نے دو چیزیں اور لکھی ہیں ایک مَا أُجْرِي مَجْرِي الْخَطَا اور دوسری الْقَتْلُ بِسَبَبِ يَهْلِي صُورَتِ كِي مِثَالِ يِهْ هِي كِه كُوْنِي شَخْصٌ سُوْتِي هُوْنِي كُي پَر پِلْٹ پڑے جس سے وہ قتل ہو جائے، اس میں کفارہ اور دیت دونوں واجب ہوتے ہیں اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی دوسرے کی ملک میں کنواں کھود دے یا کوئی پتھر رکھ دے جو کسی کی جان جانے کا سبب بن جائے۔ اس صورت میں بھی عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے لیکن اس میں کفارہ نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر کسی حاملہ عورت کے پیٹ میں مار دیا جس کی وجہ سے مرا ہوا بچہ گر گیا تو اس میں ایک غلام یا پانچ سو درہم واجب ہوں گے۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس کو غزہ کہتے ہیں، اور اگر زندہ بچہ گر کر مر گیا تو اس کی پوری دیت دینی ہوگی۔ اور اگر مردہ بچہ گرنے کے بعد ماں مر گئی تو ماں کی پوری دیت دینی ہوگی اور بچے کا غزہ دینا ہوگا اور اگر چوٹ لگنے سے ماں مر گئی پھر بچہ زندہ نکل کر مر گیا تو ماں کی اور بچے کی علیحدہ علیحدہ دو دیتیں دینی ہوں گی اور حمل ساقط ہونے کی وجہ سے جو کچھ واجب ہوگا وہ اس بچے کے وارثوں پر تقسیم ہوگا۔

مسئلہ: جو شخص جانور پر سوار ہو کر جا رہا ہو اس کے ذمہ لازم ہے کہ سلامت روی کے ساتھ چلے اگر اس کی سواری نے کس کو روند دیا یا ٹکرا مار دی یا دانتوں سے کاٹ لیا تو ان سب صورتوں میں ضمان لازم آئے گا۔

مسئلہ: اگر دو گھوڑے سوار جا رہے تھے جو آپس میں ٹکرا کر مر گئے تو ہر ایک کی عاقلہ پر دوسرے کی دیت واجب ہوگی۔

فائدہ: قصاص اور دیت کا نظام درحقیقت جانوں کی حفاظت کے لیے ہے اللہ کا قانون جاری نہ کرنے کی وجہ سے پورے عالم میں قتل و خون کا بازار گرم ہے قوانین شرعیہ کو نافذ نہ کرنے والے ظالم ہیں جیسا کہ سورہ مائدہ میں فرمایا ﴿وَمَنْ لَّمْ يُحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (اور جو لوگ اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو اللہ نے نازل فرمایا وہ لوگ ظالم ہیں)۔

وزرا حکومت زعمائے سیاست میں جو لوگ احکام خداوندیہ کو ظالمانہ کہتے ہیں وہ کافر ہیں اگرچہ وہ مسلمان ہونے کے مدعی ہوں۔ قصاص اور قتل کا قانون خداوندی نافذ نہ ہونے کی وجہ سے قاتلین کسی بھی جان کے قتل کرنے میں باک محسوس نہیں کرتے وہ بڑی بے باکی کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں قتل کر دیتے ہیں، اگر کسی کو قتل کر دیا تو اول تو بغیر رشوت کے مقدمہ درج نہیں ہوتا اور درج ہوتا ہے تو قاتل کو سزا سے بچانے یا ہلکی سزا دلانے کے لیے قاتل سے رشوت لے کر رپورٹ کے الفاظ ہلکے کر دیئے جاتے ہیں جو قانون کی گرفت میں نہیں آتے پھر جب مقدمہ چلتا ہے اور اگر سارے مرحلوں سے گزر کر حاکم نے کسی قاتل کو سزا دے ہی دی تو وہ سزا قید و بند کی صورت میں ہوتی ہے۔ مقتول کے وارثوں کو ذرا بھی دیت نہیں ملتی، ان سب چیزوں نے امن عام کو برباد کر رکھا ہے، قصد اور ارادہ قتل کرنے کی واردات ہوتی رہتی ہے اور چونکہ قصاص جاری نہیں کیا جاتا اس لیے قاتل بے فکر ہو کر گھومتے پھرتے ہیں۔ حاکم بہت سے بہت عمر قید کا فیصلہ دے دیتا ہے (بشرطیکہ حاکم تک معاملہ پہنچا ہو اور اس نے ہمت کر کے فیصلہ دے دیا ہو) پھر یہ سزا اقتدار اعلیٰ کو رحم کی درخواست دینے سے یا حکومت کے بدل جانے سے (اقتدار جدید کی خوشی میں) معاف کر دی جاتی ہے مقتول کے ورثاء دیت اور قصاص سے محروم پھرتے ہیں حالانکہ اولیاء مقتول کا حق کسی کو معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ جو لوگ قانون الہی کو تسلیم نہیں کرتے اور اسے نافذ نہیں کرتے اس کی بجائے دوسرے قانون نافذ کر رکھے ہیں اور ان کو موجودہ دور کے لیے مناسب سمجھتے ہیں (العیاذ باللہ) ان سب کا جواب اللہ تعالیٰ شانہ نے ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ فرما کر دے دیا اللہ جل شانہ نے اپنے علم اور حکمت کے مطابق قوانین عطا فرمائے ہیں ان کے خلاف لکھنا یا بولنا اللہ کے علم اور حکمت پر اعتراض ہے۔

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعِدًّا فَجَزَاءُ وَكَأْجَهَنَّمَ خُلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ

عَذَابًا عَظِيمًا ﴿۹۲﴾

اور جو شخص کسی مومن کو قصداً قتل کر دے تو اس کی جزاء جہنم ہے اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اس پر اللہ کی لعنت ہوگی اور اس کے لیے اللہ نے بڑا عذاب تیار فرمایا ہے۔

کسی مومن کو قصداً قتل کرنے کا گناہ عظیم

قتل خطا کے احکام بتانے کے بعد اس آیت میں قصداً قتل کرنے والے کی اخروی سزا کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جو شخص کسی مومن کو قصداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اس کو غضب ہوگا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار فرمایا ہے۔ کسی مومن کا قتل درحقیقت بہت ہی بڑا گناہ ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پوری دنیا کا ختم ہو جانا اللہ کے نزدیک ایک مسلمان آدمی کے قتل کے مقابلے میں معمولی چیز ہے۔ (رواہ الترمذی و النسائی ووقفہ بعضہم ورواہ ابن ماجہ عن البراء بن عازب کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۳۰۰)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمام آسمان و زمین والے کسی مومن کے خون میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دے گا۔ (رواہ الترمذی کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۳۰۰)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امید ہے اللہ ہر گناہ کو معاف فرمادے گا مگر جو شخص مشرک ہوتے ہوئے مر گیا اور جس نے کسی مومن کو قتل کر دیا ان کی مغفرت نہیں ہے۔ (رواہ ابوداؤد و النسائی عن معاویہ کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۳۰۱)

اتنی سخت وعیدیں ہوتے ہوئے دنیا میں قتل و خون کی گرم بازاری ہے اسلام کا نام لینے والے اور اپنے کو مسلمان سمجھنے والے آپس میں لسانی، قومی، قبائلی و طنی اور صوبائی عصبیتوں کی بنیاد پر ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں قوم اور برادری اور ملک و وطن سب یہیں دھڑے رہ جائیں گے۔ قتل مومن کا گناہ کبیرہ ساتھ لے کر قبر میں جانے والوں کو اپنی آخرت کا فکر نہیں دوزخ میں داخل ہونا اور اس میں سزا پانا، آگ میں جلنا معمولی سی بات سمجھ رکھا ہے۔ جاہلی عصبیتیں پھرا بھر آئی ہیں، دشمنوں کے ورغلانے اور بھڑکانے سے آپس میں کٹا چھنی ہے۔ دشمنوں کو تقویت پہنچا رہے ہیں اور اپنا اتحاد پاش پاش کر رہے ہیں۔ انصار کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج حضور اقدس ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے پر متحد ہو گئے تھے۔ پرانی لڑائیاں جو صدیوں سے جاری تھیں بند ہو گئی تھیں۔ اسلام نے سب کو متحد کر دیا تھا ایک مرتبہ بعض یہودیوں کے ابھارنے سے پھر لڑائی کی فضا بن گئی تو آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اس کو رفع دفع کیا اور اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت شریفہ ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا﴾ نازل فرمائی جس کی تفسیر اور واقعہ کا تذکرہ اسی آیت کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ دشمن تو ہمیشہ مسلمانوں کو لڑانا ہی چاہتے ہیں ان کا اتحاد و اتفاق انہیں گوارا نہیں مسلمان ہیں کہ آپس میں قتال و قتل کر کے اپنی دنیا و آخرت دونوں تباہ کرتے ہیں اور ایک جماعت کے آدمی دوسری جماعت کے لوگوں کو محض اس وجہ سے قتل کرتے ہیں کہ وہ ہماری جماعت کا آدمی نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ نے دسویں ذوالحجہ کو حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ دیا تھا اس میں فرمایا تھا لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض (میرے بعد کافر مت ہو جانا جس کی وجہ سے ایک دوسرے کی گردن مارو)۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۰۴۸: ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے دنیا ختم ہونے سے پہلے ایسا دن ضرور آئے گا کہ قاتل کو بھی پتہ نہ ہوگا کہ میں نے کیوں قتل کیا اور مقتول کو بھی پتہ نہ ہوگا کہ میں کیوں قتل ہوا کسی نے عرض کیا ایسا کیوں ہوگا فرمایا فتنہ کی وجہ سے ایسا ہوگا قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہوں گے۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر آمنے سامنے آجائیں تو وہ دونوں دوزخ والوں میں سے ہیں ایک شخص نے عرض کیا کہ ان میں سے جو قتل کر دے اس کا دوزخ میں جانا سمجھ میں آتا ہے جو قتل ہو گیا وہ

دوزخ میں کیوں جائے گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا انہ قد اراد قتل صاحبہ کہ مقتول بھی تو یہی ارادہ کیے ہوئے تھا کہ میں اس شخص کو قتل کر دوں لہذا وہ اپنی نیت کی وجہ سے دوزخ میں گیا۔ نیت تو دونوں ہی کی ایک دوسرے کو قتل کرنے کی تھی یہ بات اور ہے کہ ایک کا داؤ لگ گیا۔ (رواہ البخاری صفحہ ۱۰۴۹: ج ۲)

فائدہ: جمہور اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ قاتل مومن عمداً کی بالآخر بخشش ہو جائے گی جیسے دوسرے گناہوں کا حکم ہے۔ البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مشہور قول یہ ہے کہ اس کی مغفرت نہ ہوگی اور ان سے اس کے خلاف بھی منقول ہے۔

قال سعید بن جبیر اختلف فيها (ای فی الایة) اهل الكوفة فر حلت فيها الى ابن عباس فسالتها عنها فقال نزلت هذه الایة و من يقتل مومنا فجزاءه جهنم خالداً فيها هی آخر منازل وما نسخها شیء۔ (رواہ البخاری صفحہ ۲۶۰) قال البيضاوی قال ابن عباس رضی اللہ عنہما لا تقبل توبة قاتل المومن عمداً ولعله اراد به التشدید اذ روی عنه خلافه والجمهور علی انه مخصوص بمن لم يتب بقوله تعالى وانی لغفار لمن تاب ونحوه او المزداد بالخلود المكث الطویل فان الدلائل متظاهرة علی ان عصاة المسلمين لا يدوم عذابهم او هو محمول علی المستحل (اھ بحذف)

مسئلہ: جو شخص قصداً ارادہ قتل کر دے اس میں اول تو بہت بڑا گناہ ہے جیسا کہ اوپر آیت میں گزرا اور قصاص بھی ہے جس کی کچھ تفصیل سورۃ بقرہ رکوع ۲۲ میں گزر چکی ہے اور کچھ انشاء اللہ سورہ ماندہ کے رکوع ۷ کی تفسیر میں آئے گی۔ قصاص وارثوں کا حق ہے وہ چاہیں تو معاف کر دیں اور چاہیں تو قصاص میں قتل کر دیں کسی بھی بادشاہ یا صدر یا وزیر یا کسی بھی چھوٹے بڑے حاکم کو معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ (کما ذکرنا من قبل)

مسئلہ: جو شخص اپنے کسی مورث کو قتل کر دے (جس سے میراث پانے والا تھا) تو قاتل میراث سے محروم کر دیا جائے گا (اس نے چاہا کہ اپنے مورث کو قتل کر کے جلدی میراث پالے۔ لہذا شریعت نے اسے میراث سے بالکل محروم کر دیا)۔
مسئلہ: شبہ عمد میں بھی میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ ۗ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِّن قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۹۱﴾

اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو شخص تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے اسے یوں نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے تم دنیا والی زندگی کا سامان تلاش کرتے ہو، سو اللہ کے پاس غنیمت کے بہت مال ہیں اس سے پہلے تم ایسے ہی تھے، سو اللہ نے تم پر احسان فرمایا، سو خوب تحقیق کیا کرو، بے شک اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

جو شخص اپنا اسلام ظاہر کرے اسے یوں نہ کہو کہ تو مومن نہیں

تفسیر درمنثور صفحہ ۱۹۹: ج ۲ میں بحوالہ بخاری و نسائی وغیرہما حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ جارے تھے ان سے کسی ایسے شخص کی ملاقات ہوگئی جو اپنا مال لیے ہوئے جارہا تھا۔ اس نے کہا السلام علیکم ان لوگوں نے اس کو قتل کر دیا اور اس کا مال لے لیا۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی، (راجع صحیح البخاری صفحہ ۶۰۶: ج ۲) پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بحوالہ ترمذی وغیرہ نقل کیا ہے کہ سلیم میں کا ایک شخص اپنی بکریاں چراتے ہوئے چند صحابہ پر گزرا اس نے انہیں سلام کیا۔ آپس میں کہنے لگے کہ اس نے ہمیں جان بچانے کے

لے سلام کیا (یعنی وہ مسلمان نہیں ہے ہمیں دیکھ کر ڈر گیا کہ یہ قتل کر دیں گے اس لیے سلام کر لیا تاکہ مسلمان سمجھ کر چھوڑ دیں۔) ان حضرات نے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے لیں، بکریاں لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ آیت شریفہ میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ جو شخص اسلامی فرمانبرداری کا اظہار کرے مثلاً سلام کرے یا اسلام کا کلمہ پڑھے یا کسی بھی طرح اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر دے تو تم یوں نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے چونکہ ان حضرات نے اس کا سامان بھی لے لیا تھا اس لیے یہ بھی تنبیہ فرمائی کہ اللہ کے پاس جو عیبتیں ہیں ان کی طرف رغبت کرو اللہ تم کو بہت دے گا کسی شخص کو بلا تحقیق کافر قرار دے کر اس کا مال لینے کی جسارت نہ کرو۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ آج تم سلام کرنے والے کو یہ کہتے ہو کہ مومن نہیں ہے تم اپنا زمانہ یاد کرو کہ تم بھی کبھی ایسے ہی تھے، تمہارا اسلام کا ظاہری دعویٰ کرنا ہی جانوں کی حفاظت کے لیے کافی تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا اور تم اسلامی کاموں میں آگے بڑھ گئے، تمہاری جماعت ہو گئی اور تمہارے بارے میں سب نے جان لیا کہ تم مسلمان ہو اسلام والے ہو اور یہاں تک کہ تم اپنی اس معرفت اسلامیہ کی وجہ سے دوسروں کو یہ کہنے لگے کہ تم مسلمان نہیں ہو۔

آیت بالا سے بالتصریح معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص سلام کرے یا اسلام کا کلمہ پڑھے یا یوں کہہ دے کہ میں مسلمان ہوں تو اس کے ظاہری قول اور ظاہری دعویٰ پر اعتماد کرنا چاہیے خواجواہ اس کے ایمان میں شک کرنا یا اس کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ کرنا درست نہیں ہے۔ حقیقی ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور قلب کی تصدیق یا تکذیب کو بندے نہیں جانتے وہ ظاہر کے مکلف ہیں ان کو جو حکم دیا گیا ہے وہ اس کے پابند رہیں۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دے دیں اور ساتھ یہ گواہی بھی دیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں زکوٰۃ ادا کریں، سو جب وہ ایسا کر لیں گے تو اپنی جانوں اور مالوں کو میری طرف سے محفوظ کر لیں گے ہاں اگر اسلام کے حق کی وجہ سے قتل کرنے کی صورت پیش آجائے تو یہ اور بات ہے (مثلاً قصاص میں قتل کرنا پڑے) اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے (رواہ البخاری و مسلم الا ان مسلمانم یذکر الا بحق الاسلام کمافی المشکوٰۃ صفحہ ۱۳) جو شخص اسلام کو ظاہر کرتا ہو اس کو مسلمان سمجھیں گے اگر وہ دل سے مسلمان نہیں تو اللہ تعالیٰ کو چونکہ دلوں کے احوال بھی معلوم ہیں اس لیے وہ اس کے عقیدہ کے مطابق معاملہ فرمائے گا۔ منافق ہے تو کافروں میں شمار ہوگا، سخت سے سخت عذاب میں جائے گا، دل سے مسلمان ہوگا تو اپنے ایمان اور اعمال صالح کا ثواب پائے گا۔

فائدہ نمبر ۱: آیت بالا میں فتبینوا دوبار مذکور ہے پہلی جگہ ﴿اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا﴾ ہے اور دوسری جگہ ﴿كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنْ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا﴾ فرمایا ہے۔ دوسری جگہ سفر کا ذکر نہیں ہے معلوم ہوا کہ سفر ہو یا حضر ہو مسلمانوں کو ایک عام ہدایت دی گئی ہے کہ بلا تحقیق محض گمان پر عمل نہ کریں۔ تحقیق کے ساتھ کام کریں خصوصاً لوگوں کی جانوں اور مالوں کی حفاظت کے بارے میں تو بہت زیادہ سنجیدگی کر چلنے کی ضرورت ہے اسلام سلامتی والا دین ہے ظلم والا دین نہیں ہے محض گمان پر کسی کو کچھ کہہ دینا یا کسی کی ذات کو مطعون کرنا درست نہیں ہے۔ بدگمانی کی وجہ سے بہتوں اور غیبتوں کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور ظلم و زیادتی کے موافق فراہم ہو جاتے ہیں۔

فائدہ نمبر ۲: احتیاط میں بے احتیاطی کرنا درست نہیں۔ جو شخص یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں اور ساتھ ہی کفریہ عقیدوں کا اعلان بھی کرتا ہو جیسے بہت سے لوگ ختم نبوت کے منکر ہیں یا جیسے بعض لوگ اسلام حدود اور قصاص کو ظلم کہتے ہیں یا جیسے کچھ لوگ حدیث شریف کی حجیت کے منکر ہیں یا جیسے بعض فرتے تحریف قرآن کے قائل ہیں ایسے لوگوں کو کافر کہنے میں احتیاط کرنا مسلمانوں کو دھوکے میں رکھنا ہے جس کا کفر ظاہر ہو جائے اس کا کفر ظاہر کرنا واجب ہے عام لوگوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ کسی کلمہ گو کو کافر نہ کہو اس سے وہ کلمہ گو مراد ہے جس سے دعویٰ ایمان کے ساتھ کفر کی کوئی نشانی ظاہر نہ ہو رہی ہو۔

بہت سے لوگ فقہاء کی عبارت (لا نکفر احدا من اهل القبلة) کا مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے یوں کہتے ہیں کہ سب کلمہ گو مسلمان ہیں یا یوں کہتے ہیں کہ اہل قبلہ سب مسلمان ہیں یہ ان لوگوں کی سخت غلطی ہے جو جہالت پر مبنی ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح فقہ اکبر کے تکرار میں فرماتے

ہیں:

وان المراد بعدم تكفير احد من اهل القبلة عند اهل السنة انه لا يكفر مالم يوجد شيء من امارات الكفر و علاماته و لم يصدر عنه شيء من موجباته۔

”جاننا ضروری ہے کہ حضرات اہل سنت نے یہ جو فرمایا ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہا جائے یہ اس وقت ہے جب اہل قبلہ سے کوئی چیز کفر کی علامت میں سے ظاہر نہ ہو اور کوئی ایسی چیز صادر نہ ہو جس سے اس پر کفر عائد ہوتا ہو۔“

فائدہ نمبر ۳: کسی گناہ میں ملوث ہونے کی وجہ سے کسی کو کافر نہ کہا جائے گا جب تک کہ گناہ کو حلال نہ سمجھتا ہو، اگر کسی گناہ کو حلال سمجھ کر کرتا ہو یا کسی فرض کے فرض ہونے کا انکار کرتا ہو تو اسے کافر کہا جائے گا۔ ورنہ محض گناہ کرنے سے کسی مدعی اسلام کو کافر نہ کہیں گے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تین چیزیں ایمان کے تقاضوں میں سے ہیں، ایک یہ کہ جو شخص کلمہ اسلام پڑھ لے اس کی طرف سے (زبان اور ہاتھ کو) روک لیا جائے، دوم یہ کہ کسی گناہ کی وجہ سے اسے کافر نہ کہو یعنی کسی عمل کی وجہ سے اسے اسلام سے خارج نہ کرو، سوم یہ کہ جہاد باقی رہے گا جب سے اللہ نے مجھے بھیجا ہے یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ دجال سے قتال کریں گے حکم جہاد کو کسی ظالم کا ظلم اور کسی عادل کا عدل باطل نہیں کر سکتا (پھر فرمایا کہ) تقدیروں پر ایمان لانا (بھی ایمان کے تقاضوں میں سے ہے)۔ (رواہ ابوداؤد)

لَا يَسْتَوِي الْقَعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَبِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۖ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَعْدِينَ دَرَجَةً ۗ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۗ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَعْدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۙ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً ۗ وَرَحْمَةً ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۙ

جو مسلمان عذر والے نہیں ہیں، ان میں جو بیٹھ رہنے والے ہیں اور جو اپنے جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں برابر نہیں ہیں، جو لوگ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والے ہیں ان کو بیٹھ رہ جانے والوں پر اللہ نے بڑے درجہ کی فضیلت دی ہے اور رسب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور اللہ نے فضیلت دی ہے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہ جانے والوں پر اجر عظیم عطا فرما کر جو اس کی طرف سے درجات اور بخشش اور مہربانی کی صورت میں ملے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مجاہدین اور قاعدین برابر نہیں

جیسا کہ اوپر حدیث میں گزرا جہاد قیامت تک جاری ہے یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ دجال سے قتال کریں گے جان اور مال سے جہاد کیا جائے، بس اللہ کے دین کو بلند کرنا مقصود ہے، اس آیت شریفہ میں اول تو یہ فرمایا کہ جو لوگ جہاد میں شریک نہیں گھروں میں بیٹھے ہیں اور ان کو عذر بھی کچھ نہیں تو یہ لوگ ان لوگوں کے برابر نہیں ہیں جو اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں کسی قسم کا بھی جہاد ہو بہر حال مجالد گھر میں بیٹھ رہنے والے سے افضل ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جانوں و مالوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑے درجہ کی فضیلت دی ہے۔ لفظ درجہ نکرہ ہے اس کی تکمیل تعظیم کے لیے ہے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں لا يقدر قدرها ولا يبلغ كنهها۔ ابتدائے آیت میں فرمایا کہ مجاہدین اور قاعدین برابر نہیں ہیں۔ اس کے بعد یہ فرمایا کہ مجاہدین کو قاعدین پر بڑے درجہ کی فضیلت حاصل ہے اس میں یہ واضح فرمادیا کہ قاعدین یہ سمجھ کر بیٹھے نہ رہ جائیں کہ ہمارا تھوڑا سا نقصان ہوا، بلکہ وہ بڑے درجے کی فضیلت سے محروم ہوں گے البتہ اولی الضرر کی اور بات ہے کیونکہ وہ

معذرت کی وجہ سے مجبور ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (کاتب وحی) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا تا کہ آیت کریمہ ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ آپ کے پیچھے ابن ام مکتوم موجود تھے جو نابینا تھے، انہوں نے عرض کیا کہ میں تو بینائی سے محروم ہوں، مجھے یہ فضیلت کیسے ملے گی۔ اس پر لفظ غیر اولی الضرر نازل ہوا۔ اور اب آیت اس طرح ہو گئی ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولَى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ جس میں یہ بتا دیا کہ جو لوگ صاحب عذر ہیں آیت کا عموم ان کو شامل نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو غزوہ بدر کی شرکت سے رہ گئے۔ یعنی جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی وہ اور جو شریک نہ ہوئے برابر نہیں ہوں گے، یہ روایات صحیح بخاری صفحہ ۶۶۰-۶۶۱ ج ۲ میں مذکور ہیں۔ بات یہ تھی کہ غزوہ بدر میں عام طور سے سب کو نکلنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ اس لیے بہت سے حضرات شریک نہ ہوئے تھے شرکت نہ کرنے کی وجہ سے گناہ تو نہ ہوا لیکن شرکت کرنے والوں کو جو فضیلت ملی بہر حال وہ انہیں کو ملی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو اس کو اصحاب غزوہ بدر پر محمول فرمایا یہ اس اعتبار سے ہے کہ اسی زمانے میں نازل ہوئی تھی جب غزوہ بدر ہو چکا تھا اور نہ آیت کا مفہوم ہمیشہ کے لیے عام ہے۔

وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ

پھر فرمایا ﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾ کہ اللہ نے مجاہدین اور قاعدین سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔ بھلائی سے جنت مراد ہے جیسا کہ روح المعانی میں قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، چونکہ ایمان اور فرائض کی ادائیگی میں سبھی برابر ہیں اس لیے سب کے جنت میں داخل ہونے کا وعدہ فرمایا۔ یوں مراتب دوسری بات ہے اور جہاد فرض عین ہونے کی صورت میں جو اسے ترک کرے گا گنہگار ہوگا، پھر مجاہدین کی فضیلت دو بار بیان فرمائی اور فرمایا کہ اللہ نے مجاہدین کو قاعدین پر اجر عظیم عطا فرما کر فضیلت دی ہے۔ اللہ پاک کی طرف سے مجاہدین کو درجات ملیں گے مغفرت اور رحمت سے نوازے جائیں گے۔

آخر میں فرمایا ﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ کہ اللہ بڑے بخشنے والا بڑا مہربان ہے اس میں اجمالاً مضمون سابق کو دہرایا ہے۔ فائدہ: ﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾ سے معلوم ہوا کہ جہاد فرض عین نہ ہونے کی صورت میں جو لوگ اپنے فرائض واجبات میں مشغول رہتے ہوئے جہاد میں شریک نہ ہوں خصوصاً جو حضرات جہاد بالسیف کے علاوہ دوسری دینی خدمات میں مشغول ہوں ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا درست نہیں ہے۔ قرآن و حدیث اور ان دونوں سے متعلقہ علوم کی تعلیم اور تدریس بھی تو دینی مشغلہ ہے اور اس میں بھی بڑا مجاہدہ ہے جو حضرات اس میں لگے ہوئے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا کام کرتے ہیں اور ان کی محنت سے بھی دین بلند ہوتا ہے اور اس کی اشاعت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں نیتوں پر بھی ثواب ملتا ہے جو لوگ خروج فی سبیل اللہ سے معذور ہوں اگر ان کی نیت یہ ہوگی کہ ہم معذور نہ ہوتے تو ضرور جہاد میں شریک ہوتے تو ان کو بھی شرکت کا ثواب ملتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو ہم نے مدینہ میں پیچھے چھوڑا تھا۔ ہم جس گھائی اور وادی میں چلے وہ ہمارے ساتھ ہی رہے (یعنی ثواب میں وہ بھی شریک تھے) ان کو عذر نے روک دیا تھا۔ (رواہ البخاری صفحہ ۶۳۷ ج ۲)

جن حضرات کو عذر کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دے دی گئی ہو ان میں جو صاحب ذوق و شوق ہوتے ہیں وہ پھر بھی کسی طرح شریک ہو جاتے ہیں آیت بالا میں لفظ غیر اولی الضرر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اس بات پر نازل ہوئی تھی کہ میں معذور ہوں شریک نہیں ہو سکتا پھر بھی وہ جہادوں میں شریک ہوتے تھے جنگ تو نہیں کر سکتے تھے لیکن جھنڈا اٹھانے کی خدمت اپنے ذمہ لے لیتے تھے۔

(کما ذکرہ فی روح المعانی صفحہ ۱۲۴: ج ۵)

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْتُمُ الْمَلَائِكَةَ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعِفِينَ فِي الْأَرْضِ ۖ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۖ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۙ ۹۷ إِلَّا الْمُسْتَضْعِفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۙ ۹۸ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَفُورًا غَفُورًا ۙ ۹۹

بے شک فرشتے جن لوگوں کی جان ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی جان پر ظلم کر رکھا تھا ان سے فرشتے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم بے بس تھے زمین میں، فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم ترک وطن کر کے دوسری جگہ چلے جاتے، سو یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے، لیکن جو مرد اور عورتیں اور بچے قادر نہ ہوں کہ کوئی تدبیر کر سکیں اور نہ راستے سے واقف ہوں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے گا، اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

کافروں کے درمیان رہنے والوں کو تنبیہ

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا (انہوں نے ہجرت نہ کی تھی) وہ مشرکین ہی کے ساتھ رہتے تھے مشرکین کی جماعت کی تکثیر کرتے تھے۔ (مشرکین کہیں جنگ کرنے جاتے تو یہ بھی ساتھ چلے جاتے تھے جس سے مشرکین کی جماعت میں اضافہ ہو جاتا تھا) نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کو بعض مرتبہ تیر لگ جاتا تھا جس سے قتل ہو جاتے تھے یا تلوار وغیرہ سے مقتول ہو جاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالاناازل فرمائی۔

لباب النقول صفحہ ۷۹ میں نقل کیا ہے کہ کچھ لوگ مکہ میں مسلمان ہو گئے تھے جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت کی تو ان لوگوں کو ہجرت کرنا گوارا نہ ہوا (اور اپنے جان و مال پر) خوف کھانے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالاناازل فرمائی۔ دونوں باتیں سبب نزول ہو سکتی ہیں۔ آیت شریفہ میں اس بات پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے کہ کوئی شخص ہجرت کے مواقع میسر ہونے کے باوجود ہجرت نہ کرے اپنے دین و ایمان اور اعمال اسلام کے لیے فکر مند نہ ہو اور کافروں ہی میں گھسارے۔ اول تو ایسے لوگوں کو ﴿ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ﴾ فرمایا کہ یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور فرمایا کہ جب فرشتے ان کی جانیں قبض کرنے لگتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تم کہاں تھے۔ دین کے ضروری کام کیوں نہیں بجا لاتے تھے۔ وہ جواب دیتے تھے ہمارا رہنا سہنا ایسی سرزمین میں تھا جہاں ہم مغلوب تھے اس لیے بہت سی ضروریات دین پر عمل نہ کر سکتے تھے۔ فرشتے جواب میں کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع اور کشادہ نہ تھی، تم ترک وطن کر کے کسی دوسری جگہ چلے جاتے وہاں فرائض ادا کرتے۔

ابتدائے اسلام میں مدینہ کے لیے ہجرت واجب تھی جب لوگوں نے بطور نفاق اسلام قبول کیا وہ لوگ اپنے نفاق کی وجہ سے مستحق عذاب ہوئے اور جن لوگوں نے اسلام تو دل سے قبول کیا لیکن قدرت ہوتے ہوئے ہجرت نہ کی تو وہ ترک فرض کی وجہ سے اور اس لیے کہ ان کی وجہ سے دین کے دشمنوں کی مدد ہوتی تھی مستحق عذاب ہوئے، ہجرت کوئی سفر تجارت نہیں ہے کہ مال کے ساتھ اور آسانیوں کے ساتھ گھر سے نکل جائیں اور پھر واپس آجائیں یہ تو ایک مشکل چیز ہے دین ایمان کو بچانے کے لیے گھریار زمین و جائیداد چھوڑنا پڑتا ہے وطن کو مستقل طور پر خیر باد کر دیا جاتا ہے۔ پھر دشمن بھی نکلنے نہیں دیتے۔ موقع لگ گیا تو آل و اولاد کو ساتھ لے لیا ورنہ ان کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابتدائے اسلام میں جو ہجرتیں کی ہیں ان کے دردناک واقعات کتابوں میں موجود ہیں۔ اولاً چند حضرات حبشہ چلے گئے تھے ان کے بعد مدینہ منورہ کے لیے ہجرت شروع ہوئی پھر حبشہ والے بھی مدینہ منورہ آ گئے۔ حضور اقدس ﷺ اپنے یار غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ

آل و اولاد کو چھوڑ کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے دونوں کے متعلقین مکہ ہی میں رہے بعد میں وہ حضرات بھی آگئے لیکن آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی زینبؓ کو مکہ معظمہ ہی میں اپنے شوہر کے ساتھ رہنا پڑا جب ہجرت کرنے کے ارادہ سے تشریف لانے لگیں تو ایک کافر نے نطن مبارک پر لات ماردی جس سے حمل ساقط ہو گیا۔

حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہؓ ہجرت کے ارادہ سے حضرت ام سلمہ کو اور اپنے بیٹے کو اونٹ پر بٹھا کر نکلے مکہ والے آڑے آگئے حضرت ام سلمہؓ کے گھر والوں نے حضرت ام سلمہ کو روک لیا پھر ابوسلمہ کے گھر والے آئے اور ان کے بیٹے سلمہ کو لے کر چلے گئے اس طرح تینوں میں جدائی ہو گئی۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں صبح سے شام تک روتی رہتی تھی اور اس پر ایک عرصہ گزر گیا بعد میں ایک آدمی نے میرے خاندان والوں سے کہا کہ تم نے اس عورت کو اس کے شوہر اور اس کے بچے سے جدا کر دیا اور اس مسکینہ کو کیوں جانے کی اجازت نہیں دیتے اس پر انہوں نے مدینہ منورہ جانے کی اجازت دے دی اور ابوسلمہ کے خاندان والے بچہ بھی دے گئے وہ فرماتی ہیں کہ میں اس حالت میں نکل کھڑی ہوئی کہ میرے ساتھ کوئی بھی نہ تھا تنہا میں پہنچی تو عثمان بن طلحہ مل گئے انہوں نے کہا کہاں جاتی ہو میں نے کہا میں مدینہ منورہ اپنے شوہر کے پاس جا رہی ہوں پوچھا تمہارے ساتھ کوئی ہے میں نے کہا اللہ کے اور اس بچے کے سوا کوئی ساتھ نہیں ہے۔ یہ سن کر انہوں نے اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ (ذکرہ الحافظ فی الاصابہ)

اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جو ہجرت کے موقع پر حضرات صحابہ کے ساتھ پیش آئے ان میں ایک واقعہ حضرت صہیب رومی کا بھی ہے جو آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ﴾ کی تفسیر میں گزر چکا ابتدائے اسلام میں مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا اس کی فرضیت فتح مکہ کے بعد منسوخ ہو گئی اور آنحضرت ﷺ نے اعلان فرما دیا کہ لا ہجرت بعد الفتح لیکن حسب حالات دین و ایمان بچانے کے لیے ہمیشہ ہجرت کی فرضیت مشروع ہے۔

اس زمانے میں بھی مختلف علاقوں میں مختلف اوقات میں ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جن میں ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ انقلابات کے مواقع میں ایسا بہت ہوتا ہے کہ کچھ مسلمان کافروں کے علاقے میں رہ جاتے ہیں باوجود موقع پانے کے گھر اور مال جا سید ا دیا رشتہ داریوں کی محبت میں اپنی جائے پیدائش ہی میں جمے رہتے ہیں اذان بھی نہیں دے سکتے لیکن حب دنیا ان کو وطن نہیں چھوڑنے دیتی۔ ایسے لوگ ترک ہجرت سے گنہگار ہوتے ہیں ان پر ہجرت فرض ہوتی ہے جس کے چھوڑنے سے گنہگار ہوتے ہیں اور یہ اس خطاب کے ذیل میں آتے ہیں۔ ﴿الَّذِينَ تَكُنْ اَرْضُ اللَّهِ وَاَسِعَتْ فُتْهَا جَرُ وَا فِيهَا﴾

۱۳۶۶ھ میں مشرقی پنجاب میں اس طرح کے واقعات پیش آگئے تھے اور اب بھی یورپ اور ایشیا اور افریقہ کے علاقوں میں ایسے حالات پیش آتے رہتے ہیں جہاں سے مسلمانوں کو ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ جب کوئی شخص اللہ کے لیے ہجرت کا ارادہ کرے گا تو اس کے لیے اللہ ضرور کوئی صورت پیدا فرما دے گا، جیسا کہ آئندہ آیت میں وعدہ فرمایا ہے۔ ﴿يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَّوَسْعَةً﴾ شرط یہ ہے کہ ہجرت اللہ کے لیے ہو۔

یورپ اور امریکہ جا کر بسنے والے اپنے دین و ایمان اور اعمال کی فکر کریں:

آج کل تو لوگ اسی راہ پر چل رہے ہیں اچھے خاصے دینی ماحول سے نکل کر دنیا کمانے کے لیے یورپ، امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا جا جا کر بس رہے ہیں اور وہاں اپنے دین و ایمان کا خون کر رہے ہیں، اور اپنی نسلوں کے لیے دین و ایمان سے محرومی کا انتظام کر رہے ہیں، وہاں پہنچ کر خود بھی دین میں کمزور ہو جاتے ہیں اور اولادیں بے دینی میں ان سے بھی آگے بڑھ جاتی ہیں۔ اعاذنا اللہ من جمیع البلیا والمحن و

ساند الفتن مآظہر منها و ما بطن۔

پھر فرمایا ﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانَ﴾ اس میں یہ بتایا کہ جو مرد اور عورتیں اور بچے کافروں میں پھنس

جائیں وہاں مغلوب ہوں ہجرت سے عاجز ہوں کوئی تدبیر سامنے نہ ہو اور رستہ بھی معلوم نہ ہو کہ کہاں جائیں اور کیا کریں تو ایسے لوگ مواخذے سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں اور میری والدہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دیا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۶۶۰) ان کے علاوہ اور متعدد صحابہ تھے جو مکہ مکرمہ میں پھنسے ہوئے تھے اور وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی اور کافروں کے ماحول میں مصیبت میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کے لیے آنحضرت ﷺ قنوت نازلہ میں دعا کیا کرتے تھے ان میں سے عیاش بن ربیعہ اور سلمہ بن ہشام اور ولید بن ولید کے اسماء گرامی روایات میں آتے ہیں۔

آخر میں فرمایا ﴿فَاُولَٰئِكَ عَسَىٰ اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُو عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُورًا﴾ کہ اللہ جل شانہ ان مستضعفین مغلوبین پھنسے ہوئے لوگوں کو معاف فرمادے گا وہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۱۲۷: ج ۵ میں لکھتے ہیں کہ اس میں یہ بتایا ہے کہ ہجرت کا چھوڑ دینا بڑے خطرہ کی چیز ہے یہاں تک کہ مجبور حال جس پر ہجرت فرض نہیں اس کا ہجرت چھوڑ دینا بھی اس درجے میں ہے کہ اس کو گناہ شمار کر لیا جائے کیونکہ معافی گناہ سے متعلق ہوتی ہے، ایسے مجبور حال کو بھی چاہیے کہ موقع کی تلاش میں رہے اور اس کا دل ہجرت کے خیال میں لگا رہے۔ جیسے ہی موقع ملے روانہ ہو جائے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرْعًا كَثِيْرًا وَّوَسْعَةً ۗ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ
مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ يَدْرِ كُهُ الْبَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوْرًا
رَحِيْمًا ۙ

اور جو شخص اللہ کی راہ میں وطن چھوڑے وہ زمین میں جانے کی بہت سی جگہ پائے گا اور اسے بہت کسادگی ملے گی، اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کی نیت سے نکل کھڑا ہو پھر اس کو موت آ پکڑے تو یقینی طور پر اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں کے لیے وعدے

لباب النقول صفحہ ۷۹ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت سرہ بن جندب نے ہجرت کی نیت سے نکلنے کا ارادہ کیا اپنے گھر والوں سے کہا کہ مجھے سواری پر سوار کر دو اور مشرکین کی سرزمین کے سے نکال دو میں رسول اللہ ﷺ تک پہنچ جاؤں جب وہ روانہ ہو گئے تو راستے میں موت آ گئی آنحضرت سرور عالم ﷺ تک نہیں پہنچ سکے آپ پر وحی کا نزول ہوا اور آیت بالا نازل ہوئی۔

دوسرا واقعہ ابو ضمیرہ زرقی کا نقل کیا ہے وہ مکہ معظمہ میں مشرکین میں پھنسے ہوئے تھے جب آیت کریمہ ﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ وَ الْوُلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً﴾ نازل ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں مالدار ہوں میں نکلنے کی تدبیر کر سکتا ہوں لہذا انہوں نے ہجرت کا سامان تیار کیا اور آنحضرت ﷺ تک پہنچنے کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے ان کو مقام تنعیم میں موت آ گئی (جو حرم سے قریب تر جگہ ہے) اس پر آیت بالا ﴿وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ﴾ نازل ہوئی اور ایک واقعہ خالد بن حرام رضی اللہ عنہ کا لکھا ہے، وہ حبشہ سے (مدینہ منورہ آنے کے لیے) روانہ ہوئے راستے میں ان کو سانپ نے کاٹ لیا جس کی وجہ سے موت ہو گئی اس پر آیت بالا نازل ہوئی، صاحب لباب النقول نے اسی طرح کا ایک واقعہ اٹم بن صفی کا بھی نقل کیا ہے کسی آیت کے اسباب نزول متعدد بھی ہو سکتے ہیں۔ لہذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔ پھر یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ سبب نزول اگرچہ وہ واقعات ہیں جو اوپر مذکور ہوئے لیکن آیت کا مفہوم عام ہے۔ اس میں واضح طور پر اعلان فرمادیا کہ جو کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکل کھڑا ہو اور اس کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہو دین ایمان کو بچانا چاہتا ہو تو اس کا یہ سچی نیت سے نکل کھڑا ہونا ہی باعث اجر و ثواب بن گیا اگرچہ وہاں تک نہ پہنچ سکا جہاں تک اس کو پہنچنا تھا۔

راستے میں موت ہو جانے کی وجہ سے مقصد ظاہری تک تو نہ پہنچ پایا لیکن حقیقی مقصد حاصل ہو گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا ثواب لکھ دیا گیا اور اس کی ہجرت منظور ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے مغفرت والے اور بہت بڑے رحیم ہیں اچھی نیت پر بھی ثواب عطا فرمادیتے ہیں اگرچہ عمل ابھی پورا نہ بھی ہوا ہو۔

لفظ ہجرت عربی زبان میں چھوڑ دینے کو کہتے ہیں اور شرعی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کرنے کے لیے اپنا وطن چھوڑ کر کوئی دوسرا وطن اختیار کرنے کو ہجرت کہا جاتا ہے بعض مرتبہ مومن بندے کفر کے ماحول سے جان چھڑانے کے لیے خود سے وطن چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور بعض مرتبہ اہل کفران کو وطن سے نکال دیتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں پر ہجرت صادق آتی ہے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اور آپ کے ساتھ بہت سے صحابہ نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی اور بھی مختلف علاقوں سے صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے اس کے بعد بھی مختلف ادوار اور مختلف ازمان میں ہجرت کے واقعات پیش آتے رہے ہیں، چونکہ ہجرت میں بہت سخت تکلیف ہوتی ہے آبائی وطن چھوڑنا پڑتا ہے۔ جائیدادوں سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ اعزہ و اقرباء جدا ہو جاتے ہیں۔

ہجرت کا ثواب:

اس لیے اس بڑے عمل کا ثواب بھی بہت بڑا ہے۔ سورہ آل عمران کے آخری رکوع میں فرمایا:

﴿فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِمَّنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حَسَنُ الثَّوَابِ﴾ (سوجن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور انہیں میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں اور انہوں نے قتال کیا اور مقتول ہوئے میں ضروران کی خطاؤں کا کفارہ کر دوں گا اور ضروران کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ انہیں بدلہ ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس اچھا بدلہ ہے)

اور سورہ بقرہ میں فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَةَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔)

سورہ توبہ میں فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْبَرُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ (جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا وہ اللہ تعالیٰ نے نزدیک بڑے درجہ والے ہیں اور یہی لوگ کامیاب و بامراد ہیں۔)

اور سورہ نحل میں فرمایا ﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَآ جَزَاءُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ (جن لوگوں نے اللہ کے لیے ہجرت کی اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے۔ اور آخرت کا ثواب بڑا ہے کاش یہ لوگ سمجھ لیتے۔)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہجرت اور جہاد دونوں کی شریعت اسلامیہ میں بڑی اہمیت ہے ان دونوں کی برکات بھی بہت ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کے لیے ہجرت کرے گا اس کو ضرور ہی کسی نہ کسی جگہ ٹھکانہ مل جائے گا اور اس کو مالی کشائش بھی نصیب ہوگی۔ پردیس میں نیا نیا پہنچنے کی وجہ سے ابتداء کوئی تکلیف پہنچ جائے تو یہ اور بات ہے لیکن جلد ہی رحمت اور برکت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ظاہری و باطنی منافع ملنے لگتے ہیں اور معاش میں بھی فرمادانی ہو جاتی ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی چند سال بعد مکہ معظمہ بھی فتح ہو گیا، خیبر فتح ہوا، بہت سے علاقے قبضے میں آئے بڑی بڑی جائیدادیں ملیں، اموال غنیمت ہاتھ آئے۔ پھر آنحضرت ﷺ کے بعد مصر شام، عراق فتح ہوئے جو حضرات مکہ میں مجبور اور بے بس تھے ان کو بڑے بڑے اموال ملے۔

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ہجرت اور جہاد سے کایا پلٹ جاتی ہے اور مسلمان نہ صرف یہ کہ ثواب آخرت کے اعتبار سے (جس کے برابر کوئی چیز نہیں ہو سکتی) بلکہ دنیاوی اعتبار سے بھی ہجرت اور جہاد کی وجہ سے عزت اور شرف اور کافروں پر غلبہ اور مالداری اور غلام اور باندیوں کی ملکیت کے اعتبار سے کامیاب اور فائز المرام ہو جاتے ہیں۔

اصل ہجرت یہ ہے کہ گناہ چھوڑ دیئے جائیں:

ہجرت کس لیے کی جائے، اس لیے کہ اللہ کے دین پر چل سکیں احکام اسلام بجالانے میں جو دشمن رکاوٹ ڈالتے ہیں وہ رکاوٹ دور ہو جائے اور اہل ایمان میں پہنچ کر سکون و اطمینان کے ساتھ دینی کاموں میں لگ سکیں صرف وطن چھوڑ دینا ہی ہجرت نہیں ہے۔ ہجرت کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ گناہوں کو چھوڑ دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت کو شعار بنایا جائے۔ صحیح بخاری صفحہ ۶: ج ۱ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا المهاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ (حقیقی مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے) ایک اور حدیث میں ہے المهاجر من ہجر الخطایا والذنوب (واقعی مہاجر وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں کو چھوڑ دے) مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۵ ہے، حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ ای الهجرة افضل (کون سی ہجرت افضل ہے) آپ نے فرمایا ان تہجر ما کره ربک کہ تو ان کاموں کو چھوڑ دے جو تیرے رب کو ناگوار ہوں (رواہ الترمذی وابن ماجہ)۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ صرف وطن چھوڑ دینے ہی کا نام ہجرت نہیں ہے۔ ہجرت کے لوازم کو بھی اختیار کرنا لازم ہے۔

آج کل لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وطن تو چھوڑ دیتے ہیں لیکن جہاں آ کر آباد ہوتے ہیں وہاں نہ صرف یہ کہ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں بلکہ سابق وطن میں جو دینی زندگی تھی اس کو چھوڑ کر زیادہ سے زیادہ گناہوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ نمازیں بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ شرعی پردہ بھی انہیں ناگوار ہونے لگتا ہے اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کے حقوق ادا نہیں کرتے زکوٰتیں حساب سے نہیں دیتے۔ بائن یا مغلظہ طلاق دے کر بھی جاہلی قانون کا سہارا لے کر عورت کو گھر میں رکھے رہتے ہیں اور عناد و فساد اور جنگ و جدال کو اپنا وطیرہ بنا لیتے ہیں۔ کوئی دین کی طرف متوجہ کرے تو اس کے گلے پڑتے ہیں۔ کفریہ کلمات تک بک جاتے ہیں ان سب باتوں کے باوجود اپنے کو مہاجر ہی کہتے ہیں۔ جو شخص ہجرت کر کے آئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس مہاجر کی مدد کریں۔

انصار مدینہ کا بے مثال عمل:

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو مدینہ منورہ کے مسلمانوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہر طرح سے ان کی مدد کی۔ اسی لیے ان کو انصار (مدد کرنے والے) کا لقب دیا گیا۔ سورہ حشر میں فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شَحْنًا نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

”اور وہ لوگ جنہوں نے دارالاسلام کو پہلے سے اپنا ٹھکانا بنایا اور ایمان کو مضبوطی سے پکڑا ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جنہوں نے ان کی طرف ہجرت کی اور جو کچھ ان کو دیا گیا اس سے اپنے سینوں میں کوئی شک محسوس نہیں کرتے اور اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود ان کو حاجت ہو اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچا دیا گیا سو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں“

انصار مدینہ نے مہاجرین کے ساتھ جو کچھ لینے دینے کا اور نصرت و خدمت کا برتاؤ کیا اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ آج کل تو مہاجرین ہیں انصار کا وجود نہیں ہے اس کی ایک وجہ تو وہی ہے کہ دینی تقاضوں کے مطابق زندگی گزارنے کا مزاج نہیں رہا مہاجرین کی خدمت کو اپنا کام سمجھنے کی بجائے دارالہجرت کے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ قوم ہمارے لیے بوجھ بن گئی اور ہمارے علاقے میں آ کر ہمارے حقوق چھیننے لگی حضرات انصار کو یہ بھی گوارا نہیں کہ مہاجرین اپنے دست و بازو سے اور تجارت و زراعت سے مال حاصل کر کے کمائیں، دونوں فریق کو

عصیت کھائے جاتی ہے، ہر شخص اپنی نیت کا جائزہ لے کہ اس نے کیوں ہجرت کی۔ ہجرت اللہ کے لیے ہوتی ہے تو اس کے برکات ہی اور ہوتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ مہاجرین صاحبان دین پر قائم نہیں رہے اعمال صالحہ سے بچتے ہیں بڑھ چڑھ کر گناہوں میں حصہ لیتے ہیں اور دشمنان دین کی شہ پر مقامی لوگوں کو دشمن بنا لیتے ہیں اور قتل و قتال میں حصہ لیتے ہیں، دینی تقاضے تو چھوڑ دیئے۔ خالص دنیا داری اور گنہگاری میں لگ گئے اس کے باوجود یہ امید کرتے ہیں کہ انصار ہماری مدد کریں مدد تو دین داری کی وجہ سے ہوتی ہے دین داری کو پس پشت ڈال دیا، دنیا ہی دنیا رہ گئی اس کے لیے مرتے ہیں اس کے لیے جیتے ہیں، اہل دنیا سے تو اسی طرح صلح ہو سکتی ہے کہ ان کی ذاتی اشیاء سے گریز کیا جائے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ازهد فی الدنيا یحبک اللہ وازهد فیما عند الناس یحبک الناس (رواہ الترمذی وابن ماجہ) (کہ تو دنیا سے بے رغبت ہو جا اللہ تجھ سے محبت کرے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے رغبت ہو جا لوگ تجھ سے محبت کریں گے) اگر اس پر عمل نہ کیا تو وہی ہوگا جو ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فان تجتنبہا کنت سلماً لا ہلہا و ان تجتنبہا نازعتک کلابہا

ترجمہ:- ”سو اگر تو دنیا سے پرہیز کرے گا تو دنیا والوں سے تیری صلح رہے گی اور اگر تو اس کو اپنی طرف کھینچے گا تو دنیا کے کتے تجھ سے جھگڑا کریں گے۔“

بہت سے ملکوں سے مسلمان نکالے گئے جن کو نکالا گیا ہے یہ خود دینی زندگی پر نہیں آتے۔ لامحالہ مقامی لوگ بھی ان سے محبت نہیں کرتے۔ جیسے ہر عمل میں اخلاص یعنی اللہ کی رضا کی نیت شرط ہے اسی طرح ہجرت میں بھی اخلاص ضروری ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔ سو جس شخص کی ہجرت اس کی نیت میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی تو ثواب کے اعتبار سے بھی اس کی نیت اللہ اور اس کے رسول کی طرف مانی جائے گی اور جس کی ہجرت کسی دنیا کے حاصل ہونے کے لیے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے کی ہو تو جزا کے اعتبار سے بھی اس کی نیت اسی کے لیے مانی جائے گی جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔ یہ حدیث بہت مشہور ہے اور حدیث کی تقریباً سبھی کتابوں میں ہے۔ ایک آدمی نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا اس عورت کو ام قیس کہتے تھے جب نکاح کا پیغام آیا تو اس نے اس مرد سے نکاح کرنے کے لیے ہجرت کرنے کی شرط لگائی، وہ ہجرت کر کے آ گیا، حضرات صحابہ اسے مہاجر ام قیس کہا کرتے تھے۔ (کما ذکرہ محشی البخاری ص ۲: ج ۲ عن الطبرانی فی الکبیر باسناد ورجالہ ثقات)

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ

يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا أَلْكُمُ عَدُوًّا مُّبِينًا ۝۱۱

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ نماز میں قصر کر لو اگر تم کو اس بات کا خوف ہے کہ کافر لوگ تمہیں فتنہ میں ڈال دیں گے بے شک کافر تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں

سفر میں نماز قصر پڑھنے کا بیان

جہاد اور ہجرت میں چونکہ سفر درپیش ہوتا ہے اس لیے ہجرت کے ساتھ سفر میں نماز قصر کرنے کا حکم بھی بیان فرما دیا۔ بموجب احکام کتاب و سنت مسلمان ہمیشہ نماز پڑھتے آئے ہیں۔ قصر صرف چار رکعت والی نماز میں ہے یعنی ظہر، عصر اور عشاء کی چار رکعتوں کے بجائے دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ نماز مغرب اور نماز فجر میں قصر نہیں ہے ان کو سفر میں بھی پورا ہی پڑھنا فرض ہے۔ اگر مسافر کسی مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے تو

اسے بھی امام کی اقتداء میں چار رکعت والی نماز پوری پڑھنی فرض ہے۔ مقیم اگر مسافر کے پیچھے اقتداء کر لے تو جب امام دو رکعت پر سلام پھیرے تو مقیم مقتدی کھڑے ہو کر اپنی چار رکعت پوری کرنے کے لیے باقی رکعات پڑھے۔

ہر سفر میں قصر پڑھنا درست نہیں ہے اگر تین منزل کا سفر ہو تو قصر کرنا درست ہے ایک منزل سولہ میل کی لینے سے مسافت قصر ۴۸ میل ہے اور کلومیٹر کے حساب سے ۸۸ کلومیٹر ہے یہ مسافت قصر ہے، اتنی مسافت کے لیے جب اپنی بستی کی حدود سے نکل جائے تو نماز سفر شروع کر دے اگر چہ ذرا دور ہی پہنچا ہو اور جب تک کسی بستی یا شہر میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کرے۔ نماز قصر ہی پڑھتا رہے۔ اگر کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لی تو وہاں سے چلنے تک ہر نماز پوری پڑھے قصر نہ کرے۔

سفر میں سنتیں پڑھنے کا حکم:

سنتوں میں قصر نہیں ہے البتہ اگر جلدی ہو سواری چھوٹ جانے کا ڈر ہو تو سنتیں بالکل ہی چھوڑی جاسکتی ہیں، اطمینان ہو اور جلدی کا تقاضا نہ ہو تو سنتیں بھی پڑھ لے البتہ وتر ہرگز نہ چھوڑے اور فجر کی سنتیں بھی اہتمام سے پڑھ لے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں دو رکعت نماز ظہر پڑھی اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور عصر کی دو رکعتیں آپ کے ساتھ پڑھیں اور اس کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھی اور مغرب کی سفر اور حضر میں تین رکعت نماز پڑھی ان میں سفر اور حضر میں کوئی کمی نہیں کی جاتی تھی اور یہ دن کے وتر ہیں اور ان کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔ (رواہ الترمذی صفحہ ۱۰۵)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھارہ دن سفر میں رہا، میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے سورج ڈھلنے کے بعد دو رکعتیں چھوڑی ہوں۔ معلوم ہوا کہ سفر میں سنتیں پڑھنا بھی مشروع ہے۔ امام ترمذی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ثم اختلف اهل العلم بعد النبي صلی اللہ علیہ وسلم فرای بعض اصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم ان يتطوع الرجل في السفر وبه يقول احمد واسحق ولم ير طائفة من اهل العلم ان يصلي قبلها ولا بعدها و معنى من لم يتطوع في السفر قبول الرخصة و من تطوع فله في ذلك فضل كثير وهو قول اكثر اهل العلم يختارون التطوع في السفر۔

مسافر اگر پوری چار رکعت پڑھے؟

قرآن مجید کے انداز بیان سے معلوم ہوتا کہ اگر کافروں کے فتنے میں ڈالنے یعنی تکلیف پہنچانے کا اندیشہ ہو تو نماز قصر کرنے کی اجازت ہے اسی لیے حضرت یعلیٰ بن امیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو یوں ارشاد فرمایا ہے ﴿اَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمْ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ امن و امان ہو تو قصر نہ ہو) اب تو امن و امان ہو گیا (لہذا پوری پڑھنی چاہیے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے بھی اس بات سے تعجب ہوا تھا جس سے تمہیں تعجب ہو رہا ہے (کہ اب امن و امان ہے۔ لہذا پوری نماز پڑھا کریں) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے تم پر صدقہ ہے لہذا اللہ کا صدقہ قبول کرو۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۴۱: ج ۱)

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ کافروں کی طرف سے فتنے میں ڈالنے کی شرط جو الفاظ قرآن سے مفہوم ہو رہی ہے یہ شرط ابتداء تھی بعد میں یہ شرط نہیں رہی اور نماز قصر مستقل ایک حکم بن گئی اور مسافت قصر کے سفر پر ہی قصر کا مدار رہ گیا۔ کسی قسم کا کوئی خوف اور کافروں کی فتنہ گری نہ ہوتی بھی چار رکعت والی نماز قصر ہی پڑھی جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کا سفر فرمایا اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ تھا۔ آپ دو، دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۱۵۶: ج ۲)

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں اور یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ لوگ خوب زیادہ امن و امان میں تھے (رواہ مسلم صفحہ ۲۴۳: ج ۱) دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بصیغہ امر ارشاد فرمایا فاقبلوا صدقتہ کہ

اللہ کے صدقے کو قبول کرو، اسی لیے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قصر کرنا واجب ہے۔ مسافر پوری نماز پڑھ لے گا تو اچھا نہ کرے گا۔ اور چونکہ اس پر دو رکعتیں فرض ہیں اسی لیے دو رکعتوں پر ہی اس کا قعدہ اخیرہ ہے اگر دوسری رکعت پر بیٹھے بغیر کھڑا ہو گیا اور اس طرح چار رکعتیں پڑھ لیں تو دوبارہ نماز پڑھے کیونکہ ترک فرض ہو گیا اور ترک فرض ہو جائے تو سجدہ سہو سے بھی اس کی تلافی نہیں ہوتی۔ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں رہا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتوں سے زیادہ (چار رکعت والی فرض) نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا ہوں انہوں نے سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ (فرض) نماز نہیں پڑھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا ہوں، انہوں نے بھی سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ (فرض) نماز نہیں پڑھی۔ یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اٹھالیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا ہوں انہوں نے بھی سفر میں دو رکعت سے زیادہ (فرض) نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (البتہ تمہارے لیے اللہ کے رسول کی ذات شریفہ میں اسوہ حسنہ یعنی اچھی اقتدار ہے)۔ (صحیح مسلم صفحہ ۲۴۲: ج ۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے آخری زمانہ خلافت میں چار رکعتیں پڑھنے لگے تھے (صحیح مسلم صفحہ ۲۴۳: ج ۱) اس پر لوگوں کو اشکال ہوا تو جواب میں کہا گیا کہ انہوں نے تاویل کر لی ہے۔ یہ تاویل خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ مجمع الزوائد صفحہ ۱۵۶: ج ۲ میں مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ عبد الرحمن بن ابی ذباب نے بتایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھائی تو لوگوں نے اس کو اچھا نہیں جانا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کی طرف سے انکار دیکھا تو فرمایا کہ میں نے مکہ میں وطن بنا لیا ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو کسی شہر میں وطن بنا لے تو وہاں مقیم والی نماز پڑھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تاویل کرنا اور وطن بنانے کی نیت کر کے چار رکعت پڑھنا اور حاضرین کا پوری نماز پڑھنے پر تعجب کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مسافر کو قصر ہی پڑھنا لازم ہے اگر سفر میں چار رکعت والی نماز پوری پڑھنا جائز ہوتا یا افضل ہوتا تو حاضرین کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پوری نماز پڑھنے پر تعجب نہ ہوتا (جبکہ یہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین تھے) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی تاویل نہ کرنی پڑتی۔

وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقِمْ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةً مِنْهُمْ مَعَكَ وَلِيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلِيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَذَٰلَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَبِيلُونَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلَةً وَأَحْدَاثًا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرَضَى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝۱۳ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيًّا وَقُودًا أَوْ عَلَىٰ جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا ۝۱۴

اور جب آپ ان میں موجود ہوں پھر ان کے لیے نماز قائم کریں تو چاہیے کہ ان میں سے ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو جائے اور یہ لوگ اپنے ہتھیار لے لیں پھر جب سجدہ کر چکیں تو یہ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسری جماعت آجائے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی۔ سو وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار ساتھ لے لیں کافروں کی یہ خواہش ہے کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں سے اور

اسباب سے غافل ہو جاؤ تو تم پر یک بارگی حملہ کر بیٹھیں اور تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ اگر بارش سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار رکھ دو اور اپنے بچاؤ کا سامان لے لو بے شک اللہ نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار فرمایا ہے، سو جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو نماز قائم کرو، بے شک نماز مومنین پر فرض ہے جس کا وقت مقرر ہے

صلوٰۃ الخوف کا طریقہ اور اس کے بعض احکام

اس آیت شریفہ میں صلوٰۃ الخوف (خوف کی نماز) کا ذکر ہے لہذا باب النقول صفحہ ۸۱ میں حضرت ابو عیاش زرقی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مقام عسفان میں تھے سامنے سے مشرکین آگئے جو خالد بن ولید کی سرکردگی میں تھے (وہ اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) یہ لوگ ایسی جگہ تھے جو ہمارے اور ہمارے قبلہ کے درمیان تھی، آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ہم کو ظہر پڑھائی تو مشرکین کہتے لگے کہ ہم نے غلطی کی جب یہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے اس وقت ان پر حملہ کر دیتے ان کو تو ہمارے حملے کا خیال بھی نہ تھا۔ پھر کہنے لگے کہ ابھی ایک اور نماز آنے والی ہے (یعنی نماز عصر) وہ نماز ان کو اپنے بیٹوں سے اور جانوں سے بھی زیادہ محبوب ہے جب یہ لوگ آئندہ نماز میں مشغول ہو جائیں تو ان پر حملہ کر دیا جائے اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام ظہر اور عصر کے درمیان یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ ﴿وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ﴾ نماز خوف کئی طرح سے ثابت ہے امام ابو داؤد علیہ السلام نے یہ طریقے نقل کیے، آیت بالا میں صلوٰۃ خوف کا جو طریقہ ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ امام نمازیوں کی دو جماعتیں بنائے اور ان میں سے ایک جماعت دشمن کی طرف متوجہ رہے اور دشمن کی نگرانی کرے اور ایک جماعت امام کے پیچھے کھڑی ہو جائے جب امام کے ساتھ کھڑی ہونے والی جماعت پہلی رکعت کے دونوں سجدوں سے فارغ ہو جائے تو یہ لوگ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ اور دشمنوں کی طرف چلے جائیں اور وہ دوسری جماعت آجائے جنہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی ان کے آنے تک امام ان کی انتظار میں بیٹھا رہے، اب یہ گروہ ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ لے۔ امام سلام پھیر دے امام کی دو رکعتیں ہو گئیں اور دونوں جماعتوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔ اب یہ دوسری جماعت سلام پھیرے بغیر دشمن کی طرف چلی جائے اور پہلی جماعت آجائے جس کی ایک رکعت باقی ہے یہ اپنی باقی ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور دشمن کی طرف چلی جائے پھر دوسری جماعت آجائے ان کی بھی اب تک ایک رکعت باقی ہے وہ اپنی باقی ایک رکعت پڑھ لی۔

یہ ہر جماعت کو ایک ایک رکعت پڑھنا اس صورت میں ہے جبکہ امام اور مقتدی مسافر ہوں اگر امام مقیم ہو تو ہر جماعت کو دو دو رکعتیں پڑھائے باقی رکعتیں وہ لوگ پوری کر لیں اگر نماز مغرب میں ایسا واقعہ پیش آئے تو پہلی جماعت کو دو رکعتیں اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائے نماز میں آنا چاہتا ہو حال اضطرار کی وجہ سے ہے اور شرعی اجازت سے ہے اس لیے اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت سے نہ صرف نماز کی بلکہ نماز باجماعت کی اہمیت معلوم ہو رہی ہے جبکہ دشمن سر پر سوار ہے اس وقت بھی نماز چھوڑنے کا ذکر تو کیا ہو بلاجماعت نماز پڑھنے کا بھی موقعہ نہیں دیا گیا۔ ہاں اگر دشمن کا ہجوم اس انداز سے ہو جائے کہ ان کے حملے کی حفاظت کی کوئی صورت نہ بن رہے ہو تو پھر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ لیں اور اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو نماز بالکل بھی چھوڑی جاسکتی ہے۔ جس کا ذکر سورہ بقرہ کی آیت ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرَجَلًا أَوْ كَبْنَاكًا﴾ کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے جب دشمن کا ہجوم نہ رہے تو چھوٹی ہوئی سب نمازیں قضاء پڑھ لیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ احزاب کے موقعہ پر کیا تھا۔

مسئلہ: اگر دو امام بنا لیں اور یکے بعد دیگر ہر جماعت الگ الگ امام کے پیچھے نماز پڑھ لے تو یہ زیادہ افضل ہے۔ اگر سب ایک ہی کے پیچھے پڑھنے پر اصرار کریں تو اس کا وہ طریقہ ہے جو اوپر لکھا گیا۔

مسئلہ: اگر جنگ کرنے کی حالت میں نماز پڑھیں گے، تو عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس سلسلہ کے بعض مسائل سورہ بقرہ کے رکوع

میں گزر چکے ہیں آیت ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرَجَلًا أَوْ كَبْتَانًا﴾ کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

﴿وَلِيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ﴾ میں یہ بتایا کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوں تو ہتھیار ساتھ رکھ لیں اگر مقابلہ کی ضرورت پڑ جائے تو ہتھیار لینے پر دیر نہ لگے اگر چہ قتال کرنے سے نماز ٹوٹ جائے گی لیکن دشمن کا دفاع کرنے کی وجہ سے نماز توڑنے کا گناہ نہ ہوگا۔

پھر فرمایا ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ﴾ (اگر تم کو بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا بیمار ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنے ہتھیاروں کو رکھ دو اور اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ لے لو) مطلب یہ ہے کہ بارش یا بیماری کی مجبوری سے ہتھیار نہیں باندھ سکتے تو اتار کر رکھ سکتے ہیں لیکن دشمنوں سے حفاظت کا دھیان پھر بھی رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً ہتھیار باندھے نہیں تو قریب میں رکھے رہے یا دشمن کی نگرانی کے لیے کسی کو مقرر کر دیں پھر نماز پڑھیں، پھر فرمایا ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَمًا وَقَعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ﴾ کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی۔ نماز خود ذکر ہے اور ذکر ہی کے لیے مشروع ہوئی ہے جیسا کہ سورہ طہ میں فرمایا ﴿اقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ (کہ نماز کو میری یاد کے لیے قائم کرو) نماز اول سے آخر تک ذکر قلبی بھی ہے اور ذکر لسانی بھی اور ہر عبادت کی روح ذکر ہی ہے۔ ہر حال میں ذکر کرتے رہنا چاہیے کھڑے بیٹھے لیٹے پھرتے ہر حال میں ذکر کریں۔ جب اس دنیا میں کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو قیامت آجائے گی۔ (کما رواہ مسلم صفحہ ۸۴: ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو چند لوگ کسی جگہ بیٹھے انہوں نے اپنی مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو یہ مجلس ان کے لیے نقصان کا سبب ہوگی۔ پھر اگر اللہ چاہے تو ان کو عذاب دے اور اگر چاہے تو ان کی مغفرت فرما دے، اور اگر کوئی شخص کسی جگہ لیٹا اور اس نے لیٹنے میں اللہ کو یاد نہ کیا تو یہ لیٹنا اس کے لیے اللہ کی طرف سے نقصان کا سبب ہوگا اور جو شخص کسی جگہ چلا اور اس چلنے میں اس نے اللہ کو یاد نہ کیا تو اللہ کی طرف سے اس کا یہ چلنا نقصان کا باعث ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ بیٹھے جس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو قیامت کے دن ان کا یہ بیٹھنا حسرت اور افسوس کا باعث ہوگا۔ اگرچہ ثواب کے لیے جنت میں داخل ہو جائیں۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۴۱۰: ۴۰۹: ج ۲)

جہاد بہت بڑی عبادت ہے اس عبادت کو بھی ذکر سے معمور رکھنا چاہیے۔ ہر عبادت میں اللہ کے ذکر سے خوب زیادہ نورانیت آجاتی ہے یوں نہ سمجھیں کہ جہاد میں تو لگ ہی رہے ہیں ذکر سے غافل ہو گئے کوئی بات نہیں، ذکر ہر حال میں مومن کی جان کا ساتھی ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ نماز روزہ اور ذکر کا ثواب:

حضرت سہل بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ فی سبیل اللہ جو مال خرچ کیا جائے، نماز، روزہ اور ذکر کا ثواب اس پر سات سو گنا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۲۶۷: ج ۲)

پھر فرمایا ﴿فَإِذَا أَطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ (پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قائم کرو) مفسرین نے فرمایا ہے اس کا تعلق ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب سفر سے واپس ہو کر مقیم ہو جاؤ تو پوری نماز پڑھو نیز اس کا تعلق نماز خوف سے بھی ہو سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب حالت خوف ختم ہو جائے تو نماز کو ٹھیک طرح سے اس کے قواعد مقررہ کے مطابق پڑھو۔

آخر میں فرمایا ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا﴾ بے شک نماز مومنین پر فرض ہے جس کے اوقات مقرر ہیں۔ سفر میں حضر میں، امن میں خوف میں، مرض میں صحت میں، ہر حال میں قواعد شرعیہ کے مطابق نماز کو اس کے اوقات میں پڑھو۔ چونکہ نماز کے اوقات مقرر ہیں اس لیے کسی نماز کو وقت سے پہلے پڑھنا جائز نہیں اور ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت پڑھنے کے لیے مؤخر کرنا جائز نہیں۔ قصد اور ارادۃ نماز کو قضا کر دینا سخت گناہ ہے۔ اگر سوتا رہ جائے یا بھول جائے یا ایسی کوئی مجبوری ہو جائے جس میں دشمن کا ہر طرف سے ہجوم ہو اور نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو تو بعد میں قضاء پڑھ لے۔ سفر میں جمع صوری کی جاسکتی ہے جمع صوری کے طریقے پر نماز عصر اول وقت میں اسی طرح

نماز مغرب اخیر وقت میں اور نماز عشاء اول وقت میں پڑھ لے، دیکھنے میں تو جمع کر کے پڑھیں لیکن حقیقت میں اپنے اپنے وقت میں پڑھیں۔ آیت بالا میں چونکہ نماز کے بارے میں ﴿کِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ فرمایا ہے یعنی اس کے اوقات معین اور محدود فرمادیئے ہیں۔ اس لیے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سفر میں بھی جمع حقیقی نہیں ہے معنی یہ کہ دو نمازیں ایک ہی نماز کے وقت میں پڑھی جائیں یہ جائز نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص قصداً نماز ترک کر دے تو جلد اس کی قضا پڑھے اور بہت زیادہ توبہ واستغفار کرے۔

وَلَا تَهْنُؤْا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۗ اِنْ تَكُونُوا تَاكِمُونَ فَاِنَّهُمْ يٰاَكِمُونَ كَمَا تَاكِمُونَ ۗ وَتَرْجُونَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ

اور دشمنوں کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو، اگر تم کو تکلیف ہوتی ہے تو ان کو بھی تکلیف ہوتی ہے جیسا کہ تمہیں تکلیف ہوتی ہے اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ امیدیں نہیں رکھتے اور اللہ علیم ہے حکیم ہے

دشمنوں کا پیچھا کرنے میں سستی نہ دکھاؤ

جب دشمنوں کا پیچھا نہ کیا جائے تو وہ شیر ہو جاتے ہیں اور اہل ایمان کو ضعیف اور کمزور سمجھنے لگتے ہیں اور حملے کرنے کے ارادے کرتے رہتے ہیں اس آیت میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ دشمنوں کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو کمزور نہ ہو جاؤ۔ سستی کا مظاہرہ نہ کرو۔ پھر چونکہ دشمنوں کا پیچھا کرنے سے قتال کے مواقع بھی آجاتے ہیں اور اس میں قتل بھی ہوتے ہیں زخم بھی آتے ہیں اور بھی تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں اس لیے ان تکلیفوں کا احساس کم کرنے کے اور طبعی طور پر جو دکھ ہو اس کا ازالہ کرنے کے لیے۔

اگر تم دکھ پاتے ہو تو دشمن بھی تو تکلیف اٹھاتے ہیں:

ارشاد فرمایا کہ اگر تم دکھ پاتے ہو اور بے آرام ہوتے ہو تو یہ بات کوئی تمہارے ہی ساتھ خاص نہیں تمہارے دشمن بھی تو دکھ میں مبتلا ہوتے ہیں تکلیفیں سہتے ہیں مقتول اور مجروح ہوتے ہیں، تم دیکھ لو انہیں کیا ملتا ہے اور تمہیں کیا ملتا ہے؟ تم تو اللہ سے آخرت کے ثواب کی امید رکھتے ہو بڑے بڑے درجات کی امید میں تکلیف اٹھاتے ہو جنت کے آرزو مند ہواتی بڑی نعمتوں کے سامنے یہ ذرا سی تکلیف کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی اور کافر جو دکھ اٹھاتے ہیں اور تکلیف سہتے ہیں ان بہت سے تو موت کے بعد جزا سزا کے قائل ہی نہیں اور جو لوگ موت کے بعد حشر و نشر کے قائل ہیں وہ بھی قتل و قتال کی تکلیفوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے موت کے بعد کسی خیر کے آرزو مند نہیں ہیں وہ تو باطل دینوں کے لیے لڑتے ہیں اور آخرت میں ثواب لینے کا کہیں سے کہیں تک بھی انہیں تصور نہیں۔ جب وہ جنگ کرتے ہیں اور جان و مال خرچ کرتے ہیں (حالانکہ وہ باطل پر ہیں اور موت کے بعد انہیں امید بھی خیر کی نہیں) تو تمہیں تو ان سے زیادہ بڑھ چڑھ کر خوب جم کر قتل و قتال کرنا چاہیے۔ جنگ میں تو تکلیف ہی ہے لیکن تم جنگ کی آرزو لیے ہوئے ہو اور کافر کے سامنے اس کے دین باطل کے سوا کچھ بھی نہیں لہذا تمہارے لیے کمزوری کا کوئی پہلو نہیں ہمیشہ ہمت سے رہو اور شجاعت دلیری اور بہادری سے کام لو۔ جئے تو غازی مرے تو شہید تمہیں تو کوئی نقصان ہی نہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو سب کچھ علم ہے تمہاری سبھی مصلحتوں کو جانتا ہے تمہارے اعمال سے بھی باخبر ہے۔ حکمت والا بھی ہے اس کے اوامر اور نواہی حکمت کے مطابق ہیں۔ ان کے مطابق عمل کرو گے تو کامیابی ہی کامیابی ہے۔ قال

صاحب الروح صفحہ ۱۳۸: ج ۵ فجدو افی الامتثال فان فیہ عواقب حمیدة و فوزاً بالمطلوب

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۗ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِبِينَ
 خَصِيمًا ۝۱۵ ۗ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۶ ۗ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ
 يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَانًا أَثِيمًا ۝۱۷ ۗ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا
 يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ
 مُحِيطًا ۝۱۸ ۗ هَلْ أَتَيْتُمْ هَؤُلَاءِ جِدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ فَمَنْ يُجَادِلِ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ
 الْقِيَامَةِ أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكَيْلًا ۝۱۹ ۗ وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ
 يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۲۰ ۗ وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ
 عَلِيمًا حَكِيمًا ۝۲۱ ۗ وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا
 مُّبِينًا ۝۲۲ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ ۗ وَمَا يُضِلُّونَ
 إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصُدُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ ۗ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ
 تَكُنْ تَعْلَمُ ۗ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝۲۳ ۗ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ رَجَائِهِمْ إِلَّا مَنْ أَمرَ بِصَدَقَةٍ
 أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ
 أَجْرًا عَظِيمًا ۝۲۴ ۗ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ
 الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِمْ جَهَنَّمَ ۗ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝۲۵ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَ
 يَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝۲۶

بلاشبہ ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ دیں جو اللہ نے آپ کو سمجھایا۔ اور نہ ہو جائیے
 خیانت کرنے والوں کے طرف دار، اور اللہ سے استغفار کیجیے بے شک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے اور آپ ان لوگوں کی طرف سے
 جواب دہی نہ کیجیے جو اپنی جانوں کی خیانت کر رہے ہیں بے شک اللہ پسند نہیں فرماتا اس شخص کو جو خیانت کرنے والا گنہگار ہو۔ جو شرماتے
 ہیں لوگوں سے اور اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے جبکہ وہ راتوں کو اس بات کا مشورہ کرتے ہیں جس سے اللہ راضی نہیں
 ہے، اور اللہ ان کے سب کاموں کو جاننے والا ہے، خبردار تم وہ لوگ ہو جو جھگڑتے ہو ان کی طرف سے دنیا والی زندگی میں سوکون جھگڑے گا
 اللہ کے ساتھ ان کی طرف سے قیامت کے دن یا کون ہوگا ان کا کارساز، اور جو شخص کوئی گناہ کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے
 مغفرت چاہے وہ اللہ کو پائے گا بخشنے والا مہربان اور جو شخص کوئی گناہ کرے تو یہ گناہ کرنا اسی پر پڑے گا، اور اللہ علیم ہے حکیم ہے، اور جو کوئی
 شخص چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ کرے پھر کسی بری آدمی کو اس کی تہمت لگا دی تو اس نے بڑا بہتان اور صریح گناہ اپنے اوپر لاد لیا، اور اگر

آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے یہ ارادہ کر ہی لیا تھا کہ آپ کہ بہکادیں اور وہ نہیں بہکاتے مگر اپنی جانوں کو اور آپ کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچائیں گے اور اللہ نے نازل فرمائی ہے آپ پر کتاب اور حکمت اور آپ کو وہ باتیں بتائیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا فضل بہت بڑا ہے، نہیں ہے کوئی بھلائی ان کے بہت سے مشوروں میں مگر جو شخص صدقے کا یا اچھی باتوں کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا حکم دے اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لیے کرے گا، سو ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت ظاہر ہو چکی اور مسلمانوں کے راستے کے خلاف کسی دوسرے راستے کا اتباع کرے تو ہم اس کو وہ کرنے دیں گے جو وہ کرتا ہے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے، بے شک اللہ اس بات کو نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جتنے گناہ ہیں جس کے لیے اسے منظور ہوگا بخش دے گا، اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے تو وہ دور کی بڑی گمراہی میں جا پڑا۔

ایک منافق کا چوری کرنا اور اس کی طرف سے دفاع کرنے پر چند تنبیہات

آیت بالا کا سبب نزول ایک واقعہ ہے جسے امام ترمذی نے اپنی کتاب میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے میں تین آدمی تھے، بشر، بشیر، اور مبشر، ان کو بنی امیہ کہتا تھا، ان میں بشیر منافق آدمی تھا وہ ایسے شعر کہتا تھا جن میں انبیاء کرام صلی اللہ علیہم وسلم کے صحابہ کی ہجو ہوتی تھی پھر ان اشعار کو بعض اہل عرل کی طرف منسوب کر دیتا تھا اور کہتا رہتا تھا کہ فلاں نے یوں کہا فلاں نے یوں کہا آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہم وسلم کے صحابہ (جب ان اشعار کو سنتے تھے تو سمجھ لیتے تھے کہ یہ اسی کی حرکت ہے اور) کہتے تھے کہ اللہ کی قسم یہ شعر تو اسی خبیث نے کہے ہیں اور کہتے تھے کہ یہ ابن ابی بکر کے اشعار ہیں، یہ تینوں آدمی حاجت مند تھے اور ان کو فاقے رہتے تھے جاہلیت میں بھی ان کا یہ حال تھا اور زمانہ اسلام میں بھی ان کی یہی حالت تھی۔ اہل مدینہ کا گزارہ اس وقت کھجوروں اور جو پر تھا۔ جب ملک شام سے مال برآمد کرنے والے تاجر آتے تو میدہ فروخت کرنے کے لیے آتے تھے یہ میدہ ایسے لوگ خاص کر اپنے لیے خرید لیتے تھے جو پیسے والے ہوتے تھے جبکہ ان کے اہل و عیال کھجوروں اور جو پر ہی گزارہ کرتے تھے۔

حضرت قتادہ بن نعمان نے مزید بیان فرمایا کہ شام سے کچھ تاجر آئے ان سے میرے چچا رفاعہ بن زید نے میدہ خرید لیا اور اسے اوپر کی منزل کے ایک کمرہ میں رکھ دیا اس کمرہ میں ہتھیار بھی تھے زرہ تھی اور تلوار بھی نیچے سے کسی نے اس کمرے میں نقب ڈال کر کھانے کی چیز (یعنی میدہ) اور ہتھیار چرائیے۔ جب صبح ہوئی تو میرے چچا رفاعہ میرے پاس آئے اور فرمایا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے اس رات میں ہمارے اوپر زیادتی کی گئی ہے کمرہ میں نقب لگایا گیا ہے اور ہمارا کھانے کا سامان اور ہتھیار کوئی شخص لے گیا۔ اس پر ہم نے تجسس کیا اور پتہ چلانے کی کوشش کی (محلے میں) پوچھ گچھ کی تو ہمیں لوگوں نے بتایا کہ بنی امیہ نے اس رات میں آگ جلائی ہے (یعنی کھانے پکائے ہیں) اور ہمارا اندازہ یہی ہے کہ انہوں نے آپ ہی لوگوں کا مال چرا کر کھانے پکانے میں رات گزاری ہے جب ہم پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ اس وقت بنو امیہ بھی موجود تھے وہ یہ کہتے جا رہے تھے کہ اللہ کی قسم آپ لوگوں کا یہ مال لبید بن سہل نے چرایا ہے۔ لبید بن سہل نیک آدمی تھے سچے مسلمان تھے جب انہوں نے یہ بات سنی تو اپنی تلوار نکالی اور کہنے لگے کیا میں چراؤں گا؟ اللہ کی قسم یا تو یہ چوری پوری طرح ظاہر ہو جائے گی ورنہ میں اسی تلوار سے تمہاری خبر لے لوں گا، میرے خاندان والوں نے کہا کہ آپ فکر میں نہ پڑیں، ہمیں یقین ہے کہ آپ یہ کام کرنے والے نہیں ہیں ہم برابر پوچھ گچھ کرتے رہے، یہاں تک کہ اس بات میں کوئی شک نہ رہا کہ اس کام کے کرنے والے بنو امیہ ہی ہیں میرے چچا نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا واقعہ بیان کر دو۔ چنانچہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا میں نے عرض کیا کہ ہمارے قبیلے میں ایک خاندان ہے جن سے دوسروں کے تعلقات اچھے نہیں ہیں انہوں نے میرے چچا رفاعہ کے گھر میں نقب لگا کر ہتھیار اور کھانے کا سامان چرا

لیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ہتھیار واپس کر دیں اب رہا کھانے کا سامان ہمیں اس کی حاجت نہیں یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اس بارے میں مشورہ کروں گا جب بنو امیہ کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے اسیر بن عروہ نامی ایک شخص سے بات کی اور کچھ لوگ جمع ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ قتادہ بن نعمان اور اس کے چچا نے ہمارے قبیلے کے ایک خاندان پر جو مسلمان ہیں اور نیک لوگ ہیں بغیر کسی گواہ اور ثبوت کے چوری کی تہمت لگائی ہے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سے بات کی تو آپ نے فرمایا کہ ایک خاندان جس کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور نیک لوگ ہیں تم بغیر کسی دلیل اور گواہوں کے ان کو چوری کی تہمت لگا رہے ہو۔ میں واپس ہوا اور مجھے یہ تمنا ہوئی کہ میرا کچھ مال جاتا رہتا اور اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے میں بات نہ کرتا تو اچھا ہوتا میرے چچا رفاعہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم نے کیا کیا؟ میں نے ان کو وہ بات بتا دی جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی اس پر چچا نے کہا اللہ المستعان کہ اللہ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں اس کے بعد تھوڑا سا ہی وقت گزارا تھا کہ قرآن مجید میں آیت بالا نازل ہوئی۔ ان آیات میں خَائِنِينَ سے بنو امیہ مراد ہیں۔ ارشاد ہوا ﴿وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا﴾ (یعنی آپ خیانت کرنے والوں کی طرفدار نہ بنیے) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَاسْتَغْفِرِ اللَّهُ﴾ (کہ قتادہ سے جو آپ نے بات کہی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیجیے)۔

جب قرآن مجید کی آیات بالا نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہتھیار حاضر کر دیئے گئے، آپ نے ہتھیار رفاعہ کو واپس فرما دیئے اس کے بعد بشیر مشرکین کے ساتھ جا کر مل گیا اور سلافہ بن سعد کے پاس جا کر ٹھہر گیا۔ اس پر یہ آیت شریفہ ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ﴾ (الی قولہ) فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿ نازل ہوئی۔ جب بشیر سلافہ کے پاس جا کر مقیم ہو گیا تو حسان بن ثابت نے کچھ شعر کہے۔ جن میں سلافہ کو مہتمم کیا سلافہ نے بشیر کی اونٹنی کا کجاوہ اٹھا کر اپنے گھر سے باہر سنگ ریزوں والی زمین پر جا کر پھینک دیا اور کہنے لگا تو میرے بارے میں حسان کے اشعار کا ذریعہ بن گیا مجھے تجھ سے کسی خیر کی امید نہیں۔

منکرین حدیث کی تردید:

اللہ تعالیٰ شانہ نے اولاً تو اپنے نبی مکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اپنی اس سبھ کے ذریعہ فیصلے فرمائیں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے اور قرآن کے معانی اور مفاہیم بھی آپ کو بتائے ہیں۔ دور حاضر میں ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا جو یہ کہتا ہے کہ العیاذ باللہ نبی کی حیثیت ایک ڈاکیہ کی ہے۔ اس نے قرآن لا کر دے دیا آگے ہم اپنی سبھ سے سبھ لیں گے۔ یہ ان لوگوں کی جہالت ہے آیت بالا سے ان لوگوں کی کھلی تردید ہو رہی ہے، سورہ نحل میں فرمایا ﴿وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے بیان کریں جو ان کی طرف اتارا گیا اور تاکہ وہ فکر کریں) معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا کام صرف کتاب کا پہنچانا ہی نہ تھا بلکہ کتاب کا سمجھانا اور اس کے معانی اور مفاہیم کا بیان کرنا بھی منصب نبوت میں شامل تھا۔

خیانت کرنے والوں کی طرفداری کی ممانعت:

اس کے بعد ارشاد فرمایا ﴿وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا﴾ کہ آپ خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنیں۔ اور اللہ سے استغفار کریں۔ چونکہ آپ نے حضرت قتادہ جیسے مخلص صحابی کی بات پر زیادہ توجہ دینے کی بجائے یہ فرما دیا کہ میں مشورہ کروں گا جس سے اصلی چوروں کو اپنی بات کو آگے چلانے کا اور اپنے آپ کو بری کرانے کا کچھ موقع مل گیا اور اس طرح سے غیر شعوری طور پر ان کی کچھ حمایت سی ہو گئی جس کا ارادہ نہ تھا اور جو صورت حال سامنے آئی تھی اس میں جہاں یہ پہلو تھا کہ بغیر گواہ اور دلیل کے کسی پر یقین نہ کیا جائے وہاں یہ پہلو بھی سامنے ہونا مناسب تھا کہ جو خاندان مسلمانوں سے مل جل کر نہیں رہتا تھا اور ان میں ایک فرد بدترین منافق بھی تھا اس وجہ سے تحقیق حال میں جلدی کی

جاتی اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما کو تسلی بخش جواب دیا جاتا اس لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ جو لوگ اپنے نفسوں کی خیانت کرتے ہیں آپ ان کی طرف سے جواب دہی نہ کیجیے ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ دوسروں کا مال چرا کر تو خیانت کی ہی ہے اپنے نفسوں کی بھی خیانت کر رہے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے مال چرا کر اپنے کھانے پینے کا کام چلا کر بڑی ہوشیاری کا کام کیا اور اپنے خیال میں اس سے زیادہ ہوشیاری یہ کی کہ اپنا کیا ہوا عمل دوسرے کے سر ڈال دیا اس میں خود اپنے نفسوں کی خیانت ہے کیونکہ اس کا وبال آخرت میں خود ان پر پڑے گا، اور جب دنیا میں حقیقت ظاہر ہوگئی تو یہاں بھی ذلیل ہوئے۔ ان خیانت کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگوں سے چھپتے ہیں تاکہ ان کے سامنے شرمندہ نہ ہوں اور اللہ سے تو چھپ ہی نہیں سکتے۔ لوگوں سے شرماتے ہیں اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے جبکہ وہ راتوں کو بیٹھ کر ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے وہ راضی نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ تم دنیا والی زندگی میں ان کی طرف سے جواب دہی کرتے ہو یہاں کی جواب دہی کرنے سے اگر کوئی شخص اپنے کالے کرتوت سے بری ہو بھی جائے تو قیامت میں جب مواخذہ ہوگا اس وقت کون اللہ کے سامنے پیشی کے وقت ان کی طرف سے جواب دہی کرے گا، اور وہاں ان کا کون وکیل ہوگا۔ وہاں نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ وکیل ہوگا، اپنا کیا ہر ایک کو خود بھگتنا ہوگا اس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو مال چرا کر یا خیانت کر کے یا ڈاکو ڈال کر یا فالتوں میں رد و بدل کر کے یا کسی صاحب اقتدار سے مل جل کر اپنا کیس دبا دیتے ہیں اور دوسروں کا مال کھا جاتے ہیں یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ دنیا میں ہم نے کاغذات ٹھیک کر کے یا کسی صاحب اقتدار کی پناہ لے کر اپنی جان کو دنیا میں بچا لیا تو آخرت میں بچ گئے۔ آخرت کا حساب ہر گھڑی سامنے رکھنا لازم ہے وہاں کوئی مددگار اور وکیل نہ ہوگا۔

پھر فرمایا ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (جو شخص کوئی گناہ کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت چاہے تو اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم پائے گا) جو بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے توبہ استغفار کرے اور اسی توبہ میں یہ بھی شامل ہے کہ جس کا کوئی مال لیا ہے وہ واپس کرے وہ چرانے والا شخص جو چوری ظاہر ہونے کے بعد مدنیہ منورہ سے فرار ہو گیا اور دین اسلام کو بھی چھوڑ دیا اسے اور اس طرح کے تمام لوگوں کو تنبیہ ہے کہ گناہ ہو جانے پر اللہ سے دور نہ ہوتے چلے جائیں بلکہ قریب آئیں اور توبہ استغفار میں مشغول ہوں۔

پھر فرمایا ﴿وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ اور جو شخص کوئی گناہ کر لے تو اپنی ذات ہی کے لیے گناہ کرتا ہے اپنے کیے کی سزا بھگتے گا اور اللہ علم والا ہے جسے سب کچھ پتہ ہے اور حکمت والا ہے، حکمت کے مطابق سزا دے گا۔

اپنا جرم کسی دوسرے پر ڈالنے کی مذمت اور اس پر وعید:

پھر فرمایا ﴿وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾ (کہ جس شخص نے کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ کیا پھر اس کو کسی دوسرے پر پھینک مارا جو اس سے بری ہے تو اس نے بہت بڑا بہتان اور صریح گناہ اپنے اوپر لاد دیا)۔ چونکہ اس میں دو ہر گناہ ہے ایک تو وہ گناہ جس کا ارتکاب کیا اور اوپر سے دوسرا گناہ کہ کسی ایسے شخص پر ڈال دیا جو اس سے بری ہے، اس کو صریح گناہ بتایا جو ظاہر ہے اور بڑا بہتان اس لیے فرمایا کہ اس نے جانتے بوجھتے ہوئے خود گھڑا ہے کسی غلط فہمی کی بنیاد پر یا کسی دوسرے سے سن کر نہیں کیا۔ لہذا یہ بہتان عظیم ہے اس کی سزا ظاہر ہے خوب زیادہ ہوگی جو لوگ ایسی حرکتیں کرتے رہتے ہیں وہ غور و فکر کریں۔

پھر فرمایا ﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ﴾ اس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت آپ کے ساتھ نہ ہوتی جس نے بذریعہ وحی آپ کو حقیقت حال سے باخبر فرما دیا تو کچھ لوگ یہ ارادہ کر ہی چکے تھے کہ آپ کو غلطی میں مبتلا کر دیں۔ ان لوگوں نے جو کچھ کیا اس کے ذریعہ خود ہی راہ حق سے ہٹے، یہ لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور آپ کو وہ چیزیں بتائیں جنہیں آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

فائدہ: یہ جو فرمایا ﴿لَتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ بعض مرتبہ اپنے اجتہاد سے فیصلے فرماتے تھے یہ فیصلے اسی فہم پر مبنی تھے جو آپ اصولی طور پر قرآن مجید سے سمجھتے تھے۔ ان میں غلطی کا امکان نہ تھا اور اگر کبھی کوئی لغزش ہو گئی جو آپ کے بلند مرتبہ کے شایان شان نہ تھی تو اللہ تعالیٰ اس پر متنبہ فرمادیتے تھے۔

آپ کے علاوہ دیگر قضاة اور ائمہ جو اپنے اجتہاد سے فیصلہ کریں یا امور غیر منصوصہ میں کوئی اجتہاد کریں تو ان کو بھی لازم ہے کہ قرآن و حدیث کے اصول و فروع کو سامنے رکھ کر اجتہاد کریں خالص اپنی ذاتی رائے اور ذاتی خیال معتبر نہیں۔ پھر ان کے اجتہاد پر غلطیوں کا بھی امکان ہے۔ اسی لیے آپس میں مجتہدین کا اختلاف ہوا۔ باوجود غلطیاں ہو جانے کے ثواب پھر بھی ملتا ہے کیونکہ اجتہاد کا کام یہ حضرات دینی ضرورت سے اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔ امور منصوصہ میں اجتہاد جائز نہیں۔ خوب سمجھ لیں۔

کون سے مشوروں میں خیر ہے؟

پھر فرمایا ﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ﴾ یعنی جو لوگ آپس میں مشورے کرتے ہیں ان کے بہت سے مشوروں میں کوئی خیر نہیں کیونکہ یہ مشورے اللہ کی رضا کے خلاف بھی ہوتے ہیں اور ان مشوروں میں احکام اسلامیہ کے خلاف بھی باتیں سوچی جاتی ہیں۔ ہاں ان مشوروں میں اگر کوئی ایسی بات ہو کہ ایک دوسرے کو آپس میں صدقہ دینے کے لیے کہا جائے یا کسی نیک کام کے کرنے کا حکم ہو یا لوگوں کے درمیان صلح کر دینے کی بات ہو تو یہ مشورے خیر کے مشورے ہوں گے۔ اللہ کی رضا کے لیے جو شخص یہ کام کرے گا سے اللہ تعالیٰ بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ اس کا تعلق ﴿إِذْ يُبَيِّنُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ﴾ سے ہے جن لوگوں نے چوری کی تھی وہ رات کو ایسے مشورے کرتے رہے کہ ہم چوری کے الزام سے کیسے بچیں اور اس چوری کو کس کے سر دھریں، سبب نزول تو ان چوری کرنے والوں کا عمل ہے لیکن قرآن مجید میں ایک عام طریقے پر مشوروں کا حکم بیان فرمادیا کہ لوگوں کے مشوروں میں عام طور سے خیر نہیں ہوتی۔ جو لوگ اللہ کی رضا کے لیے کوئی مشورہ کرتے ہیں اور خیر کے کام کے لیے فکر کرتے ہیں اور اس فکر کے لیے سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں یہ لوگ بڑے اجر کے مستحق ہیں۔ سورہ مجادلہ میں فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ (کہ اے ایمان والو! جب تم آپس میں خفیہ طریقے پر مشورے کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کے مشورے نہ کرو اور بھلائی کے اور تقویٰ کے مشورے کرو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم سب جمع کیے جاؤ گے) مومن کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سب اللہ کی رضا کے لیے ہونی چاہیے، ہر عمل میں تقویٰ اور آخرت کی پیشی سامنے رہے۔

صلح کر دینے کی فضیلت:

آیت میں فرمایا کہ صدقہ کا حکم اور امر بالمعروف (بھلائی کا حکم دینا) اور لوگوں کے درمیان صلح کر دینا ان کاموں کا مشورہ ہونا چاہیے اصلاح بین الناس یعنی لوگوں کے درمیان صلح کر دینا ان کی رنجشیں دور کر دینا اور ان کے دلوں کو جوڑنے کی کوشش کرنا روٹھے ہوئے دوستوں کو منادینا میاں بیوی کے درمیان موافقت پیدا کر دینا بہت بڑی ثواب کی چیزیں ہیں۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم کو نفلی روزوں اور صدقہ دینے اور نفلی نماز پڑھنے کے درجے سے بھی افضل چیز نہ بتا دوں، ہم نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیے آپ نے فرمایا کہ یہ چیز آپس میں صلح کر دینا ہے (پھر فرمایا کہ) آپس کا بگاڑ موٹہ دینے والا ہے۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی و قال هذا حدیث صحیح)

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بغض موٹہ دینے والی صفت ہے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو موٹہ دیتی ہے بلکہ وہ دین کو موٹہ دیتی ہے۔ (رواہ الترمذی)

رسول اللہ ﷺ کے خلاف راہ اختیار کرنا داخلہ دوزخ کا سبب ہے:

پھر فرمایا ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ﴾ (الآیۃ) کہ جو شخص ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستہ کے علاوہ دوسرے راستہ کا اتباع کرے ہم اسے وہ کرنے دیں گے جو کرتا ہے (یعنی اپنے اختیار سے جس برائی میں لگا ہوا ہے دنیا میں ہم اسے کرنے دیں گے اس کا اختیار سلب نہیں کریں گے) اور اسے جہنم میں داخل کریں گے (یہ اس کو آخرت میں سزا ملے گی) اور دوزخ بری جگہ ہے اس آیت میں دو باتوں میں دوزخ کے داخلہ کے خبر دی گئی اول یہ کہ جو شخص ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے وہ دوزخ میں داخل ہوگا، وہ تمام لوگ جن کو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا علم ہوا اور پھر اسلام قبول نہ کیا اور ہر وہ شخص جس نے اسلام قبول کر لیا اور پھر اسلام قبول کر کے اسلام سے پھر گیا وہ سب لوگ اس آیت کی وعید میں شامل ہیں۔ چوری کرنے والا وہ شخص جس کا واقعہ ان آیات کا سبب نزول بنا، مرتد ہو کر چلا گیا تھا اس لیے اس بات کو یہاں ذکر کیا گیا لیکن مفہوم اس کا عام ہے ہمیشہ جب کبھی بھی کوئی شخص اسلام قبول کرے پھر مرتد ہو جائے اس آیت کا مضمون اس پر صادق آئے گا یعنی وہ دوزخ میں جائے گا۔

اجماع امت بھی حجت ہے:

دوسری بات یہ بتانی کہ جو شخص مومنین کے راستہ کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ اختیار کرے گا، وہ دوزخ میں داخل ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کہ دین اسلام میں قرآن و حدیث حجت ہیں اسی طرح اجماع امت بھی حجت ہے کیونکہ قرآن مجید کا مطلب اور عقائد و اعمال کی تفصیلات جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر ہر زمانے کے علماء صلحا اور مشائخ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں ان کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ہی ذریعہ نجات ہے۔ ان ہی کے ذریعہ قرآن مجید کی تفسیر ہم تک پہنچی جو رسول اللہ ﷺ نے بتائی آپ سے سمجھ کر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے تابعین کو بتائی پھر انہوں نے آگے اس کی روایت کی۔ عقائد بھی ان ہی حضرات کے ذریعہ ہم تک پہنچے اور فرائض و واجبات کا بھی انہی کے ذریعہ پتہ چلا اب جو کوئی شخص ان حضرات کو بیچ میں سے نکال کر خود اپنے پاس سے قرآن کی تفسیر کرے گا اور آیات کے معانی و مفہم اپنے پاس سے تجویز کرے گا، اور احکام اسلام کی اپنے طور پر تشریح کرے گا یا حجیت حدیث کا منکر ہوگا یا امت مسلمہ کے مسلمہ عقائد کا انکار کرے گا وہ کافر ہوگا دوزخی ہوگا جو لوگ قرآن میں تحریف کے قائل ہیں یا جو لوگ پانچ نمازوں کے منکر ہیں یا جو لوگ رسول اللہ ﷺ پر نبوت ختم ہونے کے منکر ہیں یا جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے یا ان کی طبعی موت واقع ہونے کے قائل ہیں یہ سب لوگ کافر ہیں اور دوزخی ہیں کیونکہ حضرات صحابہ کرام سے لے کر اب تک پوری امت کے جو عقائد ہیں یہ لوگ ان کے منکر ہیں اپنے تراشیدہ عقیدہ کے حامل ہیں۔ (اہل السنۃ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ طبعی موت واقع ہونے سے دنیا سے تشریف لے گئے وہ قیامت سے قبل دنیا میں تشریف لا کر امن و امان اور عدل و انصاف قائم کریں گے)۔

روح المعانی صفحہ ۱۴۶: ج ۵ میں ہے کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے کہا کہ اجماع کے حجت ہونے کی کیا دلیل ہے۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے تین دن تک روزانہ رات اور دن میں تین تین بار پورا قرآن مجید پڑھا ان کو یہ آیت مل گئی جس سے انہوں نے اجماع امت کے حجت ہونے پر استدلال کیا۔ آنحضرت ﷺ سرور عالم کا ارشاد ہے کہ بلاشبہ اللہ نے مجھ سے میری امت کے بارے میں تین وعدے فرمائے، اور ان کو تین چیزوں سے امان دی۔

(اول) یہ کہ کبھی پوری امت قحط کے ذریعہ ہلاک نہ ہوگی۔

(دوم) یہ کہ ان کا کوئی دشمن ان کو بالکل ہی ایک ایک فرد کر کے ختم نہ کر سکے گا۔

(سوم) یہ کہ اللہ ان کو گمراہی پر جمع نہ فرمائے گا۔ (رواہ الدارمی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۵۱۴)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تین چیزوں سے امان دی۔

(اول) یہ کہ تمہارا نبی تم پر بددعا نہ کرے گا، جس سے تم سب ہلاک ہو جاؤ۔
 (دوم) یہ کہ اہل باطل اہل حق پر غلبہ نہ پائیں گے (جس سے حق مٹ جائے اور نور حق ختم ہو جائے)
 (سوم) یہ کہ تم لوگ گمراہی پر جمع نہ ہو گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۱۳: ج ۲)

گمراہوں کی ایک جاہلانہ بات کی تردید:

گمراہی کی دعوت دینے والے بعض لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ اگر ہم گمراہ ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ہلاک کیوں نہیں فرمادیتا؟ آیت بالا میں اس کا بھی جواب دے دیا گیا ہے۔ اللہ جل شانہ نے ﴿نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى﴾ فرمایا ہے کہ جو شخص گمراہی کے راستے پر چلتا جائے ہم اسے اس راہ پر چلنے دیتے ہیں کیونکہ یہ دنیا ابتلاء اور امتحان کی جگہ ہے، دنیا میں ایمان بھی ہے اور کفر بھی ہے اگر کسی پر جبر کیا جائے تو اختیار باقی نہ رہنے کی وجہ سے دنیا دار الامتحان نہ رہے گی۔ جو شخص گمراہی کو اختیار کرتا ہے اور تنبیہ کرنے والوں کی تنبیہ پر بھی واپس نہیں آتا اللہ جل شانہ اس کے دل میں مزید بلیغ اور گمراہی ڈال دیتے ہیں جیسا کہ سورہ صف میں ارشاد فرمایا ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ (پھر جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اور زیادہ ٹیڑھا کر دیا)۔

دنیا میں جو شخص اپنے لیے ہدایت کو اختیار کرے گا، اس کی اسی پر مدد کی جائے گی اور اسی کے مطابق اس کے لیے اللہ کی طرف سے آسانی فراہم ہوتی رہے گی۔ اور جو شخص اپنے لیے گمراہی کو اختیار کرے گا، اس کے لیے گمراہی کے راستے کھلتے رہیں گے۔ اور آخرت میں ہر شخص اپنے عقائد و اعمال کے اعتبار سے جنت یا دوزخ میں جائے گا۔ آیت بالا میں واضح طور پر معلوم ہوا کہ مومنین کے راستے کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرنا دوزخ میں لے جانے والا ہے۔

مشرکین کی بخشش نہیں وہ دور کی گمراہی میں ہیں:

آخر میں فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ (الآیة) یہ آیت شریفہ چند رکوع پہلے سورہ نساء ہی میں گزر چکی ہے البتہ آخر کے الفاظ میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ آیت کی تفسیر اور تشریح ہم وہاں لکھ چکے ہیں۔ یہاں اس مناسبت سے سابقہ مضمون کا اعادہ فرمایا ہے کہ چوری کرنے والا منافق ظاہراً بھی کافر ہو گیا اور مشرکوں میں جا کر مل گیا تھا۔

فائدہ: صاحب روح المعانی صفحہ ۱۳۸: ج ۵ فرماتے ہیں کہ چند رکوع پہلے اس آیت کے ختم پر ﴿فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا﴾ فرمایا اور یہاں ﴿فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا بَعِيدًا﴾ فرمایا۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ وہاں یہودیوں کے بارے میں بات ہو رہی تھی انہوں نے جو کچھ اپنی کتاب میں پڑھا تھا اس کی وجہ سے اس بات میں انہیں بالکل شک نہیں تھا کہ سیدنا محمد ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور ان کی شریعت کا اتباع فرض ہے اور وہ جو کچھ ایمان کی دعوت دیتے ہیں اس کا ماننا لازم ہے اس سب کے باوجود انہوں نے شرک کی راہ اختیار کی اور کفر پر جسے رہے لہذا ان کا یہ عمل افتراء ہو گا اور اپنی طرف سے جھوٹ بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے رہے کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ہم جس دین پر ہیں وہی اللہ تعالیٰ کا محبوب دین ہے اور یہاں خالص مشرکین سے بات ہو رہی ہے جو اس سے پہلے نہ کتاب کو جانتے تھے نہ وحی سے واقف تھے ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ہدایت اور دین حق لے کر کوئی شخص نہیں آیا تھا۔ لیکن حجت کے ساتھ حق واضح ہونے کے بعد اپنی سابقہ گمراہی پر ہی برقرار رہے اور شرک ہی کو اختیار کیے رہے اس لیے ان کے حق میں ﴿فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا بَعِيدًا﴾ فرمایا اور یہ بتایا کہ یہ لوگ گمراہ تو تھے ہی اور زیادہ گمراہ ہوتے چلے گئے اور دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

ملت ابراہیمیہ میں جو توحید کا حکم تھا یہ اس کو پشت پیچھے ڈال کر مشرک ہو گئے تھے اور سمجھانے پر بھی شرک سے باز نہ آئے گمراہی میں ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنشَاءً وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ۝۱۱۷ لَعَنَهُ اللَّهُ وَقَالَ
لَا تَخْذَنْ مِنْ عِبَادِكْ نَصِيْبًا مَفْرُوضًا ۝۱۱۸ وَلَا ضَلَمَ لَهُمْ وَلَا مَنِيْبَهُمْ وَلَا مَرْبَهُمْ فَلْيَبْتِكُنْ إِذَانَ
الْأَنْعَامِ وَلَا مَرْبَهُمْ فَلْيَغْيِرْنَ خَلْقَ اللَّهِ ۝۱۱۹ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ
خُسْرَانًا مُبِينًا ۝۱۲۰ يَعِدُهُمْ وَيُبَيِّنُهُمْ ۝۱۲۱ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝۱۲۲ أُولَئِكَ مَا أُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ
جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيْبًا ۝۱۲۳

یہ لوگ اللہ کے سوا صرف عورتوں کو پکارتے ہیں اور نہیں پکارتے مگر شیطان کو جو سرکش ہے جس پر اللہ نے لعنت کی اور شیطان نے کہا میں تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ حصہ لے لوں گا اور میں ان کو گمراہ کروں گا، اور امیدیں دلاؤں گا اور ان کو تعلیم دوں گا سو وہ جانوروں کے کانوں کو کاٹیں گے اور میں ان کو تعلیم دوں گا سو وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلا کریں گے اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنا لے سو وہ صریح نقصان میں پڑ گیا، شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور ان کو آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان ان سے صرف فریب والے وعدے کرتا ہے ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور اس سے کہیں بچنے کی جگہ نہ پائیں گے۔

مشرکین مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں اور شیطان کے فرمانبردار ہیں

اوپر شرک کا ذکر تھا ان آیات کی بعض صورتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ شرک اور کفر اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ہر کام یہ سب شیطان کے سمجھانے سے اور اس کی راہ بتانے سے وجود میں آتا ہے۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ آدم کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے جو مجھے گمراہ قرار دیا ہے تو میں بنی آدم سے اس کا بدلہ لے لوں گا۔ بنی آدم کا ایک بہت بڑا حصہ اپنی طرف لگا لوں گا تھوڑے بہت ہی لوگ بچیں گے۔ اکثر لوگوں کو اپنی اطاعت پر ڈال دوں گا، جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں آئے اور ان کی ذریت پھیلنی شروع ہوئی اور شیطان مردود بھی دنیا میں آ گیا جو اپنی سرکشی کی وجہ سے راندہ درگاہ ہو چکا تھا تو اس نے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر ڈالنا شروع کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید چھڑا کر کفر اور شرک پر لگا دیا۔ بتوں کی پوجا کرنے کی تعلیم دی اور بتوں کے نام بتائے اور ان کے زنانے نام رکھوائے۔

اہل عرب نے بت تراش رکھے تھے ان میں لات اور منات اور عزیٰ کے نام معروف و مشہور ہیں یہ سب نام نسوانی ہیں یعنی ان کے لفظوں میں تانیث ہے۔ ہندوستان کے مشرکین میں جیسے کالی دیوی اور درگی وغیرہ مشہور ہیں ایسے ہی عربوں میں بتوں کے زنانے نام تھے۔ یہ سب شیاطین کے بنائے ہوئے اور بتائے ہوئے بت ہیں۔ ان بتوں کو سجدے بھی کرتے ہیں ان کی نذریں بھی مانتے ہیں اور ان کے نام پر جانور بھی چھوڑتے ہیں اور نشانی کے لیے ان کے کان چیر دیتے ہیں یا کانوں میں سوراخ کر دیتے ہیں تاکہ یہ نشانی رہے کہ یہ بت کے نام پر چھوڑا ہوا ہے۔ جو کچھ شیطان نے کہا تھا اس نے بنی آدم سے وہ سب کچھ کروالیا۔ اکثر بنی آدم نے دشمن کی بات مان لی اور خالق و مالک جل مجدہ کی ہدایت پر عمل نہ کیا۔ شرک اختیار کر لیا توحید سے منہ موڑ لیا۔ کانوں کا چیرنا اور سوراخ کرنا بہت سے نام نہاد مسلمانوں میں بھی ہے بچوں کے کانوں کو چھید دیتے ہیں، ان میں کوئی بندہ وغیرہ ڈال دیتے ہیں اور اس کا نام بندو رکھ دیتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے بچہ زندہ رہے گا۔ جو قومیں ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہوئیں اور اسلام کو پڑھا اور سمجھا نہیں ان لوگوں میں دین سابق کے شرک کے اثرات باقی رہ گئے۔ قبروں کی پرستش بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ بتوں کو چھوڑ کر قبروں پر شرک کرنے لگے۔ یہی قبر پرست اگر ان سے بت کو سجدہ کرنے کے لیے کہا جائے تو کبھی نہ کریں گے، اور قبروں کو سجدہ کرنے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے حالانکہ غیر اللہ ہونے میں دونوں برابر ہیں۔

تغییر خلق اللہ:

ابلیس نے یہ بھی کہا ﴿وَلَا مَرْتَبَهُمْ فَلَیَغْتَبِرْنَ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ کہ میں بنی آدم کو سکھاؤں گا کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی صورتوں کو بدل ڈالیں شیطان اس کی بھی تعلیم دیتا ہے اور لوگ اس کی تعلیم پر عمل کرتے ہیں۔ اس کی بہت سی صورتیں ہیں جو بنی آدم میں رواج پائے ہیں، مشہور ترین تو یہی ہے کہ ڈاڑھیاں موٹھی جاتی ہیں آج کی دنیا میں شاید ہی کوئی گھر ایسا خالی ہو جس میں ڈاڑھی نہ موٹھی جاتی ہو اس کے علاوہ گودنا بھی رواج پذیر ہے سوئی سے گود کر رنگ بھر دیتے ہیں۔ اس سے جسم پر کئی طرح کی تصویریں بنا لیتے ہیں۔ ہندوؤں میں تو گودنے کا بہت زیادہ رواج ہے مگر مسلمان بھی گودنے کا کام کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

لَعْنَةُ اللّٰهِ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَمَشِّمَاتِ لِلْحَسَنِ الْمُغَيَّرَاتِ خَلَقَ اللّٰهُ (یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو گودنے والیوں پر اور گدوانے والیوں پر اور ان عورتوں پر جو (ابرو یعنی بھوؤں کے بال) چننے والی ہیں (تا کہ بھویں باریک ہو جائیں) اور خدا کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو حسن کے لیے دانتوں کے درمیان کشادگی کراتی ہیں جو اللہ کی خلقت کو بدلنے والی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر ایک عورت آئی اور ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ اس طرح کی عورتوں پر لعنت بھیجتے ہیں؟ فرمایا کہ میں ان لوگوں پر کیوں لعنت نہ بھیجوں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی، اور جن پر اللہ کی کتاب میں لعنت آئی ہے۔ وہ عورت کہنے لگی کہ میں نے سارا قرآن پڑھ لیا مجھے تو یہ بات کہیں نہ ملی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو نے قرآن پڑھا ہوتا تو تجھے ضرور یہ بات مل جاتی کیا نے نے یہ نہیں پڑھا ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (اور رسول تم کو جو (ہدایت) دے اسے قبول کر لو اور جس چیز سے روکے اس سے رک جاؤ)۔

یہ سن کر وہ عورت کہنے لگی کہ ہاں یہ تو قرآن میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے جن کاموں کے کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے اللہ کے رسول ﷺ نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے۔ لہذا قرآن کی رو سے بھی ان کاموں کی ممانعت ثابت ہوئی کیونکہ قرآن نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جن باتوں کا حکم دیں ان پر عمل کرو اور جن چیزوں سے روکیں ان سے رک جاؤ۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۸۱)

کسی انسان کو خصی کرنا یا خود خصی ہونا یہ بھی تغیر خلق اللہ میں شامل ہے جو شرعاً ممنوع ہے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے لیس منامن خصی ولا اختصی' وہ ہم میں سے نہیں ہے جو کسی کو خصی کرے اور جو خود خصی ہو۔ (رواہ فی شرح السنۃ کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۶۹)

ختنہ کرنا اور ناخن کاٹنا اور جن بالوں کو صاف کرنے کا شرعاً حکم دیا گیا، جیسے بغلوں کے بال وہ حکم شرعی ہونے کی وجہ سے اس تغیر میں داخل نہیں جس کا شیطان نے حکم دیا ہے بلکہ بعض قوموں کو تو اس نے ان جگہوں کے بالوں کو بڑھانے کا بھی حکم دے رکھا ہے جیسے کہ سکھ کرتے ہیں ہر مسلمان پر لازم کہ اللہ کے حکم پر چلے۔

شیطان مردود سے دوستی کرنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ صریح نقصان میں چلا گیا اور یہ نقصان آخرت کا عذاب ہے جو شیطان کی دوستی کے نتیجے میں ہمیشہ بھگتنا پڑے گا۔

شیطان جھوٹے وعدے کرتا ہے اور آرزوؤں پر ڈالتا ہے:

پھر فرمایا ﴿يَعِدُّهُمْ وَيَمْنِيهِمْ﴾ کہ شیطان لوگوں سے وعدے کیا کرتا ہے اور آرزوئیں دلاتا ہے۔ اللہ کی رضا مندی کے جو کام ہیں ان کے خلاف ابھارتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسا کرو گے تو اس تکلیف میں پڑ جاؤ گے اور ایسی ایسی لذت سے محروم ہو جاؤ گے سورہ بقرہ میں فرمایا ﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ﴾ (شیطان تم سے تنگدستی کے وعدے کرتا ہے یعنی یہ ظاہر کرتا ہے کہ نیک کاموں میں خرچ

کرو گے تو تنگ دست ہو جاؤ گے اور تمہیں برائیوں کا حکم دیتا ہے) آرزوئیں دلانے کا مطلب یہ ہے کہ جو انوں کو کہتا ہے کہ دل کھول کر گناہ کر لو بڑی زندگی پڑی ہے۔ توبہ کر لینا، کوئی بوڑھا شخص توبہ کرنا چاہے تو اس سے کہتا ہے ابھی تو تمہاری عمر اچھی خاصی ہے، ابھی تھوڑا ہی مر رہے ہو اس طرح سے کوئی حلال کمائی میں لگے تو اس سے کہتا ہے کہ میاں اتنے ذرا سے پیسوں میں کیا ہوگا، دنیا کما اور کھا رہی ہے تم ہی کو تقویٰ سوار ہے، ایسی باتیں سمجھا کر حرام آمدنی اور حرام کاموں کی ترغیب دیتا ہے اور اس میں بڑے بڑے فائدے بتاتا ہے اس کی باتوں میں آ کر خدا پاک کا نافرمان بن جانا اپنے کو عذاب دوزخ میں دھکیلنا ہے جب دوزخ میں داخل ہونے لگیں تو کوئی راہ بچنے کی اور فرار کی نہ پائیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سُدَّ خَلْمُهُمْ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۝ لَيْسَ بِأَمَانِيٍّ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزِيهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ۝ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ۝ وَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۝ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

مُحِيطًا ۝

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے عنقریب ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سچا وعدہ فرمایا ہے اور کون ہے جس کا کہنا اللہ سے زیادہ سچا ہو۔ نہ تمہاری آرزوؤں پر مدار ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر جو شخص برا عمل کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا اور نہ پائے گا اللہ کے سوا کوئی دوست اور مددگار۔ اور جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو یہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں، اور ان پر اتنا ظلم بھی نہ ہوگا جتنا گڑھا کھجور کی گٹھلی میں ہے اور اس سے بڑھ کر دین کے اعتبار سے کون اچھا ہوگا جس نے اپنی ذات کو اللہ کے لیے جھکا دیا اور وہ اچھے کام کرنے والا ہے اور اس نے ابراہیم کی ملت کا اتباع کیا جو سارے دینوں کو چھوڑ کر اللہ ہی کی طرف مائل ہونے والے تھے اور اللہ نے ابراہیم کو دوست بنا لیا اور اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے

اہل ایمان کے لیے بشارت اور آرزوؤں پر بھروسہ کرنے کی ممانعت

ان آیات میں اول تو ان حضرات کے لیے جو اہل ایمان ہوں اور اعمال صالحہ میں مشغول رہتے ہوں ایسے باغوں میں داخلے کی خوشخبری دی جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور فرمایا کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو بالکل سچا پکا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ سے بڑھ کر اپنی بات میں سچا کون ہو سکتا ہے۔ جب اللہ نے وعدہ فرمایا تو اب ایمان اور اعمال صالحہ کو اپنانا اور اس کے مطابق زندگی گزارنا بندوں کا سب سے بڑا اہم فریضہ ہوا۔

اس کے بعد فرمایا ﴿لَيْسَ بِأَمَانِيٍّ أَهْلِ الْكِتَابِ﴾ لباب النقول صفحہ ۸۳ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ نے کہا کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی داخل نہ ہوگا اور قریش نے کہا کہ ہم موت کے بعد اٹھائے ہی نہ جائیں گے (تاکہ کوئی

عذاب کی صورت سامنے آئے) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی پھر حضرت مسروق تابعی سے نقل کیا کہ نصاریٰ اور مسلمان جمع ہوئے اور آپس میں فخر کرنے لگے ہر فریق نے یہ کہا ہم تم سے افضل ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بات زیادہ قرب و انسب معلوم ہوتی ہے جس میں قریش کو خطاب ہے کہ تم خود ہی سارے فیصلے کر رہے ہو، تمہارا عجیب حال ہے، شرک بھی کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے کاموں میں لگے رہو اور جب موت کے بعد کے مواخذہ کا ذکر آئے تو یوں کہہ کر مطمئن ہو جاؤ کہ ہمیں تو موت کے بعد اٹھنا ہی نہیں ہے نہ جزا نہ سزا نہ ثواب نہ عقاب، یہ جو تمہارا خیال ہے محض ایک جھوٹی آرزو ہے فیصلے کا حق خالق و مالک جل مجدہ کو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور زندگی دی اور زندگی کے بعد موت دے گا اس نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ بتایا کہ موت کے بعد جی اٹھنا ہے اور کفر اور شرک پر دوزخ کا داخلہ ہوگا جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا۔ خالق و مالک جل مجدہ نے کافر و مشرک کے لیے جو کچھ طے کیا ہے اور جو خبر دی ہے اسی کے مطابق ہوگا اپنے خیال سے یہ طے کر کے مطمئن ہو جانا کہ موت کے بعد کچھ نہیں اور ہم جو کچھ کرتے ہیں اس پر کوئی مواخذہ نہیں یہ سب جھوٹی آرزوئیں ہیں۔ آرزوؤں پر مدار نہیں ہے۔ مدار اس فیصلے پر ہے جو خالق و مالک نے اپنے بندوں کے لیے طے فرما دیا اور پھر بتا بھی دیا۔ اسی طرح سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا یہ کہنا کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہیں جائے گا یہ ایک اپنا خود ساختہ خیال ہے۔ محض ایک آرزو ہے جو خود سے تجویز کر لی ہے، آرزو سے کچھ نہیں ہوتا۔ نجات کا دار و مدار ایمان اور اعمال صالحہ پر ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنا آخری نبی بھیج دیا (ﷺ) جس کی نبوت کے بارے میں یہود و نصاریٰ پہلے سے جانتے تھے اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے تھے۔ علامات سے پہچان لیا کہ واقعی یہ اللہ کے وہی نبی ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا۔ معجزات سے پرکھ لیا۔ اس کے باوجود اللہ کے آخری نبی پر ایمان نہیں لاتے۔ کفر پر جمے ہوئے ہیں اور آرزو یہ لیے بیٹھے ہیں کہ جنت میں بس ہم ہی ہم ہوں گے اور کسی کا داخلہ نہ ہوگا۔ آرزوؤں سے کام چلنے والا نہیں ہے حقائق کو سامنے رکھو۔ دلائل کو دیکھو، جھوٹی آرزوئیں برباد کر دیں گی۔

حضرت مسروق نے جو آیت کا سبب نزول بتایا کہ نصاریٰ نے اور مسلمانوں نے آپس میں ایک دوسرے پر فخر کیا تھا اور ہر ایک نے اپنے کو افضل بتایا تھا اس پر آیت شریفہ نازل ہوئی اس کے اعتبار سے لیس بامانیکم میں مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم بھی آرزوئیں لیے بیٹھے ہو آرزوؤں سے کام نہیں چلتا۔ ایمان تو تم نے قبول کر لیا۔ اب اس پر استقامت بھی ضروری ہے اور ایمان پر مرنا بھی لازم ہے عمل صالح کی وجہ سے بلند درجات بھی نصیب ہوں گے اس معنی کی تشریح کرتے ہوئے صاحب روح المعانی صفحہ ۱۵۲ ج ۵۔ حضرت حسن کا قول نقل کرتے ہیں:

ليس الايمان بالتمنى ولكن ما اقرنى القلب و صدقه العمل، ان قوما الهتهم امانى المغفرة حتى خرجوا من الدنيا ولا حسنة لهم وقالوا نحسن الظن بالله تعالى و كذبوا الو احسنوا الظن لا حسنوا العمل۔

یعنی ایمان صرف آرزو کا نام نہیں ہے ایمان وہ ہے جو دل میں جم جائے اور عمل اس کی تصدیق کرے بہت سے لوگوں کو مغفرت کی امیدوں نے غفلت میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ دنیا سے اس حال میں چلے گئے کہ ان کے پاس ایک نیکی بھی نہ تھی انہوں نے کہا کہ ہم اللہ سے اچھا گمان رکھتے ہیں اور وہ اپنے اس خیال میں جھوٹے تھے۔ اگر اللہ سے اچھا گمان رکھتے تو عمل بھی اچھے کرتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل کتاب اپنی آرزوؤں پر بھروسہ کر کے ہلاک ہوئے تم آرزوؤں پر بھروسہ نہ کرو۔ ایمان پر استقامت رکھتے ہوئے اعمال صالحہ انجام دیتے رہو۔

برے اعمال کا بدلہ ملے گا:

پھر فرمایا ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ﴾ جو شخص کوئی برائی کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ ان الفاظ میں یہ بتایا ہے کہ قانونی اعتبار سے ہر برائی پر مواخذہ ہے اس کی جزا مل جائے گی یہ قانون ہے ضروری نہیں کہ واقعی طور پر ہر گناہ پر سزا مل ہی جائے۔ کیونکہ توبہ و استغفار سے بھی گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اعمال صالحہ سے بھی برائیوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور دنیا میں جو کچھ سزا ملتی ہے وہ چھوٹی موٹی تکلیف اور مصیبتوں کی صورت میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سنائی انہوں نے عرض کیا یا

رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے گناہ نہیں کیے اور ہمیں ہر گناہ کی سزا بھی ملنی ہے (تو ہمارا کیا بنے گا) اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ابو بکر تم اور تمہارے ساتھی اہل ایمان کا گناہوں پر گرفت کر کے دنیا ہی میں معاملہ صاف کر دیا جائے گا یہاں تک کہ جب اللہ سے ملو گے تو تم پر گناہ نہ ہوں گے اور دوسرے لوگ (جو اہل ایمان نہیں ہیں) ان کے گناہ جمع کیے جاتے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کے دن ان کی سزا پائیں گے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں کو سخت پریشانی ہوئی لہذا انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنی پریشانی پیش کی آپ نے فرمایا ٹھیک ٹھیک چلتے رہو اور کام کرتے رہو کیونکہ مسلمان کو جو بھی کچھ تکلیف پہنچتی ہے وہ اس کے لیے کفارہ بن جاتی ہے یہاں تک کہ جو کاشا لگ جاتا ہے یا جو کوئی چوٹ لگ جاتی ہے ان سب کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ (رواہ مسلم صفحہ ۱۹: ج ۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کو جو بھی کوئی تھکن، دکھ، فکر، رنج، تکلیف، غم پہنچ جائے یہاں تک کہ کاشا بھی لگ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کا کفارہ فرمادیتے ہیں۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ کو جو ذرا بہت کوئی بھی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو وہ گناہ ہی کی وجہ سے پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ معاف فرمادیتے ہیں وہ تو اس سے بہت زیادہ ہوتا ہے جتنے پر مواخذہ ہوتا ہے پھر آپ نے سورہ شوریٰ کی یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ﴾۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن مرد اور عورت کو برابر اس کی جان میں، اس کے مال میں اور اولاد میں تکلیف پہنچتی رہتی ہے۔ (اور اس سے گناہوں کا کفارہ ہوتا رہتا ہے) یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس پر کوئی گناہ بھی نہ ہوگا (رواہ الترمذی) اللہ پاک کا کتنا بڑا انعام ہے کہ مومن بندوں کو دنیا میں تکلیفیں دے کر ان سے گناہوں کا کفارہ فرمادیتے ہیں۔ اور آخرت کے عذاب سے بچادیتے ہیں۔

مومنین مومنات کے لیے بھرپور ثواب:

پھر فرمایا ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ﴾ (الایۃ) اس آیت کے بارے میں لباب النقول میں حضرت مسروق تابعی سے نقل کیا ہے کہ جب آیت کریمہ ﴿لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكُتُبِ﴾ نازل ہوئی تو اہل کتاب نے مسلمانوں سے کہا کہ پھر ہم اور تم برابر ہو گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں یہ بتا دیا کہ جو بھی کوئی شخص مرد ہو یا عورت نیک عمل کرے اور وہ مومن بھی ہو تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس میں لفظ مومن بڑھا کر یہ بتا دیا کہ اہل کتاب جب تک مومن نہ ہوں گے انہیں کسی عمل کا کوئی ثواب نہ ملے گا۔ اور وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ لہذا مومن کافر میں برابری کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اہل ایمان سے جو یہ فرمایا کہ آرزوؤں پر مدار نہ رکھو اس میں ایمان پر استقامت اور اعمال صالحہ میں مشغول رہنے کی تاکید فرمائی یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کا ایمان کام نہ دے گا۔ اہل کتاب کافر ہیں اگر کفر پر مر گئے تو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور اہل ایمان کا ٹھکانہ جنت ہے۔ پھر برابری کہاں ہوئی؟

جو بندہ ایمان کے ساتھ کوئی بھی نیک عمل لے کر قیامت کے دن حاضر ہوگا اس کو اپنے عمل کا پورا پورا ثواب ملے گا جو بہت زیادہ ہوگا اس کو فرمایا ﴿وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا﴾ کھجور کی گٹھلی کے اندر جو ذرا سا گڑھا ہوتا ہے اسے نقیر کہتے ہیں۔ اہل عرب جب کسی چیز کی کمی ظاہر کرتے تھے تو اسے نقیر سے تشبیہ دیتے تھے۔ وقد ذکرناہ من قبل۔

محسنین کی تعریف:

پھر فرمایا ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾ اس

میں لفظ ﴿أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ﴾ وارد ہوا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔

ای اخلص نفسه له تعالیٰ لا یعرف لها ربا سواہ وقیل اخلص توجہہ له سبحانہ و قیل بذل وجہہ لله عزوجل فی السجود۔

مطلب یہ ہے کہ اسلم وجہہ لله کا مصداق وہ شخص ہے جس نے اپنی جان کو خالص اللہ کے لیے مخصوص اور متعین کر دیا وہ اپنے لیے اللہ کے سوا کسی کو رب نہیں پہچانتا، اور بعض حضرات نے اس کا معنی یہ بتایا ہے کہ اس نے اپنی توجہ خالص اللہ کے لیے کر دیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اپنے چہرے کو اللہ جل شانہ کے لیے سجدہ میں ڈال دیا پھر ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ فرمایا جس کا معنی یہ ہے کہ وہ اعمال صالحہ کو اس طریقے پر ادا کرتا رہا جو ان کے ادا کرنے کا حق ہے یہ لفظ احسان سے مشتق ہے۔ اسم فاعل کا صیغہ ہے احسان کا معنی ہے کسی چیز کو خوب اچھی طرح سے ادا کر دینا۔ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ احسان کیا ہے تو آپ نے فرمایا الاحسان ان تعبد الله كأنك تراه فان لم تکن تراه فانه يراك (کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے جیسا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے سوا اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا ہے سو وہ تجھے دیکھ رہا ہے) اس میں عبادت کا احسان بیان فرمایا ہے۔ اب پوری آیت کا مطلب یہ ہوا کہ دین کے اعتبار سے اس سے اچھا کون ہوگا جس نے اپنی ذات کو اللہ ہی کے لیے خالص کر دیا۔ اس کی توجہ ظاہر سے اور باطن سے جسم سے اور جان سے صرف اللہ ہی کی طرف ہے۔ اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کرتا ہے وہ ابراہیم جو حنیف تھے جنہوں نے تمام ادیان کی طرف سے پرہیز کیا اور اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہی دینی ابراہیمی ہے جس کے اتباع کا خاتم الانبیاء ﷺ کو اور آپ کی امت کو حکم ہوا۔

جو کوئی ان مذکورہ بالا صفات سے متصف ہو وہی دینی اعتبار سے سب اچھا ہے کیونکہ دوسرے سب دین جو اس کے سوا ہیں وہ سب کفر ہیں جن پر اللہ کے قانون میں عذاب دائمی مقرر ہے۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ نے ابراہیم کو دوست بنا لیا۔ اللہ نے جسے دوست بنایا اس کے دین پر چلنے والا ظاہر ہے کہ اللہ کا محبوب ہوگا اور آخرت میں نجات اور ثواب دائمی کا مستحق ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی راہ میں بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ علاقے کے لوگ بت پرست تھے خود ان کا باپ بھی بت پوجتا تھا۔ ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی بڑے بڑے مقابلے ہوئے ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا۔ اللہ نے آگ ٹھنڈی کر دی پھر اپنے بیٹے اسماعیل اور ان کی والدہ کو مکہ معظمہ کی چٹیل سرزمین میں جہاں آب و گیاہ کچھ بھی نہ تھا چھوڑ کر چلے گئے جب اسماعیل علیہ السلام بڑے ہوئے تو دونوں نے مل کر کعبہ شریف بنایا اور اس وقت امت محمدیہ کے وجود میں آنے کی دعا کی جس کا ذکر سورہ بقرہ کے رکوع نمبر ۱۵ میں گزر چکا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت قربانیاں دیں جو بھی کوئی شخص اللہ کے لیے قربانیاں دے گا اللہ کا محبوب ہوگا۔ مومن کا کام یہ ہے کہ اللہ ہی کے لیے خالص ہو جائے اور ظاہر و باطن سے اللہ کے لیے جھک جائے اور صفت احسان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے اور قربانی کے موقع پر قربانی بھی دے۔ یہ صفات صرف مومنین ہی کو حاصل ہیں اہل کفر ان کے برابر کہاں ہو سکتے ہیں اگرچہ اہل کتاب ہی ہوں۔

آخر میں فرمایا ﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ کہ اللہ کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں جو کچھ زمین میں ہے اور سب اس کی مخلوق ہیں اور مملوک ہیں۔ اسے اختیار ہے کہ تکوینی طور پر ان کو جس حال میں رکھے اور تشریحی طور سے جو حکم دے۔ جس کام کا چاہے حکم دے اور جس سے چاہے منع کرے۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا﴾ اور ہر چیز اللہ کے علم اور قدرت کے احاطہ میں ہے اسے تمام اعمال کا اور عمل کرنے والوں کا علم ہے اور حکمت کے مطابق ہر ایک کو جزا و سزا دینے پر اسے قدرت ہے۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۗ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۗ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِي نِسِئِ النِّسَاءِ
الَّتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ ۗ اَنْ تَنْكِحُوهُنَّ ۗ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۗ وَ

أَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿۱۲۷﴾

اور وہ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ آپ فرمادیجیے کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اور جو کتاب میں تم پر تلاوت کیا جاتا ہے ان یتیم عورتوں کے بارے میں جن کو تم وہ حق نہیں دیتے ہو جو ان کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور تم رغبت رکھتے ہو کہ ان سے نکاح کرو۔ اور ضعیف بچوں کے بارے میں بھی تم پر آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور یہ کہ تم یتیموں کے حق میں انصاف کے ساتھ قائم رہو۔ اور جو کوئی خیر کا کام کرو گے سو اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے۔

یتیم بچوں اور بچیوں کے حقوق کی نگہداشت کرنے کا حکم

صحیح بخاری صفحہ ۶۶۱: ج ۲ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ کسی کے پاس کوئی یتیم بچی ہوتی تھی وہ اس کا ولی بھی ہوتا تھا۔ (اور شریک میراث بھی کیونکہ اس یتیم بچی کو اور اس کے ولی کو کسی وفات پانے والے سے میراث ملی) اب یہ ولی نہ تو اسے نکاح میں لیتا تھا اور نہ کسی دوسرے مرد سے اس کا نکاح کرتا تھا کیونکہ یہ ڈرتھا کہ دوسرے سے نکاح کر دوں گا تو وہ بحق زوجیت اس کا مال لے جائے گا۔ لہذا یتیم بچی کو تنگ کرتا تھا اس پر آیت بالاناازل ہوئی۔ صاحب فتح الباری صفحہ ۲۶۵: ج ۸ نے ابن ابی حاتم سے روایت نقل کی ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی ایک چچا زاد بہن تھی اس کا مال تھا جو اسے اپنے باپ کی میراث میں ملا تھا جابر کو اس سے اپنا نکاح کرنا منظور نہ تھا لیکن کسی دوسرے سے بھی اس ڈر سے کہ اس کا شوہر مال لے جائے گا نکاح کرنا نہیں چاہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یہ سوال پیش کیا گیا اس پر آیت بالاناازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ وہ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ ان کو فتویٰ دیتا ہے اور اس سے پہلے جو قرآن میں آیا نازل ہوئی ہیں وہ بھی ان کو فتویٰ دے رہی ہیں جو ان پر تلاوت کی جاتی ہیں۔ یہ فتویٰ یتیم عورتوں کے بارے میں ہے جس کو تم ان کا مقررہ حق نہیں دیتے (یعنی میراث میں جو مال انہیں ملا ہے وہ دینا نہیں چاہتے اور تم ان سے نکاح کرنے سے بے رغبت ہو)۔ اس طرح سے ان تکلیف ہوتی ہے۔ ایسی کوئی صورت اختیار نہ کرو جس سے ان کو تکلیف ہو۔ اسی طرح ضعیف بچوں کے بارے میں بھی تمہارے اوپر آیات تلاوت کی جارہی ہیں ان میں ان کے حقوق کی نگہداشت کی تعلیم دی گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ یتیم لڑکیوں اور ضعیف بچوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تمہارے لیے احکام موجود ہیں ان پر عمل کرو جن کو تم آپس میں پڑھتے اور سنتے رہتے ہو۔ اس آیت میں جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سورہ نساء کے شروع میں گزر چکی ہیں۔

وہو قوله تعالیٰ ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ﴾ اور ﴿وَأَتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ﴾

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ بھی فتویٰ دیتا ہے کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف کے ساتھ قائم رہو۔ (صاحب روح المعانی (صفحہ ۱۶۱):

لکھتے ہیں وہو خطاب للائمة ان ينظروا لهم وليتوفوا حقوقهم والاولياء والا وصيياء بالنصفه في حقهم﴾ یعنی یہ حکام کو حکم کہ یتیموں کی دیکھ بھال کریں اور ان کا جو کسی پر حق ہو پورا پورا وصول کریں یا اولیاء اور اوصیاء کو حکم ہے کہ یتیم بچوں کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کریں اوصیاء وصی کی جمع ہے، وصی اسے کہتے ہیں جسے خود مرنے والا یا حاکم بچوں کے اموال کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کرتا ہے۔

آخر میں فرمایا ﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا﴾ کہ جو کچھ تم خیر کا کام کرو گے اللہ کو اس کا علم ہے اپنے عمل خیر کا ثواب پاؤ گے، یتیم بچی کے ساتھ جو انصاف اور حسن سلوک سے پیش آؤ گے اللہ تعالیٰ اس کا ثواب بھی عطا فرمائیں گے۔

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُورًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۗ

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ ۗ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَبِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۗ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۲۹﴾ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّن سَعَتِهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿۱۳۰﴾

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے بد مزاجی کا یا بے رخی کا اندیشہ کرے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی حاض طریقہ پر صلح کر لیں اور صلح اچھی چیز ہے۔ اور انسانوں کے نفسوں میں کنجوسی حاضر کر دی گئی ہے اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اور تم ہرگز اس بات پر قادر نہیں ہو کہ عورتوں کے درمیان عدل قائم رکھو اگرچہ تم حرص کرو۔ لہذا تم بالکل ہی نہ ڈھل جاؤ۔ جس کی وجہ سے ایک عورت کو ادھر میں لٹکی ہوئی چھوڑ دو۔ اور اگر تم اصلاح کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے اور اگر دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی عطا کی ہوئی وسعت کے ذریعہ بے نیاز کر دے گا اور اللہ تعالیٰ وسعت والا حکمت والا ہے

میاں بیوی کا آپس میں صلح کر لینا اور بیویوں میں انصاف کرنا

سنن ابو داؤد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ مجھ سے جدائی اختیار نہ فرمائیں یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ بوڑھی ہو گئی تھیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنی باری کا دن عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں اس پر آیت ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ﴾ نازل ہوئی۔

مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ آیت ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ ایک ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس کی ایک بیوی تھی جس سے کئی بچے پیدا ہو چکے تھے اس مرد کی خواہش ہوئی کہ اس کو چھوڑ کر دوسری کسی عورت سے نکاح کرے لہذا اس عورت نے اس سے صلح کر لی کہ وہ اسی کے نکاح میں رہے اور راتوں کی تقسیم میں اسے شامل نہ کیا جائے۔ نکاح بھی انسان کی ایک بہت بڑی ضرورت ہے، مردوں کو بھی اس کی ضرورت ہے اور عورتوں کو بھی، اور اس میں مرد اور عورت کی بہت ساری دینی اور دنیاوی مصلحتیں ہیں اور نکاح اسی لیے کیا جاتا ہے کہ زندگی بھر دونوں ساتھ رہیں اور حسن معاشرت کے ساتھ دونوں میاں بیوی خیر و خوبی اور محبت و الفت کے ساتھ زندگی گزاریں لیکن کبھی بعض امور ایسے پیش آجاتے ہیں کہ کچھ ناگواری کی صورتیں سامنے آجاتی ہیں اور بعض مرتبہ نباہ مشکل ہو جاتا ہے اس لیے شریعت مطہرہ نے اس کے لیے طلاق اور خلع کی صورت بھی جائز رکھی ہیں۔ بعض مرتبہ مرد کو ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ امت کی اجتماعی ضرورت سے بھی ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات جہاد کے مواقع پر مجاہدین شہید ہو جاتے ہیں ان کی بیواؤں اور بچوں کو سنبھالنے کا اس سے بہت رکوعی ذریعہ نہیں کہ ان بیواؤں سے مسلمان نکاح کر لیں۔ جب ایک سے زیادہ نکاح کر لیا تو اس میں تمام بیویوں کے ساتھ عدل کو سامنے رکھ کر زندگی گزارنا فرض ہے۔ اخراجات اور خوراک و پوشاک تو سبھی کے لیے ضروری ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر بیوی کے پاس راتوں کو قیام کرنے میں برابری کرے یعنی جتنی راتیں ایک کے پاس رہے دوسری کے پاس بھی اسی قدر راتیں گزارے یہ وہ عدل ہے جس کا حکم دیا گیا ہے جو انسان کے اختیار میں ہے اور جو چیز اختیار میں نہیں ہے یعنی یہ کہ قلبی میلان کسی کی طرف زیادہ ہو تو اس پر مواخذہ نہیں لیکن اس کی وجہ سے عدل اختیار کر لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں

میں عدل فرماتے تھے یعنی انصاف کے ساتھ راتیں تقسیم کرتے تھے لیکن بعض بیویوں کی طرف قلبی رجحان زیادہ تھا اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا اللہم ان هذا قسمی فیما املك فلا تلمنی فیما تملك ولا املك (اے اللہ یہ میری تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے سو آپ اس میں مجھے ملامت نہ فرمائیے جو چیز میرے اختیار میں نہیں۔ (رواہ الترمذی)

اگر کوئی شخص امر اختیاری میں عدل و انصاف نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا۔ (رواہ الترمذی) اگر اپنے اختیار سے عدل کرنے میں کامیابی ہوتی نظر نہیں آتی اور اسے خیال ہوتا ہے یا عزم پختہ کر لیتا ہے کہ میں اس عورت کو طلاق دیتا ہوں جس کے ساتھ برابری کا معاملہ نہیں کر سکتا یا اس لیے طلاق دینا چاہتا ہے کہ اس کی عمر زیادہ ہوگئی اور وہ عورت صورت حال کو سمجھ کر یوں صلح کر لے کہ چلورائیں تقسیم کرنے والا میرا حق فلاں بیوی کو دے دیا کریں یا یہ کہ نان و نفقہ معاف کرتی ہوں یا مقدار کم کرتی ہوں تو ایسی صلح کر لینے میں کوئی گناہ کی بات نہیں۔ اور صلح اچھی ہی چیز ہے۔ جب اتنی بڑی زندگی ساتھ گزاری ہے تو طلاق دے کر رنج پہنچانا اچھی بات نہیں، خصوصاً جب کہ وہ اپنا حق چھوڑنے پر بھی راضی ہے تو طلاق دینا بہت ہی نامناسب ہے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں والصلح خیر ای من الفرقة وسوء العشرة او من الخصومة یعنی صلح کرنا جدا ہونے سے اور برے طریقے پر زندگی گزارنے سے یا لڑنے جھگڑنے سے بہتر ہے۔ والصلح خیر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿وَ اُخْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ﴾ لفظ اشح کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں کہ دو البخل مع الحرص۔ یعنی اشح اس بخل کو کہتے ہیں جس میں حرص بھی ہو اور درحقیقت بات یہ ہے کہ بخل اور حرص آپس میں ایک دوسرے کو لازم ہوتے ہیں، کیونکہ ان دونوں بری خصلتوں کا سبب حب دنیا ہے اس لیے سورہ تغابن اور سورہ حشر میں فرمایا ﴿وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (جو شخص اشح نفس سے بچالیا گیا سو یہ لوگ کامیاب ہیں) حدیث شریف شَرُّ مَا فِي الرَّجُلِ شُحُّ مَالِهِ وَجُبْنُ خَالِهِ کہ انسان کے اندر سب سے زیادہ بری چیز حرص اور بخل ہے جو خوب زیادہ گھبراہٹ میں ڈالنے والا ہے اور دوسری چیز بزدلی ہے جان نکالنے والی ہے۔

(رواہ ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۱۶۵۔ وہونی السنن فی کتاب الجہاد صفحہ ۳۴ ج ۱)

مفسرین نے فرمایا ہے کہ جملہ ﴿وَ اُخْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ﴾ میں بتایا ہے کہ چونکہ نفوس انسانہ میں ایک طرح کی حرص ہے اور خرچ نہ کرنے کے جذبات بھی ہیں اس لیے صلح میں آسانی ہوگی۔ جب شوہر دیکھے گا کہ عورت پورا یا آدھا اپنا مالی حق چھوڑ رہی ہے یا یہ کہ دوسری عورت کو اپنی بارے کا حق سپرد کر رہی ہے تو اس طرح سے میری طبعی حرص میں کچھ خلل نہیں آتا اور عورت بھی مفت میں میرے نکاح میں رہ جاتی ہے تو وہ نکاح میں رکھنے پر راضی ہو جائے گا اور عورت کو جو حرص ہے کہ وہ پرانے شوہر ہی کے نکاح میں رہے اس کی یہ حرص بھی پوری ہو جائے گی اور اس طرح سے صلح آسان ہوگی اگر بچے ہیں تو کسی فریق کو بچوں سے جدا ہونا بھی نہ پڑے گا اور مل جل کر سب کی خوشگوار زندگی گزرے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرمایا ﴿وَ اِنْ تَحْسَبُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ کہ اگر تم بھلائی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی خبر ہے وہ تمہیں نیکی اور تقویٰ کا اچھا بدلہ دے گا۔ اس میں مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اختیار کرنے اور پرہیزگاری کرنے کی ترغیب دی ہے۔

صلح کا ذکر فرمانے کے بعد ایک بہت اہم بات کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا ﴿وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ﴾ کہ تم سے ہرگز یہ نہ ہو سکے گا کہ سب بیویوں میں ہر طرح کی برابری کرو کیونکہ رغبت قلبی غیر اختیاری چیز ہے اس لیے اس میں برابری نہ کر سکو گے۔ پس اگر کسی بیوی کی طرف قلبی میلان زیادہ ہو تو اس کی وجہ سے کسی دوسری بیوی کے حقوق تلف نہ کریں جس سے وہ دوسری بیوی مظلوم ہو جائے اور وہ درمیان میں لٹک کر رہ جائے نہ اس کے حقوق ادا ہوں تاکہ وہ خاوند والی سمجھی جائے اور نہ اس کو طلاق دی جائے تاکہ

وہ بے خاوند والی ہو کر کسی اور جگہ اپنا نکاح کر سکے۔ اسے رکھنا ہے تو اچھی طرح سے رکھو۔ اور اگر اصلاح کرو گے اور پرہیزگاری اختیار کرو گے (جس میں گزشتہ حق تلفی کی تلافی بھی ہو) تو اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے وہ سب کچھ بخش دے گا۔

پھر فرمایا ﴿وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ﴾ یعنی اگر دونوں میاں بیوی میں کسی طرح موافقت نہ ہو پائے اور خلع یا طلاق کے ذریعہ آپس میں جدائی ہو ہی جائے تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو ایک دوسرے سے بے نیاز فرما دے گا۔ کوئی فریق یہ نہ سمجھے کہ میرے بغیر اس کا کام چلے گا ہی نہیں اللہ تعالیٰ سب کا کارساز ہے ہر ایک کے لیے جو مقدر فرمایا ہے وہ اس کے لیے میسر فرمائے گا اس میں فریقین کو تسلی دی ہے کہ آپس میں صلح نہ کر سکیں اور جدا ہی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ دونوں کے لیے خیر فرمائے گا۔ مرد کو کوئی دوسری بیوی مل جائے گی اور عورت کا بھی کوئی ٹھکانہ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی بڑی قدرت ہے وہ اپنی وسعت اور قدرت سے دونوں کا کام بنا دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جو لوگ دوسری شادی کر لیتے ہیں اور پہلی بیوی کے ساتھ نہ برابری کا برتاؤ کرتے ہیں نہ طلاق دیتے ہیں اور ظلم کرتے رہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ تو ایسے ہی پڑی پڑی سڑتی رہے گی۔ ایسے ظالموں کو ان آیت کے مضامین پر خاص توجہ دینا لازم ہے۔ دنیا میں وہ مظلوم اگر کچھ نہیں کر سکتی تو آخرت تو سامنے ہے اگر انصاف نہیں کر سکتے اور برابری کے ساتھ دونوں کو نہیں رکھ سکتے تو ایک ہی بیوی کے ساتھ گزارہ کریں جیسا کہ سورہ نساء کے شروع میں فرمایا ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾۔

دشمنان اسلام نے تعدد ازواج کے بارے میں جو اسلام پر اعتراض کیا ہے۔ ان کا جواب دینے کے لیے نام نہاد اسلام کے جھوٹے ہمدردوں نے آیت ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا﴾ کو پیش کر کے یوں کہا ہے کہ تعدد ازواج ممنوع ہے کیونکہ برابری کر ہی نہیں سکتے اس لیے ایک ہی پر بس کرنا لازم ہے۔ ان جاہل خیر خواہوں نے دشمنوں کو جواب دینے کے لیے مسئلہ شرعیہ میں تحریف کر دی۔ ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا﴾ میں فرمایا ہے کہ تم قلبی محبت میں برابری نہیں کر سکتے، جن امور میں اپنے اختیار سے برابری کر سکتے ہیں اس کے لیے ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا﴾ نہیں فرمایا اور اسی اختیاری برابری کی بنیاد پر چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے جس کا ذکر سورہ نساء کے شروع میں گزر چکا ہے۔

وَاللَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِیْنَ اٰوْتُوْا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِیَّاكُمْ
اَنْ اتَّقُوا اللّٰهَ ۗ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا
حَمِیْدًا ۝۱۳۱ وَاللّٰهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ۝۱۳۲ اِنْ یَّشَآءِ یُّهَبِّکُمْ اَیُّهَا
النَّاسُ وِیٰتٍ بَاخِرِیْنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِیْرًا ۝۱۳۳ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ
ثَوَابُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۝۱۳۴

اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور البتہ ہم نے ان لوگوں کو وصیت کی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تم کو بھی وصیت کی کہ اللہ سے ڈرو، اور اگر کفر کرو گے تو بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بے نیاز ہے لائق حمد و ستائش ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور کارساز ہونے کے لیے اللہ کافی ہے اے لوگو! اللہ چاہے تو تم سب کو ختم کر دے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ کو اس پر قدرت ہے۔ جو شخص ارادہ کرے دنیا کے ثواب کا تو اللہ کے پاس دنیا و آخرت کا ثواب ہے اور اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے وہ غنی اور حمید ہے سمیع اور بصیر ہے

ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے سب اسی کی مخلوق ہیں مملوک ہیں اور اس کے بندے ہیں۔ اسے سب اختیار ہے تکوینی طور پر جس حال میں رکھے۔ اور تشریحی طور پر جو چاہے حکم دے۔ کسی کو کچھ ذرا بھی اعتراض کا حق نہیں، اور فرمایا کہ جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان کو اور تم کو اللہ نے یہ وصیت فرمائی ہے یعنی تاکید کی طور پر حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرنے ہی میں سارے دین پر عمل کرنے کا حکم آجاتا ہے، فرائض و واجبات کی پابندی اور گناہوں کا چھوڑنا یہ سب تقویٰ ہے۔ مزید فرمایا کہ اگر تم کفر اختیار کرو گے تو اللہ کا اس میں کچھ بھی ضرر نہیں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور وہ غنی ہے بے نیاز ہے اسے کسی کی حاجت نہیں۔ کسی کی اطاعت سے اس کا کوئی نفع نہیں۔ اور ترک اطاعت اور عبادت سے اس کا کوئی ضرر نہیں۔ وہ حمید ہے کسی کی مخالفت سے اس کی صفات میں کوئی نقص لازم نہیں آتا اور کسی کی اطاعت سے اس کے کمال ذاتی میں کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔ ساری مخلوق اس کی ملک ہے وہ سب کا کارساز ہے۔

پھر فرمایا ﴿إِنْ يَشَاءُ يُهْبِكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِالْآخِرِينَ﴾ اے لوگو! اللہ چاہے تو تم سب کو ختم کر دے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کو اس پر پوری پوری قدرت ہے باوجود قدرت ہونے کے اس نے تم کو باقی رکھا ہے تم اس کی اطاعت و عبادت کو عنایت جانو۔

آخر میں فرمایا ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ اللہ سے آخرت کا ثواب مانگے اور اس کی آرزو بھی رکھے جو شخص دنیا کا طالب ہے اسے بتادو کہ اللہ کے پاس دونوں جہاں کا ثواب ہے۔ اشرف ترین چیز یعنی ثواب آخرت کا طالب ہونا چاہیے۔ (روح المعالی صفحہ ۱۶۶: ج ۵)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کا مقصد آخرت ہی بن جائے اللہ تعالیٰ اس کے منتشر امور کو جمع فرمادے گا اور اس کے دل کو غنی کر دے گا اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی اور جس کی نیت حصول دنیا ہو اس کے کاموں کو منتشر فرمادے گا اور اس کی آنکھوں کے سامنے تنگی کر دے گا۔ اور دنیا سے اتنی ہی ملے گی جتنی اس کے لیے لکھی گئی۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۱۲۱: ج ۴)

آخر میں فرمایا ﴿وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ تمام اقوال کو سنتا ہے اور تمام احوال کو دیکھتا ہے۔ جو لوگ ظالم دنیا ہیں صرف دنیا کے لیے عمل کرتے ہیں آخرت کی طرف نہیں بڑھتے اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے جو لوگ ریا کاری کے طور پر عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ان کا حال پوشیدہ نہیں ہے وہ اپنے علم کے مطابق بدلہ دے گا۔

قال صاحب الروح صفحہ ۱۶۷: ج ۵ ای کیف یرائی المرائی وان اللہ سمیع بما یرجس فی خاطرہ و ما تامرہ بہ دواعیہ بصیر باحوالہ کلہا ظاہرہا و باطنہا و یجازیہ علیٰ ذلک۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ
وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ
تَلَّوْا أَوْ تَعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٧٥﴾

اے ایمان والو! انصاف پر قائم ہونے والے اللہ ہی کے لیے گواہی دینے والے بن کر رہو۔ اگرچہ تمہاری جانوں یا تمہارے ماں باپ یا

تمہارے رشتہ داروں کے خلاف پڑ جائے۔ اگر غنی ہے یا فقیر ہے تو اللہ تعالیٰ کو دونوں کے ساتھ تم سے زیادہ تعلق ہے سو تم انصاف کرنے میں خواہش نفس کا اتباع نہ کرو اور اگر تم کج بیانی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے

سچی گواہی دینے اور انصاف پر قائم رہنے کا حکم

لباب النقول صفحہ ۵۸ میں اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے بحوالہ ابن ابی حاتم مفسر سدی سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ دو شخصوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنا مقدمہ پیش کیا ان میں ایک غنی تھا اور ایک فقیر تھا۔ آپ کا رجحان فقیر کی طرف ہوا کیونکہ خیال مبارک میں یہ آیا کہ فقیر غنی پر کیا ظلم کرے گا۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انصاف کو قائم رکھا جائے۔

اصل چیز انصاف ہے وہی مطلوب ہے کسی کی بھی طرفداری کرنے سے انصاف باقی نہیں رہتا انصاف کرنے کے جو اصول ہیں یعنی گواہی اور قسم اسی کے مطابق فیصلے کیے جائیں البتہ گواہ سچے ہوں اس لیے جہاں یہ حکم دیا کہ انصاف پر قائم رہو وہاں یہ حکم بھی دیا کہ اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو۔ گواہ بھی جھوٹی گواہی نہ دیں اور کسی کی طرف داری نہ کریں۔ حق کو خوب اچھی طرح واضح کریں گواہی دینے میں غلط بیانی نہ کریں۔ جیسے زبان موڑ کر یا الفاظ کی ہیرا پھیزی کر کے بعض گواہ گواہی دے جاتے ہیں۔ اس میں ظالم کی طرفداری ہو جاتی ہے یا حق واضح نہ ہونے سے حاکم فیصلہ دینے سے عاجز رہ جاتا ہے جس سے مظلوم کا حق مارا جاتا ہے اور گواہی دینے سے اعراض بھی نہ کرے کیونکہ جہاں کسی کا حق مارا جاتا ہو وہاں حق گواہی دینا واجب ہے اس واجب کی خلاف ورزی گناہ ہے۔ اسی کو فرمایا ﴿وَإِنْ تَلَّوْا أَوْ تَعْرَضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ اور سورہ بقرہ کے آخری رکوع میں فرمایا ﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا﴾ اور فرمایا ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبًا﴾۔

مزید ارشاد فرمایا کہ اللہ کے لیے گواہی دو اور گواہی میں یہ نہ دیکھو کہ یہ کسی کے خلاف جائے گی اگر حق کہے گا وہی تمہاری اپنی جانوں کے خلاف ہو یا تمہارے والدین کے خلاف ہو یا رشتہ داروں کے خلاف ہو تب بھی صحیح اور حق گواہی دے دو۔ اگر تمہارا یا تمہارے عزیزوں کا کچھ نقصان ہوگا تو حقیر دنیا کا نقصان ہوگا حق قائم کرنے اور حق دلانے کے سامنے حقیر دنیا کے نقصان کی کوئی حیثیت نہیں وکُو عَلَيَّ أَنْفُسِكُمْ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کا کوئی حق اپنے ذمہ نکلتا ہو تو واضح طور پر اس کا اقرار کرنا لازم ہے گویہ نفس کے خلاف گواہی ہے۔ نفس حق دینا نہیں چاہتا لیکن آخرت کی پیشی کو سامنے رکھ کر حقدار کا حق دے دینا لازم ہے۔

یہ جو فرمایا ﴿إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا﴾ اس میں یہ بتایا کہ تم یہ نہ دیکھو کہ جس کے خلاف گواہی پڑ رہی ہے اور جس کے خلاف فیصلہ ہو رہا ہے یہ غنی ہے یا فقیر ہے۔ امیری غریبی اللہ کی دی ہوئی ہے اور امیر اور غریب سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے کیونکہ وہ اس کی مخلوق ہیں اور ان کا حاجت روا ہے تمہیں کسی امیر غریب سے اتنا تعلق نہیں ہے جتنا اللہ تعالیٰ کو تعلق ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے سب کی مصلحت اسی میں رکھی ہے کہ صحیح گواہی دی جائے حق بات کہی جائے تو تم اسی حکم پر عمل کرو۔ یہ نہ دیکھو کہ مالدار کے پاس مال جا رہا ہے یا اسے دینا پڑ رہا ہے یا غریب کو نہیں مل رہا ہے یا غریب کو دینا پڑ رہا ہے بلکہ ہمیشہ حق ہی کو اختیار کرو اور صحیح گواہی دو۔

جس طرح رشتہ داری سامنے آ جاتی ہے اور گواہی میں فیصلے میں حق کو اختیار نہیں کیا جاتا بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ جس کے خلاف فیصلہ جا رہا ہے وہ ہمارا رشتہ دار ہے اسی طرح یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم جس کے خلاف گواہی دے رہے ہیں یا فیصلہ لکھ رہے ہیں وہ ہمارا دوست ہے یا ہم وطن ہے یا ہم پیشہ ہے یا ہم زبان ہے ایسے گواہ اور حاکم کے لیے سخت وبال اور گناہ کی بات ہے کہ ظلم کا ساتھ دے اور اس کی رعایت کرے جس سے کسی قسم کا تعلق ہے اور جس کا واقعی حق بنتا ہو اسے محروم کر دے، لسانی اور وطنی عصبیتوں کی وجہ سے متعصب عوام سے دب کر بہت سے اہل علم بھی عصبیت کے سیلاب میں بہ جاتے ہیں۔ زمانہ قریب کے تاریخ شاہد ہے کہ تقسیم ہند کے بعد کافروں کے مظالم سے بچ کر بہت سے مسلمانوں کے بعض علاقوں میں ہجرت کر کے پہنچ گئے اور پھر وہاں گھر بنا لیے اور زمینیں خرید لیں۔ اور پیسے کما لیے جب علاقے کے لوگوں کو علاقائی

عصبيت کا خیال آیا تو ان پناہ گزین مسلمانوں کو اپنے علاقے سے نکالنے پر تل گئے۔ پناہ گزینوں کو بے تحاشہ ختم کیا اور ان کے مالوں اور جائیدادوں پر قبضہ بھی کر لیا اس وقت حکام اور عوام بلکہ اہل علم تک اس جہالت پر آمادہ ہو گئے کہ یہ ہماری زمین ہے۔ یہ رقم ہمارے یہاں رہتے ہوئے کمائی ہے۔ لہذا یہ سب کچھ ہمارا ہے اس عصبيت جاہلیت کی وجہ سے پناہ گزین پر بڑے بڑے مظالم ہوئے اور حکام اور عوام سب نے ﴿كُونُوا قَوْمِينَ بِالْقِسْطِ﴾ کی خلاف ورزی کی۔ اگر کسی کے دل میں انصاف کی بات تھی تو عوام کے خوف سے وہ زبان پر نہ لاسکا۔ انصاف پر قائم رہنے میں یہ سب داخل ہیں کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور ظالم کو قتل سے روکا جائے۔ ظالم کی حمایت نہ کی جائے مظلوم کا حق دیا جائے اور دلایا جائے گواہی دینے میں کسی اپنے پرانے کا خیال نہ رکھا جائے۔ گواہی حق ہو، خواہ کسی کے بھی خلاف پڑے۔

اپنے نفس پر اور مظلوموں پر ظلم کرنے والے وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ کے لیے گواہی نہیں دیتے جبکہ قرآن مجید میں ﴿شَهِدَ آءَ لِّلّٰہِ﴾ فرمایا اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو روزانہ کچھری میں حاضر ہو جاتے ہیں اور جس کے خلاف گواہی دلوائی جائے تھوڑے سے پیسے لے کر گواہی دے دیتے ہیں۔ جھوٹی گواہی دینا بہت سے لوگوں کا کاروبار ہے۔ ایسی گواہی دینا حرام ہے اور اس پر جو اجرت لیتے ہیں وہ بھی حرام ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو قیامت کے دن اللہ کے سائے کی طرف سب سے پہلے پہنچنے والے کون ہیں، عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جب انہیں حق دیا جاتا ہے تو قبول کر لیتے ہیں اور اگر ان پر کسی کا حق ہو تو جب مانگا جائے دے دیتے ہیں اور لوگوں کے بارے میں وہی فیصلہ کرتے ہیں جو فیصلے اپنے لیے کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جیسے اپنے لیے حق اور انصاف چاہتے ہیں ایسے ہی جب دوسروں کے بارے میں فیصلہ کرنے کا موقعہ آجائے اس وقت بھی انصاف کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۲۲)

شروع آیت میں ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ فرما کر یہ بتا دیا کہ انصاف قائم کرنا اور سچی صحیح گواہی دینا یہ تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے جو لوگ حکام ہیں ان کو پوری امت انصاف کا پابند کرے تاکہ دنیا میں انصاف کی فضا بنے۔ جو لوگ حاکم بناتے ہیں ان پر فرض ہے کہ ایسے شخصوں کو حاکم بنائیں جو علم اور تقویٰ والے ہوں۔ ظالمانہ فیصلے نہ کریں قرآن و حدیث کے موافق فیصلے کریں۔ کافرانہ قانون کو سامنے رکھ کر فیصلے نہ کریں۔

اس آیت میں ﴿كُونُوا قَوْمِينَ بِالْقِسْطِ شَهِدَ آءَ لِّلّٰہِ﴾ فرمایا اور سورہ مائدہ میں ﴿قَوّٰمِينَ لِّلّٰہِ شَهِدَ آءَ بِالْقِسْطِ﴾ فرمایا۔ دونوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ انصاف قائم کرنا اور سچی گواہی دینا یہ دونوں کام اللہ کی رضا کے لیے کریں۔ لفظ اللہ میں یہ بتایا کہ انصاف اور گواہی اللہ کی رضا کے لیے ہو اور آیت کے ختم پر ﴿اِنَّ اللّٰہَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ فرما کر یہ بتایا کہ اللہ سے ڈرو قیامت کی پیشی کا دھیان رکھو۔ جب اللہ کی رضا بھی مقصود ہوگی اور اللہ کا خوف بھی ہوگا تو انصاف بھی قائم ہو سکے گا اور گواہ سچی گواہی دیں گے۔

اتباع ہوئی سے پرہیز:

آیت میں جو یہ فرمایا ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰی اَنْ تَعْدِلُوْا﴾ اس میں اجمالی طور پر مضمون بالا کی تاکید فرمادی کہ خواہش نفس کا اتباع نہ کرو۔ ظلم اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ حق کو اختیار کرنے کی بجائے خواہش نفس کا اتباع کیا جاتا ہے اور اللہ کی رضا کو سامنے نہیں رکھا جاتا اسی وجہ سے ظالمانہ فیصلے ہوتے ہیں اور جھوٹی گواہیاں دی جاتی ہیں۔

لفظ ﴿اَنْ تَعْدِلُوْا﴾ میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ عدول سے مشتق ہو جس کا معنی یہ ہوگا کہ اتباع ہوئی نہ کرنا جس کی وجہ سے حق سے ہٹ جاؤ گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ عدل سے مشتق ہو۔ جس کا معنی یہ ہوگا کہ اتباع ہوئی نہ کرو کیونکہ اتباع ہوئی کی وجہ سے عدل نہ کر سکو گے۔ و فیہ حذف مضاف ای کراہیۃ ان تعدلوا۔

گواہیوں اور فیصلوں میں رشتہ داریوں کو نہ دیکھا جائے:

بے انصافی اختیار کرنے اور ظلم پر آمادہ ہونے کے لیے جس طرح رشتہ داروں کی یادوستوں کی یا کسی بھی قسم کے تعلقات کی رعایت آڑے آجاتی ہے اسی طرح سے کسی قوم کی دشمنی اور بغض اور عناد بھی انصاف سے روکنے والے بن جاتے ہیں۔ اس پر سورہ مائدہ میں تنبیہ فرمائی اور فرمایا ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا﴾ (کہ کسی قوم کی دشمنی کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا ہے اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم زیادتی کر جاؤ) اور فرمایا ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَنْ لَا تَعْتَدِلُوْا﴾ (اور تمہیں کسی قسم کی دشمنی اس پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف نہ کرو)۔

اسلام ظلم کا ساتھی نہیں:

دین اسلام میں حق اور انصاف کی قدر و قیمت ہے اور اسی کا حکم دیا گیا ہے اور انصاف کے اصول مقرر فرمادیے ہیں۔ صاحب حق امیر ہو یا غریب اس کا حق دلانا فرض ہے۔ کسی سے اس لیے عناد کرنا کہ وہ امیر ہے یا غریب ہے یہ اسلام میں نہیں ہے اسلام حق کا ساتھی ہے ظلم کا ساتھی نہیں ہے، جب سے دنیا میں کمیونزم کا نظریہ چلا ہے اس وقت سے لوگوں کا کچھ مزاج ایسا ہو گیا کہ جس طرح سے ممکن ہو مالدار کو دباؤ۔ اگرچہ ظلم غریب کی طرف سے ہو جہاں کہیں کسی امیر اور غریب میں کوئی جھگڑا ہو جائے تو دیکھا جاتا ہے کہ عام لوگ غریب ہی کے ساتھی ہو جاتے ہیں حالانکہ حق کا ساتھی ہونا چاہیے اگر کسی امیر نے مزدور رکھا اور کام لے کر اس کی مزدوری نہ دی یا کم دی تو اس صورت میں غریب کا ساتھی ہونا چاہیے اور اس کا جو حق ہے وہ دلائیں اور اگر کسی غریب نے کسی امیر کا پیسہ مار لیا تو غریب سے اس کا پیسہ دلائیں اسلام حرام کا مخالف ہے اگر امیر کے پاس حرام ہے تو وہ گنہگار فاسق فاجر ہے جس کا مال مارا ہے اس کا مال واپس کرے۔ امیری یا غریبی حق ہونے کا اور حق دار ہونے کا معیار نہیں ہے۔ آپ مزدور یہ کرتے ہیں کہ جتنا معاملہ کے اعتبار سے ان کا حق بنتا ہے اس سے زیادہ مانگتے ہیں اگر کارخانہ دار نہ دے تو ہڑتال کر دیتے ہیں پھر ہڑتال کے زمانے کے بھی پیسے مانگتے ہیں اور اس کو مزدور کا حق سمجھا جاتا ہے اور لوگ عموماً مزدور کے طرف دار ہو جاتے ہیں یہ مزدوروں کی ناجائز حمایت ہے اور انصاف کے خلاف ہے اگر کسی حکومت کے غلط قانون کی وجہ سے مالدار کارخانہ چلانے کی مجبوری سے اس زمانے کے پیسے دے دے جس زمانے میں مزدوروں نے کام نہیں کیا تو مزدوروں کو وہ پیسہ لینا حلال نہ ہوگا۔ مزدور آٹھ گھنٹے روزانہ کا معاملہ کرتے ہیں پھر وقت کم دیتے ہیں اور تنخواہ پوری لیتے ہیں یا وقت پورا دیتے ہیں تو کام پورے وقت میں نہیں کرتے کچھ کام کیا پھر بیٹھ گئے باتوں میں وقت لگایا جو کام سپرد نہیں ان کاموں میں لگ گئے اور تنخواہ پوری لے لی۔ ایسا کرنے سے پوری تنخواہ لینا حلال نہیں ہوتا۔ جو لوگ ایسے حق مارنے والوں کا ساتھ دیتے ہیں وہ ظلم کے ساتھی ہیں۔ ﴿اِنْ يَكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاَللّٰهُ اَوْلٰى بِهَمَا﴾ کے بعد جو ﴿فَلَا تَتَّبِعُوْا الْهَوٰى اَنْ تَعْتَدِلُوْا﴾ فرمایا ہے اس میں وہ لوگ غور کریں جو ظلم کے مواقع میں امیر یا غریب کا ساتھ دیتے ہیں اور اتباع ہوئی کی وجہ سے حق کے ساتھی نہیں بنتے۔ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقُّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَزَلَ عَلٰى رَسُوْلِهِ وَاَلْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَاٰتِيْنٰهُ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۙ بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيْهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾

اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور رسولوں پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے

نازل فرمائیں۔ اور جو شخص منکر ہو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا تو وہ گمراہ ہو کر دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے تو اللہ ان کو نہیں بخشے گا اور نہ ان کو راہ دکھائے گا۔

اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور کتابوں، فرشتوں اور یوم آخرت پر ایمان لانے کا حکم

ان آیات میں اولاً مسلمانوں کو خطاب فرمایا ہے کہ اپنے ایمان پر جسے رہو اور اس کے رسولوں پر اس کی موجودہ کتاب پر اور اس کی ان کتابوں پر جو پہلے نازل فرمائی ہیں ان سب پر ایمان لاؤ۔ مزید یہ فرمایا کہ جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور آخرت کے دن کا انکار کرے وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ اس میں اصول ایمان بتائے ہیں ان چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے جو اس آیت میں مذکور ہوئیں۔

حدیث جبرائیل میں تقدیر پر ایمان لانے کو بھی اصول ایمان میں شامل فرمایا ہے۔ جب کوئی شخص ان چیزوں پر ایمان لائے گا تو آگے سارے دین پر ایمان لانا لازم ہو جائے گا۔ کیونکہ سارا دین اللہ نے اپنی کتاب میں خود بتایا ہے یا اپنے رسول کے ذریعہ بتایا ہے۔ جو بھی کسی چیز کا اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی چیزوں میں منکر ہو گا وہ کافر ہوگا۔ اور ان چیزوں کا انکار بہت بڑی گمراہی ہے جس کو ﴿ضَلَّالًا بَعِيدًا﴾ فرمایا۔ اس کے بعد منافقوں کا ذکر فرمایا، سورہ بقرہ کے شروع میں ہم نے بتایا تھا کہ منافقوں کا ظہور کیوں ہوا۔ اور منافقت اختیار کرنے والے کون لوگ تھے اور انہوں نے اس کی ضرورت کیوں محسوس کی وہاں دیکھ لیا جائے۔ ان لوگوں کے سامنے دنیا تھی۔ طلب دنیا کی وجہ سے مفاد ظاہری کے پیش نظر ظاہری طور پر ایمان قبول کر لیتے تھے اور اندر سے کافر ہی رہتے تھے۔

ان میں سے بعض کو تو ایمان کی توفیق ہو گئی۔ اور بعض کفر ہی میں بڑھتے چلے گئے۔ جب انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تو پیچھے پلٹ کر دیکھنے اور آخرت کے نفع نقصان سمجھنے کا موقع ہی ختم کر دیا۔ جو شخص کفر اور شرک پر مر جائے اس کی بخشش کبھی بھی نہیں ہے اور جب کفر پر مر گیا تو اب موت کے بعد جنت کی راہ دکھانے کا کوئی راستہ ہی نہیں رہا۔

آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ یہودیوں کے بارے میں ہے کہ وہ اول ایمان لائے پھر گائے کے پچھڑے کی عبادت کر کے کافر ہو گئے پھر توبہ کر کے مومن ہوئے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہوئے پھر انکار میں بڑھتے ہی چلے گئے یہاں تک کہ جانتے بوجھتے نبی آخر الزمان کی بعثت اور رسالت کے بھی منکر ہو گئے۔ (ذکرہ فی الروح)

﴿وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا﴾ اس کا ایک مطلب تو وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بہشت کا راستہ نہ دکھائے گا۔ کیونکہ وہ کفر پر مر چکے ہوں گے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے بار بار کفر کی طرف لوٹنے کی وجہ سے قبول حق کی توفیق ہی سلب ہو جائے گی۔ اور آئندہ توبہ کرنے اور ایمان لانے کا موقع ہی نصیب نہ ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے سورہ صف میں بنی اسرائیل کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ قال صاحب الروح صفحہ ۱۷۱: ۵ فان من تكرر منهم ارتداد و زياد الكفر والا صرار عليه صاروا بحيث قد ضربت قلوبهم بالكفر و تمرنت على الردة۔

بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكُفْرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ

الْمُؤْمِنِينَ ۝ آيِبَتَعُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۝

منافقین کو خوشخبری سنا دیجیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے جو مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں۔ بلاشبہ ساری عزت اللہ کے لیے ہے۔

عزت اللہ ہی کے لیے ہے

اس آیت میں منافقین کی بد حالی کا تذکرہ ہے ارشاد فرمایا ہے کہ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے خوشخبری تو اچھی حالت کی دی جاتی لیکن عذاب الیم کی خبر کو بھی خوشخبری سے تعبیر فرمایا کیونکہ وہ لوگ اپنی حرکتوں کے نتیجے میں اچھی حالت کے منتظر ہیں ان کی بے وقوفی ظاہر کرنے کے لیے اس خبر کو بشارت سے تعبیر فرمایا۔ منافقین نے جو نفاق اختیار کیا تھا۔ اس میں انہیں کافروں سے دوستی رکھنی پڑتی تھی۔ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم ایمان لائے اور کافروں سے کہتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں کسی بھی فریق کے ساتھ نہ تھے۔ جیسا کہ آئندہ رکوع میں ہے ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَلَا إِلَهٌ مِّثْلُ هُوَ ۚ هُوَ الَّذِي يُخْرِجُ الْغَبُورَ﴾ فرمایا ہے کوئی فریق ان کو اپنا نہیں سمجھتا لیکن وہ یہی سمجھتے تھے کہ ہم بڑے کامیاب ہیں دونوں فریق کو اپنے تعلق میں الجھا رکھا ہے اس فریق سے بھی نفع حاصل کرتے ہیں اور دوسرے فریق سے بھی۔ ان کی یہ چالاکی انہیں لے ڈوبی ایمان سے محروم رکھا۔ اخلاص کے ساتھ ظاہر و باطناً اسلام قبول کر کے سچے پکے مسلمان اس لیے بنتے تھے کہ انہیں یہ خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کا غلبہ نہ ہو تو ہم اسلام قبول کر کے اس عزت سے محروم ہو جائیں گے جو کافروں سے دوستی کرنے میں حاصل ہے اسی کو فرمایا ﴿يَسْتَعِينُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ (کیا کافروں کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں عزت تو ساری اللہ ہی کے لیے ہے) اللہ خود عزیز ہے وہ جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے۔ کافروں کی ذرا سی مال و جائیداد اور جتھہ کی جو عزت نظر آ رہی ہے اس کی کچھ حیثیت نہیں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جو عزت دے گا اس کے سامنے یہ کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو عزت دی وہ سب کافر ذلیل ہوئے جنہوں نے ایمان قبول نہیں کیا اور منافقین نے بھی ان کے ساتھ ذلت اٹھائی۔ کافر ذلیل ہوتے چلے گئے اور اہل سلام کا غلبہ ہوتا گیا۔ اور ممالک فتح ہوتے چلے گئے یہ تو دنیا میں ہو اور آخرت میں تو ہر کافر کے لیے عذاب مہین (ذلیل کرنے والا عذاب) مقرر ہے ہی۔ دنیا میں جو اب مسلمانوں کی بد حالی ہے وہ اس لیے ہے کہ عمومی طور پر مسلمانوں نے ایمان کے تقاضوں کو اور ایمان کے مطالبات کو چھوڑ دیا ہے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اسلام کو سب سے بڑی عزت سمجھے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سے عزت مانگے اور مسلمانوں کی دوستی ہی میں عزت سمجھے۔ مسلمان ہوتے ہوئے کافروں سے بددلی کر کے یا ان کے افعال و اخلاق اختیار کرنے میں یا ان کی شکل و صورت اور وضع قطع اختیار کرنے میں عزت نہ سمجھے، جو لوگ اللہ کے ہاں ذلیل ہیں ان کے ساتھ یا ان جیسا ہونے میں عزت نہیں ہے۔ طارق بن شہاب بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (اپنے زمانہ خلافت میں) شام کی طرف روانہ ہوئے اور اس وقت ہمارے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ چلتے چلتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی سے اتر گئے اور اپنے موزے اپنے کاندھے پر ڈال لیے اور اونٹنی کی باگ پکڑ کر چلنا شروع کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! آپ ایسا کرتے ہیں کہ موزے نکال کر کاندھے پر ڈال کر اونٹنی کی باگ پکڑ کر چل رہے ہیں؟ مجھے تو یہ اچھا نہیں لگتا کہ یہاں کے شہروالے اور لشکر اور نصاریٰ کے بڑے لوگ آپ کو اس حال میں دیکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا افسوس ہے تیری بات پر، اے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ تیرے علاوہ کوئی شخص یہ بات کہتا تو اسے عبرتناک سزا دیتا جو امت محمدیہ کے لیے عبرتناک ہوتی پھر فرمایا کہ بلاشبہ ہم لوگ (یعنی عرب) ذلیل قوم تھے اللہ نے ہم کو اسلام کے ذریعہ عزت دی اس کے بعد جب کبھی بھی ہم اس چیز کے علاوہ عزت طلب کریں گے جس سے اللہ نے ہمیں عزت دی ہے تو اللہ ہمیں ذلیل فرمادے گا۔ (رواہ الحاكم فی المستدرک صفحہ ۲۶: ج ۱)

آج دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان ہونے کے دعویدار نصاریٰ کے طور طریقے اختیار کرنے میں داڑھی موٹڈنے میں فرنگی لباس پہننے میں کھانے پینے میں اور معیشت میں اور معاشرت میں حکومت میں اور سیاست میں دشمنان دین کی تقلید کرنے کو عزت کی چیز سمجھتے ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے میں، اسلامی لباس پہننے میں، بیاہ شادی میں، سنت کا طریقہ اختیار کرنے میں، اسلامی قوانین اختیار کرنے میں خفت اور ذلت محسوس کرتے ہیں جس طرح منافقین کافروں سے دوستی کر کے ان کے یہاں عزت چاہتے ہیں تھے آج کے مسلمان بھی انہیں کے طرز کو اپنارہے ہیں اسلام اور اعمال اسلام میں عزت نہ سمجھنا اور کافروں سے دوستی کرنے اور ان کی طرف جھکنے اور ان کی تقلید میں عزت سمجھنا

بہت بڑی محرومی ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سچے مسلمان تھے کافران سے ڈرتے تھے۔ اب جبکہ مسلمان ہی کافروں کی طرف جھک رہے ہیں اور ان کے رنگ میں رنگے جا رہے ہیں تو عزت کہاں رہی؟ یہود و نصاریٰ اور ہنوذ کا اتباع کرنے والے غور کر لیں۔

سورہ منافقون میں فرمایا ﴿وَاللّٰهُ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ یعنی عزت اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنین کے لیے لیکن منافقین نہیں جانتے ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے جو ذلت دیکھ رہے ہیں اسی سے سمجھ لیں کہ ایمان کے تقاضوں کے خلاف جا رہے ہیں جس کی وجہ سے عزت سے محروم ہیں۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۗ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۝۱۳۰ الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فِتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالَوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ ۗ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ ۗ قَالَوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَنْتَعِمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۗ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۝۱۳۱

اور اللہ نے تم پر کتاب میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق کیا جا رہا ہے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں۔ بلاشبہ تم اس حالت میں ان جیسے ہو جاؤ گے۔ بلاشبہ اللہ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع فرمادے گا جو اس بات کے انتظار میں رہتے ہیں کہ تمہارے اوپر کوئی مصیبت آپڑے، سواگر تمہارے لیے اللہ کی طرف سے فتح یا بی حاصل ہو جائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل جائے تو ان سے کہتے ہیں ہم تم پر غالب نہ آگئے تھے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہیں بچایا، سو اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور اللہ ہرگز کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرمائے گا۔

کافروں کی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت اور منافقین کی دوغلی باتوں کا تذکرہ

ان آیات میں اول تو مسلمانوں کو ایک اہم حکم قرآنی یاد دلایا جو اس آیت سے پہلے نازل ہو چکا تھا اور وہ یہ ہے ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۗ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ یعنی جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں (لہو و لعب کے طور پر) مشغول ہوتے ہیں تو تم ان سے اعراض کر لو (یعنی ان کو چھوڑ دو) یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم کے ساتھ نہ بیٹھو) یہ آیت سورۃ انعام کی ہے جو کی سورت ہے۔ کافر اور مشرک بطور لہو و لعب قرآنی آیات کا تذکرہ کرتے اور بطور مجلسی مشغلہ کے باتیں کرتے تھے۔ اور آیات قرآنیہ پر طعن کرتے تھے اور مسلمانوں کو حکم ہوا کہ جب ایسا موقعہ ہو تو ان کو چھوڑ کر چلے جائیں ان کے ساتھ نہ بیٹھیں۔ جب تک وہ اس مشغلے کو چھوڑ کر کسی اور مشغلے میں نہ لگیں ان سے دور ہی رہیں۔

سورۃ انعام کی آیت کے مضمون کو یہاں سورہ نساء میں یاد دلایا اور فرمایا کہ تمہیں پہلے یہ حکم دیا جا چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق بنایا جا رہا ہے تو اس عمل میں جو لوگ مشغول ہوں ان کے ساتھ نہ بیٹھو اگر تم ایسے موقعہ پر وہاں سے نہ ہٹے تو تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے۔ کھلے کافر بھی آیت قرآنیہ پر اعتراض کرتے تھے اور منافقین بھی اس مشغلے کو اختیار کرتے تھے۔ مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ تم ایسے موقعہ پر ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔ اٹھ کر چلے جاؤ کیونکہ اگر اعتقاد میں ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ گے تو ان ہی جیسے کافر ہو جاؤ گے

اور اگر اعتقاد میں شریک نہ ہوئے تو گناہ کی شرکت تو بہر حال ہو ہی جائے گی۔

قال صاحب الروح والمراد من المماثلة في الجزاء المماثلة في لائم لانهم قادرون على الاعراض والانكار لا عاجزون كما في مكة اور في الكفر على معنى ان رضيتم بذلك وهو مبني على ان الرضى بكفر الغير كفر من غير تفصيل..... الخ

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے آیت بالا سے اس پر استدلال کیا ہے کہ فاسقوں اور اہل بدعت کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا حرام ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابراہیم نخعی نے اس کو اختیار کیا ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ایک روزے دار شخص شراب پینے والوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس کی پٹائی کی اور یہی آیت تلاوت کی۔

صاحب روح المعانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ آیت بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ کفریہ کاموں میں لگے ہوئے ہوں ان کی مخالفت اس طرح سے فرض ہے کہ وہاں سے اٹھ کر چلا جائے محض قلب یا چہرہ سے اعراض کرنا کافی نہیں ہے۔ (صفحہ ۱۷۷: ج ۵)

اگر کافر کسی جگہ جمع ہوں اور ان کی باتوں اور اعتراضوں کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے کوئی شخص وہاں چلا جائے تو یہ ممانعت کے دائرہ میں نہیں آتا کیونکہ اہل کفر اور اہل بدعت سے مناظرہ مجادلہ کرنا مشروع ہے۔ البتہ بہت سے وہ لوگ جو ہندوؤں یا نصرانیوں کی مجلسوں میں ہوتے ہیں اور ان سے اسلام کے خلاف باتیں سنتے ہیں اور اسلام کی باتوں کا وہ لوگ جو مذاق اڑاتے ہیں اسے بیٹھے ہوئے سنتے رہتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے یا کافروں کی قوت ظاہرہ کی وجہ سے ان باتوں کا جواب دینے سے عاجز ہوتے ہیں ایسے لوگوں پر فرض ہے کہ وہاں سے اٹھ جائیں آج کل بہت سے ممالک مثلاً انگلینڈ وغیرہ میں ایسا پیش آجاتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا﴾ (کہ اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں سب کو دوزخ میں جمع کرنے والا ہے) پھر مسلمان ان کی طرف کیوں مائل ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو اہل جنت کے پاس رہنا چاہیے انہیں کی مجلس میں بیٹھنا چاہیے۔ پھر منافقوں کا طریقہ کار اور کردار بیان فرمایا اور فرمایا کہ یہ لوگ بظاہر تو یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن چونکہ اندر سے مسلمان نہیں ہیں اس لیے وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی مصیبت آپڑے (یہ مصیبت بعض مرتبہ کھلے کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کی صورت میں رونما ہو جاتی ہے) جب مسلمان کافروں سے لڑنے لگے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگئی تو یہ منافق مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دیکھو کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ لہذا جو کچھ غنیمت تمہیں ملی ہے اس میں سے ہم کو بھی حصہ دو، اور اگر کافروں کو کوئی حصہ مل گیا یعنی لڑائی میں انہیں غلبہ حاصل ہو گیا تو یہ منافق کافروں سے کہتے ہیں کہ کیا مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو کر ہم تم پر غالب نہیں آگئے تھے؟ پھر کیا ہم نے تمہیں غالب کرنے کے راستے نہیں بتائے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے بھید تم تک نہیں پہنچائے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہیں بچایا؟ ہماری کارکردگی ہی سے تو تم کو غلبہ ہوا ہے ہم نے مسلمانوں کو تمہارے خلاف اٹھنے سے روکا اور وہ جب لڑائی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو ہم ان کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ تمہارے فتح یابی میں ہمارا دخل ہے۔ لہذا اپنے منافع میں ہم کو بھی شریک کرو چونکہ منافق نفاق کو اسی لیے اختیار کرتا ہے کہ دونوں جماعتوں سے فائدہ اٹھائے اور چٹ اور پٹ دونوں اس کی رہیں اس لیے اس زمانہ کے منافقین یہ چال چلتے تھے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ ایسے لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے ارشاد فرمایا ﴿وَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلے فرمادے گا۔ اہل ایمان کو جنت عطا فرمائے گا اور منافقوں اور کافروں کو دوزخ کی سزا دے گا۔ یہ دنیا کی ذرا سی زندگی اگر نفاق اور مکر و فریب اور دغا بازی کے ساتھ بظاہر کچھ اچھی گذار لی تو یہ کوئی خوش ہونے کی چیز نہیں ہے۔ اس کے بعد منافقوں اور کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب دھرا ہوا ہے۔

آخر میں ارشاد فرمایا ﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب فیصلے ہوں گے تو

اللہ کافروں کو ایمان والوں پر غلبہ نہ دے گا دنیا میں تو مسلمانوں کے ابتلاء کے لیے اور کافروں کے استدراج کے لیے کبھی کافروں کا غلبہ ہو جاتا ہے لیکن آخرت میں ہر حیثیت سے مسلمانوں ہی کا غلبہ ہوگا۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا یہی مطلب مروی ہے۔ صاحب روح المعانی اس کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو دنیا میں مسلمانوں پر غلبہ تام نہیں دے گا کہ جس سے سب مسلمان ایک ایک کر کے ختم ہو جائیں اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ کافروں کو کبھی بھی مومنین کے مقابلے میں کوئی ایسی حجت اور دلیل نہیں مل سکتی جس کے ذریعہ وہ مسلمانوں سے جیت جائیں دلائل کے اعتبار سے اہل ایمان ہی ہمیشہ غالب رہیں گے۔ (صفحہ ۱۷۵: ج ۵) اور صاحب ہدایہ نے اس آیت کو اس امر کے استدلال میں پیش کیا ہے کہ کسی کافر کی ولایت کسی مسلمان پر نہیں ہے جس کا معنی یہ ہے کہ کوئی کافر اپنی مسلمان اولاد کا ولی نہیں ہو سکتا۔ کافر اپنی کافر اولاد کا نکاح کر سکتا ہے اپنی مسلمان اولاد کے نکاح کی ولایت اسے حاصل نہیں ہے۔

إِنَّ السُّفِّقِينَ يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ يُرَاءُونَ
النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ مَذْبَدِبَيْنَ بَيْنَ ذَلِكَ ۝ لَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ
هَؤُلَاءِ ۝ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ
أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ۝ إِنَّ
السُّفِّقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا
وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ
الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَدَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۝ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا
عَلِيمًا ۝

بے شک منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور حال یہ ہے کہ اللہ ان کی دھوکہ بازی کی ان کو سزا دینے والا ہے اور جب وہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو کسل مندی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا سا ادھر میں لٹکے ہوئے ہیں اس کے درمیان، نہ ان لوگوں کی طرف نہ ان لوگوں کی طرف، اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے تو ہرگز کوئی راستہ نہ پائے گا، اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کی صریح حجت قائم کر لو، بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں ہوں اور تو ہرگز ان کے لیے کوئی مددگار نہ پائے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی اور اللہ پر مضبوط بھروسہ رکھا اور اپنا دین اللہ کے لیے خالص کر دیا۔ تو یہ لوگ مومنین کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب اللہ مومنین کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار بنو اور ایمان لاؤ اور اللہ قدر دان ہے جاننے والا ہے۔

منافقوں کی چال بازی اور امور دینیہ میں کسل مندی کا تذکرہ اور مسلمانوں کو حکم کہ کافروں کو دوست نہ بنائیں ان آیات میں منافقین کے کردار پر مزید روشنی ڈالی ہے اور ان کا طور طریق بتایا ہے۔ پھر ان کا وہ مقام بتایا ہے جہاں اس دوزخ میں جانا ہے، پھر یہ بھی فرمایا کہ ان میں سے جو لوگ توبہ کر لیں اور اصلاح حال کر لیں اور اللہ پر پختہ بھروسہ کر لیں اور اللہ کے لیے اپنے دین کو خالص کر

لیں تو یہ مومنین کے ساتھ ہوں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کی راہ ہر وقت کھلی ہوئی ہے۔ شروع میں ارشاد فرمایا کہ منافقین اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور سورہ بقرہ کے دوسرے رکوع میں فرمایا ﴿يُخٰدِعُونَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کہ وہ اللہ کو اور اہل ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں۔ (مسلمانوں سے) جھوٹ کہہ دیتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اندر سے مومن نہیں ہیں اور پھر انہیں نعمتوں اور برکتوں کے آرزو مند ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ گویا ان کا عقیدہ اور ان کا ایمان سے منحرف ہونا اللہ کو معلوم ہی نہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَهُوَ خٰدِعُهُمْ﴾ اللہ ان کے دھوکے کی ان کو سزا دینے والا ہے لفظ ﴿وَهُوَ خٰدِعُهُمْ﴾ علی سبیل المشاکلہ فرمایا ہے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ بعض حضرات نے وہو خادعہم کو اس صورت حال پر محمول کیا ہے جو قیامت کے دن ان کے سامنے آئے گی اور وہ یہ کہ روشنی میں مسلمانوں کے ساتھ چلتے رہیں گے۔ پھر وہ روشنی سلب کر لی جائے گی اور منافقین کے اور اہل ایمان کے درمیان دیوار لگا دی جائے گی۔ جس کا ذکر سورہ حدید میں ہے۔ ﴿قِيْلَ ارجِعُوْا وِرَآئِكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَمَضْرَبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرِ لِهٖ بَابٌ بٰطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظٰهْرُهٗ مِنْ قِبَلِهٖ الْعَذَابُ﴾

چونکہ منافقین کی حرکت بد کا وبال انہیں پر پڑنے والا ہے اس لیے سورہ بقرہ ﴿وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ﴾ وہ دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنی ہی جانوں کو اور وہ اس بات کو سمجھتے نہیں ہیں۔ منافقین کو دھوکہ دہی کے تذکرہ کے بعد ان کی نماز کا حال بیان فرمایا۔ اور فرمایا ﴿وَ اِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى﴾ اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کسل مندی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ دل میں ایمان نہیں ہے۔ پھر نماز کی کیا اہمیت ہوتی۔ لیکن چونکہ ظاہر ایہ کہہ چکے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اس لیے ظاہر داری کے طور پر نماز بھی پڑھ لیتے ہیں اور چونکہ نماز کی اہمیت اور ضرورت ان کے دلوں میں اتری ہوئی نہیں ہے اس لیے سستی کے ساتھ کسلاتے ہوئے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ مومن ہوتے تو اچھی نماز پڑھتے اور اللہ کو راضی کرنے کی فکر کرتے لیکن وہاں تو مسلمانوں کو دکھانا مقصود ہے کہ ہم تمہاری طرح سے نمازی ہیں تاکہ اسلام سے جو ظاہری دنیاوی منافع ہیں ان سے محروم نہ ہوں۔ اللہ سے ثواب لینا مقصود ہو تو اچھی نماز پڑھیں۔ دکھاوے کے لیے جو عمل کیا جائے وہ اور طرح کا ہوتا ہے اس میں خوبی اور عمدگی اختیار نہیں کی جاتی۔

ان کی اسی ریا کاری کو بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿يُرَآءُ وَّنَ النَّاسَ وَ لَا يَتَذَكَّرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (کہ وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا سا) صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں یعنی محض صورت نماز کی بنا لیتے ہیں جس میں نماز کا نام ہو جائے اور عجب نہیں کہ اٹھنا بیٹھنا ہی ہوتا ہو۔ کیونکہ جہر کی ضرورت تو بعض نمازوں میں امام کو ہوتی ہے امامت تو ان کو کہاں نصیب ہوتی مقتدی ہونے کی حالت میں اگر کوئی بالکل نہ پڑھے فقط لب ہلاتا رہے تو کسی کو کیا خبر ہو تو ایسے بد اعتقادوں سے کیا بعید ہے کہ زبان بھی نہ پلٹی ہو۔

منافقوں کی دوسری حالت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿مُذٰبِذِبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ﴾ کہ وہ اس کے درمیان ادھر میں لٹکے ہوئے ہیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ذلک مجموعہ ایمان و کفر کی طرح اشارہ مانا جائے تو یہ بھی صحیح ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ عالم حیرانی میں تردد میں پڑے ہوئے ہیں شیطان نے ان کو حیرت میں ڈال دیا ہے پھر امام راغب سے التذبذب کا معنی نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں صوت الحركة للشئ المعلق ثم استعير لكل اضطراب و حركة اور تردد بين الشئین یعنی ذبذبه اس آواز کو کہا جاتا ہے جو کسی لٹکی ہوئی چیز سے نکل رہی ہو۔ پھر بطور استعارہ ہر اضطراب اور ہر حرکت کے لیے یاد چیزوں کے درمیان متردد ہونے کے لیے استعمال کر لیا گیا۔ منافقین کفر و ایمان کے درمیان اپنی حالت ظاہری کے اعتبار سے متردد ہیں ورنہ حقیقت میں تو کافر ہی ہیں۔

مزید فرمایا ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ یعنی منافقین بظاہر دونوں طرف ہیں مسلمانوں سے بھی ملتے ہیں اور کافروں سے بھی اور ہر ایک کے ساتھ اپنی محبت اور دوستی ظاہر کرتے ہیں لیکن حقیقت میں نہ ان کی طرف ہیں نہ ان کی طرف۔ جو لوگ منافق ہوتے ہیں اپنے خیال میں تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے چالاک ہیں دیکھو دونوں جماعتوں کو اپنا بنا رکھا ہے۔ حالانکہ ایسے لوگوں کو کوئی جماعت بھی اپنا نہیں سمجھتی۔ منافق کا

کردار خواہ وہ کتنی ہی قسمیں کھائے کسی فریق کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مثل المنافق كالشاة العائرة بين الغنمين تعير الى هذه مرة والى هذه مرة (رواه مسلم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما) یعنی منافق کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بکری دور یوڑوں کے درمیان ہو کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے اور کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے۔ شرح حدیث نے لکھا ہے کہ اس سے وہ بکری مراد ہے جو گاہن ہونے کے لیے کبھی اس ریوڑ میں اپنے لیے نہ تلاش کرتی ہے اور کبھی دوسرے ریوڑ میں۔ (ذکرہ القاری فی المرقاة)

فائدہ: معلوم ہوا کہ نماز میں سستی کرنا کسلاتے ہوئے نماز کے لیے اٹھنا بددلی سے نماز کے افعال ادا کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ ایل ایمان کو چاہیے کہ خوب خوشی اور بشاشت اور نشاط کے ساتھ نماز پڑھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہو سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب اس میں زردی آجاتی ہے اور شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو کھڑے ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے۔ ان میں اللہ کو نہیں یاد کرتا مگر تھوڑا سا۔ (رواه مسلم)

چار ٹھونگیں مارنے کا مطلب یہ ہے کہ لپ جھپ سجدہ کرتا ہے، سر رکھا بھی نہیں کہ اٹھالیا جیسا کہ مرغا جلدی جلدی ٹھونگیں مار کر دانہ اٹھاتا ہے۔ اور شیطان ایسی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے جو سورج کے اور اس کے دیکھنے والوں کے درمیان ہو وہاں کھڑا ہو کر سر ہلاتا ہے جس سے دیکھنے والوں کو سورج کی شعاعوں کی جگمگاہٹ معلوم ہوتی ہے وہ یہ حرکت اس لیے کرتا ہے کہ سورج کی پرستش کرنے والے اس وقت اس کی عبادت کریں۔

چونکہ منافقین مسلمانوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتے تھے نماز کی فرضیت اور فضیلت اور اس کے اجر و ثواب کا یقین نہیں تھا اس لیے برے دل سے نمازوں میں حاضر ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی اور سلام پھیر کر فرمایا کیا فلاں حاضر ہے؟ حاضرین نے عرض کیا نہیں، پھر فرمایا کہ فلاں حاضر ہے؟ عرض کیا گیا کہ نہیں، آپ نے فرمایا بلاشبہ یہ دو نمازیں (عشاء اور فجر) منافقین پر سب نمازوں سے زیادہ بھاری ہیں اور اگر تم کو معلوم ہو جائے کہ ان میں کیا اجر و ثواب ہے تو ان نمازوں میں حاضر ہوتے اگرچہ گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑتا۔ (رواه ابوداؤد والنسائی کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۹۶)

اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ان میں سے (یعنی جماعت میں غیر حاضر ہونے والوں میں سے) کسی کو پتہ چل جائے کہ اسے ایک چکٹی ہڈی مل جائے گی یا بکری کے دو اچھے کھرل جائیں گے تو عشاء کی نماز کے لیے حاضر ہو جائے (رواه البخاری صفحہ ۸۹: ج ۱) طالب دنیا کو ذرا سی دنیا بھی مل جائے تو تکلیف اٹھانے اور نیند قربان کرنے کو حاضر ہو جاتا ہے اور جسے اعمال صالحہ پر اجر و ثواب ملنے کا یقین نہیں وہ اپنے نفس کو اجر والے عمل کے لیے آمادہ نہیں کر سکتا اس بات کو آنحضرت ﷺ نے بکری کے کھر کی مثال دے کر واضح فرمایا۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ کے عہد مبارک میں نماز اور جماعت کا اس قدر اہتمام تھا کہ منافقوں کو بھی اس ماحول میں رہنے کی وجہ سے نماز پڑھنی پڑتی تھی جب دینی فضا بن جاتی ہے تو جو اپنے دل سے دین دار نہ ہو اسے بھی مجبوراً دینداروں کے ساتھ گھسٹنا پڑتا ہے۔ اور یہی حال بد عملی اور بے دینی کا ہے جب بد عملی اور بے دینی کی فضا ہوتی ہے تو اچھے جذبات والا بھی بے عملوں اور بے دینوں کے طور طریق اختیار کر لیتا ہے۔ آج بے دینی اور بے عملی کی فضا ہے۔ بے نمازی بغیر کسی شرم و حیا کے دینداروں میں گھل مل کر رہتے ہیں اور اپنا کوئی قصور محسوس نہیں کرتے، انہیں ایک نماز چھوٹے کا ذرا بھی ملال نہیں ہوتا۔ اگر دوبارہ دینی فضا بن جائے تو پھر وہی عمل کی فضا لوٹ آئے جو زمانہ نبوت میں تھی۔

پھر مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (مومنین کو

چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ) کافر منافق ہوں یا دوسرے عام کافر ہوں ان کو دوست بنانا اور اہل ایمان کو چھوڑ دینا منافقوں کا طریقہ ہے تم اسے اختیار نہ کرو۔ ﴿اَتُرِيدُونَ اَنْ تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِينًا﴾ (کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی حجت صریحہ قائم کر لو) یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے منع فرمایا ہے اس چیز کو اختیار کر گے اپنے کو مجرم اور مستحق عذاب بنانے کے لیے اپنے عمل سے اپنے اوپر کیوں حجت قائم کرتے ہو۔

اس کے بعد منافقین کا عذاب ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿اِنَّ الْمُتَفِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ کہ منافق دوزخ میں سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۱۷۷: ج ۵ میں لکھتے ہیں کہ دوزخ کے سات طبقے ہیں پہلے طبقے کا نام جہنم اور دوسرے کا لظی اور تیسرے کا حطمہ اور چوتھے کا سعیر اور پانچویں کا سقر اور چھٹے کا جحیم اور ساتویں ہاویہ ہے اور کبھی کبھی ان سب کے مجموعے کو النار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان طبقات کو درجات اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ متداز کہ ہیں یعنی ایک دوسرے کے نیچے ہیں۔ درک اور درج میں یہ فرق ہے کہ اوپر سے نیچے آئیں تو ہر طبقے درک سے موسوم کرتے ہیں اور نیچے سے اوپر کو جائیں تو ہر طبقے کو درج سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ منافق کو نسبت دوسرے کافروں کے سخت عذاب اس لیے ہوگا کہ اس نے کفر کے ساتھ مزید اس بات کو اختیار کر لیا کہ اسلام کا مذاق اڑایا اور اہل اسلام کو دھوکہ دیا۔ پھر فرمایا ﴿وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا﴾ (کہ اے مخاطب منافقوں کے لیے تو کوئی مددگار نہ پائے گا جو انہیں عذاب سے نکال دے یا ان کا عذاب ہلکا کر دے۔

پھر فرمایا ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ کہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جنہوں نے نفاق سے توبہ کی ﴿وَاَصْلَحُوْا﴾ اور اپنی نیتوں کو درست کر لیا اور نفاق کی حالت میں جو بگاڑ کیا تھا اس کو درست کر دیا ﴿وَاَعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور اللہ پر مضبوط بھروسہ رکھا (یعنی اپنی تدبیروں پر اور کافروں سے تعلق رکھنے پر جو بھروسہ تھا اس کو چھوڑا اور اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا اور توکل اختیار کیا) ﴿وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ﴾ اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کیا (یعنی اسلام کو سچے دل سے قبول کیا جس سے صرف اللہ کی رضا مقصود ہو لوگوں کو دکھانا مقصود نہ ہو اور یہ غرض سامنے نہ ہو کہ مسلمانوں کے سامنے اظہار اسلام کر کے مسلمانوں سے منافع حاصل کرتے رہیں گے اور ان سے جو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے اس سے بچتے رہیں گے) ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کہ یہ لوگ مخلص مومنین کے ساتھ جنت کے بلند درجات میں ہوں گے۔ ﴿وَسَوْفَ يُؤْتِي اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (عنقریب اللہ مومنین کو اجر عظیم عطا فرمائے گا)۔

آخر میں ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ﴾ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے سزا دینے سے کوئی نفع نہیں پہنچتا اس کا کوئی کام اٹکا ہوا نہیں ہے جو تم کو سزا دینے سے پورا ہو جائے۔ وہ حکمت کے مطابق کافروں کو سزا دیتا ہے اور کفر بہت بڑا کفران نعمت ہے اگر شکر گزار بندے بنو جس کا تقاضا یہ ہے کہ ایمان قبول کرو تو عذاب نہ ہوگا۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا﴾ (اور اللہ تعالیٰ قدر دان ہے) اصحاب ایمان کے ایمان کی اور اعمال صالحہ کی قدر دانی فرماتا ہے (اسے ہر چیز کا علم بھی ہے) سب کا ثواب عطا فرمائے گا۔

قال صاحب الروح صفحه ۱۷۹: ج ۵ ای ای شیء يفعل الله سبحانه بسبب تعذيبكم ايتشفى به من الغيظ؟ ام يدرك به الثارام يستجلب نفعاً؟ او يستدفع به ضرراً كما هو شأن الملوك وهو الغنى المطلق المتعالي عن امثال ذلك و انما هو امر يقتضيه مرض كفركم و نفاقكم فاذا احتميتهم عن النفاق و نقيتم نفوسكم بشرية الايمان والشكر في الدنيا برثتم و سلمتم و الاهلكتم هلا كما محيص عنه بالخلود في النار۔

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوِّءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلِمَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ﴿۱۳۸﴾
 تَبْدُوا خَيْرًا أَوْ تَخْفُوا أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءِ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا ﴿۱۳۹﴾

اللہ تعالیٰ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا سوائے اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے، اگر تم خیر کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ یا برائی کو معاف کرو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے قدرت رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا

بری بات کا بیان کرنا۔ پھیلانا اور نتجھ مجھ سے کہتے ہوئے پھرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی پر کوئی ظلم ہوا ہو تو وہ اپنی مظلومیت ظاہر کرنے کے لیے ظالم کا ظلم اور زیادتی بتائے تو یہ جائز ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد بھی ہو جائے گی اور خود ظالم کو بھی اپنی زیادتی اور بدنامی کا احساس ہوگا جس کی وجہ سے وہ ظلم سے باز آجائے گا، مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو مجھے تکلیف دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا تو اپنا سامان نکال کر راستے میں رکھ دے چنانچہ اس شخص نے ایسا کیا اب ہر شخص جو وہاں سے گزرتا تھا پوچھتا تھا کہ کیا بات ہے (تم نے سامان یہاں کیوں ڈالا) وہ کہتا تھا میرا پڑوسی مجھے تکلیف دیتا ہے اس پر گزرنے والے اس کے پڑوسی پر لعنت بھیجتے تھے اور اس کی رسوائی کے لیے بددعا کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا پڑوسی آیا اور کہنے لگا کہ تم اپنے گھر واپس چلے جاؤ اللہ کی قسم میں تمہیں کبھی تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔

آیت کے عموم میں یہ سب باتیں شامل ہیں کہ کسی کی غیبت کی جائے کسی پر بہتان باندھا جائے کسی کے عیب اور گناہ کو مجھ سے بیان کیا جائے یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ اگر کسی کا عیب اور گناہ معلوم ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کرے نہ یہ کہ اسے اڑائے اور ادھر ادھر پہنچائے۔ بہت سے لوگوں کو غیبت کرنے اور دوسروں کی پردہ دردی کرنے اور گناہوں کو مشہور کرنے اور ادھر ادھر لیے پھرنے کا ذوق ہوتا ہے ایسے لوگ اپنی بربادی کرتے ہیں اور آخرت میں اپنے لیے عذاب تیار کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص سے کوئی زیادتی ہو جائے اول تو بہت یہ ہے کہ اسے معاف کر دے اور اگر معاف کرنے کی ہمت نہیں ہے تو بدلہ لے سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مظلومیت کا بدلہ بقدر مظلومیت ہی لیا جاسکتا ہے۔ اگر بدلہ لینے والے نے زیادتی کر دی تو اب وہ ظالم ہو جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں گالی گلوچ کرنے والے جو کچھ کہیں ان سب کا گناہ اس پر ہے جس نے گالی گلوچ شروع کی تھی جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کرے (رواہ مسلم صفحہ ۳۲۱: ج ۲) جب مظلوم نے زیادتی کر دی تو وہ بھی گنہگار ہوگا جتنے بدلے کی اجازت تھی وہ اس سے آگے بڑھ گیا۔

پہلی آیت کے ختم پر فرمایا ﴿وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا﴾ (اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے) جو بھی کوئی شخص بری بات کو پھیلانے کا اچھے برے کلمات کہے گا اس کی باتیں اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور جو بھی کوئی شخص کسی پر ابتداءً یا جو اباً ظلم اور زیادتی کر دے اللہ تعالیٰ شانہ کو اس کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ سب کے درمیان فیصلے فرمادے گا۔ ظالم کو سزا دے گا اگر مظلوم نے معاف نہ کیا۔

دوسری آیت میں فرمایا ﴿إِنْ تَبْدُوا خَيْرًا أَوْ تَخْفُوا أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءِ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا﴾ (اگر تم خیر کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ یا برائی کو معاف کرو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا قدرت رکھنے والا ہے) اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ جو بھی خیر کا کام کرو گے ظاہر ہو یا پوشیدہ (عبادت بدنی ہو یا مالی ہو) یا کسی ظلم و زیادتی کو معاف کر دو گے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔ قدرت والا ہے وہ تمہارے اعمال کا بدلہ دینے پر قادر ہے اور وہ معاف کرنے والا بھی ہے معاف کرنا بھی بہت بڑا نیک عمل ہے۔

سورہ نور میں فرمایا ﴿وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور اللہ غفور رحیم ہے) جو شخص معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ شانہ کے یہاں اس کا بڑا مرتبہ ہے۔ یہ دنیا و آخرت میں اس کی عزت بڑھنے کا سبب بن جاتا ہے، حضرت ابو بکثہ انماری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جنہیں میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں اور وہ تین یہ ہیں کہ صدقہ کی وجہ سے کسی بندہ کا مال کم نہیں ہوگا اور جس کسی بندہ پر کوئی ظلم کیا گیا جس پر اس نے صبر کر لیا تو اللہ اس کی عزت بڑھا دے گا۔ اور جس کسی نے (مخلوق سے) سوال کرنے کا دروازہ کھول دیا اللہ اس پر تنگدستی کا دروازہ کھول دے گا (یعنی وہ ہمیشہ فقیر ہی رہے گا جس قدر بھی مال جمع کرے اس کا فقر ختم نہیں ہوگا)۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث صحیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے رب تیری نزدیک بندوں میں سب سے بڑا عزت والا کون ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مَنْ إِذَا قَدَّرَ غَفْرِي لِي جَوْشَخْصٍ قَدَرْتِ هَوْتِ مَعَا فِ كَرْدِ دِ وَهَ اللّٰهُ كِ نَزْدِي كِ سَبِّ سِ زِيَادِ عَزْتِ وَالا هِ۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی زبان کو محفوظ رکھے اللہ اس کی پوشیدہ چیزوں کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اور جو شخص اپنے غصہ کو روک لے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روک لے گا اور جو شخص اللہ کی بارگاہ میں عذر پیش کرے اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو قبول فرمالتا ہے۔ (ذکر الروایتین صاحب المشکوٰۃ صفحہ ۴۳۴ عن شعب الایمان)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ
نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۝۱۵۰ أُولَٰئِكَ هُمُ
الْكَافِرُونَ حَقًّا ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝۱۵۱ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ
يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أَجْرَهُمُ ط وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝۱۵۲

بلاشبہ جو لوگ اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان راہ تجویز کر لیں یہ وہ لوگ ہیں جو یقیناً کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور ان میں کسی کے درمیان میں فرق نہیں کرتے یہ وہ لوگ ہیں کہ عنقریب اللہ ان کو ان کے اجور عطا فرمائے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا فرض ہے

صاحب معالم التنزیل صفحہ ۴۹۴ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ آیت ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ﴾ یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور توریت پر ایمان لائے اور عزیر علیہ السلام پر ایمان لائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے ان کے ساتھ کفر کیا اور انجیل اور قرآن کے بھی منکر ہوئے۔ ان لوگوں نے ایسا راستہ نکالا کہ اللہ پر تو ایمان لائیں اور اس کے رسولوں میں سے بعض پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کریں۔

جو شخص صرف اللہ پر ایمان لائے اور کسی رسول پر ایمان نہ لائے یہ بھی کفر ہے اور یہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا ہے اور

بعض رسولوں پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کرے یہ بھی تفریق ہے۔ کیونکہ کسی ایک رسول کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۶ ج: ۴ نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ آیت شریفہ میں یہود و نصاریٰ دونوں کا ذکر ہے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا انکار کیا اور یہود و نصاریٰ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت کے منکر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا جو دین ہے اسے دونوں جماعتیں چھوڑ بیٹھیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہر نبی پر ایمان لانا فرض ہے جن لوگوں نے کسی بھی نبی کا انکار کیا ان کے بارے میں اللہ نے فرمایا ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا﴾ کہ یہ وہ لوگ ہیں جو پکے کافر ہیں ان کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ اور فرمایا ﴿وَأَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ کہ ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ اہل کفر کا ذکر فرمانے کے بعد اہل ایمان کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے اور کسی بھی رسول کا انکار کر کے تفریق کرنے والے نہ بنے (یعنی خاتم النبیین ﷺ کے امتی) یہ لوگ بڑے بڑے ثوابوں کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ثواب عطا فرمادے گا۔ مسلمانوں کے بارے میں سورہ بقرہ کے ختم کے قریب ارشاد فرمایا ﴿الْمَنْ الرُّسُولُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَيْكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نَفَرَقَ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ﴾ (ایمان لایا رسول اس پر جو اس کی طرف نازل کیا گیا اس کے رب کی طرف سے اور مومنین بھی ایمان لائے، سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر) انہوں نے کہا) کہ ہم تفریق نہیں کرتے اللہ کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان بھی)۔

در حقیقت ایمان جمعی متحقق ہوتا ہے اور اللہ کے نزدیک معتبر ہوتا ہے جبکہ تمام ایمانیات پر ایمان لایا جائے۔ کوئی شخص فرشتوں کا منکر ہو، یوم آخرت کا منکر ہو۔ قرآن کی کسی آیت کا منکر ہو کسی شعائر اسلام کا منکر ہو۔ کسی بھی رسول کی رسالت اور کسی بھی نبی کی نبوت کا منکر ہو تو وہ اللہ کے نزدیک کافر ہوگا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو مانتا ہو۔ اللہ پر ایمان لانے میں وہ سب چیزیں شامل ہیں جن پر ایمان لانے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ حکم فرمایا۔

یہ اہل اسلام ہی کی امتیازی شان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توقیر کرتے ہیں جس طرح انہیں یہ گوارا نہیں کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی شان اقدس میں کوئی نازیبا کلمہ کیا جائے اسی طرح انہیں یہ بھی گوارا نہیں کہ سیدنا موسیٰ یا سیدنا عیسیٰ علیہما السلام یا کسی بھی رسول یا نبی کے بارے میں کوئی نازیبا بات کہی جائے۔ نصاریٰ کے پاس جو موجودہ انجیلیں ہیں ان میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام یا ان سے پہلے کسی بھی نبی کے بارے میں کوئی نازیبا بات آگئی ہے اس پر مسلمانوں ہی نے انہیں متنبہ کیا اور انہیں بتایا کہ یہ رسول اور نبی کی شان کے خلاف ہے اور دنیا میں جب کبھی کسی فرد یا جماعت کی طرف سے کوئی ایسی بات اٹھتی ہے جس سے کسی بھی نبی کی شان میں کوئی حرف آتا ہو تو الحمد للہ مسلمان ہی خدائی فوج دار بن کر اس کے مقابلہ کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنزِلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرًا مِنْ ذَلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذَلِكَ وَإِنَّا مُوسَىٰ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ﴿۱۵۲﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِبِيثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿۱۵۳﴾

اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار دیں۔ سو وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑی بات کا سوال کر چکے ہیں انہوں نے یوں کہا کہ تو ہمیں آمنے سامنے اللہ کو دکھا دے، سوان کو ان کے ظلم کی وجہ سے بجلی نے پکڑ لیا۔ پھر انہوں نے پچھڑے کو معبود بنا لیا اس کے بعد کہ ان کے پاس دلائل آچکے تھے پھر ہم نے اس کو معاف کر دیا۔ اور ہم نے موسیٰ کو صریح غلبہ دے دیا اور ہم نے ان لوگوں پر طور کو اٹھا دیا اس سے مضبوط عہد لینے کی وجہ سے اور ہم نے ان سے کہا کہ دروازہ میں داخل ہو جاؤ جھکے ہوئے اور ہم نے ان سے کہا کہ زیادتی نہ کرو سنیچر کے دن میں اور ہم نے ان سے لے لیا تھا بہت مضبوط عہد۔

یہود کے بیجا سوالات اور بری حرکتوں کا تذکرہ اور ان سے میثاق لینا

یہودیوں کی شرارتوں اور ان کی ضد اور عناد کا تذکرہ قرآن مجید میں بہت سی جگہ بیان فرمایا گیا ہے۔ ان کو ایمان تو نہ لانا تھا لیکن ضد اور عناد کی وجہ سے طرح طرح کی باتیں کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی باتوں سے تکلیف ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے یہاں بھی یہودیوں کے ایک مطالبہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ انہوں نے یہ سوال کیا کہ آپ آسمان سے ایک کتاب اتار دیں وہ کتاب ہم اترتی ہوئی دیکھ لیں۔ ہمارے ہاتھوں میں آجائے ہم اسے پڑھ لیں تو ہمیں اطمینان ہو جائے گا کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں۔ کتاب اترنے پر ہم ایمان لا سکتے ہیں۔ اسی قسم کی بات مشرکین مکہ نے بھی کہی تھی۔ ان کا حال سورہ بنی اسرائیل میں بیان فرمایا ہے، انہوں نے کہا تھا۔ ﴿وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقَيْبِكَ حَتَّىٰ تُنَزَّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُوكَ﴾ (اور ہم نہیں مانیں گے تیرے آسمان پر چڑھنے کو یہاں تک کہ تو اتار دے ہمارے اوپر ایک کتاب جسے ہم خود پڑھ لیں) نہ مشرکین مکہ کو ایمان لانا تھا اور نہ یہودیوں کو، خواہ مخواہ کی آڑ پکڑتے تھے۔ اور ایمان نہ لانے کے لیے بہانے ڈھونڈتے تھے۔ سورہ انعام میں فرمایا ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (اور اگر ہم اتار دیں آپ پر کتاب کاغذ میں پھر وہ اسے چھو لیں اپنے ہاتھوں سے تو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ضرور یوں کہیں گے کہ یہ تو صرف کھلا ہوا جادو ہے) منکرین کا یہ طریقہ تھا کہ یہ معجزات کا مطالبہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بات ہو جائے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے بہت سے معجزات ظاہر فرمائے، جو ایک عقلمند منصف طالب حق آدمی کے لیے کافی تھے پھر بھی کہتے تھے کہ فلاں معجزہ ظاہر ہو جائے تو ایمان لے آئیں گے اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں جو مطالبے کے مطابق معجزہ بھیج دے لیکن پھر بھی بعض معجزات ان لوگوں کے کہنے کے مطابق ظاہر ہوئے جن میں معجزہ شق القمر بھی ہے لیکن چونکہ ماننا مقصود نہیں تھا اس لیے معجزات کو جادو بتا دیتے تھے۔ ان لوگوں کے عناد اور ضد اور مطالبات سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچتی تھی اور آپ فکر مند ہوتے تھے کہ یہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں۔ آپ کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ آپ ان کی پرواہ نہ کریں اور انہوں نے جو سوال کیا ہے کہ آسمان سے کتاب اتار دو اس سے بڑا سوال پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر چکے ہیں اور وہ سوال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے آمنے سامنے دکھا دو۔

سورہ بقرہ میں ان کی یہ بات اس طرح ذکر فرمائی ہے ﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً﴾ (اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ، ہم تمہاری بات نہ مانیں گے یہاں تک کہ اللہ کو آمنے سامنے نہ دیکھ لیں)۔ یہ دنیا اس قابل نہیں ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار جنت ہی میں ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں دیدار الہی کا سوال کیا تھا جب رب تعالیٰ شانہ کی پہاڑ پر تجلی ہوئی تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے جب ایک مقرب نبی کا یہ حال ہے تو عوام کو دیدار الہی کی کہاں تاب ہو سکتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ریت شریف لینے کے لیے طور پر تشریف لے گئے تھے وہاں ان کو چالیس دن لگ گئے۔ یہاں پیچھے ان کی قوم نے پچھڑے کو معبود بنا لیا۔ جب آپ تشریف لائے تو ان لوگوں کی سرزنش کی اور سمجھایا اور ستر آدمیوں کو ساتھ لیا تا کہ بارگاہ خداوندی میں معذرت پیش کریں اور توبہ قبول کرنے کی درخواست کریں جب طور پر پہنچے اور اللہ تعالیٰ شانہ کا کلام سن لیا جس میں موسیٰ علیہ السلام کو خطاب تھا اور ان لوگوں کو بھی خطاب فرمایا کہ تم میری عبادت کرو۔ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرو تو اس پر کہنے لگے کہ ہم تو جب مانیں گے جب اللہ کو آمنے سامنے

دیکھ لیں اس پر ان کو بجلی نے پکڑ لیا جس سے وہ سب مر گئے۔ بجلی کے پکڑنے کا تذکرہ سورہ بقرہ میں بھی ہے۔ اور آیت بالا میں بھی ذکر فرمایا ہے ﴿فَاخَذَتْهُمْ الصَّاعِقَةُ بظُلْمِهِمْ﴾ کہ ان کے ظلم کی وجہ سے بجلی نے پکڑ لیا انہوں نے جو بے جا بات کا سوال کیا اور ایسی بات کا مطالبہ کیا جو اس دنیا میں ہونے والی نہیں اس کو ظلم سے تعبیر فرمایا۔ (معالم التنزیل)

یہ جو فرمایا ﴿ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ مَّ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ﴾ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ بینات سے مراد وہ معجزات ہیں جو اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے جن کا ظہور فرعون کے سامنے ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا اور سمندر کا پھٹ جانا جس میں آل فرعون غرق ہوئے اور بنی اسرائیل کو نجات ہوئی۔ بنی اسرائیل نے یہ سب چیزیں دیکھیں پھر بھی پچھڑے کو خدا بنا بیٹھے۔ پھر صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ بینات سے وہ واضح دلائل بھی مراد ہو سکتے ہیں جو اللہ کے معبود ہونے اور واحد لا شریک لہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور یہ چیزیں ہر عقل مند کے سامنے ہیں اس کے باوجود ان لوگوں نے پچھڑے کی عبادت شروع کر دی اور ﴿فَعَفَوْنَا عَنْ ذَلِكِ﴾ جو فرمایا (کہ ہم نے ان کے اس جرم کو معاف کر دیا) اس کی تفسیر سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی جانوں کو قتل کرو یہ تمہاری توبہ ہے (چنانچہ انہوں نے اس پر اس طرح عمل کیا کہ جن لوگوں نے پچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی انہوں نے پچھڑا پوجنے والوں کو قتل کیا۔ ہزاروں آدمی قتل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے سب کی توبہ قبول فرمائی کما قال اللہ تعالیٰ ﴿فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾۔

پھر فرمایا ﴿وَأْتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطَانًا مُّبِينًا﴾ (اور ہم نے موسیٰ کو سلطان مبین عطا کیا) سلطان مبین کا ایک ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر ہم نے بیان کیا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ تسلطاً ظاہراً علیہم حین امرہم ان یقتلوا انفسہم توبۃ عن اتخاذہم یعنی ہم نے موسیٰ کو بنی اسرائیل پر ایسا غلبہ عطا کیا کہ جب انہوں نے ان کو توبہ کرنے کے لیے اپنی جانوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تو ان لوگوں نے اس پر عمل کر لیا اور دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کو کھلے کھلے معجزات عطا کیے جو ان کی نبوت و رسالت پر واضح دلائل تھے۔ صاحب معالم التنزیل نے اسی معنی کو لیا ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ﴾ اس کا ذکر بھی سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اور سورہ اعراف میں بھی ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر تورات شریف پیش کی اور فرمایا کہ اس کو قبول کرو اور اس کے احکام پر عمل کرو تو یہ لوگ انکاری ہو گئے تب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھاڑ دیا جو ان کے سروں پر آ کر ٹھہر گیا اور ان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے اس کو قبول کرو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو۔ اسی وقت کہنے لگے کہ ہم مانتے ہیں عہد کر لیا کہ ہم اس پر عمل کریں گے لیکن پھر اپنے عہد سے پھر گئے جیسا کہ سورہ بقرہ میں فرمایا ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ مَّ بَعْدِ ذَلِكِ﴾ یہاں اس واقعہ کا اختصار کے ساتھ تذکرہ فرمایا۔

پھر فرمایا ﴿وَقُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ (اور ہم نے کہا داخل ہو جاؤ دروازہ میں جھکے ہوئے) اس کا ذکر بھی سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے اور سورہ اعراف میں بھی ہے۔ جب میدان تیبہ سے نکلے تو ان کو ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم ہوا یہ بستی کون سی تھی اس کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ان کو حکم ہوا تھا کہ اس بستی میں جھکے ہوئے تواضع کے ساتھ داخل ہوں۔ لیکن ان لوگوں نے اس کی نافرمانی کی اور بجائے جھکے ہوئے داخل ہونے کے بیٹھ کر گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے تفصیل کے لیے سورہ بقرہ رکوع ۶ کی تفسیر دیکھ لی جائے۔ (انوارالبیان آغاز میں)

پھر فرمایا ﴿وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ﴾ اور ہم نے ان سے کہا کہ سنبچر کے دن میں زیادتی نہ کرو۔ اس کا ذکر بھی سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے اور سورہ اعراف میں بھی ہے۔ یہودیوں کو حکم تھا کہ سنبچر کے دن مچھلیوں کا شکار نہ کریں۔ اور ان کی آزمائش کے لیے سنبچر کے دن مچھلیاں دریا کے کنارے پر خوب ابھرا بھر کر آتی تھیں اور دوسرے دنوں میں مچھلیاں غائب ہو جاتی تھیں۔ چونکہ سنبچر کے دن مچھلیاں پکڑنا ممنوع تھا اس لیے ان لوگوں نے یہ حرکت کی کہ دریا کے کنارے حوض بنا دیئے اور ان حوضوں کو بڑی بڑی نالوں کے ذریعے سمندر سے ملا دیا۔ جمعہ کے دن

بند توڑ دیتے تھے کہ سنیچر کے دن پانی کے بہاؤ کے ساتھ مچھلیاں ان حوضوں میں داخل ہو جائیں جب مچھلیاں ان حوضوں میں آجائیں تو بند لگا دیتے تھے تاکہ سمندر میں واپس نہ جائیں پھر اتوار کے دن پکڑ لیتے تھے اس حیلے کو انہوں نے استعمال کیا اور اس طرح سے سنیچر کے دن میں زیادتی اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

پھر فرمایا ﴿وَآخِذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا﴾ یعنی ان سے ہم نے بہت مضبوط عہد لیا تھا کہ اللہ کے اوامر پر چلیں گے اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچیں گے لیکن انہوں نے عہد کو توڑ دیا جس کا ذکر ابھی اگلی آیت میں آتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فَبِمَا نَقَضْتُمْ مِيثَاقَهُمْ وَكَفَرْتُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتَلْتُمْ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۗ
بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝۱۵۰ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ۝۱۵۱ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ ۚ
لَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۗ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ
وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝۱۵۲ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝۱۵۳ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ
الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝۱۵۴

سو ہم نے اس وجہ سے (ان پر لعنت کی) کہ انہوں نے عہد شکنی کی اور اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا۔ اور نبیوں کو ناحق قتل کیا۔ اور انہوں نے یوں کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں۔ بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ سو وہ ایمان نہ لائیں گے مگر تھوڑے سے لوگ۔ اور (اس وجہ سے بھی ان پر لعنت کی) کہ انہوں نے کفر اختیار کیا اور انہوں نے مریم پر بہت بڑا بہتان لگایا۔ اور انہوں نے یوں کہا کہ بلاشبہ ہم نے مسیح ابن مریم کو قتل کر دیا جو اللہ کے رسول ہیں حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا اور بلاشبہ جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ ضرور ان کے بارے میں شک میں ہیں انکل پر چلنے کے سوا ان کو ان کے بارے میں کوئی علم نہیں۔ اور یقیناً انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے اور اہل کتاب میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو ان پر مرنے سے پہلے ایمان نہ لائے اور قیامت کے دن وہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

یہودیوں کے کفر اور شرارتوں کا مزید تذکرہ

ان آیات میں بہت سے مضامین مذکورہ ہیں۔ یہودیوں کا عہد توڑنا اور اللہ کی آیات کا منکر ہونا اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ناحق قتل کرنا اور ان کا یہ کہنا کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں (جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم اپنے دین پر بہت مضبوط ہیں، ہم پر کسی کی بات اثر انداز نہیں ہو سکتی) اور حضرت مریم پر بہتان لگانا، ان کی یہ باتیں یہاں مذکور ہیں ان میں سے بعض چیزوں کا تذکرہ سورہ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے ﴿فَبِمَا نَقَضْتُمْ﴾ اپنے معظوفات کے ساتھ مل کر فعل محذوف سے متعلق ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ تقدیر عبارت یوں ہے کہ ففعلنا بهم ما فعلنا بنقضهم یعنی ہم نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا اور ان کو جو سزائیں دیں وہ ان کے ان اعمال کی وجہ سے ہیں جن میں عہد کا توڑنا بھی ہے اور اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنا بھی اور حضرات انبیاء کرام کا قتل کرنا اور یہ کہنا بھی ہے کہ ہمارے قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور مریم علیہا السلام پر بہتان باندھنا اور ان کا یہ قول کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا ان سب کی وجہ سے انہیں سزائیں دی گئیں۔

مفسر ابو حیان نے فرمایا کہ ان سب کے آخر میں لفظ ﴿لَعْنَاهُمْ﴾ مقدر ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ایک جگہ ﴿فَبِمَا نَقَضْتُمْ مِيثَاقَهُمْ لَعْنَاهُمْ﴾ وارد ہوا ہے (یہ آیت سورہ مائدہ ۳۴ میں ہے) مطلب یہ ہے کہ ان باتوں کی وجہ سے ہم نے ان کو ملعون قرار دے دیا۔ سورہ بقرہ میں یہودیوں کا قول کہ ہمارے قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں ذکر فرما کر ارشاد فرمایا ﴿بَلْ لَعْنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی اور یہاں یوں فرمایا ﴿بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ یعنی یہ بات نہیں ہے کہ ان کے قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر ماردی ہے جس کی وجہ سے وہ دولت ایمان سے محروم کر دیئے گئے۔ وہ اس کو کمال سمجھ رہے ہیں کہ اسلام قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی باتوں سے ہمارے دل محفوظ ہیں، ہم ان کو قبول نہیں کریں گے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ایمان سے محروم کر دیئے گئے انہوں نے جو قصد و ارادہ اور عناداً کفر اختیار کیا اور اسی پر جسے رہے تو ان کا یہ عمل دلوں پر چھاپ لگنے کا سبب بن گیا پھر فرمایا ﴿فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (سوان میں تھوڑے ہی سے افراد مسلمان ہوں گے) جیسے عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

اس کے بعد ان کے مزید کفر کا تذکرہ فرمایا اور وہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنا ہے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ ان کے ساتھ کفر کیا بلکہ ان کی ماں پر بھی بری بات کی تہمت باندھی باوجودیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں ہی اپنی ماں کی برأت ظاہر کر دی، جب حضرت مریم کی گود میں بچہ دیکھ کر بنی اسرائیل نے بری بات کی تہمت لگا دی تو حضرت مریم نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا بچے نے کہا ﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ اتَّبِعِي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا﴾ (الآیۃ) اور قرآن نے بھی حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی بیان فرمادی۔

نیز سورہ تحریم میں فرمایا ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ (الآیۃ) لیکن یہودی اسی پر اڑے رہے کہ حضرت مریم سے برائی کا صدور ہوا۔ پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبوت سے سرفراز ہوئے تو یہودیوں نے ان کی دشمنی میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔ حتیٰ کہ اپنے خیال میں ان کو قتل ہی کر دیا۔ اسی کو ﴿وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَىٰ بِنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ﴾ میں بیان فرمایا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ وہ ان کو رسول مانتے نہ تھے۔ پھر بھی ان کو رسول اللہ کہا ان کا یہ کہنا مذاق بنانے کے تھا۔ اور یہ ممکن ہے کہ انہوں نے اس کی جگہ کوئی اور لفظ کہا ہو اللہ جل شانہ نے ان کی شان رفیع ظاہر فرمانے کے لیے لفظ رسول اللہ بڑھا کر ان کی صفت بیان فرمادی۔

اس کے بعد فرمایا ﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ کہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا یہ اشتباہ کس طرح سے ہوا اس کے بارے میں مفسرین نے کئی باتیں لکھی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو ایک جگہ قید کر دیا تھا آپ نے ان کے لیے بددعا کی لہذا وہ بندر اور خنزیر بنا دیئے گئے جب یہ بات یہودیوں کے سردار کو پہنچی جس کا نام یہود تھا اس نے یہودیوں کو جمع کیا اور سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ قتل کرنے کے لیے چلے تو اللہ تعالیٰ شانہ نے جبرائیل علیہ السلام کو بھیج دیا جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔ یہودیوں میں ایک شخص قتل کرنے کے لیے اندر داخل ہوا جس کا نام طیطانوس تھا وہاں ان کو موجود نہ پایا اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت کے مشابہ بنا دی جب وہ باہر نکلا تو یہودیوں نے اسے قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا۔

اور وہب بن مہبہ سے یوں منقول ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ستر حواری تھے جو ایک گھر میں جمع تھے۔ قتل کرنے والے جب آئے تو گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا ہر شخص عیسیٰ علیہ السلام کی صورت پر ہے یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ تم لوگوں نے ہم پر جادو کر دیا تم میں عیسیٰ کون ہے وہ سامنے آ جائے ورنہ ہم تم سب کو قتل کر دیں گے یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم میں ایسا کون شخص ہے جو آج اپنی جان جنت کے بدلے میں بیچ دے ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں حاضر ہوں۔ لہذا وہ شخص باہر نکلا اور اس نے حاضرین سے کہا کہ میں عیسیٰ ہوں لہذا انہوں نے اس کو قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا۔ قادی اور مجاہد وغیرہا کا بھی یہی قول ہے۔

ایک قول یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں میں ایک شخص منافق تھا جب یہودیوں نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا تو

اس منافق نے کہا کہ میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں اور اس نے تیس درہم اس کی اجرت بھی لے لی۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوا تو آپ آسمان پر اٹھائے جا چکے تھے، منافق کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جیسی صورت بنا دی گئی۔ لہذا ان لوگوں نے اندر داخل ہو کر اسی کو قتل کر دیا اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ ان کے علاوہ اور بھی اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ (روح المعانی صفحہ ۱۰: ج ۶) علامہ بغوی معالم التنزیل صفحہ ۳۹۶: صفحہ ۱ میں لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک گھر میں بند کر دیا تھا اور ان پر ایک نگران مقرر کر دیا تھا جب قتل کرنے کے لیے آئے تو اللہ تعالیٰ نے اس نگران کی صورت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت بنا دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھالیا۔

دور حاضر میں یورپ کے ریسرچ کرنے والوں نے ایک اور بات کا کھوج لگایا ہے اور وہ یہ کہ جب بنی اسرائیل نے طے کر ہی لیا کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کر ہی دینا ہے تو حکومت وقت کے پاس شکایت لے کر گئے۔ اس زمانہ میں دمشق اور اس کے آس پاس علاقوں میں رومیوں کی حکومت تھی یہودی رومی حاکم کے پاس گئے اور کہا کہ یہاں ایسا ایسا ایک شخص ہے جو ہمارے دین سے نکل گیا اور ہمارے جوانوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس نے ہماری جماعت میں تفریق کر دی اس کے ساتھی بڑھ رہے ہیں وہ تمہاری حکومت کے لیے خطرہ ہے کسی نظام اور قانون کے پابند نہیں اگر اس کے شرکونہ روکا گیا تو ممکن ہے اس کی طاقت بڑھتے بڑھتے تمہارے لیے اور ہمارے لیے ایک بڑا فتنہ بن جائے اور تمہاری حکومت ہی ختم ہو جائے۔ چونکہ حکومت یہودیوں کے دین میں دخل نہیں دیتی تھی اس لیے دینی اعتبار سے حکومت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف ابھارنا اور چڑھانا مشکل تھا لہذا انہوں نے سیاسی امور کو سامنے رکھ کر حکومت کو بھڑکایا اور سمجھایا کہ اس شخص کی وجہ سے تمہاری حکومت کو شدید خطرہ ہے۔ جب یہودیوں نے بار بار شکایتیں پہنچائیں اور حکومت کے ذمہ داروں کے سامنے معاملہ کے سنگین ہونے کا اظہار کرتے رہے تو حکومت کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو طلب کیا گیا۔ یہ جمعہ کا دن اور عصر کے بعد کا وقت تھا اور تھوڑی دیر میں سنیچر کی رات شروع ہونے والی تھی۔ یہودی چاہتے تھے کہ سنیچر کی رات شروع ہونے سے پہلے قصہ تمام ہو جائے۔ حاکم کے پاس بھاری تعداد میں جمع ہو گئے کہ کیا حکم دیتا ہے۔ آفتاب غروب ہونے ہی کو تھا کہ حاکم نے فیصلہ دے دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے اور صلیب پر چڑھا دیا جائے۔ مجرم کو پھانسی کا پھندا خود لے کر جانا پڑتا تھا اور پھانسی گھر شہر سے دور تھا۔ یہودی قتل کے فیصلے سے بہت خوش ہوئے اور جو پولیس والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ساتھ لے کر جا رہے تھے ان کے ساتھ کثیر تعداد میں یہودی بھی ساتھ گئے جن میں بہت سے بے وقوف نوجوان بھی تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سخت دشمنی رکھنے والے بھی تھے۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برا کہتے ہوئے اور تکلیف دیتے ہوئے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ قانون یہ تھا کہ جس شخص کو کسی جرم کے تحت پھانسی دی جاتی تھی صلیب کی لکڑی اس سے اٹھوا کر پھانسی گھر تک لے جایا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضعیف الجثہ تھے، اسفار کرتے ہوئے لاغر ہو چکے تھے کچھری میں کھڑے کھڑے زیادہ وقت گزر گیا تھا اور صلیب بھاری تھا ان سے اٹھ نہ رہی تھی جو پولیس والا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ساتھ لے جا رہا تھا اس نے ایک یہودی نوجوان سے کہا کہ صلیب کی اس لکڑی کو اٹھا کر لے چل۔ وہ شخص بہت زیادہ دشمنی میں آگے تھا اس نے صلیب اٹھالیا اور جلدی جلدی آگے لے کر چلنے لگا تا کہ معاملہ نیٹ جائے۔ اور سورج چھپنے سے پہلے قتل کا قصہ تمام ہو جائے۔ اسی طرح چلتے چلتے جب پھانسی گھر پہنچے تو پھانسی گھر کے پولیس والوں نے معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پولیس والے فارغ ہوئے جو ہمراہ آ رہے تھے۔ پھانسی گھر کے پولیس والوں نے دیکھا کہ ایک نوجوان صلیب کو اٹھائے ہوئے ہے قانون کے مطابق انہوں نے اس نوجوان کو پکڑ لیا اور اسے پھانسی دینے لگے وہ چیخا چلاتا رہا اور اپنی برأت ظاہر کرتا رہا اور پکار پکار کر کہتا رہا کہ مجرم دوسرا شخص ہے میں نے تو دل لگی کے طور پر صلیب اٹھالیا تھا۔ اور پولیس والوں نے جلدی کرنے کی وجہ سے مجھے اٹھانے کا حکم دیا تھا یہ اپنی زبان میں چیخا رہا رومیوں کی پولیس کے سامنے اول قانون کے مطابق یہی شخص مستحق سزا تھا دوسرے وہ اس کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔ وہ سمجھے کہ جس مجرم کو پھانسی دی جاتی ہے وہ چیخ پکارت کرتا ہی ہے۔ لہذا انہوں نے اپنے خیال میں حاکم کے حکم کے مطابق اسی نوجوان کو پھانسی دے دی کیونکہ وہ اسی کو مجرم سمجھتے تھے۔ یہودی دور کھڑے ہوئے خوش ہو رہے تھے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا۔

قتل تو ہوا ان میں ہی ایک نوجوان اور سمجھ رہے تھے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کروادیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھالیا اور کافروں کے ارادوں اور شرارتوں سے انہیں بچالیا۔ بہر حال جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تھا وہ ان کے قتل میں ناکام ہو گئے اور ان کو اشتباہ ہو گیا۔ ان کا اپنا آدمی قتل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی اور ان کی مکاری دھری رہی۔ ﴿وَمَكْرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾۔

پھر فرمایا ﴿وَإِنَّ الَّذِينَ اٰخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اِتِّبَاعَ الظَّنِّ﴾ (اور جن لوگوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا وہ ان کی جانب سے شک میں ہیں ان کو ان کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے سوائے اٹکل پر چلنے کے) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ قتل کے دعویدار ہیں انہیں قتل کا یقین نہیں یہ تردد تھا کہ اگر ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو ختم کر دیا ہے تو ہمارا آدمی کہاں ہے اور ہمارا آدمی مقتول ہوا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَمَا قَتَلُوهُ يَقِيْنًا بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ (اور یہ یقینی بات ہے کہ انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا) عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ انہیں ابھی تک طبعی موت آئی ہے۔ معراج کی رات میں آنحضرت ﷺ سے انہوں نے آسمان دوم میں ملاقات کی پھر وہ قیامت کے قریب نازل ہوں گے۔ دجال کو قتل کریں گے اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ قرآن و حدیث کے موافق مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے جن لوگوں کو قرآن و حدیث کو ماننا نہیں ہے وہ اس کے خلاف باتیں کر کے اپنا ایمان کھو چکے ہیں اس بارے میں سورۃ آل عمران کی آیت ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّىْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىّ﴾ کی تفسیر بھی دیکھ لی جائے۔ وہاں ہم ضروری معلومات سپرد قلم کر آئے ہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (اور اللہ تعالیٰ غلبہ والا حکمت والا ہے) وہ کسی صورت دوسرے کی طرح بنا دے اس پر پوری طرح قادر ہے اس کے فیصلوں سے کوئی اسے روکنے والا نہیں وہ جسے چاہے زمین پر رکھے جسے چاہے آسمان پر بلا لے۔ سب کچھ اسے اختیار ہے اور اس کا ہر فعل حکمت کے مطابق ہے۔

آخر میں فرمایا ﴿وَإِنَّ مِّنْ اٰهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لِيُوْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ (اور اہل کتاب میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو ان پر اپنے مرنے سے پہلے ایمان نہ لائے)۔ یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ موتہ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہو۔ مفسرین نے یہ احتمال بھی بتایا ہے کہ موتہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع کی جائے۔

پہلی صورت اختیار کی جائے تو مطلب یہ ہے کہ یہودی تو عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور نبوت کے منکر ہی ہیں اور نصرانی اپنے خیال میں ان کو مانتے تو ہیں لیکن ان کے بارے میں غلط عقیدہ رکھتے ہیں ان کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔ اور یہ ماننا بھی کفر ہے یہودی بھی کافر ہیں اور نصرانی بھی، ان میں سے جو شخص مرنے لگتا ہے جان نکلنے سے پہلے جب اسے برزخ کے احوال نظر آنے لگتے ہیں یہ ایمان لے آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں۔ لیکن یہ ایمان اللہ کے ہاں معتبر نہیں۔ اس لیے کہ یہ ایمان برزخ کے حالات سامنے آنے کے بعد ہے۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۱۷۱: ج فرماتے ہیں۔

فمفاد الاية ان كل يهودى ونصرانى يومن بعيسى عليه السلام قبل ان تزهب روحه بانه عبد الله تعالى ورسوله ولا ينفعه ايمانه حينئذ لان ذلك الوقت لكونه بالبرزخ لما ينكشف عنده لكل الحق ينقطع فيه التكليف۔

صاحب معالم التنزيل نے موتہ کی ضمیر کے مرجع کے بارے میں دونوں قول لکھے ہیں عکرمہ، مجاہد اور ضحاک اور ابن عباس کا یہی قول بتایا ہے کہ موتہ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے اور لکھا ہے:

ومعناه وما من اهل الكتاب احد الا ليؤمن بعيسى عليهما السلام قبل موته اذا وقع في الياس حين لا ينفعه ايمانه سواء احترق او غرق او تردى في بئر او سقط عليه جدار او اكله سبع او مات فجاة۔ (صفحہ ۳۹۷: ج)

موت کی ضمیر اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہو تو آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ کوئی بھی اہل کتاب ایسا نہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے قریب ہے کہ تمہارے اندر ابن مریم نازل ہوں گے جو فیصلے کرنے والے ہوں گے انصاف کرنے والے ہوں گے وہ صلیب کو توڑ دیں گے جسے نصرانی پوجتے ہیں اور یہ توڑنا نصرانی دین سے بیزاری ظاہر کرنے اور اس کے باطل ہونے کا اعلان ہوگا اور خنزیر کو قتل کریں گے (اس کا مقصد بھی نصرانیوں سے بیزاری ظاہر کرنا ہوگا کیونکہ نصاریٰ کو خنزیر کا گاشت بہت محبوب ہے) اور جزیہ ختم کر دیں گے (یعنی کافروں سے جزیہ قبول نہ فرمائیں گے اور اسلام کے سوا کوئی بات قبول نہ کریں گے) اور مال کو بہادیں گے (اور اس قدر بخشش کریں گے) کہ کوئی شخص قبول کرنے والا بھی نہ ہوگا۔ اس وقت سجدہ ساری دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے ان سب سے بہتر ہوگا۔ یہ بیان کر کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم چاہو تو ﴿وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ کو پڑھ لو۔ (روال البخاری صفحہ ۴۹۰: ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد نبوی بیان کرنے کے بعد جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ دنیا میں تشریف آوری کا ذکر ہے مذکورہ آیت پڑھنے کے لیے جو فرمایا اس سے ان کا مقصد یہی ہے کہ اس زمانہ کے جو اہل کتاب یہودی اور نصرانی ہوں گے سب ان پر ایمان لے آئیں گے۔ معالم التنزیل میں اس کی تصریح ہے کہ قبل موتہ تک پڑھ کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے قبل موت عیسیٰ ابن مریم کہا اور اسے تین مرتبہ دہرایا۔ اس طرح سے انہوں نے موتہ کی ضمیر کا مرجع واضح طور پر بیان فرمادیا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ موتہ کی ضمیر کے بارے میں یہ دوسرا قول بھی ابن عباس سے مروی ہے اور حسن اور قتادہ سے بھی منقول ہے۔ والمعنی انه لا يبقى احد من اهل الكتاب الموجودين عند نزول عيسى عليه السلام الا ليومنن به قبل ان يموت و تكون الاديان كلها ديننا واحداً۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اس وقت جتنے بھی اہل کتاب موجود ہوں گے وہ سب ان پر ان کی موت سے پہلے ایمان لے آئیں گے اور بس ایک ہی دین باقی رہے گا یعنی دین اسلام۔

آخر میں فرمایا ﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِدًا﴾ (اور قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام اہل کتاب پر گواہ ہوں گے)۔ یہودیوں کے بارے میں گواہی دیں گے کہ میں نے ان کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے تھے اور میں اللہ کا بندہ ہوں اور یہ کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ میری تبلیغ کے باوجود ان لوگوں نے شرک کیا۔ اللہ تعالیٰ کی بغاوت کی۔ (معالم التنزیل بشرح)

فَيُظْلَمُ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَمْنَا عَلَيْهِمْ طَيْبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بَصَدَّيْهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

كَثِيرًا ۝۱۱۰ وَ أَخَذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَ آكَلِهِمْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۗ وَ آخَذْنَا

لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝۱۱۱

سو جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی ہم نے ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لیے حلال کی گئیں تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ اللہ کے راستہ سے روکنے میں زیادہ مشغول رہے ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ سود لیتے رہے حالانکہ اس سے منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقے پر کھاتے رہے، اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے

حرام خوری اور سود لینے کی وجہ سے یہودی پاکیزہ چیزوں سے محرم کر دیئے گئے

ان آیات میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہودیوں پر وہ حلال اور طیب چیزیں حرام کر دی گئیں جو ان کے لیے حلال تھیں۔ اور یہ اس وجہ سے حرام کی گئیں کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا جس میں نقص عہد اور حضرات انبیاء علیہم السلام کا قتل بھی شامل ہے، نیز وہ کثرت کے ساتھ یہ کام بھی کرتے رہے کہ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکا۔ اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا اور اپنے نفسوں کو اور دوسروں کو ان کے

اتباع سے روکا، اور اس وجہ سے بھی پاکیزہ چیزیں ان پر حرام کی گئیں کہ وہ سود لیتے رہے حالانکہ توریت شریف میں ان کو اس کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقے کے ساتھ کھاتے تھے۔ ان کے حکام اور علماء و احبار رشوت لیتے تھے۔ اور حرام طریقوں سے عوام کا مال کھا جاتے تھے۔ صاحب معالم التنزیل صفحہ ۴۹۸: ج ۱ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں اعقبناہم بان حرمانا علیہم طیبات و كانوا کلما ارتكبوا كبيرة حرم علیہم شیء من الطیبات التي كانت حلالاً لہم (مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کے برے کرتوتوں کی وجہ سے یہ سزا دی کہ ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں۔ جب کبھی بھی کوئی کبیرہ گناہ کرتے تھے ان چیزوں میں سے کوئی نہ کوئی چیز حرام دی جاتی تھی جو ان کے لیے حلال تھیں، سورۃ انعام میں بعض ان چیزوں کا ذکر ہے جو ان پر حرام کر دی گئی تھیں، وہاں ان کے بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے ﴿ذَلِكَ جَزَيْنَهُمْ بِبَغْيِهِمْ﴾ (کہ ہم نے ان کو یہ بدلہ دیا ان کی بغاوت کی وجہ سے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں جو چیزیں ان پر حرام کر دی گئی تھیں بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ان میں سے بعض چیزیں حلال کر دی گئیں۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران میں فرمایا ﴿وَلَا حِلُّ لَكُمْ بِعَظْمِ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾۔

تحريم طيبات کے اسباب میں اللہ کی راہ سے روکنا اور سود کھانا اور باطل طریقوں سے لوگوں کے مال کھانا بھی مذکور ہے جب کسی نبی کی بعثت ہوتی تھی تو یہ لوگ دین حق کو نہ قبول کرتے تھے نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے جو لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قتل کر دیتے ہوں ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی راہ پر نہ چلیں گے نہ اللہ کی راہ کسی کو اختیار کرنے دیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی تو ان کے پیچھے پڑ گئے۔ ان کو بہت تکلیف دی ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔ سود کھانا یہودیوں کی بہت پرانی عادت ہے۔ توریت شریف میں ان کو اس سے منع کر دیا تھا لیکن پھر بھی برابر سود لیتے رہے دنیا میں مہاجن اور سینٹھ بننے کا جو طریقہ رائج ہے ان میں سب سے بڑا کامیاب طریقہ سود خوری ہی کا ہے۔ حتیٰ کہ اصل سرمایہ کم رہ جاتا ہے اور سود کا مال زیادہ ہو جاتا ہے اس میں حاجت مندوں کے ساتھ بے رحمی کا سلوک ہے۔ اور ان کی حاجت مندی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی ایک صورت ہے جو خون چوسنے کے برابر ہے اس بیدردی اور بے رحمی والے عمل سے اللہ تعالیٰ شانہ، نے بنی اسرائیل کو بھی منع فرمایا تھا اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو بھی منع فرمایا ہے۔ یہودیوں نے اس عمل کو نہیں چھوڑا اور بہت سے مسلمان ہونے کے دعویدار آج کل بھی اس میں لگے ہوئے ہیں۔ بینکاری کا سارا کام سود پر ہی ہے جو لوگ یہودی ہیں ان کے بڑے بڑے ذاتی بینک ہیں اور بینکوں میں ان کے شیراز ہیں اور جو لوگ دنیا پر دل دیئے ہوئے ہیں مال کی کثرت کے متوالے ہیں اسلام کے مدعی ہوتے ہوئے اس ملعونیت کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ممانعت کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے بلکہ ہلٹا اسے جائز کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس کا نام پیسے کی تجارت رکھتے ہیں کچھ لوگ مولویوں کو نشانہ بناتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دوسری قومیں (یہودی، نصرانی، ہندو) سود لے کر بام عروج پر پہنچ گئے ہیں اور مولویوں نے سود حرام کر کے قوم کو گہرے غار میں ڈال دیا ہے۔ بھلا مولوی کی کیا طاقت ہے کہ کسی چیز کو حرام کرے وہ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ کرتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال ہے وہ اسے حلال بتاتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام ہے اسے حرام بتاتا ہے علماء کو برا کہنے سے لعنت سے نہیں بچیں گے اور حرام حلال نہیں ہو جائے گا، افسوس ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنے والے جب مال میں یہودی صفت بنے ہوئے ہیں، یہودیوں سے اپنا بغض بھی ظاہر کرتے ہیں اور صفات ان کی اختیار کرتے ہیں، مال آتا ہوا دیکھتے ہیں تجوری بھری ہوئی دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ لیکن انہیں آخرت کے عذاب کا کوئی احساس نہیں۔ اگر سچ پوچھیں تو جس طرح یہودیوں پر شرعی طور پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دی گئی تھی اس طرح اب تکوینی طور پر پاکیزہ چیزوں سے بنی آدم محروم ہو رہے ہیں۔ پچاس سال پہلے جو چیزوں میں لذت تھی وہ اب نہیں رہی اور جانوروں کا گوشت یورپ امریکہ وغیرہ میں اور ایشیاء کے بہت سے علاقوں میں بسم اللہ کے بغیر ذبح کیے ہوئے جانوروں کا کھایا جا رہا ہے۔ حلال چیز کو حرام کر کے کھا رہے ہیں۔ اور خوش ہو رہے ہیں، حلال ذبیحے کا جو مزا اور کیف تھا اس سے یکسر محروم ہیں اور حرام کھانے کا جو گناہ ہے وہ اپنی جگہ ہے۔

سود کے بارے میں جو قرآن و حدیث میں وعیدیں وارد ہیں ان کے لیے سورۃ بقرہ کا رکوع ۳۸ اور اس کی تفسیر کی مراجعت کر لی جائے۔

(دیکھو انوارالبیان، پیچھے گزر چکا ہے)

یہودیوں کے اعمال شنیعہ اور اقوال قبیحہ بتاتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ باطل کے ساتھ لوگوں کے مال کھاتے رہے ہیں۔ حرام مال کھانا یہودیوں کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی اور اب بھی اس پر چل رہے ہیں۔ ان کے حکام رشوتیں لیتے تھے اور علماء کا بھی یہ طریقہ تھا کہ لوگوں کی مرضی کے مطابق تو ریت شریف کا حکم بدل دیتے تھے اور اس پر پیسے لیتے تھے، سورۃ بقرہ کی آیت ۶۹ رکوع ۹ ﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ﴾ میں ان کی اس حرکت کو بیان فرمایا ہے۔

آخر میں فرمایا ﴿وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ دنیا کی سزا تحریم طہیات بیان فرمانے کے بعد ان کی آخرت کی سزا بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ان میں سے جو لوگ کفر پر برقرار رہیں گے اور اسی حالت میں مرجائیں گے تو دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے جو ان کے لیے تیار فرمایا ہے۔

لَكِنَّ الرُّسُخُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۱۲﴾

لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ ہیں اور جو ایمان لانے والے ہیں وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ پر اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور جو لوگ قائم کرنے والے ہیں نماز کو اور دینے والے ہیں زکوٰۃ کو اور جو ایمان لانے والے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایسے لوگوں کو عنقریب ہم بڑا ثواب عطا کریں گے۔

اہل کتاب میں جو راسخ فی العلم ہیں وہ ایمان لے آئے ہیں

اس آیت میں یہ بتایا کہ سارے اہل کتاب ان صفات سے متصف نہیں ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو علم میں پختہ ہیں اصحاب بصیرت ہیں وہ سابقہ کتب الہیہ اور موجودہ کتاب الہی یعنی قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں نمازیں قائم کرتے ہیں۔ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں۔ ان لوگوں کو ہم اجر عظیم عطا کریں گے جو ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لیے مقرر اور موعود ہے گویا ایسے لوگ یہودیوں میں کم ہیں چند ہی افراد ایمان لائے مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنہم۔ جس طرح کفر پر جے رہنے والوں کے لیے عذاب الیم تیار فرمایا ہے اسی طرح ایمان قبول کرنے والوں اور اعمال صالحہ اختیار کرنے والوں سے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَ النَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَآلِ سَبَاطٍ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۗ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ﴿۱۱۳﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۗ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿۱۱۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ ۚ بَعْدَ الرُّسُلِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۱۵﴾ لَكِنَّ اللَّهَ يُشْهِدُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۗ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يُشْهِدُونَ ۗ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شٰهِدًا ﴿۱۱۶﴾

بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسا کہ وحی بھیجی نوح کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو ان کے بعد آئے اور ہم نے وحی بھیجی ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب کی طرف اور یعقوب کی اولاد کی طرف اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف، اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کیا اور ہم نے بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا ہم نے آپ سے اس سے پہلے حال بیان کیا اور بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔ اور اللہ نے موسیٰ سے خاص طور پر کلام کیا۔ ہم نے رسول بھیجے جو خوشخبری سنانے والے تھے اور ڈرانے والے تھے تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے، لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اس چیز کی جو آپ کی طرف اتاری اس کو اپنے علم کے ساتھ اتاری ہے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں۔ اور اللہ کی شہادت ہی کافی ہے۔

ارسال رسل کی حکمت اور متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ

ان آیات میں اول تو سید المرسلین ﷺ کو خطاب کر کے یہ فرمایا کہ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسا کہ نوح علیہ السلام اور ان کے بعد دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی تھی۔ اس سے ان لوگوں کا استعجاب دور فرمایا جو آپ کی نبوت کو نئی چیز سمجھتے تھے، یعنی یہ سمجھتے تھے کہ یہ دعویٰ نبوت کر کے نئی بات فرما رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کی بھی تردید ہوئی جو لوگ کہتے تھے کہ انسان نبی بن کر کیوں آیا۔ جو لوگ سلسلہ نبوت سے واقف تھے وہ جانتے تھے کہ پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے ہیں وہ بھی انسان ہی تھے۔ لہذا تکذیب کے لیے یہ شوشہ چھوڑنا کہ ہمیں تو معلوم نہیں کہ پہلے نبی آئے ہوں اور یہ اعتراض اٹھانا کہ نبی آیا تو بشر کیوں آیا بالکل غلط ہے۔ اگر کسی کو نبیوں کی تشریف آوری کا بالفرض علم نہ تھا تو اب جان لے اور مان لے کہ پہلے بھی نبی آئے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ بھی نبی ہیں۔ مخلوق کو راہ ہدایت بتانے کے لیے نبیوں کی تشریف آوری ضروری ہے کیونکہ محض اپنی عقل سے پوری طرح ایمانیات تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد چند حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسمائے گرامی کا خصوصی تذکرہ فرمایا اور وہ یہ ہیں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت عیسیٰ، حضرت ایوب، حضرت یونس، حضرت ہارون، حضرت سلیمان، حضرت داؤد علیہم السلام، ان سب حضرات کی نبوت اور رسالت یہود میں معروف و مشہور تھی اور حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہم السلام کو تو قریش مکہ بھی جانتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ ہم ان کی اولاد میں سے ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان دونوں حضرات نے کعبہ شریف بنایا تھا۔ زمانہ شرک میں جو حج کرتے تھے اس کے بارے میں جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتایا ہوا طریقہ ہے اور ان کے دین کی بہت سی باتیں اہل مکہ میں رواج پذیر تھیں لیکن شرک دلوں میں اس قدر جاگزیں ہو گیا تھا کہ توحید کی بات بری لگتی تھی۔ سورۃ انعام (رکوع ۹) میں بھی متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔

یہاں جن حضرات کا ذکر ہے ان کے علاوہ سورۃ انعام میں حضرت یوسف، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ ہے، سورۃ مریم اور سورۃ انبیاء میں حضرت ادریس علیہ السلام کا تذکرہ بھی ہے۔ سورۃ انبیاء اور سورۃ ص میں حضرت ذوالکفل علیہ السلام کا بھی تذکرہ ہے۔ سورۃ اعراف اور سورۃ ہود اور سورۃ شعراء میں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب علیہم السلام کا بھی ذکر ہے۔ سورۃ بقرہ میں اور یہاں سورۃ نساء میں لفظ الاسباط بھی وارد ہوا ہے، اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے جتنے انبیاء کرام بنی اسرائیل میں تشریف لائے وہ سب حضرت یعقوب علیہ السلام ہی کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے درمیان بنی اسرائیل میں بہت سے انبیاء تشریف لائے۔ ان کے اسمائے گرامی بجز زکریا اور یحییٰ علیہم السلام کے قرآن مجید میں اور احادیث شریف میں مذکور نہیں ہیں۔ بعض حضرات کے اسماء گرامی یہود سے سنے گئے ہیں اور انہیں سے سن کر یہ نام تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں آگئے ہیں جیسے حضرت شمعون، حضرت شموئیل، حضرت حزقیل علیہم السلام۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زبور عطا فرمائی جو مشہور چار کتابوں میں سے ہے۔ زبور عطا فرمانے کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۶ میں بھی مذکور ہے۔

قرآن مجید میں چوبیس حضرات کا نام لے کر ان کے نبی ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ تیس نام تو اوپر مذکور ہوئے اور چوبیسویں سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہیں، اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام بھی اللہ کے نبی تھے۔ حدیث شریف میں بھی اس کی تصریح وارد ہوئی۔ سنن ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا وما من نبی یومذ آدم فمن سواہ الا تحت لوانی (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۱۳) (کہ قیامت کے دن کوئی بھی نبی ایسا نہ ہوگا جو میرے جھنڈے کے نیچے نہ ہو آدم ہوں یا کوئی نبی ہو) ان چوبیس حضرات کو تو تعیین کے ساتھ نام لے کر نبی جاننا اور ان کی نبوت کا عقیدہ رکھنا فرض ہے ان کے علاوہ دوسرے حضرات کے بارے میں یوں اجمالی عقیدہ رکھا جائے کہ میں اللہ کے تمام نبیوں اور رسولوں کو مانتا ہوں۔ اور ان سب کے بارے میں بغیر کسی تفریق کے میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ سب حضرات اللہ کے نبی تھے۔ بعض روایات میں حضرات نبیاء کرام ﷺ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار مذکور ہے۔ جن میں سے تین سو پندرہ کو رسول بتایا ہے یہ روایت مسند احمد سے صاحب مشکوٰۃ نے صفحہ ۵۱۱ پر نقل کی ہے لیکن چونکہ حدیث خبر واحد ہے اور عقائد کا مدار آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ پر ہے اس لیے حضرات اکابر اہل سنت نے فرمایا ہے کہ تعداد مقرر کر کے ایمان نہ لائے بلکہ یوں کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء و رسل پر ایمان لاتا ہوں تاکہ تعداد ذکر کرنے سے کوئی نبی اور رسول رہ نہ جائے اور جو نبی اور رسول نہ ہو وہ ان میں داخل نہ ہو جائے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے ﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ﴾ کہ ہم نے بہت سے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ سے بیان کر دیا اور بہت سے رسول ہم نے ایسے بھیجے ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔

سورہ مؤمن میں بھی اس امر کی تصریح ہے چنانچہ ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ شرح عقائد میں اس بات کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وقد روى بيان عددهم في بعض الاحاديث على ما روى ان النبي ﷺ سئل عن عدد الانبياء فقال مائة الف واربعه و عشرون الفا وفي رواية مائتا الف و اربع و عشرون الفا و الاولى ان لا يقتصر على عدد في التسمية فقد قال الله تعالى منهم من قصصنا عليك و منهم من لم نقصص عليك ولا يو من في ذكر العدد ان يدخل فيهم من لم يسم منهم ان ذكر عدد اكثر من عددهم او يخرج منهم من هو فيهم ان ذكر اقل من عددهم يعني ان خبر الواحد على تقدير ان يتما له على جميع الشرائط المذكورة في اصول الفقه لا يفيد الا الظن ولا عبرة بالظن في باب الاعتقادات خصوصاً اذا اشتمل على اختلاف رواية و كان القول بموجبه مما يفضي الى مخالفة ظاهر الكتاب وهو ان بعض الانبياء لم يذكر للنبي عليه السلام و يحتمل مخالفة الواقع وهو عد النبي من غير الانبياء او غير النبي من الانبياء بناء على ان اسم العدد اسم خاص في مدلوله لا يحتمل الزيادة والنقصان اه

اجمالی طور پر تمام انبیاء اور رسول پر ایمان لانے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے بارے میں جو اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا عبد صالح تھے (راجع معالم التنزیل صفحہ ۲۶۵: ج ۳) اس اختلاف سے صرف نظر کرتے ہوئے تمام انبیاء کرام ﷺ کی نبوت کا اقرار ہو جائے گا اور اجمالاً سب پر ایمان ہو جائے گا۔

آیت بالا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک خاص فضیلت بیان فرمائی اور فرمایا ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے خاص طور پر کلام کیا۔ اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ازلیہ میں صفت کلام بھی ہے اور قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے جو موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اس کی کیفیت سمجھنے سے بندے عاجز ہیں کیفیت کا ذکر کتاب و سنت میں نہیں ہے اس لیے یہ ایمان لانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا صحیح ہے حق ہے گو ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ محل حوادث نہیں ہے۔ اس نے اس طرح کلام فرمادیا

کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

پھر فرمایا ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِنَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةً بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (ہم نے رسول بھیجے خوشخبری دینے والے ڈرانے والے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر حجت باقی نہ رہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا ان کے واسطے سے اپنے بندوں کو توحید کا اور عبادت کا حکم دیا۔ رسولوں نے اہل ایمان کو اور اعمال صالحہ اختیار کرنے والوں کو اجر و ثواب اور آخرت کی نعمتوں کی بشارت دی۔ اور منکرین کو دوزخ کے عذاب سے ڈرایا اور بتایا کہ ایمان قبول نہ کرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے۔ اس سے بندوں پر حجت قائم ہو گی کہ وہ یوں نہ کہیں ﴿لَوْ لَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نُنزِلَ وَنَخْزِي﴾ (کیوں نہیں بھیجا کوئی رسول ہماری طرف سو ہم آپ کی آیات کا اتباع کرتے اس سے پہلے ہم ذلیل ہوتے اور رسوا ہوتے) اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے رسول بھیج دیئے کتابیں بھیج دیں بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت قائم نہیں رہی بلکہ بندوں پر اللہ کی حجت قائم ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ اور اللہ زبردست ہے (وہ جسے چاہے عذاب دے سکتا ہے) اور وہ حکمت والا بھی ہے (اس نے اپنی حکمت کے مطابق رسول بھیجے تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے اور جس ہلاک ہونا ہو وہ اپنے عقیدہ اور عمل کی وجہ سے ہلاک ہو)۔ آخر میں فرمایا ﴿لَكِنَّ اللَّهَ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾ (لیکن اللہ تعالیٰ اس چیز کی گواہی دیتا ہے جو اس نے آپ کی طرف اپنے علمی کمال کے ساتھ اتاری اور فرشتے گواہی دیتے ہیں اور اللہ کی شہادت کافی ہے)۔

معالم التنزیل صفحہ ۱۰۵: ج ۱ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ روماء مکہ آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اے محمد ﷺ! ہم نے آپ کے بارے میں یہودیوں سے دریافت کیا کہ تمہاری کتابوں میں محمد (ﷺ) کی صفات بیان کی گئی ہیں یا نہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کو نہیں جانتے، تھوڑی دیر میں یہودیوں کی ایک جماعت آگئی ان سے آپ نے فرمایا کہ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ تم جانتے ہو میں اللہ کا رسول ہوں انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہم تو نہیں جانتے۔

اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں یہ بتایا کہ آپ کی نبوت اور رسالت کی حقانیت ان کے ماننے پر موقوف نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو کتاب اپنے علمی کمال کے ساتھ نازل فرمائی ہے (جو ایک عظیم معجزہ ہے) وہ اس کتاب کے ذریعہ آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی دیتا ہے اور فرشتے بھی اسی کی گواہی دیتے ہیں اگر بیوقوفوں نے اور معاندوں نے نہ مانا تو اس سے حقیقت واقعہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ تعالیٰ کا گواہ ہونا ہی کافی ہے کسی اور کی تصدیق اور تسلیم کی آپ کو حاجت نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلًّا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ

ظَلَمُوا أَلَمْ يَكُنِ اللَّهُ يَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ط

وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا بے شک وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے، بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا اللہ ان کو نہیں بخشنے گا اور نہ جہنم کی راہ کے علاوہ انہیں اور کوئی راہ بتائے گا۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

کافروں اور راہ حق سے روکنے والوں کے لیے صرف دوزخ کا راستہ ہے

ان آیتوں میں ان لوگوں کے لیے وعید شدید ہے جنہوں نے خود بھی کفر اختیار کیا اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکا۔ یہ لوگ نہ خود اسلام قبول کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے ہیں اس کی وجہ سے بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے، چونکہ جو شخص خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے پر کمر باندھ لے اس سے واپس آنے کی امید نہیں رہی۔ کفر اختیار کرنے والوں کو ظالم بھی بتایا کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم

کیا۔ اور دوسرے انسانوں پر بھی ظلم کیا کیونکہ انہیں حق قبول کرنے سے روکا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی مغفرت نہیں ہوگی اور جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو ان کو صرف دوزخ ہی کا راستہ بتایا جائے گا تا کہ اس میں داخل ہو جائیں اور اس میں انہیں داخل ہونا پڑے گا تو فرشتے ان کو ہانک کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔ طریق جنت کی طرف دنیا میں راہ یاب نہ ہوئے تو آخرت میں بھی وہ جنت کے راستے پر چلنے سے محروم رہیں گے دوزخ میں ان کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا پڑے گا۔

﴿وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾ (کافروں کی مغفرت نہ فرمانا اور ان کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈال دینا اللہ کے لیے آسان ہے) اسے کوئی چیز روکنے والی نہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ ۗ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٤١﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۗ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَةٌ أُلْقِيَهَا إِلَى مَرْيَمَ وَمُرُوءٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۗ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۗ إِنَّا أَنبَأْتُكُم بِاللَّهِ وَآلِهِ وَآلِهِ وَآلِهِ ۗ سُبْحٰنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۗ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿١٤٢﴾

اے لوگو! بے شک تمہارے پاس حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے رسول آ گیا سو تم ایمان لاؤ۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اور اگر تم کفر اختیار کرو۔ سو بلاشبہ اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور اللہ جاننے والا ہے حکیم ہے۔ اے اہل کتاب غلو نہ کرو اپنے دین میں اور مت کہو اللہ کی شان میں مگر حق بات، مسیح جو عیسیٰ بن مریم ہیں وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جس کو اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں، سو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور مت کہو کہ تین خدا ہیں اس سے باز آ جاؤ یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ معبود صرف اللہ ہی ہے جو اکیلا ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اللہ کا رساز ہونے کے لیے کافی ہے۔

نصاری کی گمراہی کا بیان اور ان کے عقیدہ تثلیث کی تردید

اول تو تمام عالم کے انسانوں کو خطاب فرمایا کہ تمہارے پاس اللہ کا رسول حق لے کر پہنچا ہے ان کا تشریف لانا اللہ کی طرف سے ہے ان پر ایمان لاؤ۔ ایمان لاؤ گے تو تمہارے لیے بہتر ہوگا (کیونکہ حق قبول کرنا مستقل خیر ہے اور پھر اس کے سبب سے دائمی عذاب سے بچنا اور ہمیشہ کے لیے جنت اور جنت کی نعمتوں کا مل جانا یہ سب خیر ہی خیر ہے) اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اسے تمہارے مومن ہونے کی کوئی حاجت نہیں ہے تم کفر اختیار نہ کرو کیونکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے تم بھی اسی کے ہو وہ خالق بھی ہے اور مالک بھی ہے اسے اختیار ہے اپنی مخلوق میں جو چاہے تصرف کرے۔ کفر کی پاداش میں اسے عذاب دینے کی بھی پوری طرح قدرت حاصل ہے۔ قال صاحب الروح وان تكفروا فهو سبحانه و تعالی قادر علی تعذیبکم بکفرکم لان له جل شانہ ما فی السموات والارض او فهو غنی عنکم لا يتضرر بکفرکم کمالا ينتفع بایمانکم اھ و كان اللہ علیماً حکیماً اور اللہ تعالیٰ علیم ہے اسے سب کے احوال معلوم ہیں اس پر کسی کافر اور ایمان پوشیدہ نہیں وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے موافق جزا سزا عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد اہل کتاب کو خصوصی خطاب فرمایا اور فرمایا ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ﴾ کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو وہ باتیں نہ کہو جو تمہارے دین میں نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں صرف وہی کہو جو حق ہے ناحق باتیں کر کے اللہ تعالیٰ پر تہمت دھرنے والے نہ بنو۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا تجویز کر دیا تھا۔ تین خدا مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں۔ اور یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتایا نیز انہوں نے اول تو حضرت مریم پر تہمت دھری اور پھر حضرت عیسیٰ کی نبوت کے منکر ہوئے اور ان کو قتل کے درپے ہوئے حتیٰ کہ اپنے خیال باطل میں ان کو قتل کر ہی دیا۔ اور آج تک ان کو اس پر اصرار ہے قرآن مجید نے ان کی تردید فرمائی۔ نصاریٰ نے عقیدہ تکفیر بھی اپنی طرف سے گھڑ لیا اور یہ کہنے اور ماننے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو قتل کروا کر ہمارے گناہوں کا کفارہ کر دیا (العیاذ باللہ)۔ دونوں فریق کو تنبیہ فرمانے کے بعد (کہ اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ﴿إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ الْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ﴾ (مسح جو عیسیٰ بن مریم ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں) اس میں حرف انما سے مضمون کو شروع فرمایا انما عربی زبان میں حصر کے لیے آتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ مسح جو عیسیٰ بن مریم ہیں ان کے بارے میں جو عقیدے تم نے اپنی طرف سے تجویز کر لیے ہیں وہ سب غلط ہیں وہ نہ اللہ کے بیٹے ہیں نہ معبود ہیں ان کو جو سب سے بڑی فضیلت حاصل ہے وہ یہی ہے کہ دوسرے رسولوں کی طرح وہ بھی اللہ کے رسول ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ وہ اللہ کا کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم کی طرف ڈالا اور اللہ کی طرف سے روح ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا کلمہ بتایا ہے اس کی تفسیر میں حضرات مفسرین کرام نے بہت سے اقوال لکھے ہیں۔ جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ کلمہ سے لفظ کن مراد ہے۔ سورۃ یسین میں فرمایا ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (اللہ کا امر یہی ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہیں تو کن فرمادیتے ہیں تو وہ ہو جاتی ہے) سورۃ آل عمران میں ہے کہ جب فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو خوشخبری دی کہ تمہارا بیٹا پیدا ہوگا تو انہوں نے کہا میرے اولاد کہاں سے ہوگی مجھے تو کسی انسان نے چھوا تک نہیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ ایسے ہی ہوگا اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے جو چاہے جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس ان کو کن فرمادیتا ہے لہذا وہ ہو جاتا ہے اولاد کے پیدا ہونے کا جو ظاہری سبب ہوتا ہے چونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں موجود نہیں ہو اس لیے ان کو کلمہ اللہ فرمایا کہ وہ صرف لفظ کن سے پیدا ہو گئے۔ کن عربی زبان میں کان یکون سے امر کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ہو جا۔ یہاں یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہر چیز کن سے پیدا ہوتی ہے تو ہر چیز کو اللہ کا کلمہ کہنا چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے؟ صاحب روح المعانی نے امام غزالی رضی اللہ عنہ سے اس کا جواب نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی پیدائش کے جو سبب ہوتے ہیں ایک سبب قریب ہے جسے سبب جانتے ہیں (یعنی نطفہ کا رحم مادہ میں داخل ہونا پھر نطفہ سے بچہ کا پیدا ہونا) اور دوسرا سبب بعید ہوتا ہے اور وہ لفظ کن کے ساتھ اللہ کا خطاب فرمانا ہے چونکہ سبب قریب وہاں معدوم تھا اس لیے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی اضافت سبب بعید کلمہ کن کی طرف فرمادی۔

اگر کلمہ کا یہی مطلب لیا جائے تو ﴿الْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ﴾ کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کلمہ حضرت مریم علیہا السلام کو پہنچایا جس کے نتیجے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہو گئی۔ صاحب معالم التنزیل صفحہ ۵۰۲: ج ۱ میں ﴿الْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں اعلمها و اخبرها بها كما يقال القيت اليك كلمة حسنة یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو پہلے سے بتا دیا اور خبر دے دی تھی یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی سے کہتے ہیں کہ میں نے تیری طرف ایک اچھی بات ڈال دی۔

﴿وَرُوحٌ مِّنْهُ﴾ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی جانب سے ایک روح ہیں) صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام روح ہیں جیسی دوسری ارواح ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف تشریحاً منسوب فرمایا جیسا کہ مسجد کو بیت اللہ کہا جاتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ روح سے مراد وہ نفخ (پھونکا) ہے جو جبرائیل علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کے کرتے میں پھونک دیا تھا جس کی وجہ سے بحکم خداوندی حمل قرار پا گیا۔

اللہ نے اپنی طرف اس کی نسبت اس لیے فرمائی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے امر (خصوصی) سے تھا۔ بعض حضرات نے روح کے معنی رحمت کے لیے ہیں چونکہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے متبعین کے لیے رحمت ہیں اور یہ رحمت اللہ کی طرف سے ہے (روح بمعنی رحمت آیت شریفہ ﴿وَآيَاتُهُمْ بَرُوجٌ مِّنْهُ﴾ وارد ہوا ہے) اس لیے ان کو روح فرمایا۔

بعض حضرات نے روح بمعنی وحی بھی لیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے مریم کو بشارت دی تھی اور بعض حضرات کا یہ بھی قول ہے کہ روح سے جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ کلمہ مریم تک جبرائیل نے با مر خداوندی پہنچایا۔

پھر فرمایا ﴿فَامِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ﴾ کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو کہ تین خدا ہیں۔ نصاریٰ کے کئی فرقے تھے اور اب بھی ان میں بہت سے فرق ہیں ان میں سے ایک فرقہ تو یہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی مسیح بن مریم ہیں اور یہ لوگ حلول کے قائل تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح بن مریم میں حلول کر لیا العیاذ باللہ اور ایک فرقہ کہتا تھا کہ اللہ اور عیسیٰ بن مریم اور ان کی والدہ یہ تینوں معبود ہیں۔ سورۃ مائدہ میں نصاریٰ کے یہ اقوال نقل فرمائے ہیں۔ (آیت نمبر ۱۱ اور آیت نمبر ۷۲، ۷۳) یہاں پر بھی ان کی تردید فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ تین خدا مت مانو۔ معبود ایک ہی ہے تم اپنے شرکیہ عقیدہ اور قول سے باز آ جاؤ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بھی مانتے تھے اور اللہ کا بیٹا بھی مانتے تھے ان کو ہدایت کرتے ہوئے فرمایا ﴿إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ﴾ کہ معبود صرف اللہ ہے جو ایک ہے اور فرمایا ﴿سُبْحٰنَہٗ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ﴾ اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لیے کوئی اولاد ہو مطلب یہ ہے کہ صرف یہی نہیں کہ اس کی اولاد نہیں بلکہ اس کی اولاد ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اولاد ہونا اس کے لیے عیب ہے وہ ہر عیب سے پاک ہے اور اس عیب سے بھی پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے معبود ماننا بھی شرک اور کفر ہے اور اس کے لیے اولاد تجویز کرنا بھی شرک اور کفر ہے۔ پھر فرمایا ﴿لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کی مخلوق اور مملوک ہے۔ پھر کوئی کیسے ان کا شریک اور اس کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ ﴿وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا﴾ (اور اللہ کافی ہے کارساز ہونے کے لیے) جس نے سب کو پیدا فرمایا وہی سب کا کارساز ہے۔ اسے اپنی مخلوق کے کام بنانے اور ان کی حاجتیں پوری کرنے کے لیے کسی شریک یا اولاد کی ضرورت نہیں۔ تم اللہ کو وحدہ لا شریک مانو اور اس کے بھیجے ہوئے دین پر چلو اور اسی سے اپنی حاجتوں کا سوال کرو۔

دین میں غلو کرنے کی ممانعت:

جیسا کہ اہل کتاب کو دین میں غلو کرنے سے منع فرمایا ایسے ہی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو بھی دین میں غلو کرنے سے ممانعت فرمائی ہے امت محمدیہ بھی طرح طرح کے غلو میں مبتلا ہے۔ نصاریٰ نے اپنے دین میں غلو کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور معبود بتا دیا۔ اسی طرح بہت سے لوگ رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب کلی تجویز کرتے ہیں اور اللہ کے برابر آپ کا علم بتاتے ہیں اور آپ کو خدائی اختیارات سونپتے ہیں حالانکہ آنحضرت ﷺ نے پہلے ہی سے اس کی بندش فرمادی اور فرمایا تھا لا تطرونی کما اطرت النصارى ابن مریم فانما انا عبده فقولوا عبد اللہ ورسوله (رواہ البخاری مسلم کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۷) کہ تم میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو جیسا کہ نصاریٰ نے ابن

مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا بس میں تو اللہ کا بندہ ہوں تم میرے بارے میں یوں کہو کہ اللہ کے بندے ہیں اور رسول ہیں۔

ملا علی قاری الموضوعات الکبیر صفحہ ۹۹ طبع مجتہبائی میں فرماتے ہیں و من اعتقد تسویة علم الله و رسوله یکفر اجماعاً کمالاً ینفی (کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کا اور رسول اللہ کا علم برابر ہے اس کو کافر کہا جائے گا) پھر چند سطر کے بعد لکھتے ہیں:

ولا ریب ان لهو لاء علی هذ الغلوا اعتقادا هو انه یکفر عنهم سیئاتهم و یدخلهم الجنة و کلما غلوا کانوا اقرب الیه و اخص به فهو اعصى الناس لا مره و اشد هم مخالفة لسنة و هو لا فیهم شبه ظاهر من النصراری غلوا علی المسیح اعظم الغلو و خالفوا شرعه و دینه اعظم المخالفة۔ اه

پھر یہ غلو اولیاء تک چلا گیا کہ اولیاء کو بھی مخلوق میں تصرف کرنے والا اور غیب کا جاننے والا مان لیا۔ اولیاء اللہ سے حاجتیں مانگتے ہیں ان کے نام کی نذریں مانتے ہیں۔ اور ان کی قبروں کا طواف کرتے ہیں اور ان کو سجدے کرتے ہیں۔ حالانکہ طواف صرف بیت اللہ یعنی کعبہ شریف کے ساتھ خاص ہے اور نذریں صرف اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہر قسم کا سجدہ بھی اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حدود سے آگے بڑھنے سے منع فرمایا۔

سورۃ مائدہ میں فرمایا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (اے ایمان والو! اللہ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو بلاشبہ اللہ حد سے آگے نکلنے والوں کو پسند نہیں فرماتا) حدود سے آگے بڑھنے کی بہت سی صورتیں ہیں جو اعتقاداً و عملاً اس امت میں رواج پذیر ہیں، مثلاً ذیقعدہ کے مہینے میں اور محرم اور صفر میں شادی کرنا شریعت میں خوب حلال ہے اور درست ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی اس حد سے بہت سے لوگ آگے نکلے ہوئے ہیں اور ان مہینوں میں شادی کرنے سے بچتے ہیں بہت سی قوموں میں بیوہ عورت کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں اور اسے حرام کے قریب بنا رکھا ہے یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے جس طرح حلال کو حرام کر لینا منع ہے اسی طرح حرام کو حلال کر لینا بھی منع ہے حلال و حرام مقرر فرمانے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

اسی ممانعت میں اللہ کی رخصتوں سے بچنا بھی داخل ہے مثلاً سفر شرعی میں قصر نماز کی اجازت ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ جو چیز اللہ کے یہاں تقرب اور نزدیکی کی نہ ہو اسے تقرب کا باعث سمجھ لیں مثلاً بولنے کا روزہ رکھ لینا یا دھوپ میں کھڑا رہنا وغیرہ وغیرہ۔

اور ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ شرعاً جو چیز مستحب ہو اسے واجب کا درجہ دے دیا جائے یا مستحب عمومی کو کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص کر لیا جائے جیسے نماز فجر اور نماز عصر کے بعد مصافحہ کرنا اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن دو گانہ پڑھ کر گلے ملنا مصافحہ کرنا مصافحہ اور معانقہ ملاقات کی سنت ہے عید کی سنت نہیں ہے ایک تو اس کی جگہ بدل دی اور دوسرے اس کو واجب قرار دے دیا اس میں دو طرح سے غلو ہے۔

حد سے آگے بڑھ جانے کی ایک یہ شکل ہے کہ کسی عمل کی وہ فضیلت تجویز کر لی جائے جو قرآن و حدیث میں نہیں۔ یا کسی گناہ پر خاص عذاب اپنی طرف سے تجویز کر کے بتا دیا جائے، واعظ لوگ ایسا بہت کرتے ہیں۔

اور ایک صورت حد سے آگے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ کسی عمل کی کوئی خاص ترکیب و ترتیب تجویز کر دی جائے مثلاً مختلف رکعات میں مختلف سورتیں پڑھنا تجویز کر لیا جائے (جو حدیث سے ثابت نہ ہو) اور اس پر مزید یہ کہ اپنی تجویز اور ترتیب کا فرض و واجب کی طرح اہتمام کیا جائے۔

بعض کتابوں میں مہینوں اور دنوں کی نمازیں اور ان کی خاص خاص فضیلتیں اور مخصوص ترکیبیں غیر ذمہ دار مصنفین نے لکھی ہیں یہ سب لوگوں کی اپنی تجویز کردہ ہیں۔ ملا علی قاری رضی اللہ عنہ الموضوعات الکبیر میں تحریر فرماتے ہیں:

و منها احادیث صلوة الايام واللیالی کصلوة يوم الاحد و ليلة الاحد و يوم الاثنين و ليلة الاثنين الی آخر الاسبوع کل احادیثها کذب (۱۰۱) دین اسلام کامل اور مکمل ہے اس میں غلو کرنا، کسی بدعت کا جاری کرنا یعنی اپنی طرف سے کسی ایسے کام کو دین میں داخل کرنا جو دین میں نہیں ہے سراسر گمراہی ہے۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا من اتی بدعة ظن ان محمدا اخطا الا سالة (جس نے بدعت کا کام کیا گویا اس نے یہ سمجھا کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے احکام پہنچانے میں غلطی کی ہے اور پورا دین نہیں پہنچایا) العیاذ باللہ بدعت جاری کرنے والا گویا اپنے عمل سے دین کی تکمیل کرتا ہے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں کمی سمجھتا ہے اور اسے اپنے خیال میں ناقص جانتا ہے۔

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۗ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَنِينًا ﴿١٤٦﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنْكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۗ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٤٧﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ﴿١٤٨﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ ۗ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمًا ﴿١٤٩﴾

مسیح ہرگز اس کو عار نہیں سمجھے گا کہ اللہ کا بندہ بنے اور نہ مقرب فرشتے اور جو کوئی شخص عار کرے اللہ کی عبادت سے اور تکبر کرے تو وہ ان کو عنقریب اپنے پاس جمع فرمائے گا۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کو پورے پورے بدلے عطا فرمائے گا اور اپنے فضل سے اور زیادہ دے گا۔ اور جن لوگوں نے عار کی اور تکبر کیا سو ان کو دردناک عذاب دے گا اور یہ لوگ اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی یار اور مددگار نہ پائیں گے۔ اے لوگو! بے شک آئی ہے تمہارے پاس دلیل تمہارے رب کی طرف سے اور ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف واضح نور سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوطی سے پکڑا تو عنقریب ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل فرمائے گا اور ان کو اپنی طرف سے سیدھے راستے پر پہنچا دے گا۔

اہل ایمان کی جزاء اور اہل کفر کی سزا کا ذکر

اسباب النزول صفحہ ۱۸۰ میں لکھا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا جو وفد آیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمارے صاحب کو عیب لگاتے ہیں آپ نے فرمایا تمہارا صاحب کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں آپ نے فرمایا وہ کون سی بات ہے جو میں ان کے بارے میں کہتا ہوں جسے تم ان کے بارے میں عیب سمجھتے ہو انہوں نے کہا کہ آپ کا کہنا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں آپ نے فرمایا کہ عیسیٰ کے لیے یہ عار نہیں ہے کہ وہ اللہ کا بندہ بنیں وہ کہنے لگے (ہمارے خیال میں تو) یہ ان کے لیے عار ہے اس پر آیت شریفہ ﴿لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ﴾ نازل ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں تھے انہوں نے اللہ ہی کی عبادت کی دعوت دی اور اللہ ہی کو اپنا اور سب کا رب بتایا اور اپنے کو اللہ کا بندہ بتایا۔ سورہ آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد نقل فرمایا ہے جو انہوں نے بنی اسرائیل سے خطاب کر کے فرمایا تھا ﴿إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾ (بلاشبہ اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے) سورہ مریم میں ہے

آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے قرآن مراد ہے۔

مفسر ابن کثیر نے ابن جریج کا اور صاحب درمنثور نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ نور مبین سے قرآن مجید مراد ہے۔ درحقیقت یہ کوئی اختلاف نہیں کیونکہ قرآن حجت بھی ہے اور نور مبین بھی اور رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی بھی حجت اور نور مبین بھی ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے خاتم النبیین ﷺ کو معجزات کثیرہ کے ساتھ مبعوث فرمایا آپ کی ذات گرامی ساری مخلوق کے لیے اللہ کی طرف سے ایک حجت ہے اور آپ کے اوصاف اور کمالات اخلاق اور صفات اور نعوت اور آپ کی دعوت توحید اور دلائل توحید اس قدر واضح ہیں کہ کسی بھی شخص کے لیے جو اپنی عقل کو ذرا بھی استعمال کرے ان سے منحرف ہونے اور کفر اختیار کرنے کا کوئی بھی جواز نہیں ہے۔ آپ کی ذات گرامی حجت ہے اور نور مبین ہے کہ آپ نے کھول کر ہدایت کے راستے بتائے اور خیر و شر کا امتیاز واضح فرمایا پھر جس طرح آپ کی ذات گرامی لوگوں پر حجت ہے اور نور مبین ہے اسی طرح قرآن کریم بھی گمراہی معجزہ ہونے کے اعتبار سے لوگوں پر حجت ہے جس نے واضح طور پر توحید کے دلائل بیان کیے اور کافروں اور مشرکوں کی گمراہی بیان کی اور صالحین اور طالحین کا انجام بتایا اور حجت ہونے کے ساتھ ساتھ وہ نور مبین بھی ہے جس نے خالق و مالک کو راضی کرنے کے طریقے سکھائے احکام شرعیہ واضح فرمائے اور صلاح و فلاح کے راستے بتائے۔

پھر ایمان قبول کرنے والوں اور اس پر مضبوطی سے جمنے والوں کی جزا بتائی اور فرمایا ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوطی سے پکڑا تو وہ عنقریب ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل فرمائے گا اور ان کو اپنی طرف سیدھے راستے پر پہنچا دے گا) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ سیدھے راستے پر پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کو فرمانبرداری اور ایمان کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آخرت میں جنت میں پہنچا دے گا۔

يَسْتَفْتُونَكَ ۗ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۗ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الْعُدَّتَانِ مِمَّا تَرَكَ ۗ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَصَلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۙ

لوگ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں آپ فرمادیجئے اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی شخص مر جائے اس کے کوئی اولاد نہیں اور اس کی ایک بہن ہے تو اس کے لیے اس مال کا آدھا ہے جو مرنے والے نے چھوڑا۔ اور وہ بہن کے پورے مال کا ورثہ ہوگا اگر اس بہن کے کوئی اولاد نہ ہو۔ پس اگر دو بہنیں ہیں تو ان کے لیے اس مال میں سے دو تہائی ہے جو مرنے والے نے چھوڑا۔ اور اگر یہ لوگ بہن بھائی ہوں تو ایک مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے اللہ تمہارے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

حقیقی اور علاتی بہن بھائی کی میراث کے مسائل

اس آیت پر سورہ نساء ختم ہوگئی سورہ نساء کے پہلے رکوع میں یتیموں کے حقوق اور اموال کی نگہداشت کا حکم فرمایا تھا۔ اور اجمالی طور پر مرنے والوں کی میراث جاری کرنے کا حکم تھا۔ اور دوسرے رکوع میں اولاد اور ماں باپ اور شوہر بیوی کے حصے بیان فرمائے جو انہیں میراث میں پہنچتے ہیں پھر وہیں کلالہ کی میراث کا ذکر فرمایا۔ کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کے نہ اصول ہوں اور نہ فروع ہوں۔ یعنی نہ ماں باپ ہو، نہ دادا

اور نہ اولاد ہو اور نہ بیٹے کی اولاد ہو۔ ایسا شخص اگر مر جائے اور اس نے بہن بھائی چھوڑے ہوں تو ان کو جو میراث ملے گی اس کا کچھ بیان سورہ نساء کے رکوع ۲ میں بیان فرمایا اور کچھ یہاں سورہ نساء کے آخر میں بیان فرمایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ بہن بھائی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ یعنی (یعنی سگے بہن بھائی) علانی (یعنی وہ بہن بھائی جو باپ شریک ہو) اخیانی یعنی وہ بہن بھائی جو صرف ماں شریک ہوں۔ ان میں سے آخر الذکر یعنی اخیانی بہن بھائی کا حصہ سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں بتا دیا اور وہ یہ کہ جب کسی کلالہ مرد یا عورت کی وفات ہو جائے اور اس نے ماں شریک ایک اور ایک بہن چھوڑی ہو تو ہر ایک کو مرنے والے کے مال سے چھٹا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو مثلاً دو بہنیں ہوں یا اس سے زیادہ ہوں یا دو بھائی ہوں یا اس سے زیادہ ہوں یا ایک بھائی ہو اور بہنیں ایک سے زیادہ ہوں۔ اور یا ایک بہن ہو اور بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو یہ سب لوگ مرنے والے کے تہائی مال میں برابر کے شریک ہوں گے اور ان میں مرد عورت کا حصہ برابر ہوگا لڑکے کو لڑکی سے دگنا نہ ملے گا۔ اور باقی مال دوسرے وارثوں کو پہنچ جائے گا۔

اور یہاں سورہ نساء کے آخر میں یعنی اور علانی یعنی سگے بہن بھائی اور باپ شریک بہن بھائی کا حصہ بتایا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے جو کلالہ ہو اور اس نے ایک بہن چھوڑی جو یعنی ہو یا علانی ہو تو اس بہن کو (بعد اداء ماہو مقدم علی المیراث و نفاذ و صیت ذر تہائی مال) کل مال کا آدھا ملے گا اور اگر کسی ایسی عورت کی وفات ہوگی جو کلالہ تھی اور اس نے ایک بھائی یعنی یا علانی چھوڑا تو وہ (بعد اداء حقوق متقدمہ علی المیراث و نفاذ وصیۃ ذر تہائی مال) اپنی مذکورہ بہن کے کل مال کا وارث ہوگا۔ اگر کسی مرد کلالہ نے دو یعنی یا علانی بہنیں چھوڑیں تو ان کو مرنے والے کے مال سے دو تہائی ملے گا۔

اور اگر یعنی یا علانی متعدد بہن بھائی چھوڑے تو مرنے والے کا مال ان بہن بھائیوں پر اس طرح تقسیم ہوگا کہ ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ دے دیا جائے گا۔ البتہ یعنی بھائی کی وجہ سے علانی بہن بھائی سب ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور یعنی بہن کی وجہ سے علانی بہن بھائی کا حصہ کبھی ساقط ہو جاتا ہے اور کبھی گھٹ جاتا ہے جس کی تفصیل کتب فرائض میں مذکور ہے۔

آخر میں فرمایا ﴿يَسِينُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضَلُّوا﴾ کہ اللہ تمہارے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ ﴿وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے اسے اپنی مخلوق کا سب حال معلوم ہے سب کے لیے احکام بیان فرماتا ہے اور ان سب احکام میں حکمت ہے اور مخلوق کی رعایت ہے وہ احکام و مسائل بیان فرما کر تمہیں گمراہی سے بچاتا ہے ایسے مہربان علیم و خبیر کے احکام پر دل و جان سے عمل کرنا چاہیے۔

وقدمت تفسیر سورة النساء لعاشر صفر الخیر ۱۱۴۱ھ من شہور السنة الحادیة عشر بعد الف و اربع مائة من ہجرة سید المرسلین ﷺ والحمد لله اولاً و آخراً والصلوة والسلام علی من ارسل طیباً و طاهرأ۔

آیاتہا ۱۲۱ ﴿۵﴾ سُورَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۲ ﴿۶﴾ رُكُوعَاتُهَا ۱۶ ﴿۷﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

سورہ مائدہ مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو اکیس آیات اور سولہ رکوع ہیں
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۗ اٰجَلْتُمْ لَكُمْ بِهَيْبَةِ اللّٰهِ اَلَا نُنَعِّمُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرِ
مُحَلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرْمٌ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَحِلُّوا شَعًا يَّر
اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدٰى وَلَا الْقَلٰٓئِدَ وَلَا اَمِّينَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ
رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۗ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۗ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ
السُّجْدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۗ وَتَعَاوَنُوْا عَلٰى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۗ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلٰى الْاِثْمِ
وَالْعُدُوٰنِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲﴾

”اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو، حلال کیے گئے تمہارے لیے چوپائے انعام میں سے، مگر وہ جن کے بارے میں تمہیں بتا دیا جائے گا اس حال میں کہ جس وقت تم احرام میں ہو شکار کو حلال کرنے والے نہ ہو۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ اے ایمان والو! مت حلال کرو اللہ کے شعائر کو، اور نہ حرام کو اور نہ ہدی کو اور نہ پٹے ڈالے ہوئے جانوروں کو، اور نہ ان لوگوں کو جو بیت حرام کا قصد کر کے جا رہے ہوں! وہ اپنے رب کا فضل اور رضامندی تلاش کرتے ہیں۔ اور جب تم حلال ہو جاؤ تو شکار کر لو۔ اور ہرگز کسی قوم کی دشمنی نہ کرو، اور گناہ اور زیادتی پر آپس میں مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔“

ایفائے عہد کا حکم اور چوپایوں اور شکاری جانوروں سے متعلقہ بعض احکام

سورہ مائدہ کی ابتداء ایفائے عقود یعنی عہدوں کو پورا کرنے کے حکم سے ہے ارشاد فرمایا ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ عہدوں کو پورا کرنا ایمانی تقاضا ہے اور بد عہدی ایمان کے خلاف ہے اس میں وہ عہد بھی داخل ہے جو بندوں نے اللہ سے کیا ہے، جب کسی نے اسلام قبول کر لیا تو اس نے یہ عہد کر لیا کہ میں اللہ کے تمام اوامر کو مانوں گا اور جو بھی احکام ہونگے ان سب پر عمل کروں گا اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سب سے بچتا رہوں گا۔ خواہ اللہ کی کتاب قرآن مجید میں اوامر و نواہی ہوں اور خواہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے بھیجے ہوں۔

درمنثور ص ۲۵۸ ج ۲ بحوالہ بیہقی وغیرہ حضرت ان عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے اور اوفو بالعقود ای بالعہود ما أحل الله وما حرم وما فرض وما حد فی القرآن کله لا تغدروا ولا تنكثوا (یعنی عہد پورا کرو اللہ نے جو حلال قرار دیا ہے اور حرام قرار دیا ہے اور جن چیزوں کو فرض کیا اور جو قرآن میں حدود بیان کیں ان سب احکام پر عمل کرو۔ ان کی ادائیگی میں کوئی عذر نہ کرو اور عہد شکنی نہ کرو)۔

سورہ نحل میں فرمایا ﴿وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يُعَلِّمُ مَا تَفْعَلُونَ﴾ (اور تم اللہ کا عہد پورا کرو جب تم عہد کرو، اور مت توڑو قسموں کو ان کو پکا کرنے کے بعد حالانکہ تم نے اپنے اوپر اللہ کو ضامن بنا لیا ہے، بے شکل اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو) سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ (اور تم عہد کو پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا) سورہ رعد میں فرمایا ﴿إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يُؤْفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ﴾ (وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور عہد کو نہیں توڑتے۔

سورہ نحل میں ﴿وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ﴾ فرمایا اور سورہ مائدہ میں ﴿أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ فرمایا عقود، عقد کی جمع ہے عقد عربی زبان میں باندھنے کو کہتے ہیں آپس میں جو معاملات طے کئے جاتے ہیں ان کو عقد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے عہد ہوا ہے وہ بھی عقد ہے جس میں نذر بھی داخل ہے اور جو بندوں سے معاملات طے کئے جائیں وہ بھی عقد ہے۔

عقود کی قسمیں

حضرت زید بن اسلم تابعی نے سورہ مائدہ کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا عقود پانچ ہیں (۱) عقد نکاح (۲) عقد شرکت (۳) عقد یمین (یعنی قسم) (۴) عقد حلف (حلف سے یہ مراد ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا حلیف ہو جائے اور آپس میں یہ طے کرے کہ فلاں فلاں امور میں ہم آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے) (۵) عقد عہد، وہ وعدہ یعنی جو آپس میں کر لیا جائے۔ اگرچہ دونوں جانب سے نہ ہو۔ جماعتوں یا حکومتوں کے جو باہمی معاہدات ہیں یا دو انسانوں کے آپس میں جو معاملات ہیں نکاح اور شرکت اور مضاربت اجارہ وغیرہ ان سب معاہدات میں ان سب شرطوں کی پابندی لازم ہے جو آپس میں طے ہو جائیں بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہوں اگر کوئی شخص نذر مان لے تو اس کا پورا کرنا بھی واجب ہے لیکن گناہ کی نذر ماننا جائز نہیں اگر کوئی شخص گناہ کی نذر مان لے تو اس پر عمل نہ کرے اور خلاف ورزی کا کفارہ دیدے اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم توڑنے کا کفارہ ہے و فی الحدیث۔ ومن نذر نذراً فی معصیة فکفارتہ کفارة یمین، و فی حدیث اخر، انه لا وفاء لنذر فی معصیة اللہ ولا فیما لا یملکہ ابن ادم رواہما ابو داؤد۔ عقود کو پورا کرنے کا حکم دینے کے بعد بعض احکام ذکر فرمائے۔

بِهِيمَةِ الْأَنْعَامِ حَلَالٌ كَرْدِيَّ كَيْ

پہلا حکم بیان فرمایا کہ ﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ بِهِيمَةِ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ﴾ کہ تمہارے لئے چوپائے حلال کئے گئے جو انعام کے مشابہ ہیں) بہیمہ ہر اس جانور کو کہتے ہیں جس کے چار پاؤں ہوں اور انعام عموماً اونٹ گائے بکری کے لئے بولا جاتا ہے انعام کا حلال ہونا پہلے سے مخاطبین کو معلوم تھا۔ جن جانوروں پر انعام کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن وہ شکل و صورت میں انعام کی طرح سے ہیں جیسے ہرن، نیل گائے، شتر مرغ ان کا حلال ہونا مشروع فرما دیا۔ لفظ بہیمۃ کی اضافت جو لفظ انعام کی طرف ہے اس کے بارے صاحب روح المعانی نے بعض حضرات کا یہ قول لکھا ہے کہ یہ اضافت بیانیہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مشابہت بیان فرمانے کے لئے اضافت کو اختیار فرمایا اور مطلب یہ ہے کہ بہائم جو انعام کے مشابہ ہیں وہ تمہارے لئے حلال کئے گئے اور مشابہت اس بات میں ہے کہ وہ دوسرے جانوروں کو چیر پھاڑ کر نہیں کھاتے۔

پھر جب ﴿بِهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ کی حلت ذکر فرمادی اور اس میں وحشی جانور بھی داخل ہو گئے جن کا شکار کیا جاتا ہے) تو اس سے شکار کی اجازت بھی معلوم ہو گئی لیکن چونکہ حالت احرام میں شکار کرنا ممنوع ہے (حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) اس لئے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا ﴿غَيْرِ مُجَلِّبِي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ﴾ کہ تمہارے لیے یہ جانور حلال کیے گئے اس حال میں کہ حالت احرام میں تم ان کا شکار کرنے کو عملاً و اعتقاداً حلال نہ سمجھو۔

بھیمة الانعام کی حلت بیان فرماتے ہوئے بطور استثناء ﴿إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ﴾ فرمایا مطلب یہ ہے کہ جو جانور تمہارے لئے حلال کئے گئے ہیں ان میں سے وہ جانور مستثنیٰ ہیں جن کا تذکرہ ایک آیت کے بعد ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ﴾ (الایۃ) میں فرمایا ہے سورہ بقرہ اور سورہ انعام اور سورہ نحل میں بھی ان میں سے بعض چیزوں کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ﴾ (شک اللہ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے) اس کی مشیت حکمتوں کے مطابق ہے۔ قال صاحب الروح من الاحكام حسب ما تقتضيه مشيئه المبنية على الحكم البالغة التي تقف دونها الافكار فيدخل فيها ما ذكره من التحليل والتحرير دخولا اوليا۔

لَا تَحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ كَسَبَبِ نَزُولِ

اس کے بعد فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ﴾ (الایۃ) اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں مفسرین نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ شریح بن ضبیعہ کندی یمامہ سے مدینہ منورہ آیا یمامہ ایک علاقہ کا نام ہے اس نے اپنے ساتھیوں کو جو گھوڑوں پر سوار تھے مدینہ منورہ کے باہر چھوڑ دیا اور تنہا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور کہنے لگا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں آپ نے فرمایا میں لا الہ الا اللہ کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ ادا کرنے کی دعوت دیتا ہوں کہنے لگا کہ یہ تو اچھی بات ہے مگر میرے چند امراء ہیں میں ان کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا امید ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں گا اور ان کو بھی ساتھ لے آؤں گا اس کے آنے سے پہلے آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمادیا تھا کہ ایک آدمی آرہا ہے جو شیطان کی زبان سے بات کرے گا جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا کافر کا چہرہ لے کر داخل ہوا اور دھوکہ باز کے پاؤں کے ذریعہ باہر چلا گیا اور یہ شخص مسلم نہیں ہے جب یہ شخص مدینہ سے باہر نکلا تو وہاں جو جانور (اونٹ وغیرہ) چر رہے تھے انہیں لے کر چلا گیا، حضرات صحابہ نے اس کا پیچھا کیا لیکن اسے پکڑ نہ سکے اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ جب رسول اللہ ﷺ عمرہ القضاء کے موقع پر تشریف لے جا رہے تھے تو یمامہ کے حجاج کے تلبیہ کی آواز سنی آپ نے فرمایا یہ حطم ہے اور اس کے ساتھی ہیں (حطم شریح بن ضبیعہ کا لقب ہے) ان لوگوں نے ان جانوروں کے گلے میں قلابے یعنی پٹے ڈال رکھے تھے جو مدینہ کے باہر چرنے والے جانوروں میں سے لوٹ کر لے گئے تھے اور ان جانوروں کی بطور ہدیٰ کعبہ شریف کی طرف لے جا رہے تھے اور ان کے ساتھ بہت سا تجارت کا سامان بھی تھا مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ حطم جا رہا ہے حج کے لئے نکلا ہے آپ اجازت دیجئے ہم اس کو لوٹ لیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس نے ہدیٰ کے جانوروں کو قلابہ ڈال رکھا ہے لہذا ان کا لوٹنا صحیح نہیں مسلمانوں نے کہا یہ تو کوئی رکاوٹ کی چیز معلوم نہیں ہوتی یہ کام تو ہم جاہلیت میں کیا کرتے تھے آنحضرت ﷺ نے انکار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں شعائر اللہ کی بے حرمتی سے منع فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا شعائر اللہ سے مناسک حج مراد ہیں مشرکین حج بھی کرتے تھے اور کعبہ شریف کی طرف جانوروں کو بھی لے جایا کرتے تھے مسلمانوں نے ان کو لوٹنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا۔ حضرت عطاءؓ سے مروی ہے کہ شعائر سے اللہ تعالیٰ کے حدود اور ادا اور نواہی اور فرائض مراد ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ شعائر اللہ سے صفا مروہ اور وہ جانور مراد ہیں جو کعبہ شریف کی طرف بطور ہدیٰ لے جائے جاتے ہیں۔

شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم

اللہ تعالیٰ نے شعائر کی تعظیم کے بارے میں سورہ حج میں ارشاد فرمایا ﴿وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ (یعنی جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ قلوب کے تقویٰ کی بات ہے۔)

شعائر اللہ کی بے حرمتی کی ممانعت کے بعد ﴿الشُّهُرُ الْحَرَامُ﴾ کی بے حرمتی سے بھی منع فرمایا کہ اس میں کافروں سے جنگ نہ کی جائے، اور ہدیٰ کی بے حرمتی کرنے سے بھی منع فرمایا۔ ہدیٰ وہ جانور ہے جو کعبہ شریف کی طرف لے جایا جائے اور حدود حرم میں اللہ کی رضا کیلئے ذبح

کر دیا جائے۔ اور قلائد کی بے حرمتی سے بھی منع فرمایا، یہ قلابہ کی جمع ہے ہدی کے جانوروں کے گلوں میں پٹے ڈال دیا کرتے تھے تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ ہدی ہے اور کوئی اس سے تعرض نہ کرے۔ قلابہ کی بے حرمتی کی ممانعت سے مراد یہ ہے کہ جن جانوروں کے گلوں میں یہ پٹے پڑے ہوں ان کی بے حرمتی نہ کی جائے ان کو لوٹا نہ جائے۔

بعض حضرت نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے اصحاب قلابہ مراد ہیں کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ مکہ معظمہ کے درختوں کی چھال لے کر اپنے گلوں میں ڈال لیا کرتے تھے۔

جب اشہر الحرم گزر جاتے اور گھروں کو واپس جانا چاہتے تو اپنے گلوں میں اور جانوروں کے گلوں میں یہ پٹے ڈالے رکھتے تھے تاکہ اپنے گھروں میں امن سے پہنچ جائیں۔

پھر فرمایا ﴿وَلَا أَمِينٍ الْبَيْتِ الْحَرَامِ﴾ یعنی جو لوگ بیت حرام کا قصد کر کے جا رہے ہوں ان کی بھی بے حرمتی نہ کرو اور ان سے تعرض نہ کرو۔ لفظ ”امین“ ”أَمَّ يَأْمُرُ“ بمعنی قَصْدًا يَقْصِدُ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کے عموم میں حج کی نیت سے جانے والے اور عمرہ کی نیت سے جانے والے سب داخل ہو گئے ان کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا﴾ (کہ یہ لوگ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں) فضل سے مال تجارت کا نفع مراد ہے اور رضوان سے اللہ کی رضامندی مراد ہے مشرکین جو حج کرتے تھے اپنے خیال میں وہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے حج کرتے تھے جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت تک مشرکین کو حج کرنے سے منع کیا گیا تھا اور مکہ معظمہ فتح نہیں ہوا تھا۔ بعد میں جب ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور ۹ھ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت میں حج ہوا تو یہ اعلان فرمایا کہ الَّا لَا يُحِجُّنَ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يُطَوَّفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانًا کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ (مشرکین ایسا کیا کرتے تھے) اور سورہ براءۃ میں فرمایا ﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا﴾ (کہ اے ایمان والو! مشرکین نجس ہیں سو مسجد حرام کے قریب نہ جائیں اس سال کے بعد لہذا کسی کافر کو حج کرنے کی اجازت نہیں۔) وہ ہدی اور قلابہ لے کر آئے گا تو مومن نہ ہوگا مسلمانوں کے حق میں بدستور آیت کا سب مضمون باقی ہے حجاج بیت اللہ کو اور عمرہ کی نیت سے جانے والوں کو اور ہدی کو تعرض کرنا ممنوع ہے اشہر حرم میں جو کافروں سے قتال کی ممانعت تھی وہ منسوخ ہے جیسا کہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

احرام سے نکل کر شکار کرنے کی اجازت

پھر فرمایا ﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ (کہ جب تم حلال ہو جاؤ یعنی قلابہ شرعیہ کے مطابق احرام سے نکل جاؤ تو شکار کر لو) یہ امر باحت ہے مطلب یہ ہے کہ حالت احرام میں جو خشکی کا شکار کرنے کی ممانعت تھی اب احرام سے نکلنے کے بعد ختم ہو گئی۔ البتہ حرم کا شکار کرنا غیر احرام میں بھی ممنوع ہے جس کی تصریح احادیث شریفہ میں آئی ہے۔

کسی قوم کی دشمنی زیادتی پر آمادہ نہ کرے

پھر فرمایا ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا﴾ (کہ تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو) ۶ھ میں جب رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کرنے کیلئے تشریف لے جا رہے تھے تو مشرکین مکہ نے آپ کو عمرہ نہیں کرنے دیا اور حدیبیہ کے مقام پر آپ کو روک دیا لہذا آپ اور آپ کے صحابہ محصر ہونے کی وجہ سے جانور ذبح کر کے احرام سے نکل گئے اور مشرکین سے چند شرطوں پر صلح ہو گئی۔ آپ مدینہ منورہ تشریف لائے اور اگلے سال عمرہ کی قضا کی، مشرکین مکہ نے صلح کی بعض شرطوں کی خلاف ورزی کی جس کی وجہ سے آپ اپنا لشکر لے کر ۸ھ میں تشریف لے گئے اور مکہ معظمہ فتح ہوا۔ اب جب مسلمانوں کے ہاتھ میں اقتدار آ گیا تو یہ صحابہ مشرکین مکہ سے بدلہ لے سکتے تھے۔ لہذا ان کو منع فرمایا کہ

کسی قوم کی دشمنی تمہیں ظلم و زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے۔

جب مسجد حرام سے روکنے والوں کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ ان کی دشمنی تمہیں ظلم و زیادتی پر آمادہ نہ کرے تو دنیاوی اعتبار سے جو رنجشیں اور دشمنیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان کی وجہ سے کسی پر ظلم و زیادتی کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے اگر کوئی شخص ظلم کرے تو بہت سے بہت اس کے ظلم کے بقدر بدلہ لیا جاسکتا ہے اور معاف کر دینا افضل ہے۔ ظلم کے بدلے ظلم کرنا یعنی جس سے کوئی تکلیف پہنچی ہے اس سے زیادہ تکلیف پہنچانا جائز نہیں ہے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ ہمیشہ عدل و انصاف پر قائم رہیں اس میں دوست دشمن سب برابر ہیں۔

اسی سورت کے دوسرے رکوع میں ارشاد ہے ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ اَنْ لَا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ (کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔)

نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرنے کا حکم

اس کے بعد ارشاد فرمایا ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلٰی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی﴾ (کہ آپس میں نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو) اس عمومی حکم میں سینکڑوں مسائل داخل ہیں۔ تعاون یعنی آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی بہت سی صورتیں تو ایسی ہیں جو لوگوں نے اپنی دنیاوی ضروریات کے لئے اختیار کر رکھی ہیں کسی نے کپڑے کا کارخانہ جاری کر رکھا ہے اور کوئی شخص اپنی فیکٹری میں جوتے بناتا ہے، کسی نے پھلوں کے باغ لگائے ہیں، کسی نے کھیتی پر توجہ دی ہے۔ کسی نے انجینئرنگ کو اختیار کیا ہے اور تعمیرات کے نقشے بنانے کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے اور کسی نے نقشوں کے مطابق مکانات تعمیر کرنے کا کام اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ اسی طرح سے مل ملا کر دنیاوی حاجات اور ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ جو بھی کوئی شخص کوئی بھی نیکی کرنے کا ارادہ کرے کسی بھی گناہ سے بچنا چاہے ہر شخص بقدر اپنی قوت و طاقت کے اس کی مدد کرے، جو لوگ علم دین حاصل کرنا چاہیں ان کی سب مدد کریں۔ مدرسے بنانے والوں کی، مسجد تعمیر کرنے والوں کی، مبلغین کی، مصنفین کی، مجاہدین کی اور ہر نیک کام کرنے والوں کی مدد کی جائے یہ مومن کی زندگی کا بہت بڑا اصول ہے۔

یہ جو آج کل فضا بنی ہوئے کہ جو شخص خیر کی دعوت لے کر کھڑا ہو، خیر کے کام کرنے کے لئے فکر مند ہو، اس کی مدد کی طرف توجہ نہیں کی جاتی یہ اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جتنی زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہے سب کی ایک ہی حکومت ہوتی ایک امیر المؤمنین ہوتا، سب مل کر آپس میں تعاون کی زندگی گزارتے۔ امیر اور مامور مل کر باہم ایک دوسرے کی مدد کرتے لیکن جب بہت سی حکومتیں بنالیں اور ایک ہونے کو تیار نہیں تو کم از کم آپس میں تعاون تو رکھیں نہ ایک دوسرے سے لڑیں نہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں اور ہر کار خیر میں اور دینی امور میں ہر حکومت دوسری حکومت کے ساتھ تعاون کرے افراد ہوں یا جماعت سب باہمی تعاون کی زندگی اختیار کریں۔

مسلمانوں کی عجیب حالت

اگر مسلمانوں کا کوئی سربراہ اسلام کے مطابق حکومت چلانے کا اعلان کر دے یا اعلان کرنا چاہے تو عوام بھی مخالفت کرتے ہیں اور مغربی ذہن رکھنے والے پڑھے لکھے لوگ بھی، اور کافروں کی حکومت بھی رخنہ ڈال دیتی ہیں اور مسلمانوں کی حکومتیں تعاون نہیں کرتیں۔ اس صورت حال کی وجہ سے اجتماعی اور انفرادی اعمال خیر میں جو تعاون ہو سکتا تھا اس کی صورتیں بنتی ہوئی بھی بگڑ جاتی ہیں۔

گناہ اور ظلم پر مدد کرنے کی ممانعت

پھر فرمایا ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلٰی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (اور نہ مدد کرو گناہ پر اور ظلم پر اور اللہ سے ڈرو! بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے) اِن الفاظ میں دوسرے رخ پر تنبیہ فرمائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ برا اور تقویٰ پر تو آپس میں تعاون کرو لیکن گناہ، ظلم اور زیادتی پر ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو۔ قرآن کریم کی یہ نصیحت بھی بہت اہم ہے۔ آج کل جہاں برا اور تقویٰ پر مدد کرنے کے

جذبات سے مسلمان خالی ہیں، وہاں دوسرے رخ کے جذبات ان میں موجود ہیں گناہ اور ظلم و زیادتی پر کھلے دل سے مدد کی جاتی ہے۔
تعصب کی تباہ کاری

آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معیار و نیا داری کے اصول پر رہ گیا ہے عموماً اپنوں کی مدد کی جاتی ہے، اپنوں میں اپنے رشتہ دار اپنے ہم زبان اپنے ہم وطن اپنی جماعت کا فرد اپنی پارٹی کا ممبر دیکھا جاتا ہے حق اور ناحق کو نہیں دیکھا جاتا۔ اگر دو آدمیوں میں کسی قسم کا جھگڑا ہو تو جو بھی (کوئی شخص اپنا ہو جس کی قدرے تفصیل ابھی بیان ہوئی) بس اس کی مدد کی جاتی ہے اس کا دعویٰ ناحق ہو اور فریق ثانی پر ظلم کر رہا ہو تب بھی اس کا ساتھ دیں گے اور اس کی طرف سے بولیں گے یہ نہ دیکھیں گے کہ اس شخص کی زیادتی ہے جسے ہم اپنا سمجھ رہے ہیں ہم ظالم کے ساتھ کیوں ہوں۔ یہ ایک ایسی وباء ہے جس میں بہت سے دینداری کے دعویدار بھی ملوث ہو جاتے ہیں۔ گناہ اور ظلم پر مدد کرنا حرام ہے۔ ظالم اپنا ہو یا پر ایسا اس کی مدد کرنے کا شرعاً کوئی جواز نہیں۔ حضرت اوس بن شریبیل رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی ظالم کے ساتھ اس لئے گیا کہ اسے تقویت پہنچائے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو یہ شخص اسلام سے نکل گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۶ از شعب الایمان)

گناہوں کی مدد کرنے کی چند صورتیں جو رواج پذیر ہیں

جس نوکری یا جس عہدہ کی وجہ سے گناہ کرنا پڑتا ہو ایسی نوکری اور ایسا عہدہ قبول کرنا حرام ہے گناہ کا قانون بنانا بھی حرام ہے کیونکہ اس سب میں گناہ کی مدد ہے گناہ کی اجرت بھی حرام ہے۔ اگر کوئی شخص شراب کے کارخانے میں کام کرے یا بنک میں کام کرے (کوئی بھی چھوٹا بڑا کام ہو) سٹے بازوں کے ہاں ملازم ہو یا کسی بھی طرح ان کا تعاون کرتا ہو، پولیس میں ملازم ہو جو غیر شرعی امور میں دوسروں کی مدد کرتا ہو یا رشوت لیتا ہو یا رشوت دینے دلانے کا واسطہ بنتا ہو یا جو شخص کسی ایسے محکمے کا ملازم ہو جس میں ٹیکس وصول کرنا پڑتا ہو تو یہ ملازمتیں حرام ہیں اور ان کی تنخواہیں بھی حرام ہیں۔ چوروں کی مدد کوؤں کی مدد، لوٹنے والوں کی مدد، غصب کرنے والوں کی مدد، ظالمانہ مار پیٹ کرنے والوں کی مدد یہ سب حرام ہے۔ کسی بھی گناہ کے ذریعہ جو پیسہ کمایا جائے وہ بھی حرام ہے۔

بہت سے لوگ دوسروں کی دنیا بنانے کے لیے اپنی آخرت تباہ کرتے ہیں یعنی ظلم اور گناہ پر مدد کرتے ہیں تاکہ کسی دوسرے کو نوکری یا عہدہ مل جائے یا قومی یا صوبائی اسمبلی کا ممبر ہو جائے الیکشن ہوتے ہیں ووٹر اور سپورٹر یہ جانتے ہوئے کہ جس امیدوار کے لیے ہم کوشش کر رہے ہیں یا جسے ہم ووٹ دے رہے ہیں یہ فاسق فاجر ممبر ہو کر اس کا فسق و فجور اور زیادہ بڑھ جائے گا پھر بھی اس کی مدد میں لگے ہوئے ہیں اس کو کامیاب کرنے کے لئے اس کے مقابل کی غیبتیں بھی کرتے ہیں اور اس پر تہمتیں بھی دھرتے ہیں حتیٰ کہ اس کی جماعت کے لوگوں کو قتل تک بھی کر دیتے ہیں۔ یہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ دنیا دوسرے کی بننے اور آخرت کی بربادی اپنے سر تھوپ لیں۔ اسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من شر الناس منزلة يوم القيامة عبدا ذهب اخرته بدنيا غيراه (قیامت کے دن بدترین لوگوں میں سے وہ شخص بھی ہو گا جس نے دوسرے کی دنیا کی وجہ سے اپنی آخرت برباد کر دی)۔ (رواہ ابن ماجہ باب اذاتقی المسلمان بسيفهما)

دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص سنت کے مطابق کپڑے پہننا چاہے، شکل و صورت میں وضع قطع اسلامی رکھنا چاہے اس کے گھر والے، دفتر والے، بازار والے کوشش کرتے ہیں کہ یہ نیکی کا کام چھوڑ دے اور گناہ والی زندگی اختیار کرے اور ہمارے جیسا فاسق فاجر ہو جائے۔ خیر کے کاموں میں مدد دینے کو تیار نہیں لیکن اگر کوئی شخص گناہ گاری کے کام کرنے لگے تو اس کی مدد کرنے کے تیار ہیں۔ حرام کمائے، رشوت لے، داڑھی مونڈھے بیوی خوش، ماں باپ بھی خوش اور اپنے ماحول اور سوسائٹی کے لوگ بھی خوش۔ اور اگر حلال پر گزراہ کرنے کا خیال کرے تو سب ناراض۔ اپنے پاس سے ٹکٹ کے پیسے خرچ کر کے دوستوں کو سینماؤں میں رقص و سرور کی مجلسوں میں لے جاتے ہیں دھوکہ دے کر بال بڑ

لی دکان میں لے جا کر اپنے دوست کی داڑھی منڈا دیتے ہیں اور پیسے بھی اپنے سے دے دیتے ہیں، موجودہ معاشرہ کا یہ جاہلانہ مزاج بنا ہوا ہے کہ نیکی کی مدد سے جان چراتے ہیں اور گناہوں کی مدد کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

سب کو معلوم ہے کہ یہ زندگی ہمیشہ نہیں ہے اور دنیا ختم ہو جائے گی اس کے ختم ہونے سے پہلے موجودہ دور کے افراد اپنی موت مر جائیں گے اس ذرا سی زندگی کو گناہوں میں پڑ کر اور گناہوں کی مدد کر کے برباد کرنا جس کے نتیجے میں آخرت برباد ہو کوئی سمجھ داری کی بات نہیں ہے۔ معاملہ میں آخرت کے لئے فکر مند ہونا لازم ہے۔ ہمیشہ اللہ سے ڈریں اور بار بار اس کا مراقبہ کریں اللہ جل شانہ، سخت عذاب دینے والا ہے۔ آیت کے ختم پر اسی کی طرف متوجہ فرمایا اور ارشاد فرمایا ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (اللہ سے ڈور بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ
وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ
وَأَنْ تَسْتَقْسِبُوا بِالْأَرْزَامِ ۗ ذَلِكُمْ فَسُقُ ۗ

”حرام کیا گیا تم پر مردہ جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا، اور وہ جانور جو گلا گھٹنے سے مر جائے، اور وہ جانور جو کسی ضرب سے مر جائے اور وہ جانور جو اوپر سے گر کر مر جائے، اور وہ جانور جو کسی سے ٹکرا کر مر جائے اور وہ جانور جسے کسی درندہ نے کھا لیا مگر وہ جسے تم ذبح کر لو، اور حرام کیا گیا ہے وہ جانور جو ذبح کیا گیا پرستش گاہوں پر، اور یہ بھی حرام کیا گیا کہ تقسیم کرو تیزوں کے ذریعہ، یہ سب گناہ کے کام ہیں۔“

جن جانوروں کا کھانا حرام ہے ان کی تفصیلات

گزشتہ آیت میں بتایا تھا کہ ہمیشہ الانعام تمہارے لئے حلال کر دیئے گئے ساتھ یہ بھی فرمایا ﴿إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ﴾ کہ ان حلال جانوروں میں جو جانور حرام ہیں وہ تمہیں بتا دیئے جائیں گے، چنانچہ اس آیت میں ان جانوروں کا ذکر ہے جو زندہ ہونے کی صورت میں شرعی طریقے پر ذبح کر لئے جائیں تو ان کا کھانا حلال ہو جاتا ہے لیکن جب ان میں بعض صفات ایسی پیدا ہو گئیں جن کی وجہ سے حرمت آگئی تو ان کا کھانا حلال نہ رہا۔

میتہ (مردار)

ان میں اول میتہ کی حرمت کا ذکر فرمایا، میتہ ہر وہ جانور ہے جو شرعی طریقے پر ذبح کئے بغیر مر جائے خواہ یوں ہی اس کی جان نکل جائے خواہ کسی کے مار دینے سے مر جائے۔ گائے، بیل، بھینس اونٹ اونٹنی، بکرا بکری، ہرن، نیل گائے اور تمام وہ جانور جن کا کھانا حلال ہے اگر وہ ذبح شرعی کے بغیر مر جائیں تو ان کا کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ البتہ مچھلی چونکہ ذبح کئے بغیر ہی حلال ہے اس لئے اگر خشکی میں آنے کے بعد اپنی موت مر جائے تو اس کا کھانا جائز ہے اور خشکی کے جانوروں میں بڑی بھی بغیر ذبح کئے ہوئے حلال ہے اگر وہ اپنی موت مر جائے تو اس کا کھانا بھی حلال ہے۔

مسئلہ: ذبح شرعی سے پہلے زندہ جانور سے جو کوئی جسم کا حصہ کاٹ لیا جائے تو وہ بھی میتہ (مردار) کے حکم میں ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔ حضرت ابو واقد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور اس سے پہلے اہل مدینہ کی یہ عادت تھی کہ زندہ اونٹوں کے کوہان اور دنبوں کی چکتیاں کاٹ لیتے تھے اور ان کو کھا جاتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زندہ جانور سے جو حصہ کاٹ لیا جائے وہ

میتہ ہے یعنی مردار ہے۔ (رواہ الترمذی وابوداؤ)

جس طرح مردار جانور کا کھانا حرام ہے اسی طرح اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال ارشاد فرمایا جبکہ آپ مکہ معظمہ ہی تشریف فرما تھے کہ بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب اور میتہ (مردہ جانور) اور خنزیر اور بتوں کے بیع کو حرام قرار دیا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ مردہ جانور کی چربیوں کے بارے میں ارشاد فرمائیے (کیا ان کو بیچنا بھی حرام ہے؟) ان سے کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے اور چمڑوں میں بطور تیل کے استعمال کی جاتی ہیں اور ان کے ذریعے لوگ چراغ جلاتے ہیں آپ نے فرمایا چربی بھی حلال نہیں ہے وہ بھی حرام ہے پھر فرمایا اللہ لعنت فرمائے یہودیوں پر بلاشبہ اللہ نے ان پر مردہ جانور کی چربی حرام فرمائی تھی انہوں نے اسے خوب صورت چیز بنا دیا (یعنی اسے پگھلا کر اس میں کچھ اور چیز ملا کر اپنے خیال میں اسے اچھی شکل دیدی) پھر اسے بیچ کر اس کی قیمت کھا گئے۔ (راوی البخاری و مسلم)

معلوم ہوا کہ مردار جانور کا گوشت اور چربی دونوں حرام ہیں ان کا کھانا بھی حرام ہے اور کا بیچنا بھی حرام ہے حدیث بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حرام چیز کو خوبصورت بنا دینے سے اس میں کچھ ملا دینے سے اس کا نام بدل دینے سے اسے خوبصورت پیکٹوں میں پیک کر دینے سے حلال نہیں ہو جاتی اس کا بیچنا اس کی قیمت کھانا حسب سابق حرام ہی رہتا ہے۔

مردار کی کھال کا حکم

جو جانور بغیر ذبح شرعی کے مر جائے اس کی کھال بھی ناپاک ہے اور اس کی کھال کا بیچنا بھی حرام ہے لیکن اگر اس کی دباغت کر دی جائے یعنی اس کو مصالحہ لگا کر یا دھوپ میں ڈال کر اسے سڑنے سے محفوظ کر دیا جائے تو یہ کھال پاک ہو جاتی ہے پھر اس سے نفع اٹھانا اور بیچنا اور اس کی قیمت لینا حلال ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کچے چمڑے کی دباغت کر دی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے (رواہ مسلم)۔ نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ ایک باندی کو ایک بکری بطور صدقہ دی گئی تھی وہ بکری مر گئی۔ رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزرے تو ارشاد فرمایا کہ تم نے اس کا چمڑہ لے کر اس کی دباغت کیوں نہ کر لی۔ دباغت کر کے اس سے نفع حاصل کرتے، عرض کیا کہ یہ میتہ یعنی مردار ہے آپ نے فرمایا اس کا کھانا ہی حرام کیا گیا ہے (یعنی چمڑہ دباغت کے بعد ناپاک نہیں رہتا اس سے انتفاع جائز ہے البتہ اس کا گوشت حلال نہیں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲)

خون کھانے کی حرمت

دوسرے نمبر پر الدم یعنی خون کا ذکر اس سے دم مسفوح (بہتا ہوا خون) مراد ہے۔ جس کی تصریح سورہ انعام کی آیت میں کر دی گئی ہے۔ اور فرمایا ﴿قُلْ لَا آجِدُ فِیْ مَا أُوحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ مِیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ (الآیة) کی تفسیر لگانے سے تلی اور جگر کھانے کی حلت معلوم ہو گئی وہ دونوں بھی خون ہیں لیکن جمے ہوئے ہوئے خون ہیں بہتا ہوا خون نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دو ایسے جانور ہمارے لئے حلال کر دئے ہیں جو اپنی موت سے مر جائیں۔ مچھلی اور ٹڈی اور دو خون ہمارے لئے حلال کر دیئے گئے ہیں جگر اور تلی۔ (رواہ احمد، ابن ماجہ و دارقطنی مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۶۲)

مسئلہ: شرعی ذبح کے بعد گلے کی رگوں سے دم مسفوح نکل جاتا ہے اس کے بعد جو خون بوٹیوں میں رہ جاتا ہے وہ پاک ہے اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ وہ دم مسفوح نہیں البتہ ذبح کے وقت جو خون نکلا ہے وہ کھال یا گوشت یا پروں میں لگ جائے وہ ناپاک ہے۔

ہمارے دیار میں خون کھانے کا رواج نہیں ہے قرآن کریم سارے عالم کے لئے ہدایت ہے۔ نزول قرآن کے وقت سے لے کر قیامت

قائم ہونے تک جس علاقے میں جہاں بھی جس طرح سے بھی لوگ خون کھائیں ان سب کے لئے قرآن نے حرمت کی تصریح کر دی۔ بعض اکابر سے سنا ہے کہ اہل عرب خون کو آنتوں میں بھر کر تیل میں تل لیا کرتے تھے پھر اسے کباب کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھاتے تھے۔

مسئلہ: خون کا کھانا پینا بھی حرام ہے اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے اس کے ذریعے جو آمدنی ہو وہ بھی حرام ہے بعض لوگ ہسپتالوں میں خون فروخت کرتے ہیں وہ حرام ہے اس کی قیمت بھی حرام ہے۔

خنزیر کا گوشت

تیسرے نمبر پر لحم الخنزیر سور کا گوشت حرام ہونے کی تصریح فرمائی۔ سور کا ہر ہر جزو ناپاک اور نجس العین ہے اس کا گوشت ہو یا چربی یا کوئی بھی جزو ہو اس کا کھانا حرام ہے۔ اور بیچنا خریدنا بھی حرام ہے۔ سورۃ انعام میں فرمایا ﴿فَإِنَّهُ رَجْسٌ﴾ (بلاشبہ وہ ناپاک ہے) نجس العین ہونے کے وجہ سے اس کی کھال بھی دباغت سے پاک نہیں ہو سکتی۔ اس جانور کے کھانے سے انسانوں میں بے حیائی پیدا ہوتی ہے جو قومیں اسے کھاتی ہیں ان کی بے حیائی کا جو حال ہے ساری دنیا کو معلوم ہے۔ یورپ امریکہ آسٹریلیا وغیرہ میں بعض مسلمان ایسے ہیں جنہوں نے محلوں میں دکانیں کھول رکھی ہیں وہ سور کا گوشت اور دوسرے حرام گوشت بھی فروخت کرتے ہیں یہ سب حرام ہے اور اس کی قیمت بھی حرام ہے جو لوگ ان کی دکانوں میں کام کرتے ہیں وہ چونکہ گناہ کے مددگار ہیں اس لئے ان کا سیل مین بننا اور خریداروں کو یہ چیزیں اٹھا کر دینا بھی حرام ہے۔

مَا أَهْلًا لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ

چوتھی جزو جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ ﴿مَا أَهْلًا لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ ہے لفظ سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے اہلال کا معنی ہے آواز بلند کرنا یہاں جانوروں کو ذبح کرتے وقت جو کسی کا نام پکارا جاتا ہے اس کے لئے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے جو جانور حلال ہو اور اسے اللہ کے نام لے کر ذبح کر دیا جائے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر اللہ کے نام کے علاوہ کسی دوسرے کا نام لے لیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے جو میتہ یعنی مردار کے حکم میں ہے۔

مشرکین بتوں کا اور دیوی دیوتا کا نام لے کر جانور کو ذبح کرتے ہیں ایسے جانور کا کھانا حرام ہے۔ جو لوگ کتابی یعنی یہودی یا نصرانی نہیں ہیں (جیسے ہندوستان کے ہندو) وہ اللہ کے نام لے کر ذبح کریں تب بھی جانور مردار کے حکم میں ہوگا، جس جانور کو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا لیکن ذبح کیا گیا اللہ کا نام لے کر اس کے بارے میں چند صفحات کے بعد وضاحت کی جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز!

المُنْحَنَقَةُ: پانچویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی ہے وہ المنحنقة ہے انحناق سے اسم فاعل کا صیغہ ہے خنق یخنق گلا گھونٹا اور انحنق یمنحنق گلا گھٹ جانا۔ اگر کسی جانور کا گلا گھونٹ کر مار دیا جائے اگرچہ اس پر اللہ کا نام لیا جائے یا جانور کا گلا گھٹنے سے مر جائے (مثلاً جانور کے گلوں میں جو رسی بندھی ہوتی ہے وہ کس جائے جس سے جانور مر جائے) تو یہ جانور حرام ہے۔

الموقوذة: چھٹی چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ الموقوذة ہے یہ وقد یقذ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس جانور کو لاٹھی یا پتھر وغیرہ سے مار کر ہلاک کر دیا جائے وہ موقوذة ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اس میں وہ جانور بھی داخل ہے جس کو شکاری نے تیر مارا لیکن اس کے تیر کی دھار جانور کے نہ لگی بلکہ لمباؤ میں تیر جا کر لگا اور اس کی ضرب میں جانور مر گیا۔ ایسے جانور کا کھانا بھی حرام ہے اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر تیر پھینکا ہو۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ایسے تیر سے شکار کرتا ہوں جس میں پر نہیں

ہوتے (تو کیا اس کا کھانا حلال ہے؟) آپ نے فرمایا جس جانور کو تیرا تیر زخمی کر دے اس کو کھالے اور جس جانور کو تیرے مذکورہ تیرہ کا چوڑائی والا حصہ قتل کر دے تو وہ موقوذہ ہے اس کو مت کھاؤ (راوہ البخاری و مسلم)

بندوق کا شکار

بندوق کی گولی سے جو شکار ہلاک ہو جائے وہ بھی حرام ہے اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر گولی ماری گئی ہو ہاں اگر گولی لگنے کے بعد میں اتنی جان باقی ہے جس کا ذبح کے وقت ہونا شرط ہے اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر دیا جائے تو حلال ہو جائے گا۔

الْمُتَرَدِّيَّةُ

ساتویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ الْمُتَرَدِّيَّةُ ہے۔ یعنی وہ جانور جو کسی پہاڑ یا ٹیلہ یا کسی بھی اونچی جگہ سے گر کر مر جائے اس جانور کا کھانا بھی حرام ہے۔

النطیحة

آٹھویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ النطیحة ہے یہ لفظ فعیلہ کے وزن پر ہے جو نطح ینطح سے ماخوذ ہے جو جانور کسی تصادم سے مر گیا مثلاً دو جانوروں میں لڑائی ہوئی ایک نے دوسرے کو مار دیا کسی جانور کو دیوار میں ٹکر لگی اس سے مر گیا۔ ریل گاڑی کی زد میں آ کر مر گیا یا کسی گاڑی سے ایکسڈنٹ ہو گیا جس سے موت واقع ہو گئی یہ سب نطیحة کی صورتیں ہیں اگر ان سب صورتوں میں جانور کی موت واقع ہو جائے تو اس کا کھانا حرام ہو جاتا ہے۔

درندہ کا کھایا ہوا جانور

نویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ جانور ہے جس کو کوئی درندہ کھا جائے شیر بھیڑیے نے کسی جانور کو پکڑا اور اس کو قتل کر دیا تو اس کا کھانا حرام ہو گیا وہ بھی مردار ہے کیونکہ ذبح شرعی سے اس کو موت نہیں آئی۔

حرام چیزوں کی مذکورہ نو قسمیں بیان فرمانے کے بعد ﴿إِلَّا مَا ذَكَرْتُمْ﴾ فرمایا یہ استثناء منخنقہ، موقوذہ، متردیہ، نطیحة اور ما اکل السبع سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ جس جانور کا گلا گھٹ گیا یا اوپر سے گر پڑا یا کسی کے لاٹھی مارنے سے مرنے لگا یا کسی درندہ سے چھڑا لیا اور اس میں ابھی تک اتنی زندگی باقی ہے جو ذبح کے وقت ہوتی ہے تو یہ جانور ذبح شرعی کرنے کی وجہ سے حلال ہو جائے گا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک بھیڑیے نے ایک بکری کو اپنے دانت سے پکڑ لیا (پھر وہ کسی طرح سے چھوٹ گئی جسے) اس کے مالکوں نے دھاردار پتھر سے ذبح کر دیا پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ سے پوچھا تو آپ نے اس کے کھانے کی اجازت دیدی۔ (رواہ النسائی ص ۲۰ ج ۲)

بتوں کے استھانوں پر ذبح کئے ہوئے جانور

پھر فرمایا ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصَبِ﴾ (اور جو نصب پر ذبح کیا جائے اس کا کھانا بھی حرام ہے) اصنام وہ مورتیاں جن کی اہل عرب عبادت کیا کرتے تھے، اور ان کے علاوہ جس پر دوسرے پتھروں کی عبادت کرتے تھے ان کو نصب اور انصاب کہ جاتا تھا ان کو کہیں کھڑا کر کے عبادہ گاہ اور استہان بنا لیتے تھے اگر مطلق کھڑی کی ہوئی چیز کے معنی لئے جائیں تو بت بھی نصب کے عموم میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی پتھر ہوتے ہیں اور ان کو مختلف جگہوں میں نصب کر دیا جاتا ہے۔ اصنام و انصاب کے پاس جو کچھ ذبح کیا جاتا ہے چونکہ وہ ذبح بغیر اللہ ہے اس لئے وہ بھی مردار ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔

تیروں کے ذریعہ جو اکیلے کی حرمت

پھر فرمایا ﴿وَ أَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ﴾ (اور یہ بھی حرام کیا گیا کہ تقسیم کرو تیروں کے ذریعہ) اہل عرب کا طریقہ تھا کہ تیروں کے ذریعے اونٹ کا گوشت تقسیم کیا کرتے تھے اور یہ ان کا ایک قسم کا قمار یعنی جو تھا جس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک اونٹ میں دس آدمی برابر کے شریک ہوتے تھے پھر اس اونٹ کو تیروں کے ذریعے تقسیم کرتے تھے یہ دس تیر ہوتے تھے سات تیروں پر حصے لکھے رہتے تھے اور تین تیر ایسے ہوتے تھے جن کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا۔ پھر ان دس تیروں کو کسی تھیلہ میں ڈالتے تھے اور شرکاء کے نام سے ایک ایک تیر نکالتے تھے جن تین تیروں کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا جس کے نام پر ان تیروں میں سے کوئی نکل آتا تھا اسے کوئی حصہ نہ ملتا تھا حالانکہ اونٹ کی قیمت میں وہ بھی شریک تھا اس کا حصہ دوسروں کو مل جاتا تھا اور اس طرح سے یہ شخص جوئے میں ہار جاتا تھا اور دوسرے لوگ جیت جاتے تھے۔

پھر ان میں بعض لوگ جوئے میں جیتے ہوئے گوشت کے ان حصوں کو غرابا، مساکین اور یتیموں پر خرچ کرتے تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے قصیدہ میں ہے۔ (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے)

وجزور ایسار دعوت لحتفها بمغلق متشابه اجسامها

باؤوا بہن لعاقرا و مطلق بذلت لجیران الجمیع لحمها

علامہ حضرت قرطبی رضی اللہ عنہ نے اپنی تفسیر میں ازلام کی تین قسمیں بتائی ہیں ان میں سے تیسری قسم بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہوا المیسر وہی عشرة - سبعة منها حظوظ وثلاثة اغفال و كانوا يضربون بها مقامرة لہوا ولعبا و كان عقلاہم یقصدون بها طعام المساکین والمعدم فی زمن الشتاء و کلب البرد و تعدر المتحرف۔

اس کے بعد لکھتے ہیں وہو من اکل المال بالباطل وهو حرام و کل مقامرة بحمام اور بند او شطرنج او بغير ذلك من

هذا الباب فهو استقسام بما هو فی معنى الازلام حرام کله

یعنی اس طرح سے مال لے لینا باطل طریقے پر لینا ہے حرام ہے خواہ کبوتر اڑانے کے ذریعہ ہو خواہ نرد کے ذریعے ہو خواہ شطرنج کے ذریعے ہو خواہ کسی بھی کھیل کے ذریعہ ہو۔ (تفسیر القرطبی ص ۵۹ جلد ۶)

سورہ بقرہ میں فرمایا ﴿يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنْفَعَةٌ لِلنَّاسِ﴾ (وہ آپ سے سوال کرتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں، آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں) سورہ مائدہ میں فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جو اور انصاب اور ازلام سب گندی چیزیں ہیں شیطان کے کام ہیں سو تم اس سے بچ کر رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔)

شراب اور جوئے کے بارے میں تفصیلی احکام انشاء اللہ العزیز ہم سورہ مائدہ کی اسی آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ﴾ (الآیة) کے ذیل میں بیان کریں گے۔ یہاں بالا جمال یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جوئے کی جتنی بھی قسمیں ہیں وہ سب حرام ہیں اور ان سے جو مال حاصل کر لیا ہو وہ بھی حرام ہے۔

استقسام بالازلام کا دوسرا معنی

استقسام بالازلام کی ایک تفسیر تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی یعنی تیروں کے ذریعے بطور جو مال تقسیم کرنا، اس تفسیر کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ (ص ۶۹ ج ۴) ورجح انه یناسب ذکرہ مع محرّمات الطعام۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ تیروں کے ذریعے جو غیب کی خبریں معلوم کرتے تھے اس کی حرمت بیان فرمائی ہے۔ اہل عرب میں اس

کا طریقہ یہ تھا کہ تین تیر اپنے پاس رکھتے تھے ان میں سے ایک پر لکھا ہوتا تھا۔ اَمَدْنِي رَبِّي (میرے رب نے مجھے حکم دیا) اور دوسرے تیر لکھا رہتا تھا ﴿نَهَانِي رَبِّي﴾ (میرے رب نے مجھے منع کیا) اور تیسرے تیر پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ ہوتا تھا۔ جب کسی کام میں یا سفر میں جانے کا ارادہ کرتے تھے تو تھیلے میں تیروں کو گھما کر ایک تیر نکال لیتے تھے اگر پہلے نمبر کا تیر نکل آیا تو کام کر گزرتے تھے اور سفر پر چلے جاتے تھے اور دوسرا تیر نکل آتا تو اس کام کے کرنے اور سفر کرنے سے رک جاتے تھے اور تیسرا تیر نکل آیا جس پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ ہوتا تھا تو پھر تینوں تیروں کو گھماتے تھے اور برابر گھماتے اور دیکھتے رہتے تھے یہاں تک کہ پہلے دو تیروں میں سے کوئی تیر نکل آئے اور کچھ تیر ایسے تھے جو ہبل بت کے پاس کعبہ شریف کے اندر رکھے تھے وہاں کے مجاور کے پاس جاتے تھے اور اس سے کہتے تھے کہ تیروں کو گھمائے اور تھیلے میں سے نکالے اس سے آئندہ کہ حوادث اور نوازل معلوم کرتے تھے اور جس کسی کے نسب میں شک ہوتا تھا اس کے نسب کا فیصلہ بھی ان تیروں سے کروا لیتے تھے۔ (تفسیر قرطبی ج ۶ ص ۵۸)

روح المعانی ج ۶ ص ۵۸ میں لکھا ہے کہ اس صورت کو استقسام بالازلام سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ گھر سے باہر جانے اور سفر کے لئے نکلنے میں طلب معاش کا مقصد سامنے ہوتا تھا اور تیروں سے یہ پوچھتے تھے کہ جو رزق میری قسمت میں ہے وہ اس وقت باہر جانے سے ملے گا یا نہیں۔

وقال القرطبي وانما قيل لهذا الفعل اسقسام لانهم كانوا يستقسمون الرزق وما يريدون كما يقال الاستسقاء في الاستدعاء بالسقى اه

کاہنوں کے پاس جانے کی ممانعت

عرب میں زمانہ اسلام سے پہلے بہت پرستی تو تھی ہی کاہنوں کا بھی بہت زور تھا جو غیب کی خبریں بتایا کرتے تھے اور اس کے مختلف طریقے نکال رکھے تھے کچھ لوگ ستاروں کے ذریعے غیب کی خبریں بتاتے تھے (انہیں منجم کہا جاتا تھا) شریعت اسلامیہ نے سب کو باطل قرار دیا جو بھی کوئی غیب کی خبریں بتائے اس کے پاس جا کر آئندہ کی خبریں پوچھنا حرام ہے اور اس بارے میں جو کچھ مال لیا دیا جائے وہ بھی حرام ہے۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عرف (غیب کی خبریں بتانے والے) کے پاس آیا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا تو چالیس ن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی کاہن کے پاس آیا (جو غیب کی خبریں بتاتا ہے) اور اس کی بات کو سچا بتایا یا حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کیا یا اپنی عورت کے پچھلے حصے میں اپنی حاجت پوری کی تو اس چیز سے بیزار ہو گیا جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔ (راوہ احمد و ابوداؤد، مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۳)

حضرت قتادہ (تابعی) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین چیزوں کے لئے پیدا فرمایا آسمان کی زینت بنایا ہے، شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا، راستہ دکھانے کے لئے علامتیں بنائیں، جس نے اس کے سوا اور کوئی کام تجویز کیا تو اس نے غلط بات کہی اور اپنا نصیب ضائع کیا اور جس چیز کو نہیں جانتا خواہ مخواہ اس کے جاننے کا دعویٰ کیا۔ (رواہ البخاری تعلیقاً)

غیب کی خبریں بتانے کے جتنے بھی طریقے جاری ہیں شرعاً ان پر اعتماد کرنا حرام ہے نجومی، رمل والے، جفر والے جو خبریں بتاتے ہیں ان کی تصدیق کرنا حرام ہے۔ بعض لوگ چڑیاں پال کر رکھتے ہیں چڑیا کے منہ میں دانے دے دیتے ہیں وہ بہت سے لفافوں میں سے ایک لفافہ کھینچ لیتی ہے وہ لفافہ پڑھ کر سناتے ہیں پوچھنے والا اس کو اپنا حال سمجھتا ہے اور اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں یہ یقین کرتا ہے کہ اس کے مطابق ہوگا یہ بھی حرام ہے۔ اس طرح لوگوں کو جو مال لیا دیا جاتا ہے اس کا لینا دینا بھی حرام ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے اور زنا کاری کی اجرت سے اور غیب کی خبریں بتانے والے کو جو کچھ بطور منہ بیٹھا کرنے کے دیا جاتا ہے اس سے منع فرمایا (رواہ مسلم)

ذَالِكُمْ فِسْقٌ

فرمایا ﴿ذَالِكُمْ فِسْقٌ﴾ یہ جو چیزیں بیان ہوئیں ان کو خالق و مالک جل مجدہ نے حرام قرار دیا ہے اس کی خلاف ورزی فسق ہے یعنی فرماں برداری سے باہر نکل جانا ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔
محرمات کی تصریح فرما کر اخیر میں تشبیہ فرمادی کہ ان کے ارتکاب کو معمولی نہ سمجھا جائے ان سب میں اللہ تعالیٰ شانہ کی نافرمانی ہے اور بڑی نافرمانی ہے۔ قال صاحب الروح فسق ای ذنب عظیم خروج عن طاعة الله تعالى الى معصيته

مَا أَهْلٌ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ مِثْلُ مَا أَهْلٌ لِيَسْأَلُوا اللَّهَ فِي شَيْءٍ

ہم نے چند صفحات پہلے لکھا ہے کہ اہلال کا معنی یہ ہے کہ ذبح کے وقت کسی کا نام پکارا جائے۔ اب سمجھنا چاہئے کہ جس جانور کا کھانا حلال ہو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے اور اس کا ذبح کرنے والا مسلم غیر محرم ہو یا کتابی ہو اور اسکے ذبح کرنے سے تقرب الی غیر اللہ مقصود نہ ہو تو اس کا کھانا حلال ہے۔ اور جو جانور حلال ہو لیکن اس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ حرام ہے خواہ کوئی مدعی اسلام ذبح کرے خواہ کوئی دوسرا شخص ذبح کرنے والا ہو۔ اور خواہ اس پر کسی بت کا نام لیا جائے یا کسی نبی یا ولی یا پیر فقیر کا اور اس کی حرمت نص صریح سے ثابت ہے اور باجماع الامتہ حرام ہے اور یہ جانور میتہ کے حکم میں ہے۔ اور ایک صورت میں یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے یعنی اس کا خون بہانے سے غیر اللہ کی خوشنودی مقصود ہو اور بوقت ذبح اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے جیسا کہ قبروں پر اس طرح کے ذبیحے ہوتے ہیں۔ اس صورت میں بھی وہ جانور حرام ہے اور مذبحہ میتہ کے حکم میں ہے اس کی حرمت کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ یہ ﴿مَا ذُبِحَ عَلَى النَّصْبِ﴾ کے عموم میں داخل ہو جاتا ہے اور دوسرے اشتراک یعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے ما اهل لغیر اللہ بہ کے ساتھ ملتی ہے۔
در مختار میں ہے ذبح لقدم الامیر ونحوہ کو احد من العظام یجرم لانه اهل به لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ (در مختار ص ۱۹۶ ج ۵ بر حاشی شامی)

قبروں پر جو چیزیں لے جاتے ہیں ان کا حکم

اب رہی وہ مٹھائی اور دوسری چیزیں جو لوگ قبروں یا تعزیوں پر چڑھاتے ہیں اور اس کی نذریں مانتے ہیں۔ سو یہ ﴿مَا أَهْلٌ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾ کے مفہوم صریح میں داخل نہیں لیکن چونکہ قبروں پر یہ چیزیں لے جانے والوں کا مقصد صرف فقراء کو بانٹنا نہیں ہوتا بلکہ اول صاحب قبر یا تعزیہ کی خوشنودی کے لئے نذریں مانتے ہیں پھر یہ چیزیں وہاں لے جاتے ہیں اس لیے ان کا لینا اور کھانا مجاوروں اور سجادہ نشینوں کو اور ان کے مہمانوں کو اور ہر مسلمان کے لئے حرام ہے۔ صاحب در مختار قبیل باب الاعتکاف تحریر فرماتے ہیں۔

اعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیہم فهو بالاجماع باطل و حرام مالم یقصد و اصرافها لفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلك ولا سیما فی هذه الاعصار انتھی۔ قال الشامی فی حاشیته قوله مالم یقصد وا الخ ای بان تكون صیغہ النذر لله تعالى للتقرب الیہ ویكون ذکر الشیخ مرادا به فقراء کبار۔

صاحب بحر الرائق تحریر فرماتے ہیں وقد قدمنا ان المنذر لا یصح بالمعصیة للحديث لانذر فی معصیة الله تعالى فقال الشیخ قاسم فی شرح الدر واما النذر الذی ینذرہ اکثر العوام علی ما هو مشاهد کان یكون الانسان غائب اور مریض

اولہ حاجۃ ضروریۃ قیاتی بعض الصلحاء فیجعل سترہ علی رأسہ فیوقل یا سیدی فلان ان رد غائبی اور عوفی مریضی او قضیت حاجتی فلک من الذهب کذا او من الفضة کذا او من الطعام کذا او من الماء کذا او من لشمع کذا او من الزيت کذا فهذا النذر باطل بالا جماع لوجوه منها انه نذر مخلوق والنذر للمخلوق لا يجوز لانه عبادة والعبادة لا تكون للمخلوق ومنها ان المنذور له میت والمیت لا یملك ومنها انه ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله تعالیٰ و اعتقاده ذلك کفر اللهم الا ان قال یا الله انی نذرت لك ان شفیت مریضی اور ردت غائبی او قضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذین یباب الامام الشافعی او الامام اللیث او اشتری حصیر المساجد هم اور زیتالو قودها او دراهم لمن یقوم بشعائرہا الی غیر ذلك مما یمیکون فیہ نفع للفقراء والنذر لله عزوجل (الی ان قال) ولا يجوز لخادم الشیخ اخذہ ولا اكله ولا التصرف فیہ بوجه من الوجوه الا ان یمکن فقیر اولہ عیال فقراء عاجزون عن الکسب وهم مضطرون فی اخذونه علی سبیل الصدقة المبتدأة فأخذہ ایضا مکروه مالم یقصد بہ النادر التقرب الی الله تعالیٰ و صرفہ الی الفقراء ویقطع النظر عن نذر الشیخ فاذا علمت هذا فما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت وغیرها وینقل الی ضرائح الاولیاء تقربا الیہم فحرام باجماع المسلمین مالم یقصد و ابصر فیہا للفقراء الاحیاء قوله واحدا۔

نذر لغیر اللہ حرام اور کفر ہے

در مختار اور البحر الرائق کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ نذر لغیر اللہ حرام ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اموات کے جو نذر مانی جاتی ہے اس نذر کی وجہ سے عوام الناس روپیہ پیسہ موم بتی تیل وغیرہ جو اولیاء اللہ کی قبروں کے پاس لے جاتے ہیں تاکہ قبروں پر چڑھائیں اور قبر والوں کا تقرب حاصل کریں یہ مٹھائی بھی حرام ہے اس مٹھائی کا لینا اور کھانا اسی طرح سے نقدی اور تیل وغیرہ اور وہ چادر جو قبروں پر چڑھائی جاتی ہیں ان سب کا لینا اور خرچ کرنا اور کھانا کھلانا سب حرام ہیں جس میں قبروں کے خدام سجادہ نشین اور ان کے پاس قیام کرنے والے اور آنے جانے والے مہمان سب مبتلا ہیں ہاں اگر کسی نے یوں نذر مانی کہ اے اللہ! میرے فلاں کام ہو جائے تو فلاں بزرگ کے پاس جو فقرا ہوں ان کو اتنے پیسے دوں گا یا فلاں مسجد میں تیل دوں گا اور اس نذر کے مطابق عمل کر لیا تو ان چیزوں کا خرچ کرنا اور لینا جائز ہے لیکن مالداروں کو ان کا لینا اور خرچ کرنا پھر بھی حلال نہ ہوگا۔ نذر لغیر اللہ کی صورت میں جو چیزیں قبروں پر لے کر گئے پھر اس سے توبہ کر لی اور اس مال کو فقراء پر خرچ کر لیا تو فقراء کو اس کا لینا جائز ہوگا۔

نذر لغیر اللہ کفر ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے نیز یہ عقیدہ رکھنا کہ اموات اپنی قبروں تصرف کرتے ہیں اور اس تصرف میں مختار ہیں اور بغیر اذن اللہ تصرف کرتے ہیں یہ بھی کفر ہے اور جو جانور غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے اگرچہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے وہ بھی حرام ہے چونکہ اس کے ذبح سے تقرب لغیر اللہ مقصود ہے اس لئے یہ بھی کفر ہے ہاں! اگر کوئی جانور مہمانوں کے کھلانے کے لئے ذبح کیا جائے اور خون بہانے سے تقرب الی غیر اللہ مقصود نہ ہو تو وہ حلال ہے جیسے ولیمہ اور عقیقہ میں ذبح کیا جاتا ہے۔

الْیَوْمَ یَسِّرُ الَّذِیْنَ کَفَرُوا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۗ الْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنِکُمْ وَ
اَسْمَتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَاضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۗ فَسِنِ اضْطَرَّتْ فِی مَخْصَصَةٍ غَیْرِ مُتَجَانِفٍ
لِاِیْتِمِ ۗ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲﴾

”آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے پورا کر دیا تمہارا دین اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر اختیار کرنے کے لیے پسند کر لیا سو جو کوئی شخص مجبور ہو جائے سخت بھوک میں جو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو سو یقیناً اللہ غفور رحیم ہے۔“

کافروں کی ناامیدی اور دین اسلام کا کمال

یہ بھی آیت بالا کا ایک حصہ ہے۔ میتہ وغیرہ کی حرمت بیان فرمانے کے بعد بطور جملہ معترضہ ارشاد فرمایا کہ آج کافر تمہارے دین کی طرف سے ناامید ہو گئے سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا، اس کے بعد پھر مضمون متعلقہ حیوانات بیان فرمایا اور بھوک کی مجبوری میں ان میں سے کچھ کھانے کی اجازت فرمادی۔

آیت بالا حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفہ کے دن عرفات میں نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اس وقت عرفات میں موجود تھے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کا اتنا بڑا اجتماع کبھی نہیں ہوا یہ ذوالحجہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ حج کا احرام، میدان عرفات، جبل رحمت کا قرب جمعہ کا دن ایسے متبرک زمان، مکان اور حال میں اس آیت کا نزول ہوا۔ مکہ معظمہ ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا اور سارا عرب مسلمان ہو گیا تھا جو لوگ اس انتظار میں تھے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور اہل مکہ کی مخالفت کا کیا انجام ہوتا ہے اسے دیکھ کر اپنے بارے میں فیصلہ کریں گے یہ لوگ بھی فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے مختلف قبائل جزیرۃ العرب کے اطراف و کناف سے وفود کی صورت میں آتے رہے اور مسلمان ہوتے رہے۔

یہ وفود اپنی قوموں کے نمائندہ بن کر آتے تھے اور پھر اسلام کے نمائند بن کر جاتے تھے۔ جزیرہ عرب میں جو اہل شرک اور اہل کفر کی مخالفت تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ کافروں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ دین اسلام کو دبا دیں گے۔ صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے جس کے لئے انہوں نے جنگیں بھی لڑیں اور بہت سی تدبیریں کیں جزیرۃ العرب سے باہر دوسرے لوگوں سے بھی مدد لینے کا پروگرام بنایا۔ الحمد للہ ان کے یہ ارادے خاک میں مل گئے اور ساری تدبیریں ملیا میٹ ہو گئیں اور اب وہ اس سے ناامید ہو گئے کہ دین اسلام کو ختم کریں۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا ﴿الْيَوْمَ يَنْسُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ﴾ کہ آج اب انہیں یہ خیال نہیں رہا کہ تمہارے دین پر غالب ہوں کیونکہ اللہ کا جو وعدہ تھا کہ دین اسلام کو غالب کرے گا وہ اس نے پورا فرمادیا اور کافروں نے اس کا مشاہدہ کر لیا۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ شانہ نے غلبہ عطا فرمادیا تو کافروں سے جو ظاہر ڈر تھا وہ بھی ختم ہوا اب تو بس ظاہر اور باطن اللہ ہی سے ڈرنا ہے اسی کی فرمانبرداری کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو، اس کو فرمایا ﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ﴾ (پس تم ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو)

دین اسلام کا کامل ہونا

اس کے بعد فرمایا ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر دیا۔ حضرت آدم سے لے کر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تک جو انبیاء و رسل ﷺ تشریف لائے اور جو اللہ تعالیٰ نے کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ان میں جو احکام اور مسائل نازل ہوتے رہے آج ان سب کی تکمیل کر دی گئی۔ احکام کی بھی تکمیل ہوگی اور اخلاق کی بھی، رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ان اللہ بعثنی لتمام مکارم الاخلاق و کمال محاسن الافعال (اللہ نے مجھے برگزیدہ اخلاق اور اچھے افعال کی تکمیل کے لیے بھیجا ہے)۔ (رواہ فی شرح السنۃ کما فی مشکوٰۃ ص ۵۱۴)

اس سے پہلے جو احکام نازل ہوئے ان میں سے بعض منسوخ بھی ہوئے جن کے عوض ان سے بہتر یا انہیں جیسے احکام نازل فرمادیئے گئے اب دین کامل ہے کوئی حکم اب منسوخ نہ ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ (نزول احکام کے اعتبار سے) قرآن مجید کی آخری

آیت ہے اس کے بعد کوئی آیت احکام نازل نہیں ہوئی چند آیات اس کے بعد نازل ہوئیں وہ ترغیب و ترہیب کے متعلق تھیں اس پر بعض مفسرین نے آیت کلامہ سے متعلق اشکال پیش کیا ہے کہ بعض حضرات نے اسے آخری آیت بتایا ہے لیکن اگر اسے آخری آیت بحیثیت احکام مان لیا جائے تب بھی اس اعتبار سے اشکال ختم ہو جاتا ہے کہ اس میں نسخ واقع نہیں ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے

دین اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اجتماعی اور انفرادی اعمال و احوال سب کے بارے میں احکام موجود ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کیا کیا ہیں عزیز و قریب آپس میں مل کر کس طرح رہیں۔ میاں بیوی دونوں مل کر کس طرح زندگی گزاریں، اولاد کی پرورش کن اصولوں پر اور کس طرح کی جائے۔ پڑوسی کے ساتھ کیسے برتاؤ ہو۔ مہمان اور میزبان کس طرح ایک دوسرے کا خیال رکھیں دشمنوں سے صلح اور جنگ کیسے ہو، معاہدہ کس طرح ہو، مردوں اور عورتوں کا لباس کیسا ہو، کھانے پینے اور پہننے میں کن امور کی رعایت رکھی جائے۔ بیع و شرا کے احکام، رہن اور اجارہ کے احکام اور ان کی تفصیلات۔ حدود و قصاص جاری کرنے کے احکام، خلیفہ اور امیر کی ذمہ داریاں۔ عوام الناس کا امراء اور خلفاء کے ساتھ سلوک اور اسی طرح سینکڑوں عنوانات کے جو بات شریعت اسلامیہ میں موجود ہیں۔ اسلام صرف عبادات کا مجموعہ ہی نہیں اعتقادیات، عبادات و معاملات، اخلاق و آداب یہ سب اسلام میں موجود ہیں۔ اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین ایسا نہیں ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہو۔ بجز چند تصورات اور خیالات کے دوسرے ادیان میں کچھ بھی نہیں۔ اگر اسلام میں کسی آنکھیں بند کرنے والے کو کچھ بھی نظر نہ آئے تو یہ دین کا جامع اور کامل ہونا ہی ایک منصف مزاج سمجھدار انسان کے لئے اسلام کے دین حق ہونے کی دلیل کے طور پر کافی ہے۔

اس اعتبار سے انبیاء سابقین علیہم السلام کا دین بھی کامل تھا کہ اس کو اختیار کرنے پر ان کے اپنے اپنے زمانے میں آخرت کی نجات کا مدار تھا اور اس کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کافی تھا۔ سیدنا محمد ﷺ جو دین لائے وہ تمام انسانوں تمام جہانوں اور آئندہ آنے والے تمام زمانوں کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کا آخری دین ہے اور کوئی دین اس کے بعد آنے والا نہیں جو اس کو منسوخ کر دے اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے احکام پر حاوی ہے۔ دنیا کتنی بھی ترقی کر جائے اور کیسے ہی حوادث و نوازل کا ظہور ہو جائے ان سب کا حکم شرعی موجود ہے اور مدار نجات تو بہر حال ہے ہی، ان سب وجوہ سے اس کو کامل فرمایا۔

اتمام نعمت

پھر فرمایا ﴿وَ اتَّمتُّ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ (اور پوری کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت) صاحب روح المعانی ج ۶ ص ۶۰ لکھتے ہیں کہ مخاطبین پر نعمت کو پورا فرمانا اس طرح ہوا کہ ان کے لئے مکہ معظمہ فتح ہوا اور وہ مکہ معظمہ میں امن و امان کے ساتھ غلبہ اسلام کے ساتھ داخل ہوئے اور جاہلیت کی چیزیں ختم کر دی گئیں اور مشرکیں کوچ کرنے سے روک دیا گیا۔

اتمام نعمت کی تفسیر میں دیگر اقوال بھی ہیں مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت پوری فرمادی اور اس کے اسباب مکمل فرمادیئے اور بعض حضرات نے فرمایا تمام نعمت سے اکمال دین ہی مراد ہے (گویا پہلے جملے کی تاکید ہے) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امت محمد علی صا جہا الصلوٰۃ والحقیہ کو جو علم و حکمت سے نوازا وہ اور کسی کو عطا نہیں فرمایا تمام نعمت سے وہ مراد ہے۔ صاحب معالم التنزیل اس کی تفسیر کرتے ہوئے بعض حضرات سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وہ وعدہ پورا فرمادیا جو ﴿وَلَا تَمَنَّٰ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ﴾ میں فرمایا تھا۔

دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر ہے

پھر فرمایا ﴿وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔ دن اسلام ہی امن و امان اور آخرت کی

نجات کا ضامن ہے جس کا دین اسلام نہ ہو گا وہ اصحابِ نار میں سے ہو گا یعنی اس کے لئے ہمیشہ ہمیش دوزخ ہی ہے۔ اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر نہیں کوئی کیسی ہی عبادتیں اور ریاضتیں کرے تارک دنیا ہو، راہب ہو دوزخی ہی ہو گا اگر دین اسلام قبول کئے بغیر مر گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ (قیامت کے دن اعمال آئیں گے) نماز آئے گی وہ کہے گی کہ اے رب! میں نماز ہوں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا تو خیر پر ہے پھر صدقہ آئے گا وہ عرض کرے گا اے رب! میں صدقہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا تو خیر پر ہے۔ روزے آئیں گے وہ کہیں گے کہ اے رب! ہم صیام ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو خیر پر ہے۔ پھر دوسرے اعمال اسی طرح آتے رہیں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا تم خیر پر ہو پھر اسلام آئے گا وہ عرض کرے گا اے رب! آپ سلام ہیں میں اسلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ تو خیر پر ہے۔ تیری ہی وجہ سے میں آج مواخذہ کروں گا (جس نے تجھے قبول نہ کیا تھا وہ خیر سے محروم ہو گا اور عذاب میں جائے گا) اور تیری وجہ سے عطا کروں گا (آج جو انعامات ملنے ہیں تیری وجہ سے ملیں گے)

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ﴾ اور جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کا طلب گار ہو گا۔ تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہو گا۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صحابہ الصلوٰۃ والتحیہ کو تین خصوصی انعام عطا فرمائے (۱) کمال دین (۲) اتمام نعمت (۳) نعمت اسلام۔ جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور جس کے بغیر کسی کے لئے آخرت میں کسی نعمت کا کوئی حصہ نہیں۔ امت محمدیہ افضل الامم ہے اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء ہے ان کے پاس کتاب افضل الکتب ہے۔ اس کا دین اکمل الادیان ہے، جو رہتی دنیا تک کے لئے ہے اس میں جامعیت ہے اور نسخ تبدیل نہیں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک یہودی نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! تمہاری کتاب میں یہ آیت ہے جسے تم پڑھتے ہو اگر ہم پر یعنی یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منا لیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ کونسی آیت ہے اس شخص نے کہا کہ آیت یہ ہے ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا ہمیں معلوم ہے وہ دن اور وہ جگہ جس میں یہ آیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی آپ عرفات میں وقوف کئے ہوئے تھے (اور) جمعہ کا دن تھا (صحیح بخاری ص ۱۱ ج ۱) فتح الباری ج ۱ ص ۱۰۵ انیس طبرانی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نزلت یوم جمعته و یوم عرفته و کلاهما باللہ لنا عید (کہ یہ آیت جمعہ کے دن عرفہ کے روز نازل ہوئی اور الحمد للہ یہ دونوں ہمارے لئے عید ہیں)۔ سنن ترمذی میں بھی یہ واقعہ مروی ہے اور اس کے بعد دوسرا واقعہ لکھا اور وہ یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی تو ایک یہودی نے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منا لیتے جس دن کا اس کا نزول ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ایسے دن نازل ہوئی جس دن میں ہمارے لئے دو عیدیں ہیں یہ یوم جمعہ تھا اور یوم عرفہ تھا۔ (قال الترمذی حدیث حسن)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں کوئی نئی عید منانے کی ضرورت نہیں جس دین یہ آیت نازل ہوئی وہ ہمارے لئے پہلے ہی عید کا دن تھا۔ ایک نہیں اس ہماری دو عیدیں تھیں ان میں سے ایک عید تو ہر ہفتہ کو ہوتی ہے یعنی جمعہ کے دن اور دوسری عید ہر سال حج کے موقع پر حجاج کرام کو نصیب ہوتی ہے۔ ہماری عید میں لعب و لہو نہیں ہے یہ ہماری عید اللہ کی فرمانبرداری اور اطاعت اور اس کے ذکر کے مشغولیت ہے چنانچہ ہم ہمیشہ وہ عید مناتے ہیں جو ہمارے لئے رب العزت ذوالجلال کی طرف سے مقرر کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست

جب آیت بالا نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور انہوں نے اس آیت سے یہ سمجھا کہ اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف

نہیں رکھیں گے چونکہ جس مقصد کے لئے آپ کو مبعوث فرمایا تھا وہ پورا ہو گیا۔ حقیقت میں انہوں نے ٹھیک سمجھا اور نزول آیت کے ایک ہی دن بعد آنحضرت ﷺ کی وفات ہو گئی۔ (من روح المعانی و معالم التنزیل)

مجبوری میں حرام چیز کھانا

آخر میں فرمایا ﴿فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرٍ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمِهِ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (سو جو شخص مجبور ہو جائے سخت بھوک میں جو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو۔ سو یقیناً اللہ غفور رحیم ہے) اور پر جو حرام جانور کی تفصیل مذکور ہوئی ان کے بارے میں اب یہاں ارشاد ہے کہ جو شخص بھوک سے ایسا مجبور ہو کہ جان پر بن رہی ہو اور اس کے پاس حلال چیزوں میں کھانے کے لئے کچھ بھی نہ ہو تو وہ حرام چیزوں میں اپنی جان بچانے کے لئے اتنا سا کھالے جس سے جان بچ جائے اور صرف اتنا ہی کھا سکتا ہے جس سے جان بچ جائے۔ مجبوری کو گناہ گاری کا ذریعہ نہ بنائے یعنی اس سے زیادہ نہ کھائے جتنی کہ اس وقت حاجت ہے اس کو یہاں ﴿غَيْرٍ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمِهِ﴾ سے تعبیر فرمایا اور سورہ بقرہ (۲۱ع) اور سورہ نحل (۱۵ع) میں ﴿غَيْرِ بَاغٍ وَلَا عَادٍ﴾ سے تعبیر فرمایا کہ حد سے آگے بڑھنے والا نہ ہو اور گذت کا طالب نہ ہو۔ مثلاً اگر بھوک سے جان جا رہی ہو تو شراب اور سور کھالے اور حرام گوشت کھانے کی اجازت کو بہانہ بنا کر جان بچانے والی ضروری مقدار سے زیادہ کھائے گا تو گناہ گار ہوگا۔

آخر میں جو یہ فرمایا ﴿فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جان بچانے کے لئے جو تھوڑا سا کھانے کی اجازت ہے وہ درجہ معافی میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادے گا یوں کہیں گے کہ اس موقع پر ذرا سا کھانا حلال ہو گیا البتہ حرام اپنی جگہ ہی ہے اس کے بارے میں مزید تنبیہ اور توضیح سورہ بقرہ کی آیت ﴿فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرِ بَاغٍ وَلَا عَادٍ﴾ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أَحَلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ ۗ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ
تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا آمَسَكُنَّ عَلَيْكُمْ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا
اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

”وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا ہے جو ان کے لیے حلال کیا گیا ہے، آپ فرمادیں کہ حلال کی گئیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں، جو جن شکار جانوروں کو تم نے تعلیم دی اس حال میں کہ ان کو سدھانے والے ہو، ان کو سکھاتے ہو اس طریقہ سے جو اللہ نے تمہیں سکھایا، سو اس میں سے کھا لو جو انہوں نے تمہارے لیے روک لیا اور اس پر اللہ کا نام لو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔“

پاکیزہ چیزوں اور جوارح معلّمہ کے شکار کی حلت

اس آیت میں اول تو یہ بتایا کہ تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دیں گئیں۔

پاکیزہ چیزیں اور خبیث چیزیں کیا ہیں؟

صاحب روح المعانی الطیبات کا مطلب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں ای ما لم تستخبثه الطباع السلیمہ ولم تنفر عنه یعنی پاکیزہ چیزیں وہ ہیں جن کو طباع سلیمہ خبیث نہیں سمجھتیں اور جن سے نفرت نہیں کرتیں۔ اس کے عموم میں ہر پاکیزہ چیز کا حلال ہونا اور ہر خبیث چیز کا حرام ہونا داخل ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جس کی طبیعت پاکیزہ ہوگی وہی پاکیزہ چیزوں میں رغبت کرے گا اور خبیث چیزوں سے اسے نفرت ہوگی۔ بہت سے ملکوں میں ایسے انسان بستے ہیں جو ہر چیز کو کھا جاتے ہیں خنزیر کھانے والے تو معلوم ہی ہیں اسے عموماً نصرانی لوگ کھاتے ہیں لیکن بندہ کتا، سہانپ، گرگٹ، چھپکلی اور ہر طرح کے کیڑے مکوڑے کھانے والے لوگوں کو روڑوں کی تعداد میں مشرقی ایشیا کے ملکوں میں موجود

ہیں چونکہ ان لوگوں کے طبائع سلیمہ اور طیبہ نہیں ہیں اس لئے ان کی طبعی رغبت اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ جو کچھ کھاتے ہیں وہ طیب ہے۔ حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے محروم ہونے کی وجہ سے کفر میں بھی غرق ہیں اور ان کی روحوں پر تہہ بہ تہہ ظلمت اور گندگی چڑھ گئی ہے اس لئے ہر جانور کھانے کو تیار ہیں۔

طیبات کی تخصیص سے تمام ناپاکیوں اور غلاظتوں کے کھانے کی حرمت بھی معلوم ہوئی۔ حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کھانا بھی حرام ہیں کیونکہ طبائع سلیمہ کے نزدیک یہ طیبات سے خارج ہیں۔ پاکیزہ طبیعتیں ان سے نفرت کرتی ہیں

حلال اور حرام کی تفصیل

حلال جانوروں کی تفصیل تو عموماً سب ہی کو معلوم ہی ہے گائے، بیل، بھینس، بھینسا، بکرا، بکری، بھینٹ، دنبہ، دنبی پالتو جانوروں میں۔ اور ہرن نیل گائے خرگوش جنگلی جانوروں میں حلال ہیں اور پرندوں میں کبوتر، فاختہ، مرغی، بلبل، مور، تیتیر، بٹیر، مرغابی، چڑیا، طوطا، مینا بھی حلال ہیں اور جو شکار کر کے کھاتا ہونا گوں والا ہو یا پروں والا اس کا کھانا حرام ہے۔

غذا کھانے والے کے اخلاق پر غذا کا اثر پڑتا ہے۔ پھاڑ چیر کر کھانے والے جانوروں کو کھایا جائے تو انسان میں بھی اسی طرح کے اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں اس لئے ان کے کھانے سے منع فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایسے جانور کے کھانے سے منع فرمایا جو اپنے دانتوں سے چیر پھاڑ کر کھاتا ہے (جیسے شیر، بھینٹ، چیتا، بلی۔ کتا وغیرہ) اور ہر ایسے پرندوں کے کھانے سے منع فرمایا جو پنچے والا ہو۔ یعنی پنچے سے دوسرے جانور کو شکار کر کے کھاتا ہو (رواہ مسلم) گدھ، چیل مردار کھاتے ہیں وہ بھی حرام ہیں اور شکرہ، باز جو دوسرے پرندوں کو شکار کر کے کھاتے ہیں وہ بھی حرام ہیں۔ حضرت خزیمہ بن جزئی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بچو کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کیا بچو کو بھی کوئی کھائے گا اور آپ سے بھینٹے کے بارے میں معلوم کیا تو آپ نے فرمایا کہ بھینٹے ایسا شخص کھائے گا جس میں کوئی خیر ہو؟ یہ سنن ترمذی کی روایت ہے اور سنن ابن ماجہ میں بھی ہے لیکن اس میں بچو کی جگہ لومڑی کا ذکر ہے۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنے والوں نے قنفذ (یعنی سیہ) کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا خبیثۃ من الخبائث کہ یہ خبیث چیزوں میں سے ایک خبیث ہے۔ خیبر کی جنگ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے کھانے سے بھی منع فرمادیا (بخاری و مسلم) اور چونکہ خچر گھوڑے اور گدھے کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے اس لئے اس کا کھانا بھی حرام ہے۔

علامہ دمیری کتاب الحیوان ج ۲ ص ۲۴۶ میں علامہ ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں کہ میرے علم میں علماء مسلمین کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ بندر کا گوشت نہ کھایا جائے اور کتا اور ہاتھی اور دوسرے نوکیلے دانتوں والے جانور سب کا ایک ہی حکم ہے (یعنی ان کا کھانا حلال نہیں) پھر لکھتے ہیں کہ بندر اور اس جیسی چیزوں کے کھانے کی حرمت کے لئے مستقل نہی کی ضرورت نہیں کیونکہ ذاتی طور پر وہ ایسی چیز ہے جس سے طبیعتیں بچتی ہیں۔ پھر حضرت شععی (تابعی) سے ایک حدیث مرسل نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بندر کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

شکاری جانوروں کے احکام

اس کے بعد شکار کا ذکر فرمایا جو شکاری جانوروں کے ذریعہ کیا جائے۔ عام طور کتوں کو سکھانے اور سدھانے کے رواج ہے ان کے ذریعہ شکار کیا جاتا ہے۔ کتے پر منحصر نہیں ہے اگر کسی دوسرے جانور کو سدھالیا اور اس کے ذریعہ شکار کیا جائے تو شرائط کے ساتھ اس کا کھانا بھی حلال ہے۔ جانور کا سدھانا یہ ہے کہ اس کو اس بات کی تربیت دی جائے کہ جب اسے شکار پر چھوڑا جائے تو وہ اسے پکڑ کر لے آئے یا قتل کر دے لیکن اس میں سے خود نہ کھائے اگر کسی جانور کو سدھایا اور تربیت دی اور اس نے تین مرتبہ ایسا کیا کہ شکار کو مارا اور اس میں سے نہ کھایا تو یہ جانور تربیت یافتہ کہلائے گا اگر بسم اللہ اکبر پڑھ کر اس کو کسی ایسے جانور پر چھوڑا جس کا کھانا حلال ہے اور وہ اس جانور کو زندہ پکڑ کر لے آیا تو

شکاری آدمی بسم اللہ پڑھ کر اپنے اختیار سے خود ذبح کرے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر شکاری جانور نے اس کو زخمی کر دیا پھر وہ مر گیا تو وہ بھی حلال ہے۔ ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، کتے کو جو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا تھا اس کے زخمی کرنے کے بعد مر جانے ہی سے اس جانور کا کھانا حلال ہو گیا۔ اگر جانور تربیت یافتہ نہ ہو یا بسم اللہ پر نہ چھوڑا جائے اور وہ زخمی کرے جس سے وہ جانور مر جائے تو اس کا کھانا حلال نہیں۔ ہاں اگر کسی جانور کو کتے یا شیر نے پکڑ لیا اور وہ ابھی زندہ ہے تو اس کو ذبح کر کے کھا لینا جائز ہے اس کا ذکر ﴿وَمَا أَكَلِ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ کے ذیل میں آچکا ہے اگر سدھائے ہوئے شکاری کتے کو کسی جانور پر چھوڑا اور اس نے اسے گلا گھونٹ کر مار دیا اور کسی جگہ سے زخمی نہ کیا تو اس جانور کا کھانا حلال نہیں اگرچہ شکاری کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا تھا۔ آیت شریفہ میں شکاری جانور کو سدھانے اور تعلیم دینے کی شرط ﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ﴾ سے معلوم ہوئی اور بسم اللہ کی شرط سے ﴿وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ معلوم ہوئی اور زخمی کرنے کی شرط لفظ الجوارح سے مفہوم ہوئی۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام لے پھر وہ اگر شکار کو پکڑے اور تو اسے زندہ پالے تو ذبح کر لینا۔ اور اگر تو نے اسے اس حال میں پایا کہ وہ اسے قتل کر چکا ہے اور اس میں سے اس نے نہیں کھایا تو تو اس کو کھا لینا اور اگر کتے نے اس میں سے کھالیا تو اس میں سے نہ کھانا کیوں کہ اس نے اپنے لئے روک کر رکھا ہے۔ (جس سے معلوم ہوا کہ وہ معلّم کتا نہیں ہے) اور اگر تو اپنے کتے کے ساتھ کسی دوسرے کتے کو بھی پالے اور جس جانور پر حملہ کیا ہے وہ مقتول ہو چکا ہے تو اس میں سے مت کھانا کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ دونوں کتوں میں سے کس نے قتل کیا۔ (رواہ مسلم ج ۲ ص ۱۴۶)

شکاری جانوروں کا سدھانا اور تعلیم دینا جو اوپر بتایا گیا (کہ وہ شکار کو پکڑ لیں اور خود نہ کھائیں) یہ ان جانوروں سے متعلق ہے جو چوپائے ہیں، شیر چیتا وغیرہ۔

شکاری پرندہ کی تعلیم

لیکن اگر کسی شکاری پرندہ کو سدھایا جائے تو اس کا تعلیم دینا اور سدھانا یہ ہے کہ جب اسے شکار پر چھوڑنے کے بعد بلایا جائے تو وہ آجائے جب تین مرتبہ ایسا ہو جائے تو اس کو معلّم (یعنی تعلیم دیا ہوا) مانا جائے گا۔ اور پھر اس کے شکار کا وہی حکم ہے جو شکاری کتے کے شکار کا حکم ہے۔ یعنی سدھائے ہوئے شکاری پرندہ باز، شکرہ وغیرہ کو اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی جانور پر چھوڑا پھر وہ زندہ پکڑ کر لے آیا تو ذبح کر دینے سے حلال ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے زخمی کر دیا جس سے وہ مر گیا وہ بھی حلال ہو گیا اور اگر زخمی نہ کیا بغیر زخم کے مار دیا تو وہ جانور حلال نہ ہوگا۔ البتہ کتے اور باز میں یہ فرق ہے کہ کتے نے اگر اس میں سے کھالیا تو اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اس صورت میں معلّم نہ رہا۔ اور اگر باز نے کھالیا تو وہ تب بھی حلال رہے گا کیونکہ شکار میں نہ کھانا پرندہ کی تعلیم میں مشروط نہیں، اس کی تعلیم یہ ہے کہ اس کو بلایا جائے تو آجائے۔

پرندہ کو شکار کرنے سے متعلق احکام

اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی حلال جانور کو تیر مارا اور اسے زندہ پالیا تو اس کے حلال ہونے کے لئے ذبح اختیاری ضروری ہے اور اگر تیر مارنے سے وہ جانور زخمی ہو گیا اور زخمی ہو کر مر گیا تو اس کا کھانا بغیر ذبح کے حلال ہے۔

مسئلہ: اگر کسی پرندہ کو بسم اللہ پڑھ کر تیر مارا پھر وہ پانی میں گر گیا یا کسی مکان کی چھت پر گر پھر وہاں سے تڑپ کر زمین پر گر کر مر گیا تو اس کا کھانا حرام ہے کیونکہ متردبہ کے حکم میں ہے۔

مسئلہ: شکار حلال ہونے کی جو صورتیں بیان ہوئی ہیں اس میں یہ شرط ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر شکاری جانور یا شکاری پرندہ شکار پر چھوڑا ہو یا بسم اللہ پڑھ کر تیر پھینکا ہو۔ لیکن اگر بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تب بھی شرائط مذکورہ کے ساتھ اس کا کھانا حلال ہے۔

مسئلہ: ان مسائل میں جو مسلمان کے شکار کا حکم ہے وہی کتابی یعنی یہودی و نصرانی کے شکار کا حکم ہے۔

مسئلہ: بت پرست، آتش پرست، مرتد اور ہر وہ کافر جو یہودی یا نصرانی نہیں ہے ان کا شکار کیا ہوا جانور حرام ہے اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر شکار کیا ہو۔

مسئلہ: جن جانوروں کا کھانا حلال نہیں ان کا شکار کرنا جائز ہے ان کی کھال دباغت کر کے کام میں لائی جاسکتی ہے۔ آخر میں فرمایا ﴿وَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (کہ اللہ سے ڈرو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے) جیسی دیگر آیات میں احکام بیان فرمانے کے بعد اللہ سے ڈرنے اور آخرت کا فکر مند ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے یہاں بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو جانور اصول شریعت کے مطابق حلال نہ ہو اسے نہ کھائیں اور شکار کرنے میں جو انہماک ہو جاتا ہے جس سے نماز تک چلی جاتی ہے اور حقوق العباد تلف ہو جاتے ہیں، شکار کا ایسا کھیل نہ کھیلیں، جو لوگ شکاری ہیں وہ جانتے ہیں کہ عموماً شکاری حدود شرعیہ کے پابند نہیں رہتے شکار کے پیچھے لگے تو سب کچھ بھول گئے۔ سنن ابوداؤد (باب فی اتباع الصيد) میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دیہات میں رہا وہ سخت دل ہو گیا۔ اور جو شخص بادشاہ کے پاس گیا وہ فتنہ میں پڑا، اور جو شخص شکار کے پیچھے لگا وہ غافل ہوا۔ (صدق رسول اللہ ﷺ)

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ ۗ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ ۗ وَ
الْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ
أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ ۗ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ
عَمَلُهُ ۗ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ۝

”آج تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور پاک دامن عورتیں جو مسلمان ہیں اور وہ پاک دامن عورتیں جو ان لوگوں میں سے ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تمہارے لیے حلال ہیں جبکہ تم ان کو ان کے مہر دیدو اس طریقہ پر کہ تم پاک دامن اختیار کرنے والے ہو خفیہ طریقے پر دوستی کرنے والے نہ ہو۔ اور جو کوئی شخص ایمان کا انکار کر دے تو اس کے اعمال اکارت ہو گئے اور وہ آخرت میں تباکاروں میں سے ہوگا۔“

اہل کتاب کا کھانا حلال ہے

اس آیت میں چند احکام بیان فرمائے۔ اول تو پاکیزہ چیزوں کے حلال کئے جانے کا دوبارہ تذکرہ فرمایا اور لفظ الیوم کا اضافہ فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ طیبات جو پہلے حلال تھیں اب بھی حلال ہیں ان میں کوئی نسخ و اقع نہیں ہوا پھر فرمایا کہ تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے جن لوگوں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی ان سے یہود نصاریٰ مراد ہیں اور ان کے کھانے کی چیزوں سے ان کا ذبیحہ مراد ہے۔ یہودی نصاریٰ اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی ایسے جانور کو ذبح کریں جس کا کھانا اسلام میں حلال ہے اور پھر اس گوشت میں سے مسلمانوں کو کھلائیں تو مسلمان کو اس میں سے کھانا حلال ہے۔ آیت شریفہ میں جو ﴿وَ طَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ﴾ فرمایا ہے اس سے یہود نصاریٰ کا ذبیحہ مراد ہے مطلق کھانا مراد نہیں کیونکہ روٹی سبزی پھل چاول اور دوسری چیزیں ہر کافر مشرک کی دی ہوئی اور بیچی ہوئی حلال ہیں اس میں اہل کتاب کی کوئی خصوصیت نہیں، اہل کتاب کا ذبیحہ اسی لئے حلال قرار دیا کہ مسلمانوں کی طرح ان کے نزدیک بھی اس جانور کا کھانا حلال نہیں جو ذبح نہ کیا گیا ہو۔ اور جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اگر اہل کتاب قصد ارادۃ کسی جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کھانا مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے، سورۃ انعام میں فرمایا ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ﴾ (اور ان جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ بڑا گناہ ہے)۔

اس آیت کے عموم سے ہر اس جانور کے کھانے کی حرمت معلوم ہوگئی جس کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ ذبح کرنے والا مسلم ہو یا کتابی ہاں! اگر مسلم یا کتابی ذبح کرتے وقت بھول کر بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے تو اس جانور کا کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس جانور کا کھانا حلال ہو، مسلم اور یہودی اور نصرانی کے علاوہ کسی کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے اگرچہ وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔

مصنف عبدالرزاق (ص ۲۸۱ ج ۴) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد نقل کیا ہے۔ ان فی المسلم اسم اللہ فان ذبح ونسی اسم اللہ فلیا کل وان ذبح المجوسی و ذکر اسم اللہ فلا تا کله، اس میں صاف بتا دیا کہ اگر مجوسی اللہ کے نام لے کر ذبح کرے تب بھی اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ مجوسی (آتش پرست) اور بت پرست بدھ مت وغیرہ کا ذبیحہ حلال نہیں کیونکہ یہ لوگ کتابی نہیں ہیں بلکہ یہودیوں اور نصرانیوں کے بارے میں بھی غور کر لینا چاہئے جو یہودی نصرانی اپنے اس دین پر ہیں جو ان کا دین نزول قرآن کے وقت تھا ان کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ اللہ کا نام لے کر ذبح کریں لیکن جو لوگ محض مردم شماری کے لحاظ سے یہودی اور نصرانی کہلاتے ہیں لیکن کسی مذہب کے قائل نہیں ہے خدا تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں نہ توریت، انجیل کو خدا تعالیٰ کی کتابیں مانتے ہیں ان کا ذبیحہ حلال نہیں اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کریں۔ اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نصاریٰ بنی تغلب کے بارے میں فرمایا لاتاکلو امن ذبائح نصاریٰ بنی تغلب فانہم لم یتمسکو امن النصرانیۃ بشی الا شر بہم الخمر (یعنی بنی تغلب کے نصاریٰ کا ذبیحہ نہ کھاؤ۔ کیونکہ انہوں نے دین نصرانیت میں شراب پینے کے سوا کسی چیز کو نہیں پکڑا)

مسئلہ: مرتد (جو اسلام چھوڑ کر کسی دوسرے دین میں داخل ہو جائے) اس کا ذبیحہ حلال نہیں اگرچہ نصرانی یا یہودی ہو گیا ہو۔

مسئلہ: جو لوگ سیدنا محمد رسول اللہ کے بعد کسی کو نبی مانتے ہیں ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔

مسئلہ: جو لوگ نام کے مسلمان ہیں عقیدہ ملحد اور زندقہ ہیں ضروریات دین کے منکر ہیں یا دین کی کسی چیز کا مذاق اڑاتے ہیں قرآن کی کسی آیت میں تحریف کرتے ہیں یا تحریف کے قائل ہیں یہ لوگ بھی کافر ہیں ان میں سے کسی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

جس جانور پر ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کا کھانا حلال نہیں

یہود نصاریٰ اگر قصداً ارادۃ اللہ کا نام ذکر کئے بغیر جانور ذبح کر دیں تو اس جانور کا کھانا مسلمانوں کے لئے حلال نہیں جیسا کہ مسلمان کے اس ذبیحہ کا بھی یہی حکم ہے جس کے ذبح کرتے وقت قصداً بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا ہو۔ اور اگر غیر اللہ کا نام ذکر کر کے کسی جانور کو ذبح کیا جائے تو اس کا کھانا بھی حلال نہیں۔

نئے مجتہدین کی گمراہی

بعض لوگوں نے جو آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ خود جو کچھ کھاتے ہوں اس سب کا کھانا مسلمانوں کیلئے حلال ہے خواہ انہوں نے ذبح کیا ہو یا بلا ذبح کے مار دیا ہو خواہ بسم اللہ ہی نہ پڑھی ہو۔ یہ ان مجتہدین کی گمراہی ہے یورپ، امریکہ، آسٹریلیا وغیرہ میں ایسے گوشت ملتے ہی جن کے بارے میں یقین ہوتا ہے کہ ان پر نصرانیوں نے ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھی پھر بھی وہاں کے رہنے والے یہ کہہ کر کھا جاتے ہیں یہ نصرانیوں کا کھانا ہے اس لئے ہمارے لئے حلال ہے یہ ان کی جہالت اور ضلالت ہے۔ یہ ان لوگوں کی بڑی نا سمجھی ہے کہ میتہ، موقوڑہ، نطیجہ، متردیہ اس صورت میں مسلمان کے لئے حرام ہو جب اس کے گھر میں مرجائے اور نصرانی یا یہودی کے ہاتھ سے مرجائے تو حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ جاہل مفتیوں سے امت کو محفوظ رکھے۔ اگر اہل کتاب کا ہر کھانا بغیر کسی شرط یا بغیر کسی قید کے حلال مان لیا جائے تو خنزیر اور ہر وہ چیز حلال ہو جائے گی جو وہ کھاتے ہیں العیاذ باللہ! یہ جو فرمایا ﴿وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومنین اگر اپنا کھانا اہل کتاب کو کھلائیں تو یہ درست ہے ان کو اپنا کھانا کھلا سکتے ہیں۔

پاک دامن مومنات سے اور کتابی عورتوں سے نکاح کرنا

اس کے بعد فرمایا ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ یعنی پاک دامن مومن عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں ان سے نکاح کرنا درست ہے اس کے بعد فرمایا ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ یعنی تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان میں جو پاک دامن عورتیں ہیں وہ بھی تمہارے لیے حلال ہیں ان سے بھی نکاح کر سکتے ہیں معلوم ہوا کہ مسلمان کو پاک دامن یہودی یا نصرانی عورت سے نکاح کرنے کی بھی اجازت ہے۔ اجازت تو ہے لیکن۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کتابی عورتوں سے نکاح کی ممانعت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت ہی میں اس سے روک دیا تھا۔ امام محمد بن الحسن نے کتاب الآثار میں لکھا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مدائن میں ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو انہوں نے خط لکھا کہ اس کو چھوڑ دو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خط ملا تو انہوں نے حضرت عمر کو لکھا کہ اے امیر المؤمنین! کیا یہودیہ سے نکاح کرنا حرام ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں تمہیں مضبوطی کے ساتھ پختہ طور پر یہ حکم دیتا ہوں کہ میرا خط پڑھ کر اس وقت تک نیچے نہ رکھنا جب تک کہ تم اس عورت کو چھوڑ نہ دو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ دوسرے مسلمان بھی تمہارا اقتداء کر لیں گے اور اس طرح سے ذمی عورتوں سے نکاح کرنے کو ترجیح دیں گے کیونکہ ان میں حسن و جمال ہے اور مسلمان عورتوں کو چھوڑ دیں گے اور یہ مسلمان عورتوں کے لئے ایک بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ روایت ختم کرنے کے بعد امام محمد لکھتے ہیں۔ وبہ ناخذ لاندراہ حراما و لکن اندری ان یختار علیہن نساء المسلمین و هو قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا ہمارا بھی وہی مذہب ہے ہم اس کو حرام تو نہیں قرار دیتے لیکن اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ مسلمان عورتوں سے نکاح کیا جائے اور انہیں یہودی اور نصرانی عورتوں پر ترجیح دی جائے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا بھی یہی قول ہے)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو ارشاد فرمایا کہ یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کرنے کا سلسلہ جاری ہو جائے تو چونکہ ان میں حسن و جمال نظر آتا ہے (اگرچہ حسین و جمیل نہ ہوں) اس لئے عموماً لوگ انہیں کی طرف مائل ہونگے اور مسلمان عورتوں کو چھوڑ دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سی مسلمان لڑکیاں بے بیاہی رہ جائیں گی ان کا اندیشہ بالکل صحیح تھا آج امریکہ اور یورپ اور آسٹریلیا وغیرہ میں ایسا ہو رہا ہے۔ احقر سے ایک امام صاحب کی ملاقات ہوئی جو کینیڈا میں امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ مسلمان لڑکے میرے پاس نکاح پڑھوانے کے لئے آتے ہیں اور سو میں سے تقریباً نوے نکاح ایسے ہوتے ہیں کہ نصرانی لڑکیوں ہی کو نکاح پڑھوانے کے لئے لے آتے ہیں اور مسلمان لڑکیوں کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور اس سے بڑھ کر آجکل ایک بڑا فتنہ اور ہے اور وہ یہ کہ نصاریٰ اپنے مذہب کے پھیلانے کے لئے جو طریقے سوچتے رہتے ہیں ان میں جہاں مال تقسیم کرنا ہے اور ہسپتال بنانا ہے اور اسکول اور کالج کھولنا ہے وہاں ان کے مشن میں یہ بھی ہے کہ مسلمان لڑکوں کو لڑکیاں پیش کرتے ہیں۔ مسلمان لڑکے یہ کہہ کر ہمارے مذہب میں یہود و نصاریٰ سے نکاح جائز ہے ان سے نکاح کر لیتے ہیں یہ لڑکیاں چونکہ سکھائی پڑھائی ہوتی ہیں اور نکاح کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ شوہر کو اور پیدا ہونے والی اولاد کو نصرانیت پر ڈال دیں اس لئے وہ برابر اپنا کام کرتی رہتی ہیں اور شوہر اور اولاد کو نصرانی بنا کر چھوڑتی ہیں ان حالات کے اعتبار سے بھی ضروری ہے کہ مسلمان اپنے کے لئے مسلمان عورتیں تلاش کریں اور ان کو ترجیح دیں۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے حلال کی ہوئی چیز سے کیوں منع کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے حلال کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ امت کی مصلحت کے پیش نظر منع فرمایا ہے وہ خلفاء راشدین میں سے تھے جن کی اقتداء کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا۔

پھر فرمایا ﴿إِذَا اتَّيَمُّوهُنَّ اجُورَهُنَّ﴾ (یعنی پاک دامن عورتیں اور پاک دامن کتابی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں جبکہ تم ان کے

مہران کو دیدو) معلوم ہوا کہ کتابی عورتوں سے نکاح کیا جائے تو ان کے مہر بھی مقرر کئے جائیں اور ادا بھی کئے جائیں۔
اس بات کو یہاں ذکر کرنے کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ جو یہود و نصاریٰ ذمی ہیں یعنی مسلمانوں کی عمل داری میں رہتے ہیں اگر ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے تو ان کے مہر ادا کرنے کی بھی فکر کی جائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دباؤ میں رہنے کی وجہ سے مہر طلب نہ کریں اس لئے مقررہ مہر کی ادائیگی کی خود فکر کرو۔

پھر فرمایا ﴿غَيْرَ مُسْفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ﴾ یعنی تم نکاح کر کے پاک دامنی اختیار کرو نہ کھلم کھلا زنا کرنے والے بنو نہ خفیہ طریقے پر دوستی کر نیوالے بنو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی نفسانی خواہش کو غیر شرعی طریقہ پر پورا نہ کرو نہ کھلے ہوئے زانی بنو اور نہ چھپ چھپا کر عورتوں سے دوستی اور آشنائی پیدا کرو۔ کتابی عورتوں سے نکاح کرنے کا جواز بتانے کے بعد خاص طور سے اس بات کا ذکر فرمادینا کہ علانیہ یا خفیہ زنا نہ کرو اس بات پر تنبیہ ہے کہ ذمی عورتیں خفیہ آشنائی کی راہیں نکال سکتی ہیں تم ہر طرح کے زنا سے بچو علانیہ بھی زنا نہ کرو اور خفیہ بھی۔ اللہ جل شانہ علام الغیوب ہے اسے ہمیشہ سے سب کچھ معلوم ہے آئندہ کیا کچھ ہونے والا ہے اسے اس سب کا علم ہے۔

دور حاضر میں یورپ اور امریکہ وغیرہ میں جو مردوں اور عورتوں میں دوستی کا سلسلہ چلا ہوا ہے کہ آپس میں فرینڈز بن جاتے ہیں اور برسوں نیچر ملاتے رہتے ہیں حرام کی اولاد پیدا ہوتی رہتی ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے پہلے سے اس کی پیش بندی فرمادی کہ پاک دامن کتابی عورتوں سے نکاح تو کر سکتے ہیں لیکن علانیہ زنا یا خفیہ دوستی سے باز رہیں خود بھی پاک دامن رہیں اور بیویاں بھی پاک دامن تلاش کریں۔

مرتد کے اعمال اکارت ہو جاتے ہیں

آخر میں فرمایا ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ﴾ (اور جو شخص ایمان کا انکار کر دے تو اس کا عمل اکارت ہو گیا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا) آخرت کی بربادی ظاہر ہے کیونکہ مرتد ہو یا اصلی کافر اس کیلئے آخرت میں نجات نہیں ہے، دائمی عذاب ہے جس کی تفصیلات جگہ جگہ قرآن مجید مذکور ہیں۔

مرتد کے احکام سورہ بقرہ کی آیت ﴿وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ﴾ (الآیۃ) کے ذیل میں بیان کر دیئے گئے ہیں وہاں مراجعت کر لی جائے۔ (دیکھو انوارالبیان جلد ۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۗ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۗ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَايِبِ أَوْ لِمَسْتُمُ النِّسَاءِ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ۗ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ ۚ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَإِذْ كَرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّتِي وَاثَقْتُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝

اے ایمان والو! جب تم نماز کی طرف اٹھو تو اپنے مونہوں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کر لو اور دھو لو اپنے پیروں کو ٹخنوں تک اور اگر حالت جنابت میں ہو تو اچھی طرح سے پاک ہو جاؤ، اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے قربت کی ہو پھر تم پانی کو نہ پاؤ تو ارادہ کر لو پاک پٹی کا سوا سے اپنے چہروں کا اور

اپنے ہاتھوں کا مسح کر لو۔ اللہ ارادہ نہیں فرماتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے لیکن وہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تاکہ تم پر اپنی نعمت پوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔ اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے اور اس پختہ عہد کو یاد کرو جو تم نے اللہ سے مضبوطی کے ساتھ کیا ہے، جبکہ تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور مانا، اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ جاننے والا ہے ان باتوں کو جو سینوں میں ہیں۔

وضو اور غسل کا حکم اور تیمم کی مشروعیت

ان آیات میں وضو کا حکم اور اس کا طریقہ بیان فرمایا ہے، اول تو وضو کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے جہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولیا کرو اور سروں کا مسح کر لو اور پاؤں کے ٹخنوں تک دھولیا کرو۔

اِذَا قُمْتُمْ كَامَطْلَب

چونکہ عام طور پر بیٹھے ہوئے اور کام کاج میں لگے ہوئے با وضو نہیں رہتے اس لئے یہ فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو منہ اور ہاتھ اور پاؤں دھونے اور سر کا مسح کرنے کا عمل کر لیا کرو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے سے وضو ہو تب بھی وضو کرو۔ غالب احوال کے پیش نظر یوں فرمایا کہ جب نماز کی طرف کھڑے ہو تو یہ عمل کرو، رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر ایک وضو سے چار نمازیں پڑھی تھیں۔ حضرت زید بن اسلم نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے جب نیند سے اٹھ کر نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کر لیا کرو کیونکہ اس وقت تو بالیقین بے وضو ہی ہوتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس خطاب کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کر لیا کرو اگر پہلے سے وضو ہے تب بھی وضو کر لینا افضل ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے وضو پڑھو کیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (رواہ ابوداؤد والترندی)

فقہاء نے لکھا ہے کہ جب پہلے وضو سے کوئی نماز پڑھ لے گا یا ایسا کوئی عمل کرے گا جو بلا وضو جائز نہیں تب یہ فضیلت حاصل ہوگی، یہ مطلب نہیں ہے کہ وضو پڑھو کر تار ہے اور ان اعمال میں سے کوئی عمل نہ کرے جو با وضو ادا کئے جاتے ہیں۔

وضو کا طریقہ

آیت شریفہ میں وضو کا طریقہ بتائے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اپنے چہروں کو دھولو، چہرہ کی لمبائی پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک ہے اور چوڑائی ایک کان کی لو سے لے کر دوسرے کان کی لو تک ہے اگر داڑھی ہلکی ہو تو اس کے نیچے پانی پہنچانا کھال کا دھونا ضروری ہے اور اگر گھنی ڈاڑھی ہو جس میں اندر کی کھال نظر نہ آ رہی ہو تو ڈاڑھی کا اوپر سے دھو دینا کافی ہے۔ بہت سے لوگ ایسا وضو کرتے ہیں کہ کانوں اور رخساروں کے درمیان جگہ سوکھی رہ جاتی ہے ان لوگوں کا وضو نہیں ہوتا۔

بے وضو ہونے کو حدث اصغر اور غسل فرض ہونے کو حدث اکبر کہا جاتا ہے دونوں حالتوں میں نماز پڑھنا ممنوع ہے اگر کوئی شخص حدث اکبر یا حدث اصغر کی حالت ہوتے ہوئے نماز پڑھ لے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی دوبارہ پڑھنا لازمی ہوگا۔ ساری امت کا اس پر اجماع ہے۔ خوب احتیاط کے ساتھ اعضاء وضو پر ہر جگہ پانی پہنچانے کا فکر کرنا لازم ہے۔

چہرہ کی حد تو اوپر بیان ہوئی اور ہاتھوں کو انگلیوں سے لیکر کہنیوں سمیت اور پاؤں کو انگلیوں سے لے کر ٹخنوں سمیت دھونا فرض ہے۔ ذرا سی جگہ بھی پانی پہنچے بغیر رہ جائے گی تو وضو نہ ہوگا۔ پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ عموماً پورے سر کا مسح فرماتے تھے، حدیث شریف میں ہے۔

فأقبل بهما وادبر ، بدء بمقدم رأسه حتى ذهب بهما الى قفاه ثم ردَّهما حتى رجع الى المكان الذي بدأ منه ثم غسل رجليه (رواہ البخاری ص ۳۱ جلد نمبر ۱)

اور بعض مرتبہ آپ نے صرف اپنی پیشانی پر یعنی سر کے سامنے کے حصہ پر مسح فرمایا (کما رواہ مسلم عن المغیرة بن شعبہ رضی اللہ عنہما) اسی لئے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے اور چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

قرآن مجید میں جن چار چیزوں کا ذکر ہے (۱) یعنی چہرہ دھونا (۲) ہاتھوں کو دھونا (۳) سر کا مسح کرنا (۴) پاؤں کو دھونا۔ وضو میں یہ چار چیزیں فرض ہیں۔ سر کا مسح ایک ہی مرتبہ کرنا مسنون ہے البتہ چہرہ کا اور ہاتھوں کا پاؤں کا تین تین مرتبہ دھونا سنت ہے اور ایک مرتبہ دھونے سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔ دھونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر جگہ پانی پہنچ جائے۔

وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا، تین بار کھلی کرنا، مسواک کرنا، تین بار ناک میں نرم جگہ تک پانی پہنچانا جس کو استنشاق کہتے ہیں اور تین بار ناک کو جھاڑنا اور انگلیوں کا خلال کرنا اور ہاتھ اور پاؤں دھونے میں داہنی طرف سے ابتداء کرنا اور ڈاڑھی کا خلال کرنا مسنون ہے۔ کانوں کا مسح کرنا بھی سنت ہے کانوں کے اندر اور باہر کا مسح کرنا اور کنپٹیوں پر ہاتھ پھیرنا اور کانوں میں مسح کرتے وقت انگلیاں داخل کرنا بھی احادیث سے ثابت ہے۔

فائدہ: جب سوکراٹھے تو بغیر دھوئے پانی میں ہاتھ نہ ڈالے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو جب تک اپنا ہاتھ تین بار نہ دھولے اسے پانی میں نہ گھسائے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ رات بھر اس کا ہاتھ کہاں رہا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

فائدہ: استنشاق کے ساتھ استنشاق (یعنی ناک جھاڑنے کا) بھی اہتمام کرنا چاہئے خاص کر جب سوکراٹھے تو اس کا اہتمام زیادہ کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنی ناک جھاڑ لے کیونکہ شیطان رات کو اس کے ناک کے بانسے میں رہتا ہے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

فائدہ: وضو میں خوب اچھی طرح پانی پہنچائے چیز اچھی نہ کرے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ معظمہ سے واپس ہوئے۔ چلتے چلتے عصر کی نماز کا وقت ہو گیا راستہ میں ایک جگہ پانی ملا۔ تو کچھ لوگ جلدی سے آگے بڑھ گئے اور جلدی جلدی وضو کر لیا ہم جب ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کی ایڑھیاں ظاہر ہو رہی ہیں جن کو پانی نہ پہنچا آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ ایڑھیوں کے لئے ہلاکت ہے جو دوزخ کی آگ کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ اچھی طرح پانی پہنچایا کرو۔ (رواہ مسلم ص ۱۳۵ و اختصرہ البخاری ج ۱ ص ۲۸)

وضو میں پانی خوب اچھی طرح پہنچائے لیکن اسراف کرنا اور ضرورت سے زیادہ بہانا جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سعد رضی اللہ عنہ پر گزر ہوا وہ وضو کر رہے تھے آپ نے فرمایا یہ کیا اسراف (فضول خرچی) ہے انہوں نے عرض کیا، کیا وضو میں بھی اسراف ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وضو میں بھی اسراف ہے اگرچہ تم جاری نہر پر ہو۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ کما فی مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۷)

امت محمدیہ کی امتیازی شان

وضو پہلی امتوں میں بھی تھا اور اس امت میں بھی ہے لیکن ایک بات میں امت محمدیہ علی صا جہا الصلوٰۃ والسلام کو امتیازی شان حاصل ہے اور وہ یہ کہ قیامت کے دن وضو کے اثر کی وجہ سے ان کے ہاتھ پاؤں روشن ہونگے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں جسے قیامت کے دن سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں جسے (سجدہ سے) سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی۔ سر اٹھا کر میں اپنے آگے دیکھوں گا تو ساری امتوں کے درمیان سے اپنی امت کو پہچان لوں گا اور پیچھے دیکھوں گا تب بھی اسی طرح پہچان لوں گا۔ اور داہنی طرف دیکھوں گا تب بھی اسی طرح پہچانوں گا اور بائیں طرف دیکھوں گا

تب بھی اسی طرح پہچان لوں گا۔ یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تمام امتوں کے درمیان سے اپنی امت کو کیسے پہچان لیں گے۔ جبکہ نوح علیہ السلام کی امت سے لیکر آپ کی امت تک سب امتیں موجود ہوں گی۔ آپ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضو کے اثر سے روشن ہوں گے۔ اور ان کے علاوہ کسی کو بھی یہ بات حاصل نہ ہوگی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۰)

غسل جنابت کا حکم اور اس کا طریقہ

وضو کا طریقہ بیان فرمانے کے بعد غسل کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾ (اور اگر تم جنبی ہو تو خوب اچھی طرح سے پاکی اختیار کرو) جس مرد یا عورت پر غسل فرض ہو جائے (خواہ میاں بیوی کے ملاپ سے خواہ احتلام ہو جانے سے خواہ کسی طرح شہوت کے ساتھ منی خارج ہونے سے) اس پر فرض ہے کہ سر سے پاؤں تک پورے بدن پر ایک بار پانی پہنچائے۔

چونکہ فَاطَّهَّرُوا مبالغہ پر دلالت کرتا ہے اس لئے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غسل فرضی میں مضمضہ یعنی ایک بار کلی کرنا بھی فرض ہے جب کلی کر لے تو پورے منہ میں خوب پانی بھر کر حلق تک پہنچائے نیز غسل فرضی میں استنشاق بھی فرض ہے یعنی ناک میں جہاں تک نرم جگہ ہے وہاں تک کم از کم ایک بار پانی پہنچائے، جب غسل کرنے لگے تو پہلے چھوٹا بڑا استنجاء کرے اور بڑا استنجاء خوب کھل کر کرے تاکہ جہاں تک پانی پہنچ سکے وہاں تک پہنچ جائے اس کے بعد نجاست کو دور کرے جو بدن پر لگی ہوئی ہے اس کے بعد وضو کرے جیسا کہ وضو کا مسنون طریقہ ہے اور مضمضہ و استنشاق میں مبالغہ کرے اگر روزہ نہ ہو پھر تین بار سارے بدن پر پانی پہنچائے غسل فرض میں ایک بار ہر جگہ پانی پہنچانا فرض ہے اور تین بار سنت ہے۔ (مگر فرض غسل کرے تو اس میں بھی تین بار پانی بہانا سنت ہے) ناف میں بغلوں اور جس جگہ بغیر دھیان کئے پانی نہ پہنچنے کا اندیشہ ہو وہاں خوب دھیان سے پانی پہنچائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے۔ لہذا بالوں کو دھوؤ اور جس جگہ پر بال نہیں ہیں اس کو صاف کرو۔ (یعنی اچھی طرح پانی پہنچاؤ تاکہ میل کچیل بھی دور ہو جائے)۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غسل جنابت میں جس نے ایک بال کے برابر بھی جگہ چھوڑ دی تو اسے دوزخ میں ایسا ایسا عذاب دیا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس ڈر سے سر پر بال ہی نہیں رکھتے تھے ایسا نہ ہو کہ غسل فرض میں کسی جگہ پر پانی پہنچنے سے رہ جائے اور جنابت دور نہ ہو، حدیث بالا بیان فرما کر انہوں نے تین بار فرمایا کہ میں نے اسی لیے اپنے سر سے دشمنی کر رکھی ہے (پہلے بڑھنے نہیں دیتا منڈاتا رہتا ہوں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸)

مسئلہ: غسل فرض ہونے کے لیے میاں بیوی کے ملاپ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ منی خارج ہو صرف حشفہ (یعنی سپاری) غائب ہونے سے مرد و عورت دونوں پر غسل فرض ہو جاتا ہے۔ البتہ احتلام ہونے کی صورت میں منی خارج ہونے سے غسل فرض ہو جاتا ہے۔

فائدہ: جس طرح جنابت کی وجہ سے غسل فرض ہو جاتا ہے اسی طرح حیض اور نفاس کے ختم ہونے سے بھی غسل فرض ہو جاتا ہے اور اس غسل کا طریقہ بھی وہی ہے جو اوپر غسل جنابت میں بیان ہوا ہے۔

تیمم کا بیان

غسل جنابت کا حکم دینے اور اجمالاً اس کا طریقہ بتانے کے بعد تیمم کی اجازت ذکر فرمائی اور ارشاد فرمایا ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ﴾ (آخر تک) اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا آئے تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کی جگہ سے یا تم نے عورتوں سے قرب کی اور پھر تم پانی نہ پاؤ تو ارادہ کر لو پاک مٹی کا سوا سے اپنے چہروں کا اور اپنے ہاتھوں کا مسح کر لو۔ تیمم کا طریقہ اور اس کے ضروری مسائل آیت سورہ نساء ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ﴾ (ع ۷) کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں اس کی مراجعت کر لی جائے۔

پھر فرمایا ﴿مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَ لَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (اللہ

ارادہ نہیں فرماتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے لیکن وہ ارادہ فرماتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے تاکہ تم اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو جو تم پر ہے۔ اوپر جو وضو اور غسل کا حکم ہو اور پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی جو اجازت مذکور ہوئی اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تم پر حدیث اصغر ہو جانے پر وضو اور حدیث اکبر ہو جانے پر غسل فرض فرمایا اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ نہیں کہ تمہیں تنگی میں ڈالے لیکن اس کا ارادہ یہ ہے تمہیں پاک کرے۔ لِيُطَهِّرَكُمْ سے دونوں قسم کی طہارت مراد لی جاسکتی ہے۔ طہارت ظاہری بھی اور طہارت باطنی بھی۔ طہارت ظاہری یہ ہے کہ نجاست حکمیہ (حدیث اکبر و حدیث اصغر) دور ہو جائے اور طہارت باطنی یہ ہے کہ گناہ معاف ہو جائیں۔

وضو اور تیمم حکم تطہیر میں برابر ہیں

اللہ تعالیٰ کا مزید فضل یہ ہے کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کو بھی وضو اور غسل کے قائم مقام قرار دے دیا۔ نجاست حکمیہ جیسے وضو اور غسل سے دور ہو جاتی ہے تیمم سے بھی دور ہو جاتی ہے اور جو کام پانی سے وضو غسل کرنے والے کے لئے جائز ہو جاتے ہیں (مثلاً نماز پڑھنا، طواف کرنا، قرآن مجید کا چھونا) تیمم کے ذریعہ بھی جائز ہو جاتے ہیں جب تک پانی نہ ملے اور کوئی ناقض وضو اور موجب غسل پیش نہ آجائے تیمم سے وہ سب کام جائز رہتے ہیں جو وضو اور غسل کرنے سے جائز ہوتے ہیں جب تیمم کر لیا تو اس سے جتنی چاہے فرض نفل نمازیں پڑھنے کا اختیار ہے پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی اجازت ہونا مستقل ایک نعمت ہے اور اللہ کی رحمت ہے۔

پھر جیسے نماز پڑھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اسی طرح وضو کرنے سے بھی معاف ہوتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے وضو کیا اس کے جسم سے اس کے گناہ نکل جائیں گے یہاں تک اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جائیں گے۔ (رواہ مسلم ج ۱ ص ۱۲۵)

وضو غسل اور تیمم کا حکم فرمانے میں جہاں ظاہری اور باطنی طہارت کا فائدہ ہے وہاں اتمام نعمت کا فائدہ بھی ہے۔ اللہ جل شانہ، نے نماز وضو غسل اور تیمم کا حکم دے کر اپنی نعمت کامل فرمادی۔ یہ نعمت عزیمت کو بھی شامل ہے اور خست کو بھی جب اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت پوری فرمادی شکر لازم ہو اس لئے اخیر میں ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ فرمایا۔

اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو

پھر فرمایا ﴿وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو جن سے اس نے تمہیں نوازا ہے یہ نعمتیں ظاہری بھی ہیں اور باطنی بھی، جسمانی بھی ہیں اور روحانی بھی، مزید فرمایا ﴿وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ﴾ کہ اللہ کے عہد کو یاد کرو جو تم نے مضبوطی کے ساتھ عہد کیا جب تم سے عہد لیا تو تم نے ﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ کہہ کر پکا اور مضبوط عہد کر لیا۔ صاحب روح المعانی ج ۶ ص ۸ لکھتے ہیں اس سے وہ عہد مراد ہے جو ۱۳ نبوی میں لیلۃ العقبہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے لیا تھا جو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس پر بیعت کی کہ ہم بات سنیں گے اور فرماں برداری کریں گے۔ آسانی میں بھی اور سختی میں بھی، خوشی میں بھی اور ناگواری میں بھی (یعنی کوئی حکم نفسوں کو ناگوار ہوگا تب بھی عمل کریں گے)۔ (اخرجہ مسلم ج ۲ ص ۱۲۵)

اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ میثاق مذکور سے بیعت رضوان بھی مراد ہو سکتی ہے جو حدیبیہ کے موقع پر ہوئی تھی (جس کا ذکر سورہ فتح کے تیسرے رکوع کے شروع میں ہے) پھر لکھتے ہیں کہ چونکہ یہ بیعت اللہ کی طرف سے تھی اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر تھی اس لئے اس میثاق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی کماہ نطق قوله تعالیٰ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَبِيعُوْنَكَ اِنَّمَا يَبِيعُوْنَ اللّٰهَ﴾ چونکہ ہر مسلمان جب توحید اور رسالت پر ایمان لانے کا اقرار کرتا ہے تو ہر بات کے ماننے اور حکم کے تسلیم کرنے کا اعلان کر دیتا ہے۔ اس لیے میثاق مذکور سے تمام مسلمانوں کا توحید و رسالت کا اقرار اور اعلان مراد لینا مناسب ہے اور یہ اقرار ہی پختہ عہد ہے لہذا لیلۃ العقبہ یا حدیبیہ کے موقع پر بیعت مراد لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

آخر میں فرمایا کہ ﴿وَ اتَّقُوا اللَّهَ﴾ کہ (اللہ سے ڈرو) اس کی نعمتوں کو نہ بھول جاؤ اور اس سے جو پختہ عہد کیا ہے اسے نہ توڑو۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ سینوں کی اندر کی چیزوں کو جانتا ہے) اسے ظاہری اعمال کا بھی علم ہے اور دلوں کے ارادوں اور نیتوں کی بھی اسے خبر ہے وہ حساب لے گا اور بدلہ دے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ عَلَىٰ آلَا
تَعْدِلُوا ۗ وَإِعْدِلُوا ۗ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۗ وَ اتَّقُوا اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ وَعَدَّ
اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۗ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٩﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا
بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١٠﴾

اے ایمان والو! اللہ کے لیے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جنہیں تم کرتے ہو اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ ان کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیت کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں۔

انصاف پر قائم ہونے کا حکم

سورہ نساء میں فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ﴾ کہ اللہ کے لئے خوب انصاف کے ساتھ قائم رہنے والے بنو اگرچہ انصاف تمہاری اپنی جانوں یا تمہارے ماں باپ یا تمہارے رشتہ داروں کے خلاف پڑ جائے اور یہاں فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ عَلَىٰ آلَا تَعْدِلُوا﴾ (یعنی ہو جاؤ اچھی طرح سے کھڑے ہو جانے والے اللہ کے لئے، گواہی دینے والے انصاف کے ساتھ، اور تمہیں کسی قوم کا بغض ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو) بات یہ ہے کہ انسان کو عدل و انصاف سے اور سچی گواہی دینے سے روکنے والی دو چیزیں ہوتی ہیں ایک تو اپنا نفس اور اپنے قرابت والوں اور دوستوں کی طرف داری، دوسرے کسی قوم کی دشمنی۔ سورہ نساء میں جس بات کی طرف توجہ دلائی ہے وہ یہ ہے کہ اپنی جانوں اور رشتہ داروں کی رعایت کر کے سچی گواہی سے نہ رکنا اور عدل و انصاف کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دینا، اور سورہ مائدہ کی اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ کسی قوم کا بغض اور دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل و انصاف نہ کرو، مسلمان کے خاص اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ ہمیشہ حق کا ساتھ دے حق کی گواہی دے کبھی کسی حالت میں بھی عدل و انصاف کو نہ چھوڑے۔ مزید تشریح و توضیح کے لئے سورہ نساء کی آیت مذکورہ کی تفسیر اور سورہ مائدہ کی آیت ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا﴾ کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

پھر فرمایا ﴿إِعْدِلُوا ۗ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (انصاف تقویٰ سے قریب تر ہے) جب کوئی شخص عدل و انصاف کی صفت سے متصف ہوگا تو تقویٰ کی صفت سے بھی متصف ہوگا عدل تقویٰ کی طرف اور تقویٰ عدل کی طرف کھینچتا ہے۔ پھر فرمایا ﴿وَ اتَّقُوا اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ اس میں یہ بتایا کہ قیامت کی پیشی کا دھیان رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے جب اللہ کا خوف ہوگا اور یہ یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے عمل کا علم ہے، روز جزا میں پیشی ہوگی اور اعمال کے بدلے ملیں گے تو جھوٹی گواہی سے بچنا سچی گواہی دینا اور انصاف کرنا

آسان ہوگا۔

اس کے بعد ان لوگوں سے اجر عظیم اور مغفرت کا وعدہ فرمایا جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ اختیار کئے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور آیات الہیہ کو جھٹلایا ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ دوزخ والے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ
فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ٥

اے ایمان والو! تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اسے یاد کرو، جبکہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کا ارادہ کیا سو اس نے ان کے ہاتھ کو تم تک پہنچنے سے روک دیا، اور اللہ سے ڈرو، اور چاہئے کہ ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا ایک خاص واقعہ اور اللہ کی نعمت کی یاد دہانی

اسباب النزول ص ۱۸۶ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص جس کا نام غورث تھا اس نے اپنی قوم بنی غطفان اور بنی محارب سے کہا کہ کیا میں محمد (ﷺ) کو قتل نہ کر دوں؟ وہ لوگ کہنے لگے کہ تو کیسے قتل کرے گا اس نے کہا کہ اچانک ایسی صورت بنا کر قتل کر دوں گا کہ اس کی طرف دھیان بھی نہ جائے۔ یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ کی گود میں آپ کی تلوار تھی یہ شخص کہنے لگا اے محمد! (ﷺ) کیا میں آپ کی تلوار دیکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں دیکھ لے! اس نے تلوار لے لی اور نیام سے باہر نکال لی وہ ہاتھ میں تلوار لے کر ہلاتا رہا۔ اور ارادہ کرتا رہا کہ آپ پر حملہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ارادہ میں ناکامی ہوتی رہی۔ پھر وہ کہنے لگا اے محمد! کیا آپ مجھ سے نہیں ڈرتے آپ نے فرمایا نہیں! کہنے لگا کہ آپ مجھ سے نہیں ڈرتے حالانکہ میرے ہاتھ میں تلوار ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ میری حفاظت فرمائے گا اس کے بعد اس نے تلوار نیام میں رکھ دی اور آنحضرت ﷺ کو واپس کر دی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بالانازل فرمائی۔

اللہ جل شانہ نے امت محمدیہ ﷺ کو اپنی نعمت یاد دلانی کہ اس نے ان کے نبی کی حفاظت فرمائی جس میں امت پر بھی انعام و احسان ہے۔
تقویٰ اور توکل کا حکم

آخر میں تقویٰ کا حکم دیا اور ساتھ توکل کا حکم فرمایا کہ اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے تقویٰ اور توکل بہت بڑی چیزیں ہیں۔ اہل ایمان کے سب کام ان دونوں سے چلتے ہیں جسے اللہ پر توکل ہو وہ مخلوق سے نہیں ڈرتا۔ تقویٰ گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔ جو شخص اللہ کی رضا کے لئے گناہوں سے بچے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر مشکل سے بچنے کا راستہ نکال دے گا۔

سورہ طلاق میں فرمایا ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ (اور جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے مشکلوں سے نکلنے کا راستہ بنا دے گا اور اللہ اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں اسے گمان بھی نہ ہو اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کے لئے کافی ہے)۔

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَرَّرْتُمْ أَوْلَادَكُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ

بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ فِيمَا نَقُضِيهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعْنَتُهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ ۚ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَآئِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَأَعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

”اور بلاشبہ اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ نمائندے بھیجے اور اللہ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرو اور اللہ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو میں ضرور تمہارے گناہوں کا کفارہ کر دوں گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ سو اس کے بعد تم میں سے جو شخص کفر اختیار کرے وہ راہ راست سے دور جا پڑا، سوان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو ملعون قرار دے دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت بنا دیا وہ کلمات کو ان کے مواقع سے بدل دیتے ہیں اور وہ اس نصیحت کا بہت بڑا حصہ بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی اور آپ برابر ان کی طرف سے کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے بہ استثناء تھوڑے سے لوگوں کے، سو آپ انہیں معاف فرمائیے اور درگزر کیجئے۔ بلاشبہ اللہ خوبی کا معاملہ کرنے والے کو پسند فرماتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل سے عہد لینا پھر ان کا عہد توڑ دینا

اس سے پہلے مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ سے عہد کیا ہے اور ﴿سَمِعْنَا وَ اطَعْنَا﴾ کہہ کر جو فرمانبرداری کرنے کی ذمہ داری لے لی ہے اس کو پورا کرو۔ ان آیات میں بنی اسرائیل سے جو عہد لیا تھا اس عہد کو پورا کرنے پر جس انعام کا وعدہ فرمایا تھا اس کا ذکر پھر اس عہد شکنی پر جو انہیں سزا ملی اس کا تذکرہ فرمایا۔ اس میں مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ عہد پورا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہو جاتی ہے ایسا نہ کرو کہ عہد شکنی کر کے اپنے اوپر وبال آنے کا ذریعہ بن جاؤ۔

اول یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا (جوان کے نبی سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے لیا گیا تھا) پھر فرمایا کہ ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کر دیئے (بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلہ کا ایک سردار مقرر فرما دیا جو ان کو اللہ کے عہد یاد دلاتا رہے اور عہد پر چلنے کی تلقین کرتا رہے) اللہ تعالیٰ شانہ، نے یہ بھی فرمایا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں مجھے تمہارے ہر عمل کی خبر ہے نیکی اور گناہ ہر چیز کا علم ہے۔

بنی اسرائیل سے جو عہد لیا تھا اسے ﴿لَنْ اَقْمِتُمُ الصَّلٰوةَ﴾ سے ﴿قَرْضًا حَسَنًا﴾ تک بیان فرمایا پھر لا ﴿كَفَرْنَا عَنْكُمْ﴾ سے ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ﴾ تک عہد پورا کرنے کا اجر بتایا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ میں دیتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور رسولوں کی مدد کرتے رہے اور اللہ کو قرض اچھا دیتے رہے تو تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ معلوم ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم پہلی امتوں کو بھی تھا، رسولوں پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد اس لئے لیا کہ بنی اسرائیل میں بہت سے نبی ہوئے ایک نبی چلا جاتا تو دوسرا آجاتا۔ جیسا کہ عنقریب ہی آیت کریمہ ﴿اِذْ جَعَلْنَا فِيكُمْ اَنْبِيَاءَ وَ جَعَلْنَاكُمْ قُلُوبًا﴾ میں اس کا بیان آ رہا ہے انشاء اللہ العزیز!

جب کوئی نبی آجاتا تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ان پر فرض ہو جاتا تھا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا اور ان کے بعد خاتم الانبیاء سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی لیکن بنی اسرائیل عموماً ان دونوں رسولوں کی رسالت کے منکر ہو گئے۔

یہ جو فرمایا ﴿وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مصارف خیر میں بھی خرچ کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو قرض حسن سے تعبیر فرمایا قرض اس لئے فرمایا کہ اس کا بدلہ ادھار ہے جو آخرت میں ملے گا اور حسن اس لئے فرمایا کہ وہ بدلہ بہت

بڑا ہے ذرا سا خرچ کرنے پر آخرت میں بڑے بڑے اجر ملیں گے۔

سورہ حدید میں فرمایا ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ وَ لَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ﴾ (کون ہے جو قرض دے اللہ کو اچھا قرض سو اللہ بڑھا دے اس سے چند در چند اور اس کے لئے اجر ہے بہت عمدہ) یہ اللہ پاک کا کتنا بڑا احسان ہے کہ مال اسی کا دیا ہوا ہے جب کوئی اسے خرچ کرتا ہے (اور خرچ بھی اپنوں پر یا اپنے ہم جنس دوسرے افراد پر) تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ذمہ قرض شمار فرمالتا ہے جس نے دیا اسے تو پورا اختیار ہے سارے مال کو خرچ کرنے کا حکم فرمادے اور ذرا سا بھی اجر نہ دے لیکن یہ محض اس کا کرم ہے کہ جو کچھ اس کی رضا کے لئے خرچ کیا جائے اسے اپنے ذمہ قرض شمار فرمایا اور اس کا اجر خوب بڑھا چڑھا کر دینے کا وعدہ فرمایا۔

پھر فرمایا ﴿فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ (کہ اس کے بعد جو شخص تم میں سے کفر اختیار کرے سو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا) عہد لیتے وقت یہ تنبیہ فرمادی تھی لیکن انہوں نے عہد کو توڑ دیا جس کا ذکر آئندہ آیت میں ہے۔

بنی اسرائیل کی عہد شکنی کا وبال:

پھر بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور اس کے وبال کا تذکرہ فرمایا ﴿فَبِمَا نَقَضْتُمْ مِيثَاقَهُمْ لَعْنَهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَسِيَةً﴾ یعنی چونکہ انہوں نے عہد کو توڑ دیا اس لئے ہم نے ان پر لعنت کر دی یعنی اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا جن میں حق ماننے اور حق کی طرف متوجہ ہونے اور حق قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہ رہی، اس ملعونیت اور قساوت قلب کی وجہ سے وہ حضرات انبیاء کرام ﷺ کی تکذیب بھی کرتے تھے اور انہیں قتل بھی کرتے تھے، اپنی اسی عادت کے مطابق انہوں نے خاتم النبیین ﷺ کی بھی تکذیب کی اور یہ جانتے ہوئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں حضرت کے منکر ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿بَلْ لَعْنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ﴾ (بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی سو ان میں کم ہیں جو مومن ہوں گے) ان کی قساوت قلبی کا ذکر فرماتے ہوئے سورہ بقرہ میں فرمایا ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً﴾ (اور پھر تمہارے دل سخت ہو گئے سو وہ پتھروں کی طرح ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت ہیں) جب انسان بار بار گناہ پر گناہ کرتا رہے تو اس میں سرکشی کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور اس سرکشی سے دل میں قساوت اور سختی آ جاتی ہے جس کی وجہ سے توبہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور موعظت اور نصیحت کی بات بھی بری لگتی ہے اللہ پاک نے اہل ایمان کو توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَ كَثِيرٌ مِنْهُمْ فُسِقُونَ﴾ (کیا ایمان والوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت کے لئے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتاب ملی تھی پھر ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا پھر ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی ان میں سے فاسق ہیں)

یہودیوں کا توریت شریف میں تحریف کرنا

مزید یہود کی شناخت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ﴿يَحْرَفُونَ الْكَلِمَةَ عَنْ مَوَاضِعِهِمْ وَ نَسُوا حَظًّا ذِكْرُوا بِهِ﴾ (یہ لوگ کلمات کو بدلتے ہیں ان کو مواقع سے اور انہوں نے ایک بڑا حصہ چھوڑ دیا جس کے ذریعہ انہیں نصیحت کی گئی) اس میں یہودیوں کی قساوت قلبی اور سخت دلی کا بیان فرمایا کہ ان کے دل ایسے سخت ہو گئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیا۔ ان کے علماء توریت شریف کو بدلتے تھے اور جو کچھ اپنے پاس سے بناتے اور لکھتے تھے اپنی عوام سے کہتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ عوام کو راضی رکھ کر ان سے پیسے لے لینا اور علم کی بجائے ان کو جہل میں مبتلا کر دینا اور ہدایت کی بجائے انہیں گمراہی پر ڈالنا اور اللہ سے ڈرنا آخرت کے حساب و کتاب سے بے پرواہ ہو جانا کتنی بڑی قساوت ہے لیکن انہیں اس کا کچھ احساس نہیں۔

جب تحریف کر لی تو توریت شریف کا بہت بڑا حصہ ان کے حافظہ سے نکل گیا جو شخص اپنی تحریف کو اصل میں ملانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اصل کتاب کے الفاظ و معانی سے محروم ہو جاتا ہے۔

یہود کی خیانتیں

پھر فرمایا ﴿وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ﴾ (اور آپ ہمیشہ ان کی طرف سے کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے۔ سوائے تھوڑے سے لوگوں کے) اس میں یہود کی خیانت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ برابر یہ خیانتیں کرتے رہیں گے اور آپ کی ان کی خیانتوں کا علم ہوتا رہے گا خیانت ان کے مزاج میں داخل ہو گئی ہے ان کے اسلاف نے خیانتیں کیں۔ حدیہ کہ اللہ کی کتاب میں بھی تحریف کر بیٹھے جو بہت بڑی خیانت ہے۔ ان کے اخلاف (موجودہ یہودی) اس عادت کو چھوڑیں گے نہیں ہاں ان میں سے چند لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں (حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ) یہ حضرات خیانت سے دور ہو گئے اور صفت ایمان نے ان کو امانت دار بنا دیا۔ ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (آپ ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوبی کا معاملہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)

صاحب روح المعانی ج ۶ ص ۹۰ پر اسکی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں اِذَا تَابُوا اَوْ بَدَلُوا الْجُذِيَّةَ۔ یعنی جب وہ توبہ کر لیں (اسلام قبول کر لیں اور خیانت سے باز آجائیں) یا جزیہ ذے کر عہد کی پابندی کرتے رہیں تو ان کو معاف کیجئے درگزر کیجئے اگر یہ معنی لئے جائیں تو آیت میں کوئی نسخ نہیں ہے۔ اس کے بعد صاحب روح المعانی نے علامہ طبری سے یہ نقل کیا ہے کہ معافی اور درگزر کرنے کا حکم پہلے تھا جب کافروں سے جنگ کرنے کا حکم آ گیا تو منسوخ ہو گیا۔ صاحب بیان القرآن ﷺ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب تک شرعی ضرورت نہ ہو ان کی خیانتوں کا اظہار اور ان کی فضیحت نہ کیجئے یہ معنی ﴿يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ سے قریب تر ہے۔

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۖ فَأَخْرَبْنَا بَيْنَهُمُ
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۗ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١٣﴾ يَا أَهْلَ
الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ
كَثِيرٍ ۗ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴿١٤﴾ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ بِرِضْوَانِهِ لِيُخْرِجَهُ
السَّلَامِ وَيُخْرِجَهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٥﴾ لَقَدْ كَفَرَ
الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۗ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ
يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ
مَا بَيْنَهُمَا ۗ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦﴾

”اور جن لوگوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں ان سے ہم نے پختہ عہد لیا سو وہ اس چیز کا بڑا حصہ بھول گئے جس کے ذریعہ ان کو نصیحت کی گئی سو ہم نے قیامت کے دن تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض کو ڈال دیا اور عنقریب اللہ انہیں جتلا دے گا جو کام وہ کیا کرتے تھے، اے اہل کتاب تحقیق آیات تمہارے پاس ہمارا رسول جو تم سے بہت سی ان چیزوں کو بیان کرتا ہے جن کو تم اللہ کی کتاب میں چھپاتے تھے اور بہت سی

چیزوں سے درگزر کرتا ہے، بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور ایک ایسی کتاب آئی ہے جو واضح بیان کرنے والی ہے، اللہ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے بتاتا ہے جو اس کی رضامندی کی طلب میں لگے رہتے ہیں اور ان کو اپنے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور انہیں سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ البتہ تحقیق انہوں نے کفر کیا جنہوں نے یوں کہا کہ بیشک اللہ مسیح ابن مریم ہے، آپ فرمادیتے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ کو اور جو کچھ بھی زمین میں ہے ان سب کو ہلاک فرمانے کا ارادہ فرمائے تو کون ہے جو انہیں اللہ سے بچا سکے اور اللہ ہی کے لیے ہے ملک، آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

نصاری سے عہد لینا اور ان کا اس کو بھول جانا

ان آیات میں نصاریٰ کی طرف سے روئے سخن ہے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں ان سے بھی ہم نے پختہ عہد لیا وہ لوگ بھی عہد پر قائم نہ رہے جو کچھ انکو نصیحتیں کی گئی تھیں ان میں سے ایک بہت بڑا حصہ بھول گئے ان کے اس عہد کو توڑنے اور جو نصیحتیں کی گئی تھیں ان کے بھولنے کی وجہ سے ہم نے ان کے درمیان دشمنی اور بغض کو ڈال دیا وہ قیامت تک آپس میں دشمن رہیں گے اور ایک دوسرے سے بغض رکھیں گے۔ نصاریٰ میں متعدد فرقے تھے اور اب بھی ہیں ان میں سے بعض کا یہ کہنا تھا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہے، اس طرح سے اتحاد ذاتی کے قائل تھے اور ایک فرقہ کہتا تھا کہ تین معبود ہیں اللہ اور مریم اور عیسیٰ ابن مریم، یہود کی طرح نصاریٰ بھی نصیحت کا بہت بڑا حصہ چھوڑ بیٹھے اور اسے بھول بھلیاں کر دیا، اس نصیحت میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا بھی تھا جن کے بعثت کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اور جن کی نبوت اور رسالت کی خبر توریت اور انجیل میں دی گئی تھی۔ ﴿الَّذِينَ يَجِدُونَكَ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ﴾ اس عہد شکنی اور خلاف ورزی کی انہیں سزا مل گئی اور ملتی رہے گی۔ پھر ارشاد فرمایا ﴿وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ یعنی عنقریب انہیں جتلا دے گا جو کام وہ کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ دونوں) کو خطاب فرمایا کہ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول اللہ ﷺ آیا ہے وہ بہت سی وہ باتیں بیان کرتا ہے جو اللہ کی کتاب میں سے تم چھپاتے تھے۔ اور بہت سی چیزوں سے درگزر کرتا ہے اس رسول کا اتباع فرض ہے، مزید فرمایا کہ تمہارے پاس اللہ کا نور آیا ہے اور واضح بیان کرنے والی کتاب آئی ہے، نور سے مراد سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے دونوں کے ذریعہ اللہ سلامتی کے راستہ کی ہدایت فرماتا ہے یہ ہدایت ان لوگوں کو ملتی ہے جو رضائے الہی کے طالب ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت بھی دیتا اور طرح طرح کے اندھیروں سے نکال کر (جو شرک و کفر کی صورت میں باطل افکار اور ابواء کی وجہ سے انسان کو گھیر لیتی ہیں) نور کی طرف لے آتا ہے۔ کفر کے راستے چونکہ بہت سے ہیں لفظ ظلمات بصیغہ جمع استعمال فرمایا اور نور چونکہ ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت اس لئے لفظ نور کو واحد لایا گیا۔

نصاری کا کفر جنہوں نے مسیح ابن مریم کو معبود بنایا

اس کے بعد نصاریٰ کی گمراہی بیان فرمائی ان میں سے ایک فریق کہتا تھا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہے ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں کو اور روئے زمین کے تمام افراد کو ہلاک کرنا چاہے تو انہیں کون بچا سکتا ہے چونکہ وہ لوگ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ علیہما السلام کی موت کے قائل تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کو اللہ نے موت دی ہے اس لئے ان سے سوال کر کے خود ان پر حجت قائم کی گئی جسے موت آجائے وہ کیسے خدا ہو سکتا ہے۔ (اور لفظ ان ارد اس لیے فرمایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں) اگرچہ یہود و نصاریٰ ان کی موت کے قائل ہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَلِلَّهِ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ کہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور جو

کچھ ان کے درمیان ہے، جو مملوک ہو وہ کیسے معبود ہو سکتا ہے اور اپنے خالق کے ساتھ الوہیت میں کیسے شریک ہو سکتا ہے (اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے وہ جو چاہے پیدا فرمائے اس نے مریم کو بھی پیدا فرمایا اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھی پیدا فرمایا چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عادت معروفہ کے مطابق نہ تھی اس لئے وہ ان کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ مخلوق معبود نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا وجود اس کے خالق کا دیا ہوا ہے۔ خالق جل مجدہ، نے جس طرح بھی وجود دیا ہو بہر حال مخلوق ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرما کر اپنی قدرت دکھادی اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عین خدایا مستقل معبود ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ نور بھی تھے اور بشر بھی

آیت بالا میں جو ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ فرمایا ہے اس میں نور سے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے۔ نور روشنی کو کہتے ہیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالم کفر و شرک کی تاریکیوں سے بھرا ہوا تھا تو حید کے ماننے والے خال خال ہی دنیا کے کسی گوشہ میں اکادکا پائے جاتے تھے، خاتم النبیین شمس الرسالتہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ نے توحید کی دعوت دی اور اس بارے میں بہت زیادہ محنت اور بڑی مشقتیں اٹھائیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سارا عالم جگمگا اٹھا کفر و شرک کی ظلمتیں چھٹ گئیں اور ایمان و یقین کے نور سے قلوب منور ہو گئے۔

بَلَّغَ الْعُلَىٰ بِكَمَالِهِ كَشَفَ الدُّجَىٰ بِجَمَالِهِ حَسَنَتْ جَمِيعُ خِصَالِهِ صَلَّىٰ عَلَيْهِ وَآلِهِ

بہت سے لوگ نور ہونے کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ بشر نہیں تھے ان کی جاہلانہ بات سے قرآن کریم کی یہ آیت ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا﴾ (آپ فرمادیتے تھے کہ میں اپنے رب کی پاکی بیان کرتا ہوں میں نہیں ہو مگر بشر رسول) کا انکار لازم آتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ فرمادیں کہ میں بشر ہوں رسول ہوں۔ لیکن محبت کے دعویدار کہتے ہیں کہ بشر نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو جھٹلاتے ہیں پھر بھی اسلام کے دعوے دار ہیں اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

فائدہ: یہ جو فرمایا ﴿يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ﴾ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا طالب ہوگا اللہ تعالیٰ اسے ضرور ہدایت عطا فرمائے گا جو لوگ اسلام کے مخالف ہیں اور جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں (لیکن ضروریات دین کے منکر ہیں) انہیں علماء اسلام متنبہ کرتے ہیں کہ تمہارے عقائد کفریہ ہیں لیکن انہوں نے ضد اور عنار کمر باندھ رکھی ہے ہداهم اللہ تعالیٰ۔

فائدہ: جنت میں لے جانے والے اعتقادات اور اعمال کو ﴿سُبُلَ السَّلَامِ﴾ فرمایا اور جنت کو دار السلام فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا نام اسلام رکھا اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام السلام بھی ہے اور جب مسلمانوں میں آپس میں ملاقات ہو اس کے لئے سلام کو مشروع فرمایا اور فرض نمازوں کے بعد دعا ﴿اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ﴾ (اخیر تک) تعلیم فرمائی درحقیقت اللہ کے دین میں سلامتی ہی سلامتی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿١٨﴾ يَا هَلْ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ۗ وَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٩﴾

”اور یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں آپ فرمادیتے تھے کہ پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کے سبب کیوں عذاب دے گا؟ بلکہ تم اس کی مخلوق میں سے بشر ہو وہ بخشنے گا جس کو چاہے اور عذاب دے گا جس کو چاہے، اور اللہ ہی کا ملک ہے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو ایسے وقت میں تمہارے لیے بیان کرتا ہے جبکہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تا کہ تم یوں نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا، سو تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

یہود و نصاریٰ کی گمراہی جنہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے پیارے ہیں

ان آیات میں اول تو یہود و نصاریٰ کا ایک دعویٰ باطلہ نقل فرمایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب اور پیارے ہیں (والعیاذ باللہ) یہ بھی ان کے اپنے تراشیدہ باطل دعویوں میں سے ایک دعویٰ ہے۔ شیطان انسان کے پیچھے پڑا رہتا ہے ایمان اور اعمال صالحہ سے روکنے اور باز رکھنے کے لئے طرح طرح کی باتیں سمجھاتا ہے انہیں باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے یہود و نصاریٰ کو یہ سمجھایا کہ تم تو اللہ کی اولاد ہو اور اس کے محبوب ہو، تم رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ کیسے ہی اعمال کرو تمہارا سب کچھ معاف ہے۔ ان لوگوں نے شیطان کی اس بات کو مان لیا اور اپنے بارے میں عقیدہ رکھ لیا کہ ہم اللہ کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں اسی لئے ہم کو عذاب نہیں ہوگا۔ دروغ گورا حافظہ نہ باشند۔ تفسیر قرطبی ص ۶۲۰ میں لکھا ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ یہود کے پاس تشریف لائے اور ان کو دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کی طرح مانیں اور اس کے عذاب سے ڈریں۔ یہ سن کر کہنے لگے کہ اے محمد! ہمیں کیا ڈراتے ہو ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب ہیں۔ نصاریٰ نے یہ بات کہی تھی کہ یہود بھی کہنے لگے، اس پر اللہ جل شانہ نے آیت ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول نقل فرمایا کہ ان کی تردید فرمائی جو الزامی جواب کے پیرایہ میں بھی ہے اور وہ یہ کہ ﴿فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ﴾ (آپ ان سے فرمادیتے تھے کہ پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کے سبب کیوں عذاب دیگا) جب تم اس کے بیٹے اور محبوب ہو تو عذاب سے کیوں ڈرتے ہو۔ عذاب کے اقراری بھی ہو کیونکہ تم ﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً﴾ بھی کہتے ہو۔ کوئی شخص اپنے بیٹے یا محبوب کو ایک منٹ کیلئے بھی دنیا والی آگ میں ڈالنے کو تیار نہیں اور تم کہتے ہو کہ ہم چند دن کے لئے آخرت کے عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ جھوٹے کو کچھ خیال نہیں رہتا کہ میں نے پہلے کیا کہا تھا۔ نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تنبیہ فرمائی تھی کہ ﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ﴾ (بلاشبہ جو شخص شرک کرے اللہ کے ساتھ تو اللہ اس پر جنت کو حرام فرمادے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے) شرک بھی کر لیا اللہ کی اولاد بھی تجویز کر دی جو حسب تصریح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دوزخ میں داخل ہونے کا ذریعہ ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور محبوب ہیں ہمیں عذاب نہیں ہوگا اللہ کے نبی نے یہ فرمایا کہ مشرک دوزخ میں داخل ہوگا اور نبی کا فرمانا برحق ہے اور تم یہ کہتے ہو کہ ہمیں عذاب نہ ہوگا نبی کی تکذیب کفر ہے اور باعث دخول نار ہے۔

اس کے بعد فرمایا ﴿بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ کہ تم بھی اللہ کی مخلوق میں سے ہو۔

بشر ہو آدمی ہو جیسے دوسرے انسان ہیں ایسے ہی تم ہو جیسے دوسروں سے اللہ کا کوئی رشتہ ناٹھ نہیں ہے تم سے بھی نہیں اس کا بیٹا تو کوئی ہو نہیں سکتا۔ رہا محبوب ہونا تو محبوبیت کا تعلق ایمان اور اعمال صالحہ سے ہے اللہ کے رسول ﷺ کی تکذیب کر کے کافر بنے ہوئے ہو پھر بھی محبوب ہونے کا دعویٰ ہے یہ بہت بڑی گمراہی ہے ﴿يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ﴾ (اللہ تعالیٰ جس کو چاہے مغفرت فرمائے اور

علامہ قرطبی اپنے تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے یُعَذِّبُكُمْ کو عَذَّبَكُمْ کے معنی میں لیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے دعویٰ کے اعتبار سے اللہ کے بیٹے ہو اور محبوب ہو تو تمہیں مسخ کر کے بند اور خنزیر کیوں بنا دیا اور تم سے پہلے جو یہود و نصاریٰ گزرے ہیں تمہارے ہی جیسے تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے عذابوں میں کیوں مبتلا فرمایا۔ (تفسیر القرطبی ص ۱۲۱ جلد ۲)

جنے چاہے عذاب دے) کوئی شخص بھی اس سے زبردستی بخشش نہیں کروا سکتا۔ ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ اور اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اس کا قانون ہے کہ مشرک اور کافر کی بخشش نہ ہوگی۔ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہاں جھوٹے دعوے جھوٹی باتیں سب سامنے آ جائیں گی اور ان پر عذاب ہوگا۔ یوم الحساب کو سامنے رکھو اور جھوٹ اور افتراء پر دازی سے باز آ جاؤ۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت ایسے وقت میں ہوئی جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ کئی سو سال سے منقطع تھا

اس کے بعد فرمایا ﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاَءَكُمْ رَسُوْلُنَا يَبِيْنٌ لَّكُمْ عَلٰى فِتْرَةٍ مِّنَ الرَّسُوْلِ﴾ کہ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آیا جو واضح طور پر تمہیں بتاتا ہے اور اس کی آمد ایسے وقت میں ہوئی جبکہ رسولوں کے آنے کا سلسلے (مدت دراز سے) موقوف تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے نبیوں کی تشریف آوری کا سلسلہ جاری تھا ایک نبی وفات پا جاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی مبعوث ہو جاتا تھا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد سلسلہ نبوت منقطع ہو گیا تھا انہوں نے بشارت دی تھی کہ میرے بعد ایک رسول آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا۔ احمد سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا دوسرا نام ہے۔

حضرت عیسیٰ رسول اللہ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں تھا، سورہ مائدہ کی آیت میں جو ﴿عَلٰى فِتْرَةٍ مِّنَ الرَّسُوْلِ﴾ ہے اس سے اور سورہ صف میں جو ﴿مُبَشِّرًا بِرَسُوْلِ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِيْ اِسْمُهُ اَحْمَدُ﴾ ہے اس سے یہی معلوم ہوتا کہ ان دونوں حضرات کے درمیان کوئی نبی نہیں تھا۔ بلکہ صحیح بخاری ص ۸۴۹ ج ۲ میں اس کی تصریح ہے کہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور فرمایا لَيْسَ بَيْنَنَا نَبِيٌّ کہ ہمارے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔

بعض علماء نے بعض ایسے اشخاص کے بارے میں نبی ہونے کا احتمال کیا ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ سے کچھ عرصہ پہلے گزرے تھے جن میں خالد بن سنان ایک نام ذکر کیا جاتا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ صحیح اور صریح حدیث کے خلاف ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے اور بعض حضرات نے ان کی شخصیت کے موجود ہونے ہی میں شک کیا ہے۔ بہر حال اگر وہ نبی تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے۔

فِتْرَةٌ مِّنَ الرَّسُوْلِ كَا زَمٰنِهٖ كَتَنَّا تَهَا

زمانہ فترہ جس میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے آنے کا سلسلہ منقطع رہا اس کی کتنی مدت تھی اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ امام بخاری نے اپنی سند سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان چھ سو سال کا فاصلہ تھا۔ (بخاری ص ۵۶۲ ج ۳)

بعض حضرات نے پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ بتایا ہے۔ ان ونوں میں اسی طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عیسیٰ کے رفع سماء کے بعد سے آنحضرت ﷺ کے بعثت تک چھ سو سال مراد لئے ہوں اور جس نے پانچ سو سال والی بات کہی ہے اس نے آپ کی ولادت تک کا زمانہ مراد لیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مفسر ابن کثیر نے ص ۳۵ ج ۲ میں ایک قول چھ سو بیس سال کا بھی نقل کیا ہے اور پھر فرمایا ہے کہ چھ سو اور چھ سو بیس میں کوئی منافات نہیں جس نے چھ سو سال کہا اس نے چھ سو سال شمسی مراد لئے ہیں اور جس نے چھ سو بیس کہا اس نے چھ سو بیس قمری مراد لئے ہیں کیونکہ سو سال شمسی میں (تقریباً) تن سال قمری زائد ہو جاتے ہیں۔ یہ جو فترہ کا زمانہ تھا اس میں جہالت کفر و شرک اور گمراہی کا جو حال تھا اس کے بارے میں جامع الفاظ میں مفسر ابن کثیر نے کیسی اچھی تعبیر کی ہے وہ فرماتے ہیں۔

والمقصود ان اللہ بعث محمدًا علیٰ فترۃ من الرسل وطموس من السبل وتغیر الادیان وکثرة عبادة الاوثان

والنيران والصلبان فكانت النعمة به اتم النعم والحاجة امر عمم فان الفساد كان قد عم جميع البلاد، والطغيان والجهل قد ظهر في سائر العباد الا قليلا من المتمسكين ببقايا من دين الانبياء الاقدمين من بعض احوار اليهود وعباد النصارى و الصابئين ۵ (ص ۳۵ ج ۲)

(یعنی اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو ایسے وقت مبعوث فرمایا جب رسولوں کی آمد کا سلسلہ منقطع تھا اور ہدایت کے راستے مٹ گئے تھے اور دین بدل گئے تھے اور بت پرستی اور آتش پرستی اور صلیب پرستی کی کثرت ہو گئی تھی لہذا آپ کو مبعوث فرمانا اللہ تعالیٰ کی کامل ترین نعمت ہے اور آپ کی تشریف لانے کی سب کو ضرورت تھی تمام شہروں میں فساد عام تھا، سرکشی اور جہالت تمام بندوں میں پھیل گئی تھی بجز چند ایسے لوگوں کے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے دین کی باقیات کو پکڑے ہوئے تھے جن میں بعض احوار یہود تھے اور بعض وہ لوگ تھے جو نصاریٰ اور صابین میں سے اللہ کی عبادت میں لگے ہوئے تھے۔ حضرت عیاض بن حمار مجاشعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ میرے رب نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہیں ان چیزوں میں سے بتادوں جو چیزیں آج اللہ نے مجھے تعلیم دی ہیں اور وہ تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو مال میں کسی بندہ کو دوں وہ اس کے لئے حلال ہے (لوگوں کے اپنے طور پر حرام قرار دینے سے اللہ کا دیا ہوا مال حرام نہ ہوگا۔ مشرکین بعض چیزوں کو حرام قرار دیتے تھے جو اللہ کے قانون میں حلال تھیں ان کی تردید فرمائی) اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ بھی فرمایا کہ میں اپنے بندوں کو دین حق پر پیدا کیا اور ان کے پاس شیاطین آگئے جنہوں نے ان کو ان کے دین سے ہٹا دیا۔ اور شیاطین نے ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کے لئے حلال کی تھیں اور شیاطین نے ان کو حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ شرک کریں جس کی میں نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ (پھر فرمایا کہ) بلاشبہ اللہ نے زمین والوں کو دیکھا تو عرب اور عجم سب کو بہت زیادہ مبغوض قرار دیا بجز ان چند لوگوں کے جو اہل کتاب میں باقی رہ گئے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہیں رسول بنا کر بھیجتا ہوں تاکہ تم کو آزمائش میں ڈالوں اور تمہارے ذریعہ دوسروں کو آزمائوں اور میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی جسے پانی نہیں دھویگا۔ (کیونکہ وہ سینوں میں محفوظ ہوگی) آپ اسے سوتے ہوئے بھی پڑھو گے اور جاگتے ہوئے بھی، پھر فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں قریش کو جلا دوں میں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! ایسا کرنے سے تو وہ میرا سر پھوڑ دیں گے اور اسے کچل کر روٹی کی طرح بنا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم انہیں (جنگ کیلئے) نکالو جیسے انہوں نے تمہیں نکالا اور ان سے جنگ کرو، ہم تمہاری مدد کریں گے اور خرچ کرو، ہم تم پر خرچ کریں گے اور تم اپنا لشکر بھیجو ہم اس سے پانچ گناہ زیادہ لشکر بھیجیں گے۔ (المحدث راوہ مسلم ص ۳۸۵ ج ۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ فترہ میں چند ہی لوگ تھے جو توحید پر قائم تھے اور ان کے علاوہ عرب اور عجم کے لوگ مشرک اور گمراہ تھے اللہ جل شانہ نے کرم فرمایا نبی آخر الزمان سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ کی مشقتوں اور محنتوں اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی قربانیوں اور مجاہدوں سے کفر کی فضائیں چھٹ گئیں شرک کی جگہ توحید پھیل گئی، لوگوں پر ایمان اور کفر پوری طرح واضح ہو گیا۔ حق اور ہدایت کے راستے کھل گئے عرب و عجم کے شہروں میں اور دیہاتوں میں اور دو افتادہ قبیلوں میں ایمان کی لہریں دوڑ گئیں اور قلوب ہدایت کے نور سے جگمگا اٹھے۔

اللہ تعالیٰ نے سب پر اپنی حجت پوری فرمادی کسی کو یہ بات کہنے کا موقع اور بہانہ نہ رہا کہ ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا تھا ﴿فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ﴾ (سو تمہارے پاس بشیر و نذیر آ گیا) کسی بھی حجت اور حیلے سازی کا بہانہ نہ رہا جو نبی آخر الزمان ﷺ کو نہ مانے وہ عذاب دائمی کا مستحق ہوگا۔ ﴿وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے) اسے پوری قدرت ہے کہ اپنے نافرمانوں کو سزا دے اور فرمانبرداروں کو انعامات سے نوازے۔

وَ إِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيكُمْ اَنْبِيَاءً وَ جَعَلَكُمْ
 مُّؤْتَاكًا وَ اَنْتُمْ كَاٰفِرُونَ ﴿۱۰﴾ لِقَوْمِهِ اذْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي
 كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوا عَلٰى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالُوا يٰمُوسٰى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا
 جَبّٰرِيْنَ ؕ وَاِنَّا لَن نُّدْخِلُهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ؕ فَاِنْ يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ
 رَجُلِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا اذْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمُْوْهُ فَاِنَّكُمْ
 عَلَيْهِمْ ؕ وَ عَلٰى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنَّ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوا يٰمُوسٰى اِنَّا لَن نُّدْخِلُهَا اَبَدًا مَا
 دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلْ اِنَّا هُمْ اَقْعُدُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَا اَمْلِكُ اِلَّا
 نَفْسِيْ وَ اَخِيْ قَافِرُقِيْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُّحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ
 سَنَةً يَّتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۗ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۶﴾

”اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو اس نے تمہیں عطا فرمائی جبکہ اس نے تم میں انبیاء بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا۔ اور تم کو وہ کچھ دیا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا، اے میری قوم! مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور پیچھے واپس مت لوٹو ورنہ نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے، وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ! یہ واقعی بات ہے کہ اس سرزمین میں بڑے زبردست لوگ ہیں، اور بیشک ہم اس بستی میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک لوگ نہ نکل جائیں۔ سو اگر وہ اس سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو جائیں گے۔ دو آدمیوں نے کہا جو ڈرنے والے تھے اللہ نے ان پر انعام فرمایا تھا کہ تم لوگ ان پر دروازے سے داخل ہو جاؤ۔ سو جب تم اس میں داخل ہوں گے تو بلاشبہ تم غلبہ پانے والے ہوں گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو، وہ کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام! ہم ہرگز کبھی بھی اس میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ لوگ اس میں موجود ہیں لہذا تو اور تیرا رب دونوں جائیں پھر دونوں جنگ کر لیں بے شک ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ موسیٰ نے کہا اے میرے رب! بے شک میرے بس میں صرف میری جان اور میرا بھائی ہے، لہذا ہمارے اور فاسق قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو یہ سرزمین ان لوگوں پر چالیس سال تک حرام رہے گی۔ زمین میں حیران پھرتے رہیں گے سو آپ نا فرمان قوم پر رنج نہ کیجئے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا اور انہیں ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم دینا اور ان کا اس سے انکاری ہونا

ان آیات میں بنی اسرائیل کا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے، اس واقعہ میں عبرت اور اس بات کی دلیل بھی ہے کہ بلاشبہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول ہیں سورہ مائدہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی وہاں یہود موجود تھے انہیں اپنے آباؤ اجداد کے قصے معلوم تھے، آنحضرت ﷺ کا ایسے واقعات کو بتانا (جن کے جاننے کا آپ کے لئے وحی کے سوا کوئی راستہ نہ تھا) اس امر کی صریح دلیل ہے کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں، یہودیوں میں سے چند افراد ہی ایمان لائے مگر حجت سب پر پوری ہو گئی۔

واقعہ یہ ہے کہ جب فرعون کا لشکر سمندر میں ڈوب کر ختم ہو گیا اور فرعون بھی ہلاک ہو گیا اور بنی اسرائیل سمندر پار ہو کر شام کے علاقہ میں

داخل ہو گئے تو اب انھیں اپنے وطن فلسطین میں جانا تھا یہ لوگ کئی سو سال کے بعد مصر سے واپس لوٹے تھے، ”جائے خالی را دیومی گیرد“، ان کے پیچھے عمالقہ نے ان کے وطن پر قبضہ کر لیا تھا یہ لوگ قوم عاد کا بقیہ تھے اور بڑے قد و قامت اور بڑے ذلیل ڈول والے اور قوت و طاقت والے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے مقدر فرمادیا تھا کہ یہ سرزمین بنی اسرائیل کو ملے گی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اول تو انکو اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں اور انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر بڑی بڑی مہربانیاں ہیں۔ آئندہ زمانہ میں تم میں کثرت کے ساتھ نبی ہوں گے اور تم میں بہت سے بادشاہ ہوں گے اس نعمت کے رکھ رکھاؤ کے لئے اپنی جگہ ہونی چاہئے جس میں حضرات انبیا کرام علیہم السلام آزادی کے ساتھ تبلیغ کر سکیں اور احکام الہیہ پہنچا سکیں اور جس میں تمہارے بادشاہ اپنے اقتدار کو کام میں لاسکیں اور معاملات کو نمٹا سکیں۔ اب تک تم قبط (مصری قوم) کے ماتحت تھے۔ جنہوں نے تمہیں غلام بنا رکھا تھا اب تم اپنے وطن میں داخل ہو جاؤ یہ مقدس سرزمین تمہارے لئے اللہ نے مقدر فرمادی ہے، تم پشت پھر کر واپس نہ ہو آگے بڑھو۔ جنگ کرو، جن لوگوں نے قبضہ کر رکھا ہے وہ وہاں سے نکل جائیں گے ہمت کرو اور حوصلہ سے کام لو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ اس موقع پر چند آدمی بطور نقیب قوم عمالقہ کی خبر لینے کے لئے بھیجے گئے تھے انہوں نے جو عمالقہ کا ذلیل ڈول اور قد و قامت دیکھا تو واپس آ کر موسیٰ علیہ السلام سے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کا حال پوشیدہ رکھو لشکر والوں میں سے کسی کو نہ بتانا ورنہ بزوری اختیار کر لیں گے اور لڑنے سے گریز کریں گے، لیکن وہ نہ مانے انہوں نے اپنے اپنے رشتہ داروں کو بتا دیا البتہ ان میں سے دو حضرات یعنی حضرت یوشع بن نون اور حضرت کالب بن یوقنا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات پر عمل کیا اور نہ صرف یہ کہ بنی اسرائیل سے عمالقہ کا حال پوشیدہ رکھا بلکہ بنی اسرائیل کو ہمت اور حوصلہ دلایا کہ چلو آگے بڑھو دروازہ میں داخل ہو! دیکھو اللہ کی کیسی مدد ہوتی ہے تم داخل ہو گے تو وہ نکل بھاگیں گے اور تم کو غلبہ حاصل ہوگا اگر مومن ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو مومن کا کام اللہ پر توکل کرنا ہے۔ پیچھے ہٹنا نہیں ہے خصوصاً جبکہ تمہیں بشارت دی جا رہی ہے کہ یہ زمین اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے تو پھر کیوں پشت پھرتے ہو۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی سمجھایا اور یوشع بن نون، اور کالب نے بھی زور دیا کہ چلو آگے بڑھو لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔ آپس میں کہنے لگے کہ کاش! ہم مصر سے نہ آتے وہیں رہ جاتے (جب غلامی کا ذہن بن جاتا ہے اور ذلت اور پستی دلوں میں رچ اور تچ جاتی ہے تو انسان تھوڑی سی تکلیف سے جو عزت ملے اس کی بجائے ذلت کو ہی گوارا کر لیتا ہے) دھاڑیں مار کر رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم مصر ہی میں ہوتے تو اچھا تھا، کبھی کہتے تھے کہ کاش! ہم اسی جنگل میں مرجاتے اور ہمیں عمالقہ کی سرزمین میں داخل ہونے کا حکم نہ ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے برملا کہہ دیا کہ ہم ہرگز اس سرزمین میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہاں سے نہ نکل جائیں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو سکتے ہیں۔ (گویا یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر احسان ہے کہ وہ نکلیں گے تو ہم داخل ہو جائیں گے) انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی کہا کہ جب تک وہ لوگ اس میں موجود ہیں ہم ہرگز کبھی بھی اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ (لڑنا ہمارے بس کا نہیں) تو اور تیرا رب دونوں جا کر لڑ لیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کا یہ ڈھنگ دیکھا اور ان کے ایسے بے تگے جواب سنے تو بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا بس ان لوگوں پر نہیں چلتا، مجھے اپنے نفس پر قابو ہے اور میرا بھائی یعنی ہارون علیہ السلام بھی فرماں برداری سے باہر نہیں ہم دونوں کیا کر سکتے ہیں لہذا ہمارے اور فاسقوں کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ یہ سرزمین ان لوگوں پر چالیس سال تک حرام ہے اپنی حرکتوں کی وجہ سے اس وقت داخلہ سے محروم کئے جا رہے ہیں۔ اس چالیس سالہ مدت میں زمین میں حیران پھرتے رہیں گے، چنانچہ چالیس سال تک چھ فرسخ یعنی اٹھارہ میل جگہ میں گھومتے رہے صبح کو جہاں سے چلتے تھے شام کو وہیں کھڑے ہوئے تھے اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ اس عرصہ میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی وفات بھی ہو گئی اور اس وقت جتنے بنی اسرائیل موجود تھے تقریباً سب کو اسی میدان میں اس چالیس سالہ مدت کے اندر اپنے اپنے وقت پر موت آ گئی، البتہ حضرت یوشع اور حضرت کالب زندہ تھے اور جب چالیس سال پورے ہو گئے اور نئی نسل تیار ہو گئی تو حضرت یوشع علیہ السلام کی سرکردگی میں وہ مقدس سرزمین فتح ہوئی اور بنی اسرائیل اس میں داخل ہوئے۔ (من ابن کثیر و معالم التنزیل)

فوائد متعلقہ واقعہ بنی اسرائیل

(۱) یہ جو فرمایا ﴿وَأَتَاكُمْ مَائِدًا يَوْمَ أَحَدَا مِنَ الْعَالَمِينَ﴾ (اور تم کو وہ دیا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا) بظاہر اس سے جو یہ ایہام ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو باقی تمام امتوں پر فضیلت دے دی گئی (حالانکہ امت محمدیہ سب سے افضل ہے) اس ایہام کا دفعیہ یوں ہے کہ بنی اسرائیل کے زمانہ تک جو امتیں تھیں ان کو جو عطا فرمایا تھا ان میں سے سب سے زیادہ بنی اسرائیل کو دیا تھا۔ اگلی کچھلی تمام امتیں اس سے مراد نہیں ہیں اسی لئے مفسرین کرام الْعَالَمِينَ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی عالمی زمانہم۔ اور صاحب معالم التنزیل نے مجاہد سے یوں نقل کیا ہے یعنی المن و السلوی والحجر و تظلیل الغمام۔ یعنی آیت میں جو یہ فرمایا کہ تمہیں وہ کچھ یا ہے جو کسی کو نہیں دیا اس سے من و سلوی نازل فرمانا اور پتھر سے پانی کا چشمے نکالنا اور بادلوں کا سایہ کرنا مراد ہے۔ یہ چیزیں بحیثیت امت کے بنی اسرائیل کے علاوہ اور کسی کو نہیں دی گئیں۔

(۲) چھ فرسخ جگہ جس میں چالیس سال تک سرگرداں پھرتے رہے اس کے بارے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کہاں جانا چاہ رہے تھے جس بستی میں جانے کا حکم ہوا تھا وہاں تو جانا گوارا نہ تھا پھر صبح سے شام تک جو سفر کرتے تھے وہ کس مقصد سے تھا؟ اس کے بارے میں علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ مصر جانا چاہتے تھے کیونکہ وہاں کئی سو سال رہے تھے وہاں کی سرزمین سے مانوس ہو گئے تھے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بظاہر مقصد کچھ بھی نہ تھا یہ جو انہوں نے کہا تھا کہ ہم ہرگز اس بستی میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ جبروت والی قوم وہاں سے نکل جائے تو اس کی سزا انہیں یہ ملی کہ جب حکم کے مطابق ایک جگہ قیام پذیر ہونا نہیں چاہتے تو اب چلتے ہی رہو۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ دعا کی کہ ﴿فَاَفْرِقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ (کہ ہمارے اور فاسقوں کے درمیان فیصلہ کر دیجئے) اس کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے اور نافرمان قوم کے درمیان میں فیصلہ فرمادیجئے۔ یہ لوگ جس سزا کے مستحق ہیں ان کو وہ سزا دیدیجئے اور جس انعام کی ہمیں ضرورت ہے اس انعام سے ہمیں نوازدیجئے۔ قال صاحب الروح بان تحکم لنا بما نستحقه عليهم بما يستحقونه كما هو المروى عن ابن عباس والضحاك رضی اللہ عنہم۔

(۴) بنی اسرائیل کے قول قبیح کے برخلاف حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے بدر کے موقع پر کیا ہی اچھا جواب دیا۔ رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر کے موقع پر مشرکین سے جنگ کرنے کے بارے میں مشورہ فرما رہے تھے۔ اس موقع پر حضرت مقداد بن الاسود نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم ایسا نہ کہیں گے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا ﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَاقْتُلَا اِنَّا هُنَا قَاعِدُونَ﴾ (آپ چلیئے (جنگ کیجئے) ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے جنگ کریں گے۔ ان کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ کو بہت خوشی ہوئی چہرہ انور چمکنے لگا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۳ اور ج ۲ ص ۲۶۳)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنِي آدَمَ بِالْحَقِّ ۖ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقْبِلُ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۗ قَالَ لَا قُوَّةَ لَكَ ۗ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿۲۷﴾ لَدِيْنِ بَسَطْتَ اِلَيْ يَدِكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَا اَنَا بِبَاسِطِ يَدِيْ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۗ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْا بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۗ وَذٰلِكَ جَزَاُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهُ

كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ ۖ قَالَ يُوَيِّكُنِي أَعْجِزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِي

سَوْءَةَ أَخِي ۖ فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ﴿۳۱﴾

اور آپ ان کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنائیے جب کہ ان دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی، سوان میں سے ایک کی نیاز قبول کر لی گئی اور دوسرے کی نیاز قبول نہ کی گئی، اس نے کہا کہ میں تجھے ضرور بالضرور قتل کر دوں گا، دوسرے نے کہا کہ اللہ صرف تقویٰ والوں سے قبول فرماتا ہے، یہ یقینی بات ہے کہ اگر تو نے میرے قتل کرنے کے لیے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے تیری طرف اپنا ہاتھ بڑھانے والا نہیں ہوں گا۔ بیشک میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے، بلاشبہ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ اپنے سر دھر لے پھر تو دوزخ والوں میں سے ہو جائے اور یہ ظالموں کی سزا ہے۔ اور اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر لیا سو اسے قتل کر دیا جس کی وجہ سے وہ نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا۔ پھر اللہ نے ایک کو ابھیجاہ زمین کو کریدر ہاتھاتا کہ وہ اسے دکھا دے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔ کہنے لگا افسوس میری حالت پر! کیا میں اس سے عاجز ہو گیا کہ اس کوے کی طرح ہو جاؤں سو اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دوں۔ پھر وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔“

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ، ایک کا دوسرے کو قتل کرنا، پھر اس کی لاش کو لئے ہوئے پھرنا

یہاں قرآن مجید آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ نقل فرمایا ہے مشہور یہی ہے کہ یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے صلیبی بیٹے تھے اور آیت کریمہ کے ظاہری الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے تھے۔ کیونکہ حقیقی معنی صحیح ہو سکتے ہوں تو مجازی معنی لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، اگرچہ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ یہ دونوں بھائی (قاتل و مقتول) بنی اسرائیل میں سے تھے اور مجازاً دروازہ پوتوں ﴿ابْنِي آدَمَ﴾ (آدم کے دو بیٹوں) سے تعبیر فرمایا ہے۔

قصہ کیوں پیش آیا اور اس کے اسباب و محرکات کیا تھے اس کے بارے میں جو کچھ ملتا ہے وہ سب اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے قرآن کریم میں اجمالی قصہ ذکر فرمایا ہے اور پھر آخر میں بطور عبرت ﴿مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا﴾ (الیٰ آخرہ) فرمادیا۔ تفصیل کے ساتھ قصہ معلوم نہ ہو تب بھی مضمون عبرت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مفسر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۱ نے بحوالہ سدی حضرت ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ وغیرہم سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جو اولاد ہوتی تھی اس میں ہر بار ایک لڑکا اور ایک لڑکی جوڑا پیدا ہوتے تھے (اس زمانے میں نسل بڑھانے کی ضرورت تھی اور اولاد کا آپس میں نکاح کرنے کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا کہ ایک ہی شخص کی صلیبی اولاد کا آپس میں نکاح کر دیا جائے تاہم اتنا فرق ضرور کرتے تھے کہ ایک ہی لڑکا یا لڑکی سے ایک ساتھ جوڑواں لڑکا لڑکی پیدا ہوتے ان کا آپس میں نکاح نہیں کرتے تھے بلکہ ایک لڑکا لڑکی کے ساتھ جوڑواں لڑکا لڑکی پیدا ہوتی تھی اس کا نکاح دوسرے لڑکا سے کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام قابیل تھا جو کھیتی کرنے والا تھا اور دوسرے کا نام ہابیل تھا جس کے پاس دودھ دینے والے مویشی تھے، قابیل بڑا تھا اور اس کے ساتھ جو بہن پیدا ہوئی تھی وہ ہابیل کی ساتھ پیدا ہونے والی بہن سے زیادہ خوبصورت تھی ہابیل نے چاہا کہ قابیل کی بہن سے نکاح ہو جائے اور ضابطہ کے مطابق اس کا نکاح ہابیل سے ہی ہونا چاہئے تھا۔ قابیل اس بات پر نہ مانا اور اس نے کہا کہ یہ میری بہن ہے میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے جو تیرے ساتھ پیدا ہونے والی بہن سے زیادہ خوبصورت ہے اور میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کہ میرا نکاح اس سے ہو (قانون شرعی کے خلاف نفس کی خواہش پر عمل کرنے کا ارادہ کیا)۔

حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل سے کہا کہ یہ لڑکی جو تیرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اس کا نکاح ہابیل سے کر دیں لیکن قابیل نہیں مانا پھر جھگڑے کو تم کرنے کے لئے دونوں نے الگ الگ اللہ کی بارگاہ میں نیاز پیش کی کہ جس کی نیاز قبول ہو جائے وہی اس لڑکی سے نکاح کرنے کا حق دار ہو

گا۔ دونوں نے جب نیاز پیش کی تو ہابیل کی نیاز قبول ہوگئی۔ آسمان سے آگ آئی اور اس کو جلا دیا قابیل کی نیاز رکھی رہ گئی۔ جب اس کی نیاز قبول نہ ہوئی اور آسمانی فیصلہ بھی اس کے خلاف ہو گیا تو کٹ جھتی کرنے والوں کی طرح ہابیل سے کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اس میں ہابیل کا کچھ قصور نہ تھا اس کی نیاز قبول ہونے کا فیصلہ اللہ کی طرف سے تھا لیکن قابیل غصہ ہونے لگا جیسا کہ ہٹ دھرموں کا طریقہ ہے۔ ضدی آدمی جب دلیل سے عاجز ہو جاتا ہے تو فریق مخالف سے کہتا کہ ہے میں تجھے ماروں گا یا قتل کر دوں گا۔ ہابیل نے متانت کے ساتھ جواب میں کہا کہ ﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ (اللہ تعالیٰ متقی بندوں سے ہی قبول فرماتا ہے) بات کہنے کا کیسا اچھا اسلوب اختیار کیا نہ تو اپنی تعریف کی کہ میں مخلص ہوں اور نہ قابیل سے یوں کہا کہ تو مخلص نہیں ہے اور ایک قانونی بات بتادی اور اچھے پیرا یہ میں یہ سمجھا دی کہ اگر تو متقی ہوتا تو تیری نیاز قبول ہو جاتی۔

ہابیل نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے تیرے طرف ہاتھ نہ بڑھاؤں گا میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب العالمین ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ہابیل قابیل سے قوت اور طاقت میں زیادہ تھا لیکن اس نے مقتول ہو جانا گوارا کر لیا۔ اور اپنے بھائی پر ہاتھ اٹھانا گوارا نہ کیا۔ دفاع کے لئے جوابی طور ہتھیار اٹھانا مشروع تو ہے لیکن ہابیل نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ مظلوم ہو کر مقتول ہو جانا قاتل ہونے سے بہتر ہے صبر کر لیا (یہاں بعض چیزوں میں ہماری شریعت کے اعتبار سے بعض اشکالات بھی سامنے آسکتے ہیں لیکن چونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام انبیاء کی شرائع احکام کے اعتبار سے متفق ہوں اس لئے یہ اشکال رفع ہو جاتے ہیں)۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد کہ فتنوں کے زمانہ میں کیا کریں

اخیر زمانہ میں فتنے بہت زیادہ ہوں گے۔ اس وقت قتل و خون بہت ہوگا اس وقت بھی ہابیل کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم فرمایا گیا۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت سے پہلے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے ہوں گے ان فتنوں میں انسان صبح مومن ہوگا اور شام کو کافر ہوگا اور شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر ہوگا بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا اس وقت تم اپنی کمانون کو توڑ دینا اور ان کی مانند کو کاٹ دینا اور اپنی تلواروں کو پتھروں سے کچل دینا، اور اپنے گھروں میں اندر بیٹھ جانا پھر بھی تم میں سے کسی کے پاس کوئی شخص قتل کرنے کے لئے پہنچ جائے تو آدم کے دو بیٹوں میں جو اچھا تھا اس کی طرح ہو جانا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۶۴)

یعنی ہابیل کی طرح ہو جانا قتل ہو جانا منظور کر لینا اور خود قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھانا۔ حضرت ایوب سختیانی نے فرمایا کہ اس امت میں سے سب سے پہلے جس نے ﴿مَا أَنَا بِبَاسِطِ يَدِي إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ﴾ پر عمل کیا وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے وہ امیر المؤمنین تھے قتال اور دفاع سب کچھ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے مقتول ہونا پسند کر لیا اور قتال کرنا منظور نہ کیا، رضی اللہ عنہ۔

ہابیل نے مزید سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ﴿إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ﴾ یہ قابیل کو خطاب ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ بھی لے اور میرے گناہ بھی لے ان سب کو اپنے اوپر اٹھالے اور دوزخ والوں میں ہو جائے، ﴿وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ﴾ اور یہ ظالموں کی جزا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرے جو گناہ ہیں ان کا بوجھ تو تیرے اوپر ہے ہی اور ان میں میرے قتل کا گناہ بھی اپنے سر دھرنے کو تیار ہے۔ یہ سب گناہ مل کر تیرے دوزخ میں جانے کا سبب بن جائیں گے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک مومن بھائی کا خیر خواہ ہونا چاہئے ہابیل نے جو یہ کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنا اور میرا گناہ اپنے سر رکھ

لے اور دوزخیوں میں سے ہو جائے یہ تو خیر خواہی کے جذبہ کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے ہر طرح سے اپنے بھائی کو سمجھایا تھا جب اس نے نصیحت قبول نہ کی اور کسی طرح تفہیم فائدہ مند نہ ہوئی تو پھر ہابیل نے دوسرا رخ اختیار کیا اور بتا دیا کہ جو کچھ تو کرنا چاہتا ہے اس کا نتیجہ برا ہے جو دوزخ میں جانے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ میرا ہاتھ نہ اٹھانا تیرے دوزخ میں جانے کا ذریعہ بن جائے گا۔

ممکن ہے کہ ہابیل کی نصیحت سے اور کچھ اپنی سمجھ میں قابیل کو تردد ہوا ہو کہ قتل کرے یا نہ کرے لیکن بالآخر اس کے نفس نے اس پر آمادہ کر ہی دیا کہ اپنے بھائی کو قتل کر دے، چنانچہ اس نے قتل کر ہی ڈالا، قتل کر کے زبردستی نقصان میں پڑ گیا، دنیا میں بھی نقصان ہوا کہ ایک بھائی سے محروم ہوا اور والدین بھی ناراض ہوئے اور خالق کائنات جل مجدہ کو بھی ناراض کر دیا اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ رہا۔

قتل کا طریقہ ابلیس نے بتایا

قابیل نے قتل کا ارادہ تو کر لیا لیکن قتل کیسے کرے یہ بھی ایک سوال تھا کیونکہ اس سے قبل دنیا میں کوئی مقتول نہ ہوا تھا۔ قتل کرنا چاہا تو گردن مروڑنے لگا لیکن اس سے کچھ حاصل نہ ہوا اس موقع پر ابلیس ملعون پہنچ گیا اور اس نے ایک جانور لیا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ دوسرے پتھر سے مار دیا۔ قابیل دیکھتا رہا اور پھر اس نے اپنے بھائی کے ساتھ بھی ایسا کیا اور قتل کر دیا اس بارے میں مفسرین نے دوسری صورتیں بھی نقل کی ہیں لیکن کیفیت قتل کی تعیین پر کوئی حکم شرعی موقوف نہیں ہے اس لئے کسی صورت کے متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ اس نے قتل کر دیا جس کی تصریح لفظ فقتلہ میں موجود ہے۔

قابیل کو پریشانی کہ مقتول بھائی کی لاش کا کیا کرے؟

قتل تو کر دیا لیکن اس سے پہلے کوئی میت دیکھی نہ تھی کوئی مر جائے تو کیا کیا جائے اس کے بارے میں کچھ علم نہ تھا اب قابیل حیران تھا کہ بھائی کی اس لاش کو کیا کرے اسی حیرانی اور پریشانی میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دو کوئے بھیجے دونوں آپس میں لڑے اور ایک نے دوسرے کو مار دیا پھر اسی مارنے والے کوئے نے زمین کو کریدا اور مردہ کوئے کی لاش کو دفن کر دیا ﴿فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ﴾ (سوال اللہ نے بھیج دیا ایک کو جو کریدا رہا تھا زمین کو تاکہ وہ اسے دکھائے کہ کیسے چھپائے اپنے بھائی کی لاش کو) جب قابیل نے یہ منظر دیکھ لیا تو زمین کھود کر اپنے بھائی کی لاش کو دفن کر دیا اور یہ بھی کہا ﴿يُوِيلْتِي أَعْجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ فَاوَارِي سَوْءَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّدِمِينَ﴾ (ہائے افسوس! میری حالت پر! کیا میں اس سے بھی عاجز ہو گیا کہ اس کوئے کی طرح ہو جاؤں پھر اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دوں۔) خسران یعنی نقصان عظیم کا تو مستحق ہوا ہی تھا! اپنی نا سمجھی پر نادم بھی ہوا کہ میں کوئے جیسا بھی نہ ہو سکا جو اپنے بھائی کی لاش کو اپنی سمجھ سے کہیں ٹھکانہ لگا دیتا۔

فوائد متعلقہ واقعہ ہابیل و قابیل

(۱) واقعہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں شروع ہی سے توحید پھیلانی تھی اور جو احکام ان کے لئے مشروع کئے گئے تھے ان احکام پر عمل کرتے تھے اور اپنی اولاد کو بھی ان کے مطابق چلائے تھے اسی لئے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ فلاں بطن کے لئے حرام ہے، پھر جب اختلاف ہوا تو دونوں لڑکوں نے بارگاہ خداوندی میں قربانی پیش کی اور قربانی کے ذریعہ اختلاف کا فیصلہ کرنا چاہا کہ اللہ تعالیٰ جس کی قربانی قبول کرے گا وہ صحیح راہ پر ہوگا۔

انسان اپنے عہد اول سے توحید کا عقیدہ رکھنے کا پابند ہے اور اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے جو اسے اس کے نبی کے ذریعہ پہنچے ہوں، حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان بھی تھے اور سب سے پہلے نبی بھی و قد جاء تصريح ذلك في الحديث كما في المشكوة۔ (ص ۵۱۱ و ۵۱۲)

(۲) جب دونوں بھائیوں نے اللہ کی بارگاہ میں نیاز پیش کی (ہابیل نے ایک مینڈھا پیش کیا اور قابیل نے کچھ بالیں پیش کیں) تو اللہ

تعالیٰ نے ہابیل کی نیاز کو قبول فرمایا، آسمان سے آگ آئی اور اس کو جلا دیا، قابیل نے جو کچھ پیش کیا تھا وہ یوں ہی رکھا رہ گیا اس پر اسے غصہ آیا اول تو پہلے ہی سے ناراض تھا۔ اب مزید نفسانیت میں ابھار آیا۔ اس ابھار کا باعث یہ بھی ہے کہ لوگوں کو جب یہ معلوم ہوگا کہ اس کی نیاز قبول نہیں ہوئی تو ان کی نظروں میں خفیف ہوں گا، قابیل ہابیل سے کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اس میں ہابیل کا کوئی قصور نہ تھا، جس لڑکی کے بارے میں جھگڑا ہو رہا تھا اس کے بارے میں ہابیل کی بات قانون خداوندی کے مطابق تھی اور جب نیاز قبول نہ ہوئی تو اس میں بھی ہابیل کا کوئی قصور نہ تھا، قابیل کو حسد ہوا کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اس پر ہابیل نے اچھے انداز میں اس کو سمجھایا اور یہ کہہ دیا کہ ﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ (کہ اللہ تعالیٰ متقین ہی سے قبول فرماتا ہے) مطلب یہ تھا کہ اگر تو متقی ہوتا تو تیری نیاز قبول ہوتی، اول تو پہلے ہی حکم شرعی کی خلاف ورزی پر اصرار ہے اور اب مجھے قتل کرنے کا ارادہ کر رہا ہے ان سب باتوں کو چھوڑ کر تقویٰ اختیار کرنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال قبول ہوں۔

تقویٰ کے عموم میں کفر شرک سے بچنا اور ہر طرح کے گناہوں سے بچنا سب آجاتا ہے اور کافر کا تو کوئی عمل قبول ہی نہیں ہے، کسی عمل کا اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو جانا بہت بڑی نعمت ہے، عمل تو بہت کئے جاتے ہیں لیکن ثواب اسی عمل پر ملے گا جو اللہ کے یہاں قبول ہو جائے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

لان استيقن ان الله تقبل لي صلوة واحدة احب الي من الدنيا و ما فيها ، ان الله يقول انما- يتقبل الله من المتقين- (ابن کثیر)

(اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ میری ایک نماز مقبول ہوگئی تو ہی میرے لئے ساری دنیا اور اس میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہوگا) تو گویا ایک اچھے پیرائے میں ہابیل نے قابیل کو سمجھا دیا کہ تقویٰ اختیار کر چونکہ اس میں حسد کی آمیزش بھی تھی وہ بھی گناہ ہے اس لئے تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت میں حسد سے باز رہنے اور بچنے کی تنبیہ ہوگئی، حاسد یہ دیکھتا ہے کہ فلاں شخص کو ایسی ایسی نعمت مل گئی ہے تو خواہ مخواہ صاحب نعمت سے جلتا ہے حالانکہ صاحب نعمت کا اس میں کچھ بھی قصور نہیں ہوتا اس میں تو اللہ تعالیٰ سے ناراضگی ہے کہ فلاں کو کیوں دیا مجھے کیوں نہیں دیا، ہابیل نے جو قابیل کو نصیحت کی اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ صاحب نعمت کی نعمت کے زوال کی فکر میں پڑنے کی بجائے حاسد کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیے۔ درحقیقت تقویٰ بہت بڑی چیز ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے اوصيك بتقوى الله فانه ازين لا مرك كلة (کہ میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تیرے ہر کام کو زینت دینے والا ہے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

(۳) مفسرین لکھتے ہیں کہ ہابیل سب سے پہلا مقتول بھی تھا اور سب سے پہلا میت بھی تھا اس سے پہلے کسی انسان کی موت نہ ہوئی تھی لہذا قتل کرنے کے بعد قابیل کو پریشانی تھی کہ نعش کو کیا کرے لہذا ابوری وغیرہ میں بند کر کے نعش کو کمر پر اٹھائے ہوئے پھرتا رہا۔ اول تو بوجھ اٹھا کر لئے پھرنے کی مصیبت! دوسرے اس کے ارد گرد مردہ خور جانوروں کی بھڑک رہی تھی کہ یہ اسے پھینکے تو کھائیں دونوں وبال جان بنی ہوئی تھیں، جب ایک کوئے نے دوسرے کوئے کو قتل کر کے اور دفن کر کے دکھایا تو اپنے بھائی کی لاش کو دفن کیا، لاش کو ختم کرنے کے اور بھی طریقے تھے مثلاً آگ میں جلا دیا جائے یا سمندر میں پھینک دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین میں دفن کرنے کا طریقہ بتایا گیا جو ایک طبعی اور فطری طریقہ ہے انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے مٹی ہی میں مل جاتا ہے۔ گلے سڑے جو کچھ ہو مٹی کے اندر ہو اس کے بعد سے عموماً تمام انسان نعشوں کو دفن ہی کرتے ہیں سوائے ہندوستان کے مشرکوں کے وہ جلاتے ہیں اور سوائے پارسیوں کے کہ وہ اپنی نعشوں کو گدھوں کو کھلا دیتے ہیں انسان کا اکرام اسی میں ہے کہ موت کے بعد اسے دفن کر دیا جائے، اور حضرات انبیاء کرام ﷺ کا یہی طریقہ ہے۔

مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ

رُسُلْنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَكُسْرُفُونَ ﴿۲۲﴾

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جو بھی کوئی شخص کو بلا عوض جان کے یا بغیر کسی فساد کے قتل کر دے جو زمین میں ہو تو گویا قتل کرنے والے نے سب لوگوں کو قتل کر دیا، اور جس نے کسی جان کو زندہ رکھا تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ کر دیا، اور یہ واقعی بات ہے کہ ان کے پاس ہمارے رسول کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے پھر اس کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں۔

جس نے ایک جان کو قتل کیا گویا تمام انسانوں کو قتل کیا

یعنی اس وجہ سے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے اپنے بھائی پر ظلم و زیادتی کرتے ہوئے قتل کر دیا، ہم نے بنی اسرائیل پر یہ بات لکھ دی یعنی ان کے لئے شریعت بنا دی اور اس کا اعلان کر دیا کہ جو بھی کوئی شخص کسی شخص کو قتل کر دے اور یہ قتل کرنا کسی جان کے عوض نہ ہو اور زمین میں جو فساد ہوا سے روکنے کے لئے نہ ہو تو گویا کہ اس قاتل نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی جان کو زندہ کر دیا یعنی کسی جان کو ہلاکت سے بچا لیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کر دیا۔

علامہ قرطبی ج ۶ ص ۱۳۶ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں جو تشبیہ ہے اس کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ ان میں ایک قول حضرت مجاہد تابعی کا بھی ہے اور وہ یہ کہ جو شخص کسی بھی ایک جان کو بلا وجہ شرعی قصداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم کا داخلہ ہے اور اللہ کا اس پر غضب ہوگا اور اللہ کی اس پر لعنت ہوگی اور اس کے لئے بڑا عذاب ہے جیسا کہ سورہ نساہ میں اس کی تصریح ہے اگر کوئی شخص تمام لوگوں کو قتل کر دے تو اس کی سزا اس سے زیادہ نہیں ہے لہذا ایک جان کا قتل کرنا اور سب جانوں کا قتل کرنا برابر ہوا لہذا کوئی شخص کسی ایک جان کو بھی قتل نہ کرے اسی طرح سے جو شخص قتل کر رہا تھا اور وہ قتل سے رک گیا تو گویا اس نے سب آدمیوں کو بچا لیا۔

اور ایک قول علامہ قرطبی نے یہ نقل کیا ہے کہ ایک جان کو قتل کرنے والا کو ایسا گناہ ہوتا ہے جیسا کہ سب لوگوں کو قتل کرنے کا گناہ، یہ قول آیت کے ظاہر الفاظ سے قریب تر ہے اور حدیث شریف میں جو یہ فرمایا ہے کہ لَا تَقْتُلْ نَفْسٌ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَيَّ ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِّنْ دَمِهَا لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ (کہ جو شخص بھی ظلماً قتل ہوگا آدم کے پہلے بیٹے پر بھی اس کے قتل کی شرکت رہے گی کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کی بنیاد ڈالی) (رواہ البخاری و مسلم) اس حدیث سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے، علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہے ان پر عذاب میں تغلیظ اور تشدید فرمائی، اس تغلیظ کی وجہ بعض مفسرین نے لکھی ہے کہ بنی اسرائیل پر سب سے پہلے کتاب اللہ یعنی توریت شریف میں قتل نفس کا ممنوع ہونا نازل ہوا تھا اگرچہ اس سے پہلے بھی قتل نفس ممنوع تھا لیکن کسی کتاب الہی میں ممانعت وارد نہیں ہوئی تھی۔ اور ان لوگوں میں سرکشی اور طغیانی بھی بہت تھی حتیٰ کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام کو بھی انہوں نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد کسی جان کو بچانے کی فضیلت بیان فرمائی۔ ﴿وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَانَ مِمَّا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾ (اور جس کسی نے جان کو زندہ رکھا یعنی کسی کی زندگی کے بچنے کا ظاہری سبب بن گیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کیا)۔

اس کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانی کا ذکر فرمایا ﴿وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلْنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَكُسْرُفُونَ﴾ (اور ان کے پاس ہمارے رسول کھلی کھلی دلیلیں لے کر آئے پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں اسراف کرنے والے یعنی حد سے بڑھنے والے ہیں)۔

فائدہ: حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جو بھی کوئی شخص دنیا میں ظلماً قتل کریگا اس کے گناہ میں آدم کے اس بیٹے کا حصہ بھی ہوگا جس نے دنیا میں سب سے پہلے قتل کیا تھا، عذاب و ثواب کا ایک یہ بھی قانون ہے کہ جو شخص کسی خیر کی ابتداء کرے گا اسے اپنے عمل کا بھی ثواب ملے گا اور جو لوگ اس کی ابتداء بھی یا اس کی تعلیم و تبلیغ سے اس پر عمل کریں گے ان کے عمل کا بھی اس ابتداء کرنے والے شخص کو ثواب ملے گا اور عمل کرنے والوں

کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی، اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنے عمل سے یا قول سے کسی برائی کی بنیاد ڈال دی تو اس برائی کو جو لوگ اختیار کریں گے ان کے گناہوں کا بوجھ بھی اس بنیاد ڈالنے والے پر ہوگا اور عمل کرنے والوں کو گناہوں میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ (کما جاء مصرحاً فی حدیث ابی مسعود عند مسلم، مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۳)

مومن بندوں کو خیر کا داعی اور خیر کا رواج دینے والا اور خیر کا پھیلانے والا بننا چاہئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس بندہ کے لئے خوشخبری ہو جسے اللہ نے خیر کی چابی بنایا ہو اور خیر کا تالا بنایا ہو، اور خرابی ہے اس شخص کے لئے جسے اللہ تعالیٰ نے شر کی چابی بنایا ہو اور شر کا تالا بنایا ہو (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۴) بدعتوں کو رواج دینے والے اپنے بارے میں غور کر لیں۔

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۗ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْمٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۳۳﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْرَأُ عَلَيْهِمُ الدَّعْوَىٰ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ ﴿۳۴﴾

جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے دوڑتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ ان کو قتل کیا جائے، یا ان کو سولی پر چڑھایا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں جانب مخالف سے کاٹ دیئے جائیں یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی اس سے پہلے کہ تم ان پر قدرت پاؤ، سو جان لو کہ بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے۔

دنیا اور آخرت میں ڈاکوؤں کی سزا

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے ڈاکوؤں اور راہزنوں کی سزا بیان فرمائی ہے جو دنیاوی احکام سے متعلق ہے اور آخر میں فرمایا کہ یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا۔ آیت شریفہ میں چار سزاؤں کا ذکر ہے ایک قتل دوسرے سولی پر چڑھانا تیسرے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دینا۔ یعنی داہنا ہاتھ اور بائیں پاؤں، چوتھے زمین سے دور کرنا۔ ڈکیتی اور راہزنی کو اللہ اور رسول سے لڑنے سے تعبیر فرمایا کیونکہ یہ لوگ اللہ کی شریعت کا مقابلہ کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ بندوں تک پہنچی ہے اور زمین میں جو امن و امان ہے اسے تباہ کرتے ہیں۔

آیت کریمہ إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ كَانُوا يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَوْ كَانُوا مُنَافِقِينَ أَوْ كَانُوا ظَالِمِينَ كَمَا جَزَاءُ الَّذِينَ كَانُوا يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَوْ كَانُوا مُنَافِقِينَ أَوْ كَانُوا ظَالِمِينَ

زمانہ نبوت میں ایک واقعہ پیش آیا جو آیت بالا کے نازل ہونے کا سبب بن گیا اور ڈکیتی کرنے والوں کے بارے میں مستقل ایک قانون نازل ہو گیا۔ علامہ واحدی نے اسباب النزول میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے۔ کہ بنی عسکل اور بنی عرینہ کے چند آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو آٹھ افراد تھے ان لوگوں نے (ظاہری طور پر) اسلام قبول کر لیا اور آپ سے بیعت اسلام بھی کر لی پھر ان کو مدینہ کی آب و ہوا اس نہ آئی بیمار ہو گئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ان کے مرض کی کیفیت بیان کی گئی آپ نے ان سے فرمایا کہ تم چاہو تو صدقہ کے اونٹوں کی طرف نکل جاؤ جہاں وہ چرتے ہیں جانوروں کو جو چرانانے والا ہے اسی کے ساتھ رہو ان اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیتے رہو۔ ان لوگوں نے اسے منظور کر لیا وہاں جنگل میں رہنے لگے۔ انہوں نے اونٹوں کا پیشاب بھی پیا اور دودھ بھی، جب تندرست ہو گئے تو چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے جب آنحضرت ﷺ کو ان کی اطلاع ہوئی تو ان کے پیچھے آدمی بھیجے ان کو پکڑ کر لایا گیا اور خدمت عالی میں پیش کیا گیا پھر آپ کے حکم سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلانی پھیر دی گئی (جس سے وہ

اندھے ہو گئے) پھر دھوپ میں ڈال دیئے گئے یہاں تک کہ وہ مر گئے۔

یہ واقعہ امام مسلم نے ج ۲ ص ۷۵ مختلف اسانید سے نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۲ میں بھی مذکور ہے اسباب النزول میں ہے کہ حضرت قتادہ تابعی نے فرمایا کہ آیت ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ﴾ (آخر تک) کے بارے میں ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ علماء نے فرمایا ہے کہ پیشاب پینے کی جو اجازت ان لوگوں کو دی گئی تھی وہ اس وجہ سے تھی کہ ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیدی گئی تھی کہ وہ مرتد ہو جائیں گے۔ وفیہ توجیہات اخر مذکورۃ فی شروح الحدیث۔

ڈاکوؤں کی چار سزائیں

آیت بالا میں چار سزاؤں کا ذکر ہے (۱) قتل کرنا (۲) سولی چڑھنا (۳) جانب مخالف سے ہاتھ پاؤں کاٹنا (۴) زمین سے دور کر دینا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ چار سزائیں مختلف جرائم کے اعتبار سے ہیں اگر ڈاکوؤں نے قتل بھی کیا ہو مال بھی لیا ہو تو وہ قتل کئے جائیں گے اور سولی پر چڑھائے جائیں گے اور اگر قتل کیا ہو مال نہ لیا ہو تو قتل کئے جائیں گے، اور اگر مال لیا ہو اور قتل نہ کیا ہو تو ہاتھ پاؤں جانب مخالف سے کاٹ دیئے جائیں گے اور اگر کہیں رہزنی کے لئے بیٹھ گئے ہوں جس سے لوگ خوف زدہ ہوں تو ان کو زمین سے دور کر دیا جائے۔ زمین سے دور کرنے کا مطلب کیا ہے اس کے بارے میں حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جلاوطن کر دیا جائے اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جیل میں ڈال دیا جائے جب تک کہ توبہ نہ کرے جیل میں ہی رکھا جائے۔ محمد بن جریر طبری نے دونوں باتوں کو جمع کر دیا وہ کہتے ہیں کہ اسے اپنے شہر سے دور کسی دوسرے شہر کی جیل میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ توبہ کرے۔ حضرت مکحول تابعی نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے جیل میں رکھنے کا سلسلہ جاری کیا اور فرمایا کہ بندر کھوں گا جب تک مجھے اس کی توبہ کا علم نہ ہو جائے اور میں جلاوطن نہ کروں گا تا کہ یہ وہاں کے لوگوں کو تکلیف نہ دے۔

بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ امیر المؤمنین کو اختیار ہے کہ چار سزاؤں میں سے جو بھی سزا جس ڈاکو کے لئے اختیار کرے کر سکتا ہے ان حضرات کے نزدیک یہ چار سزائیں مختلف احوال کے اعتبار سے نہیں ہیں لیکن حضرت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہما نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اوپر منقول ہوئی ہے۔

سولی دینے کا جو اوپر ذکر آیا ہے اس کے بارے میں امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائے اور بعض ائمہ نے فرمایا ہے کہ زندہ سولی پر لٹکا کر نیچے سے پیٹ میں نیزہ گھونپ دیا جائے اور وہ اسی حالت میں مز جائے۔ بعض حضرات کا یہ بھی فرمانا ہے کہ تین دن تک زندہ سولی پر لٹکا دیا جائے اور پھر اسے اتار کر قتل کر دیا جائے (معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۳) مال لینے کی صورت میں جو یہ فرمایا ہے جانب مخالف سے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں اس کے بارے میں فقہاء لکھتے ہیں کہ داہنا ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ دیا جائے۔

فائدہ: یہ قتل کرنا اور ہاتھ پاؤں کاٹنا شرعی سزا کے طور پر ہے جس کو قتل کرنا ہو اس کے لئے مقتول کے اولیاء اگر معاف کر دیں تب بھی معاف نہ کیا جائے گا۔ ان کے معاف کرنے کے باوجود اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اسی طرح سے اگر اس نے مال معاف کر دیا جس کا مال لیا ہے تب بھی سزا معاف نہ ہوگی۔ ڈکیتی کے طور پر مال لوٹنے میں چونکہ چوری سے بڑھ کر جرم ہے جس کی وجہ سے امن عام فوت ہو جاتا ہے اس لئے ڈکیتی کی سزا دوہری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ چوری کرنے کی وجہ سے پہلی بار داہنا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور دوبارہ چوری کرے تو بائیں پاؤں کاٹا جاتا ہے لیکن ڈکیتی میں پہلی ہی مرتبہ دونوں سزائیں مشروع کی گئی ہیں۔

اسی طرح سے قتل کرنے کی صورت میں تمام ڈاکوؤں کو قتل کر دیا جائیگا جنہوں نے کسی جگہ جماعتی طور پر بیٹھ کر کسی کو قتل کیا ہو۔ اگر ان میں سے ایک ہی شخص نے قتل کیا ہو اور ایک ہی شخص کو قتل کیا ہو۔ تب بھی سب کو قتل کیا جائیگا کیونکہ یہ قتل قصاص کے اصولوں پر نہیں ہے بلکہ عامۃ الناس کا امن فوت کرنے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے نکلنے کی سزا کے طور پر ہے۔

ہا کوؤں کی سزائیں بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ کہ یہ ان لوگوں کی اس دنیا میں رسوائی ہے۔ مقتول ہوں گے اور سولی پر چڑھیں گے اور ہاتھ پاؤں کٹے پھریں گے۔ اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

ایک پانچویں صورت رہ گئی اسے صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ نہ تو انہوں نے مال لیا اور نہ ہی قتل کیا بلکہ کسی شخص کو زخمی کر دیا اس کے بارے میں صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جن زخموں میں قصاص لیا جاتا ہے ان میں قصاص لیا جائے گا اور جن میں دیت لی جاتی ہے ان میں دیت لی جائے گی۔

پھر فرمایا ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (مگر وہ لوگ جنہوں نے اس سے پہلے توبہ کر لی کہ ان پر تم قابو پاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے) اس کے بارے میں حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ حکومت کے گھیراؤ میں آنے اور قابو پانے سے پہلے ڈاکو توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی توبہ قبول ہے لیکن اس سے توبہ سے صرف حد شرعی ساقط ہو جائے گی۔ حق العبد معاف نہ ہوگا۔ اگر عہد کسی کو قتل کیا تو مقتول کے اولیاء کو اختیار ہے کہ قتل کر دیں یا معاف کر دیں اور جو مال لیا ہے اس کا واپس کرنا بھی واجب ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ توبہ سے حد شرعی معاف ہوگئی حق العبد معاف نہیں ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتِنُنَّ بِهِ مِنْ عَذَابٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۶﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس جیسا اس کے ساتھ اور بھی ہوتا کہ وہ قیامت کے دن کے عذاب سے جان چھڑانے کے لیے دیدیں تو یہ ان سے قبول نہ کیا جائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، وہ ارادہ کریں گے کہ دوزخ سے نکلیں حالانکہ وہ اس میں سے نکلنے والے نہیں اور ان کے لیے ہمیشہ باقی رہنے والا عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم ان آیات میں اول اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا اور اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرنے کا حکم دیا ہے تمام طاعات فرائض، واجبات، سنن و نوافل یہ سب اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہیں۔

قال النبی ﷺ ان الله قال من اذى لي وليا فقد اذنته بالحرب وما تقرب الي عبدي بشي احب الي مما افترضته والا يزال عبدي يتقرب الي بالنوافل حتى احببته (الحدیث) (صحیح بخاری ص ۹۶۳)

پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا اور اس سب کو ذریعہ کامیابی بتایا۔

قیامت کے دن اہل کفر کو عذاب کا سامنا اور جان چھڑانے کیلئے سب کچھ دینے پر راضی ہونا

اس کے بعد اہل کفر کے بارے میں فرمایا کہ جب قیامت کے دن عذاب میں ڈال دیے جائیں گے تو ان کی یہ آرزو اور تمنا ہوگی کہ زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اور اس کے ساتھ اس کے بقدر اور بھی ہو اور یہ سب دے کے خلاصی پالیں اور جان چھڑالیں تو ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اول تو وہاں کچھ ہونے کا ہی نہیں تا کہ اس کو جان کے بدلہ میں دیا جاسکے اور بالفرض ہو بھی اور اس کو دے کر جان چھڑانا چاہے تو کوئی

بدلہ اور فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور جو دردناک عذاب ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ بہر حال اس عذاب میں ہمیشہ رہنا ہی ہوگا۔ سورہ آل عمرا ن میں فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلٌّ أَرْضٌ ذَهَبًا وَلَوْ آتَدَىٰ بِهِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ﴾ (یعنی بے شک جنہوں نے کفر اختیار کیا اور وہ اس حالت میں مر گئے کہ کافر تھے تو ان سے ہرگز بھی زمین بھر کر سونا قبول نہ کیا جائے اگرچہ وہ اس کو جان کے بدلہ میں دینا چاہیں، یہ لوگ ہیں جن کو دردناک عذاب ہوگا اور کوئی بھی ان کا مددگار نہ ہوگا) اور سورہ زمر میں فرمایا ﴿وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَا فُتَدُوا بِهِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ (اور جنہوں نے اس کا کہنا نہ مانا اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اسی قدر اس کے ساتھ اور ہو تو یہ لوگ اپنی جان چھڑانے کے لئے اس کو دے ڈالیں، ان لوگوں کے لئے حساب کی سختی ہے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے)۔

اور سورہ زمر میں فرمایا ﴿وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَا فُتَدُوا بِهِ مِنْ سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (اور ظلم کرنے والوں کے پاس اگر دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور ان کے ساتھ اسی قدر اور بھی ہو تو یہ لوگ قیامت کے دن برے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنی جان کے بدلہ میں دینے کو تیار ہوں گے) قیامت کے دن جب عذاب دیکھیں گے تو نہ صرف مال بلکہ آل اولاد و اعزہ و اقرباء سب کو اپنی جان پر قربان کرنے اور اپنی جان کو عذاب سے چھڑانے کی آرزو کریں گے۔ سورہ معارج میں فرمایا ﴿يَوْمَ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِنِذٍ بِبَنِيهِ وَصَا حَبِيبَتِهِ وَأَخِيهِ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يَنْجِيهِ كَلَّا﴾ (یعنی اس دن مجرم تمنا کرے گا کہ کاش اس دن عذاب سے چھوٹنے کے عوض میں بیٹوں کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی اور اپنے کنبہ کو جس میں رہا کرتا تھا نیز جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کو دیدے پھر یہ معاوضہ اس کو بچالے، نہیں۔

کافر دوزخ سے نکلنا چاہیں گے مگر کبھی نہ نکل سکیں گے

پھر فرمایا ﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا لَهُمْ بِخَارٍ جِئِنَ مِنْهَا﴾ کہ وہ دوزخ سے نکلنا چاہیں گے لیکن وہ اس سے نکلنے والے نہیں، سورہ الم سجدہ میں فرمایا ﴿كَلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يُخْرِجُوا مِنْهَا أَعِيدُوا فِيهَا﴾ (کہ جب بھی اس میں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اس میں واپس لوٹا دیے جائیں گے)

پھر فرمایا ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ﴾ اور ان کے لئے عذاب ہے جو ہمیشہ رہے گا۔ اوپر ڈاکہ زنی کی دنیا میں سزا بیان فرمائی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ یہ ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے پھر چند آیات کے بعد چوروں کی سزا بیان فرمائی (جو اگلی آیت میں آرہی ہے) ان دونوں کے درمیان ایک تو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا دوسرے اللہ کی نزدیکی تلاش کرنے کا حکم دیا تیسرے جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا چوتھے کافروں کا عذاب بیان کیا اور یہ بتایا کہ جب وہ عذاب میں داخل ہونگے تو اگر یہ دنیا اور اس قدر اور بھی کچھ ان کے پاس ہو تو یہ سب جان چھڑانے کے لئے خرچ کرنے کو تیار ہو جائیں گے، پہلے جو دو حکم ہیں یعنی تقویٰ اختیار کرنا اور اللہ کا قرب تلاش کرنا ان دنوں میں چوری ڈاکہ زنی سے بچنا بھی داخل ہے اور یہ حکم تمام فرائض و واجبات اور مستحبات کی ادائیگی کو بھی شامل ہے تیسرا حکم یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا جو حکم دیا اس میں یہ بتا دیا کہ فساد فی الارض اور چیز ہے اور جہاد فی سبیل اللہ دوسری چیز ہے جہاد فساد فی الارض کو دبانے کے لئے ہے اگر اس سلسلہ میں قتل و خون ہو جائے کافر و مشرک مارے جائیں ڈاکوؤں کا خون ہو جائے تو یہ فساد فی الارض نہیں ہے اس سے تو اللہ کی رضا اور اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے جو لوگ ڈاکہ زنی یا چوری کرتے ہیں وہ مال جمع کرنے کے لئے یہ کام کرتے ہیں ان کو بتا دیا کہ جو مال اور دولت لوٹ مار کے اور چوری اور ڈکیتی کے ذریعہ جمع کرو گے وہ آل اولاد اور دنیا کی مثل اور کچھ بھی مل جائے تو اس سب کو جان چھڑانے کے لئے خرچ کرنے کو تیار ہو جاؤ گے مگر وہاں مال موجود نہ ہوگا عذاب بھگتنا ہوگا اپنی ذات کو عذاب میں داخل کرنا ہوگا اور لوگوں کو تکلیف دیکر حرام مال جمع کرنا اور

اولاد کے لئے چھوڑ جانا اور آخرت میں عذاب میں گرفتار ہونا یہ تو اپنے اوپر سراسر ظلم ہے۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخُرِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۳۵﴾ وَالسَّارِقُ
وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ
تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۷﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ
اللَّهُ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۸﴾

جو چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت ہو سو ان کے کردار کے عوض ان کے ہاتھ کاٹ دو یہ بطور سزا کے اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ غالب ہے، حکمت والا ہے، سو جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے سو بلاشبہ اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا بے شک اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ بلاشبہ اللہ کے لیے ہے ملک آسمانوں کا اور زمینوں کا، وہ عذاب دیتا ہے جسے چاہے اور بخشتا ہے جسے چاہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

چوروں کی سزا کا بیان

چند آیات پہلے ڈاکوؤں کی سزائیں ذکر فرمائیں اب چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کی سزایں بیان کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹ دو یہ ان کے کروت کی سزا ہے جس میں دوسرے کے لئے عبرت بھی ہے۔ احادیث شریفہ میں اس کی تفصیلات وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ چور کا داہنا ہاتھ گٹھ سے کاٹ دیا جائے گا اس کے بارے میں علماء امت کے مختلف اقوال ہیں کہ کم از کم کتنی مالیت کے چرانے پر قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ حضرت ابو بکر و عمرو و عثمان رضی اللہ عنہم اور عمر بن عبدالعزیز اور امام اوزاعی اور امام شافعی رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ $\frac{1}{2}$ دینار کی مالیت کا سامان چرانے تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین درہم یا اتنی مالیت کا مال چرانے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دس درہم یا ان کی مالیت کی چوری کرنے پر ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اس سے کم میں نہیں (اگر اس سے کم کی چوری کا ثبوت ہو جائے تو دوسری کوئی سزا دے دی جائے ہاتھ نہ کاٹا جائے)۔

شرعی سزانافذ کرنے میں کوئی رعایت نہیں اور کسی کی سفارش قبول نہیں

جو بھی شخص چوری کر لے مرد ہو یا عورت اور چوری بقدر نصاب ہو (جس کا اوپر بیان ہوا) تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اس میں کوئی رورعایت نہ ہوگی، اور نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی، مکہ معظمہ میں ایک عورت بنی مخزوم میں سے تھی اس نے چوری کر لی تھی۔ بنی مخزوم قریش کا ایک قبیلہ تھا اور یہ لوگ دنیاوی اعتبار سے اونچے سمجھے جاتے تھے قریش چاہتے تھے کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ فرما دیا تو قریش اس کے لئے فکر مند ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی سے سفارش کرائی جائے۔

پھر آپس میں کہنے لگے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے علاوہ کون جرات کر سکتا ہے، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ہیں ان سے عرض کیا گیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی، آپ نے فرمایا کہ تم حدود اللہ میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ آپ نے کھڑے

ہو کر خطبہ دیا کہ تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاک ہوئے کہ ان میں سے شریف آدمی چوری کرتا تھا (جسے حسب نسب اور دنیاوی اعتبار سے شریف سمجھا جاتا تھا) تو اس کو چھوڑ دیا جاتا تھا اور اگر کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے (پھر فرمایا) اللہ کی قسم! محمد کی بیٹی فاطمہ (اعاذ باللہ تعالیٰ) اگر چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

جب کوئی مرد یا عورت پہلی بار چوری کرے تو اس کا سیدھا ہاتھ گٹے سے کاٹ دیا جائے اس کے بعد دوبارہ چوری کرے تو ٹخنہ سے بائیں پاؤں کاٹ دیا جائے یہاں تک تمام ائمہ کا اتفاق ہے، اس کے بعد تیسری مرتبہ چوری کرے تو کیا کیا جائے اس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اب کوئی ہاتھ یا پاؤں نہ کاٹا جائے بلکہ اس کو جیل میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ توبہ کر لے، حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور امام اوزاعی رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے، اور حضرت امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیسری بار چوری کرے تو بائیں ہاتھ کاٹ دیا جائے اور چوٹی بار چوری کرے تو دایاں پاؤں ہاتھ کاٹ دی جائے اگر اس کے بعد بھی چوری کرے تو اسے دوسری کوئی سزا دی جائے یہاں تک کہ توبہ کر لے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا مروی ہے۔

چور کا ہاتھ کاٹنے کا قانون حکمت برہنی ہے اس کی مخالفت کرنے والے بے دین ہیں

چور اور چورنی کی سزا بیان کرنے کے بعد فرمایا ﴿جَزَاءُ بِمَا كَسَبَتْ﴾ کہ یہ سزا ہے اس فعل کی جو انہوں نے کیا اور ساتھ ہی ﴿نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ﴾ بھی فرمایا، نکال اس سزا کو کہتے ہیں جو دوسروں کیلئے عبرت ہو اللہ جل شانہ عالم الغیب ہے اسے معلوم تھا کہ چوری کی سزا جو ہاتھ کاٹنے کی صورت میں دی جا رہی ہے اس پر اعتراض کر کے ایمان کھو بیٹھنے والے بھی پیدا ہوں گے۔ ایسے احمقوں کے اعتراض کا جواب ﴿جَزَاءُ بِمَا كَسَبَتْ نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ﴾ میں دیدیا اللہ جل شانہ، خالق و مالک ہے احکم الحاکمین ہے اسے اختیار ہے کہ بندوں کو جو چاہے حکم دے اور جو قانون چاہے تشریحی طور پر نافذ فرمائے پھر وہ عزیز بھی ہے وہ سب پر غالب ہے، اور حکیم بھی ہے اس کا ہر فعل ہر فیصلہ اور ہر قانون حکمت کے مطابق ہے وہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے انسانوں میں کیسے کیسے جذبات ہیں ان میں مصلحین بھی ہیں اور مفسدین بھی، چور بھی ہیں اور ڈاکو بھی اور ان فساد یوں کا فساد کون سے قانون کے نافذ کرنے سے روکا جاسکتا ہے اور کونسی ایسی عبرت ناک سزا ہے جو مفسدین کو فساد سے باز رکھ سکتی ہے اور عامتہ الناس کے جان و مال کی حفاظت کس قانون کے نافذ کرنے سے ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس سب کا علم ہے سورہ ملک میں فرمایا ﴿إِلَّا يَعْلَمُ مَن خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ (کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا اور وہ باریک بین ہے باخبر ہے) جو لوگ اسلام کی بتائی ہوئی مجرمین کی سزاؤں کو وحشیانہ یا ظالمانہ کہتے ہیں ان میں سب سے آگے آگے تو یہود و نصاریٰ ہیں جن میں مستشرقین بھی ہیں یہ تو کھلے کافر ہیں اور ان کا اسلام کی حقانیت پر ایمان ہی نہیں ہے۔ یہ اعتراض کریں تو چنداں تعجب نہیں کیونکہ انہیں نہ حق قبول کرنا ہے نہ حق ماننا ہے اپنے اپنے دین کو باطل سمجھتے ہوئے بھی اسی پر جتے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر کے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کر کے خوش ہیں دوزخ میں جانے کو تیار ہیں۔

حیرت ان لوگوں پر ہے جو اسلام کے بھی دعویٰ دار ہیں اور قرآن کریم کی مقررہ سزاؤں کو وحشیانہ بھی کہتے ہیں، یہ لوگ نام کے مسلمان ہیں مسلمانوں کے درمیان رہنے اور مسلمانوں سے دنیاوی منافع وابستہ ہونے کی وجہ سے یوں نہیں کہتے کہ ہم مسلمان نہیں ہیں مگر حقیقت میں یہ لوگ مسلمان نہیں وہ کیا مسلمان ہے جو اللہ پر، اللہ کی کتاب اور اللہ کے قانون پر اعتراض کرے اور اللہ کے قانون کو وحشیانہ اور ظالمانہ بتائے، یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ عزیز ہے علیم ہے خبیر ہے اسے یہ معلوم ہے کہ امن و امان کیسے قائم رہ سکتا ہے اور شر و فساد کے خوگر کس قانون کے نافذ کرنے سے دب سکتے ہیں، پہلے یورپین حکومتوں کے جاری کردہ قوانین کو لے لیں (جنہیں ایشیا وغیرہ کے ممالک نے بھی قبول کر لیا)۔ ان لوگوں کے یہاں چور ڈاکو کی یہ سزا ہے کہ انہیں جیل میں ڈال دیا جائے جو لوگ جرائم کے عادی ہوتے ہیں ان کے نزدیک جیل میں رہنا معمولی سی بات ہے جیلوں میں جاتے ہیں واپس آتے ہیں پھر چوری ڈکیتی کر لیتے ہیں پھر پکڑے جاتے ہیں پھر جیل میں چلے جاتے ہیں۔ مشہور ہے

کہ اپنے ساتھیوں سے یہ کہہ کر جیل سے باہر جاتے ہیں کہ میرا چولہا ایسے ہی رہنے دینا چند دنوں بعد پھر واپس آؤں گا۔ اگر جیل کی سزا دینے سے امن وامان قائم ہو سکتا ہے اور چوری ڈکیتی کی وارداتیں ختم ہو سکتی تھیں تو اب تک ختم ہو جاتیں لیکن وہ تو روز افزوں ہیں چور ڈاکو دندناتے پھرتے ہیں مال داروں پر ان کی نظریں رہتی ہیں کبھی کسی کو قتل کیا کبھی پستول دکھا کر کسی شہری کو لوٹ لیا کبھی کسی بس کو روک کر کھڑے ہو گئے۔ کبھی ریل میں چڑھ گئے اور مسافروں کے پاس جو کچھ مال تھا وہیں دھروالیا کبھی کسی کے گھر میں گھس گئے کبھی سونے کی دکان لوٹ لی، اول تو ان کو پکڑا نہیں جاتا اور اگر پکڑ بھی لیا گیا تو بعض مرتبہ رشوت چھڑوا دیتی ہے اور بعض مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ان کو پکڑنے پر مامور ہیں اس ڈر سے کہ کہیں موقع دیکھ کر ہم پر حملہ نہ کر دیں انہیں چھوڑ بھاگتے ہیں اور اگر پکڑ ہی لیا اور حاکم کے سامنے پیش کر ہی دیا اور اس نے رشوت لیکر نہ چھوڑا بلکہ سزا تجویز کر ہی دی تو وہ جیل کی سزا ہوتی ہے جیل میں سزا کے مقررہ دن گزار کر اور کبھی اس سے پہلے ہی نکل آتے ہیں اور پھر انہیں مشاغل میں لگ جاتے ہیں جن کی وجہ سے جیل میں گئے تھے۔

اب اسلام کے قانون کو دیکھئے ڈاکوؤں کی سزا اور پر بیان کر دی گئی ہے۔ جس کی چار صورتیں بیان کی گئیں ہیں یہاں چور اور چورنی کی سزا بیان فرمائی کہ ان کا ہاتھ کاٹ دیا جائے ان سزاؤں کو نافذ کر دیں چند کو ڈکیتی کی سزا مل جائے اور چند چوروں کے ہاتھ کاٹ جائیں تو دیکھیں کیسے امن وامان قائم ہوتا ہے اور کیسے لوگ آرام کی نیند سوتے ہیں۔

جو لوگ اسلامی قوانین کے مخالف ہیں وہ چوروں کے حامی ہیں

اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ اسلامی سزا کے نافذ کرنے کے مخالف ہیں ان کو چوروں اور ڈاکوؤں پر تو رحم آتا ہے کہ ہائے ہائے اس کا ہاتھ کاٹ جائے گا اور ڈاکوؤں پر ترس آتا ہے کہ یہ مقتول ہوں گے سولی پر چڑھا دیئے جائیں گے اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے لیکن عامتہ الناس پر رحم نہیں آتا جو بد امنی اور شر و فساد کا شکار رہتے ہیں، کیسی بھونڈی سمجھ ہے کہ عام مخلوق کو چوروں اور ڈاکوؤں کے ظلم سے محفوظ و مامون کرنے کے لئے چند افراد کو سخت سزا دینے کے روادار نہیں ہیں اور چوروں اور ڈاکوؤں کو چوری اور لوٹ مار کے مواقع فراہم کرنے کو تیار ہیں۔

﴿جَزَاءُ بِمَا كَسَبَا﴾ کے ساتھ جو ﴿نَكَالًا مِنَ اللَّهِ﴾ فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ چور کے لئے جو سزا تجویز فرمائی وہ صرف ان ہی کے کرتوت کا بدلہ نہیں ہے بلکہ دوسروں کے لئے بھی اس میں عبرت ہے۔ پھر ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ ﴿وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ کہ (اللہ تعالیٰ غلبہ والا بھی ہے اور حکمت والا بھی) اس کا قانون حکمت کے مطابق ہے اس کے خلاف کوئی بھی قانون بنی نوع انسان کے حق میں بہتر نہیں ہے، جن ممالک میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا قانون نافذ ہے وہاں کے بازاروں میں اب بھی یہ حال ہے کہ دکانوں پر معمولی سا پردہ ڈال کر نمازوں کے لئے چلے جاتے ہیں اور بعض دکانوں کے باہر رات بھر سامان پڑا رہتا ہے پھر بھی چوری نہیں ہوتی۔ چور کی سزا بیان کرنے کے بعد فرمایا ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (سو جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو بلاشبہ اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے)۔

یہ اللہ تعالیٰ شانہ کا عام قانون ہے کوئی شخص کتنا ہی بڑا ظلم کر لے اور اس کے بعد نادم ہو کہ سچے دل سے توبہ کر لے اور یہ توبہ اصول شریعت پر پوری اترتی ہو تو اللہ تعالیٰ جل شانہ معاف فرمادیں گے، یہاں چونکہ چور کی سزا کے بعد توبہ کا ذکر فرمایا ہے اس لئے مفسرین کرام نے آیت کا معنی یہ لکھا ہے کہ کوئی چور اپنے ظلم یعنی چوری کے بعد توبہ کر لے اور پھر اصلاح حال کر لے یعنی جو مال اس نے چرایا ہے وہ واپس کر دے یا مالک سے معاف کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا اس کی اس توبہ کا یہ فائدہ ہوگا کہ چوری کر کے جو اللہ کی نافرمانی کی ہے آخرت میں اس پر عذاب نہ ہوگا۔ رہا ہاتھ کاٹنے کا مسئلہ تو یہ معاف نہ ہوگا یعنی قاضی کے سامنے اگر چور توبہ کر لے تو قاضی ہاتھ کاٹنے کی سزا کو دفع نہیں کر سکتا توبہ کا تعلق آخرت کی معافی سے ہے جو بندہ اور اللہ کے درمیان ہے اور ہاتھ کاٹنے کا قانون جو فیما بین العباد ہے اس پر عمل کیا

جائے گا۔ فقہاء نے فرمایا ہے کہ ڈاکو گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لیں تو ڈکیتی کی سزا ان پر جاری نہ ہوگی اور البتہ لوگوں کی جو حق تلفی کی ہے اس کا بھگتان کرنا ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص چوری کرنے کے بعد گرفتاری سے پہلے یا اس کے بعد توبہ کر لے تو چوری کی شرعی دنیاوی سزا معاف نہ ہوگی یعنی حاکم توبہ کے بعد بھی ہاتھ کاٹ دیگا، آخر میں فرمایا ﴿الَّذِينَ تَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لئے ہے حکومت سب آسمانوں کی اور زمین کی وہ جس کو چاہے سزا دے اور جس کو چاہے معاف کر دے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے)۔

اس آیت میں بتا دیا کہ آسمان اور زمین سب اللہ کی ہی ملکیت ہے اسے ہر چیز کے بارے میں پورا پورا اختیار ہے جسے چاہے عذاب دے جس کی چاہے مغفرت فرمائے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہاں تین آیات ہیں ایک آیت کے ختم پر ﴿وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ فرمایا دوسری آیت کے ختم پر ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ فرمایا اور تیسری آیت کے ختم پر ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ فرمایا۔ یعنی وہ عزیز ہے غلبہ والا ہے کسی کو اس کے کسی فعل یا قانون پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں وہ جسے چاہے عذاب دے جسے چاہے بخش دے اس کا بھی اسے پورا پورا اختیار ہے۔ اس کے سب افعال اور سب فیصلے حکمت کے مطابق ہیں کسی کو چوں چراں کرنے کی جرات نہیں ہے۔ نیز ہر چیز اس کے تصرف میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ مغفرت کا ذکر پہلے ہے اور عذاب کا ذکر بعد میں اور یہاں عذاب کا ذکر پہلے ہے کیونکہ چور کی سزا پہلے بیان ہوئی ہے اور توبہ پر مغفرت ہونے کا ذکر بعد میں آیا ہے لہذا ترتیب سابق کے موافق تعذیب و مغفرت کو بیان فرما دیا۔

تنبیہ: چوری کا ثبوت کس طرح ہوتا ہے اور مال لینے کی کون کون سی صورتیں اس چوری میں داخل ہیں جس کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور وہ کون کون سے مقامات ہیں جہاں سے چوری کرنے سے ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور پھر ہاتھ کاٹ کر کیا کیا جائے جو خون بند ہو جائے یہ سب تفصیلات فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْرُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۗ سَعُونَ لِلْكَذِبِ سَعُونَ لِقَوْمٍ آخِرِينَ ۗ لَمْ يَأْتُوكَ يَحْرِفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۚ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۗ وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۗ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۗ ۝ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ سَعُونَ لِلْكَذِبِ أَكْثُونَ لِلْحَقِّ ۗ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۗ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَصْرِوْكَ شَيْئًا ۗ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ وَكَيْفَ يُحْكِمُوكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ ۗ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝

اے رسول! آپ کو وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو دوڑ دوڑ کر کفر میں گرتے ہیں جو ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں نے اپنے منہوں سے کہا کہ

ہم ایمان لائے اور حال یہ ہے کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے اور ان لوگوں میں سے ہیں جو یہودی ہیں جو لوگ جھوٹ کو بہت زیادہ سننے والے ہیں، جو لوگ تمہارے پاس نہیں آئے ان کو باتیں پہنچانے کے لیے خوب دھیان سے سنتے ہیں، یہ لوگ کلمات کو ان کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تو اس کو لے لینا اور اگر تم کو حکم نہ ملے تو اس سے پرہیز کرنا، اور اللہ جس کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو اے مخاطب اس کے لیے اللہ پر تیرا کوئی زور نہیں چل سکتا یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ نے یہ ارادہ نہیں فرمایا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ یہ لوگ جھوٹ کو خوب زیادہ سننے والے ہیں خوب حرام کھانے والے ہیں، سواگر وہ آپ کے پاس آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرمادیتے یا ان سے اعراض فرمائیے، اور اگر آپ اعراض کریں تو یہ آپ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اور اگر آپ فیصلہ دیں تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائیے، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے پھر اس کے بعد وہ روگردانی کرتے ہیں اور وہ لوگ مومن نہیں ہیں۔

یہودیوں کی شرارت اور جسارت اور تحریف کا تذکرہ

جیسا کہ ہم نے ﴿يَبْنِي إِسْرَائِيلَ أَذْكَرُوا نِعْمَتِي الَّتِي﴾ (آخر تک) کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے یہودی زمانہ قدیم سے آکر آباد ہو گئے تھے جب خاتم النبیین ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں نے باوجودیکہ آپ کو جان لیا اور آپ کی جو صفات تورات شریف میں پڑھی تھیں ان کے مطابق آپ کو پالیاتب بھی باسثناء معدودے چند افراد کے یہ لوگ مسلمان نہ ہوئے اور طرح طرح سے مخالفت کرنے لگے اور تکلیفیں دینے لگے انہیں لوگوں میں سے منافق لوگ بھی تھے جنہوں نے ظاہر میں اسلام کا کلمہ پڑھ لیا اور جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ ہم مسلمان ہیں حالانکہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے یہ لوگ بھی مصیبت بنے ہوئے تھے۔

توریت میں زانی کی سزا رجم تھی

شادی شدہ مرد کی سزا کے بارے میں توریت شریف میں وہی حکم تھا جو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ التحیہ میں ہے اور وہ یہ کہ زانی مرد و عورت شادی شدہ ہو تو اس کو رجم کر دیا جائے یعنی پتھروں سے مار دیا جائے جسے سنگسار کہتے ہیں۔ یہودیوں نے توریت شریف کے حکم کو بدل لیا تھا، ایک مرتبہ ایک یہودی نے ایک عورت سے زنا کر لیا تھا۔ آپس میں یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ جو نبی آئے ہیں ان کے پاس چلو ان کے دین میں تخفیف ہے اگر رجم کے علاوہ انہوں نے کوئی اور فتویٰ دیا تو ہم قبول کر لیں گے اور اللہ کے یہاں حجت میں پیش کر دیں گے کہ ہم نے تیرے نبیوں میں سے ایک نبی کے فتوے پر عمل کیا۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۵۵)

معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۶ میں ہے کہ خیبر میں جو یہودی رہتے تھے ان میں سے جو سردار قسم کے لوگ تھے ان میں سے ایک مرد نے ایک عورت کے ساتھ زنا کر لیا تھا اور یہ دونوں شادی شدہ تھے۔ توریت شریف کے قانون کے مطابق ان کو رجم کرنا تھا یہودیوں نے ان کو رجم کرنے سے گریز کیا۔ رجم کو اچھا نہ جانا کیونکہ وہ ان کے بڑے لوگوں میں تھے پھر آپس میں کہنے لگے کہ یشرب یعنی مدینہ میں جو یہ صاحب ہیں (یعنی خاتم الانبیاء ﷺ) ان کی کتاب میں رجم نہیں ہے کوڑے مارنا ہے لہذا ان کے پاس چلو اور ان سے سوال کرو۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنی قریظہ مدنیہ منورہ میں رہتا تھا خیبر کے یہودیوں نے ان کے پاس پیغام بھیجا اور کہا کہ محمد (مصطفیٰ ﷺ) سے دریافت کرو کہ اگر مرد اور عورت زنا کریں اور وہ شادی شدہ ہوں تو ان کی کیا سزا ہے اگر وہ یہ حکم دیں کہ کوڑے مارے کر چھوڑ دو تو قبول کر لینا اور اگر رجم کا حکم دیں تو قبول نہ کرنا اور گریز کرنا۔ جب یہ لوگ مدینہ منورہ آئے اور بنی قریظہ کے سامنے یہ بات رکھی تو انہوں نے کہا کہ پہلے سے سمجھ لو وہ اس بات کا حکم دیں گے جس سے تم ڈرتے ہو اس کے بعد یہودیوں کے سردار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے مسئلہ دریافت کیا آپ نے

فرمایا کہ تم میرے فیصلے پر راضی ہو گے تو انہوں نے کہا ہاں! ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہوگا آپ نے ان کو رجم کا فیصلہ سنا دیا اس پر وہ فیصلہ ماننے سے منحرف ہو گئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ ابن صوریہ کو درمیان میں ڈالیں یہ شخص ان کے علماء میں سے تھا اور کانا تھا آپ نے یہود سے فرمایا کہ تم ابن صوریہ کو جانتے ہو؟ کہنے لگا کہ ہاں! فرمایا وہ تم لوگوں میں کیسا شخص ہے؟ کہنے لگے کہ یہودیوں میں روئے زمین پر اس سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے جو تورات شریف کے احکام سے واقف ہو، ابن صوریہ کو لایا گیا آپ ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کہ تم اپنے درمیان اسے فیصلہ کرنے والا منظور کرتے ہو، کہنے لگے کہ ہاں! ہمیں منظور ہے آپ نے ابن صوریہ سے فرمایا میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی اور تمہیں مصر سے نکالا اور تمہارے لئے سمندر پھاڑا اور تمہیں نجات دی اور جس نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور جس نے تم پر من و سلویٰ نازل فرمایا۔ کیا تم اپنی کتاب میں شادی شدہ زانیوں کے بارے میں رجم کرنے کا قانون پاتے ہو؟ ابن صوریہ نے کہا کہ ہاں! قسم اس ذات کی جس کی مجھے آپ نے قسم دلائی ہے تورات شریف میں رجم کا حکم ہے اگر مجھے اس کا ڈرنہ ہوتا کہ جھوٹ بولنے یا تورات کا حکم بدلنے کی وجہ سے میں جل جاؤں گا تو میں اقرار نہ کرتا، آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے سب سے پہلے خداوند تعالیٰ کے حکم کے خلاف کب رخصت نکالی؟ ابن صوریہ نے کہا کہ ہم یہ کرتے تھے کہ جب کوئی بڑا آدمی زنا کرتا تو سزا دیئے بغیر چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی زنا کرتا تو اس پر سزا جاری کرتے تھے اس طرح سے ہمارے بڑے لوگوں میں زنا کاری زیادہ ہو گئی۔ اور ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک بادشاہ کے چچا کے بیٹے نے زنا کر لیا ہم نے اس پر رجم کی سزا جاری نہ کی پھر ایک اور شخص نے زنا کر لیا جو عام لوگوں میں تھا بادشاہ نے چاہا کہ اسے سنگسار کرے اس پر اس کی قوم کے لوگ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! اس شخص کو سنگسار نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ بادشاہ کے چچا کے بیٹے پر زنا کی سزا جاری نہ ہو۔ جب یہ بات سامنے آئی تو آپس میں کہنے لگے کہ رجم کی سزا کے علاوہ کوئی صورت تجویز کر لیں جو بڑے اور چھوٹے ہر قسم کے لوگوں پر جاری کی جاسکے لہذا ہم نے یہ طے کر لیا کہ جو شخص بھی زنا کر لے اس کو ایسی رسی سے چالیں کوڑے مارے جائیں جس پر روغن قار (تارکول) لگا ہوا ہو۔ کوڑے مار کر چہروں کو کالا کر دیتے تھے اور گدھوں پر بٹھا کر بازاروں میں گھمادیتے تھے گدھوں پر الٹ سوار کرتے تھے یعنی منہ گدھوں کی پچھلی ٹانگوں کی طرف ہوتا تھا جب ابن صوریہ نے یہ کہا تو یہود کو صحیح بات بتانا ناگوار ہوا۔ ابن صوریہ نے کہا کہ اگر مجھے تورات کی مار پڑنے کا ڈرنہ ہوتا تو میں نہ بتاتا۔

جب ابن صوریہ نے تورات شریف کا قانون سنایا اور یہودی پہلے کہہ چکے تھے کہ ہم آپ کے فیصلہ پر راضی ہیں تو آنحضرت ﷺ نے ان دونوں یہودیوں یعنی زنا کرنے والے مرد اور عورت کو رجم کرنے کا فیصلہ نافذ کر دیا جن کو آپ کی مسجد کے قریب رجم کر دیا گیا اور آپ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا اے اللہ! میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے آپ کے حکم کو زندہ کیا جسے یہودیوں نے مردہ کر دیا تھا اس پر اللہ جل شانہ نے آیت بالا ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ﴾ (آخر تک) نازل فرمائی، ارشاد فرمایا کہ اے رسول ﷺ تمہیں وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو جلدی جلدی کفر کی طرف دوڑتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے زبان سے کہہ دیا کہ وہ مومن ہیں حالانکہ وہ دل سے مومن نہیں ہیں اور ان میں وہ بھی ہیں جو جھوٹ بولنے کے لئے آگے بڑھ کر سنتے ہیں یعنی وہ آپ سے باتیں سنتے ہیں تاکہ آپ کے ذمہ وہ باتیں لگائیں جو آپ نے نہیں کہیں ﴿سَمِعُونَ لِقَوْمٍ آخِرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ﴾ یہ ان لوگوں کے لئے سنتے ہیں اور کان دھرتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے یعنی دوسرے لوگوں کے جاسوس ہیں یعنی قریظہ جو اہل خیبر کے جاسوس بن کر آئے تھے اس میں ان کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے انہوں نے ذکر کیا کہ ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تورات میں رجم کے بارے میں کیا لکھا ہوا پاتے ہو، انہوں نے کہا کہ اس میں تو یہ لکھا ہے کہ ان کو رسوا کیا جائے اور کوڑے مارے جائیں، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما وہیں موجود تھے (یہ علماء یہود میں سے تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا) انہوں نے کہ تم جھوٹے ہو بلاشبہ تورات میں رجم کی آیت موجود ہے۔ تورات لے آؤ، وہ تورات لے آئے اسے کھولا لیکن ان میں

سے ایک شخص نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس سے پہلے اور بعد میں جو مضمون تھا اسے پڑھ دیا حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ اپنا ہاتھ اٹھا! ہاتھ اٹھایا تو اس میں رجم کی آیت موجود تھی کہنے لگے کہ ہاں اس میں رجم کی آیت ہے اس کے بعد زنا کرنے والے مرد و عورت دونوں کو سنگسار کر دیا گیا۔

یہودیوں کا کتاب اللہ کی تحریف کرنا

یہودی کی حالت بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا ﴿يُخَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ﴾ کہ یہ اللہ کے کلمات کو ان کی جگہوں سے ہٹا دیتے ہیں، تورت کے حکم کو انہوں نے بدل دیا تھا اور آپس میں مل کر رجم کے حکم کو منسوخ کر بیٹھے تھے، جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ بھی اللہ کا حکم نافذ کرنے کے لئے نہیں آئے تھے بلکہ رخصت اور آسانی تلاش کرنے کے لئے آئے تھے۔ ﴿يَقُولُونَ إِنَّا أَوْتَيْنَاهُ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تَأْتَوْهُ فَاحْذَرُوا﴾ اسی وجہ سے کہ انہیں قانون خداوندی پر چلنا مقصود نہ تھا بلکہ آسانی تلاش کرنا چاہتے تھے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ دیکھنا اگر مطلب کے موافق حکم ملے تو اسے مان لینا اور اگر مطلب کے خلاف ہو تو گریز کرنا جن کو حق پر چلنا مقصود نہیں ہوتا ان کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں، حق پر چلنا مقصود ہوتا تو تورت شریف میں کیوں تحریف کرتے اور تورت شریف میں بیان کردہ صفات کے مطابق نبی آخر الزمان ﷺ کو دیکھ کر کفر پر کیوں جھے رہتے۔

بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص گمراہی پر کمر باندھ ہی لے اور کفر اختیار کرتا چلا جائے اور تیزی سے کفر میں گرتا چلا جائے تو اللہ کی طرف سے اسے ہدایت نہیں ہوتی۔ ﴿وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا﴾ (اور اللہ جس کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائے تو اللہ پر تیرا کوئی زور نہیں چلتا) ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرْ قُلُوبَهُمْ﴾ (یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا) ﴿لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے (جو سب کے سامنے آئے گی) اور آخرت میں ان کے لیے عذاب عظیم ہے یعنی وہ جہنم میں داخل ہوں گے)۔

یہودیوں کی حرام خوری

اس کے بعد فرمایا ﴿سَمِعُونَ لِلْكَذِبِ أَكْلُونَ لَسْتُمْ﴾ کہ یہ لوگ جھوٹ سننے والے ہیں اور خوب کان لگانے والے ہیں ﴿أَكْلُونَ لِلْسُّحْتِ﴾ خوب زیادہ حرام کھانے والے ہیں۔ علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ یہودی حکام کے بارے میں فرمایا یہ لوگ رشوت لیتے تھے اور جو شخص رشوت دینے کا اشارہ کر دیتا تھا اس کی بات پر کان دھرتے تھے اور پھر اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے تھے اور جس نے رشوت نہ دی خواہ وہ کیسا ہی مظلوم ہونے کی بات سنی جاتی تھی نہ اس کے حق میں فیصلہ دیا جاتا تھا، لفظ سحت عربی زبان میں کسی چیز کو بالکل جڑ سے ختم کرنے کے لئے موضوع ہے اس کو رشوت کے لئے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ جہاں حاکموں میں رشوت کا لین دین ہو جائے وہاں حق اور انصاف بالکل ہی ختم ہو جاتا ہے رشوت گناہ کبیرہ ہے اور جو مال رشوت میں لیا جائے وہ حرام ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے لعن الله الرشيش و الرشيش و الرشيش و الرشيش کہ اللہ کی لعنت ہے رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر اور اس شخص پر جو ان کے درمیان واسطہ بنے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۶)

یوں تو ہر رشوت کا لین دین حرام ہے لیکن خاص کر حاکم اور قاضی مجسٹریٹ اگر رشوت لے تو یہ اور زیادہ بڑا گناہ ہو جاتا ہے کیونکہ جس سے رشوت لے لی جائے اس کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے اور عموماً ایسے فیصلہ ظالمانہ ہی ہوتے ہیں۔ ظالمانہ فیصلوں کا نتیجہ دنیا میں بھی بہت برا ہے اور آخرت میں بھی اس کی بڑی سزا ہے۔

چند ایسے امور کا تذکرہ جن کی وجہ سے دنیا میں عذاب آ جاتا ہے

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی قوم میں بھی زنا کاری پھیل جائے تو قحط کے

ذریعہ ان کی گرفت کی جائے گی اور جس کسی قوم میں رشوتوں کا لین دین رواج پایا جائے تو رعب کے ذریعہ ان کی گرفت کی جائے گی (یعنی ان کے دلوں پر رعب ڈال دیا جائے گا)۔ (رواہ احمد کمانی المشکوٰۃ ص ۳۱۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس کسی قوم میں خیانت کا رواج ہو جائے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دے گا اور جس کسی قوم میں زنا کاری پھیل جائے ان میں موتیں زیادہ ہوں گی۔ اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگے گی ان کا رزق کاٹ دیا جائے گا اور جو قوم ناپ حق فیصلے کرے گی ان میں قتل و خون زیادہ ہوگا اور جو لوگ بد عہدی کریں گے ان پر دشمن مسلط کر دیا جائیگا۔ (رواہ مالک کمانی المشکوٰۃ ص ۴۰۹)

ان سب چیزوں کی تباہ کاری پہلی امتیں بھگت چکی ہیں اور اب بھی بہت سی قوموں میں یہ اعمال ہیں اور ان کے نتائج دیکھنے میں آ رہے ہیں جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں وہ غور کریں اور اپنے حالات کو سامنے رکھیں اور سوچ لیں کہ وہ کد بھر جا رہے ہیں۔

رشوت کی بعض صورتیں

رشوت صرف یہی نہیں کہ حاکم کو کچھ دیکر اپنے حق میں فیصلہ کر لیا جائے بلکہ ہر وہ کام جو کسی کے ذمے شرعاً فرض یا واجب ہو اور ہر وہ کام جو تنخواہ لینے کی وجہ سے کسی نے اپنے ذمہ کر لیا ہو اس کام پر نقد یا کچھ بھی لینا رشوت لینا ہے۔ رشوت کی بہت سی صورتیں ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں جو شخص کسی محکمہ میں ملازم ہو اگر اس محکمہ میں کام کرنا شرعاً جائز ہو (اور اگر وہ محکمہ ہی حرام ہو تو اس کی تو نوکری ہی حرام ہے) تو جو کام بحیثیت ملازم کے اس کے ذمہ واجب ہے اگر وہ عوام سے پیسہ لے کر کرے تو پیسہ لینا حرام ہے کیونکہ اس کام کی تنخواہ اسے مل رہی ہے حاکم اگر صحیح فیصلہ کرے تب بھی اس کو کسی فریق سے بھی پیسہ لینا حرام ہے کیونکہ وہ صحیح فیصلہ کرنے کا پابند ہے اور اگر رشوت بھی لی اور فیصلہ بھی غلط کیا تو رشوت تو حرام ہے ہی تنخواہ بھی حرام ہوگی کیونکہ جس کام پر مامور ہے اور جس کی تنخواہ لے رہا ہے اس نے وہ کام نہیں کیا۔

جو لوگ کسی عہدہ پر پہنچ جاتے ہیں لوگ دوڑ دوڑ کر ان کے پاس مال لاتے ہیں اور ہدیہ بنا کر دیتے ہیں اور حقیقت میں یہ ہدیہ نہیں ہوتا بلکہ اس سے کسی وقت کام لینا مقصود ہوتا ہے کیونکہ حقیقت میں رشوت اور ظاہر اہدیہ ہوتا ہے اسی لئے حضرات فقہانہ نے لکھا ہے کہ جو شخص حاکم بنا اس کا ہدیہ لینے دینے کا جن لوگوں سے پہلے سے تعلق تھا وہ اب بھی ہدیہ سمجھا جائے گا لیکن جو لوگ اب دینا شروع کر دیں گے وہ رشوت میں شمار ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان کے ایک قریبی عزیز نے بطور ہدیہ کچھ پیش کر دیا انہوں نے اسے واپس کر دیا جو غلام لے کر آیا تھا اس نے کہا کہ آپ ہدیہ نہیں لیتے ہدیہ تو رسول اللہ ﷺ نے بھی لیا ہے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہدیہ تھا اور آج ہمارے لئے رشوت ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

فائدہ: کسی سے بٹی کا نکاح کرنے پر جو رقوم لی جائے وہ رشوت ہے (جو مہر کے علاوہ ہو) اسی طرح اپنے بیٹے کے لئے لڑکی قبول کرنے پر جو مال لیا جائے وہ بھی رشوت ہے (بنگال بہار آسام میں اس کا رواج ہے) کسی کی سفارش کر دینے پر رقم یا جو بھی کچھ مال لیا جائے وہ رشوت ہے کوئی آفیسر کسی کو اپنے محکمہ میں ملازم رکھے اور اس پر رقم لے تو یہ بھی رشوت ہے۔ بنی اسرائیل کو برا کہہ کر دل ٹھنڈا نہ کر لیں بلکہ اپنے ماحول کو بھی دیکھیں کہ ہم کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ پھر فرمایا ﴿فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرَضْ عَنْهُمْ﴾ (سواگر وہ آپ کے پاس آجائیں تو ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجیے یا ان سے اعراض کریں) ﴿وَإِنْ تَعْرَضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا﴾ (اور اگر آپ ان سے اعراض فرمائیں تو وہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے) اس آیت میں اختیار دیا ہے کہ آپ اگر چاہیں ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں چاہیں فیصلہ نہ فرمائیں یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب یہود مدینہ پر اہل ذمہ کے احکام جاری نہیں ہوتے تھے اور یہودیوں سے صرف اس بات کا عائدہ ہوا تھا کہ مدینہ منورہ پر کوئی قوم حملہ کرے گی تو مل کر دفاع کریں گے جو لوگ ذمی ہوں وہ لوگ اگر کوئی فیصلہ لے کر آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ کر دینا واجب ہے جیسا کہ آئندہ رکوع میں ارشاد ہے۔ ﴿وَإِنْ أَحْكُم بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ﴾

انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم

پھر فرمایا ﴿وَإِنْ حَكَمْتَ فَأَحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ اور جس صورت میں فیصلہ کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا ہے اس صورت میں اگر فیصلہ کرنے کی جانب رجحان ہو تو انصاف ہی کا فیصلہ کریں بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے پھر فرمایا ﴿وَكَيْفَ يُحْكِمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ کہ یہ لوگ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت شریف موجود ہے اس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے ان کو اس کتاب کے ماننے کا دعویٰ بھی ہے (اسے چھوڑ کر آپ سے فیصلہ کرنا تعجب کی بات ہے) ان کو حق کا فیصلہ منظور نہیں ہے دلوں میں چور دوسرا ہے مقصد ان کا یہ ہے کہ ہمارے موافق فیصلہ ہو تو مانیں گے ورنہ نہیں اصل بات یہ ہے کہ انہیں حق پر چلنا مطلوب نہیں ہے۔ ﴿وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ اور نہ یہ ایمان لانے والے ہیں۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا
وَالرَّبِّيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتَحْفَظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءً فَلَا تَخْشَوْنَ
النَّاسَ وَآخِشُونِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِهَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ
الْكَافِرُونَ ۳۳ وَكُتِبَ عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنْ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ
بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصًا ۳۴ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارًا لَّهُ ۳۵ وَمَنْ
لَمْ يَحْكَمْ بِهَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۳۶ وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ
مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ ۳۷ وَإَتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ ۳۸ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ۳۹ وَلِيَحْكُمَ أَهْلَ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ
فِيهِ ۴۰ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِهَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۴۱

بے شک ہم نے توریت نازل کی اس میں ہدایت ہے اور روشنی ہے، اس کے ذریعہ انبیاء فیصلہ کرتے تھے انبیاء جو اللہ کے فرمانبردار تھے یہ فیصلے ان لوگوں کو دیتے تھے جو یہود تھے اور اللہ والے اور علم والے بھی فیصلہ دیتے تھے بوجہ اس کے کہ ان کو اللہ کی کتاب کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا، اور اس پر گواہ تھے۔ تو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت مت خریدو، اور جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ سو یہی لوگ کافر ہیں۔ اور ہم نے ان پر تورات میں لکھ دیا کہ جان جان کہ بدلہ، اور آنکھ آنکھ کے بدلہ اور ناک ناک کہ بدلہ اور کان کان کے بدلہ اور دانت دانت کے بدلہ اور زخموں کا بدلہ ہے۔ سو جو شخص معاف کر دے وہ اس کے لیے کفارہ ہے۔ اور جو شخص اسکے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا سو یہی لوگ ظالم ہیں۔ اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم ﷺ کو بھیجا جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان کے سامنے تھی یعنی توریت اور ہم نے انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور روشنی تھی اور وہ تصدیق کرنے والی تھی اس چیز کی جو ان کے سامنے تھی یعنی توریت اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے ہدایت تھی اور نصیحت۔ اور چاہیے کہ انجیل والے حکم کریں اس کے موافق جو اللہ نے نازل فرمایا اور جو شخص اس کے موافق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل

فرمایا سو وہی لوگ نافرمان ہیں۔

توریت شریف میں ہدایت تھی اور نور تھا

ان آیات میں اول تو توریت شریف کی صفت بیان فرمائی کہ ہم نے توریت کو نازل کیا اس میں ہدایت تھی اور نور یعنی روشنی تھی جو حق و باطل کے درمیان فرق ظاہر کرتی تھی۔

پھر فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اللہ کے فرماں بردار بندے تھے توریت کے ذریعے فیصلے فرماتے تھے انکے یہ فیصلے یہودیوں کے حالات اور معاملات سے متعلق تھے پھر النَّبِيُّونَ پر عطف فرمایا ﴿وَالرَّسُولُونَ وَالْأَحْبَارُ﴾ کہ ربانی اور احبار بھی توریت شریف کے ذریعے حکم فرماتے تھے۔ ربانی رب کی طرف منسوب ہے یعنی رب والے لوگ جنہیں ہماری اصطلاح میں اللہ والے کہا جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے وہ انہیں کی شریعت پر چلتے تھے اور اسی پر بنی اسرائیل کو چلاتے تھے توریت شریف کی تعلیم تبلیغ اور ترویج کی ذمہ داری سنبھالتے تھے، ان حضرات کے علاوہ جو اللہ کے نیک بندے تھے اللہ والے تھے اصحاب علم تھے وہ بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے طریقہ پر توریت شریف کے ذریعے فیصلہ کرتے تھے۔ ربانیوں اور احبار دو جماعتیں علیحدہ علیحدہ رہی ہیں جو لوگ عبادت میں زیادہ مشغول ہوئے ان کو ربانی اور جو لوگ علم کا مشغلہ زیادہ رکھتے تھے ان کو احبار فرمایا محض عالم جس میں عبادت نہ ہو چونکہ اس کا اپنا علم خود اس کے لئے مفید نہیں ہوتا اس لئے دوسرے لوگوں کو بھی اس سے نفع نہیں پہنچتا عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص صرف علم کا حامل ہو اس کی طرف لوگ رجوع نہیں کرتے اور نہ اس کا علمی فیض پھیلتا ہے۔

اور جو شخص محض عبادت گزار ہو علم نہ ہو وہ جہالت میں مبتلا ہو جاتا ہے ضروری علم تو ہر عامی سے عامی شخص کے لئے بھی ضروری ہے پھر جو شخص عبادت میں زیادہ منہمک ہو اس کے لئے علم کیوں ضروری نہ ہوگا؟ پس غالب اشتغال کے اعتبار سے عالم اور درویش دو جماعتیں سمجھی جاتی رہی اور اب بھی سمجھی جاتی ہیں جس کا علمی اشتغال زیادہ ہے اسے عالم کہتے ہیں اور جس کا اشتغال عبادت میں زیادہ ہے اسے درویش کہتے ہیں اور بعض حضرات میں دونوں صفات زیادہ ہوتی ہیں ایسے حضرات بہت مبارک ہوتے ہیں جیسے امت محمدیہ علی الصلوٰۃ والتحیہ میں دونوں جماعتیں ہیں اسی طرح حاملین توریت میں بھی دونوں جماعتیں تھیں۔ جب تک توریت منسوخ نہیں ہوئی اسی پر عمل کرنا فرض تھا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور انجیل شریف نازل ہوئی تو اس کے حکام پر چلنا فرض ہو گیا انجیل شریف نے توریت کے بعض احکام کو باقی رکھا اور بعض کو منسوخ کر دیا ﴿وَلَا حِجْلَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾

حضرات انبیاء کرام اور ان کے نائبین توریت کی حفاظت کرنے پر مامور تھے

پھر فرمایا ﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ﴾ یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے نائبین ربانین اور احبار توریت کے احکام جاری کرنے کے اس لئے پابند تھے کہ اللہ تعالیٰ نے توریت شریف کو محفوظ رکھنا ان کے ذمہ لگا دیا تھا ﴿وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ﴾ اور اس بات پر وہ گواہ بھی تھا کہ ہاں ہمارے ذمہ حفاظت کی ذمہ داری کی گئی ہے اور ہم اس کے نگران اور محافظ ہیں اس ذمہ داری کو جب تک علماء یہود نے پورا کیا تو ریت شریف کو تحریف سے محفوظ رکھا جب اس ذمہ داری کا احساس ختم کر دیا تو توریت شریف میں خود ہی تحریف کر بیٹھے۔ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی علماء یہود نے توریت شریف میں تحریف کر لی تھی اور آپ کے زمانہ کے علماء یہود بھی تحریف کرتے تھے اور اسی پر پیسے کھاتے تھے جس نے پیسے دیے اس کی مرضی کے مطابق مسئلہ بتا دیا۔ اپنی چودھراہٹ قائم رکھنے کے لئے انہوں نے اپنے عوام کو سمجھا دیا تھا کہ توریت شریف میں نبی آخر الزمان ﷺ کی جو صفات آئی ہیں وہ آپ میں پوری نہیں ہیں (العیاذ باللہ) اسی لئے متصل ہی فرمایا

﴿فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اَخْشَوْنَ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ (کہ تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کے بدلے

دنیا کا متاع قلیل حاصل نہ کرو) نہ مالی رشوت لو اور نہ اپنی ریاست و چودھراہٹ باقی رکھنے کے لئے میری آیات کو بدلو، اللہ کا خوف سب سے زیادہ ضروری ہے جو ہر گناہ سے بچاتا ہے۔

اور جو لوگ اللہ کے نازل فرمودہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں پھر فرمایا ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا تو یہ لوگ کافر ہیں، یہودیوں نے توریت کے حکم رجم کو جانتے ہوئے بدل دیا۔ زانیوں کے بارے میں وہ فیصلہ نہ کرتے تھے جو تورات شریف میں تھا، تحریف کے باوجود رجم کا حکم رسول اللہ ﷺ کے عہد تک توریت شریف میں موجود تھا۔ اسی حکم کے خلاف دوسرا فیصلہ کرانے کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن آپ ﷺ نے وہی فیصلہ فرمایا جو توریت میں تھا اور آپ کی اپنی شریعت بھی اس کے مطابق تھی۔ آپ ﷺ نے اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ فرمایا اور ان لوگوں نے حق کو چھپایا اور اللہ کے قانون کی تصدیق نہ کی بلکہ اس کے انکاری ہو گئے یہاں تک کہ جب ابن صوریانے حق بات بتادی تو یہودیوں کو اس کا بتانا ناگوار ہوا یہودی توریت شریف سامنے ہوتے ہوئے بھی اس کے حکم کی تصدیق نہیں کرتے تھے کفر در کفر کے مرتکب بنے ہوئے تھے۔

قصاص کے احکام:

اس کے بعد قصاص فی النفس اور قصاص فی الاعضاء کا حکم بیان فرمایا، توریت شریف میں جو قصاص کے احکام تھے عملی طور پر یہود نے ان کو بھی بدل دیا تھا، مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو بڑے قبیلے تھے ایک قبیلہ بنی نضیر اور دوسرا بنی قریظہ تھا ان میں آپس میں لڑائی جھگڑا اور مار کاٹ کی واردتیں ہوتی رہتی تھی، بنی نضیر اپنے کو اشرف اور اعلیٰ سمجھتے تھے جب کوئی شخص بنی نضیر میں سے بنی قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو اسے قصاص میں قتل نہیں ہونے دیتے تھے اور اس کی دیت میں ستر و سق کھجوریں بھی دے دیتے تھے اور جب کوئی شخص بنی قریظہ میں سے بنی نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو قاتل کو قصاص میں قتل بھی کرتے تھے اور دیت میں ایک سو چالیس و سق کھجوریں بھی لیتے تھے اور اگر بنی نضیر کی کوئی عورت بنی قریظہ کے ہاتھ قتل ہو جاتی تو اس کے عوض بنی قریظہ کے مرد کو قتل کرتے تھے اور اگر کوئی غلام قتل ہو جاتا تھا تو اس کے بدلہ بنی قریظہ کے آزاد مرد کو قتل کرتے تھے اسی طرح کے قانون انہوں نے جراحات کے عوض کے بارے میں بنا رکھے تھے بنو قریظہ کو مال کم دیتے تھے اور خود اس سے دو گنا لیتے تھے۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۳۸ و بعضہ فی سنن ابی داؤد۔ اول کتاب الدیات) (جراحات سے وہ زخم مراد ہیں جس سے مضروب مقتول نہ ہوتا تھا)

اللہ جل شانہ نے آنحضرت ﷺ پر آیت نازل فرمائی جس میں قصاص کے احکام بیان فرمائے۔ جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ان میں سے جو زور آور قبیلہ نے کمزور قبیلہ کے ساتھ معاملہ کر رکھا ہے یہ معاملہ توریت شریف کے خلاف ہے۔

احکام توریت کے احکام کے خلاف ہیں اور ظالمانہ ہیں اور انکے تجویز کردہ ہیں اسی لئے اخیر میں فرمایا ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (اور جو شخص اس کے موافق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا تو یہی لوگ ظالم کرنے والے ہیں)

قصاص کا یہ قانون ہمارے لئے بھی اسی طرح مشروع ہے کہ جان کو جان کا بدلہ میں قتل کیا جائے گا بشرطیکہ قاتل نے قتل کیا ہو۔ اس میں چھوٹا بڑا مرد عورت بیٹا اور نابینا، تندرست اور اپاہج سب برابر ہیں، کسی مال دار کو کسی غریب پر اور کسی قبیلہ کو دوسرے قبیلہ پر کوئی فوقیت حاصل نہیں البتہ یہ معاملہ مقتول کے اولیاء کے سپرد ہوگا وہ اگر چاہیں تو قصاص لیں اور چاہیں تو معاف کر دیں اور چاہیں تو دیت لے لیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿فَمَنْ عَفَىٰ لَكَ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبِعْ بِالْمَعْرُوفِ وَادِّأْ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ قصاص کے بدلہ دیت لینے کی اجازت شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی میں ہے۔ یہودیوں کے حق میں صرف قصاص ہی مشروع تھا جیسا کہ ﴿ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾ کے ذیل میں مفسرین نے بات لکھی ہے۔

اگر کوئی شخص کسی کی آنکھ میں مار دے جس سے روشنی چلی جائے تو اس پر بھی قصاص ہے مارنے والے کی آنکھ کی روشنی ختم کر دی جائے اور اگر کوئی شخص کسی کا دانت توڑ دے یا اکھاڑ دے تو اس کا بدلہ بھی دلایا جائے گا اسی طرح کوئی شخص کسی کی ناک کاٹ دے تو کاٹنے والے کی ناک کاٹ دی جائے گی اور اگر کوئی شخص کسی کا کان کاٹ دے تو اس میں قصاص ہے یعنی کاٹنے والے کا کان کاٹا جائے گا۔

قرآن مجید میں قصاص فی النفس کے بعد، آنکھ، ناک، کان اور دانت میں قصاص بتایا ہے دوسرے اعضاء کا ذکر نہیں فرمایا فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ دیگر اعضاء اطراف کے قصاص کے مسائل بھی لکھے ہیں اگر کوئی شخص کلائی سے قصداً کسی کا ہاتھ کاٹ دے تو کاٹنے والے کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے اگرچہ اس کا ہاتھ بڑا ہو اسی طرح انگلیوں میں بھی قصاص ہے اگر کوئی شخص کسی کی پوری انگلی جڑ سے کاٹ دے بیچ کے جوڑوں میں سے کسی جوڑے سے کاٹ دے تو اس میں بھی قصاص ہے اسی طرح پاؤں کاٹنے میں بھی قصاص ہے، اگر کوئی شخص ٹخنے کے جوڑے سے کسی کا پاؤں کاٹ دے تو اس کے بدلہ اسی جوڑے سے کاٹنے والے کا پاؤں کاٹ دیا جائے گا اور بھی بہت سی تفصیلات ہیں جو فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں لکھی ہیں۔

آخر میں فرمایا ﴿وَالْجُرُوحُ قِصَاصٌ﴾ (اور زخموں میں قصاص ہے) زخموں کے فقہاء نے دس قسمیں لکھی ہیں اور ان کے احکام میں بڑی تفصیلات ہیں جس زخم میں مساوات یعنی برابری ہو سکے اس میں قصاص ہے اور جس میں برابری نہ ہو سکے اس میں مال دیا جائے گا ہدایہ میں (کتاب الجنایات) فصل فی الشجاج کا مطالعہ کر لیا جائے۔

فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ كَعَنَى

پھر فرمایا ﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ﴾ حضرات مفسرین کرام نے اس کے دو مطلب لکھے ہیں، اصل سوال یہ ہے کہ لہ کی ضمیر کس طرف راجع ہے اگر جرح (زخمی) اور قتل کے ولی کی طرف راجع ہے تو آیت کا یہ مطلب ہے کہ مجروح نے یا مقتول کے ولی نے اگر جرح اور رقاتل کو معاف کر دیا اور اپنے حق کا صدقہ کر دیا یعنی جرح اور قاتل کو معاف کر دیا تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اور حسن شعبی اور قتادہ سے ایسا ہی مروی ہے۔

اور اگر لہ کی ضمیر جرح اور قاتل (یعنی زخم کرنے والے اور قتل کرنے والے) کی طرف راجع ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ مجروح نے یا مقتول کے ولی نے جب معاف کر دیا تو یہ زخمی کرنے والے اور قتل کرنے والے کے گناہ کا کفارہ ہو گیا اب اس پر آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا رہا معاف کرنے کا اجر و ثواب تو وہ اپنی جگہ ہے جو دوسری آیت ﴿فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾ میں بیان فرمایا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی منقول ہے اور بعض تابعین ابراہیم نخعی، مجاہد اور زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۴۱ و ۴۲)

قصاص کا شرعی قانون نافذ نہ کرنے کا وبال

قصاص کا قانون سورہ بقرہ میں بھی بیان فرمایا اور یہاں سورہ مائدہ میں بھی جو لوگ مسلمان نہیں ہیں انہوں نے اپنے جاہلانہ قانون بنا رکھے ہیں اول تو قتل عمد ثابت ہی نہیں ہوتا۔ وکیلوں اور بیرسٹوں کی دنیا ہے "قاتل" کی حمایت کرنے والا وکیل اور بیرسٹر ایسی قانونی مویشکانی کرتا ہے کہ وہ قاتل کے خلاف فیصلہ ہونے ہی نہیں دیتا اور اگر دوسری جانب کے وکیل نے اسے پچھاڑ ہی دیا اور حاکم کی رائے سزا دینے کی ہو ہی گئی تو وہ لمبی جیل کر دیتا ہے اور یہ جیل بھی ایسی کہ بیس سال کی جیل ہو تو دس سال ہی میں پوری ہو جائے گی کیونکہ رات اور دن کا سال علیحدہ علیحدہ شمار ہوتا ہے اس میں اول تو قاتلوں کو عبرت نہیں ہوتی ان کو جیلیں کاٹنے کی عادت ہوتی ہے دوسرے اولیاء مقتول کی کوئی حیثیت نہیں سمجھی جاتی نہ انہیں حق قصاص دلایا جاتا ہے نہ دیت دلائی جاتی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ رؤسا مملکت کو جان بخشی کی درخواست دی جائے تو وہ بالکل ہی معاف کر دیتے ہیں حالانکہ ان کو معاف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کافروں نے جو قانون بنا رکھے ہیں انہیں کو ان حکومتوں نے اپنا رکھا ہے جو ممالک مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں یہ لوگ بھی قصاص اور دیت کا قرآنی قانون نافذ نہیں کرتے اور اس کا بدترین پہلو یہ کہ بعض جاہل

قصاص و وحشیانہ سزا بھی کہ دیتے ہیں اللہ کے قانون پر اعتراض کر کے کافر ہونے کو تیار ہیں لیکن دنیا میں امن و امان قائم کرنے اور قتل و خون کی واردتیں ختم کرنے کو تیار نہیں، ان کو رحم بھی آتا ہے تو قاتلوں پر ہی آتا ہے کیسی بھونڈی سمجھ ہے۔

انجیل شریف میں ہدایت تھی اور نور تھا

توریت شریف اور اس کے بعض احکام کا تذکرہ فرمانے کے بعد حضرت سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور انجیل شریف کا تذکرہ فرمایا جو حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور ارشاد فرمایا ﴿وَقَفَيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ﴾ کہ انبیاء کے بعد (جو توریت کے مطابق حکم کرتے تھے) ہم نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو بھیجا وہ توریت شریف کی تصدیق کرنے والے تھے جو پہلے سے موجود تھی انجیل میں متقیوں کے لئے ہدایت تھی اور نصیحت تھی، اس میں یہ بتا دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی توریت کی تصدیق کرنے والے تھے اور جو کتاب ان پر نازل ہوئی یعنی انجیل وہ بھی توریت شریف کی تصدیق کرنے والی تھی سارے ہی انبیاء کرام علیہم السلام آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والے تھے اور انجیل میں توریت شریف کی تصدیق موجود تھی بعد میں گروہ بندیاں ہو گئیں اور بنی اسرائیل نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا نہ صرف یہ کہ انکار کر دیا اور ان کی کتاب کو نہ مانا بلکہ ان کے قتل کے درپے ہو گئے قتل تو نہ کر سکے لیکن اپنی کرنی میں انہوں نے کوی کسر نہ چھوڑی تھی عیسائیوں میں برابر باہمی مخالفت رہی اور نصرانی یہودیوں کو یہ الزام دیتے رہے کہ انہوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے۔ چند سال پہلے سیاسی گٹھ جوڑ کے تقاضے پر نصرانیوں نے اپنا الزام واپس لے لیا۔

گٹھ جوڑ مسلمانوں کی مخالفت میں متحد ہونے کے لئے کیا گیا ہے۔ یہودیوں کے مقاصد نصرانیوں سے متعلق ہیں اس لئے باہمی مخالفت کو دور کرنے کے لئے یہ راستہ نکالا گیا جو اوپر مذکور ہوا۔

اللہ کے نبی اور اللہ کی کتابیں سب ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والی ہیں

بہر حال یہ سیاسی گروہ بندی اور مخالفت اور موافقت لوگوں کے اپنے معاملات کی وجہ سے ہے اللہ کے نبیوں میں آپس میں کوئی مخالفت نہیں اور اللہ کی کوئی کتاب دوسری کتاب کی تکذیب کرنیوالی نہیں توریت اور انجیل میں رسول اللہ ﷺ کی تصدیق موجود تھی جسے یہود و نصاریٰ نے محرف کر دیا اور تحریف کے باوجود بھی تصریحات ملتی ہیں جن میں آپ کی تصدیق اور تشریف آوری کی تبشیر موجود ہے انجیل کے بارے میں فرمایا ﴿وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ﴾ کہ وہ ہدایت ہے اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے، یہ ایسا ہی جیسے قرآن مجید کے بارے میں ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ اور ﴿هٰذَا بَيِّنَاتٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ﴾ فرمایا ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ﴾ (اور جو شخص اس کے موافق حکم نہ کرے جو اللہ نے نازل فرمایا تو یہی لوگ نافرمان ہیں) جن لوگوں کو انجیل شریف ان کے نبی کے ذریعہ پہنچی وہ اس کے مطابق نہ چلے اور اس کے موافق فیصلے نہ کئے اور اس میں تحریف بھی کر دی اور توحید کے عقائد کی بجائے اپنے دین میں شرکیہ عقائد داخل کر لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتا دیا اور تین خدا مان لئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے اعتقاد کر کے کفارہ کا عقیدہ نکال لیا، پھر جب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی اور انجیل کی تصریح کے مطابق آپ کی نبوت و رسالت کا یقین ہو جانے کے باوجود ایمان نہیں لائے اور گمراہی میں ہی رہ گئے، ان کو حکم ہو رہا ہے کہ جو کچھ اللہ نے انجیل میں فرمایا ہے اس کے مطابق حکم کریں اور باطل عقائد کو چھوڑیں اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں، اللہ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کے مطابق فیصلہ نہ کرنا فاسقوں ہی کا کام ہے لفظ فاسق ”فسق“ سے لیا گیا ہے فسق اطاعت اور فرمانبرداری سے نکل جانے کو کہتے ہیں کفر و شرک کا مل فسق ہے اس لئے شیطان کے بارے میں ﴿فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾ فرمایا۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّبًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَا ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۗ وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۗ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۳۸﴾ وَأِنْ أَحْكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۗ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴿۳۹﴾ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۗ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۴۰﴾

اور ہم نے حق کے ساتھ آپ کی طرف کتاب اتاری وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اور وہ ان کتابوں کی محافظ ہے اور آپ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے نازل فرمایا اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اسے چھوڑ کر آپ ان کی خواہشات کا اتباع نہ کیجئے تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے شریعت اور خاص راہ مقرر کر دی ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) تاکہ تم کو اس کے بارے میں آزمائے جو تم کو دیا، سو تم خیر کے کاموں کی طرف دوڑو، اللہ ہی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے، سو ان باتوں کے بارے میں وہ تم کو باخبر فرمائے گا جن میں تم اختلاف رکھتے تھے، اور یہ کہ آپ ان کے درمیان اسی کے موافق فیصلہ کریں جو اللہ نے اتارا اور ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں، اور اس بات سے پرہیز کریں کہ یہ لوگ آپ کو اللہ کے دیئے ہوئے احکام میں سے کسی حکم کو ہٹادیں (سو وہ اگر روگردانی کریں تو آپ جان لیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان کو سزا دیدے اور بے شک لوگوں میں بہت سے ایسے ہیں جو نافرمان ہیں، کیا یہ جاہلیت کے حکم کو چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا ان لوگوں کے لیے کون ہے جو یقین کرتے ہیں۔

قرآن مجید دوسری کتب سماویہ کے مضامین کا محافظ ہے۔

توریت و انجیل کا تذکرہ فرمانے اور یہ بتانے کے بعد کہ یہ دونوں اللہ کی کتابیں ہیں اور ان میں ہدایت ہے نور ہے، اور یہ کہ جو شخص اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ دے وہ کافر ہے اور ظالم ہے اور فاسق ہے، آیات بالا میں قرآن مجید کا تذکرہ فرمایا اور یہ بتایا کہ ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے جو حق لے کر آئی ہے اور اس سے پہلے جو اللہ کی کتابیں ہیں انکی بھی تصدیق کرنے والی ہے (کسی یہودی یا نصرانی کو اس سے منحرف ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ وہ اپنے سے پہلے آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے) اور نہ صرف یہ کہ وہ سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے بلکہ ان کی مضامین کی نگران بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے اور اس سے پہلی کتابیں جو یہود و نصاریٰ کے پاس تھیں ان کو انہوں نے گم کر دیا اور انکے مضامین بھی ادل بدل کر دیئے اب یہ قرآن خود بھی محفوظ ہے (بحفاظت الہیہ) اور ان مضامین کا بھی محافظ ہے جو سابقہ کتابوں میں بیان ہوئے تھے۔ ان کتابوں میں جو مضامین عقائد صحیحہ کے خلاف لوگوں نے شامل کر دیئے تھے اور ان کے احکام کو بدل دیا تھا۔ قرآن مجید ان کی تردید کرتا ہے اور جو صحیح عقائد ان میں بیان کئے گئے تھے اور جو احکام بتائے گئے تھے ان میں سے جن احکام کی اس امت کو ضرورت ہے ان کو بیان کرتا ہے اور ان کی حفاظت کرتا ہے۔ جیسا کہ اوپر قصاص کے احکام بیان فرمائے اور فرمایا کہ یہ توریت شریف میں مذکور تھے (جو امت محمدیہ کے لئے بھی مشروع ہیں) اسی طرح یہود و نصاریٰ کے عقائد

شرکیہ کی تائید فرمائی اور بتایا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے توحید کی دعوت دی تھی اور شرک سے بیزاری کا حکم دیا تھا۔

قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم

پھر فرمایا ﴿فَأَحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ کہ جو حق آپ کے پاس آیا ہے اس کو چھوڑ کر آپ ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں اللہ کے فرمان کے مطابق فیصلے کریں اور لوگوں کی خواہشوں کے مطابق فیصلے نہ کریں۔

یہودیوں کا ایک مکر

بظاہر یہ خطاب آنحضرت سرور عالم ﷺ کو ہے لیکن اس کا عموم تمام قضاة و حکام کو شامل ہے آپ ﷺ کو جو خاص کر کے مخاطب فرمایا اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ علماء یہود نے باہمی مشورہ سے ایک پروگرام بنایا تھا جو شرارت پر مبنی تھا، کعبہ بن اسد اور عبد اللہ بن صوریہ اور شاس بن قیس نے آپس میں کہا کہ محمد ﷺ کے پاس چلو ہم انہیں انکے دین سے ہٹانے کا کوئی راستہ نکال لیں، یہ لوگ آئے اور انہوں نے آ کر کہا کہ اے محمد! آپ کو معلوم ہے کہ ہم یہود کے علماء ہیں اور سردار ہیں اور ان میں ہمارا بڑا مرتبہ ہے اگر ہم آپ کا اتباع کر لیں گے تو تمام یہود آپ کا اتباع کر لیں گے وہ ہمارے خلاف نہ جائیں گے سو آپ ہمارے حق میں فیصلہ دینا۔ ایسا کرنے سے ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کر لیں گے آپ ﷺ نے اس سے انکار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں اور ان سے ڈرتے رہیں اور ہوشیار رہیں کہ وہ اللہ کے بعض احکام سے ہٹادیں۔

اس لالچ میں کہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے حق چھوڑنے کی اجازت نہیں

اس لالچ میں کہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے حق کو چھوڑنے اور غلط فیصلہ دینے کی کوئی گنجائش نہیں جسے اسلام قبول کرنا ہو وہ حق کے لئے قبول کرے جسے شروع ہی سے حق پر چلنا منظور نہیں وہ بعد میں کیا حق پر چلے گا، جھوٹے مسلمانوں کو اپنا بنا کر اپنی اکثریت ظاہر کرنا یہ اسلام کے مزاج کے خلاف ہے، دوسری قومیں جنہیں حق مقصود نہیں سیاسی دنیا میں اپنی اکثریت دکھانے کے لئے غیروں کو بھی اپنی فہرست میں شمار کر لیتی ہیں لیکن اسلام میں ایسا نہیں ہے اسی سے معلوم ہو گیا کہ یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اور کافروں کو اپنے قریب لانے کے لئے اور دنیا میں اپنی اکثریت بنانے کے لئے باہمی مشورہ کر کے اسلام کے فلاں حکم کو بدل دو یہ جہالت اور گمراہی کی بات ہے اسی طرح بعض جاہل کہتے ہیں کہ گمراہ فرقتے جو اپنے عقائد کی وجہ سے حدود کفر میں جا پڑے ہیں انہیں کافر مت کہو تا کہ اسلام کے ماننے والوں کی نفی کم نہ ہو یہ بھی احمقانہ بات ہے اسلام کو ایسے لوگوں کی بالکل ضرورت نہیں ہے جو اسلام کے مدعی ہیں لیکن عقائد کے اعتبار سے کافر ہیں، اسلام حق بتاتا ہے، حق ظاہر کرتا ہے مدہانت کی اجازت نہیں دیتا۔

ہر امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص شریعت مقرر فرمائی

پھر فرمایا ﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَا﴾ کہ ہم نے تم میں سے ہر امت کے لئے ایک خاص شریعت اور ایک خاص طریقہ عمل مقرر کر دیا ہے، عقائد تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے مشترک ہیں اور بہت سے احکام اوامرو نواہی میں بھی اتفاق ہے البتہ بعض فروعی احکام میں اختلاف پایا جاتا ہے اور چونکہ یہ تمام احکام اللہ تعالیٰ ہی کے اوامرو نواہی کے تحت ہیں اس لئے جس امت نے اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول ﷺ کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اس نے اللہ ہی کی فرماں برداری کی پچھلی امتوں کو جو بعض احکام دیئے گئے تھے وہ منسوخ ہو گئے تو ریت شریف کے بعض احکام حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے منسوخ فرمادئے ﴿وَلِأَجَلٍ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾

اور تو ریت و انجیل کے بعض احکام شریعت محمدیہ میں منسوخ ہو گئے جب ہر شریعت اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ مقرر ہے تو اس پر عمل کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے اور اللہ کی فرمانبرداری میں اللہ کی رضا مندی ہے، دین اور شریعت پر چلنے سے مقصد

صرف اللہ کی رضا ہے اور کچھ نہیں جب اللہ راضی ہے تو اختلاف شراعی میں کچھ حرج نہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے گزشتہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا اور سب سے آخری شریعت یعنی شریعت محمدیہ ﷺ ہی کو مدار نجات قرار دیا تو اب دوسری شریعتوں پر چلنے کی اجازت ختم ہو گئی۔

اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا

پھر فرمایا ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ (اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا) ﴿وَلَكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ﴾ لیکن اللہ نے ایک ہی ملت بنا کر پسند نہیں فرمایا۔ بلکہ مختلف امتوں کو مختلف شریعتیں عطا فرمائیں تاکہ وہ تمہیں اس دین اور اس شریعت کے بارے میں آزمائے جو تمہیں عطا فرمائی، آزمائش یہ تھی کہ یہ دین پر عمل کرنے والے اللہ کے حکم کے فرمانبردار ہیں یا جس شریعت پر پہلے سے عمل ہو رہا ہے اس شریعت پا جامد ہونا مقصود ہے کیونکہ وہ آباؤ اجداد کی شریعت بن چکی تھی، احکام میں صرف اللہ کی رضا کو دیکھنا ہے نہ کہ باپ دادوں کی نسبتوں کو، جو شخص اللہ تعالیٰ شانہ کا فرمانبردار ہے اس کے نفس پر شریعت سابقہ کا چھوڑنا کیسا ہی شاق ہو وہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم مانے گا۔

اختلاف شراعی میں ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ امتداد زمانہ کے اعتبار سے جو عالم میں تغیر احوال ہے اس کے اعتبار سے احکام کا بدلنا مناسب ہوتا کہ ہر زمانہ کے لوگ اپنے اپنے زمانوں کے احوال کے اعتبار سے احکام الہیہ پر عمل کریں لیکن اپنے طور پر کسی حکم کو بدلنے کی اجازت نہیں ورنہ وہ شریعت الہیہ نہ رہے گی اور شریعت اسلامیہ کے بدلنے یا منسوخ ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں رہا جو آخر الانبیاء ﷺ کو عطا کی گئی کیونکہ اس میں قیامت تک آنے والے تمام زمانوں اور تمام انسانوں کے لئے احکام و مسائل موجود ہیں۔

پھر فرمایا ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ (کہ نیک کاموں کی طرف آگے بڑھو) اور نیک کام وہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نیک عمل قرار دیا ﴿إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ (اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے پھر وہ ان چیزوں کے بارے میں خبر دے گا جن میں تم اختلاف رکھتے تھے)

جزاسزا کے اعتبار سے پتہ چل جائے گا کہ حق پر کون تھا اور باطل پر کون تھا قال صاحب الروح "فالانبياء هنا مجاز عن المجازاة لمانفيها من تحقق الامر"۔

پھر فرمایا ﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ﴾ (اور آپ ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں اس کے موافق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں) اس میں مکرر حکم دیا کہ اللہ کے نازل فرمودہ احکام کے مطابق فیصلہ دیں اور فیصلہ طلب کرنے والوں کے درمیان خواہشوں کے مطابق فیصلہ نہ کریں، اس حکم کو دوبارہ بطور تاکید بیان فرمایا۔

احکام الہیہ سے اعراض کرنا مصیبت نازل ہونے کا سبب ہے

پھر فرمایا ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاَعْلَمُ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ﴾ کہ اگر یہ لوگ اس فیصلہ سے اعراض کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو آپ جان لیں کہ (چونکہ اللہ کی تشریح کو قبول نہیں کرتے اس لئے) ان پر تکوینی طور پر عذاب آنے والا ہے، اللہ چاہتا ہے کہ بعض کے بعض گناہوں کی وجہ سے انکو عذاب دے، ان کے جرم تو بہت سے ہیں۔ بعض جرموں کی سزا بھی ان کی بر باری اور ہلاکت کے لئے کافی ہے قال صاحب الروح ج ۲ ص ۱۰۰ "وهو ذنب التولى والاعراض فهو بعض مخصوص والتعبير عنه بذلك للايدان بان لهم ذنوبا كثيرة۔ وإن كثيراً من الناس لفاسقون۔ (اور بلاشبہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو فرماں برداری سے خارج ہیں) ان میں سرکشی بڑھی ہوئی ہے کفر پر مصر ہیں ایسے سرکش سزا ہی کے مستحق ہیں۔

آخر میں فرمایا ﴿أَفْحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (کیا یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور فیصلہ کرنے کے اعتبار سے ان لوگوں کے لئے اللہ سے اچھا کون ہے جو یقین رکھتے ہیں)۔

جو لوگ اللہ کے حکم کے خلاف دوسرا حکم تلاش کرتے ہیں ان کی توبیح کے لئے سوال کے پیرایہ میں ارشاد فرمایا کیا یہ لوگ جاہلیت کے فیصلے کو چاہتے ہیں؟ اللہ کا فیصلہ سامنے ہوتے ہوئے جو اللہ کی کتاب بتا رہی ہے اور جو اللہ کے نبی ﷺ نے سنایا ہے، اس سے اعراض کر رہے ہیں اور ہٹ رہے جب اللہ کا فیصلہ ماننے سے انکار ہے تو اب کونسا فیصلہ چاہتے ہیں۔ اللہ کے فیصلے کے خلاف تو جاہلیت کا ہی فیصلہ ہے اللہ کے فیصلے کو چھوڑنا اور جاہلیت کے فیصلے کو اختیار کرنا کس لئے ہے؟ کیا جاہلیت کا فیصلہ اللہ کے فیصلے سے اچھا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں! اللہ سے بڑھ کر اچھا فیصلہ دینے والا کوئی نہیں لیکن اس بات کو یقین والے بندے جانتے اور مانتے ہیں، جن کی کفر ہی پر جمے رہنے کی نیت ہے وہ اللہ کے فیصلہ پر راضی نہیں، جاہلیت کا فیصلہ ہی انہیں مطلوب اور محبوب ہے۔ یہ عجیب احمقانہ بات ہے اور نہایت درجہ منکر فبیح اور شنیع ہے۔

دور حاضر کے نام نہاد مسلمان بھی جاہلیت کے فیصلوں پر راضی ہیں

گزشتہ آیات میں یہودیوں کی حکم عدولی اور گمراہی کا تذکرہ ہے ان لوگوں نے رجم کے سلسلہ میں توریث کے حکم کو چھوڑ کر زانی اور زانیہ کی سزا اپنے طور پر تجویز کر لی تھی اور قصاص کے حکم کو بھی بدل دیا تھا اللہ کے فیصلے کی بجائے اپنے تجویز کردہ فیصلوں کو بطور قانون کے نافذ کر دیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ معلوم کرنے کے لئے اپنے نمائندے بھیجے تو ان سے کہہ دیا کہ تمہارے موافق ہو تو فیصلہ قبول کر لینا اور تمہارے موافق نہ ہو تو اس سے گریز کرنا۔

آج یہی حال ان لوگوں کا ہے جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں اور حکومتیں لئے بیٹھے ہیں اور نہ صرف وہ لوگ جنہیں حکومت مل جاتی ہے بلکہ عوام بھی قرآن کریم کے فیصلوں سے راضی نہیں ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کو ماننے سے انکاری ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ قرآنی نظام نافذ کرو تو کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں ان میں سے بہت لوگ نمازی بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کے دعویدار بھی ہیں لیکن یہ لوگ بھی قرآنی نظام نافذ کرنے اور نافذ کروانے کے حق میں نہیں ہیں۔

یورپین اقوام نے جو قوانین بتائے ہیں ان ہی کے باقی رکھنے کے حق میں ہیں ان پر آیت شریفہ کا مضمون ﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ﴾ پوری طرح صادق آ رہا ہے۔ مقدمہ لڑاتے ہیں برسوں کیس چلتا ہے۔ دونوں طرف کے وکیل فیس کھاتے رہتے ہیں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور وقت بھی ضائع، معمولی ساق حاصل کرنے کے لئے کئی کئی گنا مال خرچ کرنا پڑتا ہے پھر بھی جاہلانہ نظام پر راضی ہیں اور اس بات پر راضی نہیں کہ قاضی اسلام کے پاس جائیں گواہ یا قسم کی بنیاد پر قرآن و حدیث کے موافق فیصلہ ہو جائے۔

جاہلانہ قانون کا سہار لے کر دوسروں کی جائیدادیں دبا لیتے ہیں مرحوم باپ کی میراث سے ماں اور بہنوں کو محروم کر دیتے ہیں اور طرح طرح سے ضعفاء اور فقراء کے حقوق مار لیتے ہیں۔ یہی ظالمانہ منافع تو قانون اسلام کے نافذ کرنے کی حمایت نہیں کرنے دیتے۔ کافرانہ نظام کا سہارا لیکر اگر دنیا میں کسی کا حق مار لیا تو جب مالک یوم الدین جل جلالہ کی بارگاہ میں پیشی ہوگی اس وقت چھٹکارہ کیسے ہوگا؟

نام کے مسلمان لوگوں نے کیا طریقہ نکالا ہے کہ مسلمان بھی ہیں اور اسلام گوارا بھی نہیں، اور عجیب بات ہے کہ جو لوگ قرآن کو مانتے ہی نہیں ان کو راضی رکھنا بھی مقصود ہے چونکہ ان کی رائے اسلامی نظام کے حق میں نہیں اس لئے قرآن ماننے والے بھی نظام قرآن نافذ کرنے کے حق میں نہیں۔ ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥١﴾ فَتَرَىٰ

الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا آيَةٌ ۗ

فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنَّ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَى مَا أَسْرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ
 لُدْمِينَ ﴿٥٦﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهْلُوا الَّذِينَ آقَسُوا بِاللَّهِ جَهْدَ آيَاتِهِمْ
 إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۗ حَبِطَتْ أَعْيَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَيْرِينَ ﴿٥٧﴾

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی شخص تم میں ان سے دوستی کرے بلاشبہ وہ ان میں سے ہے، بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا، سو آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دل میں مرض ہے کہ دوڑ کر ان میں گھسے جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے، سو قریب ہے کہ اللہ فتح کو لے آئے گا یا اپنے پاس سے کسی اور چیز کو، پھر اس بات پر نادم ہوں گے جو انہوں نے اپنے نفسوں میں چھپائی، اور اہل ایمان یوں کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے خوب مضبوطی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھائیں کہ وہ ضرور تمہارے ساتھ ہیں؟ ان کے اعمال اکارت ہو گئے جس کی وجہ سے نقصان میں پڑنے والے ہو گئے

یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کی ممانعت

معالم التنزیل ج ۲ ص ۴۴ اور تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۸ میں لکھا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو انصار کے قبیلہ خزرج میں سے تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہودیوں میں میرے بہت سے دوست ہیں جن کی تعداد کثیر ہے۔ میں ان کی دوستی سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ اور اس کے رسول ہی کی دوستی کو پسند کرتا ہوں اس پر عبد اللہ بن ابی نے کہا (جو رئیس المنافقین تھا) مجھے تو زمانہ کی گردشوں کا خوف ہے جن لوگوں سے میری دوستی (یعنی یہود سے) میں ان سے بیزار نہیں ہوتا اس پر اللہ تعالیٰ نے جل شانہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ﴾ سے لیکر دو آیتیں نازل فرمائیں۔

ترک موالات کی اہمیت اور ضرورت

در حقیقت کافروں سے ترک موالات کا مسئلہ بہت اہم ہے، اپنے دین پر مضبوطی سے جمتے ہوئے سب انسانوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا ان کو کھلانا پلانا اور حاجتیں پوری کر دینا یہ اور بات ہے لیکن کافروں کے ساتھ دوستی کرنا جائز نہیں ہے جب دوستی ہوتی ہے تو اس میں دوستی کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں جن میں بعض باتیں ایسی بھی بتانی پڑ جاتی ہیں جن کے بتانے میں مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہو اور جس سے مسلمانوں کی حکومت میں رخنہ پڑتا ہو اور جس سے مسلمانوں کی جماعت میں ضعف آتا ہو، جو سچے پکے مسلمان ہوتے ہیں وہ کافروں سے دوستی کرتے ہی نہیں اور جن لوگوں کے دلوں میں ایمان نہیں صرف زبانی طور پر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور دل سے کافر ہیں وہ لوگ کافروں سے دوستی کرتے ہیں، یہ لوگ اسلام کے نام لیوا بھی بنتے ہیں لیکن چونکہ اندر سے مسلمان نہیں اس لئے کافروں کی دوستی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے۔ انہیں یہ خوف بھی کھائے جاتا ہے کہ ممکن ہے مسلمان کو غلبہ نہ ہو اگر کھل کر مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں تو کافروں سے جو دنیاوی فوائد وابستہ ہیں وہ سب ختم ہو جائیں گے۔

اگر قحط پڑ جائے یا اور کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچ جائے یا اور کوئی گردش آجائے تو کافروں سے کوئی بھی مدد نہ ملے گی اس خیال خام میں بتلا ہو کر نہ سچے دل سے مومن ہوتے ہیں نہ کافروں سے بیزاری کا اعلان کرنے کی ہمت رکھتے ہیں، زمانہ نبوت میں بھی ایسے لوگ تھے جن کا سردار عبد اللہ بن ابی تھا اس کا قول اوپر نقل فرمایا۔

اور آج کل بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو مسلمانوں سے مل کر رہتے ہیں اور کافروں سے بھی تعلق رکھتے ہیں، کافروں کے لئے جاسوسی بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کے اندرونی حالات انہیں بتاتے ہیں اور خفیہ آلات کے ذریعہ دشمنان اسلام کو مسلمانوں کے مشوروں اور

ان کی طاقت اور عساکر و افواج کی خبریں پہنچاتے ہیں، چونکہ یہ لوگ خالص دنیا دار ہوتے ہیں اس لئے نہ اپنی آخرت کے لئے سوچتے ہیں نہ مسلمانوں کی بھلائی کے لئے فکر کرتے ہیں صرف اپنی دنیا بناتے ہیں اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمیں مسلمان کیا نفع پہنچائیں گے آڑے وقت اور نازک حالات میں یہود و نصاریٰ سے ہی پناہ مل سکتی ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔

اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں جو شخص ان سے دوستی کرے گا وہ انہیں میں سے ہے (دوستی کے درجات مختلف ہیں بعض مرتبہ دوستی ایسی ہوتی ہے کہ اسے نبانے کے لئے ایمان کو چھوڑ دیا جاتا ہے یہ تو سراپا کفر ہے اور فِائِنَهُ مِنْهُمْ کا حقیقی مصداق ہے اور اگر کسی نے ایمان کو چھوڑے بغیر کافروں سے دوستی کی تو اپنی دوستی کے بقدر درجہ بدرجہ انہیں میں سے شمار ہوگا اور یہ کیا کم ہے کہ دیکھنے والے اس دوستی کرنے والے کو کافروں کا ہی ایک فرد سمجھیں گے) ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (بلا شبہ اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا) کافروں سے دوستی کرنا اپنے اوپر اور دوسرے تمام مسلمانوں پر ظلم ہے اور یہ ظلم کرنے والے اپنے خیال میں ہوشیار بن رہے ہیں راہ ہدایت سے منہ موڑے ہوئے ہیں انہیں ہدایت مطلوب ہی نہیں ہے اللہ انہیں ہدایت نہیں دے گا۔

فَعَسَى اللَّهُ يَأْتِي بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهِ

منافقوں نے عہد نبوت میں یوں کہا تھا کہ اگر ہم یہودیوں سے تعلق نہ رکھیں اور ان سے دوستی ختم کر دیں تو ہمیں ڈر ہے کہ آڑے وقت پر کوئی کام آنے والا نہ ملے گا، اگر اسلام کا غلبہ نہ ہو اور یہودیوں سے بگاڑ کر بیٹھیں تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے یا اگر کسی قسم کی کوئی گردش آگئی قحط پڑ گیا مہنگائی ہوگئی تو سا ہو کار یہودیوں سے جو امداد مل سکتی ہے اس سے محروم ہو جائیں گے، یہ خالص دنیا داری کا جذبہ ہے ایمانی تقاضوں کو پس پشت ڈال کر دنیاوی منافع حاصل ہونے کے احتمال پر ایسی بات کہہ گئے۔

اللہ جل شانہ نے اہل ایمان کو تسلی دی اور فرمایا ﴿فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنَّكَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهِ﴾ (سو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح کی صورت پیدا فرمادے یا اور کوئی صورت حال اپنے پاس سے ظاہر فرمادے) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ فتح سے مراد فتح مکہ ہے اور بعض حضرات نے اس سے یہودیوں کی بستیاں خیبر اور فدک کا فتح ہونا مراد لیا ہے اور امر مِّنْ عِنْدِهِ کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے اسلام کا غلبہ مراد ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہودیوں کے قبیلے بنی نضیر کی جلا وطنی مراد ہے جنہیں ۴ھ میں جلا وطن کر دیا گیا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا مکہ معظمہ بھی فتح ہوا خیبر اور فدک کی بستیاں بھی مسلمانوں کے قبضے میں آئیں بنی نضیر کی جلا وطنی بھی ہوئی جن سے منافقوں کو آڑے وقت میں امداد کی امید تھی ﴿فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسْرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ﴾ یعنی جب اسلام کا غلبہ ہوگا اور مسلمانوں کو فتحیابی حاصل ہوگی تو یہ منافقین اپنے نفسوں میں چھپائی ہوئی بات پر نادم ہوں گے کہ ہم نے کیا سوچا تھا اور کیا ہو گیا؟ ہم سمجھتے تھے کہ کافروں کی دوستی کچھ کام دے گی لیکن وہ تو کچھ بھی کام نہ آئی، نیز بعد میں ان کا نفاق بھی کھل کر سامنے آ گیا، کافر تو مغلوب ہوئے اور یہ لوگ مسلمانوں کے بھی معتمد نہ رہے یہ بھی ندامت کا سبب ہوا۔

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ (الایۃ) یعنی جب منافقین کا نفاق کھل کر سامنے آئے گا تو اہل ایمان تعجب سے کہیں گے کیا یہ وہی لوگ ہیں جو بڑی مضبوطی کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ان کا باطن تو کچھ اور ہی نکلا، جھوٹے کو جب اپنی بات کو باور کرانا ہوتا ہے تو بار بار تاکید کے ساتھ قسمیں کھاتا ہے، منافقین بھی ایسا ہی کرتے تھے، سچے کو قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی اس کے اعمال اور اخلاق سے ظاہر ہوتا ہے یہ سچا ہے قسموں کے بغیر ہی اس پر اعتماد ہو جاتا ہے۔ منافقوں نے جو نفاق کی چالیں چلیں اور دکھانے کو بظاہر جو نیک اعمال کئے وہ سب اکارت چلے گئے ان سے کچھ فائدہ نہ ہوا پھر نقصان میں پڑ گئے۔ اسی کو فرمایا ﴿حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خُسِرِينَ﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ لَا
 أَذَلَّةَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةَ عَلَى الْكٰفِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ
 لَآئِمٍ ۗ ذٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٣﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَ
 الَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رٰكِعُونَ ﴿٥٤﴾ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ
 وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغٰلِبُونَ ﴿٥٥﴾

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے سو عنقریب اللہ ایسی قوم کو پیدا فرما دے گا جن سے اللہ کو محبت ہوگی اور وہ اللہ سے محبت کرنے والے ہوں گے، وہ مسلمانوں پر نرم دل ہوں گے اور کافروں پر زبردست ہوں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے وہ دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے، تمہارا ولی بس اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اس حال میں کہ وہ رکوع کر نیوالے ہیں، اور جو کوئی شخص دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے سو اس میں شک نہیں کہ اللہ کا جو گروہ ہے وہی غالب ہونے والا ہے۔

مسلمان اگر دین سے پھر جائیں تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو مسلمان بنا دیگا

ان آیات میں اللہ جل شانہ، نے اول تو مسلمانوں کو خطاب کر کے یوں فرمایا کہ دین اسلام کا چلنا چمکنا اور آگے بڑھنا کوئی تم پر موقوف نہیں ہے اگر تم مرتد ہو جاؤ یعنی اسلام سے پھر جاؤ (العیاذ باللہ) تو اسلام پھر بھی باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا فرمائے گا جو ایمان قبول کریں گے اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں گے۔ یہ لوگ اللہ کے محبوب ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہوں گے۔ یہ لوگ اہل ایمان سے تواضع اور نرمی اور مہربانی کیساتھ پیش آئیں گے اور کافروں کے مقابلہ میں قوت اور طاقت اور عزت اور غلبہ کی شان دکھائیں گے۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لئے جان و مال کی قربانیاں دیں گے کافروں سے لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

ان لوگوں کی صفات مذکورہ بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ کہ یہ سب اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اس میں ہر دور کے مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ ایمان اور ایمان کے تقاضوں پر چلنے اور اللہ کی راہ میں قربانیاں دینے کو اپنا ذاتی کمال نہ سمجھیں اور مغرور نہ ہوں یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے جسے چاہے ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت سے نواز دے۔

منت مکن خدمت سلطان ہمیں کئی
 شکر خدا کن کہ موافق شدی بخیر
 منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت
 فضل و انعامش مطعل نہ گذاشت

﴿وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (اور اللہ بڑی وسعت والا ہے اور بڑے علم والا ہے) وہ جسے چاہے دے اور جتنا دے اسے اختیار ہے اور جسے نعمت ملے وہ شکر گزار ہو یا ناشکر ابنے اسے سب کا علم ہے۔

اہل ایمان کی صفت خاصہ کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں

اہل ایمان کی جو صفات بیان فرمائیں اس میں ایک یہ ہے کہ اللہ ان سے محبت فرمائے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔ درحقیقت یہی

مومن بندوں کی اصل صفت ہے، سورہ بقرہ میں فرمایا ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ (اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے وہ اللہ کی محبت کے اعتبار سے بہت سخت ہیں) نیز ارشاد فرمایا ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾ (آپ فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمائے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا)۔

جب اللہ سے محبت ہوگی جو صالح بندہ ہو تو اللہ کے رسول ﷺ سے بھی محبت ہوگی جن کی اتباع کو محبت کا معیار قرار دیا ہے، اللہ کے رسول سے محبت ہوگی تو اللہ کی کتاب سے بھی محبت ہوگی اور ہر اس بندہ سے محبت ہوگی جو صالح بندہ ہو جو اللہ اور رسول ﷺ کا فرماں بردار ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین خصلتیں ایسی ہیں وہ جس کسی شخص میں ہوں گی ایمان کی مٹھاس محسوس کریگا ایک خصلت تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس کو سب سے زیادہ محبوب ہوں (اللہ اور رسول سے جو محبت ہو اس جیسی اور کسی سے محبت نہ ہو) دوسرے یہ کہ جس کسی بندہ سے محبت کرے تو یہ محبت صرف اللہ ہی کے لئے ہو۔ تیسرے یہ کہ جب اللہ نے اسے کفر سے بچا دیا تو اب کفر میں واپس جانے کو ایسا ہی برا جانے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔ (راوہ البخاری ص ۷۷ ج ۱)

اہل ایمان کی دوسری صفت کہ وہ مومنوں کے لئے نرم اور کافروں کے لئے سخت ہیں

اہل ایمان کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی ﴿أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ (کہ یہ لوگ ایمان والوں کے لئے نرم اور رحم دل ہوں گے اور کافروں کے مقابلہ میں غلبہ اور دبدبہ والے ہوں گے) اس کو سورہ فتح میں یوں بیان فرمایا ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں سخت ہیں کافروں پر اور رحم دل ہیں آپس میں) یہ صفت بھی بہت بڑی ہے اس کے بغیر ایمانی برادری کا اجتماعی مزاج نہیں بنتا اور جاندار وحدت وجود میں نہیں آتی، کافروں کے مقابلہ میں سخت ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان پر ظلم کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ کافر یہ محسوس کرتے رہیں کہ یہ لوگ قوی ہیں عزت اور شوکت والے ہیں ان سے ہم مقابلہ نہیں کر سکتے اپنا اجتماعی اور انفرادی طور طریقہ ایسا رکھیں کہ کافر یہ سمجھیں کہ یہ لوگ ہم سے برتر ہیں قوت میں زیادہ ہیں اس کو سورہ توبہ میں فرمایا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً﴾ (اے ایمان والو! ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں اور وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں)۔

کفر و ایمان کی جنگ تو ہمیشہ رہی ہے اور کافروں سے بیزاری ظاہر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ سورہ ممتحنہ میں ارشاد ہے ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَّاءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدُّكَ﴾ (تمہارے لئے نیک پیروی موجود ہے ابراہیم علیہ السلام میں اور ان لوگوں میں جو ابراہیم کے ساتھ تھے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا ہم بے تعلق ہیں تم سے اور ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ہم میں اور تم میں ظاہر ہوگئی دشمنی اور بغض ہمیشہ کے لئے جب تک کہ تم ایمان نہ لاؤ اللہ پر جو تمہارا ہے۔)

درحقیقت جب تک کافروں سے براءت اور بیزاری نہ ہو اور ان سے بغض اور دشمنی نہ ہو اس وقت تک کافروں کی موالات یعنی دوستی کا جذبہ ختم ہو ہی نہیں سکتا۔ گزشتہ آیت میں جو کافروں کو دوست نہ بنانے کا حکم فرمایا ہے اس پر عمل ہونے کا یہی راستہ ہے کہ ان کو دشمن سمجھا جائے جو کافر مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہیں جن کو شریعت کی اصطلاح میں ذمی کہا جاتا ہے اصول شریعت کے مطابق ان سے رواداری رکھی جائے اس طرح جو مسلمان کافروں کے ملک میں رہتے ہیں وہ وہاں کے کافروں سے خرید و فروخت کی حد تک اور امور انتظامیہ میں (جو شرعاً درست ہوں) میل جول رکھیں لیکن دوستی نہ کریں، آج مسلم ممالک کے حکمرانوں کا یہ حال ہے کہ کافروں سے ان کا جوڑ زیادہ ہے جو لوگ کافر ملکوں کے سربراہ ہیں ان کے سامنے بچھے جاتے ہیں اور جو مسلمان ہیں ان کے ساتھ سختی کرتے ہیں مسلمانوں کے ایک ملک کے ذمہ دار

دوسرے مسلم ممالک کے مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکالتے ہیں اور ان پر قید و بند کی سختیاں کرتے ہیں اور جو کافر اپنے پاس رہتے ہیں ان کو عہدے بھی دیتے ہیں اور ان کی امداد بھی کرتے ہیں بلکہ ان کو راضی کرنے کے لئے قرآن و حدیث کے قوانین جاری کرنے کو راضی نہیں، یہ سب دنیا داری کے تقاضے ہیں قرآن حدیث کی تصریحات کے خلاف ہیں۔

اہل ایمان کی تیسری صفت کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں

اہل ایمان کی ایک اور صفت بیان فرمائی ﴿يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں لفظ جہاد جہد سے لیا گیا ہے، عربی زبان میں محنت اور کوشش اور تکلیف اٹھانے کو جہد کیا جاتا ہے اللہ کا دین پھیلانے کے لئے اس کا بول بالا کرنے کے لئے جو بھی محنت اور کوشش کی جائے وہ سب جہاد ہے اور کافروں سے جو جنگ کی جائے وہ بھی جہاد کی ایک صورت ہے اور چونکہ اس میں جان و مال کی قربانی دی جاتی ہے اس لئے اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ اسلام میں جو قتال شروع ہوا ہے کفر اور شرک کو مٹانے اور نیچا دکھانے کے لئے ہے۔

خالق کائنات جل مجدہ کی سب سے بڑی بغاوت اور نافرمانی یہ ہے کہ اس پر ایمان نہ لائیں اسے وحدہ لا شریک نہ جانیں اس کے ساتھ عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور اس کی خالقیت اور مالکیت کو سامنے رکھا جائے اور اہل کفر کی بغاوت کو دیکھا جائے تو جہاد کی مشروعیت بالکل سمجھ میں آ جاتی ہے اللہ تعالیٰ کے باغیوں سے اس کے بندے قتال کریں تو اس پر کیوں طعن کیا جاتا ہے جب ایمان اور کفر کی دشمنی ہی ہے تو اہل ایمان دشمن کے خلاف جو بھی کاروائی کریں جو شریعت اسلامیہ کے موافق ہو اسے ظلم نہیں کہا جائے گا۔

آخر کافر بھی تو مسلمانوں پر حملہ کرتے ہیں ان کو قتل کرتے ہیں ان کی دکانیں جلاتے ہیں ان کے ملکوں پر قبضہ کرتے ہیں اور سالہا سال انہوں نے صلیبی جنگیں لڑی ہیں، مسلمان دشمنی کا جواب دشمنی سے دیتے ہیں تو اس میں اعتراض کا کیا موقع ہے؟ مسلمانوں کو دہنگ ہو کر رہنا چاہئے ورنہ اہل کفر دبا لیں گے۔ (جہاد کے بارے میں انوارالبیان ج ۱ ص ۳۹۵) کا مضمون بھی دیکھ لیا جائے۔ سورہ توبہ اور سورہ تحریم فرمایا۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾ (اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے)۔

بعض ملکوں میں مسلمانوں نے کافروں سے اس حد تک دوستی کر رکھی ہے (اور اس کا نام رواداری اور یک جہتی رکھا ہوا ہے) کہ ان کے ساتھ بیٹھ کر حرام چیزیں بھی کھاپی لیتے ہیں اور ان کے مذہبی تہواروں میں بھی شریک ہو جاتے ہیں حد یہ کہ ان کے عبادت خانوں کو بنانے میں ان کی مدد بھی کر دیتے ہیں ایسی رواداری کرنے کی شریعت ہرگز اجازت نہیں دیتی بہت بڑا خطرہ ہے کہ ایسی رواداری کرنے والوں کو اور ان کی نسلوں کو یہ رواداری کافر نہ بنا دے۔ (والعیاذ باللہ)۔

اہل ایمان کی چوتھی صفت کہ وہ کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے

اہل ایمان کی ایک صفت یوں بیان فرمائی کہ ﴿وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ (وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے) یہ بھی اہل ایمان کی ایک عظیم صفت ہے جب اللہ پر ایمان لے آئے اور اللہ سے محبت کرتے ہیں تو مخلوق کی کیا حیثیت رہ گئی اللہ کے بارے کسی کے برا بھلا کہنے کا خیال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے حکم کی برتری ابھی تک دل میں نہیں بیٹھی۔

یہ سوچنا کہ اگر ہم اسلام پر عمل کریں گے، سفر حضر میں نماز پڑھیں گے تو کافر برامائیں گے اذان دیں گے تو کافر کیا کہیں گے اگر ڈاڑھی رکھ لی تو لوگ بری نظروں سے دیکھیں گے کافروں فاسقوں کا لباس نہ پہنا تو سوسائٹی میں برے بنیں گے۔ یہ سب ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے مومن کو اس سے کیا مطلب کہ لوگ کیا کہیں گے؟

اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع کرنا ہے مومن تو اللہ کا بندہ ہے اسی کافر مانبر دار ہے مخلوق راضی ہو یا ناراض، اچھا کہے یا برا اسے اپنے رب کے پسند فرمودہ راستہ پر چلنا ہے۔

اللہ اور رسول اہل ایمان کے ولی ہیں

مومنین کی صفات بیان فرمانے کے لئے بعد فرمایا ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾ (تمہارا ولی تو بس اللہ اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع کر نیوالے ہیں)۔

اہل ایمان کی دوستی کو صرف اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کی دوستی میں منحصر فرمادیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین کے علاوہ اہل ایمان کا کوئی دوست نہیں ہے، اگر کسی دوسرے کو دوست بنایا تو خطا کریں گے دھوکہ کھائیں گے دنیا و آخرت کا نقصان اٹھائیں گے ساتھ ہی اہل ایمان کی دو اہم صفات بھی بیان فرمائیں اور وہ یہ کہ نماز قائم کرتے ہیں (جو جانی عبادت ہے اور ایمان کی سب سے بڑی دلیل ہے) اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو مالی عبادت ہے۔ ﴿وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾ اس کے مفسرین نے کئی معنی نقل کئے ہیں ایک یہ کہ ان میں خشوع اور تواضع کی صفت ہے ان کے دل اللہ کی فرماں برداری کے لئے جھکے ہوئے ہیں۔

اور بعض حضرات رَاكِعُونَ کا معروف مراد لیا ہے اور وہ یہ کہ نماز پڑھتے ہوئے رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ معالم التنزیل ج ۲ ص ۴۷ میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے رکوع میں جا چکے تھے وہاں سے ایک سائل گزرا اس نے سوال کیا تو آپ نے رکوع ہی میں اپنے ہاتھ سے انگوٹھی اتار دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خیر کے کام میں سبقت فرمائی اور نماز ختم کرنے کا بھی انتظار نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل کی تعریف فرمائی آیت کا سبب نزول خواہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل ہی ہو لیکن الفاظ کا عموم راکعین اور خاشعین اور متواضعین اور تمام زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو شامل ہے۔

احکام القرآن میں علامہ ابو بکر جصاص رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ نماز میں تھوڑی سی حرکت کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نفلی صدقہ کے لئے بھی لفظ زکوٰۃ استعمال کر دیا جاتا ہے جیسا کہ سورہ روم میں فرمایا ﴿وَمَا آتَيْتُم مِّن رَّبِّالْيَرَبُّوْا فِیْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرَبُّوْا عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا آتَيْتُم مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾ (جو بھی زکوٰۃ تم ادا کرو گے جس سے اللہ کی رضا مطلوب ہو سو وہی لوگ ہیں ثواب کو چند در چند کرنے والے)۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے دوستی کر نیوالے ہی غالب ہوں گے پھر فرمایا ﴿وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ (اور جو شخص دوستی کرے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور ایمان والوں سے سو اللہ کے گروہ کے لوگ ہی غالب ہونے والے ہیں)۔

اس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کریں اور اس تردد میں رہیں کہ نہ جانے کون غالب ہوتا ہے، اگر کافروں سے دوستی رکھی اور وہ غالب ہو گئے تو یہ دوستی کام دیگی جیسا کہ عبد اللہ بن ابی نے کہہ دیا تھا ﴿نَخْشِیْ اَنْ تُصِیْبَنَا دَاۤیْرَةٌ﴾ (ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش آجائے) اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ اللہ کا گروہ ہی غالب ہوگا، جو اللہ کے دین کو زندہ کرنے اور پھیلانے اور بڑھانے کے لئے محنت کرتے ہیں اللہ کے لئے جیتے اور مرتے ہیں یہ لوگ حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت ہیں۔

اللہ پاک کی طرف سے ان کی مدد ہوتی ہے اور ان کو غلبہ حاصل ہوتا ہے سورہ مجادلہ میں فرمایا ﴿کَتَبَ اللّٰهُ لَاغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ﴾ اللہ لکھ چکا ہے کہ ضرور غالب رہوں گا میں اور میرے رسول، بے شک اللہ زور والا ہے زبردست ہے۔

سورہ الصفّٰت میں فرمایا: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمُنصُورُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ﴾ (اور پہلے ہی ہمارا حکم ہو چکا اپنے بھیجے ہوئے بندوں کے لئے بے شک پیغمبروں ہی کی مدد ہوگی اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہے)۔

مسلمانوں کی مغلوبیت کا سبب

اہل ایمان جب ایمان پر جمے رہیں، نافرمانیوں سے بچتے رہیں اللہ پر بھروسہ رکھیں، احکام الہیہ کے مطابق زندگی گزاریں اور اخلاص کے ساتھ کافروں سے جنگ کریں تو ضرور یہی لوگ غالب ہوں گے کسی بے تدبری یا معصیت کی وجہ سے کبھی کوئی زک پہنچ جائے تو یہ دوسری بات ہے، آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کبھی کوئی مسلمان کافروں کے ہاتھ سے نہ مارا جائیگا اور شہید نہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ انجام کار کے طور پر فتح و نصرت اور غلبہ اہل ایمان ہی کو حاصل ہوگا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اہل ایمان جب تک ایمان پر قائم رہے اخلاص کے ساتھ کافروں سے لڑتے رہے، اللہ کے دین کو بلند کرنے کے جذبہ سے سرشار رہے، عالم میں فتح یابی کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں ان کے جہاد کی وجہ سے پاش پاش ہوئیں بڑے بڑے ممالک ان کے زیر نگیں آ گئے اور کفار پیچھے ہٹتے چلے گئے لیکن جب سے اعمال شرعیہ کی پابندی چھوڑی اللہ کی نافرمانیوں پر اتر آئے دنیا کو مقصود بنا لیا۔ کافروں کی دوستی کا دم بھرنے لگے تو ان کے قبضہ میں جو ممالک تھے وہ بھی ہاتھ سے نکل گئے اور کافروں نے عالمی ادارے بنا کر مسلمانوں کو ان کا ممبر بنا لیا۔ اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دی اور پس پردہ کٹھ پتلی کی طرح انہیں نچا دیا، مسلمان اب بھی صحیح طریقہ پر حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت بنیں تو اب بھی غلبہ پاسکتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
 مِن قَبْلِكُمْ وَالْكَفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ
 اتَّخَذُوا هَاهُنَا وَلَعِبًا ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٥٨﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَتَّقُونَ مَنَّا
 إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلُ ۗ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَسِقُونَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ
 أَنْبِئُكُمْ بِشَرِّ مِّنْ ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ ۗ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَ
 الْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۗ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾ وَإِذَا جَاءُوكُمْ
 قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكَفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَى
 كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۗ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾
 لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبُّنَّبِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۗ لَبِئْسَ
 مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾

اے ایمان والو! ان کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا لیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان کے علاوہ جو دوسرے کافر ہیں ان کو بھی دوست نہ بناؤ اگر تم مومن ہو، اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں، یہ اس لیے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔ آپ فرمادیتے ہیں! کہ اے اہل کتاب! تم ہم سے صرف اس لیے ناراض ہوتے ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو ہم سے پہلے اتارا گیا، اور ایک یہ بات ہے کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں، آپ فرمادیتے ہیں کیا میں تمہیں وہ طریقہ بتاؤں جو اللہ کے نزدیک سزا کے اعتبار سے اس سے زیادہ برا ہے۔ یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جن پر اللہ

نے لعنت کر دی اور جن پر اللہ غصہ ہوا اور ان میں سے بعض کو اللہ نے بندر اور خنزیر بنا دیا۔ جنہوں نے شیطان کی عبادت کی یہ لوگ جگہ کے اعتبار سے بدترین لوگ ہیں اور سیدھے راستے سے بہت زیادہ ہٹکے ہوئے ہیں۔ اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے اور کفر کی ہی حالت میں نکل گئے، اور اللہ خوب جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں، اور آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے جو گناہ میں اور ظلم میں حرام کھانے میں تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں۔ یہ واقعی بات ہے کہ وہ اعمال برے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں، کیوں نہیں منع کرتے ان کو درویش اور اہل علم گناہ کی باتیں کرنے سے اور حرام کھانے سے واقعی وہ کرتوت برے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

اہل کتاب اور دوسرے کفار کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا ہے

ان آیات میں اولاً تو اس مضمون کا اعادہ فرمایا جو گزشتہ رکوع کے شروع میں تھا کہ کافروں کو دوست نہ بناؤ وہاں یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کو منع فرمایا اور یہاں یہود و نصاریٰ کے ساتھ لفظ وَالْكَفَّارِ کا بھی اضافہ فرمایا تاکہ دوستی کرنے کی ممانعت تمام کافروں کے بارے میں عام ہو جائے، یہود اور نصاریٰ اور دوسرے تمام کافر جن میں مشرکین ملحدین، منافقین، مرتدین سب داخل ہیں ان سب سے دوستی کرنے کی ممانعت فرمادی، اول تو ان کا کفر ہی دوستی نہ کرنے کا بہت بڑا سبب ہے لیکن ساتھ ہی ان کی ایک اور بدترین حرکت کا بھی تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انہوں نے دین اسلام کو ہنسی اور مذاق اور کھیل بنا لیا۔ خاص کر جب نماز کے بلاؤنے یعنی اذان کی آواز سنتے ہیں تو اس کا مذاق بناتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص مسلمانوں کے دین کا مذاق بنائے گا مسلمان کو اس سے دوستی کرنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔ کافروں کی یہ حرکت نا سچی اور بے عقلی پر مبنی تھی اسی لئے فرمایا ﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ﴾ (یہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے) اس کے بعد فرمایا ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا﴾ آپ اہل کتاب سے فرمادیجئے کہ تم ہم سے کیوں ناراض ہو؟ اور ہم میں کون سے عیب پاتے ہو؟ تمہاری ناگواری کی صرف یہ بات ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اللہ نے جو کتاب ہماری طرف نازل کی اس پر ایمان لائے اور اس سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں ان پر بھی ایمان لائے یہ باتیں ناگواری اور ناراضی اور عیب کی نہیں ہیں اچھی باتوں کو تم نے ناراضی کا سبب بنا لیا یہ تمہاری حماقت ہے اور دوسرا سبب تمہاری ناراضی کا یہ ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اللہ کی فرمانبرداری سے خارج ہیں (چونکہ ان میں سے محدودے چند افراد ہی نے اسلام قبول کیا تھا اس لیے فرمایا کہ تم میں اکثر نارمان ہیں یعنی کفر پر مصر ہیں) مسلمان قرآن پر اور اس سے پہلی کتابوں پر ایمان لائے یہ تو ناراضگی کا سبب نہیں ہو سکتا۔

ہاں! اہل کتاب کا نارمان ہونا اور اللہ کی فرمانبرداری سے ہٹنا اور بچنا یہ مسلمانوں سے ناراضگی کا سبب ہو سکتا ہے۔ اور حقیقت میں کافروں کی ناراضگی کا یہی سبب تھا اور اب بھی ہے، اہل کتاب کو اس میں تنبیہ ہے اور ہدایت ہے کہ تم سرکشی سے باز آؤ اور مسلمان ہو کر مسلمانوں میں گھل مل جاؤ۔

اہل کتاب کی شقاوت اور ہلاکت

پھر فرمایا ﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذَلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ﴾ اے اہل کتاب تم ہم سے اس لئے ناراض ہو کہ ہم لوگ اللہ پر اور اس کی کتابوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں یہ تو گوئی ناراضگی کی بات نہیں ہے لیکن تم اپنی حماقت و شرارت اور سرکشی کی وجہ سے اسے برا سمجھتے ہو۔ بالفرض اگر یہ اچھی چیز نہیں ہے تو میں تمہیں اس سے بڑھ کر بری چیز بتاتا ہوں جس میں تمہاری شقاوت اور ہلاکت ہے اور وہ سزا کے اعتبار سے بہت بری ہے غور کرو گے تو تمہاری سمجھ میں آ جائے گا کہ جس راہ پر تم ہو وہ راہ بہت بری ہے اور اللہ کے نزدیک اس کا بدلہ بہت برا ہے یہ بری چیز کیا ہے؟ ان لوگوں کے اعمال ہیں جن پر اللہ نے لعنت کر دی اور اپنی رحمت سے محروم کر کے مردود قرار دیدیا اور ان پر غصہ فرمایا اور ان کو بندر اور سور بنا دیا، اور انہوں نے شیطان کی پرستش کی، ان لوگوں کا یہ طریقہ اس طریقہ سے برا ہے جو ہمارا طریقہ ہے۔ ہمارے طریقہ

میں توحید ہے ایمان ہے اللہ کی کتابوں پر ایمان ہے اور اس کے نبیوں کی تصدیق ہے جو سراسر خیر اور حق ہے اور تمہارے اندر کفر ہے نبیوں کا انکار ہے اللہ کی کتابوں کی تکذیب ہے اللہ کی نافرمانی ہے اور اس کا نتیجہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد میں سے جنہوں نے نافرمانی کی ان کو بندر اور سور بنا دیا گیا، جس کا تمہیں اقرار ہے۔ ایسے لوگ اللہ کے یہاں بہت برابرہ پائیں گے یہ آخرت میں بدترین لوگ ہوں گے ان کی جگہ دوزخ ہے جو بہت بری جگہ ہے اور یہ لوگ دنیا میں سیدھے راستے سے بہت دور ہیں اس میں اہل کتاب کو تنبیہ ہے کہ تم مسلمانوں پر ہنستے ہو اور ان کی اذان کا مذاق بناتے ہو۔ ہمارے طریقہ میں تو کوئی بات استہزاء اور مذاق اور گمراہی کی نہیں ہے ہاں تمہارا طریقہ نافرمانی کفر و فسوق کا ہے تمہارے آباؤ اجداد بھی ایسے ہی تھے جنہوں نے کفریہ عقائد اختیار کئے۔

گائے کے بچھڑے کو پوجا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنایا، سینچر کے دن کی جو تعظیم لازم کی گئی تھی اس کی خلاف ورزی کی جس کی وجہ سے بندر بنا دیئے گئے، بعض مفسرین نے لکھا ہے جن لوگوں نے سینچر کے دن کے بارے میں حکم عدولی کی تھی ان میں جو انوں کو بندر اور بوڑھوں کو خنزیر بنا دیا گیا تھا۔

منافقوں کی حالت

پھر منافقوں کا ذکر فرمایا کہ اے مسلمانو! جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ان کا یہ کہنا جھوٹ ہوتا ہے ﴿وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكَفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ﴾ (وہ داخل بھی ہوئے کفر کے ساتھ اور نکلے بھی کفر کے ساتھ) نہ پہلے مومن تھے نہ تمہاری مجلس میں با ایمان ہو کر بیٹھے، جیسے حالت کفر میں آئے ویسے ہی چلے گئے۔

یہ ظاہر میں ایمان والے بنتے ہیں اور دلوں کے اندر کفر چھپا رکھتے ہیں اللہ کو اس بات کو پورا پورا علم ہے جسے وہ چھپائے ہوئے ہیں۔

یہودیوں کی حرام خوری اور گناہ گاری

یہودیوں میں حرام کھانے کا بہت رواج تھا اور گناہ بھی بڑھ چڑھ کر کرتے تھے ظلم اور زیادتی میں بھی خوب آگے بڑھے ہوئے تھے سود کا لین دین بھی خوب تھا اور رشوتوں کا بھی خوب چرچا تھا اس کو فرمایا۔

﴿وَتَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السَّحْتِ﴾ (آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے کہ گناہ کرنے میں اور ظلم و زیادتی میں تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں اور حرام کھانے میں خوب تیز ہیں) ﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (البتہ وہ کام برے ہیں جو وہ کرتے ہیں)۔

جھوٹے درویشوں کی بد حالی

امت محمدیہ میں جو جھوٹے درویش بنے ہوئے ہیں انہوں نے دنیا حاصل کرنے کے لئے پیری مریدی اختیار کر لی ہے۔ مال داروں میں گھل مل کر رہتے ہیں، جن سے اغراض وابستہ ہیں یا وہ حکومتوں کے ملازم ہیں، ان کے ذریعہ کام نکلتا ہے، ان کی اصلاح کی کوئی فکر نہیں، اپنی ذات کا نفع سامنے رہتا ہے، ایسے درویش اور بعض علماء بھی اسی مصیبت میں مبتلا ہیں کہ حرام کھانے سے اور حرام کمانے سے اور گناہوں میں مال لگانے سے نہیں روک سکتے۔

جو لوگ قبروں کے مجاور بنے ہوئے ہیں طرح طرح سے لوگوں سے مال وصول کرتے ہیں بے نمازی ہیں اور بزرگ بنے ہوئے ہیں داڑھیاں منڈی ہوئی ہیں اور درویشی کے دعویدار ہیں حلال حرام کی تمیز کے بغیر لوگوں سے سب کچھ وصول کر لیتے ہیں بھلا ایسے لوگ کیا حق بات کہہ سکتے ہیں اور کیا گناہوں سے روک سکتے ہیں؟

ان لوگوں کے ہم مشرب اور ہم مسلک علماء ہیں ان کے مونہوں پر لگائیں ہیں۔ قبروں پر جو عرس ہوتے ہیں ان میں خود شریک ہوتے ہیں اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں فلاں اعمال کر رہے ہو یہ شرک اور بدعت ہیں بلکہ یہ دنیا دار علماء اپنے عمل سے اپنے علم کو مشرکانہ مبتدعانہ اعمال کی

تائید میں خرچ کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں (درویشوں اور عالموں کی) توبیخ کے لئے اس آیت سے زیادہ سخت کوئی آیت نہیں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن خطبہ دیا اور حمد و صلوة کے بعد فرمایا اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ وہ گناہ کرتے تھے اور درویش اور اہل علم انہیں نہیں روکتے تھے جب گناہوں میں بڑھتے چلے گئے تو ان پر عذاب نازل ہو گیا لہذا تم امر بالمعروف کرو اور نہی عن المنکر کرو اس سے پہلے کہ تم پر وہ عذاب آئے جو ان لوگوں پر آیا تھا اور یہ بات جان لو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے نہ رزق منقطع ہوتا ہے اور نہ موت وقت سے پہلے آتی ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۗ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ ۗ
 يُضْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۗ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۗ وَالْقَيْنَا
 بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۗ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۗ
 وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۝ ٢٣ ۗ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ
 آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دَخَلْنَا فِيهِمْ جَنَّتِ النَّعِيمِ ۝ ٢٤ ۗ وَلَوْ أَنَّهُمْ
 أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَ الْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۗ مِّنْهُمْ
 أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۗ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ۝ ٢٥ ۗ

اور کہا یہودیوں نے کہ اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے، بند ہوئے ان کے ہاتھ، اور ان کے قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اللہ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ خرچ فرماتا ہے جیسے چاہے، اور آپ کے رب کی طرف سے جو آپ پر نازل کیا گیا، وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر کے زیادہ ہونے کا سبب بن جائے گا، اور ہم نے ڈال دی ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک، انہوں نے جب کبھی لڑائی کی آگ جلائی اللہ نے اسے بجھا دیا۔ اور یہ لوگ فساد کے لیے دوڑتے ہیں، اور اللہ فساد یوں کو دوست نہیں رکھتا اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے، اور ہم انہیں ضرور نعمتوں کے باغوں میں داخل کر دیتے، اور اگر وہ قائم کرتے تو رات کو انجیل کو اور اس کو جو کچھ نازل ہوا ہے ان پر ان کے رب کی طرف سے تو ضرور کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے، ان میں ایک جماعت سیدھی راہ اختیار کرنے والی ہے اور ان میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو برے کرتوت کرتے ہیں۔

یہودیوں کی گستاخی اور سرکشی

معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو بہت مال دیا تھا، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تو اللہ پاک نے جو مال و دولت دیا تھا اور بڑی مقدار میں جو پیداوار ہوتی تھی اس کو روک دیا، اس پر خاص نامی ایک یہودی نے یہ بات کہی کہ اللہ کا ہاتھ خرچ کرنے سے بند ہو گیا، کہا تو تھا ایک ہی شخص نے لیکن دوسرے یہودیوں نے چونکہ اسے اس کلمہ سے نہیں روکا اور اس کی بات کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس میں شامل کر دیا اور اس بات کو یہود کا قول قرار دیدیا۔

ان کی تردید فرماتے ہوئے اول تو یہ فرمایا کہ ﴿غَلَّتْ أَيْدِيهِمْ﴾ کہ خود یہودیوں کے ہاتھ خیر خیرات سے رکے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی فرمایا کہ ان کے اس قول کی وجہ سے ان لعنت کی گئی۔

پھر فرمایا ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ (بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ وہ جس طرح چاہے خرچ کرے) یہودی بڑی بے ہودہ قوم تھی انہوں نے ایسی بے ہودگی پر کمر باندھی کہ اللہ تعالیٰ کی شان عالی اور ذات مقدس کے بارے میں بھی نازیبا کلمات کہہ دیئے۔ جب کسی قوم میں ایمان نہ رہے تو ان کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں وہ اللہ کو مانتے بھی ہیں اور اللہ پر اعتراض بھی کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے اسے کوئی خرچہ کم نہیں کرتا وہ رات دن خرچ کرتا ہے تم ہی بتاؤ اس نے کتنا خرچ فرمادیا جب سے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا جو کچھ اس کے ہاتھ میں تھا اس میں ذرا بھی کم نہیں ہوا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

کمی ہونے کے ڈر سے اسے ہاتھ روکنا پڑتا ہے جس کے پال مال محدود ہو اور ختم ہو جانے کا ڈر ہو اللہ تعالیٰ جل شانہ خالق ہے اور مالک ہے اس کے خزانے بے انتہا ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

عطائي كلام و عذابي كلام انما امرى لشئى اردت ان اقول له كن فيكون۔

میرا عطا کر دینا کلام ہے اور عذاب دینا بھی کلام ہے جب میں کسی چیز کا ارادہ کروں تو کن کہہ دیتا ہوں پس وہ چیز وجود میں آجاتی ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۵)

رسول اللہ ﷺ نے کیسے سمجھانے کے انداز میں بیان فرمایا کہ جب سے اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا ہے اس وقت سے اس نے اپنی مخلوق پر کتنا خرچ کر دیا اس کو سوچو اور غور کرو۔ اتنا خرچ کرنے پر اس کے خزانوں میں کچھ بھی کم نہیں ہوا اور خرچ برابر ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا اور ابدال آباد تک اہل جنت پر خرچ ہوگا ایسے خالق و مالک اور داتا کو یہودیوں نے فقیر کہہ دیا جیسا کہ سورہ آل عمران میں ذکر فرمایا ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ﴾ (البتہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے یوں کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں) انہوں نے جو یہ کہا کہ اللہ کا ہاتھ خرچہ کرنے سے رک گیا، یہ ان کی ضلالت اور سفاہت اور دیدہ دلیری ہے جس کی وجہ سے ملعون قرار دیئے گئے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ جل شانہ مخلوق کی طرح نہیں ہے وہ جسم سے اور اعضاء سے پاک ہے۔ حدیث و قرآن میں جو لفظ یہ غیرہ آیا ہے اس پر ایمان لائیں کہ اس کا جو مطلب اللہ کے نزدیک ہے ہم اسے مانتے ہیں۔ اور سمجھنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ یہ متشابہات میں سے ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا﴾ (اور آپ کے رب کی طرف سے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر کے زیادہ ہونے کا سبب بن جائیگا) مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جو کتاب نازل فرمائی وہ تو ہدایت کے لئے ہے لیکن یہودی اس سے ہدایت حاصل نہیں کر رہے ان میں سے چند لوگ ایمان لائے جن کی تعداد زیادہ نہیں ہے وہی لوگ زیادہ ہیں جو اللہ کی کتاب سے ہدایت لینے کی بجائے اس کو اپنے لئے زیادہ سرکشی اور کفر میں بڑھنے کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔

حضرت قتادہ تابعی نے فرمایا کہ یہودیوں کو حسد کھا گیا انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ سے اور عرب سے حسد کیا اور اس وجہ سے قرآن چھوڑا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے منکر ہوئے اور آپ کے دین کو نہ مانا۔ حالانکہ وہ آپ کو اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ (در منثور ج ۲ ص ۲۹۷)

پھر فرمایا ﴿وَالتَّيْنَانِ بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ (اور ہم نے قیامت تک ان میں دشمنی کو اور بغض کو ڈال دیا) ان میں مختلف فرقے ہیں اور ایک فرقہ دوسرے کا دشمن ہے اور قیامت تک ان کی عداوت اور بغض کا یہی حال رہے گا۔

یہودیوں کا جنگ کی آگ کو جلانا

پھر فرمایا ﴿كَلِمًا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَاهَا اللَّهُ﴾ (کہ جب کبھی انہوں نے لڑائی کی آگ جلائی اللہ نے اسے بجھا دیا) یعنی مسلمانوں کے خلاف تحریک چلاتے رہتے ہیں اور ان سے لڑنے کی تیاریاں کرتے رہتے ہیں لیکن اپنی تیاریوں میں کامیاب نہیں ہوتے یا تو مرعوب ہو کر رہ جاتے ہیں یا مغلوب ہیں اور شکست کا منہ دیکھتے ہیں۔ یہودیوں نے ہر موقع پر شکست کھائی، بنو قریظہ مقتول ہوئے اور بنو نضیر مدینہ منورہ سے خیبر کو جلا وطن کئے گئے پھر خیبر میں بھی ان پر چڑھائی کی گئی اور وہ وہاں مغلوب اور مقہور ہوئے۔

پھر فرمایا ﴿وَيَسْعُونَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا﴾ (اور یہ لوگ زمین میں فساد کرنے کے لئے دوڑتے ہیں) ﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾ (اور اللہ دوست نہیں رکھتا فساد کرنے والوں کو) لہذا یہ اللہ کے محبوب بندے نہیں ہیں، ان الفاظ میں ہمیشہ کے لئے فساد یوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو فساد فی الارض کے لئے منصوبہ بناتے رہتے ہیں اور فساد کرنے کا مشغلہ رکھتے ہیں۔

پھر فرمایا ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَادْخُلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ﴾ (اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے اور انہیں ضرور نعمتوں کے باغوں میں داخل کر دیتے)

اس میں اہل کتاب کو ترغیب دی ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں اور کفر سے بچیں، ایسا کریں گے تو ہم ان کے سابقہ گناہوں کا کفارہ کر دیں گے اور ایمان نہ لانے اور کفر پر جمے رہنے کی وجہ سے آرام اور چین والی جنتوں سے محروم ہوں گے۔

اللہ کی کتاب پر عمل کرنے سے خوش عیش زندگی نصیب ہوتی ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْهِمْ مِنَ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ﴾ اور اگر وہ قائم کرتے تو تورات کو اور انجیل کو اور جو کچھ ان کی طرف نازل ہوا ہے ان کے رب کی طرف سے تو ضرور کھاتے اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے) مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب اگر تورات اور انجیل کے احکام پر عمل کرتے اور اب جو کچھ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اس پر عمل کرتے تو ان کو دنیا میں بھی خوب اچھی طرح نوز دیا جاتا۔

پہلی آیت میں یہ بتایا کہ ایمان لائیں گے تو جنت ہوں گے اور اس آیت میں یہ بتایا کہ اگر ایمان لاتے اور احکام الہیہ پر عمل کرتے تو اس کی وجہ سے دنیا میں خوب اچھی طرح نوازے جاتے، اوپر سے بھی کھاتے اور پاؤں کے نیچے بھی نعمتیں پاتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا یہ مطلب بتایا کہ ان پر خوب بارشیں برسئیں اور زمین سے خوب کھانے پینے کی چیزیں اگائی جاتیں۔ معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۱ میں فراء سے نقل کیا ہے کہ اس سے رزق میں وسعت کر دینا مراد ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے محاورے میں کہتے ہیں کہ فلان فی الخیر من قرنه الی قدمه (فلاں شخص سر سے پاؤں تک خیر ہی خیر ہے) اس آیت سے اور اعراف کی آیت ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا﴾ سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ میں لگنے اور گناہوں سے بچنے کی صورت میں (آخرت کی خیر کے ساتھ) بندگان خدا دنیا میں بھی بھرپور نعمتوں سے نواز دیئے جاتے ہیں۔

پھر فرمایا ﴿مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ﴾ (ان میں ایک جماعت ہے سیدھی راہ اختیار کرنیوالی) چند اہل کتاب جو ایمان لے آئے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہم اس میں ان حضرات کی تعریف فرمائی۔ پھر فرمایا ﴿وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ﴾ (اور ان میں سے بہت سے وہ ہیں جو برے کرتوت کرتے ہیں)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا عملوا بالقبیح مع التکذیب بالنبی ﷺ کہ ان لوگوں نے اعمال قبیح کئے اور ساتھ ہی نبی اکرم ﷺ کی تکذیب بھی کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۗ وَاللَّهُ يَعْصِيكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۲۰﴾

اے رسول! آپ پہنچا دیجئے جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا، اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام نہ پہنچایا، اور لوگوں سے اللہ آپ کی حفاظت فرمائے گا، بے شک اللہ کافر لوگوں کو راہ نہیں دکھائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا حکم کہ جو کچھ نازل کیا گیا ہے سب کچھ پہنچادو، اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا اس آیت شریفہ میں اللہ جل شانہ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو تبلیغ کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا اس کو پہنچا دیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو آپ کے دل میں کچھ گھبراہٹ سی ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ لوگ تکذیب کریں گے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

معالم التنزیل ص ۵۱ ج ۱ اور لباب النقول ص ۹۴ میں حضرت مجاہد تابعی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ نازل ہوئی تو آپ نے عرض کیا کہ اے رب! میں یہ کام کیسے کروں گا میں تنہا ہوں لوگ میرے خلاف جمع ہو جائیں گے۔ اس پر ﴿فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ نازل ہوئی مزید فرمایا ﴿وَاللَّهُ يَعْصِيكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی حفاظت کیا کرتے تھے ان سے آپ نے فرما دیا کہ آپ لوگ چلے جائیں اللہ نے میری حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ حفاظت کرنے والوں میں رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے جب آیت نازل ہوئی تو انہوں نے پہرہ دینا چھوڑ دیا (لباب النقول ص ۹۴)۔

آخر میں فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کو اس کی راہ نہ دکھائے گا کہ وہ قتل کرنے کے لئے آپ تک پہنچیں۔ قال صاحب الروح وفيه اقامة الظاهر مقام المضمرة اي لان الله تعالى لا يهدى بهم الى امنيتهم فيك (ج) رسول اللہ ﷺ نے ذرا سی بھی کوئی بات نہیں چھپائی اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جو کچھ نازل فرمایا وہ سب امت تک پہنچایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جو کوئی شخص تم میں سے یہ بیان کرے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے نازل فرمودہ امور سے کچھ بھی چھپایا تو وہ جھوٹا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۱)۔

منیٰ اور عرفات میں رسول اللہ ﷺ کا حاضرین سے سوال

آنحضرت سرور عالم ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر جو عرفات میں خطبہ دیا اس میں بہت سی باتیں بیان فرمائیں اور حاضرین سے فرمایا وانتم تسئلون عني فما انتم قائلون (تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا سو تم کیا جواب دو گے) حاضرین نے عرض کیا۔ نَشْهُدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ اَدَيْتَ وَ نَصَحْتَ (کہ ہم گواہی دیں گے کہ بلاشبہ آپ نے پہنچایا اور اپنی ذمہ داری کو پورا فرمایا اور امت کی خیر خواہی کی) آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی پھر لوگوں کی طرف جھکائی اور تین بار اللہ پاک کے حضور میں عرض کیا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ (کہ اللہ! تو گواہ ہو جا!) (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۹۷)۔

پھر دسویں تاریخ کومنیٰ میں آپ نے خطبہ دیا اور حاضرین سے پھر وہی سوال فرمایا اَلْاَهْلُ بَلَّغْتَ خَبْرَ دَارِ! ٹھیک بتاؤ کیا میں نے پہنچا دیا! حاضرین نے کہا کہ نعم (ہاں آپ نے پہنچایا) پھر آپ نے اللہ پاک کو حضور میں عرض کیا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ (اے اللہ! تو گواہ ہو جا) پھر ساتھ ہی

فرمایا فلیبینہ الشاہد الغائب (جو حاضر ہو وہ غائب کو پہنچادے)۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۲۳۵)
قرآن مجید کی تصریح سے معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ اللہ نے جو بھی کچھ آپ کی طرف نازل فرمایا ہے وہ سب پہنچادیتے۔

سورہ حجر میں ارشاد ہے ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ کہ آپ خوب کھول کر واضح طور پر بیان فرمادیتے آپ نے زندگی بھر اس پر عمل کیا اور حج کے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ میں نے پہنچا دیا سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا کہ ہاں آپ نے پہنچایا اور سب نے وعدہ کیا کہ اللہ کے حضور میں ہم گواہی دیں گے اور عرض کر دیں گے کہ آپ نے سب کچھ پہنچا دیا۔

روافض کا رسول اللہ ﷺ پر تہمت لگانا

یہ تو قرآن و حدیث کی تصریح ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا یہ جاہلانہ اور کافرانہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا تھا کہ اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان فرمادیں لیکن آپ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ڈر سے اعلان نہیں فرمایا، ان لوگوں کا جھوٹا دعویٰ ہے کہ انہیں حضرات اہل بیت سے محبت ہے۔

جھوٹا اس لئے ہے کہ اہل بیت سے تو محبت کا دعویٰ ہے اور صاحب اہل بیت ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کا حکم نہیں پہنچایا یہ لوگ باستثناء تین چار پانچ حضرات کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں۔ قرآن مجید کی تحریف کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو بھی علم چھپانے کا مجرم بتاتے ہیں، یہ محبت عجیب قسم کی ہے کہ اہل بیت سے محبت ہو اور جس ذات والا صفات کی وجہ سے اہل بیت سے محبت ہوئی۔ اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں کہ منصب رسالت کی ذمہ داری پوری نہیں کی (العیاذ باللہ من ہذہ الخرافات والہفوات) جب اللہ کا نبی ہی مخلوق سے ڈر جائے اور احکام الہیہ کو چھپائے اور ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ کی خلاف ورزی کرنے تو پھر کون حق قائم کرے گا؟ حیرت ہے ان لوگوں پر کہ جس رسول ﷺ کی حفاظت کا اللہ نے وعدہ فرمایا اور ﴿وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ﴾ فرما کر حفاظت کی ضمانت دے دی اس رسول کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ڈر سے اللہ کا حکم چھپالیا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اس وعدہ پر آپ کو بھروسہ نہیں تھا (والعیاذ باللہ) ایک ادنیٰ مومن بھروسہ اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسول کو اللہ پر بھروسہ نہ ہو اور اللہ کے وعدہ کو سچ نہ سمجھا ہو؟ پھر یہ عجیب بات ہے کہ جس کی خلافت بلا فصل کے یہ لوگ مدعی ہیں جب چھبیس سال کے بعد انہیں خلافت ملی تو انہوں نے تو یہ نہ کہا کہ میں خلیفہ بلا فصل تھا مجھ سے خلافت چھین لی گئی تھی یہ انکے خواہ مخواہ کے حمایتی ان کو بھی مطعون کرتے ہیں کہ باوجود شجاع اور بہادر ہونے کے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم سے ڈرتے رہے اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے اور ان کے مشوروں میں شریک ہوتے رہے۔ اللہ جل شانہ ان جھوٹے جماعتیوں کے عقائد اور مکائد اور خیالات اور خرافات سے محفوظ رکھے۔ ولقد صدق اللہ تعالیٰ حیث قال ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُتَيَّبُوا التَّوْرَةَ وَ الْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِّنْ رَبِّكُمْ ۗ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَ كُفْرًا ۗ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّبِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَن آمَنَ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٩﴾ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَ آتَيْنَا إِلَيْهِمْ رَسُولًا ۗ كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ فَزَيَّنَّا

كَذَّبُوا وَفِرُّوْا قَاتِلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَبُّوْا وَصَبُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ
عَبُّوْا وَصَبُّوْا كَثِيْرًا مِنْهُمْ ۝ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

آپ فرمادیتے تھے کہ اے اہل کتاب تم کسی راہ پر نہیں ہو یہاں تک کہ تورات کو اور انجیل کو اور اس چیز کو قائم کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی اور ضرور ضروران میں سے بہت سوں کی سرکشی کو اور کفر کو وہ مضمون زیادہ کر دے گا جو آپ کی طرف نازل کیا گیا، سو آپ کافر قوم پر افسوس نہ کیجئے، بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہیں اور فرقہ صابئین اور نصاریٰ ان میں سے جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرے تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے، بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف ہم نے رسول بھیجے جب بھی کوئی رسول ان کے پاس ایسا حکم لے کر آیا جو ان کی خواہشوں کے موافق نہیں تھا تو انہوں نے نبیوں کی ایک جماعت کو جھٹلادیا اور ایک جماعت کو قتل کر دیا، اور انہوں نے گمان کیا کہ کچھ بھی فتنہ نہ ہوگا پھر وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی پھر ان میں سے بہت سے لوگ اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جن کو وہ کرتے ہیں۔

یہودیوں کی سرکشی اور کج روی کا مزید تذکرہ

تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۹۹ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کیا آپ کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ آپ دین ابراہیمی پر ہیں اور تورات پر بھی آپ کا ایمان ہے آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! یہ بات ٹھیک ہے (ان لوگوں کا یہ مطلب تھا کہ ہم بھی دین ابراہیمی پر ہیں اور آپ کی گواہی کے مطابق تورات شریف بھی اللہ کی کتاب ہے لہذا ہم حق پر ہوئے) آپ ﷺ نے جواب فرمایا کہ تم نے دین ابراہیمی میں اپنے پاس سے بہت سی نئی چیزیں نکال لی ہیں اور تورات میں جو تم سے عہد لیا گیا تھا تم اس کے منکر ہو گئے ہو اور تمہیں جس چیز کو بیان کرنے کا حکم دیا گیا تھا اسے تم چھپا رہے ہو، اس پر انہوں نے کہا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہیں ہم اسے مانتے ہیں اور ہم ہدایت پر ہیں اور حق پر ہیں اور ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کا اتباع نہیں کرتے۔

اس پر اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ﴾ (اخیر تک) نازل فرمائی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اہل کتاب سے فرمادیتے تھے کہ تم کسی ایسے دین پر نہیں جو اللہ کے نزدیک معتبر ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کے احکام اور ارشادات پر پوری طرح عمل پیرا نہ ہو اور جب تک کہ اس پر ایمان نہ لاؤ جو تمہارے رب کی طرف سے بواسطہ محمد رسول اللہ ﷺ تم پر نازل کیا گیا، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر اور قرآن پر ایمان لانا تورات اور انجیل کے فرمان کے مطابق ہے۔ ﴿يَجِدُوْنَكَ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْانْجِيلِ﴾ اگر تم نے تورات اور انجیل کے بعض احکام کو مانا تو اس طرح سے تورات اور انجیل پر بھی تمہارا ایمان نہیں ہے، اور تمہارا دعویٰ ہے کہ ہم ہدایت پر ہیں یہ دعویٰ غلط ہے اور تم جس دین پر ہو وہ آخری نبی کا انکار کرنے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک معتبر نہیں ہے، اس کے بعد فرمایا۔

﴿وَلِيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِنْهُمْ مَّا اَنْزَلَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا﴾ کہ یہ لوگ قرآن سے ہدایت لینے والے نہیں بلکہ قرآن کا نازل ہونا ان کے لئے اور زیادہ سرکشی کرنے اور کفر میں ترقی کرنے کا باعث بنے گا، ان میں سے بہت سے لوگوں کا یہی حال ہے بجز چند افراد کے جو ایمان لے آئے تھے۔

﴿فَلَا تَأْسَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ (آپ کافر قوم پر رنج نہ کریں) جس کو ایمان قبول کرنا نہیں ہے وہ قبول نہ کرے گا رنج کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

صرف ایمان اور عمل صالح ہی مدار نجات ہے

پھر فرمایا ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِقُونَ وَالنَّاصِرُونَ﴾ (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہیں اور جو فرقہ صابین ہیں اور جو نصاریٰ ہیں ان میں سے جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرے تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے) اس طرح کی آیت سورہ بقرہ میں بھی گزر چکی ہے (دیکھو آیت نمبر ۶۲) وہاں آیت کی پوری تفسیر لکھ دی گئی ہے وہاں یہود و نصاریٰ اور صابین کا تعارف بھی کر دیا گیا ہے سورہ بقرہ میں اور یہاں اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ، نے اپنا یہ قانون بیان فرمایا ہے جو بھی کوئی شخص اعتقادات اور اعمال میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمودہ طریقہ کی اتباع کرے گا خواہ وہ شخص پہلے سے کیسا بھی ہو وہ اللہ کے ہاں مقبول ہوگا، نزول قرآن کے بعد اللہ کی پوری اطاعت قرآن کے ماننے میں اور دین اسلام کے قبول کرنے ہی میں منحصر ہے اس لئے مسلمان ہی وہ قوم ہے جنہیں کوئی خوف نہیں اور وہ غمگین نہ ہوں گے، بحیثیت اعتقاد تو یہ لوگ صحیح راہ پر ہیں ہی گناہوں کی وجہ سے کوئی گرفت ہو جائے تو وہ دوسری بات ہے بظاہر قانون بیان کرنے میں ﴿الَّذِينَ آمَنُوا﴾ کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو مسلمان ہیں ہی لیکن ﴿الَّذِينَ آمَنُوا﴾ کے اضافہ کرنے سے ایک خاص بلاغت پیدا ہوگئی اور یہ بتا دیا کہ کسی پر ہماری عنایت ذاتی خصوصیت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ صفت موافقت کی وجہ سے ہے اس کو اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے کوئی حاکم وقت یوں اعلان کرے کہ ہمارا قانون سب کے لئے عام ہے مخالف ہو یا موافق جو موافق ہے وہ موافقت کی وجہ سے مورد عنایت ہے اور مخالف بھی اگر مطیع ہو جائے تو وہ بھی مورد عنایت ہو جائے گا۔

بنی اسرائیل کی عہد شکنی

اس کے بعد فرمایا ﴿لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ کہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے، ان کا یہ طریقہ رہا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو دین پیش کرتے تھے اس دین میں سے جو حصہ نفس کو نہیں بھاتا تھا اور اچھا نہیں لگتا تھا اس سے اعراض کرتے تھے، اور اس ناگواری کے باعث بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو جھٹلایا اور بہت سوں کو قتل کر دیا یہ مضمون سورہ بقرہ کی آیت ﴿أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ﴾ میں بھی گزر چکا ہے، ایمان کی شان یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو بھی حکم دیا جائے اور جو قانون نافذ کیا جائے اس کو بشارت کے ساتھ قبول کیا جائے، نفسوں کو گوارا ہو یا نہ ہو، نفس کے مطابق ہو تو مانا اور نہ ماننے سے انکار کر دیا اور داعیوں کے دشمن ہو گئے، یہ ایمان کی شان نہیں، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم بات سنیں گے اور حکم مانیں گے، تنگ دستی میں اور خوشحالی میں اور نفسوں کی خوشی میں اور ناگواری میں۔ (رواہ البخاری ص ۲ ص ۱۰۲۵)

پھر کسی حکم میں اگر نفس کو تکلیف ہوتی ہے تو اس پر اجر بھی تو زیادہ ملتا ہے، سردیوں میں اچھی طرح وضو کرنا نیند قربان کر کے نماز کے لئے اٹھنا نفس کی ناگواری کے باوجود زکوٰۃ دینا روزہ رکھنا دشمنان دین سے لڑنا گناہوں سے بچنا یہ سب چیزیں نفسوں کے لئے ناگوار ہیں لیکن ان میں اجر و ثواب بھی زیادہ ہے۔ نفس کے مطابق ہو تو مانا اور اگر خلاف نفس ہو تو نہ مانا یہ تو نفس کی بندگی ہوئی، اللہ کے نیک بندے تو اللہ کی رضا تلاش کرتے ہیں نفس کی خواہشات کے پیچھے نہیں چلتے۔

بنی اسرائیل سے جو عہد لیا گیا سورہ بقرہ میں اس کے بارے میں ارشاد ہے ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ﴾ یہ عہد ان سے تو ریت شریف پر عمل کرنے کے لئے لیا گیا تھا نیز سورہ بقرہ ہی میں آیت ۸۳ اور آیت ۸۴ میں بھی بعض عہدوں کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا ﴿وَحَسِبُوا إِلَّا تَكُونُ فِتْنَةً فَعَمُوا وَصَمُّوا﴾ (اور انہوں نے گمان کیا کہ کچھ بھی فتنہ نہ ہوگا پھر وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، دوبارہ پھر اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ دیکھتا ہے جن کاموں کو وہ کرتے ہیں) بنی اسرائیل کی طغیانی اور سرکشی بیان فرمانے کے بعد ان کے اس گمان بدکا تذکرہ فرمایا کہ نہ کوئی ہماری گرفت ہوگی نہ کوئی عذاب ہوگا انہیں یہ خیال یا تو اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت میں دیر ہوگئی اور یا اس لئے کہ اپنے کو اللہ کا محبوب سمجھتے تھے جب یہ خیال ہو گیا تو اور زیادہ شرارت اور معصیت پر اتر آئے

اور اندھے بہرے بن گئے نہ حضرات انبیاء کرام ﷺ کے معجزات و دلائل کو دیکھ کر متاثر ہوئے اور نہ حق سنا اور نہ حق کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس سرکشی میں چلتے رہے پھر اللہ پاک نے ان پر توجہ فرمائی بعض انبیاء کرام ﷺ کو بھیجا لیکن وہ پھر بھی اندھے اور بہرے بنے رہے ان میں سے بہت سوں کا یہی حال رہا ﴿وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ﴾ اور اللہ ان کے سب اعمال کو دیکھتا ہے۔ بنی اسرائیل کے مفاد اور اتار چڑھاؤ کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں قدرے تفصیل سے فرمایا ہے اسکو ملاحظہ کر لیا جائے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يُبْنَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۖ
 اَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ
 وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۙ ﴿۴۷﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثَةٌ ۖ وَ مَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا
 إِلَهٌ وَاحِدٌ ۖ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۙ ﴿۴۸﴾ أَفَلَا
 يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۙ ﴿۴۹﴾ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ
 قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَنِ الطَّعَامَ ۖ أَنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمْ
 الْآيَاتِ ثُمَّ أَنْظِرْ أَنِّي يُؤْفَكُونَ ۙ ﴿۵۰﴾ قُلْ اتَّعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا
 نَفْعًا ۗ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۙ ﴿۵۱﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا
 تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۙ ﴿۵۲﴾

بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے یوں کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے حالانکہ مسیح نے فرمایا ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے، بلاشبہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے تو اس میں شک نہیں کہ اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں، بلاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین معبودوں میں سے ایک معبود ہے حالانکہ ایک معبود کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اگر اس بات سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ضرور ضرور ان لوگوں کو جو ان میں کفر ہی پر جسے رہیں درد ناک عذاب پہنچ جائے گا، کیا وہ اللہ کے حضور میں توبہ نہیں کرتے اور اس سے مغفرت نہیں چاہتے، اور اللہ غفور رحیم ہے نہیں مسیح ابن مریم مگر ایک رسول، ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں، اور ان کی ماں سچی ہے، وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، دیکھ لیجئے! ہم کیسے ان کے لیے دلائل بیان کرتے ہیں پھر دیکھو کہ وہ لوگ کہاں لٹے جا رہے ہیں۔ آپ فرمادیتے کیسے اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ آپ فرمادیتے اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق کا غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بہک گئے۔

نصاری کے کفر و شرک اور غلو کا بیان

ان آیات میں نصاریٰ کی گمراہی اور ان کا کفر و شرک اور غلو بیان فرمایا ہے، نصاریٰ کے کئی فرقے تھے ان میں سے ایک فرقہ یہ کہتا تھا کہ اللہ اور مسیح ابن مریم ایک ہی ہیں یعنی وہ حلول کے قائل تھے یہ بھی سراسر کفر ہے خالق کا مخلوق میں حلول ماننا اور اتحاد کا قائل ہونا بہت بڑی گمراہی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اسی شخصیت کو خدا بتا رہے ہیں جس نے واضح طریقہ پر بنی اسرائیل کو فرمادیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا

رب ہے اور تمہارا رب ہے وہ تو فرما رہے ہیں کہ اللہ میرا اور تمہارا رب ہے اور ان سے عقیدت کا اظہار کرنے والے ان کو عین خدا بتا رہے ہیں، نیز حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کو عین خدا بنا کر ان کے لئے خدائی خصوصیات تجویز کر دیں اور ان کو معبود ماننے لگے۔ شرک ظلم عظیم ہے ظالموں کے لئے قیامت کے دن کوئی مددگار نہ ہوگا۔

نصاری کی ایک جماعت کا یہ کہنا تھا کہ تین معبود ہیں ان میں سے ایک معبود اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم بنت عمران علیہما الرحمۃ بھی معبود ہیں، اللہ جل شانہ نے ان کا قول نقل فرما کر اور تو ان کی تردید فرمائی ﴿وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ وَاحِدٌ﴾ (اور ایک معبود کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے) اور پھر فرمایا ﴿وَإِنْ لَّمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (اگر یہ لوگ اپنے قول سے باز نہ آئے تو ان میں سے جو لوگ کفر پر جمے رہیں گے ان کے لئے عذاب ہے) (جو لوگ توبہ کر لیں گے ایمان لے آئیں گے وہ عذاب سے مستثنیٰ ہیں) پھر فرمایا ﴿أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ﴾ (کیا یہ اپنے عقائد باطلہ کو چھوڑ کر اللہ کے حضور میں توبہ نہیں کرتے اور اس سے مغفرت نہیں چاہتے) یعنی انہیں کفریہ عقائد پر برابر اصرار ہے ان عقائد کو چھوڑیں اور اللہ کے حضور میں توبہ کر لیں اور مغفرت طلب کریں اگر ایسا کریں گے تو اللہ مغفرت فرمادے گا اللہ غفور رحیم ہے کافر و مشرک توبہ کرے اور ایمان قبول کرے تو جو اللہ کے یہاں معتبر ہے تو اس کی بھی بخشش ہو جاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہدہ

اس کے بعد حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کا عہدہ بتایا کہ ﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ﴾ کہ مسیح ابن مریم صرف رسول ہیں، رسول وہ ہوتا ہے جو پیغام لیکر آئے، اللہ کے رسول مخلوق کی طرف اللہ کا پیغام لے کر آتے تھے اور یہ ان کا بہت بڑا منصب اور عہدہ تھا جو ان کے لئے بہت بڑی فضیلت کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ نے جو پیغام بھیجے وہ پیغام لے کر آئے اور مخلوق تک پہنچا دیئے۔

ظاہر ہے کہ ان میں ایک دوسرے کا عین نہیں ہو سکتا یعنی دونوں ایک ہی ذات نہیں ہو سکتے پیغام بھیجنے والا واحد لا شریک ہے جس کو اس نے پیغام دیکر بھیجا وہ پیغام بھیجنے والے کی خدائی میں کیسے شریک ہو سکتا ہے؟ جیسے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اور خدا کی الوہیت میں شریک نہیں تھے ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے، ہر نبی اللہ کا بندہ ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کا بندہ ہونے ہی کی دعوت دیتے رہے ہیں۔

حضرت مریم علیہا السلام صدیقہ تھیں

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿وَأُمَّهُ صِدِّيقَةٌ﴾ اور ان کی والدہ خوب زیادہ سچی تھیں، انہوں نے اللہ کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی ﴿وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ لَهَا صِدْقٌ﴾ اور تصدیق اور زہد و عبادت کی وجہ سے کوئی مرد عورت معبود نہیں ہو جاتا نہ کوئی شخص بغیر باپ کے پیدا ہو جانے سے عبادت کا مستحق ہو جاتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام معبود نہیں ہو سکتے ان کے علاوہ بھی دیگر انبیاء علیہم السلام سے معجزات صادر ہوئے تھے ان سے یا کسی نبی سے جو معجزہ صادر ہو وہ صرف اللہ کے حکم سے تھا جس کو یا ذن اللہ بتا کر سورہ آل عمران میں بیان فرمایا ہے۔ ان معجزات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی خدائی میں شریک ماننا اور عبادت کا مستحق سمجھنا سراسر حماقت اور ضلالت اور جہالت ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام دونوں کھانا کھاتے تھے

پھر فرمایا ﴿كَانَا يَأْكُلِنَ الطَّعَامَ﴾ (عیسیٰ اور ان کی والدہ کھانا کھاتے تھے) مطلب یہ ہے کہ نصاریٰ نے جو حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ علیہا السلام کو معبود مانا ان کی بے وقوفی اور جہالت اور ضلالت اسی سے ظاہر ہے کہ جسے اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لئے کھانا کھانے کی ضرورت ہو اسے معبود بنا بیٹھے، معبود تو وہ ہے جو کسی کا محتاج نہیں اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، جو دوسرے کا محتاج ہو، اور جسے روٹی پانی کی ضرورت ہے

وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ پھر فرمایا ﴿اَنْظُرْ كَيْفَ نَبَّيْنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ﴾ (آپ دیکھ لیجئے ہم ان کے لئے کس طرح آیات بیان کرتے ہیں) طرح طرح سے سمجھاتے ہیں دلائل پیش کرتے ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنے عقائد شرکیہ سے باز نہیں آتے ﴿ثُمَّ اَنْظُرْ اَنْتٰی يَوْمَ كُوْنٍ﴾ (پھر دیکھ لیجئے! وہ کس طرح ہٹائے جا رہے ہیں) حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جاتے ہیں دلائل اور حقائق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

جو شخص نفع و ضرر کا مالک نہ ہو اس کی عبادت کیوں کرتے ہو؟

اس کے بعد فرمایا ﴿قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ اَنْفَعًا﴾ (آپ فرمادیتے! کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لئے ضرر اور نفع کا مالک نہیں) یہ نصاریٰ کو خطاب ہے لیکن الفاظ کا عموم تمام مشرکین کو شامل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا ان کی والدہ ہوں یا ان کے علاوہ مخلوق میں سے کوئی بھی شخصیت ہونی ہو یا ولی ہو کوئی بھی کسی کے لئے نفع نقصان کا مالک نہیں۔ نفع ضرر اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ اور قدرت میں ہے جب تمام انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام اور دیگر تمام انسان و جنات اور فرشتے بھی نفع اور ضرر کے مالک نہیں، تو بت نفع و ضرر کے کیسے مالک ہونگے؟ جو ضرر اور نفع کا مالک ہے اس کو چھوڑ کر غیروں کی عبادت کرنا سراسر کفر ہے اور خلاف عقل بھی ہے۔

سورہ یونس میں فرمایا ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَّ لَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (اور مت پکار اس کو جو تجھے نفع نہ دے نہ ضرر دے سوا اگر تو ایسا کرے تو اس وقت تو ظالموں میں ہو جائے گا)

پھر فرمایا ﴿وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ﴾ (اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے) وہ ہر روز کی اور آہستہ والی آواز کو سنتا ہے۔ سب کے اعمال کو جانتا ہے ہر ایک کے احوال سے باخبر ہے، وہ سب کو اعمال کے مطابق جزا سزا دے گا۔

اہل کتاب کو غلو کرنے کی ممانعت

اس کے بعد اہل کتاب کو غلو فی الدین سے بچنے کا حکم دیا، ارشاد ہے ﴿قُلْ يَاۡهٰٓءَلِ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ﴾ (آپ فرما دیجئے اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو) اہل کتاب نے اپنے دین میں غلو کر رکھا تھا، حد سے زیادہ بڑھ جانے کو غلو کہتے ہیں اور یہ غلو ناحق ہوتا ہے کیونکہ حق کی حد کے اندر رہنا ہی حق ہے، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اتنا آگے بڑھایا کہ خدا اور خدا کا بیٹا بنا دیا اور ان کی والدہ کو بھی معبود مان لیا۔ اور یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا حالانکہ خالق اور مخلوق میں رشتہ نہیں ہو سکتا اور کوئی مخلوق معبود بھی نہیں ہو سکتی ان لوگوں نے دین میں غلو کر دیا اور وہ باتیں دین میں داخل کر دیں جو اس دین میں نہ تھیں، جو دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطے سے ان کے پاس آیا تھا چونکہ دین میں غلو اپنی ذاتی خواہشوں سے ہوتا ہے اس لیے فرمایا ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا اَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ﴾ (اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں) انہوں نے اپنی خواہشات کو سامنے رکھا اور دین میں غلو کیا تم ان کی پیروی نہ کرو اور دین میں غلو نہ کرو۔

آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود و نصاریٰ کے اکابر نے اپنی ذاتی خواہشوں اور رایوں کے مطابق اپنے دین کو بدل دیا تھا اور اس میں عقائد باطلہ تک شامل کر دیئے تھے خود بھی گمراہ ہوئے ﴿وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا﴾ (اور بہت سوں کو گمراہ کیا) پھر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی حق واضح ہوتے ہوئے گمراہی پر جمے رہے ﴿وَضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾ (اور سیدھے رستے سے بھٹک گئے)۔

امت محمدیہ کو غلو کرنے کی ممانعت

دین میں غلو کرنا امتوں کا پرانا مرض ہے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا کہ کہیں آپ کی امت بھی اس مرض مہلک میں مبتلا نہ ہو جائے، آپ نے فرمایا لا تطرونی کما اطرت النصارى ابن مریم فانما انا عبده فقولوا عبد اللہ ورسولہ۔ یعنی میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جیسے نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا، میں تو بس اللہ کا بندہ ہوں، میرے بارے میں یوں کہو

عبد اللہ ورسولہ (کہ اللہ بندہ اور رسول ہیں) (رواہ البخاری ج ۱ ص ۴۹۰)

آنحضرت سرور عالم ﷺ کی تنبیہ کو دیکھیں اور پھر ان لوگوں کو دیکھ لیں جو رسول اللہ ﷺ کو تمام خدائی اختیارات سونپ دیئے جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور قرآن کی تصریحات کے باوجود آپ کی بشریت کے منکر ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس عقیدہ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سے بہت بڑی محبت کرنے والے بن گئے سورہ الاسراء میں فرمایا ہے۔ ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ (آپ فرمادیتے ہیں کہ میرا رب پاک ہے میں نہیں ہوں مگر ایک بشر رسول) ایک عالم نما جاہل نے تو غضب ہی کر دیا سورہ کہف کی آیت ﴿قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ کے بارے میں کہہ دیا کہ اس میں مانا یہ ہے اپنے خیال میں بہت دور کی کوڑی لائے لیکن انہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ ان جملہ مثبتہ کی تحقیق کے لئے آتا ہے جملہ منفیہ کے لئے نہیں آتا۔

صحیح بخاری ص ۱۰۶۵ میں ہے کہ آپ نے فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ کہ میں ایک بشر ہی ہوں، اللہ جل شانہ، تو آپ سے فرمائیں کہ اپنے بارے میں اعلان کر دیں کہ میں تمہارا جیسا بشر ہوں لیکن محبت کے دعویدار کہتے ہیں کہ نہیں آپ بشر نہیں تھے یہ عجب قسم کی محبت ہے ان میں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آیت کا یہ مطلب ہے کہ میں ظاہر میں بشر ہوں یہ لفظ ظاہراً اپنی طرف سے بڑھایا گیا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک قرآن میں تحریف ہو جائے تو کچھ حرج نہیں مگر ان کی بات سچ باقی رہے (العیاذ باللہ)

قرآن مجید میں فرمایا ہے ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مَرْسَهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لَوْ قَتَلْتُمُوْا اِلٰهًا﴾ (وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی؟ اس کے جواب میں کہہ دیجئے اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر وہی اسے ظاہر فرمائے گا) اس میں بات کی تصریح ہے کہ قیامت کے آنے کا وقت صرف اللہ ہی کے علم میں ہے۔ لیکن حب نبی ﷺ کے دعویدار کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو متعین طریقہ پر قیامت کے وقت کا بھی علم تھا۔ یہ عجیب محبت ہے جو قرآن کی تصریحات کے خلاف عقیدہ رکھنے پر آمادہ کر دے۔ ملا علی قاری رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اپنی کتاب الموضوعات الکبیر میں لکھتے ہیں: وقد جاهر بالكذب بعض من يدعى في زماننا العلم وهو متشبه بمالم يعط ان رسول الله ﷺ كان يعلم متى تقوم الساعة (یعنی ہمارے زمانے میں بعض ایسے لوگ جو علم کے دعویدار ہیں حالانکہ ان کے پاس علم نہیں ہے انہوں نے صاف صریح جھوٹ بولا اور یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو علم تھا کہ قیامت کب قائم ہوگی)۔

جس طرح عقائد میں محبت کے دعویداروں نے غلو کیا ہے اسی طرح سے مرنے جینے سے متعلق بہت سی رسمیں اپنی طرف سے تجویز کر کے دین میں داخل کر دیں اپنی رسموں اور بدعتوں کو جاری رکھنے کے لئے اپنی طرف سے حدیثیں بھی تراش لیتے ہیں اور خالص شرکیہ افعال کو دین کا جزو بنائے ہوتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ خِرَافَاتِهِمْ

لَعْنَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا
وَكَانُوا يُعْتَدُونَ ﴿۷۹﴾ ۗ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ ۗ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۸۰﴾ تَرَامِي
كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَ
فِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿۸۱﴾ ۗ وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوا هُمْ
أَوْلِيَاءَ ۗ وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۸۲﴾

بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر تھے وہ ملعون ہوئے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کی زبان پر، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ زیادتی کرتے تھے، یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو برے کام سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیا واقعہ برے تھے وہ

افعال جو وہ کرتے تھے تو ان میں سے بہت سوں کو دیکھے گا کہ ان لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا واقعہ برے ہیں وہ افعال جو ان کی جانوں نے آگے بھیجے یہ کہ اللہ ان پر ناراض ہو اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں، اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر اور نبی پر اور اس پر جو اتارا گیا ہے نبی کی طرف تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن بہت سے لوگ ان میں سے فرمانبرداری سے خارج ہیں۔

معاصی کا ارتکاب کرنے اور منکرات سے نہ روکنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کی ملعونیت

ان آیات میں بنی اسرائیل کی ملعونیت اور مغضوبیت بیان فرمائی ہے اور ان کی بد اعمالیوں کا تذکرہ فرمایا ہے، ان بد اعمالیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو گناہ کے کام سے نہیں روکتے تھے، تفسیر ابن کثیر میں مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑ گئے تو ان کے علماء نے ان کو منع کیا وہ لوگ گناہوں سے باز نہ آئے پھر یہ منع کرنے والے ان کے ساتھ مجلسوں میں اٹھتے بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے (اور اس میل جول اور تعلق کی وجہ سے انہوں نے گناہوں سے روکنا چھوڑ دیا) لہذا اللہ نے بعض کے دلوں کو بعض پر مار دیا یعنی یکساں کر دیا اور ان کو داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کی زبانی ملعون کر دیا۔

پھر آیت بالا کا یہ حصہ ﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوۡا يَعْتَدُوۡنَ﴾ پڑھا، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ تکیہ لگائے بیٹھے تھے آپ ﷺ تکیہ چھوڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اپنی ذمہ داری سے اس وقت تک سبکدوش نہ ہو گے جب تک گناہ کرنے والوں کو منع کر کے حق پر نہ لاؤ گے۔ (ج ۲ ص ۸۲)

سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۴۰ میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ سب سے پہلے جو بنی اسرائیل میں نقص وارد ہوا وہ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے سے ملاقات کرتا تھا (اور اسے گناہ پر دیکھتا تھا) تو کہتا تھا کہ اللہ سے ڈرو اور یہ کام چھوڑ دو کیونکہ وہ تیرے لئے حلال نہیں، پھر کل کو ملاقات کرتا اور گناہ میں مشغول پاتا تو منع نہ کرتا تھا کیونکہ اس کا اس کے ساتھ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے میں شرکت کرنے والا آدمی ہوتا تھا سو جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ نے ان کے قلوب کو آپس میں ایک دوسرے پر مار دیا یعنی یکساں بنا دیا پھر آپ ﷺ نے آیت بالا ﴿لُعِنَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا﴾ سے ﴿فَاسِقُوۡنَ﴾ تک تلاوت فرمائی، پھر فرمایا کہ خوب اچھی طرح سمجھ لو اللہ کی قسم! تمہاری یہ ذمہ داری ہے کہ امر بالمعروف کرتے رہو اور نہی عن المنکر کرتے رہو اور ظالم کا ہاتھ پکڑتے رہو اور اسے حق پر جماتے رہو (برائی سے) اس سے برائی چھڑا دو۔

نیز سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ عام عذاب لے آئے جس میں سب مبتلا ہوں گے۔ نیز سنن ابوداؤد میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص کسی قوم میں گناہ کرنے والا ہو اور جو لوگ وہاں موجود ہوں قدرت رکھتے ہوئے اس کے حال کو نہ بدلیں یعنی اس سے گناہ کو نہ چھڑائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی موت سے پہلے ان پر عام عذاب بھیج دے گا۔

امت محمدیہ میں نہی عن المنکر کا فقدان

یہ نقص جو بنی اسرائیل میں تھا دور حاضر کے مسلمانوں میں بھی ہے گناہوں سے روکنے کی قدرت ہوتے ہوئے گناہوں پر نہیں ٹوکتے، گناہگاروں سے ملتے جلتے ہیں ان سے تعلق رکھتے ہیں اور تعلقات کشیدہ ہونے کے ڈر سے ان کو گناہ سے نہیں روکتے، خالق مالک جل مجدہ، کی ناراضگی کا خیال نہیں کرتے مخلوق کی ناراضگی کا خیال کرتے ہیں کہ اسے گناہ سے روک دیا تو یہ ناراض ہو جائیگا۔

بنی اسرائیل کے اسی طرز کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا ﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوۡا يَفْعَلُوۡنَ﴾ کہ برا ہے وہ عمل جو وہ کرتے تھے۔ بنی اسرائیل والے طریقے مدعیان اسلام نے بھی اپنا لئے اسی لئے دنیا میں عام عذاب اور عقاب میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔

مشرکین مکہ سے یہودیوں کی دوستی

پھر فرمایا ﴿تَرَى كَثِيرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ (تو ان میں بہت سوں کو دیکھے گا کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں) صاحب روح المعانی ج ۳ لکھتے ہیں کہ اس سے کعب بن اشرف اور دوسرے یہودی مراد ہیں جنہوں نے مشرکین مکہ سے دوستی کی تھی (جن کو خود بھی کافر کہتے تھے) یہودیوں کی جماعت مکہ معظمہ پہنچی اور انہوں نے مشرکین مکہ کو رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے پر آمادہ کیا (رسول اللہ ﷺ کو حق پر جانتے ہوئے آپ پر ایمان نہ لائے مشرکوں سے دوستی کرنے کو پسند کیا)۔

﴿لَبِئْسَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُمْ أَنفُسَهُمْ﴾ (البتہ وہ عمل برے ہیں جو انہوں نے اپنے آگے بھیجے) ﴿أَنْ سَخَطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ (اور وہ اعمال ایسے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوا) ﴿وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ﴾ (اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے) پھر فرمایا ﴿وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ﴾ (الایۃ) (اور اگر وہ لوگ نبی کریم ﷺ پر اور اس چیز پر ایمان لاتے جو آپ پر نازل کی گئی تو کافروں کو دوست نہ بناتے) اس میں منافقوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں ان کا دعوائے ایمان غلط تھا، اگر آپ پر ایمان لاتے تو آپ کے دشمنوں سے کیوں دوستی کرتے ﴿وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَسِقُونَ﴾ (لیکن ان میں بہت سے وہ ہیں جو نافرمان ہیں) ان میں سے تھوڑے ہی افراد نے اسلام قبول کیا اور باقی اشخاص نے سرکشی اور نافرمانی کو اختیار کیا اور برابر کفر پراڑے رہے۔

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۗ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ
مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِي ۗ ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قَسِيبِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا

يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۸۲﴾

تو اہل ایمان کے لیے سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکین کو پائے گا، اور ضرور بالضرور اہل ایمان سے محبت میں سب سے زیادہ قریب تر تو ان لوگوں کو پائے گا جنہوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں، یہ اس وجہ سے کہ ان میں علماء ہیں اور رویش ہیں وہ تکبر نہیں کرتے۔

اہل ایمان سے یہودیوں اور مشرکوں کی دشمنی

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ آپ اہل ایمان کے سب سے زیادہ سخت ترین دشمن یہودیوں کو اور ان لوگوں کو پائیں گے جو مشرک ہیں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے، مشرکین مکہ نے جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر ظلم و ستم ڈھائے وہ معروف و مشہور ہیں اور جہاں کہیں بھی مشرکین ہیں وہ اب بھی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں اور تاریخ کے ہر دور میں ان کی دشمنی بڑھ چڑھ کر رہی ہے، جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو یہودیوں نے سخت دشمنی کا مظاہرہ کیا۔ یہ لوگ بہت سے مدینہ منورہ رہتے تھے۔ نبی آخر الزمان ﷺ کی نعوت اور صفات جو انہیں پہلے سے معلوم تھیں اور تورات شریف میں پڑھی تھیں ان کے موافق آپ ﷺ کو پالیا اور پہچان لیا تب بھی آپ کے دشمن ہو گئے اور بہت زیادہ دشمنی پر کمر باندھ لی آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کے لئے مشورہ کیا آپ کو زہر بھی دیا اور آپ پر جادو بھی کیا مشرکین مکہ کو جا کر جنگ کے لیے آمادہ کیا اس پر وہ لوگ متعدد قبیلوں کو لے کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے، اور یہود برابر اسلام اور اہل اسلام کے بارے میں مکاری اور دسیسہ کاری کرتے رہے۔ اور آج تک بھی ان کی دشمنی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۰ میں بحوالہ حافظ ابو بکر بن مردویہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ مَا خَلَا يَهُودِيٍّ بِمُسْلِمٍ قَطُّ إِلَّا هَمَّ بِقَتْلِهِ یعنی جب کبھی بھی کوئی یہودی کسی مسلمانوں کے ساتھ تنہائی میں ہوگا تو ضرور مسلمان کو قتل کرنے ارادہ کرے گا، مسلمان اور اسلام کے

خلاف یہودیوں کی چال بازیاں اور شرارتیں برابر جاری ہیں اور وہ اپنی شرارتوں سے باز آنے والے نہیں ہیں، نصاریٰ کو بھی وہ مسلمانوں کے خلاف ابھارتے رہتے ہیں اور ان کو ایسی ایسی اسکیمیں بچھاتے ہیں اور ایسی ایسی تدبیریں سکھاتے ہیں جن سے دنیا میں مسلمانوں کو سخت مصائب کا سامنا پڑتا رہتا ہے، خفیہ تنظیمیں کرنے میں ماہر ہیں ان کی خفیہ تنظیم فری میسن تو اب آشکارا ہو چکی ہے۔

نصاریٰ کی مودت اور اس کا مصداق

یہود اور مشرکین کی دشمنی کا حال بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ﴿وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى﴾ کہ آپ ایمان والوں کے لئے محبت کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب تر ان لوگوں کو پائیں گے جن لوگوں نے اپنے بارے میں کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔

نصاریٰ معروف جماعت ہے یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں مفسر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۲ ﴿قَالُوا إِنَّا نَصَارَى﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

أَيُّ الَّذِينَ زَعَمُوا أَنَّهُمْ نَصَارَى مِنْ أَتْبَاعِ الْمَسِيحِ وَعَلَىٰ مِنْهَا جِيلُهُمْ مَوَدَّةً لِلْإِسْلَامِ وَأَهْلِهِ فِي الْجُمْلَةِ وَمَا ذَاكَ إِلَّا مَا فِي قُلُوبِهِمْ إِذْ كَانُوا عَلَىٰ دِينِ الْمَسِيحِ مِنَ الرَّقَّةِ وَالرَّافَةِ كَمَا قَالَ تَعَالَىٰ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَفِي كِتَابِهِمْ مِنْ ضَرْبِكَ عَلَىٰ خَدِّكَ الْإِيْمَنُ فَأَدْرُلُهُ خَدَّكَ الْإِسْرُولِيسِ الْقِتَالِ مَشْرُوعًا فِي مِلَّتِهِمْ أَهْ۔
یعنی اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے یہ خیال کیا کہ وہ نصاریٰ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تبعین میں سے ہیں اور انجیل میں جو راہ بتائی تھی اس کی تبع ہیں فی الجملہ ان لوگوں کے دلوں میں اسلام اور اہل اسلام کے لئے مودت ہے اور یہ اس وجہ سے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں نرمی اور مہربانی کی شان تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے عیسیٰ کا اتباع کیا ان کے دلوں میں ہم نے مہربانی اور رحم کرنے کی صفت رکھ دی۔ ان کی کتاب میں یہ بھی تھا کہ جو شخص تیرے داہنے رخسار پر مارے تو بائیں رخسار بھی اس کی طرف کر دے، اور ان کے مذہب میں جنگ کرنا بھی مشروع نہیں تھا۔

مطلب یہ ہے کہ یہاں پر ہر نصرانی اور مدعی عیسائیت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان نصرائیوں کا ذکر ہے جو اپنے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا پابند سمجھتے تھے اور دین مسیح کے مدعی ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں میں نرمی اور مہربانی تھی ان لوگوں کے سامنے جب دین اسلام آیا اور اہل اسلام کو دیکھا تو اگرچہ اسلام قبول نہیں کیا لیکن مسلمانوں سے محبت اور تعلق رکھتے تھے۔

ان کے دین میں جنگ تو مشروع ہی نہ تھی لہذا مسلمانوں سے جنگ کرنے کا سوال ہی نہ تھا پھر ان میں قسیسین تھے یعنی علماء تھے (جن کے پاس تھوڑا بہت انجیل کا علم رہ گیا تھا وہ اس کے ذریعہ نصیحت کرتے رہتے تھے) نیز ان میں راہب بھی تھے جن کو عبادت کا ذوق تھا وہ عبادت میں لگے رہتے تھے جب انہوں نے اہل اسلام کی عبادت کو دیکھا تو محبت اور مودت میں بہ نسبت دوسری قوموں کے ان سے زیادہ قریب ہو گئے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا۔

﴿ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قَسِيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا﴾ کہ ان کی محبت اس لیے ہے کہ ان میں قسیسین ہیں اور رہبان ہیں اور فرمایا ﴿وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ اور تکبر نہیں کرتے، چونکہ ان میں تکبر نہیں اس لئے حق اور اہل حق سے عناد نہیں اور یہ عناد نہ ہونا قرب مودت کا ذریعہ ہے۔ باب التزیل ج ۲ ص ۵۶ تحریر فرماتے ہیں۔

لَمْ يَرِدْ بِهِ جَمِيْعُ النَّصَارَى لَأَنَّهُمْ فِي عِدَاوَتِهِمُ الْمَسْلَمِيْنَ كَالْيَهُودِ فِي قَتْلِهِمُ الْمَسْلَمِيْنَ وَاسْرَهُمْ وَتَخْرِيْبِ بِلَادِهِمْ وَهَدْمِ مَسَاجِدِهِمْ وَاحْرَاقِ مَصَاحِفِهِمْ، لَا وَلَا كِرَامَةِ لَهُمْ، بَلِ الْآيَةُ فِيْمَنْ اسْلَمَ مِنْهُمْ مِثْلَ النَّجَاشِيِّ وَاصْحَابِهِ۔
یعنی آیت کریمہ میں جو نصاریٰ کو اہل ایمان کی محبت کے اعتبار سے قریب تر بتایا ہے اس سے تمام نصاریٰ مراد نہیں ہیں کیونکہ وہ اہل اسلام

سے دشمنی رکھنے میں یہود اور مشرکین ہی کی طرح ہیں، مسلمانوں کو قتل کرنا اور قید کرنا اور ان کے شہروں کو برباد کرنا اور ان کی مسجدوں کو گرا دینا اور ان کے مصاحف کو جلادینا یہ سب نصاریٰ کے کرتوت ہیں (لہذا تمام نصاریٰ ﴿اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً﴾ کا مصداق نہیں ہو سکتے) بلکہ آیت کریمہ میں وہ نصاریٰ مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا مثلاً نجاشی (شاہ حبشہ) اور اس کے ساتھی۔

وَ اِذَا سَمِعُوا مَا اُنزِلَ اِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ اَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُولُونَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۗ وَ نَطَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ فَاثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنَّتِ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَ ذٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۷﴾

اور جب انہوں نے اس چیز کو سنا جو نازل کی گئی رسولوں کی طرف تو دیکھے گا کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ رہی ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا، وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرنے والے ہیں، اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ پر اور حق پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس آ گیا اور ہم اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کیساتھ داخل فرمائے گا، سو اللہ نے ان کو ان کے قول کی وجہ سے ایسے باغِ ثواب میں دے دیئے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ اچھے کام کرنے والوں کا بدلہ ہے، اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں۔

کتاب اللہ کو سن کر حبشہ کے نصاریٰ کا رونا اور ایمان لانا

جب آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اسلام کی دعوت دینا شروع کیا (جس کے اولین مخاطبین اہل مکہ تھے جو بتوں کی پوجا کرتے تھے) تو اہل مکہ دشمنی پر اتر آئے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرح طرح سے ستاتے تھے اور جو لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے انہیں بہت زیادہ دکھ دیتے تھے اور مارتے پیٹتے تھے، اس وجہ سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (جن میں مرد و عورت سبھی تھے) حبشہ کیلئے ہجرت کر گئے حبشہ اس وقت قریب ترین ملک تھا جہاں ایمان محفوظ رکھتے ہوئے عافیت کے ساتھ رہنے کا امکان تھا جب یہ حضرات وہاں پہنچ گئے تو اہل مکہ نے وہاں بھی پیچھا کیا اور شاہ حبشہ کے پاس شکایت لے کر گئے لیکن اس نے ان لوگوں کی بات نہ مانی اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو امن و امان کے ساتھ ٹھکانہ دیا۔ ان مہاجرین میں رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی جعفر بن ابی طالب تھے یہ حضرات وہاں کئی سال امن و امان کے ساتھ رہے پھر جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ وہاں سے حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے واپس آئے تو نجاشی (اصمہ شاہ حبشہ) نے وفد کے ساتھ اپنے بیٹے کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا ان کا یہ وفد ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔

نجاشی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحریر کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور میں نے آپ کے چچا کے بیٹے کے ہاتھ پر آپ سے بیعت کر لی ہے اور میں نے اللہ کی اطاعت قبول کر لی۔ میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں۔ اور اگر آپ کافر مان ہو تو میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا والسلام علیک یا رسول اللہ!

نجاشی کا بھیجا ہوا یہ وفد کشتی میں سوار تھا لیکن یہ لوگ سمندر میں ڈوب گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جن کی تعداد ستر تھی

دوسری کشتی میں سوار ہوئے تھے یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ان میں بہتر حضرات حبشہ کے اور آٹھ آدمی شام کے تھے آنحضرت ﷺ نے اول سے آخر تک سورہ یسین سنائی۔ قرآن مجید سن کر یہ لوگ رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے اور یہ جو کچھ ہم نے سنا ہے یہ بالکل اس کے مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت کریمہ ﴿وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى﴾ نازل فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ آیت بالانجاشی کے بھیجے ہوئے وفد کے بارے میں نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۶، ۵۷)

بعض حضرات نے جو یہ فرمایا کہ حضرات صحابہ جب ہجرت کر کے حبشہ پہنچے تھے اور شاہ حبشہ کے دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جو بیان دیا تھا اور سورہ مریم سنائی تھی اس سے متاثر ہو کر شاہی دربار کے لوگ رو پڑے تھے اس آیت کریمہ میں ان کا ذکر ہے۔ بعض مفسرین نے اس کو تسلیم نہیں کیا ان حضرات کا کہنا ہے کہ سورہ مائدہ مدنی ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی لہذا جو واقعہ ہجرت سے پہلے پیش آیا وہ اس آیت میں مذکور نہیں (اللہم الا ان يقال ان هذه الايات مكية والله اعلم بالصواب)

نصاری کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ وہ مودت اور محبت کے اعتبار سے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے ایمان والوں سے قریب تر ہیں اس کا سبب یہ بتایا کہ ان میں قیسین ہیں اور رہبان ہیں اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے تھے۔ قیس رومی زبان میں عالم کو کہتے ہیں اور رہبان راہب کی جمع ہے جو لوگ تارک دنیا ہو کر جنگلوں میں گرجے بنا لیتے تھے اور وہیں زندگی گزارتے تھے انہیں راہب کہا جاتا تھا۔ اب نصاریٰ میں نہ قیسین ہیں نہ راہب ہیں اور نہ ان میں تواضع کی شان ہے۔ یہ لوگ پادری بنے ہوئے ہیں وہ بھی نصرانی حکومتوں کے پابند ہیں اور ان کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ نصرانی حکومتیں اور ان کے پادری اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تدبیریں سوچتے رہتے ہیں اور جس قدر ممکن ہو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے لہذا آیت کریمہ میں ان لوگوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

جن نصاریٰ نے قرآن مجید سنا اور حق کے پہچاننے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے انہوں نے فوراً اپنے ایمان کا اعلان کر دیا اور کھلے دل سے کہنے لگے ﴿وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ﴾ (ہمیں کیا ہو جو ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس پر ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس حق آیا اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں صالحین کے ساتھ داخل فرمادے گا) یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں شامل فرمادے اور ان کو جو انعامات ملیں گی ہمیں بھی ان میں شریک فرمادے۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب انہوں نے اپنے مومن ہونے کا اعلان کر دیا تو یہودیوں نے ان کو عار دلانی اور ان سے کہا کہ تم کیوں ایمان لائے؟ اس پر انہوں نے وہ جواب دیا جو اوپر مذکور ہوا اور حقیقت جب قلوب میں ایمان کی لہر دوڑ جاتی ہے اور ایمان دل میں رچ بچ جاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت ایمان کے خلاف آمادہ نہیں کر سکتی، اور کسی جاہل کا عار دلانا ایمان سے واپس نہیں کر سکتا آخر میں اللہ جل شانہ نے اہل ایمان کا انعام اور کافروں کی سزا بیان فرمائی چنانچہ ارشاد ہے ﴿فَأَنبَأَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ (سوال اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی وجہ سے ان کو ایسے باغیچے عنایت فرمائے جن گے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے) ﴿وَذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ﴾ (اور یہ بدلہ ہے اچھے کام کرنے والوں کا) ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ (اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ دوزخ والے ہیں)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

السُّعْتِدِينَ ۙ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمْ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾

اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں کو حرام مت قرار دو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں، اور حد سے آگے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھ جانے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ اور کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تم کو حلال پاکیزہ رزق عطا فرمایا اور اللہ سے ڈرو جس پر ایمان رکھتے ہو۔

حلال کھاؤ اور پیا کیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو اور حد سے آگے نہ بڑھو

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ نے جو چیزیں حلال قرار دی ہیں تم ان کو حرام قرار نہ دو۔ حلال کو حرام قرار دینے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ عقیدۃ حلال کو حرام قرار دیا جائے۔ اگر کوئی شخص حلال قطعی کو حرام قرار دے گا تو ملت اسلامیہ سے نکل جائے گا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ عقیدۃ حلال کو حرام قرار نہ دے لیکن حلال کے ساتھ معاملہ ایسا کرے جو حرام کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی بغیر کسی عذر کے خواہ مخواہ کسی حلال چیز سے اجتناب کرے۔ یہ بھی ممنوع ہے۔

اور تیسری صورت یہ کہ قسم کھا کر یا نذر مان کر کسی حلال چیز کو حرام قرار دیدے مثلاً یوں کہے کہ اللہ کی قسم فلاں چیز نہ کھاؤں گا یوں کہے کہ فلاں چیز میں اپنے اوپر حرام کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کھڑا ہوا ہے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ حاضرین نے بتایا کہ یہ ابو اسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ کھڑا ہی رہے گا، بیٹھے گا نہیں، اور سایہ میں نہ جائے گا اور یہ کہ بولے گا نہیں، اور روزہ دار رہے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ بات کرے، اور سایہ میں جائے اور بیٹھے جائے۔ اور روزہ پورا کرے۔ (رواہ البخاری ج ۲ ص ۹۹۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گناہ کی نذر ماننا درست نہیں اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ (رواہ ابوداؤد ج ۲ ص ۱۱۱)

بعض لوگ نذر یا قسم کے ذریعہ تو کسی حلال کو حرام نہیں کرتے لیکن راہوں کے طریقے پر حلال چیزوں کے چھوڑنے کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کو ثواب سمجھتے ہیں۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے اور اس میں ثواب سمجھنا بدعت ہے اگر کسی کو کوئی چیز مضرت ہے اور وہ ضرر کی وجہ سے حلال سمجھتے ہوئے اس سے پرہیز کرے تو یہ جائز ہے۔

دوسرا حکم یہ فرمایا کہ حدود سے آگے نہ بڑھو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔ حد سے بڑھنے کی ممانعت سورہ بقرہ میں بھی مذکور ہے جو گزر چکی ہے۔ اور سورہ طلاق میں ارشاد فرمایا ﴿وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾ (اور جو اللہ کی حدود سے آگے بڑھ جائے تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا) اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے بڑھنے کی کئی صورتیں ہیں جن کی کچھ تفصیل ذیل میں لکھی جاتی ہے۔

حدود سے بڑھ جانے کی مثالیں

حدود سے بڑھنے کی بہت سی صورتیں ہیں ان میں سے چند ذکر کی جاتی ہیں۔

حلال کو حرام کر لینا

(۱) اللہ نے جس چیز کو حلال کیا ہے اس کو اپنے اوپر حرام کر لینا جیسے کچھ لوگ بعض پھلوں کے متعلق طے کر لیتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کھائیں گے یا اور کسی طرح سے حرام کر لیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ شہد پینے کے متعلق فرمادیا تھا کہ اب ہرگز نہیں پیوں گا۔ اس کے متعلق اللہ جل شانہ نے آیت نازل فرمائی ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾ (اے نبی! تم اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہوئے جسے اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے)۔

ایسی بہت رسمیں آج لوگوں میں موجود ہیں جن میں عملاً بلکہ اعتقاداً بھی بہت سی حلال چیزوں کو حرام سمجھ رکھا ہے۔ مثلاً ذی قعدہ کے مہینہ (جسے عورتیں خالی کا مہینہ کہتی ہیں) اور محرم و صفر میں شریعت میں شادی کرنا خوب حلال اور درست ہے۔ لیکن اللہ کی اس حد سے لوگ آگے نکلتے ہیں اور ان مہینوں میں شادی کرنے سے بچتے ہیں۔ بہت سی قوموں میں بیوہ عورت کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں اور اسے حرام کے قریب

بنارکھا ہے یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔

جس طرح حلال کو حرام کر لینا منع ہے اس طرح حرام کو حلال کر لینا منع ہے حرام و حلال مقرر فرمانے کا اختیار اللہ ہی کو ہے۔ سورہ نحل میں ارشاد ہے ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السِّنْتُكُمْ الْكُذِبَ هَذَا حَلَلٌ وَ هَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ﴾ (اور جن چیزوں کے بارے میں تمہارے زبانی جھوٹا دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگا دو گے)۔

اسی ممانعت میں اللہ کی رخصتوں سے بچنا بھی داخل ہے مثلاً سفر شرعی میں قصر نماز کرنا مشروع ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

جو چیز ثواب کی نہ ہو اسے باعث ثواب سمجھ لینا

(۲) حدود سے آگے بڑھنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو چیز اللہ کے یہاں تقرب اور نزدیکی کی نہ ہو اسے تقرب کا باعث سمجھ لینا مثلاً بولنے کا روزہ رکھ لینا یا دھوپ میں کھڑا رہنا وغیرہ وغیرہ۔

غیر ضروری کو ضروری کا درجہ دیدینا

(۳) ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ جو چیز شریعت میں ضروری نہیں ہے اسے فرض کا درجہ دیدیں اور جو اسے نہ کرے اس پر لعن طعن کریں مثلاً شب برات کا حلوہ اور عید الفطر کی سویاں کہ شرعاً ان دونوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ نہ ان کا کوئی ثبوت ہے مگر لوگ اسے ضروری سمجھتے ہیں اور جو نہ پکاوے اس کو نکو بنا پڑتا ہے جب شرعاً ان کی کوئی اصل نہیں تو ان کا اہتمام کرنا سراپا بدعت ہے۔

مطلق مستحب کو وقت کے ساتھ مقید کر لینا

(۴) ایک طریقہ حد سے آگے بڑھنے کا یہ ہے کہ عمومی چیز کو کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص کر لینا مثلاً نماز فجر اور نماز عصر کے بعد امام سے مصافحہ کرنا اور اسے واجب کا درجہ دیدینا۔

بعض علاقوں میں دیکھا گیا ہے کہ موذن اذان شروع کرنے سے پہلے درود شریف پڑھتا ہے، درود شریف بڑی فضیلت کی چیز ہے مگر ان کو کسی ایسے وقت کے ساتھ مخصوص کرنا جس کے متعلق شریعت میں خصوصیت نہیں ہے حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔ حدیث شریف میں اذان کے بعد درود شریف پڑھنا اور پھر اس کے بعد دعا (اللھم رب ہذہ الدعوة) پڑھنا آیا ہے۔

کسی عمل کا ثواب خود تجویز کر لینا

(۵) حد سے آگے بڑھ جانے کی ایک شکل یہ ہے کہ کسی عمل کی وہ فضیلت تجویز کر لی جائے جو قرآن و حدیث سے ثابت نہیں جیسے دعا گنج العرش اور عہد نامہ اور درود لکھی کی فضیلت گھڑ رکھی ہے۔

کسی عمل کی ترکیب خود وضع کر لینا

(۶) ایک صورت سے حد سے آگے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ کسی عمل کی کوئی خاص ترکیب و ترتیب تجویز کر لی جائے مثلاً مختلف رکعات میں مختلف سورتیں پڑھنا تجویز کر لینا (جو حدیث سے ثابت نہ ہو) پھر اس کا التزام کرنا یا سورتوں کی تعداد مقرر کر لینا (جیسے تہجد کی نماز کے متعلق مشہور ہے کہ پہلی رکعت میں ۱۲ مرتبہ قل ہو اللہ بڑھی جائے) اور پھر ہر رکعت میں ایک ایک مرتبہ گھناتا جائے یہ لوگوں نے خود تجویز کر لیا ہے مہینوں اور دنوں کی نمازیں اور ان کی خاص خاص فضیلتیں اور ان کی مخصوص ترکیبیں لوگوں نے بنائی ہیں یہ بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔

کسی ثواب کے کام کے لئے جگہ کی پابندی لگا لینا

(۷) کسی ثواب کے کام کو کسی خاص جگہ کے ساتھ مخصوص کر لینا (جس کی تخصیص شریعت سے ثابت نہ ہو) یہ بھی حد سے بڑھ جانا ہے۔

جیسے بعض جگہ دستور ہے کہ قبر پر غلہ یا روٹی تقسیم کرتے ہیں یا قبر پر قرآن پڑھواتے ہیں ثواب ہر جگہ پہنچ سکتا ہے پھر اس میں اپنی طرف سے قبر پر ہونے کو طے کر لینا حدود اللہ سے آگے بڑھنا ہے۔

بعض چیزوں کے بارے میں طے کر لینا کہ فلاں نہ کھائے گا

(۸) ایک صورت حد سے آگے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ بعض کھانے کی چیزوں کے متعلق اپنی طرف سے تجویز کر لیا جائے کہ فلاں شخص کھا سکتا ہے اور فلاں نہیں کھا سکتا جیسے مشرکین مکہ کیا کرتے تھے، سورہ انعام میں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا ﴿وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُنُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰی اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَكُنْ مِّمَّةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيْهِمْ وَصَفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ اور وہ (یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ جو ان مویشی کے پیٹ میں ہے خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مردہ ہے تو اس میں وہ سب (مرد عورت) ساجھی ہیں۔ اللہ ان کو عنقریب غلط بیانی کی سزا دے گا بلاشبہ وہ حکمت والا ہے علم والا ہے۔

اسی قسم کی شکلیں آجکل فاتحہ و نیاز والے لوگوں نے بنا رکھی ہیں۔ مثلاً حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے ایصالِ ثواب کے لئے بی بی جی کی صحتک کے نام سے کچھ رسم کی جاتی ہے اس رسم میں جو کھانا پکتا ہے اس میں یہ قاعدہ بنا رکھا ہے کہ اس کھانے کو مرد اور لڑکے نہیں کھا سکتے صرف لڑکیاں کھائیں گی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرض کر رکھا ہے کہ اس کھانے کے لئے کورے برتن ہوں، جگہ لپی ہوئی ہو۔ یہ سب خرافات اپنی ایجادات ہیں۔

کسی گناہ پر مخصوص عذاب خود سے تجویز کر لینا

(۹) ایک صورت حد سے آگے بڑھ جانے کی یہ ہے کہ اپنی طرف سے کسی گناہ کا مخصوص عذاب تجویز کر لیا جائے جیسا کہ بہت سے واعظ بیان کرتے پھرتے ہیں۔

(۱۰) یہ صورت بھی حد سے بڑھ جانے کی ہے کہ کسی چیز کے متعلق یہ طے کر لیا جائے کہ اس کا حساب نہ ہوگا حالانکہ حدیث میں اس کا ثبوت نہ ہو جیسے مشہور ہے کہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو نیا کپڑا یا نیا جوتا پہن لیا جائے تو وہ بے حساب ہو جاتا ہے اسی لئے بعض لوگ بہت سے جوڑے اس روز پہن لیتے ہیں۔ یہ سب غلط اور لغو ہے (تک عشرہ کاملہ) یہ چند صورتیں حد سے آگے بڑھ جانے کی لکھ دی گئی ہیں غور کرنے سے اور بھی نکل سکتی ہیں اللہ کی حدود سے آگے بڑھنا زبردست جرم ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿تَلٰكُ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرُبُوْهَا﴾ (یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے نزدیک بھی مت ہونا) (بقرہ)

اور فرمایا ﴿تَلٰكُ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرُبُوْهَا وَاِنْ يَكُنْ مِّمَّةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيْهِمْ وَصَفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ یہ اللہ کی حدود ہیں سوان سے آگے مت نکلنا اور جو اللہ کی حدود سے باہر نکل جائے سوائے ہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں (بقرہ)

اور فرمایا ﴿وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ يَدْخُلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَاِنَّهٗ لَفِيْهَا وَاِنَّهٗ لَفِيْهَا وَاِنَّهٗ لَفِيْهَا﴾ (نساء)

(اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری نہ کرے اور اس کی حدود سے آگے بڑھ جائے اللہ اس کو آگ میں داخل فرمائے گا جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہے گا اور اس کے لئے ذلیل کرنے والی سزا ہے)۔

تیسرا حکم یہ فرمایا کہ جو کچھ حلال و طیب اللہ نے تم کو عطا فرمایا اس میں کھاؤ اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہیں۔ معلوم ہوا حلال اور پاکیزہ چیزوں کا کھانا دینداری کے خلاف نہیں ہے ہاں! پرہیزگاری اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی خلاف ورزی نہ کی جائے، اگر کوئی چیز فی نفسہ حلال و پاکیزہ ہو لیکن دوسرے کی ملکیت ہو تو جب تک اس سے حلال پیسوں کے ذریعہ خریدنے لے یا وہ بطور ہبہ نہ دیدے یا نفس کی خوشی سے استعمال کرنے کی اجازت نہ دیدے اس وقت تک اس کا کھانا، استعمال کرنا حلال نہیں ہوگا آخر میں تقویٰ کا حکم دیا اور فرمایا ﴿وَاتَّقُوا

اللَّهُ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾ (اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو)
اس کے عموم میں ایسی سب صورتیں ہو گئیں جن میں ظلم کر کے یا حقیقت تلف کر کے یا خیانت کر کے کوئی چیز کھالی جائے یا استعمال کر لی جائے۔ نیز اس سے تمام اشیاء محرمہ سے بچنے کی تاکید بھی ہو گئی۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ
إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تَطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ
يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذَلِكَ
يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۸۹﴾

اللہ ایسی قسموں پر تمہارا مواخذہ نہیں فرماتا جو لغو ہوں، لیکن وہ ایسی قسموں پر مواخذہ فرماتا ہے جن کو تم باندھ دو، سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے جو اس کھانے کا درمیانہ ہو جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان کو کپڑا پہنا دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ سو جو شخص نہ پائے تو تین دن کے روزے ہیں، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسمیں کھاؤ، اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اسی طرح اللہ اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔

قسموں کے اقسام اور قسم توڑنے کا کفارہ /

اوپر کی آیات میں یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حلال قرار دی ہیں ان کو حرام قرار نہ دو، چونکہ حلال و حرام کرنے کی صورت میں ایک یہ بھی ہے کہ کسی چیز کے کھانے یا استعمال نہ کرنے کی قسم کھالی جائے اس لئے اب قسم کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔
قسم کی کئی قسمیں ہیں اول بیمن لغو، دوسری بیمن غموس، تیسری بیمن منعقدہ (عربی میں قسم کو بیمن کہتے ہیں) بیمن لغو کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جو کوئی شخص قسم کی نیت کئے بغیر بات کرتے ہوئے لَا وَاللَّهِ يَا بَلِي وَاللَّهِ کہہ دے تو بیمن لغو ہے۔ (رواہ البخاری)

(اہل عرب کی یہ عادت تھی اور اب بھی ہے کہ وہ اپنے محاورات میں باتیں کرتے کرتے اس طرح کے الفاظ بول جاتے تھے) اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی گزشتہ واقعہ کو اپنے نزدیک سچا جان کر قسم کھائے حالانکہ واقعہ وہ غلط ہو تو یہ بیمن لغو ہے۔ بہر حال بیمن لغو کی یہ بھی تفسیر ہے اس پر مواخذہ نہیں جیسا کہ آیت کریمہ میں اس کی تصریح ہے اور اس میں کوئی کفارہ بھی نہیں ہے۔ قسم کی دوسری قسم بیمن غموس ہے یعنی کسی گزشتہ واقعہ پر جانتے بوجھتے ہوئے جھوٹی قسم کھا لینا۔ مثلاً کوئی کام نہیں کیا اور قسم کھا کر کہتا ہے کہ اللہ کی قسم میں نے یہ کام کیا یا کوئی کام کیا ہے پھر جانتے بوجھتے قسم کھا کر کہتا ہے کہ اللہ کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا۔ یہ بیمن غموس ہے اس کا گناہ بہت بڑا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے گناہ یہ ہیں۔

(۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) ماں باپ کو دکھ دینا (۳) کسی جان کو قتل کرنا (۴) بیمن غموس یعنی کسی خلاف واقعہ بات پر جھوٹی قسم

کھانا (رواہ البخاری ج ۲ ص ۹۸۷)

لفظ غموس غمس سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے گھسا دینا، چونکہ جھوٹی قسم یہاں اس دنیا میں گناہ میں گھسا دیتی ہے پھر آخرت میں پہنچ کر دوزخ میں گھسا دینے کا سبب بنے گی اس لئے اس کا نام بیمن غموس رکھا گیا۔

قسم کی تیسری قسم بیمن منعقدہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی آنے والے زمانے میں کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھالے مثلاً یوں

کہ اللہ کی قسم فلاں کام ضرور کروں گا یا فلاں چیز ضرور کھاؤں گا یا یوں کہے اللہ کی قسم فلاں کام نہیں کروں گا فلاں چیز نہیں کھاؤں گا یا فلاں سے بات نہیں کروں گا۔ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اس کے خلاف ورزی کی جائے تو کفارہ دینا فرض ہو جاتا ہے۔ کفارہ کیا ہے؟ اس کی تفصیل آیت بالا میں بتائی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائیں یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنادیں یا ایک غلام آزاد کر دیں اگر ان میں سے کسی چیز کو بھی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھ لئے جائیں (غلام آجکل ہیں نہیں کیونکہ مسلمانوں نے جہاد شرعی چھوڑ دیا جس کے ذریعہ غلام اور باندیاں حاصل ہوتے تھے) لہذا اب اسی پر عمل ہو سکتا ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیے یا کپڑے پہنادیے اگر ان میں سے کسی کی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے لگاتا رکھ لے۔

کفارہ قسم کے مسائل

مسئلہ: ہمیں منعقدہ کی خلاف ورزی جسے ہمارے ماحول میں قسم کا توڑنا کہتے ہیں اس کا کفارہ حانت ہونے یعنی قسم ٹوٹنے سے پہلے ادا کر دینا معتبر نہیں یعنی اگر پیشگی کفارہ ادا کر دیا تو وہ نقلی صدقہ ہو جائے گا کفارہ میں نہیں لگے گا۔

مسئلہ: اگر دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کی صورت اختیار کرے تو صبح شام پیٹ بھر کے کھانا کھلا دے ان دس مسکینوں میں کوئی بچہ نہ ہو اور ایسا کوئی شخص نہ ہو جس کا پہلے سے پیٹ بھرا ہو۔

مسئلہ: اگر کھانے کھلانے کے بدلہ مال دینا چاہے تو یہ بھی جائز ہے جس کی صورت یہ ہے کہ ہر مسکین کو صدقہ فطر کے برابر ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک گیہوں یا اس کے دو گنے جو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت دے دے۔

مسئلہ: دس ہی مسکینوں کو دینا لازم ہے۔ اگر ایک ہی مسکین کو دس مسکینوں کا غلہ دے دیا تو اس سے پوری ادائیگی نہ ہوگی نو مسکینوں کو پھر دینا ہوگا۔

مسئلہ: اور اگر کپڑا دینے کی صورت اختیار کرے تو ہر مسکین کو اتنا کپڑا دے جس سے ستر ڈھک جائے اور اس میں نماز ادا ہو سکے، اور اگر عورت کو کپڑا دے تو اتنا بڑا کپڑا دے جس سے اس کا سارا بدن ڈھک جائے جس میں وہ نماز پڑھ سکے۔

مسئلہ: مسکینوں کو جو کھانا کھلائے تو گھٹیا کھانا نہ کھلائے اپنے اہل و عیال کو جو کھانا کھلاتا ہو اس کی درمیانی حیثیت کا کھانا ہو کیونکہ آیت کریمہ میں ﴿مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ﴾ کی تصریح موجود ہے۔

مسئلہ: اگر کھانا دینے یا کپڑا پہنانے کی مالی استطاعت نہ ہو تو لگاتار تین روزے رکھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراۃ ﴿فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ﴾ ہے جو حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی اسی لئے انہوں نے تابع یعنی لگاتار روزے رکھنا مشروط قرار دیا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ قسم کے کفارہ کی ادائیگی کے لئے تین دن لگاتار روزے رکھنا ضروری ہے (بشرطیکہ کفارہ بالصیام متعین ہو جائے)

فائدہ: کسی بھی گناہ کی قسم کھانا گناہ ہے اگر کسی گناہ کی قسم کھالے مثلاً کہے کہ نماز نہ پڑھوں گا یا یوں کہہ دے کہ اللہ کی قسم! ماں باپ یا بہن بھائی سے یا کسی بھی عزیز قریب سے بے تعلق رہوں گا، ان سے بول چال نہ رکھوں گا یا قطع رحمی کروں گا تو ایسی قسم کا توڑ دینا واجب ہے، قسم توڑ دے اور کفارہ دیدے۔

آخر میں فرمایا ﴿وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ﴾ کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو، صاحب روح المعانی ص ۱۰ جلد ۱ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای راعوہا لکی تؤدو الکفارة عنها اذا حنثتم واحفظوا نفسکم من الحنث فیہا۔ یعنی اپنی قسموں کا خیال رکھو ایسا نہ ہو کہ قسم ٹوٹ جائے اور کفارہ ادا کرنے میں غفلت کر جاؤ یا یہ مطلب ہے کہ قسم کھا لو تو اسے پوری ہی کر دو۔ (جب اللہ کا نام لے کر کسی قول یا عمل کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی ہے تو اب اسے پورا ہی کر دو لیکن یہ اسی صورت میں ہے کہ جب گناہ کی قسم نہ کھائی ہو جیسا کہ احادیث میں اس کی تصریح ہے)۔

النَّبَاِثَ ﴿۱﴾ فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا کسی چیز کو حرام قرار دینا ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔

سات وجوہ سے شراب اور جوئے کی حرمت

سورہ مائدہ کی آیت بالا میں شراب اور جوئے کو ”رجس“ یعنی گندی چیز بتایا ہے اور پھر سورہ اعراف میں ﴿يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَاِثَ﴾ فرمایا ہے اس کی تصریح کے ہوتے ہوئے بھی کوئی شخص شراب اور جوئے کو حرام نہ سمجھے تو اس کے بے دین ہونے میں کیا شک ہے ایسا شخص ملحد اور بے دین اور کافر ہے پھر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ اگرچہ قرآن مجید میں شراب کے لئے لفظ حرام استعمال نہیں فرمایا لیکن اس کی حرمت کی وجوہ بتادی ہیں اور سات باتیں ذکر فرمائی ہیں۔ جن کے ذکر سے واضح طور پر حرمت کا اعلان بار بار فرمایا دیا۔

(۱) اول تو یہ فرمایا کہ شراب اور جوئے ”رجس“ یعنی گندی چیزیں ہیں (۲) پھر فرمایا ﴿مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ کہ یہ شیطانی کاموں میں سے ہیں (۳) پھر فرمایا فَاجْتَنِبُوْهُ کہ اس سے بچو (۴) فرمایا ﴿لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُوْنَ﴾ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ معلوم ہوا کہ جوئے اور شراب میں مشغول ہونا نامی کا سبب ہے۔ جو دنیا اور آخرت میں سامنے آئے گی۔

(۵) فرمایا ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُوَفِّعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ﴾ کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے اندر دشمنی اور بغض ڈال دے (۶) فرمایا ﴿وَيَصُدُّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ﴾ کہ شیطان شراب اور جوئے کے ذریعے تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکنا چاہتا ہے (۷) آخر میں فرمایا ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ﴾ کیا تم باز آنے والے ہو؟

غور کر لیں کہ کتنی وجہ سے شراب اور جوئے سے منع فرمایا ہے ایسے صاف واضح بیان کے ہوتے ہوئے جو شخص شراب اور جوئے کو حلال کہے گا اس کی بدبختی اور بے دینی میں کیا شک ہے؟ اللہ جل شانہ نے شراب کی حرمت تدریجاً نازل فرمائی۔ سورہ بقرہ میں فرمایا ﴿قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ اس کو سن کر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے شراب پینا چھوڑ دیا اور بعض پیتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک دن ایسا ہوا کہ نماز مغرب میں ایک مہاجر صحابی نے امامت کرتے ہوئے قرأت میں غلطی کر دی اس پر آیت کریمہ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرُبُوْا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكْرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (سورہ النساء آیت ۴۳) نازل ہو گئی۔ اس کے بعد ایسے انداز سے شراب پیتے تھے کہ نماز کا وقت آنے تک ہوش میں آجائیں اس کے بعد سختی سے شراب پینے کی ممانعت فرمادی اور فرمایا ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ﴾ (الی قولہ تعالیٰ) ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ﴾

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے کہا ”اِنَّتَهَيْنَا رَبَّنَا“ (اے ہمارے رب! ہم باز آ گئے) درمنثور ص ۲۱۲ جلد نمبر ۲ از مسند احمد بروایت

ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

پھر فرمایا ﴿وَ اطِيعُوا اللّٰهَ وَ اطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا﴾ (اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ڈرتے رہو) یعنی اللہ و رسول کی مخالفت نہ کرو ﴿فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاَعْلَمُوْا اِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ (سوا گرتم روگردانی کرو تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ واضح طور پر پہنچا دینا ہے) اللہ کے رسول ﷺ نے خوب اچھی طرح کھول کر بیان فرمادیا اللہ تعالیٰ کی بات پہنچادی پھر بھی اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا تو اپنا انجام دیکھ لے گا۔

سات وجوہ سے جوئے اور شراب کی ممانعت فرمانے کے بعد گویا اس آخری آیت میں مزید تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے ڈرو۔ جو لوگ قرآن ہی میں ممانعت اور حرمت دیکھنا چاہتے ہیں اور حدیث رسول اللہ ﷺ کو حجت نہیں سمجھتے ان کو تنبیہ فرمادی کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ضروری ہے اور دونوں کی مخالفت سے بچنا لازم ہے۔

احادیث شریفہ میں شراب کی حرمت اور اس کے پینے پلانے والے پر لعنت اور آخرت کی سزا

رسول اللہ ﷺ نے شراب کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا اس میں سے چند احادیث کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نشہ لانے والی چیز خمر یعنی شراب ہے اور ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے اور جو شخص دنیا میں شراب پیئے گا اور اس حال میں مر گیا کہ شراب پیتا رہا اور توبہ نہ کی تو آخرت میں شراب نہیں پیئے گا (جنت کی شراب سے محروم ہوگا اگر جنت کا داخلہ نصیب ہو گیا)۔ (رواہ مسلم ص ۱۶۸ جلد ۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص یمن سے آیا اس نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہمارے علاقے میں ایک شراب ہے جو جو اس سے بنائی جاتی ہے لوگ اسے پیتے ہیں، آپ نے دریافت کیا وہ نشہ لاتی ہے؟ سوال کرنے والے نے عرض کیا ہاں وہ نشہ لاتی ہے! آپ نے فرمایا ”کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ“ کہ نشہ لانے والی ہر چیز حرام ہے پھر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ عہد فرمایا ہے کہ جو شخص نشہ لانے والی چیز پیئے گا اللہ اسے ”طِیْنَةُ الْخَبَالِ“ سے پلائے گا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ”طِیْنَةُ الْخَبَالِ“ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دوزخیوں کے جسموں کا نچوڑ ہے۔ (رواہ مسلم ص ۱۶۲ جلد نمبر ۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے لعنت کی شراب پر اور اس کے پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر اور اس کے بیچنے والے اور اس کے خریدنے والے پر اور شراب بنانے والے پر اور بنوانے والے پر۔ اور جو شراب کو کسی کے پاس لے جائے اس پر اور جس کے پاس لے جائے اس پر بھی۔ (رواہ ابوداؤد ص ۱۶۱ جلد نمبر ۲)

جو لوگ اپنی دکانوں میں شراب بیچتے ہیں اپنے ہونٹوں میں شراب پلاتے ہیں اور ایسی دکانوں پر ملازمت کرتے ہیں وہ اپنے بارے میں غور کر لیں کہ روزانہ کتنی لعنتوں کے مستحق ہوتے ہیں، شراب کا بنانے والا تو مستحق لعنت ہے ہی اس کا بیچنے والا، پینے والا، اور پلانے والا اور اس کے اٹھا کر لے جانے والا اور جس کی طرف شراب لے جانی جائے ان سب پر اللہ کی لعنت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔ (رواہ ابیہتی)

جو لوگ یورپ امریکہ وغیرہ میں رہتے ہیں اور نصرانیوں کے میل ملاپ کی وجہ سے شراب پی لیتے ہیں غور کریں کہ ان کا ایمان باقی ہے یا نہیں؟ ایک حدیث میں ارشاد ہے الخمرُ جماعُ الاثمِ کہ شراب تمام گناہوں کو جمع کئے ہوئے ہیں۔

اگر اس بات کی مصداق دیکھنا ہو تو یورپ امریکہ کے شراب خوروں کو دیکھ لیا جائے کیا کوئی برائی ان سے چھوٹی ہوئی ہے؟ شراب خوری نے انہیں ہر گناہ پر آمادہ کر دیا ہے۔

شراب ہر برائی کی کنجی ہے

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ مجھے میرے دوست سید الانبیاء رضی اللہ عنہم نے وصیت فرمائی کہ کسی بھی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا، اگر تیرے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور تجھے جلا دیا جائے اور قصد نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جس نے قصد نماز چھوڑ دی اس سے اللہ کا ذمہ بری ہو گیا اور شراب مت پینا کیونکہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۵۱)

جو لوگ شراب نہ چھوڑیں ان سے قتال کیا جائے

حضرت دیلم حمیری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم ٹھنڈی سرزمین میں رہتے ہیں اور سخت محنت کرتے ہیں اور صورت حال یہ ہے کہ ہم گیسوں کی شراب بنا لیتے ہیں جسے استعمال کر کے ہم محنت کے کاموں پر اپنے شہروں کی ٹھنڈک پر قوت حاصل کرتے ہیں آپ نے سوال فرمایا کہ وہ نشہ لاتی ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں وہ نشہ لاتی ہے! آپ ﷺ نے فرمایا اس سے پرہیز کرو۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ اسے چھوڑنے والے نہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اسے نہ چھوڑیں تو تم ان سے قتال کرو یعنی جنگ کرو۔ (رواہ ابوداؤد فی کتاب الشربۃ)

اللہ کے خوف سے شراب چھوڑنے پر انعام

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور جہانوں کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے رب نے مجھے حکم دیا کہ گانے بجانے کے سامان کو اور بتوں کو صلیب کو (جس کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹا دوں اور میرے رب عزوجل نے قسم کھائی ہے کہ میرے بندوں میں سے جو بھی بندہ کوئی گھونٹ شراب کا پئے گا تو اسے اسی قدر پیپ پلاؤں گا۔ اور جو بھی کوئی شخص میرے ڈر سے شراب چھوڑ دے گا میں اسے ضرور مقدس حوضوں میں سے پلاؤں گا۔ (رواہ احمد کمانی المشکوٰۃ ص ۳۱۸)

جواری اور شرابی کی جنت سے محرومی

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ماں باپ کو تکلیف دینے والا اور جو کھیلنے والا اور احسان جتانے والا اور جو شخص شراب پیا کرتا ہے یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ (رواہ الداری ص ۳۱ جلد نمبر ۲)

شراب اور خنزیر اور بتوں کی بیع کی حرمت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے موقع پر فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب اور مردار اور خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۲۹۸)

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعَمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا

الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ٤

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے کھایا یا جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے پھر تقویٰ اختیار کیا اور نیک اعمال میں لگے اور اللہ اچھا عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

حرمت کی خبر سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے راستوں میں شراب بہا دی

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں حاضرین کو شراب پلا رہا تھا (یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے باپ تھے) اسی ثناء میں حکم نازل ہو گیا کہ شراب حرام ہے باہر سے آنے والی ایک آواز سنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی شخص اعلان کر رہا ہے، ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ باہر نکلو یہ دیکھو یہ کیا آواز ہے؟ باہر نکلا تو میں نے واپس ہو کر بتایا کہ یہ پکارنے والا یوں پکار رہا ہے کہ خبردار شراب حرام کر دی گئی ہے، یہ سن کر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا جاؤ یہ جتنی شراب ہے سب کو گرا دو۔ چنانچہ شراب پھینک دی گئی جو مدینہ کی گلیوں میں بہ رہی تھی۔

بعض صحابہ کو یہ خیال ہوا کہ ہم میں سے بہت لوگ مقتول ہو چکے ہیں جن کے پیٹوں میں شراب تھی۔ (یعنی جو لوگ اب تک شراب پیتے رہے اور دنیا میں موجود نہیں ان کا کیا بنے گا وہ تو اپنے پیٹوں میں شراب لے کر چلے گئے) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعَمُوا﴾ نازل فرمائی (رواہ البخاری ج ۲ ص ۶۶۴)

تفسیر درمنثور میں اس واقعہ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے زبانی یوں بیان کیا ہے کہ میں ابو طلحہ اور ابو عبیدہ بن الجراح اور معاذ بن جبل اور سہیل بن بیضاء اور ابو دجانہ رضی اللہ عنہم کو شراب پلا رہا تھا میرے ہاتھ میں پیالہ تھا جسے میں بھر بھر کر ایک دوسرے کو دے رہا تھا۔ اسی حال میں ہم نے آواز سنی کہ کوئی شخص پکار کر آواز دے رہا ہے الا ان الخمر قد حرمت (خبردار! شراب حرام کر دی گئی ہے) آواز کا سننا ہی تھا کہ نہ کوئی اندر آنے پایا

تھانہ باہر نکلنے پایا تھا کہ ہم نے شراب کو گرا دیا اور مٹکے توڑ دیئے۔ جس کی وجہ سے مدینہ کی گلی کو چوں میں شراب (پانی کی طرح) بھے لگی۔ (درمنثور ص ۲۲۱ ج ۲ و رواہ مسلم بحذف بعض الاسماء ج ۲ ص ۱۶۳)

صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی کیا شان تھی، شراب گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اس کے بڑے دلدادہ تھے پھر اس کے حرام ہونے کی خبر سنی تو بغیر کسی پس و پیش کے اسی وقت گرا دی۔

شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے جو لوگ شراب پی چکے اور دنیا سے جا چکے ان کے بارے میں سوال اور اس کا جواب

جب شراب کی حرمت نازل ہوگئی تو ان کو اپنے بھائیوں کا فکر ہوا، جو شراب پیتے تھے اور اسی حال میں وفات پا گئے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ آخرتک نازل فرمائی۔

جس میں یہ بتایا کہ جو لوگ اہل ایمان تھے اور اعمال صالحہ کرتے تھے وہ حرمت کا قانون نازل ہونے سے پہلے وفات پا گئے تھے انہوں اس زمانہ میں جو شراب پی تھی اس کا کوئی گناہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ جب تک تشریف فرما تھے احکام میں نسخ ہونے کا احتمال رہتا تھا شراب حلال تھی پھر حرام قرار دیدی گئی اس کے علاوہ اور بھی بعض دیگر احکامات میں نسخ ہوا۔

آیت بالا میں فرمایا ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ (ان لوگوں پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے کھایا پیا جبکہ وہ تقویٰ اختیار کرتے ہوں۔) یعنی شراب کے علاوہ دوسری حرام چیزوں سے بچتے ہوں، شراب پینے پر تو مواخذہ اس لئے نہیں کہ وہ اس وقت حرام نہیں تھی اور جب دوسری ممنوعات سے بچتے رہے تو ظاہر ہے کہ دنیا سے بے گناہ چلے گئے۔ اور انہوں نے نہ صرف ممنوعات سے پرہیز کیا بلکہ دوسرے اعمال صالحہ بھی انجام دیتے رہے۔ ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا﴾ (پھر تقویٰ اختیار کئے رہے اور ایمان پر باقی رہے) یعنی اس کے بعد جب بھی کسی چیز کی حرمت نازل ہوگئی ایمان پر رہے اور حرام چیز سے بچے ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا﴾ (پھر تقویٰ اختیار کیا اور اچھے کام کرتے رہے) (یعنی جب حرمت آگئی اس کی خلاف ورزی نہ کی اور جن نیک کاموں میں لگے ہوئے تھے بدستور ان کے انجام دینے میں لگے رہے)۔

اس میں تقویٰ کا ذکر تین بار ہے پہلی بار جو تقویٰ مذکور ہے اس کا تعلق تمام ممنوعات سے بچنے سے ہے پھر دوسری بار کسی حلال چیز کی حرمت نازل ہونے کے بعد اس سے پرہیز کرنے سے متعلق ہے۔ پھر تیسری بار یا تو سابقہ حالت پر استقامت کے ساتھ تمام ممنوعات سے پرہیز کرنے سے متعلق ہے یا اس طرف اشارہ ہے کہ جب کبھی بھی کوئی چیز حرام ہوئی اس سے پرہیز کرتے رہے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے وفات پا جانے والے بھائیوں کے بارے میں سوال کیا تھا لیکن آیت کے عموم میں زندوں کے بارے میں بھی حکم بتا دیا کہ حرمت کا قانون آنے سے پہلے نہ شراب میں کوئی گرفت تھی اور نہ آئندہ کسی عمل پر گرفت ہوگی جو حرمت کا قانون آنے سے پہلے کر لیا جائے آخر میں فرمایا ﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (اللہ اچھے کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)۔

فائدہ: شراب پینے کی دنیاوی سزا اسی کوڑے ہے جس کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ اور آخرت کی سزا یہ ہے کہ شراب پینے والے کو دوزخیوں کے زخموں کا نچوڑ یعنی ان کی پیپ پلائی جائے گی۔ جس کا ذکر روایات حدیث میں گزر چکا ہے۔

شراب اور جو دشمنی کا سبب ہیں اور ذکر اللہ سے اور نماز سے روکتے ہیں، شراب اور جوئے کے بارے میں فرمایا کہ شیطان اس کے ذریعے تمہارے درمیان بغض اور دشمنی ڈالنا چاہتا ہے اور ذکر نماز سے روکنا چاہتا ہے۔

بغض اور دشمنی تو ظاہر ہی ہے جو کوئی شخص جوئے میں ہار جاتا ہے حالانکہ اپنی خوشی سے ہارتا ہے تو جلد سے جلد جیتنے والے سے بدلہ لینے کی فکر کرتا ہے اور شراب پی کر جب آدمی بدست ہو جاتا ہے تو اول فول بکتا ہے دوسروں کو برا بھی کہتا ہے اور گالی گلوچ کرتا ہے اور کبھی کسی کو مار بھی

دیتا ہے۔ جس سے جڑے دل ٹوٹتے ہیں اور دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اور اللہ کی یاد اور نماز سے غافل ہونا تو یہ ایسی ظاہری بات ہے جو نظروں کے سامنے ہے جب کسی نے شراب پی لی تو نشہ میں بدست ہو گیا۔ اب نماز اور اللہ کے ذکر کا موقعہ کہاں رہا، جن کو شراب کی عادت ہو جاتی ہے، وہ تو اسی دھن میں رہتے ہیں کہ نشہ کم ہو تو اور پیس پھر کم ہو پھر پیس۔ اور جب کوئی شخص جو اکیلے میں لگ جاتا ہے تو گھنٹوں گزر جاتے ہیں جیتنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اللہ کے ذکر اور نماز کا اس کے ہاں کوئی موقع ہی نہیں ہوتا۔

حتیٰ کہ جو لوگ بغیر ہار جیت کے شطرنج کھیلتے رہتے ہیں وہ بھی گھنٹوں کھیلتے رہتے ہیں انہیں ذرا بھی اللہ کے ذکر کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ نماز کا پورا وقت اول سے اخیر تک گزر جاتا ہے لیکن نماز اور ذکر اللہ کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں ہوتا نماز بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ہے لیکن اس کو علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ عام ذکر سے اس کی اہمیت زیادہ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فرض ہے اور عام طور پر ذکر میں مشغول رہنا مستحب ہے اگرچہ اس عام ذکر کے بھی بڑے بڑے اجور و ثمرات ہیں۔

جوئے کی تمام صورتیں حرام ہیں

آیت بالا میں شراب اور جوادونوں کو حرام قرار دیا ہے اور دونوں کو ناپاک بتایا ہے اور سورہ بقرہ میں فرمایا ہے ﴿وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾ کہ ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے جوئے کے لئے سورہ بقرہ میں اور یہاں سورہ مائدہ میں لفظ الْمَيْسِرُ استعمال فرمایا ہے عربی میں اس کا دوسرا نام قمار ہے۔

ہر وہ معاملہ جو نفع اور نقصان کے درمیان دائر اور مبہم ہو شریعت میں اسے قمار کہا جاتا ہے مثلاً دو آدمی آپس میں بازی لگائیں کہ ہم دونوں دوڑتے ہیں اور ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ تو آگے بڑھ گیا تو میں ایک ہزار روپیہ دوں گا اور اگر میں بڑھ گیا تو مجھے ایک ہزار روپے دینا ہوں گے۔ یا مثلاً بند ڈبے ہیں وہ فی ڈبہ ایک روپیہ کے حساب سے فروخت ہوں گے۔ لیکن کسی ڈبہ میں پانچ روپے کی چیزیں نکلیں گی اور کسی ڈبہ میں ۲۵ پیسے کا مال نکلے گا تو ان ڈبوں کی خرید و فروخت قمار یعنی جوئے میں داخل ہے اور ہر وہ معاملہ جو نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہو وہ معاملہ قمار ہی کی صورت ہے۔

اخباری معموں کے ذریعہ بھی قمار یعنی جوا کا سلسلہ جاری ہے۔ بطور اشتہار اخباروں اور ماہوار رسالوں اور ہفت روزہ جریدوں میں معمرہ کی مختلف صورتوں کا اشتہار دیا جاتا ہے کہ جو شخص اس کو حل کر کے بھیجے اور اس کے ساتھ اتنی فیس مثلاً پانچ روپے بھیجے تو جن لوگوں کے حل صحیح ہوں گے ان لوگوں میں سے جس کا قرعہ اندازی میں نام نکل آئے گا اسے انعام کے عنوان سے مقررہ رقم یا کوئی بھاری قیمت کی چیز مل جائے گی۔ یہ سراسر قمار ہے یعنی جوا ہے اور حرام ہے کیونکہ جو شخص فیس کے نام سے کچھ پیسے بھیجتا ہے وہ اس موہوم نفع کے خیال میں بھیجتا ہے کہ یا تو یہ روپے گئے یا ہزاروں مل گئے فیس کے نام سے روپیہ بھیجنا اور اگر اس روپے پر کچھ زائد مل جائے اس کا لینا اور معمرہ شائع کر کے لوگوں کی رقمیں لے لینا یہ سب حرام ہے۔ اور ہر قسم کی لٹری جس میں کچھ دے کر زائد ملنے کی امید پر مال جمع کیا جاتا ہے پھر اس پر مال ملے نہ ملے یہ سب حرام ہے۔ گھوڑ دوڑ کے ذریعہ بھی جوا کھیلا جاتا ہے جس کا گھوڑا آگے نکل گیا اسے ہارنے والے کی جمع کی ہوئی رقم مل جاتی ہے۔ یہ طریقہ کار حرام ہے اور جو اس طریقہ سے رقم حاصل کی وہ بھی حرام ہے۔

پتنگ بازی اور کبوتر بازی کے ذریعہ بھی جوا کھیلا جاتا ہے۔ یہ دونوں کام خود اپنی جگہ ممنوع ہیں پھر ان پر ہار جیت کے طور پر جو رقم لگاتے ہیں وہ مستقل گناہ ہے اور صریح حرام ہے کیونکہ قمار یعنی جوا ہے۔ سٹے کا کاروبار بھی سراسر قمار ہے اور حرام ہے۔ انشورنس یعنی بیمہ پالیسی کی بھی وہ سب صورتیں حرام ہیں جن میں رقمیں جمع کی جاتی ہیں اور حادثہ ہو جانے پر جمع کردہ رقم سے زیادہ مال مل جاتا ہے۔ زندگی کا بیمہ ہو یا گاڑیوں کا یا دکانوں کا یہ سب حرام ہے اور ان میں اپنی جمع کردہ رقم سے جو مال زائد ملے وہ سب حرام ہے۔

قمار کے جتنے بھی طریقے ہیں (گھوڑ دوڑ وغیرہ) ان سب کی آمدنی حرام ہے۔ ہر مومن کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنا لازمی ہے۔ دنیا چند روزہ ہے اس لئے حرام کا ارتکاب کرنا حماقت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَبِئْسَ مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٩٣﴾
 مَنْ يَخَافُ بِالْغَيْبِ ۚ فَبِمِ نِعْمَتِي أُعْتِدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٤﴾

اے ایمان والو! اللہ تم کو قدرے شکار سے ضرور آزمائے گا تمہارے نیزے شکار کو پہنچیں گے اور ہاتھ۔ تاکہ اللہ جان لے کہ بن دیکھے اس سے کون ڈرتا ہے سو جس نے اس کے بعد زیادتی کی اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

حالت احرام میں شکار والے جانوروں کے ذریعہ آزمائش

حج اور عمرہ کا اگر کوئی شخص احرام باندھ لے تو احرام سے نکلنے تک بہت سے کام ممنوع ہو جاتے ہیں ان ممنوع کاموں میں خشکی کا شکار کرنا بھی ہے۔

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس طرح آزمایا کہ احرام کی حالت میں تھے اور شکاری جانور خوب بڑھ چڑھ کر آ رہے تھے یہ ایسی آزمائش تھی جیسے بنی اسرائیل کو آزمایا گیا تھا، ان کے لئے سینچر کے دن مچھلیوں کا شکار کرنا ممنوع تھا لیکن سینچر کے دن مچھلیاں خوب ابھر ابھر کر پانی کے اوپر آ جاتی تھیں اور دوسرے دنوں میں ایسا نہیں ہوتا تھا جس کا ذکر سورہ اعراف کی آیت ﴿وَسُئِلَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾ میں فرمایا ہے۔

تفسیر در مشورص ۳۲ جلد نمبر ۲ میں ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے کہ آیت بالا حدیبیہ والے عمرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وحشی جانور اور پرندے ان کے ٹھہرنے کی جگہوں میں چلے آ رہے تھے اس سے پہلے ایسے منظر انہوں نے کبھی نہیں دیکھے تھے ان کو ہاتھوں سے پکڑنا اور نیزوں سے مارنا بہت ہی زیادہ آسان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تھا کہ احرام کی حالت میں شکار قطعاً نہ کرنا جو شکار کرنے سے پرہیز کرے گا وہ امتحان میں کامیاب ہوگا۔ اور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ دیکھے بغیر اللہ تعالیٰ سے کون ڈرتا ہے (اور جو شخص شکار کر لے گا وہ گناہ کا ارتکاب کر لے گا اور آزمائش میں ناکام ہوگا)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ ۗ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعِدًّا فَجَزَاءٌ مِّمَّا قَتَلَ
 مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَلِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ أَوْ
 عَدْلٌ ذَلِكُمْ صِيَامًا لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ عَفَا اللَّهُ عَنَّا سَلَفٌ ۗ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ ۗ
 اللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ﴿٩٥﴾ ۗ أَجَلٌ لَّكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلْيَاثِرَةِ ۗ وَحُرْمٌ
 عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرْمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾

اے ایمان والو! شکار قتل نہ کرو اس حالت میں کہ تم احرام میں ہو، اور تم میں سے جو شخص شکار کو قصداً قتل کر دے تو اس کا بدلہ اس جانور کا جیسا ہوگا جس کو قتل کیا۔ تم میں دو انصاف والے آدمی اس کا فیصلہ کریں گے، اس طرح سے کہ وہ بدلہ والا جانور بطور ہدی کے کعبہ تک پہنچنے والا ہو۔ یا مسکینوں کو کفارہ کے طور پر کھانا دے دیا جائے یا اس کے برابر روزے رکھ لے تاکہ اپنے کیے کی سزا چکھ لے۔ اللہ نے معاف فرمایا

جو پہلے گزر چکا اور جو شخص پھر ایسی حرکت کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا۔ اور اللہ زبردست انتقام لینے والا، تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے جو تمہارے نفع کے لیے اور مسافروں کے واسطے ہے۔ اور تم پر حرام کیا گیا خشکی کا شکار جب تک کہ تم احرام میں ہو۔ اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔

احرام میں شکار مارنے کی جزا اور ادائیگی کا طریقہ

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا حالت احرام میں (حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) خشکی کا کوئی جانور شکار کرے (خواہ اس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو) تو اس کی سزا آیت بالا میں ذکر فرمائی ہے، یاد رہے کہ صید یعنی شکار ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو وحشی ہوں، انسانوں سے مانوس نہ ہوں ان سے دور بھاگتے ہوں جیسے شیر، گیدڑ، ہرن خرگوش، نیل گائے، کبوتر، فاختہ وغیرہ اور جو جانور انسانوں سے مانوس ہیں ان کے پاس رہتے ہیں جیسے گائے اونٹ، بھیڑ بکری مرغی یہ شکار میں داخل نہیں ہیں اور جو وحشی جانور ہوں ان میں سے بعض جانوروں کا مارنا حالت احرام میں بھی جائز ہے۔ یہ استثناء احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے ان میں کو اور چیل اور بھیڑیا اور سانپ اور بچھو اور کاٹنے والا کتا اور چوہا شامل ہیں۔ یعنی محرم کو ان کا قتل کرنا جائز ہے اور جو جانور محرم پر حملہ کر دے اس کا قتل کرنا بھی جائز ہے اگرچہ ان جانوروں میں نہ ہو جن کے قتل کی اجازت ہے۔

احرام میں شکار مارنے کی جزا آیت بالا میں مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو جانور قتل کیا اس کا ضمان واجب ہوگا۔ اور اس ضمان کی ادائیگی یا تو اس طرح کر دے کہ جانور خرید کر بطور ہدی کعبہ شریف کی طرف یعنی حدود حرم میں بھیج دے جسے وہاں ذبح کر دیا جائے اور اگر ہدی نہ بھیجے تو اس کی قیمت مسکینوں کی دیدے یا اس کے بدلے روزے رکھ لے۔

﴿مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النِّعَمِ﴾ (یعنی جو جانور قتل کیا ہے اس جانور کا مثل بطور جزا کے واجب ہوگا) اس کے بارے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ جسامت میں اتنا بڑا جانور ہو جتنا بڑا جانور اس نے قتل کیا ہے مثلاً شتر مرغ قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ اسی جیسا اونٹ ذبح کیا جائے۔ اور جس جانور کا مثل جسامت کے طور نہ ہو اس کی قیمت لگادی جائے۔ اس مذہب کی تفصیلات کتب شافعیہ میں مذکور ہیں۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جسامت مثلیت نہیں یعنی "مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النِّعَمِ" سے مثل صوری (یعنی جسمانی) والی برابری) مراد نہیں ہے ان کے نزدیک ابتداء و انتہاء مثل معنوی ہی مراد ہے مثل معنوی سے مراد یہ ہے کہ مقتول جانور کی قیمت لگادی جائے پھر اس قیمت سے جانور خرید کر بطور ہدی حدود حرم میں ذبح کر دیا جائے۔

جس محرم نے شکار کیا ہے اسے اختیار ہے کہ قیمت کے عوض ہدی کا جانور حدود حرم میں ذبح کر دے یا کسی دوسرے شخص سے ذبح کرا دے اور اگر ہدی کا جانور ذبح کرانے کی بجائے اس قیمت کو مسکینوں پر صدقہ کرنا چاہے تو یہ بھی کر سکتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ فی مسکین بقدر صدقہ فطر غلہ یا اس کی قیمت صدقہ کر دے۔ اور اگر غلہ یا اس کی قیمت دینا چاہے تو بحساب فی مسکین نصف صاع گندم کے حساب سے اتنی شمار کے برابر روزے رکھ لے ہر لوگ فی مسکین بقدر صدقہ فطر حساب کر کے دینے کے بعد اتنے پیسے بچ گئے جن میں ایک صدقہ فطر کے برابر غلہ نہیں خرید جا سکتا تو اختیار ہے کہ یہ پیسے ایک مسکین کو دے دے یا اس کے عوض ایک روزہ رکھ لے۔

جس جانور کو قتل کیا ہے اس کی قیمت کون تجویز کرے اس کے بارے میں ارشاد ہے ﴿يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾ یعنی مسکینوں میں سے دو انصاف والے آدمی اس کی قیمت کا تخمینہ لگائیں۔ یہ تخمینہ اس جگہ کے اعتبار سے ہوگا جہاں وہ جانور قتل کیا ہے۔ اگر جنگل میں قتل کیا تو جو آبادی وہاں سے قریب تر ہو اس کے اعتبار سے قیمت کا تخمینہ لگایا جائے۔

احرام میں جو شکار کیا گیا ہے اس کے متعلق چند مسائل

مسئلہ: اگر جانور کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ بڑا جانور خرید جا سکتا ہے تو اونٹ اور گائے حدود حرم میں ذبح کر دے بکری ذبح کرے یا گائے یا

اونٹ ان میں قربانی کے جانور کی شرائط اور قربانی کے جانوروں کی عمروں کا لحاظ رکھے۔

مسئلہ: اگر مقتول جانور کی قیمت کے برابر ہدی کا جانور تجویز کیا اور جانور خریدنے کے بعد کچھ قیمت بچ گئی تو اس بقیہ قیمت کے بارے میں اختیار ہے کہ خواہ دوسرا جانور خرید کر حدود حرم میں ذبح کر دے یا اس کا غلہ خرید کر دے دے یا غلہ کے حساب سے فی نصف گیبوں ایک روزہ رکھ لے۔

مسئلہ: مسکینوں کو غلہ دینے اور روزہ رکھنے میں حرم کی قید نہیں ہے البتہ ہدی کا جانور حدود حرم ہی میں ذبح کرنا لازمی ہے۔ ذبح کر کے فقراء حرم میں صدقہ کر دے۔

مسئلہ: محرم کو جن جانوروں کا شکار کرنا حرام ہے اگر اس نے ان میں سے کسی جانور کو قتل کر دیا تو وہ جانور میتہ یعنی مردار کے حکم میں ہوگا۔ اور کسی کو بھی اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔

مسئلہ: محرم کو جس جانور کا قتل کرنا حرام ہے اس کو زخمی کر دینا یا پراکھاڑ دینا ٹانگ توڑ دینا بھی حرام ہے اگر ان میں سے کوئی صورت پیش آ جائے تو تخمینہ کرایا جائے اور اس جانور کی کتنی قیمت ہوگی پھر اس قیمت کے بارے میں انہیں تین قولوں میں سے کوئی اختیار کر لی جائے جو قتل کی سزا میں مذکور ہوئے ہیں۔

مسئلہ: مذکورہ جانوروں کا انڈہ توڑنا ممنوع ہے اگر محرم نے کسی جانور کا انڈہ توڑ دیا تو اس کی قیمت واجب ہوگی، اگر انڈے میں سے مرا ہوا بچہ نکل آیا تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر دو محرموں نے مل کر شکار کیا تو دونوں پر جزاء کامل واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر کسی نے حاملہ ہرنی کے پیٹ میں مار دیا اور اس میں سے زندہ بچہ نکلا اور وہ بھی مر گئی تو دونوں کی قیمت واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر کسی غیر محرم نے شکار کیا پھر احرام باندھ لیا اس پر واجب ہے کہ شکار کو چھوڑ دے اگر نہ چھوڑا اور اس کے ہاتھ میں مر گیا تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔

مسئلہ: مچھر کے قتل کرنے سے کچھ واجب نہیں ہوتا۔

مسئلہ: احرام میں چیونٹی کا مارنا جائز ہے جو ایذا دیتی ہو اور جو ایذا نہ دے اسے مارنا جائز نہیں لیکن اگر مار دیا تو کچھ واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی محرم نے جوں ماردی تو کچھ صدقہ کر دے۔

مسئلہ: اگر کوئی محرم ٹڈی ماردے تو جتنا جی چاہے تھوڑا بہت صدقہ کر دے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو فرمایا ایک کھجور ٹڈی سے بہت ہے۔

مسئلہ: اگر بھولے سے یا خطا شکار کو قتل کر دے تو اس پر جزا ہے جہور کا یہی مذہب ہے۔

ابو بکر جصاص احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعی اور فقہاء امصار کا یہی مذہب ہے اور قرآن کریم میں جو لفظ "مُتَعَدِّدًا" آیا ہے یہ ان حضرات کے نزدیک خطا و نسیان سے احتراز کے لئے نہیں بلکہ یہ لفظ اس لئے بڑھایا گیا ہے کہ ﴿وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمِ اللَّهُ مِنْهُ﴾ جو آگے آ رہا ہے وہ اس پر متفرع ہو سکے کیونکہ خطا و نسیان پر مواخذہ نہیں ہوتا بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خطا و نسیان میں قتل صید کی جزا واجب نہیں۔ شیخ ابو بکر جصاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ فالقول الاول هو الصحيح یعنی پہلا قول ہی صحیح ہے پھر اس کی دلیل میں فرماتے ہیں۔

لانه قد ثبت ان جنایات الاحرام لا یختلف فیها المعذور وغير المعذور فی باب وجوب الفدیة الا ترى ان الله

تعالیٰ قد عذر المریض ومن به اذی من رأسه ولم یخلهما من ایجاب الکفارة

مسئلہ: شکار کی طرف اشارہ کرنا یا شکاری کو بتانا کہ وہ شکار جا رہا ہے محرم کے لئے یہ بھی حرام ہے، اگر محرم نے شکار کی طرف اشارہ کر دیا اور شکاری نے اسے قتل کر دیا تو بتانے والے پر بھی جزا واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر کسی غیر محرم نے شکار کیا اور محرم کو اس کا گوشت پیش کر دیا تو اس کا کھانا جائز ہے، بشرطیکہ محرم نے شکاری کو نہ اشارہ سے بتایا ہو نہ زبان سے۔

مسئلہ: اگر ایسے محرم نے شکار کیا جس نے قرآن کا احرام باندھا ہوا تھا تو اس پر دوہری جزا واجب ہوگی کیونکہ اس کے دو احرام ہیں۔

مسئلہ: محرم کا شکار بیچنا خریدنا حرام ہے اگر کسی محرم نے ایسا کر لیا تو بیع باطل ہوگی۔

مسئلہ: محرم کے لئے حرم اور غیر حرم دونوں میں شکار کرنا حرام ہے۔

مسئلہ: حرم کا شکار محرم اور غیر محرم دونوں کے لئے حرام ہے۔ البتہ اس کے قتل کر دینے سے محرم پر اور غیر محرم پر ایک ہی جزا واجب ہوگی۔

مسئلہ: مکہ مکرمہ کے چاروں طرف سرزمین حرم ہے جس کی مسافتیں مختلف ہیں، جدہ کی طرف تقریباً ۱۵۵ کلومیٹر اور عرفات کی طرف تقریباً ۱۴۳ کلومیٹر ہے۔

منی اور مزدلفہ دونوں حرم میں داخل ہیں اور تنعیم جو مدینہ منورہ کے راستہ میں آتا ہے یہ حرم سے خارج ہے۔ پرانی کتابوں میں لکھا ہے

کہ تنعیم مکہ مکرمہ سے تین میل ہے لیکن اب مکہ معظمہ کی آبادی تنعیم بلکہ اس سے بہت آگے تک چلی گئی ہے۔

حرم شریف کی گھاس اور درخت کاٹنے کے مسائل

مکہ معظمہ کے حرم کی گھاس کاٹنا اور ایسے درخت کو کاٹنا جو کسی کی مملوک نہیں جسے لوگ بوتے نہیں یہ بھی ممنوع ہے۔

اگر کوئی شخص محرم یا غیر محرم حرم کا شکار مارے تو اس کی جزا دینا واجب ہوگی۔ اسی طرح اگر گھاس کاٹ دی یا غیر مملوک درخت کاٹ لیا تو

اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ اگر کوئی درخت حدود حرم میں کسی شخص کی ملکیت میں آگ آیا تو اس کے کاٹنے پر اس کی قیمت حرمت حرم

کی وجہ سے واجب ہوگی جس کا صدقہ کرنا لازم ہوگا۔ اور ایک قیمت بطور ضمان اس کے مالک کو دینی ہوگی۔ اور اگر حرم کے کسی ایسے درخت کو

کاٹ دیا جسے لوگ اگاتے ہیں۔ تو اس صورت میں صرف مالک کو قیمت دینا واجب ہوگی۔

احرام میں سمندر کا شکار کرنے کی اجازت

آخر میں فرمایا ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ﴾ مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے سمندر کا شکار کرنا اور اس کا

کھانا حلال ہے اس میں محرم اور غیر محرم دونوں برابر ہیں پہلے سے دریائی شکار کر کے سفر میں جاتے وقت ساتھ لے گئے یا سفر میں دریائی شکار کر

لیں، یہ مسافروں کے لئے درست ہے محرم ہوں یا غیر محرم۔ اور خشکی کا شکار محرم کے لئے حرام قرار دیا گیا خواہ کسی قسم کے احرام میں ہو (احرام

عمرہ ہو یا احرام حج یا احرام قرآن)۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ یعنی جملہ احکام کی پابندی کرو اللہ سے ڈرو اس کے اوامر و نواہی کی مخالفت نہ کرو۔ اس کی طرف

سب کو جمع ہونا ہے۔ وہاں پیشی ہے حساب ہے لہذا وہاں کے لئے فکر مند رہو۔

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيًّا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ۚ ذَٰلِكَ

لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۹۷﴾ اَعْلَمُوا أَنَّ

اللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا

تُبَدُّونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿۹۹﴾

کعبہ جو احترام والا گھر ہے اللہ نے اسے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے اور حرمت والے مہینہ کو اور ہدی کے جانوروں کو اور جن کے گلے میں جو پٹے پڑے ہوں ان سب کو لوگوں کے قائم رہنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو کچھ

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے، تم جان لو! کہ بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے اور اللہ بلا شبہ بخشنے والا مہربان ہے رسول کے ذمہ صرف پہنچانا ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

کعبہ شریف لوگوں کے قائم رہنے کا سبب ہے

کعبہ (جس کے حروف اصلی ک، ع، ب ہیں) عربی زبان میں اوپر کو اٹھے ہوئے چوکور گھر کو کہتے ہیں۔ کعبہ شریف کی جگہ نشیب میں ہے اور کعبہ شریف دور سے اٹھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جب کعبہ شریف بنایا گیا تھا اس وقت اس کے چاروں طرف مسجد حرام بنی ہوئی نہیں تھی اس لئے دور سے اٹھا ہوا اور زمین سے ابھرا ہوا نظر آتا تھا اس ارتفاع کی وجہ سے اس کا نام ”کعبہ“ رکھا گیا۔ لفظ ”الکعبہ“ کے بعد ”البيت الحرام“ بھی فرمایا یعنی بہت محترم گھر اللہ تعالیٰ نے اس کو محترم قرار دیا۔ اس کی حرمت ہمیشہ سے ہے اس کا طواف بھی حرمت کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ مکہ معظمہ کے چاروں طرف جو حرم ہے وہ بھی اسی کعبہ شریف کی وجہ سے محترم ہے اور اسی احترام کی وجہ سے حرم میں شکار کرنا اور اس کی گھاس اور درخت کا ٹٹا ممنوع ہے حرم میں قتل و قتال بھی ممنوع ہے قتل و قتال کی ممانعت کا عقیدہ زمانہ جاہلیت میں بھی تھا۔

تفسیر درمنثور میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص جرم کر کے حرم میں پناہ لے لیتا تھا تو اسے قتل نہیں کرتے تھے۔ آیت بالا میں ارشاد فرمایا کہ کعبہ جو بیت محترم ہے اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کے قائم رہنے اور امن و امان کا ذریعہ بنایا جو بہت سے لوگوں کی معیشت کا ذریعہ بنا ہوا ہے زمین کے دور دراز گوشوں سے لوگ حج و عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ معظمہ آتے ہیں شہر مکہ میں رہتے ہیں منیٰ میں قیام کرتے ہیں عرفات مزدلفہ میں وقوف کرتے ہیں ان سب کے آنے اور رہنے اور ضرورت کی اشیاء خریدنے کے باعث اہل عرب اور خاص کر اہل مکہ کی معیشت بنی رہتی ہے۔ اور اس خریداری کے اثرات پورے عالم کی فیکٹریوں اور کمپنیوں پر پڑتے ہیں۔ اہل مکہ کے لئے تو کعبۃ اللہ ذریعہ قیام اور بقاء ہے ہی بعض اعتبار سے پورے عالم کی بقاء کا ذریعہ ہے بحری جہازوں سے لوگوں کی آمد ہوائی جہازوں کی اڑان کروڑوں روپے کے کرائے اور بسوں اور کاروں کے سفر ان سب کے ذریعہ جو عرب و عجم میں مالی آمدنی ہے پورے عالم کو اس کا اقتصادی فائدہ پہنچتا ہے۔

سورہ قصص میں فرمایا ﴿أَوْ لَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّا أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (کیا ہم نے ان کو امن و امان والے گھر میں جگہ نہیں دی۔ جہاں ہر قسم کے پھل کھچے چلے آتے جو ہمارے پاس سے بطور رزق ان کو ملتے ہیں لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے) پھر چونکہ حج ایک عظیم عبادت ہے جو سراپا اللہ کے ذکر سے معمور ہے۔ اور اللہ کا ذکر ہی اس عالم کی روح ہے اس لئے بھی کعبہ شریف سارے عالم کی بقاء کا ذریعہ ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک دنیا میں ایک مرتبہ بھی اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔ (رواہ مسلم ص ۸۴ جلد نمبر ۱) جب دنیا میں کوئی بھی ایمان والا نہ رہے گا تو کعبہ شریف کا حج بھی ختم ہوگا۔ کعبہ شریف کا ختم ہو جانا بھی دنیا کی بربادی کا ذریعہ ہے۔

بعض حضرات نے ”قیاماً“ کا ترجمہ ”امناً“ سے بھی کیا۔ بلاشبہ حرم مکہ زمانہ قدیم سے مامن یعنی امن کی جگہ ہے سورہ بقرہ میں فرمایا ﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا﴾ (اور جب ہم نے کعبہ لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ اور امن کی جگہ بنایا) اور سورہ عنکبوت میں فرمایا ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيَتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ﴾ (کیا انہیں معلوم نہیں کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا اور ان کے گرد و پیش سے لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے) بلاشبہ عبادت اور مالیات اور امن و امان یہ سب انسانوں کے قیام اور بقا کا ذریعہ ہے۔

ہدی کے جانور

ہدی وہ جانور ہے جو بطور نیاز کعبہ شریف کی طرف بھیجا جائے، ہدی واجب بھی ہوتی ہے اور مستحب بھی، اور دم جنایات جو واجب ہیں حرم ہی میں ان کو ذبح کیا جاتا ہے۔ دم تمتع اور دم قران بھی حرم ہی کے اندر ذبح کرنا لازم ہے اور شکار کے بدلے جو جانور ذبح کیا جائے اس کے بارے میں بھی ﴿هُدْيًا بَالِغَ الْكُعْبَةِ﴾ فرمایا ہے۔ ہدی کے جانوروں کا حدود حرم میں ذبح کرنا لازم ہے آجکل ہدی کے جانور منیٰ میں ہی مل

جاتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں ہدی کے جانور اپنے وطن سے ساتھ لایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ عمرہ حدیبیہ کے موقع پر اور حجۃ الوداع کے موقع پر ہدی کے جانور ساتھ لے گئے تھے۔ اور عام طور سے ہدی کے جانور ساتھ لانے کا دستور تھا۔

القلائد:

صاحب روح المعانی نے ج ۷ ص ۳۶ لکھا ہے کہ ”القلائد“ سے ذوات القلائد مراد ہیں۔ اونٹوں کے گلوں میں قلائد یعنی پٹے ڈال دیا کرتے تھے ہدی کے ذکر کے بعد اونٹوں کا ذکر مستقل طریقہ پر کیا کیونکہ ان کے ذبح کرنے میں ثواب زیادہ ہے۔ اھ
خلاصہ یہ ہے کہ کعبہ شریف اور اس سے متعلقہ چیزیں جن میں شہر حرام اور ہدی کے چھوٹے بڑے جانور بھی ہیں انکو لوگوں کے قیام اور بقا کا ذریعہ بنایا۔ اہل عرب شہر حرام میں امن و امان سے رہتے تھے۔ بے تکلف حج بھی کرتے تھے اور دوسری اغراض دنیویہ کے لئے بھی نکلتے تھے اور جن قبیلوں میں آپس میں دشمنی ہوتی تھی وہ بھی ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرتے تھے اور ہدی کے جانوروں کا گوشت کھانا بھی معمول تھا۔ پھر ان جانوروں کی خرید و فروخت بھی ہوتی تھی اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے ان سب وجوہ سے کعبہ اور شہر حرام اور ہدی کے جانور یہ سب لوگوں کے قیام یعنی بقا کا ذریعہ ہیں۔

قال الجصاص فی احکام القرن ص ۲۸۲ ج ۲ وهذا الذی ذکرہ اللہ تعالیٰ من قوام الناس بمناسک الحج والحرام والا شہر الحرم والہدی والقلائد معلوم مشاہد فلانری شیئامن امر الدین والدنیا تعلق بہ من صلاح المعاش والمعاد بعد الايمان ما تعلق بالحج الاتری الی کثرة منافع الحاج فی المواسم التي یردن علیہا من سائر البلدان التي یجتازون بمنی و بمکة الی ان یرجعوا الی اہالیہم وانتفاع الناس بہم و کثرة معایشہم وتجارہم معہم (الی اخر ما قال)۔

پھر فرمایا ﴿ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَ اَنَّ اللّٰهَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ (اور یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے)
شیخ ابو بکر حصاص لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے بارے میں خبر دی ہے کہ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اس نے دین و دنیا کے منافع حج میں رکھ دئے۔ یہ تدبیر ایسی عجیب ہے کہ جس میں امت کے لئے اول سے لیکر آخر تک یعنی قیامت کے دن آنے تک سب کی صلاح کا انتظام ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہ ہوتا اور تمام اشیاء کو انکے وجود سے پہلے نہ جانتا تو ایسی تدبیر نہیں ہو سکتی تھی جس میں بندوں کی دین و دنیا کی صلاح ہے۔

پھر فرمایا ﴿اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (بلاشبہ جان لوگ کہ اللہ سخت عذاب والا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

اس میں تشبیہ ہے کہ احکام الہی کی خلاف ورزی نہ کرو اور احمیانہ کہیں خلاف ورزی ہو جائے تو جلدی سے توبہ کرو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو وہ غفور رحیم ہے۔

پھر فرمایا ﴿مَا عَلٰی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ﴾ (رسول کے ذمہ نہیں ہے مگر پہنچانا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو) اس میں اس پر تشبیہ ہے کہ تمام احکام کی پابندی کرو رسول ﷺ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے آگے عمل کرنا تمہارا اپنا کام ہے۔

ہر طرح کے اعمال ظاہرہ اور باطنہ کو صحیح طریقہ پر انجام دو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام ارادوں سے اور تمام اعمال باطنہ اور اعمال ظاہرہ سے باخبر ہے وہ ہی حساب لے گا اور جزا دے گا۔

قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۰۰﴾

آپ فرمادیجئے کہ خبیث اور طیب برابر نہیں ہیں اگرچہ اے مخاطب! تجھے خبیث کی کثرت بھلی معلوم ہوتی ہو۔ سوائے عقل والو! اللہ سے ڈرو تا کہ کامیاب ہو جاؤ۔

خبیث اور طیب برابر نہیں ہیں

لباب النقول ص ۹۸ میں اس آیت کا سبب نزول یہ بیان کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے شراب کی حرمت بیان فرمائی تو ایک دیہات کا رہنے والا آدمی کھڑا ہوا اور کہا کہ میں شراب کی تجارت کرتا تھا اس کے ذریعہ میں نے مال حاصل کیا اگر یہ مال اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کروں تو کیا یہ مال مجھے نفع دے گا؟

نبی اکرم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا ان اللہ لا یقبل الا الطیب (کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ مگر پاکیزہ مال کو) اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ نے کی تصدیق فرماتے ہوئے آیت ﴿قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ﴾ نازل فرمائی۔

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت سے جو مال پہلے کمایا ہوا تھا وہ تو حلال ہونا چاہئے اس کو خبیث کیوں فرمایا؟ بصورت صحت حدیث اس اشکال کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ چونکہ شراب کی حرمت نئی نئی نازل ہوئی تھی اس لئے کلی طور پر اس کے منافع سابقہ اور لاحقہ سب سے منع فرمادیا۔ یہ تشدید اس لئے کی گئی کہ شراب کے منافع سے بالکل ہی دست بردار ہو جائیں۔ اور دلوں میں اس سے کسی قسم کا لگاؤ نہ رہے آیت کا سبب نزول جو کچھ بھی ہو بہر حال اس میں ایک اصولی بات بتادی اور وہ یہ خبیث اور طیب برابر نہیں۔

خبیث بری چیز کو اور طیب اچھی کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے خبیث کا ترجمہ ناپاک اور طیب کا ترجمہ پاک کیا ہے۔ آیت کا مفہوم عام ہے اچھے برے اعمال اور اچھے برے اموال اور اچھے برے افراد سب کو شامل ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ خبیث سے حرام مال اور طیب سے حلال مراد ہے بعض حضرات نے خبیث سے کافر اور طیب سے مومن مراد لیا۔ ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں الفاظ قرآنیہ کا عموم ان سب کو شامل ہے۔ کس مال میں بھی حلال کا دھیان رکھا جائے۔ اور جب اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنے لگیں تو حلال اور عمدہ مال خرچ کریں اور مومن کو کافر پر ترجیح دیں البتہ ظلم کسی پر نہ کریں۔

حرام مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی بندہ حرام کمائے گا پھر اس میں سے صدقہ کریگا تو قبول نہ کیا جائے گا اور اس میں سے خرچ کریگا تو اس میں برکت نہ ہوگی اور اپنے پیچھے چھوڑ جائے گا تو یہ اس کے لئے دوزخ میں جان کا توشہ ہوگا۔ بے شک اللہ برائی کو برائی سے نہیں ہٹاتا (یعنی مال خبیث کما کر اس میں سے صدقہ کر دے تو اس صدقہ سے حرام مال پاک نہ ہو جائیگا اور حرام کمانے کا گناہ معاف نہ ہوگا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳۲) وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ میں یہ ارشاد فرمادیا کہ کسی چیز کا زیادہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اچھی بھی ہو۔ دنیا میں کافر زیادہ ہیں اس کثرت کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک اچھے نہیں ہو گئے جو لوگ اسلام کے دعویدار ہیں ان میں بھی اکثر وہ ہیں جو بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہیں۔ بعض لوگ ان کی اکثریت دیکھ کر گناہوں کی راہ اختیار کرتے ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ گناہ چھوڑو تو کہہ دیتے ہیں کہ لاکھوں آدمی گناہ کر رہے ہیں یہ بھی اللہ کے بندے ہیں، یہ جاہلانہ جواب ہے اللہ کے بندے تو ہیں مگر گناہگار بندے ہیں۔ تمہیں پرہیزگار بندوں کی راہ اختیار کرنی چاہئے برے بندوں کے پیچھے کیوں چلتے ہو۔

ایکشن کی قباحت

آیت کریمہ سے ایکشن کی قباحت بھی معلوم ہوگئی چونکہ ایکشن کی بنیاد اکثریت پر رکھی گئی ہے اس لئے ایکشن میں وہ آدمی جیت جاتا ہے جس کو ووٹ زیادہ مل جائیں بلکہ جس کے حق میں ووٹوں کی گنتی زیادہ ہو جائے وہ جیتتا ہے خواہ کسی طرح بھی ہو۔ دھاندلی بھی کی جاتی ہے ووٹ خریدے بھی جاتے ہیں فریق مخالف کے ووٹوں کے بکس بھی غائب کئے جاتے ہیں۔

قطع نظر ان سب باتوں کے اکثریت پر کامیابی کی بنیاد رکھنا یہ مستقل وبال ہے اور غیر کے دین پر نہ خود چلنا ہے نہ دوسروں کو چلنے دینا ہے ایسے لوگوں کی رائے کا شرعاً کچھ وزن نہیں۔ دنیا میں جب سے جمہوریت کا سلسلہ چلا ہے بہت سے لوگ جنہیں علم کا گمان بھی ہے وہ بھی جمہوریت کے لئے اپنی کوششیں خرچ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری کوشش سے فلاں ملک میں جمہوریت گئی ہے گویا انہوں نے دین کا بہت بڑا کام کر دیا۔ یہ لوگ جمہوریت کے دینی نقصانات جانتے ہوئے اس کے لئے اپنی کوششیں صرف کرتے ہیں پھر جمہوریت کے اصول پر جو بھی کوئی بد سے بدتر ملحد زندیق منکر اسلام منتخب ہو جائے اسے مبارکباد دیتے ہیں کسی حلقے میں ووٹ ہوں اور کیا اون ووٹ کسی ملحد بے دین کو مل جائیں (جو اسی جیسے بے دینوں سے ملتے ہیں) تو فاسق فاجر ایکشن جیت لیتا ہے اور کامیاب سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کے کسی ملک کے چھوٹے بڑے عہدہ کے لئے کسی بھی فاسق فاجر کی رائے پر اعتماد کرنا درست نہیں جو لوگ اکثریت کے فیصلہ پر ایمان لاتے ہیں (اور اکثریت کا بے دین فاسق فاجر ہونا معلوم ہے) وہ ﴿وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ﴾ پر بار بار دھیان کریں۔ پھر فرمایا ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ﴾ کہ (اے عقل والو! اللہ سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ج ۷ ص ۳۷۔

”اں مدار الاعتبار هو الخيرية والرداءة لا الكثرة والقلّة“ (ج)

یعنی خبیث کے بچنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگرچہ زیادہ ہو اور طیب کو ترجیح دو اگرچہ کم ہو کیونکہ اچھایا برا ہونے کا مدار اچھائی اور برائی اختیار کرنے پر ہے قلت یا کثرت پر نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنَ أَشْيَاءٍ إِن تُبَدَّلْكُمْ تَسْأَلُونَ وَإِن تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنزَّلَ
الْقُرْآنُ تَبَدَّلْكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١١﴾ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّن قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا

بہا کفرین ﴿۱۱﴾

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں، اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کرو گے جس وقت قرآن نازل ہو رہا ہو تو وہ تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیگی اللہ نے ان کے بارے میں معافی دے دی اور اللہ بخشنے والا ہے علم والا ہے۔ تحقیق تم سے پہلے ایک قوم ایسے ہی سوال کر چکے ہیں پھر اس کا انکار کرنے لگے۔

بے ضرورت سوالات کرنے کی ممانعت

مفسر ابن کثیر نے ج ۲ ص ۱۰۵ بحوالہ جریر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اس وقت غصے کی حالت میں تھے چہرہ انور سرخ ہو رہا تھا، آپ منبر پر تشریف فرما ہو گئے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخ میں ہے پھر ایک اور آدمی کھڑا ہوا اس نے کہا میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔

یہ منظر دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور (آپ کا غصہ ٹھنڈا کرنے اور آپ کو راضی کرنے کے لئے) یہ پڑھنے لگے رَضِينَا بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا وَبِالْقُرْآنِ إِمَامًا (ہم راضی ہیں اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین

ماننے پر اور محمد ﷺ کے نبی ماننے پر اور قرآن کو امام ماننے پر) اس کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ جاہلیت اور شرک میں تھے نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ ہمارے باپ کون ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ کا غصہ ٹھہر گیا اور آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنَ أَشْيَاءَ إِن تَبَدَّلَكُمُ تَسْؤُكُمْ﴾ نازل ہوئی۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۶۵ میں ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے بطور مسخر و استہزاء پوچھا کرتے تھے، کوئی کہتا تھا میرا باپ کون ہے! اور کوئی کہتا تھا میری اونٹنی کہاں ہے! اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔

مفسر ابن کثیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ جب آیت ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ نازل ہوئی۔ تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج فرض ہے آپ نے خاموشی اختیار فرمائی، حاضرین نے دوبارہ سوال کیا تو فرمایا نہیں! (ہر سال فرض نہیں ہے) اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا۔ اور اگر ہر سال واجب ہو جاتا تو تم اس کی طاقت نہ رکھتے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ مذکورہ بالا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا﴾ نازل فرمائی۔

اسباب نزول متعدد بھی ہو سکتے ہیں اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آیت کریمہ میں مسلمانوں کو اس بات کی ہدایت فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا کرو جن کی ضرورت نہیں ہے، اور جن کے ظاہر کرنے سے سوال کرنے والے کو ناگواری ہوگی اور جواب اچھا نہ لگے گا ایک آدمی نے پوچھ لیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے آپ نے جواب دیدیا کہ دوزخ میں ہے بات معلوم کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ پھر جو جواب ملا وہ گوارا نہ تھا یوں تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مسائل و احکام تو دریافت کیا ہی کرتے تھے اور سوال کرنے کا حکم بھی ہے جیسا کہ سورہ نحل اور سورہ انبیاء میں ارشاد ہے ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (سوال کرو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے) معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا آیت میں جن چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے ممانعت فرمائی ہے وہ ایسی چیزیں ہیں جن کی ضرورت نہ ہو۔

صاحب روح المعانی ج ۳۹ ۷ لکھتے ہیں۔

والمراد مالا خیر لہم فیہ من نحو التکالیف الصعبة التي لا يطيقونها والا سرار الخفية التي قد يفتضحون بها فكما ان السنوال عن الامور الواقعة مستتبع لابداءها كذلك السنوال عن تلك التکالیف مستتبع لا يجابها عليهم بطريق التشديد لا سائتهم الادب وترکهم ما هو الاولي بهم من الاستسلام لا مر الله تعالى من غير بحث فيه ولا تعرض عنالكيفية واللكمية اه۔

یعنی آیت بالا میں جن اشیاء کے بارے میں سوال کرنے کی ممانعت فرمائی ہے ان سے وہ سخت احکام مراد ہیں جن کی طاقت نہیں اور وہ پوشیدہ بھید کی چیزیں مراد ہیں جن کے ظاہر کرنے میں لوگوں کی رسوائی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جس طرح گزشتہ امور کے بارے میں سوال کرنے پر نتیجہ اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کو ظاہر کیا جائے اسی طرح تکالیف شاقہ یعنی سخت احکام کے بارے میں سوال کرنا اس امر کو مستلزم ہے کہ حکماً ان احکام کو بطور سزا سوء ادبی کی پاداش میں واجب کر دیا جائے، اور جو طریقہ اختیار کرنا چاہئے تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کو مان لینا اور کیفیت اور کیفیت کی بحث میں نہ پڑنا اس کے ترک کرنے کی وجہ سے حکم میں تشدید کر دی جاتی ہے۔

پھر فرمایا ﴿وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبَدَّلَكُمُ﴾ یعنی نزول قرآن کے وقت سوال کرو گے تو تمہارے سوالوں کا جواب بذریعہ وحی دیدیا جائے گا۔ اور سوال کا جواب ملے گا تو ضروری نہیں کہ مسائل کی مرضی کے مطابق ہو۔ لہذا سوال نہ کرنا ہی صحیح ہے۔

علامہ ابو بکر جصاص رضی اللہ عنہ احکام القرآن ج ۲ ص ۴۸۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ان چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے ممانعت فرمائی ہے جن کے جاننے کی حاجت نہیں تھی مثلاً عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے پوچھ لیا میرا باپ کون ہے؟ اس سوال کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ حسب قاعدہ شرعیہ الولد للفرش حذافہ ہی سے ثابت النسب تھے پھر اگر واقعہ حذافہ کے نطفہ کے علاوہ کسی دوسرے کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہوتے اور آپ ﷺ اس کو ظاہر فرمادیتے تو کس قدر رسوائی ہوتی۔

اسی طرح وہ جو ایک صحابی نے دریافت کر لیا ”کیا ہر سال حج فرض ہے؟“ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی اگر رسالت مآب ﷺ فرمادیتے کہ ہاں! ہر سال فرض ہے تو ساری امت کس قدر تکلیف میں مبتلا ہو جاتی۔

پھر فرمایا ﴿عَفَا اللَّهُ عَنْهَا﴾ اس کی ایک تفسیر تو یہ کی گئی ہے کہ اب تک جو تم نے نامناسب سوال کئے ہیں یہ سوال کرنا اللہ نے معاف ہیں، یعنی جو حکم نہیں کئے گئے ان کے بارے میں سوال نہ کرو۔ ہو سکتا ہے سوال کرنے سے ان کے بارے میں حکم نازل ہو جائے، اور جب تک کسی چیز کے بارے میں نفیاً اثباتاً کوئی حکم نہیں ہے اس کے بارے میں تمہیں اختیار ہے اسے کرو یا نہ کرو۔ سوال کر کے اور کرید کر اپنے اوپر کوئی چیز واجب کیوں کراتے ہو؟

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں تم انہیں ضائع نہ کرو اور کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں تم ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے تم ان کا ارتکاب نہ کرو۔ اور تم پر مہربانی فرماتے ہوئے بہت سی چیزوں سے خاموشی اختیار فرمائی اور یہ خاموشی بھولنے کی وجہ سے نہیں ہے لہذا تم ان کے بارے میں سوال نہ کرو۔ (رواہ الدارقطنی وغیرہ کمال قال النووی فی اربعینہ وقال حدیث حسن)

گزشتہ قوموں نے سوال کئے پھر منکر ہو گئے

پھر فرمایا ﴿قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ﴾ کہ تم سے پہلے لوگوں نے سوال کئے تھے پھر ان کے منکر ہو گئے یعنی جب ان سوالات کا جواب دیا گیا تو ان جو ابوں سے منفع نہ ہوئے اور جو حکم ملا اس پر عمل نہ کیا۔ یہود و نصاریٰ کی ایسی عادت تھی پوچھتے تھے پر عمل نہیں کرتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا یہ سوال کرنا کہ آسمان سے ماندہ نازل ہو۔ یہ تو مشہور ہی ہے ماندہ نازل ہوا تو ان لوگوں سے کہا گیا تھا کہ جو کھا سکتے ہو کھا لو۔ اس سے اٹھا کر نہ رکھنا لیکن وہ لوگ نہ مانے اور گنہگار ہوئے۔ اسی طرح قوم ثمود نے پہاڑ سے اونٹنی نکالنے کا سوال کیا پھر جب اونٹنی نکل آئی تب بھی ایمان نہ لائے اور اونٹنی کو کاٹ ڈالا۔

جو کوئی ضرورت پیش آگئی ہو اس کے بارے میں سوال کرنا درست ہے اور خواہ مخواہ بلا ضرورت سوال کرنے میں اضاعت وقت بھی ہے اور لایعنی کا ارتکاب بھی، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ (ترمذی) یعنی انسان کے اسلام کے ایک خوبی یہ ہے کہ لایعنی چیز کو چھوڑ دے۔ لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ فرائض و واجبات تک نہیں جانتے نماز تک یاد نہیں لیکن ادھر ادھر کے سوالات کرتے رہتے ہیں۔

علامہ ابو بکر جصاص رضی اللہ عنہما کا ارشاد

علامہ ابو بکر جصاص رضی اللہ عنہما احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے آیت بالا سے اس پر استدلال کیا ہے کہ حوادث اور نوازل کے بارے میں جواب و سوال نہ کیا جائے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے بیان نہیں فرمائے تو ہمیں ان کی حاجت نہیں لہذا جو احکام غیر منصوص ہیں ان کے بارے میں غور و فکر کی ضرورت نہیں ان لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں احکام غیر منصوصہ کے بارے میں سوال کرنا آیت کے مفہوم میں داخل نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہما کو ہدی کے اونٹ حرم مکہ لے جانے کی ذمہ داری پیش کی تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کوئی جانور ہلاک ہونے لگے تو اس کا میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ اس کو ذبح کر دینا اور اس کے جوتے کو (جو بطور نشانی کی اس کی گردن میں پڑا ہو کہ یہ ہدی کا جانور ہے) خون سے رنگ دینا۔ حضرت ناجیہ رضی اللہ عنہما نے ایک صورت حال کے بارے میں سوال کیا جو پیش آ سکتی تھی۔ آپ کو اس سوال سے بھی ناگواری نہ ہوئی اور جواب عنایت فرمادیا۔

شیخ ابو بکر جصاص رضی اللہ عنہما نے اور دو تین روایتیں ایسی نقل کی ہیں جن میں پیش آ سکنے والے واقعات کے بارے میں سوال پیش کرنے پر

آنحضرت ﷺ کے جواب دینے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں اس طرح کی بہت احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امور غیر منصوصہ کے بارے میں سوال کرنا ممنوع نہیں پھر لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں جمع ہوتے اور نئے نئے مسائل کے بارے میں آپس میں مذاکرہ کرتے تھے اور یہی حضرات تابعین کا معمول رہا اور ان کے بعد فقہانے اپنا معمول بنالیا اور آج تک ایسا ہو رہا ہے اس کے بعد شیخ ابو بکر بھاص رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ امور غیر منصوصہ کے بارے میں بولنے سے اور ان کا فقہ مستنبط کرنے سے عاجز رہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

”رب حامل فقه غیر فقیہ و رب حامل فقه الی من ہوا فقیہ منہ“ (بہت سے حامل فقہ ایسے ہیں جو خود فقیہ نہیں اور بہت سے حامل فقہ ایسے ہیں جو اپنے سے زیادہ فقیہ تک پہنچا دیتے ہیں)

علامہ بھاص رضی اللہ عنہ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ جماعت جو احکام غیر منصوصہ میں غور فکر کرنے کا انکار کرتی ہے یہ لوگ اس آیت کا مصداق ہے۔ ﴿مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا﴾

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ ۗ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۗ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۲﴾

اللہ نے مقرر نہیں فرمایا نہ کوئی بحیرہ اور نہ کوئی سائبہ اور نہ کوئی وصیلہ اور نہ کوئی حام، لیکن جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں اکثر وہ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔

مشرکین عرب کی تردید جنہوں نے بعض جانوروں کو حرام قرار دے رکھا تھا اور ان کے نام تجویز کر رکھے تھے، اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے

دنیا میں جو گمراہیاں پھیلیں ان میں سب سے بڑی گمراہی شرک ہے اور شرک کی بہت سی انواع و اقسام ہیں جن میں سے بعض اقسام ایسی ہیں کہ ان میں جانوروں کو ذریعہ شرک بنایا گیا۔ جیسا کہ سورہ نساء (۲۰) میں گذرا ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ کہا تھا۔ ﴿لَا تَخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا وَلَا ضِلَّيْنَهُمْ وَلَا مَنِئِينَهِمْ وَلَا مَرْنَهُمْ فَلْيَبْتِكُنْ أذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَا مَرْنَهُمْ فَلْيَغْيِرَنَّ خَلْقَ اللَّهِ﴾ (میں تیرے بندوں میں سے اپنا مقرر حصہ لوں گا اور میں ان کو گمراہ کروں گا اور میں ان کو آرزوؤں میں پھنسا دوں گا، اور میں ان کو حکم کروں گا جس کی وجہ سے وہ چار پابوں کے کانوں کو کاٹیں گے، اور میں ان کو حکم کروں گا جس کی وجہ سے اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑیں گے)۔

شیطان نے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور بہت سے لوگوں کو اپنی طرف لگا لیا شرک و کفر میں ڈال دیا اور مشرکوں نے بتوں کے نام پر جانوروں کے کان بھی کاٹے اور کئی طریقہ سے جانوروں کو شرک کا ذریعہ بنایا جس طرح بتوں کے نام تجویز کر لیتے تھے اسی طرح جانوروں کے نام بھی مقرر کر لیتے تھے۔

آیت بالا میں اس طرح کے چار ناموں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اول بحیرہ۔ دوم سائبہ، سوم وصیلہ، چہارم حام۔

بحیرہ

بحیرہ کی کئی تفسیریں لکھی ہیں ان میں سے ایک قول زجاج نے نقل کیا ہے اور وہ یہ کہ اہل جاہلیت یہ کرتے تھے کہ جب کسی اونٹنی سے پانچ مرتبہ بچے پیدا ہو جاتے اور پانچویں مرتبہ مذکر ہوتا تو اس کے کان کو چیر دیتے اور پھر اسے نہ ذبح کرتے تھے اور نہ اس پر سواری کرتے۔ اور پھر اسے نہ پانی سے روکا جاتا اور نہ کسی جگہ چرنے سے منع کیا جاتا تھا۔

اور حضرت قتادہ تابعی سے یوں نقل کیا ہے کہ جب کسی اونٹنی کے پانچ بچے ہو جاتے تو پانچویں بچے کو دیکھتے اگر نہ ہوتا تو ذبح کر کے کھا

جاتے اور مادہ ہوتا تو کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے وہ چرتا پھرتا تھا اور اس سے سواری وغیرہ کا کوئی کام نہیں لیتے تھے اور بھی بعض اقوال نقل کئے ہیں۔

سائبہ

سائبہ کے بارے میں مختلف اقوال لکھے ہیں۔ محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ سائبہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس کے دس بچے پیدا ہو جاتے اسے چھوڑ دیتے تھے نہ اس پر سواری کرتے تھے اور نہ اس کے بال کاٹتے تھے اور نہ اس کا دودھ دوہتے تھے۔ ہاں اگر کوئی مہمان اس کا دودھ لیتا تو اس کی اجازت تھی۔

اور ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ سائبہ وہ جانور تھا جسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور بت خانوں میں جو بچاری رہتے تھے ان کے حوالے کر دیتے تھے اور اس کا گوشت صرف مسافر اور انہی کی طرح کے لوگ کھاتے تھے۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول ہے،

وصیلہ

وصیلہ کے بارے میں بھی کئی قول نقل کئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ”وصیلہ“ اس بکری کو کہتے تھے جس کے سات مرتبہ بچے پیدا ہو جائیں۔ ساتویں نمبر اگر بچی پیدا ہوئی تو اس سے عورتیں ذرا بھی منافع نہیں ہو سکتی تھیں۔ ہاں اگر وہ مرجاتی تو مرد اور عورت سب اسے کھا سکتے تھے۔ اور اگر ساتویں مرتبہ کے حمل سے ایک بچہ اور ایک بچی (نر و مادہ) پیدا ہو گئے تو کہتے تھے کہ ”وصلت اخاھا“ (کہ اپنے بھائی کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئی ہے) پھر ان دونوں کو چھوڑ دیتے تھے اور اس سے صرف مرد منافع ہوتے تھے۔ عورتیں منافع نہیں ہوتی تھیں۔ اگر یہ مادہ مرجاتی تو عورتیں مرد سب منافع ہوتے تھے۔

اور محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ ”وصیلہ“ وہ بکری تھی جس کے پانچ نطفن سے متواتر دس مادہ پیدا ہو جائیں۔ پھر جب نر اور مادہ دونوں ایک ہی حمل سے پیدا ہو جاتے تو کہتے تھے کہ یہ اپنے بھائی کے ساتھ جوڑواں پیدا ہوئی۔ لہذا اسے ذبح نہیں کرتے تھے۔

حام

حام کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔ یہ حمی یحمی سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی بچانے اور محفوظ رکھنے کا ہے۔ فراء کا قول ہے کہ جس سانڈ کے بیٹے کا بیٹا اونٹنی کو حاملہ کر دیتا تھا اس اونٹ کو حامی کہتے تھے اس پر سواری نہیں کی جاتی تھی آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اور کہتے تھے کہ اس نے اپنی کمر کی حفاظت کر لی اسے کسی جگہ پانی سے یا چراگاہ سے ہٹایا نہیں جاتا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ جس سانڈ کی پشت سے دس مرتبہ حاملہ ہو کر اونٹنی بچے جن لیتی تھی اسے حامی کہتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اس نے اپنی کمر کی حفاظت کر لی اب اس پر نہ بوجھ لاد جائے گا اور نہ کسی پانی اور گھاس کی جگہ سے ہٹایا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ کے دین اور شریعت سے ان باتوں کا کچھ بھی خیال نہ تھا۔ لیکن وہ یوں کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہم یوں کرتے ہیں شرک بھی کرتے تھے اور پھر اللہ کی طرف اس کی نسبت بھی کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ اللہ نے ان جانوروں کے بارے میں احکام نازل نہیں فرمائے بلکہ ان لوگوں نے خود تجویز کئے اور اللہ پاک پر تہمت رکھ دی کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا۔

﴿وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ﴾ (لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں) تحلیل، تحریم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کسی مخلوق کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے طریقہ سے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیدے۔ اول تو یہ جانوروں کو خود حرام قرار دینا بہت بڑا گناہ ہے پھر اس تحریم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا جبکہ اس نے ان کے حرام ہونے کی کوئی تصریح نہیں فرمائی یہ گناہ درگناہ ہے۔ شیطان کا یہ طریقہ رہا ہے کہ لوگوں سے شرک کرواتا ہے اور پھر اپنے ماننے والوں کو یہ سمجھاتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا

طریقہ ہے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ مجھے اس مقام میں وہ سب چیزیں دکھائی گئیں جن کی تم کو خبر دی گئی ہے میں نے یہاں جنت کو دیکھا اور دوزخ کو بھی دیکھا اور میں نے دوزخ میں عمرو بن لُحی کو دیکھا اور یہ وہ شخص تھا جس نے ”سائبہ“ جانوروں کا طریقہ جاری کیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۹۶)

عمرو بن لُحی نے سائبہ کا سلسلہ جاری کر دیا تھا۔ اور عرب کے لوگ اسی کی راہ کو اختیار کئے ہوئے تھے اور اس طریقہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے۔ آیت کریمہ میں اس کی تردید فرمائی اور یہ بھی فرمایا ﴿وَ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ کہ ان میں اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

وَ إِذْ أَقْبَلْ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا
أَوْ لَوْ كَانِ آبَاءُؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۴۲﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور رسول کی طرف، تو کہتے ہیں کہ ہمیں وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔ کیا باپ دادوں کے پیچھے چلیں گے اگرچہ ان کے باپ دادے کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں۔

اہل جاہلیت کہتے تھے کہ ہم نے جس دین پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے وہ ہمیں کافی ہیں اہل جاہلیت نے جو شرک اور کفر کے کام اختیار کر رکھے تھے اور جو تحلیل و تحریم کے احکام جاری کر رکھے تھے ان کے بارے میں ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نہ سند نہ تھی۔ جب ان سے پوچھا جاتا تھا کہ یہ کام تم کیوں کرتے ہو تو یوں کہہ دیتے تھے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی پر پایا ہے اور ہمیں اور کسی ہدایت کی ضرورت نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کے سامنے پیش کی جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ انہیں دعوت حق دیتا تھا تو وہ اس کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے تھے اور یہ جاہلانہ جواب دے دیتے کہ ہمیں باپ دادوں کا اقتداء کافی ہے، اللہ جل شانہ نے ان کی جاہلیت کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿أَوْ لَوْ كَانِ آبَاءُؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾ معلوم ہوا کہ جو باپ دادے ہدایت پر ہوں ان کے راستے پر چلنا درست ہے۔

اسی کو سورہ انعام میں فرمایا ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبْهُدَاهُمْ اِقْتَدِهِ﴾ جاہل و کافر اور مشرک آباؤ اجداد و اسلاف کا اقتداء درست نہیں وہ خود بھی برباد ہیں اور جو ان کا اتباع اور اقتداء کرے گا وہ بھی برباد ہوگا۔

اللہ جل شانہ کے نزدیک حق کا معیار ”مَا أَنْزَلَ اللَّهُ“ (یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب) اور اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیم ہے۔ جو لوگ ان دونوں کا اتباع کرتے ہیں وہ لوگ قابل اتباع ہیں اور جو لوگ کتاب اللہ اور طریقہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف چلتے ہیں انکی اتباع میں سراپا بربادی اور ہلاکت ہے مدعیان اسلام میں بہت سی بدعتیں اور شرکیہ رسمیں جاری ہیں اور جو لوگ ان میں لگے ہوئے ہیں ان کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹنے کی دعوت دی جاتی ہے تو آباؤ اجداد کے اتباع کا سہارا لیتے ہیں۔ اور مزید گمراہی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ بدعتوں اور شرکیہ رسموں کا ایسا چسکا لگا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف آنے کو تیار نہیں ہوتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ
جَمِيعًا فَبِئْسَ كُفْرًا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾

اے ایمان والو! اپنی جانوں کی فکر کرو، جو شخص گمراہ ہو گا وہ تمہیں ضرر نہ دیگا جب کہ تم ہدایت پر ہو گے، تم سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر

جانا ہے، پھر وہ تم کو ان سب کاموں سے باخبر کر دے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

اپنے نفسوں کی اصلاح کرو

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ اپنی جانوں کی فکر کریں اعمالِ صالحہ میں لگے رہیں اور گناہ سے بچتے رہیں۔ اگر خود ہدایت پر ہوں گے تو دوسرا کوئی شخص جو گمراہ ہو گا وہ ضرور نہ پہنچا سکے گا۔

الفاظ کے عموم سے یہ ابہام ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری نہیں، لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وہم کو دور فرما دیا اور فرمایا کہ تم لوگ یہ آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ پڑھتے ہو اور اس کا مطلب غلط لیتے ہو کہ نہی عن المنکر ضروری نہیں تمہارا یہ سمجھنا صحیح نہیں۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگ جب منکر کو دیکھیں اور اس کی تغیر نہ کریں (یعنی اسے دور نہ کریں) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر عام عذاب بھیج دے گا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۰۹ از مسند احمد)

مفسر ابن کثیر نے بحوالہ عبدالرزاق نقل کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے آیت شریفہ ﴿عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ یہ وہ زمانہ نہیں ہے (جس میں اپنی ذات کو لے کر بیٹھ جاؤ اور نہی عن المنکر نہ کرو) آج تو بات مانی جاتی ہے۔ (یعنی تبلیغ کا اثر لیا جاتا ہے) ہاں عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ تم امر بالمعروف کرو گے تو تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے گا۔ یا یوں فرمایا کہ اس وقت تمہاری بات قبول نہ کی جائے گی۔ اس وقت آیت پر عمل کرنے کا موقع ہوگا۔

سنن ترمذی میں ابوامیہ شعبانی کا بیان نقل کیا ہے کہ میں حضرت ابو ثعلبہ حشنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور میں نے کہا اس آیت کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس آیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا آپ نے فرمایا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہو یہاں تک جب تم دیکھو کہ کنجوسی کا اتباع کیا جاتا ہے اور خواہشات کا اتباع کیا جاتا ہے اور ہر رائے والا اپنی رائے کو پسند کرتا ہے تو اس وقت اپنی جان کی حفاظت کر لینا اور عوام کو چھوڑ دینا۔ کیونکہ تمہارے پیچھے ایسے دن آنے والے ہیں کہ ان میں دین پر جمنے والا ایسا ہو گا جیسے اس نے ہاتھ میں آگ کے انگارے پکڑ لئے ہوں۔ ان دونوں میں عمل کرنے والے کو ایسے پچاس آدمیوں کا ثواب ملے گا جو تمہارا جیسا عمل کرے۔ (قال الترمذی ہذا حدیث حسن)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ آیت میں یہ نہیں بتایا کہ ہر شخص ابھی سے اپنی اپنی جان کو لیکر بیٹھ جائے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے۔ اپنی جان کی صلاح و اصلاح کے ساتھ لے کر بیٹھنے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر چھوڑ دینے کا وقت اس وقت آئے گا جب کوئی کسی کی نہ سنے گا۔ اور جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام انجام دے گا اس کو لوگوں کی طرف سے ایسی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ جیسے کوئی شخص ہاتھ میں چنگاری لے لے۔ البتہ اپنے اعمال ذاتیہ اور اپنی اصلاح کی خبر رکھنا ہر حال میں ضروری ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةٌ بَيْنَكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ صَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْسِبُوهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمْنَ بِاللَّهِ إِنْ أُرْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِنَّ شَيْئًا لَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لَّ مِنَ الْآثِمِينَ ﴿٥٦﴾ فَإِنْ عُرِيَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّ إِثْمًا فَأَخْرَجَ يَقُومُنْ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلِيَانِ فَيُقْسِمْنَ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ

شَهَادَتِهَا وَمَا عَتَدْنَا لَهَا إِنَّا إِذَا لَيْنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۷﴾ ذَلِكِ ادْنَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوا أَنْ تُرَدَّ آيَاتُنَا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمِعُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۱۰۸﴾

اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت آنے لگے جبکہ وصیت کا وقت ہو تو دو وصی ہوں جو دیندار ہوں تم میں سے ہوں یا تمہارے علاوہ دوسری قوم سے ہوں اگر تم سفر میں گئے ہوئے ہو تو پھر تم کو موت کی مصیبت پہنچ جائے، اگر تمہیں شک ہو تو ان دونوں کو نماز کے بعد روک لو، پھر وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اپنی قسم کے عوض کوئی قیمت نہیں لیتے اگرچہ قرابت دار ہو۔ اور ہم اللہ کی گواہی کو نہیں چھپاتے بلاشبہ ایسا کرنے کی صورت میں ہم گناہگاروں میں شامل ہو جائیں گے۔ پھر اگر اس کی اطلاع ملے کہ وہ دونوں گناہ کے مرتکب ہو گئے تو ان کی جگہ ایسے دو آدمی کھڑے ہوں جو ان لوگوں میں سے ہوں جن کے بارے میں پہلے دو شخصوں نے گناہ کا ارتکاب کیا۔ یہ بعد والے دو شخص ہوں جو قریب تر ہوں، سو یہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ واقعی ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی کے مقابلہ میں زیادہ درست ہے۔ اور ہم نے تجاوز نہیں کیا۔ اگر ہم ایسا کریں تو بے شک ہم ظلم کرنے والوں میں شمار ہونگے۔ یہ قریب تر ہے کہ وہ گواہی کو صحیح طریقے پر ادا کریں۔ یا اس بات سے ڈر جائیں کہ ان کی قسموں کے بعد ان پر پھر قسمیں لوٹادی جائیں گی، اور اللہ سے ڈرو اور سنو اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

حالت سفر میں اپنے مال کے بارے میں وصیت کرنا

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص جو قبیلہ بنی سہم میں سے تھا اس کو موت نے آگھیرا اس وقت وہاں کوئی مسلمان نہیں لہذا اس نے اپنے دونوں ساتھیوں یعنی تمیم داری اور عدی بن بداء کو اپنے مال کی حفاظت اور ورثاء تک پہنچانے کے لئے وصی بنا دیا (اس وقت یہ دونوں ساتھی نصرانی تھے) اس نے اپنے مال کی فہرست بنا کر سامان میں رکھ دی اور اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ میرا یہ مال میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ ان دونوں نے مال تو پہنچا دیا لیکن میت کے وارثوں نے جب فہرست سے سامان کا میلان کیا تو اس میں ایک چاندی کا جام غائب پایا اس جام پر سونے کا کام بھی تھا، انہوں نے اس جام کا تقاضا کیا اور معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے تمیم اور عدی کو قسم دلائی ان دونوں نے قسم کھالی کہ جام کا نہ ہمیں پتہ ہے اور نہ ہم نے چھپایا ہے اس کے بعد وہ جام مکہ معظمہ میں کسی تاجر کے پاس مل گیا، تاجر سے پوچھا گیا کہ یہ جام تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ تاجر نے بتایا کہ ہم نے تو تمیم اور عدی سے خریدا ہے، اس کے بعد قبیلہ بنی سہم والے آدمی کے دو اولیاء کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ اللہ کی قسم ہماری گواہی ان دونوں کی گواہی کی بنسبت درست ہے۔ اور یہ جام ہمارے آدمی کا ہے۔ آیت بالا ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ المائدہ)

بعض روایات میں یوں ہے کہ تمیم داری نے خود بیان کیا کہ وہ جام ہم دونوں نے ایک ہزار درہم میں بیچ دیا تھا۔ پھر ہم دونوں (تمیم اور عدی) نے رقم تقسیم کر لی۔ جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو مجھے گناہگاری کا احساس ہوا، لہذا میں مرنے والے کے گھر والوں کے پاس گیا اور پوری صورت حال بیان کی اور پانچ سو درہم ان کو ادا کر دیئے اور یہ بتا دیا کہ پانچ سو درہم میرے ساتھی (عدی) کے پاس ہیں۔ وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس شخص کو بھی ساتھ لائے جو تمیم داری کے ساتھ تھا (یعنی عدی بن بداء) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرنے والے کے ورثاء سے گواہ طلب کئے ان کے پاس گواہ نہ تھے لہذا آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اس شخص سے قسم لے لو۔ اس سے قسم لی گئی تو قسم کھا گیا اس پر آیت نازل ہوئی۔ (در منثور ص ۳۴۱ ج ۲)

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص سفر میں ہو اور اس کو موت کے آثار دکھائی دینے لگیں تو وہ دو آدمیوں کو وصی بنا دے یہ دونوں مسلمان دیانت دار ہونے چاہیں۔ اگر مسلمان نہ ملیں تو دوسری قوم میں سے دو آدمیوں کو وصی بنا دے اور یہ دونوں جب واپس آئیں تو مرنے

والے کے وارثوں کو اس کا مال پہنچادیں۔ اگر میت کے وارثوں کو شک ہو کہ ان دونوں نے کچھ مال چھپالیا ہے تو ان دونوں کو نماز کے بعد روک لیں تاکہ وہ قسم کھالیں۔ قسم دلائی جائے کہ ہمارے پاس اور کوئی مال نہیں ہے۔ نماز کے بعد روک کر قسم کھلانا تغلیظِ یمن (یعنی قسم میں مضبوطی اور تاکید کے لئے ہے نماز کے بعد روکنا کوئی واجب نہیں)

یہ لوگ اپنی قسم میں کہیں کہ ہمیں اپنی قسم کے ذریعے کوئی دنیاوی نفع مطلوب نہیں اگر ہماری قسم سے کسی قریبی رشتہ دار کو یہ پتہ چل جائے کہ مرنے والے کا مال اور بھی تھا جو وارثوں تک نہیں پہنچا تو وارثوں میں سے دو شخص اس بات پر قسم کھائیں کہ ہمارا مال ابھی باقی ہے وہ مال ہمیں ملنا چاہئے اور یہ بیان دیں کہ ہماری گواہی ان دونوں کی بہ نسبت صحیح ہے۔ ہم نے اپنی جان میں کوئی زیادتی نہیں کی، اگر ہم زیادتی کریں گے اور حد سے آگے نکلیں گے تو ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔ یہ دونوں شخص جو مرنے والے کے اولیاء میں ہوں میت سے رشتہ کے اعتبار سے قریب تر ہوں۔

يَوْمَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمْ ۖ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝۱۰

إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعْقِبِي ابْنُ مَرْيَمَ إِذْ كُرَّ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ ۖ إِذْ أَيَّدْتُكَ بِرُوحِ

الْقُدُسِ ۖ تَكَلَّمُ النَّاسُ فِي السُّهَدِ وَكَهْلًا ۖ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ

وَالْإِنْجِيلَ ۖ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي

وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ

عَنْكَ إِذْ جُنَّتْهُمْ بِالْبَيْتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَذَا إِلَّا أَسْحَابٌ مُّبِينٌ ۝۱۱

جس دن اللہ رسولوں کو جمع فرمائے گا، پھر ان سے سوال فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا وہ عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔ بلاشبہ آپ غیبوں کو خوب جاننے والے ہیں۔ جب اللہ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ بن مریم یاد کرو میری نعمت جو تجھ پر ہے اور تیری والدہ پر جب کہ میں نے روح القدس کے ذریعہ تیری تائید کی، تو بات کرتا تھا گہوارہ میں اور بڑی عمر میں اور جبکہ میں نے تجھے تعلیم دی کتاب کی اور حکمت کی اور توریت کی اور انجیل کی، اور جبکہ تو بناتا تھا مٹی سے پرندہ جیسی صورت میرے حکم سے پھر تو اس میں پھونک مار دیتا تھا تو وہ صورت پرندہ بن جاتی تھی میرے حکم سے، اور تو اچھا کرتا تھا مادر زاد اندھے کو اور برص والے کو میرے حکم سے، اور جبکہ تو نکالتا تھا مردوں کو میرے حکم سے، اور جبکہ میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روک رکھا جبکہ تو ان کے پاس دلیلیں لے کے آیا ان لوگوں نے کہا جو کافر تھے کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا ہوا جادو۔

قیامت کے دن رسولوں سے اللہ جل شانہ کا سوال

ان دو آیات میں سے پہلی آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ جل شانہ قیامت کے دن اپنے رسولوں سے سوال فرمائے گا۔ (جنہیں مختلف امتوں کی طرف دنیا میں مبعوث فرمایا تھا) کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا۔ وہ حضرات جواب میں عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں بے شک آپ غیبوں کے خوب جاننے والے ہیں۔ بظاہر اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام ﷺ اپنی امت کے خلاف گواہی دیں گے۔ لہذا ان کا یہ جواب دینا کہ ”ہمیں کچھ خبر نہیں“ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اس کے کئی جواب ہیں جن کو مفسرین کرام نے اکابر سلف سے نقل کیا ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ یہ سوال و جواب قیامت کے دن بالکل ابتداء میں ہوگا اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے وہ یوں کہہ دیں گے کہ ہمیں کچھ

علم نہیں۔ صاحب روح البعانی نے ج اص ۵۵ یہ جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے پھر اس پر ایک اشکال کیا اور اس کا جواب بھی نقل کیا ہے بظاہر یہ جواب ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ﴿لَا عِلْمَ لَنَا﴾ سے علم تحقیقی اور واقعی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہمیں جو کچھ علم تھا وہ ظاہر تھا اور وہ درجہ گمان میں تھا ہم اسے حقیقی علم نہیں سمجھتے باطن میں کسی کا کیا عقیدہ تھا اور کیا نیت تھی اس کا ہمیں کچھ علم نہیں حقائق کا آپ ہی کو علم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا خطاب اور نعمتوں کی یاد دہانی، اور ان کے معجزات کا تذکرہ

اس کے بعد سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خطاب فرمانے کا ذکر ہے۔ کہ اللہ جل شانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ تم اور تمہاری والدہ کو جو میں نے نعمتیں دیں انہیں یاد کرو۔ جو نعمتیں قرآن مجید میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) ان کی والدہ پر یہ انعام فرمایا کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں تو غیب سے ان کے پاس پھل آتے تھے (۲) ان کو پاک دامن رکھا (۳) ان کو بغیر باپ کے فرزند عطا فرمایا۔ (۴) اس فرزند نے گہوارہ میں ہوتے ہوئے بات کی۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اول تو یہ نعمت فرمائی کہ انہیں حضرت مریم علیہا السلام کے لطن سے پیدا فرمایا جو اللہ کی برگزیدہ بندی تھیں۔ اور بنی اسرائیل سے آپ کی حفاظت فرمائی۔ پھر آپ کو گود کی حالت میں بولنے کی قوت عطا فرمائی نیز نبوت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کو توریت اور انجیل کا بھی علم عطا فرمایا، بنی اسرائیل آپ کے دشمن تھے اس لئے حضرت روح القدس یعنی جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کی حفاظت فرمائی اور آپ کو کھلے کھلے معجزات عطا فرمائے جن میں ایک یہ تھا کہ آپ مٹی کے گارے سے پرندہ کی شکل کی ایک چیز بنا لیتے تھے پھر آپ اس میں پھونک مار دیتے تو وہ مٹی کی بنائی ہوئی تصویر سچ مچ کا پرندہ ہو کر اڑ جاتی تھی۔

اور ایک معجزہ یہ تھا کہ جو مادر زاد اندھے ہوتے تھے یا جو برص کے مریض ہوتے تھے ان پر داہنا ہاتھ پھیر دیتے تھے تو اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ برص و مرض کا اثر چلا جاتا تھا اور نابینا بینا ہو جاتا تھا۔ اور ایک معجزہ یہ تھا کہ قبروں پر جا کر مردہ کو آواز دیتے تو مردے زندہ ہو کر نکل آتے تھے اور نابینا ہو جاتا تھا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ لوگ جو گھروں میں کھاتے پیتے تھے یا ذخیرہ کر دیتے تھے آپ اس سے بھی باخبر کر دیتے تھے آپ بنی اسرائیل کو ایمان کی دعوت دیتے۔ اور مذکورہ بالا معجزات آپ سے ظاہر ہوتے تھے۔ باوجود ان معجزات کے بنی اسرائیل آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کو تکلیف دینے کے درپے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ بھی بنا لیا۔ اللہ جل شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت فرمائی اور بنی اسرائیل کو تکلیف پہنچانے سے باز رکھا۔ جیسے دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتوں کی عادت تھی کہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات دیکھ کر جادو کہہ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امتی بھی پیش آئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کھلے معجزات کو صریح اور کھلا جادو بتا دیا، بنی اسرائیل نے معجزات کو نہ مانا اور آپ کی تکذیب کی اور چند افراد نے آپ کے دین کو قبول کیا جن کو خواری کہا جاتا تھا۔ (حواریوں کا ذکر اور ان کا ماندہ کا سوال بھی عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ آتا ہے) جنہیں نہ مانا تھا انہوں نے آپ کی تکذیب کی، اور کچھ اتنے آگے بڑھے کہ آپ کو اللہ کا بیٹا بتا دیا اور معبود بنا لیا حالانکہ آپ نے خوب واضح طور پر فرمایا تھا ﴿أَنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ﴾ (کہ بلاشبہ میرا رب اور تمہارا رب اللہ ہے سو اس کی عبادت کرو) جگہ جگہ قرآن مجید میں نصاریٰ کی تردید فرمائی ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر اور لائق فکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ جل شانہ نے ”باذنی“ فرمایا ہے اس سے یہ بتا دیا کہ مٹی سے پرندہ کی شکل بنانا اور پھر پھونک مارنے سے اس کا اصلی پرندہ بن کر اڑ جانا اور نابینا اور برص والے کا اچھا ہو جانا اور قبروں سے مردوں کا نکلنا یہ سب اللہ کے حکم سے ہے۔

کوئی شخص ظاہر کو دیکھ کر مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ نہ بنالے کہ یہ پرندہ کا بنانا، اڑانا، نابینا کا اچھا ہونا، مردہ کا زندہ ہونا بندہ کا حقیقی تصرف ہے۔ خالق اور قادر اور مصور اور شافی اور محی (زندہ کرنے والا) درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس نے اپنے نبیوں کی نبوت کی دلیل کے

طور پر خلاف عادت جو چیزیں ظاہر فرمائیں حقیقت میں ان کے وجود کا انتساب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے اگر وہ نہ چاہتا تو کسی نبی سے کوئی بھی معجزہ ظاہر نہ ہوتا۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ امْنُؤْا بِى وَبِرَسُولِى قَالُوا الْمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴿١١١﴾
 إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ
 السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنتُمْ مَوْمِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَ
 نَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتُنَا وَنَكُونَ عَلَيَّهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا
 أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عَيْدًا إِلَّا وَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ ۗ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ
 خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١٤﴾ قَالَ اللَّهُ إِنِّى مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّى أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّا
 أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١١٥﴾

اور جب میں نے وحی کے ذریعے حواریین کو حکم دیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ بلاشبہ ہم فرماں بردار ہیں۔ اور جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب یہ کر سکتا ہے کہ ہمارے اوپر آسمان سے خوان نازل فرمادے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور ہم اس بات کو جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں۔ عیسیٰ بن مریم نے عرض کیا کہ اے اللہ! جو ہمارا رب ہے ہم پر آسمان سے خوان نازل فرمادے جو ہمارے موجودہ لوگوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے عید ہو جائے اور آپ کی طرف سے ایک نشانی ہو جائے اور آپ ہمیں عطا فرمائے! اور آپ تمام عطا کرنے والوں میں سے سب سے بہتر عطا فرمانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں بے شک تم پر خوان نازل کرنے والا ہوں۔ سو تم میں سے جو شخص اس کے بعد ناشکری کریگا تو بیشک میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ ایسا عذاب جہانوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا۔

حواریوں کا سوال کرنا کہ مائدہ نازل ہو

یہ پانچ آیات ہیں ان میں سے ایک آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ پاک نے بذریعہ وحی عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو یہ حکم دیا کہ اللہ پاک پر ایمان لائیں اور اس کے رسول پر۔ ان لوگوں نے کہ ہم ایمان لائے اور آپ ہمارے فرمانبردار ہونے کے گواہ ہو جائیں۔ لفظ اَوْحَيْتَ سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ وحی تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر آتی تھی پھر حواریوں پر کیسے وحی آئی جو نبی نہ تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ وحی کا اصل معنی ہے دل میں ڈال دینا جیسا کہ شہد کی مکھی کے لئے بھی لفظ اَوْحَى وارد ہوا ہے۔ اَوْحَيْتَ کا معنی اگر یہ لیا جائے تو بنی اسرائیل کے دلوں میں اللہ نے یہ بات ڈالی کہ ایمان قبول کریں ایمان پر جسے رہیں تو درست ہے اس بات میں کوئی استبعاد نہیں۔ اور اَوْحَيْتَ کے اگر یہ معنی لئے جائیں کہ اللہ نے اپنے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ پیغام بھیجا تو یہ بھی صحیح ہے۔

اس کے بعد چار آیات میں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حواریوں کا ”مائدہ“ یعنی خوان اترنے کا سوال کرنا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان کو جواب دینا اور پھر اللہ جل شانہ سے مائدہ کا (ہے) وہ معجزے ایک سمجھدار آدمی کے لئے کافی

ہو جائے جس میں پکا پکایا کھانا ہو، طرز سوال بھی مناسب نہ تھا۔ انہوں نے یوں نہیں کہا کہ آپ اللہ سے عرض کریں کہ مائدہ نازل فرمادے بلکہ یوں کہا کہ کیا تمہارا رب یوں کر سکتا ہے کہ آسمان سے خوان نازل فرمادے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کا سوال اور طرز سوال ناگوار ہوا اور فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ ﴿هَلْ يَسْتَعْطِبُ رَبُّكَ﴾ کہنے سے ان کا مقصد اللہ کی قدرت میں شک کرنا نہیں تھا بلکہ مطلب یہ تھا کہ آپ اگر سوال کریں تو آپ کا یہ سوال پورا فرمادے گا یا نہیں لیکن ان کے الفاظ نامناسب تھے اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مواخذہ میں شدت نہیں فرمائی۔ بلکہ ﴿اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنتُمْ مَوْمِنِينَ﴾ فرما کر ناگواری کی طرف اشارہ فرمادیا اور اس میں یہ بھی بتا دیا کہ اپنی طرف سے معجزات کی فرمائش کرنا مومنین کا کام نہیں۔ بعض سابقہ امتوں نے ایسی فرمائشیں کیں پھر ان کی فرمائشوں کے مطابق معجزہ ظاہر ہوا تب بھی ایمان نہ لائے۔ قوم ثمود نے سوال کیا کہ پہاڑ سے اونٹنی نکل آئے اونٹنی پہاڑ سے نمودار ہو گئی تب بھی اسلام قبول نہ کیا۔ بالآخر عذاب میں گرفتار ہوئے اور برباد ہوئے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو تو وہ کہنے لگے کہ ہمارا تو یہ مقصد ہے کہ اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور عین الیقین کے طریقہ پر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے جو کچھ ہم سے فرمایا وہ سب سچ ہے اور یہ اطمینان قلبی حاصل ہونے کا ارادہ ایسا ہی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ﴿رَبِّ اَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى﴾ کی دعا کر کے ﴿لِيُطْمِئِنَّ قَلْبِي﴾ کہا تھا۔

حواریین نے یہ بھی کہا کہ اس مائدہ کے نازل ہونے کا یہ بھی فائدہ ہوگا کہ جن لوگوں نے اس کو نہیں دیکھا ہوگا ہم ان کے لئے گواہی دینے والوں میں سے بن جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول مائدہ کے لئے سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملنا

الحاصل حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ پاک کے حضور میں آسمان سے مائدہ اتارے جانے کی درخواست پیش کر دی اور عرض کیا کہ اے اللہ! آسمان سے مائدہ نازل فرمادے جو ہمارے اس زمانہ کے لوگوں کے لئے عید ہو اور ہمارے بعد والے لوگوں کے لئے بھی۔ اللہ جل شانہ ارشاد فرمایا کہ میں تم پر دسترخوان اتارنے والا ہوں اس کے اتر جانے کے بعد تم میں سے جو شخص ناشکری کرے گا اس کو وہ عذاب دوں گا جو جہانوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا۔

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ مائدہ نازل نہیں ہوا۔ لیکن قرآن مجید کا سیاق یہی بتاتا ہے کہ مائدہ نازل ہوا اور بعض احادیث میں بھی مائدہ نازل ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۳۳۸ میں بحوالہ ترمذی وغیرہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان سے مائدہ نازل کیا گیا تھا اس میں روٹی اور گوشت تھا ان کو حکم تھا کہ خیانت نہ کریں اور کل کے لئے نہ رکھیں لیکن ان لوگوں نے خیانت بھی کی اور ذخیرہ بھی بنا کر رکھا۔ لہذا وہ بندروں اور سوروں کی صورتوں میں مسخ کر دیئے گئے۔ (حدیث مرفوعہ لکن قال الترمذی الوقف اصح) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری بہت بری چیز ہے اس کا بڑا وبال ہے ناشکری کرنے سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں جن کا ذکر جگہ جگہ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

سورہ ابراہیم میں فرمایا ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ (اور جب تیرے رب نے اعلان فرمادیا کہ یہ بات ضروری ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو اور زیادہ دوں گا۔ اور اگر ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے) قوم سبا کی بربادی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ﴿ذَلِكَ جَزَاءُ بَآئِنِهِمْ بِمَا كَفَرُوا وَ هَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ﴾ کہ ہم نے ان کو بدلہ دیا اس وجہ سے کہ انہوں نے ناشکری کی اور ہم ناشکری کرنے والوں ہی کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔

سورہ نحل میں ایک بستی کا ذکر فرمایا جسے خوب زیادہ نعمتیں مل رہی تھیں ﴿فَكَفَرَتْ بِأَنْعَمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا

كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۰﴾

گوشت کے خراب ہونے کی ابتداء بنی اسرائیل سے ہوئی

جن لوگوں نے نزول ماندہ کی فرمائش کی تھی ان لوگوں نے بھی نافرمانی کی یعنی باوجود ممانعت کے کل کے لئے اٹھا کر رکھ دیا۔ اور نافرمانی بہت بڑی ناشکری ہے۔ ان لوگوں سے پہلے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ عليه السلام کے زمانہ میں بھی ایسی حرکت کر چکے تھے ان سے فرمایا تھا کہ من و سلویٰ جو نازل ہوتا ہے اس کو بعد کے لئے اٹھانہ رکھنا لیکن انہوں نے اس پر عمل نہ کیا لہذا وہ گوشت سڑ گیا اور ہلاک ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے گوشت کے سڑنے کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لولا بنو اسرائیل لم یخبث الطعام ولم یخنز اللحم ولولا حواء لم تخن انثی زوجها الدهر (راوہ مسلم ج ۱ ص ۲۷۵)

یعنی اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو کھانا خراب نہ ہوتا اور گوشت نہ سڑتا۔ اور اگر حواء نہ ہوتی تو کوئی عورت کبھی بھی اپنے شوہر کی خیانت نہ کرتی۔

بنی اسرائیل سے گوشت سڑنے کی ابتداء ہوئی اور حضرت حواء سے شوہر کی خیانت کی ابتداء ہوئی۔ شرح حدیث نے لکھا ہے کہ ان کی خیانت یہ تھی کہ انہوں نے اپنے شوہر حضرت آدم عليه السلام کو اس درخت کے کھانے پر آمادہ کیا جس کے کھانے سے منع فرمایا گیا تھا۔

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمَّيَ الْهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۗ
قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ ۗ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۗ تَعَلَّمَ
مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۗ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿۱۱﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي
بِهِ أَنْ أَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۗ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مِمَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۗ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ
أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۗ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۲﴾ إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عَبَادُكَ ۗ وَإِنْ
تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۳﴾ قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ ۗ لَهُمْ
جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۗ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۗ ذَٰلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۴﴾ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۗ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۵﴾

اور جب اللہ کا فرمانا ہوگا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنا لو؟ وہ عرض کریں گے میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں۔ میرے لئے یہ بات زیبا نہیں ہے کہ ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے کہا ہوتا تو وہ آپ کو معلوم ہوتا۔ آپ جانتے ہیں جو میرے جی میں ہے اور میں وہ نہیں جانتا جو آپ کے علم میں ہے۔ بے شک آپ غیبوں کے جاننے والے ہیں۔ میں نے ان سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا جو آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ اور میں ان کے بارے میں باخبر تھا جب تک میں ان میں موجود تھا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھا لیا تو آپ ہی ان کے نگران تھے اور آپ ہر چیز پر مطلع ہیں۔ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو بے شک وہ آپ کے بندے ہیں۔ اور اگر آپ ان کی مغفرت

فرمادیں تو بلاشبہ آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہوگا یہ وہ دن ہے جس میں بچوں کو ان کی سچائی نفع دیگی ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور اللہ کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا، اور جو ان کے درمیان ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ جل شانہ کا دوسرا خطاب

قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو اللہ جل شانہ کا سوال ہوگا ان میں سے ایک یہ بھی سوال ہے کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنا لو۔ یہ سوال قیامت کے دن اس وقت ہوگا جبکہ میدان قیامت میں اولین و آخرین سب جمع ہوں گے۔ نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے مدعی ہیں ان کے سامنے سوال ہوگا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے اپنے کو اور اپنی والدہ کو معبود بنانے کی دعوت تھی اور تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنا لو۔ وہ بر ملا سب کے سامنے جواب دیں گے کہ میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں۔ آپ ہر طرح کے شریک سے منزہ ہیں میرے لئے یہ شایان شان نہیں کہ میں شرک کی دعوت دوں، اگر میں نے کہا ہوتا تو آپ کو ضرور معلوم ہوتا چونکہ آپ کے علم میں نہیں لہذا میں نے کہا بھی نہیں۔ میرے نفس میں جو کچھ ہے وہ آپ جانتے ہیں۔ اور میں آپ کی تمام معلومات کو نہیں جانتا۔ آپ غیبوں کو جاننے والے ہیں۔ میں نے وہی بات کہی جس کا آپ نے مجھ کو حکم فرمایا۔ اور وہ یہ کہ اللہ کی عبادت کرو میرا اور تمہارا رب وہی ہے۔ میں نے ان کو شرک کی دعوت نہیں دی تو حید ہی کی دعوت دیتا رہا۔ میں جب تک ان میں موجود تھا ان کے حالات سے باخبر تھا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ ہی ان کے نگران تھے اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ میرے بعد انہوں نے کیا کیا۔ اور شرک کی گمراہی میں کیسے پڑے۔ اور عقیدہ تثلیث (تین خداؤں کا ماننا) ان میں کیسے آیا اس کا آپ ہی کو علم ہے۔

واضح رہے کہ یہ سوال و جواب ان لوگوں کے سامنے ہوگا جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ہیں اس سوال و جواب سے واضح طور پر ان پر حجت قائم ہو جائے گی کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر نہیں ہیں۔ وہ ان لوگوں کے سامنے عقیدہ تثلیث باطل ہونا ظاہر فرمادیں گے اور اتمام حجت کے بعد ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ معلوم ہے۔ لیکن نصاریٰ کی ملامت اور سرزنش کے لئے اور اتمام حجت کے واسطے مذکورہ بالا سوال و جواب ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں یہ بھی عرض کریں گے کہ ﴿إِنْ تَعَذَّبْتَهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ (اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں) ﴿وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (اور آپ ان کی مغفرت فرمادیں تو آپ عزیز و حکیم ہیں) مطلب یہ ہے کہ آپ کا ہر فیصلہ عدل و حکمت پر مبنی ہے یہ آپ کے بندے ہیں۔ اگر آپ ان کو عذاب دیں تو آپ کو اس کا بھی اختیار ہے اور اگر آپ ان کی مغفرت فرمائیں تو یہ بھی حکمت کے موافق ہوگا۔ آپ عزیز ہیں غالب ہیں جسے عذاب دینا چاہیں وہ کہیں بچ کر نہیں جاسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ عرض کرنا اللہ کی قدرت اور عزت و حکمت اور شان غفاریت بیان کرنے کے لئے ہوگا۔

اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ مشرکین کی مغفرت بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ سورہ نساء کی آیت ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ میں بالتحقیق صاف اور واضح طور پر بیان فرمادیا کہ مشرکین کی مغفرت نہیں ہوگی۔

گمراہوں کی تردید

بعض گمراہ لوگ ایسے نکلے ہیں جو لفظ ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي﴾ سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔ اور یہ لوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء یعنی آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے منکر ہیں۔ یہ لوگ آیت قرآنیہ ﴿بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ کے اور شیعوں حدیثوں کے منکر ہیں۔ جن میں سیدنا عیسیٰ کا قیامت سے پہلے آسمانوں سے اترنا اور اس دنیا میں رہنا طبعی وفات پانا مذکور ہے اول تو اللہ تعالیٰ نے اسے موت ہی کے لئے استعمال ہو۔ قرآن مجید میں نیند کے لئے استعمال ہوا ہے۔

سورہ انعام میں ہے ﴿وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَدَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾ اور سورہ زمر میں ہے ﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا﴾

ان دونوں آیتوں میں تو فی کو منام یعنی نیند کے لئے استعمال فرمایا۔ درحقیقت تو فی کا معنی ہے کسی چیز کو پورا پورا لے لینا۔ یہ مفہوم زندہ اٹھا لینے اور سلا دینے اور موت دیدینے تینوں کو شامل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ گفتگو قیامت کے میدان میں ہو رہی ہے، اور اس وقت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے تشریف لا کر زمین میں رہ کر طبعی موت پا کر دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں گے۔ لہذا تَوَفَّيْتَنِي کو موت کے معنی میں لیا جائے تب بھی ان ملحدوں کا استدلال صحیح نہیں۔ جو اپنے تراشیدہ عقیدہ کے مطابق قرآن مجید کے مفاہیم تجویز کرتے ہیں۔ پھر فرمایا،

قیامت کے دن سچائی نفع دہنگی

﴿قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچے لوگوں کو ان کی سچائی نفع دے گی جو حضرات صادق فی الایمان صادق فی الاعمال، صادق فی الاخبار تھے جن میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان میں سے ہر ایک کی امت اجابت ہوگی۔ ان کا سچ ان کو نفع دے گا۔ جس کی وجہ سے وہاں کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے۔ ﴿لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا﴾ (ان کے لئے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے) ﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوئے) ﴿ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (یہ بڑی کامیابی ہے) خالق مالک بھی راضی اور ہمیشہ ہمیشہ باغوں میں رہنا اور ان نعمتوں کی وجہ سے دل سے خوش اور مست اور مگن ہوں گے۔

واقعی اس سے بڑی کیا کامیابی ہوگی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائیں گے کہ اے جنت والو! وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور تمیل ارشاد کے لئے موجود ہیں اور خیر تمام تر آپ ہی کے قبضہ میں ہے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم کیوں کر راضی نہ ہوں۔ حالانکہ آپ نے ہمیں وہ عطا فرمایا ہے جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کیا میں تمہیں اس سب سے افضل چیز عطا نہ کروں؟ وہ عرض کریں گے اے رب! اس سے افضل کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں۔ سو اس کے بعد کبھی بھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ (رواہ البخاری ص ۱۲۱ ج ۲)

فائدہ: آیت بالا میں صدق یعنی سچائی کی تعریف فرمائی۔ درحقیقت سچائی بہت بڑی نعمت ہے اور اسی پر نجات اور نفع درجات کا مدار ہے۔ ایمان میں سچائی نہ ہو تو منافقت ہوتی ہے۔ اعمال میں سچائی نہ ہو تو ریا کاری آجاتی ہے اور اقوال میں سچائی نہ ہو تو جھوٹ صادر ہوتا رہتا ہے۔ مومن کو ہر حال اور ہر حال میں سچائی اختیار کرنا لازمی ہے۔ اللہ سے جو وعدے ہیں وہ بھی پورے کئے جائیں۔ ایسے حضرات کی مدح کرتے ہوئے فرمایا ﴿رَجُلًا صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ﴾ (سورہ احزاب آیت نمبر ۲۳) کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو عہد انہوں نے اللہ سے کیا (مخلوق سے جو وعدہ ہو اس کو بھی پورا کیا جائے، ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تم میرے لئے اپنی طرف سے چھ چیزوں کے ضامن ہو جاؤ۔ میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہو جاؤں۔

(۱) سچ بولو جب بات کرو (۲) پورا کرو جب وعدہ کرو (۳) ادا دہنگی کرو جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے۔ (۴) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو (۵) اپنی نظروں کو پست رکھو (۶) اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم و زیادتی کرنے سے) روکے رکھو (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۱۱۴۱ از احمد و بیہقی فی شعب الایمان)

تاجروں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشهداء (سچائی اختیار کرنے والا امانتدار، تاجر، نبیوں اور صدیقیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا) (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۲۴۳ از ترمذی و دارمی و دارقطنی)

آخر میں فرمایا ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا فِيْهِنَّ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے اندر ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے) اس آیت میں پوری سورۃ کے مضامین کی طرف اجمالی اشارہ فرمایا ہے چونکہ ساری مخلوق اللہ ہی کی ہے اور سارا ملک اسی کا ہے اس لئے اس کو اختیار ہے جس کو چاہے جو حکم دے۔ جس کو چیز کو چاہے حلال قرار دے جس چیز کو چاہے حرام قرار دے اور مجرموں کیلئے دنیا و آخرت میں جو سزا چاہے تجویز فرمائے جس کو چاہے بخش دے جس کو چاہے سزا دے اس کو کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں ﴿وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

تم تفسیر سورۃ المائدہ الحمد لله اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً۔